# حدیث کتاب اللہ نہیں ہے

## اور نہ ہی وحی ہے

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ ۝

اس میں کوئی شک نہیں کہ (یہ) وہ (مخصوص کتب) ہے جو متقی بنانے کیلئے ہدایت ہے۔

کیپٹن (ر) محمد صدیق احمد

کراچی 2019ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

چودھویں صدی ہجری کا نیا فرقۂ اہلحدیث بنام ''جماعت المسلمین (رجسٹرڈ ۱۹۸۵ / ۲۶۶)
کا عقیدہ ہے کہ ''حدیث بھی کتاب اللہ ہے''۔ **یہ عقیدہ غیر قرآنی ہے۔**
یہ کتاب اس عقیدہ کے خلاف قرآنی اور عقلی ثبوت پیش کرتی ہے

# احادیث کتاب اللہ نہیں ہیں

## اور نہ ہی وحی ہیں

## بلکہ صرف قرآن مُبین ہی کِتابَ اللہ ہے

### اور کتابی وحی ہے جو رسول سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی۔

ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَۙ‏ ﴿۲/۲﴾

اس میں کوئی شک نہیں کہ صرف (یہ) وہ (مخصوص کتٰب) ہے جو متقی بنانے کیلئے ھدایت ہے۔

نام کتاب: حدیث کتاب اللہ نہیں ہے
کاوش: کیپٹن (ریٹائرڈ) محمد صدیق احمد
اشاعت: ۲۰۱۹ء / ۱۴۴۰ھ
بار: بار اوّل



رابطہ برائے کتاب:
(+92) 0316-2019970

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قُلۡ لَّئِنِ اجۡتَمَعَتِ الۡاِنۡسُ وَ الۡجِنُّ عَلٰۤی اَنۡ یَّاۡتُوۡا بِمِثۡلِ ہٰذَا الۡقُرۡاٰنِ لَا یَاۡتُوۡنَ بِمِثۡلِہٖ وَ لَوۡ کَانَ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ ظَہِیۡرًا ﴿۸۸﴾ (القرآن ۱۷/۸۸)

(اے رسول) آپ اعلان فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان و جنات اس قرآن جیسی کوئی کتب (مِثۡلُہٗ وَ مَعَہٗ) لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ اس جیسی کتب نہ لا سکیں گے، اگرچہ وہ (اس کام میں) ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہو جائیں

# احادیث کتاب اللہ نہیں ہیں

## اور نہ ہی وحی ہیں اور نہ ہی مِثۡلُہٗ وَ مَعَہٗ ہیں

(۲۳/ ۲ ، ۳۸/ ۱۰ ، ۱۳/ ۱۱ ، ۸۸/ ۱۷ ، ۳۴/ ۵۲ وغیرہم)

# بلکہ صرف قرآن مُبین ہی کِتابَ اللہ ہے

## اور کتابی وحی ہے جو رسول پر نازل کی گئی ((نام نہاد) احادیث نازل نہیں کی گئیں)

(۸۹/ ۲ ، ۹۷/ ۲ ، ۳/ ۳ ، ۲۳/ ۳ ، ۲۴/ ۴ ، ۱۳۶/ ۴ ، ۴۸/ ۵ ، ۱۹/ ۶ ، ۹۲/ ۶ ، ۲/ ۷ ، ۳۶/ ۹ ، ۱/ ۱۰ ، ۱/ ۱۴ ، ۱/ ۱۵ ، ۱۰/ ۲۷ ،
۲/ ۲۸ ، ۲۹/ ۳۵ ، ۲۹/ ۳۸ ، ۱/ ۳۹ ، ۲/ ۳۹ ، ۴۱/ ۳۹ ، ۲/ ۴۰ ، ۱۵/ ۴۲ ، ۱۷/ ۴۲ ، ۳/ ۴۴ ، ۲/ ۴۵ ، ۱۲/ ۴۶ وغیرہم)

★۔ اور اسی کو ذٰلِكَ الۡکِتٰبُ کہا گیا (۲/ ۲) اور اسی کو تقویٰ کے خواہاں لوگوں کیلئے ہدایت (ھُدًی) کہا گیا

(۲/ ۲ ، ۱۷۹/ ۲ ، ۱۹۴/ ۲ ، ۷۶/ ۳ ، ۱۳۸/ ۳ ، ۳۴/ ۲۴ ، ۶۳ ـ ۴۷/ ۲۵ ، ۸۳/ ۲۸ ، ۳۵/ ۴۳ ، ۴۸/ ۶۹ وغیرہم)

★۔ اور صرف اسی پر ایمان لانا ہے (نام نہاد احادیث پر نہیں)

(۱۳۶/ ۲ ، ۱۷۷/ ۲ ، ۲۸۵/ ۲ ، ۱۶۲/ ۴ ، ۵۳/ ۲۸ ، ۴۶/ ۲۹ وغیرہم)

★۔ اور صرف یہی وحی یعنی القرآن ہم پر فرض کیا گیا ہے (نام نہاد) احادیث نہیں اس لئے صرف اسی القرآن پر عمل، سنت رسول کہا جا سکتا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں (۸۵/ ۲۸ ، ۱۸۰/ ۲ ، ۶۰/ ۹ ، ۲/ ۶۶ ، ۱/ ۲۴ ، ۵۰/ ۳۳ ، وغیرہم)

★۔ اور صرف اسی الکتٰب میں کسی طرح کا شک، کجی اور ٹیڑھ نہیں

(۲۳/ ۲ ، ۹۴/ ۱۰ ، ۱۰۴/ ۱۰ ، ۱/ ۱۸ ، ۲۸/ ۳۹ ، ۴۵/ ۴۱ وغیرہم)

★۔ اور صرف اسی الکتٰب کی اتباع / پیروی کا حکم ہے (غیر اللہ کی / عجمیوں کی کسی کتاب کا نہیں

(۳۸/ ۲ ، ۱۰۶/ ۶ ، ۳/ ۷ ، ۱۵۸/ ۷ ، ۱۵/ ۱۰ ، ۱۰۹/ ۱۰ ، ۲۰۳/ ۷ وغیرہم)

★۔اور صرف یہی الکتٰب **حدیث یا احسن الحدیث** ہے جس پر ایمان لانا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں

(۷/۱۸۵ ، ۱۸/۶ ، ۳۹/۲۳ ، ۴۵/۶ ، ۵۲/۳۴ ، ۵۶/۸۱ ، ۷۷/۵ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی کی تمام آیات واضح ہیں۔ کسی شرح کی ضرورت نہیں۔

(۳/۱۰۳ ، ۳/۱۱۸ ، ۲۴/۱ ، ۲۴/۱۸ ، ۲۴/۴۶ ، ۵۷/۱۷ ، ۵۸/۵ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی میں آیات یعنی القرآن کی شرح و تفسیر بتائی ہے (۲۵/۳۳ ، ۳۹/۳)

★۔اور صرف یہی دین میں حجت ہے (۶/۱۴۹)

★۔اور صرف یہی القرآن الحکیم یعنی حکمت ہے اور حکمتِ بالغہ ہے

(۲/۲۳۱ ، ۳/۵۸ ، ۱۰/۱ ، ۱۱/۱ ، ۳۱/۲ ، ۳۶/۲ ، ۴۳/۴ ، ۵۴/۵ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی کیلئے اللہ عزیز حکیم نے فرمایا کہ **حکم صرف اللہ کا ہے** (ساتھ میں اس کے کسی بندہ کا نہیں)

(۶/۵۷ ، ۶/۶۲ ، ۷/۵۴ ، ۱۲/۴۰ ، ۱۲/۶۷ ، ۱۸/۲۶ ، ۲۸/۷۰ ، ۲۸/۸۸ ، ۴۰/۱۲ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب سے فیصلے کرنے کا حکم ہے۔

(۲/۲۱۳ ، ۳/۲۳ ، ۴/۵۹ ، ۴/۱۰۵ ، ۴۴، ۴۵، ۵/۴۷ ، ۵/۴۸، ۱۶/۶۴ ، ۴۲/۱۰ ، ۴۹/۹ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب میں حلال و حرام بتائے گئے ہیں، کسی عجمی کی کتاب میں نہیں۔

(۲/۱۶۸ ، ۲/۱۷۳ ، ۲/۲۷۵ ، ۴/۱۹ ، ۵/۱ ، ۵/۳ـ۵ ، ۵/۸۸ ، ۶/۱۵۰ـ۱۵۲ ، ۶/۱۴۵ ، ۶/۱۱۹ـ۱۲۱ ، ۷/۳۲ـ۳۳ ،
۲۲/۳۰ ، ۲۴/۳ ، ۱۶/۱۱۵ ، ۲۰/۸۱ ، ۶۶/۱ وغیر ہم)

★۔جبکہ حرام و حلال قرار دینے کا حق صرف اللہ کو حاصل ہے (کسی بندہ کو نہیں)

(۵/۸۷ ، ۵/۳ـ۵ ، ۷/۳۲ ، ۱۰/۵۹ ، ۱۶/۱۱۶ ، ۲۲/۳۰ ، ۶۶/۱ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو شاھدًا ، مبشرًا ، نذیرًا ، سراجًا منیرًا اور داعیاً الی اللہ بنا کر اسلام کی روشنی کو تمام جہاں میں پھیلا دیا (احادیث نے نہیں) (۳۳/۴۵ـ۴۶)

★۔اور اسی الکتٰب کو 'نور' کہا گیا۔ (کسی انسان کو نہیں) (۴/۱۷۵ ، ۵/۱۵ ، ۵/۴۴ ، ۵/۴۶ ، ۴۲/۵۲ ، ۶۴/۸ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کے ذریعہ نصیحت کرنے کا حکم (وَ ذَکِّرۡ بِہٖ) دیا گیا۔

(۶/۷۰ ، ۵۰/۴۵ ، ۵۱/۵۵ ، ۵۲/۲۹ ، ۸۷/۹ ، ۸۸/۲۱ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی میں مسلم بننے کے لئے ہدایت، رحمت و بشارت ہے (۱۶/۸۹ ، ۱۶/۱۰۲ ، ۲۷/۱ـ۳ وغیر ہم)

★۔اور اسی الکتٰب میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کر دیں (۱۸/۵۴ ، ۳۹/۲۷ وغیر ہم)

★۔اور اسی الکتٰب کو بَیِّنَہ اور کتٰب مبین یعنی ہر بات واضح بیان کرنے والی کتاب کہا گیا۔

(۲/۱۱۸ ، ۳/۱۱۸ ، ۵/۱۵ ، ۶/۵۹ ، ۶/۱۵۷ ، ۱۰/۶۱ ، ۱۵/۱ ، ۲۷/۱ ، ۲۸/۲ ، ۳۶/۶۹ وغیر ہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کو کِتٰبٌ عَزِیۡزٌ یعنی غالب کتاب کہا گیا اسی لئے کسی غیر اللہ کی کتاب کی ضرورت نہیں رہی (۴۱/۴۱)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کو الفرقان اور المیزان کہا گیا۔ (۲۵/۱ ، ۲/۵۳ ، ۲/۱۸۵ ، ۳/۴ ، ۲۱/۴۸ ، ۴۲/۱۷ ، ۵۷/۲۵)

★۔اور اب صرف اسی الکتٰب کو 'امام' بنایا گیا(کسی عجمی بندہ کی تحریر کردہ کتاب کو نہیں)(۱۷/ ۱۱ ، ۱۲/ ۴۶ وغیرہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کی تلاوت کا حکم ہے(کسی عجمی بندہ کی کتاب کا نہیں) (۱۲۹/ ۲ ، ۱۵۱/ ۲ ، ۱۰۱/ ۳ ، ۱۶۴/ ۳ ، ۲۷/ ۵ ، ۱۷۵/ ۷ ، ۷۱/ ۱۰ ، ۲۷/ ۱۸ ، ۵۹/ ۲۸ ، ۴۵/ ۲۹ ، ۲۹/ ۳۵، ۲/ ۶۲ ، ۱۱/ ۶۵ ، ۲/ ۹۸ وغیرہم)

★۔اور رسول سلامٌ علیہ صرف اسی الکتٰب کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے(عجمیوں کی حدیثیں نہیں) (۱۵۱/ ۲ ، ۱۶۴/ ۳ ، ۲/ ۶۲ وغیرہم)

★۔اور رسول سلامٌ علیہ صرف اسی الکتٰب کی آیات سنا سنا کر نو مسلمین کا تزکیہ کرتے تھے(نام نہاد احادیث سے نہیں) (۱۵۱/ ۲ ، ۱۶۴/ ۳ ، ۲/ ۶۲)

★۔اور رسول سلامٌ علیہ صرف اسی الکتٰب کی آیات سنا سنا کر حکمت کی تعلیم دیتے تھے(نام نہاد احادیث سنا کر نہیں) (۱۵۱/ ۲ ، ۱۶۴/ ، ۲/ ۶۲)

★۔اور رسول سلامٌ علیہ صرف اسی الکتٰب سے وعظ و نصیحت کرتے تھے(نام نہاد احادیث سے نہیں)(۷۰/ ۶ ، ۲/ ۷ ، ۴۵/ ۵۰ وغیرہم)

★۔اور اسی الکتٰب سے دعوت دینے کو سبیل رسولی(سبیلی)اور اسی کو سبیل المومنین کہا گیا(۱۱۵/ ۴ ، ۱۰۸/ ۱۲ ، ۱۵/ ۳۱)

★۔اور اسی الکتٰب کو قول فیصل قرار دیا گیا ہے(کسی عجمی کی تحریر کردہ کتاب کو نہیں)(۱۳/ ۸۶)

★۔اور اسی الکتٰب میں آیات کو علیحدہ علیحدہ اور ایک ایک چیز کو تفصیل سے بیان کر دیا ہے۔(۹۷/ ۶ ، ۱۱۴/ ۶ ، ۱۱۹/ ۶ ، ۱۲/ ۱۷ ، ۳۷/ ۱۰ ، ۲۸/ ۳۰ وغیرہم)

★۔اور اسی الکتٰب کو بصیرت کی باتوں کا مجموعہ کہا گیا یعنی حکمت(نام نہاد احادیث نہیں) (۱۰۴/ ۶ ، ۲۰۳/ ۷ ، ۳۹/ ۱۷ ، ۴۳/ ۲۸ ، ۱۲/ ۳۱ ، ۲۰/ ۴۵ ، ۵/ ۵۴ ، ۲/ ۶۲ وغیرہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا گیا(نام نہاد احادیث کو پکڑنے کا نہیں) (۱۰۳/ ۳ ، ۱۷۰/ ۷ ، ۴۳/ ۴۳ وغیرہم)

★۔اور رسول سلامٌ علیہ صرف اسی الکتٰب کا درس دیتے تھے(نام نہاد احادیث کا نہیں)(۷۹/ ۳ ، ۱۰۵/ ۶ ، ۱۶۹/ ۷ وغیرہم)

★۔اور صرف اسی الکتٰب کو سمجھ کر پڑھنے کا حکم ہے جیسا اس کو پڑھنے کا حق ہے۔(۱۲۱/ ۲ ، ۱۰۷/ ۱۷ ، ۲۷/ ۱۸ ، ۵۸/ ۱۹ ، ۹۲/ ۲۷ ، ۴۵/ ۲۹ ، ۳۴/ ۳۳ وغیرہم)

★۔پس کیا پھر یہ الکتٰب جو پڑھ کر سنائی جاتی ہے اور پڑھی جاتی ہے(جو خود مکتفی ہے)تمہارے لئے کافی نہیں؟(۸۱/ ۲۹)

★۔یقیناً یہی کافی ہے کسی عجمی کی کتاب کی ضرورت نہیں۔

★۔اور یہی صحابہؓ و رسول سلامٌ علیہ کا عقیدہ و فرمان ہے۔

حَسْبُنَا كِتٰبَ الله

# اقوالِ زریں

★ الغرض پیروی صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرنی چاہیۓ۔ انسانوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کو پہنچ جاۓ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج رہتا ہے۔ اُس کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کر کے ہی وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے لہٰذا ہر شخص کو بجاۓ اُس شخص کے احکام کے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنی چاہیۓ۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایت کی پیروی کرنے والے ہی نجات پاتے ہیں

(مسعود احمد صاحب۔ تفسیر آیت ۳۵، سورہ یونس۔ تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۵ ص ۹۸ ۔)

★ سبیلِ رسول:

میر اراستہ (سبیل) تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میری پیروی کرنے والے سمجھ بوجھ (کے ساتھ اس) پر (قائم) ہیں۔۔۔ (سورہ یوسف۔ ۱۰۸، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۵، ص ۸۷۴)

★ اے لوگو! قرآن مجید کے نزول کے بعد اپنے اختلاف کو دُور کر دیجیۓ۔ جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجیۓ۔ اب ہدایت ملے گی تو قرآن مجید سے ملے گی

(مسعود احمد صاحب۔ عمل در تفسیر سورہ النحل: ۶۴، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۵، ص ۹۱۲)

★ اللہ تعالیٰ کے علاوہ شریعت سازی یا حلال و حرام کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

(مسعود احمد صاحب۔ تفسیر سورہ الشوریٰ: ۲۱، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۸، ص ۸۵۷)

★ نظامِ کائنات ہو یا انسانوں کے عمل غرض یہ کہ ہر کام اللہ تعالیٰ کی مشیّت کے مطابق ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر کام کا انجام بھی اسی کی مشیّت کے مطابق ہوتا ہے۔

(مسعود احمد صاحب۔ تفسیر سورہ الشوریٰ: ۵۳، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۸، ص ۸۱۰)

★ امام و رحمت:

اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (یعنی توریت بھی) رہنما اور رحمت (بن کر آئی) تھی اور (اب) یہ کتاب (رہنما اور رحمت بن کر آئی ہے)

(مسعود احمد صاحب۔ تفسیر سورہ احقاف: ۱۲، تفسیر قرآن عزیز، جزء۸، ص ۹۸۹)

★ اے لوگو، قرآن مجید حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا قرآن مجید ہی کے ذریعہ سے آپ حق اور باطل میں تمیز کرنے کا عہد کیجیۓ۔

(مسعود احمد صاحب۔ عمل در تفسیر سورہ الانعام: ۵۵، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، س ۸۸)

★ اللہ کے تمام کام قوانین فطرت کے مطابق ہوتے ہیں۔ کسی پر زبردستی نہیں ہوتی۔

(مسعود احمد صاحب، ترجمہ سورہ الانعام: ۱۱۲، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، ص ۱۹۰)

★ جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے وہی ہدایت یاب ہوتا ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ ہدایت کے مطابق ہدایت کا طلبگار نہ ہو) تو ایسے ہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں (اللہ تعالیٰ تو انہیں ہی ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے لئے خلوص کے ساتھ کوشش کرتے ہیں)۔

(مسعود احمد صاحب، ترجمہ سورہ الاعراف:۱۷۸، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، ص۶۱۳)

★ قرآن کے ذریعہ انہیں نصیحت کرتے رہئے

(مسعود احمد صاحب، ترجمہ سورہ الانعام:۷۰، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، ص۱۱۸)

★ اور یہ کہ میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو وہ پہنچے ڈراؤں۔

(مسعود احمد صاحب، ترجمہ سورہ الانعام:۱۹، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، ص۲۶)

★ اور (اے رسول) آپ اس (قرآن) کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرایئے جو (قیامت کے دن) اپنے رب کے سامنے جمع کئے جانے سے ڈرتے ہیں........

(مسعود احمد صاحب، ترجمہ سورہ الانعام:۵۱، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، ص۷۸)

★ اے لوگو، اگر آپ نے کبھی پہلے کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے تو اپنی بات پر اَڑنہ جایئے بلکہ جب بھی حق بات سمجھ میں آجائے اسے تسلیم کر لیجئے۔ حق تسلیم کرنے کو اپنی خِفّت کا باعث نہ سمجھئے بلکہ عزت کا سبب سمجھئے۔

(مسعود احمد صاحب، عمل در تفسیر سورہ الاعراف:۱۰۲، تفسیر قرآن عزیز، جزء۴، ص۵۰۱)

★ انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے، اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

(مسعود احمد صاحب، تفسیر سورہ البقرۃ:۱۷۷، تفسیر قرآن عزیز، جزء۱، ص۵۸۴)

★ نصیحت تو وہی لوگ حاصل کرتے ہیں جنہیں عقل و شعور ہوتا ہے۔

(مسعود احمد صاحب۔ ترجمہ سورہ الرعد:۱۹، تفسیر قرآن عزیز، جزء۵، ص۵۴۹،
و ترجمہ سورہ البقرہ:۲۶۹، جزء۱، ص۹۹۴)

★ اللہ اس کتاب مبین کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتادیتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہیں، پھر ان کو اپنے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے۔

(مسعود احمد صاحب ترجمہ سورہ المائدہ:۱۶، در تفسیر سورہ البقرہ:۲۱۳، تفسیر قرآن عزیز، جزء۱، ص۷۵۴)

★ اللہ تعالیٰ لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنے کے لئے اپنی آیات کو واضح طریقہ پر بیان کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ کے احکام میں نہ کوئی الجھن ہوتی ہے اور نہ اس کے احکام میں کوئی پیچیدگی ہوتی ہے، بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں اور آسانی سے ان پر عمل ہو سکتا ہے۔

(مسعود احمد صاحب، تفسیر سورہ البقرہ:۱۸۷، تفسیر قرآن عزیز، جزء۱، ص۶۳۰

★ اے لوگو، قرآن مجید ایک بہت بڑا معجزہ ہے دنیا اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہے، لہٰذا ایمان لانے کے لئے مزید کسی معجزہ کی ضرورت نہیں اور نہ کسی اور معجزہ کا خیال دل میں لایئے۔
(مسعود احمد صاحب، عمل در تفسیر سورہ النساء:۱۷۴، تفسیر قرآنِ عزیز، جزء۳، ص۴۵۳)

★ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب یعنی میزان عدل نازل فرمایا (یہ کتاب ایک ایسی ترازو ہے جس میں حق و باطل کو تولا جاتا ہے۔ یہ کتاب حق و باطل میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے۔ یعنی حق و باطل میں خط امتیاز کھینچتی ہے)
(مسعود احمد صاحب۔ تفسیر سورہ شوریٰ:۱۷، تفسیر قرآنِ عزیز، جزء۸، ص۷۵۰)

★ یہ (قرآن مجید) قول فیصل ہے (یعنی قرآن مجید کا بیان تمام معاملات میں اٹل، فیصلہ کن اور قطعی الصحت ہے)
(مسعود احمد صاحب، تفسیر سورہ الطارق:۱۳، تفسیر قرآن عزیز، جزء۱۰، ص۳۸۰)

★ (اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ) حکم تو بس اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے (اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کا حکم نہیں مانا جا سکتا)
(مسعود احمد صاحب، معنی و تفسیر سورہ یوسف ۴۰، تفسیر قرآن عزیز، جزء۵ ص۴۱۹)

★ الغرض پیروی صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرنی چاہئے۔ انسانوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج رہتا ہے اس کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کر کے ہی وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے لہٰذا ہر شخص کو بجائے اُس شخص کے احکام کے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنی چاہئے۔
(مسعود احمد صاحب، تفسیر سورہ یونس ۳۵، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۵۔ ص۹۸)

★ اے لوگو، قرآن مجید کے نزول کے بعد اپنے اختلاف کو دُور کر دیجئے۔ **جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے۔**
(مسعود احمد صاحب، عمل در تفسیر سورہ النحل ۶۴، تفسیر قرآن عزیز، جزء۵، ص۹۱۲)

★ سُنتِ رسول سلامٌ علیہ
(اے رسول) کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔
(مسعود احمد صاحب، ترجمہ در تفسیر سورہ یوسف ۱۰۸، تفسیر قرآن عزیز، جزء۵، ص۴۷۸)

**ان اقوالِ موصوف کو یاد رکھئے، پھر آگے پڑھئے**

**اور غور کیجئے۔ انشاءاللہ راہنمائی ہو جائے گی۔**

کیپٹن (ر) محمد صدیق احمد

تاریخ پیدائش 16 اگست 1943ء

# فہرست مضامین

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# حرفِ اوّل

اللہ تعالیٰ کا دین حضرت آدم سلامٌ علیہ سے لے کر حضرت محمد سلامٌ علیہ تک اسلام ہی ہے اور اس دین کا مقصد بھی تمام زمانوں میں صرف ایک ہی رہا ہے[1] کہ صرف اللہ ربّ العالمین کو مانا جائے یعنی اسی ہی کی عبادت و عبدیت، محکومیت، غلامی کی جائے[2]۔ اس کے ساتھ اور اس کی صفات تک میں کسی کو شریک نہ کیا جائے[3] اور صرف صفات ہی کیا اس کی کتاب میں بھی کسی کو شریک نہ کیا جائے (اور کیا اس کی کتاب القرآن الکریم اس کی صفت نہیں؟ ہے کوئی دنیا میں جو اس کی الکتٰب کی ایک سورہ جیسی ہی بنا لائے؟ یہ چیلنج ربّانی پہلے بھی تھا، آج بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گا مگر اس جیسی ایک سورہ بھی نہ کوئی بنا سکا نہ بنا سکے گا[4] کیونکہ یہ صفت ربّانی ہے۔ اسی لئے اس قرآن کو معجزہ کہا جاتا ہے اور اس صفتِ ربّانی میں کوئی جن و انس شریک نہیں ہو سکتا)

اسی لئے در و دیوار پر اور کتابوں میں اور ہر جگہ ایک ہی نعرہ لکھا جاتا ہے کہ:

"ہمارا اللہ ایک ہے، ہمارا دین ایک ہے' ہمارا رسول ایک ہے اور ہماری کتاب ایک ہے"۔

مگر آج کے دَور میں امت مسلمہ میں ایک جماعت ایسی بھی کھڑی ہو گئی ہے جو کتاب کو ایک نہیں مانتی بلکہ وہ کم از کم تین کتابوں کو مانتی ہے اور ہر جگہ اپنی دعوت میں کتاب کا ذکر ہی نہیں کرتی تاکہ پڑھنے والے پہلی ہی نظر میں بدک نہ جائیں یہ جماعت ہے جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) (رجسٹریشن نمبر ۱۹۸۵ / ۳۶۶) اور اس کے امیر ہیں جناب سید مسعود احمد صاحب (اس دَوران ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ اب ان کی جگہ امیر جماعت محمد اشتیاق صاحب ہیں)۔ جو کہ دنیاوی اور دینی دونوں اعتبار سے پڑھے لکھے بزرگ ہیں مگر پتہ نہیں وہ کیسے یہ شیطانی عقیدہ بنا بیٹھے کہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" اور اس طرح انہوں نے شرک فی الکتاب اللہ یعنی شرک فی الصفات اللہ کی بنیاد رکھ دی اور اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچھ عرصہ قبل ایک کتابچہ بنام "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" لکھ کر شائع کرا دیا گویا اس طرح انہوں نے اس مشرکانہ عقیدہ کا پرچار بہ بانگ دہل شروع کر دیا۔

ذرا غور فرمایئے! کہاں اللہ کی کتاب اور اس کا ایک ایک لفظ اللہ تعالیٰ کے رسول سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر نازل شدہ[5] اور زبان مبارک سے ادا شدہ[6] جس میں آج تک کوئی تبدل و تغیر نہ ہو سکا اور کہاں وہ روایات جن کا اللہ تعالیٰ کے الفاظ تو کجا رسول سلامٌ علیہ کے الفاظ میں بھی نہ ہونا بلکہ صرف مفہوم میں ہونا (اور وہ بھی یقینی نہیں بلکہ "واللہ عَالَم اور اَو کَمَا قَالَ" کے الفاظ کے ساتھ ہونا) کہاں اللہ کی کتاب کی حفاظت اللہ تعالیٰ کا خود ذمہ داری لینا[7] اور کہاں روایات کا اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ذکر تک نہ ہونا۔ کہاں اللہ کی کتاب کی ایک ایک آیت کیلئے کھلا چیلنج کہ جن و انس میں

---

[1] دیکھئے القرآن الحکیم ۱۳۶-۱۳۷ /۲، ۱۹ /۳، ۱۳ /۴۲ وغیرہ-- [2] ۱۵۲ /۲، ۱۶۳ /۲، ۲۵۵ /۲، ۲ /۳، ۶ /۳، ۱۸ /۳، ۶۴ /۳ وغیرہ-- [3] ۲۶ /۱۸، ۶۴ /۳-- [4] ۲۳-۲۴ /۲، ۸۸ /۱۷، ۳۸ /۱۰، ۱۳ /۱۱، ۳۴ /۵۲-- [5] ۹۷ /۲-- [6] ۱۹ /۸۱، ۴۰ /۶۹-- [7] ۹ /۱۵،

سے کوئی ایک یا ان کی جماعت اس جیسی بنالائے[1] اور کہاں روایات کا معمولی انسانوں کا ایک نہیں ہزاروں گھڑ گھڑ کر بنالینا برابر ہو سکتا ہے؟ کیا ایسی بات جو کوئی بھی گھڑ سکے یا اس کی مثل بنا سکے اللہ کی کتاب ہو سکتی ہے؟ آپ بھی یہی کہیں گے کہ یقیناً نہیں مگر افسوس کہ اس عقیدے کے پرچار کے خلاف کھڑے ہو کر جہاد کرنا تو بہت بڑی بات ہے اس کے خلاف ہمارے آج کے بڑے بڑے علما و فضلاء نے ایک لفظ تک نہ لکھا (نہ ہی میری نظر سے کوئی کتاب یا کتابچہ اس موضوع پر کسی کتاب کی دُکان پر گزرا اور نہ ہی کسی سے اس قسم کے کتابچہ کے بارے میں سنا خیال رہے کہ جماعت المسلمین کے خلاف کئی کتابیں مارکیٹ میں آئیں مگر کسی نے بھی اس مسئلہ کو اجاگر نہیں کیا۔ جس کی وجہ سے آج جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کا یہ پکا ایمانی عقیدہ بن گیا ہے (اور امیر جماعت جناب مسعود احمد صاحب کے متبعین، مقلدین اس پر آنکھیں دل و دماغ بند کر کے عمل پیرا ہیں بلکہ وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ دیکھئے ہمارے امیر صاحب کے بنائے ہوئے اس نئے عقیدہ کی آج تک کسی نے مخالفت نہیں کی اس لئے ثابت ہوا کہ یہ صحیح ہے) اور امیر جماعت اپنے متبعین سے اصرار کرتے ہیں کہ حدیثوں پر بھی ایمان لاؤ (حالانکہ القرآن الکریم کے مطابق صرف پانچ حقیقتوں پر ایمان لانے کا حکم ہے اللہ ربّ العالمین، انبیاء کرام، اللہ کی کتب، ملائکہ اور آخرت[2]) جو حدیثوں پر ایمان نہیں لاتا اس کو جماعت المسلمین سے نکال دیا جاتا ہے یا پھر اس کو خود ہی چھوڑ دینے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ میں نے خود تقریباً آٹھ دس سال ان کے ساتھ رہنے کے بعد جماعت اسلئے چھوڑی کہ مجھ سے امیر جماعت کا اصرار بڑھ گیا تھا کہ میں حدیثوں پر بھی ایمان لے آؤں۔

قارئین کو معلوم ہے کہ چند صدیوں سے علما نے ایک عقیدہ بنایا ہوا ہے کہ محمد اسمٰعیل بخاری صاحب کی کتاب جس کو "صحیح بخاری" کہا جاتا ہے قرآن کریم کے بعد سب سے صحیح کتاب ہے مگر اب جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے امیر صاحب نے یہ عقیدہ بنایا ہوا ہے جس کا وہ برملا اظہار بھی فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں صحت کے اعتبار سے قرآن کریم کے برابر ہیں۔ گویا کہ اس طرح ان کے ہاں تین کتاب اللہ ہو گئیں (نعوذ باللہ) چنانچہ وہ اپنی کتاب 'صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین' کے "مقدمہ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس کتاب کو صرف قرآن مجید اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی باسند احادیث سے تیار کیا گیا ہے۔ **ان تینوں کتابوں کی صحت کا کیا کہنا**"۔

غور کیجئے! کیا انہوں نے حدیث کی دو کتابوں کو قرآن مجید کے برابر نہیں کر دیا؟ کیا انہوں نے دونوں کتابوں کو قرآن مجید کے ساتھ شریک نہیں کر دیا؟ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ بندوں کی کتاب کو شریک نہیں کر دیا؟ کیا انہوں نے تینوں کو صحت کے اعتبار سے برابر برابر بٹھا نہیں دیا؟ کیا اللہ تعالیٰ کی وحی کردہ کتاب کی بھی صحت، بندوں کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرح جانچی جا سکتی ہے؟؟ مزید دیکھئے کہ وہ اپنی کتاب "تلاشِ حق" (اشاعتِ چہارم، ۱۹۸۷ء) میں مورخہ ۷۔ اکتوبر ۶۲ء کے خط کے سوال ۸ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: "صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسی کتابوں کا تو صرف ترجمہ ہی کافی ہے نہ ان میں صحت و ضعف کا جھگڑا ہے نہ ناسخ و منسوخ کا۔ ہر چیز صاف ہے۔ اور جو چیز ان کے خلاف ہے وہ یا تو ضعیف ہوتی ہے یا اس کا محل دوسرا ہوتا ہے" (نعوذ باللہ وہ الفرقان ہیں! صدیق) (ص ۱۹۰۔۱۹۱)۔ اپنے پمفلٹ

[1] ایضاً ۳۸/۱۰، ۱۳/۱۱، ۸۸/۱۷، ۳۴/۵۲ ۔ [2] ایضاً ۱۷۷/۲، ۲۸۵/۲، ۱۳۶/۴

"جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات" (مطبوعہ ۱۴۱۶ھ) میں ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ "صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام احادیث بالکل صحیح ہیں اور یہ محدثین کا فیصلہ ہے"۔ (ص ۴۳)۔ حتیٰ کہ وہ صحیحین کے راوی کو بھی ضعیف نہیں مانتے، (ص ۴۵، ۶۳، ۶۵) گویا کہ راوی بھی مثل رسول معصوم ہے (نعوذ باللہ) اس لئے وہ اپنی دعوت میں ایک کتاب کا ذکر ہی نہیں کرتے ان کی دعوت ملاحظہ ہو:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## جماعت المسلمین کی دعوت

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ہمارا حاکم | صرف ایک | یعنی: | اللہ تبارک و تعالیٰ | اللہ کے سوا کوئی نہیں |
| ہمارا امام | صرف ایک | یعنی: | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم | فِرقہ وارانہ امام نہیں |
| ہمارا دین | صرف ایک | یعنی: | اللہ کا پسند کردہ دین اسلام | فِرقہ وارانہ مذہب نہیں |
| ہمارا نام | صرف ایک | یعنی: | اللہ کا رکھا ہوا نام: مسلم | فرقہ ورانہ نام نہیں |
| بنیادِ محبت | صرف ایک | یعنی: | اللہ تعالیٰ سے تعلّق | دنیوی تعلقات نہیں |
| وَجہِ افتخار | صرف ایک | یعنی: | ایمان باللہ العظیم | وطن اور زبان نہیں |

اگر آپ ہماری اس دعوت سے متفق ہیں تو

ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔

تعارفی پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔ جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔ نارتھ ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۳۳

مجھ کو اپنی کم علمی اور بے بضاعتی کا پورا پورا احساس ہے مگر علما فضلاء کی سرد مہری اور القرآن الحکیم کے خلاف اس مشرکانہ سازش پر میرا ضمیر ملامت کرتا ہے اور مجھے اس کے خلاف لکھنے پر اکساتا ہے۔ اسلئے اس کتاب میں اللہ رب العزت کا نام لے کر اللہ کی الکتٰب اور انکی کتاب ہی سے امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے خود ساختہ عقائد کو باطل ثابت کرنے کی کوشش کروں گا۔ کیا بعید ہے کہ میری نیک نیتی پر مبنی یہ کاوش مجھ کو یوم آخرت میں رسوائی سے بچالے۔

کیپٹن (ریٹائرڈ) محمد صدیق احمد

۱۰/ رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ

بمطابق ۳۱/ جنوری ۱۹۹۶ء

## مختصر تعارف جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)(رجسٹریشن نمبر (۱۹۸۵ / ۳۶۶)

امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) جناب سید مسعود احمد صاحب جو کہ دنیاوی اور دینی اعتبار سے پڑھے لکھے بزرگ ہیں۔ بقول انہی کے بریلوی المسلک فرقہ حنفی خاندان میں پیدا ہوئے۔ جب جوان ہوئے اور قرآن کریم پڑھا تو فرقہ حنفی ہی میں دیوبندی مسلک اختیار کر لیا مگر جب احادیث پڑھیں تو فرقہ حنفی ترک کر کے فرقہ اہلحدیث اختیار کر لیا اور تقریباً چالیس سال اسی فرقہ میں وابستہ رہے وہ گو کہ سرکاری ملازم تھے مگر زیادہ سے زیادہ وقت احادیث پڑھنے میں لگاتے تھے اس محنت کے نتیجے میں انہوں نے اہل حدیثوں میں اپنا ایک مقام بنا لیا تھا اسی دَوران ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب کی ایک کتاب **"دو اسلام"** (جس کا بڑا چرچا ہوا تھا) ان کے سامنے آئی تو انہوں نے اس کا مفصل جواب لکھنا شروع کر دیا جو کہ **"تفہیم اسلام بجواب دو اسلام"** کے نام سے اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور نے ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء) میں شائع کر دیا جبکہ ۱۳۸۵ھ (۱۹۶۵ء) میں اہل حدیثوں میں ہی رہتے ہوئے (جن کو وہ اہل حق کہتے تھے[1] انہوں نے جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) رجسٹریشن ۶۵۔۶۶ / ۲۱۶۳ کی بنیاد ڈال دی تھی جس کا مقصد اہل حق کی اصلاح تھا جن میں وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی برائیاں در آئی تھیں جن کے غلبہ کی وجہ سے ایک عام مایوسی کا عالم طاری تھا انہوں نے پہلے تو یہی کوشش کی کہ انہی میں رہتے ہوئے اس کی اصلاح کی جائے مگر ایک طویل عرصہ گزرنے کے بعد بھی مایوسی کے سوا کچھ نظر نہ آیا تو پھر جماعت المسلمین کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مقصد ارکان جماعت کی اپنی اصلاح اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح اور اپنی اصلاح کے بعد عوام الناس میں تبلیغ کرنا تھا[2] اصلاح میں کیا کیا چیزیں شامل تھیں وہ مسعود صاحب کی زبانی یہ تھیں:

> "حسن اخلاق، حسن گفتار، حسن لباس، حسن اعمال خصوصاً حسن صلوٰۃ' سنت مطہرہ کا کامل اتباع' دل کی طہارت و پاکیزگی، تقویٰ و تزکیہ نفس پھر حسن تبلیغ، وقار و متانت، محبت الفت کا پیدا کرنا، جذبہ قربانی کو برانگیختہ کرنا، وطنیت و صوبائیت کے بتوں کو مسمار کرنا' للّٰہیت اور للّٰہیت پر ارکان جماعت کے تعلقات کو استوار کرنا' اس طرح کہ جماعت میں نہ ایرانی رہے نہ تورانی۔ ہم صرف مسلم ہوں اول مسلم' آخر مسلم' پہلے بھی مسلم بعد میں بھی مسلم" **الحب فی اللہ و البغض فی اللہ** " ہماری اساس ہے۔ اسلامی رشتہ ہی اصل رشتہ ہے اور بس۔

اصلاح میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں عقیدہ میں پختگی پیدا کرنا' حق کو صرف قرآن حدیث میں محصور سمجھنا' قرآن و حدیث پر چلنے والوں کو اہل حق سمجھنا اور اس سے انحراف کرنے والوں کو اہل باطل، گمراہ۔ لوگوں سے دینی رشتوں کو انقطاع، شخصیت پرستی کا قلع قمع کرنا۔ تقلید جامد کا استیصال اور فرطِ عقیدت کے بت کو توڑنا۔ وہ فرطِ عقیدت جو کسی انسان کو خدائی کے درجہ تک پہنچادے۔ وہ تقلید جو کسی انسان کو کورانہ پیروی پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو کسی غیر نبی کے اقوال کو آخری سند قرار دے۔ وہ تقلید اور عقیدت جو

---

[1] "جماعت المسلمین کا پس منظر اور لائحہ عمل اور ارکان جماعت کیلئے ہدایات" نامی پمفلٹ۔ ص ۴ (شائع شدہ ۱۳۹۱ھ)۔ [2] ایضاً۔ ص ۴۔۵

قرآن وحدیث کو کسی بزرگ کے اقوال کا تابع کر دے۔ وہ تقلید وعقیدت جو کسی بزرگ کو شریعت سے بے نیاز وماورار سمجھنے پر مجبور کر دے، وہ تقلید جو طریقت، معرفت، حقیقت کی راہیں کھولے اور ان خود ساختہ اصطلاحات کے ذریعہ بزرگوں کی خلافِ شرع باتوں اور کاموں کو راہ ورسمِ منزل سمجھنے پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو خاندانی اور آبائی روایات کی اندھادھند پیروی کی ترغیب دے۔ وہ تقلید جو فرقہ بندی کی بناڈالے۔ یعنی وہ تقلید جو تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے بلکہ تمام گمراہیوں کی ماں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔ (**لو كان للضلال ام فالتقليد امهٗ**) یعنی گمراہی کی کوئی ماں ہے تو وہ تقلید ہی ہے۔

اصلاح میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں: جماعت میں علمی و عملی رجحان پیدا کرنا۔ تفقہ اور استنباط مسائل کی مشق کرانا، محقق بننے کی ترغیب دینا، تحریر وتقریر کے قابل بنانا، علوم نقلیہ اور عقلیہ سے آراستہ کرنا۔ گمراہ فرقوں کے عقائد و اعمال کی مدلل تردید کرنے کے قابل بنانا۔ اشتعال انگیزی سے اجتناب، حسن بحث کا اختیار کرنا، فتنوں کا مقابلہ کرنا اور نہ صرف مقابلہ کرنا بلکہ خود کو ان کے کلی استیصال کے قابل بنانا۔

فعالیّت جماعت المسلمین کا نصب العین ہے۔ جمود کو توڑنا اس کا مقصد، احساس برتری پیدا کرنا اس کی غرض، مسلک عمل بالقرآن والحدیث کی حفاظت اس کا اولین مقصد۔ نئ نسلوں کو صحیح معنوں میں مسلم بنانا جماعت کا اہم منصوبہ ہے[1]۔"

جماعت کی دعوت کے سلسلہ میں وہ اپنے اسی پمفلٹ میں لکھتے ہیں:

"جماعت کی دعوت یہ ہے کہ سب مل کر ایک اللہ کا حکم مانیں۔ اس کی عبادت و اطاعت میں کسی کو ذرا سا بھی شریک نہ کریں۔ اس کی عبادت اور اطاعت اس طرح کریں جس طرح حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے بتائی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو دین ہم کو دیا وہ قرآن وحدیث میں محفوظ ہے۔ لہٰذا ہم سب قرآن و حدیث ہی کی براہِ راست اتباع کریں۔ دوسرے مراکز سے گزر کر آگے بڑھ جائیں اور مرکز اصلی یعنی اللہ کے مقدس رسول ﷺ پر اپنی نظروں کو مرتکز کریں۔ فرقہ بندی سے پرہیز کریں۔ اپنے کو صرف مسلم کہیں اور بس[2]۔"

جناب مسعود احمد صاحب اپنے اسی پمفلٹ میں جماعت کے شعار اور اجتماعات وغیرہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارکانِ جماعت کے لئے تفصیل سے ہدایات جاری کرتے ہیں اور آخر میں "تفقہ فی الدین اور نصاب جماعت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"علم اور تفقہ فی الدین پیدا کرنے کے لئے کتب کا مطالعہ کیجئے۔ چند کتابوں کو بطورِ نصاب کے پڑھنا اور ان پر عبور حاصل کرنا ہر رکن پر لازم کر دیا گیا ہے مقرر کردہ کتب نصاب درج ذیل ہیں:

(۱)۔...علوم الٰہیہ: قرآنِ مجید، صحیح بخاری، تفسیر احسن التفاسیر، ایک آیت اور ایک حدیث کا روزانہ گہرا مطالعہ کرنا۔

---

[1] ایضاً، صفحہ ۵۔۶۔ [2] ایضاً۔ صفحہ ۷

.(۲)۔... تقلید: الارشاد الی سبیل الرشاد: حسن البیان، التحقیق فی جواب التقلید، تلاشِ حق۔
.(۳)۔... فتنہ انکارِ حدیث، ضربِ حدیث، تفہیم اسلام۔
.(۴)۔... قادیانیت، محمدیہ پاکٹ بک، قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ۔
.(۵)۔... شیعیت، آیات بینات۔
.(۶)۔... جماعت المسلمین کے تمام پمفلٹ اور مطبوعات۔[۱]

قارئین کے لئے یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ یقیناً مسعود احمد صاحب نے جماعت المسلمین نیک مقاصد کے تحت بنائی مگر وہ اس وقت تک پکے اہلحدیث فرقہ ہی کے پیروکار یا مقلد تھے جیسا کہ اوپر کی فرقہ اہلحدیث کی کتابوں کے نام سے ظاہر ہے اور جیسا کہ وہ صرف اہلحدیثوں ہی کو اہل حق سمجھتے تھے اور ان کے اجتماعات کی صدارت اہلحدیث علما ہی کیا کرتے تھے [۲]۔ لیکن اس تمام مصلحت کوشی کے باوجود اہلحدیثوں نے ان کی دعوت اور ان کی لیڈر شپ کو ماننے سے انکار کر دیا چونکہ وہ عام اہلحدیث علما کی طرح کسی فرقہ وارانہ مذہبی مدرسہ کے فارغ التحصیل نہیں تھے اور نہ ہی احادیث کی سند رکھتے تھے۔ چنانچہ اہلحدیثوں کے رویہ سے دلبرداشتہ ہو کر انہوں نے اپنی ہی بنیاد ڈالی ہوئی ۱۳۸۵ھ والی جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) رجسٹریشن ۶۵۔۶۶ / ۲۱۶۳ ختم کر دی اور ایک اور جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) رجسٹریشن (۱۹۸۵ / ۳۶۶) ۱۳۸۵ھ میں بنالی۔ اس نئی جماعت کے بارے میں پہلے کی طرح انہوں نے کوئی پمفلٹ نہیں نکالا کہ نئی جماعت کیوں بنائی۔ البتہ اپنے ایک پمفلٹ کے شروع میں انہوں نے **انتباہ** میں اجمالی طور پر یوں تحریر فرمایا:

"محقق صاحب نے (جن کا تعارف آگے آرہا ہے) محض الفاظ کی گرفت اور مفہوم سے صرفِ نظر کر کے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ ہم نے جماعت کی بنیاد ۱۹۸۵ء میں ڈالی تھی اور یہ کہ ہمارا اس جماعت سے تعلق ہے، حالانکہ یہ ایک الزام ہے، وہ جماعت ختم ہو چکی۔ ہمارا اس جماعت سے کوئی تعلق نہیں، وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ داریت سے تائب ہو کر مسلم ہو چکے ہیں۔ جس پمفلٹ کا محقق صاحب نے حوالہ دیا ہے وہ فرقہ واریت کے زمانہ کا پمفلٹ ہے لہٰذا کالعدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم ۱۳۹۵ھ میں اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئی جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے۔ مسلم بنتے رہے اور جماعت ترقی کرتی رہی[۳]۔"

گو کہ اوپر کے بیان میں مسعود صاحب کا آخری جملہ کہ اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئی جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے، قابلِ اعتراض ہے یونکہ پھر وہ اس جماعت کے امیر کیسے بن گئے؟ مگر میں اس مسئلہ کو یہاں نہیں اٹھاؤں گا بلکہ قارئین کی توجہ اہلحدیث کے بارے میں مسعود صاحب کی رائے کی طرف مبذول کراؤں گا وہ اپنے ایک پمفلٹ میں لکھتے ہیں کہ:

---

[۱] ایضاً۔ صفحہ ۱۳۔ [۲] پمفلٹ: 'جماعت المسلمین کے اجتماعات اور ان کی افادیت' مطبوعہ ۱۳۹۱ھ۔ صفحہ ۴۔ [۳] پمفلٹ: "جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ' سلسلہ اشاعت نمبر ۹۹، ۱۴۰۱ھ صفحہ ۲

"بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اہلحدیث کا اسلام بناوٹی ہو چکا ہے۔ اس میں تصوف و پیری مریدی آچکی ہے۔ علما کی تقلید آچکی ہے۔ بدعات آچکی ہیں۔ بدعتیوں میں شادی بیاہ جاری ہے۔ بدعتیوں کے پیچھے نمازیں پڑھی جاتی ہیں..............."[1]

"ایڈیٹر صاحب کا تقلید سے انکار کرنا غالباً لاعلمی پر مبنی ہے، ہم اپنے علم اور تجربہ کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اہلحدیث میں تقلید موجود ہے۔ کئی گروہ بھی اہلحدیثوں میں موجود ہیں جن کے مابین عقائد میں بھی اختلاف ہے، کوئی تعویذ گنڈے کو جائز ہی نہیں بلکہ اس کا کاروبار کرتا ہے اور کوئی اسے شرک کہتا ہے۔ کوئی پیری مریدی کرتا ہے اور کوئی اسے بدعت کہتا ہے، کوئی تصوف کے ساتھ مسنون کا لفظ لگا کر تصوف کو مسنون قرار دیتا ہے اور کوئی اسے خلافِ شرع سمجھتا ہے۔ کوئی امامت کا داعی اور کوئی امامت کا منکر، کسی کے ہاں ذکر کے حلقے اور کوئی اس کا منکر، غزنویہ، ثنائیہ، روپڑیہ، غرباءیہ تنظیمی نام نہیں ہیں بلکہ مکتب فکر کے خاندانی نام ہیں جیسے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، مجدّدیہ یا حنفیہ، شافعیہ وغیرہ"[2]

ایک مثل مشہور ہے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔ تو مسعود صاحب چونکہ تقریباً چالیس سال اہل حدیث فرقہ ہی میں رہے تھے اس لئے انہوں نے خوب پول کھولے ہیں۔ بہر حال آگے وہ فرماتے ہیں:

"قرینہ صارفہ کی عدم موجودگی میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کو فرض نہ ماننا بے دینی ہے۔ اسے علمی اختلاف کہہ کر ٹالنا قطعاً صحیح نہیں۔ ترک سنت کو جائز سمجھنا، رسول اللہ ﷺ کے حکم کو بغیر کسی قرینۂ صارفہ کے استحباب پر محمول کرنا (اگرچہ ذاتی طور پر ایڈیٹر صاحب اس کے قائل ہوں) اور فرقہ ورانہ نام رکھنا یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ہم اہلحدیث سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہیں"[3]۔

غرض یہ کہ فرقہ اہلحدیث سے علیحدہ ہونے کے بعد مسعود احمد صاحب نے ۱۳۹۵ھ میں پھر جماعت المسلمین کی بنیاد رکھی اور اس کو طاغوتی سرکار سے رجسٹر بھی کرایا اور خود اس کے امیر بنے (یا منتخب کئے گئے) اور ہر ممکن کوشش کی کہ فرقہ وارانہ مذاہب سے علیحدگی اختیار کر کے حدیثِ رسول: فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا (صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ کتاب الفتن) (پھر بھی تم ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا) کے مصداق بنیں۔ اس کے لئے انہیں اپنے آپ کو دوسروں سے ممتاز و برتر کرنے کے لئے انتھک جدوجہد کرنا پڑی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی زندگی زبردست مجاہدانہ رہی اور غالباً اب تک ہے (گو کہ اب وہ بہت ضعیف ہو چکے ہیں) انہوں نے اپنے آپ کو پوری طرح سے اپنے مقصد کے حصول کیلئے وقف کیا ہوا ہے۔ اور کافی حد تک وہ اپنے مقصد میں کامیاب بھی ہو گئے ہیں کہ آج ان کی جماعت بلکہ فرقہ نشو و نما پا رہا ہے اور صرف پاکستان ہی میں نہیں بلکہ دنیا کے کئی ممالک میں اس کی شاخیں پھیل گئی ہیں (البتہ یہ الگ بات ہے کہ سعودی عرب والوں نے ان کے متبعین کو اپنے ہاں سے نکال دیا ہے اور وہ وہاں سچ بول کر جا بھی نہیں سکتے) اور پاکستا میں تو پاکستان کی حکومت کے زیرِ سایہ رہتے ہوئے اپنے فرقہ میں اپنی حکومت قائم کی ہوئی ہے (State within State)

---

[1] پمفلٹ: "مذہب اہلحدیث کی حقیقت" سلسلہ اشاعت ۹۸، ۱۴۱۰ھ۔ ص ۵۔ [2] ایضاً۔ ص ۹-۱۰۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۲

# جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کا بنیادی عقیدہ

اہل علم اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ اللہ کے دین اسلام میں قرنِ اوّل کے بعد سبائیوں اور پارسیوں کی محنت سے فرقے بنائے گئے تو عام طور پر (نام نہاد) احادیث رسول کی کثرت اور اختلاف احادیث کی بناء پر ایسا ہوا مگر بعض فرقے قرآن کریم کے معنوں میں تحریف کر کے بھی بنائے گئے مثلاً **فرقہ شیعہ** نے قرآنی الفاظ **اِمامًا**[1] کے معنی بجائے اللہ کے مقرر کردہ امام یعنی انبیاء ورسل سلامٌ علیہ کے اپنے مقرر کردہ بارہ یا پچاس امام کر دیئے۔ **فرقہ حنفیہ** نے (سارے حنفی نہیں جو کہ ابو حنیفہ کو امام مان کر ان کے مقلد بنتے ہیں کا وہ گروہ جو اپنے نام کی وجہ تسمیہ قرآنی لفظ دین حنیفاً سے نکالتا ہے) قرآنی الفاظ **فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا**[2] کو اپنے مذہب و مسلک کی بنیاد قرار دیا ہے۔ اسی طرح **جماعت المسلمین** (رجسٹرڈ) نے بھی قرآنی آیات میں معنوی تحریف کر کے اپنے بنیادی عقیدہ کی بنیاد ڈالی ہے۔ ملاحظہ ہو کہ مسعود احمد صاحب اپنے ایک پمفلٹ کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ (۴۷/۲)

اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لائے اُس چیز پر جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی وہ چیز ان کے رب کی طرف سے حق ہے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو معاف کرے گا اور ان کے حالات کی اصلاح فرمائے گا"۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ حق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ سلامٌ علیہ پر نازل فرمایا۔ یہ حق ہمارے قرآن وحدیث کی صورت میں محفوظ ہے جو لوگ قرآن حدیث کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں وہی اہل حق ہیں اور جو لوگ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی پیروی کرتے ہیں یا قرآن وحدیث کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی حق سمجھتے ہیں وہ اہل باطل ہیں۔ (اس آیت کریمہ میں حدیث کا لفظ کہاں ہے؟ یا یہ کہ قرآن کے ساتھ حدیث بھی نازل ہوئی ؟صدیق) اور باطل کی پیروی وہی کرتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ۝ (۴۷/۳)

ترجمہ: (کافروں کے اعمال کی بربادی اور مومنین کے گناہوں کی معافی اور حالات کی اصلاح) یہ اس لئے ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی ہے اور ایمان والوں نے اس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کے حالات بیان فرماتا ہے۔ (تا کہ ان حالات و کیفیات کے ذریعہ اہل کفر اور اہل ایمان میں امتیاز ہو جائے)

---

[1] القرآن الحکیم۔ ۲/۱۲۴۔ [2] ایضاً۔ ۳۰/۳۰

کیونکہ نازل شدہ چیز صرف قرآن و حدیث ہے لہٰذا یہی وہ حق ہے جس کا اتباع ایمان والے کرتے ہیں۔ (یہ کہاں لکھا ہے کہ قرآن کے ساتھ حدیث بھی نازل ہوئی؟ یہ خود ساختہ، عجمی عقیدہ ہے۔ صدیق) اسی کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ اور اس طرح اور چیزوں کی پیروی کا حکم حرام کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ عزو جل تبارک و تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (۷/۳)

ترجمہ: "اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی مت کرو مگر تم نصیحت کم ہی حاصل کرتے ہو" (۷/۳)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام نے منزل من اللہ یعنی قرآن و حدیث کی پیروی کو فرض قرار دے دیا ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کی پیروی کو حرام قرار دے دیا گیا جو اب بھی لوگ قرآن حدیث کے ساتھ یا اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی پیروی کر رہے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کر رہے ہیں۔ (آیت کریمہ میں کہیں حدیث کا اشارہ تک نہیں۔ نہ ہی حلال و حرام کا ذکر ہے۔ صدیق) اور یہ فعل کفر سے کسی طرح بھی کم نہیں بلکہ اس کو شرک فی التشریع بھی کہا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰۗؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ (۴۲/۲۱)

ترجمہ: "کیا انہوں نے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کیلئے دینی شریعت بناتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی"[۱] (۴۲/۲۱)"

اسی بات کو مسعود احمد صاحب اپنے ایک اور پمفلٹ میں اصول کے طور پر یوں بیان کرتے ہیں۔

اصول: جماعت المسلمین کے نزدیک اصل دین وہی ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ۭ (۷/۳)

"اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو"

منزّل من اللہ صرف قرآن و حدیث ہے لہٰذا صرف قرآن و حدیث ہی اصل دین ہے (حدیث کا نام کہیں نہیں۔ صدیق) کسی شخص کا اجتہاد و قیاس نہ منزّل من اللہ ہے اور نہ وہ اصل دین ہے۔

برخلاف اس کے جماعت اہل حدیث کے ہاں اصل دین چار ہیں:

۱۔ قرآن مجید

۲۔ حدیث

۳۔ اجماع صحابہ و تابعین اور

۴۔ قیاس"[۲]

---

[۱] پمفلٹ جامعت المسلمین کا پس منظر اور لائحہ عمل اور ارکان جماعت کے لئے ہدایات، ۱۳۹۱ھ، ص ۲-۳۔ [۲] پمفلٹ جماعت المسلمین اور اہلحدیث میں بنیادی فرق، ۱۳۹۹ھ، ص ۲

اوپر مسعود احمد صاحب کے پمفلٹ سے اتنے لمبے اقتباسات نقل کرنے کا مقصد واضح کرنا ہے کہ امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) نے کس طرح قرآن کریم میں معنوی تحریف کی ہے کہ جہاں قرآن کریم میں لفظ اَنْزِلَ آیا ہے انہوں نے اس کا لفظی ترجمہ تو صحیح کیا ہے مگر آگے ضرور اس کی وضاحت کر کے اس میں (نام نہاد) حدیث بھی شامل کر دی۔ جبکہ اَنْزِلَ کا لفظ واحد ہے (تثنیہ نہیں) اور صرف الذکر یعنی قرآن مجید ہی کے لئے استعمال ہوا ہے (جیسا کہ ہم انشاء اللہ آگے ان کے عقیدہ کا ابطال کرتے ہوئے ثابت کریں گے) جب کہ مسعود احمد صاحب کا بنایا ہوا عقیدہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہیں اور چونکہ دونوں ہی وحی ہیں اس لئے کتاب اللہ ہیں جیسا کہ کچھ عرصہ قبل انہوں نے ایک پمفلٹ بنام "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" جاری کیا ہے اس کا پہلا جملہ ہی یہ ہے کہ: "حدیث وحی ہے یعنی مُنَزَّلٌ مِنَ اللهِ ہے [1]۔ اور اس طرح لوگوں کو گمراہ کرنا شروع کیا ہوا ہے۔

ویسے تو امت مسلمہ میں غالباً دوسری صدی ہجری کے آخر میں عقیدہ بنالیا گیا تھا کہ وحی الٰہی دو طرح کی ہوتی ہے 'ایک وحی جلی یا ایک وحی متلو اور دوسری وحی خفی یا وحی غیر متلو (گو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہ تقسیم کہیں نہیں کی اور نہ ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ارشادات یعنی (نام نہاد) احادیث رسول میں یہ تقسیم ملتی ہے) قرآن کریم کو انہوں نے وحی جلی یا وحی متلو یعنی تلاوت کی جانے والی وحی قرار دے لیا تھا۔ جبکہ (نام نہاد) احادیثِ رسول کو وحی خفی یا وحی غیر متلو یعنی تلاوت نہ کی جانے والی وحی قرار دے دیا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کم از کم (نام نہاد) احادیث کو قرآن کریم کے برابر نہیں سمجھا جاتا تھا البتہ اس کو قرآنی احکام کی عملی تشریح سمجھا جاتا تھا جن پر تنقید یا جرح بھی ہو سکتی تھی اور احادیث کی کتب کو قرآن الحکیم کے برابر درجہ نہیں دیا جاتا تھا بلکہ عقیدہ یہ تھا کہ قرآن الحکیم کے بعد سب سے صحیح کتاب صحیح بخاری ہے۔ مگر امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) نے اس عقیدہ کو یکسر بدل کر اپنا عقیدہ بنایا کہ:

.(۱)۔... احادیث بھی وحی ہیں یعنی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اس لئے کتاب اللہ ہیں [2]۔

.(۲)۔... صحیح بخاری اور صحیح مسلم صحت کے اعتبار سے قرآن کے برابر ہیں [3]۔ (گویا کہ اس طرح امیر جماعت المسلمین کے نزدیک قرآن تین ہیں بجائے ایک کے اور ان کو وہ کتاب اللہ مانتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ صدیق)

.(۳)۔... رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی تشریح کی یعنی تفسیر بتائی [4]۔ (جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تشریح / تفسیر / احسن تفسیر اس نے کی ہے۔ (۲۵/۳۳)۔ صدیق)

.(۴)۔... امیر جماعت المسلمین تمام افراد سے اللہ کی بتائی ہوئی پانچ چیزوں کے علاوہ احادیث پر بھی ایمان لانے کا اصرار کرتے ہیں ورنہ وہ پھر جماعت میں نہیں رہ سکتے گویا کہ ایسے لوگ انکے نزدیک مسلم نہیں بلکہ منکر حدیث یعنی کافر ہوتے ہیں۔

.(۵)۔... جماعت مسلمین کے پاس جو کچھ ہے اس کا انکار کفر ہے (دیکھئے اگلے صفحہ پر جماعت المسلمین کے امتیازی اوصاف ۷)

.(۶)۔... جماعت مسلمین کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔ (دیکھئے اگلے صفحہ پر جماعت المسلمین کے امتیازی اوصاف ۱۰)

جماعت المسلمین کے امتیازی اوصاف اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیے

---

[1] "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" مرتبہ مسعود احمد صاحب، ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔ کراچی۔ ص ۳۔ [2] ایضاً صفحہ ۳۔ [3] "برہان المسلمین" از مسعود احمد صاحب۔ اشاعت ۶ ۱۴۱۵ھ، مطابق ۱۹۹۵ء، ص ۱۹۰ و صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین (مقدمہ)۔ [4] ایضاً صفحہ ۱۹۰

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

## جماعت المسلمین کے امتیازی اوصاف

. . ۱.....جماعت المسلمین رسول اللہ ﷺ کے رکھے ہوئے نام جماعت المسلمین ہی سے موسوم ہے

. . ۲.....جماعت المسلمین اللہ کے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کی تعمیل کو فرض اور ترکِ سنت کو گناہ سمجھتی ہے۔

. . ۳.....جماعت المسلمین میں شامل ہر فرد صرف مسلم ہے۔ مسلمان خود ساختہ نام ہے۔

. . ۴.....جماعت المسلمین کا دین صرف اسلام ہے۔ اس کا کسی مذہب، مسلک، مکتبِ فکر اور فرقہ سے کوئی تعلق نہیں۔

. . ۵ . . ...جماعت المسلمین کے پاس دین میں کسی کے فتوے، اجتہاد، رائے اور قیاس کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔

. . ۶.....جماعت المسلمین صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہی کو اسلام سمجھتی ہے

. . ۷.....جماعت المسلمین کے پاس جو کچھ ہے اس کا انکار کفر ہے

. . ۸.....جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے چمٹے رہنے کا حکم اللہ کے رسول ﷺ نے دیا ہے یہ اعزاز کسی اور جماعت یا فرقہ کو حاصل نہیں ہے

. . ۹.....جماعت المسلمین کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے

. . ۱۰.....جماعت المسلمین کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے

. . ۱۱.....جماعت المسلمین امیر کی بیعت اور اطاعت کو لازم سمجھتی ہے یہ بیعت پیری مریدی، مراقبے، چلّہ کشی، ہزارہ تسبیح پڑھنے اور ضربیں لگانے کی بیعت نہیں ہے بلکہ دنیا کے چپہ چپہ پر اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کی بیعت ہے

. . ۱۲.....جماعت المسلمین بدعت کو شرک سمجھتی ہے

. . ۱۳.....جماعت المسلمین کا نصب العین اعلائے کلمۃ اللہ خالص دین اسلام کی اشاعت، شرک و بدعت اور فرقہ بندی کا استیصال ہے

. . ۱۴.....جماعت المسلمین ختم نبوت کے انکار اور رسول اللہ کی شان میں ذرا سی بے ادبی اور گستاخی کو کفر سمجھتی ہے

شعبہ نشر و اطاعت جماعت المسلمین

قارئین یہ اوصاف جماعت المسلمین کی کتاب "مطوّل تاریخ الاسلام والمسلمین" میں شائع ہوئے ہیں اس کے نمبر ۷ اور ۱۰ کے مطابق جماعت المسلمین کے علاوہ سب کافر ہیں! اس کے نمبر ۶ کے مطابق قرآن مجید کے ساتھ احادیث صحیحہ ہی اسلام ہے۔

پس "جماعت المسلمین کی دعوت" (ص ۱۷) اور "جماعت المسلمین کے امتیازی اوصاف" (ص ۲۶) اور پمفلٹ "حدیث بھی کتابُ اللہ ہے" پڑھنے کے بعد یہ حقیقتیں واضح ہو جاتی ہیں کہ:

(۱)۔... صرف القرآن الحکیم ہی اللہ کی کتاب نہیں بلکہ اللہ کے (ایرانی، عجمی، پارسی) بندوں کی لکھی ہوئی سینکڑوں کتابیں (جن میں رَطب و یابس ہر طرح کی روایات ہیں) بھی اللہ کی کتابیں ہیں۔

(۲)۔... روایات یعنی (نام نہاد) احادیث بھی القرآن الحکیم کی طرح وحی ہیں یعنی منزل من اللہ ہیں۔

(۳)۔... دعوت میں "ہماری کتاب صرف ایک یعنی: اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ القرآن الحکیم اس کے علاوہ اور کوئی کتاب نہیں جیسی دعوت شامل نہیں

(۴)۔... جماعت المسلمین کے علاوہ تمام مسلمان کافر۔

(۵)۔... جماعت المسلمین صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہی کو اسلام سمجھتی ہے جو احادیث پر ایمان نہ لائے وہ کافر

(نعوذ باللہ من ذالك)

غور کیجئے کہ جماعت المسلمین کی دعوت میں القرآن الحکیم کا ذکر تک نہیں اور اگر نام نہاد احادیث پر بھی ایمان لایا جائے تو گویا کہ کم از کم پندرہ سو کتابوں[۱] پر ایمان لایا جائے۔ کیا یہ ممکنات میں ہے؟ کیا یہ اللہ کی مخلوق کو حق سے دُور کرنے کا طریقہ نہیں کہ جن کتابوں کے نام اچھے اچھے عالموں کو بھی معلوم نہیں اور نہ ہی انہوں نے پڑھی ہیں ان پر ایمان لایا جائے اور اگر ایمان نہ لائے تو کافر۔

---

۱۔ "تاریخ القرآن" از پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری۔ زیرِ عنوان "حدیث" آخری سطور، ص ۱۹۴ پر لکھتے ہیں کہ کتب احادیث کی تعداد اٹھارویں صدی عیسوی تک (۱۴۶۵) بیان کی گئی ہے اس کے بعد اور اضافہ ہوتا رہا۔ ناشر مکتبۂ معین الادب اردو بازار' لاہور۔ بار پنجم ۱۹۷۷ء۔

# بنیادی سوالات

## (۱)۔مَآ اُنۡزِلَ کیا ہے؟

جناب مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) ہر جگہ قرآنی الفاظ مَآ اُنۡزِلَ کا ترجمہ تو صحیح کرتے ہیں کہ "جو نازل کیا گیا" مگر اس کے آگے بڑی ہوشیاری سے یہ الفاظ بڑھادیتے ہیں کہ " منزّل من اللہ صرف قرآن و حدیث ہے لہٰذا صرف قرآن و حدیث ہی اصل دین ہے۔ کسی شخص کا اجتہاد و قیاس نہ منزل من اللہ ہے اور نہ وہ اصل دین ہے "[1] اس طرح انہوں نے قرآن کریم کی معنوی تحریف کی ہے اور اپنا بنیادی عقیدہ بنایا کہ قرآن کے ساتھ ساتھ (نام نہاد) احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی نازل شدہ ہیں اس لئے اصل دین ہیں۔ ان الفاظ میں شاید آج تک امت مسلمہ میں سے کسی عالم نے ایسی بات نہیں کہی (حالانکہ ان میں سے اکثریت احادیث کو وحی غیر متلو مانتی رہی) اور نہ ہی آج تک کسی عالم نے اجتہاد و قیاس کو منزل من اللہ کہا بلکہ اس کو اجتہاد و قیاس ہی کہا اور اجتہاد و قیاس ہی مانا۔ اور صرف قرآن کریم ہی کو اللہ کی کتاب، منزل من اللہ کہا اور مانا۔ (نام نہاد) احادیث کو کسی نے بھی اللہ کی کتاب یا منزل من اللہ نہیں کہا۔ البتہ قرون اولیٰ کے بعد جب دوسری اور تیسری صدی میں سبائی سازش بار آور ہوئی اور فقہی و حدیثی امام پیدا ہونے لگے اور امت مسلمہ میں تفریق ہونے لگی اور نئے نئے عقیدے جنم لینے لگے جب ہی یہ عقیدہ بھی بنا کہ نعوذ باللہ قرآن کریم ایک مجمل یا نامکمل کتاب ہے جو بغیر (نام نہاد) احادیث کے نہ تو سمجھ میں آسکتا ہے اور نہ ہی مکمل ہوتا ہے یونکہ قرآن کی بہت سی آیات تو منسوخ الحکم ہیں اور وہ (نام نہاد) احادیث میں ملتی ہیں جن کو فقہاء محدثین ہی سمجھتے اور جانتے ہیں اس لئے ان کے استنباط، اجتہاد و قیاس دین و شریعت ہیں۔ یہ سازش آہستہ آہستہ اس حد تک بڑھی کہ پھر اصل دین و شریعت یعنی قرآن کریم کے مقابلہ میں بخاری شریف و مسلم شریف اور کنز شریف و قدُوری شریف و فتاویٰ عالمگیری لکھ لکھ کر امت میں پھیلا دیئے گئے اور قرآن شریف کو اچھا سا جُزدان پہنا کر طاق نسیان پر رکھ دیا گیا۔ اس سازش کے متعلق اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی واضح آیت نازل فرمادی تھی کہ یوم حشر رسول اللہ سلامٌ علیہ شکایت فرمائیں گے:

وَقَالَ الرَّسُوۡلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوۡمِى اتَّخَذُوۡا هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ مَهۡجُوۡرًا ۝ (الفرقان:۳۰)

اے پروردگار میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا

(۲)۔...اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ (یہ قرآن) کونسا ہے؟ وہی جو رسول سلامٌ علیہ پر نازل ہوا (۱۹/۶)۔ کیا یہ وہی قرآن کریم ہے جس کو امت مسلمہ قرآن کریم مانتی ہے اور بڑی عزت و تکریم سے طاق میں اوپر سجاتی ہے اور اسی کو کتاب اللہ مانتی ہے یا یہ مسعود احمد صاحب کا مجموعہ قرآن و حدیث ہے جسے وہ کتاب اللہ مانتے اور منوانے کی کوشش کرتے ہیں اور جس کے لئے انہوں نے اپنا پمفلٹ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" چھپوا کر اُمت میں پھیلانے کی کوشش کی ہے؟ کیا یہ وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسول و نبی سلامٌ علیہ پر نازل فرمائی اور اس

[1] پمفلٹ "جماعت المسلمین اور اہل حدیث میں بنیادی فرق" ۱۳۹۹ھ، ص ۲

کی حفاظت کا بھی ذمہ لیا یا یہ وہ سینکڑوں کتابیں ہیں جو سبائی سازش کے تحت قرونِ اولیٰ کے بعد دوسری تیسری صدی میں جب امت مسلمہ میں ملوکیت اور پاپائیت قائم کرادی گئی تو نام نہاد محدثین نے لکھیں؟ اور وہ صرف پاپائیت ہی کے قبضہ میں رہیں عوام الناس تک نہیں پہنچنے دی گئیں؟ (ورنہ وہ بھی قرآن کریم کی طرح ہر مسلم کے گھر کے طاق میں سجی ہوتیں)

**دیگر سوالات:**

.(۳)۔۔۔ امت مسلمہ کا عقیدہ کہ "کتاب ایک ہے" صحیح ہے یا ایک سے زیادہ کتابیں ہیں جیسا کہ جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کا عقیدہ ہے۔

.(۴)۔۔۔ کیا ایمان صرف قرآن کریم پر لانا ہے یا احادیث کی سینکڑوں کتابوں پر بھی؟

.(۵)۔۔۔ کیا دین و شریعت صرف قرآن کریم میں مکمل و مفصل ہے یا احادیث و فقہ و فتاویٰ کی ہزاروں کتابوں میں؟

.(۶)۔۔۔ کیا قرآن کی آیات کا انکار کفر ہے یا (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ کا؟

.(۷)۔۔۔ کیا قرآن کریم صرف قرآن کریم ہی پڑھنے سے سمجھ میں آسکتا ہے یا وہ اتنا مشکل ہے کہ بغیر نام نہاد احادیث اور چودہ دیگر (عجمی پاپائیت کے بنائے ہوئے) علوم کے پڑھے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا؟

.(۸)۔۔۔ کیا قرآن آپ اپنی تفسیر ہے یا اس کی تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کی؟

.(۹)۔۔۔ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کی تفسیر کی تو وہ کہاں ہے؟؟

.(۱۰)۔۔۔ کیا اللہ کی کتاب واضح (کِتٰبٌ مُّبِیْن) نہیں کہ اس کی تشریح علیحدہ سے ہوگی؟

.(۱۱)۔۔۔ کیا قرآن مبین کے علاوہ بھی کچھ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی کیا گیا تھا (یعنی جس کو **مثلہٗ و معہٗ** کہا جاتا ہے) جس کی امت مسلمہ مکلّف ہے؟

.(۱۲)۔۔۔ کیا کتاب اللہ اور حکمت الگ الگ ہے یا الکتاب ہی کو حکمت کہا گیا ہے؟

.(۱۳)۔۔۔ کیا الکتاب ہی کافی ہے یا دوسری کتابوں کی بھی ضرورت ہے؟

.(۱۴)۔۔۔ حدیث کیا ہے؟ کیا قرآن کریم ہی کو حدیث کہا گیا ہے یا نام نہاد احادیث کو؟

.(۱۵)۔۔۔ کیا قرآن کریم اور اس کی آیات یعنی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کئے گئے ہیں یا نام نہاد احادیث و فقہ؟

.(۱۶)۔۔۔ کیا اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت ہی کو اطاعتِ رسول کہا گیا ہے؟ یا پندرہ سو احادیث کی کتابوں کی اطاعت کو؟

.(۱۷)۔۔۔ کیا حکم صرف اللہ کا ہے یا دو حکم ہیں جن میں دوسرا حکم رسول کا بھی ہے جو (نام نہاد) احادیث کی شکل میں بتایا جاتا ہے؟

# باب ا
# جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے بنیادی عقیدہ کا ابطال
## (قرآن کریم کے مطابق)

اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن مجید نازل کیا ہے یعنی وحی کیا جس کے ہم مکلّف ہیں (نام نہاد) احادیث نہ نازل کی گئیں، نہ وحی ہیں نہ ہم اس کے مکلّف ہیں۔

## بنیادی قرآنی اصول:

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے بنیادی عقیدہ کا (ابطال) ہم اللہ کی کتاب قرآن العزیز ہی سے کریں گے جس پر امت مسلمہ پہلے ایمان لانے کی دعویدار ہے اور خود جناب امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) بھی اس پر ایمان لانے سے انکاری نہیں (یہ اضافی معاملہ ہے کہ وہ اس کے ساتھ بخاری و مسلم و دیگر انسانوں کی بنائی ہوئی یا تحریر کردہ (نام نہاد) احادیث شریک کرکے ایمان لاتے ہیں) پھر اگر وقت و حالات و ذرائع نے اجازت دی تو اس کا ابطال انشاء اللہ (نام نہاد) احادیث و عقلی دلائل سے بھی کریں گے۔۔ اس سلسلہ میں آگے بڑھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم ایک نظر قرآن العزیز کے عطا کردہ ان اصولوں پر ڈال لیں جو قاریٔ قرآن کیلئے بنیادی اہمیت رکھتے ہیں اور اپنی جگہ اٹل ہیں۔ وہ اصول یہ ہیں:

**ا۔ پہلا اصول:** اللہ تعالیٰ قرآن العزیز میں فرماتا ہے:

''هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَ مَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ وَ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَ مَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (۳/۷)

ترجمہ: (اور اے رسول) وہی ہے جس نے آپ پر (اپنی) کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں (جن کا سمجھنا مشکل نہیں) اور وہی کتاب کی اصل ہیں اور بعض آیتیں ایسی ہیں جو متشابہ ہیں (ان کی حقیقت معلوم کرنے کی ضرورت نہیں اور نہ معلوم کرنا ممکن ہے)۔ پھر (بھی) جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیت کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تاکہ اس کے حقیقی معنوں کو تلاش کریں اور کوئی فتنہ برپا کریں حالانکہ اللہ کے علاوہ نہ کوئی اس کے حقیقی معنوں کو جانتا ہے (اور نہ جان سکتا ہے) اور جن لوگوں کو علم میں رسوخ ہے وہ (متشابہ آیت کے معنوں کی تلاش میں نہیں پڑتے بلکہ وہ تو) اس طرح کہتے ہیں! ہم اس پر ایمان لائے (اور) یہ (اور اس جیسی) تمام آیات ہمارے رب کی طرف سے (نازل ہوئی) ہیں (اے لوگو! خبردار ہو جاؤ، یہی

عقلمند ہیں) اور عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں سورہ اٰل عمران (۷) (ص ۱۱، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۲)
مرتبہ مسعود احمد بی ایس سی۔ امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

تفسیر: (هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ) (وہ اللہ جس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، وہ اللہ جو حیّ وقیّوم ہے، وہ اللہ جو زبردست ہے، حکیم ہے اور منتقم ہے، وہ اللہ جو علیم وخبیر ہے جس سے زمین وآسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں) اسی (اللہ عز وجل) نے) (اے رسول) آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے (لہٰذا اس کتاب کا ہر قانون مضبوط، حکمت سے پُر اور نقص سے معرّٰی ہے) (مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ) اس کتاب میں بعض آیتیں محکم ہیں (جن میں معنوی لحاظ سے نہ کوئی اشتباہ پایا جاتا ہے اور نہ کوئی پیچیدگی، ان میں ایسے احکام ہیں جو انسان کو بے راہ روی سے روک کر کامیابی وکامرانی، فلاح وبہبود کی منزل سے ہمکنار کرتے ہیں) (هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ) وہ آیتیں ہی درحقیقت کتاب الٰہی کی اصل ہیں (ان ہی کی تعمیل میں فوز وفلاح کا راز مضمر ہے،، دینی ضابطہ حیات کی بنیاد وہی ہیں، نزولِ قرآن مجید کی غرض وغایت انہی آیات میں ہے، عبادت واطاعت جو کہ تخلیق انسانی کا اصل مقصد ہے اس کے تمام شعبے انہی آیات کے اندر پیوست ہیں' ان کو سمجھنا اور ان پر عمل کرنا آسان ہے)[۱]"

آگے صفحہ ۱۴ پر موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ:

آیت زیر تفسیر کے مطالب کا خلاصہ یہ ہے کہ:

"(۱)۔ محکم آیات کو سمجھ کر ان پر عمل کرنا چاہئے

(۲)۔ متشابہ آیات کے حقیقی معنی کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

(۳)۔ متشابہ آیتوں کے حقیقی معنوں کی جستجو کرنے والوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ ان معنوں کی جستجو صرف فتنہ برپا کرنے کیلئے کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو عقیدتاً گمراہ کردیں اور ان کو عمل سے دُور کردیں۔

(۴)۔ علم والے وہ ہیں جو ان آیتوں پر ایمان لاتے ہیں، ان کی حقیقت جاننے کی جستجو نہیں کرتے،

(۵)۔ نصیحت حاصل کرنے والے ہی عقلمند ہوتے ہیں اور عقلمند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ آیات متشابہات میں غور کرنے والے بیوقوف ہی ہوسکتے ہیں اس لئے کہ جو اپنی عاقبت خراب کرے وہ بیوقوف نہیں تو اور کیا ہوسکتا ہے"۔

قرآن کریم کی اس آیت کی رُو سے اصول یہ ہوا کہ قرآن العزیز کی محکم آیات ہمارے دین کی اصل ہیں ان ہی کو سمجھنا ہے اور ان پر عمل کرنا ہے۔ اس کے لئے عقلِ سلیم کا استعمال کرنا ضروری ہے کیونکہ عقل مند ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں جبکہ عقل بند گمراہ رہ جاتے ہیں۔

**۲: دوسرا اصول:** اللہ تعالیٰ قرآن العزیز میں فرماتا ہے کہ:

---

[۱] قارئین کرام ذرا غور فرمایئے کہ اس آیت کی تفسیر ہی میں جس کو تو ہم محض اصول کے طور پر پیش کر رہے تھے، فاضل تفسیر نگار نے خود ہی مان لیا کہ اللہ نے آپ سلامٌ علیہ پر اپنی یہ کتاب نازل کی جس کی محکم آیات ہی اصل ہیں اور ان ہی کی تعمیل میں فوز وفلاح ہے۔ یہاں کہیں (نام نہاد) احادیث کے نازل کرنے کا یا ان سے رہنمائی لینے کا ذکر تک نہیں!

''قَدۡ جَآءَکُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِہٖ ۚ وَ مَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡہَا ؕ وَ مَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ کَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ وَ لِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَ لِنُبَیِّنَہٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ (۱۰۴۔۱۰۵/۶)

ترجمہ:(اے لوگو) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس (عبرت و) بصیرت کی باتیں آچکی ہیں جس نے (ان کو نگاہِ بصیرت سے) دیکھا تو اس میں اس کا فائدہ ہے اور جس نے (ان سے) آنکھیں بند کر لیں تو اس کا وبال اسی پر ہو گا اور (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ) میں تم پر نگران نہیں ہوں (کہ تم سے زبردستی منواؤں (۱۰۴) اور (اے رسول) اس طرح ہم اپنی آیات کو مختلف الفاظ و متنوع اسالیب کے ساتھ بیان کر رہے ہیں تا کہ یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ نے اتنا ہی (کسی سے) پڑھ لیا تھا (بس وہی سنا دیا) اور ہم (مختلف الفاظ و متنوع اسالیب سے) اس لئے بھی بیان کر رہے ہیں کہ علم والوں کو اپنی آیات کا مطلب) اچھی طرح سمجھا دیں[۱] سورہ الانعام (۱۰۵) (ص ۱۷۸، تفسیر قرآن عزیز جزء ۴، مرتبہ مسعود احمد بی ایس سی۔ امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)

اسی سورۃ الانعام میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

''وَ ہٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسۡتَقِیۡمًا ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ ﴿۱۲۶﴾ (الانعام:۱۲۶)

ترجمہ:(اے رسول) یہ اسلام آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے۔ ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کیلئے اپنی) آیات کو (واضح طور پر) علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے سورہ الانعام (۱۲۶) (ص ۲۱۶ تفسیر قرآن عزیز جزء ۴: مرتبہ مسعود احمد صاحب۔ بی ایس سی۔ امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)''

قرآن العزیز کی ان دونوں آیات سے اصول یہ قائم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تصریف الآیات کے ذریعہ اسی قرآن میں سمجھاتا ہے۔ اس لیے ہم بھی اپنے سوالات کا جواب قرآنی آیات ہی میں تلاش کریں جو علیحدہ علیحدہ آیات میں بھی ہو سکتا ہے۔ (تصریفِ الآیات کیلئے دیکھئے: ۶/۴۶، ۶/۵۵، ۶/۶۵، ۶/۹۸، ۷/۵۳، ۷/۵۸، ۱۷/۴۱، ۱۷/۸۹، ۱۸/۵۴ وغیرہ)

[۱] قارئین! یہاں قرآنی الفاظ پر غور فرمائیں کہ موصوف ہی کے اپنے ترجمہ کے مطابق یہ نہیں کہا جا رہا کہ آپ سلام علیہ سمجھائیں بلکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم سمجھا دیں۔ جبکہ مسعود احمد صاحب کا عقیدہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ سلام علیہ سمجھا دیں اور اس کو وہ قرآن کی تشریح و تفسیر کا نام دیتے ہیں!

# بنیادی عقیدہ کا ابطال قرآن العزیز سے

اس سے پہلے کہ میں جناب مسعود احمد صاحب' امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے بنیادی عقیدہ کو قرآن العزیز کی آیات کریمہ سے باطل ثابت کرنے کی کوشش کروں۔ میں قارئین کی توجہ اس طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ ہمارے علماو فضلاء میں ایک عام روش یہ رہی ہے کہ جب ان کے عقیدے کے خلاف کوئی بات دکھاؤ تو وہ جھٹ الزام لگا دیتے ہیں کہ یہ ترجمہ غلط ہے یا یہ تفسیر غلط ہے یا یہ فلاں فرقہ کی ہے یا فلاں عقیدہ کی ہے اس روش کے پیشِ نظر میں نے موصوف کی اپنی ہی تحریر کردہ تفسیر کا انتخاب کیا ہے[1] اور میں حتیٰ الامکان انہیں کے ترجمہ و تفسیر سے ان کے عقیدہ کو باطل کرنے کی کوشش کروں گا سوائے اس کے کہ کہیں مجبوراً کسی اور عالم کے ترجمہ و تفسیر کا سہارا لوں۔ جہاں کہیں کسی اور کا ترجمہ یا تفسیر پیش کروں گا اس کا حوالہ دے دوں گا۔ انشاء اللہ) میرا طریقہ کار یہ ہو گا کہ میں قرآن کریم سے ترتیب وار متعلقہ آیات پیش کر کے تبصرہ کرتا جاؤں گا کہ آیت کیا واضح کر رہی ہے اور اس سے کونسا عقیدہ باطل قرار پاتا ہے اور ہمارے کس سوال کا جواب ملتا ہے۔ قرآن مبین کی آیات کے نمبر اس طرح دیئے جائیں گے کہ بائیں طرف سورۃ کا نمبر ہو گا اور دائیں طرف آیت یا آیات کے نمبر ہوں گے مثلاً ۷ / ۳ یعنی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۷۔ ملاحظہ فرمایئے:

**1۔**... قرآن کریم کی افتتاحیہ سورۃ الفاتحہ کے بعد پہلی سورۃ البقرہ کی ابتدا ہی یوں ہوتی ہے۔

''ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (۲ / ۲)

ترجمہ: (یہ) وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں، یہ متقیوں کیلئے ہدایت ہے[2]۔ (تفسیر قرآن عزیز، جزو اول، ص ۹۳)

غور فرمایئے کہ موصوف اپنے ترجمہ میں (یہ) وہ کتاب کس کتاب کو کہہ رہے ہیں؟ کیا یہ قرآن العزیز کو نہیں کہہ رہے ہیں؟ کیا یہی کتاب یعنی قرآن کریم متقی بنانے کیلئے ہدایت نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ موصوف مان رہے ہیں کہ یہی وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک و شبہ نہیں (کہ اس کا راوی کون ہے، کب اور کہاں پیدا ہوا، سچا ہے یا جھوٹا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ اس قسم کے تمام شبہات (نام نہاد) احادیث میں پیدا ہوتے ہیں اور ہر ایک کی تحقیق میں مختلف ہوتے ہیں) اور یہی کتاب یعنی قرآن العزیز ہی ڈرنے والوں کو صحیح راستہ پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتی ہے کوئی اور کتاب نہیں۔

ترجمہ کے بعد اسی صفحہ ۹۳ پر موصوف 'معانی و مصادر' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

(کتاب) كَتَبَ، يَكْتُبُ، كِتَابٌ، وَكِتْبَةٌ، وَكِتَابَةٌ (ن) لکھنا

---

[1] موصوف کی تفسیر کا تعارف اور اس پر تبصرہ آگے انشاء اللہ عقلی و نقلی دلائل کے ذیل میں آئے گا۔۔۔[2] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء اول۔ سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ۔ مرتبہ مسعود احمد بی ایس سی، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) اشاعت اول ۱۴۰۶ھ۔ مطابق ۱۹۸۶ء۔ ص ۹۳

حکم دینا۔ فرض کر دینا۔ کتاب مصدر بھی ہے اور ہر لکھی ہوئی چیز کو بھی کتاب کہتے ہیں۔ اس کے معانی ہیں۔ مکتوب صحیفہ، حکم اور فرض"

ان معانی مصادر کے مطابق تو قرآن العزیز اس وقت بھی کتابی شکل میں موجود تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تب ہی تو اس کو صحیفہ یا کتاب کہا گیا[1]، نیز یہ کہ اسی کتاب کو فرض کیا گیا نام نہاد احادیث کی کتابوں کو فرض نہیں کیا گیا۔ اسی لئے تو سورۃ القصص کی آیت ۸۵ میں فرمایا: اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ

"ترجمہ: (اے رسول) جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (کی تبلیغ اور اس کے احکام) کو فرض کیا ہے"۔

آگے اسی صفحہ ۹۳ پر تفسیر کے عنوان کے تحت موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"تفسیر: آیت مذکورہ کے معنی یہ ہیں کہ یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، یہ کتاب متقیوں (ڈرنے والوں) کے لیے ہدایت ہے"۔

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، اللہ ذوالجلال والاکرام کا کلام ہے اسکے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ؕ﴿۲﴾ (۳۲/۲)

ترجمہ: "اس میں کچھ شک نہیں کہ اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے" (۳۲/۲)(ص ۹۳)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾ (۱۰/۳۷)

ترجمہ: "یہ قرآن ایسی چیز نہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اس کو بنا سکے بلکہ یہ تو پہلے آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، شریعتِ الٰہیہ (کے مسائل) کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے، اس کے ربّ العالمین کی طرف سے نازل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (۱۰/۳۷)(ص ۹۴) "

ذرا اس کو ایک اور مرتبہ پڑھئے اور غور کیجئے کہ یہ پہلی ہی آیت کی تفسیر کیا کیا حقیقتیں آشکار کر رہی ہے:

(۱)۔ قرآن کریم وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کا کوئی شک وشبہ نہیں (کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے یعنی کتاب اللہ۔ جبکہ اس کے مقابلے پر انسانوں کی بنائی ہوئی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں اس شک سے بالاتر نہیں، کوئی بھی ان کو کتاب اللہ نہیں مانتا ہے بلکہ وہ اپنے خالقین کے نام سے جانی جاتی ہیں) کیا ہے کوئی اور کتاب جس میں یہ دعویٰ کیا گیا ہو اور

---

[1] اس طرح (نام نہاد) احادیث کی پیش کردہ کہانی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں قرآن کتابی شکل میں نہ تھا بلکہ پتوں، ہڈیوں وغیرہ پر لکھا ہوا تھا جس کو بعد میں جناب ابو بکر صدیق اور مزید بعد میں جناب عثمان غنیؓ نے صحابہ کرام کی شہادتوں کی بنیاد پر لکھ کر کتابی شکل میں جمع کیا) تو غلط ثابت ہو جاتی ہے، اسی قرآن میں دیگر آیات بھی یہی ثابت کرتی ہیں کہ قرآن کریم شروع ہی سے کتابی شکل میں مرتب کیا گیا تھا۔ جو قارئین اس حقیقت کے بارے میں تفصیل جاننا چاہتے ہیں۔ وہ جناب تمنّا عمادی صاحب کی کتاب "جمع القرآن" شائع کردہ "الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ" کا مطالعہ کریں یا سید مناظر احسن گیلانی صاحب کی کتاب "تدوین قرآن" کا مطالعہ کریں۔ یا ان کے شاگرد سید صدیق حسن کی کتاب "جمع وتدوین قرآن" (دار المصنفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ (یوپی) انڈیا کا مطالعہ کریں۔

وہ بھی اللہ تعالیٰ علیم وخبیر کی جانب سے ؟ کیا بخاری ومسلم یا(نام نہاد) احادیث کی کسی بھی فرقہ کی کسی بھی کتاب میں دعویٰ کیا گیا ہے ؟ اگر اللہ تعالیٰ کی وہ بھی وحی کی کتابیں ہیں تو پھر ان میں بھی وہ دعویٰ ہونا چاہئے تھا! ورنہ یہ ثابت ہو گیا کہ (نام نہاد) احادیث وحی نہیں نہ ہی کتاب اللہ۔ چلئے اس کو بھی چھوڑ دیجئے یہ دیکھئے کہ ان کتابوں کو لکھنے والوں نے بھی کیا کبھی یہ دعویٰ کیا وہ وحی لکھ رہے ہیں (گویا کہ کاتب وحی ہیں) اور یہ کتابیں بھی کتاب اللہ ہیں ؟ یا یہ کہ ان کتابوں کا کچھ حصہ کتاب اللہ ہے جو کہ اصل کتاب اللہ میں شامل ہونے سے رہ گیا تھا اسے اب اس میں شامل کر لیا جائے ؟

(۲)۔ قرآن کریم رسول سلامٌ علیہ کے سامنے ہی سے کتابی شکل میں (بین الدفتین) لکھا گیا تھا (وہ ہڈیوں، پتوں، پتھروں کے ڈھیر پر نہیں لکھا گیا تھا)

(۳)۔ اسی قرآن العزیز کو جس میں کوئی شک وشبہ نہیں فرض قرار دیا گیا (یعنی اس کے احکام کو) کسی اور عجمی کی کتاب کو یا اس کے احکام کو فرض قرار نہیں دیا گیا۔

(۴)۔ یہی کتاب قرآن العزیز ڈرنے والوں کیلئے ہدایت ہے کوئی اور انسانی کتاب نہیں۔

(۵)۔ یہی کتاب قرآن العزیز اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے (اللہ تعالیٰ کی کتاب ہی کو کتاب اللہ کہتے ہیں)

(۶)۔ یہی کتاب قرآن العزیز اللہ ذوالجلال والاکرام کا کلام ہے یعنی کلام اللہ، کوئی اور کتاب نہیں۔

(۷)۔ یہی کتاب قرآن العزیز اللہ رب العزت کی نازل کردہ ہے یعنی مُنَزَّلٌ مِنَ اللهِ ہے ' کوئی اور انسانی کتاب نہیں اور اس کے نزول میں کوئی شک وشبہ نہیں

(۸)۔ یہ کتاب قرآن العزیز ایسی چیز نہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اس کو بنا سکے اسی لئے یہ صرف اس کی صفت ہے۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث تو ان گنت علماء، فضلا و صالحین بناتے رہے (جیسا کہ خود صحیح مسلم کے مقدمہ میں اس کے لکھنے والے نے مانا ہے)

(۹)۔ یہ کتاب قرآن العزیز پہلے انبیاء رُسل پر آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

(۱۰)۔ یہ کتاب قرآن العزیز شریعت کے مسائل کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے (تو پھر اس کی تشریح یا تفسیر یا (نام نہاد) احادیث کی کیا ضرورت ؟ مگر قارئین آگے چل کر نوٹ کریں گے کہ یہی موصوف پلٹ جائیں گے اور کہیں گے کہ قرآن مجید میں شریعت کے مسائل پورے نہیں اس لئے (نام نہاد) احادیث کی ضرورت ہے)

(۱۱)۔ جو لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے یہ کتاب ان کو ڈراتی ہے۔

(۱۲)۔ جو لوگ اللہ سے نہیں ڈرتے یہ کتاب ان کو سیدھا راستہ بتاتی ہے

(۱۳)۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ واحد کا صیغہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ الکتٰب ہی لاریب ہے اور کوئی کتاب اس کی شریک نہیں۔ یہ صرف اور صرف قران کریم ہی ہے اور کتاب اللہ ہے (نام نہاد) احادیث کتاب اللہ نہیں۔

آگے صفحہ ۹۷ پر اختتامی طور پر موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"الغرض جو لوگ اللہ عزوجل سے نہیں ڈرتے ان کے لئے یہ کتاب دو کام انجام دیتی ہے۔

(۱)۔...... ان کو ڈراتی ہے اور

(۲)۔...... سیدھا راستہ بتاتی ہے۔

پھر جب لوگ ڈرنے لگتے ہیں تب یہ ان کو سیدھے راستہ پر چلا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہے گویا اس کتاب کا نزول ہر بدکار و نیکوکار کیلئے مفید ہے"۔(ص ۹۷)

غور فرمایئے کہ یہ تعریف کس کتاب کی ہو رہی ہے قرآن العزیز کی یا (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی؟

یہ سیدھا راستہ کس کتاب میں لکھا ہوا ہے قرآن العزیز میں یا (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں؟

یہ ڈرانے والی کونسی کتاب ہے قرآن کریم یا (نام نہاد احادیث کی کتابیں)؟

ظاہر ہے کہ یہ تمام خوبیاں وصفات قرآن کریم ہی میں ہیں اور سیدھا راستہ قرآن العزیز ہی میں لکھا ہوا ہے۔

غور فرمایئے کہ قرآن العزیز کی یہ پہلی ہی آیت نے جناب مسعود احمد صاحب کے خود ساختہ عقیدہ (کہ احادیث بھی کتاب اللہ ہیں۔ معاذ اللہ) کو انہی کے اپنے ترجمہ وتفسیر سے غلط ثابت کر دیا۔

کیا اب آگے اور آیات پڑھنے کی ضرورت باقی رہ گئی؟ یقیناً ایمان والوں کیلئے تو کوئی ضرورت نہیں لیکن ہم آگے اور آیات پڑھتے ہیں یونکہ موصوف کا ایک اور خود ساختہ عقیدہ بھی ہے کہتے ہیں! عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا ہے[1] (یہ قرآن حکیم یا نام نہاد احادیث کے الفاظ نہیں یہ ان کا اپنا بنایا ہوا فلسفہ ہے)

**2۔**... اگلی دو آیات میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر فرماتا ہے جو ایمان لاتے ہیں:

. ''الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۳ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝۴ (۳۔۴/۲)

ترجمہ: "جو غیب پر ایمان لاتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے (مال) میں سے خرچ کرتے ہیں (۳) اور جو اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو آپ پر نازل ہوئی اور (اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں) جو آپ سے پہلے نازل ہوئی تھی اور جو آخرت پر ایمان لاتے ہیں" (۴) (۳۔۴/۲) (تفسیر قرآن عزیز، جزء اول، ص ۹۸)

غور فرمایئے کہ ان دونوں آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ایمان لاتے ہیں تو ان چیزوں کے علاوہ وہ اس چیز پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپ سلامٌ علیہ پر یعنی محمد سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی تھیں اور پچھلی آیت میں ہم پڑھ چکے ہیں کہ وہ چیز اللہ کی کتاب قرآن مجید ہے' اور کوئی انسانی کتاب نہیں۔ موصوف خود ان آیات کی تفسیر لکھتے ہوئے صفحہ ۱۱۱ پر "کتابِ الٰہیہ پر ایمان" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

"ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے متقین کی چوتھی صفت یہ بتائی کہ وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آخری رسول محمد ﷺ پر نازل کی گئی ہے اور پانچویں صفت یہ بتائی کہ وہ ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے پہلے نازل کی گئیں، گویا قرآن مجید سے پہلے نازل ہونے والی تمام کتابوں پر

[1] خلاصہ تلاش حق از مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)۔ اشاعت چہارم ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء، ص ۵۵، موصوف تحریر فرماتے ہیں کہ: حنفیوں کا طریقہ نماز بے شک غلط ہے، لیکن وہ حدیث جس کا ذکر آپ نے کیا ہے صحیح ہے۔ اس حدیث میں بہت سے امور کا ذکر نہیں ہے اور عدم ذکر سے عدم شے لازم نہیں آتا۔ کوئی ایک حدیث ایسی نہیں جس سے پورا طریقۂ نماز معلوم ہو سکے۔ صحابہؓ اجزاء کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے تھے۔ ابو حمید ساعدیؓ کی ایک بہت ہی طویل حدیث ہے لیکن پورا طریقہ اس میں بھی نہیں ہے "ہم بھی تو یہی کہتے ہیں

ایمان لانا ضروری ہے۔ جو شخص پہلی کتابوں پر ایمان لاتا ہے لیکن قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتا ہے متقی نہیں بن سکتا ہے یعنی وہ راہِ ہدایت پر چل کر منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ اس کا دعویٰ ایمان صحیح نہیں"۔ نیز غور کیجئے کہ یہاں بعد میں بنائی جانے والی کتابوں پر ایمان لانے کا اشارہ تک نہیں۔

اس کے بعد دو آیات اور پیش کر کے موصوف صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمین قرآن مجید اور دوسری کتابوں پر ایمان لاتے ہیں جو شخص قرآن مجید پر ایمان نہ لائے وہ مسلم نہیں ہو سکتا ہے نہ ہدایت پا سکتا ہے"۔

غور فرمایئے کہ یہاں خود موصوف نے یہ مان لیا کہ ایمان اس کتاب یعنی قرآن مجید پر لانا ہے جو آخری رسول محمد سلامٌ علیہ پر نازل ہوا یا ان کتابوں پر جو ان سے پہلے نازل ہوئیں۔ یہاں کہیں بھی بعد کی کسی انسانی کتاب یا (نام نہاد) احادیث کی کتاب پر ایمان لانے کا ذکر تو بہت بڑی بات شائبہ تک نہیں۔ کیا اب آگے مزید آیات بھی پیش کرنے کی ضرورت ہے؟ یقیناً ایمان لانے والوں کیلئے نہیں مگر ہم آگے بڑھتے ہیں کیونکہ خود موصوف آگے بڑھ کر اس کتاب کے ساتھ دوسری کتابیں یا نام نہاد احادیث شریک کر دیں گے۔

**3۔** آگے سورہ البقرہ کی آیت ۲۳، ۲۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ اِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوۡا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾ (۲۳۔۲۴/۲)

ترجمہ: اور اگر تم کو اس کتاب کے سلسلے میں جو ہم نے اپنے بندے (محمد ﷺ) پر نازل کی ہے (ہماری طرف سے ہونے میں) کچھ شک ہے تو اس کی مثل ایک سورت تم بھی (بنا) لاؤ اور اللہ کے علاوہ جو تمہارے (خیال میں) حاضر و ناضر ہیں ان کو بھی (اپنی مدد کیلئے) بلا لو اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو (کہ یہ انسانی کلام ہے تو اس چیلنج کو قبول کرو اور یہ کام کر گزرو (۲۳) پھر اگر تم ایسا نہ کر سکو، اور تم ہر گز ایسا نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں (تمہیں رسول اور کتاب کے ساتھ کفر کرنے کی وجہ سے اس آگ میں ڈالا جائے گا اور) وہ کفر کرنے والوں کے لئے ہی تیار کی گئی ہے (۲۴)" (تفسیر قرآن عزیز، جز اول ص ۱۶۳۔۱۶۴)

غور فرمایئے کہ یہاں اللہ تعالیٰ کیا فرما رہا ہے اور کیا چیلنج انسانوں کو کر رہا ہے؟ کیا یہاں واضح طور پر یہ بات نہیں کہہ دی کہ اس نے اپنے بندے پر یہ کتاب یعنی قرآن العزیز نازل کیا ہے جس میں کوئی شک نہیں یعنی "لَا رَيۡبَ" یہ کتاب ہے اور کوئی نہیں اور اسی کتاب کو شروع میں دوسری آیت کریمہ میں بھی ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ لَا رَيۡبَ ۛۚ فِيۡهِ ۛۚ کہا جا چکا ہے۔ پھر انسانوں کو اگر اس کے اللہ کی کتاب ہونے میں کوئی شک ہو تو اُن کو چیلنج دیدیا کہ تم اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ کیا اس قسم کا چیلنج (نام نہاد) احادیث کے بارے میں کہیں دیا گیا؟ اگر وہ اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہوتیں تو ان کا بھی ذکر ہوتا اور ان کے لئے بھی ایسا ہی چیلنج ہوتا۔ مگر صاف ظاہر ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ وحی نہیں۔ اسی لئے تو علماو

فضلاء محدثین وصلحانے لاکھوں احادیث بناڈالیں۔ آگے خود اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ تم قرآن العزیز کی ایک سورت جیسی بھی نہیں بناسکتے پھر آگ کا ایندھن بننے کیلئے تیار ہو جاؤ"۔ آگے صفحہ ۱۶۵ پر تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں۔

"تفسیر: اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور توحید کا ثبوت دیا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے کتاب الٰہی ہونے اور محمد ﷺ کے رسول ہونے کا ثبوت دیا"

"قرآن مجید، اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ اس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں"

لیجئے یہاں تفسیر میں پھر موصوف نے واضح طور پر تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید ہی کتاب اللہ ہے۔ آگے فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

تَنۡزِیۡلُ الۡکِتٰبِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ؕ﴿۲﴾ (۳۲/۲)

اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ یہ کتاب رب العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے"

لیجئے، پھر یہ تسلیم کر لیا کہ یہی کتاب یعنی قرآن کریم ہی رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے کوئی اور انسانی کتاب نہیں (یونکہ پورے قرآن کریم میں اس کے ساتھ کوئی اور کتاب نازل کرنے کا ذکر نہیں) آگے اسی تفسیر کے صفحہ ۱۶۷ پر فرماتے ہیں۔

"دوسرے انبیاء کے معجزے ان کی زندگی میں ظاہر ہوئے اور ختم ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ کا اصل معجزہ قرآن مجید ہے جو قیامت تک باقی رہے گا لہٰذا اس کے ذریعہ لوگ قیامت تک ایمان لاتے رہیں گے ......" (تفسیر عزیز، جزء اول، ص ۱۶۷)

یہاں جب قرآن مجید کو معجزہ مان لیا تو کیا یہ نامکمل معجزہ تھا / ہے کہ اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث بھی شریک کرنے کی ضرورت ہے؟ قارئین غور فرمایئے کوئی معجزہ ادھورا یانامکمل نہیں ہوتا کہ اس میں بعد میں رسول کے امتی یاسازشی عناصر اپنی کرامات کا جوڑ ٹانک دیں! یہ معجزہ یعنی قرآن مجید بھی مکمل تھا اور ہے جو کہ اللہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے کوئی اور (نام نہاد) احادیث کی کتاب اس کے ساتھ شریک نہیں کی جاسکتی ورنہ یہ شرک فی الکتاب یاشرک فی الصفات الٰہی ہو جائے گا یونکہ معجزہ نازل کرنا یا کسی رسول کو عطا کرنا اللہ رب العزت کی صفت ہے[1] اور اس کی صفات میں کوئی بھی شریک نہیں ہو سکتا۔

آگے اسی تفسیر میں صفحہ ۱۶۸ پر عمل کے عنوان کے تحت موصوف فرماتے ہیں کہ:

"عمل: اے لوگو! قرآن مجید پر ایمان لایئے، قرآن مجید پر عمل کیجئے، اس پر ایمان لانا اور اس پر عمل کرنا دنیا میں بھی کامیابی کا ذریعہ ہے اور آخرت میں بھی کامیابی کا ذریعہ ہے"۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰہَ یَرفَعُ بِھٰذا الکِتَابِ اَقْوَاماً وَّ یضعُ بِہٖ اٰخَرِینَ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل من یقوم بالقرآن (جزء اوّل ص ۳۲۵)

---

[1] اگر موصوف یا کسی اور عالم فاضل کے خیال میں کوئی دوسرا بھی اس صفت کا حامل ہے تو پیش کریں۔

بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عروج و اقبال عطا فرمائے گا اور بہت سی قوموں کو ذلیل وخوار کر دے گا"۔

"اس حدیث کی صداقت ہمارے سامنے ہے۔ جب تک مسلم اس پر عمل کرتے رہے اقوامِ عالم پر حکومت کرتے رہے۔ تاریخ کے صفحات ان کی ترقی، شوکت و حشمت کے گواہ ہیں لیکن جب سے انہوں نے قرآن مجید پر عمل کرنا چھوڑا ایسی ذلّت میں گرفتار ہوئے کہ آج تک اس سے نہ نکل سکے، اور جب تک اس قرآن مجید پر عمل نہیں کریں گے اسی ذلّت میں گرفتار رہیں گے۔ لہٰذا اے لوگو! قرآن مجید پر عمل کیجئے ، دنیا کی برکات سے بہرہ مند ہوئیے اور آخرت کی لازوال نعمتوں کو بھی حاصل کیجئے، آخرت کی نعمتیں تو قرآن مجید پر عمل کرنے والوں ہی کے لئے مخصوص ہیں"۔(تفسیر عزیز، جزء اوّل، ص۲۱۸)

غور فرمایئے کہ موصوف یہاں صرف قرآن مجید پر عمل کروا رہے ہیں اور کسی (نام نہاد) حدیث پر نہیں۔ اور قرآن مجید پر عمل کرنے ہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بھی اقوام کے عروج کا ذریعہ بتا رہے ہیں۔ ایک اور قابلِ غور انتہائی اہم بات یہ کہ یہاں موصوف سنت پر عمل کرنے کا بھی ذکر نہیں کر رہے (حالانکہ ہر جگہ صرف وہی نہیں بلکہ دیگر فرقوں کے علما بھی ہر وقت سنت پر عمل کرنے کا کہتے رہتے ہین) کیوں؟ اس لئے کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ قرآن کریم کے احکام پر عمل کرنے کا نام ہی سنتِ رسول ہے ورنہ سنت قرآن سے کوئی زائد یا علیحدہ عمل نہیں۔

پچھلے صفحات پر سورہ البقرہ کی دوسری آیت اور ان آیات کی تفسیر کے جو حصے آپ نے ابھی پڑھے ان کے بعد کیا شک رہ جاتا ہے کہ صرف یہی کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی۔ نیز یہاں آیات ۲۳۔۲۴ میں تو لفظ الْكِتٰبُ بھی استعمال نہیں ہوا بلکہ مِمَّا نَزَّلْنَا کے الفاظ استعمال ہوئے اور اس جیسی ایک سورت بنالانے کا چیلنج دے کر یہ واضح کر دیا کہ مِمَّا نَزَّلْنَا قرآن کریم ہی ہے یونکہ سورتیں تو اسی میں ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں (گو کہ بخاری صاحب نے اپنی کتاب میں تیس پارے قرآن کریم کے مثل بنانے کی کوشش کی ہے)۔ اور اگر (نام نہاد) احادیث کو بھی وحی / مِمَّا اَنْزَلْنَا مان لیا جائے تو ان جیسی تو لاکھوں احادیث بنائی گئیں۔ پس ثابت ہوا کہ وہ وحی نہیں۔

اب ذرا مختصراً دیکھ لیجئے کہ ان دونوں آیات (البقرہ:۲۳۔۲۴) کی موصوف کی تفسیر کیا کیا حقیقتیں محکم طور پر آشکارا کر رہی ہے:

.(۱)۔... صرف قرآن مجید ہی کتاب اللہ ہے کوئی اور (نام نہاد) احادیث کی کتاب نہیں۔

.(۲)۔... اس میں کوئی شک نہیں کہ یہی کتاب ربّ العالمین کی طرف سے نازل کی گئی ہے یعنی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰه ہے۔ کوئی اور (نام نہاد) احادیث کی کتاب نہیں۔

.(۳)۔... یہی قرآن مجید رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اصل معجزہ ہے۔

.(۴)۔... اسی قرآن مجید پر عمل کرنا ہے اسی سے دین و دنیا دونوں کی کامیابی حاصل کی جاسکتی ہے کسی (نام نہاد) احادیث کی کتاب سے نہیں۔

.(۵)۔... اسی کتاب کی سورتوں کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا جبکہ (نام نہاد) احادیث جن کے لئے یہ چیلنج نہیں ان جیسی لاکھوں بنالی گئیں۔

.(۶)۔...اللہ تعالیٰ کی یہ اکیلی الکتٰب (ذٰلِكَ الْكِتٰب) جو کہ معجزہ ہے کے ساتھ کسی اور کتاب کو شریک نہیں کیا جاسکتا ورنہ یہ شرک فی الصفات ہو جائے گا۔

.(۷)۔...اسی کتاب اللہ یعنی قرآن مجید پر جو کہ مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہے ایمان لانا ہے کسی (نام نہاد) احادیث پر نہیں جو نہ تو کتاب اللہ ہیں اور نہ ہی وحی یا مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ

.(۸)۔... مسلم قوم جب تک قرآن مجید پر عمل کرتی رہی (نام نہاد احادیث پر نہیں) اقوام عالم پر حکومت کرتی رہی۔ جب قرآن مجید پر عمل کرنا چھوڑا (اور انسانوں کی بنائی ہوئی احادیث وفقہ پر عمل کرنا شروع کیا، فرقوں فرقوں میں بٹ گئے) ایسی ذلّت میں گرفتار ہوئے کہ آج تک اس سے نہ نکل سکے۔

.(۹)۔...اگر مسلم قوم اس ذلّت سے نکلنا چاہتی ہے تو تمام (نام نہاد) احادیث وفقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن مجید پر عمل شروع کرے تو دین ودنیا دونوں کی نعمتیں پھر سے مل جائیں گی۔

**4۔**... آگے سورہ البقرہ کی آیت ۴۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّايَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ (۲/۴۱)

ترجمہ: اور (اے بنی اسرائیل) اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے (وہ ایسی کتاب ہے) جو تمہاری کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور تم اس کے (سب سے) پہلے انکار کرنے والے نہ بن جاؤ اور (اے بنی اسرائیل) تھوڑے فائدے کی خاطر میری آیتوں کو نہ بیچو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو (۴۱) (جزء ۱، ص ۲۲۱)

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ بالکل صاف صاف محکم طریقہ پر صرف اس کتاب قرآن مجید ہی پر ایمان لانے کا حکم دے رہا ہے جو اُس نے نازل کی ہے۔ یعنی صرف قرآن مجید ہی کتاب اللہ ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اور اس سے انکار ہی منکر اول بنا دیتا ہے اور اس کی آیات کو بیچنے سے بھی منع فرما دیا۔ اور آیات تو صرف قرآن ہی میں ہیں نام نہاد احادیث میں نہیں۔

**5۔**... آگے سورہ البقرہ کی آیت ۷۸ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾ (۲/۷۸)

ترجمہ: ان میں بعض لوگ ایسے ہیں جو نہ لکھنا جانتے ہیں نہ پڑھنا۔ انہیں کتاب (الٰہی) کا کوئی علم نہیں (چند) غلط باتوں اور خوش فہمیوں کے علاوہ (جن پر وہ نازاں ہیں وہ کچھ نہیں جانتے۔ ان کے پاس کوئی یقینی علم نہیں) وہ تو بس ظن وگمان پر (آس لگائے بیٹھے) ہیں'' (۷۸) (ص ۳۰۷، جزء ۱)

آگے ص ۳۰۸ پر تفسیر کے زیرِ عنوان موصوف فرماتے ہیں:

''اس خوش فہمی اور خام خیالی میں اہل کتاب کے عوام مبتلا تھے۔ اگر انہیں کتاب کا علم ہوتا تو وہ کبھی بھی علما کے فریب میں نہ آتے اور اس قسم کا دھوکہ نہ کھاتے۔ ان کی خوش فہمیوں کی بنیاد کسی یقینی چیز پر نہیں تھی بلکہ وہ محض اپنے ظن وگمان سے یہ اندازہ لگائے ہوئے تھے کہ وہ بہت ہی معمولی عرصہ کے لئے دوزخ

میں رہیں گے اور پھر نجات پا جائیں گے۔ یہ خوش فہمیاں سب شیطانی کرشمہ تھیں"۔(ص ۳۰۸)

اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر کے اس حصہ کو بغور مطالعہ فرمائیں۔ کیا اس سے یہ صاف طور پر محکم نہیں ہو رہا کہ الکتاب کا علم ہی اصل اور ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب ظن ہے؟ کیا یہ بات آج (نام نہاد) احادیث پر صادر نہیں آ رہی کہ لوگوں نے خود لکھ لکھ کر اُن کو اللہ اور رسول کی طرف منسوب کر دیا اور ان کو وحی قرار دے کر دوسروں کو گمراہ کرتے رہے کہ انہوں نے اصل کتاب کو چھوڑ کر ظن و گمان کی پیروی شروع کر دی۔ دیکھئے! انہی لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ اسی سورہ البقرہ کی اگلی آیت ۷۹ میں کیا فرماتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝ (۲/۷۹)

ترجمہ: خرابی ہے ان لوگوں کیلئے جو اپنے ہاتھ سے شریعت کی باتیں لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں (ان باتوں کے لکھنے سے اُن کا مقصد یہ ہوتا ہے) کہ ان کے ذریعہ تھوڑا سا فائدہ حاصل کریں (خبردار) جو کچھ وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اس کی وجہ سے ان کے لئے بڑی خرابی ہے اور جو کچھ وہ کماتے ہیں اس کی وجہ سے بھی ان کے لئے بڑی خرابی ہے (۷۹) (ص ۳۱۰، جزء ۱)

"تفسیر: اہل کتاب کے علما شریعت کی باتیں لکھتے، اپنی طرف سے مسائل تحریر کرتے اور پھر عوام پر ظاہر کرتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، حالانکہ وہ مسائل اور فتوے اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً نہیں ہوتے تھے، وہ جھوٹ بول کر لوگوں کو دھوکا دیتے۔ ان کو خوش فہمیوں میں مبتلا کرتے اور ان کے مطلب کے مسائل ان کو بتاتے۔ ایسے فتوے دیتے جن میں عوام کے لئے آسانی ہوتی، ان کو خوش کرتے، ان سے نذرانے وصول کرتے، دعوتیں کھاتے اور دنیا کے ایک قلیل و حقیر فائدہ کی خاطر خود ساختہ مسائل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے تھے۔ حق بات کو ظاہر نہیں کرتے تھے مبادا ان کے عقیدت مند اُن سے متنفر نہ ہو جائیں۔ ان کی جمعیت نہ ٹوٹ جائے، ان کے نذرانے نہ بند ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے لوگوں کی بڑی خرابی ہے جو خود ساختہ مسائل اور فتوؤں کو دنیاوی فائدہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ جو غلط باتیں یہ لکھتے ہیں وہ بھی ان کے باعث عذاب ہیں اور جو کچھ فائدے یہ ان غلط باتوں کے ذریعہ حاصل کر رہے ہیں وہ بھی ان کے لئے باعث عذاب ہیں" (ص ۳۱۱)

غور فرمایئے کہ یہ خرابی کی وعید اس آیت میں کن لوگوں کو دی جا رہی ہے؟ کیا یہ وہ لوگ نہیں جو الکتاب کے علاوہ (جو کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہے) اپنے ہاتھ سے شریعت کی باتیں لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ وحی (غیر متلو) ہے یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اس طرح دنیاوی فائدے حاصل کرتے ہیں؟ کیا پچھلی آیات میں یہ بات محکم نہیں ہو گئی کہ شریعتِ الٰہی صرف کتاب اللہ یعنی قرآن مجید میں ہے اور اس کے علاوہ (نام نہاد) احادیث ظنی باتیں ہیں؟ کیا صرف اہل کتاب کے علما ہی ایسا کرتے رہے کہ الکتاب کے علاوہ احادیث لکھ لکھ کر کہتے رہے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہیں یا مسلمین کے علما و فضلاء، محدثین و صلحاء بھی یہی کرتے رہے اور آج بھی کر رہے ہیں؟ کیا قرآن کی یہ آیت کریمہ آج لاگو

نہیں ؟ اس بات کو محسوس کرتے ہوئے دیکھئے موصوف نے کیسا پلٹا کھایا[1] اور قرآن مجید کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کو کس خوبصورتی سے شریک کر دیا۔ دیکھئے "عمل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"عمل: اے علم والو! اللہ سے ڈریئے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف غلط باتوں کو منسوب نہ کیجئے۔ دنیا کمانے کی خاطر مسائل نہ بنایئے۔ اپنے فرقہ ورانہ مذہب اور خود ساختہ نظریہ کی خاطر حق کو چھپا کر باطل کی اشاعت نہ کیجئے، اے لوگو! قرآن مجید اور حدیث شریف کے مقابلہ میں اپنے کسی بزرگ، پیر یا امام کی بات کو وقعت نہ دیجئے۔ جو بات بھی قرآن مجید یا حدیث صحیح سے ثابت ہو اسے قبول کیجئے۔ اس کی اشاعت کیجئے۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ ہی میں دین اسلام مکمل ہوا تھا۔ لہٰذا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے علاوہ جو مسائل قیاسیہ ہیں ان کو دین نہ سمجھئے۔ دین کے مکمل ہو جانے کے بعد اس میں اضافہ ناممکن ہے۔ تمام اضافوں کو مسترد کر دیجئے اور علی الاعلان ان کی تردید کیجئے۔ یہ اضافے دین نہیں ہیں بے دینی کی باتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو جو کسی بات کو اپنی طرف سے لکھ کر اسے دین کا نام دیں بڑی زبردست خرابی کی وعید سنائی ہے آپ اس سے بچئے"۔ (ص ۳۱۲)

غور فرمایئے کہ یہاں اس عمل میں کس خوبصورتی سے موصوف نے قرآن کریم کے ساتھ (نام نہاد) حدیث شریف کو شریک کر کے دین و شریعت کا حصہ قرار دیدیا جبکہ اپنی تفسیر کے صفحہ ۲۴ پر[2] وہ یہ مان چکے ہیں کہ یہ قرآن مجید ہی شریعتِ الٰہیہ کے مسائل کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے۔

**6۔**... موصوف کی فاسد خیالی کا جواب اللہ تعالیٰ صرف چند آیات آگے اسی سورۃ البقرہ کی آیات ۹۷ سے ۱۰۱ میں اس طرح دیتا ہے:

"قُلۡ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِيۡلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلۡبِكَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَهُدًى وَّبُشۡرٰى لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۹۷﴾ مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ‌ۚ وَمَا يَكۡفُرُ بِهَآ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ‌ؕ بَلۡ اَكۡثَرُهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمۡ نَبَذَ فَرِيۡقٌ مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ‌ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوۡرِهِمۡ كَاَنَّهُمۡ لَا يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾

(ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے جو شخص جبریل کا دشمن ہو تو (اُسے خبر دار ہو جانا چاہئے کہ) بیشک وہی تو ہے جس نے اللہ کے حکم سے یہ کتاب آپ کے قلب پر اُتاری ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت (کا مژدہ سناتی) ہے (۹۷) (خبردار) جو شخص اللہ کا، اس کے فرشتوں کا، اس کے رسولوں کا، جبریل کا اور میکال کا دشمن ہو تو (ایسے) کافروں کا اللہ دشمن ہے (۹۸) اور (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف واضح آیتیں نازل فرما دی ہیں۔ ان کا انکار وہی کرتے ہیں جو (پہلے ہی

[1] یہ بات میں پہلے ہی ص ۲۳ (۱۰) پر بتا چکا ہوں کہ موصوف آگے چل کر پلٹ جائیں گے۔ [2] ہماری اس کتاب کا پیچھے ص ۳۵ (۱۰) پر یہ نقل ہو چکا ہے۔

سے)فاسق ہوتے ہیں(۹۹)(ان کے فسق کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو گا کہ)ان لوگوں نے جب بھی(اللہ سے)کوئی عہد کیا تو ان میں سے ایک فریق نے اسے(توڑ)پھینکا بلکہ(حقیقت تو یہ ہے کہ)ان میں سے اکثر(ان عہود و مواثیق پر)ایمان ہی نہیں رکھتے(۱۰۰)اور(اب)جبکہ ان کے پاس اللہ کی طرف سے رسول آگیا جو اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے تو ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کو پسِ پشت ڈال دیا(اور اب وہ ایسے ہو گئے)گویا انہیں معلوم ہی نہیں(کہ پس پشت کوئی چیز پڑی ہوئی ہے(۱۰۱)(ص۳۴۵۔۳۴۶، جزء۱)(۹۷۔۱۰۱/۲)

یہاں ذرا ایک ایک آیت کے ترجمہ کا بغور مطالعہ فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ تو موصوف کے جواب میں بالکل واضح طور پر فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جبریل نے یہ کتاب(ذٰلِكَ الْكِتٰبُ)یعنی قرآن کریم آپ سلامٌ علیہ کے قلب[ا] پر اُتاری ہے(یہاں کہیں نام نہاد حدیث شریف کا ذکر نہیں)جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور بشارت کا مژدہ سناتی ہے............... پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے آپ کی طرف آیات بینات یعنی واضح آیتیں نازل فرما دی ہیں(نام نہاد حدیث شریف نہیں)اور ان واضح آیات کا جو کہ قرآن کریم میں ہیں(نام نہاد حدیث شریف میں نہیں)انکار وہی لوگ کرتے ہیں جو پہلے ہی سے فاسق ہوتے ہیں...................... آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اہل کتاب میں سے ایک جماعت نے کِتٰبَ اللّٰهِ کو پس پشت ڈال دیا ہوا ہے۔ یہاں لفظ کِتٰب اللّٰه ہی استعمال کیا گیا ہے ظاہر ہے کہ اس میں بھی(نام نہاد)احادیث شامل نہیں۔ کیا یہ آیات موصوف یا دیگر ہم عقیدہ لوگوں کی آنکھیں کھولنے کیلئے کافی نہیں؟ یونکہ آج بھی ان لوگوں نے کِتٰبَ اللّٰهِ کو پس پشت ڈال دیا ہوا ہے اور(نام نہاد)احادیث پر عمل ہو رہا ہے؟ اسی لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ یوم قیامت اللہ تعالیٰ کے حضور میں شکایت فرمائیں گے کہ ان کی امت نے اللہ کی کتاب قرآن مجید کو پس پشت ڈال دیا تھا / اس کو بھولا بسرا کر دیا تھا / طاق نسیاں پر رکھ دیا تھا........ (۳۰/۲۵)وہ(نام نہاد)حدیث چھوڑنے کا شکوہ نہیں فرمائیں گے۔

---

[ا] اس طرح سے(نام نہاد)احادیث کی پیش کردہ کہانی(کہ غار میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے پاس جبریل آئے اور اقرأ کہہ کر قرآن کریم پڑھانے کی کوشش کی۔ مگر آپ سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں تو جبریل نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا پھر کہا اقرأ مگر آپ نے پھر فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ تو پھر جبریل نے آپ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا پھر کہا اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ (ترجمہ: اپنے رب کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا)تو آپ نے یہ الفاظ / آیت پڑھی۔)غلط ثابت ہو جاتی ہے یونکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ صاف صاف بتا رہا ہے کہ جبریل نے یہ سب کچھ کہانی والی کاروائی نہیں کی بلکہ اللہ کے حکم سے سیدھا سیدھا آپ سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر نازل کیا۔ گویا کہ قرآنی آیات جبریل کی زبان سے ادا نہیں ہوئیں بلکہ رسول سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر نازل ہو کر رسول سلامٌ علیہ کی زبان اطہر سے ادا ہوئیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِیْمٍ ۝ (کہ یہ قرآن ہمارے رسول کریم کا قول ہے)(۴۰/۶۹، ۱۹/۸۱) فرمایا ہے۔ قارئین یہاں ایک اور مضحکہ خیز بات بھی قابلِ غور ہے کہ کہانی کے مطابق جبریل دو مرتبہ تو اللہ کا نام ہی لینا بھول گئے اور صرف پڑھیئے پڑھیئے ہی کرتے رہے۔ پھر اچانک خیال آیا تو کہا کہ پڑھیئے اپنے ربّ کے نام سے۔ کہیئے مزا آیا کہانی کا!

**7۔**... آگے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے بارے میں اسی سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۱ میں فرماتا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ (۲/۱۲۱)

ترجمہ: جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے (اور) وہ اس کو اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح پڑھنے کا حق ہے تو یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو شخص اس کا انکار کرے تو ایسے ہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں (۱۲۱) " (ص ۴۰۷، جزء ۱)

غور کیجئے کہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ اپنی ہی کتاب (صیغۂ واحد میں) یعنی قرآن مجید ہی پڑھنے کی ترغیب دے رہا ہے کہ اس کو اس طرح پڑھا جائے جیسا کہ اس کو پڑھنے کا حق ہے۔ یہاں کہیں بھی (نام نہاد) حدیث شریف پڑھنے کا ذکر نہیں۔ بلکہ خود موصوف بھی يَتْلُوْنَ کے معنیٰ اسی صفحہ ۴۰۷ پر لکھتے ہیں: پڑھنا۔ اتباع کرنا۔ تو اللہ کی کتاب کی تلاوت کرنے کے معنیٰ ہوئے اس کے احکام کی اتباع کرنا۔ اسی کی کتاب کی تلاوت کرنا سمجھنا، عمل کرنا (تلاوت بخاری نہ کرنا)۔

**8۔** ... آگے دیکھئے اللہ تعالیٰ اسی سورہ البقرہ آیت ۱۲۹ میں حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی دعا کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"رَبَّنَا وَ ابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾ (۲/۱۲۹)

ترجمہ: اور اے ہمارے ربّ ان لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو تیری آیتیں ان کو پڑھ کر سنائے۔ انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان (کے دلوں) کو پاک کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے (۱۲۹) " (ص ۴۳۲)

اس آیت میں بھی آیتیں پڑھ کر سنانے کی دعا کی جارہی ہے۔ (جو کہ صرف کتاب اللہ ہی میں ہوتی ہیں) (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

**۹۔**... آگے اسی سورہ البقرہ کی آیات ۱۳۵۔۱۳۷ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ (۲/۱۳۵۔۱۳۷)

ترجمہ: اور (اے رسول) اہل کتاب کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ یا عیسائی ہو جاؤ تو تمہیں ہدایت مل جائے گی۔ آپ کہہ دیجئے کہ نہیں (ایسا نہیں ہو سکتا) ہم تو ایک اللہ کے پرستار ابراہیمؑ کے دین پر قائم ہیں (وہ نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی) اور وہ مشرکین میں سے بھی نہیں تھے (۱۳۵) اور (اے ایمان والو! ان لوگوں سے) کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے اور ان کتابوں پر بھی

ایمان لاتے ہیں جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں اور ہم ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئیں تھیں۔ اور (نہ صرف ان کتابوں پر بلکہ ہم تو ان کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں) جو تمام انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھیں۔ ہم ان نبیوں میں کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے (کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہیں۔ ہم تو سب کو مانتے ہیں) اور ہم سب اللہ (اکیلے) کے مسلم ہیں (۱۳۶) پھر (اے ایمان والو!) اگر یہ لوگ اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو (یعنی بلا تفریق تمام انبیاء اور ان کی کتابوں پر ایمان لے آئیں) تو پھر یہ ہدایت یاب ہو سکتے ہیں (ابھی تو یہ خود ہی ہدایت پر نہیں ہیں تمہیں کیا ہدایت پر لا سکتے ہیں) تو بس یہ تمہاری مخالفت پر کمربستہ ہیں (لیکن یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) ان کے مقابلہ میں اللہ (اکیلا) تمہارے لئے کافی ہے اور وہ سننے والا ہے، جاننے والا ہے (وہ ان کی تمام مخالفانہ باتیں سُن رہا ہے اور اسے ان کی تمام سازشوں کا علم ہے (۱۳۷) (ص ۴۴۳۔۴۴۴) "

غور کیجئے ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس وقت کی منظر کشی فرمائی ہے جب قرآن کریم کا نزول ہو رہا تھا تو پچھلی امت کے فرقے مومنین کو دعوت دیتے تھے کہ تم یہودی ہو جاؤ، نصرانی ہو جاؤ تو تمہیں ہدایت مل جائے گی۔ اور آج یہ ہو رہا ہے کہ اس امت مسلمہ کے فرقے مومنین کو دعوت دیتے ہیں کہ اہلحدیث ہو جاؤ، جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے مسلم ہو جاؤ، حنفی ہو جاؤ، شافعی ہو جاؤ، مالکی ہو جاؤ، حنبلی ہو جاؤ، اثناء عشری جعفری ہو جاؤ، بوہری ہو جاؤ، بریلوی ہو جاؤ، دیوبندی ہو جاؤ وغیرہ وغیرہ تو تمہیں ہدایت مل جائے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہم تو ایک اللہ کے پرستار ابراہیم سلامٌ علیہ کے دین پر قائم ہیں جو نہ یہودی تھے نہ عیسائی (نہ سنی نہ شیعہ، نہ اہل حدیث نہ حنفی ........) یعنی وہ مشرکین میں سے نہ تھے کہ اللہ کی کتاب اور اللہ کے احکام کے ساتھ کسی انسان کی کتاب اور احکام شریک کریں۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو! ان لوگوں سے جو تم کو غیر اللہ کی کتابوں کی طرف بلاتے ہیں کہہ دو کہ ہم تو اللہ اکیلے پر ایمان لاتے ہیں اور اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوئی ہے یعنی قرآن مجید (اور جس کو موصوف بھی مانتے ہیں کہ اللہ کا نازل کردہ ہے اور صرف ایک کتاب ہے) اور ہم ان تمام کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو دیگر تمام انبیاء کرام پر نازل ہوتی رہیں۔ قارئین دیکھئے یہاں بھی کہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر یا اشارہ تک نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ بھی اگر تمہاری طرح اللہ اور اس کی نازل کردہ الکتاب پر ایمان لے آئیں تو یہ بھی ہدایت یاب ہو سکتے ہیں اور اگر یہ ایسا نہ کریں اور تمہاری مخالفت کرتے رہیں تو پھر تمہارے لئے تو اللہ (یعنی اس کی کتاب و احکام) ہی کافی ہے۔

اس آیت کریمہ سے بھی یہی سبق ملا کہ ایمان تو اللہ کی نازل کردہ الکتٰب یعنی صرف قرآن کریم ہی پر لانا ہے اور (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر نہیں جو اللہ کی نازل کردہ نہیں بلکہ ظنّی ہیں۔

**10۔**... آگے اسی سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

'' اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الۡهُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ ﴿۱۵۹﴾ (۲/۱۵۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ کھلے دلائل اور ہدایت کی ان باتوں کو جو ہم نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں باوجود اس کے کہ ہم نے ان کو (اپنی) کتاب میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں (۱۵۹) " (ص ۵۱۹)

اس آیت میں بھی یہی کہا جا رہا ہے کہ کھلے دلائل اور ہدایت کی باتیں اللہ ہی نے نازل فرمائی ہیں اور ان کو اپنی کتاب یعنی قرآن کریم ہی میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ تو پھر کیا نام نہاد احادیث کی ضرورت رہ گئی؟ نیز یہ کہ ان قرآنی دلائل اور ہدایات کو اگر کوئی چھپائے یا پس پشت ڈالے[۱] (اور حدیثی ظنّی باتوں کو آگے لائے) تو اس پر اللہ اور بندوں کی سب کی لعنت ہوتی ہے۔

**11۔**... آگے اسی سورہ البقرہ کی آیت ۱۷۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ (۲/۱۷۰)

ترجمہ: اور جب (کافروں سے) کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل فرمائی ہے تو کہتے ہیں، نہیں ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے جس چیز کی پیروی کرتے ہوئے ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا (افسوس) کیا اس حالت میں بھی وہ اپنے آباء و اجداد کی پیروی کریں گے کہ ان کے آباء و اجداد نہ کچھ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھے راستہ پر ہوں" (۱۷۰) (ص ۵۴۸)

اس آیت کریمہ میں بھی اسی الکتٰب کی پیروی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے (اور یہ پیچھے صفحات پر ثابت ہو چکا کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰه صرف الکتٰب ہے) (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔ نیز یہ بھی غور فرمایئے کہ کفار و مشرکین اس وقت کیا جواب دیتے تھے جب ان کو اللہ کی نازل کردہ الکتٰب کی طرف بلایا جاتا تھا کہ وہ تو اپنے آباء و اجداد کے مذہب ہی کی پیروی کریں گے۔ اور آج دیکھئے کہ ہمارے مختلف فرقے کیا جواب دیتے ہیں جب انہیں الکتٰب کی طرف بلایا جاتا ہے۔ تو وہ بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم کیا اپنے آباء و اجداد کا طریق چھوڑ دیں؟ ہم اپنے اسلاف کا طریقہ چھوڑ دیں کیا وہ سب گمراہ تھے؟ حد تو یہ ہے کہ اس ضِد وہٹ دھرمی میں ان میں سے ایک فرقہ نے تو اپنا نام ہی سَلفی رکھ لیا ہے کہ الکتٰب کی بات نہیں مانیں گے بلکہ جو سَلَف نے طریقہ اختیار کیا تھا اس کی اتباع کریں گے چاہے وہ غلط ہی رہے ہوں! (معاذ اللہ)۔ حالانکہ اس آیت کو پڑھنے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ تم خود معلومات کرو، تحقیق کرو، تلاش حق کرو۔ عقل سلیم استعمال کرو کیونکہ ممکن ہے تمہارے سلف سے غلطی یا کوتاہی ہو گئی ہو۔ وہ اپنے اعمال کے جوابدہ تھے تم اپنے اعمال کے جوابدہ ہو اس لئے خود صحیح راستہ اختیار کرو۔ اور اللہ کی نازل کردہ "الکتٰب" کو مضبوطی سے پکڑ لو جس کے نازل ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث و فقہ کے نازل شدہ ہونے کا کہیں اشارہ تک نہیں۔

---

[۱] اس آیت کی روشنی میں موصوف جناب مسعود احمد صاحب اپنے رویہ پر نظر ثانی کریں کہ جب ان سے کوئی بات قرآن کی رُو سے پوچھی جاتی ہے تو وہ قرآن سے چڑ کر جواب دیتے ہیں کہ نہیں میں قرآن سے نہیں حدیث سے بتاؤں گا۔

**12**۔۔۔ آگے اسی سورہ البقرہ کی آیات ۱۷۴۔۱۷۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ ۖ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى وَ الْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾...... (۱۷۴۔۱۷۶/۲)(ص ۵۶۸۔۵۶۹)

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت میں سے کسی بھی حکم کو چھپاتے ہیں اور اس کے ذریعہ تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے ہیں ایسے لوگ اپنے پیٹوں میں کچھ نہیں بھر رہے سوائے آگ کے، قیامت کے دن اللہ ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا (کہ گناہوں کی سزا دینے کے بعد انہیں جنت میں داخل کر دے) بلکہ ان کے لئے (دائمی) دردناک عذاب ہو گا (۱۷۴) یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب خریدا، تو (پھر) یہ لوگ کتنے صابر ہیں آگ (کے عذاب) پر (۱۷۵) (یہ عذاب ان کو) اس لئے (دیا جائے گا کہ (انہوں نے کتاب کو چھپایا حالانکہ) اللہ نے (اپنی) کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے (اور اس لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کو ظاہر کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور کرایا جائے، خبردار ہو جاؤ) جو لوگ اس کتاب (کے معاملہ) میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں (راہِ حق سے) بہت دُور جا پڑے ہیں (۱۷۶) (ص ۵۶۹)"

غور کیجئے کہ ان آیات میں بھی بات مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ہی کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ اور کتنی سخت وعید سنائی جا رہی ہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آخری آیت کے ترجمہ میں موصوف نے پھر مان لیا کہ "اللہ نے (اپنی) کتاب کو حق کے ساتھ نازل فرمایا ہے (اور اس لئے نازل فرمایا ہے کہ اس کو ظاہر کیا جائے اور اس پر عمل کیا جائے اور کرایا جائے"۔ مزید وہ یہ بھی مان گئے کہ "جو لوگ اس کتاب (کے معاملہ) میں اختلاف کر رہے ہیں وہ ضد اور ہٹ دھرمی میں (راہِ حق سے) بہت دُور جا پڑے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ یہاں پھر بات الکتٰب ہی کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا تذکرہ تک نہیں۔ یعنی بات صرف ایک کتٰب کی ہو رہی ہے تین یا زائد کی نہیں۔

**13**۔۔۔ آگے اسی سورہ البقرہ کی رمضان کے مہینہ کے بارے میں آیت ۱۸۵ کے شروع کے حصہ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے لئے کتنے واضح الفاظ میں فرماتا ہے:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ

"آیت ۱۸۵ / ۲ کا شروع کا حصہ) ص ۶۰۷

ترجمہ: رمضان ہی کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ (وہ قرآن) جس میں (تمام) لوگوں کے لئے رہنمائی ہے، اور جس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے واضح دلائل ہیں" (ص ۶۰۸)

غور فرمائیے اس آیت کے حصہ میں موصوف کیا کچھ مان گئے کہ:

.(۱)۔... قرآن نازل کیا گیا یعنی ماانزل اللہ ہے
.(۲)۔... قرآن میں تمام لوگوں یعنی تمام انسانوں کے لئے رہنمائی ہے
.(۳)۔... قرآن میں ہدایت ہے کھلی نشانیاں اور واضح دلائل ہیں۔
.(۴)۔... قرآن میں ہی حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے واضح دلائل ہیں یعنی یہی الفرقان ہے۔ کسوٹی ہے۔

اور ظاہر ہے کہ یہ صفات قرآن کریم کی ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی نہیں۔

آگے ملاحظہ کیجئے کہ موصوف اس آیت کی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں کہ:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (هُدًى لِّلنَّاسِ) یہ تمام لوگوں کو صحیح راستہ بتاتا ہے، صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہے........... (ص ۶۱۰)

(۲)۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی دوسری صفت یہ بتائی کہ اس میں ہدایت کی کھلی نشانیاں اور واضح دلائل ہیں۔ جو شخص بھی انہیں صدقِ دل سے بغیر کسی ضد اور ہٹ دھرمی کے پڑھے گا اس پر ضرور سیدھا راستہ واضح ہو جائے گا اور پھر وہ سیدھے راستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔ (ص ۶۱۰)

(۳)۔ قرآن مجید کی تیسری صفت اللہ تعالیٰ نے یہ بتائی کہ وہ فرقان ہے۔ (ص ۶۱۰)

جس طرح جنگ بدر نے اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز پیدا کر دیا اسی طرح قرآن مجید بھی اہل حق اور اہل باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے، جو شخص قرآن مجید پر ایمان لا کر اس پر عمل کرتا ہے وہ اہل حق ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے وہ اہل باطل۔ (ص ۶۱۱)

غور فرمایئے کہ موصوف نے خود کیا اصول مان لیا کہ "جو شخص قرآن مجید پر (نام نہاد) احادیث پر نہیں) ایمان لا کر اس پر عمل کرتا ہے (نام نہاد حدیث و فقہ پر نہیں) وہ اہل حق ہے اور جو اس کا انکار کرتا ہے یعنی جو اس کا اُلٹ کرتا ہے کہ (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ پر ایمان لا کر اس پر عمل کرتا ہے وہ اہل باطل۔

اب قارئین خود فیصلہ کریں کہ موصوف اہل حق ہیں یا اہل باطل۔

آگے موصوف اسی آیت کی تفسیر میں ایک جملہ اور تحریر فرماتے ہیں جو قابلِ غور ہے:

"ہدایت کا سرچشمہ قرآن مجید ہے" (ص ۶۱۶)

یہاں موصوف نے خود (نام نہاد) احادیث قرآن کے ساتھ شریک نہیں کیں۔ اور ہمارا تو ایمان ہی یہی ہے کہ ہدایت کا سرچشمہ صرف قرآن مجید ہے (نام نہاد) احادیث و فقہ نہیں۔ سبحان اللہ۔

**14**۔... آگے روزوں کے سلسلہ میں اسی سورۃ البقرہ میں آیت ۱۸۷ میں جو کہ ایک طویل آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ (۲/۱۸۷)

ترجمہ: (اور اے رسول) اس طرح اللہ اپنی آیتوں کو واضح طریقہ پر بیان کر رہا ہے تا کہ یہ لوگ متقی بن جائیں (۱۸۷ جزءً)" (ص ۶۲۳)

آیت کے اس حصہ کی تفسیر میں اعتکاف کے زیرِ عنوان صفحہ ۶۳۰ پر موصوف فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ لوگوں میں تقویٰ پیدا کرنے کے لئے اپنی آیات کو واضح طریقہ پر بیان کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام میں نہ کوئی الجھن ہوتی ہے اور نہ اس کے احکام میں کوئی پیچیدگی ہوتی ہے۔ بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتے ہیں اور آسانی سے اُن پر عمل ہو سکتا ہے" (ص ۶۳۰)

غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات اتنی واضح ہیں جیسا کہ موصوف بتا رہے ہیں تو پھر (نام نہاد) حدیث کی کیا ضرورت رہتی ہے؟ نیز جو یہ کہا جاتا ہے کہ (نام نہاد) حدیث شریف قرآن مبین کی تشریح کرتی ہیں تو یہ عقیدہ بھی اس آیت کریمہ سے باطل ہو جاتا ہے۔ مگر موصوف خود اپنے ہی لکھے ہوئے سے پھر جاتے ہیں اور کسی نہ کسی بہانہ سے (نام نہاد) حدیث کو اللہ کی کتب کے ساتھ شریک کرنے لگتے ہیں۔

**15۔**... آگے اسی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۳ میں اللہ تعالیٰ پھر الکتٰب ہی کے بارے میں فرماتا ہے:

''كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ ۠ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ (۲/۲۱۳)

ترجمہ: (پہلے) سب لوگ ایک ہی امت تھے (ان میں کوئی فرقہ نہ تھا) پھر (جب انہوں نے اختلاف کیا اور فرقے بنالئے تو) اللہ نے نبیوں کو خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر (ان کی اصلاح کے لئے) بھیجا اور ان نبیوں کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ کتاب ان لوگوں کے درمیان ان باتوں میں فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے اور یہ اختلاف بھی محض آپس کی ضد میں آکر اُن لوگوں نے کیا تھا جن کو کتاب دی گئی تھی اور ایسی حالت میں کیا تھا کہ ان کے پاس کھلے دلائل پہنچ چکے تھے پھر جو لوگ (ان دلائل پر) ایمان لے آئے اللہ نے ان کو اپنے حکم سے اُس امرِ حق میں جس میں وہ اختلاف کرتے تھے راہِ حق دکھا دی اور اللہ جس کو چاہتا ہے صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے (یعنی جو خلوص کے ساتھ راہِ حق کا طلبگار ہوتا ہے اللہ اس کو راہِ حق دکھا دیتا ہے (۲۱۳)" (ص ۷۴۹)

قارئین کرام! ذرا غور کیجئے کہ اس آیت نے کیا کچھ بتا دیا ہے:

(۱)۔... پہلے سب لوگ ایک ہی امت تھے یعنی صرف اللہ کو ماننے والے، اسی کے احکام کی پابندی کرنے والے۔ کسی انسان کے احکامات کو اللہ کے احکامات کے ساتھ شریک نہ کرنے والے............

(۲)۔... پھر انسانوں نے انسانوں کو اللہ کا شریک ٹھہرالیا کہ اس کے احکام میں انسانوں کے احکامات بھی شریک کر دیئے تو ان انسانوں کے نام پر الگ الگ ٹکڑے / فرقوں میں بٹ گئے۔

(۳)۔... تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو ان مشرکین کی اصلاح کیلئے بھیجا کہ انہیں ڈرائیں اور خوشخبریاں دیں۔

(۴)۔... ان نبیوں کو اللہ تعالیٰ نے الکتاب بھی دی جو کہ سراسر حق تھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ صرف اس الکتاب کے احکامات پر عمل کرنا ہے، کسی اور انسان کے احکامات حق نہیں انہیں الکتاب کے ساتھ شریک نہیں کرنا۔

(۵)۔...اس الکتاب کا مقصد یہ تھا کہ اختلاف کرنیوالوں میں ان باتوں میں فیصلہ کر دے جن میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

(۶)۔...اور یہ اختلاف بھی محض آپس کی ضد میں آکر اُن لوگوں نے کیا تھا جن کو الکتاب دی گئی تھی (یعنی ان کے پاس پہلے سے جو الکتاب موجود تھی اس میں اختلاف کیا) جبکہ اُن کے پاس اس الکتاب میں اَلْبَیِّنٰت یعنی کھلے دلائل موجود تھے۔

(۷)۔...پھر جو لوگ نبیوں کے آنے کے بعد الکتاب پر ایمان لے آئے اور شرک سے توبہ کر لی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اختلافات سے نکال کر راہ حق پر گامزن کر دیا۔

(۸)۔...بیشک جو خلوص سے راہِ حق کا متلاشی / طلبگار ہو گا اللہ اس کی راہ نمائی کر کے راہِ حق دکھا دیتا ہے۔

قارئین کرام! اب ان باتوں کا آج اپنے دَور سے موازنہ کیجئے کہ:

(i)۔...اب سے چودہ سو سال پہلے امت مسلمہ ایک ہی تھی جو اللہ واحد اور اس کے احکامات کی پابند تھی اور کسی انسان کے احکامات کو اللہ کے احکامات کے ساتھ شریک کرنے والی نہ تھی وہ صرف الکتاب کی جو محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی تھی کے ماننے والی اور صرف اسی کے احکامات پر عمل کرنے والی تھی اور صرف اسی الکتاب کو لے کر دنیا کے کئی لاکھ مربع میل کے علاقہ پر اللہ کے احکامات کا جھنڈا گاڑ چکی تھی۔

(ii)۔..پھر سازشیوں نے اللہ کی الکتاب کے احکامات کے مقابلہ میں رسول اور اماموں کے احکامات بنا کر کنفیوژن پیدا کر دیا۔ نتیجتاً جن لوگوں نے غیر اللہ کے احکام بھی مان لئے جبکہ حکم صرف اللہ کا ہے (۵۷/۶، ۶۲/۶، ۵۴/۷، ۴۰/۱۲، ۲۶/۱۸، ۷۰/۲۸، ۸۸/۲۸، ۱۲/۴۰ وغیرہم) اور ان کو اللہ کے احکامات کے ساتھ شریک کر دیا یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی اُن کا اختلاف صرف اللہ کے احکامات ماننے والوں سے شروع ہو گیا اور پھر آہستہ آہستہ وہ علیحدہ علیحدہ ہو کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور آج ہر فرقہ اپنے اپنے احکامات لئے اسی میں مگن ہے بلکہ اسی پر اَڑا ہوا ہے۔ اور جب اس کو الکتاب کے احکاماتِ محکمات بتائے جاتے ہیں تو وہ اگر مگر سے حیلہ کرتا ہے۔

(iii)۔.چونکہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ خَاتَم النّبیین بنائے جا چکے تھے اس لئے اب کوئی اور نبی تو بھیجا نہیں جا سکتا تھا اس لئے کوئی نبی تو نہ آیا لیکن اللہ کی "الکتٰب" بالکل اصل حالت میں محفوظ رہ کر نبی کی کمی کو پورا کرتی رہی اور آج بھی پورا کر رہی ہے کہ وہ پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ تم کو صرف اللہ کافی ہے (۱۳۷/۲، ۶۴/۸، ۱۲۹/۹، ۳۶/۳۹، ۳۸/۳۹) اور اس نے جو الکتاب نازل کی ہے جو تلاوت کر کے سنائی جاتی ہے وہ ہی کافی ہے (۵۱/۲۹)

(iv)۔.اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ یہ الکتاب ہی حق ہے (گذشتہ صفحات میں یہ ثابت ہو چکا کہ اللہ تعالیٰ نے الکتاب یعنی صرف قرآن کریم ہی نازل کیا) اور صرف اسی کی اتباع کرنا ہے کسی غیر اللہ کے احکام کی اتباع یا اطاعت نہیں کرنا (۳/۷)

(v)۔..اس الکتٰب کا مقصد بھی یہی ہے کہ مختلف فرقے جو اختلافات کرتے ہیں ان کے اختلافات دُور کرے، ان کے سامنے حق و باطل کو الگ الگ کر دے اور راہِ حق پر گامزن کر دے۔... (۶۴/۱۶، ۱/۲۵، ۷۶-۷۷/۲۷، ۷۰/۳۶، ۱۰/۴۲، ۱۳/۸۶)

(vi)۔.آج بھی مختلف فرقوں میں جو اختلافات ہیں، اس کے باوجود کہ انکے پاس بھی الکتٰب موجود ہے، (مگر اس کو طاقِ

.............نسیاں پر رکھ کر اپنے اپنے بنائے ہوئے اماموں کی لاتعداد کتابوں کو پکڑا ہوا ہے) وہ محض آپس کی ضد و بحث و ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہیں کہ الکتٰب کی البینٰت سے راہ نمائی حاصل نہیں کرتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس یہ حدیث ہے اور وہ حدیث ہے اور اس حدیث نے الکتٰب کی البیّنٰت کو منسوخ کر دیا ہے (معاذ اللہ) اور ہمارے امام صاحب کا یہ فیصلہ ہے اور وہ فیصلہ ہے، ہم تو (الکتٰب کی البیّنٰت کے مقابلہ میں) اپنے امام ہی کی بات مانیں گے (معاذ اللہ)

(vii). آج بھی ایسے لوگ ہیں جو دیگر انسانی کُتب کو چھوڑ کر شرک فی الکتاب و شرک فی الصفات سے توبہ کر کے صرف "الکتٰب" پر ایمان لے آئے ہیں تو اللہ نے انہیں اختلافات سے نکال کر راہِ حق پر گامزن کر دیا ہے اور وہ صرف مسلم بن گئے ہیں۔

(viii). بیشک اگر اور لوگ بھی خلوص دل سے حق کے متلاشی ہوں گے تو اللہ بھی ان کی مدد کرے گا اور ان کو اپنی الکتٰب تک راہ نمائی کرے گا۔

قارئین کرام! نوٹ کیجئے کہ اس آیت میں بھی بات صرف الکتٰب ہی کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی نہیں۔ تمام اختلافات اسی الکتٰب سے مٹائے جا رہے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے نہیں۔ جبکہ موصوف تمام اختلافات احادیث سے مٹانے کے دعویدار ہیں۔ پچھلی امتوں میں بھی اختلافات الکتٰب ہی سے مٹائے گئے جو انبیاء کرام کو عطا ہوئی تھیں ان کی احادیث کی کتابوں سے نہیں جو ان کے بعد والوں نے بنالی تھیں۔ آج یہ بات روزِ روشن کی طرح اتنی بڑی حقیقت ہے کہ اس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا کہ اہل کتاب کے پاس آج متّی کی انجیل ہے، یوحنّا کی انجیل ہے، مرقس کی انجیل ہے اور لوقا کی انجیل ہے، برنباس کی انجیل ہے۔ توریت ہے، تالمود ہے۔ مثناء ہے۔ جمارہ ہے وغیرہم۔ جبکہ آج مسلمانوں کے پاس بخاری کی صحیح ہے، مسلم کی صحیح ہے، ابن داؤد کی صحیح ہے، ابن ماجہ کی صحیح ہے، نسائی کی صحیح ہے، ترمذی کی صحیح ہے، مالک کی صحیح ہے (صحاح ستہ) اور نہ جانے کس کس کی صحیح ہیں، اور پھر ان کی شرحیں ہیں اور روزانہ نئی نئی طبع کی جا رہی ہیں!

مگر پھر بھی فرقوں کے اختلافات ختم نہیں ہو رہے بلکہ ہر فرقہ اپنی ہی احادیث و فقہ کی کتابیں پکڑے بیٹھا ہے اور اسی پر شاداں و فرحاں ہے۔

**16۔**... آگے اسی سورہ البقرہ کی آیت ۲۲۱ کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات کے بارے میں فرماتا ہے:

"اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ (۲/۲۲۱)(ص۷۸۵)

ترجمہ: (اور اے ایمان والو! خبردار ہو جاؤ) مشرک تو (لوگوں کو) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ (لوگوں کو) اپنے حکم سے جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور اپنے احکام کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں (اور مشرک کی صحبت میں رہ کر اپنی آخرت خراب نہ کریں) (۲۲۱)" (ص۷۸۵)

غور فرمایئے کہ آیت کے اس حصہ میں بھی اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کرنے کی بات کر رہا ہے (موصوف نے اٰیٰتِہٖ کا ترجمہ "اپنے احکام" کیا ہے۔ بہر حال اگر اس کو احکام بھی مان لیا جائے تو وہ بھی اسی قرآن ہی میں ہیں) اور ظاہر ہے کہ اس کی آیات قرآن کریم ہی میں ہیں (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ وہ یہ نہیں فرما رہا کہ آیات کو کھول کھول کر احادیث میں بتایا جاتا ہے۔ بلکہ وہ یہ فرما رہا ہے کہ اپنی آیات کو اسی قرآن میں کھول کھول کر بتا رہا ہے تا کہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

**17۔**... آگے اسی سورہ البقرہ کی آیت ۲۵۲ میں اللہ تعالیٰ پھر اٰیٰتُ اللّٰہِ ہی کی بات کر رہا ہے:

"تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾ (۲/۲۵۲)(ص۹۲۵)

"ترجمہ: (اے رسول) یہ اللہ کی (یعنی ہماری آیتیں ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں[۱] (اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ آپ رسولوں میں سے ایک رسول ہیں (۲۵۲)" (ص۹۲۶)

"تفسیر: یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام نازل فرمائے ہیں اور نصیحت اور ہمت افزائی کے لئے کچھ قصّے بھی بیان فرمائے ہیں"۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (اے رسول) اللہ تعالیٰ کی آیات بیّنات، ہدایت کے روشن دلائل اور گذشتہ امتوں کے قصّے جو صحیح طور پر آپ پر وحی کئے جا رہے ہیں اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ (اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ) آپ بلا شک وشبہ اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں" (ص۹۲۷)

غور فرمایئے کہ یہاں موصوف نے دو حقیقتیں مان لیں:

(۱)۔ یہ اللہ تعالیٰ کی آیات کریمہ ہی ہیں جن کے ذریعہ سے اس نے اپنے احکام نازل فرمائے ہیں اور یہ حقیقت تو سب ہی مانتے ہیں کہ آیات تو صرف کتاب اللہ یعنی قرآن کریم میں ہیں (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

(۲)۔ اللہ تعالیٰ کی آیات بیّنات (یعنی واضح آیتیں جن کے بعد کسی تشریح کی ضرورت باقی نہ رہے)، ہدایت کے روشن دلائل اور گذشتہ امتوں کے قصے آپ سلامٌ علیہ پر صحیح طور پر وحی کئے جا رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ وحی آیات ہی میں یعنی قرآن کریم میں کئے جا رہے ہیں (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

**18۔**... آگے اسی سورہ البقرہ میں آیت ۲۶۵ کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ پھر اپنی آیات ہی کے بارے میں فرماتا ہے (اور یہی الفاظ وہ پہلے آیت ۲۱۹ میں بھی فرما چکا ہے) کہ:

"كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾ " (۲/۲۶۶)(ص۹۸۳)

---

۱۔ قارئین اس آیت میں نَتْلُوْهَا کا ترجمہ کیا گیا ہے: "جو ہم پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں"۔ میرے خیال سے یہ درست نہیں یونکہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف بیٹھ کر ناظرہ خوانی نہیں کر رہا تھا بلکہ جو کام رسول سلامٌ علیہ انجام دیتے تھے اس کو وہ اپنی طرف منسوب کر کے فرماتا ہے کہ یہ ہم نے کیا۔ یعنی یہ قرآنی اسلوب ہے۔ اس لئے یہاں معنی ہوں گے "جو ہم آپ سے پڑھوا کر سنوا رہے ہیں"۔ ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر نزولِ وحی ہوتا تھا تو وہ آیات آپ کی زبان اطہر سے ادا ہوتی تھیں اور صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین اس کو سنتے تھے۔ اسی لئے قرآن کریم کو قول رسول کریم کہا گیا ہے۔ (۴۰/۶۹، ۱۹/۸۱)

"ترجمہ: الغرض اللہ اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو (اور اپنے اعمال کو بربادی سے بچاؤ) (ص ۹۸۴)

"تفسیر: اس طرح اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے، اور مثالیں دے کر سمجھا رہا ہے تاکہ تم لوگ اپنے اعمال کے متعلق غور و فکر کر سکو، اور ان کو قیامت کے روز ضائع ہونے سے بچا سکو۔" (ص ۹۸۵)

غور فرمائیے! کہ دونوں آیات کے ہم لفظ حصہ میں اللہ تعالیٰ ایک ہی بات بتا رہا ہے کہ وہ اپنی آیات کھول کھول کر بالکل واضح کر کے بیان کر رہا ہے۔ تو پھر (نام نہاد) احادیث کا قرآنی آیات کی وضاحت یا تشریح ہونے کا عقیدہ تو غلط ثابت ہو گیا! یقیناً یہ عقیدہ ایمان والوں کے قرآن کریم پر ایمان کو متزلزل کرنے کی ایک سازش کے تحت بنایا گیا اور پھیلایا گیا! اس آیت کے آخری الفاظ ہیں "تاکہ تم غور و فکر کرو" تو قارئین آپ بھی ذرا غور و فکر کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ آیات ہی واضح کر کے بیان کرا رہا ہے تو پھر اس کی مزید تشریح کی کیا ضرورت رہ گئی؟

**19۔**... آگے اسی سورہ البقرہ کے اختتام سے ایک آیت پہلے آیت ۲۸۵ میں دیکھئے اللہ تعالیٰ کن کن چیزوں پر ایمان لانے کا بتا رہا ہے:

"اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾ (۲/۲۸۵)

ترجمہ: (اللہ کا) رسول اور تمام مومنین اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو رسول پر اس کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، (اور یہ) سب اللہ پر، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور اس طرح کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے (سب پر بلا تفریق ایمان لاتے ہیں) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ (اے اللہ) ہم نے (تیرے احکام کو) سنا اور ہم (ان کی) اطاعت کریں گے اور اے ہمارے ربّ ہم تیری مغفرت طلب کرتے ہیں اور (ہمیں اس بات پر یقین ہے کہ ہمیں) تیری طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸۵)" (ص ۱۰۶۴)

اس آیت میں جو خاص بات بتائی گئی وہ یہ کہ اللہ کا رسول سلامٌ علیہ خود اور تمام مومنین اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو رسول پر اس کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اور وہ ہے قرآن العزیز جیسا کہ پچھلی آیات میں ثابت ہو چکا۔ ظاہر ہے کہ جب رسول سلامٌ علیہ کے سامنے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں صحیح بخاری شریف، صحیح مسلم شریف وغیرہ کا وجود ہی نہ تھا تو ان پر ایمان لانے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا۔ لہٰذا موصوف کا یہ عقیدہ بھی باطل ثابت ہوا کہ قرآن کے ساتھ (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لاؤ وہ بھی کتابُ اللہ ہیں۔ (اس بات کو اسی آیت میں دہرا دیا گیا کہ تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ تمام کتابوں میں قرآن کریم شامل ہے) دیکھئے اس آیت میں واضح طور پر کن کن چیزوں پر ایمان لانے کا بیان ہے:

(۱)۔اللہ تعالیٰ پر

(۲)۔اس کے ملٰئکہ پر

(۳)۔اس کی کتابوں پر (عجمیوں کی لکھی کتابوں پر نہیں)

(۴)۔اس کے رسولوں پر

(۵)۔اس کی طرف لوٹ کر جانے پر یعنی آخرت پر (جس کو غیب کہا گیا ہے)

غور فرمایئے کہ ان پانچ چیزوں میں کہیں آپ کو (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی چھُپی نظر آتی ہیں؟ یقیناً کہیں نہیں۔ دیکھئے اِنہی پانچ چیزوں کو سورہ البقرہ کی آیت ۱۷۷ میں ان الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے "اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ" اور سورہ النساء کی آیت ۱۳۶ میں ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے "وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا"

**چیلنج:** قارئین اب ہم کھلا چیلنج کرسکتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کے دعویدار قرآن کریم میں کوئی اس طرح کی واضح اور محکم ایک آیت بھی دکھادیں جس میں ان پانچ چیزوں کے علاوہ[1] چھٹی چیز (نام نہاد) احادیث یا احادیث کی کتابوں پر بھی ایمان لانے کا بیان ہو۔ یقین کیجئے وہ قیامت تک ایسی آیت نہیں پیش کرسکتے۔ ہاں البتہ کوئی (نام نہاد) حدیث بنا کر پیش کرسکتے ہیں جیسا کہ ہوتا رہا ہے، مگر آیت نہیں بنا سکتے۔

دیکھئے اسی آیت کی تفسیر کے خاتمہ پر عمل کے زیرِ عنوان موصوف کیا تحریر کرتے ہیں کہ:

"عمل: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر صحیح معنوں میں ایمان لایئے، تمام رسولوں پر بلا تفریق ایمان رکھئے[2]، احکام الٰہی سن کر یہ کہا کیجئے کہ "ہم نے سُنا اور ہم اطاعت کریں گے" (ص ۱۰۷۳۔۱۰۷۴)

غور فرمایئے موصوف نے خود یہاں (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا ذکر تک نہیں کیا!

**20۔**... آگے سورہ اٰل عمران کی آیات ۳۔۴ میں اللہ تعالیٰ پھر اسی الکتٰب کے نزول کی بات کرتا ہے کہ:

"نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ ۙ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ (۳/۳۔۴)

---

[1] خیال رہے کہ سورہ البقرہ کی آیت ۳ میں جو غیب پر ایمان لانے کا ذکر ہے وہ غیب آخرت ہی کو کہا گیا ہے اس لئے کوئی اس کو چھٹی چیز کہہ کر پیش کرنے کی کوشش نہ کرے۔ [2] جو لوگ رسولوں میں تفریق کرتے ہیں اور خود سے ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت دیتے ہیں ان کو اس آیت کی رُو سے ڈرنا چاہیئے (مزید دیکھئے: ۲/۱۳۶، ۳/۸۴) اور جو فضیلت کے القاب ان کو قرآن کریم میں نہیں دیئے گئے وہ اپنی طرف سے ان کے ناموں کے ساتھ نہیں لگانا چاہیئے یونکہ ان میں ۲/۲۵۳ کے مطابق بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے وہ اللہ نے دی ہے اور وہ اس کے نزدیک ہے ہمیں نہیں بتائی۔ ہمیں تو حکم ہے کہ کسی ایک میں بھی فرق نہ کرو یعنی کسی ایک کو بھی فضیلت نہ دو۔ اس لئے ہمیں تو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

ترجمہ:اسی نے (اے رسول) آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے، جو پہلے آنے والی (تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، اسی نے توریت اور انجیل نازل کی تھیں (۳) جو اس کتاب سے پہلے لوگوں کے لئے ہدایت (کا ذریعہ) تھیں، اور (اب) اسی نے حق و باطل میں تمیز کرنے والی (یہ کتاب) نازل کی (تو) جن لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ (کے لئے ان کو عذاب دینا کچھ مشکل نہیں اس لئے کہ وہ) غالب ہے اور بدلہ لینے والا ہے (۴)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء ۲ ص ۲)

"تفسیر: (نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ) اے رسول! اسی اللہ نے جو حیّ و قیوم ہے آپ پر یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل فرمائی ہے (مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ) جو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے (وَ اَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ) اسی حیّ و قیوم اللہ نے اس سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے توریت و انجیل نازل فرمائی تھیں (وَ اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ) اور اب اسی حیّ و قیوم اللہ نے (لوگوں کو ہدایت کرنے والا اور) حق و باطل میں فرق کرنے والا قرآن مجید نازل کر دیا ہے۔ قرآن مجید یقیناً حق ہے اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں"۔ (ص ۵)

الغرض قرآن مجید حق ہے، حق کے ساتھ نازل ہوا ہے اور ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل ہوتی رہیں۔ لوگوں کو چاہئے کہ قرآن پر ایمان لے آئیں (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ) اور جو لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے سخت عذاب تیار ہے (وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ) قرآن مجید کا انکار کرنے والے اس عذاب سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتے، اللہ تعالیٰ ضرور ان سے اس انکار کا بدلہ لے گا وہ بدلہ لینے پر قادر ہے، وہ غالب ہے اور حق کا انکار کرنے والوں سے بدلہ لیا کرتا ہے، یعنی انہیں حق کا انکار کرنے کی سزا دیا کرتا ہے"۔ (ص ۵)

غور فرمایئے کہ اس آیت کریمہ کے ترجمہ اور تفسیر میں کیا کیا باتیں واضح کر دی گئی ہیں:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے سچائی کے ساتھ "الکتٰب" اپنے رسول پر نازل فرمائی۔ یعنی صرف ایک ہی مخصوص کتُب نازل فرمائی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔

(۲)۔ یہ "الکتٰب" اس سے پہلے آنے والی تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔

(۳)۔ اللہ ہی نے توریت اور انجیل نازل کی تھیں

(۴)۔ توریت و انجیل اس "الکتٰب" سے پہلے لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ تھیں

(۵)۔ اب یہ "الکتٰب" جو "اَلْفُرقَان" یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والی ہے نازل کی۔

(۶)۔ جن لوگوں نے "الکتٰب" میں سے آیات اللہ کا انکار کیا ان کے لئے سخت عذاب کی وعید ہے۔

(۷)۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس "اَلکِتٰب" یعنی قرآن مجید پر ایمان لائیں۔ (نام نہاد احادیث پر ایمان لانے کا ذکر تک نہیں)

(۸)۔ جو لوگ اس "الکتٰب" پر ایمان نہیں لائیں گے یعنی اس کا انکار کریں گے تو انکے لئے سخت عذاب ہے۔

قارئین کرام غور کیجئے کہ کیا یہاں (نام نہاد) احادیث کے بھی نازل ہونے کا کہیں شبہ یا اشارہ بھی ہے؟ نہ کہ یہاں بھی دیگر آیات کی طرح لفظ "**الکتٰب**" واحد ہی کے صیغہ میں استعمال کر کے یہ امر بالکل یقینی بنا دیا کہ صرف قرآن مجید ہی نازل ہوا اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔ اسی طرح پہلے کی کتابوں توریت اور انجیل کا نام بھی واحد ہی کے صیغہ میں لیا گیا اور ان کے ساتھ بھی کسی (نام نہاد) حدیث کی کتاب مثل "تالمود" کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس حقیقت کو مزید واضح اور یقینی بنانے کے لئے اسی "الکتٰب" کو "**الفُرقَان**" یعنی حق و باطل میں تمیز کرنے والا قرار دیا کہ جو کوئی (نام نہاد) حدیث بنا کر پیش کرے اس کو اس "الفرقان" یعنی کسوٹی پر پرکھو کہ وہ اس کے مطابق حق ہے یا باطل (مگر افسوس کہ موصوف خود اس قرآن مجید کو "**الفُرقَان**" لکھنے کے بعد بھی (نام نہاد) احادیث کو اس "**الفُرقَان**" پر پیش نہ کرنے کے قائل ہیں بلکہ اس معیاری اصول کو غلط یا باطل قرار دیتے ہیں)[1]

یہاں یہ بھی غور کیجئے کہ خود موصوف یہ لکھ رہے ہیں کہ "لوگوں کو چاہئے کہ قرآن مجید پر ایمان لے آئیں" اور موصوف خود ہی (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا ذکر نہیں کر رہے مگر عقیدہ بالکل اس کے برعکس۔ مزید یہ کہ اللہ کی آیات یعنی قرآن کریم کے انکار کرنے والوں کے لئے عذاب کی وعید لکھ رہے ہیں مگر اس میں (نام نہاد) حدیث کے انکار کرنے والوں کے لئے کوئی وعید نہیں۔ اس لئے اس تفسیر سے خود ہی یہ نتیجہ نکلا کہ صرف قرآن مجید ہی اللہ کا نازل کردہ یعنی وحی ہے اور اسی پر ایمان لانا ہے (نام نہاد) احادیث نہ تو وحی ہیں، نہ ہی نازل کردہ اور نہ ان پر ایمان لانا ہے اور نہ ہی ان کے انکار کرنے سے عذاب کی وعید ہے۔

**21۔**... آگے اب سورہ اٰل عمران کی آیت ۷ ہے جو ہم پیچھے بنیادی قرآنی اصول کے طور پر ص ۳۰ پر پیش کر چکے ہیں (قارئین اس آیت کا متن، ترجمہ و تفسیر وہاں دیکھیں) اس لئے دوبارہ اس کو یہاں نقل نہیں کر رہے۔ البتہ یہ آیت بھی یہی واضح کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف "**الکتٰب**" ہی نازل کی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔ اس "**الکتٰب**" کی محکم آیات کو اصل قرار دے کر صرف ان کے اتباع کا حکم دیا اور متشابہ آیات کی اتباع سے روک دیا۔ اب غور طلب بات یہ ہے کہ جبکہ قرآن کریم کی آیات جو متشابہ ہوں ان کو بھی اتباع سے روک دیا گیا ہے تو (نام نہاد) احادیث کی کیا حیثیت ہے جو کہ قرآن کریم سے باہر کی ظنّی باتیں ہیں ان ظنّی باتوں کی روشنی میں قرآن کریم کو دیکھنا سمجھنا بہت بڑی حماقت ہے بلکہ دل کی کجی سے بھی گئی گذری بات ہے ہاں البتہ (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ کی روشنی میں جو کہ "**الفُرقِان**" ہے دیکھنا، پرکھنا چاہئے۔

اس آیت اور پچھلی بہت سی آیات میں بالکل واضح طور پر صرف "الکتٰب" ہی نازل کرنے کا ذکر ہے کہیں بھی الکتٰب کے ساتھ کوئی دوسری چیز یا کتاب (**مثلہٗ و معہٗ**) نازل کرنے کا شائبہ تک نہیں۔ اس لئے موصوف کا عقیدہ بالکل باطل ثابت ہوتا ہے۔

---

[1] موصوف نے "الفرقان" پر (نام نہاد) حدیث پیش کر کے پرکھنے کے معیار کو باطل قرار دیدیا۔ دیکھئے ان کا پمفلٹ "صحیح احادیث کو پرکھنے کے جدید معیارات" مرتبہ: مسعود احمد، شائع کردہ ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔ ۲ / ۱۶۲۔ حسین آباد۔ ا، فیڈرل بی ایریا کراچی۔ یعنی ان کے نزدیک القرآن الحکیم / الفرقان کی کوئی حیثیت و اہمیت نہیں!

**22۔**... آگے اسی سورہ اٰل عمران کی آیت ۲۳ میں بھی اللہ تعالیٰ الکتٰب ہی کی طرف دعوت دیتا ہے:

'' اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ (۲۳/۳)ص ۴۱۔۴۲

ترجمہ:(اے رسول) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب (الٰہی) سے بہرہ مند کیا گیا تھا جب ان کو اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے تو ان میں سے ایک (بڑی) جماعت اس سے منہ پھیر لیتی ہے اور رُوگردانی کرتی ہے (۲۳) '' (ص ۴۱۔۴۲، جز ۲)

'' تفسیر: اے رسول! (اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ یہ لوگ جن کو اللہ کی کتاب سے بہرہ اندوز کیا گیا تھا کس قسم کے لوگ ہیں، یہ تو ایسے لوگ ہیں کہ جب کبھی ان کو اللہ کی کتاب (**قرآن مجید**) کی طرف بلایا جاتا ہے (لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ) تاکہ وہ ان کے مابین جو اختلافات ہیں ان کا فیصلہ کر دے تو (يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ) ان میں سے ایک بہت بڑی جماعت اس دعوت سے پیٹھ پھیر لیتی ہے (وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ) اور وہ لوگ اس سے رُوگردانی کرتے ہیں'۔ (ص ۴۳)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کیا کیا باتیں بتائی جا رہی ہیں:

(۱)۔... جن لوگوں کو کتابِ الٰہی دی گئی تھی تو انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔

(۲)۔... اب بھی ان کو کتٰب اللہ یعنی قرآن مجید[1] ہی کی طرف بلایا جاتا ہے / دعوت دی جاتی ہے، (نام نہاد) احادیث یا بخاری مسلم کی طرف نہیں بلایا جاتا۔

(۳)۔... تاکہ کتاب اللہ ان کے مابین جو اختلافات ہیں ان کا فیصلہ کر دے، کتاب بخاری یا مسلم یہ فیصلہ نہیں کر سکتی یونکہ وہ کتاب اللہ نہیں۔

(۴)۔... تو ان میں سے ایک بہت بڑی جماعت اس دعوت سے کہ کتٰب اللہ سے ان کے اختلاف کا فیصلہ کر دیا جائے منہ موڑ لیتی ہے اور (موصوف کی طرح) کہتی ہے کہ نہیں ہمارے درمیان (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے فیصلہ کرو۔ جبکہ اہل فقہ اور اہل حدیث فرقے بھی کتٰب اللہ کے مقابلہ میں اپنے اپنے اماموں کی کتابیں یا ان کے اقوال یا محدثین کی روایات سے فیصلہ کرتے ہیں۔

ذرا غور فرمایئے! آج ایمان لانے کے دعویداروں کی ایمانی حالت! کیا اللہ پر ایمان لانے والے ہی اللہ کی کتاب سے پیٹھ پھیرتے ہیں اور اس کے ساتھ دوسری انسانی کتابیں شریک کرتے ہیں؟ آگے دیکھئے موصوف خود اپنی تفسیر میں آخر میں ''عمل'' کے زیرِ عنوان کیا تحریر فرماتے ہیں:

''عمل: اے لوگو! خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہویئے، اس خام خیالی میں نہ رہیئے کہ ہم اہل سنت ہیں، اہل حدیث ہیں، حنفی یا شافعی ہیں، کسی پیر کے مرید ہیں، کسی امام کے مقلد ہیں بس یہ چیزیں ہماری بخشش کا سبب

[1]۔ اوپر اس آیت کے ترجمہ اور تفسیر دونوں میں موصوف نے خود اللہ کی کتاب کو قرآن مجید لکھا ہے۔ گویا کہ وہ مانتے ہیں کہ کتٰب اللہ قرآن مجید ہی ہے مگر اپنے خود ساختہ فرقہ کو دوسروں سے جُدا رکھنے کیلئے اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں شریک کرکے شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

بن جائیں گی۔ نہیں، وہاں نہ فرقے وارانہ مذاہب کام آئیں گے اور نہ یہ بزرگ کام آئیں گے۔ وہاں تو اسلام پر عمل کرنا کام آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ باتوں کو منسوب نہ کیجئے۔ حق کو تسلیم کیجئے اور خود ساختہ باتوں کی بنیاد پر اُسے ہر گز نہ رَد کیجئے"۔ (ص۴۶)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردہ جھوٹ باتیں کیا ہیں؟ کیا یہ (نام نہاد) احادیث کے علاوہ ہیں جن کو موصوف کتاب اللہ بتا رہے ہیں اور دوسرے علما ان کو وحی خفی؟ یونکہ اپنے اپنے اماموں کے اقوال کو تو کوئی بھی اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتا بلکہ یہی کہتا ہے کہ ہمارے امام صاحب کا یہ قول ہے / فیصلہ ہے یا ہمارے امام صاحب کے نزدیک یہ بات زیادہ مناسب (اَنْسَبْ) ہے۔ صرف (نام نہاد) احادیث ہی کو جھوٹ بول کر اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے کہ یہ حدیث قُدسی ہے اور یہ حدیث قولی / فعلی اور یہ وحی خفی / غیر متلو ہے۔ اور سب ہی صرف قرآن مجید کو حق تسلیم کرتے ہیں مگر خود ساختہ عقائد کی بنیاد پر اسے یہ کہہ کر رَدّ کر دیتے ہیں کہ (نام نہاد) حدیث قرآن پر قاضی ہے اور آیات کو منسوخ کرنے والی ہے[1] (معاذ اللہ) اور ہر وہ آیت جو اس طریقہ کے مخالف ہو، جس پر ہمارے اصحاب ہیں، وہ یا تو ماول ہے یا منسوخ ہے[2] (معاذ اللہ)

**23۔**... آگے دیکھئے اسی سورہ اٰل عمران کی آیت ۵۳ میں اللہ تعالیٰ پھر نازل شدہ ہی کی بات کرتا ہے:

" رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَ اتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ (۳/۵۳) (ص۹۵، جزء۲)

ترجمہ: (پھر اُن حواریوں نے اللہ سے دعا کی کہ) اے ہمارے رب ہم اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تو نے نازل کی اور ہم (تیرے) رسول کی پیروی کرتے ہیں، لہٰذا ہمیں (حق کے) گواہوں میں لکھ لے (۵۳) " (ص۹۵)

غور فرمائیے کہ یہاں "بِمَآ اَنْزَلْتَ" کا ترجمہ موصوف نے خود کیا کیا ہے؟ وہ خود اس کو اللہ کی نازل کردہ کتاب مان رہے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو نہیں۔ نیز یہ کہ ایمان "بِمَآ اَنْزَلْتَ" یعنی اس کی کتاب پر لانا ہے اور پہلے ایمان لانا ہے پھر جو کچھ اس نے رسول سلامٌ علیہ کے ذریعہ نازل کیا اس کی اتباع کرنا ہے۔

**24۔**... آگے دیکھئے اسی سورہ اٰل عمراٰن کی آیت ۵۸ میں اسی قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سنائے جانے کا ذکر ہو رہا ہے:

" ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾ (۳/۵۸)

ترجمہ: (اے رسول) یہ (اللہ کی) آیتیں ہیں اور حکمت سے بھرپور نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں (۵۸) (ص۱۰۶، جزء۲)

تفسیر: (اے رسول) قرآن مجید کی یہ آیتیں اور پُر از حکمت نصیحت (کی باتیں) ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں (یہ باتیں آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہیں)

---

[1] "فتنہ انکارِ حدیث" از حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی (مرحوم)۔ مکتبہ رازی، ۱۵ شہاب مینشن، محمد قاسم روڈ۔ کراچی ص۵۸۔۵۹۔ [2] اصول الکرخی۔ ز امام عبید اللہ بن الحسین الکرخی۔ مطبوعہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد۔

عمل: اے لوگو! قرآن مجید کے پُر از حکمت احکام پر ایمان لائیے، ان پر سختی سے عمل کیجئے، اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے یہ حکمت کی باتیں آپ کو بتائیں اور ایک بہت بڑی خیر سے آپ کو بہرہ ور کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا (البقرہ:۲۶۹)

اور جس کو حکمت (ودانائی) مل گئی اس کو خیر کثیر مل گئی۔" (ص ۱۰۶۔۱۰۷، جزء۔۱)

غور کیجئے کہ موصوف خود آیتوں کو قرآن مجید کی حکمت سے بھرپور نصیحتیں فرمارہے ہیں (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔ نیز یہ کہ اسی قرآن مجید کے پُر از حکمت احکام پر ایمان لانے کو فرمارہے ہیں ان پر عمل کرنے کی تاکید فرمارہے ہیں (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

قارئین دوسری اہم بات قابلِ غور یہ ہے کہ موصوف یہاں پر قرآن مجید ہی کو حکمت مان رہے ہیں جبکہ دوسری جگہ وہ اس کی مخالفت کریں گے اور انہی کی طرح دوسرے اہلحدیث علما بھی قرآن کو حکمت نہیں مانتے بلکہ (نام نہاد) احادیث کو حکمت مانتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ خود اس کو الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ فرماتا ہے (۳۶/۲)، الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ فرماتا ہے (۱۰/۱)، لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ فرماتا ہے (۴۳/۴)

**25۔**... آگے دیکھئے اسی سورہ اٰل عمران میں آیت ۶۴ میں جو کہ ایمان کے بارے میں بنیادی آیت مانی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کیا فرمارہا ہے:

"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ (۳/ ۶۴)

ترجمہ: (اے رسول)، (اللہ کے راستے کی انہیں دعوت دیجئے، ان سے) کہئے: اے اہل کتاب، ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترکہ ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ ذراسا بھی شرک نہ کریں اور اللہ کے علاوہ ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں، اگر یہ (اس بات سے )منہ موڑیں تو (اے ایمان والو!) ان سے کہہ دو تم "گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم ہیں" (۶۴) (ص ۱۱۳، جزء۔۲)

"تفسیر: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلم بننے کے لئے تین بنیادی شرائط ہیں یعنی:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرے،

(۲)۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کا شرک نہ کرے، (مثل شرک فی الصفات یا شرک فی الکتب)

(۳)۔ اپنے علما، مشائخ یا کسی اور کو اپنا رب نہ بنائے یعنی دینی معاملات میں کسی کی رائے یا فتویٰ کو تسلیم نہ کرے۔ (نہ ہی کسی عجمی کی (نام نہاد) حدیث منسوب الی الرسول کو تسلیم کرے۔ صدیق)

اس تیسری شرط میں مسلم اور مقلّد میں جو فرق ہے وہ بالکل واضح ہے۔ مقلّد کسی عالم کی رائے یا فتویٰ کو بلا

چون وچرا تسلیم کرلیتا ہے[1] یعنی وہ اس عالم کو اپنا رب بنالیتا ہے۔ مسلم ایسا نہیں کرتا، وہ صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا ربّ مانتا ہے اور صرف اسی کے احکام اور فیصلوں کو مانتا ہے" (ص ۱۱٦)

غور فرمایئے کہ مسلم بننے کے لئے تین بنیادی شرائط کیا ہیں، کیا ان میں کہیں بھی (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے؟ کیا اس آیت کریمہ سے موصوف کا عقیدہ کہ "(نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لایئے" غلط ثابت نہیں ہو جاتا۔ اور صرف موصوف ہی کیا بلکہ ان تمام فرقوں کا عقیدہ بھی جو یہ کہتے ہیں کہ انکارِ حدیث سے کافر ہو جاتا ہے، غلط ثابت ہو جاتا ہے۔ یونکہ یہ سیدھی سی بات ہے کہ جب (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے سے مسلم نہیں ہوتا تو پھر اس کے انکار سے کافر کیسے ہو گا! ہاں البتہ قرآن کریم کے یا اس کی آیات کے انکار سے کافر ہو گا یونکہ اس پر ایمان لانا، ایمان کی بنیادی شرط ہے (جیسا کہ پچھلی آیات میں گذر چکا)

**26۔**... آگے اسی سورہ اٰل عمراٰن کی آیت ۷۸ میں اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ اِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِیۡقًا یَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡکِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ مَا هُوَ مِنَ الۡکِتٰبِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَ مَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَ یَقُوۡلُوۡنَ عَلَی اللّٰهِ الۡکَذِبَ وَ هُمۡ یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾ (۳/ ۷۸)

ترجمہ: بے شک اہل کتاب میں ایسے بھی لوگ ہیں جو (اللہ کی) کتاب (توریت) کو پڑھتے وقت اپنی زبانوں کو اس طرح موڑتے ہیں کہ تم یہ سمجھو کہ جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں کتاب میں (لکھا ہوا) ہے حالانکہ وہ کتاب میں (لکھا ہوا) نہیں ہوتا اور وہ کہتے ہیں کہ (جو کچھ) وہ (پڑھ رہے ہیں) اللہ کی طرف سے (نازل ہوا) ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے (نازل شدہ نہیں ہوتا، الغرض وہ جان بوجھ کر اللہ پر افتراء کرتے ہیں (۷۸)

تفسیر: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو اللہ تعالیٰ کی کتاب کو پڑھتے وقت اس میں کچھ اپنی طرف سے اضافہ یا تحریف کر دیا کرتے تھے اور اس اضافہ یا تحریف کی عبارت کو پڑھتے وقت زبان کو اس طرح موڑتے تھے کہ تسلسل میں کوئی فرق نہیں آتا تھا اور عام آدمی یہ سمجھتا تھا کہ جو کچھ یہ پڑھ رہے ہیں وہ اللہ کی کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی عبارت نہیں ہوتی تھی، مزید بر آں اپنی اس قبیح حرکت ہی کے ذریعہ نہیں بلکہ قولاً بھی وہ کہتے تھے کہ جو کچھ ہم نے پڑھا یہ اللہ کی کتاب میں موجود ہے حالانکہ وہ اللہ کی کتاب میں موجود نہیں ہوتا تھا۔ الغرض وہ حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط کر دیا کرتے تھے۔ فرقہ بندی کی وجہ سے حق کو چھپانا آج کل بھی عام ہے۔ متعدد مسائل اور فتوے ایسے ہیں جن کے متعلق لوگوں کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ وہ حق نہیں ہیں تاہم کیونکہ وہ ان کی مذہبی کتب میں تحریر ہوتے ہیں لہٰذا انہی پر عمل کرتے ہیں۔ انہی کی تبلیغ کرتے ہیں اور انہیں صحیح ثابت کرنے کے لئے

[1] یہاں موصوف کمال ہوشیاری سے اپنے آپ کو اور تمام اہلحدیث فرقوں کو بچا گئے حالانکہ ان کا بھی یہی حال ہے کہ محدث صاحب نے جو فرمادیا، جو ان کی رائے ہوئی، جو ان کا استنباط یا استدلال یا اجتہاد ہوا، جو عنوان انہوں نے قائم کر دیا، جو شرائط انہوں نے مقرر کر دیں، جو شرائط انہوں نے دوسروں کی مان لیں وہ سب بے چون وچرا موصوف اور دیگر اہلحدیث فرقے مان لیتے ہیں۔ بلکہ ان کے نزدیک تو بخاری صاحب و مسلم صاحب سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی (معاذ اللہ) دیکھئے پمفلٹ "جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات" از مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین ۱۴۱٦ھ، ص ۴۳، ۴۵، ۵۲، ٦۳، ٦۵

ضعیف اور موضوع حدیث پیش کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں آیت زیرِ تفسیر کی رُو سے سخت گناہ اور موجبِ عذابِ الٰہی ہیں"۔(ص ۱۴۵۔۱۴۶، جزء۔۲)

غور فرمایئے کہ موصوف نے اس آیت کے ترجمہ میں توریت ہی کو اللہ کی کتاب مانا ہے (نام نہاد) حدیث کی کتاب (تالمود) کو نہیں۔ نیز یہ کہ انہوں نے تفسیر میں یہ بھی مان لیا کہ فرقہ بندی کی وجہ سے حق کو چھپانا(یعنی قرآن کریم کی بات کو چھپا کر (نام نہاد) حدیث یا فقہ کی بات پیش کرنا) آج کل بھی عام ہے۔ اب آپ خود اپنے علما کرام کے صبح و شام ہونے والے وعظ و درس و اجتماعات اور ان کی تحریریں ملاحظہ کر لیں بالکل وہی نقشہ نظر آجائے گا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آیت میں اہل کتاب کا پیش کیا ہے۔ بے شک اس میں کیا شک ہے کہ قرآن کریم ہر دَور کیلئے ہے۔ نیز یہ غور کیجئے کہ اپنی اس تفسیر میں موصوف نے جو کچھ لکھا ہے کیا یہی کچھ آج نہیں ہو رہا کہ مترجمین و مفسرین کتاب اللہ کے حاشیوں میں گھڑی گھڑائی (نام نہاد) احادیث اور تفسیر لکھتے ہیں اور علما کرام اسے لہک لہک کر سناتے ہیں۔ اور سامعین یہ سمجھتے ہیں کہ وہ سب کچھ کتاب اللہ میں لکھا ہوا ہے۔ عام اہلحدیث و اہل فقہ جب قرآن کریم پڑھنے بیٹھتے ہیں تو وہ تفسیر ہی پڑھتے ہیں اور پھر دوسروں کو وہی سناتے ہیں۔ جب اعتراض کرو کہ یہ بات کتاب اللہ میں نہیں لکھی ہے تو وہ کہتے ہیں واہ قرآن کی تفسیر میں تو لکھا ہے اس لئے غلط کیسے ہو سکتی ہے۔

آگے اسی تفسیر میں موصوف عمل کے زیرِ عنوان تحریر کرتے ہیں:

"عمل: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے دین میں کمی بیشی نہ کیجئے، حق کو باطل کے ساتھ نہ ملایئے، حق کو خالص رکھئے اور خالص حق کی اشاعت و تبلیغ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں اضافہ کا اختیار سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں وہ شرک فی الدین یا شرک فی التشریع کے مرتکب ہوتے ہیں"۔ (ص ۱۴۶)

غور فرمایئے کہ اس آیت میں بات ہوئی ہے اللہ کی الکتٰب کی اس کی جگہ یہاں عمل میں موصوف نے "دین" کا لفظ کمال ہوشیاری سے استعمال کیا ہے (یونکہ وہ دین کو اللہ کی الکتٰب میں مکمل نہیں مانتے بلکہ اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کو شریک کرتے ہیں) چلئے انہی کی ترجمانی کو مان لیتے ہیں، تو وہ یہ کہتے ہیں کہ "جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہیں وہ شرک فی التشریع کے مرتکب ہوتے ہیں" تو کیا قرآن کریم دین نہیں ہے؟ (بقول موصوف کے وہ پورا دین نہیں تو چلئے دین کا حصہ ہی سہی) تو کیا قرآن کریم کے ساتھ انسانی کتابوں کا اضافہ کرنا شرک فی الدین یا شرک فی التشریع نہیں ہو گا؟ اور صرف یہی نہیں بلکہ قرآن کریم کے ساتھ دوسری انسانی کتابوں کا اضافہ کر کے اس کو کتُب اللہ کہنا تو شرک فی الکتٰب اللہ اور شرک فی الصفات اللہ بھی ہو گا۔ یونکہ موصوف انسانی کتابوں کی (نام نہاد) احادیث کو بھی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ماننے پر اصرار کر کے اللہ پر افتراء کرتے ہیں جبکہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں[1] جیسا کہ اس آیت میں وضاحت سے بتادیا گیا۔

---

[1]۔ (نام نہاد) احادیث کی اعلیٰ سے اعلیٰ کتاب کی روایت بھی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ نہیں یہ حقیقت ہم انشاء اللہ آگے عقلی دلائل میں بھی ثابت کریں گے۔

**27۔**... آگے اسی سورہ اٰل عمرٰان کی آیت ۸۴ میں پھر اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ ایمان اسی پر لانا ہے جو اس نے نازل کیا ہے:

''قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾ (۳/۸۴) ص۱۵۵

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اس کتاب پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوئی، ان کتابوں پر بھی ایمان لائے جو ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور (ان کی) اولاد پر نازل ہوئیں اور ان کتابوں پر بھی ایمان لائے جو موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور (دوسرے) انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے عطا ہوئیں۔ ہم ان نبیوں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (سب پر ایمان لاتے ہیں) اور ہم سب اللہ کے مسلم ہیں (اور دین اسلام پر کاربند ہیں)(۸۴)(ص۱۵۶، جزء ۲)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی اسی الکتٰب پر ایمان لانے کا حکم (قُلْ) دیا جا رہا ہے جو اللہ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ پر نازل کی اور ان سے پہلے جو کتابیں دوسرے انبیاء پر نازل ہوئیں، مگر کہیں بھی بخاری شریف یا مسلم شریف کا ذکر نہیں۔

ایک اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں خود رسول اللہ سلامٌ علیہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ اس کتاب پر ایمان لائیں جو آپ پر ہی نازل ہوئی ہے (اور اپنے سے پہلے کے انبیاء کی کتابوں پر بھی) تو فیصلہ تو یہیں ہو گیا یونکہ آپ کے سامنے تو صرف اور صرف قرآن کریم ہی واحد کتاب موجود تھی بخاری شریف اور مسلم شریف کا تو اس وقت نام و نشان بھی نہ تھا۔ بلکہ آپ کے بعد صحابہ کبارؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ وغیرہم کئی سو سال تک ان کتابوں کو نہیں جانتے تھے۔ یہ کتابیں تو دَورِ ملوکیت / قرونِ وسطیٰ میں شائع کرائی گئیں تا کہ اصل اسلام سے دُور کیا جا سکے!

**28۔**... آگے اسی سورۃ اٰل عمرٰان کی آیت ۹۳۔۹۴ میں اللہ تعالیٰ اپنی ہی کتاب کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کو کہہ رہا ہے:۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ (۳/۹۳۔۹۴)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے لئے کھانے کی تمام چیزیں حلال تھیں سوائے ان چیزوں کے جن کو یعقوب نے اپنے اوپر خود ہی حرام کر لیا تھا (اے رسول ان سے) کہئے کہ اگر تم سچے ہو تو توریت کو (بطور دلیل) پیش کرو (اور اس میں بتاؤ کہ یہ چیزیں ملّت ابراہیمی میں بھی حرام تھیں، ملّت ابراہیمی میں یہ چیزیں حرام نہیں تھیں، جو دعویٰ تم کر رہے ہو وہ اللہ پر افتراء ہے)(۹۳) اس (وضاحت کے بعد بھی جو شخص اللہ پر افتراء کرے تو ایسے ہی لوگ ظالم ہوتے ہیں (۹۴) '' (ص۱۷۱، جزء ۲)

غور کیجئے کہ بنی اسرائیل کی اس حرکتِ قبیح پر کہ اللہ کی حلال کردہ کھانے کی تمام چیزوں میں سے کچھ انہوں نے خود اپنے اوپر (یہ کہہ کر) حرام کرلی تھیں (کہ حدیث کے مطابق اسے رسول یعنی یعقوب سلامٌ علیہ نے حرام قرار دیا تھا)[1] اللہ تعالیٰ اپنے آخری رسول سلامٌ علیہ سے کہہ رہاہے کہ ان افتراء پردازون سے کہئے کہ اگر تم سچے ہو تو لاؤ کتٰب اللہ یعنی تورات اور اس سے ثابت کرو کہ یہ چیزیں اللہ کی حرام کردہ ہیں۔ یعنی یہاں پر بھی (نام نہاد) حدیث رَد کردی گئی کہ یعقوب سلامٌ علیہ نے حرام قرار دیا تھا، اور صرف اللہ کی کتاب کو بطور دلیل پیش کرنے کا اصول بنادیا گیا۔ سوچئے! جب آخری نبی سے اس اصول پر عمل کرنے کے لئے کہا جارہاہے کہ اہل کتاب جو کہیں اس کو توریت یعنی اللہ کی کتاب سے پرکھ لو، اس میں دیکھ لو، اگر اللہ کی کتاب میں موجود ہو تو صحیح ورنہ غلط، تو کیا یہ اصول اب ختم ہوگیا کہ ہمارے علما، فضلاء، محدثین جو کچھ کہیں اس کو اللہ کی کتاب قرآن مجید سے نہ پرکھا جائے، اس میں نہ دیکھا جائے؟ اگر قرآن کریم میں موجود ہو تو صحیح اور اگر اس میں نہ موجود ہو تو غلط۔ ایسی چیز کو رَد کردیا جائے۔ اس لئے حُجّت صرف قرآن ہوا (نام نہاد) حدیث نہیں۔ اس وضاحت کے بعد یعنی اللہ کی کتاب پر پیش کرنے کے اصول دینے کے بعد بھی جو شخص اپنی ضد وہٹ دھرمی پر قائم رہے اور اللہ پر افتراء کرے (کہ کتاب اللہ کے علاوہ بھی انسانی کتابوں کو اس کے ساتھ شریک کرنا ہے) تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ظالم قرار دیتا ہے اور یہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے کہ شرک کرنے ہی کو ظلم بلکہ ظلمِ عظیم کہا گیا ہے (۱۳/۳۱) تو ایسے لوگ ظالم یعنی مشرک ہوئے۔

**29۔**... آگے اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا ذکر کرتا ہے کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے ہیں اور ایمان لانے والوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں اس لئے اگر کوئی مومن ان کے کسی فریق کی بات مان لے گا تو وہ اسے ایمان لانے کے بعد کافر بنا دے گا (۹۸۔۱۰۰/۳) اب اللہ تعالیٰ اسی سورہ اٰل عمران کی اگلی آیت ۱۰۱ میں مومنین کو جتاتا ہے کہ:

"وَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَ اَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَ فِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ؕ وَ مَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ (۳/۱۰۱)

ترجمہ: اور (اے ایمان والو) تم کیسے کفر کرسکتے ہو جبکہ اللہ کی آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جارہی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول موجود ہے (تمہیں چاہئے کہ اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو) اس لئے کہ جس شخص نے اللہ کو مضبوطی سے پکڑ لیا اس نے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت پائی" (۱۰۱) (ص ۱۸۱، جزء۔ ۲)

ذرا غور فرمائیے کہ یہ کس حقیقت کیلئے کہا جارہاہے کہ "تم کیسے کفر کرسکتے ہو"؟ اس حقیقت کیلئے کہ ایمان والوں کو تو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائی جارہی ہیں (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کی آیات تو صرف قرآن کریم ہی میں ہیں (نام نہاد) احادیث شریف میں نہیں۔ اور آج تک کسی عالم، فاضل، فقیہہ یا محدث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ (نام نہاد) احادیث بھی اٰیٰتُ اللہ ہیں اور نہ ہی خود موصوف نے یہ دعویٰ کیا (ان کا عقیدہ یا دعویٰ یہ ہے کہ (نام نہاد)

[1] افسوس کہ آج امت مسلمہ کی بھی وہی روش ہے جو بنی اسرائیل کی تھی کہ قرآن کریم میں کھانے کی تمام پاکیزہ چیزیں حلال قرار دیئے جانے کے بعد (۵، ۴، ۱/۵، ۱۴۴/۶) اور حرام چیزیں بالکل واضح طور پر بتائے جانے کے بعد بھی (۳/۵، ۱۴۶/۶) علما یہی کہتے ہیں کہ فلاں فلاں چیزیں بھی (نام نہاد) احادیث کے مطابق حلال ہیں یا حرام ہیں۔ اب غور کیجئے کیا ایسے علما ظالم نہیں؟

احادیث بھی کتابُ اللہ ہیں مگر انہوں نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ (نام نہاد) احادیث اٰیٰتُ اللّٰہ ہیں۔ (ورنہ وہ یا کوئی بھی منچلا عالم یہ دعویٰ کر کے دیکھ لے اس کے یہاں خود ہی بغاوت ہو جائے گی)۔ اس لئے ثابت ہوا کہ ایمان و کفر کا معیار صرف اٰیٰتُ اللّٰہ یعنی قرآن کریم ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔

دوسری اہم حقیقت جو اس آیت کریمہ میں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ (وَ فِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ) "اور تم میں رسول موجود ہے" تو رسول تو اب ہم میں کہیں نظر نہیں آ رہے! ذرا اس وَ فِیْكُمْ رَسُوْلُهٗ کی "و" کو واوِ تفسیری سمجھ کر پڑھئے تو سارا معاملہ حل ہو گیا کہ " اللہ کی آیات تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں یعنی تم میں رسول (کے ذریعہ بھیجا ہوا پیغامِ ہدایت) موجود ہے" تو گویا یہاں قرآن ہی کو رسول کہا گیا ہے یونکہ اسی کی آیات سنائی جاتی ہیں اور پڑھی جاتی ہیں (نام نہاد) احادیث کی نہیں یونکہ وہ تو ویسے ہی غیر متلو ہیں یعنی پڑھنے والی یا پڑھی جانے والی چیز نہیں۔ جبکہ پچھلی آیات میں ثابت ہو چکا کہ قرآن مجید ہی پڑھا جاتا ہے۔

تیسری اہم حقیقت جو اس آیت کریمہ میں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ (وَ مَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِیَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ) جس نے بھی اللہ (کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید) کو پکڑ لیا اس نے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت پائی۔ رسول یا رسول کی طرف منسوب (نام نہاد) احادیث کو پکڑنے کے لئے نہیں کہا بلکہ اللہ کو پکڑنے کا کہا۔ اور ظاہر ہے کہ اللہ کو اس کی کتابِ ہدایت ہی کے ذریعہ پکڑا جا سکتا ہے۔

**30۔**... آگے اسی سورہ اٰلِ عمران آیت ۱۰۳ میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی کتاب ہی کو پکڑ کے ہدایت پانے کا ذکر کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا ۪ وَ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا ۚ وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۝ (۳/۱۰۳)(ص ۱۸۴)

ترجمہ: اور (اے ایمان والو) تم سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو، اللہ کی نعمت کو یاد کرو جو اس نے تم پر کی وہ یہ کہ ایک وقت وہ تھا کہ تم (ایک دوسرے کے) دشمن تھے۔ اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پھر تم اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی بن گئے، تم دوزخ کے گڑھے کے کنارے کھڑے تھے، اللہ نے تم کو اس سے بچا لیا۔ اللہ وضاحت کے ساتھ اپنی آیتوں کو بیان کر رہا ہے تا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ (اور پھر اسی تفرقہ بازی میں مبتلا نہ ہو جاؤ) (۱۰۳) " (ص ۱۸۵، جزء۔ ۲)

غور کیجئے کہ پچھلی آیت ۱۰۱ میں الفاظ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ استعمال ہوئے ہیں اور اس آیت میں اسی بات کو وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ تم اللہ کو پکڑ لو یعنی اس کی رسّی کو (حَبَل) پکڑ لو اور سب جانتے ہیں کہ اللہ کی رسّی اس کی الکتٰب یعنی قرآن مجید ہی کو کہا جاتا ہے[1]۔ تو حکم قرآن مجید ہی کو پکڑنے کا ہوا (نام نہاد) حدیث کا نہیں۔

[1] موصوف قرآن کریم کو اللہ کی رسّی نہیں مانتے اسی لئے یہاں قرآن کا نام نہیں لیا۔ وہ اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کو بھی شریک کرتے ہیں، دیکھئے ان کی اسی آیت کی تفسیر ص ۱۸۸، حالانکہ اسی صفحہ ۱۸۸ پر وہ مسلم کی روایت کردہ ایک (نام نہاد) حدیث بھی لکھتے ہیں جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کِتٰبُ اللّٰہ کو ہی حَبْلُ اللّٰہ بتا رہے ہیں۔

اسی کو اللہ تعالیٰ اپنی نعمت بتا رہا ہے کہ اس نعمت کی وجہ سے مومنین آپس میں بھائی بھائی بن گئے حالانکہ وہ اس نعمت کو قبول کرنے سے پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے۔..................

دوسری اہم بات جو اس آیت کریمہ میں بتائی گئی ہے وہ یہ کہ "اللہ وضاحت کے ساتھ اپنی آیتوں کو بیان کر رہا ہے تا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ" یعنی اللہ اپنی آیتوں کو وضاحت سے آیتوں ہی میں بیان کر رہا ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں[1] اور یہ وضاحت وہ اس لئے کر رہا ہے کہ آیتیں پڑھ کر ہی تم ہدایت یاب ہو جاؤ (نام نہاد) احادیث پڑھ کر نہیں! (اسے پڑھ کر تم پھر فرقوں میں بٹ جاؤ گے اور آپس کے اختلافات بڑھتے ہی جائیں گے کیونکہ ہر فرقے کے پاس اپنے اپنے مطلب کی احادیث ہیں۔ اور وہ اُن کو چھوڑ کر قرآن مجید پکڑنے کیلئے تیار نہیں)

**31۔**... اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا حشر یوم حساب کے حوالہ سے بتاتا ہے پھر اسی سورہ اٰل عمران کی آیت ۱۰۸ میں فرماتا ہے کہ

"تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ (۳/۱۰۸)

ترجمہ: (اے رسول) یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو حق کے ساتھ ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں (تاکہ لوگ گمراہی سے بچ جائیں) اللہ اہل عالم پر ظلم کرنا نہیں چاہتا (کہ بغیر ہدایت کا راستہ بتائے ان کو گمراہی کی سزا دے) (۱۰۸) (ص۲۰۵، جزء۲)

غور فرمایئے کہ فرقوں میں بٹنے والوں کا حشر بھی آیات ہی پڑھ پڑھ کر سنایا جا رہا ہے تاکہ لوگ گمراہی سے بچ جائیں، یہ نام نہاد احادیث میں نہیں بتایا جا رہا۔ اور یہ قرآن کریم ہی کی آیات میں اس لئے بتایا جا رہا ہے تاکہ لوگ آخرت کی فکر کریں (کیونکہ وہ انسانوں پر ظلم نہیں کرتا کہ بغیر متنبّہ کئے سزا دے) اور لوگ یہ کہتے رہ جائیں کہ فلاں (نام نہاد) حدیث تو ہم تک پہنچی ہی نہیں تھی۔ یہ بات وہ آیات الٰہی کے لئے نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ سب کی سب ایک ہی الکتٰب میں (بین الدفتین) موجود ہیں۔ آگے خود موصوف اپنی تفسیر میں عمل کے زیرِ عنوان فرما رہے ہیں کہ "کھلے دلائل کا تسلیم نہ کرنا کفر ہے اور اس کفر کی اصل محرک فرقہ بندی اور فرقہ وارانہ مذاہب ہیں" (ص۲۱۱)

اب فیصلہ آپ خود کریں کہ قرآن حکیم کے کھلے دلائل، کھلی آیتیں تسلیم نہ کر کے کفر کا ارتکاب کون کون کر رہا ہے؟

**32۔**... آگے اسی سورہ اٰل عمراٰن میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے بتا رہا ہے کہ وہ بد بختی میں مبتلا ہیں کیونکہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے رہے اور سرکشی میں حد سے تجاوز کرتے ہیں اور اگلی آیت نمبر ۱۱۳ میں فرماتا ہے کہ:

"لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: (لیکن) یہ سب یکساں نہیں ہیں، ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو (حق پر) قائم ہیں، رات کے اوقات میں اللہ کی (کتاب' قرآن مجید کی) آیات تلاوت کرتے ہیں اور (اللہ کے آگے) سجدہ ریز ہوتے ہیں"۔ (ص۲۱۹، جزء۲)

---

[1] اللہ تعالیٰ کی اس وضاحت کے بعد موصوف کا وہ عقیدہ بھی غلط ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے آیات کی تشریح (نام نہاد) احادیث میں کی۔

غور کیجئے کہ اہل کتاب کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے کہ وہ سب بُرے نہیں ہیں بلکہ ان میں بھی بعض ایسے ہیں جو حق پر قائم ہیں اور رات کے اوقات میں اللہ کی آیات یعنی کتُبُ اللہ، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں (نام نہاد) احادیث یا ان کی کتابوں کی نہیں، موصوف نے یہاں خود مان لیا کہ وہ اللہ کی کتاب، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں۔ آگے موصوف خود اپنی تفسیر میں 'عمل' کے زیرِ عنوان تحریر کرتے ہیں!

عمل: اے لوگو! آیت زیر تفسیر میں جن اہل کتاب کی توصیف کی گئی ہے آپ بھی انہی کی طرح اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائیے، قرآن مجید پر ایمان لائیے اور رات کے اوقات میں اس کی تلاوت کیا کیجئے، نیک کاموں کا حکم دیجئے، بُری باتوں سے منع کیجئے اور نیکیوں کی طرف سبقت کیجئے"۔ (ص۔ ۲۲۲) غور کیجئے کہ یہاں موصوف خود صرف قرآن مجید پر ایمان لانے کا فرما رہے ہیں (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

**33۔**... آگے اسی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۸ اور ۱۱۹ میں پھر اللہ تعالیٰ صرف آیاتُ الکتاب ہی کی بات کرتا ہے، پڑھیے:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ۭ وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاۗءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ښ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُھُمْ اَكْبَرُ ۭ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ اُولَاۗءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ڰ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مومنین کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا راز داں نہ بناؤ، کافر تمہیں نقصان پہنچانے میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم تکلیف میں مبتلا ہو، ان کی زبانوں سے (تمہارے لئے) بغضِ شدید ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے وہ اس سے بھی زیادہ ہے، اگر تم میں عقل ہے (تو تم اس بات کو سمجھ گئے ہو گے) ہم نے آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ ﴿۱۱۸﴾ یہ تو تم ہی ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو حالانکہ وہ تم سے محبت نہیں کرتے تم (ان کی کتاب اور دوسری) تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہو (لیکن وہ تمہاری کتاب پر ایمان نہیں لاتے ہیں، ان کا تو یہ حال ہے کہ) جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب تمہارے پاس سے چلے جاتے ہیں تو غیظ (وغضب) کے عالم میں اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں، (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اپنے غصے میں مر جاؤ (تمہارے دلی بغض و عداوت کو اللہ اچھی طرح جانتا ہے) بیشک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے۔ ﴿۱۱۹﴾ (صفحہ ۲۲۸۔ ۲۳۰، جزء)

غور کیجئے کہ پہلی آیت ۱۱۸ کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنے کھلے الفاظ میں واضح طور پر فرما دیا ہے کہ اگر تم میں عقل ہے تو تم اس حکمت کی بات کو سمجھ گئے ہو گے کہ مومنین کے علاوہ دوسروں کو اپنا راز داں نہ بناؤ......... ہم نے تو اپنی آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے اب اس کی تشریح یا تفسیر کی ضرورت نہیں رہی کہ اس کو (نام نہاد) احادیث میں بیان کیا جائے۔ ذرا غور کیجئے کہ کتنی اہم اور کتنی راز کی بات ہے مگر وہ ڈھکا چھپا کر خاموشی سے (نام نہاد) وحی خفی کے

ذریعہ نہیں بتائی جارہی بلکہ ببانگِ دہل بالکل صاف الفاظ میں قرآن کریم میں بتائی جارہی ہے۔ قارئین! کیا اب بھی کسی مزید تشریح یا تفسیر کی ضرورت ہے؟ کیا اب بھی کوئی (نام نہاد) حدیث چاہیئے؟ کیا قرآنی آیات واضح نہیں؟ کیا قرآنی آیات ہی ایک دوسرے کی وضاحت نہیں کررہی ہیں؟ کیا قرآن خود احسن التفسیر نہیں؟(۲۵/۳۳) کیا یہ قرآن بذاتِ خود حکمت نہیں؟(۳۶/۲)

غور کیجئے کہ یہاں دوسری آیت ۱۱۹ میں بھی بات الکتاب ہی پر ایمان لانے کی ہورہی ہے گو کہ موصوف نے "تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ" کا ترجمہ تم (ان کی کتاب اور دوسری) تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہو، کیا ہے[1]۔ ان کے اپنے ترجمہ کے مطابق بھی ایمان لانے کا حکم الکتاب یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب ہی کے لئے ہے اس میں (نام نہاد) احادیث کی کتابیں شریک کرنے کا حکم کہیں نہیں۔

**34**۔... آگے اسی سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ کافروں سے کہتا ہے کہ ذرا زمین کی سیر کرکے دیکھو کہ تکذیب کرنے والوں کا کیا انجام ہوا تھا۔ پھر اگلی آیت نمبر ۱۳۸ میں فرماتا ہے:

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: یہ (قرآن) لوگوں کے لئے (گذشتہ قوموں کے حالات کو واضح طور پر بیان (کرتا ہے) اور یہ (قرآن) متقیوں کیلئے ہدایت و نصیحت (کا سرچشمہ) ہے۔ ﴿۱۳۸﴾ (ص: ۲۷۲، جزء ۲)

غور کیجئے کہ یہ بات کس کیلئے ہو رہی ہے۔ قرآنِ کریم اور صرف قرآن کیلئے ہی اور موصوف نے خود بھی قوسین میں قرآن ہی لکھا ہے (نام نہاد) احادیث کی کتاب نہیں۔ اور دیکھئے آگے اس آیت کی تفسیر میں وہ کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر: آگے فرمایا (هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ) یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے ایک واضح بیان ہے نہ اس میں کوئی پیچیدگی ہے اور نہ کوئی الجھن۔ یہ تمام لوگوں کو ایک واضح راستہ بتاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

---

[1] آیت کے حصہ "تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ" کے موصوف کے ترجمہ سے اتفاق کرنا ضروری نہیں کیونکہ یہاں لفظ الکتاب واحد کے صیغہ میں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے لفظ كُلِّهٖ کے معنی کل یا سارا/ساری کے ہوتے ہیں اس لیے یہاں آیت کے اس ٹکڑے کے معنی ہوں گے کہ مومنین تو ساری کی ساری "الکتٰب" پر ایمان لاتے ہیں ایسا نہیں کہ کچھ تو وہ الکتٰب پر ایمان لے آئیں اور کچھ (نام نہاد) احادیث پر (جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔) یا یہ کہ الکتاب کے کچھ حصہ کو تو مان لیں اور کچھ کو کہہ دیں کہ اسے تو (نام نہاد) احادیث نے منسوخ کردیا ہے (معاذ اللہ) غور کیجئے ہدایت کی وہ کتاب کیسی ہوگی جس کے کچھ حصے منسوخ شدہ ہوں اور کچھ حصے لاگو! ایسا تو انگریز کے بنائے ہوئے قانون میں ہوتا ہے کہ کوئی شق منسوخ ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ ترمیم آجاتی ہے اور پھر دونوں شقیں اسی قانون کی کتاب میں رہتی ہیں جب تک اس کا نیا ایڈیشن نہ چھپے۔ اور انگریز پر کیا منحصر ہے اپنے ملک ہی کے جمہوری آئین یا قانون کو دیکھ لیجئے آئے دن کوئی نہ کوئی شق منسوخ ہوتی اور اس کی جگہ نئی ترمیمی شق آتی رہتی ہے۔ مطلب یہ کہ ایسی قانون کی کتاب کہ جس میں منسوخ اور غیر منسوخ دونوں ہی شقیں ہوں انسانوں کی بنائی ہوئی ہوتی ہیں مگر انسانوں کا خالق ایسی کمزوریوں سے پاک ہے۔ سبحان اللہ۔ اس کی کتاب میں منسوخ اور غیر منسوخ دونوں طرح کی آیات ہونا ناممکنات میں سے ہے۔ بلکہ ایسا سوچنا اور کہنا اس کی شان والا صفات کی تذلیل کرنا ہے! جو لوگ اس سلسلہ میں قرآن کریم کی آیت پیش کرکے یہ تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ نہ تو آیت کا مفہوم ہی صحیح طور پر سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کا ترجمہ صحیح کرتے ہیں۔ بلکہ وہ غلط ترجمہ جان بوجھ کر کرتے ہیں تاکہ اپنے عقیدہ کو (کہ نام نہاد) حدیث قرآن کی آیت کو منسوخ کرسکتی ہے) بچایا جاسکے! (قرآن کریم میں تمام کتابوں کیلئے جمع کا صیغہ كُتُبِهٖ استعمال ہوا ہے (اس لئے یہاں معنی صحیح نہیں کئے)۔

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ (البقرہ:۱۸۵)

(قرآن) تمام لوگوں کو ہدایت کا راستہ بتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ ۲۴/۴۶

ترجمہ: (اور اے لوگو!) ہم نے واضح آیتیں نازل کر دی ہیں (تو اب تمہیں چاہئے کہ ان پر ایمان لاؤ) اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ ۵۷/۹۔

ترجمہ: وہی ہے جو اپنے بندہ پر واضح آیتیں نازل کر رہا ہے تا کہ تم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور بے شک اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ (ص ۲۷۳۔۲۷۴، جزء۲)

قارئین! ذرا اس تفسیر کو ایک مرتبہ پھر پڑھئے اور پھر ایمانداری سے اپنے دل و دماغ (افئدہ) سے پوچھئے کہ ان واضح آیات کے بعد کیا اب مزید (نام نہاد) حدیثی وضاحت / تشریح کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ یہاں پیش کردہ سورہ الحدید کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا کہ وہ آیت نازل کر رہا ہے اور وہ بھی "اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ" صاف معنی یہ ہوئے کہ جب وہ واضح المطالب آیات نازل کر رہا ہے تو پھر (نام نہاد) حدیث کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی وہ (نام نہاد) احادیث نازل کر رہا ہے۔ آگے دیکھئے موصوف خود عمل کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"عمل: اے لوگو! اللہ کے رسول پر ایمان لایئے۔ جو کتاب ان کے اوپر نازل ہوئی ہے اس کتاب کو تسلیم کیجئے۔ یہ کتاب ہر ایک کو واضح راستہ کی دعوت دیتی ہے" (ص ۲۷۵، جزء۲)

غور کیجئے کہ موصوف کس کتاب کو تسلیم کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ جو اللہ کے رسول سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی ہے۔ تو ان پر تو "اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ" والی کتاب یعنی قرآن کریم نازل ہوا ہے۔ اسے تسلیم کیجئے اور دیگر (نام نہاد) احادیث و فقہ کی کتابوں کو چھوڑ دیجئے۔ صرف قرآن کریم ہی ہر ایک کو واضح راستہ کی دعوت دیتا ہے جبکہ دوسری (نام نہاد) احادیث و فقہ کی کتابیں واضح راستہ سے ہٹا کر تفرقہ پیدا کرتی ہیں۔ ایک کی حدیث کچھ کہتی ہے اور دوسرے کی حدیث کچھ۔ ایک کی فقہ کچھ کہتی ہے اور دوسرے کی فقہ کچھ۔ ہر فرقہ کے پاس اس کے اپنے اپنے اماموں کی حدیثیں ہیں اور ہر فرقہ کے پاس اس کے اپنے اپنے اماموں کے بنائے ہوئے فقہی مسائل ہیں۔ نتیجہ یہ کہ جب سے امت مسلمہ نے قرآن مجید کے علاوہ اماموں یا محدثوں کی باتوں پر عمل شروع کیا امت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اب بھی وقت ہے کہ قرآن مجید کی طرف لوٹ آیئے یونکہ آپ اسی پر ایمان لاتے ہیں دیگر اماموں یا محدثوں پر نہیں۔ اور یوں یوم الحشر رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی اسی قرآن مجید ہی کے بارے میں اللہ کے حضور شکایت فرمائیں گے کہ ان کی امت نے قرآن کریم کو "مَهجُوراً" کر دیا تھا (اور دوسری کتابوں کے پیچھے چل پڑے تھے)۔ (۲۵/۳۰)

**35**۔۔۔ آگے اللہ تعالیٰ اسی سورہ اٰل عمران کی آیت نمبر ۱۶۴ میں اپنے رسول کے کام بتا رہا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَ یُزَکِّیْھِمْ وَ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ ۚ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: اللہ نے مومنین پر (بڑا) احسان کیا کہ ان میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے، ان (کے قلوب) کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے تو یہ لوگ کھلی گمراہی میں (مبتلا) تھے"﴿۱۶۴﴾ (ص ۳۳۲، جزء ۲)

اس آیت کریمہ میں (اور اس سے پہلے سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۱ میں بھی) رسول سلامٌ علیہ کے تین کام بتائے گئے:

(۱)۔ اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سنانا، جو کہ صرف قرآن کریم ہی میں ہوتی ہیں (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

(۲)۔ مومنین کے قلوب کا تزکیہ کرنا، وہ بھی آیات ہی سنا کر ہوتا ہے۔

(۳)۔ اور مومنین کو اللہ کی کتاب یعنی حکمت کی تعلیم دینا وہ بھی آیات سنا کر ہی۔ کس کی؟ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ﴿۲﴾ (۲/ ۳۶) کی جو کہ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ﴿۵﴾ ہے (۵/ ۳۶) ذٰلِکَ نَتْلُوْہُ عَلَیْکَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَ الذِّکْرِ الْحَکِیْمِ ﴿۵۸﴾ (۳/ ۵۸)، الٓرٰ ۚ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ الْحَکِیْمِ ﴿۱﴾ (۱۰/ ۱) ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ ؕ (۱۷/ ۳۹)۔ غور فرمائیے! ان تینوں کاموں میں (نام نہاد) احادیث سنانے / بتانے کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ مُلّا جی کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ رسول سلامٌ علیہ (نزول) وحی کو خود لکھتے تھے اور پھر صبح و شام اس کا املا (صحابیوں، کاتبِ قرآن الحکیم کو) کراتے تھے۔ (۵/ ۲۵) اور قرآن کی تعلیم بھی قرآن ہی کا درس دے کر ہوتی تھی (۱۰۵/ ۶، ۷۹/ ۳، ۱۶۹/ ۷، ۱۵۵/ ۶) (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔ گویا کہ تینوں کام قرآن الحکیم ہی سے ہوتے تھے (کسی اور انسانی کتاب سے نہیں) یعنی القراٰن الحکیم کی تلاوت کر کے (۱۲۹/ ۲، ۱۵۱/ ۲، ۱۶۴/ ۳، ۵۹/ ۲۸، ۲/ ۶۲، ۱۱/ ۶۵، ۲/ ۹۸ وغیرہم) اب تو قرآن کریم پر بغیر دیگر کتابیں شریک کئے، ایمان لے آیئے!

**36**۔۔۔ آگے اسی سورہ آل عمران آیت ۱۸۷ میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے بارے میں فرما رہا ہے کہ:

"وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّہٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَکْتُمُوْنَہٗ ؗ فَنَبَذُوْہُ وَرَآءَ ظُھُوْرِھِمْ وَ اشْتَرَوْا بِہٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: اور (وہ وقت یاد کرو) جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے رہنا[1] اور اس (کی کسی بات) کو نہ چھپانا لیکن (انہوں نے عہد کرنے کے بعد) اسے پس پشت ڈال رکھا ہے اور اس کے بدلہ میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر رہے ہیں (خبردار) جو فائدہ یہ حاصل کر رہے ہیں وہ (بہت برا ہے۔ ﴿۱۸۷﴾ (ص ۳۴۷، جزء ۲)"

---

[1]۔ اس آیت میں موصوف نے "لَتُبَیِّنُنَّہٗ" کا ترجمہ "صاف صاف بیان کرتے رہنا کیا ہے"۔ مگر اسی لفظ کی معنوی تحریف کے ذریعہ موصوف نے سورہ نحل کی آیت۔ ۴۴ میں اس سے شرح تفسیر کا جواز نکال کر رسول سلامٌ علیہ سے قرآن کی تفسیر بھی کرا دی مگر آج تک اس تفسیر مبارک کو نہ پا سکے۔ اس بارے میں مزید تذکرہ انشاء اللہ اس کے مقام پر کریں گے۔

غور کیجئے یہ کس سے میثاق یعنی عہد کی بات ہو رہی ہے؟ یہ کوئی نبی / پیغمبر نہیں بلکہ (الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ) امتی ہیں جن کو الْکِتٰبَ عطا ہوئی تھی اور انہوں نے عہد کیا تھا کہ وہ اللہ کی الکتٰب (نام نہاد احادیث نہیں) کو لوگوں سے صاف صاف بیان کرتے رہیں گے اور اسے پیٹھ پیچھے چھپا کر (جزدان میں بند کر کے) نہ رکھ دیں گے۔ مگر انہوں نے اس عہد کا پاس نہ کیا اور وہی کیا جس سے منع کیا گیا تھا کہ اللہ کی الْکِتٰبَ کو تو صرف جزدان ہی میں نہیں بند کیا بلکہ حقیقتاً چھپا دیا اور لگے لوگوں سے (نام نہاد) احادیث بیان کرنے اور اس کی کتابیں چھاپ چھاپ کر تھوڑا سا فائدہ حاصل کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ جو فائدہ حاصل کر رہے ہیں وہ بہت بُرا ہے۔

غور فرمایئے! کیا یہی نیک عمل امت مسلمہ کے لوگ (جن کو الْکِتٰبَ قرآن مجید عطا ہوا ہے) نہیں کر رہے؟ کہ ہر عالم، ہر فاضل، ہر پیر اپنے اپنے مطلب کے (نام نہاد) احادیث کے مجموعے، فقہی مجموعے، مسائل، اوراد، وظائف کے مجموعے چھاپ چھاپ کر لوگوں میں پہنچا رہا ہے مگر اللہ کی الْکِتٰبَ کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان نہیں کر رہا بلکہ اس کو تو لوگوں کے دماغوں تک سے محو کرنا چاہتا ہے اور اس کو چھو منتر اور برکت کیلئے ایک ایک صفحہ پر چھپوا کر گھروں اور دوکانوں میں لٹکوا دیا ہے۔ اور اگر کبھی کوئی غلطی سے الْکِتٰبَ کا نام لے لیتا ہے تو کہتا ہے کہ تم اس کو نہیں سمجھ سکتے اس کو سمجھنے کے لئے (عالموں کے بنائے ہوئے) چودہ (۱۴) علوم پہلے سیکھنے ہوں گے اور عالموں کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا ہوگا (مزے کی بات یہ ہے کہ جب وہ خود کسی دارالعلوم میں چودہ سال کا (درسِ نظامی کا) زانوئے تلمذ تہ کر کے نکلتا ہے تو قرآن کریم کا بمشکل ڈھائی پارہ پڑھا ہوتا ہے)[۱]۔

''وَ اِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: (اے ایمان والو!) اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی اور اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو ان پر نازل کی گئی، وہ اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں، اللہ کی آیات کو بیچ کر تھوڑی قیمت حاصل نہیں کرتے ایسے لوگوں کے لئے ان کے رب کے پاس اجر ہے، بے شک اللہ جلدی حساب لینے والا ہے''[۲] (۱۹۹) (ص ۳۹۴، جزء ۲)

---

۱۔ ''اقبال اور وحدۃ الوجود'' از پروفیسر یوسف سلیم چشتی، مقالہ برائے ''پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس'' منعقدہ آئی۔ بی۔ اے ہال کراچی۔ ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۷۶ء۔ زیرِ اہتمام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ طبع شدہ مختصر روداد و مقالات ص ۱۳۷

۲۔ قارئین اس موقعہ پر ایک تفسیری شاہکار بھی دیکھتے چلئے کہ موصوف نے اس آیت کی تفسیر لکھنے سے پہلے اس کی مندرجہ ذیل شان نزول تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں: ''نجاشی پر دشمن نے حملہ کیا۔ مہاجرین (حبشہ) اس کے پاس آئے اور کہنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ ہم ان سے مقابلہ کے لئے نکلیں اور آپ کے ساتھ ہو کر (ان سے) جنگ کریں تاکہ آپ ہماری جرأت (و بہادری) بھی دیکھ لیں اور آپ نے جو احسان ہم پر کیا ہے اس کا بدلہ بھی ہم آپ کو ادا کریں۔ نجاشی نے کہا نہیں، اللہ کی مدد سے علاج کرنا لوگوں کی مدد سے علاج کرنے سے بہتر ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی (ص ۳۹۴-۳۹۵) (رواہ الحاکم وسندہ صحیح۔ المستدرک جزء ۲۔ ص ۳۰۰)۔

اب آپ غور کرتے رہیئے کہ اس وقت جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کی شانِ نزول کے راوی حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کہاں تھے، مکہ میں، مدینہ میں یا حبشہ میں؟ خیال رہے کہ ہجرت حبشہ مکی دَور کا واقعہ ہے اور سورۃ آل عمران مدنی ہے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر کی پیدائش مدینۃ النبی میں ۱ ہجری میں ہوئی تھی۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر

**37۔**... آگے اسی سورہ آل عمران آیت ۱۹۹ میں پھر اللہ تعالیٰ اہل الکتاب ہی کا ذکر کرتا ہے کہ:

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں کیا حقیقت بتا رہا ہے کہ اہل کتاب میں بعض ایسے اچھے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی اور ظاہر ہے کہ آپ سلامٌ علیہ پر نازل ہونے والی کتاب قرآن کریم ہی ہے تو اس کے معنی وہ لوگ قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر نہیں۔

ذرا اس آیت کے متن کو ایک مرتبہ پھر غور سے پڑھئے۔ آپ نوٹ کریں گے کہ اس آیت میں " اَهْلِ الْكِتٰبِ " کے علاوہ لفظ کتٰب استعمال ہی نہیں ہوا۔ بلکہ الفاظ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ استعمال ہوئے ہیں جس کے معنی ہیں "جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی" مگر موصوف نے خود اس کا ترجمہ کیا "اور اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی" اور پھر اس کی تفسیر میں مان گئے کہ وہ قرآن مجید پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

تفسیر: (وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ) اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تمہاری طرف نازل ہوئی اور اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف نازل ہوئی یعنی وہ قرآن مجید پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور توریت اور انجیل پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ ص ۳۹۵ (آخری سطریں)

آگے موصوف اپنی تفسیر میں عمل کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ:

"عمل: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر، قرآن مجید پر اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر صحیح معنوں میں ایمان لائیے۔ (ص ۳۹۸) (پہلی سطر، جزء ۲)

قارئین! کیا موصوف کے اس فطری اقرار کے بعد قرآن الحکیم کے علاوہ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر بھی ایمان لانے کی کوئی گنجائش نکلتی ہے؟

**38۔**... آگے سورہ النساء کی آیت ۲۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾

ترجمہ: اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لیے (اپنے احکام) کی وضاحت کرے اور جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے حالات بتائے (تاکہ ان کے حالات سے تمہیں عبرت و نصیحت ہو) اور اللہ (یہ بھی چاہتا ہے کہ) تمہاری توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۲۶) (جزء۔ ۳ ص ۷۵) "

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں کیا فرما رہا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام کی وضاحت کرے۔ تو یہ تو یقینی امر ہے کہ وہ جیسا چاہتا ہے یا جو چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اسی لئے اس نے اپنے احکام اسی قرآن کریم میں واضح کر

بقیہ سابقہ حاشیہ: نیز یہ بھی غور فرمائیے اور تحقیق کیجئے کہ نجاشی نے دشمن کے حملہ کا جواب دینے یا جنگ کرنے یا دفاع کرنے کے بجائے کیا علاج کیا؟ کیا کوئی دھونی دی، یا منتر پڑھ کر پھونکا یا فرشتے آکر لڑے؟ جب اصل راز معلوم ہو جائے تو مجھے بھی مطلع کر دیجئے گا۔ اور ہاں یہ بھی بتائیے گا کہ نجاشی کی سنت پر کس کس امام اور خلیفہ نے عمل کیا؟

دیئے، ان کی تشریح کر دی / ان کی تفسیر کر دی۔ اس کے علاوہ (نام نہاد) حدیث میں نہیں۔ دوسری بات وہ یہ بتا رہا ہے کہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان کے سُنن یعنی سنتیں، طریقے، حالات بتائے تا کہ تم ان حالات سے عبرت، نصیحت اور ہدایت حاصل کرو۔ اور یہ تمام باتیں بھی اسی قرآن کریم ہی میں بتائی ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں۔ اب دیکھئے موصوف اس آیت کی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر: اللہ تعالیٰ نے فرمایا (يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام کو تمہارے لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دے (تا کہ تم کو ان کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾ (الحدید:۱۷)

اے لوگو! ہم نے اپنی آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے تا کہ تم (باآسانی) سمجھ جاؤ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ (آل عمران:۱۰۳)

اللہ وضاحت کے ساتھ اپنی آیتوں کو بیان کر رہا ہے تا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾ (الزمر:۲۷،۲۸)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کو سمجھانے) کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں تا کہ وہ نصیحت حاصل کریں (ہم نے) قرآن (کو) عربی زبان میں (اُتارا ہے) اس میں کسی قسم کی کجی نہیں (رکھی) تا کہ یہ لوگ (اس کو سمجھ کر اللہ سے) ڈر جائیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی آیات کو واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ ان میں کسی قسم کی کجی یا پیچید گی نہیں رکھی تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ (جزء۳)(ص۷۶۔۷۷)"

ذرا غور کیجئے کہ جب قرآن مجید کی آیات ہی کو واضح الفاظ میں بیان کر دیا گیا تو پھر (نام نہاد) حدیثی تشریح کی کیا ضرورت رہ گئی؟ یہاں تو ایک آیت خود دوسری آیت کی تشریح کر رہی ہے وہی اس کی تفسیر ہے۔

جہاں تک دوسری بات کا تعلق ہے کہ پہلے گذرے ہوؤں کے حالات کیا ہیں اور وہ کہاں بتائے گئے ہیں تو موصوف اپنی تفسیر میں اس کو گول کر گئے ہیں۔ اس کا ذکر کہیں اور آ جائے گا۔ فی الحال تو آپ یہی سمجھ لیں کہ پہلوں کے حالات بھی اسی قرآن مجید میں جگہ جگہ بتائے ہیں جن کو آپ قصص القرآن کہتے ہیں۔ ان کے حالات بھی (نام نہاد) احادیث میں نہیں بتائے گئے۔ آپ نے کبھی قصص الحدیث نہیں سنا ہو گا یونکہ (نام نہاد) احادیث میں جو افسانے تراشے گئے وہ زیادہ تر اسرائیلیات اور فحشیات پر مبنی ہیں۔ ان کا قرآن کریم جیسی عظیم کتاب سے کوئی تعلق نہیں۔ ان کو پڑھ کر آپ گمراہ ہو جائیں گے۔

**39۔**... آگے اسی سورہ النسآء کی آیت ۴۷ میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب سے القرآن الحکیم پر ایمان لانے کو کہہ رہا ہے:

''يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ۝ (النساء:۴۷)

ترجمہ: اے اہل کتاب اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور جو تمہاری کتاب کی تصدیق بھی کرتی ہے قبل اس کے کہ ہم چہروں کو بگاڑ کر ان کو (ان کی) پیٹھوں کی طرف پھیر دیں یا ان پر ایسی لعنت کریں جیسی لعنت کہ ہم نے ہفتہ والوں پر کی تھی اور اللہ کا حکم تو ہو کر رہتا ہے۔(۴۷)(جزء۳۔ص۱۷۵)''

غور کیجئے کہ اہل کتاب سے کس چیز پر ایمان لانے کو کہا جارہا ہے اس چیز پر (بِمَا نَزَّلْنَا) جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی اور وہ ''الکتاب'' ہے اور ترجمہ میں خود موصوف نے بھی یہی لکھا ہے کہ اس کتاب پر ایمان لے آؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور جو تمہاری کتاب کی تصدیق بھی کرتی ہے اور جو الکتب پر ایمان نہ لائے اس کو عذاب یا لعنت کی وعید ہے۔ غور کیجئے یہاں کہیں بھی (نام نہاد) احادیث یا ان کی کتابوں پر ایمان لانے کو نہیں کہا جارہا۔ بلکہ صرف قرآن کریم پر ایمان لانے کا حکم ہے۔

قارئین یہاں پر موصوف کا ایک اور تفسیری حسن کمال دیکھتے چلئے کہ آیت کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو اللہ کی نازل کردہ کتاب پر ایمان لانے کا حکم دے رہا ہے مگر موصوف اپنی تفسیر میں عمل کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:

''عمل: اے لوگو! محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لے آیئے۔ ایسا نہ ہو کہ عذابِ الٰہی نازل ہو جائے اور آپ تباہ و برباد ہو جائیں (جزء۳۔ص۱۷۸)''

دیکھا آپ نے آیت میں تو اللہ تعالیٰ الکتٰب پر ایمان لانے کا حکم دے رہا ہے اور موصوف عمل میں کہہ رہے ہیں کہ رسول ﷺ پر ایمان لاؤ! کیا اسے معنوی تحریف نہیں کہتے؟ ایسا انہوں نے کیوں کیا؟ اس لئے کہ وہ اپنا عقیدہ بیچ میں ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ دیکھئے آگے وہ اسی ''عمل'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کو مان لیجئے اپنے آبائی فرقہ وارانہ مذاہب پر نہ اڑیئے۔ اپنے مذہب کی خاطر قرآن مجید کی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو نہ چھوڑیئے اور عذاب کو دعوت نہ دیجئے اس سے پہلے کہ عذاب نازل ہو حق کو قبول کر لیجئے'' (جزء۳،ص۱۷۸)

دیکھا آپ نے کہ موصوف نے کس کمال ہوشیاری سے دو باتیں کر دیں۔ اللہ اور رسول ﷺ۔ قرآن مجید کی آیات اور رسول ﷺ کی احادیث۔ غور کیجئے کیا یہ دونوں باتیں الگ الگ نہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ حکم تو صرف اسی کا ہے۔ ۶/۶۲، ۷/۵۴، ۱۲/۴۰، ۱۲/۶۷، ۱۸/۲۶) تو پھر اللہ اور رسول کی باتیں یا احکام الگ الگ کیسے ہو گئے؟ رسول ﷺ تو خود کچھ نہیں کہتے وہ تو وہی کہتے ہیں جن کا ان کو حکم دیا جاتا ہے یعنی جو قرآن میں بتایا جاتا ہے۔ ان کا ذمہ تو صرف قرآن کی تبلیغ کرنا تھا جو کہ احسن الحدیث ہے (۳۹/۲۳) تو پھر اس احسن الحدیث کے علاوہ اور حدیث کہاں سے آ گئی؟

**40۔**... آگے اسی سورۃ النساء کی آیات ۵۴۔۵۶ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ (النساء۔۵۶،۵۵،۵۴)

ترجمہ: کیا یہ (ایمان دار) لوگوں سے محض اس وجہ سے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (قرآن مجید جیسی دولت عطا فرمائی ہے (اس میں حسد کی کون سی بات ہے) ہم نے (اپنے فیصلہ کے مطابق پہلے بھی) آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور عظیم بادشاہت عطا کی تھی (اور اب بھی انہی کو عطا کی ہے) (۵۴) ان اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو اس (پر ایمان لانے) سے رُکے ہوئے ہیں، (ایسے لوگوں کے لئے بطور سزا) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کافی ہے (۵۵) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب ان کو دوزخ میں داخل کریں گے (پھر) جب کبھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم (جلی ہوئی کھال کو) دوسری کھال سے بدل دیں گے تاکہ وہ (مسلسل) عذاب کا مزا چکھتے رہیں، بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے (۵۶) (ص۱۸۹، ۱۹۰، جزء۳)''

غور کیجئے کہ ان آیات میں بھی کن باتوں کا ذکر ہے:

(۱)۔ اللہ نے اپنے فضل سے قرآن مجید جیسی دولت عطا فرمائی ہے (نام نہاد) احادیث کا ذخیرہ نہیں جس میں رطب و یابس بھرا ہوا ہے۔

(۲)۔ جن لوگوں نے اللہ کی الکتاب کی آیتوں کا انکار کیا (نام نہاد) ذخیرہ احادیث (میں کی اسرائیلیات و فحشیات وافسانوں) کا نہیں تو ان کو عنقریب عذاب جہنم میں داخل کیا جائے گا۔

غور کیجئے کہ ہمارے علما و فضلاء و شیوخ ہم کو (نام نہاد) احادیث کے انکار پر فوراً منکرِ حدیث کا فتویٰ لگا کر جہنم واصل کر دیتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا کیونکہ وہ تو صرف اپنی آیات قرآن مجید پر ایمان لانے کو کہتا ہے (نام نہاد) حدیثی روایات پر نہیں۔

**41۔**... آگے اسی سورۃ النساء کی آیات ۶۰۔۶۱ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے کے دعویدار تو ہیں مگر ان کا عمل اُن پر نہیں:

''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَ قَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ (النساء۔۶۱۔۶۰)

ترجمہ: (اے رسول) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور (ان کتابوں پر بھی ایمان لائے) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں

(لیکن) چاہتے یہ ہیں کہ (اپنے مقدمات کو) فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس (لے) جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں لیکن شیطان (ان پر غالب ہے اور وہ) یہ چاہتا ہے کہ انہیں گمراہی میں بہت دُور لے جا کر ڈال دے (۶۰) اور (اے رسول) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور (اس کے) رسول کی طرف (آؤ) تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے بڑی سختی سے گریز کرتے ہیں"۔(۶۱) (ص ۲۱۷۔۲۱۹، جزء ۳)

غور کیجئے کہ یہ ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم اللہ کی نازل کردہ الکتاب قرآن مجید پر ایمان لائے جو آپ سلامٌ علیہ پر نازل کی گئی (اور ظاہر ہے کہ جس وقت کی یہ بات ہے اس وقت تو قرآن کریم ہی کا نزول ہو رہا تھا، اور وہ بھی آہستہ آہستہ (۲۳/ ۷۶) (نام نہاد) احادیث کا کوئی نزول نہیں ہو رہا تھا اور اگر کوئی دعویدار ہے کہ رسول سلامٌ علیہ پر (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا بھی نزول ہو رہا تھا تو وہ پھر قرآن کریم سے اسی طرح کی واضح آیت پیش کرے۔ لائے کوئی نص صریح، محکم آیت مثل ۲۳/ ۷۶ کے) اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سلامٌ علیہ سے پہلے نازل کی گئی تھیں۔ مگر جب کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ کرانا ہوتا تھا تو طاغوت کی طرف لے جاتے تھے حالانکہ اللہ نے اور رسولوں نے ان کو طاغوت کا انکار کرنے کو کہا تھا مگر وہ پھر بھی نہیں مانتے تھے یونکہ ان پر شیطان کا غلبہ تھا اس لیے ان سے پھر کہا جاتا تھا کہ طاغوت کی طرف نہ جاؤ بلکہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے یعنی قرآن مجید اور اس کے رسول سلامٌ علیہ کی طرف آؤ تاکہ وہ قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کر دے تو وہ لوگ اس پر بہت کسمساتے تھے اور اس سے گریز کی راہ اختیار کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ طاغوت کیا چیز ہے جس کی طرف وہ دعویدار جاتے تھے؟ موصوف تو اپنی تفسیر میں اس مسئلہ کو گول کر گئے ہیں البتہ عمل کے زیرِ عنوان ایک جملہ لکھا ہے:

"عمل! قرآن مجید اور حدیث نبوی کے علاوہ جس کسی چیز کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع کیا جائے وہ طاغوت ہے۔ طاغوت کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع نہ کیجئے" (جزء ۳۔ ص ۲۲۱)

موصوف نے یہاں پھر موقعہ ملتے ہی کس خوش اسلوبی سے قرآن مجید کے ساتھ (نام نہاد) حدیث کو شریک کر دیا حالانکہ جس آیت کی وہ تفسیر کر رہے ہیں اس میں تو صرف قرآن مجید کا ذکر آیا جو رسول سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا۔ اگر کہیں حدیثِ رسول کا ذکر ہے تو وہ ان کو پیش کرنا چاہئے تھا۔ اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ فیصلہ صرف قرآن کریم سے ہو گا۔

آگے بڑھئے اور دیکھئے کہ خود قرآن کریم ان آیات کی کیا تشریح یا تفسیر کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (المائدہ۔ ۱۰۴)

ترجمہ: اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف رجوع کرو اور (اللہ کے) رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے جس راستہ پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے (اے رسول ان سے پوچھئے) اگرچہ ان کے باپ دادا نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں (تب بھی یہ انہی کی پیروی کریں گے)۔ (المائدہ آیت ۱۰۴۔ ص ۸۳۹، ۸۴۰۔ جزء ۳)

دیکھا آپ نے کہ اوپر پیش کردہ آیت ۱۰۶ اور اس آیت کے شروع کے الفاظ بالکل ایک ہی ہیں کہ "جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف رجوع کرو اور (اللہ کے) رسول کی طرف رجوع کرو" تو پہلی آیت کے مطابق تو وہ ان کی طرف آنے سے گریز کرتے ہیں اور دوسری آیت کے مطابق وہ کہتے ہیں کہ "ہم نے جس راستہ پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمارے لیے کافی ہے" تو قرآن کریم کے مطابق تو یہی طاغوت ہوا جس کی طرف وہ جاتے تھے یعنی باپ دادا و سلف کی روایتیں۔ اور اللہ کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم اور اللہ کے رسول سلامٌ علیہ کے پاس جانے سے گریز کرتے تھے! آگے اللہ تعالیٰ نے اس کی مزید وضاحت کر دی کہ "اے رسول ان سے پوچھئے کہ اگرچہ ان کے باپ دادا نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں تب بھی یہ انہی کی پیروی (یعنی تقلید) کئے جائیں گے؟"

قارئین! دیکھا آپ نے کہ اللہ تعالیٰ نے باپ دادا کی پیروی یا تقلید سے کس طرح منع فرمادیا۔ اب ذرا یہ غور کیجئے کہ اس وقت کے منافقین کا ذکر قرآن کریم میں کر کے ہمیں کیوں سنایا جارہا ہے؟ ہمیں اس سے کیا فائدہ ہے کہ چودہ سو سال پہلے والوں کا حال سنیں یا پڑھیں؟ تو اگر آپ اپنے چاروں اطراف نظر دوڑائیں اور ذرا سا غور کریں تو آج بھی ہمارے اطراف یہی حال ہے آپ جہاں کسی سے کہیں کہ بھائی اللہ کی کتاب کی طرف رجوع کرو یعنی اللہ کے رسول سلامٌ علیہ کے لائے ہوئے پیغام ہدایت کی طرف آجاؤ تو وہ فوراً ناراض ہو جاتا ہے اور وہی جواب دیتا ہے جو چودہ سو سال پہلے منافقین دیتے تھے کہ کیا یہ سب ہمارے آباؤ اجداد غلط ہیں۔ نہیں میاں ہم ان کا مذہب نہیں چھوڑ سکتے اس میں تو کتنے بڑے بڑے عالم محدث، امام و بزرگ گذرے ہیں تم کیا ہو کہ تمہارے کہنے سے ہم اپنے اماموں کی حدیثیں، فقہ، فتاویٰ و اقوال چھوڑ دیں۔۔۔ کہئے اب معلوم ہوا کہ ان لوگوں کا ذکر آج تک قرآن میں کیوں ہے۔ (یہ آیت (نام نہاد) حدیث سے منسوخ کیوں نہیں ہوئی کہ آج اس کی کیا ضرورت تھی! بہر حال کسی عالم یا اہلحدیث سے پوچھ لیجئے ہو سکتا ہے کہ آیت منسوخ الحکم ہی ہو اور صرف تلاوت کے لئے رہنے دی گئی ہو! معاذ اللہ)

ان آیات سے بھی یہی ثابت ہوا کہ:

.(۱)۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ الکتب کی طرف آنا ہے اور اس کے رسول کی طرف یعنی رسول سلامٌ علیہ کے لائے ہوئے پیغامِ ہدایت کی طرف (یونکہ اب رسول تو ہم میں موجود نہیں کہ ان کی طرف جائیں البتہ وہ پیغامِ ہدایت جو ان پر نازل ہوا اب بھی ہم میں موجود ہے۔ جبکہ عجمیوں کی (نام نہاد) احادیث کے بارے میں کہیں نہیں لکھا ہوا ہے)

.(۲)۔۔۔ ہر فیصلہ اللہ کی نازل کردہ الکتب ہی سے کرنا ہے۔ عجمیوں کی کتابوں سے نہیں۔

.(۳)۔۔۔ طاغوت یعنی باپ دادا کی تقلید / پیروی کا انکار کرنا ہے اور ان کی بنائی ہوئی (نام نہاد) احادیث و روایات، فقہ، فتاویٰ و اقوال وغیرہ کا انکار کر کے صرف قرآن کریم کو پکڑ لینا ہے۔

**42**۔۔۔ آگے اسی سورۃ النساء آیت ۸۲ میں اللہ تعالیٰ پھر اسی القرآن کا ذکر کرتا ہے:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا ۝ (النساء۔ ۸۲)

ترجمہ: یہ کافر[1] قرآن میں تدبر کیوں نہیں کرتے، اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بڑا اختلاف پاتے (۸۲) (ص ۲۵۸، جزء ۳)

غور کیجئے کہ یہ کتنا بڑا چیلنج ہے اور وہ بھی اتنے واضح طور پر "الْقُرْاٰنَ" کہہ کر کہ "الْقُرْاٰنَ" میں تدبّر کرو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ بیشک یہی اللہ کا نازل کردہ ہے (نام نہاد) حدیث نہیں، اور اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ مگر اتنی زبردست آیت کی تفسیر موصوف نے انتہائی مختصر کی ہے، شاید مصلحتاً، آپ بھی پڑھئے:

تفسیر: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۞ (محمد۔ ۲۴)

(تو آخر) میں لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔

(اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ) کیا بات ہے کہ یہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے کیا اس کے مضامین میں انہیں کوئی اختلاف اور تضاد نظر آتا ہے (وَ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا) اگر قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا، کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ ضرور اس میں کثیر اختلاف پاتے۔ قرآن مجید خالقِ کائنات کا کلام ہے۔ اس جیسا کلام دنیا والے نہیں بنا سکتے خواہ کتنی ہی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۞ (بنی اسرائیل: ۸۸)

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن جیسی کوئی کتاب لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ اس جیسی کتاب نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ (اس کام میں) ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔ (ص ۲۵۸)"

دیکھا آپ نے کہ کتنی مختصر تفسیر ہے۔ خیر۔ اب عمل بھی پڑھ لیجئے:

عمل: "اے لوگو! قرآن مجید میں غور و فکر کیجئے اس کے مضامین میں تدبّر کیجئے آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ انسانوں کا بنایا ہوا کلام نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ، خالق کائنات کا کلام ہے۔ اور جب آپ اس نتیجہ پر پہنچ جائیں تو اس پر ایمان لائیے، اس پر عمل کیجئے۔

اے ایمان والو! آپ بھی جب تلاوت کریں تو اس کے معانی میں تدبّر کیا کیجئے تاکہ آپ صحیح معنوں میں

---

[1] فاضل مفسر صاحب نے پتہ نہیں "کافر" کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ غالباً وہ یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ یہ آیت تو صرف کافروں کیلئے نازل ہوئی تھی۔ مگر پھر آگے تفسیر میں اسی کو لکھتے ہیں کہ "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے" پھر سورہ محمد کی آیت کے انہی الفاظ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ کا ترجمہ کیا کہ: (تو آخر) میں لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے "۔ پتہ نہیں وہ کیا چاہتے ہیں۔ شاید اس آیت کا ترجمہ و تفسیر اپنے عقیدہ کے خلاف کرتے ہوئے وہ ذہنی طور پر انتہائی پریشان تھے بہر حال اللہ ان کی نیت بہتر جانتا ہے۔

اس پر عمل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۹﴾ (صٓ:۲۹)

(اور اے رسول) یہ کتاب جو ہم نے آپ کی طرف اُتاری ہے بہت بابرکت ہے تا کہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور اہل عقل نصیحت حاصل کریں"۔(ص۲۵۹۔ جزء۳)

قارئین اب ذرا ایک مرتبہ پھر یہ مختصر سی تفسیر اور عمل پڑھئے دیکھئے یہ کیا کیا ستم ڈھا گئی اور موصوف ہی کے قلم سے کیا کیا حقیقتیں ثابت کر گئی۔

.(۱)۔..."اللہ تعالیٰ نے دنیا کے تمام انسانوں کو قرآن مجید میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے" (یہ دعوت (نام نہاد) حدیث کیلئے نہیں۔ اگر وہ بھی کتاب اللہ ہوتی تو پھر یہ دعوت اس کے لئے بھی ہوتی۔ یہاں اس آیت میں تو لفظ "القرآن" ہی صاف طور پر استعمال کیا گیا ہے۔)

.(۲)۔..."قرآن مجید خالق کائنات کا کلام ہے اس جیسا کلام دنیا والے نہیں بنا سکتے خواہ کتنی ہی کوشش کریں"۔(یہاں واضح ہو گیا کہ قرآن کلام اللہ ہے (نام نہاد) حدیث نہیں) اور جب صرف قرآن ہی کلام اللہ ہے تو پھر کیا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں؟ کیونکہ یہ صفت کسی اور میں نہیں [1]۔ اور جو صفت اللہ تعالیٰ کی ہے اس میں کسی اور کو شریک کرنے سے یہ شرک فی الصفت ہوتا ہے (جو کہ موصوف کے مطابق شرک کی تین بڑی قسموں میں سے ایک ہے (شرک فی الذات، شرک فی الصفات اور شرک فی الحقوق ص ۱۳۰ جزء۳) اس لیے ثابت ہوا کہ اللہ کی صفت یعنی اس کے کلام کے ساتھ بخاری و مسلم کا کلام شریک کرنے سے شرک فی الصفت ہوتا ہے اور شرک قابلِ معافی نہیں (۴/۴۸)

.(۳)۔..."قرآن مجید میں غور و فکر اور اس کے مضامین میں تدبر کرنے سے آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ انسانوں کا بنایا ہوا کلام نہیں" جب کہ آپ (نام نہاد) احادیث میں غور و فکر کریں تو آپ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ انسانوں کا کلام ہے (بلکہ بعض جگہ تو انتہائی پست ذہنیت رکھنے والوں کا کلام ہے اس کی مثالیں انشاء اللہ آگے عقلی دلائل میں دیں گے)۔

.(۴)۔..."اللہ کی نازل کردہ الکتٰب کی آیات میں تدبر کرنے سے اہل عقل یعنی عقلمند لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں" اور ہٹ دھرم بیوقوف مقلدین گمراہی ہی میں مبتلا رہتے ہیں۔

.(۵)۔...کلام اللہ ہونے کی وجہ سے قرآن کریم میں کوئی اختلاف و تضاد نہیں جب کہ انسانی کلام یعنی (نام نہاد) احادیث میں بے انتہا اختلافات و تضادات ہیں (حتیٰ کہ قرآنی احکام کے خلاف یا ان سے مختلف بھی جن کی مثالیں ہم انشاء اللہ آگے عقلی دلائل میں دیں گے)۔

.(۶)۔...جو چیز یا کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ ہو کسی اور کی طرف سے ہو تو اس میں ضرور کثیر اختلاف پایا جائے گا۔

---

[1] جبکہ (نام نہاد) حدیثیں بنانا انسانی صفت ہے۔ انسانوں نے لاکھوں کروڑوں حدیثیں بنا بنا کر رسول اللہ سلام علیہ کی طرف منسوب کر دیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے مطلب یا عقیدہ کے مطابق حدیث بنائی اور پھر علماء و محدثین و صالحین نے ان کو وحی قرار دیدیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے" (۳/۹۴، ۶/۲۱، ۶/۹۴، ۶/۱۴۵، ۷/۳۷، ۱۰/۱۷، ۱۱/۱۸، ۱۸/۱۵، ۶۸/۳۰)

.............اسی لیے ثابت ہوتا ہے کہ (نام نہاد) احادیث اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ انسانوں کی بنائی ہوئی ہیں یونکہ ان میں بے انتہا تضادات ہیں حتیٰ کہ فرقے تو فرقے ان کے مختلف مسالک یا مکاتبِ فکر تک کے پاس ایک دوسرے سے مختلف احادیث ہیں اسی لیے تو اتنے فرقے، مسالک و مکاتیبِ فکر بن گئے ہیں اور کھلم کھلا شرک میں مبتلا ہیں۔(۳۰-۳۱/۳۰)

.(۷)۔...خالق کائنات کے کلام ہی پر ایمان لانا ہے، بخاری یا مسلم کے کلام پر نہیں۔

موصوف (فاضل مفسّر صاحب) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''کیا بات ہے کہ یہ قرآن مجید میں غور و فکر نہیں کرتے کیا اس کے مضامین میں انہیں کوئی اختلاف اور تضاد نظر آتا ہے'' (ص ۲۵۸) مگر انہیں خود قرآن کریم میں ۱۳۳ اختلاف یا تضادات نظر آئے جو انہوں نے اپنی مایہ ناز کتاب تفہیم اسلام بجواب دو اسلام'' (ناشر: اہل حدیث اکادمی۔ کشمیری بازار۔ لاہور۔ نومبر ۱۹۶۷) کے صفحات ۵۱۵ سے ۵۲۶ پر تحریر کئے ہیں[1] اور ایسا کسی غلط فہمی میں نہیں کیا بلکہ نام نہاد حدیث کا دفاع کر کے اسے صحیح ثابت کرنے کی کوشش میں کیا! حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات کا انسانی ظنّیات سے کیا مقابلہ ؟ موصوف ''سب سے بڑا معیار'' کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

''احادیث کو پرکھنے کا سب سے بڑا معیار یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے خلاف نہ ہو،[2] کسی قرآنی آیت سے متعارض نہ ہو، واقعی بظاہر تو یہ بڑا زبردست معیار ہے، اور بہت ہی خوشنما اور دیدہ زیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بھی بالکل قابلِ وقعت نہیں ہے، کچھ بحث تو اس پر معیار اوّل کے ضمن میں گزر چکی ہے، لیکن اس معیار کی اہمیت کے پیشِ نظر اس پر کچھ مزید تحریر کر رہا ہوں، سوال یہ ہے کہ اگر کوئی حدیث کسی قرآنی آیت کے خلاف ہو، تو وہ موضوع ہے، تو کیا اگر کوئی قرآنی آیت کسی دوسری آیت کے خلاف ہو، تو کیا وہ بھی موضوع ہے یا نہیں ؟ اگر وہ آیت موضوع نہیں تو حدیث کیوں ؟ آپ کہیں گے ایسی تو کوئی بھی آیت نہیں، جو دوسری آیت کے خلاف ہو، میں کہتا ہوں ایسی بہت سی آیات ہیں، ملاحظہ فرمایئے: ''۔(ص ۵۱۵)

قارئین! موصوف کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے کہ موصوف نے کس خوش اسلوبی سے قرآن کو معیارِ حق و باطل ماننے سے انکار کر دیا ' دوئم یہ کہ اللہ کی اس زیرِ بحث آیت کہ قرآن میں کوئی اختلاف نہیں (جس کو وہ اپنی اوپر تحریر شدہ تفسیر میں مان چکے) کو بھی کھلم کھلا رد کر دیا یہ کہہ کر کہ:''آپ کہیں گے ایسی تو کوئی بھی آیت نہیں جو دوسری آیت کے خلاف ہو، میں کہتا ہوں، ایسی بہت سی آیات ہیں''(معاذ اللہ)

غور کیجئے، یہاں موصوف بحث کر رہے ہیں احادیث کو پرکھنے کے سب سے بڑے معیار کی اس کے لئے وہ تحریر کرتے ہیں کہ ''احادیث کو پرکھنے کا سب سے بڑا معیار یہ بتایا جاتا ہے کہ قرآن کی کسی آیت کے خلاف نہ ہو، کسی قرآنی آیت سے متعارض نہ ہو'' دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ لیجئے کہ احادیث کو پرکھنے کا سب سے بڑا معیار یہ ہے کہ

[1]۔ ان ۱۳۳ تضادات یا اختلافات کو موصوف نے کتاب کی اشاعت ثانی (۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء) میں (ص ۵۳۱-۵۳۲) صرف ۳ مثالیں دیکر اپنے عقیدہ کے خلاف نظریات کو ہلکا کرنے کی کوشش کی مگر پھر بھی یہ لکھ گئے کہ ''غرض یہ کہ اس قسم کی متعدّد آیات ہیں''۔

[2]۔ یہاں صاف ظاہر ہو گیا کہ موصوف قرآن کریم کو ''الفرقان'' نہیں مانتے۔ اور اللہ نے اسی کو ''الفرقان'' بنایا ہے (۱/۲۵، ۱۸۷/۲، ۴/۳ ) تو اس کے معنی وہ اللہ کی آیت بلکہ الکتاب ہی کے انکاری ہیں۔ اور اللہ کی آیات یا الکتاب کا انکار کون لوگ کرتے ہیں؟؟؟

اسے قرآن پر پرکھ لو۔ اگر قرآن کے مطابق ہے تو ٹھیک ہے اور اگر قرآن کے خلاف ہے یا قرآن سے ٹکراتی ہے تو غلط یا موضوع ہے۔ مگر موصوف کا اندازِ تحریر ہی یہ بتا رہا ہے کہ وہ اس معیار کو نہیں مانتے جیسا کہ وہ خود کہتے ہیں کہ: ”واقعی بظاہر تو یہ بڑا زبردست معیار ہے، اور بہت ہی خوشنما اور دیدہ زیب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو یہ بھی بالکل قابلِ وقعت نہیں ہے“ (ص ۵۱۵)

آگے موصوف اس معیار کو رد کرنے کے فوراً بعد سوال اُٹھاتے ہیں کہ: ”اگر کوئی حدیث کسی قرآنی آیت کے خلاف ہو، تو وہ موضوع ہے، تو کیا اگر کوئی قرآنی آیت کسی دوسری آیت کے خلاف ہو تو کیا وہ بھی موضوع ہے یا نہیں؟ اگر وہ آیت موضوع نہیں، تو حدیث کیوں“ ۔ قارئین دیکھا آپ نے کہ کس مہارت سے موصوف نے انسانوں کی بنائی ہوئی احادیث (جو احادیث قرآن سے پرکھی جا رہی ہیں وہ تو یقیناً وہی ہیں جنہیں انسانوں نے بنایا ہے) کا قرآنی آیات سے مقابلہ کر دیا۔ حالانکہ مقابلہ ہم جنس سے ہی ہوتا ہے۔ بات یہ ہو رہی ہے کہ پرکھنے کیلئے حدیث کو قرآن پر پیش کرو یعنی ”الفرقان“ پر، مگر انہوں نے قرآنی آیت ہی کو قرآن پر پیش کر دیا! کیا خوب! (ہاں اگر معیار یہ ہوتا کہ احادیث میں آپس میں بہت اختلاف ہے تب تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ ایسا تو قرآن میں بھی ممکن ہے (معاذ اللہ) مگر چونکہ دونوں ہم جنس اور ہم پلّہ نہیں اس لئے وہ کسی طرح بھی قرآن کی برابری نہیں کر سکتیں) اور اس طرح اللہ کی آیت کہ اس قرآن میں اختلاف نہیں کو رَد کر دیا۔ بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا کہ ”میں کہتا ہوں ایسی بہت سی آیات ہیں“ (کہ ایک آیت دوسرے کے خلاف ہے اس لئے موضوع)۔ (معاذ اللہ)

اب ذرا موصوف کے شاطرانہ انداز اور قرآن دشمنی پر غور کیجئے کہ یہ ایک عام سی بات ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف لوٹتی ہے۔ جو بات کسی بھی علم کی اصل کتاب یعنی ٹیکسٹ بُک (Text Book) میں لکھی ہوتی ہے وہ مستند تسلیم کی جاتی ہے اور دوسری کتابوں میں لکھی ہوئی باتوں کا اس اصل کتاب سے موازنہ کیا جاتا ہے کہ بات صحیح ہے یا نہیں۔ اسی طرح انسانوں کی لکھی ہوئی کوئی بھی بات یا حدیث کو اصل کتاب، ام الکتاب پر پیش کیا جائے گا اگر وہ ام الکتاب کے مطابق ہوئی تو ٹھیک اور اگر ام الکتاب کے خلاف ہوئی تو رَد کر دیا جائے گا۔ مگر افسوس کہ قرآن دشمنی میں موصوف اس عام سے اصول کو بھی ماننے کو تیار نہیں بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ اس اصل کتاب / ام الکتاب ہی میں آپس میں اختلاف ہے اس لیے وہی صحیح نہیں۔ (معاذ اللہ)

**43۔**... قارئین ذرا دل تھام کر بیٹھئے یونکہ آگے اسی سورہ النساء کی آیت ۸۷ میں اللہ تعالیٰ اپنی آیات ہی کو حدیث کہہ رہا ہے مگر موصوف نے اس کے معنی بدل دیئے ملاحظہ کیجئے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾

(النساء:۸۷)

ترجمہ: اللہ (ہی الٰہ ہے) کوئی الٰہ نہیں سوائے اس کے، وہ ضرور تم سب کو قیامت کے دن جمع کرے گا (اللہ کی بات بالکل سچ ہے) اور اللہ سے زیادہ بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔ (ص ۲۸۹۔ جزء ۳)“

قارئین اس آیت کے آخری جزء پر غور کیجئے (وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا) اس کے صحیح معنی ہوں گے:
"اور اللہ کی حدیث سے زیادہ کیا سچ ہو سکتا ہے؟" موصوف کے معنی میں اس لئے صحیح نہیں سمجھتا کہ یہ ان کا خود کا اصول ہے کہ عربی کے مخصوص الفاظ جو اسی طرح سے انہیں معنوں میں اردو زبان میں بھی مستعمل ہیں اور ترجمہ میں ان کو اسی طرح استعمال کرنے سے معنوں میں فرق نہ پڑے تو وہ ترجمہ میں ان کو اسی طرح سے استعمال کرتے ہیں، مگر یہاں چال چل گئے۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

"(۱) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (الاعراف:۳)

(اے لوگو) جو شریعت تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے (بس) اسی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ ولیوں (وغیرہ) کی پیروی نہ کرو۔ (مگر) تم نصیحت کم ہی قبول کرتے وہ۔ (ص ۳۲۰۔ جزء ۴)"

لفظ اَوْلِيَآءَ پر غور کیجئے ترجمہ ولیوں کیا ہے۔

"(۲) قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ۝ (الانبیاء:۴۵)

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے میں تو وحی کے ذریعہ تمہیں ڈراتا ہوں (رہے) بہرے (تو وہ) تو جب انہیں ڈرایا جائے (ڈرانے والے کی) پکار ہی نہیں سنتے (ڈریں گے کیا)؟ (ص ۶۱۴۔ جزء ۶)"

لفظ بِالْوَحْيِ پر غور کیجئے۔ ترجمہ بھی وحی ہی کیا ہے۔۔

"(۳) وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ (النساء۔۶)

جو غنی ہے اسے یتیم کے مال سے بچنا چاہئے اور جو محتاج ہے وہ معروف کے مطابق (بقدرِ ضرورت) اس (مال میں سے) کھا سکتا ہے۔ (ص۔۱۹، جزء ۳)"

لفظ غَنِيًّا اور لفظ الْمَعْرُوْفِ پر غور کیجئے ترجمہ بھی غنی اور معروف ہی کیا ہے۔

نیز یہ کہ اگر اس آیت میں لفظ حدیثًا کا ترجمہ "بات" کر دیا جائے تو یوں بھی صحیح نہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اسی سورۃ النساء میں آیت ۱۲۲ میں 'بات' کیلئے لفظ قِيْلًا (وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا) استعمال کیا ہے (کہ اللہ سے زیادہ اپنی بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔ ص ۳۷۹۔ جزء ۳) دونوں آیات کے آخری ٹکڑوں میں ایک ہی سوال ہے مگر ایک جگہ حدیث کیلئے اور دوسری جگہ قول یا بات کیلئے۔ اب آپ یہ سوال کر سکتے ہیں کہ اللہ کی حدیث کیا ہے[1]؟ تو ذرا اوپر کی آیات پڑھ لیجئے ان میں اللہ تعالیٰ کیا کیا احکامات دے رہا ہے یہی آیات اس کی احادیث ہیں۔ اب ذرا ان احادیث کا موازنہ کیجئے (نام نہاد) احادیث بخاری و مسلم وغیرہ سے تو فرق آپ کو خود بخود معلوم ہو جائے گا کہ واقعی اللہ کی آیات یا احادیث جیسی کوئی انسان و جن مل کر بھی نہیں بنا سکتے اور یہی چیلنج اللہ تعالیٰ نے مختلف مقامات پر کیا ہے۔ (۲۳/۲، ۳۸/۱۰، ۱۳/۱۱، ۸۸/۱۷، ۳۴/۵۲) قارئین کیا یہ کافی نہیں، یہ ثابت کرنے کیلئے کہ (نام نہاد) احادیث نہ تو وحی ہی ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں نازل فرمایا ہے اور نہ ہی وہ دین یا شریعت کا حصہ ہیں ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور قرآن کریم میں یہ حقیقت بتا دیتا۔ جب کہ وہ تو قرآن کریم میں یہ حقیقت بتا رہا ہے کہ یہی قرآن احسن الحدیث ہے (۳۹/۲۳) چلئے آگے بڑھتے ہیں۔

[1] قرآن کریم یا اس کی آیات ہی کو حدیث اور احسن الحدیث کہا گیا ہے دیکھئے (۶/۱۸، ۲۳/۳۹، ۶/۴۵، ۳۴/۵۲، ۸۱/۵۶، ۴۴/۶۸)

**44۔**.. آگے اسی سورہ النساء میں آیت ۱۰۵ میں پھر اللہ تعالیٰ یہی بات بتا رہا ہے کہ اس نے حق کے ساتھ الکتب نازل کی
''اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰٮكَ اللّٰهُ‌ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ‏ ﴿۱۰۵﴾ (ص ۳۵۱، جزء ۳)

ترجمہ: (اے رسول) ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ آپ کو سمجھائے اس کے مطابق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور (اے رسول) خیانت کرنے والوں کی حمایت میں) کبھی نہ جھگڑیئے (۱۰۵) (ص ۳۵۴۔ جزء ۳)''

قارئین یہاں بھی صرف الکتب ہی نازل کرنے کا بیان ہے اور جو کچھ اس الکتب سے سمجھ میں آئے اس کے مطابق لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا حکم ہے (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔ اسی بیان کو خود موصوف نے اپنی تفسیر میں یوں تحریر کیا ہے:

''تفسیر: (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل کر دی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رہنمائی کی روشنی میں آپ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کریں۔ ایمان والوں پر فرض ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی روشنی میں فیصلہ کیا کریں۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے ان کا ایمان صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤٮِٕكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ﴿۴۴﴾ (المائدہ: ۴۴)

جو اشخاص اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم نہ دیں (یا فیصلہ نہ کریں) ایسے لوگ کافر ہیں۔ (آخری سطور ص ۳۵۵۔ جزء ۳)''

غور کیجئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کیا بتایا اور کیا حکم صادر فرمایا:

(۱) اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت بتائی کہ اس نے صرف ''الکتب'' حق کے ساتھ آپ سلام علیہ کی طرف نازل فرمائی (''حق کے ساتھ'' کے معنی کہ الکتب ہی حق ہے اور دیگر انسانی کتابیں ناحق ہیں)۔ ''آپ سلام علیہ کی طرف نازل فرمائی'' کے معنی کہ آپ پیغامبر کی حیثیت سے اپنے ساتھ والوں کو یہ اللہ کا پیغام دے جائیں تاکہ بعد والے بھی اس سے استفادہ کریں کیونکہ یہ پیغامِ ہدایت تمام انسانوں کے لیے ہے۔ اس لئے) اب اس پیغام یعنی الکتب کے مخاطب ہم ہیں پندرھویں صدی ہجری کے لوگ جو اس کو پڑھتے ہیں اور اس پر ایمان لائے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ اس الکتب کے ذریعہ سے جو کچھ آپ کو سمجھایا گیا ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کریں غیر اللہ کی کتابوں نام نہاد احادیث و فقہ و فتاویٰ و اقوال کے مطابق نہیں۔ (یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ اس الکتٰبِ حق سے، اس پر غور و فکر و تدبّر کرنے کے بعد، جو کچھ آپ سمجھیں اس کے مطابق فیصلہ کریں۔ یعنی آپ کو، الکتب پر ایمان لانے والوں کو، یہ اختیار دیا گیا کہ وہ اس کے مطابق جو سمجھیں اس سے فیصلہ کریں۔ غیر اللہ کی کتابوں کے مطابق نہیں۔ یونکہ اگر اللہ کی الکتب کے مقابلہ پر غیر اللہ کی کتابیں لے آئے تو کھلا ہوا شرک ہو گیا کہ اللہ کے مقابلہ میں اس کی مخلوق کو بھی الٰہ مان لیا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے مزید یہ حکم دیا کہ خیانت کرنے والوں کی (حمایت میں) کبھی نہ جھگڑیئے یعنی ان کی حمایت نہ کیجئے (یہاں "خیانت" بہت وسیع لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی نازل کردہ "الکتٰب" کے ساتھ خیانت کرتے ہیں یعنی اس میں ردّ و بدل کرتے ہیں یا غیر اللہ کی کتابوں کی باتیں اس مقدس الکتٰب کے ساتھ خلط ملط کرتے ہیں)۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے مزید یہ بات بھی بتائی (کہ جو کوئی خیانت کرکے) اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت یعنی "الکتٰب" کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہی کافر ہے۔

**45۔**... آگے اسی سورہ النساء کی آیت ۱۱۳ میں اللہ تعالیٰ نے پھر تصدیق کر دی کہ اس نے تو الکتب یعنی الحکمت ہی نازل فرمائی:

"وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ (النساء:۱۱۳)

ترجمہ: اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ایسی ایسی باتوں کی تعلیم دی ہے جن کو (پہلے) آپ نہیں جانتے تھے۔ (ص ۳۵۴۔۳۵۵، جزء ۳)"

غور کیجئے کہ یہاں پھر یہی بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے "الْكِتٰبَ" یعنی "الْحِكْمَةَ" نازل کی ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ یہ احادیث تو بعد میں غیر اللہ نے بنائی ہیں اور ان کو اللہ اور رسول سلامٌ علیہ اور صحابہؓ کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ یہاں بھی موصوف کمال ہوشیاری سے ترجمہ میں "الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ" کا ترجمہ کتاب و حکمت کر کے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ کتاب اور حکمت دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں (جیسا کہ اب اہلحدیث یہ عقیدہ پیش کرتے ہیں کہ کتاب قرآن ہے اور حکمت (نام نہاد) احادیث) حالانکہ دونوں الفاظ کے درمیان حرف "و" تفسیری ہے جس کے معنی ہوتے ہیں "یعنی" اس لیے الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ کے معنی ہوئے "الکتب یعنی الحکمت"۔ اور قرآن ہی کو حکیم بھی کہا گیا ہے۔ دیکھئے "وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ" (۳۶/۲) "تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ" (۱۰/۱) کہئے کیا اب بھی کوئی شک رہ جاتا ہے کہ قرآن حکیم ہی کتابِ حکمت ہے؟

**46۔**... آگے اسی سورہ النساء کی آیت ۱۳۶ میں تو اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے بارے میں فیصلہ کر دیا کہ جو پانچ حقیقتوں پر ایمان نہیں لاتا وہ گمراہ ہو گیا:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ الْكِتٰبِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓىِٕكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۳۶ (النساء:۱۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ پر، اس کے رسول پر، اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے نازل کی گئی ایمان لاؤ اور جو شخص (ایمان نہ لائے بلکہ) اللہ [۱] کا، اس کے فرشتوں [۲] کا، اس کی کتابوں [۳] کا، اس کے رسولوں [۴] کا اور یوم آخرت [۵] کا انکار کرے تو وہ گمراہی میں بہت دُور جا پڑا۔ (ص ۴۱۳، جزء ۳)"

غور فرمایئے کہ اس آیت کے پہلے حصہ میں کس الکتٰب پر ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے اور وہ بھی ایمان والوں ہی کو؟ (یہ) وہ الکتٰب ہے جو اللہ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ پر نازل کی ۔ اب آپ کسی سے بھی پوچھ لیجئے، بوڑھے سے، جوان سے، بچہ سے، کالے سے، گورے سے، مسلم سے، غیر مسلم سے، یہودی سے، نصرانی سے، ہندو سے اور بدھسٹ سے کہ وہ کتاب کون سی ہے جو اللہ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ پر نازل کی تو وہ برجستہ یہی جواب دے گا کہ وہ کتاب "قرآن" ہے۔ آپ مزید پوچھئے کہ کیا قرآن کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن عساکر وغیرہ بھی شامل ہیں تو وہ برجستہ جواب دے گا کہ نہیں۔ ہرگز نہیں۔ اللہ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ پر صرف ایک کتاب نازل کی اور وہ قرآن الحکیم ہے۔ مگر افسوس کہ آج پندرھویں صدی ہجری میں موصوف یہ حقیقت نہیں مانتے بلکہ وہ سینکڑوں کتابوں کو قرآن الحکیم کے ساتھ نازل شدہ وحی مانتے ہیں۔ اب آپ ہی ان سے پوچھئے کہ چودھویں صدی ہجری میں مرزا غلام احمد قادیانی پر وحی آتی تھی کہ نبوت ختم نہیں ہوئی اور وہ نبی تھا تو کیا اب پندرھویں صدی ہجری میں آپ پر یہ وحی آتی ہے کہ قرآن کریم آخری "الکتٰب" نہیں تھی بلکہ اس کے بعد اور کتابیں بھی نازل کی گئی تھیں؟ (معاذ اللہ)

قارئین یہ وہ معرکۃ الآراء آیت کریمہ ہے جس نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ کر کے یہ فیصلہ کر دیا کہ کن پانچ حقیقتوں پر ایمان لانا ہے (اور ان کے علاوہ پر ایمان لانے کا تقاضا کرنا شیطانی عقیدہ ہے گویا کہ اپنے آپ کو اللہ کے برابر ظاہر کرنا ہے) اور جو ان پانچ حقیقتوں کا انکار کر دے وہی گمراہ ہو گیا۔ وہ پانچ حقیقتیں یہ ہیں:

.(۱)۔... اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے۔

.(۲)۔... اس کے ملائکہ پر ایمان لانا ہے۔

.(۳)۔... اس کی کتابوں پر (جو انبیاء پر نازل ہوئیں) ایمان لانا ہے (جن میں القرآن شامل ہے)

.(۴)۔... اس کے رسولوں پر ایمان لانا ہے (جن میں بالخصوص محمد سلامٌ علیہ پر، جبکہ مرزا غلام احمد اور اس جیسے دیگر کذّابین کا انکار کرنا شامل ہے) اور

.(۵)۔... یوم آخرت پر ایمان لانا ہے۔

کیا اس "نص صریح" اور "محکم آیت" کے بعد کسی قسم کا شک باقی رہتا ہے کہ ایمان صرف پانچ حقیقتوں پر لانا ہے اور جو اس کا انکار کر کے اس کو کم و بیش کر دے وہ گمراہی میں بہت دُور جا پڑا۔ ایمان والوں کیلئے تو بس ایک آیت کریمہ بھی کافی ہے [۱] مگر قارئین کی مزید معلومات کیلئے ہم اور آگے کی آیات بھی پڑھتے ہیں۔

.(47)۔... آگے اسی سورۃ النساء کی آیت ۱۴۰ میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کے بارے میں ایک بہت اہم حکم دیتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا

۱۔ اس آیت کریمہ کے ساتھ پیچھے پیش کردہ سورہ البقرہ کی آیات ۳۔۴ ص ۳۶۔۳۷ پھر نظر ڈال لیجئے یونکہ وہ بھی ایمان لانے ہی سے متعلق ہیں۔

مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَ الْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَا ۙ (النساء:۱۴۰)

ترجمہ: (اے ایمان والو!) اللہ (اپنی) کتاب میں (پہلے ہی یہ حکم) نازل فرما چکا ہے کہ جب تم (کسی محفل میں) سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہے اور ان کا مذاق اُڑایا جارہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوں (اگر تم ایسے لوگوں کے ساتھ ایسی حالت میں بیٹھے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں اور ان کا مذاق اُڑا رہے ہیں) تو پھر اس صورت میں تم بھی انہی کے مثل ہو (تمہارا شمار بھی اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں اور مذاق اُڑانے والوں میں کیا جائے گا) بے شک اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں جمع کرے گا (۱۴۰) ص ۴۲۳-۴۲۴ (جزء ۳)"

غور فرمایئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا اہم باتیں بتائی ہیں:

(۱) اللہ نے اپنا حکم اپنی کتاب یعنی کتب اللہ ہی میں نازل فرمایا ہے[1]۔ اور اسی طرح اس نے سارے احکام اپنی کتاب ہی میں نازل فرمائے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں

(۲) اللہ کا حکم ہے کہ جب تم کسی محفل میں بیٹھے ہو اور وہاں اللہ کی آیات کا انکار کیا جارہا ہو یعنی ان کا مذاق اُڑایا جارہا ہو تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہو جائیں۔ یہ بات بالکل سادہ سی ہے کہ جہاں کہیں یا جس محفل میں کوئی اللہ کی آیات سے ہنسی کر رہا ہو وہاں مومنین کو شامل نہیں رہنا چاہئے ورنہ ان کا شمار بھی انہی ہنسی اُڑانے والوں میں ہو جائے گا ہاں البتہ یہ بات مشکل ہے کہ جہاں کہیں اللہ کی آیات کے ساتھ استہزاء کیا جارہا ہو وہاں مومنین کیا کریں؟ تو اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ تم ایسے لوگوں کے ساتھ یونہی آرام سے سنی ان سنی کر کے نہ بیٹھے رہو حتیٰ کہ تم ان کو اللہ ہی کی حدیث پر غور وخوض کی طرف راغب نہ کر دو۔ مجھے افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ موصوف نے یہاں بھی آیت کے اس ٹکڑے کا "حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ" کا ترجمہ صحیح نہیں کیا ہے (کہ جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوں) (صرف موصوف ہی نہیں بلکہ عام طور پر علمانے (بڑے بڑوں نے) یہی غلط ترجمہ کیا ہے جو کہ عربی گرامر اور عقل سلیم دونوں ہی کے خلاف ہے) اگر یقین نہ ہو تو اپنا ترجمہ اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔

انہوں نے خود اپنی تفسیر میں "يَخُوْضُوْا" کے معانی و مصادر میں اس لفظ کے معنی لکھے ہیں: "غوطہ لگانا، غور کرنا، ملانا" (ص ۴۲۴، جزء ۳)۔ عام طور پر اردو میں بھی یہ لفظ مستعمل ہے اور غور وخوض کرنا استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح "حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ" کا ترجمہ "کسی اور بات" صحیح نہیں بلکہ اس کا ترجمہ ہوگا "حدیث سوائے اس کے" یعنی سوائے اللہ کی حدیث۔ (یاد رہے کہ حدیث اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات ہی کو کہا ہے جیسا کہ پیچھے آیت میں ذکر ہو چکا ہے) اور یہ ترجمہ اردو کے غالباً پہلے ترجمہ نگار جناب شاہ رفیع الدین صاحب نے تحت الفظ ترجمہ میں کیا ہے۔ اور سمجھ میں بھی آتا ہے کہ اللہ کی آیات کا مذاق اُڑانے والوں کے پاس سے اُٹھ جانے سے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا اگر اس موقعہ پر مومنین احتجاج نہ کریں اور ان لوگوں کو اللہ کی حدیث کی قدر و قیمت اس کے صحیح معنیٰ نہ بتائیں، نہ سمجھائیں تو پھر تو وہ گمراہی میں اور پختہ ہوتے جائیں گے جبکہ مومنین کا فریضہ ہے کہ وہ تبلیغ کرتے رہیں (۵/۶۷) (یونکہ جو حکم رسول کو دیا گیا ان کے

[1] اس آیت کریمہ میں ذکر کردہ حکم، اللہ تعالیٰ نے سورۃ الانعام کی آیت ۶۸ میں دیا ہے، کسی (نام نہاد) حدیث میں نہیں۔

بعد ان پر ایمان لانے والوں نے ہی اس پر عمل کرنا ہے اور یہی ان کی اتباع و پیروی ہے اور اسی کو سنتِ رسول کہہ سکتے ہیں) اور لوگوں کو اللہ کی حدیث کی طرف بلاتے رہیں۔ اگر ان سے کہیں سمجھنے میں غلطی ہو رہی ہو تو ان کی اصلاح دلائل سے کی جائے۔ بجائے اس کے ان کے پاس سے ہٹ کر ان کو آیات اللہ سے اور استہزا کرنے دیا جائے۔

غور کیجئے کہ اگر موصوف کے ترجمہ کو صحیح مان لیا جائے کہ "ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک وہ کسی اور بات میں مشغول نہ ہوں" تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ منافقین و منکرینِ قرآن اگر قرآنی آیات کے علاوہ دیگر منکرات و بدعات میں مشغول ہوں تو ان کے پاس بیٹھے رہو! میرے خیال میں قرآن کریم کا یہ منشاء ہرگز نہیں۔ یا چلئے منکرات و بدعات کو بھی چھوڑیئے۔ وہ اگر کسی ایسی بکواس، افسانہ، کہانی، تاریخ میں مشغول ہوں جس میں آیات اللہ کا تو مذاق نہ اُڑایا جا رہا ہو بلکہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ کا، صحابہؓ کا مذاق اُڑایا جا رہا ہو یا مسلمین کی تاریخ مسخ کی جا رہی ہو یا ٹکسال میں (نام نہاد) احادیث ڈھالی جا رہی ہوں، یا مسلمین کو آپس میں لڑایا جا رہا ہو ان میں تفرقہ پیدا کیا جا رہا ہو یا وہ بدعات کر رہے ہوں غرضیکہ ایسے ان گنت کاموں میں اگر وہ مشغول ہوں تو ان کے پاس بیٹھے رہو؟ موصوف بھی یہی فرمائیں گے کہ "نہیں" "بالکل نہیں" قرآن کریم کا ہرگز یہ منشاء نہیں۔ تو پھر غلط ترجمہ کیوں؟

قارئین بات یہ ہے کہ علامترجمین نے آیت کے ٹکڑے "حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ" کے آخری لفظ غیرہٖ پر غور ہی نہیں کیا بلکہ انہوں نے غلطی سے اس کو غیرِ پڑھا۔ اس طرح صحیح کہ حدیث حدیثٍ غیرِ تو دوسرے کی بات ہوئی۔ لیکن یہاں حرف "ہٖ" آخر میں ہے اور یہ ہٖ کی ضمیر یقیناً آیات اللہ کی طرف لوٹتی ہے جس کا ذکر آیت کے شروع میں ہے اور جس کے متعلق ہی آیت نازل ہوئی ہے اب ذرا لفظی ترجمہ کر لیجئے:

حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ

یہاں تک کہ غور خوض کریں بیچ حدیث سوائے اس کے

اس لیے اب آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

(اے ایمان والو!) اللہ (اپنی) الکتب میں (پہلے ہی یہ حکم) نازل فرما چکا ہے کہ جب تم (کسی محفل میں) سنو کہ اللہ کی آیات کا انکار کیا جا رہا ہے یعنی ان کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ (ان لوگوں کو) اسی کی حدیث (یعنی آیت اللہ) ہی پر غور و خوض کرنے پر نہ لگالو، (اگر تم ایسا نہ کرو گے) تو پھر اس صورت میں تم بھی انہی کے مثل ہو، بیشک اللہ (ان) منافقوں یعنی کافروں کو جہنم میں جمع کرے گا۔ (۴/۱۴۰)

قارئین امید ہے کہ اب اس ترجمہ سے اللہ کا حکم واضح ہو گیا ہوگا کہ ہر حال میں حدیث اللہ یعنی آیت اللہ ہی کو بلند و برتر رکھنا ہے اور انہی پر غور و خوض، تدبّر و تفکر کرنا ہے۔ حَدِيْثٍ غَيْرِ یعنی غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ "اللہ کی کتاب مجمل ہے یعنی نامکمل ہے اور بغیر (نام نہاد) احادیث کے سمجھ میں نہیں آسکتی یا یہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں یا کتاب اللہ ہیں وغیرہ وغیرہ" تو کیا وہ اللہ کی آیات کے ساتھ استہزاء نہیں کر رہے؟ کیا وہ اللہ کی آیات کا انکار نہیں کر رہے؟ مزے کی بات کہ موصوف اس اتنی اہم آیت کی تفسیر میں کوئی (نام نہاد) حدیث پیش نہیں کر سکے جب کہ ان کے مطابق رسول اللہ سلامٌ علیہ نے

قرآن کی تشریح بشکل (نام نہاد) حدیث فرمائی۔ تو اس کی تشریح کہاں گئی؟ یقیناً محدثین نے اس کو رَد کی ہوئی روایتوں کے ساتھ رَد کر دیا ہو گا!

**48۔** ... آگے اسی سورہ النساء کی آیات ۱۷۴۔۱۷۵ میں اللہ تعالیٰ پھر اپنی برھان یعنی القرآن ہی کو نازل کرنے اور اسی کو پکڑے رہنے کا حکم دیتا ہے ملاحظہ ہو:

''يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ يَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ (النساء:۱۷۴۔۱۷۵)

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے (اے لوگو) ہم نے تم پر ایک واضح نور (ہدایت) نازل کر دیا ہے (۱۷۴) تو (اب) جو لوگ اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور ان کو اپنی طرف پہنچنے کے لئے صراط مستقیم کی رہنمائی کرے گا (۱۷۵) جزء۳)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ نے کیا کیا باتیں بتائیں:

(۱)۔... انسانوں کی طرف ان کے رب کے پاس سے برھان یعنی حجت آچکی ہے۔

(۲)۔... اور وہ برھان اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ واضح نور یعنی قرآن مجید ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔۔

(۳)۔... اس لیے جو اللہ پر ایمان لائے گا اور اس کے نازل کردہ نور کو مضبوطی سے پکڑے گا تو اللہ اس کو اپنی رحمت و فضل میں داخل کرے گا اور اس کو اپنی طرف پہنچنے کے لئے صراط مستقیم کی رہنمائی کرے گا۔

غور کیجئے کہ کتنے واضح طور پر بات صرف قرآن مجید ہی کی ہو رہی ہے کہ اسی کو اللہ نے نازل کیا (نام نہاد) حدیث کو نہیں۔ اسی کو انسانوں کیلئے "برھان" یعنی حجت بنایا (نام نہاد) حدیث کو نہیں۔ اسی کو "نُوْرًا مُّبِيْنًا" کہا جس کے معنی ایسا نورِ ہدایت جو بالکل کھلا ہوا، ظاہر کرنے والا یعنی بالکل مفصّل و مشرح ہے وہ (نام نہاد) احادیث کی شرح کا محتاج نہیں وہ بالکل واضح ہے ایسا کہ اس کے بعد کسی اور وضاحت کی یا شرح کی ضرورت نہیں۔ لفظ مُّبِيْنًا کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایسا واضح کہ پھر کسی اور وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اگر یقین نہ آئے تو اپنا قرآن شریف اُٹھا کر ذرا اس کے معنی دیکھ لیجئے کہ آپ کے مترجم نے اس کا کیا ترجمہ کیا ہے۔ اسی سورہ النساء میں یہ مختلف الفاظ کے ساتھ استعمال ہوا ہے مثلاً سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (۴/۹۱) عَدُوًّا مُّبِيْنًا (۴/۱۰۱) خُسْرَانًا مُّبِيْنًا (۴/۱۱۹)۔ کیا ان میں کسی بھی جگہ یہ مبہم یا غیر مفصّل طور پر استعمال ہوا ہے کہ اس کی مزید شرح کی ضرورت ہو؟

قارئین کرام ذرا غور کیجئے اس آیت نے بھی یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی اور صفائی سے بلکہ بالکل واضح طور پر حل کر دیا کہ کتٰب اللہ یعنی قرآن مجید ہی نازل ہوا اور وہ برھان کی حیثیت سے نازل کیا گیا اسی کو نور اور ایسا نور بتایا گیا جو کہ نُوْرًا مُّبِيْنًا ہے یعنی بالکل واضح، مفصّل و مشرح ہے جس کو کسی اور شرح مثل (نام نہاد) حدیث یا فتاویٰ کی ضرورت نہیں۔ اسی کو ہدایت بتایا گیا اور اسی کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم ہوا تا کہ صراطِ مستقیم پر چلا جا سکے۔

غور کیجئے کہ اس آیت نے تو کھل کر موصوف (اور ان جیسے دیگر علما و فقہا و صالحین) کا یہ عقیدہ باطل کر دیا کہ قرآن کریم غیر واضح یا مجمل کتاب ہے اس کی شرح (نام نہاد) احادیث میں ہے جس کے بغیر قرآن نہ تو سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے (نعوذ باللہ)

آیئے دیکھتے ہیں کہ موصوف نے خود اس آیت کریمہ کی کیا تفسیر کی ہے:

تفسیر: "اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی طرف توجہ دلاتے ہوئے پھر اسی دعوت کو دہرایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ) اے لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حجت آچکی ہے (وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا) یعنی ہم نے تمہاری طرف جگمگاتا ہوا نور نازل کر دیا ہے۔ یہ نور ہدایت یعنی قرآن مجید تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کر کے اتمام حجت کر دیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ اس حجت پر ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کرے۔ یہ قرآن مجید رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ایک معجزہ ہے اور یہ معجزہ اس بات کی دلیل و برہان ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں:

''مَا مِنَ الاَنبِیاءِ نبِیٌّ اِلَّ اُعطِیَ مَا مِثلُهٗ اٰمَنَ عَلَیهِ البَشَرُ وَاِنَّمَا كَانَ الَّذِی اُوتِیتُ وحیاً اَوحَاهُ اللّٰهُ اِلَیَّ فَاَرجُوا اَن اَكُونَ اَكثَرَهُم تَابِعًا یَومَ القِیَامَةِ (صحیح بخاری کتاب التفسیر باب فضائل القرآن جزء ۶ ص ۲۲۴)

ترجمہ: نبیوں میں سے ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا اسی کے مطابق لوگ اس پر ایمان لائے اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی ہے جو اللہ نے میری طرف کی ہے لہٰذا میں امید کرتا ہوں کہ قیامت کے دن میں تابعین کے لحاظ سے ان انبیاء سے بڑھ جاؤں گا"۔

الغرض قرآن مجید رسول اللہ سلامٌ علیہ کی رسالت کی بہت بڑی دلیل ہے یہی وہ نور ہے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا اور جس کی روشنی میں چل کر لوگ منزلِ مقصود پر پہنچ سکتے ہیں۔

(الاعراف:۱۵۷)(المائدہ:۱۵،۱۶)(التغابن:۸)[۱]

الغرض قرآن مجید ایک جگمگاتا ہوا نور ہے (فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا) جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف پہنچنے کے سیدھے راستہ پر چلائے گا یعنی وہ منزلِ مقصود پر پہنچ جائیں گے اور جنت میں داخل ہوں گے۔ (ص ۴۹۹۔۵۰۱، جزء ۳)"

غور کیجئے کہ موصوف کی اس تفسیر میں کیا کہیں یہ شائبہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ (نام نہاد)

---

۱۔ یہاں میں نے موصوف کی تفسیر نقل کر دی ہے۔ قرآنی آیات اس لیے نہیں لکھیں کہ طوالت بڑھتی جا رہی ہے نیز یہ کہ میرا مقصد تو موصوف کی تفسیر ہی سے حل ہوتا ہے۔ اس لیے آیات کے صرف حوالے پر اکتفا کیا ہے۔

احادیث بھی نازل کیں؟ کیا کہیں یہ شائبہ ہوتا ہے کہ واضح، مفصل و شرح کتاب کے نازل ہونے کے بعد (جس کو موصوف نے جگمگاتا ہوا نور کر دیا حالانکہ ترجمہ میں واضح نور ہی لکھا تھا خیر اگر جگمگاتا ہوا نور ہی مان لیا جائے تو بھی کیا اس کے بعد اس کی شرح کی بھی ضرورت ہے؟) اس کی تفسیر یا شرح کی بھی ضرورت ہے؟ بلکہ موصوف تو خود اوپر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

(۱) یہ نور ہدایت یعنی قرآن مجید تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل کر کے اتمام حجت کر دیا۔ (جب قرآن مجید نازل ہوا اور اتمام حجت ہو گئی تو (نام نہاد) احادیث کہاں نازل ہوئیں اور وہ حجت کیسے بن گئیں؟ ظاہر ہے کہ وہ نہ تو نازل شدہ ہیں اور نہ ہی حجت ورنہ یہاں اللہ تعالیٰ ضرور ذکر فرماتا۔ وہ بھولتا نہیں اور نہ ہی چھپاتا ہے۔ صدیق)۔

(۲) اب اللہ کے عذاب سے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں سوائے اس کے کہ اس حجت پر ایمان لائے اور اس کے مطابق عمل کرے (لیجئے یہاں موصوف خود قرآن مجید ہی پر ایمان لانے اور اس پر عمل کرنے کا کہہ رہے ہیں (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے اور عمل کرنے کا شائبہ تک نہیں۔ صدیق)

(۳) یہ قرآن مجید رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ایک معجزہ ہے (اس بات کا ذکر اس آیت کریمہ میں تو نہیں۔ البتہ بات حق ہے اور اس سلسلہ میں ہم پیچھے کچھ مطالعہ کر چکے ہیں۔ صدیق)

(۴) قرآن مجید ہی وہ نور ہے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا اور جس کی روشنی میں چل کر لوگ منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں (ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ صرف قرآن مجید ہی رسول سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا (نام نہاد) احادیث نہیں اور اسی قرآن کی روشنی پر چل کر ہی منزلِ مقصود پر پہنچا جا سکتا ہے (نام نہاد) احادیث کی روشنی میں نہیں کیونکہ ان سے تو تفرقہ پڑتا ہے اور شرک پھیلتا ہے۔ صدیق)

(۵) یہ عجیب بات ہے کہ موصوف ان آیات کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے دعویٰ اور عقیدہ کے مطابق (کہ قرآن کریم کی تفسیر و شرح و وضاحت رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمائی) رسول سلامٌ علیہ کی تفسیر نہ پیش کر سکے البتہ انہوں نے (نام نہاد) صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب فضائل القرآن کی ایک روایت یہاں ٹانک دی اور حسن اتفاق سے وہ روایت بھی ہمارے ہی مؤقف کی تائید کرتی ہے کہ رسول سلامٌ علیہ نے اس بات کی تصدیق کی آپ سلامٌ علیہ کو جو معجزہ دیا گیا وہ وحی ہے جو اللہ نے آپ سلامٌ علیہ کی طرف کی[1]۔ اگر آپ سلامٌ علیہ پر کوئی اور کتاب یا کچھ اور جو کہ الکتٰب کا حصہ بننا تھا نازل کیا گیا ہوتا تو آپ سلامٌ علیہ ضرور اس کا بھی ذکر کرتے یوں کہ آپ دین کی کسی بات کو چھپانے کے مجاز نہ تھے نیز یہ کہ اگر کتٰب اللہ بغیر (نام نہاد) احادیث کے نامکمل رہتی تو پھر تو معجزہ ہی نامکمل رہ جاتا اور موصوف خود قرآن مجید کو معجزہ مان رہے ہیں اور وہ کل یا جزء کا فرق خوب سمجھتے ہیں۔ تو جب معجزہ نامکمل نہیں تو پھر ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کریم یعنی کتٰب اللہ کا حصہ یا جزء نہیں۔

[1] اس روایت نے یہ مسئلہ بھی حل کر دیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو صرف ایک ہی معجزہ بشکل قرآن مجید عطا ہوا اور تاریخ و کہانیوں کی کتابوں میں لکھے ہوئے معجزات سب غلط ہیں۔ قرآن کریم بھی یہی کہتا ہے کہ آپ سلامٌ علیہ کو (قرآن کے علاوہ) کوئی اور معجزہ عطا نہیں ہوا دیکھئے (۲۷/۱۳، ۵۰-۵۱/۲۹، ۲۰/۱۰، ۷/۱۳، ۳۸/۱۳، ۹۰-۹۳/۱۷، ۴-۵/۲۶، ۳۵/۶، ۱۳۳/۲۰، ۵۹/۱۷)

کیا اس کے بعد بھی کوئی شک ہے کہ (نام نہاد) احادیث کتاب اللہ نہیں؟ اب ذرا یہ بھی دیکھ لیجئے کہ موصوف خود اپنی تفسیر کے بعد "عمل" میں کیا کہتے ہیں:

"عمل: اے ایمان والو! قرآن مجید آپ کے لئے نور ہدایت ہے۔ اس کی روشنی میں چلتے رہئے تاکہ آپ منزلِ مقصود پر پہنچ سکیں۔ (یہاں بھی (نام نہاد) احادیث کا ذکر نہیں! صدیق)

اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیے، اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ قرآن مجید پر سختی سے عمل کرتے رہئے۔ قرآن مجید پر عمل کرنے سے دین و دنیا دونوں میں کامیابی و کامرانی ہے اور اس کو چھوڑ دینے سے دین و دنیا دونوں میں تباہی و بربادی ہے۔

رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ یَرفَعُ بِھٰذا الْکِتَابِ اَقْوامًا وَیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِینَ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب فضل من یقوم بالقرآن جزءاول ص ۳۲۵)

ترجمہ: بے شک اللہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عروج پر پہنچائے گا اور اس کے ذریعہ بہت سی قوموں کو ذلیل کرے گا۔ (ص ۵۰۲، جزء ۳)"

دیکھا آپ نے کہ موصوف "عمل" میں بھی قرآن کریم ہی کو نور ہدایت بتا رہے ہیں اور اسی کی روشنی میں چلتے رہنے کی تلقین کر رہے ہیں۔ بچاری (نام نہاد) احادیث کا کہیں ذکر نہیں! اسی طرح موصوف قرآن مجید ہی پر عمل کرتے رہنے کی تلقین کر رہے ہیں یونکہ اسی پر عمل کرنے سے دین و دنیا دونوں میں کامیابی و کامرانی ہے۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث پر عمل کرنے سے دنیا میں تو شاید دو پیسے مل جائیں مگر دین میں کچھ نہیں ملے گا بلکہ شرک کرنے کی سزا ملے گی۔

ان آیات کریمہ سے متعلق "عمل" میں بھی موصوف نے حسبِ عادت (نام نہاد) "صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب فضل من یقوم بالقرآن" کی ایک روایت تحریر کر دی ہے۔ یہ بھی ان متعلقہ آیات کی تفسیر نہیں ہے بلکہ قرآن کریم ہی کی فضیلت سے متعلق روایت ہے جس کو موصوف نے "عمل" کے زیرِ عنوان دیا ہے۔ حسنِ اتفاق سے اس سے بھی ہمارے ہی مؤقف کی تائید ہوتی ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کا ذریعہ بھی قرآن کریم ہی کو قائم کرنے یا نافذ کرنے سے ہی مشروط ہے۔ جو قوم قرآن کریم کو پکڑ کر نافذ کرے گی اور اس کو قائم رکھے گی وہ عروج پر پہنچ جائے گی اور جو قوم قرآن کریم کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں شریک کرے گی وہ زوال پذیر ہو جائے گی جس طرح کہ آج مسلم کہلائے جانے کے دعویداروں کے ساتھ ہو رہا ہے کہ وہ دنیا میں پس ماندہ اور پست اقوام میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَ یُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ﴿۹﴾ (۱۷/۹)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے (آخرت میں بہت) بڑا اجر ہے۔ (بنی اسرائیل۔ ۹)

اس کے مقابلہ میں دوسری طرح کے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۶﴾ (ال عمران۔ ۸۶)

ترجمہ: اور اللہ ظالم لوگوں کو راہِ ہدایت پر چلا کر منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔ (العمران۔۸۶)
اور "ظالم" قرآن مجید میں عام طور پر شرک کرنے والوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

**49**۔۔۔ آگے سورہ المائدہ کی آیت ۱۰ میں اللہ تعالیٰ پھر اپنی آیات ہی کا ذکر فرماتا ہے۔

"وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ (المائدہ۔۱۰)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں۔ (ص ۵۹۰، جزء ۳)"

غور کیجئے کہ یہ آیت کریمہ کس بارے میں ہے؟ یہ آیت بالکل واضح طور پر کہہ رہی ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا یعنی اللہ تعالیٰ کی "آیات" کو جھٹلایا وہ دوزخ والے ہیں۔ یہ نہیں کہا جارہا کہ جن لوگوں نے (نام نہاد) احادیث کو جھٹلایا! پس ثابت ہوا کہ اگر (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانا ضروری ہوتا تو ان کا جھٹلانا بھی کفر ہوتا۔ اس لیے نہ ہی تو (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا حکم ہے اور نہ ہی ان کے انکار کرنے سے یا جھٹلانے سے کفر واقع ہوتا ہے۔ اس کے برعکس صرف آیات الٰہی پر ایمان لانے کا حکم ہے اور ان کے انکار کرنے سے یا جھٹلانے سے کفر واقع ہو جاتا ہے۔ اس لیے اہلحدیثوں کی نکالی ہوئی اصطلاح "منکرِ حدیث" بالکل لغو ہے۔

**50**۔۔۔ آگے اسی سورہ المائدہ کی آیات ۱۵۔۱۶ میں پھر اللہ تعالیٰ قرآن کریم ہی کو كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ بتارہا ہے:

"يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (المائدہ: ۱۵، ۱۶)

ترجمہ: اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا رسول آگیا ہے وہ (اللہ کی) کتاب میں سے جو کچھ تم چھپایا کرتے تھے ان میں سے بہت سی باتوں کو کھول کھول کر بیان کر رہا ہے اور بہت سی باتوں سے چشم پوشی کر رہا ہے (اے اہل کتاب) بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور (ہدایت) اور روشن کتاب آچکی ہے (۱۵) وہ ایسی کتاب ہے جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتادیتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہیں پھر اپنے حکم سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے (۱۶) (ص ۶۰۴۔۶۰۵، جزء ۳)"

غور فرمایئے کہ اس آیت میں اہل کتاب کو مخاطب کر کے اللہ کی کتاب کس کو کہا جارہا ہے توریت و انجیل و زبور کو یا ان کی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو؟ صاف ظاہر ہے کہ اللہ کی کتاب اسی کو کہا جارہا ہے جو اللہ کی نازل کردہ ہے۔ وہ لوگ اسی کتاب میں سے کچھ احکام چھپا کر (نام نہاد) حدیثیں پیش کر دیا کرتے تھے جو ان کے محدثین کی گھڑی ہوئی ہوتی تھیں اور ان کا مقصد اللہ کی کتاب کے احکام میں ردوبدل کرنا ہوتا تھا[۱]۔

---

[۱] آج امتِ مسلمہ کے ساتھ بھی یہی کچھ ہو رہا ہے کہ اللہ کی کتاب کے احکام میں (نام نہاد) حدیثوں، فقہ و فتاوٰی کے ذریعہ ردوبدل کیا جاتا ہے۔ آگے عقلی دلائل میں انشاء اللہ ہم اس کی مثالیں بھی پیش کریں گے۔

آگے اسی آیت میں غور کیجئے دیکھئے نور ہدایت اور کتٰب مبین کس کو کہا جا رہا ہے۔ یہاں بھی نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ میں "و" تفسیری ہے اس لیے معنی ہوں گے "نور یعنی کتٰب مبین" اور کتٰب مبین کے معنی بالکل واضح، مفصل و مشرح کتاب ہیں۔ جیسا کہ ہم پچھلی آیات میں وضاحت سے بتا چکے ہیں۔ موصوف نے کمال ہوشیاری سے یہاں بھی ترجمہ "نور (ہدایت) اور روشن کتاب آچکی ہے کیا ہے گو کہ یہ واحد کا صیغہ ہے "آچکی ہے" مگر وہ تاثر یہی دینا چاہتے ہیں کہ یہ دو علیحدہ علیحدہ کتابیں ہیں اور آگے اپنی تفسیر میں کھل کر یہ جملہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

"اس آیت میں "نور" سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور "کتاب مبین" اس کی تشریح ہے" (ص۲۰۶)

دیکھا آپ نے ان کے عقیدہ اور مخصوص اہلحدیث ذہنیت کا مظاہرہ جبکہ وہ دوسروں کی ذہن پرستی پر تنقید کرتے رہے اور کتابیں لکھتے رہے ہیں! اچھا خیر ذرا انہی کے الفاظ پر غور کر لیجئے کہ "اس آیت میں "نور" سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے" کہئے! موصوف اللہ تعالیٰ کی کتاب کس کو کہہ رہے ہیں؟ کیا نور قرآن مجید نہیں؟ ابھی اس سے ایک آیت ہی پہلے سورۃ النساء کی آیت ۱۷۴۔۱۷۵ کی تفسیر میں موصوف خود ہی یہ لکھ چکے ہیں کہ:

"یہ نور ہدایت یعنی قرآن مجید تمام لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے" (ص۸۸)

"یہی وہ نور ہے جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا اور جس کی روشنی میں چل کر لوگ منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں" (ص۸۹)

توخود موصوف نے مان لیا کہ اللہ کی کتاب تو قرآن مجید ہی ہے۔ تو پھر (نام نہاد) احادیث کتاب اللہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ ظاہر ہے کہ یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔

موصوف کے اسی جملہ کا دوسرا حصہ ہے "اور كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ "اس کی تشریح ہے۔ تو اگر "كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" نور یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی تشریح ہے تو یہ کہاں ہے؟ ذرا یہ کتاب مبین نامی کتاب دکھایئے تو سہی! اس کی زیارت کرایئے! یا یہ کسی غار میں یا فرانسیسیوں کی لائبریری میں پوشیدہ ہے! یا یہ بخاری و مسلم وغیرہ کے مجموعوں کا نام ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ تو اوپر اپنی آیت میں ان دونوں چیزوں (موصوف کے خیال کے مطابق) یعنی نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ کے بارے میں فرما رہا ہے کہ:

"وہ ایسی کتاب ہے جس کے ذریعہ اللہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتا دیتا ہے جو اللہ کی رضا کی پیروی کرتے ہیں پھر اپنے حکم سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرما دیتا ہے" (۱۶)

اور پیچھے آپ سورہ النساء کی آیات ۱۷۴۔۱۷۵ میں تقریباً یہی مضمون پڑھ چکے ہیں۔

توثابت ہوا کہ "نُوْرٌ" اور "كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ" ایک ہی کتاب ہے وہی اللہ کی کتاب ہے جو کہ مشرح ہے اور اسے کسی (نام نہاد) حدیث کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ کے معنی ہی واضح، مفصل و مشرح کتاب ہیں۔ اور اسی کتاب سے اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔ اور لیجئے موصوف نے بھی یہ مان لیا کہ نور یعنی روشن کتاب ایک ہی ہے وہ آیت ۱۵ کی تفسیر کے آخری حصہ میں لکھتے ہیں:

"آگے فرمایا(قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ) اے اہل کتاب تمہارے پاس نور ہدایت یعنی روشن کتاب آچکی ہے اب تو ایمان لے آؤ" (۲۰۶، جزء۳)

قارئین کہئے کیا سمجھے آپ؟ یہاں انہوں نے "وَ" کو تفسیری مان لیا اور نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ کا ترجمہ کیا: "نورِ ہدایت یعنی روشن کتاب"۔ مگر اوپر کے تفسیری جملہ کے فوراً ہی بعد انہوں نے وہ جملہ لکھا ہے یعنی جس پر ہم نے تبصرہ کیا ہے:

"اس آیت میں "نور" سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے اور "نُوۡرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ" اس کی تشریح ہے" (ص ۲۰۶) کہئے یہ دو طرح کی بات کیوں؟ یہ دورُخی کیوں؟ شاید یہ ان کے خود ساختہ عقیدہ کا اثر ہے۔ مگر حق تو وہی ہے جو سر چڑھ کر بولے اس لیے حق قلم سے نکل ہی گیا کہ نور ہدایت یعنی روشن کتاب، کتٰب مبین یعنی قرآن کریم ہی ہے اس پر ایمان لے آؤ (نام نہاد احادیث پر نہیں)

**51۔**... آگے اسی سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ منافقین اور یہودیوں کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو یہ اختیار دے رہا ہے کہ اگر وہ لوگ آپ سلامٌ علیہ کے پاس فیصلہ کرانے آئیں تو آپ سلامٌ علیہ کو اختیار ہے کہ ان میں فیصلہ کریں یا اعراض کریں۔ پھر آیت ۴۳ میں بتاتا ہے کہ توریت میں اللہ کا حکم موجود ہے:

"وَ كَيۡفَ يُحَكِّمُوۡنَكَ وَ عِنۡدَهُمُ التَّوۡرٰىةُ فِيۡهَا حُكۡمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ‌ؕ وَ مَاۤ اُولٰۤـئِكَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۞ (المائدہ:۴۳)

ترجمہ: اور یہ آپ سے کیسے فیصلہ کرائیں گے جب کہ ان کے پاس توریت موجود ہے، اس میں اللہ کا حکم موجود ہے لیکن اس کے باوجود وہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں (تو آپ کے فیصلہ کو کیسے مانیں گے حقیقت تو یہ ہے کہ) یہ لوگ (توریت پر بھی) ایمان نہیں رکھتے (صرف زبان سے دعویٰ کرتے ہیں دل ایمان سے خالی ہیں)(۴۳) (ص ۶۵۵۔۶۵۹، جزء۳)"

ذرا غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کہاں موجود بتائے جا رہے ہیں؟ اللہ کی کتاب توریت میں تالمود میں نہیں (اور اس حقیقت کو موصوف بھی مان رہے ہیں) لیکن اس کے باوجود وہ لوگ (قیل قال، اگر مگر کر کے) کتاب اللہ کے احکام سے منہ موڑ لیتے ہیں اور (نام نہاد) احادیث و فقہ یا اقوال بزرگاں پر عمل کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں بتا رہا ہے کہ اصل میں یہ لوگ کتٰب اللہ پر ایمان ہی نہیں رکھتے یعنی وہ کافر ہیں مشرک ہیں کہ اللہ کے احکام کے ساتھ غیر اللہ کے احکام شریک کرتے ہیں۔ اب اس حقیقت کو ذہن میں رکھتے ہوئے آگے چلئے۔

**52۔**... سورہ المائدہ کی اگلی آیت ۴۴ میں بتایا جا رہا ہے کہ:

اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ يَحۡكُمُ بِهَا النَّبِيُّوۡنَ الَّذِيۡنَ اَسۡلَمُوۡا لِلَّذِيۡنَ هَادُوۡا وَ الرَّبّٰنِيُّوۡنَ وَ الۡاَحۡبَارُ بِمَا اسۡتُحۡفِظُوۡا مِنۡ كِتٰبِ اللّٰهِ وَ كَانُوۡا عَلَيۡهِ شُهَدَآءَ‌ ۚ فَلَا تَخۡشَوُا النَّاسَ وَاخۡشَوۡنِ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا‌ ؕ وَمَنۡ لَّمۡ يَحۡكُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۞
(المائدہ:۴۴)

ترجمہ: ہم نے توریت کو نازل کیا تھا اس میں ہدایت تھی اور نور تھا اسی کے مطابق انبیاء جنہوں نے (اللہ کے سامنے) سر تسلیم خم کررکھا تھا یہودیوں کے درمیان فیصلے کیا کرتے تھے اور (انبیاء کے علاوہ تمام) اللہ والے اور علما بھی (اس کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے) کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور اس (کے اللہ کی کتاب ہونے) کی شہادت بھی دیتے تھے۔ (اے اہل کتاب) لوگوں سے نہ ڈرو، مجھ سے ڈرو اور میری آیتوں کو تھوڑی سی قیمت کے عوض نہ بیچو اور (اس بات کو یاد رکھو کہ) جو شخص اللہ کی نازل کردہ شریعت[1] کے مطابق حکم نہ دے (یا فیصلہ نہ کرے) تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں (۴۴) (ص ۶۵۶۔۶۶۰، جزء ۳)"

غور کیجئے کتنی واضح حقیقتیں بتائی جارہی ہیں:

(۱): اللہ تعالیٰ نے تورات کو نازل کیا تھا۔ یعنی وہ نازل شدہ کتٰب اللہ تھی (جس طرح آج قرآن مجید ہے)

(۲): اللہ تعالیٰ کی اس کتٰب میں ہدایت تھی یعنی نور تھا (جس طرح آج قرآن مجید میں ہدایت یعنی نور ہے)

(۳): انبیاء کرام یہودیوں کے درمیان اسی کتٰب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے (جس طرح محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ مومنین کے درمیان اسی کتٰب اللہ یعنی قرآن مجید کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے وہ ہرگز بھی غیر اللہ کی کتابوں مثل بخاری، مسلم، مستدرک حاکم۔۔۔ وغیرہ کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتے تھے)

(۴): (انبیاء کرام کے علاوہ) تمام اللہ والے اور علما بھی اسی کتٰب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے یا حکم دیا کرتے تھے کیونکہ وہ اللہ کی کتاب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے اور اس کے اللہ کی کتاب ہونے کی شہادت بھی دیتے تھے (جس طرح صحابہ کبارؓ و تابعینؒ اور تمام اللہ والے علما بھی اسی کتٰب اللہ یعنی قرآن مجید کے مطابق فیصلے کرتے رہے یا حکم دیتے رہے یونکہ رسول سلامٌ علیہ کے بعد وہی کتٰب اللہ کے رکھوالے تھے اور خلیفۃ الارض تھے)۔

(۵): لیکن بعد والوں نے اپنے اپنے فائدہ کے لئے اس طریقہ کو بدل دیا اور غیر اللہ کی کتابیں مثل تالمود وغیرہ مرتب کرکے یا تو ان کو کتٰب اللہ کے ساتھ شریک کرنے لگے یا انہی سے حکم دینے لگے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ لوگوں سے نہ ڈرو (یعنی بادشاہوں یا حاکموں کو خوش کرنے کیلئے ان کے ڈر سے فیصلے نہ کرو) اللہ ہی سے ڈرو اور اس کی آیتوں کو یعنی ان احکام کو جو اس کی کتٰب میں ہیں تھوڑی سی قیمت کے عوض نہ بیچو (اسی طرح امت مسلمہ میں بھی خیر القرون کے بعد عباسی اور فاطمی دور میں غیر اللہ کی کتابیں مثل بخاری، مسلم، مستدرک حاکم، اصول کافی وغیرہ مرتب کرکے ان کو کتٰب اللہ کے ساتھ شریک کیا جانے لگا اور پھر انہی سے حکم دیئے جانے لگے اور کتٰب اللہ کو پیٹھ پیچھے جزء دان پہنا کر اوپر طاق میں سجا دیا گیا۔ اس لیے اللہ کا حکم آج بھی یہی ہے کہ) لوگوں سے نہ ڈرو اور اس کی آیتوں کو یعنی احکام کو جو اس کی کتٰب میں ہیں تھوڑی سی قیمت کے عوض نہ بیچو۔ اور یاد رکھو کہ:

---

[1] یہاں اس آیت میں بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کا ترجمہ "شریعت" نامناسب ہے یونکہ یہ آیت شروع ہی اس حقیقت سے ہو رہی ہے کہ اللہ نے تورات نازل کی۔ پھر اس کو کتٰب اللہ کہا (وہ اللہ کی کتٰب کے محافظ ٹھہرائے گئے تھے) پھر اس کی آیتیں نہ بیچنے کا حکم دیا۔ اس لیے نازل کردہ تو الکتٰب ہی ہوئی نہ کہ صرف شریعت! مگر موصوف نے کمال ہوشیاری سے جان بوجھ کر یہ تحریف کرنے کی کوشش کی ہے یونکہ وہ شریعت کو صرف قرآن میں نہیں مانتے بلکہ (نام نہاد) احادیث میں مانتے ہیں۔

(۶): جو شخص اللہ کی نازل کردہ الکتٰب کے مطابق حکم نہ دے یا فیصلہ نہ کرے تو وہ کافر ہے۔ اور یہ حکم آج بھی حکم عام ہے یہ حکم صرف یہودیوں کو نہیں دیا گیا تھا (ترجمہ میں موصوف کی طرف سے "اے اہل کتاب" قوسین میں بڑھانا مناسب نہیں یونکہ اس آیت میں مخاطبی لہجہ نہیں ہے بلکہ بیانی ہے اس قانونِ الٰہی کے بیان کرنے کے بعد اگلی آیت ۴۵ میں اللہ تعالیٰ تورات میں فرض کردہ احکام قصاص بیان فرما کر پھر یہی قانون دہراتا ہے کہ:

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ (المائدہ:۴۵)

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی نازل کردہ الکتٰب کے مطابق حکم نہ دے (یا فیصلہ نہ کرے) تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں (۴۵) "

پھر اگلی آیت ۴۶ میں اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو بھیجنے اور ان کو "انجیل" عطا کرنے کا بیان فرماتا ہے جس میں تورات کی طرح ہدایت یعنی نور تھا اور پھر اگلی آیت ۴۷ میں فرماتا ہے کہ اہل انجیل کو بھی چاہئے تھا کہ جو احکام اللہ نے اس میں نازل فرمائے تھے اس کے مطابق حکم دیتے (تو کیا اہل قرآن کو نہیں چاہئے کہ جو احکام اللہ نے اس قرآن میں نازل فرمائے ہیں اس کے مطاق حکم دیں؟ اور اسی میں (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ شریک نہ کریں) اور پھر وہی قانون دہراتا ہے کہ:

"وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ (المائدہ:۴۷)

اور جو شخص اللہ کی نازل کردہ الکتب کے مطابق حکم نہ دے (یا فیصلہ نہ کرے) ایسے ہی لوگ فاسق ہیں

غور کیجئے کہ یہ قانون الٰہی تین مرتبہ ایک ساتھ ہی بتایا جارہا ہے کہ جو کوئی اللہ کے نازل کردہ الکتٰب کے احکام کے مطابق حکم نہ دے، فیصلے نہ کرے وہ کافر ہے، وہ ظالم ہے، وہ فاسق ہے۔ کیا آپ اس سے بھی زیادہ وضاحت یا تشریح یا تفسیر چاہتے ہیں؟ اب ذرا اپنے اردگرد نظر ڈالئے، کیا آپ کی مملکت اسلامیہ جمہوریہ میں اللہ کی الکتٰب ہی کے مطابق احکام صادر ہو رہے ہیں اور اسی کے مطابق فیصلے ہو رہے ہیں؟ کیا آپ کی اور آپ کے اہل وعیال کی زندگیاں اللہ کی الکتٰب کے مطابق ہیں؟ کیا آپ کے علماکرام ومشائخ کرام ومفتی صاحبان اللہ کی الکتٰب ہی کے مطابق فتاوٰی دے رہے ہیں؟ کیا آپ کے علماوفضلاء ومشائخ، اللہ کی الکتٰب کے احکام کے نفاذ کی کوششیں کر رہے ہیں یا اپنے اپنے فرقے، مذہب، مسلک، فقہ کے نفاذ کی کوشش کر رہے ہیں؟ کیا یہ تفریقی احکام کتٰب اللہ میں ہیں کہ ایک عالم کہتا ہے کہ فقہ حنفی نافذ کرو تو دوسرا کہتا ہے نہیں فقہ جعفریہ نافذ کرو، تیسرا کہتا ہے کہ فقہ مسیحی نافذ کرو، تو چوتھا کہتا ہے سلفی مذہب نافذ کرو تو پانچواں کہتا ہے نہیں بریلوی مذہب یعنی نظام مصطفیٰ نافذ کرو تو چھٹا کہتا ہے نہیں نہیں دیوبندی مذہب یعنی سلطان الہند کا مذہب نافذ کرو۔ تو ساتواں کہتا ہے نہین نہیں جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کا مذہب نافذ کرو! مطلب یہ کہ کوئی بھی کتٰب اللہ کے احکام نافذ کرنے کی بات نہیں کر رہا۔ تو پھر یہ معاشرہ کن لوگوں کا ہوا؟ (اوپر کی آیات میں قانون الٰہی دیکھ لیجئے)۔

غور کیجئے کہ ان آیات میں بات کسی اشارے کنائے میں نہیں ہو رہی بلکہ اللہ کی کتابوں کے نام لے لے کر ان کے احکام کے مطابق حکم دین یا فیصلے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ دے رہا ہے اور ایک ہی جگہ پر تین بار بیان کر رہا ہے۔ اس سے زیادہ اور واضح بات کیا ہو سکتی ہے؟ اسی کو کہتے ہیں تصریف الآیات کے ذریعہ تفسیر۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے احکام کی تفسیر اپنی آیات ہی میں فرما رہا ہے۔ کہئے کیا کوئی شک رہ گیا؟ جب کہ موصوف جو تفسیر فرما رہے ہیں اس میں زور "شانِ

نزول" اور قتل کے احکام اور قصاص کے احکام پر ہے جن کے لئے انہوں نے صفحے کے صفحے سیاہ کر دیئے ہیں مگر اپنے عقیدہ (اور دیگر بہت سے علما کے عقیدے) کے مطابق ان آیات کی تفسیر میں رسول سلامٌ علیہ کی ایک بھی تفسیری روایت نہ پیش کر سکے کہ اس آیت میں فلاں بات کی تشریح یا وضاحت یا تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ بتائی! بلکہ ان کے اپنے تذبذب کا یہ حال ہے کہ اسی آیت کی اپنی تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"یہودیوں کے اس قول سے کہ "اگر وہ یہ فیصلہ کریں تو مان لینا اور اگر یہ فیصلہ نہ کریں تو نہ ماننا" معلوم ہوتا ہے کہ ابھی رسول اللہ ﷺ ان پر پوری طرح غالب نہیں ہوئے تھے، اگر پوری طرح غالب ہوتے تو ان کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہوتی" (ص ۶۶۴۔۶۶۵، جزء ۳)"

قارئین! کیا اس تحریر کے پڑھنے کے بعد یہ تاثر پختہ نہیں ہوتا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو ایک طرف رہے کسی صحابیؓ نے بھی تفسیر نہیں کی۔ آگے موصوف الٰہی آیات کی تفسیر لکھتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

" اوپر گزر چکا ہے کہ یہودیوں نے ابتداء میں زنا کی سزا میں بڑے آدمی اور چھوٹے آدمی کے درمیان تفریق کر رکھی تھی۔ سیاق وسباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قصاص کے معاملہ میں بھی وہ اس قسم کی تفریق کرتے تھے" (ص ۶۶۷، جزء ۳)"

موصوف کے الفاظ "سیاق وسباق سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ" قابلِ غور ہیں۔ کیا یہ الفاظ اس بات کی تصدیق نہیں کر رہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو ایک طرف کسی صحابیؓ نے بھی تفسیر نہیں کی۔

قارئین ٹھہریئے، ذرا غور کیجئے کہ موصوف پہلے جملہ میں کیا فرما گئے کہ "یہودیوں نے ابتداء میں زنا کی سزا میں بڑے آدمی اور چھوٹے آدمی کے درمیان تفریق کر رکھی تھی" مگر قرآن انہی آیات میں بتا رہا ہے کہ ابتداء میں انبیاء کرام اور ان کے بعد اللہ والے اور علما کرام تو بغیر کسی تفریق کے اللہ کی کتُب کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے (آیت ۴۴)۔ بتایئے کس کی بات سچ ہے قرآن کریم کی یا موصوف کی؟ بات دراصل وہی ہے کہ یہ تفسیر موصوف کا اپنا قیاس ہے یہ رسول سلامٌ علیہ کی تفسیر نہیں۔ ہاں اگر کوئی اور قیاسی تفسیر کرے تو برا۔ لیکن اگر موصوف کریں تو، حق! یہ ہے ان کا معیار! بہر حال ان آیات نے یہ حقیقت بالکل واضح کر دی کہ اللہ کے احکام اس کی نازل کردہ کتابوں میں ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں اور انہی نازل کردہ کتابوں کے احکام کے مطابق حکم کرنا ہے یا فیصلہ کرنا ہے (نام نہاد) حدیث کی کتابوں کے مطابق نہیں۔ فقہ کی کتابوں کے مطابق نہیں، فتاویٰ کی کتابوں کے مطابق نہیں ورنہ پھر فاسق ہو جائے گا ظالم ہو جائے گا یعنی کافر ہو جائے گا[1]۔ کون کافر ہو گا؟ منکر (نام نہاد) حدیث نہیں بلکہ منکر آیات، منکر قرآن کافر ہو گا۔ اگر کوئی دعویدار ہے کہ منکر (نام نہاد) حدیث بھی کافر ہو گا تو لائے پھر وہ اس کی آیت جو نص صریح ہو۔

---

[1] اب ذرا غور کیجئے کہ ہمارے ہاں جو مختلف جگہوں پر دار الافتاء بنے ہوئے ہیں اور فتاویٰ جاری کرتے ہیں یا پھر مختلف اخباروں ورسالوں میں 'آپ کے مسائل اور ان کا حل' کے عنوان سے جو فتاویٰ دیئے جاتے ہیں اور وہ عام طور پر قرآن الحکیم کے احکام کے خلاف ہوتے ہیں ان کا ان آیات کریمہ کے سامنے کیا مقام ہے؟ اور اس طرح کے فتاویٰ دینے والے اور ان پر خلاف قرآن عمل کرنے والوں کا کیا مقام؟ مثال کے طور پر ایک طلاق ہی کا مسئلہ لے لیجئے کہ ہمارے ہاں اس پر خلاف قرآن عمل ہو رہا ہے اور پھر بھی فتویٰ دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے دونوں ہی مسلمان ہیں!

**53۔**... آگے اسی سورۃ المائدہ کی آیات ۴۸۔۵۰ میں پھر بات اللہ ہی کی الکتٰب اور اسی ہی کے حکم کی ہو رہی ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

''وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۭ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ۭ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَ احْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ۭ وَ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ۭ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ (المائدہ:۴۸۔۵۰)

ترجمہ: اور (اے رسول!) ہم نے آپ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے جو اپنے سے پہلے آنے والی (ہر) کتاب کی تصدیق کرتی ہے اور اس کی حفاظت بھی کرتی ہے (اس طرح کہ اس کے احکام کی ترجمانی کرتی ہے اور دشمنان اسلام کی تحریف کی نشاندہی کرتی ہے) تو (اے رسول) آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم دیا کیجئے (اور فیصلہ کیا کیجئے) جو حق آپ کے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے، ہم نے تم میں سے ہر ایک کیلئے ایک شریعت اور (اس پر عمل کرنے کا) واضح راستہ مقرر کر دیا ہے (لیکن لوگوں نے اللہ کی شریعت اور راستہ کو چھوڑ دیا اور دین میں تفریق پیدا کر دی) اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن (اللہ تو یہ چاہتا ہے) کہ جو شریعت تم کو دی ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے (کہ کون اس پر عمل کرتا ہے اور کون نہیں کرتا) تو (اے ایمان والو! اس شریعت کے مطابق) نیک کاموں میں سبقت کرو (دوسروں کے اختلاف کی پرواہ نہ کرو) تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر وہ تم کو بتائے گا کہ تم کن کن باتوں میں اختلاف کرتے تھے (اور حق کیا تھا) (۴۸) اور (اے رسول آپ کو پھر تاکید کی جاتی ہے) کہ آپ ان لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ہی حکم دیں (یا فیصلہ کریں) اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے (ہٹا کر) آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیں، اگر یہ پھر بھی (اللہ کی نازل کردہ شریعت سے) منہ موڑیں تو آپ خبردار ہو جایئے کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کے سبب مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے اور اس بات سے بھی خبردار ہو جایئے کہ بیشک اکثر لوگ فاسق ہی ہوتے ہیں (۴۹) (اے رسول) کیا یہ (ایام) جاہلیت کے حکم (یا شریعت) کے متلاشی ہیں لیکن یقین (وایمان) رکھنے والوں کے لئے اللہ سے بہتر حکم کس کا ہو سکتا ہے (۵۰) (ص ۶۷۴۔۶۷۷، جزء۳)''

غور کیجئے کہ ان تینوں آیتوں نے کتنی بہت سی باتیں بتائی ہیں:

(۱) ''ہم نے آپ سلام علیہ پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے''۔ وہ کتاب کونسی ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ قرآن

مجید ہی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔ اور وہ ایک ہی کتاب ہے "الکتٰب"۔ موصوف نے خود اپنی تفسیر میں مان لیا کہ "اور اے رسول! ہم نے حق کے ساتھ آپ پر ایک کتاب نازل کی ہے" (تفسیر کی پہلی سطر ص ۶۷۸، جزء ۳) ظاہر ہے کہ ایک کتاب تو قرآن مجید ہی ہے اسی کو کتٰب اللہ کہا جاتا ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ ایک کتاب تو کتاب رہے مگر دوسری کتابوں کو یا ان کے کچھ اجزاء کو بھی کہا جائے یہ بھی اسی کا حصہ ہیں! اگر ایسا مان لیا جائے تو پھر تو وہ دیومالائی کہانی بھی ماننا پڑے گی کہ یہ قرآن چالیس پاروں سے زیادہ کا تھا جس کے کچھ پارے بکری کھا گئی تھی یا ایک بچہ بغل میں دبا کر ایک غار میں جا گھسا تھا!

اس لیے حقیقت یہی ہے کہ اب اللہ کی کتاب ایک ہی صحیح نازل شدہ حالت میں موجود ہے اور وہ ہی کتٰب اللہ ہے، وہی الکتٰب ہے، وہی قرآن مجید ہے اور (نام نہاد) احادیث ظنی باتیں ہیں جو کہ نازل شدہ نہیں اور وہ غیر اللہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں اس لیے ان کو اللہ کی باتوں کے ساتھ شریک نہیں کیا جاسکتا۔

(۲) وہ الکتٰب "اپنے سے پہلے آنے والی (ہر) کتٰب کی تصدیق کرتی ہے" بعد میں گھڑی جانے والی (نام نہاد) حدیث کی تصدیق نہیں کرتی۔

(۳) "اور اس کی حفاظت بھی کرتی ہے" یہ ترجمہ موصوف نے عربی کے ان الفاظ کا کیا ہے "وَمُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ" جو کہ مناسب نہیں معلوم ہوتا یونکہ حفاظت کیلئے تو لفظ "اَسۡتُحۡفِظُوۡا" ابھی پیچھے ہی آیت ۴۴ میں استعمال ہو چکا ہے۔ مُهَيۡمِنًا کے معنی بھی حفاظت کر دینا زیادتی ہے کیونکہ "**المھیمن**" اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے اور "**الحفیظ**" بھی اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے دونوں کے معنی حفاظت کرنے والا نہیں ہوسکتے۔ بلکہ مُهَيۡمِنًا کے معنی ہوتے ہیں "حَکَم یا قاضی، کسوٹی، پرکھ"۔ اس لیے مُهَيۡمِنًا عَلَيۡهِ کے معنی ہوں گے کہ یہ "**الکتٰب**" پہلے نازل شدہ کتابوں پر (جن کا ذکر ہو رہا ہے اور جو اب اپنی اصلی حالت پر نہیں رہی ہیں) قاضی ہے فیصلہ کرنے والی ہے کہ فلاں بات بتانے والا صحیح بتا رہا ہے یا غلط اور جب یہ پہلے کی کتابوں پر قاضی ہے تو پھر آج کی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر بھی قاضی ہی ہوئی۔ جبکہ موصوف اور دیگر اہلحدیثوں کا عقیدہ یہ ہے کہ (نام نہاد) احادیث قرآن پر قاضی ہیں (نعوذ باللہ)۔ یعنی وہ قرآن مجید کے بالکل مخالف سمت میں جا رہے ہیں، واللہ اعلم وہ قرآن دشمنی میں ایسا کر رہے ہیں یا (نام نہاد) حدیث دوستی میں! بہر حال دونوں ہی طرح سے غلط ہیں یونکہ ایک ظنی شئے قاضی نہیں ہوسکتی، غیر اللہ کی بات قاضی نہیں ہوسکتی۔ قاضی تو صرف یقینی بات یعنی اللہ کی وحی ہی ہوسکتی ہے جو کہ صرف "الکتٰب" ہے۔

(۴) "تو (اے رسول) آپ ان کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق حکم دیا کیجئے (اور فیصلہ کیا کیجئے)"۔ یعنی غیر اللہ کی بنائی ہوئی (نام نہاد) احادیث کے مطابق حکم نہیں دیا جائے گا بلکہ صرف اور صرف اللہ کی "الکتٰب" ہی کے مطابق حکم دیا جائے گا، فیصلہ کیا جائے گا۔ دیکھئے موصوف آیت کے ان الفاظ کی (فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ) کیا تفسیر کرتے ہیں:

> تفسیر: "الغرض اے رسول اب آپ ان کے درمیان ضرور فیصلہ کیجئے اور اس کتاب کے ذریعہ فیصلہ کیا کیجئے جو آپ پر نازل کی گئی ہے" (ص ۶۷۸، جزء ۳)

یہ لکھنے کے باوجود موصوف اس سے پھر جاتے ہیں اور (نام نہاد) احادیث شریک کرتے ہیں جو کہ کھلا ہوا شرک

فی الکتٰب، شرک فی الصفت ہے (جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں)۔

(۵) "جو حق آپ کے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے"۔ یعنی صاف ظاہر ہے کہ حق تو قرآن کریم ہی کو کہا ہے تو اس کو چھوڑ کر لوگوں کی خواہشات، کہ (نام نہاد) احادیث و فقہ سے حکم کریں یا فیصلہ کریں کو نہیں مانا جائے گا۔ بلکہ بقول موصوف ہی کے تفسیر کے "اور وہی فیصلہ کیجئے جو کتاب اللہ کی روشنی میں حق ہو" (ص۶۷۸، جزء۳) (نام نہاد) حدیث کی روشنی میں نہیں۔

(۶) "ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور (اس پر عمل کرنے کا) واضح راستہ مقرر کر دیا ہے (لیکن لوگوں نے اللہ کی شریعت اور راستہ کو چھوڑ دیا اور دین میں تفریق پیدا کر دی)" یعنی اللہ نے واضح راستہ مقرر کیا مگر لوگوں نے (نام نہاد) احادیث و فقہ کے ذریعے امت مسلمہ میں تفریق پیدا کر دی اور آج سینکڑوں فرقوں و مسالک میں بٹی ہوئی ہے۔ ایک فرقہ میں ایک کام جائز ہے مگر دوسرے میں حرام، ایک چیز ایک فرقہ کے نزدیک باعث نزول رحمت اور جنت کی کنجی ہے مگر وہی چیز دوسرے فرقہ کے ہاں بدعت و شرک ہے!

(۷) "اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک امت بنا دیتا لیکن (اللہ تو یہ چاہتا ہے) کہ جو شریعت تم کو دی ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے (کہ کون اس پر عمل کرتا ہے اور کون نہیں کرتا"۔ اس لیے عمل تو صرف شریعت الٰہی یعنی قرآن مجید ہی پر کرنا ہے (نام نہاد) حدیث و فقہ پر نہیں جو کہ اللہ کی دی ہوئی نہیں ہیں۔

(۸) "تو (اے ایمان والو! اس شریعت کے مطابق) نیک کاموں میں سبقت کرو، (دوسروں کے اختلاف کی پرواہ نہ کرو)"۔ یعنی نیک کام بھی شریعت الٰہی یعنی قرآن کریم ہی کے احکام کے مطابق کرنا ہیں (نام نہاد) احادیث و فقہ کے مطابق نہیں۔

(۹) "تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر آنا ہے، پھر وہ تم کو بتائے گا کہ تم کن کن باتوں میں اختلاف کرتے تھے (اور حق کیا تھا" مطلب یہ کہ لوگ ہٹ دھرمی سے جب اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر (نام نہاد) احادیث و فقہ کے بنائے ہوئے راستہ پر چل کر آپس میں اختلاف کرتے ہیں تو کوئی بھی حق ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ قرآن مجید میں بھی غلط ترجمہ کر کے اختلافات پیدا کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ کی آیت کا انکار کر دیا جاتا ہے تو اگر دنیا میں وہ توبہ کر کے حق کی طرف نہیں پلٹتے تو پھر دوسرے جہاں میں اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے سے پہلے ان کے کرتوت ان کو جتا دے گا۔

(۱۰) "اور (اے رسول آپ کو پھر تاکید کی جاتی ہے) کہ آپ ان لوگوں کے درمیان اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ہی حکم دیں (یا فیصلہ کریں" (نام نہاد) احادیث و فقہ کے مطابق حکم نہ دیں فیصلہ نہ کریں۔ یہی بات بار بار کی جا رہی ہے اس لیے اب کسی قسم کا شک و شبہ نہیں رہنا چاہئے۔ موصوف خود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

تفسیر: "اور اے رسول! ایک مرتبہ پھر آپ کو حکم دیا جاتا ہے کہ آپ اسی حکم اور قانون کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمایا ہے" (ص۶۷۹، جزء۳) قارئین آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا نازل فرمایا ہوا قانون اور حکم کہاں ہے۔ "الکتٰب" میں۔ (نام نہاد) احادیث اور فقہ میں نہیں۔

(۱۱) "اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں اور ان سے ہوشیار رہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اللہ کی نازل کردہ شریعت سے (ہٹا کر) آپ کو فتنہ میں مبتلا کر دیں"۔ یہاں اللہ تعالیٰ کتنے واضح طور پر بتا رہا ہے کہ دین کے معاملہ میں لوگوں کی

خواہشات کی، لوگوں کے بنائے ہوئے طریقوں کی پیروی نہیں کرنا چاہئے اور ایسے لوگوں سے ہوشیار بھی رہنا چاہئے ورنہ یہ ممکن ہے کہ ایسے لوگ اللہ کی "الکتٰب" سے ہٹا کر فتنہ میں مبتلا کر دیں جیسا کہ آج کے دَور میں بھی محدثین، فقہاء و علما نے لوگوں کو "الکتٰب" سے ہٹا کر (نام نہاد) احادیث، فقہ و فتاویٰ و مسالک کے چکر میں الجھا کر فتنہ میں مبتلا کیا ہوا ہے کہ امت ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے اور ہر کوئی دوسرے کے خلاف بر سرِ پیکار ہے۔ موصوف خود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"الغرض اے رسول ان کے فریب میں نہ آیئے اور اس کتاب کے مطابق فیصلہ کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر نازل فرمائی ہے" (ص ۶۸۰، جزء ۳)

اور آپ یہ جانتے ہی ہیں کہ اللہ نے کون سی کتاب نازل فرمائی ہے۔ کیا وہ قرآن کریم کے علاوہ ہے؟ آگے وضاحت کرتے ہوئے موصوف سورہ النساء کی آیت ۴۷ لکھنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

"اس آیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اب قرآن مجید پر عمل کئے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی"۔ (ص ۶۸۱، جزء ۳)

مگر افسوس کہ یہ حقیقت مان لینے کے بعد بھی موصوف پھر قرآن مجید کے علاوہ غیر اللہ کی کتابیں قرآن مجید کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔ اسی کیفیت کی طرف سورہ یوسف کی آیت ۱۰۶ میں اشارہ ہے جو میں اگلے صفحہ پر لکھ رہا ہوں۔

(۱۲) "اگر یہ پھر بھی (اللہ کی نازل کردہ شریعت سے) منہ موڑیں تو آپ خبر دار ہو جایئے کہ اللہ ان کو ان کے بعض گناہوں کے سبب مصیبت میں مبتلا کرنا چاہتا ہے" یہاں یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ کی الکتٰب میں اتنی واضح اور کھلی کھلی آیات کے پڑھنے اور سننے کے بعد بھی جو لوگ ان کے خلاف ہی عمل کریں گے اور غیر اللہ کی کتابیں اللہ کی الکتٰب کے ساتھ شریک کریں گے تو پھر وہ یقیناً فتنہ میں مبتلا ہوں گے اور وہ فتنہ کیا ہو گا؟ وہ وہی فرقہ وارانہ مذاہب و مسالک کا آپس کا اختلاف و جھگڑا ہو گا۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے کہ ہر مولوی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کر الگ بیٹھا ہے اور داخلہ کے دروازہ پر بڑا بڑا لکھ دیا ہے کہ یہ مسجد فلاں مسلک کی ہے! قارئین غور کیجئے کہ اس ماحول میں اللہ کی مسجد کہاں ہے؟ یہ تو عام طور پر مسجد ضرار ہی ہیں کہ اگر وہاں چلے جاؤ تو مار پیٹ کر بھی نکالے جا سکتے ہو اور اگر ان کی پیروی کر لو تو اللہ کی الکتٰب چھوڑ کر فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ۔ (معاذ اللہ)

(۱۳) "اور اس بات سے بھی خبر دار ہو جایئے کہ بے شک اکثر لوگ فاسق ہی ہوتے ہیں"

قارئین غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی زبردست حقیقت بے نقاب کر دی ہے۔ فاسق کہتے ہیں نافرمان یعنی حق یا حدود اللہ سے نکل جانے والے کو جس طرح کھجور اپنے چھلکے سے باہر آ جاتی ہے۔ ابھی آپ پچھلی آیت ۴۷ میں پڑھ چکے ہیں کہ جو شخص اللہ کی نازل کردہ الکتٰب کے مطابق حکم نہ دے یا فیصلہ نہ کرے تو ایسا ہی شخص "فاسق" ہے۔ اور اسی فاسق کو آیت ۴۵ میں "ظالم" کہا گیا ہے اور آیت ۴۴ میں "کافر" کہا گیا ہے۔ مطلب صاف ہے کہ فاسق بھی کافر ہے اور ظالم (یعنی شرک کرنے والا) بھی کافر ہے۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ یوسف میں یوں کہا:

"وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ (یوسف: ۱۰۶)

ترجمہ: لوگوں میں زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کرتے رہتے ہیں۔

(آیت ۱۰۶، ص ۳۴۷، جزء ۵)"

اور آج بھی یہی حال ہے کہ تقریباً ایک ارب سے زیادہ افراد جو اللہ پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں اور اپنے آپ کو مسلم کہلاتے ہیں (پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور ایران میں مسلمان کہلاتے ہیں) وہ ایمان لانے کے باوجود مشرک ہیں[۱] (اوپر آیت میں قرآن کریم انہیں مُشْرِكُوْنَ کہہ رہا ہے)۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ "الکتٰب" کو چھوڑ کر (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ و نصاب کی کتابوں کو پکڑ لیا ہے اور ان کے مطابق حکم کر رہے ہیں ان پر عمل کر رہے ہیں۔ انہی کو اللہ کی نازل کردہ کتاب مان رہے ہیں، انہی کو حق مان رہے ہیں انہی کو ہاتھ میں پکڑے سینہ سے لگائے اپنی اپنی مسلکی مساجد میں جاتے ہیں[۲] اور انہی کو پڑھ کر سناتے ہیں اسی لیے سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ (سورہ توبہ: آیت ۳۴ کا حصہ)

ترجمہ: اے ایمان والو! (خبر دار ہو جاؤ) بہت سے علما اور مشائخ لوگوں کو مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور (یہی نہیں بلکہ) ان کو اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔ (ص ۹۲۸، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنے والے اور پھر اس راستہ پر چلنے والے کون ہوئے؟ جب اللہ کے راستہ سے روکا تو پھر کس کے راستہ پر چلایا؟ اور پھر اس کا انجام؟ یہاں یہ بھی غور کر لیجئے کہ یہ آیت " يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا " (اے ایمان والو) سے شروع ہو رہی ہے اور ایمان والوں کیلئے ہے، مگر مترجمین علما کرام اکثر یہاں ترجمہ میں قوسین لگا کر یہ لکھ دیتے ہیں کہ آیت یہود و نصاریٰ کے علما و مشائخ کے بارے میں ہے[۳] اور اس طرح بد دیانتی کرتے ہیں اور لوگوں کو اس حقیقت کے جاننے سے روک دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ بات اب سے چودہ سو سال پہلے بتادی تھی کہ اکثر علما و مشائخ لوگوں کا مال ناجائز طریقہ سے کھاتے ہیں اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ ان کو اللہ کے راستہ سے روک کر غیر اللہ کے راستے بتاتے ہیں۔ ذرا اپنے ارد گرد نظر دَوڑائیے کیا ہو رہا ہے؟ کیا آپ کو اس آیت کریمہ کی صداقت میں ذرّہ برابر بھی شبہ ہے؟

کیا آپ کو اس حقیقت میں بھی ذرّہ برابر شبہ ہے کہ اکثر لوگ فاسق ہی ہوتے ہیں۔

(۱۴) "(اے رسول) کیا یہ (ایام) جاہلیت کے حکم (یا شریعت) کے متلاشی ہیں"

غور کیجئے کہ یہ ایام جاہلیت کے حکم یا شریعت کون سے ہیں جن کے یہ لوگ متلاشی تھے (جیسے آج کے لوگ بھی متلاشی رہتے ہیں)۔ موصوف نے تو اپنی اس آیت کی تفسیر میں اس کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ البتہ پچھلی آیات پڑھ کر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اہل کتاب اپنی اپنی الکتٰب کے احکام میں کلمات کو ان کے موقع و محل سے ہٹا دیا کرتے تھے

---

[۱] اس سلسلہ میں دیکھئے مزید آیات ۱۱۰/۳، ۴۲/۳۰، ۱۴/۵۶، ۲۶/۵۷۔۔۔ [۲] خود موصوف "فتح الباری شرح بخاری" ہاتھ میں لیے سینہ سے لگائے اپنی مسلکی مسجد میں تشریف لاتے ہیں (جس کا نام انہوں نے "مسجد المسلمین" رکھا ہے) اور اسی سے (نام نہاد) احادیث کا درس دیتے ہیں۔

[۳] اور بعض مترجمین علما تو قوسین لگانے کی بھی زحمت نہیں کرتے بلکہ وہ ترجمہ میں سیدھی سیدھی تحریف کر کے کہتے ہیں۔ تا کہ لوگ اپنے علما و مشائخ کے بارے میں اس طرح نہ سوچیں اور حقیقت چھپی ہی رہے۔ ایسے مترجمین و علما سے پوچھئے کہ آیت میں کہاں لکھا ہے کہ یہ خصوصیت یہود و نصاریٰ کے علما و مشائخ کی ہے اور ہمارے علما و مشائخ کی نہیں۔ نیز یہ کہ پھر آیت کا اگلا حصہ کس کیلئے ہے کیا وہ بھی صرف یہود و نصاریٰ کیلئے ہے؟

(النساء: ۴۶، المائدہ: ۱۳) وہ اگر کوئی مقدمہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے پاس فیصلہ کیلئے بھیجتے تھے تو اپنے لوگوں سے یہ فرمائش کردیتے تھے اگر تمہیں یہ حکم ملے تو اسے قبول کرلینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو اس سے بچنا (المائدہ: ۴۱)۔ مطلب یہ کہ ایام جاہلیت کے احکام یا شریعت وہ تھے جس میں غیر اللہ کے احکام مثل (نام نہاد) احادیث، فقہ، فتاویٰ و اقوال بزرگان شامل کردیئے گئے تھے (جیسا کہ آج بھی ہوا ہے) تو لوگ اللہ کے احکام سے بچنے کی کوشش کرتے تھے اور ایام جاہلیت کے احکام کے متلاشی رہتے تھے۔ اور آج بھی لوگ اسی جاہلیت کے متلاشی رہتے ہیں کہ ہر مسئلہ میں (نام نہاد) احادیث ڈھونڈتے ہیں یا امام فقہ کا فیصلہ ڈھونڈتے ہیں یا عالم صاحب کا فتویٰ ڈھونڈتے ہیں۔ گویا کہ وہ اللہ کے مقابل دوسرے الٰہ ڈھونڈتے ہیں! (اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ)

(۱۵) "لیکن یقین (وایمان) رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکم کس کا ہو سکتا ہے"

غور کیجئے اس آیات کریمہ میں کتنی وضاحت سے بتادیا گیا کہ ایمان ویقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکم کس کا ہو سکتا ہے۔ بیشک کسی کا بھی نہیں۔ اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف آیت ۴۰ اور ۶۷ میں یوں کہا ہے (اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ) "حکم کسی کا نہیں چلتا سوائے اللہ (اکیلے) کے" اور سورہ الکہف آیت ۲۶ میں اس کو یوں کہا (وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا) "اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا ہے"۔ الانعام آیت ۶۲ میں یوں کہا اَلَا لَهُ الْحُكْمُ "حکم اسی کا چلتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ احکام تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے نازل کردہ مانے جائیں گے اور وہ یقیناً اس کی نازل کردہ کتاب قرآن مجید میں ہیں (نام نہاد) احادیث وفقہ کی کتابوں میں نہیں۔

غور کیجئے کہ صرف ان تین آیتوں ہی میں اللہ تعالیٰ نے کتنے واضح طور پر پندرہ حقیقتیں بتادی ہیں۔ کیا اب اس کے علاوہ بھی کسی اور تفسیر یا وضاحت کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی آیات کی تفسیر اپنی ہی آیات میں یعنی اسی نازل کردہ قرآن میں کرتا ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں اور خود موصوف بھی اپنی تفسیر میں رسول سلامٌ علیہ کی تفسیر نہ لکھ سکے جس کے کہ وہ دعویدار ہیں کہ قرآن کی تشریح، توضیح، اور تفسیر رسول سلامٌ علیہ نے کی تھی حد تو یہ ہے کہ وہ لفظ مُهَيْمِنًا تک کے وہ معنی نہ بتا سکے جو ان کے عقیدہ کے مطابق رسول سلامٌ علیہ نے بتائے تھے۔ موصوف نے خود جو معنی کئے ہیں (محافظ یا حفاظت کے) وہ غلط ہیں۔ پہلے میں ص ۱۰۰ پر ان کے لغت ہی کے معنی بتا چکا ہوں اب میں ان کے کئے ہوئے معنی کو غلط ثابت کرنے کیلئے ان کی تفسیری عبارت نقل کرتا ہوں۔

تفسیر: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ) اور اے رسول، ہم نے حق کے ساتھ آپ پر ایک کتاب نازل کی ہے، (مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ) جو ان تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل کی جا چکی ہیں (وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ) اور یہ کتاب نہ صرف ان کی تصدیق کرتی ہے بلکہ ان کی محافظ بھی ہے اور جو احکام اور قوانین ان کے ذریعہ نازل کئے گئے تھے ان کی نقلاً و عملاً حفاظت کرتی ہے۔ یہ کتاب بتاتی ہے کہ اہل کتاب نے کہاں کہاں تحریف کی اور کیا کیا تحریف کی اور نہ صرف بتاتی ہے بلکہ ان تحریف شدہ احکام و قوانین کو از سرِ نو نافذ کرکے عملاً ان کی حفاظت کرتی ہے۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جب یہودیوں کے درمیان زنا کے ایک مقدمہ میں رجم کا حکم دیا تو اس عملی حفاظت کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا تھا:

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَوَّلُ مَنْ اَحْيَا اَمْرَكَ اِذَا اَمَاتُوْهُ

(صحیح مسلم کتاب الحدود باب رجم الیھود اہل الذمہ فی الزنی۔ جزء۲، ص۵۵)

ترجمہ: اے اللہ میں نے سب سے پہلے تیرے اس حکم کو زندہ کر دیا جس کو یہودیوں نے مردہ کر دیا تھا۔ (ص۶۷۸، جزء۔۳)" (نعوذ باللہ، اللہ کا حکم بھی مردہ ہو جاتا ہے! صدیق)

غور کیجئے کہ ان معنوں اور تفسیر کے مطابق تو "رجم" کا حکم بھی قرآن کریم میں نقلاً ہونا چاہئے تھا جس طرح توریت کے قصاص کے احکام نقل ہوئے ہیں۔ مگر ایسا کوئی حکم قرآن کریم میں نہیں ہے۔ ثابت ہوا کہ:

(۱) مُهَيْمِنًا کے معنی "محافظ" کرنا درست نہیں ورنہ "رجم" کا حکم قرآن میں بحفاظت ہوتا۔ اور

(۲) "رجم" کا حکم سرے سے قرآن میں نہیں اس لیے یہ حکم اسلامی نہیں۔ غیر اللہ کا ہے اس لیے قابلِ قبول نہیں۔ اب موصوف اور ان جیسے دیگر اہلحدیث و اہل فقہ چاہے جتنی کوشش کر لیں مگر وہ ایک غیر اللہ کی چیز کو اللہ کی الکتٰب میں شامل نہیں کر سکتے اور خود انہی کے الفاظ میں وہ الکتٰب ایک ہی ہے (اے رسول! ہم نے حق کے ساتھ آپ پر ایک کتاب نازل کی ہے) اب اگر اب بھی وہ یہ کہیں کہ اللہ کی کتاب ایک نہیں بلکہ (نام نہاد) احادیث بھی اس میں شامل ہیں تو پھر غور کر لیجئے کہ ان آیات میں لگائے گئے حکم کے مطابق وہ کیا ہیں!

مزید دیکھئے کہ آیت ۴۴ کی تفسیر کرتے ہوئے موصوف تحریر کرتے ہیں کہ:

"قرآن مجید توریت کا محافظ ہے یعنی نقلاً اور عملاً توریت کے احکام کی محافظت کرتا ہے کیونکہ توریت میں قصاص کے احکام ہیں لہٰذا یہ امت نقلاً بھی ان احکام کی محافظ ہے اور عملاً بھی یعنی اس امت کو بھی قصاص کے ان احکام پر عمل کرنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ "مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ" کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ" یعنی اے رسول! آپ جو احکام اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں انہی کے مطابق فیصلہ کیجئے یعنی توریت کے احکام کی عملاً محافظت کیجئے"۔ (ص۶۷۰، جزء۳)"

غور کیجئے کہ موصوف اور دیگر اہلحدیث و اہل فقہ اسلام میں 'رجم' کے قائل ہیں مگر اس کے لئے کوئی نص صریح یعنی آیت پیش کرنا تو بڑی بات قرآن کریم سے کوئی اشارہ تک نہیں بتا سکتے کہ 'رجم' اسلامی سزا ہے۔ حد یہ ہے کہ مُهَيْمِنًا کا محافظ ترجمہ کرنے والے موصوف اپنی اوپر کی تفسیر تک میں یہ لکھنے کی جرأت نہ کر سکے کہ قصاص کے طرح رجم کی بھی قرآن مجید محافظت کرتا ہے حد تو یہ ہے کہ وہ قرآنی حوالہ سے یہ تک نہیں بتا سکے کہ توریت میں رجم کا حکم تھا اور یہودیوں نے اسے تبدیل کر دیا تھا۔ ہاں البتہ انہوں نے اپنی تفسیر کے پہلے جملہ میں تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید توریت کا محافظ ہے یعنی (نام نہاد) احادیث توریت کی محافظ نہیں۔ اس لئے حکم صرف قرآن مجید ہی کے مطابق کرنا ہو گا۔ اور جو ایسا نہ کرے گا وہ فاسق ہو گا، ظالم ہو گا، کافر ہو گا۔ یہاں یہ بھی غور کیجئے کہ اگر قرآن مجید اپنے سے پہلی کتابوں کا مُهَيْمِنًا ہے تو کیا وہ بعد کی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا مھیمن نہیں؟؟

**(54)**۔۔۔ آگے سورہ المائدہ میں بات پھر اللہ کی نازل کردہ الکتاب ہی پر ایمان لانے کی ہو رہی ہے دیکھئے آیت ۵۹:

"قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۵۹﴾ (المائدہ: ۵۹)

ترجمہ: (اے رسول! آپ ان سے) پوچھئے کہ اے اہل کتاب کیا تم ہم سے اس بات کے علاوہ کسی اور بات کا انتقام لے رہے ہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو ہماری طرف نازل ہوئی اور ان کتابوں پر ایمان لائے جو پہلے نازل ہوئی تھیں (یہ انتقام تمہارے فسق کی علامت ہے) اور تم میں سے اکثر فاسق ہی ہیں (۵۹) (ص۱۸۷۔۱۹۷، جزء۳)"

غور فرمائیے کہ اس آیت میں بھی کیا بات بتائی جارہی ہے کہ "اس کتاب پر ایمان لایئے جو ہماری طرف نازل ہوئی اور ان کتابوں پر ایمان لایئے جو پہلے نازل ہوئی تھیں" یعنی ایمان قرآن اور پہلے کی نازل شدہ کتابوں ہی پر لانا ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر (نعوذ باللہ بعد میں نازل ہونے والی) نہیں۔ کہئے کیا کوئی شک ہے دیکھئے موصوف خود اپنی تفسیر میں "عمل" کے زیرِ عنوان کیا لکھتے ہیں:

عمل: "اے ایمان والو! اللہ پر، قرآن مجید پر اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر جو قرآن مجید سے پہلے نازل ہوچکی ہیں مضبوطی کے ساتھ ایمان لایئے۔ اللہ کی نافرمانی سے بچیئے" (ص۲۲۷۔۲۳۷، جزء۳) (یہاں بھی نام نہاد احادیث پر ایمان لانے کا ذکر یا اشارہ تک نہیں۔ صدیق)

غور کیجئے کہ موصوف کہتے کچھ ہیں اور عمل کچھ اور ہے۔ کہتے یہ ہیں کہ قرآن مجید پر ایمان لاؤ مگر عمل یہ ہے کہ اپنے متبعین سے قرآن مجید کے ساتھ (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لانے کو کہتے ہیں۔ جو کہ قرآن مجید کے احکام کے سراسر خلاف ہے۔ حد تو یہ ہے کہ اپنی دعوت میں اللہ کی ایک کتاب کا ذکر ہی نہیں کرتے۔ مزید غور کیجئے کہ اس آیت میں بات یہ ہو رہی ہے کہ اہل کتاب مسلمین و مومنین سے کیوں ناراض ہو رہے تھے اور انتقام لے رہے تھے یونکہ وہ قرآن مجید پر ایمان لے آئے تھے اور غیر اللہ کی کتابوں یا بنائے ہوئے احکام کو چھوڑ بیٹھے تھے (جیسے کہ اس کی تفصیل پچھلی آیات میں گزری)۔ آج اگر آپ موصوف کے سامنے صرف قرآن مجید پر ایمان لانے کی بات کریں تو وہ ناراض ہو جاتے ہیں۔ اور اصرار کرتے ہیں کہ آپ (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لایئے اگر آپ پس و پیش کریں تو وہ آپ کو اپنے ہاں سے نکال دیں گے اور سب متبعین کو حکم دیں گے کہ اس شخص کے ساتھ کوئی نہیں ملے گا کوئی نہیں بات کرے گا، کوئی سلام تک نہیں کرے گا۔۔۔۔ کہئے یہ کونسا رویہ ہے؟ نیز یہ کہ ایمان قرآن مجید کے علاوہ ان کتابوں پر لانا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید سے پہلے نازل کی تھیں۔ قرآن مجید کے ساتھ یا بعد میں کوئی کتاب نازل ہونے کا ذکر یا شائبہ تک نہیں۔ اس لئے موصوف کے عقیدہ کے مطابق قرآن مجید کے ساتھ اور بعد میں نازل ہونے والی (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جب ایک چیز قرآن مجید کے ساتھ یا بعد میں نازل ہی نہیں ہوئی، اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہی نہیں تو اس کا وجود ہی باطل ثابت ہوگیا اس لئے اس پر ایمان لانا بھی باطل ہی ہوا۔

**55۔**... آگے اسی سورہ المائدہ کی آیات ۶۴، ۶۵ اور ۶۶ میں بھی اللہ تعالیٰ ہی کی کتابوں پر ایمان لانے کی بات ہو رہی ہے۔ پھر آیت ۶۷ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول سلامٌ علیہ سے واضح بات کرتا ہے کہ:

"يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ (المائدہ:۶۷)

ترجمہ: اے رسول! جو (احکام) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کئے گئے ہیں انہیں (بے کم و کاست لوگوں تک) پہنچا دیجئے اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اللہ کے پیغام کو نہیں پہنچایا اور (اپنے فرض منصبی کو ادا نہیں کیا، یہ لوگ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) اللہ آپ کو ان تمام لوگوں (کی شرارت) سے محفوظ رکھے گا (آپ کا کام صرف ہدایتِ ربانی کا پہنچا دینا ہے۔ ہدایت پر چلا کر منزل مقصود تک پہنچانا آپ کا کام نہیں ہے، یہ اللہ کا کام ہے۔ لیکن) اللہ کافروں کو (جب تک وہ ایمان نہ لائیں) ہدایت پر چلا کر منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا۔(۶۷)(ص ۷۴۰، جزء ۳)"

قارئین! ذرا آیت کے ترجمہ پر غور کیجئے، دیکھئے موصوف کی معنوی تحریف پھر سامنے آگئی کہ آیت کے الفاظ "مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ"[1] کا ترجمہ موصوف نے "جو (احکام) آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کئے گئے ہیں" کیا ہے۔ جب کہ ہم شروع ہی سے موصوف کی تحریروں ہی سے اس کا ترجمہ یا معنی کتاب اللہ یعنی قرآن مجید ہی ثابت کرتے آئے ہیں۔ دُور کیوں جایئے ابھی پچھلی ہی آیت ۵۹ کا ترجمہ ملاحظہ کر لیجئے۔ اس میں موصوف نے خود مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کا ترجمہ کتاب جو ہماری طرف نازل ہوئی" کیا ہے اور اپنی تفسیر کے آخر میں "عمل" میں اس کتاب کو صاف طور پر قرآن مجید ہی لکھا ہے۔ تو پھر یہاں لفظ احکام کو قوسین میں دینے سے سوائے ان کی بدنیتی کے اور کیا ثابت ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ اس میں غیر اللہ کے بتائے ہوئے احکام جو (نام نہاد) احادیث میں ہیں شامل کرنا چاہتے ہیں اور پھر کہیں گے کہ دیکھئے شریعت صرف قرآن مجید میں مکمل نہیں تھی بلکہ وہ قرآن و حدیث میں مکمل ہوئی (معاذ اللہ) بہر حال وہ کچھ بھی معنی لیں یہاں آیت کے معنی بالکل صاف الفاظ میں یہ ہیں کہ اے رسول جو آپ پر نازل کیا گیا ہے یعنی قرآن مبین وہ لوگوں تک پہنچا دیجئے۔ یہاں کہیں بھی (نام نہاد) احادیث پہنچانے کا ذکر نہیں۔

**56**۔ ... آگے دیکھئے اسی سورہ المائدہ کی اگلی آیت ۶۸ میں اللہ تعالیٰ پھر اپنی ہی کتابوں پر ایمان لانے کی بات دہراتا ہے:

"قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِيْلَ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ لَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۞ (المائدہ:۶۸)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے، اے اہل کتاب تم اس وقت تک سیدھے راستہ پر قائم نہیں ہو سکتے جب تک تم توریت کو، انجیل کو اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے (اب) تم پر نازل کیا گیا ہے اس کو قائم نہ کرو اور (اے رسول) جو کتاب آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے اس سے ان میں سے بہت سے لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اور اضافہ ہو گا تو (اے رسول) آپ ان کافر لوگوں پر کسی قسم کا افسوس نہ کریں (۶۸)(ص ۷۴۴،۷۴۶، جزء ۳)"

---

[1] قارئین غور کیجئے کہ اس آیت میں مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ کا ترجمہ موصوف نے کیا کیا ہے جب کہ اس کی پچھلی ہی آیت میں کچھ اور کیا ہے۔ یہ دو رخی کیوں ہے؟

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنے صاف صاف الفاظ میں صرف اللہ کی کتابیں توریت انجیل اور قرآن کو قائم کرنے کی بات ہو رہی ہے جس سے سیدھا راستہ مل سکتا ہے۔ کسی بھی (نام نہاد) حدیث کی کتاب کی بات نہیں ہو رہی۔ اسی طرح آگے جو اہل کتاب کی سرکشی اور کفر کے بڑھنے کی بات ہو رہی ہے وہ بھی اسی کتاب کی ہو رہی ہے جو آپ سلامٌ علیہ پر نازل کی گئی ہے یعنی قرآن مجید، (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بخاری و مسلم نہیں۔ مزید غور کیجئے کہ ترجمہ میں موصوف نے خود ترجمہ کیا ہے "اے رسول جو کتاب آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کی گئی ہے" تو یہ تو ایک کتاب کی بات صیغۂ واحد میں ہو رہی ہے۔ اس کے ساتھ احادیث کی کتابیں نازل کرنے کا نہیں کہا جا رہا۔

**57۔**... آگے اسی سورہ المائدہ کی آیت ۸۱ میں پھر اسی کتاب "وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ" پر ایمان لانے کی بات کر کے اگلی آیت ۸۳ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝۸۳ (المائدہ:۸۳)

ترجمہ: اور یہ لوگ جب اس کتاب کو سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوئی ہے[1] تو (اے رسول) آپ دیکھیں گے کہ اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں (پھر وہ اس طرح) کہتے ہیں اے ہمارے رب ہم ایمان لے آئے ہمارا نام بھی (حق کی) گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے (۸۳) (ص۷۶۹، ۷۷۱، جزء۳)"

غور کیجئے کہ بات پھر اسی کتاب اللہ کی ہو رہی ہے جو رسول سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی ہے کہ جب لوگ اس کتاب کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں تو سنی جانے والی کتاب تو صرف قرآن مجید ہی ہے جس کی تلاوت کی جاتی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں (خود موصوف اور دیگر اہل فقہ وغیرہ ان کو متلو و غیر متلو کہہ کر پہچان کرواتے ہیں)۔ اس طرح حق تو صرف قرآن مجید ہی ہے جس کو سُن کر یہ لوگ رونے لگتے ہیں۔ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔ اس لئے بات صرف قرآن مجید پر ایمان لانے کی ہوئی (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ آگے دیکھئے کہ موصوف خود اسی آیت کی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"آیت زیر تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاریٰ کی ایک جماعت نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ جب قرآن مجید سنتے تھے خوب روتے تھے" (ص۷۷۲، جزء۳)

دیکھا آپ نے کہ موصوف نے "مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ" قرآن مجید کو مان لیا۔ یہاں کہیں (نام نہاد) احادیث کا ذکر نہیں کہ وہ جب یہ سنتے تھے کہ بخاری نے فرمایا یا مسلم نے فرمایا تو رونے لگتے تھے۔ کیا یہ آیت کریمہ لوگوں کی بند آنکھیں اور غلاف چڑھے قلوب کھولنے کے لئے کافی نہیں؟

---

[1] قارئین یہاں پھر غور کیجئے کہ موصوف نے مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ کا ترجمہ کیا کیا ہے۔ جب کہ پیچھے آیت ۶۷ میں مختلف کیا تھا اور اسی آیت کی تفسیر میں انہوں نے اس کو قرآن مجید مان لیا۔

**58۔**... آگے اسی سورۃ کی آیت ۱۰۴ میں اللہ تعالیٰ پھر مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ ہی کی طرف آنے کی دعوت دیتے ہوئے لوگوں کا جواب بھی بتاتے ہیں۔

''وَ اِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَّ لَا یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ (المائدہ:۱۰۴)

ترجمہ: اور جب ان لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی نازل کردہ کتاب کی طرف رجوع کرو اور (اللہ کے) رسول کی طرف رجوع کرو تو کہتے ہیں کہ ہم نے جس راستہ پر اپنے باپ دادا کو پایا وہی ہمارے لئے کافی ہے (اے رسول ان سے پوچھئے) اگرچہ ان کے باپ دادا نہ علم رکھتے ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں (تب بھی انہی کی پیروی کریں گے) (۱۰۴) (ص ۸۳۹۔۸۴۰، جزء ۳)''

تقریباً اسی مضمون کی ایک اور آیت (البقرہ ۱۷۰) پیچھے گزر چکی ہے۔ اس آیت کا بھی مقصد صرف اللہ ہی کی کتاب جو کہ نازل کی گئی کی طرف بلانا ہے (نام نہاد) احادیث کی طرف نہیں۔ اور موصوف نے بھی یہاں اس آیت میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ کا ترجمہ ''اللہ کی نازل کردہ کتاب'' کیا ہے اس لئے اب بات بالکل واضح ہو گئی کہ اللہ ہی کی کتاب یعنی قرآن مبین کی طرف رجوع کرنا ہے اور اسی کی اتباع کرنا ہے (نام نہاد) احادیث کی طرف نہ رجوع کرنا ہے اور نہ اتباع کرنا ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بھی ذکر قرآن مبین میں کرتا، وہ بھولتا نہیں نہ ہی چھپاتا ہے اور نہ ہی دورُخی پالیسی رکھتا ہے۔

**59۔**... آگے سورۃ الانعام آیت ۱۹ میں اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا کہ اس نے صرف قرآن نازل کیا ہے۔ دیکھئے:

''قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ ۫ وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ اِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ۘ (الانعام:۱۹)

ترجمہ: (اے رسول آپ ان سے پوچھئے کہ گواہی کے لحاظ سے سب سے بڑی ہستی کون سی ہے (پھر خود ہی) بتا دیجئے کہ اللہ (کی) وہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے (کہ میں ان کا رسول ہوں) اور یہ کہ میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو وہ پہنچے ڈراؤں، ((اے رسول آپ ان سے پوچھئے) کیا تم شہادت دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی الٰہ ہیں (اگر وہ شہادت دیں تو آپ ان سے) کہہ دیجئے کہ میں شہادت نہیں دیتا (بلکہ آپ ان سے صاف صاف) کہہ دیجئے کہ صرف اللہ ہی ایک الٰہ ہے اور میں تمہارے شرک سے جو تم کر رہے ہو (بالکل) بیزار ہوں۔ (۱۹) (ص ۲۴، ۲۶، جزء ۴)''

ذرا غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنے واضح طور پر یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ پر یہ قرآن نازل کیا، وحی کیا تاکہ اس کے ذریعہ سے وہ لوگوں کو جس جس تک یہ قرآن پہنچے ڈرائیں یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ لفظ ''هٰذَا'' استعمال ہوا ہے جس نے یہ حقیقت مخصوص کر دی کہ یہ کتاب جو بین الدفتین ہے جس کو آپ ہاتھ میں لیتے ہیں چومتے ہیں، سینے سے لگا کر اوپر طاق میں سجا دیتے ہیں، اور کہتے اس کو قرآن پاک ہیں، اسی کو وحی کیا، نازل کیا

۔موصوف کی(نام نہاد)احادیث کو نہیں جنہیں وہ کتاب اللہ کہتے ہیں۔ غور کیجئے یہاں آیت میں نام ''اَلْقُرْاٰنُ'' بھی لے کر اس کو مخصوص کر دیا کہ یہ قرآن مبین ہی ہے۔ مزید یہ کہ لفظ اُوْحِیَ نے وضاحت کر دی کہ صرف القرآن ہی وحی کیا گیا(نام نہاد)احادیث نہیں ورنہ ان کا بھی ذکر ہوتا یونکہ اللہ تعالیٰ کوئی بات چھپاتا نہیں۔ ذرا سوچئے کہ وہ تو اپنے رسولوں سے یہ کہتا ہے کہ ''لَا تَكْتُمُوْنَهٗ'' (۳/۱۸۷) کوئی بات چھپانا نہیں۔ تو کیا وہ خود یہ بات چھپائے گا کہ القرآن کے ساتھ (نام نہاد)احادیث بھی وحی کی گئیں!ناممکن ہے۔ اس آیت کریمہ نے تو موصوف کے عقیدہ کو یکلخت باطل کر کے رکھ دیا۔ اس آیت کی مزید خصوصیت یہ ہے کہ اسی القرآن کے ذریعہ سے لوگوں کو ڈرانے کا کام لینا ہے کہ تم اپنے اپنے عمل کے جوابدہ ہو۔ اور آگے کے الفاظ کہ جس جس تک یہ پہنچے سے مطلب صاف ہے کہ اسی القرآن کو لوگوں تک پہنچانا ہے (نام نہاد)احادیث کو نہیں۔ خود موصوف آیت کے اس حصہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''تفسیر:(وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ )اور یہ قرآن میری طرف اس لئے وحی کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ میں تم کو بھی ڈراؤں اور جن جن کو یہ قرآن پہنچے ان کو بھی ڈراؤں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو الٰہ مانے گا اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔(ص ۱۳۰-۱۳۱، جزء ۴)''

غور کیجئے کہ موصوف کی اپنی تفسیر میں بھی کہیں (نام نہاد) احادیث کا ذکر تک نہیں کہ القراٰن کے ساتھ (نام نہاد)احادیث بھی وحی کی گئیں۔ کیا اس آیت کے علاوہ بھی کوئی موقع ایسا ہو سکتا ہے کہ (نام نہاد)احادیث کے وحی کئے جانے کی گواہی لائی جائے؟ ظاہر ہے کہ جب (نام نہاد) احادیث وحی کی ہی نہیں گئیں تو گواہی کہاں سے آئے گی۔ دوسری گواہی ہم دیتے ہیں کہ یہاں بھی موصوف رسول کریم سلامٌ علیہ کی بتائی ہوئی کوئی تشریح یا تفسیر پیش نہیں کر سکے! جب رسول کریم سلامٌ علیہ نے کوئی تفسیر لکھی ہی نہیں، لکھائی ہی نہیں، املا ہی نہیں کرائی (جس طرح سے وہ روزانہ قرآن کریم املا کراتے تھے ۲۵/۵)تو پھر رسولی تفسیر کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ یہ صرف عوام الناس کو دھوکہ دیا جاتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ (۱۵/۱) کی تشریح یعنی تفسیر فرمائی۔ پہلی بات تو یہ کہ مُّبِیْنٍ کے معنی ہی ''واضح ہونا، واضح کرنا'' ہیں(جیسا کہ خود موصوف نے لکھے ہیں ص ۱۳۷، جزء ۵)تو جو چیز خود واضح ہو یا واضح کر رہی ہو اُسے مزید وضاحت کی کیا ضرورت؟ خود موصوف مانتے ہیں کہ ''قرآن مجید کو مبین اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ اس کی تمام آیتیں بہت واضح ہیں'' (ص ۱۳۷، جزء ۵) غور کیجئے کہ جب قرآن کریم کی تمام آیتیں بہت واضح ہیں تو پھر مزید وضاحت یا تشریح یا تفسیر کی کیا ضرورت؟ دوسری بات یہ کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کی کوئی تشریح یا تفسیر فرمائی تھی تو لاؤ وہ کہاں ہے؟ آج تک جو بھی تفسیر لکھی گئی ہے وہ کسی عالم، کسی فقیہہ، کسی محدث یا مفسر نے لکھی ہے اور عام طور پر اسی کے نام سے موسوم ہے کوئی بھی تفسیر اُٹھا کر دیکھ لیجئے وہ اس کے لکھنے والے کا قیاس یا زیادہ سے زیادہ اجتہاد ہے موصوف کی اپنی تفسیر محض ان کا قیاس یا اجتہاد ہے جس کی ایک دو مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں قارئین ایک بار پھر ذرا آیت کے اس حصہ کے ترجمہ پر غور کر لیجئے کہ:

''وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ''۔ میرے خیال سے اس کا صحیح ترجمہ ہوگا:

اور یہ کہ مجھ پر صرف یہ القرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو اور جس جس تک یہ پہنچے (ڈراؤں)احساس دلاؤں۔

دراصل جب یہاں لفظ "صرف" قرآن کے ساتھ پڑھا جائے، جو کہ محذوف ہے، تو پھر بات بالکل صاف ہو جاتی ہے اور لفظ 'صرف' محذوف ہونے کا واضح قرینہ یہ ہے کہ آگے کہا جا رہا ہے کہ جس جس تک یہ قرآن پہنچے اسے ڈراؤں۔ تو بات صرف قرآن کو پہنچانے کی ہو رہی ہے اس لئے لفظ 'صرف' قرآن سے پہلے محذوف ہے۔ نیز یہ کہ پورے قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ قرآن کے ساتھ کچھ اور بھی وحی کیا گیا جو قرآن ہی کا حصہ ہے۔ موصوف کو یا ان کے متبعین کو اگر میرے استدلال پر اعتراض ہے تو وہ یہ بتائیں کہ موصوف ترجمہ کرتے ہوئے جو عبارتیں اپنی طرف سے قوسین میں لکھتے ہیں وہ کہاں سے آتی ہیں؟ کیا وہ قرینہ کی بنیاد پر نہیں ہوتی ہیں؟ چلئے میں موصوف کے ترجمہ ہی سے اس کی مثال پیش کر دیتا ہوں۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ (الانعام:۱۲۱)

اور (اے ایمان دارو!) جس چیز پر صرف[1] اللہ کا نام نہ لیا جائے اس میں سے کچھ بھی نہ کھایا کرو۔ اس کا کھانا شریعت کی حد سے باہر نکلنا ہے۔ (فسق)

غور کیجئے کہ آیت کے شروع ہی میں قوسین میں یہ الفاظ کہ (اے ایمان دارو!) کہاں سے آئے؟ پھر اللہ سے پہلے "صرف" کہاں سے آیا؟ یہ "صرف" کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ ظاہر ہے یہ دونوں ہی قرینہ سے محذوف الفاظ ہیں اس لئے ترجمہ میں لگائے گئے ہیں۔ اسی طرح آیت زیرِ بحث میں هٰذَا الْقُرْاٰنُ سے پہلے لفظ "صرف" محذوف ہے[2]۔

آیئے اب ہم خلاصہ کر لیتے ہیں کہ آیت کے زیرِ بحث حصہ نے کیا کیا حقیقتیں آشکارا کیں:

(۱)۔...رسول سلامٌ علیہ پر صرف یہ القرآن وحی کیا گیا (نام نہاد) احادیث نہیں۔

(۲)۔...اسی القرآن سے لوگوں کو اللہ کے دین کے بارے میں ڈرانا ہے (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔

(۳)۔...اسی القرآن کو لوگوں تک پہنچانا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

**60۔**... آگے اسی سورہ الانعام آیت ۲۱ میں پھر بات آیاتِ الٰہی کی ہو رہی ہے:

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۚ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾
(الانعام:۲۱)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، بے شک ایسے لوگ (کبھی) فلاح نہیں پا سکتے۔ (۲۱) (ص ۳۴۳۔ جزء ۴)"

اس آیت کریمہ نے کتنے واضح طور پر یہ بتایا:

---

[1] مُناظرہ (قرآن مجید کی روشنی میں)، مرتبہ: محمد صدیق میمن، شائع کردہ ادارہ مطبوعات اسلامیہ، ۲/۱۶۲۔ حسین آباد فیڈرل بی ایریا۔ کراچی۔ (خیال رہے یہ جماعت المسلمین ہی کا ادارہ تھا جو کتب و پمفلٹ طبع کرتا تھا)

[2] اگر آپ کو میرے استدلال سے اتفاق نہیں تو کوئی حرج نہیں آپ ترجمہ کو بغیر "صرف" کے پڑھئے، پھر بھی تو معنی وہی ہوں گے کہ القرآن وحی کیا گیا۔ اس کے معنی یہ تو نہیں ہو جائیں گے کہ قرآن کے ساتھ (نام نہاد) احادیث بھی وحی کی گئیں۔ اس کے لئے تو کوئی آیت ہے ہی نہیں۔ بلکہ قرآن کریم تو قرآن ہی کو احسن الحدیث اور وہ بھی نازل شدہ بتا رہا ہے (۳۹/۲۳)

(۱)۔...جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے (کہ یہ نام نہاد احادیث اللہ نے وحی کی ہیں) اس سے بڑا ظالم کون ہو گا یعنی اس سے بڑا مشرک کون ہو گا۔ یعنی جو غیر اللہ کے کلام کو اللہ کے کلام سے شریک کرے، جو اللہ کی کتاب کے ساتھ غیر اللہ کی کتاب شریک کرے اس سے بڑا مشرک کوئی اور نہیں ہو گا۔

(۲)۔...جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اس سے بڑا ظالم کون ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی آیت میں کہتا ہے کہ اس نے صرف قرآن نازل کیا یا وحی کیا مگر اہلحدیث واہل فقہ کہتے ہیں کہ نہیں اس نے (نام نہاد) احادیث بھی وحی کیں (وحی غیر متلو کی حیثیت سے) تو بتایئے کیا یہ اللہ کی آیت کو جھٹلانا نہیں جب کہ ان کے پاس ایسی کوئی آیت نہیں کہ اللہ نے (نام نہاد) احادیث بھی وحی کیں۔ تو ایسے لوگوں سے بڑا ظالم یعنی مشرک کون ہو سکتا ہے۔

(۳)۔...بیشک اس طرح کے ظالمین یعنی مشرکین کبھی فلاح نہیں پاسکتے۔ (اور جو فلاح نہ پاسکے تو وہ کیا ہوا، یہ فیصلہ آپ خود کر لیجئے)

موصوف خود اپنی تفسیر میں "عمل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

عمل: "اے لوگو! جس بات کو آپ نے خود بنالیا ہو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیجئے۔ جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار نہ کیجئے" (ص ۳٦، جزء ۴)

**61۔**... آگے اسی سورہ الانعام آیات ۲۵۔۲۷ میں پھر بات آیات الٰہی ہی کی ہو رہی ہے۔ دیکھئے:

''وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْــــَٔـوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَوْ تَرٰٓي اِذْ وُقِفُوْا عَلَي النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الانعام: ۲۵۔۲۷)

ترجمہ: ان میں سے بعض لوگ ایسے ہیں جو (بظاہر) آپ کی باتوں کو بڑے غور سے سنتے ہیں حالانکہ، ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ سمجھ نہ سکیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیا ہے (کہ سُن نہ سکیں) اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی ان پر ایمان نہیں لائیں گے (ان کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے ان کی فطرتِ سلیم ضائع ہو چکی ہے بلکہ) ان کافروں کی تو یہ حالت ہو گئی کہ جب آپ کے پاس بحث کرنے آتے ہیں تو (ان کے پاس اور کوئی جواب نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ) کہتے ہیں یہ تو اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں (۲۵) یہ لوگ دوسروں کو بھی قرآن مجید سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں (یہ کسی کا کیا بگاڑ رہے ہیں) اپنے آپ ہی کو ہلاک کر رہے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں (۲٦) (اے رسول) اگر آپ (انہیں اس وقت) دیکھیں جس وقت انہیں دوزخ کے کنارے کھڑا کیا جائے گا تو (آپ دیکھیں گے اس وقت) یہ لوگ اس طرح کہہ رہے ہوں گے اے کاش ہمیں پھر (دنیا میں) لوٹا دیا جائے تو (اب) ہم اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے بلکہ (ان پر) ایمان لے آئیں گے (۲۷) (ص ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۴٦۔ جزء ۴)"

غور کیجئے کہ مشرکین کس چیز کے بارے میں رسول اللہ سلامٌ علیہ سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ تو اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ہیں یعنی اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ بات قرآن کریم ہی کے بارے میں کہہ رہے ہیں جو کہ رسول سلامٌ علیہ ان کو پڑھ پڑھ کر سُناتے تھے اور ان کو ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے اور شرک سے روکتے تھے۔ آخر اسی بات کو موصوف نے اگلی آیت میں مان ہی لیا کہ "یہ لوگ دوسروں کو بھی قرآن مجید سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے دُور رہتے ہیں" (حالانکہ ان آیات میں تو لفظ قرآن مجید یا کتُب اللہ بھی استعمال نہیں ہوا مگر سیاق وسباق اور قرینہ سے معلوم ہوا کہ بات قرآن مجید کی ہو رہی ہے) یہ نہیں کہا جا رہا کہ وہ (نام نہاد) احادیث سے روکتے ہیں۔ اگر یہ کتاب اللہ تھیں تو پھر تو مشرکین کے سامنے انہیں بھی پیش کیا جانا چاہئے تھا اور وہ اس سے بھی خود رُکتے اور دوسروں کو بھی روکتے۔ مگر حقیقت تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں یہ (نام نہاد) احادیث کے مجموعے تھے کہاں؟ یہ تو کئی صدیوں بعد بنائے گئے اور ان کو چھپا چھپا کر رکھا گیا اور آہستہ آہستہ سازش کے تحت ایمانداروں کا ایمان بگاڑا گیا۔ (اور اگر میری بات کا یقین نہ ہو تو فرقوں کے بارے میں پڑھئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ بعض فرقوں کا کاروبار ہی اس چھُپا چھُپی کے کھیل پر چلتا ہے، کہ کسی کے ہاں کتُب اللہ چھپائی گئی، کسی کے ہاں اپنے ہاتھ کی لکھی کتاب چھپائی گئی، کسی کے یہاں امام کو چھپایا گیا اور کسی کے یہاں حق چھپایا گیا!)

آگے غور کیجئے کہ پھر انہی مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ یوم آخرت جب وہ دوزخ کے کنارے کھڑے کئے جائیں گے تو اس وقت تمنا کریں گے کہ کاش انہیں دنیا میں پھر لوٹا دیا جائے تو وہ اپنے رب کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے۔ بلکہ قرآن پر ایمان لے آئیں گے۔ تو ثابت کیا ہوا؟ ثابت یہ ہوا کہ (نام نہاد) احادیث کوئی چیز نہیں اس کا تو ذکر تک نہیں، معیار ایمان صرف اللہ کی آیات یعنی "القرآن" ہے۔ اور مشرکین اسی کو جھٹلاتے ہیں، آگے آیت ۳۳ بھی اسی بات کی تصدیق کرتی ہے:

"قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَ لٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ (الانعام:۳۳)

ترجمہ: (اے رسول) ہمیں معلوم ہے کہ جو بات یہ کہہ رہے ہیں اس سے آپ کو صدمہ ہوتا ہے (لیکن آپ کو صدمہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ) یہ ظالم آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ تو درحقیقت اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں (انہیں جھٹلاتے ہیں) (۳۳) (ص ۵۰-۵۲، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ رسول سلامٌ علیہ دعوت دے رہے ہیں تو انہیں جھٹلایا جا رہا ہے مگر اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ یہ آپ سلامٌ علیہ کو نہیں جھٹلا رہے "بلکہ یہ درحقیقت اللہ کی آیات کا انکار کر رہے ہیں" ایسا کیوں؟ ایسا اس لئے کہ رسول کریم سلامٌ علیہ تو اللہ تعالیٰ ہی کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے۔

يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا (۲/۱۵۱) وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا (۲۲/۷۲) يَتْلُوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ (۳۹/۷۱)

وہ (نام نہاد) احادیث نہیں سناتے تھے۔ اور مشرکین آیات الٰہی ہی کی تکذیب کرتے تھے اسی لئے ان کو ظالمین کہا گیا۔

یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جب رسول سلامٌ علیہ آیات الٰہی پڑھ کر سنائیں اور کوئی اس کا انکار کرے / تکذیب

کرے تو وہ ظالم ہو گیا یعنی مشرک ہو گیا۔ لیکن یہ حقیقت (نام نہاد) احادیث کا انکار کرنے یا تکذیب کرنے پر نہیں بتائی جا رہی اس لئے کہ (نام نہاد) احادیث نہ تو رسول سلامٌ علیہ پر نازل ہو رہی تھیں اور نہ ہی صحاح ستہ قسم کی کتابیں اس وقت موجود تھیں جن کا انکار کیا جاتا۔ پس اطاعت رسول سلامٌ علیہ یا اتباع رسول سلامٌ علیہ کا مسئلہ بھی حل ہو گیا کہ اصل اطاعت یا اتباع تو آیاتِ الٰہی (یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی، جو کہ بذریعہ رسول سلامٌ علیہ آپ تک پہنچا) کی کرنا ہے۔ ہاں دنیاوی و دفاعی معاملات وغیرہ میں رسول سلامٌ علیہ کی اطاعت کرنا تھی یونکہ وہ اس وقت حکمران و سپریم کمانڈر افواج، قاضی القضا بھی تھے۔ لیکن یہ اطاعت ان کی زندگی تک تھی۔ ان کی وفات کے بعد خلیفۃ الرسول اور اولی الامر کی اطاعت کرنا ہے۔ عجمی محدثین کی یا ان کی کتابوں کی نہیں۔

**62۔**... آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۳۸ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اس نے اس الکتاب میں کسی بھی چیز کا حال لکھنے میں کوتاہی نہیں کی:

''وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَـٰئِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَـٰبِ مِن شَيْءٍ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ (الانعام:۳۸)(ص۵۹، جزء۴)

ترجمہ: (اے انسانو!) زمین میں جتنے چوپائے ہیں اور دو بازوؤں سے اُڑنے والے جتنے پرند ہیں یہ سب تمہاری طرح جماعتیں ہیں (ان سب کا حال لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے) ہم نے اس کتاب میں کسی بھی چیز کا حال لکھنے میں کوتاہی نہیں کی، پھر (قیامت کے دن) یہ سب اپنے رب کے پاس جمع کئے جائیں گے (۳۸)''

اس آیت کریمہ میں بھی بات ''الکتاب'' ہی کی ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمین پر بسنے والے تمام جانداروں کے بارے میں اپنی الکتاب میں کسی بھی چیز کے لکھنے میں کوتاہی نہیں کی۔ مطلب کہ ہر ایک کے لئے اصول مقرر فرما دیئے جو اسی ''الکتاب'' میں مل سکتے ہیں (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ اب بھی جو یہ سمجھتا ہے کہ نہیں، (نام نہاد) احادیث بھی وحی (غیر متلو) ہیں اور قرآنی آیات کی تشریح کرتی ہیں، تفسیر کرتی ہیں تو ان کو تفسیری نمونہ دکھانے سے پہلے میں درخواست کروں گا کہ ذرا (نام نہاد) احادیث میں اس آیت کی تفسیر تلاش کریں اور اس میں جو تشریح اور وضاحت ملے تو اس سے جانوروں کے حالات یا کم از کم انہیں سدھانے کے طریقے ہی پر ایک کتاب مرتب کریں۔ آمدنی کا اچھا ذریعہ رہے گا۔ اب ذرا (نام نہاد) احادیث سے وہ تفسیری نمونہ ملاحظہ فرمائیں جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کی تفسیر فرمائی۔ موصوف اپنی اس آیت کی تفسیر میں صرف ایک (نام نہاد) حدیث لائے ہیں اور وہ یہ ہے:

تفسیر: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

''ترجمہ: قیامت کے دن تم سے حق داروں کے حقوق ادا کرائے جائیں گے حتیٰ کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، باب تحریم الظلم جزء ۲، ص ۴۳۰)

اس حدیث سے قیامت کے دن جانوروں کے جمع کئے جانے کا مقصد بخوبی معلوم ہوتا ہے۔ (ص ۶۰، جزء ۴)''

کہئے کیا آیت کی تفسیر آپ کی سمجھ میں آئی؟ یا کیا جانوروں کے جمع کئے جانے کا مقصد بخوبی معلوم ہوا؟ اگر آپ کو کچھ سمجھ میں آیا تو ہمیں بھی سمجھا دیجئے ورنہ یہ یقین کر لیجئے کہ یہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر افتراء ہے اور ان کی شان کا مذاق اُڑانے کی ترکیب ہے۔ غور کیجئے کیا جانوروں کا بھی یوم قیامت حساب کتاب ہوگا کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا؟ کتنا مضحکہ خیز تصور اور عقیدہ ہے! اور یہ بطور رسولی تفسیر پیش کیا جارہا ہے!

قارئین! یہاں یہ بھی نوٹ کرتے چلئے کہ موصوف نے اس آیت میں "دَآبَّۃٍ" کا ترجمہ "چوپائے" کیا ہے۔ جبکہ اس لفظ کے معنی "چلنے والا" اور "جاندار" بھی ہیں۔ خود موصوف نے سورہ الانفال میں اس لفظ کی جمع "الدَّوَآبِّ" کا ترجمہ "جانداروں" کیا ہے (۵۵/۸)، (تفسیر عزیز ص ۷۸۹، جلد۔۴)۔ نیز اس ترجمہ میں قوسین میں جو الفاظ بڑھائے ہیں کہ "(ان سب کا حال لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے)" تو یہ بالکل غیر ضروری اور بے قرینہ الفاظ ہیں بلکہ قاری کی توجہ بٹانے کی ترکیب ہے کہ وہ "لوح محفوظ" اور "الکتاب" میں انتشار کا شکار ہو جائے۔ اگر یہ الفاظ اس آیت کی تفسیر میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بتائے تھے تو موصوف کو یہ لکھنا چاہئے تھا مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ ان کے اپنے قیاسی الفاظ ہیں اور وہ یوں کہ ان کا اور دیگر اہلحدیثوں و اہل فقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ "لوح محفوظ" کوئی ایک بہت ہی بڑی اور بہت ہی ضخیم کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے اور تمام کائنات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے[1]۔۔۔۔ نعوذ باللہ کسی نے یہ کتاب اللہ تعالیٰ کو لکھ کر دی ہے! نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ بھی کسی لکھی ہوئی کتاب کے مطابق عمل کرنے پر مجبور ہے! کیسا عجیب مضحکہ خیز عقیدہ ہے! حالانکہ اللہ تعالیٰ انسانوں کو کتاب دیتا رہا ہے جس کے مطابق انہوں نے زندگی گزارنا ہے اور عمل کرنا ہے۔ پھر یہ لوح محفوظ کیا ہے؟ تو قرآن کریم میں تو یہ الفاظ صرف ایک جگہ استعمال ہوئے ہیں سورہ البروج آیات ۲۱۔۲۲۔ (۲۱۔۲۲/۸۵)

" بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِيۡدٌ ۝ فِىۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ۝ (البروج: ۲۱،۲۲)[2]

بلکہ وہ قرآن مجید ہے (۲۱) (جو کہ) بین الدفتین محفوظ ہے (۲۲)

(لوح کہتے ہی ہیں تختیوں کو تو جو دفتیاں جلد باندھنے میں استعمال ہوتی ہیں وہ بھی تو تختیوں ہی کی طرح سخت حفاظت کرنے والی ہوتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم کیلئے بین الدفتین کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے یونکہ وہ دفتیوں کے درمیان یعنی اپنی جلد میں محفوظ ہوتا ہے) اس آیت کریمہ (۶/۳۸) میں تو صاف صاف لفظ "الکتاب" استعمال ہوا ہے اور الکتاب تو یہی قرآن مجید ہے اس لئے تمام چیزوں کا حال اسی الکتاب میں ملتا ہے۔ اصولوں کی شکل میں۔ اب اگر آپ چاہیں کہ جزئیات و فروعات بھی ملیں تو اللہ تعالیٰ نے وہ آپ کے صوابدید پر چھوڑ دیئے ہیں کہ اپنے اپنے حالات و زمانہ

---

[1] یہ عقیدہ موصوف و دیگر علماء کی حدیثی ذہن پرستی کا غماز ہے!۔۔ [2] یہ میرا ترجمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس "لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ" کی تشریح القرآن الحکیم میں کہیں نہیں کی۔ (اور یہ الفاظ یا اصطلاح القرآن الحکیم میں صرف یہیں سورہ البروج میں استعمال ہوئے ہیں۔ وہ بھی صرف ایک مرتبہ) اور نہ ہی رسول سلامٌ علیہ نے اس کی تشریح کی ورنہ ہمارے موصوف ضرور وہ بیان کر دیتے۔ اس لئے اب ہم اس کا ترجمہ عقل و بصیرت کی روشنی میں کر سکتے ہیں یونکہ آج سے نہیں بہت پہلے سے کتاب کو محفوظ کرنے کا طریقہ یہی تھا کہ بین الدفتین (دو دفتیوں کے درمیان رکھ کر سی لیا جاتا ہے اس طرح کتاب محفوظ رہتی ہے۔ اور اہلحدیثوں و موصوف کی خدمت میں عرض ہے کہ انہی کی (نام نہاد) حدیثوں میں بھی قرآن مجید کا بین الدفتین ہونا ہی ثابت ہے۔ دیکھئے بخاری جلد ۳ باب ۸ ص ۵۲ مَن قَالَ لَمۡ یَترُكِ النبی الا ما بَین الدفتین۔ حدیث ۱۱۔ ابن عباسؓ اور محمد بن حنفیہ کا قول کہ "رسول سلامٌ علیہ نے بین الدفتین جو کلام الٰہی ہے صرف وہی چھوڑا ہے"۔

کے مطابق باہمی مشورہ سے طے کرتے جایئے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو دین آسان نہ رہتا بہت مشکل ہو جاتا۔

**63۔**... آگے اسی سورہ الانعام کی اگلی ہی آیت ۳۹ میں پھر آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے:

''وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّ بُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَ مَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ (الانعام:۳۹)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ بہرے اور گونگے (لوگوں کی مانند) تاریکیوں میں (پڑے ہوئے) ہیں (ضلالت اور ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے) اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر لے آتا ہے (۳۹) (ص ۶۲، جزء ۴)''

غور کیجئے کہ پچھلی آیت کے فوراً بعد تسلسل ہی سے اس آیت میں اللہ کی آیات کو جھٹلانے کا انجام بتایا جا رہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کے جھٹلانے کا انجام نہیں۔ اس لئے اللہ کی آیات کو جھٹلانے سے بچیئے (نام نہاد) احادیث کو چھوڑ دیجئے۔

یہاں یہ بھی نوٹ کرتے چلئے کہ موصوف نے اس آیت کے دوسرے اور تیسرے ٹکڑے کا ترجمہ صحیح نہیں کیا، وہ کہتے ہیں کہ ''اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے، اور جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر لے آتا ہے'' گویا کہ وہ نعوذ باللہ من موجی ڈکٹیٹر ہے کہ جس کے ساتھ جو سلوک چاہا کر لیا! (اکثر علما مترجمین نے اس آیت اور ان الفاظ کی تمام آیات کا یہی ترجمہ کیا ہے) حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ''العدل'' سے یہ بہت بعید ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر وہ خود ہی جس کو چاہے صراط مستقیم پر لے آئے اور جس کو چاہے گمراہ کر دے تو گمراہ ہونے والے کا کیا قصور؟ پھر اس سے سوال و جواب کس بات کا؟ اس کو یوم آخرت سزا کس بات کی؟ پھر انسانوں کی ہدایت کے لئے الکتاب اتارنے کا کیا فائدہ اور کیا مقصد؟ رسولوں کو مبعوث کرنے کا کیا فائدہ؟ رسولوں اور الکتاب کے ذریعہ انسانوں کو ڈرانے کا کیا جواز؟

کہئے ان سوالوں اور ان جیسے دیگر سوالوں کے جواب میں، اس آیت کی تفسیر میں، رسولی تفسیر کیا ہے؟ تو موصوف اس آیت کی تفسیر میں کوئی رسولی تفسیر نہ بتا سکے! تو پھر یہ دعویٰ کیوں ہے کہ قرآن کی تفسیر رسول سلامٌ علیہ نے کی؟ یہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر افتراء ہے۔ قرآن کی آیات کی تفسیر خود ان کو نازل کرنے والے نے کی رسول سلامٌ علیہ نے نہیں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا ﴿۳۳﴾ (الفرقان:۳۳)

اور جو بات بھی (یہ لوگ اعتراضاً آپ کے پاس لائیں گے ہم سچائی کے ساتھ (ان کا دندان شکن جواب) اور بہترین شرح (اور توجیہہ) آپ کو بتا دیں گے۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

غور کیجئے کہ موصوف اس آیت کریمہ کے ترجمے میں تھوڑی سی تاویل کر گئے ہیں۔ خیر اس کو ہم اس موقعہ پر زیر بحث نہیں لاتے البتہ ذرا آیت کریمہ کے الفاظ ''وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا'' پر غور کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ خود احسن تفسیر یعنی سب سے بہترین تشریح یا تفسیر بتا رہا ہے۔ مگر موصوف اور دیگر علما کا بھی عقیدہ یہ ہے کہ قرآن مبین کی تشریح رسول سلامٌ علیہ نے کی۔ گو کہ وہ تشریح یا تفسیر ملاؤں کے پاس نہیں۔ وہ اپنی اپنی تفسیریں کرتے رہتے ہیں۔

اب یہ آپ کا اپنا ذمہ ہے کہ آپ اللہ کی بتائی ہوئی تفسیر الکتٰب سے ڈھونڈ نکالیں اسے سمجھیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾ (البلد:۱۰)

اور کیا ہم نے اس کو (اچھے اور برے) دونوں راستے نہیں بتائے۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ﴿۸﴾ (الشمس:۸)

پھر اسے بد عملی اور پرہیز گاری دونوں چیزیں سمجھا دیں۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

آگے بالکل واضح طور پر بتادیا کہ:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ (الدھر:۳)

ترجمہ: پھر ہم نے اسے سیدھا راستہ بتا دیا (پھر اسے اختیار دیا کہ وہ) چاہے تو شکر گزار بن جائے یا ناشکرا بن جائے۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو اپنی الکتاب میں انسانوں کو دونوں راہیں دکھادی ہیں پھر اسے اختیار دیا ہے کہ جو راہ چاہے اپنا لے۔ اب وہ جس راہ پر عمل کرے گا اس کو اسی کا حساب دینا ہو گا اور پھر اس کے ساتھ عدل ہو گا اور ویسی ہی جزا یا سزا ہو گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَ يَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰى ﴿۳۱﴾ (النجم:۳۱)

ترجمہ: تاکہ وہ ان لوگوں کو جنھوں نے بُرے عمل کئے ان کے برے عمل کی سزا دے اور جنھوں نے نیکیاں کیں ان کو ان کے نیک عمل کا اچھا بدلہ دے (تفسیر قرآن عزیز ج۹، ص۳۱۴)''

گویا کہ یہ من موجی جمہوریت، بادشاہت یا ڈکٹیٹر شپ نہیں ہو گی بلکہ یہ عدل پر مبنی اصولوں کے تحت ہو گا۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو نہ تو ہدایت دیتا ہے اور نہ ہی گمراہ کرتا ہے بلکہ انسان کو اختیار دیا ہے کہ جو چاہے وہ ہدایت کا راستہ، صراط مستقیم اپنا لے اور جو چاہے گمراہی کا راستہ اپنا کر ضلالت میں پڑا رہے۔ پھر اسی کے مطابق جزا و سزا ملے گی اور ذرّہ برابر بھی عدل میں کمی نہ کی جائے گی۔

**64۔**... آگے اسی سورہ الانعام آیت ۴۶ میں اللہ تعالیٰ تصریف آیات کا ذکر کرتا ہے:

''قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ (الانعام۔۴۶)

ترجمہ: (اے رسول! ان سے) پوچھئے بتاؤ اگر اللہ تمہاری سماعت اور تمہاری بصارت چھین لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو اللہ کے علاوہ وہ کون سا الٰہ ہے جو یہ چیزیں تمہیں (پھر) عطا کر دے، (اے رسول) دیکھئے، ہم کن کن مختلف طریقوں سے اپنی آیات کو بیان کر رہے ہیں لیکن یہ لوگ پھر بھی منہ موڑے چلے جا رہے ہیں۔ (۴۶)'' (تفسیر عزیز جزء۴، ص۳۷، ۲۷، جزء۴)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وضاحت سے بتا دیا کہ "ہم کن کن مختلف طریقوں سے اپنی آیات کو بیان کر رہے ہیں" وہ یہ آیات کہاں بیان کر رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ اپنی آیات اپنی الکتاب یعنی قرآن مجید ہی میں بیان کر رہا ہے؟ تاکہ لوگوں کو مزید تشریح و تفسیر کی ضرورت نہ رہے اور وہ آیات کو سمجھ لیں۔ مگر ہٹ دھرم لوگ پھر بھی نہیں سمجھتے اور آیات سے منہ موڑ کر منکرِ قرآن بنتے ہیں اور (نام نہاد) احادیث مانگتے ہیں۔

**65۔**... آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۴۹ میں پھر، آیات الٰہی کے جھٹلانے پر سزا کی خبر دی جا رہی ہے:

''وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ (الانعام:۴۹)

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے تو ان کے فسق (وفجور) کی وجہ سے ان کو عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ (۴۹) (تفسیر قرآن عزیز ص ۳۷۔ ۴۷، جزء ۴)''

غور کیجئے یہاں کتنے صاف صاف الفاظ میں صرف آیات الٰہی کی تکذیب کرنے والوں کو سزا یعنی عذاب کی خبر دی جا رہی ہے، (نام نہاد) احادیث کی تکذیب پر نہیں۔ خود موصوف اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تفسیر: "(وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝) اور جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان نہ لائیں بلکہ ان کی تکذیب کریں تو وہ عذاب میں مبتلا ہوں گے محض اس لئے کہ انہوں نے تکذیب کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی"۔ (ص ۶۷، جزء ۴)

قارئین! دیکھا آپ نے کہ خود موصوف اللہ تعالیٰ کی آیتوں یعنی کتاب اللہ یعنی قرآن مجید کی آیتوں پر ایمان لانے کو کہہ رہے ہیں (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ مگر پھر بھی اپنا عقیدہ اس کے خلاف بنایا ہوا ہے! کیا یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں؟ کیا یہ خود شریعت سازی کے زمرہ میں نہیں آتا کہ قرآنی آیات کے بالکل خلاف عقیدہ بنالیا جائے؟

**66۔**... آگے اسی سورہ الانعام کی آیات ۵۰، ۵۱ میں پھر بات قرآن کریم ہی کی ہو رہی ہے:

''قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ (الانعام:۵۱،۵۰)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں غیب (کی باتیں) جانتا ہوں اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو بس ان (احکام کی) پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کئے جا رہے ہیں (اور اے رسول) آپ ان سے پوچھئے (بتاؤ) نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں ہو سکتے تو پھر میں اور تم بھی برابر نہیں ہو سکتے، مجھے جو سیدھا راستہ نظر آ رہا ہے، میں کس طرح اسے چھوڑ کر تمہاری مثل نابینا بن جاؤں جنہیں راستہ ہی نظر نہیں آ رہا)، آخر (تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ) تم غور نہیں کرتے (۵۰) اور (اے رسول) آپ اس (قرآن) کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیے جو (قیامت کے دن) اپنے رب کے سامنے جمع کئے جانے سے ڈرتے ہیں (اور جو جانتے

ہیں کہ اس دن) اللہ کے علاوہ نہ کوئی (ان کا) دوست ہو سکتا ہے اور نہ سفارش کرنے والا، تاکہ وہ (آپ کے ڈرانے سے) ڈر جائیں (اور متقی بن جائیں) (۵۱) (ص ۷۷۔۷۸، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ پہلی آیت میں کتنی وضاحت سے رسول اللہ سلامٌ علیہ یہ فرمارہے ہیں اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ کہ "میں تو بس ان (احکام کی) پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کئے جارہے ہیں" کیا قارئین آپ نہیں جانتے کہ رسول سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر کیا وحی کیا جارہا تھا؟ یقیناً آپ اور سب ہی جانتے ہیں کہ ان پر قرآن مبین وحی کیا جارہا تھا تو پھر یقینی طور پر وہ اسی قرآن مبین کی پیروی کرتے تھے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ یہاں ذرا یہ بھی غور فرمالیجئے کہ یہ الفاظ کیا ہیں اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ۔ کیا یہ رسول سلامٌ علیہ کے الفاظ نہیں؟ کیا اس کو حدیث نہیں کہتے؟ تو پھر یہ حدیثِ رسول سلامٌ علیہ تو آپ کو اسی قرآن مبین میں مل رہی ہے۔ اب کسی اور (نام نہاد) احادیث کی کتاب کی کیا ضرورت باقی رہ گئی؟

غور کیجئے کہ اگلی آیت میں پھر کتنی وضاحت سے یہ حکم دیا جارہا ہے کہ "آپ اس (قرآن) کے ذریعہ ان لوگوں کو ڈرائیے"۔ یہاں موصوف نے خود قوسین میں لفظ قرآن لکھا ہے۔ تو جب قرآن ہی وحی ہوا، قرآن ہی کی پیروی کرنا ہے، قرآن ہی سے ڈرانا ہے تو پھر (نام نہاد) احادیث کا کیا کام؟ مگر اس کے باوجود موصوف اپنی تفسیر کے 'عمل' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

عمل "اے لوگو! صرف وحی الٰہی کی پیروی کیجئے، یعنی صرف قرآن مجید اور احادیثِ صحیحہ پر عمل کیجئے"
(ص ۸۰، جزء ۴)

قارئین! دیکھا آپ نے کہ یہاں موصوف قرآن کریم کے ساتھ احادیث شریک کر گئے۔ کیا یہ سازش نہیں؟ کیا یہ قرآن دشمنی نہیں؟ کیا یہ قرآن یعنی نازل کردہ آیتِ الٰہی کے خلاف نہیں؟ اور جو آیات کی تکذیب کرے وہ کیا ہے؟

**67۔۔۔** آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۵۴، ۵۵ میں بھی اللہ کی آیات پر ایمان لانے کی بات ہو رہی ہے جنہیں واضح طور پر قرآن میں علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے:

''وَ اِذَا جَآءَکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ کَتَبَ رَبُّکُمۡ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ ۙ اَنَّہٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡکُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ وَ اَصۡلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۴﴾ وَ کَذٰلِکَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ وَ لِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۵﴾ (الانعام: ۵۵، ۵۴)

ترجمہ: اور (اے رسول) جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ (ان سے اس طرح) کہا کریں "تم پر سلامتی ہو" تمہارے رب نے اپنے نفس پر رحمت کو لازم کر لیا ہے (وہ یہ) کہ تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی بُرا کام کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور (اپنی) اصلاح کر لے تو اللہ (اسے معاف کر دے گا کیونکہ وہ) بڑا معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے (۵۴) اور (اے رسول) اس طرح ہم اپنی آیتوں کو (واضح طور پر) علیحدہ علیحدہ بیان کر رہے ہیں (تاکہ نیک لوگوں کا راستہ ظاہر ہو جائے تو آپ اس پر عمل کر سکیں) اور مجرمین کا راستہ ظاہر ہو جائے (تو آپ اس سے بچ سکیں) (۵۵)

(ص ۸۳، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ پہلی آیت ۵۴ میں کیا اہم حقیقتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ "جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں" (نام نہاد) احادیث پر ایمان نہیں لاتے۔ جب کہ موصوف (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لانے کو کہتے ہیں اور ایسا نہ کرنے والے کو، یعنی صرف اللہ کی آیتوں پر ایمان لانے والوں کو، اپنے پاس سے نکال دیتے ہیں۔ جب کہ اسی آیت سے ایک آیت پہلے اللہ تعالیٰ اسی بارے میں حکم دے چکا ہے کہ:

''وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (انعام:۵۲)

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ (اپنی مجلس سے) ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے طلب گار رہتے ہیں، ان (کافروں) کے حساب کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں اور نہ آپ کے حساب کی ان پر کوئی ذمہ داری ہے، اگر آپ نے ان (مومنین) کو نکال دیا تو آپ ظالموں میں سے ہو جائیں گے (۵۲) (ص ۸۱، ۸۳، جزء ۴)" (یہاں موصوف نے "کافروں" کا لفظ اپنی طرف سے بڑھا کر اپنی حدیثی ذہن پرستی کا ثبوت دیا ہے ورنہ یہاں کافروں کا کوئی ذکر نہیں! صدیق)

اب فیصلہ قارئین آپ کے ہاتھ میں ہے کہ موصوف "الظّٰلِمِيْنَ" میں سے ہیں یا نہیں!

(۲)۔ جب وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں "آپ کے پاس آئیں تو آپ (ان سے اس طرح) کہا کریں "تم پر سلامتی ہو" یعنی انہیں "سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ" کہا کریں۔ پتہ نہیں کس مقصد کے تحت موصوف نے "سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ" کا ترجمہ کر دیا کہ "تم پر سلامتی ہو" حالانکہ وہ یہ ترجمہ خود نہیں کہتے بلکہ "السَّلٰمُ عَلَيْكُمْ" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو حکم دے رہا ہے "فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ" کہ تم سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ کہا کرو مگر موصوف کو تو چونکہ قرآنی احکام سے چڑ ہے اس لئے وہ ان الفاظ کو بدل کر "السَّلٰمُ عَلَيْكُمْ" کہتے ہیں! اور اس کا جواز (نام نہاد) احادیث سے لاتے ہیں۔ اب جب یہ مسئلہ آ ہی گیا ہے تو پھر ملاحظہ کیجئے کہ موصوف اپنی تفسیر میں سورہ النساء کی آیت ۸۶ کی تفسیر لکھتے ہوئے "سلام کے متعلق مفصل مسائل" کے زیر عنوان نمبر ۹ پر لکھتے ہیں:

تفسیر: "جب سلام کرے تو ان الفاظ سے سلام کرے: السّلام علیکم اس کے کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں یا اس طرح سلام کرے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ اس کے کہنے سے بیس نیکیاں ملتی ہیں یا اس طرح سلام کرے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ اس کے کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں"۔

حضرت عمران رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ایک شخص نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے پاس آیا اس نے کہا السلام علیکم، نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: دس۔ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ للہ، نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا: بیس۔ پھر ایک اور آدمی آیا اس نے کہا: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا تیس۔۔ (تفسیر عزیز، سورۃ النساء، آیت ۸۶، ص ۲۸۲۔ ۲۸۳، جزء ۳)"

اس (نام نہاد) حدیث پر غور کیجئے کہ کتنی مضحکہ خیز بات لکھی ہے کہ آنے والا تو سلام کرتا ہے مگر رسول اللہ سلامٌ علیہ جواب نہیں دیتے بلکہ کہتے ہیں: دس، بیس، تیس! یہ بالکل اسی طرح کی بات ہے، جو ہم پہلے لکھ چکے ہیں، کہ جب جبریل امین پہلی وحی لائے تو شروع میں دو مرتبہ اللہ کا نام لینا ہی بھول گئے اور صرف اقراء، اقراء، ہی کہتے رہے۔ (معاذ اللہ) کیا یہ رسول اللہ کے ساتھ استہزاء نہیں ہو رہا کہ ان پر افتراء کیا جا رہا ہے کہ وہ سلام کے جواب میں دس، بیس، تیس کہہ رہے ہیں اور جواب نہیں دے رہے جب کہ اللہ تعالیٰ تو حکم دے رہا ہے کہ "جب تمہیں کوئی سلام کرے تو سلام کا جواب اس سے بہتر دیا کرو (۸۶/۴) مگر رسول سلامٌ علیہ، موصوف کی طرح قرآنی حکم کے خلاف کر رہے ہیں! معاذ اللہ۔"

یہاں دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کہیں یہ حکم نہیں دے رہے کہ تم سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ کی بجائے السَّلٰمُ عَلَيْكُمْ کہا کرو (اوپر کی روایت میں آنے والے السلام علیکم کہہ رہے ہیں)، موصوف اس حکم کی کوئی بھی (نام نہاد) حدیث نہیں لا سکے۔ آخر رسول سلامٌ علیہ قرآنی حکم یا قرآنی الفاظ میں تبدیلی کیسے کر سکتے تھے۔ یونکہ وہ تو خود اسی کی اتباع کرتے تھے جو ان پر وحی کیا جاتا تھا (۵۰/۶، ۱۵/۱۰، ۲۰۳/۷) اب جب رسول سلامٌ علیہ نے اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تو قرآنی الفاظ بدلنے کا جواز کہاں سے آیا؟ تو چلئے حضرت آدم سلامٌ علیہ پر یہ افتراء کیا جائے۔۔ کون نوٹ کرے گا! دیکھئے اس کے لئے موصوف اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

> "تفسیر: اللہ نے آدم کو اس کی صورت پر پیدا کیا ان کا قد ساٹھ (۶۰) ہاتھ تھا۔ پھر جب ان کو پیدا کر چکا تو ان سے فرمایا: جاؤ اور ان فرشتوں کو جو بیٹھے ہوئے ہیں سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا دعا دیتے ہیں اس لئے کہ جو جواب وہ دیں گے وہی جواب تمہارے لئے تحفۂ سلام ہو گا الغرض انہوں نے فرشتوں سے کہا: السلام علیکم، فرشتوں نے جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ گویا انہوں نے (جواب میں) رحمۃ اللہ کا اضافہ کیا۔ (تفسیر عزیز، سورۃ النساء، آیت ۸۶، ص ۲۷۹-۲۸۰، جزء ۳)" (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ذرا اس روایت کی اہم باتیں نوٹ کیجئے کہ: حضرت آدم کا قد ساٹھ ہاتھ تھا! (پتہ نہیں وہ کس کے ہاتھ سے ناپے گئے تھے، اگر انہیں کا ہاتھ لیا جائے تو شاید وہ چھ فیٹ کا تو ہو گا کم از کم، اور اگر رسول سلامٌ علیہ کے ہاتھ مبارک کی لمبائی لینا ہے تو وہ روایت موصوف نے نہیں لکھی کہ خود ان کا قد کتنا تھا؟ بہر حال اگر آج کے دَور کے عام انسانوں کے ہاتھ (ذراع) کی لمبائی لی جائے تو یہ کم از کم ڈیڑھ فٹ ہوتی ہے تو اس حساب سے حضرت آدم کا قد نوّے (۹۰) فیٹ ہوا۔ یعنی آج ہماری بلڈنگوں کی تقریباً دس منزلوں کے برابر)۔ پھر جب اللہ تعالیٰ ان کو پیدا کر چکا تو ان سے فرمایا: جاؤ اور ان فرشتوں کو جو بیٹھے ہوئے ہیں سلام کرو۔ (معلوم ہوا کہ فرشتے بیٹھتے بھی ہیں پھر لیٹتے بھی ہوں گے، اور شاید کھانا بھی کھاتے ہوں گے۔ ہو سکتا ہے اس وقت وہ لنگر بٹنے ہی کے انتظار میں بیٹھے ہوں!) جب کہ قرآن کریم بتا رہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ حضرت آدم سلامٌ علیہ کو پیدا کر چکا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے آگے سجدہ کرو (۱۱/۷، ۲۹/۱۵) پھر آدم کو اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے نام سکھا کر فرشتوں کے سامنے کیا اور فرشتوں سے کہا اگر تم سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ (۳۱/۲) یہاں کہیں سلام و جواب نہیں ہو رہا! ہو سکتا ہے بعد میں ہوا ہو! بہر حال یہ تو پتہ لگ گیا کہ حضرت آدم کو سلام کا جواب فرشتوں نے سکھایا مگر اس روایت سے یہ پتہ نہ چلا کہ حضرت آدم کو السلام علیکم کہنا کس نے سکھایا؟ یہ

جاننے کیلئے موصوف کی تفسیر کے دوسرے ایڈیشن کا انتظار فرمائیے۔

غور کیجئے کہ یہاں اس آیت میں اللہ تعالیٰ کتنے صاف الفاظ میں یہ حکم دے رہا ہے کہ جو لوگ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جب وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان سے "سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ" کہا کریں۔ مگر موصوف کا عمل بالکل اس کے خلاف ہے ان کا اپنی جماعت کے متبعین کو حکم ہے کہ سوائے آپس کے مسلمین (رجسٹرڈ) کے کسی اور کو نہ سلام کرنا ہے اور نہ جواب دینا ہے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں انہیں بھی نہ سلام کرنا اور نہ جواب دینا ہے ہاں اگر وہ اللہ کی آیات کے ساتھ شریک کرتے ہوئے (نام نہاد) احادیث پر ایمان لے آئیں تو پھر انہیں سلام و جواب کیا جائے۔ موصوف کا سلام نہ کرنے کا عمل اس وقت ہے جبکہ وہ سورہ النساء کی آیت ۸۶ کی تفسیر لکھتے ہوئے "سلام کے متعلق مفصل مسائل" کے زیر عنوان نمبر ۷۰ پر یہ روایت لکھتے ہیں:

"تفسیر: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ بہترین اسلام کونسا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(بہترین اسلام یہ ہے کہ) تم کھانا کھلاؤ، اور جس کو جانتے ہو اور جس کو نہ جانتے ہو (دونوں کو) سلام کرو۔

(تفسیر عزیز، سورہ النساء، آیت ۸۶، ص ۲۸۲، جزء ۳)"

یہ سب لکھنے کے باوجود موصوف کا عمل قرآن اور ان کی اپنی (نام نہاد) حدیث بخاری کے خلاف ہے۔ یہ حال ہے سنتوں کے عاشق صاحب کا جن کے بارے میں ان کے متبعین کہتے ہیں کہ اگر آج کسی صحابیؓ رسول سلامؐ علیہ کو دیکھنا ہے تو امیر صاحب کو دیکھ لو۔ (بس فرق یہ ہے کہ وہ شیروانی پہنتے ہیں اور ہزاروں روپئے کی قراقلی کی لیاقت کیپ لگاتے ہیں)۔ حد تو یہ ہے کہ ان کے ایک متبع ان کے ایک کتابچہ میں "پیش لفظ" لکھتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"بلا مبالغہ و بلا شبہ مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین اس پر فتن دَور کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مذہب و مسلک سے وابستگیاں رکھے بغیر دین اسلام کا از سرِ نو احیاء کیا اور انہوں نے بتایا کہ مذہب اور اصلی اسلام میں کیا بنیادی فرق ہے[1]"۔

یہاں متبع صاحب کے یہ الفاظ: "دینِ اسلام کا از سرِ نو احیاء کیا" انتہائی قابلِ اعتراض ہیں یونکہ دینِ اسلام مردہ نہیں ہو گیا تھا کہ اس کا احیاء کیا جائے۔ وہ ازل سے زندہ تھا اور ابد تک زندہ رہے گا یونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا دین ہے۔ ہاں البتہ اگر یوں کہا جائے کہ مسلم قوم کا از سرِ نو احیاء کیا یا مسلم معاشرہ (کلچر) کا از سرِ نو احیاء کیا تو بات قابلِ اعتراض نہ رہے گی یونکہ واقعی مسلم قوم اصل اسلام یعنی قرآن کریم کو چھوڑنے کی وجہ سے تقریباً مردہ ہو گئی تھی اور اب بھی مردہ ہی ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نیم مردہ قوم پر لدے ہوئے (نام نہاد) احادیث و فقہ، و فتاویٰ و اقوال کے کپڑے نوچ پھینکے جائیں اور نیم مردہ جسم کو قرآن کی روح کا انجکشن دے کر اٹھا کھڑا کیا جائے۔ (بات دراصل یہ ہے کہ یہ غلطی متبع صاحب یا ان پر اعتراض نہ کرنے والے ان کے امیر صاحب کی نہیں بلکہ عام علما و فضلاء کی ہے کہ وہ "احیاء اسلام" ہی کی غلط اصطلاح عام طور پر استعمال کرتے ہیں اور ایسا وہ مغرب کی نقالی میں کرتے ہیں۔ حالانکہ مغرب میں شاید یہ اصطلاح آج تک عیسائیت یا یہودیت کے احیاء کیلئے نہیں استعمال ہوئی بلکہ وہ تو یورپ کے احیاء (Renaissance of

[1] کتابچہ "جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات" از مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) ص ۳، پیراگراف ۴

(Europe) کیلئے استعمال ہوئی۔ مگر ہمارے یہاں علما و فضلاء نے فوراً اسلام ہی کو مردہ قرار دے دیا۔ معاذ اللہ)۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ اب آیئے دیکھتے ہیں کہ اس آیت نے تیسری اہم حقیقت کیا بتائی۔

(۳)۔ اگر کوئی شخص نادانی سے بُرا کام کر بیٹھے تو اس کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے گا۔ (اگر موصوف سے نادانستگی میں قرآن کے خلاف غلطیاں سرزد ہو رہی ہیں تو وہ بھی اللہ کے حضور توبہ کر کے معافی مانگیں اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح کر لیں تو امید ہے اللہ ان کو بھی معاف کر دے گا)۔

بات بہت ہی سیدھی سادھی اور صاف صاف ہے مگر اب ذرا موصوف کی لائی ہوئی روایت بطور رسولی تفسیر دیکھئے، بخاری صاحب فرماتے ہیں (بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ۔ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ جزء۹ ص ۱۹۶)

تفسیر: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"ترجمہ: اللہ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب لکھی (اور اس میں یہ لکھا) میری رحمت میرے غضب پر سبقت کرتی ہے۔ یہ چیز اللہ کے پاس عرش کے اوپر لکھی ہوئی ہے۔ (ص ۸۷، جزء ۴) "

قارئین کہئے کہ آیت آپ کو پہلے سمجھ آ رہی تھی یا یہ روایت پڑھنے کے بعد سمجھ میں آئی۔ اگر بعد میں سمجھ میں آئی تو پھر براہِ مہربانی یہ بتایئے کہ (۱) آیت کے کن مشکل الفاظ کی یہ تشریح، تفسیر یا وضاحت ہے؟ (۲) کیا اللہ تعالیٰ بھی کتاب کا محتاج ہے (نعوذ باللہ) کہ اس نے اپنے لئے ایک کتاب لکھی؟۔ (۳)۔ کیا اسے بھی ہماری طرح یاد دہانی کی ضرورت تھی کہ اس نے کتاب میں یہ بات لکھ کر رکھی کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کرتی ہے؟ (۴)۔ پھر اسے بالکل سامنے رکھنے کے لئے کہ ہر وقت یاد رہے اور غلطی نہ ہو جائے (نعوذ باللہ) یا بھول نہ جائے اس کو اپنے عرش کے اوپر بھی لکھ لیا! (۵)۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے لئے ایک کتاب لکھی تو پھر اکثر وہ اس کو پڑھتا بھی وہ گا اور شاید اپنے فرشتوں کو سناتا بھی ہو گا کہ سنو میرا شاہکار (نعوذ باللہ) یا پھر فرشتوں کے ساتھ مل کر دونوں اس میں سے درود و سلام پڑھتے ہوں گے اور رسول سلامٌ علیہ کو بھیجتے ہوں گے! (نعوذ باللہ)

آخر اس روایت کا کیا مطلب ہے؟ کیا یہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر افتراء نہیں؟

بات دراصل یہ ہے کہ یہ روایت کسی ایسے ذہن کی پیداوار ہے جس کے ذہن میں اللہ کا تصور وہ ہے جو اکثر عیسائیوں کے گرجاؤں میں پینٹ کیا ہوا ہوتا ہے کہ وہ ہزاروں لاکھوں سال پرانا انسان ہے، بڑا نورانی چہرہ ہے، بہت لمبی داڑھی ہے۔ اتنی لمبی کہ اگر وہ ٹانگیں موڑ لے تو داڑھی پیچھے کمر تک جاتی ہے .................... تو ظاہر ہے کہ اتنے بوڑھے انسان کو تو کتاب کی ضرورت پڑے گی! (معاذ اللہ)۔ ایک کتاب اس نے یہ لکھی، ایک لوح محفوظ لکھی، پس! جب کہ ہمارے علما و فضلاء تو سینکڑوں کتابیں لکھ ڈالتے ہیں! چلئے آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی ساتھ والی آیت ۵۵ میں اللہ تعالیٰ کیا حقیقت بتا رہا ہے۔ تو وہ انتہائی صاف الفاظ میں بتا رہا ہے کہ "(اے رسول" اس طرح ہم اپنی آیتوں کو واضح طور پر) علیحدہ علیحدہ بیان کر رہے ہیں" کہ اس کے بعد کسی تشریح، وضاحت یا تفسیر کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی۔ یعنی کسی (نام نہاد) حدیث کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ دیکھئے موصوف خود اس آیت کی کیا تفسیر فرماتے ہیں:

تفسیر: "آگے فرمایا: (وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ) اور اے رسول! ہم اپنی

آیات کو واضح طور پر علیحدہ علیحدہ اس لئے بیان کر رہے ہیں تا کہ لوگ ان کو بآسانی سمجھ سکیں اور مجرمین کا راستہ سب پر ظاہر ہو جائے تو وہ حق و باطل میں تمیز کر سکیں" (ص۸۸، جزء۴)

کہئے کیا اللہ ہی کی تفسیر کے بعد کسی اور رسولی تفسیر یا (نام نہاد) حدیث کی ضرورت رہ گئی؟ موصوف کی تفسیر بھی آپ نے ملاحظہ کر لی وہ اتنی ہی ہے جتنا کہ آیت کا ترجمہ۔ آخر وہ تفسیر بھی کیا کریں جب آیت بالکل صاف صاف ہے۔ اب ذرا یہ بھی غور کرتے چلئے کہ موصوف اتنی سی تفسیر کے بعد 'عمل" کے زیر عنوان کیا فرماتے ہیں:

عمل: "اے لوگو! قرآن مجید حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے لہٰذا قرآن مجید ہی کے ذریعہ سے آپ حق اور باطل میں تمیز کا عہد کیجئے"(ص۸۸، جزء۴)

کہئے قارئین، آخر کو حق بات آ گئی نازبانِ قلم پر یا نوکِ قلم پر مگر، اگر ہم یہ کہیں کہ (نام نہاد) احادیث و فقہ کو قرآن کریم کے ذریعہ پرکھئے، آیا کہ وہ حق ہے یا باطل، تو موصوف ناراض ہو جاتے ہیں اور قرآن مجید پر اعتراضات کرنے لگ جاتے ہیں، اس میں اختلافات پیدا کر دیتے ہیں (جیسا کہ میں پیچھے بتا چکا ہوں کہ انہوں نے قرآن مجید میں ۳۳ اختلافات اپنی کتاب میں لکھے ہیں) اور ہم پر منکرِ حدیث، مشرک، کافر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ آخر یہ دورُخی کیوں؟ موصوف کی طرف سے یہ حقیقت سامنے آ جانے کے بعد کہ قرآن مجید ہی حق و باطل میں تمیز کرنے کا ذریعہ ہے، کیا اب مزید بحث کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ حقیقت میں تو اب مزید بحث کی ضرورت نہیں رہتی۔ مگر حسبِ عادت و حسبِ عقیدہ موصوف پھر اپنے کہے ہوئے پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور قرآن مجید کے ساتھ (نام نہاد) احادیث شریک کریں گے (جیسا کہ میں نے پیچھے بھی ایک دو مقامات پر اس شرک کی نشاندہی کی ہے) اس لئے ہم آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ آگے آیاتِ الٰہی کیا بتاتی ہیں۔

**68۔**... آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۵۹ میں پھر اللہ تعالیٰ کتٰب مبین کی بات کر رہا ہے۔

''وَ عِنۡدَهٗ مَفَاتِحُ الۡغَيۡبِ لَا يَعۡلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ يَعۡلَمُ مَا فِى الۡبَرِّ وَ الۡبَحۡرِ ؕ وَ مَا تَسۡقُطُ مِنۡ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعۡلَمُهَا وَ لَا حَبَّةٍ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡاَرۡضِ وَ لَا رَطۡبٍ وَّ لَا يَابِسٍ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۵۹﴾ (انعام:۵۹)

ترجمہ: غیب کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے، خشکی اور تری کی تمام چیزوں کا اسے علم ہے، کوئی پتا نہیں جھڑتا مگر وہ اللہ کے علم میں ہوتا ہے، زمین کی تاریکیوں میں ایک دانہ بھی ایسا نہیں اور نہ کوئی تر اور خشک چیز ایسی ہے جو روشن کتاب میں (لکھی ہوئی) نہ ہو (۵۹) (ص۹۴،۹۶، جزء۴) "

آیت بالکل واضح طور پر یہ بتا رہی ہے کہ تمام غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اور رطب و یابس سب کتٰب مبین میں ہے۔ اور کتٰب مبین ظاہر ہے کہ قرآن مبین ہی کو کہا گیا ہے۔ تو مطلب صاف ہے کہ انسان کی ہدایت کیلئے جس چیز کی بھی ضرورت ہے اس کی رہنمائی قرآن مبین میں موجود ہے اس لئے کسی (نام نہاد) حدیث کی یا فقہ کی یا فتاویٰ کی یا نصاب کی ضرورت نہیں۔

اب ذرا یہ بھی دیکھتے چلئے کہ موصوف اس آیت کی تفسیر میں کتٰب مبین کیلئے کیا فرماتے ہیں:

تفسیر: "ہر تر اور خشک چیز روشن کتاب میں لکھی ہوئی ہے یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اسی علم کی بنیاد پر روشن کتاب یعنی لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے" (ص۹۹، جزء۴)

غور کر لیجئے کہ پیچھے ہی سورہ المائدہ کی آیت ۱۵ میں موصوف کتٰب مبین قرآن مبین ہی کو بیان کر چکے ہیں۔ مزے کی بات یہ کہ اگر کتٰب مبین کے معنی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے لوح محفوظ (جو موصوف مانتے ہیں) بتائے ہیں تو موصوف لائیں کوئی روایت مگر وہ ایسی کوئی روایت یہاں بھی تفسیر میں نہیں پیش کر سکے۔

**69۔** ... آگے اسی سورہ الانعام آیت ۶۵ میں اللہ تعالیٰ تصریف آیات اور فرقہ فرقہ بنا کر عذاب دینے کا ذکر کر رہا ہے:

"قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ (انعام:۶۵)

ترجمہ: (اے رسول، آپ) کہہ دیجئے کہ اللہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر سے عذاب بھیج دے یا تمہارے پیروں کے نیچے سے عذاب بھیج دے یا تمہیں فرقہ فرقہ بنا کر ایک دوسرے سے الجھا دے اور آپس کی لڑائی کا مزا چکھائے، (اے رسول) آپ دیکھیئے ہم کس کس طرح الفاظ بدل بدل کر اپنی آیتوں کو بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ جائیں (۶۵) (ص۱۰۹۔ جزء۴)"

غور کیجئے یہ اتنی سخت بات کیوں ہو رہی ہے اس لئے کہ پچھلی آیت ۶۳۔۶۴ میں اللہ تعالیٰ مشرکین کی حالت بتا رہا ہے کہ جب وہ خشکی اور تری کی تاریکیوں میں مصیبت میں پھنس جاتے ہیں تو پھر گڑ گڑا، گڑ گڑا کر اللہ ہی کو مدد کیلئے پکارتے ہیں مگر جب وہ انہیں مصیبت سے نجات دے دیتا ہے تو پھر وہ شرک کرنے لگ جاتے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی ذات و صفات میں غیر اللہ کو اور ان کی کتابوں کو شریک کرنے لگتے ہیں تو ایسے مشرکین کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ کوئی سخت عذاب بھیج دے یا ان کو فرقہ فرقہ کر کے ایک دوسرے سے الجھا دے اور آپس کی لڑائی کا مزا چکھائے جیسا کہ آج کل (نام نہاد) احادیث، فقہ، فتاویٰ، نصاب و اقوال بزرگان کی وجہ سے ہو رہا ہے کہ تمام فرقے آپس میں بر سرِ پیکار ہیں امت مسلمہ کی طاقت کو ختم کر دیا ہے کہ دنیا میں ذلیل و خوار ہیں پھر دعویٰ کرتے ہیں احیاءِ اسلام کا! ارے ظالمو! اسلام تھوڑا ہی ذلیل و خوار ہے، بلکہ اسلام کے نام سے تو آج بھی دشمن خائف ہے، ذلیل و خوار تو امت ہے یونکہ ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے: ہر ٹکڑے کے پاس اس کی اپنی غیر اللہ کی کتابیں ہیں اور وہ ان کتابوں پر عمل پیرا ہیں۔ اگر کوئی باہر والا، غیر مسلم، ان سے مسلم کی تعریف پوچھتا ہے تو وہ اس پر متفق نہیں۔ کوئی کتٰب اللہ کے بارے میں پوچھتا ہے کہ یہ کون سی کتٰب ہے تو وہ اس پر متفق نہیں۔ کوئی سنت کے بارے میں پوچھتا ہے تو وہ اس پر متفق نہیں۔ ہر فرقہ کا اسلام الگ ہے، ہر فرقہ کی شریعت الگ ہے، ہر فرقہ کی مقدس کتابیں جنہیں وہ سینہ سے لگائے رکھتے ہیں الگ الگ ہیں۔ ہر فرقہ کے عمل الگ ہیں حتیٰ کہ صلوٰۃ (جس کا نام تک بدل کر فارسی نام نماز کر دیا گیا ہے) پڑھنے کے طریقے الگ الگ ہیں۔ اور ہر فرقہ دعویدار ہے کہ اسی کا طریقہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا بتایا ہوا طریقہ ہے! یہ کیسا مذاق ہے! اسی لئے ضرورت ہے کہ امت مسلمہ کا احیاء کیا جائے اور اس کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ع

ایں دفتر بے معنی غرق مئے ناب اولیٰ

یعنی اس بے معنی غیر اللہ کے کتابی ذخیرے کو مئے ناب میں غرق کر دیا جائے اور صرف اللہ کی الکتٰب کو پکڑ لیا جائے، اسے سینوں سے لگا کر اس پر عمل شروع کر دیا جائے۔

غور کیجئے کہ آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ پھر وہی بات دہرا رہا ہے کہ وہ کس کس طرح الفاظ بدل بدل کر اپنی آیتوں کو بیان کرتا ہے۔ اور وہ یہ شرح یا وضاحت یا تفسیر کیوں کرتا ہے تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں۔

کہئے کچھ سمجھ میں آیا؟ کیا اس آیت مبین کے بعد بھی آپ یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے تو نعوذ باللہ مبہم "الکتٰب" نازل کی تھی مگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس کی تشریح کر دی، اس کی وضاحت کر دی، اس کی تفسیر کر دی، جب وہ خود ہی تشریح، وضاحت یا تفسیر کر کے سمجھا رہا ہے تو پھر کسی اور کی تشریح کی کیا ضرورت؟

**70**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۶۷ میں الکتاب کو جھٹلانے کی بات ہو رہی ہے:

"وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ﴿۶۶﴾ (الانعام:۶۶)

اور (اے رسول) آپ کی قوم نے اس (کتاب) کو جھٹلا دیا حالانکہ وہ (سراسر) حق ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تم پر داروغہ نہیں ہوں (کہ زبردستی تم سے منواؤں) (۶۶) (ص ۱۱۴، جزء ۴)"

اس آیت میں تو بات صاف طور پر قرآن مبین ہی کو جھٹلانے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی نہیں۔ وہ تو اس وقت تھی ہی نہیں تو آپ سلامٌ علیہ کی قوم اسے کیسے جھٹلاتی؟ خود موصوف نے بھی اپنی تفسیر میں مان لیا کہ کفارِ مکہ قرآن مجید کو جھٹلاتے رہے (بخاری و مسلم کو نہیں) ملاحظہ کیجئے:

"تفسیر: کفارِ مکہ مسلسل قرآن مجید کو جھٹلاتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَ كَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَ هُوَ الْحَقُّ) اور اے رسول! آپ کی قوم نے قرآن مجید کو جھٹلا دیا ہے حالانکہ وہ بالکل حق ہے (ص ۱۱۴، جزء ۴)"

یہاں تفسیر میں تو موصوف نے صاف صاف قرآن مجید لکھ دیا جبکہ ترجمہ میں کتاب لکھا تھا اور وہ بھی بین القوسین۔۔ پھر مزے کی یہ بات کہ یہاں تفسیر میں بھی کوئی رسولی تفسیر کی روایت نہیں لائے جو یہ بتاتی کہ مشرکین مکہ قرآن کے علاوہ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں: بخاری، مسلم، ابن خزیمہ۔۔۔ وغیرہ کو بھی جھٹلاتے تھے حالانکہ وہ بھی نازل شدہ کتابیں تھیں (نعوذ باللہ) اس لئے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کو جھٹلانے والا منکرِ قرآن کافر ہو گا (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو جھٹلانے والا منکرِ حدیث کافر نہیں ہو گا۔

آگے دیکھئے موصوف خود اپنی تفسیر کے آخر میں "عمل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"عمل: اے لوگو! قرآن مجید کی تکذیب سے باز آ جائیے، قرآن مجید بالکل حق ہے۔ اسے تسلیم کیجئے، اس پر عمل کیجئے کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی تکذیب کی وجہ سے آپ عذابِ الٰہی میں گرفتار ہو جائیں" (ص ۱۱۵، جزء ۴)

**71**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۶۸ میں اللہ تعالیٰ پھر وہی حکم دے رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیات میں نکتہ چینی کرنے کے چکر میں ہوں ان سے منہ موڑ لیجئے۔ چونکہ تقریباً انہیں الفاظ کی آیت پہلے سورہ النساء ۱۴۰ گزر چکی ہے

اس لئے دوبارہ ہم اس پر بحث نہیں کرتے، البتہ ہم اب آگے کی آیت ۷۰ کے پہلے حصہ کو لیتے ہیں جس میں قرآن کے ذریعہ نصیحت کرنے کا حکم ہے:

''وَ ذَرِ الَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا دِیۡنَہُمۡ لَعِبًا وَّ لَہۡوًا وَّ غَرَّتۡہُمُ الۡحَیٰوۃُ الدُّنۡیَا وَ ذَکِّرۡ بِہٖۤ ......(۷۰) (الانعام:۷۰)

ترجمہ: اور (اے رسول) جن لوگوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جن کو دنیا کی زندگی نے فریب میں مبتلا کر رکھا ہے آپ انہیں چھوڑ دیجئے البتہ قرآن کے ذریعہ انہیں نصیحت کرتے رہے ......(۷۰)(ص ۱۱۷، ۱۱۸۔ جزء ۴)''

غور کیجئے یہاں موصوف نے خود ہی وَ ذَکِّرۡ بِہٖۤ کا ترجمہ قرآن کے ذریعہ انہیں نصیحت کرتے رہئے کر کے خود ہی فیصلہ کر دیا کہ نصیحت کا ذریعہ صرف قرآن ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ یہاں یہ بات خود ہی واضح ہو جاتی ہے کہ غیر قرآن سب لعب ولہو ہے پس قرآن ہی دین ہے، قرآن ہی شریعت ہے، قرآن ہی اسلام ہے، قرآن ہی نصیحت ہے اور اسی کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت وفلاح دارین مل سکتی ہے۔

**72۔**... آگے اسی سورہ الانعام آیت ۹۰ میں دیکھئے کس چیز کی پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے:

''اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ ہَدَی اللّٰہُ فَبِہُدٰىہُمُ اقۡتَدِہۡ ؕ قُلۡ لَّاۤ اَسۡـَٔلُکُمۡ عَلَیۡہِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ ہُوَ اِلَّا ذِکۡرٰی لِلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۹۰﴾ (الانعام:۹۰)

ترجمہ: یہ انبیاء تو وہ تھے کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی، (اے رسول آپ بھی اللہ کی ہدایت کی پیروی کیجئے (اور ان کفار سے) کہہ دیجئے کہ (میں اسی ہدایت کی تم کو تبلیغ کرتا ہوں اور) تم سے اس (تبلیغ) کی کوئی اجرت (بھی) طلب نہیں کرتا (خبردار ہو جاؤ) یہ ہدایت تمام عالم کے لئے نصیحت ہے۔(۹۰)(ص ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۸۔ جزء ۴)''

غور کیجئے کہ انبیاء کرام کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جنہیں اللہ نے ہدایت دی تھی۔ یہ ہدایت کیا تھی؟ اس کا ذکر پچھلی آیت یعنی ۸۹ میں کیا گیا ہے (جو میں نے اوپر نہیں لکھی) کہ (اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحُکۡمَ وَ النُّبُوَّۃَ ۚ) ''یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب، حکم اور نبوت دی تھی'' اور نزول قرآن کے وقت محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو حکم دیا جا رہا ہے کہ آپ بھی اللہ کی ہدایت کی پیروی کیجئے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان انبیاء کی ہدایت کہاں ملے گی؟ کیا وہ ہدایت کو (نام نہاد) احادیث میں لکھا گئے تھے؟ اگر وہ (نام نہاد) احادیث میں لکھا گئے تھے تو ان کتابوں کے نام کیا تھے؟ کیا وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تک بغیر کسی تغیر و تبدل و تحریف کے پہنچ گئی تھیں؟ اگر جواب ہاں میں ہے تو پھر بتایا جائے کہ موجودہ ذخیرہ (نام نہاد) احادیث میں ان کا ذکر کہاں ہے؟ اگر ان کا ذکر نہیں تو پھر ان کی ہدایت کی پیروی کیسے ہو گی؟ اور اس وقت یعنی نزولِ قرآن کے وقت تو یہ حکم رسول سلامٌ علیہ کو تھا مگر آج تو ہمارے لئے ہے تو اب ہم اس کی پیروی کیسے کریں گے؟

پس ثابت ہوا کہ ان انبیاء کی ہدایت اللہ کی الکتاب ہی تھی جو اس نے ان کو عطا کی تھی اور محمد رسول اللہ سلامٌ

علیہ اور ان کی امت کیلئے بھی ہدایت اللہ کی الکتاب ہی ہے جو ان کو عطا ہوئی ہے۔ اور یہی تمام عالم کے لئے نصیحت ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ پس رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی الکتاب یعنی قرآن مبین کی پیروی کی اور کرائی اور ہم کو بھی اسی کی پیروی کرنا ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ اور اسی بات کو اگلی آیات میں بھی بتایا جارہا ہے۔

**73۔**... اسی سورہ الانعام آیت ۹۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖۤ اِذْ قَالُوْا مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّ هُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِیْسَ تُبْدُوْنَهَا وَ تُخْفُوْنَ كَثِیْرًا ۚ وَ عُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنْتُمْ وَ لَاۤ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ۝ (الانعام:۹۲)

ترجمہ: ان (یہودیوں) نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ قدر کرنے کا حق تھا جب کہ انہوں نے یہ کہا کہ اللہ نے کسی انسان پر (کبھی بھی) کوئی کتاب نازل نہیں کی، (اے رسول، آپ ان سے) پوچھئے وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جس کو موسیٰ لے کر آئے تھے، جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی جس کے تم نے علیحدہ علیحدہ ورق کر رکھے ہیں، ان میں سے چند کو تو تم ظاہر کرتے ہو اور بہت سوں کو چھپا رکھا ہے (اسی کے ذریعہ) تم کو وہ وہ باتیں سکھائی گئی ہیں جن کو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء و اجداد، (اے رسول) کہہ دیجئے (کہ اس کتاب کو) اللہ ہی نے (ایک انسان پر نازل کیا تھا تو کیا وہ اب ایسا نہیں کر سکتا، ضرور کر سکتا ہے، اے رسول یہ کہنے کے بعد) پھر آپ انہیں چھوڑ دیجئے کہ اپنی نکتہ چینی میں کھیلتے رہیں (۹۲) (ص ۱۴۶۔۱۴۸، جزء ۴)''

غور کیجئے کہ اس آیت نے تو بڑے بڑے مسئلے حل کر دیئے:

(۱)۔... یہودیوں نے اللہ کی الکتاب کی تکذیب یہ کہہ کر کر دی کہ اللہ نے کسی انسان پر (کبھی بھی) کوئی کتاب نازل نہیں کی۔ یعنی انہوں نے (نام نہاد) احادیث کی تکذیب نہیں کی یونکہ اس وقت ان کا وجود ہی نہیں تھا اور سارا جھگڑا الکتٰب پر ایمان لانے کا تھا۔

(۲)۔... موسیٰ سلامٌ علیہ پر الکتاب نازل ہوئی تھی جو لوگوں کے لئے نور اور ہدایت تھی۔ (نام نہاد) احادیث نہیں نازل ہوئی تھیں۔

(۳)۔... موسیٰ کی الکتاب کے یہودیوں نے علیحدہ علیحدہ ورق کر رکھے تھے۔ ان میں سے چند کو تو ظاہر کرتے تھے یعنی دکھا دیتے تھے مگر اکثر کو چھپا لیتے تھے (اور کوئی بہانہ وغیرہ کر دیتے تھے کہ بکری کھا گئی یا بخت نصر بادشاہ نے جلا دیئے یا بائرن اہّاس غار میں لے کر چھپ گیا)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے وقت موسیٰ کی الکتاب تو اوراق پر لکھی ہوئی تھی (موصوف نے خود قراطیس کا ترجمہ ورق ورق کیا ہے، میں نے نہیں) اور وہ پہلے سے لکھی چلی آرہی تھی مگر موصوف کا تو عقیدہ ہے (اور بڑے بڑے علما فضلاء فقہاء و محدثین و اماموں کا بھی یہی عقیدہ ہے) کہ القرآن رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں کھجور کے پتوں، ہڈیوں، پتھروں، تختیوں وغیرہ پر لکھا گیا تھا یا حفظ تھا، پھر حضرت صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں جب ایک جنگ

میں بہت سے حفّاظ کرام شہید ہو گئے تو حضرت عمرؓ کے تدبرانہ اصرار پر حضرت صدیقؓ نے اس کو زید بن ثابتؓ سے لکھوایا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں اس سے کاپیاں کر کے تمام صوبوں کے دار الخلافوں میں بھجوایا گیا! کہئے یہ کہانی کیسی ہے؟ اگر اوراق توریت کیلئے موجود تھے تو قرآن کے لئے کیوں نہیں تھے؟ پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے ایک سال بعد ہی یہ اورق کہاں سے مل گئے یا کس نے ایجاد کر دیئے؟ یہ کہانی میں کہیں نہیں لکھا' اور یہ کہانی آپ کی بڑی بڑی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اسی سے ان کتابوں کے معیار کا اندازہ کر لیجئے تو ساری بات سمجھ میں آجائے گی کہ یہ دشمنانِ قرآن واسلام کی سازش تھی کہ اس قسم کی کہانی روایت کر کے قرآن کے بھی صحیح ہونے کو مشتبہ بنا دو۔ موصوف اور ان جیسے دیگر اہلحدیث تو یہاں تک کہتے ہیں کہ جس طرح (نام نہاد) احادیث جمع ہوئیں اسی طرح قرآن کریم جمع کیا گیا (نعوذ باللہ)۔ یونکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جب حضرت زید بن ثابتؓ کو قرآن کریم لکھنے پر متعین کیا گیا تو وہ صحابہ کبارؓ سے ہر آیت پر شہادت لیتے تھے۔ اگر انہیں اس کے آیت ہونے پر شہادتیں مل جاتی تھیں تو وہ اس کو قرآن کریم سمجھ کر لکھ لیتے تھے۔ (مگر کچھ آیات ایسی بھی تھیں جن پر سوائے ان کے بتانے والے کسی اور صحابیؓ کی شہادت نہ ملی، مثلاً سورہ توبہ کی آخری دو آیات۔ بہر حال حضرت زید نے انہیں بھی لکھ لیا)۔ اور شہادت کا نصاب کم از کم دو عاقل بالغ مرد ہیں۔ تو غور کیجئے جن آیتوں کے بارے میں دو صحابیوں کی شہادت نہیں ملی ان کا مقام مشتبہ ہو گیا کہ نہیں؟ اسی طرح کی احادیثی کہانی کا اور حدیثی عقیدہ کا نتیجہ ہے کہ آج کے دَور میں (Arizona) امریکہ میں ایک نئے فرقہ کے بانی (ایک مصری صوفی لیڈر کے بیٹے) مسمی ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے ۱۹۸۹ء میں جو قرآن "Quran the final testament" کے نام سے شائع کیا ہے اس میں دو آیتوں کو نکال دیا ہے یونکہ وہ شہادت کے نصاب پر پوری نہیں اترتیں [1]۔ (معاذ اللہ) یہ ہے انجام (نام نہاد) احادیث کو ماننے والوں کا! مگر اللہ تعالیٰ کے وعدہ حفاظت قرآن کا کمال دیکھئے کہ ہمیں یہاں پاکستان میں معلوم ہے کہ رشاد خلیفہ نے کیا حرکت کی ہے۔

(۴)۔۔۔ موسیٰ سلامٌ علیہ کی الکتاب ہی کے ذریعہ یہودیوں کو وہ وہ باتیں سکھائی گئی تھیں جن کو نہ وہ جانتے تھے اور نہ ان کے آباء واجداد۔ وہ باتیں ان کو (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ نہیں سکھائی گئی تھیں۔

(۵)۔۔۔ موسیٰ سلامٌ علیہ کی الکتاب اللہ تعالیٰ نے ایک انسان پر نازل کی تھی اور اس کے بعد بھی وہ اور الکتاب نازل کر سکتا ہے۔ اور اسی بات کی تصدیق اگلی آیت میں کر دی گئی۔

**74**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانعام کی آیت ۹۳ میں اللہ تعالیٰ الکتاب نازل کرنے کی تصدیق فرما رہا ہے۔

''وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا ؕ وَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾ (الانعام: ۹۲)

---

[1] دیکھئے: اکبر علی مہر علی صاحب کا پڑھا گیا مقالہ مسلم ورلڈ لیگ کانفرنس میں اگست ۲۴ سے اگست ۲۶، ۱۹۹۰ء ائرپورٹ ہالیڈے ان ٹارنٹو۔ (ص ۱۹) "Quran the final testament translated by Dr. Rashad Khalifa" یا اگر آپ کو اس کا ترجمہ کردہ قرآن مل جائے تو اس میں سورہ توبہ کی آخری آیات دیکھ لیجئے۔ دونوں غائب ہیں اور اس نے انہیں نکالنے کے بارے میں خود لکھا ہے کہ یہ دونوں حدیث کے مطابق صرف ایک صحابی کے پاس ملیں! اور اب تو یہ قرآن مجید پاکستان میں بھی کہیں نہ کہیں میسر آجاتا ہے۔

ترجمہ:(توریت جیسی) یہ بھی ایک کتاب ہے جو ہم نے نازل کی ہے (جو بڑی) بابرکت ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے (وہ اس لئے نازل کی گئی ہے کہ) آپ مکہ اور اس کے ارد گرد (دنیا کی) تمام بستیوں کو ڈرائیں، اور (اے رسول) جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان لے آتے ہیں اور (پھر) وہ اپنی نمازکی حفاظت بھی کرتے ہیں۔(۹۳)(ص ۱۴۷۔۱۴۹، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ یہ آیت کیا کیا حقیقتیں آشکار کرتی ہے:

.(۱)۔...(توریت جیسی، نام نہاد صحیح بخاری و مسلم جیسی نہیں) یہ بھی ایک کتاب ہے یعنی **قرآن مبین** جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے۔ جو بہت بابرکت ہے اور پہلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتی ہے۔

.(۲)۔... یہ قرآن مبین (نام نہاد صحیح بخاری و مسلم نہیں) اس لئے نازل کیا گیا ہے کہ آپ سلامٌ علیہ مکہ اور اس کے ارد گرد تمام دنیا کے انسانوں کو ڈرائیں۔ یعنی صرف اسی الکتاب سے ڈرانے کا حکم ہے (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔

.(۳)۔... جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہی اللہ کی اس کتاب یعنی قرآن مبین پر ایمان لاتے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر نہیں، اور اپنی صلوٰتوں کی حفاظت کرتے ہیں (نمازوں کی نہیں یہ فارسی لفظ ہے جس نے صرف جسمانی حرکات کو نماز کا نام دیا ہے جب کہ صلوٰۃ بہت وسیع لفظ ہے اور اسی کا حکم قرآن مبین میں ہے)۔

نوٹ کیجئے کہ یہ آیت کہتی ہے هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ هٰذَا کس کتٰب کو کہا جا رہا ہے قرآن مبین کو یا اس میں (نام نہاد) صحیح بخاری و مسلم وغیرہ بھی شامل ہیں؟ تو موصوف نے خود ہی ترجمہ میں اس سوال کا جواب دے دیا ہے کہ توریت جیسی یہ بھی **ایک کتاب** ہے جو ہم نے (اللہ نے) نازل کی ہے۔ تو بات بالکل واضح ہو گئی کہ یہ کتٰب قرآن مبین ہی ہے اور کوئی دوسری کتٰب اس کے ساتھ شامل یا شریک نہیں اور اس کو مزید واضح خود موصوف نے اپنی تفسیر میں 'عمل' کے زیرِ عنوان یہ لکھ کر کہہ دیا کہ:

عمل:"اے لوگو! قیامت کے دن پر پختہ ایمان رکھئے اور اس برکت والی کتاب قرآن مجید پر ایمان لا کر اپنی نمازوں کی محافظت کیجئے" (ص ۱۵۳، جزء ۴)

یہاں موصوف خود صرف قرآن مجید پر ایمان لانے کو کہہ رہے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر نہیں۔

**75**۔... آگے اسی سورۃ الانعام کی آیت ۹۴ میں بات پھر کتاب کے نازل کرنے اور اللہ پر جھوٹ افتراء کرنے کی ہو رہی ہے:

''وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَ لَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّ مَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۹۳ (الانعام:۹۴)

ترجمہ: اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آرہی ہے حالانکہ اس پر کسی چیز کی بھی وحی نہ کی گئی ہو اور جو یہ کہے کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس جیسی کتاب میں بھی بنا سکتا ہوں اور (اے رسول) اگر آپ ان ظالموں کو دیکھیں جب یہ موت کی جان کنی میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلا کر (ان سے کہہ رہے ہوں گے) اپنی جانوں کو نکالو، آج تمہیں ذلّت کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ تم اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرتے تھے اور اس کی آیتوں (کو سن کر) تکبر (سے انکار) کیا کرتے تھے۔(۹۴)(ص ۱۵۴۔۱۵۶، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ اس آیت میں بھی بات قرآن مجید ہی کے نازل کرنے یا وحی کرنے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی نہیں۔ اور خود موصوف نے اپنی تفسیر میں قرآن مجید ہی کے نزول کو حق مانا ہے۔ دیکھئے:

"تفسیر: اوپر ذکر تھا کہ اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کیا تھا اور اپنے انکار کی بنیاد اس دعوے پر رکھی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کبھی کوئی کتاب نہیں اُتاری۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کی تردید کی اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن مجید کے نزول کو حق ثابت کیا" (ص ۱۵۶، جزء ۴)

موصوف نے یہاں مان لیا کہ "قرآن مجید کے نزول کو حق ثابت کیا" گویا کہ (نام نہاد) احادیث کا نزول سرے ہی سے نہیں ہوا، ورنہ کہیں پر اشارتاً ہی اس کا تذکرہ ہوتا۔

قارئین! یہ غور کیجئے کہ اس آیت میں ان لوگوں کو ظالم کہا جا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ پر یہ جھوٹ افتراء کریں کہ ان پر بھی وحی آئی، یا یہ جھوٹ افتراء کریں کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس جیسی کتاب میں بھی بنا سکتا ہوں (یا بخاری و مسلم بنا سکتے ہیں) (نعوذ باللہ)۔ موصوف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ:

(۱)۔..."صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری و صحیح مسلم قرآن کے برابر ہیں[۱]"۔

(۲)۔... احادیث بھی وحی ہیں یعنی منزّل من اللہ ہیں اس لئے کتُب اللہ ہیں[۲]۔

قارئین غور کیجئے آیت کے الفاظ:

"اور جو یہ لکھے کہ جو کتاب اللہ نے نازل کی ہے اس جیسی کتاب میں بھی بنا سکتا ہوں"

اور موصوف کے الفاظ:

"صحت کے اعتبار سے صحیح بخاری و صحیح مسلم قرآن کے برابر ہیں یعنی وحی منزّل من اللہ ہیں"۔

کہئے دونوں جملوں میں کیا فرق ہے؟ کیا دونوں ایک ہی بات نہیں کہہ رہے صرف الفاظ کا فرق ہے؟ کیا موصوف یہ نہیں کہہ رہے کہ (نعوذ باللہ) قرآن کیا چیز ہے ان کے امام تو قرآن جیسی دو کتابیں بنا چکے؟ کیا یہی مشہور بات فارس کے ایک فرقہ کے بہت بڑے شیخ نے اب سے سینکڑوں سال پہلے اپنی مثنوی کے بارے میں پہلوی زبان میں نہیں کہی تھی کہ

---

۱۔ اس کے حوالہ کے لئے دیکھئے کتاب کے شروع ہی میں حرفِ اوّل کے زیرِ عنوان ص ۱۶، ۱۷

۲۔ پمفلٹ، "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" مرتبہ مسعود احمد صاحب، شائع کردہ ادارہ مطبوعات اسلامیہ،، کراچی۔ ص ۳

”مثنوی ... مولوئ... معنوی
ہست قرآن درزبان پہلوی“
کہئے کیا یہ دعوائے خدائی نہیں! فیصلہ قارئین آپ خود کریں یونکہ ع
ہم تو کچھ کہیں گے تو شکایت ہوگی!

اسی طرح موصوف کے دوسرے دعویٰ پر غور کیجئے کہ حدیث بھی کتاب اللہ ہے۔ اور کسی بھی ایک (نام نہاد) حدیث کو اُٹھا کر کتاب اللہ سے مقابلہ کر لیجئے۔ کیا یہ آپ کو کتاب اللہ کی آیات جیسی لگتی ہے؟ کتاب اللہ تو بہت ہی بڑی بات ہے یہ تو کتابِ رسول بھی نہیں لگتی! خود تمام محدثین مانتے ہیں کہ یہ (نام نہاد) حدیثیں روایت فی المفھوم ہیں الّاماشاء اللہ کہ کہیں پر رسول اللہ سلامٌ علیہ کے الفاظ بھی محفوظ رہ گئے ہوں۔ تو کیا ایسی روایتیں کتاب اللہ ہو سکتی ہیں؟ کیا موصوف کا یہ دعویٰ اوپر کی آیت کا جواب نہیں ہے کہ ہاں ان کے امام کتاب اللہ جیسی بہت سی کتابیں لکھ چکے ہیں۔ اور پھر اسی پر بس نہیں جس طرح کتاب اللہ کی آیات میں بعض جگہ تطبیق دی گئی ہے اسی طرح ان (نام نہاد) احادیث میں بھی تطبیق دی جاتی ہے۔ جس طرح کتاب اللہ کے تیس پارے بنائے گئے اسی طرح سے بکاری شریف کے بھی تیس پارے بنائے گئے! جس طرح کتاب اللہ کی شرح یا تفسیر لکھی گئی اسی طرح (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی بھی شرح لکھی جاتی ہے! جس طرح کتاب اللہ حفظ کی جاتی ہے اسی طرح (نام نہاد) احادیث حفظ کی جاتی ہیں۔ جس طرح لوگ کتاب اللہ پڑھنے سے پہلے وضو کرتے ہیں اسی طرح (نام نہاد) احادیث پڑھنے سے پہلے وضو کرتے ہیں۔ جس طرح لوگ سینے سے لگا کر کتاب اللہ کو رکھتے ہیں اسی طرح لوگ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں یا ان کی شرحوں کو سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔ جس طرح (برائے نام) درسِ قرآن ہوتا ہے اسی طرح درسِ حدیث ہوتا ہے اور قرآنی محفل سے زیادہ زبردست محفل جمتی ہیں۔ بڑے بڑے علما و فضلا بلائے جاتے ہیں وہ بڑی بڑی زبردست تقریریں کرتے ہیں اور یہی ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ بس اسلام کی بنیاد یہی کتابیں ہیں، اسلامی قانون کا منبع یہی کتابیں۔ نعوذ باللہ۔ جب کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ وہ اصل کتاب ہے، وہ ام الکتب ہے۔ قارئین! غور کیجئے یہ سب کیا ہے؟ کیا یہ قرآن کریم کے خلاف سازش نہیں؟

**76۔**... آگے اسی سورہ الانعام آیت ۱۰۴۔۱۰۶ تک اللہ تعالیٰ پھر اپنی ہی کتُب کی بات کر رہا ہے:

”قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ (الانعام:۱۰۴۔۱۰۶)

ترجمہ: (اے لوگو!) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس (عبرت و) بصیرت کی باتیں آچکی ہیں جس نے (ان کو بصیرت سے) دیکھا تو اس میں اس کا فائدہ ہے اور جس نے (ان سے) آنکھیں بند کر لیں تو اس کا وبال اسی پر ہوگا اور (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ) میں تم پر نگران نہیں ہوں (کہ تم سے زبردستی منواؤں) (۱۰۴) اور (اے رسول) اس طرح ہم (اپنی) آیات کو مختلف الفاظ و متنوع اسالیب کے ساتھ

بیان کر رہے ہیں تا کہ یہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ نے اتنا ہی (کسی سے) پڑھ لیا تھا[1] (بس وہی سنا دیا) اور ہم (مختلف الفاظ و متنوع اسالیب سے) اس لئے بھی بیان کر رہے ہیں کہ علم والوں کو (اپنی آیات کا مطلب) اچھی طرح سمجھا دیں (۱۰۵) (اور اے رسول) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر وحی کی جا رہی ہے پس آپ اس کی پیروی کرتے رہیئے، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، (مشرکین نہیں مانتے تو نہ مانیں) آپ ان سے رو گردانی اختیار کیجئے۔ (۱۰۶) (ص ۱۷۷، ۱۷۸ جزء ۴)"

غور کیجئے کہ ان آیات میں کتنے واضح طور پر یہ بتایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود تصریف آیات کے ذریعہ اس قرآن کریم کی وضاحت کر رہا ہے، تفسیر بیان کر رہا ہے تا کہ علم والوں کو اپنی آیات کا مطلب اچھی طرح سمجھا دے۔ یعنی وہ خود سمجھا رہا ہے یہ نہیں کہہ رہا کہ رسول سمجھا دیں۔ جب کہ موصوف کا اور ان جیسے دیگر اہلحدیث و اہل فقہ کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول سمجھاتے تھے، تفسیر کرتے تھے! معاذ اللہ۔ یہ عقیدہ قرآن کے بالکل خلاف ہے۔ اگلی آیت میں پھر اپنا حکم واضح کر دیا کہ جو کچھ آپ سلامٌ علیہ پر وحی کی جا رہی ہے (اور ظاہر ہے کہ وحی تو صرف قرآن کیا گیا تھا جیسا کہ پیچھے ثابت ہو چکا) اسی کی اتباع کیجئے اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں یعنی اس کے علاوہ غیر الٰہ کی بات یا کتاب نہیں مانئے اور اگر مشرکین نہ مانیں اور بدستور کتاب اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں شریک کرتے رہیں تو آپ ان سے رُو گردانی اختیار کیجئے یعنی ان سے علیحدگی اختیار کیجئے۔ غور کیجئے کیا آج مومنین کو ان اہلحدیثوں و اہل فقہ سے رُو گردانی نہیں کرنی چاہیئے؟

یہاں یہ بھی نوٹ کرتے چلئے کہ ان آیات کی تفسیر میں موصوف نے کچھ نہیں کیا سوائے ان ہی آیات کے الفاظ کو دہرانے کے یا دو آیات اور لکھنے کے۔ یہاں بھی وہ رسولی تفسیر سے کچھ نہ پیش کر سکے۔

**77**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ مشرکین قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ اگر رسول سلامٌ علیہ کوئی معجزہ دکھا دیں تو وہ ایمان لے آئیں گے مگر آیت ۱۱۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ معجزہ دیکھ کر بھی قرآن پر ایمان نہ لائیں گے:

"وَ نُقَلِّبُ اَفۡـِٕدَتَهُمۡ وَ اَبۡصَارَهُمۡ كَمَا لَمۡ يُؤۡمِنُوۡا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ نَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ۝ (الانعام: ۱۱۰)

ترجمہ: ہم (ان کی ہٹ دھرمی، ضد اور حق پوشی کے نتیجے میں) ان کے دل اور ان کی آنکھوں کو اُلٹ دیں گے پھر جس طرح پہلی مرتبہ یہ اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے تھے (اسی طرح نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے) پھر ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں (۱۱۰) (ص ۱۸۲، ۱۸۳، جزء ۴)"

غور کیجئے یہاں خود موصوف مان رہے ہیں کہ ایمان قرآن پر لانا ہوتا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں ورنہ تو ان کا بھی ذکر کہیں تو ہوتا۔

[1] موصوف نے یہاں لفظ دَرَسْتَ کا ترجمہ صحیح نہیں کیا ہے۔ بہر حال یہاں میں اس کو پھر نہیں چھیڑ تا یونکہ یہ پہلے آ چکا ہے۔ (آیت کا صحیح ترجمہ ہو گا: اور ہم اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر لاتے ہیں تا کہ وہ کہیں خوب درس دیا آپ سلامٌ علیہ نے (خوب سمجھایا آپ نے) اور تا کہ ہم خود اس کی تبیین کر دیں واسطے قوم کے جو علم رکھتے ہیں (یا جانتے ہیں)

**78**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانعام آیت ۱۱۴ میں بات اَلْکِتٰبَ مُفَصَّلًا کی ہو رہی ہے۔

'' اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّ هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ترجمہ: (اے رسول! آپ ان سے پوچھئے) کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور حَکَم تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف (ایسی) کتاب نازل فرمادی ہے جس میں (ہر حکم) علیحدہ علیحدہ بیان (کر دیا گیا) ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی دقّت پیش نہ آئے) اور (اے رسول) جن لوگوں کو ہم نے (آپ سے پہلے) کتاب دی تھی وہ (بخوبی) جانتے ہیں کہ یہ کتاب آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا (۱۱۴) (ص ۱۹۳، ۱۹۴، جزء ۴)''

یہ انتہائی اہم آیت ہے' یونکہ یہ بات چیلنج کر رہی ہے کہ ''کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور حَکَم تلاش کروں؟ حَکَم کہتے ہیں ''فیصلہ کرنے والے کو'' ۔ تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے مشرکین سے چیلنج کے سے انداز میں پوچھا کہ کیا میں کوئی اور فیصلہ کرنے والا اللہ کے علاوہ تلاش کروں؟ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر اللہ کو حَکَم بنالیا جائے تو اس سے فیصلہ کس طرح لیا جائے، وہ تو ہر ایک سے کلام نہیں کرتا؟

تو رسول اللہ سلامٌ علیہ جواب دیتے ہیں کہ (ٹھیک ہے اس سے کلام نہیں ہو سکتا تو کیا ہوا، اس نے تو ہماری آسانی اور راہنمائی کیلئے) '' تمہاری طرف (ایسی) کتاب نازل فرمادی ہے جس میں (ہر حکم) علیحدہ علیحدہ بیان (کر دیا گیا) ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی دقّت پیش نہ آئے)''

قارئین کہئے: یہ کلام اللہ بزبانِ رسول اللہ سلامٌ علیہ سننے کے بعد بھی کیا آپ کو سمجھنے میں دقّت پیش آرہی ہے؟ یہ جو کچھ رسول اللہ سلامٌ علیہ فرمارہے ہیں اسی کو حدیث کہا جاتا ہے بمطابق کتاب اللہ، اور یہی حدیث کتاب اللہ ہے (نام نہاد) احادیث بخاری و مسلم کتاب اللہ نہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ ''(اے رسول) جن لوگوں کو ہم نے (آپ سے پہلے) کتاب دی تھی وہ (بخوبی) جانتے ہیں کہ یہ کتاب آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کی گئی ہے لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا'' یعنی اس وقت کے مشرکین بھی یہ تو اچھی طرح سے جانتے تھے کہ ہاں یہ کتاب ہے تو اللہ ہی کی نازل کی ہوئی۔۔۔۔ لیکن اب اس میں شک کس طرح پیدا کیا جائے؟ جب انہیں پارس کے علما و فضلاء مل گئے تو انہوں نے مل کر کہانیاں گھڑنا شروع کر دیں اور ان کو قرآن مبین کے مقابلہ پر آہستہ آہستہ پھیلانا شروع کر دیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا۔ پھر ان کو لکھا جانے لگا، پھر مجموعے و صحیفے بننے لگے اور آج وہ برلن، فرانس یا اٹلی کی لائبریری سے برآمد ہوتے ہیں۔

خیر یہ تو دشمنانِ قرآن کی کہانی تھی۔ آپ یہ بتایئے کہ کلام اللہ بزبانِ رسول اللہ سلامٌ علیہ سننے کے بعد (کہ تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمادی گئی ہے جس میں ہر حکم علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا ہے، یعنی یہ کتاب مبین ہے، یہ اس لئے کیا گیا ہے تاکہ تمہیں سمجھنے میں کوئی دقّت نہ ہو۔ یہ کتاب تمہارے لئے آسان ہو جائے)۔ بھی کیا اب آپ کو (نام

نہاد) احادیث کی ضرورت باقی رہ گئی؟ یقیناً نہیں۔ ذرا دیکھئے کہ موصوف نے خود اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھا ہے:

تفسیر: "الغرض اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت اور قوانین کے ہوتے ہوئے کسی دوسری طرف رجوع کرنا حرام بلکہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی حَکَم ہے اور اسی کے قوانین کے مطابق فیصلہ کرنا فرض اور شرط ایمان ہے" (ص ۱۹۷، جزء ۴)

لیجئے موصوف نے تو خود اللہ تعالیٰ کی شریعت اور قوانین کے ہوتے ہوئے یعنی قرآن مبین کے ہوتے ہوئے (جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بزبان رسول اللہ فرمایا کہ اس نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل فرمادی ہے جس میں ہر حکم علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی دقّت پیش نہ آئے) کسی دوسری طرف (یعنی نام نہاد احادیث کی کتابوں کی طرف جو تقریباً سب کی سب پارس کے علماو فضلاء کی تیار کردہ ہیں) رجوع کرنا نہ صرف حرام قرار دے دیا بلکہ اس کو شرک بھی قرار دے دیا۔ نیز یہ بھی قرار دے دیا کہ اللہ تعالیٰ ہی حَکَم ہے اور اسی کے قوانین یعنی کتاب کے مطابق فیصلہ کرنا فرض اور شرط ایمان ہے۔ یعنی (نام نہاد) احادیث کے مطابق نہ تو فیصلہ کرنا فرض ہے اور نہ ہی ان پر ایمان لانا شرط ہے۔ اب اگر یہی بات ہم کہیں تو پھر شکایت ہو گی!

قارئین! ہو سکتا ہے کہ آپ یا موصوف کے متبعین یہ سوال اُٹھائیں کہ موصوف نے تو آیت کے ترجمہ میں الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا کے ترجمہ میں قرآن مجید کا نام نہیں لیا ہے اس لئے ہو سکتا ہے کہ یہ کتابیں ہی ہوں تو قارئین ایسا نہیں ہے یونکہ موصوف نے اپنی تفسیر میں اس کو قرآن مجید مان لیا ہے۔ دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں:

تفسیر: "الغرض قرآن مجید حق ہے اور اہل کتاب اس کی حقانیت کے گواہ ہیں (فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ) لہٰذا آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا" (ص ۱۹۷، جزء ۴)

اسی قرآن مجید حق ہے کی مزید وضاحت خود اللہ تعالیٰ نے اپنی اگلی ہی آیت میں اس طرح کی:

"وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ (الانعام)

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ کے رب کا کلام حق و انصاف سے بھرپور ہے، اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا، وہ سننے والا ہے اور علم والا ہے (۱۱۵) (ص ۱۹۳، ۱۹۴ جزء ۴)"

کہئے کیا یہ رب کے کلمات ہی قرآن مجید نہیں؟ اگر ہیں تو انہیں کی یہ صفت بتائی گئی ہے کہ ان کو کوئی بدل نہیں سکتا تو پھر غور کیجئے کہ اگر کوئی اللہ کے قانون یا کلمات کو بدلنے کی کوشش کرے تو وہ کون ہو گا؟ مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ تو یہ کہے کہ تم سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ کہو (۶/۵۴) اور موصوف کہیں کہ نہیں السلام علیکم کہو! اللہ تعالیٰ تو یہ حکم دے کہ "(اے رسول) آپ (اپنی مجلس سے) ان لوگوں کو نہ نکالئے جو صبح و شام اللہ کو پکارتے ہیں اور اس کی رضا کے طلبگار رہتے ہیں" (۶/۵۲) مگر موصوف ان کو اپنی مجلس اور جماعت دونوں ہی سے نکال دیتے ہیں۔

قارئین لیجئے۔ اگلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس سوال کا جواب دے دیا کہ جو اللہ کے قانون یا کلمات کو (بذریعہ (نام نہاد) احادیث و فقہ) بدلنے کی کوشش کرے وہ کون ہو گا۔ دیکھئے:

"وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ (الانعام: ۱۱۶)

ترجمہ: اور (اے رسول) دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا مان لیں تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں وہ لوگ محض وہم و گمان کے پیچھے چل رہے ہیں اور محض اندازے سے باتیں بناتے ہیں(۱۱۷)(ص ۱۹۴، ۱۹۵، جزء ۴)"

دیکھا آپ نے! غور کیجئے آپ کے ہاں اکثریت کس کی ہے؟ کیا آپ کے ہاں اکثریت اہل حدیث و اہل فقہ کی نہیں؟ تو اللہ کے کلمات کے مطابق اگر آپ نے ان کا کہنا مان لیا تو وہ آپ کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے یونکہ وہ حق کے مقابلہ میں ظن و اٹکل پر چلتے ہیں۔ وہ (نام نہاد) ظنی احادیث پر چلتے ہیں، وہ قیاسات کو فقہ کا نام دے کر ایسے اماموں کی تقلید و پیروی کرتے ہیں جن کی کوئی کتاب تک نہیں۔ اس لئے اپنے عقیدہ اور ایمان کی خیر منائیے۔ جب اللہ رب العزت کی کتاب آپ کے پاس موجود ہے تو اسی کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ اسی کے ترجمہ کو پڑھئے، پھر پڑھئے، پھر پڑھئے اور اسی پر عمل کیجئے۔ دین کے احکام، دین کی باتیں اس کے علاوہ نہیں۔

قارئین نوٹ کرتے چلئے کہ ان تینوں چاروں آیات کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث یا رسولی تفسیر نہ لا سکے۔ آخر حق کے آگے باطل کہاں ٹھہر سکتا ہے۔ آخر کو مان ہی لیا کہ قرآن مجید حق ہے۔

**79۔**... پچھلی آیت ۱۱۵ میں اس قرآن مبین کو الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا کہا گیا تھا اور اب اسی سورہ الانعام کی آیت ۱۲۷ میں فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ کہا جا رہا ہے:

''وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ (الانعام: ۱۲۶)

ترجمہ: (اے رسول) یہ (اسلام) آپ کے رب کا سیدھا راستہ ہے، ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے (اپنی) آیات کو (واضح طور پر) علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے (۱۲۷) ص ۲۱۵، ۲۱۶، جزء ۴)"

غور کیجئے پیچھے آیت ۱۱۵ میں "(وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ) اس نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کر دی ہے جس میں ہر حکم علیحدہ علیحدہ، واضح المطالب بیان کر دیا ہے (یعنی اتنا مفصّل جتنا کہ اللہ کی طرف سے ضروری تھا)" کہہ کر الکتاب کی تعریف کی گئی اور اب یہاں اس آیت میں پھر اسی بات کو دہرایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنی آیات کو واضح طور پر علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ کہئے کیا اس کے بعد بھی مزید وضاحت یا شرح یا تفسیر کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ دیکھئے، موصوف خود اس آیت کی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر: " (قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾) ہم نے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے اپنی آیات کو اس طرح علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے کہ اسلام کو قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی دقّت پیش نہ آئے" (ص ۲۱۹، جزء ۴)"

قارئین ذرا موصوف کے الفاظ پر غور کیجئے، جب اسلام کے قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے میں کسی قسم کی دقّت پیش نہیں آئے گی یونکہ اللہ تعالیٰ کی قرآنی آیات اتنی مفصّل، اتنی واضح المطالب، علیحدہ علیحدہ، صاف صاف ہیں، تو پھر پریشانی کس بات کی کہ رسول سلامٌ علیہ ان کی تشریح کریں، وضاحت کریں، تفسیر کریں! کیا ایک واضح المطالب بات کی مزید وضاحت کی جاتی ہے یا وہ سمجھ میں آجاتی ہے! کہئے موصوف کی اپنی تفسیر کے بعد کیا اب بھی (نام نہاد)

احادیث کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

قارئین یہاں تفسیر میں تو موصوف نے یہ بھی مان لیا کہ قرآنی آیات اتنی واضح ہیں کہ اسلام پر عمل کرنے میں بھی کسی قسم کی دقّت پیش نہیں آئے گی۔ حالانکہ موصوف کی طرف سے، ان کے متبعین کی طرف سے، تمام اہل حدیث واہل فقہ کی طرف سے چھوٹتے ہی یہ سوال کیا جاتا ہے کہ آپ آیاتِ قرآنی پر یعنی احکام الٰہی پر عمل کیسے کریں گے؟ عمل تو بغیر (نام نہاد) احادیث کے کر ہی نہیں سکتے! مگر شکر ہے کہ موصوف یہاں مان گئے کہ آیاتِ الٰہی پر بغیر (نام نہاد احادیث کے بھی عمل ہو سکتا ہے۔ (مگر یاد رکھئے گا وہ آگے پھر اپنی بات پر قائم نہیں رہ سکیں گے!)

**80۔**... آگے اسی سورہ الانعام آیت ۱۵۲ میں اسی قرآن سے رسول پڑھ کر سُنا رہے ہیں:

''قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (الانعام: ۱۵۲

ترجمہ: (اے رسول) آپ (ان سے) کہئے آؤ میں تمہیں ان چیزوں کے نام پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں۔۔۔۔۔ (۱۵۲) (ص ۲۶۸، ۲۶۶، جزء ۴) ''

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ان چیزوں کو جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں کہاں سے پڑھ کر سنا رہے ہیں؟ وہ اسی قرآن سے پڑھ کر سنا رہے ہیں (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔ اسی آیت اور اس کی اگلی آیت کو پورا پڑھئے تو آپ کو نو عدد موٹی موٹی وہ باتیں مل جائیں گی جو اللہ تعالیٰ نے حرام کی ہیں۔ اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ رسول سلامٌ علیہ (نام نہاد) حدیثیں نہیں سناتے تھے

**81۔**... آگے اسی سورہ الانعام کی آیات ۱۵۵۔۱۵۸ میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات ہی کے تفصیل سے ہونے اور اس کی تکذیب کرنے والوں کو سزا دینے کی بات کر رہا ہے:

''ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَ اِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (الانعام: ۱۵۴۔۱۵۷)

ترجمہ: اللہ فرماتا ہے (کہ ان باتوں کا حکم ہم ہر نبی کے زمانہ میں دیتے رہے ہیں) پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (اس میں بھی یہ احکام موجود تھے) وہ کتاب نیکی کرنے والوں پر اتمام (نعمت کا ذریعہ) تھی (یہی نہیں بلکہ) وہ کتاب ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے والی اور (سرچشمہ) ہدایت و رحمت تھی۔ تاکہ وہ لوگ (جن کو وہ کتاب دی گئی تھی) اپنے رب کی ملاقات پر (صحیح معنوں میں) ایمان لے آئیں (۱۵۵) اور اس کتاب کو بھی ہم ہی نے نازل کیا ہے یہ بڑی بابرکت کتاب ہے (اس میں بھی وہ احکام موجود ہیں جو تم کو پڑھ کر سنائے جا چکے ہیں) لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۶) اور (اس

کتاب کو ہم نے اس لئے بھی نازل کیا ہے) تاکہ تم کہیں یہ نہ کہو ہم سے پہلے دو جماعتوں (یعنی یہود و نصاریٰ) پر کتاب اُتاری گئی تھی اور ہم اس کے پڑھنے اور سمجھنے سے قطعاً غافل تھے (اس پر عمل کیسے کرتے) (۱۵۷) یا تم کہیں یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یاب ہوتے تو (اب تمہاری اس حجت کو ختم کرنے کے لئے) تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے دلیل بھی آگئی ہے اور ہدایت اور رحمت بھی تو (اب) اس شخص سے بڑا ظالم کون ہو گا جو اللہ کی آیات کی تکذیب کرے اور (لوگوں کو) ان سے برگشتہ کرے، ہم عنقریب ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے (لوگوں کو) برگشتہ کرتے ہیں ان کے اس عمل کی سخت سزا دیں گے (۱۵۸) (ص ۲۸۲۔۲۸۴، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرما رہا ہے کہ موسیٰ سلامٌ علیہ کو جو کتاب دی تھی "وہ کتاب ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے والی اور سرچشمۂ ہدایت و رحمت تھی" یعنی اس میں "تَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" ہر چیز کی تفصیل تھی، ہر چیز کا بیان تھا۔ تو بعد میں اللہ نے جو کتاب نازل کی یعنی قرآن مبین تو اس میں بھی ظاہر ہے کہ ہر چیز کی تفصیل ہے (ورنہ تو پھر وہ پچھلی کتاب سے گھٹیا ہو جاتی) اور وہ بڑی بابرکت کتاب بھی ہے اس لئے اس کتاب کی پیروی کی جانی چاہئے۔ دیکھئے ان دونوں آیات کی تفسیر میں موصوف کیا فرماتے ہیں:

تفسیر: "پھر ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اس میں بھی یہ احکام موجود تھے وہ کتاب نیکی کرنے والوں پر اتمام نعمت کا ذریعہ تھی، اس میں ہر دینی بات کو علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا تھا کہ سمجھنے میں کسی قسم کی الجھن نہ ہو"۔
(ص ۲۸۴۔۲۸۵، جزء ۴)

آگے فرماتے ہیں:

"اور اے لوگو! اس کتاب (قرآن مجید) کو بھی ہم ہی نے نازل فرمایا ہے، یہ بڑی بابرکت کتاب ہے لہٰذا اس کی پیروی کرو، اس کے احکام پر چلتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
قرآن مجید کی اس سے بڑی برکت کیا ہو گی کہ اس کی پیروی ہی سے نجات ملتی ہے۔ دینی اور دنیوی سعادتوں کا منبع یہی کتاب ہے۔ اس پر عمل کرکے ہی انسان ابدی و سرمدی راحتوں سے بہرہ اندوز ہوتا ہے"
(ص ۲۸۵، جزء ۴)

کہئے کیا آپ کو اس سے زیادہ ثبوت چاہئے کہ ساری بات قرآن مجید ہی کی ہو رہی ہے اسی کے مفصّل ہونے کی ہو رہی ہے، اسی کے بابرکت ہونے کی ہو رہی ہے، اسی کے سرچشمۂ ہدایت ہونے کی ہو رہی ہے مگر (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "کہیں تم یہ نہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوتی تو ہم ان سے زیادہ ہدایت یاب ہوتے۔ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے بینۃ، ہدایت و رحمت آگئی" بینۃ کہتے ہیں واضح دلیل کو۔ تو کیا اب اس قرآن مبین کے بعد کسی اور بینۃ یا تشریح کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ کیا اب بھی آپ کو (نام نہاد) احادیث کی ضرورت باقی رہ گئی؟ یہاں بھی بات کتاب نازل کرنے کی ہو رہی ہیں، کتابیں نہیں۔

موصوف خود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"تو جو شخص اللہ کی آیات یعنی قرآن مجید کی تکذیب کرتا ہے، اس سے منہ موڑتا ہے یا لوگوں کو اس سے

برگشتہ کرتا ہے، اس سے بڑا ظالم اور کون ہو گا" (ص ۲۸۶۔۲۸۷، جزء ۴)

یہاں بات صاف ہو گئی کہ جو قرآنی آیات سے برگشتہ کرے یا ان کی تکذیب کرے وہ ظالم ہے، یعنی منکرِ قرآن ہے لیکن اگر کوئی (نام نہاد) احادیث کے ساتھ ایسا کرے تو وہ نہ تو ظالم ہو گا اور نہ ہی منکرین میں شامل ہو گا۔ اپنی تفسیر میں 'عمل' کے زیرِ عنوان موصوف خود فرماتے ہیں:

عمل: "اے ایمان والو! قرآن مجید کے احکام پر چلتے رہئے۔ قرآن مجید کے احکام پر چلنا ہدایت، برکت اور رحمت کا سبب ہے۔

اے لوگو! قرآن مجید پر ایمان لایئے، قرآن مجید سے منہ نہ موڑیئے۔ قرآن مجید سے منہ موڑنے والوں کے لئے بہت سخت عذاب ہے" (ص ۲۸۷، جزء ۴)

کیا آپ نے دیکھا کہ یہاں موصوف خود (نام نہاد) احادیث کا نام تک نہ لے سکے اور نہ ہی ان آیات کی تفسیر میں رسولی تفسیر کی کوئی روایت لا سکے۔ اور آخر حق قلم سے نکل ہی گیا کہ قرآن مجید پر ایمان لایئے اور اور اسی کے احکام پر چلتے رہئے۔۔۔۔ مگر ابھی آگے جا کر ہی موصوف اس حق پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور غیر اللہ کی کتابیں کتٰب اللہ کے ساتھ شریک کریں گے۔ (معاذ اللہ)

**82۔**... آگے سورہ الاعراف میں آیت ۲ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: (اے رسول) یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل کی گئی ہے کہ آپ اس کے ذریعہ (لوگوں کو) ڈرائیں، یہ کتاب ایمان والوں کے لئے (سراپا) نصیحت ہے لہٰذا اس کتاب سے آپ اپنے سینہ میں (کسی قسم کی) تنگی نہ محسوس کریں (۲) ص ۷۱۳، جزء ۴)"

غور کیجئے کہ یہاں بات کتنی صاف صاف ہو رہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کتاب جو نازل کی گئی ہے وہ قرآن مبین ہی ہے۔ بہر حال پھر بھی آپ موصوف کی اس آیت کی تفسیر دیکھتے چلئے تا کہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کتاب کے معنی موصوف نے بھی قرآن مجید ہی لئے ہیں۔ (مگر اگلی آیت میں پھر کس طرح معنوی تحریف کر کے (نام نہاد) احادیث بھی شریک کر دیں)۔

"تفسیر: اے رسول، یہ کتاب آپ کی طرف اس لئے نازل کی گئی ہے کہ لوگوں کو آپ اس کے ذریعہ عذاب سے ڈرائیں اور مومنین کے لئے یہ کتاب باعثِ نصیحت ہو۔ اس کتاب کے نزول کے یہ دو مقصد ہیں لہٰذا آپ انہی دو مقاصد کو پیشِ نظر رکھیں۔ آپ کا کام بس اتنا ہے کہ کافروں کو ڈرائیں اور مومنین کو نصیحت کریں۔ اس کے بعد آپ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ گمراہوں کے ایمان لانے کی فکر میں آپ اپنے آپ کو نہ گھلائیں۔ اگر وہ ایمان نہیں لاتے اور آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ اپنے سینہ میں تنگی محسوس نہ کریں بے فکری کے ساتھ تبلیغ کرتے رہیں اور نتیجہ کو اللہ پر چھوڑ دیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَاصۡبِرۡ وَمَا صَبۡرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحۡزَنۡ عَلَيۡهِمۡ وَلَا تَكُ فِىۡ ضَيۡقٍ مِّمَّا يَمۡكُرُوۡنَ ﴿۱۲۷﴾ (النحل)

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ (تو) صبر ہی کرتے رہیں آپ کا صبر کرنا تو بس اللہ ہی کی توفیق سے ہو گا (بغیر اس کی توفیق کے صبر ہو ہی نہیں سکتا) اور (اے رسول) ان (کافروں کے حال) پر رنج و غم نہ کریں اور جو تدبیریں یہ لوگ کر رہے ہیں ان سے تنگ دل نہ ہوں۔ (۱۲۷)''

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفۡسَكَ اَلَّا يَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۳﴾ (الشعرآء:۳)

ترجمہ: (اے رسول) اس رنج و غم میں کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیں۔''

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تسلی دی کہ قرآن مجید بلاوجہ آپ کے لئے پریشانی کا باعث نہ بن جائے۔ آپ کا کام تو بس اس کے ذریعہ ڈرانا اور نصیحت کرنا ہے''۔ (توضیح یا تشریح یا تفسیر کرنا نہیں۔ صدیق)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''فَاِنۡ اَعۡرَضُوۡا فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا ؕ اِنۡ عَلَيۡكَ اِلَّا الۡبَلٰغُ ؕ (الشوریٰ:۴۸)

تو (اے رسول) اگر یہ رُوگردانی کریں تو ہم نے آپ کو ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجا، آپ کے ذمہ سوائے تبلیغ کے اور کچھ نہیں''۔ (اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے مگر اہلحدیث اس کے علاوہ توضیح، تشریح و تفسیر بھی ان کے ذمہ لگا دیتے ہیں! صدیق)

عمل: اے ایمان والو! قرآن مجید میں جو وعیدیں آئی ہیں ان سے ڈرتے رہئے اور اپنے اعمال کی اصلاح کیجئے۔ اے ایمان والو! قرآن مجید سے نصیحت حاصل کیجئے۔ اس میں جو احکام نازل ہوئے ہیں ان پر عمل کیجئے[۱]۔ (ص ۳۱۸۔۳۱۹، جزء ۴)''

کہئے کیا موصوف اس آیت میں كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ کے معنی یا مطلب قرآن مجید کے علاوہ کچھ اور لے رہے ہیں؟ نہیں۔ تو پھر ذرا اگلی آیت پڑھئے۔

**83۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ۳ میں اللہ تعالیٰ اس کی اتباع کا حکم دے رہا ہے جو اس نے نازل کیا:

''اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۳﴾ (الاعراف:۳)

(اے لوگو!) جو شریعت تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے (بس) اسی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ ولیوں (وغیرہ) کی پیروی نہ کرو (مگر) تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔ (۳) (ص ۳۲۰، جزء ۴)''

غور کیجئے معنوی تحریف کس طرح ہوتی ہے۔ ابھی پچھلی ہی آیت میں كِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ کہا گیا اور موصوف

---

[۱] اس مقام پر میں نے موصوف کی اس آیت کی پوری تفسیر نقل کر دی تاکہ کوئی ابہام نہ رہے۔ اور پھر آگے اس سے تقابل میں آسانی ہو جائے کہ یہاں کیا کہتے ہیں اور آگے کیا۔

نے اس کا ترجمہ کیا کہ "یہ کتاب آپ پر نازل کی گئی ہے"، لیکن یہاں اس آیت میں اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ کا ترجمہ کر رہے ہیں: "جو شریعت تم پر نازل ہوئی ہے" حالانکہ اس بات کو اندھا بھی سمجھ سکتا ہے کہ جب پچھلی آیت میں بات کتاب کی ہو رہی ہے جو نازل ہوئی ہے تو اس آیت میں بھی بات اسی کتاب کی ہو رہی ہے، بس لفظ کتاب یہاں محذوف ہے۔ لیکن اس کتاب کے لفظ کی جگہ شریعت لکھنا کھلی ہوئی معنوی تحریف ہے یونکہ موصوف شریعت کو نازل شدہ کتُب اللہ میں مکمل نہیں مانتے بلکہ اس کو (نام نہاد) احادیث کی سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابوں میں مکمل مانتے ہیں! کہئے کیا اس سے بڑا مذاق کوئی ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے بڑا افتراء اللہ تعالیٰ پر ہو سکتا ہے کہ وہ نعوذ باللہ اپنی نازل کردہ الکتاب میں اپنی شریعت دینے سے قاصر رہا بلکہ اس کو مکمل کرنے کے لئے سینکڑوں محدثین کو شریک کار کیا؟ اس پر بھی طُرّہ یہ کہ چودہ سو سال تک اس کی شریعت کروڑہا علما و فضلاء و امام و محدثین و مومنین یکجانہ کر سکے بلکہ اب تقریباً پندرھویں صدی میں آکر جماعت المسلمین کو رجسٹر کرانے کے بعد اس کے امیر جماعت جناب سید مسعود احمد صاحب شریعت کو یکجا کر سکے۔ حد تو یہ ہے کہ چودہ سو سال سے وہ صلوٰۃ (نماز) تک مومنین کو نہ مل سکی تھی جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بتائی تھی وہ بھی اب موصوف نے، موتیوں کے ہار کی طرح، یکجا کر کے امت کو عنایت کر دی!

غور کیجئے، کیا شریعت دین نہیں؟ اور اگر شریعت دین ہے یا دین ہی کا حصہ ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ جو دین کتاب اللہ میں اب سے تقریباً چودہ سو سال پہلے مکمل ہو چکا ہو[1] وہ امت کی نظر سے چودہ سو سال تک گمشدہ رہے حتیٰ کہ وہ نماز جیسے فریضہ کی ادائیگی بھی صحیح و مکمل طریقہ پر نہ کر سکے! کہئے کہیں پر سازش کی بو آرہی ہے کہ نہیں!

اب ذرا موصوف کی تفسیر کی طرف توجہ فرمایئے، دیکھئے القرآن المبین کے خلاف یہ سازش کس طرح اپنے قدم جماتی ہے:

> "تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکُمْ مِّنْ رَّبِّکُمْ) اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے (وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اَوْلِیَآءَ) اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو۔
>
> اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے اور ایک چیز سے منع فرمایا۔ جس چیز کا حکم دیا وہ یہ ہے کہ بس صرف اسی چیز کی پیروی کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی گئی ہے اور جس چیز سے منع فرمایا وہ یہ ہے کہ اولیاء میں سے کسی ولی کی پیروی نہ کی جائے۔ اللہ نے منزل من اللہ کی پیروی کو فرض کر دیا، اولیاء کی پیروی کو حرام کر دیا۔
>
> اللہ کی طرف سے پوری شریعت نازل ہوئی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کوئی حکم دیا ہے تو اس کی تشریح بھی خود فرمائی ہے" (ص ۳۲۰، جزء ۴)

غور کیجئے! کیا یہ تشریح جو اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے قرآن کریم ہی میں ہے یا اس سے باہر؟ پیچھے جو آیات آپ پڑھتے آرہے ہیں ان کے مطابق تو ساری تشریح تصریف الآیات کے ذریعہ قرآن کریم ہی میں ہے (سورہ الانعام

[1] اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (۵/۳) (اور آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا)

آیات: ۳۸،۳۸، ۵۹، ۶۵، ۹۸، ۹۹، ۱۰۶، ۱۱۵، ۱۲۷، ۱۵۵، ۱۵۸ و دیگر آیات)۔ مگر موصوف اس کو نہیں مانتے حالانکہ پیچھے ان آیات میں مان چکے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک حکم تو قرآن کریم میں دے اور اس کی تشریح سینکڑوں یا ہزاروں غیر قرآنی عجمی کتابوں میں کرے؟ جبکہ پیچھے کی آیات میں یہ ثابت ہو چکا کہ کتاب تو اس نے صرف قرآن مبین ہی وحی کی، نازل کی، اُتاری، وہی منزل من اللہ ہے (۹۷/ ۲، ۳/ ۳، ۷/ ۳، ۵۸/ ۳، ۱۰۸/ ۳، ۱۰۵/ ۴، ۱۱۳/ ۴، ۱۷۵/ ۴، ۴۸/ ۵، ۶۷/ ۵، ۱۰۴/ ۵، ۱۹/ ۶، ۹۳/ ۶ و دیگر آیات)۔ آگے اسی آیت کی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں: تفسیر: "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾ (قیامۃ: ۱۹)

پھر اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ (۹)

تشریح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی ہے اور رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ادا ہوتی ہے"۔ (ص ۳۲۱۔ جزء ۴)

بیشک، تشریح اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور وہ قرآن ہی میں ہے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان مبارک سے قرآن ہی ادا ہوتا تھا۔ وہ اگر ایک آیت پڑھ کر سُناتے تھے تو اس کی تشریح یا وضاحت میں اسی مضمون کی دوسری آیات سنا کر اس حکم کو واضح کر دیتے تھے اسی کو قرآن میں تصریف الآیات کہا گیا ہے۔ جیسا پیچھے آیات میں ثابت ہو چکا اور اسی کیلئے کہا گیا کہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ یعنی جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں (۱۶۴/ ۳) (نام نہاد) احادیث پڑھ کر نہیں سناتے تھے۔ اگر موصوف کے عقیدہ کے مطابق رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن' جو مبین ہے' کے علاوہ (نام نہاد) احادیث بھی سناتے تھے تو وہ نص صریح کیوں نہیں پیش کرتے؟ وہ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ جیسی آیت يَتلُوا عَلَيهِم اَحَادِيثِهٖ (نعوذ باللہ) کیوں نہیں پیش کرتے؟ وہ (اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ) (۱۹/ ۶) جیسی آیت اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الحدیث (نعوذ باللہ) کیوں نہیں پیش کرتے۔ وہ اگر دوسرا جنم بھی لے لیں تو ایسی آیات پیش نہیں کر سکتے۔ وہ محض ظن کی بنیاد پر اگر مگر چونکہ چنانچہ سے کام چلانا چاہتے ہیں اور اپنے عقیدہ کا پرچار کرنا چاہتے ہیں۔ اسی کو سازش کہا جاتا ہے کہ اگر، مگر چنانچہ کا چکر چلا کر لوگوں کو قرآن میں شبہ پیدا کر دو اور ان کو شرک پر لگا دو۔ (معاذ اللہ)۔ آگے اسی آیت کی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل: ۴۴)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے ذکر نازل کر دیا ہے تاکہ اس ذکر کی جو (ان لوگوں کی ہدایت کے لئے) ان کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ ان کے لئے تشریح و توضیح کر دیں۔ (۴۴)

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں لیکن آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وہ سب من جانب اللہ نازل ہوتی ہے" (ص ۳۲۱، جزء ۴)

گو کہ یہاں موصوف نے آیت کا پورا ترجمہ نہیں کیا (لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ کا ترجمہ نہیں) اور لفظ لِتُبَيِّنَ کا ترجمہ "تشریح و توضیح کر دیں" کیا ہے جو مناسب نہیں یونکہ خود موصوف نے تبین کے معنی "ظاہر ہو جانے کے"

(الانفال، آیت ۶، ص ۶۹۵، جزء ۴)(التوبۃ: آیت ۴۳، ص ۹۸۶، جزء ۴)، (التوبہ آیت ۱۱۳ ص ۱۱۲۰، جزء ۴) اور "بتا دینا" کے (التوبۃ، آیت ۱۱۵، ص ۱۱۲۵، جزء ۴) کئے ہیں۔ یہاں سیدھا سادہ ترجمہ "بتا دیجئے" یا "بیان کر دیجئے" زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے یونکہ دوسری جگہ رسول کو حکم ہوا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ (جو اللہ نے تم پر نازل کیا ہے اسے لوگوں تک پہنچادو، اس کی تبلیغ کر دو۔ ۶۷ /۵)، نیز اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ (آپ کے ذمہ سوائے تبلیغ کے اور کچھ نہیں۔ ۴۸ /۴۲) اور پچھلی ہی آیت میں موصوف خود اپنی تفسیر میں لکھ چکے ہیں کہ "آپ کا کام تو بس اس کے ذریعہ ڈرانا اور نصیحت کرنا ہے" تو اب یہ تشریح و توضیح کر دینا کیسے ہو گیا؟؟ جب کہ تشریح و توضیح تو خود اللہ تعالیٰ اپنا ذمہ بتا رہا ہے يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ (اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے لئے (اپنے احکام) کی وضاحت کرے ۲۶ /۴، نیز ۱۰۳ /۳، ۱۱۸ /۳، ۱۵۹ /۲، ۲۲۱ /۲، ۲۴۲ /۲، ۲۶۶ /۲، ۸۹ /۵، ۱۸ /۲۴، ۶۱ /۲۴، ۶۵ /۶ و دیگر آیات) بہر حال، اگر موصوف کی بات پوری طرح من و عن مان لی جائے تو بھی تو یہی معنی ہوئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآنی احکام کی جو تشریح کرتے تھے وہ سب یقیناً من جانب اللہ ہی ہوتی تھی اور اسی قرآن میں ہوتی تھی جیسا کہ ثابت ہوا۔ اور وہی آیات رسول اللہ سلامٌ علیہ پڑھ پڑھ کر سناتے تھے (۱۶۴ /۳) اور اسی سے لوگوں کا تزکیہ نفس کرتے تھے۔ اسی کا درس دیتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی تصدیق کر دی یہ کہہ کر کہ وَ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَ لِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَ لِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۞ (۱۰۶ /۶) (اور اسی طرح اپنی آیتیں پھیر پھیر کر لاتے ہیں تاکہ وہ کہیں، خوب درس دیا آپ نے، اور تاکہ ہم خود اس کی تبیین کر دیں واسطے اس قوم کے کہ وہ جان لیں) (کہ اس کی تبین خود اللہ نے کر دی ہے)

پس یہ ثابت ہوا کہ تبینِ قرآن رسول اللہ سلامٌ علیہ کی ذمہ داری نہیں تھی وہ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم ہی میں خود کر دی تھی۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ اسی تبین کو تصریف الآیات کے ذریعہ لوگوں کو سناتے تھے، درس دیتے تھے۔ بیان کرتے تھے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے اور موصوف کا قیاس صحیح ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کی تشریح و توضیح کرتے تھے بذریعہ (نام نہاد) احادیث تو پھر لاؤ وہ رسولی تفسیر پیش کرو، کہاں ہے وہ؟ ہم تو پہلے بھی یہ چیلنج کر چکے ہیں۔ اگر رسولی تفسیر موجود ہے تو پھر ہر صدی میں پچاسیوں تفسیریں کیوں ہوتی رہیں اور اب موصوف نے بھی اس صدی میں ہزاروں صفحات پر مشتمل ایک اور تفسیر لکھ ڈالی! آخر اتنی زحمت کیوں کی؟ جب رسول کی تفسیر موجود تھی وہی دوبارہ چھپوا لیتے اور ترجمہ کر دیتے........ مگر افسوس کہ موصوف کا قیاس اور موصوف کا دعویٰ و عقیدہ دونوں ہی کھوکھلے ہیں۔ حد تو یہ ہے کہ وہ یہاں اس آیت کی تفسیر میں بھی کوئی رسولی حدیث یا رسولی تفسیر[۱] نہ پیش کر سکے بلکہ اپنی وہی اگر مگر، چونکہ، چنانچہ کی منطق پیش کی ہے دیکھئے وہ آگے فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کی جو تشریح رسول اللہ ﷺ نے فرمائی وہ سب احادیث میں محفوظ ہے۔ گویا احادیث کا مفہوم سب منزل من اللہ ہے" (ص ۳۲۱، جزء ۴)

---

۱۔ اور صرف یہیں نہیں بلکہ سورہ النحل کی اپنی تفسیر لکھتے ہوئے بھی وہ اس آیت کی کوئی رسولی تفسیر یا تشریح نہ پیش کر سکے۔ جس آیت کے ترجمہ سے آپ ایک عقیدہ بنا رہے ہیں کم از کم اسی آیت کیلئے رسولی تفسیر تو پیش کر دیتے۔ مگر جب یہ عقیدہ ہی صحیح نہیں تو کہاں سے آئے رسولی تفسیر!

موصوف کے فرمائے ہوئے ایک ایک جملہ پر غور کیجئے۔ موصوف کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی جو تشریح رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمائی وہ سب احادیث میں محفوظ ہے۔ ہم پوچھتے ہیں وہ کہاں ہے؟ ہمیں بھی تو اس کتاب کا نام بتادیجئے جس میں وہ رسولی تشریح مل جائے! چلئے اگر ایک کتاب نہیں تو ایک سے زائد کتابوں کے نام بتادیجئے! پچھلے چودہ سو سال میں بڑے سے بڑے امام المحدثین میں سے کسی نے بھی وہ رسولی تفسیر جمع نہیں کی بلکہ اپنی اپنی تفسیریں لکھتے رہے! (مثل تفسیر طبری، تفسیر رازی، تفسیر ابن کثیر وغیرہ) کسی نے بھی تفسیرِ رسول نہیں لکھی یا جمع کی جب کہ قرآن تو زیدؓ بن ثابت سے لکھوالیا تھا! تو پھر تفسیر کیوں نہ لکھائی؟ کیا اس کے ضائع ہو جانے کا خوف نہیں تھا؟ خیر ان اماموں واکابرین کو چھوڑیئے آپ اسی آیت کی تفسیر بتادیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس آیت کی کیا تشریح وتوضیح وتفسیر فرمائی۔ انہوں نے لفظ تبیین کے کیا معنی بتائے کہ وہ (نام نہاد) احادیث سے اس کی تشریح کریں گے یا اللہ تعالیٰ کی خود کی ہوئی تشریح جو اس نے تصریف الآیات سے اپنے قرآن ہی میں کی ہے وہ ہی بیان فرمائیں گے۔ ابھی تو آپ خود اپنے پچھلے جملہ میں یہ فرما چکے ہیں کہ:

"مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح رسول اللہ ﷺ کرتے ہیں لیکن آپ اپنی طرف سے نہیں بلکہ وہ سب من جانب اللہ نازل ہوتی ہے" (ص ۳۲۱)

اور پیچھے ہم متعدد آیات پیش کر چکے ہیں کہ قرآن کی تشریح یقیناً من جانب اللہ ہی ہوتی ہے مگر وہ اسی قرآن مجید ہی میں ہوتی ہے قرآن مجید سے باہر نہیں۔ (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ نہ ہی اللہ تعالیٰ نے یہ کہا کہ تصریف الآیات (نام نہاد) احادیث میں دیکھو اور نہ ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ایسا کہا۔ مگر آپ فرماتے ہیں کہ "وہ سب احادیث میں محفوظ ہے"۔ اب آپ کی بات مانیں یا اللہ کی اور رسول سلامٌ علیہ کی۔ آپ کی بات مان لیں تو یقیناً مشرک ہو جائیں گے یونکہ آپ غیر اللہ ہیں۔

آپ کا دوسرا جملہ ہے کہ "گویا احادیث کا مفہوم سب منزل من اللہ ہے" تو یہ آپ کا اپنا قیاس ہے۔ یہ نہ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور نہ ہی اس کے رسول سلامٌ علیہ نے! ہم پیچھے متعدد آیات پیش کر کے یہ ثابت کر چکے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ایک الکتاب محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر اُتاری، صحیح بخاری ومسلم وغیرہ نہیں۔ تو ان میں لکھی ہوئی روایات منزل من اللہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ ہاں اگر ان میں کہیں کہیں کچھ آیات نقل کر دی گئی ہیں تو وہ ضرور منزل من اللہ ہیں، ورنہ تو پھر پارس کے پیر نے بھی اپنی کتابوں میں قرآنی آیات لکھ کر ہی اپنی فحشیات کا پرچار کیا ہے تو کیا آپ اسے بھی منزل من اللہ مانتے ہیں؟ اور اگر بخاری ومسلم وغیرہ کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث منزل من اللہ ہیں تو پھر آپ بتایئے کہ قرآن کتنے ہیں؟ آپ یہ چھپاتے کیوں ہیں؟ دین یا حق کو چھپانا سوائے ایک فرقہ کے کسی کے نزدیک بھی اچھی بات نہیں۔ آگے اپنی تفسیر میں موصوف قیاس فرماتے ہیں:

"مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ (النساء۔۱۰۳)

بے شک مومنین پر نماز کا مقررہ اوقات پر پڑھنا[1] فرض کر دیا گیا ہے"۔

---

[1] آیت میں پتہ نہیں کس لفظ کا ترجمہ موصوف نے "پڑھنا" کیا ہے۔

خیال رہے کہ موصوف جو یہ آیت پیش کر رہے ہیں وہ اوپر سورہ النحل کی پیش کردہ آیت نمبر ۴۴ کی تفسیر نہیں ہے بلکہ وہ اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے اپنے قیاس کو بنیاد بنا رہے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ "صلوٰۃ" کیا چیز ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ "صلوٰۃ" کے مقررہ اوقات کون سے ہیں۔ صلوٰۃ کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور اس کے اوقات بھی رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائے۔

غور کیجئے۔ موصوف کا یہ قیاسی بیان بہت بڑا اسفید جھوٹ اور دھوکہ ہے۔ قرآن کریم پر ایمان لانے والے جو قرآن کریم کو اُم الکتاب کی حیثیت سے پڑھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ "صلوٰۃ" کوئی نئی چیز نہیں بلکہ وہ تو رسول اللہ ﷺ تک مع کل تفصیلات کے پچھلے انبیاء کرام سے تسلسل سے پہنچی تھی جس کے بارے میں اجمالی طور پر اور اصولی طور پر قرآن کریم میں متعدّد جگہ ذکر آیا۔...... (۸۷۔۸۴ /۱۱ ، ۱۔۷ /۱۰۷ ، ۱۲۵ /۲، ۱۷۷ /۲، ۳۹ /۳، ۴۳ /۴ ، ۱۰۱ /۴، ۱۰۲ /۴ ، ۹۱ /۵، ۳ /۸، ۳۵ /۸، ۵۴ /۹، ۸۷ /۱۰، ۳۱ /۱۴، ۳۷ /۱۴، ۱۱۰ /۱۷، ۵۸۔۵۹ /۱۹، ۱۴ /۲۰، ۱۳۳ /۲۰، ۴۰ /۲۲، ۳۷ /۲۴،... ۴۱ /۲۴، ۴۵ /۲۹، ۳۵ /۲۹، ۹۔۱۰ /۶۲، ۹۔۱۰ /۹۶ ) اور اسی طرح سے قرآن کریم میں متعدّد مقامات پر اس کے اوقات مقررہ کے بارے میں بتایا گیا۔ (۱۱۴ /۱۱ ، ۷۸ /۱۷، ۱۳۰ /۲۰، ۱۷۔۱۸ /۳۰، ۳۹۔۴۰ /۵۰ ، ۴۸،۴۹ /۵۲ ، ۵۸ /۲۴، ۲۵ /۷۶،... ۲۰۵ /۷ ، ۴۲ /۳۳، ۹ /۴۸)

حتیٰ کہ وضو کا طریقہ اور کن حالات میں وضو کرنا ہے (یعنی کن چیزوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور وضو کرنے کی ضرورت ہوتی ہے) سب کچھ بتا دیا گیا۔ یہاں یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ قرآن کریم میں اللہ کے حکم کے مطابق وضو صرف صلوٰۃ کے لئے ہے (۵ /۶) مگر ہمارے علما و فقہاء نے اس کو اور بہت سے مقامات پر بھی فرض قرار دے دیا ہے! اب غور کیجئے کہ شارع کون ہوا؟ اللہ تعالیٰ یا ہمارے علما و فقہاء؟ اور علما و فقہا کو اللہ کی طرح شارع بنا لینا اور ان کی اطاعت کرنا ہی شرک ہے (۹/۳۱)

موصوف کے قیاسی بیان پر غور کیجئے کہ "صلوٰۃ کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے فرمائی اور اس کے اوقات بھی رسول اللہ ﷺ نے مقرر فرمائے" تو لاؤ وہ کہاں ہے؟ مگر بجائے اس کے کہ موصوف رسولی تشریح بتاتے کہ "صلوٰۃ" کیا ہے، کس طرح قائم کی جائے گی اور کن اوقات میں قائم کی جائے گی۔ وہ یہ کہانی والی روایت لائے ہیں۔ پڑھیے اور سر دھنیئے:

ترجمہ: " حضرت ابو مسعود ﷺ فرماتے ہیں:

جبریل نازل ہوئے۔ انہوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر جبریل نے نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر جبریل نے نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی۔ پھر جبریل نے نماز پڑھی، رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی پھر جبریل نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، پھر جبریل نے فرمایا: (ان اوقات اور) اس (طریقہ کا آپ کو حکم دیا گیا ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اس طرح فرماتے ہوئے سُنا ہے)۔

( صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ و فضلنا جزء اول ص ۱۳۹، وروٰی مسلم نحوہٗ، فی کتاب الصلوٰۃ باب اوقات الصلوٰۃ الخمس، جزء اوّل ص ۲۴۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "صلوٰۃ" کی تشریح اور اس کے اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ پھر یہی تشریح اور صلوٰۃ کے اوقات کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بتا دی" (ص ۳۲۱۔ ۳۲۲، جزء۔ ۴)

قارئین ذرا غور کیجئے اس (نام نہاد) حدیث پر جس میں تفصیل بتانے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اور جس کا ترجمہ بھی بغیر قوسین کے پورا نہیں ہو رہا۔ بلکہ شاید یہ بتانے کی کوشش ہو رہی ہے کہ یہ (نام نہاد) حدیث بھی کتاب اللہ کی طرح ہے کہ اکثر جگہ کچھ الفاظ محذوف ہوتے ہیں تو ترجمہ کرتے وقت قوسین میں لکھ کر مطلب واضح ہو جاتا ہے! عقل سلیم فوراً یہ سوال کرتی ہے کہ آپ کا دعویٰ تو ہے کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کی تشریح، وضاحت یا تفسیر ہے تو پھر اس میں بھی محذوف الفاظ رکھنا اور وضاحت سے بیان نہ کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ کیا اس کو تشریح، وضاحت یا تفسیر کہا جا سکتا ہے؟

قارئین اب ذرا ایمان داری سے بتائیے کہ اوپر کی (نام نہاد) حدیث پڑھنے کے بعد آپ کو کیا سمجھ آیا جب کہ موصوف نے خود یہ سوال اُٹھایا تھا کہ "اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کیا چیز ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ صلوٰۃ کے مقررہ اوقات کون سے ہیں" اور اس اپنے سوال کے جواب میں انہوں نے اوپر والی (نام نہاد) حدیث پیش کی۔

(۱)۔ کیا اس (نام نہاد) حدیث سے آپ کو سمجھ آئی کہ "صلوٰۃ" کیا چیز ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ جبریل نے کیا پڑھا؟ کس طرح پڑھا؟ کیا حرکات و سکنات کیئے؟

(۲)۔ کیا اس (نام نہاد) حدیث سے آپ کو صلوٰۃ کے مقررہ اوقات معلوم ہوئے؟ چلئے کوئی ایک وقت ہی بتا دیجئے جو اس (نام نہاد) حدیث میں جبریل نے بتایا ہو؟ (شاید وہ پہلی وحی کی طرح جس میں اللہ کا نام لینا ہی بھول گئے تھے یہاں وقت بتانا بھول گئے!)

(۳)۔ چلئے آپ یہی بتا دیجئے کہ آپ کو اس تشریح سے کیا سمجھ آیا؟

(۴)۔ اوپر موصوف نے جو دعویٰ کیا کہ "اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "صلوٰۃ" کی تشریح اور اس کے اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ پھر یہی تشریح اور صلوٰۃ کے اوقات کی تفصیل رسول سلامٌ علیہ نے اپنی امت کو بتا دی" تو جبریل کے ذریعہ یہ جو تفصیل آئی اس سے آپ کیا سمجھے؟ کیا آپ کو کچھ تفصیل سمجھ میں آئی؟ کیا اسی کو تفصیل یا تشریح کہتے ہیں؟ کتنا کھوکھلا دعویٰ ہے موصوف کا؟ کیا یہ سراسر دھوکہ نہیں؟

موصوف اس کھوکھلی نام نہاد تفصیل کے بعد فرماتے ہیں:

اللہ فرماتا ہے:

"فَإِذَآ أَمِنتُمْ فَٱذْكُرُوا۟ ٱللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا۟ تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ (البقرہ۔ ۲۳۹)

ترجمہ: پھر جب تمہیں امن نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر اس طریقہ سے کرو جس طریقہ سے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے اور جس کو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے۔ (۲۳۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "صلوٰۃ" کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا لیکن یہ طریقہ قرآن مجید میں نہیں ہے، احادیث میں ہے، گویا احادیث میں جو طریقہ سکھایا گیا ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے منزل من اللہ ہے۔ کس صلوٰۃ میں کتنی رکعتیں پڑھی جائیں، ہر رکعت میں کتنے رکوع اور سجدے کیئے جائیں، قیام و قعود اور

رکوع و سجود میں کیا پڑھا جائے۔ یہ سب کچھ احادیث میں ہے اور یہ سب من جانب اللہ رسول ﷺ کو سکھایا گیا ہے۔" (تفسیر قرآن عزیز ص ۳۲۲، جز ۴)

موصوف نے سورہ البقرہ کی جو آیت نمبر ۲۳۹ پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو نماز کا طریقہ سکھایا۔ تو یہ استدلال صحیح نہیں۔ یونکہ بقول موصوف کے جبریل تو آکر نماز پڑھ کر چلے گئے مگر یہ نہ بتایا کہ کیا کیا کس رکن میں پڑھنا ہے اور کیا کیا کرنا ہے اور کتنی مرتبہ کرنا ہے۔ دیکھنے سے تو صرف حرکات ہی سمجھ آسکتی ہیں مگر ان میں کیا پڑھا کچھ نہ معلوم ہو سکا! جب اس ایک روایت سے کام نہ بن سکا تو ایک اور بنائی گئی اور اس میں جبریل کا دو دو اوقات میں صلوٰۃ پڑھ کر دکھانا بتایا گیا، کہ ان دو نمازوں کے درمیان میں فلاں فلاں نماز کا وقت ہے[1] پھر ایک اور روایت بنائی گئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ صلوٰۃ پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے دیکھتے[2] ہو تو کیا پڑھتے دیکھ کر پڑھنے سے صلوٰۃ پڑھنا آجاتا ہے یا صرف ارکان کی حرکات سمجھ میں آتی ہیں؟ (پھر اہل فقہ کے یہاں جو صلوٰۃ کی ادائیگی کے دو طریقے ہیں ایک مردوں کا اور ایک عورتوں کا، تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے مردوں کے طریقہ سے صلوٰۃ پڑھ کر دکھائی یا عورتوں کے طریقہ سے؟)۔[3] چلئے اگر تھوڑی دیر کیلئے موصوف کا استدلال مان بھی لیں کہ (نام نہاد) احادیث نازل کر کے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو صلوٰۃ پڑھنے کا طریقہ سکھایا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاؤ وہ طریقہ دکھاؤ کس (نام نہاد) حدیث میں ہے؟ چلو اگر ایک (نام نہاد) حدیث میں نہیں تو ایک درجن میں دکھادو۔ وہ بھی نہیں تو چلو کسی ایک کتاب ہی میں بلکہ قرآن کے علاوہ دونوں کتابوں (بخاری و مسلم) میں دکھادو جس کے لئے موصوف کا دعویٰ ہے کہ وہ صحت کے اعتبار سے قرآن کے برابر ہیں۔ موصوف نے خود جو صلوٰۃ تقریباً چودہ صدیوں بعد اپنی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" میں مرتب کی ہے وہ کم از کم ۵۳ کتابوں سے جمع کی ہے! یہ حال ہے رسول سلامٌ علیہ کی بتائی ہوئی تفصیل و تشریح کا! اگر یہ تشریح اللہ تعالیٰ نے نازل کی تو:

(۱)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آکر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو، موصوف کی مرتب کردہ کتاب صلوٰۃ کے مطابق، وضو کرنے کا طریقہ بتایا ہو۔ جب کہ موصوف کے مطابق انہوں نے آکر نماز پڑھ کر دکھائی۔ مگر وہ وضو کا طریقہ بتانا بھول گئے حالانکہ نماز سے پہلے وہ ضروری ہے مگر مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ وہی مثل یہاں صادق آتی ہے کہ نماز پڑھنے کی روایت بنانے والا وضو بھول گیا!

(۲)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آکر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بتایا ہو کہ نیت باندھتے وقت قیام میں سینہ پر کس جگہ ہاتھ رکھے جائیں گے؟ موصوف نے اپنی کتاب میں صرف ہاتھ باندھنے کی کیفیت کو، بمشکل تمام، کتنی کتابوں سے لکھا ہے۔ غور کیجئے:

---

[1] سنن ابو داؤد، جلد اوّل، کتاب الصلوٰۃ، باب ۱۴۷، المواقیت، حدیث ۱۹۲، ص ۱۷۷ اور جامع الترمذی، جلد اوّل، ابواب الصلوٰۃ، باب ماجاء فی مواقیت الصلوٰۃ ص ۱۰۰۔ [2] صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِىْ اُصَلِّی ۔ (صلوٰۃ اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے) تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے (صحیح بخاری)۔ [3] اہل فقہ، بلکہ حنفیوں کے ہاں عورتوں کی نماز کے طریقہ کا فرق کسی روایت میں بھی نہیں بلکہ وہ ان کے بنائے ہوئے اپنے امام کے مطابق انسب ہے۔ تو بتایئے کہ شارع وہ امام صاحب ہوئے یا اللہ؟

"پھر سیدھے ہاتھ سے اُلٹے ہاتھ کو اس طرح پکڑے کہ سیدھے ہاتھ کا کچھ حصہ اُلٹے ہاتھ کی پشت کف پر ہو، کچھ پہنچے پر ہو اور کچھ کلائی پر[1] اس طرح کرنے کے بعد ہاتھوں کو سینہ پر رکھ لے" [2]

(۳)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آ کر اذان دے کر اور اقامت کہہ کر بتایا ہو کہ اذان اور اقامت کے الفاظ مجھ سے سیکھ لو۔ بلکہ اوپر کی موصوف کی پیش کردہ روایت میں تو جبریل صلوٰۃ پڑھنے سے پہلے صرف وضو ہی نہیں بلکہ اذان اور اقامت بھی بھولے ہوئے ہیں۔

قارئین میں نے آپ کو ایک مثل یاد دلائی تھی کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے۔ موصوف اوپر لکھ چکے ہیں کہ "اس (جبریل والی) حدیث سے معلوم ہوا کہ 'صلوٰۃ' کی تشریح اور اس کے اوقات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے (یعنی جبریل نے آ کر بتائے) پھر یہی تشریح اور صلوٰۃ کے اوقات کی تفصیل رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بتا دی" (ص ۳۲۲، جزء ۴) اب دیکھئے اذان (جو صلوٰۃ ہی کی تشریح میں آتی ہے یونکہ صلوٰۃ سے پہلے لازمی ہے) کس طرح نازل ہوئی: موصوف سورہ المائدہ کی اپنی تفسیر میں آیات ۵۷، ۵۸ کی تفسیر میں لکھتے ہیں (میں اب صرف ترجمہ کا اردو متن لکھ رہا ہوں یونکہ بات بہت لمبی ہوتی جا رہی ہے):

ترجمہ: "حضرت عبد اللہ بن زید کہتے ہیں: جب رسول اللہ ﷺ نے ناقوس [3] بنانے کا حکم دیا تاکہ اسکے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا جائے تو میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا کہ وہ ایک ناقوس کو اپنے ہاتھ میں اُٹھائے

---

[1]۔ اخذ شمالہ بیمینہ (ابوداؤد عن وائلؓ وسندہ صحیح) وفی روایۃ وضع یدہ الیمنی علی ظہر کفہ الیسریٰ والرسغ والساعد (رواہ ابوداؤد واحمد عن وائلؓ) وسند جید (بلوغ الامانی جزء ۳، ص ۱۴۷) وصححہ ابن خزیمہ (تسہیل القاری شرح صحیح بخاری ج ۳ ص ۸۳۸) کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنٰی علی ذراعہ الیسریٰ فی الصلوٰۃ (صحیح بخاری عن سہلؓ)

[2]۔ یضع یدہٗ علی صدرہ (رواہ احمد عن ہلبؓ وسندہ حسن) وصححہ ابن عبد البر (تعلیقات احمد محمد شاکر علی الترمذی باب ما جآء فی الانصراف) ("صلوٰۃ المسلمین" شائع کردہ جماعت المسلمین، اشاعت اول، ص ۱۶۰)

[3]۔ اس روایت کے مطابق رسول سلامٌ علیہ نے ناقوس بنانے کا حکم دیا تھا تاکہ لوگوں کو نماز کیلئے جمع کیا جائے' لوگوں کے اس عقیدہ کی نفی ہوتی ہے کہ رسول سلامٌ علیہ کچھ نہیں بولتے تھے سوائے وحی کے (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞) (النجم: ۳-۴) روایت کے مطابق تو ناقوس بنانے کا حکم تو وحی تھا تو پھر یہ تبدیل کیسے ہو گیا؟ حقیقت یہ ہے کہ لوگ آیت کی غلط تاویل کرتے ہیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ رسول دین کے معاملہ میں اپنی طرف سے کچھ نہیں بولتے بلکہ وہ تو صرف وہ بولتے ہیں جو ان کو وحی کیا جاتا ہے یعنی وہ تو صرف قرآنی آیات ہی لوگوں کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے، اسی سے درس دیتے تھے۔ اسی سے ڈراتے تھے، اسی سے تزکیہ نفس کرتے تھے، بخاری، مسلم ابوداؤد کی روایات سے نہیں۔ یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ اذان دینی معاملہ نہیں تھا بلکہ وہ تو اس وقت لوگوں کو صلوٰۃ کے لئے بلانے یا جمع کرنے کا بلاوا/ طریقہ تھا۔ ورنہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ناقوس بنانے کا حکم نہ دیتے بلکہ وہ ان کو وحی کے ذریعہ بتا دیا جاتا کہ ان کلمات کو پکار کر لوگوں کو جمع کر لیا کرو۔ لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود فرما رہا ہے کہ:

(۱)۔ ترجمہ: "(اے رسول) کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو (اور جب وہ پڑھا جائے تو) اس کی (قراءت) کے دوران شور مچایا کرو تاکہ تم غالب رہو۔ (۲۶/۴۱)۔ (خیال کیجئے کافر یہ لغو کام وحی یعنی قرآن کریم کے پڑھے جانے اور سننے کی بابت کرتے تھے۔ وحی خفی یا (نام نہاد) احادیث پڑھے جانے اور سنے جانے کی بابت نہیں کرتے تھے۔ صدیق)۔ بقیہ اگلے صفحہ پر

ہوئے تھا۔ میں نے اس سے کہا: اے اللہ کے بندے کیا تم اس ناقوس کو بیچو گے۔ اس نے کہا: تم اس کا کیا کرو گے؟ میں نے کہا: ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کریں گے۔ اس نے کہا: کیا میں تم کو اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟ میں نے کہا: کیوں نہیں (بتایا) اس نے کہا تم اس طرح کہا کرو۔۔۔ (اذان کے ۱۵ کلمے اور اقامت کے ۱۱ کلمے)

جب صبح ہوئی تو میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا میں نے جو کچھ دیکھا اس کی آپ کو خبر دی۔ آپ نے فرمایا: یہ خواب انشاء اللہ حق ہے تو تم بلال کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ اور جو کچھ تم نے دیکھا ہے اُن کو سکھا دو اور وہ اس کے ساتھ اذان دیں، کیونکہ وہ تم سے زیادہ بلند آواز ہیں۔ میں بلالؓ کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور وہ اس کے ساتھ اذان دیتے رہے۔ عمر بن خطابؓ نے جو اس وقت اپنے گھر میں تھے یہ اذان سُنی تو اپنی چادر کھینچتے ہوئے گھر سے نکلے اور (رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر) عرض کیا: اے اللہ کے رسول جو کچھ ان کو دکھایا گیا اس کے مثل میں نے بھی خواب میں دیکھا ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا **فَلِلّٰہِ الْحَمد** تو سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب کیف الاذان جزء اول ص ۸۷، ص ۹۷، وسندہ، صحیح۔ نیل الاوطار جزء ۲۔ ص ۳۱) " (ص ۷۰۷۔ ۷۰۹، جزء ۳)

قارئین کہیئے، یہ وحی خفی یا اللہ کی طرف سے وحی لے کر جبریل کے نازل ہونے کا طریقہ آپ کو پسند آیا؟ یہ کوئی لطیفہ نہیں بلکہ صحاح ستہ کی مشہور کتاب سنن ابوداؤد کی صحیح روایت ہے۔ اب اگر خواب میں نظر آنے والا شخص جبریل تھا تو وہ بجائے رسول سلامٌ علیہ کے خواب میں آنے کے ایک صحابیؓ کے خواب میں آ گیا تھا بلکہ دو صحابیوںؓ کے۔ بچارے سے زیادہ بھاگ دَوڑ کی وجہ سے بھول تو اکثر ہو ہی جاتی تھی! اب وہ صلوٰۃ کی تشریح کا کچھ حصہ بجائے رسول پر نازل کرنے

---

بقیہ سابقہ حاشیہ

(۲)۔ ترجمہ: "(اور دیکھو یہ کافر) جب تم نماز کے لئے **ندا** دیتے ہو تو اس کا مذاق اُڑاتے ہیں۔ اسے کھیل بنا رکھا ہے۔ (۵/۵۸)

(۳)۔ ترجمہ: اے ایمان والو! جمعہ کے دن جب **ندا** دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی سے آ جایا کرو اور خرید و فروخت چھوڑ دیا کرو (۶۲/۹) غور کیجئے ان دونوں آیات میں لفظ **اذان** استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ لفظ **ندا** استعمال ہوا ہے اور پھر اس ندا کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب بھی نہیں کیا بلکہ یہ فرمایا کہ جب تم نماز کے لئے ندا دیتے ہو (۵/۵۸) "، "جمعہ کے دن جب ندا دی جائے" (۶۲/۹) حالانکہ عام طور پر ' قرآن الحکیم کا انداز یہ ہے کہ ہر کام کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کرتا ہے ........ مگر اس ندا کو، جو کہ اس وقت کی ضرورت تھی کہ گھڑیاں وغیرہ نہیں ہوتی تھیں نہ نماز کے اوقات کا چارٹ / کیلنڈر ہوتا تھا۔ عجمیوں نے مقدس بنا لیا کہ ہر مصیبت کے وقت اذانیں دینے کا رواج بھی قائم کر دیا! (میں نے خود ایک بوہری شیعہ کو، جب کہ اس کا کاروبار ٹھپ ہو گیا تھا، صبح اپنی دکان کھولنے کے بعد دکان کے اندر کھڑے ہو کر اذان دیتے ہوئے دیکھا ہے۔ جبکہ بارش، آندھی، طوفان و زلزلہ وغیرہ میں جگہ جگہ اذانیں دینے کی روایت عام ہے) اس پر طُرّہ یہ کہ ان غیر قرآنی ندا / اذان کے بعد پڑھنے کیلئے ایک مضحکہ خیز دعا بھی بنالی گئی ہے! (معاذ اللہ)۔ رسول سلامٌ علیہ ان لوگوں کی دعاؤں کے محتاج ہیں! خیال رہے کہ الفاظ اذان اور مؤذن دونوں ہی قرآنی الفاظ ہیں مگر ان کے معنی اعلان یا اعلان کرنا اور اعلان کرنے والا ہیں۔ (۷/۴۴، ۱۲/۷۰، ۹/۳) اور یہ دونوں الفاظ قرآن الحکیم میں نماز / صلوٰۃ کے ساتھ استعمال نہیں ہوئے مگر عجمیوں نے انہیں نماز صلوٰۃ کے لئے مختص کر دیا!

کے صحابیوں پر ہی ڈائرکٹ نازل کر گیا[1]۔ (شاید جبریل کی اسی کمزوری کی وجہ سے بہت سے اس سے دشمنی رکھتے تھے کہ وہ محمد سلامٌ علیہ کے پاس کیوں آتا ہے، اور ایک فرقہ کا عقیدہ ہی کچھ اس قسم کا ہو گیا کہ جبریل سے غلطی ہو گئی کہ وہ بجائے فلاں کے محمد سلامٌ علیہ کے پاس پہلی وحی لے کر چلا گیا) کہئے موصوف کا دعویٰ تو ثابت ہو گیا کہ نماز کی تشریح اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل و(نام نہاد) احادیث نازل کیں! اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۔ کتنی عجیب بات ہے کہ قرآن کی تشریح رسول کو معلوم نہیں وہ تو ناقوس بنانے کا حکم دے رہے ہیوں اور ادھر صحابیوں پر تشریح نازل ہو رہی ہے اور وہ آ کر رسول سلامٌ علیہ کو وہ تشریح بتا رہے ہیں۔ یا پھر یہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات ہے کہ شاید پہلے رسول سلامٌ علیہ پر وہ وحی آئی ہو گی کہ ناقوس کے ذریعہ لوگوں کو نماز کے لئے جمع کیا کیجئے۔ مگر بعد میں اللہ تعالیٰ کو خیال آیا کہ یہ تو مشرکین سے مشابہت ہو جائے گی اس لئے کوئی اور طریقہ سوچا جائے پھر اسے اذان والا طریقہ سمجھ آیا یا شاید کسی فرشتہ نے لقمہ دیا ہو گا۔ تو اس نے پچھلی وحی منسوخ کر کے نئی وحی بھیج دی۔ اس کے لئے یہ کوئی بڑی بات تو تھی نہیں وہ تو جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ (نعوذ باللہ) بات دراصل یہ ہے کہ اس زمانہ میں موجودہ ترقی یافتہ ذرائع رسل و رسائل تو تھے نہیں۔ تو عوام سے رابطہ کا عام ذریعہ طبل یا ڈھول یا ناقوس یا ڈگڈگی وغیرہ کے ذریعہ مجمع اکٹھا کرنا ہوتا تھا پھر قصہ گو یعنی ذاکر صاحبان مجمع کے سامنے جو چاہتے تھے کھڑے ہو کر سنا دیا کرتے تھے کوئی چیلنج کرنے والا عام مجمعوں میں کھڑا نہیں ہوتا۔ (بخاری، مسلم وغیرہ جیسے دانشور تو اپنے گھروں میں بیٹھ کر ان سُنی سنائی باتوں و قصّوں کا تجزیہ کرتے تھے اسی لئے انہوں نے لاکھوں کے حساب سے ایسے قصّے یعنی (نام نہاد) احادیث رَد کر دیئے تھے اسی لئے آج کے دَور میں انہیں دنیا کے سب سے بڑے منکرینِ احادیث کہا جاتا ہے۔ جو قصے انہوں نے رد نہیں کئے وہ یا تو ان کی تہہ تک نہیں پہنچے یا ان کی اپنی عقل کے مطابق درست تھے یا پھر ان کے نام سے بعد والوں نے ان کی کتابوں میں داخل کر دیئے تھے۔ اب چونکہ ان کے اصل نسخے تو کسی کے پاس ہیں نہیں اس لئے مزید تحقیق نہیں ہو سکتی۔ البتہ اگر اگلی صدیوں میں وہ فرانس یا اسپین کی لائبریریوں سے برآمد ہو گئے تو پھر شاید کچھ بات بنے)۔ اب یہ جو قصّہ گو، یا ذاکر صاحبان ہوتے تھے وہ عام طور پر درباری قسم کے لوگ ہوتے تھے یعنی بادشاہوں یا حاکموں کے درباروں کے ملازمین وغیرہ یا مصاحبین وغیرہ کے ملازمین وغیرہ تو ان کا ذہن تو اتنا ہی کام کر سکتا تھا جتنا وہ ان لوگوں کو کوئی کام کرتے دیکھتے تھے کہ مثلاً ایک وقت بادشاہ سلامت کا موڈ اچھا ہے تو انہوں نے ترحم خسروانہ سے کوئی اچھا حکم دیدیا اور بڑے سے بڑے مجرم یا ملزم کو بھی بَری کر دیا (جیسے ہمارے ہاں ایک حاکمِ وقت نے آتے ہی چھ ہزار خطرناک مجرمین کو جیلوں سے رہا کر دیا تھا۔ اور پھر جب ان کا موڈ خراب ہوا تو انہوں نے ہزاروں بے گناہ لوگوں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا تھا) مگر جب موڈ خراب ہوا تو سخت حکم دیدیا یا اس پچھلے حکم کو منسوخ کر دیا۔ اب چونکہ عیسائی اثرات کے تحت اللہ تعالیٰ کا تصوراتی ہولا بھی وہی تھا کہ وہ بہت لمبی داڑھی لئے اپنے زرق برق عرش پر بیٹھا ہے جس کو ہوا میں فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے اور وہ جہاں چاہتا ہے فرشتے اس کو اُڑا کر لے جاتے ہیں اور وہ اپنے موڈ کے مطابق بڑے سے بڑے مجرمین یا گناہ گاروں کو معاف کر دیتا ہے اور جب ناراض ہوتا ہے تو اپنے رسول کے جسم میں بھی کیڑے ڈال دیتا ہے (نعوذ باللہ) تو انہوں نے اسی تصور کے زیرِ اثر اس قسم کی کہانی بنا ڈالی کہ پہلے اللہ تعالیٰ نے ناقوس بجانے کی وحی بھیجی پھر اسے منسوخ کر کے اذان دینے کی وحی بھیج دی اور وہ بھی

[1] خیال رہے موصوف کے مطابق خواب نبوت کا ایک جزء ہے۔ چھیالیسواں حصہ (جامع الترمذی، جلد اوّل ابواب الرد یا۔ ص ۸۷۸)

کئی طرح کی اذانیں۔ حد تو یہ ہے کہ ایک فرقہ کو تو اس نے اذان میں اس کے امام کا نام لینے تک کی وحی بھیج دی۔ اللہ اللہ خیر سلّا۔ اب چونکہ کچھ قسم کی اذانوں میں اللہ کا نام تھا اور رسول کا نام بھی تھا اور ایک قسم کی اذان میں امام کا نام بھی تھا اس لئے اب اس کو کون چیلنج کرے اور کون رَد کرے!

(۴)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آکر بتادیا ہو کہ نیت باندھنے کے بعد کیا پڑھنا ہے؟ پھر بسم اللہ آہستہ پڑھ کر سورہ فاتحہ آواز سے پڑھنا ہے اور پھر قرآن کی دوسری کوئی صورت بھی آواز سے پڑھنا ہے مگر اس سے پہلے بسم اللہ آہستہ ہی پڑھنا ہے، کوئی سُن نہ لے! (حالانکہ قرآن کریم میں ہر سورۃ کے ساتھ بسم اللہ لکھی ہوئی ہے، سوائے سورہ توبہ کے۔ مگر پتہ نہیں کیوں وہ ہمیشہ آہستہ پڑھی جاتی ہے)

(۵)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ سورہ الفاتحہ کا پڑھنا ہر شخص پر فرض ہے خواہ وہ امام ہو یا مقتدی اور امام پر سکتات کرنا فرض ہے تاکہ مقتدی سورہ الفاتحہ پڑھ لیں؟

(۶)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ رکوع کس طرح کرنا ہے کہ پیٹھ پر اگر پانی کا پیالہ بھرا ہو رکھے تو پانی نہ گرے۔ رکوع میں کیا پڑھنا ہے؟

(۷)۔ لاؤ وہ روایت جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ رکوع سے کس طرح کیا کہتے ہوئے کھڑا ہونا ہے؟ پھر ہاتھ باندھنا ہے یا نہیں؟ (اہلحدیثوں میں چودہ سو سال گزرنے کے باوجود یہ فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ جبریل کیا طریقہ نازل کیا تھا؟ آیا کہ رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد پھر ہاتھ باندھنا ہیں یا نہیں؟ اہلحدیثوں کے اپنے فرقے یا مسالک دونوں پر ہی اپنے اپنے اماموں کے مطابق عمل پیرا ہیں۔ عبد اللہ صاحب اور راشدی صاحب کے متبعین رکوع سے کھڑے ہو کر پھر ہاتھ باندھ لیتے ہیں اور سلفی صاحب و مسعود صاحب کے متبعین پھر ہاتھ نہیں باندھتے)۔ یہ حال ہے اس تشریح کا جو بقول موصوف کے بذریعہ جبریل نازل ہوئی اور کتاب اللہ ہے! (معاذ اللہ)

الغرض یہ سلسلہ بہت طویل ہو جائے گا اگر میں نماز کے ہر رکن کی کیفیت اور اس میں کیا پڑھنا ہے کے متعلق یہ سوال اُٹھاتا جاؤں کہ لاؤ بذریعہ جبریل نازل شدہ روایت۔ آپ یقین کریں کہ پورے ذخیرہ میں اور موصوف کی مرتب کردہ 'صلوٰۃ المسلمین' میں سوائے ان دو روایتوں کے کہ جبریل نے آکر صلوٰۃ پڑھی، آپ کو کوئی روایت ایسی نہیں ملے گی کہ انہوں نے کہیں بتایا ہو کہ فلاں عمل یوں کرنا ہے اور فلاح مقام پر یہ پڑھنا ہے! کیا اسی کو تشریح و توضیح یا تفسیر کہتے ہیں؟ حد تو یہ ہے کہ بعض جگہ تو رسول سلامؐ علیہ کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ کیا کرنا ہے اور کوئی صحابیؓ ان کو بتاتا ہے، اذان کی مثال آپ اوپر پڑھ چکے۔ اب ذرا ایک اور مثال دیکھ لیجئے۔ موصوف اپنی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" میں باب آداب صلوٰۃ کے زیرِ عنوان صفحات ۵۸۔۵۹ پر لکھتے ہیں:

ایک شخص نے بحالتِ صلوٰۃ چھینک کے جواب میں یرحمك الله کہا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ صلوٰۃ ہے، اس میں لوگوں کی بات چیت کی قسم سے کوئی چیز جائز نہیں۔

اس حدیث سے اور ابو داؤد کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ میں چھینک کر الحمد للہ کہنا تو جائز ہے لیکن اس کا جواب دینا جائز نہیں (ابو داؤد، باب فی تتمیت العاطس فی الصلوٰۃ۔ سندہ صحیح۔ ص ۱۴۱)

کیا سمجھے آپ؟ صلوٰۃ میں چھینک آنے پر الحمد للہ کہنا تو جائز مگر یرحمك اللہ کہنا ناجائز! اس صفحہ ۵۹ پر مزید لکھتے ہیں:

"رفاعہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ پڑھ رہا تھا۔ "فعطست فقلت" مجھے چھینک آئی تو میں نے کہا" الحمد للہ حمدًا کثیرا طیبا مبارکا فیہ مبارکا علیہ کما یحب ربنا ویرضی " تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، تیس سے زیادہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ کون اس میں سے اس کو لے کر (آسمان کی طرف) چڑھ جائے۔

نسائی جلد اوّل ص ۱۰۸۔ ابو داؤد باب ما یستفتح بہ صلوٰۃ من الدعاء جلد اول ص ۱۹۹، دروانہ ثقات (تقریب) حسنہ الترمذی والمنذری (مرعاۃ جلد ۲ ص ۱۳)

قارئین غور کیا آپ نے؟ کہاں تو یرحمك اللہ کہنا ناجائز اور کہاں اتنی لمبی بات کر دی تو تیس فرشتے اس کو لے بھاگے! مگر اصل سوال تو اپنی جگہ ہے کہ لاؤ وہ روایت کہ جبریل نے آکر بتایا ہو کہ اگر صلوٰۃ میں چھینک آئے تو کیا کہنا ہے اور کیا ناجائز ہے اور لاؤ پھر وہ روایت کہ رسول سلامؑ علیہ نے صحابہؓ کو بتایا ہو کہ یہ وحی آئی ہے اور چھینک آنے پر آپ نے یہ کہنا ہے اور یہ نہیں؟

قارئین یہاں یہ مسئلہ کچھ زیادہ طویل ہو گیا، اس لئے آیت کی تفسیر میں ہم آگے دیکھتے ہیں کہ موصوف کیا فرماتے ہیں۔ تو آگے موصوف مثلاً سجدہ کی کیفیت والی روایت لکھ کر کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کرنا ہے آگے اپنی تفسیر کا خلاصہ یوں پیش کرتے ہیں:

"الغرض مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہو گیا کہ احادیث بھی منزل من اللہ ہیں اور اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ کے حکم میں شامل ہیں یعنی آیت زیر تفسیر میں جس چیز کو منزل من اللہ کہا گیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں۔

الغرض آیت کے پہلے جزء سے ثابت ہوا کہ امت کو صرف قرآن مجید اور احادیثِ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنی ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی پیروی فرض ہے"
(ص ۳۲۳۔ جزء ۴)

قارئین یاد کیجئے میں تو پیچھے ہی سے کہتا آرہا تھا کہ پچھلی تمام آیات کی تفسیر میں یہ ماننے اور لکھنے کے باوجود کہ صرف قرآن ہی وحی کیا گیا، وہی منزل من اللہ ہے اور وہی ہدایت ہے، موصوف اس پر قائم نہیں رہ سکیں گے اور یہاں یہی کچھ ہوا کہ بغیر کسی نص صریح کے محض قیاس کی بنیاد پر یہ عقیدہ پیش کر دیا کہ "احادیث بھی منزل من اللہ ہیں۔ اور اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ کے حکم میں شامل ہیں" (معاذ اللہ)۔ اور آخر میں وہ قرآن کریم کے عین خلاف

یہ بھی لکھ گئے کہ "قرآن مجید اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی احادیث کی پیروی فرض ہے" جب کہ قرآن کریم کے مطابق صرف قرآن کریم فرض ہے۔ دیکھئے:

اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لَرَآدُّكَ اِلٰی مَعَادٍ ؕ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی وَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۸۵﴾ وَ مَا كُنْتَ تَرْجُوْۤا اَنْ یُّلْقٰۤی اِلَیْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِیْرًا لِّلْكٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾ (القصص: آیت ۸۵۔۸۶)

ترجمہ: (اے رسول) جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (کی تبلیغ اور اس کے احکام) کو فرض کیا ہے وہ ضرور آپ کو (اس) مقام (یعنی شہر مکہ) کی طرف (فاتحانہ) لوٹائے گا (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میرا رب اسے بھی بخوبی جانتا ہے جو ہدایت لے کر آئے گا اور (اسے بھی بخوبی جانتا ہے) جو صریح گمراہی میں (مبتلا) ہے (۸۵) اور (اے رسول) آپ کو توقع نہیں تھی کہ آپ کی طرف کتاب اُتاری جائے گی، مگر یہ آپ کے رب کی رحمت ہے (کہ اس نے آپ کو نبی بنا کر آپ پر کتاب نازل فرمائی) لہٰذا آپ ہرگز کافروں کی طرف داری نہ کیجئے"۔ (۸۶) (ص ۶۹۴، جزء ۷)

قارئین دیکھا آپ نے اللہ تعالیٰ تو فرمارہا ہے کہ صرف قرآن فرض کیا ہے مگر موصوف فرمارہے ہیں کہ احادیث بھی فرض ہیں۔ اب کس کی مانیں؟ اللہ کی یا غیر اللہ کی؟

مزید دیکھئے اللہ تعالیٰ دوسری آیت میں فرمارہا ہے کہ اس نے "الکتاب" نازل کی (نام نہاد) احادیث نازل کرنے کا کہیں ذکر نہیں مگر موصوف خواہ مخواہ بضد ہیں۔

مزید دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرمارہا ہے:

"اَوَ لَمْ یَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ یُتْلٰی عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰی لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ (العنکبوت: ۵۱)

ترجمہ: اور (اے رسول) کیا ان کے لئے یہ (معجزہ) کافی نہیں کہ ہم نے ان پر (اپنی) کتاب نازل کر دی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بے شک اس میں مؤمنوں کے لئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی" (۵۱) (ص ۷۶۵، جزء ۷)

غور کیجئے اس آیت میں صرف "الکتاب" کو کافی بتایا جارہا ہے جو پڑھ کر سنائی جاتی ہے یعنی وحی متلو ہے تو وحی غیر متلو تو کوئی شئے نہ ہوئی یونکہ اس کا ذکر تک نہیں۔ اب دیکھئے یوم حشر رسول اللہ سلامٌ علیہ خود کیا فرمائیں گے:

"وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾ (الفرقان۔ ۳۰)

ترجمہ: (اس دن) رسول (ﷺ) کہیں گے اے میرے رب میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا (اب ان کا معاملہ تیرے حوالے ہے) (۳۰) (ص ۲۴۱، جزء ۷)"

یوم حشر رسول اللہ سلامٌ علیہ یہ شکایت نہیں فرمائیں گے کہ ان کی قوم یعنی امت نے (نام نہاد) احادیث کو چھوڑ دیا تھا یا منکر حدیث ہو گئے تھے بلکہ وہ تو قرآن کا نام لے کر (بلکہ اس کو ہاتھ میں لے کر) یہ شکایت فرمائیں گے کہ امت کی اکثریت شرک میں یوں مبتلا ہو گئی تھی یعنی گمراہ ہو گئی تھی کہ اس نے تیرے اس قرآن کو (هٰذَا الْقُرْاٰن) چھوڑ دیا

تھا۔ کہ وہ اس کو مجمل کتاب کہتے تھے۔ اس کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں یہ کہہ کر شریک کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ نے نازل کی ہیں اور وحی غیر متلو ہیں، اس میں متعدّد اختلافات کی نشاندہی کرتے تھے، اس کے معنوں کی مختلف تاویلات کرتے تھے........ اب قارئین آپ کی مرضی کہ بات آپ اللہ کی اور رسول کی مانیں یا موصوف کی۔ آپ خود اپنے اعمال وعقائد کے جوابدہ ہیں۔ ہمارا کام تو بتادینا تھا۔ بہر حال ابھی ہم دلائل جاری رکھتے ہیں اور آگے کی آیات دیکھتے ہیں۔

**84۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۹ میں قرآنی آیات کو نشانہ تضحیک بنانے والوں کا انجام بتایا گیا ہے۔

''وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹
(الاعراف:۹)

ترجمہ: اور جن لوگوں کی (نیکیوں کی) تولیں ہلکی ہوں گی تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری آیتوں کیساتھ حق وانصاف سے کام نہ لے کر اپنے آپ کو نقصان میں مبتلا کیا ہو گا(۹) '' (ص۳۲۸۔۳۲۹، جزء۴)

واضح رہے یہاں یہ نہیں کہا جا رہا کہ انہوں نے انکارِ حدیث کیا ہو گا یا نام نہاد احادیث کے ساتھ حق وانصاف سے کام نہ لیا ہو گا، بلکہ یہ صاف طور پر کہا جا رہا ہے کہ (بِاٰيٰتِنَا) ہماری آیات کے ساتھ حق وانصاف سے کام نہ لیا ہو گا۔ اور (نام نہاد) احادیث آیات الٰہی نہیں ہو سکتیں نہ ہی موصوف خود ابھی تک اس کے دعویدار ہیں۔ اس لئے یہاں کوئی ابہام نہیں۔

**85۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ۲۶ میں پھر اللہ تعالیٰ ہی کی آیات نازل کرنے کا ذکر ہے:

''يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَ رِيْشًا ۭ وَ لِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝۲۶ (الاعراف:۲۶)

ترجمہ: (اور) اے بنی آدم ہم نے تم پر (ایسا) لباس نازل فرمایا ہے جو تمہارے ستر کو چھپائے اور (تمہیں) زینت (بخشے) اور (اے بنی آدم یہ تو ظاہری لباس ہے جو تمہیں زینت دیتا ہے اور بے حیائی اور سردی وگرمی وغیرہ سے بچاتا ہے لیکن باطنی لباس تو) تقویٰ کا لباس (ہے) اور یہ بہت اچھا لباس ہے (کہ تمام برائیوں اور گناہوں سے بچاتا ہے، اسے کبھی نہ اُتارنا) یہ اللہ کی آیات ہیں (جو اے رسول، آپ پر نازل کی جارہی ہیں) تاکہ یہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں (۲۶) '' (ص۳۵۱، جزء۴)

اس آیت میں بات بالکل صاف صاف کی گئی ہے کہ تقویٰ کا لباس سب سے اچھا لباس ہے اور یہ اللہ کی آیات ہیں جو رسول پر نازل کی جارہی ہیں (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اور ان کے ذریعہ ہی لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ نہیں۔

کمال ہے کہ قرآن مبین میں کہیں بھی یہ آیت نہیں آرہی کہ (نام نہاد) احادیث بھی نازل کی جارہی ہیں ہر جگہ آیات ہی نازل کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ پھر بھی موصوف بضد ہیں کہ (نام نہاد) احادیث کو بھی نازل شدہ منجانب اللہ مان لیا جائے۔ میرے خیال میں تو ان محدیثن نے بھی، جن پر یہ (نام نہاد) احادیث نازل ہوئیں (منجانب اللہ نہیں، منجانب

ذاکرین و قصہ گویان) ان کو منجانب اللہ نہیں کہا بلکہ وہ اس کو جانچنے کی کوشش کرتے رہے کہ ذاکر سچا تھا یا جھوٹا۔ انہوں نے یہ جانچنے کی کوشش نہیں کی کہ اس نے جو قصہ سنایا وہ سچا تھا یا جھوٹا۔ دونوں میں زبردست فرق ہے۔ سمجھ لیجئے! بڑے سے بڑا آدمی بھی اور مشہور سچا آدمی بھی اپنے کسی مقصد کے لئے جھوٹ بول جاتا ہے (آج کل بھی بڑے بڑے لوگوں کو دیکھ لیجئے) اور لوگ یقین کر لیتے ہیں۔ بعض کی فلاسفی ہی یہ ہوتی ہے کہ اتنا جھوٹ بولو اور اس کا اتنا پروپیگنڈہ کرو کہ لوگ یقین کرنے لگیں تو پھر آگے وہی جھوٹ بات چل پڑے گی۔ اپنی تاریخ اُٹھا کر دیکھ لیجئے اس میں بعض ایسے تاریخی مناظر بے انتہا مشہور ہیں کہ حقیقت سمجھے جاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کے مطابق وہ سراسر جھوٹ کا پلندہ ہیں۔ اور حد تو یہ ہے کہ بعض تاریخی حقائق تو ان (نام نہاد) احادیث کی رُو سے بھی سراسر جھوٹ کا پلندہ ہیں مگر پھر بھی زبان زدِ عام ہیں! اسی طرح سے یہ جھوٹ ہے کہ (نام نہاد) احادیث وحی خفی ہیں (اور خود یہ عقیدہ رکھنے والوں میں سے اکثر اس کے معنی تک نہیں جانتے کہ وحی کیا چیز ہے اور خفی کیا چیز ہے!) لیکن اس کا پروپیگنڈہ اس قدر ہوا کہ یہ غلط عقیدہ جو کہ قرآن کے سراسر خلاف ہے، زبان زدِ عام ہو گیا۔ اب ہر جاہل و عالم یکساں طور پر چھوٹتے ہی کہتا ہے کہ حدیث کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں وہ تو قرآن کی تشریح ہے، تفسیر ہے! جب کہو کہ لاؤ وہ تفسیر کہاں ہے؟ اور پھر ایک نئی تفسیر تمہارے بڑے نے کیوں لکھی ہے؟ تو بغلیں جھانکنے لگتا ہے۔

**86۔**... آگے اسی سورہ الاعراف آیت نمبر ۳۲ میں اللہ تعالیٰ پھر نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ کی بات کر رہا ہے:

''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (الاعراف:۳۲)

ترجمہ: (اور اے رسول آپ ان سے پوچھئے) کہ اللہ کی (پیدا کی ہوئی) آرائش و زیبائش کی چیزوں کو جن کو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور پاکیزہ کھانے کی چیزوں کو کس نے حرام کیا ہے؟ (اے رسول) آپ ہی انہیں بتا دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں (اگرچہ کافر بھی ان نعمتوں میں ان کے شریک ہیں لیکن) قیامت کے دن یہ چیزیں خالص ایمان والوں کے لئے ہوں گی (اور اے رسول) سمجھنے والوں کے لئے ہم اپنی آیتوں کو اس طرح علیحدہ علیحدہ بیان فرما رہے ہیں (کہ آسانی سے سمجھ میں آجائیں)'' (۳۲) (ص ۴۷۶،۴۷۷ جزء ۴)

غور کیجئے کہ یہ وحی کہ: ''آپ ہی انہیں بتا دیجئے کہ یہ چیزیں دنیا کی زندگی میں ایمان والوں کے لئے ہیں'' اسی قرآن کریم میں آرہی ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ نیز یہ کہ ''سمجھنے والوں کے لئے ہم اپنی آیتوں کو اس طرح مفصّل یعنی علیحدہ علیحدہ بیان فرما رہے ہیں تا کہ آسانی سے سمجھ میں آجائیں'' بھی اسی قرآن اور اس کی آیتوں کے لئے کہا جا رہا ہے (نام نہاد) احادیث کے لئے نہیں۔ بلکہ یہ کہہ کر تو (نام نہاد) احادیث کا پتّا ہی کاٹ دیا کہ مفصل طور پر اس لئے بیان کر رہے ہیں تا کہ آسانی سے سمجھ آجائیں یعنی مزید کسی شرح یا تفسیر کی ضرورت ہی نہ رہے۔

کہئے اب آپ کون سی تشریح یا تفسیر کی بات کرتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ تو خود اسی قرآن میں آیات علیحدہ علیحدہ بیان کر کے اس کی تشریح کر رہا ہے۔ یہ خود موصوف کے الفاظ ہیں مزید دیکھئے وہ اس آیت کی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تفسیر: "اگر کفار کی یہ خواہش ہے کہ آخرت میں بھی انہیں یہ نعمتیں ملیں تو انہیں چاہئے کہ ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بڑے لطیف پیرایہ میں اسلام کی تبلیغ فرمائی پھر فرمایا جس طرح ان آیات کو ہم نے علیحدہ علیحدہ واضح شکل میں نازل فرمایا ہے (كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾) اسی طرح ہم اپنی تمام آیات کو سمجھنے والوں کے لئے علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں تاکہ ان کو آیات کے سمجھنے میں کسی قسم کی دقّت نہ پیش آئے" (ص ۳۸۰، جزء ۴)

موصوف کی اس تفسیر کے ایک ایک لفظ پر غور کیجئے۔ کیا اس کے بعد بھی (نام نہاد) حدیثی شرح یا تفسیر کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ لیکن اس بیان کے باوجود موصوف کا اس سے انحراف کیا کہلایا جائے گا؟ یہ آپ خود فیصلہ کریں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اگلی ہی آیت میں اس کی طرف جھوٹ بات منسوب کرنے اور شرک کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

"قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ وَ الْاِثْمَ وَ الْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ اَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾ (الاعراف: ۳۳)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے تو بے حیائی کے (تمام) ظاہر اور پوشیدہ کاموں کو، گناہ کو اور ناحق (کسی پر ظلم و) زیادتی کرنے کو حرام کیا ہے اور یہ کہ اس نے اللہ کے ساتھ شرک کرنے کو بھی جس کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی حرام کیا ہے اور اس چیز کو بھی حرام کیا ہے کہ اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرو جس کا خود تمہیں بھی علم نہیں" (۳۳) (ص ۳۷۵، ۳۷۶، جزء ۴)

جب اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بات کو اس کی طرف منسوب کرنے کو حرام قرار دیدیا ہے تو جو کوئی (نام نہاد) احادیث کو اللہ کی طرف منسوب کرے کہ یہ بھی اس نے نازل کیں یا وحی کیں تو اس نے حرام کام کیا۔ یونکہ اللہ نے اس کے لئے کوئی دلیل (سلطاناً) یعنی نص صریح اپنے قرآن میں نازل نہیں فرمائی۔ اور حرام کام کرنے والوں کا انجام آپ کو معلوم ہے۔

**87**۔۔۔ آگے اسی سورۃ الاعراف کی آیات ۳۵۔۳۶ میں اللہ تعالیٰ آیات پڑھ کر سنائے جانے اور ان کا انکار کرنے والوں کو آگ کی خبر دے رہا ہے۔ مگر موصوف نے اس کا انکار کر دیا کہ اس آیات میں یہ امت مخاطب نہیں ہے:

"يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ اسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾ (الاعراف: ۳۶،۳۵)

ترجمہ: (بنی آدم کی ابتدائی آبادی کے قصّہ کی طرف پھر رجوع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) اے بنی آدم، جب کبھی تمہارے پاس تم ہی میں سے (میرے) رسول آئیں جو میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائیں تو جو لوگ (ان پر ایمان لا کر) متقی بن جائیں گے اور (اپنی) اصلاح کر لیں گے انہیں (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ کوئی غم ہو گا (۳۵) البتہ جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ازراہِ تکبر ان

سے منہ موڑا تو ایسے لوگ دوزخ میں جائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے" (۳۶)(ص۳۸۴، جزء۴)

قارئین غور کیجئے موصوف نے آیت کا ترجمہ کرنے سے پہلے ہی اس میں پوری ایک سطر اپنے قیاس کے مطابق قوسین میں لگا کر آیت کا اثر اپنے پڑھنے والوں اور متبعین پر کم کرنے کی کوشش کی بلکہ ان کی توجہ ہی صرف شروع کے بنی آدم کی طرف مبذول کرانا چاہی پھر ان دونوں آیات کی تفسیر لکھتے ہوئے سورہ البقرہ کی آیات ۳۸،۳۹ پیش کر کے اپنا مدعا واضح کر دیا۔ دیکھئے:

تفسیر: "ہر دو مقامات کو دیکھنے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے کہ آیات زیرِ تفسیر کا محل وہی ہے جو سورہ بقرہ میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی بنی آدم سے اس وقت جب وہ زمین پر اُتارے گئے کہا گیا تھا کہ تمہارے پاس میرے رسول میری ہدایت لے کر آئیں گے۔ ان پر ایمان لانا تاکہ تم ہدایت پاؤ اور آخرت کی تکلیف و عذاب سے بچ جاؤ۔

ان آیات میں یہ امت مخاطب نہیں ہے کیونکہ نبوت کا سلسلہ اب منقطع ہو گیا ہے اب نہ کوئی نبی بنا کر بھیجا جائے گا اور نہ رسول" (ص۳۸۶، جزء۴)(تو کیا یہ آیت آخری رسول کی امت کیلئے نہیں کہ وہ رسول کے بتائے ہوئے پیغام پر ایمان لائے؟ صدیق)

- ★... قارئین غور کیجئے کہ جو حکم تمام بنی آدم کے لئے حکم عام ہو اس سے استثناء بغیر کسی نص صریح کے کس طرح ممکن ہے؟
- ★... جب قرآن اُتر رہا تھا تو کیا اس وقت کے بنی آدم اس آیت کے مخاطب نہیں تھے یونکہ اس وقت تو رسول سلامؑ علیہ بھی موجود تھے؟
- ★... کیا قرآن کے احکام عام آج ہمارے لئے اور رہتی دنیا تک کے تمام بنی آدم کے لئے نہیں؟
- ★... کیا خاتم النبیین سلامؑ علیہ کی نبوت آج ہمارے لئے اور رہتی دنیا تک کے تمام بنی آدم کے لئے نہیں؟
- ★... کیا آج محمد رسول سلامؑ علیہ پر جو ہدایت لے کر سب سے آخر میں آئے تھے ان پر ایمان لانا ضروری نہیں تاکہ ہدایت پائیں اور آخر کی تکلیف و عذاب سے بچ جائیں؟

الغرض موصوف نے اپنی تفسیر میں یہ بڑی عجیب بات لکھی ہے اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اب آخری رسول سلامؑ علیہ پر اگر ایمان نہ لائیں اور اللہ کی آیتوں کو جھٹلائیں اور ان کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں و احکام شریک کریں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا! معاذ اللہ۔ غالباً موصوف نے ایسا اپنے شرک کو جائز قرار دینے کے لئے کیا ہے ورنہ اگر آیت کی مخاطب یہ امت نہیں، جب کہ یہ امت بھی بنی آدم ہی ہے بنی گاؤ یا خر نہیں، تو پھر جھگڑا ہی کیا رہ گیا۔ جس کی جو مرضی آئے کرے!

سب سے اہم بات یہ کہ موصوف اس عقیدہ کے بزور منوانے والے ہیں (بلکہ ان کا فرقہ تو بنا ہی اور چل رہا ہی اس اساس پر ہے) کہ قرآن کریم کی تشریح، توضیح و تفسیر رسول اللہ سلامؑ علیہ نے کی اور ہر بات کو کھول کھول کر واضح کر دیا تو لائیں وہ (نام نہاد) حدیث یا احادیث جس میں رسول سلامؑ علیہ نے فرمایا ہو کہ اس آیت کی مخاطب یہ امت نہیں!

قارئین اس آیت کی بھی، اور اکثر آیات کی طرح، موصوف نے کوئی رسولی تفسیر نہیں بتائی اور ایک بھی

روایت نہ لا سکے۔ یہ ان کا اپنا قیاس ہے کہ اس آیت کی مخاطب یہ امت نہیں۔ اور اس طرح سے ان کا عقیدہ بھی غلط ثابت ہو گیا کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے قرآن کی کوئی تفسیر کی، انہوں نے تو اللہ کی بتائی ہوئی تفسیر ہی یعنی تصریف الآیات ہی صحابہ کبارؓ تک پہنچائی، پڑھ پڑھ کر سنائیں اور انہی کا درس دیا، اسی سے ان کا تزکیہ کیا اور اسی کے ذریعہ ان کو صحیح معنوں میں مسلم، مومن وعبد بنا دیا۔ یہ قیاسی تفسیر لکھنے کا کام تو ان کے کئی صدیوں بعد کسی سازش کے تحت شروع ہوا کہ مومنین کا ایمان بگاڑا جائے اور ان کو صراط مستقیم یعنی قرآن الحکیم کی راہ یعنی "سبیل المومنین" سے ہٹا کر اس امت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے! اور اب پندرھویں صدی میں بھی موصوف اسی سازش کا شکار ہیں بلکہ اس کو تقویت پہنچانے میں کوشاں ہیں کہ محمد رسول سلامٌ علیہ جو رہتی دنیا تک کے تمام بنی آدم کے لئے رسول بن کر آئے تھے اور ساتھ میں اللہ کی آیات پر مبنی "الکتاب" لے کر آئے تھے ان کو نہ مانا جائے۔ ان پر نہ ایمان لایا جائے۔ ان کے ساتھ غیر اللہ یعنی سازشیوں کی کہانیاں قصے شریک کئے جائیں اور اللہ کی کتابِ ہدایت کو کچھ کا کچھ بنا دیا جائے۔ نعوذ باللہ

**88**۔ ... آگے اسی سورۃ الاعراف کی اگلی ہی آیت ۳۷ اور پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ تکذیب آیات والوں کا حشر دنیا و آخرت میں بتاتا ہے۔ دیکھئے:

"فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝ (الاعراف:۳۷)

ترجمہ: (اے رسول) اس شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرے یا اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے، ایسے لوگوں کو نوشتہ (تقدیر) کے مطابق (دنیا میں) ان کا جو حصہ مقرر ہے وہ انہیں ملتا رہے گا یہاں تک کہ جب ہمارے فرشتے ان کے پاس روح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو (ان سے) کہیں گے کہ (اب تمہارے) وہ (معبود) کہاں ہیں جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارا کرتے تھے؟ وہ کہیں گے وہ تو ہم سے گم ہو گئے، پھر اعتراف کریں گے کہ وہ واقعی کافر تھے" (۳۷) (ص ۳۸۷، ۳۸۹، جزء ۴)

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُجْرِمِيْنَ ۝ (الاعراف:۴۰)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور از راہِ تکبر ان سے منہ موڑا۔ ان کے لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہو سکیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے، مجرموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں" (۴۰) (ص ۳۹۲، جزء ۴)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیاتِ قرآن کو جھٹلانے والوں اور ان سے تکبرانہ منہ موڑنے والوں کا (کہ: نہیں میں قرآن سے جواب نہیں دوں گا۔ میں حدیث سے جواب دوں گا) کا کیا حشر ہو گا۔ اس سے اگلی آیت میں یہ بھی ہے کہ "ان مجرمین کے لئے بچھونے بھی جہنم (کی آگ) کے ہوں گے اور اوپر سے اوڑھنے کے کپڑے بھی جہنم (کی آگ) کے ہوں گے، ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں (۴۱)۔ یہ سزا (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی احادیث جھٹلانے

والوں یاان سے منہ موڑنے والوں کے لئے نہیں ہے۔ ورنہ اس کا بھی آیت میں ذکر ہوتا۔ اس کو خود فرض کر لینا اللہ کی برابری کرنا ہے۔

**89۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ۵۲ میں پھر کتاب بھیجنے کے بعد اس کے احکام علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کا ذکر ہے۔

''وَ لَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف: ۵۲)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم ان کافروں کے لئے کتاب نازل کر چکے ہیں جس (کے تمام احکام) کو ہم نے (اپنے) علم (کی بنیاد پر) علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے، وہ کتاب (سب کے لئے) ہدایت اور ایمان والوں کے ئے (سراسر) رحمت ہے'' (۵۲) (ص ۴۲۲، ۴۲۴۔ جزء ۴)

آیت کے الفاظ انتہائی سادہ اور صاف صاف ہیں۔ آخر یہ کس کتاب کی بات ہو رہی ہے ظاہر ہے کہ قرآن مبین ہی کی بات ہو رہی ہے یونکہ اسی میں ہر حکم کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ اور دیکھئے خود موصوف نے اس کتاب کے ذکر کو قرآن مجید مان لیا۔ وہ اس آیت کی اپنی تفسیر کے اختتام پر 'عمل' کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

عمل: ''اے لوگو! قرآن آپ کے لئے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ اس پر چل کر ہی آپ منزلِ مقصود کو پا سکتے ہیں''۔ (ص ۴۳۳، جزء ۴)

**90۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ۵۸ میں پھر تصریف الآیات ہی کا بیان ہے:

'' وَ الْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَ الَّذِیْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ؕ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ۝ (الاعراف: ۵۸)

ترجمہ: اور (اے لوگو) جو زمین پاکیزہ ہوتی ہے اس کی پیداوار اس کے رب کے حکم سے (کامل) نکلتی ہے اور جو زمین خراب ہوتی ہے اس میں سے جو کچھ نکلتا ہے ناقص ہی نکلتا ہے، شکر گزار لوگوں کے لئے ہم اسی طرح اپنی آیتوں (کے الفاظ) کو بدل بدل کر بیان کرتے ہیں''۔ (۵۸) (ص ۴۵۱، ۴۵۲، جزء ۴)

آیت میں بات بالکل صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی بات سمجھانے کے لئے، اپنے احکام واضح کرنے کیلئے اپنی آیات کے الفاظ بدل بدل کر (اور علیحدہ علیحدہ کر کے۔ اوپر کی آیت کے مطابق) بیان کرتا ہے اور جب آیات ہی میں بدل بدل کر بیان کرتا ہے تو پھر وہ قرآن مجید ہی میں رہتی ہیں اسی لئے اس کو قرآن مجید کہا جاتا ہے کہ اس میں بات بینات کے ساتھ واضح طور پر بیان کر دی گئی ہے۔ اور شکر گزار لوگ اس ہی سے نصیحت حاصل کرتے ہیں (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔

**91۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیات ۱۴۵۔۱۴۷ میں حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ کو الواح پر لکھ کر دینے اور تکذیب کرنے والوں کا ذکر ہے جو ہمارے لئے بھی باعث عبرت ہے۔ دیکھئے:

''وَ كَتَبۡنَا لَهٗ فِى الۡاَلۡوَاحِ مِنۡ كُلِّ شَىۡءٍ مَّوۡعِظَةً وَّ تَفۡصِيۡلًا لِّـكُلِّ شَىۡءٍ‌ ۚ فَخُذۡهَا بِقُوَّةٍ وَّاۡمُرۡ قَوۡمَكَ يَاۡخُذُوۡا بِاَحۡسَنِهَا‌ ؕ سَاُورِيۡكُمۡ دَارَ الۡفٰسِقِيۡنَ ۞ سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰيٰتِىَ الَّذِيۡنَ يَتَكَبَّرُوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ بِغَيۡرِ الۡحَـقِّ ؕ وَاِنۡ يَّرَوۡا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡا بِهَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الرُّشۡدِ لَا يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا‌ ۚ وَاِنۡ يَّرَوۡا سَبِيۡلَ الۡغَىِّ يَتَّخِذُوۡهُ سَبِيۡلًا‌ ؕ ذٰ لِكَ بِاَنَّهُمۡ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوۡا عَنۡهَا غٰفِلِيۡنَ ۞ وَالَّذِيۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ حَبِطَتۡ اَعۡمَالُهُمۡ‌ ؕ هَلۡ يُجۡزَوۡنَ اِلَّا مَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۞ (الاعراف:۱۴۵۔۱۴۷)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کا بیان علیحدہ علیحدہ لکھ دیا تھا، پھر (ہم نے بطور تاکید کے ان سے ایک مرتبہ اور کہا) اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اپنی قوم کو بھی حکم دینا کہ وہ بھی اس کے بہترین (قواعد و ضوابط) کو (مضبوطی سے) پکڑے رہیں (اور اے بنی اسرائیل میرے احکام سے سرتابی نہ کرنا) جو لوگ میرے احکام سے سرتابی کریں گے میں عنقریب ان کا گھر تمہیں دکھاؤں گا (یعنی تمہیں دوزخ کا منہ دیکھنا پڑے گا) (۱۴۵) (اور یہ بھی سُن لو کہ) میں اپنے احکام سے انہی لوگوں کو برگشتہ کروں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں، (یہ ایسے لوگ ہیں کہ) اگر تمام نشانیاں (اور معجزات) دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں، اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو کبھی اس پر نہ چلیں البتہ اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو (ضرور) اس پر چلنے لگیں، (ان کی) یہ (بدبختی صرف) اس لئے ہے کہ اہوں نے (ہٹ دھرمی سے) ہماری آیات کی تکذیب کی اور ان سے قصداً غفلت برتتے رہے (۱۴۶) اور (اے رسول) جن لوگوں نے ہماری آیات اور آخرت کی ملاقات کی تکذیب کی ان کے (تمام) اعمال ضائع کردیئے جائیں گے (پھر) ان کو ان کے اعمالِ (بد) کا بدلہ ملے گا (۱۴۷)'' (ص ۵۲۹۔۵۳۱، جزء ۴)

غور کیجئے کہ ان آیات میں ہمارے مطلب کی کیا باتیں ہیں:

(۱)۔ موسیٰ سلامٌ علیہ کیلئے الواح پر یا تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور وَّ تَفۡصِيۡلًا لِّـكُلِّ شَىۡءٍ یعنی ہر چیز کا علیحدہ علیحدہ بیان لکھ دیا تھا۔ (علیحدہ سے کچھ اور وحی کرنے کا ذکر نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب لکھ دیا یا لکھا دیا تو بات پکّی ہو گئی اور اب جواب اسی کے مطابق دینا ہو گا۔ زبانی کلامی میں تو بھول چوک ہو سکتی ہے مگر لکھے ہوئے میں بھول چوک کا کوئی سوال نہیں، وہاں تو پکڑ ہی پکڑ ہے۔) تو غور کیجئے، کیا محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بغیر لکھی کتاب ملی تھی جو تختیوں (الواح) کے بجائے ہڈیوں، پتھروں، پتوں پر لکھی جاتی تھی! اور پھر وہ ڈھیر بھی نہ رہا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے چند ماہ بعد ہی کاغذ ایجاد ہو گیا اور حضرت زید بن ثابتؓ نے لوگوں سے پوچھ پوچھ کر قرآن کو لکھا! کہئے ہے نا مضحکہ خیز بات! تُف ہے ان علماو فضلا پر جو اتنی گھٹیا بات مانتے ہیں اور اس کو پھیلاتے بھی ہیں۔

(۲)۔ دوسری مضحکہ خیز بات یہ کہ الواح پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کا بیان علیحدہ علیحدہ لکھا ہوا تھا لیکن قرآن کو نامکمل اور مجمل رہنے دیا کہ اس کو (نام نہاد) احادیث سے مکمل کیا جائے گا! تُف ہے ایسے علماو فضلا پر جو اللہ کی کتاب کو ایسا سمجھیں۔

(۳)۔ پھر اللہ نے بطور تاکید کے ان سے ایک مرتبہ اور کہا کہ اس کتاب کو جو الواح پر لکھی ہوئی ہے مضبوطی سے

........پکڑے رہنا اور اپنی قوم کو بھی حکم دینا کہ اس میں جو بہترین قواعد وضوابط بتائے گئے ہیں ان کو مضبوطی سے پکڑے رہیں۔ تو کیا محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ اور ان کی امت کو "قرآن" مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم نہیں؟ تُف ہے ان علما و فضلا پر جنھوں نے بجائے قرآن کے (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ و اقوال و تفاسیر پکڑا دیں ہیں اور قرآن کو جزء دان میں سجا کر رکھوا دیا ہے۔

(۴)۔ ان لوگوں نے ہٹ دھرمی کی اور اللہ کی آیات کی تکذیب کی اور ان سے قصداً غفلت برتتے رہے بلکہ الواح پر لکھی توریت کی جگہ (نام نہاد) احادیث کا مجموعہ "مثناء / تالمود" تیار کر لئے اور اس پر عمل کرنے لگے۔ (جیسا کہ آج مسلمانوں میں بھی ہو رہا ہے)

(۵)۔ تو جن لوگوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی تو گویا انہوں نے آخرت میں اپنے جواب دینے کی تکذیب کی ان کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے اور پھر ان کو ان کے اعمالِ بد کا بدلہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ کی یہ وعید آیات الٰہی کی تکذیب کرنے پر ہے (نام نہاد) احادیث کی تکذیب پر نہیں۔ اس لئے منکرِ حدیث کوئی چیز نہیں۔ البتہ منکر قرآن کے تمام اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے بات بالکل صاف ہے۔ اس لئے اہلحدیث اور اہل فقہ اپنے مستقبل کے بارے میں سوچ لیں۔

**92**۔... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ۱۵۶ کے جزء میں اللہ تعالیٰ موسیٰ سلامٌ علیہ کی دعا کے جواب میں فرماتا ہے:

"فَسَاَكۡتُبُهَا لِلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ بِاٰيٰتِنَا يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ (الاعراف:۱۵۶)

ترجمہ: البتہ میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے، اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے (۱۵۶)" (ص ۵۴۵۔۵۴۶، جزء ۴)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کتنی وضاحت سے اور صاف صاف کہہ رہا ہے کہ اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو ہماری آیتوں پر ایمان لائیں گے۔ مطلب بالکل صاف ہے کہ ایمان تو قرآن کریم اور اس کی آیات پر لانا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

**93**۔... آگے دیکھئے اسی سورہ الاعراف کی اگلی ہی آیت ۱۵۷ میں آیات کو اور واضح کر کے بتا دیا کہ آیات اس نور کی ہیں جو رسول سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا ہے:

"اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الرَّسُوۡلَ النَّبِىَّ الۡاُمِّىَّ الَّذِىۡ يَجِدُوۡنَهٗ مَكۡتُوۡبًا عِنۡدَهُمۡ فِى التَّوۡرٰٮةِ وَالۡاِنۡجِيۡلِ يَاۡمُرُهُمۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهٰٮهُمۡ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيۡهِمُ الۡخَبٰۤئِثَ وَيَضَعُ عَنۡهُمۡ اِصۡرَهُمۡ وَالۡاَغۡلٰلَ الَّتِىۡ كَانَتۡ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ فَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا بِهٖ وَعَزَّرُوۡهُ وَنَصَرُوۡهُ وَاتَّبَعُوا النُّوۡرَ الَّذِىۡۤ اُنۡزِلَ مَعَهٗۤ‌ ۙ اُولٰۤئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ (الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: (یعنی میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھوں گا) جو رسول، نبی امّی کی پیروی کریں گے جن (کی بشارت اور جن کے ذکر جمیل) کو وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور بُرائی سے روکتے ہیں، جو پاکیزہ چیزیں ان کے لئے حلال قرار دیتے ہیں اور ناپاک چیزوں کو ان پر

حرام کرتے ہیں اور جو ان (کی پیٹھوں) کے بوجھ اور ان (کی گردنوں) کے طوق ان سے اُتار کر پھینک رہے ہیں، الغرض جو لوگ ان پر ایمان لائے، ان کا احترام کیا، ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان پر نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں(۱۵۷)" (ص ۵۵۰۔۵۵۱، جزء۴)

غور کیجئے کہ یہ آیت کریمہ کیا کیا بتاتی ہے:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھے گا جو رسول سلامٌ علیہ نبی امّی کی پیروی کریں گے۔ یعنی جو محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کی اتباع کریں گے۔ موصوف اپنی تفسیر میں معانی و مصادر بتاتے ہوئے امّی کے معنی کرتے ہیں:

"وہ شخص جس نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔ (نوٹ: اُمی کے معنی جاہل نہیں ہیں)" ص ۵۵۱

آگے تفسیر میں وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب ایک روایت لکھتے ہیں:

"اُمّی کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ہم اُمّی لوگ ہیں نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب لگانا۔ مہینہ اتنا اور اتنا ہوتا ہے تیسری مرتبہ آپ نے اپنا انگوٹھا بند کر لیا یعنی ایک مرتبہ آپ نے (انگلیوں سے) ۲۹ کا عدد بنایا اور ایک مرتبہ ۳۰ کا عدد بنایا۔ (نوٹ: خط کشیدہ عبارت صرف صحیح مسلم میں ہے)

قارئین اب ذرا اس روایت پر غور کر لیجئے اور سنجیدگی سے تمام تعصّبات و نظریات وعقائد ایک طرف رکھ کر بالکل غیر جانبدارانہ طور پر سوچئے کہ:

- ★... یہ روایت موصوف کے قرآن ۲ اور ۳ کی ہے یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی۔
- ★... یہ دونوں قرآن لکھنے والوں کو وحی ایک دوسرے سے زائد یا کم ملی! یعنی بخاری صاحب کو جو امام المحدثین تھے دوسرے امام المحدثین سے ایک جملہ کم نازل ہوا اور دوسرے امام المحدثین مسلم صاحب کو ایک جملہ زیادہ نازل ہوا (وہ جملہ اوپر روایت میں خط کشیدہ الفاظ ہیں: "تیسری مرتبہ آپ نے اپنا انگوٹھا بند کر لیا")
- ★... بہر حال دونوں نے اسے "کتاب الصوم" میں لکھا تا کہ روایت ہلال میں ہمیشہ جھگڑا ہی ہوتا رہے اور امت کئی کئی دن عیدیں مناتی رہے۔ (یعنی یہ اس آیت کی تفسیر نہیں، مگر موصوف نے یہاں دیدی)
- ★... قرآن مبین کے لفظ اُمّی کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس کی تشریح بھی اُمّی ہی کہہ کر کی (کہ ہم اُمّی لوگ ہیں) جو قرآن ۲ اور ۳ میں نزول کے بعد لکھ لی گئی!
- ★... رسول اللہ سلامٌ علیہ پر مزید وحی یہ آئی کہ (ہم) نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب لگانا۔ مہینہ اتنا اور اتنا ہوتا ہے۔ تیسری مرتبہ آپ نے اپنا انگوٹھا بند کر لیا یعنی ایک مرتبہ آپ نے (انگلیوں سے) ۲۹ کا عدد بنایا اور ایک مرتبہ ۳۰ کا عدد بنایا۔

وحی کا کتنا عجیب بیان ہے کہ ایک ہی سانس میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نہ لکھنا جانتے ہیں اور نہ حساب لگانا، لیکن ساتھ ساتھ حساب لگا کر انگلیوں سے ایک مرتبہ ۳۰ کا عدد بنایا اور دوسری مرتبہ انگوٹھا دبا کر ۲۹ کا! (ویسے "انگلیوں سے" یہ حساب لگا کر دکھانے کی وحی موصوف پر آئی تھی جو انہوں نے قوسین میں لکھ دی ورنہ اصل وحی کی روایت میں

انگلیوں کے الفاظ نہیں)۔ کہئے قارئین دونوں میں سے کون سی بات صحیح ہے؟ کہ وہ لکھنا اور حساب لگانا نہیں جانتے تھے یاحساب جانتے تھے اور عملی مظاہرہ بھی کر دیتے تھے؟

کہئے کیا **منزل من اللہ** تشریح کا معیار یہی ہونا چاہئے یا ہوتا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں یہ روایت **مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ** ہے؟ کیا یہ روایت **کِتٰبُ اللہ** ہے؟ اس تشریح سے آپ اُمّی کے کیا معنی سمجھے؟

چلئے اگر اُمّی کے معنی یہ بھی مان لیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے یونکہ انہوں نے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا(بقول موصوف کے اوپر دیئے گئے لغتی معانی و مصادر کے مطابق) مگر ایسی بات وہ صرف کہتے ہی تھے جبکہ حساب کتاب لگا کر اس کا عملی مظاہرہ بھی کر دیتے تھے (ان کے قول و فعل کا تضاد نعوذ باللہ ان کی خصوصیت تھی) تو پھر آپ اس دوسری وحی کا کیا کریں گے جس کے مطابق انہوں نے صلح حدیبیہ کے وقت، حضرت علیؓ کے معذرت کر لینے پر، اپنے دست مبارک سے اپنا نام خود کاٹ دیا تھا![1] کیا کوئی ایسا شخص جو لکھنا پڑھنا نہ سیکھے ہوئے ہو وہ قلم ہاتھ میں لے کر ایسا کر سکتا ہے؟ بتایئے دونوں وحیوں میں سے کون سی صحیح ہیں؟ قارئین آپ خاطر جمع رکھیں دونوں ہی صحیح ہیں یونکہ دونوں ہی موصوف کے قرآن ۲ اور قرآن ۳ کی ہیں!

قارئین اب ذرا ام الکتاب میں غور کر لیجئے تو آپ کو فوراً سمجھ آجائے گا کہ قرآن مبین تو اُمِیُّون اور اُمیّین کے الفاظ "الکتاب" کے مقابلہ میں استعمال کر رہا ہے یعنی وہ لوگ جو الکتاب سے ناواقف تھے (**وَ مِنۡهُمۡ اُمِّيُّوۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ الۡكِتٰبَ** :۷۸/۲، **لِّلَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَ الۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ**ؕ :۲۰/۳) اس لئے **النَّبِیَّ الۡاُمِّیَّ** کے معنٰی ہوئے "الکتاب" سے بے بہرہ اہل عرب کے نبی۔ نہ کہ اَن پڑھ نبی، جیسا کہ عام مترجمین و مفسرین نے لکھا ہے! معاذ اللہ اگر نبی بھی اَن پڑھ ہو تو وہ دوسروں کو الکتاب کس طرح پڑھائیں گے؟ وہ تو معلّمِ انسانیت تھے۔

قرآن مبین تو یہ بتاتا ہے کہ:

★ ...بقول موصوف و دیگر علما کے کہ پہلی وحی ہی یہ آئی کہ "**اِقۡرَاۡ**" (۹۶/۱) اور پڑھی عام طور پر وہی چیز جاتی ہے جو لکھی ہوتی ہو۔ (بہر حال وہ پہلی وحی ہو یا نہیں۔ ہمارے لئے تو اس قرآن مبین کی ایک سورت ہے جس قرآن مبین پر ہم ایمان لائے ہیں، جو ہم پر فرض ہے اور جو ہمارے لئے نور و ہدایت ہے) اس میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ "اس نے انسان کو **قلم** کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جس کا اس کو علم نہ تھا(۹۶/۴،۵)"۔ تو کیا اس کا رسول اَن پڑھ ہی رہ گیا تھا۔ معاذ اللہ۔ نہ وہ رسول سلامٌ علیہ ہی اَن پڑھ تھا اور نہ ہی اس کی قوم اَن پڑھ تھی۔ ہاں البتہ ہر دوسری قوم کی طرح اس قوم کے بھی صد فیصد لوگ پڑھے لکھے نہ تھے۔ ورنہ تو عرب وہ قوم تھی جس کے شعراء و فضلاء دُور دُور تک مشہور تھے اور اسی دَورِ جاہلیت کے شعراء حمص اور "متبنّہ" کے عربی دیوان پڑھ پڑھ کر آج کے بھی سند یافتہ علما، عالم بنتے ہیں۔ اس زمانہ کے بڑے بڑے شعراء کے کلام تو وہاں باقاعدہ لکھ کر خانہ کعبہ کی دیواروں یا گیٹ پر لٹکائے جاتے تھے۔ اسی طرح رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بچپن میں جو دو متحارب قبائل کے درمیان معاہدہ ہوا تھا وہ بھی لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکایا گیا تھا۔ اگر وہ قوم بالکل ہی اَن پڑھ تھی تو یہ معاہدہ اور دیگر اس قسم کے معاہدات کون لکھتا تھا؟ شعراء کے دیوان کون لکھتا تھا؟ اور کیا وہ

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۴۰۲ (بحوالہ صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد)

قرآن کی طرح پتوں، ہڈیوں اور پتھروں وغیرہ پر لکھے جاتے تھے؟

نیز یہ کہ اگر یہ مان لیا جائے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فلاں عالم کے پاس زانوئے ادب تہ کیا تو اس میں کیا قباحت ہے؟ نہ تو عصمت رسول پر کوئی فرق پڑتا ہے اور نہ ہی عزت رسول پر اور نہ بذاتِ خود رسالت پر! مگر اصل بات یہ ہے کہ ہمارے علماو فضلا کے پاس اس کے لئے کوئی تاریخی شہادت ہے ہی نہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فلاں استاد یا عالم سے پڑھنا لکھنا سیکھا۔ اس لئے انہوں نے تصور کر لیا بلکہ ان کو باور کرادیا گیا کہ وہ اَن پڑھ تھے، لکھنا پڑھنا حساب لگانا نہیں جانتے تھے! اور شاید یہ اس لئے باور کرایا گیا کہ (نام نہاد) رسولی تشریح یا تفسیر کی بھی تو علما فضلاء نے مزید تشریح کرنا تھی (مثلاً شرح عینی صحیح بخاری، فتح الباری شرح صحیح بخاری وغیرہ) تو ظاہر ہے کہ شرح وہی کر سکتا ہے جو اصل لکھنے والے سے زیادہ قابل اور سمجھدار ہو تو وہ پچھلے لکھنے والے کی بات کی مزید وضاحت کر سکے گا۔ تو اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ پڑھے لکھے آدمی ہوتے تو ان کے ارشادات کی وضاحت کون کرے گا؟ اس لئے ان کو اَن پڑھ ظاہر کیا گیا تا کہ بعد کے پڑھے لکھے علما فضلاء فقہا و محدثین ان کے ارشادات کی تشریح باقاعدہ لکھ کر کر سکیں۔ آج اپنے چاروں طرف نظر دَوڑا کر دیکھ لیجئے کہ بچوں ور بڑوں کے کتنے کورسوں کی کتابوں کی شرح کیسے کیسے قابل لوگ لکھ کر ایک طرف تو طالب علموں کی مدد کرتے ہیں اور دوسری طرف پیسہ کماتے ہیں۔ نیز یہ کہ آج کے دَور کے قادیانوں کو دیکھ لیجئے وہ بھی اُمّی کے معنی اَن پڑھ ہی کرتے ہیں[1] کیونکہ ان کا جھوٹا نبی انگریز کے دَور کا بہت پڑھا لکھا عالم فاضل تھا اور اس نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف کی تھیں۔

قارئین اب ذرا ان نقلی چیزوں کو چھوڑ کر عقل سلیم کی طرف آجایئے اور عقل سلیم سے سوچئے کہ: کیا محمد سلامٌ علیہ ولادت کے بعد بالکل ہی یتیم ویسیر یالاوارث رہے؟ نہیں ہر گز نہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے والد گرامی تو ولادت سے ایک ماہ پہلے ہی رحلت فرما چکے تھے مگر والد گرامی کے والد گرامی حضرت عبد المطلب تو حیات تھے وہی اپنے پوتے کے نگراں تھے اور وہی اپنے قبیلہ کے سردار تھے۔ اور وہاں کے قبائل میں کوئی پھکڑ قسم کے سردار نہیں بلکہ انتہائی متمول اور رُعب داب والے مشہور سردار تھے جن پر ابرہہ جیسے ظالم بادشاہ نے حملہ کیا تھا اور انہوں نے اس کو مسل کر رکھ دیا تھا۔ پھر حضور سلامٌ علیہ کی والدہ محترمہ بھی حیات تھیں۔ خاندان میں دیگر چچا تایا بھی حیات تھے۔ تو کیا ان سب کے ساتھ رہتے ہوئے اور سب کی آنکھوں کا تارا بنے ہوئے وہ اَن پڑھ رہ سکتے تھے؟ ہر گز نہیں۔ کسی بھی بچہ کیلئے آغوش مادر اور آغوشِ دادا سے بہتر آغوش و تعلیم و تربیت اور کس کی ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کو مادر محترم اور دادا محترم نے گھر ہی میں پڑھایا لکھایا تھا۔ اور پھر ان دونوں کی رحلت کے بعد جو کسر رہ گئی ہو گی وہ تایا محترم زبیر نے پوری کی جن کے آغوش میں پل کر وہ جوان ہوئے اور جو دادا محترم کے بعد خاندان کے بڑے اور قبیلہ کے سردار تھے۔ میرے خیال میں تو آنحضرت سلامٌ علیہ کو سارا پیغمبرانہ علم، جو کہ حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ سے چلا آرہا تھا، اپنے دادا محترم، والدہ محترمہ اور تایا محترم ہی کے ذریعہ ملا تھا۔ اور اسی علم کا نتیجہ تھا کہ آپ اس معاشرہ میں بچپن ہی سے اپنا مقام بناتے چلے گئے حتیٰ کہ وہ وقت آیا کہ اس معاشرہ میں ان کی مانگ ہو گئی۔ خواہ لوگوں کا آپس کا جھگڑا ہو، خواہ قبائل کی جنگ ہو، خواہ لوگوں نے کوئی اور مسئلہ میں حق وانصاف سے فیصلہ کرانا ہو، خواہ کسی کو امانت رکھوانا ہو، خواہ کسی کو گواہی

[1] دیکھئے اُمّی کے معنی تفسیر صغیر "قرآن مجید" از مرزا بشیر الدین محمود احمد، خلیفہ المسیح الثانی، ادارہ المصنفین ربوہ۔ ترجمہ ۷۹/۲، ص ۱۹

دلوانا ہو، خواہ کسی کو تجارت میں شراکت کرانا ہو۔ غرض یہ کہ کوئی کام ہو محمد بن عبد اللہ (سلامٌ علیہ) کی مانگ ہوتی تھی۔ اور پھر اسی گھریلو تعلیم وتربیت کا نتیجہ تھا کہ جوان ہونے کے بعد آپ نے خود ہی اپنے (جسمانی طور پر معذور) چچا جن کی مالی حالت بہت کمزور ہوگئی تھی کے بیٹے کو اپنے زیرِ کفالت وتربیت لے لیا تھا۔ جس کا نتیجہ تھا کہ وہ بھی کاتب وحی بنے۔ اور صلح حدیبیہ کے وقت بھی وہی عم زاد، وہی ہونہار شاگرد معاہدہ کی کتابت کر رہے تھے کہ آپ کا نام نامی کاٹنے سے معذرت کرلی، (یہ ہمت اس لئے ہوئی کہ اس نام نامی پر ایمان لاچکے تھے) تو خود آنحضور نے اسے قلم لے کر کاٹ دیا۔ کیا ایک اَن پڑھ آدمی ایسا کر سکتا تھا؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مترجم عالم نے (جہاں تک مجھے معلوم ہے اور جو تراجم میں نے دیکھے ہیں؟ یہی باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نعوذ باللہ اَن پڑھ تھے۔ حد تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیت کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے تا کہ اپنا موٴقف وعقیدہ ثابت کر سکیں۔ دیکھئے:

''وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور تم اس سے پہلے کتاب میں سے نہ تو پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا تب ضرور حق کو مٹانے والے یہ تہمت لگاتے (کہ پچھلی کتابوں سے نقل کر لیا ہے)''(العنکبوت:۴۸)

یہاں عام طور پر علما نے یہ ترجمہ کیا ہے کہ ''اور تم اس سے پہلے کوئی کتاب نہیں پڑھتے تھے اور نہ اسے اپنے ہاتھ سے لکھ ہی سکتے تھے''[۱]۔ اس ترجمہ میں الفاظ ''کوئی'' اور ''سکتے'' دونوں ہی غلط ہیں۔ یہاں کسی لفظ کا ترجمہ ''کوئی'' نہیں بنتا! بلکہ یہ صرف اس ذہن پرستی کا نتیجہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نرے اَن پڑھ تھے! اسی طرح یہ کسی لفظ کا ترجمہ نہیں بنتا کہ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھ ہی نہیں ''سکتے'' تھے میرے ناقص خیال سے تو اس آیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نزول قرآن کے ساتھ ساتھ اس کو داہنے ہاتھ سے لکھا بھی کرتے تھے۔ یعنی وہ صرف کاتبان پر تکیہ کر کے نہ بیٹھ رہتے تھے۔ بلکہ پہلے اپنا نسخہ یا صحیفہ اپنے داہنے دست مبارک سے تحریر فرمالیتے تھے۔ اور پھر جب کاتبانِ وحی میسر آجاتے تھے تو انہیں صبح وشام املا کرا دیتے تھے۔ (۵/۲۵) اس طرح سے تو یہ آیت ان لوگوں کیلئے بھی تازیانہ عبرت ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن کریم تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد ایک ایک آیت پوچھ پوچھ کر جمع کیا گیا انہی[۲] النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ جو کتاب آپ اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے ہیں اسی میں سے پڑھ کر سنایئے (تا کہ لوگ اتباع کریں):

اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ (العنکبوت:۴۵)

ترجمہ: (اے رسول یہ الکتاب جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس میں سے پڑھ کر سنایئے (تا کہ لوگ اتباع کریں)

اور پھر وہی رسول ونبی لوگوں کو اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اس کی اتباع کراتے ہیں اس طرح ان کا تزکیہ نفس ہو جاتا ہے اس طرح رسول سلامٌ علیہ کے سکھانے سے وہ الکتاب یعنی حکمت سیکھ جاتے ہیں:

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (الاعمران:۱۶۴)

---

[۱] ہمارے موصوف نے بھی اس قسم کا غلط ترجمہ کر کے صاف صاف لکھا ہے کہ ''کیونکہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے'' (ص ۶۴۷، جزء ۷) معاذ اللہ، معلم انسانیت لکھنا پڑھنا ہی نہیں جانتا!

[۲] مزید دیکھئے قرآن کے شروع ہی سے صحیفہ مطہرہ میں لکھے ہونے کے ثبوت کے طور پر ۹۸/ ۲،۳

ترجمہ: جو انہیں اللہ کی آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے ان (کے قلوب) کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب یعنی حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب)

قارئین غور کیجئے جو پڑھائے بھی کیا وہ اَن پڑھ ہو سکتا ہے؟

الغرض: "النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ" کے معنی "غیر اہل کتاب لوگوں کا نبی" ہوئے۔ اَن پڑھ نبی نہیں۔ کچھ لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ اُمّی اُمُّ القُرٰی سے بنا ہے (غالباً مخفف) جب کہ ام القرٰی وادی مکہ کو کہتے ہیں تو نبی الامی کے معنی ہوئے اہل ام القرٰی کا نبی۔ (میں نہیں سمجھتا کہ دو الفاظ ام اور القرٰی کے مجموعہ کو مخفف بنایا جا سکتا ہے اور وہ بھی اس کے پہلے لفظ کو!) بہر حال آپ ان میں سے جو معنٰی بھی لیں، نبی الامی کے معنی اَن پڑھ نبی ہر گز نہیں ہو سکتے، ایسا کہنا ان کی توہین ہے یونکہ قرآن کریم ان کے پڑھے لکھے ہوے حتیٰ کہ استاد ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ وہ قرآن کے نزول کے بعد پڑھ لکھ گئے تھے تو میرا جواب یہ ہے کہ یہ خطاب (نبی الامی) بھی تو ان کو قرآن کے نزول ہی کے بعد ملا ہے یہ تھوڑی کہا گیا کہ جو پہلے اَن پڑھ تھا اس نبی کی پیروی کرنے والوں کیلیئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت لکھ دے گا۔ اس لئے قارئین اپنے ایمان کی خیر منایئے۔ آپ سے آپ کے بارے میں سوال ہو گا اور جو علما رسول سلامٌ علیہ کو اَن پڑھ سمجھتے تھے اور ہیں اور لکھتے ہیں، ان سے ان کے بارے میں سوال ہو گا اور اس وقت ان سے جواب نہ بن پڑے گا کہ وہ کیوں توہینِ رسول سلامٌ علیہ کے مرتکب ہوتے تھے۔

قارئین، اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ہمیں اور کیا کیا بتاتی ہے:

(۲)۔ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ کا ذکر جمیل اور ان کی بشارت کو وہ اپنے ہاں توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔

(۳)۔ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں۔

(۴)۔ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ انہیں پاکیزہ چیزیں جو ان کے لئے حلال ہیں بتاتے ہیں اور جو ناپاک چیزیں ان کے لئے حرام ہیں وہ بھی بتاتے ہیں۔ یعنی ان کو قرآن کریم سے پڑھ کر سناتے ہیں (اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ: بجز ان کے جو تم کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ ۱/۵)

موصوف نے آیت کے اس ٹکرے میں بھی ترجمہ کرتے ہوئے مصلحتاً گڑبڑ کی ہے تا کہ وہ اپنا عقیدہ ثابت کر سکیں کہ رسول سلامٌ علیہ بھی حلال اور حرام قرار دیتا ہے۔ تو پھر تو اللہ کی برابری ہو گئی! جب کہ رسول بھی عبد ہے اور پہلے اللہ پر خود ایمان لایا ہے........ اور پھر اس طرح راہ ہموار کی موصوف نے اپنے لئے اور دیگر علما کے لئے بھی تا کہ وہ حلال و حرام قرار دیتے رہیں۔ اسی عقیدہ فاسدہ کا نتیجہ ہے کہ ہر طرف علما کرام چیزوں کو اپنی طرف سے حلال و حرام قرار دے رہے ہیں۔ کبھی ایک چیز حرام قرار دی جاتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد حلال قرار دے دی جاتی ہے (جب اس میں مفاد نظر آ جاتا ہے) (جو قارئین اس سلسلے میں مزید وضاحت دیکھنا چاہتے ہیں وہ ان آیات کا مطالعہ کریں۔ (۲/۱۷۳، ۱۔۵/۵، ۱۴۴۔۱۴۷/۶، ۱۵۲۔۱۵۴/۶)

(۵)۔ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ ان کی پیٹھوں کے بوجھ اور ان کی گردنوں کے طوق ان سے اُتار کر پھینک رہے ہیں۔

(۶)۔ الغرض جو لوگ ان پر (۱) ایمان لائے، ان کا (۲) احترام کیا، ان کی (۳) مدد کی اور اس (۴) نور کی پیروی کی جو ان پر نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

قارئین یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ نور کیا ہے جو النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ پر نازل کیا گیا اور جس کی پیروی کرنی ہے؟ کیا یہ قرآن مبین ہے؟ یا (نام نہاد) احادیث ہیں؟ یا پھر دونوں کی شراکت؟

قارئین مزے کی بات یہ ہے کہ موصوف خود آیت کے اس حصہ (فلاح کی چوتھی شرط) کے لئے رسولی تشریح میں سے کوئی روایت نہ لا سکے۔ بہر حال یہاں نور کو شریعت اور شریعت کو کتاب مان لیا۔ دیکھئے فرماتے ہیں:

"تفسیر: فلاح کی چوتھی شرط اس نور یعنی شریعت کی پیروی کرنا ہے جس کے ساتھ رسول اللہ ﷺ مبعوث کئے گئے ہیں:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ (الانعام:۱۵۶)

ترجمہ: اور اس کتاب کو ہم نے نازل کیا ہے یہ بڑی بابرکت کتاب ہے لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔ (ص ۵۵۸۔۵۵۹، جزء ۴)

کہئے کیا یہ بابرکت کتاب قرآن مبین کے علاوہ ہے؟ یقیناً نہیں۔ (مگر پھر بھی موصوف اس کو شریعت لکھ کر اپنا ہاتھ دکھا گئے مگر پھر غلطی سے جو آیت کریمہ تحریر کر دی اس نے تو بتا دیا کہ وہ بابرکت کتٰب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی ہے اور نازل صرف قرآن مبین کیا گیا ہے)۔ بہر حال اب تک تو آپ ان کی ذہن پرستی سے واقف ہو چکے ہوں گے یونکہ یہ تبصرہ پیچھے ہو چکا ہے کہ وہ شریعت میں قرآن مبین کے ساتھ (نام نہاد) احادیث شریک کرتے ہیں۔ کیسی (نام نہاد) احادیث جیسی اکثر پیچھے کئی مقامات پر آچکی ہیں!) بہر حال اس کے علاوہ پیچھے سورہ المائدہ کی آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ کا یہ اعلان عام گزر چکا ہے کہ:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ (المائدہ:۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور یعنی کتاب مبین آچکی ہے۔

آگے یہ اعلان عام آئے گا۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۸﴾ (التغابن:۸)

پس اللہ پر اور اس کے رسول پر اور نور (قرآن) پر جو ہم نے نازل فرمایا ہے ایمان لاؤ۔ (۶۴/۸)

(ان آیات کے علاوہ دیکھئے ۵/۴۴، ۵/۴۶، ۴/۱۷۵، ۶/۹۲ و دیگر آیات)

قارئین۔ ہر حال میں ثابت یہی ہوا کہ ایمان تو اللہ کی کتاب "قرآن مبین" ہی پر لانا ہے اور اسی کی پیروی کرنا ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔

**94۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی اگلی ہی آیت ۱۵۸ انتہائی اہم اور پچھلی آیت ہی کے تسلسل میں پھر اللہ ہی کے احکامات کے اتباع کا حکم دے رہی ہے:

"قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ِۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو، میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں جس اللہ کی بادشاہت آسمانوں پر بھی ہے اور زمین پر بھی، اس کے سوا کوئی الہ نہیں، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، تو(اے لوگو) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول، نبیّ اُمّی پر ایمان لاؤ جو اللہ پر اور اللہ کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے"۔(۱۵۸)(ص۵۶۷۔۵۶۸، جزء۴)

قارئین: اس آیت کا تسلسل و تعلق پچھلی آیات کریمہ سے اسی لئے ہے کہ دونوں آیات النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ سے متعلق ہیں۔ پہلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کا قول ہے: "کہ میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھوں گا جو رسول، نبی امی کی پیروی کریں گے" جب کہ دوسری آیت میں رسول اللہ کا قول ہے: "کہ اے لوگو میں تم سب کی طرف۔۔۔۔۔ تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے"۔یعنی یہ آیت حدیث(رسول) ہے، احسن الحدیث ہے، حدیث قدسی ہے یونکہ اللہ تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اے رسول آپ کہہ دیجئے۔ تو قُلْ کے بعد قول رسول ہے۔ تو اس آیت میں بھی عام طور پر علما مترجمین نے اور موصوف نے بھی غلطی کی ہے کہ وَاتَّبِعُوْهُ کا ترجمہ کیا ہے: "اور ان کی پیروی کرو" جو کہ صحیح نہیں۔ یونکہ یہ قُلْ کے بعد مسلسل قول رسول ہے اس لئے یہاں وَاتَّبِعُوْهُ میں ہ کی ضمیر اپنے پہلے کے لفظ وَ كَلِمٰتِهٖ کی طرف جائے گی یا زیادہ سے زیادہ دونوں پہلے کے الفاظ یعنی بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ کی طرف جائے گی۔ اس لئے معنی ہوں گے "اسی کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے" یعنی يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ کی اتباع کرنا ہے۔ یعنی اللہ پر ایمان لانا ہے اور اس کے کلمات یعنی احکام کی اتباع کرنا ہے۔ خیال رہے کہ پچھلی آیات میں رسول کی اتباع کا حکم تو اللہ دے ہی چکا ہے اب اس آیت میں رسول سلامٌ علیہ کی زبان سے یہ بات کہلوا رہا ہے کہ کیا اتباع کرنا ہے تو رسول سلامٌ علیہ کی یہ اتباع کرنا ہے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ جو خود پہلے اللہ پر اور اس کے کلمات یعنی احکام پر ایمان لاتے ہیں اور اسی کی پیروی کرتے ہیں۔

قارئین کہئے کیا آپ کو معلوم ہوا کہ:

★... حدیثِ رسول، احسن الحدیث یا حدیث قدسی کیا ہوتی ہے؟

★... رسول سلامٌ علیہ کیا تبلیغ فرماتے تھے؟

الغرض(نام نہاد) حدیث کا قرآن کریم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ نہ ہی وہ قرآن کے ساتھ شریک کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ ایمان تو اللہ ہی کی کتاب قرآن مبین پر لانا ہے اور اسی کے احکامات کی اتباع کرنا ہے جیسا کہ پچھلی آیت کے آخری حصہ میں بھی واضح کر دیا گیا۔

**95۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیات ۱۶۹۔۱۷۰ میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے جانشینوں کی بات کر رہا ہے کہ انہوں نے عہد کے باوجود اللہ کی کتاب کو چھوڑ دیا تھا:

"فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَ يَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَ اِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَ دَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶۹ وَالَّذِيْنَ

یُمَسِّکُوْنَ بِالْکِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ (الاعراف:۱۶۹۔۱۷۰)

ترجمہ: پھر ان کے بعد ان کی ناخلف جانشین کتاب الٰہی کے وارث ہوئے جو اس دنیا کا مال (ناجائز طریقہ پر) حاصل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر (دوبارہ پھر) اتنا ہی مال ان کو ملے تو (لالچ کا یہ حال ہے کہ) اسے بھی لے لیتے ہیں (جائز ناجائز کی مطلق پرواہ نہیں کرتے اور ہر مرتبہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اللہ معاف کر دے گا، ان کا یہ کہنا اللہ پر سراسر بہتان ہے) کیا ان سے کتاب (الٰہی) میں لکھا ہوا یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف سچ کے علاوہ اور کوئی بات منسوب نہیں کریں گے اور جو کچھ اس کتاب میں ہے اس کو انہوں نے خود بھی پڑھا ہے (لیکن اس کے باوجود وہ افتراء پردازی سے باز نہیں آتے اور مغفرت کے امید وار ہیں) حالانکہ آخرت کا گھر تو بس ڈرنے والوں کے لئے اچھا ہے تو (اے بنی اسرائیل) کیا تم (اتنی بات بھی) نہیں سمجھتے (۱۶۹) (آخرت میں تو بس وہی لوگ نجات پائیں گے) جو کتابِ الٰہی کو مضبوطی سے پکڑتے ہیں (سختی کے ساتھ اس کے مطابق عمل کرتے ہیں) اور (خصوصیت کے ساتھ) نماز کو قائم کرتے ہیں (ایسے لوگوں کو ضرور ان کا اجر ملے گا اس لئے کہ) ہم ان لوگوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے جو (اپنے اعمال کی) اصلاح کر لیتے ہیں (۱۷۰)" (ص ۵۹۰۔۵۹۲، جزء ۴)

قارئین غور کیجئے کہ ان آیات کے شروع میں جو حال بنی اسرائیل کے ناخلف جانشین کتاب الٰہی کا بتایا گیا ہے کیا وہی آج ہمارے ہاں کے جانشین کتابِ الٰہی کا نہیں؟

بہر حال ہمارا یہاں یہ آیت پیش کرنے کا مطلب تو اس طرف توجہ دلانا ہے کہ بنی اسرائیل سے یہی عہد لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی طرف کتاب میں لکھے ہوئے حق کے علاوہ اور کوئی بات منسوب نہیں کریں گے۔ اور اسی (کتاب الٰہی) میں سے درس دیتے رہیں گے موصوف نے یہاں بھی صحیح ترجمہ نہیں کیا اور وَ دَرَسُوْا مَا فِیْہِ کے سیدھے سیدھے ترجمہ کو کہ اسی کا درس یا اسی میں سے (کتاب الٰہی جس کا ذکر ہو رہا ہے) درس دیا کریں گے کو کچھ اور بنا دیا تو کیا یہ عہد آج ہم پر لاگو نہیں کہ کتابِ الٰہی کی نسبت اللہ پر سچ یا حق کے سِوا اور کچھ نہ کہیں (مثلاً کہ اس نے آیات کے علاوہ (نام نہاد) احادیث بھی نازل کیں جو کئی سو سال بعد محدثین کرام نے جمع کر کے امت پر احسان کیا ورنہ تو امت آدھی یا تہائی وحی کے ساتھ رہ جاتی اور وہ بھی مجمل یا نا قابلِ فہم وحی!) نیز اسی کتابِ الٰہی میں سے درس و تدریس کیا کریں بجائے (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاوٰی کے۔

اگلی آیت نمبر ۱۷۰ میں بھی کتابِ الٰہی ہی کو مضبوطی سے پکڑنے والے کو اچھے اجر کی خوشخبری دی جا رہی ہے (نام نہاد) احادیث کو پکڑنے والوں کو نہیں۔

**96**۔۔۔ اسی سورہ الاعراف کی اگلی آیت ۱۷۱ میں بھی بنی اسرائیل کو کتاب ہی پکڑنے کا حکم ہوا:

"وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ (الاعراف:۱۷۱)

ترجمہ: اور (اے رسول، بنی اسرائیل کو وہ وقت یاد دلایئے) جب ہم نے ان کے اوپر کوہ (طور) کو بلند کیا،

(وہ ایسا معلوم ہوتا تھا) گویا کہ وہ ایک سائبان ہے۔ بنی اسرائیل نے خیال کیا کہ وہ ان پر گرنے والا ہے (ایسے موقع پر ہم نے ان سے کہا) جو (کتاب) ہم نے تم کو دی ہے اس کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ (اس کے مطابق عمل کرکے) تم متقی بن جاؤ" (۱۷۱) (ص ۶۰۰، جزء ۴)

غور کیجئے کہ یہاں بھی بقول موصوف کی اپنی "تفسیر" کے کتابِ الٰہی ہی کو پکڑے رہنے کی بات ہو رہی ہے۔

کتاب غیر الٰہی کی نہیں:

تفسیر: "اے بنی اسرائیل اس کتاب کو جو ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ پکڑ لو اور جو احکام اس میں دیئے ہوئے ہیں ان کو یاد رکھو، ان کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے، اس طرح کرنے سے ہو سکتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، گناہوں سے بچو اور متقی بن جاؤ" (ص ۶۰۱)

آگے موصوف پھر اس آیت کی تفسیر کے بعد، جس میں وہ کوئی (نام نہاد) حدیث نہ لا سکے، "عمل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں؛

عمل: "اے ایمان والو! اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ اس کو پڑھتے رہئے اور اس کے احکام کو یاد رکھئے، ان پر سختی سے عمل کیجئے تاکہ آپ متقی بن جائیں اور آپ کی آخرت سدھر جائے۔ بنی اسرائیل نے اپنی کتاب کے ساتھ جو عمل کیا وہ آپ نہ کیجئے" (ص ۶۰۲)

کہئے قارئین، کیا اب بھی کوئی شبہ رہ گیا کہ اللہ کی کتاب کے علاوہ بھی کسی غیر اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑنا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے؟ اور اگر آخرت سدھارنے کے لئے کسی غیر اللہ کی کتاب کو بھی پکڑنا ہے اور اس کے احکام پر عمل کرنا ہے تو لایئے اس آیت کریمہ جیسی کوئی آیت جو اس طرح کی آیات کو منسوخ کرکے نص صریح بن سکے اور موصوف اور ان جیسے دیگر علما و فضلاء کے عقیدہ کو سچ ثابت کر سکے۔ ورنہ پھر یقین کر لیجئے کہ بات صرف اللہ کی کتاب ہی کی ماننی ہے غیر اللہ کی کتابوں اور موصوف اور ان جیسے دیگر علما و فضلاء کی نہیں ماننی ورنہ آخرت تباہ ہو جائے گی۔

**97۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۷۴ میں پھر اللہ تعالیٰ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ کی بات دہراتا ہے:

"وَ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۷۴)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم اس طرح اپنی آیات کو علیحدہ علیحدہ بیان کر رہے ہیں (کہ لوگوں کو سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو) اور کافر (اپنے کفر سے) باز آجائیں (۱۷۴)" (ص ۶۰۴، جزء ۴)

قارئین غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بار بار یہ حقیقت دہرا رہا ہے کہ وہ اپنی آیات کو علیحدہ علیحدہ مقامات پر یعنی پھیر پھیر کر واضح کرتا ہے تاکہ لوگوں کو سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر تفسیر یا شرح کی کیا ضرورت رہ گئی؟ ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خود ہی ہر بات جو ضروری تھی واضح کر دی، اس کی تفسیر کر دی تو پھر غیر اللہ کی تفسیر یا وضاحت کی کوئی ضرورت ہی نہ رہ گئی۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب (نام نہاد) احادیث کہ وہ قرآن کی تفسیرِ رسول ہیں' ڈھکوسلہ ہیں اسی لئے چودہ سو سال میں آج تک کوئی تفسیرِ رسول نہ پیش کر سکا بلکہ ہر نام نہاد عالم و مفسّر نے اپنی رائے ہی سے تفسیر لکھی اور لوگوں کو گمراہ کیا کہ وہ اللہ کی کتاب کو چھوڑ کر ان غیر اللہ

کی کتابوں وتفاسیر پر بھروسہ کرنے لگے۔ معاذ اللہ۔

**98۔**... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۱۷۵۔۱۷۹ تک اللہ تعالیٰ علم والوں کا اللہ کی آیات کا انکار کرنے والوں کا حشر کتے جیسا بتاتا ہے جو قابلِ عبرت ہے ملاحظہ ہو:

''وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْۤ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّیْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِیْنَ ﴿۱۷۵﴾ وَ لَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَ لٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ؕ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ سَآءَ مَثَلَا ا۟لْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۸﴾ وَ لَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ ۖؗ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَهُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِهَا ۫ وَ لَهُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ (الاعراف:۱۷۵۔۱۷۹)

ترجمہ: اور (اے رسول) ان کو اس شخص کا حال بھی سنایئے جس کو ہم نے اپنی آیات (کے علم) سے نوازا تھا (لیکن) بعد میں وہ ان آیات (کے علم سے) عاری ہو گیا (بس) پھر (کیا تھا) شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور وہ گمراہوں میں شامل ہو گیا (۱۷۵) اگر ہم چاہتے تو ان آیتوں (کی برکت) سے اسے اوپر اُٹھا لیتے لیکن وہ تو پستی کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی خواہش کی پیروی کرنے لگا اس کی مثال کتے جیسی ہے کہ اگر تم اس پر بوجھ لادو تو ہانپے اور اگر یوں ہی چھوڑ دو تو بھی ہانپے (اور یہ مثال صرف اسی کے حسبِ حال نہیں بلکہ) یہ مثال ان (تمام) لوگوں پر صادق آتی ہے جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا (اور خواہشِ نفس کی پیروی کر کے ذلیل خوار ہوئے) تو (اے رسول) آپ (ان جھٹلانے والوں کے) قصے (اور ان کا انجام ان لوگوں کو) سنا دیجئے تا کہ یہ (اپنے انجام کے متعلق) غور و فکر کریں (۱۷۶) (اور اے رسول) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کی مثال (بہت) بُری ہے، (انہوں نے کسی کا کچھ نقصان نہیں کیا بلکہ) وہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے (۱۷۷) (اور اے رسول) جس کو اللہ ہدایت پر چلائے وہی ہدایت یاب ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے تو پھر ایسے ہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں (۱۷۸) اور (اے رسول) ہم نے بہت سے جن اور (بہت سے انسان دوزخ کے لئے پیدا کئے ہیں (اور یہ وہ لوگ ہیں کہ) ان کے پاس دل تو ہیں لیکن ان کے ذریعہ سمجھتے نہیں، آنکھیں ہیں لیکن ان سے دیکھتے نہیں، کان ہیں لیکن ان سے سنتے نہیں (یعنی حق بات کو جاننے کے لئے دل، آنکھ اور کان سے کام نہیں لیتے) یہ لوگ چارپایوں کے مثل ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ (راہِ راست سے) بھٹکے ہوئے (اور اس کی وجہ اس کے سِوا اور کچھ نہیں کہ) یہ لوگ اپنے انجام سے غافل ہیں'' (۱۷۹)

(ص۶۰۸۔۶۱۱، جزء۴)

غور کیجئے کہ یہ آیات کتنی اہم حقیقتیں بتا رہی ہیں:

(۱)۔ جو قوم یا شخص اللہ کی آیات یعنی قرآن کریم رکھتے ہوئے اس سے عاری ہو جائے یعنی اس پر عمل کر کے دین و دنیا کا فائدہ نہ اُٹھائے تو شیطان اس کے پیچھے لگ کر (اس سے غیر اللہ کی کتابوں کی پیروی کرا کر) اس کو گمراہوں میں شامل کرا دیتا ہے۔

(۲)۔ اگر وہ قوم یا شخص مشیتِ الٰہی کے مطابق عمل کرتے یعنی قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اسی کے احکام پر چلتے تو ان کے مقام بلند ہوتے مگر انہوں نے چونکہ قرآن کریم کو چھوڑ دیا تو وہ پستی کی طرف مائل ہو گئے یعنی اپنے خالق کی کتاب چھوڑ کر اپنی (بلکہ شیطان کی) خواہش پر عمل کرنے لگے کہ غیر اللہ کی کتابوں کو اللہ کی کتاب پر فوقیت دینے لگے اور ان پر عمل کرنے لگے تو ان کی مثال کتے جیسی ہے کہ ہر وقت زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے۔

(۳)۔ اور کتے کی مثال ان سب لوگوں پر صادق آتی ہے جنہوں نے اللہ کی آیات یعنی قرآن کریم کی تکذیب کی اور تکذیب کے معنی صرف جھٹلانا ہی نہیں بلکہ اللہ کے احکامات پر عمل نہ کرنے کو تکذیب کرنا کہتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ سورہ الماعون میں فرماتا ہے کہ اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ (۱۰۷/۱) بھلا تم نے اس شخص کو دیکھا جو الدین کو جھٹلاتا ہے کہ وہ فلاں فلاں کام نہیں کرتا۔ پوری سورۃ پڑھ جایئے معنی خود سمجھ آ جائیں گے کہ تکذیب کرنے کے معنی یہ نہیں کہ کوئی زبان سے کہہ دے کہ میں نہیں مانتا بلکہ اس کے معنی عملی طور پر جھٹلانے کے ہیں۔ موصوف خود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تفسیر: "ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عالمِ دین کو جو دنیا کی طرف مائل ہو کر دین کو چھوڑ بیٹھے "کتے سے تشبیہ دی پھر فرمایا کہ جو لوگ باوجود علم کے قرآن مجید کا انکار کر رہے ہیں ان کی بھی یہ مثال ہے" (ص ۶۱۲۔۶۱۳ جزء ۴)

قارئین کہئے! کیا بات واضح نہ ہو گئی کہ جو عالم دین قرآن رکھتے ہوئے بھی اس کی تکذیب کر رہے ہیں یعنی وہ نہ تو اس پر عمل کر رہے ہیں اور نہ کرا رہے ہیں (جیسا کہ تکذیب کے معنی اوپر سورہ الماعون کے حوالہ سے واضح کئے) بلکہ غیر قرآن پر عمل کر رہے ہیں اور کرا رہے ہیں ان کی مثال کتے کی سی ہے[1]۔

(۴)۔ اللہ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں یعنی ان کے علاوہ غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث فقہ و فتاویٰ و اقوال پر عمل کرنے والوں کی مثال بہت بُری ہے کہ وہ مانند کُتا ہیں اور اس طرح ہو اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔

(۵)۔ اور جو ہدایت کا طالب ہو وہی ہدایت یاب ہوتا ہے اور جو ہدایت کا طلبگار نہ ہو تو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہاں اس آیت ۱۷۸ کا لفظی ترجمہ تو موصوف نے صحیح نہیں کیا (بلکہ اکثر علما یہی غلط ترجمہ کرتے ہیں) مگر اپنی تفسیر میں تقریباً صحیح بات لکھ گئے۔ ملاحظہ ہو:

تفسیر: "اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے (یعنی جو اللہ تعالیٰ کے قوانین ہدایت کے مطابق ہدایت کا طلبگار نہ ہو) تو ایسے ہی لوگ نقصان اُٹھانے والے ہیں (اللہ تعالیٰ تو انہیں ہی ہدایت دیتا ہے جو ہدایت کے لئے

---

[1] خیال رہے کہ عالم دین کا لفظ خود موصوف نے اپنی تفسیر میں استعمال کیا ہے۔ جب کہ قرآن کریم کی آیت صرف اتنا کہہ رہی ہے کہ وہ شخص جس کو ہم نے اپنی آیات کے علم سے نوازا تھا۔ تو ظاہر ہے کہ مروجہ معنی عالم دین ہی ہوئے۔ مگر اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اللہ کی آیات کی یعنی قرآن کریم رکھتے ہوئے بھی اس کی تکذیب کر رہا ہے۔

خلوص کے ساتھ کوشش کرتے ہیں)" (ص٦١٣، جزء۴)

(٦)۔اور بہت سے ایسے لوگ جو اپنے دل، آنکھ اور کان سے، (جن کو اس لئے پیدا کیا گیا تھا کہ وہ ان حقیقت جاننے کے آلوں سے حقیقت معلوم کرکے حق قبول کریں گے) کام نہیں لیتے تو ایسے لوگ چارپایوں یعنی جانوروں کے مثل ہیں اور اکثر دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ (جبکہ موصوف اور دیگر اکثر علما اس بات کے قائل ہیں کہ اگر دین کے معاملہ میں عقل سے کام لیا تو پھر وہ ایمان بالعقل ہوا اس لئے اندھی تقلید کرنا چاہیئے یا جو کچھ غیر اللہ نے لکھ دیا اسے بغیر سوچے سمجھے، بغیر پرکھے مان لینا چاہیئے[1]۔

غور کیجئے کہ ان آیات کریمات میں اللہ تعالیٰ کتنے کھلے ہوئے الفاظ میں اپنی آیات کی تکذیب کرنے والوں کو کتا اور جانور بتا رہا ہے مگر موصوف اور ان جیسے دیگر علما پھر بھی غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث، فقہ فتاوٰی اور اقوال پر ایمان لانے اور عمل کرنے کیلئے کہتے ہیں! اب آپ کس کی بات مانیں گے؟

مزید دیکھئے کہ ان اتنی اہم پانچ آیتوں کی تفسیر میں موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث یعنی رسولی تفسیر نہ پیش کر سکے! تو پھر یہ دعویٰ کیوں کہ رسول سلامٌ علیہ نے قرآن کی تفسیر فرمائی؟

موصوف تفسیر میں تو کوئی (نام نہاد) حدیث پیش نہ کر سکے تو "عمل" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

عمل: "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

بُری مثال ہمارے شایان شان نہیں۔ جو شخص اپنی ہبہ کی ہوئی چیز کو واپس لیتا ہے وہ اس کتے کے مانند ہے جو قے کرکے اپنی قے کو چاٹ لے۔" (ص٦١۴)

کہئے قارئین اس (نام نہاد) حدیث شریف سے آپ ان آیات کی کیا تفسیر سمجھے یا کیا عمل سمجھے؟ کیا اس آیت میں کوئی چیز ہبہ کرنے کا ذکر ہوا ہے؟ یا محض کتے کا لفظ آنے پر اسے آیت کی تفسیر قرار دے دیا!

آگے موصوف ایک نوٹ بھی لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"نوٹ: خط کشیدہ الفاظ صحیح مسلم میں نہیں ہیں۔" (ص٦١۵)

قارئین! اب ذرا عقل سلیم سے سوچتے ہوئے ایمان داری سے اندازہ لگایئے کہ ایسی روایت جس کے کچھ الفاظ ایک کتاب میں ہوں اور دوسری میں نہ ہوں کیا وہ معتبر ہو سکتی ہے؟ نہ کہ آپ اس کو وحی مانتے ہیں اور اللہ کی کتاب کی وحی پر اس کو مقدم رکھتے ہیں! معاذ اللہ

**99**۔... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ١٩٦ میں پھر صرف الکتاب ہی نازل کرنے کی بات ہو رہی ہے:

"اِنَّ وَلِیِّ‌ۦَ اللّٰهُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ یَتَوَلَّى الصّٰلِحِیْنَ ﴿١٩٦﴾ (الاعراف:١٩٦)

ترجمہ: میرا کارساز اللہ ہے جس نے الکتاب نازل فرمائی ہے اور وہ (تمام) نیک لوگوں کا دوست ہے"

(١٩٦)(ص٦٣٩، ٦۴١، جزء۴)

---

[1] آنکھ کان اور قلب یا عقل کے استعمال کیلئے دیکھئے آیات: ١٧٩/٧، ۴٢/١٠، ٨٠۔٨١/٢٧، ٥٢۔٥٣/٣٠، ۴٠/۴٣، ١٧١/٢، ١٠/٦٧، جو عقل استعمال نہیں کرتے وہ جانور ہیں، دیکھئے آیات: ۴۴/٢٥، ٢٢/٨، ١٠٠/١٠۔

یہاں پھر وہی بات دہرائی گئی ہے کہ تمام صالحین کا دوست اور کارساز اللہ تعالیٰ ہے جس نے صرف **الکتٰب** نازل فرمائی ہے دوسری کوئی (نام نہاد) احادیث کی کتاب نازل نہیں فرمائی۔

**100**۔... آگے اسی سورہ الاعراف کی آیت ۲۰۳ میں پھر آیاتِ الٰہی سنانے اور ان کی اتباع کرنے کی بات ہورہی ہے ۔ملاحظہ ہو:

''وَ اِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْ لَا اجْتَبَيْتَهَا ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ ۚ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (الاعراف:۲۰۳)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب آپ ان کو کوئی آیت نہیں سناتے تو (آپ سے) کہتے ہیں کہ آپ خود ہی کوئی بات منتخب کر کے ہمیں کیوں نہیں سنا دیتے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور جو باتیں مجھ پر وحی کی جارہی ہیں) یہ تمہارے رب کی طرف سے (تمہارے لئے بڑی) بصیرت آفریں ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں''۔ (۲۰۳)(ص ۶۵۶، جزء ۴)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کیا حقیقت واضح کی جارہی ہے کہ اے رسول جب آپ ان کو کوئی آیت نہیں سناتے یعنی جب آپ کسی وجہ سے قرآن کریم کی آیات نہیں سناتے تھے (اور خاموشی اختیار کئے ہوئے ہوتے تھے) تو بہت سے لوگ یہ فرمائش کرتے تھے کہ آپ خود اپنی (نام نہاد) حدیث سنا دیجئے مگر اللہ کے رسول سلامٌ علیہ فوراً اس کا انکار کر دیتے تھے یونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو وہی سناتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے یعنی آیات قرآن[1]۔ اور یہ آیات قرآن ہی تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے بصیرت آفریں ہیں اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہیں۔ دوسری آیات بھی ان ہی کے بصیرت آفریں ہونے پر گواہ ہیں۔

قارئین کرام غور فرمایئے کہ اس آیت کریمہ نے تو (نام نہاد) احادیث کا بالکل ہی پتّا کاٹ دیا کہ ان کے وحی ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور نہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سوائے قرآنی آیات کے کچھ اور وحی کے نام سے سنایا کرتے تھے یونکہ وحی تو صرف آیات ہی ہورہی تھیں۔ موصوف خود اپنی تفسیر کے آخر میں مانتے ہیں کہ قرآن مجید کی باتیں ہی راہِ راست پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچاتی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

تفسیر: ''اس آیات میں کافروں کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے ان سے کہا جارہا ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو قرآن مجید کی باتیں انہیں بھی راہِ راست پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچا دیں گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن جائیں گے'' (ص ۶۵۷، جزء ۴)

---

[1]۔ میرے ان الفاظ پر موصوف کے متبعین اعتراض کریں گے یونکہ آیت میں یہ کہا گیا ہے ''کہ میں تو اس کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر میرے رب کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے''۔ تو میری عرض یہ ہے کہ ذرا آیت میں سوال پر غور کر لیجئے کہ ''اے رسول، جب آپ ان کو کوئی آیت نہیں سناتے تو یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں'' تو یہاں بات آیت سنانے کی ہورہی ہے تو جواب بھی آیت ہی کے بارے میں ہوگا اس لئے وحی کی اتباع آیات کے وحی کئے جانے ہی کے مترادف الفاظ ہوئے۔

غور کیجئے، موصوف خود یہ نہیں کہہ رہے کہ (نام نہاد) احادیث کی باتیں انہیں راہِ راست پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچا دیں گی اور وہ اللہ کی رحمت کے مستحق بن جائیں گے۔ بلکہ یہ ساری بات قرآن مجید کی تعریف میں ہو رہی ہے اور خود اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں اس کی شہادت دے رہا ہے کہ:

''وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾ (الاعراف:۲۰۴)

ترجمہ: اور (اے ایمان والو!) جب قرآن پڑھا جائے تو خاموش رہا کرو اور اسے غور سے سُنا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔ (۲۰۴) (ص ۲۶۰، جزء ۴)

دیکھا آپ نے کس چیز کو غور سے سننے کو کہا جا رہا ہے قرآن کو یا (نام نہاد) حدیث کو؟ کس چیز کے پڑھے جانے پر خاموش رہنے کو کہا جا رہا ہے قرآن کے یا (نام نہاد) حدیث کے؟ کس چیز کے پڑھے جانے پر خاموش رہ کر غور سے سننے پر رحم کئے جانے کی وعید دی جا رہی ہے قرآن کے یا (نام نہاد) حدیث کے؟ ظاہر ہے کہ تینوں سوالوں کا جواب قرآن کریم ہے۔ اور (نام نہاد) حدیث کا کوئی وجود نہیں ورنہ پھر لایئے ایسی ہی آیت جس میں اس قسم کی بات (نام نہاد) حدیث شریف کیلئے بھی کی گئی ہو۔ (بشرطیکہ اسے بکری نہ کھا گئی ہو یا کوئی لڑکا غار میں لے کر نہ چھپ گیا ہو!) هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ۔

**101**۔۔۔ آگے سورہ الانفال کی آیت نمبر ۲ میں پھر قرآن ہی کی آیات سنانے کی بات ہو رہی ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ (الانفال:۲)

ترجمہ: مومن تو درحقیقت وہ لوگ ہیں کہ جب (ان کے سامنے) اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل دہل جائیں اور جب اللہ کی آیات پڑھ کر ان کو سنائی جائیں تو ان کے ایمان بڑھ جائیں اور وہ (صرف) اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں (۲) (ص ۶۸۹، جزء ۴)

غور کیجئے یہاں ایمان بڑھنے کی بات کس چیز کے لئے ہو رہی ہے؟ کتنے واضح الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ جب اللہ کی آیات پڑھ کر ان کو سنائی جائیں تو ان کے ایمان بڑھ بڑھ جائیں۔ ایسا (نام نہاد) حدیث سنانے سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ کی آیات کے مقابلہ میں الٹا اثر ہوتا ہے کہ ایمان والا اللہ کی آیات کے ساتھ غیر اللہ کی بات شریک کر کے شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے اور پھر اس کے اندر کا شیطان خوش ہوتا ہے۔ اور وہ انسان یا تو کنفیوژ ہی رہتا ہے یا پھر غلط عقائد و عمل پر رہ جاتا ہے!

**102**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانفال کی آیت نمبر ۳۱ میں کفار کے طرف سے آیات سنانے پر اعتراض ہو رہا ہے (نام نہاد) احادیث سنانے پر نہیں۔ ملاحظہ ہو:

''وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۳۱﴾ (الانفال:۳۱)

ترجمہ: اور (اے رسول، یہ کتنے ہٹ دھرم ہیں کہ) جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے

ہیں ہم نے (یہ کلام) سن لیا، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسا (کلام) بناسکتے ہیں، یہ ہے ہی کیا، بس اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں" (۳۱)(ص ۷۴۰، جزء ۴)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ کس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بعض لوگ کتنے ہٹ دھرم ہوتے ہیں کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی قرآن کریم سے کچھ سنایا جاتا ہے، بتایا جاتا ہے، سمجھایا جاتا ہے تو وہ فوراً اگر مگر کرنا شروع کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں ٹھیک ہے مگر (نام نہاد) احادیث میں تو ایسا ایسا قصہ بیان ہوا ہے کہ فلاں صحابیؓ نے یا فلاں رسول سلامٌ علیہ نے ایسا کیا تھا یعنی وہ قصص کی طرف آجاتے ہیں۔ کچھ عرصے پہلے جو ان کے استاد تھے یا اسلاف تھے وہ تو ان سے بھی آگے بڑھے ہوئے تھے کہ وہ تو یہاں تک کہتے تھے کہ یہ قرآن کی آیات ہیں ہی کیا یہ تو اگلے لوگوں کے قصے ہیں اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسے قصے بنا سکتے ہیں اور پھر ہوا بھی یہی کہ ان لوگوں نے قرآنی آیات کے مقابلہ میں بڑی بڑی کتابیں لکھ ڈالیں جو اسرائیلیات اور گھٹیا مواد سے بھری ہوئی ہیں اور ان کو انتہائی خوبصورتی سے اسلامی لٹریچر کے نام سے، کہیں قصص الانبیاء کے نام سے، کہیں روایات و آثار صحابہ کے نام سے، کہیں احادیث و سنت کے نام سے اور کہیں حدیث قدسی کے نام سے قرآن کے برابر لا کھڑا کیا۔ اب اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا کہ ایسے قصے تو نسیم حجازی اور ابن صفی بھی لکھ سکتے ہیں!

الغرض آیت یہ بتا رہی ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ جب اللہ کی آیات قرآن تلاوت فرما کر کافروں کو اسلام کی طرف دعوت دیتے تھے تو وہ ان آیات پر اعتراض کرتے تھے۔ تو آیات کریمہ سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ آیات قرآن ہی پڑھ کر لوگوں کو سناتے تھے، تبلیغ کرتے تھے، (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اس وقت (نام نہاد) احادیث کا کوئی وجود ہی نہ تھا صرف قرآنی آیات ہی آیات تھیں، بلکہ پھر قرن اولیٰ میں بھی آیات ہی کا بول بالا رہا، مگر جب دوسری صدی ہجری میں عباسی حکومت قائم ہوگئی تو فارس کے علما و فضلاء کو (جن کو وزراء بنالیا گیا) نہ صرف بیج بو نے بلکہ گل کھلانے کا موقع مل گیا اور مختلف شہروں و قریوں میں ٹکسالیں لگنا شروع ہو گئیں جہاں نئی نئی (نام نہاد) احادیث ڈھالی جانے لگیں اور عوام الناس میں پھیلائی جانے لگیں............. اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ ۶۲۳۶ قرآنی آیات کے مقابلے میں کم و بیش ۶،۰۰۰،۰۰۰ (ساٹھ لاکھ) (نام نہاد) احادیث ڈھالی گئیں۔ پھر چند اللہ کے بندے کھڑے ہوئے اور انہوں نے لاکھوں کے حساب سے ان ٹکسال کی ڈھالی ہوئی (نام نہاد) احادیث کو رَد کر دیا۔ لاکھوں (نام نہاد) احادیث کا کھلم کھلا انکار کر دیا۔ انہیں حضرات کو محدث کا لقب دیا گیا۔ جس نے جتنی زیادہ (نام نہاد) احادیث کا انکار کیا وہ اتنا ہی بڑا امام حدیث کہلایا۔ امام بخاری نے سب سے زیادہ (نام نہاد) احادیث کا یعنی ۶ لاکھ کا انکار کیا تو انہیں امام المحدثین کا لقب دیا گیا، اسی طرح دوسرے محدثین کو۔ اب جب دَورِ ملوکیت کے عجمی پارسی النسل ورزراء نے دیکھا کہ انکے کھلائے ہوئے گل تو توڑے جانے لگے تو انہوں نے نئی چال چلی کہ انہیں محدثین کے نام سے کتابیں تحریر کرا کر خواص علما و مدرسین کو پہنچانا شروع کر دیں کہ یہ فلاں امام الحدیث نے بڑی عرق ریزی سے، دُور دُور جا کر لوگوں سے پوچھ پوچھ کر اور اصول حدیث پر پرکھ کر اور اسماء الرجال پر پرکھ کر لکھیں ہیں اس لئے سب صحیح ہیں اور ان پر عمل کرنا چاہئے اور ان پر عمل کرنے کے معنی ہی قرآن پر عمل کرنا ہے اور سنت پر عمل کرنا ہے۔ جب اللہ کی کتاب اور رسول سلامٌ علیہ کی سنت کا نام بیچ میں آگیا تو سب نے آنکھیں، کان اور عقل بند کر کے ان کتابوں کو قبول کر لیا اور انہی سے

درس وتدریس شروع کردی اور قرآن کریم کو خوبصورت سا غلاف سلوا کر اس میں بند کر کے سب سے اوپر والی طاق میں رکھ دیا تاکہ بچوں کا ہاتھ بھی نہ پہنچے[1]۔ ایسے ہی لوگوں کو جو آنکھیں، کان اور عقل بند کر کے غیر اللہ کی بات مان لیں گویا کہ اللہ کی بات کی تکذیب کریں اللہ تعالیٰ نے کتے اور جانور کی مثل بتایا ہے (جو آپ پچھلی آیات میں پڑھ چکے ہیں)۔ ان آنکھوں، کان اور قلوب یعنی عقل کے اندھوں نے یہ تک نہ پوچھا کہ (مثلاً) تم اس کتاب کو امام المحدثین بخاری کی کتاب بتارہے ہو حالانکہ وہ تو وہ اللہ کا بندہ تھا جس نے سب سے زیادہ لاکھوں (نام نہاد) احادیث کا انکار کیا تھا تو اس نے (نام نہاد) احادیث کی کتاب کیسے لکھ دی؟ تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟ لاؤ اس کے ہاتھ کا وہ نسخہ کہاں ہے جسے وہ دو دو رکعت نفل استخارہ پڑھ پڑھ کر لکھتا تھا؟ چلو اگر وہ نسخہ کسی نے اس کے ساتھ قبر میں ہی دفن کر دیا یا کوئی اور امام اسے لے کر فرانس کی لائبریری میں چھپا آیا تو کم از کم وہ اصول حدیث ہی بتا دو جن پر اس نے ان (نام نہاد) احادیث کو پرکھا ہے؟ اس نے یہ اصول حدیث کہاں سے لئے تھے؟ اس نے یہ اصول حدیث کہاں لکھے ہیں، کس کتاب میں؟

قارئین کرام میری اس بکواس پر غور کیجئے اور آیت کریمہ میں تدبّر کیجئے۔ کیا آج بھی ہمارے واعظین کرام اور ذاکرین مہربان ہم کو جلسوں اور مجالس میں اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں سُنا رہے ہوتے؟ یہ قصے کہانیاں کیا ان لوگوں نے نہیں بنائے تھے جن کا دعویٰ اس آیت کریمہ میں بتایا گیا ہے؟ اور میں بھی تو آپ سے یہی کہہ رہا ہوں کہ اللہ کی آیات کے علاوہ جو کچھ غیر اللہ کا لکھا ہوا ہے وہ انہی لوگوں کے بنائے ہوئے قصے کہانیاں ہیں۔ اس لئے اس کو چھوڑ دیجئے اور اللہ کی آیات یعنی اللہ کی الکتاب قرآن مبین کو مضبوطی سے پکڑ کر بس اسی کے ہو رہئے۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو گا۔

قارئین! اوپر میں نے آپ کو پارس کے علما وفضلا کے ایجاد کردہ علم الحدیث کا فسانہ سُنایا، چاہے آپ یقین کریں یا نہ کریں لیکن ایک اور بھی حقیقت کرب وبلا ہے کہ انہوں نے جب اپنے کھلائے ہوئے گل ٹوٹتے وتباہ ہوتے دیکھے تو انہوں نے صرف یہی نہیں کہ محدثین کے نام سے کتابیں لکھوانی شروع کردیں یا برسوں وصدیوں پہلے مرے ہوئے لوگوں کے حالات لکھوانا شروع کئے کہ وہ سچ بولتے تھے یا جھوٹ (فن اسماء الرجال) بلکہ انہوں نے ایک اور فن بھی ایجاد کیا اور اس کو نام دیا "فن فقہ"۔ اس فن کی خصوصیت یہ تھی کہ کچھ بھی قیاس کر کے مسئلہ گھڑ لو یا بنا لو اور قیاس ہی سے اس کا حل یا جواب بنا لو[2] اور کہہ دو کہ یہ ہمارے فقیہ کا فیصلہ ہے یا ان کے نزدیک اَنسب ہے یا راجح ہے اور قرآن و سنت کے مقابلہ میں عمل اس پر ہو گا۔ مثلاً ایک گندی سی مثال دیتا ہوں کہ فقہ حنفی کا مسئلہ ہے کہ اگر انگلی میں غلاظت

---

[1] قارئین شاید یہ سوال کریں کہ میں نے یہ کہانی کہاں سے لکھی ہے یا اس کا حوالہ کیا ہے؟ تو میرا جواب سیدھا سا ہے کہ میں نے یہ کہانی کسی واعظ، ذاکر سے سنی ہے اور جس طرح ذاکر سے سن کر فسانہ کرب وبلا پر یقین کر لیا ہے اسی طرح اس پر بھی یقین کر لیا ہے۔ آخر اس میں حرج ہی کیا ہے، ذاکر صاحبان کوئی جھوٹ تھوڑے ہی بولتے ہیں! ان کے سنائے ہوئے سارے فسانے آنکھوں دیکھے ہوتے ہیں!

[2] "قرآن مجید میں کل (۶۶۶۶) آیتیں ہیں۔ ان میں پانسو آیتیں ایسی ہیں جن سے مسائل کا استنباط ہوا ہے۔ صرف ایک امام ابو حنیفہ نے تیرہ لاکھ مسائل نکالے ہیں (بحوالہ قلائد العقود العقیان) اور مجتہدین نے اس کے علاوہ کم وبیش ایک کروڑ مسائل کا استنباط کیا ہو گا۔ اس طرح فی آیت بیس ہزار مسائل کا اوسط ہوا"۔ "تاریخ القرآن" از پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری۔ بار پنجم ۱۹۷۷ء۔ ص ۱۵۴ (زیرِ عنوان معجزہ)

(پاخانہ وغیرہ) لگ جائے تو اسے تین مرتبہ چاٹ لینے سے انگلی پاک ہو جائے گی[1] (پھر پیٹ کا کیا ہو گا وہ تو پہلے ہی غلاظت سے بھرا ہوا ہے اس کی کیا فکر!) اس کے مقابلہ میں فقہ اہلحدیث کا مسئلہ ہے کہ اگر کسی کپڑے پر شیر خوار لڑ کا پیشاب کر دے تو اسے صرف پانی کا چھینٹا مار دے، وہ کپڑا پاک ہو جائے گا، اس کپڑے میں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی شیر خوار لڑکی پیشاب کر دے تو اس کپڑے کو اچھی طرح دھوئے[2]۔ اب ایک اچھی سی مثال سُن لیجئے۔ کہ فقہ اہلحدیث میں مسئلہ ہے کہ عورت اور مرد کے نماز پڑھنے کے طریقے میں کوئی فرق نہیں دونوں ایک ہی انداز قیام ونشست وبرخاست (Posture) سے نماز ادا کریں یونکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا تھا کہ "جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھتے ہو ویسے ہی پڑھو" (بخاری) تو یہ حکم عام تھا اور مردوں اور عورتوں دونوں کیلئے تھا فقہ والے بھی بظاہر اس قولِ رسول سلامٌ علیہ کو مانتے ہیں مگر انہوں نے مردوں اور عورتوں کے مختلف طریقے بنائے ہوئے ہیں۔ اب آج کے نوجوان جب اہل فقہ سے پوچھتے ہیں کہ عورتوں کا طریقہ نماز، رسول اللہ سلامٌ علیہ کے طریقہ سے مختلف کیوں ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے امام الفقہ کے نزدیک یہی مناسب بلکہ انسب ہے اور اسی پر عمل ہو گا۔ (نعوذ باللہ رسول سلامٌ علیہ کا طریقہ یا سنت کوئی چیز نہیں!) کہئے قارئین کتنا عمدہ فن ہے یہ! اچھا پھر اسی پر بس نہیں بلکہ جس جس فقیہ نے شاید جتنا زیادہ زیادہ قیاس کر کے جتنے زیادہ سے زیادہ مسئلے گھڑے یا بنائے وہ اتنا ہی بڑا امام بنا دیا گیا حتیٰ کہ امام اعظم یعنی سب سے بڑا امام بھی بنا دیا گیا اور اس کے قیاسات کو قرآن پر مقدم ماننے والوں اور ان پر عمل کرنے والوں کو سوادِ اعظم کا لقب دے دیا گیا اور ان کو جنت الفردوس کی وعید بھی سنادی گئی! کسی نوجوان نے شرارتاً سوال کر دیا کہ ذرا ان امام اعظم کی تحریر کردہ کتاب عظیم تو دکھلا دو تو ملوکیت کے وزراء کے پروردہ علماو فضلاء ناراض ہو گئے کہ اتنے بڑے امام کو کتاب لکھنے کی کیا ضرورت! آخر امام المحدثین کا بھی تو نسخہ غیب میں ہے اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں کے نسخے رائج الوقت ہیں اسی طرح امام اعظم کا بھی نسخہ غیب میں ہے (اور وہ تو ویسے بھی قیاسی تھا اس لئے اس کو لکھنے کی کیا ضرورت تھی) اور ان کے شاگردوں کے شاگردوں کے شاگردوں کے نسخے رائج الوقت ہیں۔ (وقت آنے پر، جب فارسی کے علماو فضلا چاہیں گے امام بخاری اور امام اعظم دونوں ہی کے اصل نسخے غیب سے فرانس یا اسپین یا روس کی کسی پرانی لائبریری سے برآمد کرا دیں گے۔ اور دنیائے مسلمان کو محو حیرت کر دیں گے!)۔

قارئین، بات کچھ لمبی ہو گئی ہے، مگر ذرا سنجیدگی سے غور کیجئے کہ یہ فسانہ کرب وبلا کچھ اسی انداز سے آگے طویل ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ برصغیر ہندوستان میں مغلوں کے دَورِ حکومت میں عجمی پارسی علماو فضلاء رسائی حاصل کر کے وزراء بن جاتے ہیں اور پھر مغل سربراہِ حکومت کے نام سے ایک اور نیا دین، دینِ الٰہی کے نام سے بنوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کچھ اللہ کے بندے اس کے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اللہ کا دین اسلام ہی تو اصل دین الٰہی ہے یہ نیا دین کیسے بنایا جارہا ہے تو وہ منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جاتا ہے تو آگے چل کر دوسرے سربراہ سے قیاسات و فتاویٰ کا مجموعہ مرتب کرایا جاتا ہے (جس کی مرتب کرنے والی کونسل میں تقریباً ہر فرقہ وہر مذہب کا ایک ایک ممبر رکھا جاتا ہے) اور ان کو فتاویٰ

---

[1] "خلاصہ تلاش حق" از مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین۔ مطبوعہ ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء، اشاعت چہارم ص ۱۷

[2] "صلوٰۃ المسلمین" از جماعت المسلمین۔ اشاعت اول ۱۳۹۸ھ مطابق ۱۹۷۸ء، زیرِ عنوان پاکی اور ناپاکی کے مسائل ص ۸۳ (بحوالہ صحیح بخاری وابوداؤد وغیرہ)

عالمگیری کے نام سے مرتب کرا کر حکومتی سطح پر نافذ کرا دیا جاتا ہے!

قارئین اس سے آگے کا فسانہ کرب و بلا میں اب طوالت کے خوف سے نہیں لکھتا یونکہ وہ تو آپ کو بھی معلوم ہے کہ مغلوں کے بعد عنان حکومت براہِ راست یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں آ گئی اور انہوں نے کس طرح دیندار موومنٹ، قادیانی موومنٹ وغیرہ بنوائے اور پھر باقاعدہ کورٹ سے فیصلہ کرا کر جماعت اہلحدیث کا نام رجسٹر کرایا اور پھر برصغیر ہندوستان کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے بعد اپنے ذہنی غلاموں سے جماعت المسلمین کو رجسٹر کرا دیا۔ اور اب دونوں رجسٹرڈ جماعتیں مل کر قرآن کریم کے خلاف تحریک چلا رہی ہیں کہ اس کو اوپر کی طاق سے نہ اُتارو.......... ورنہ انقلاب آ جائے گا۔ دیگر اہل فقہ بھی ان سے قدم ملا کر چل رہے ہیں۔

قارئین! بات ہو رہی تھی اس آیت کریمہ کی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو آیات قرآنی ہی سناتے تھے اور کفار اس پر اعتراض کرتے تھے (نام نہاد) احادیث پر نہیں یونکہ اس وقت ان کا وجود ہی نہ تھا ورنہ تو وہ ان پر بھی اعتراض کرتے۔ اسی حقیقت کی تصدیق اگلی آیت (سورہ الانفال) کریمہ بھی کر رہی ہے، ملاحظہ ہو:

''وَ اِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ (الانفال:۳۲)

ترجمہ: اور (اے رسول وہ وقت بھی یاد کیجئے) جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری طرف سے حق ہے تو (ہمارے انکار کی سزا میں) ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی (اور) دردناک عذاب بھیج دے'' (۳۲) (ص ۴۲۷۔۴۳۷، جزء ۴)

غور کیجئے کہ موصوف خود اپنے ترجمہ میں یہ حقیقت مان رہے ہیں کہ اعتراض یا دشمنی تو قرآن سے تھی (نام نہاد) احادیث سے نہیں یونکہ ان کا تو اس وقت وجود ہی نہ تھا۔ اسی لئے قرآن کریم میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں کہ یہ کفار و مشرکین قرآن کے علاوہ جو کچھ آپ ان کو سناتے ہیں اس پر اعتراض کرتے ہیں۔ اگر ایسی کوئی آیت ہے تو لایئے پیش کیجئے! بلکہ دیکھئے ان دشمنانِ قرآن کیلئے آگے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے۔

**103**۔... آگے سورہ التوبہ کی آیت ۶ میں اللہ تعالیٰ دشمنوں اور مشرکین کو بھی کلام اللہ سنانے کا کہہ رہا ہے:

''وَ اِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ (التوبہ:۶)

ترجمہ: اور (اے رسول) اگر مشرکین میں کوئی شخص آپ سے پناہ طلب کرے تو آپ اسے پناہ دے دیا کیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کے کلام کو (اچھی طرح) سُن لے، پھر اس کو امن کی جگہ پہنچا دیجئے، یہ (رعایت) ان لوگوں کے لئے اس لئے (ضروری) ہے کہ وہ (اسلام کی حقیقت سے) ناواقف ہیں (اور ناواقفی کی حالت میں انہیں قتل کرنا مناسب نہیں ہے)'' (۶) (۸۴۴۔۸۴۵، جزء ۴)

سورہ التوبہ کی پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے کہ ''پھر جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کر دو، ان کو گرفتار کرو.......... '' مگر اس آیت کریمہ میں وہ کریمانہ طور پر یہ فرماتا ہے کہ ایسے میں بھی

جب کہ جنگ ہو رہی ہو کوئی مشرک آپ سے پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دے دیجئے یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام اچھی طرح سُن لے، ہو سکتا ہے کہ فوراً ایمان لے آئے، ورنہ اس کو امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔ ہو سکتا ہے پھر بعد میں سوچ سمجھ کر ایمان لے آئے۔ الغرض بات جنگ کی حالت میں بھی کلام اللہ یعنی قرآن کریم ہی سنانے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) حدیث کی نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس وقت (نام نہاد) حدیث کا وجود ہی نہ تھا تو اس کو سنانے کا ذکر کیسے ہو سکتا ہے۔ خود موصوف اپنی تفسیر میں "عمل" کے زیرِ عنوان قرآن مجید ہی سنانے کا لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

عمل: "اے ایمان والو! اگر مشرکین میں سے کوئی شخص امان طلب کرے تو اسے امان دیجئے۔ اسے قرآن مجید سنایئے۔ اگر وہ ایمان نہ لائے تو اسے واپس اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے۔" (ص ۸۴۷، جزء ۴)

**104**۔۔۔ آگے اسی سورہ التوبہ آیت ۱۲۴ میں قرآن کی سورۃ نازل ہونے اور اس س ایمان والوں کا ایمان بڑھنے کی بات ہو رہی ہے:

"وَ اِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّ هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ (التوبہ:۱۲۴)

ترجمہ: اور (اے رسول! ان منافقین کی تو یہ حالت ہے کہ) جب کوئی (نئی) سورت نازل ہوتی ہے تو ان میں بعض لوگ (ایک دوسرے سے) پوچھتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ کیا (آپ کہہ دیجئے کہ) ان کے ایمان میں اضافہ کیا جو (حقیقی معنوں میں) ایمان لے آئے ہیں اور (وہ تو ایسے لوگ ہیں کہ جب کبھی کوئی سورت نازل ہوتی ہے تو ان کے ایمان میں اضافہ ہی نہیں ہو تا بلکہ) وہ (اس کے نازل ہونے سے بہت) خوش ہوتے ہیں"۔ (۱۲۴) (ص ۱۱۶۳۔ ۱۱۶۴، جزء ۴)

اس آیت کریمہ میں کتنے واضح طور پر یہ بتایا گیا ہے کہ سورت نازل ہوتی تھی (نام نہاد حدیث نہیں نازل ہوتی تھی) اور سورتیں صرف قرآن مجید میں ہیں (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ اور قرآن کریم کی سورتیں نازل ہونے سے منافقین تو پریشان ہو جاتے تھے مگر ایمان لانے والوں کا ایمان اور بڑھ جاتا تھا اور وہ لوگ اس کے نازل ہونے سے خوش بھی ہوتے تھے یونکہ وہ کسی نہ کسی بات کی وضاحت ہی ہوتی تھی اور غیر اللہ کی وضاحت کی ضرورت نہ رہتی تھی۔ موصوف خود اس بات سے متفق ہیں کہ یہ سورتیں قرآن ہی کی نازل ہوتی تھیں (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر میں "عمل" کے زیرِ عنوان تحریر کرتے ہیں:

عمل: "اے ایمان والو! جب آپ اللہ تعالیٰ کی آیات سنیں تو ایک قسم کی خوشی محسوس کیا کیجئے۔ آپ کے دلوں میں مسرت اور شادمانی کی ایک لہر دوڑ جانی چاہئے۔

اے ایمان والو! قرآن مجید پر عمل کر کے ہی حقیقی خوشی اور شادمانی حاصل کی جاسکتی ہے" (ص ۱۱۶۸، جزء ۴)

## القرآن الحکیم ہی حکمت ہے:

**105**۔۔۔ آگے دیکھئے سورہ یونس کے شروع یعنی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

"الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۱﴾ (یونس:۱)

ترجمہ: الٓرٰ (اے رسول) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں (جو آپ کی طرف وحی کی جارہی ہیں) (۱)
(ص ۳۔۴، جزء۵)

تفسیر: (الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝۱) اے رسول، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ حکمت والی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰسٓ ۝۱ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۝۲ۙ (یٰس:۱۔۲)

ترجمہ: یٰسٓ (۱) حکمت والے قرآن کی قسم (۲)۔

قرآن مجید حکمت سے پُر اور دانائی کی باتوں سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝۵۸ (الاعمران:۵۸)

ترجمہ: (اے رسول) یہ (اللہ کی) آیتیں ہیں اور حکمت سے بھرپور نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنارہے ہیں۔

قرآن مجید حکمت والی کتاب کیوں نہ ہو جب کہ اس کا نازل کرنے والا حکمت والا ہے قرآن مجید بھی حکیم اور قرآن مجید کا نازل کرنے والا بھی حکیم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝۶ (النمل:۶)

اور (اے رسول) یہ قرآن آپ کو حکمت والے اور علم والے (اللہ) کی طرف سے القاء کیا جارہا ہے۔ (۶)
(ص ۴، جزء۵)"

کہئے قارئین! اس آیت کریمہ کے موصوف کے ترجمہ اور تفسیر سے کیا یہ حق آپ پر واضح نہ ہو گیا کہ قرآن مجید اور حکمت ایک ہی کتاب ہے اور یہی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل کیا گیا، وحی کیا گیا تھا۔

کیا اس سے موصوف اور دیگر اہلحدیثوں کا یہ عقیدہ کہ قرآن الگ کتاب ہے اور حکمت الگ کتاب ہے (جس کو حدیث کہتے ہیں)، غلط ثابت نہ ہو گیا؟ ظاہر ہے کہ یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر صرف قرآن حکیم ہی نازل ہوا تھا، وحی ہوا تھا۔ اور وہی کتاب اللہ ہے۔ کسی غیر اللہ کی کتاب اس کے ساتھ شریک نہیں کی جاسکتی ورنہ کھلا شرک ہو جائے گا۔ نہ ہی قرآن حکیم کے علاوہ کچھ اور نازل یا وحی ہونے کا ذکر ان آیات میں یا کسی بھی آیت میں ہے۔ غور کیجئے کہ یہ کتنی جرأت کی بات ہے کہ ان آیات کی موجودگی میں عجمیوں کی لکھی لکھائی کتابوں کو حکمت کہا جائے! ایسا سمجھنے اور کہنے / لکھنے والے اپنے ایمان کی خیر منائیں ہم نے تو ان کی توجہ حقیقت کی طرف دلادی۔

**106۔**... آگے اسی سورہ یونس کی آیت ۱۵۔۱۷ میں آیات بینات ہی کی بات ہو رہی ہے:

''وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَاۤ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝۱۵ قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَاۤ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۱۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ

بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ (یونس:۱۵-۱۷)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب ان لوگوں کو ہماری روشن آیات سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہم سے ملاقات کی کوئی امید نہیں (آپ سے) کہتے ہیں کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ یا اس میں کچھ ردّ و بدل کر دو، آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں رَدوبدل کر دوں، میں تو پس اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے۔(۱۵) (اور اے رسول! آپ یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ چاہتا تو میں یہ (کتاب) تم کو پڑھ کر نہ سناتا اور نہ اللہ تم کو اس سے آگاہ کرتا، (اور اے کافرو) میں اس سے پہلے تم لوگوں میں (اپنی) عمر (کا کافی حصہ) گذار چکا ہوں (کبھی ایسی بات کہی؟) کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں (کہ جس شخص نے اتنی عمر تک کچھ نہ کہا ہو وہ یکایک ایسا فصیح و بلیغ کلام کیسے بنا سکتا ہے)(۱۶) (مزید برآں) اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف جھوٹ بات منسوب کرے یا اللہ کی آیات کو جھٹلائے (یقیناً کوئی نہیں ہو سکتا، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میں خود کسی بات کو بناؤں اور اسے اللہ کی طرف منسوب کر دوں اور نہ مجھ سے یہ ہو سکتا ہے کہ جو کلام الٰہی میرے پاس آرہا ہے اسے جھٹلا دوں، اگر دونوں باتوں میں سے کوئی بات بھی میں کروں تو پھر مجھ سے بڑا مجرم کون ہوگا اور) مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے" (۱۷) (ص ۴۵-۴۷، جزء۵)

قارئین کرام غور فرمایئے کہ موصوف کے اپنے ہی ترجمہ کے مطابق ان تینوں آیات سے کیا اہم حقیقتیں واضح ہو رہی ہیں:

(۱)۔ لوگوں کو اللہ کی روشن آیات یعنی قرآن کریم کی آیات بینات سنائی جاتی تھیں۔ بینات کے معنی پہلے بھی آچکے ہیں کہ واضح، تشریح شدہ، صاف صاف کے ہیں۔ اور اگر اس کے معنی روشن کے لئے جائیں جیسا کہ موصوف نے اپنے ترجمہ میں لئے ہیں تو روشن چیز کو بھی مزید کسی اور چیز کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کو تو خود ہی روشن ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سے دیکھا اور جانا پہچانا جا سکتا ہے۔ اس لئے اللہ کی آیات بینات کو غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث اور تفسیر کی ضرورت نہیں۔ اسی طرح نور (نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌ ۙ ۵/۱۱۵) کو بھی مزید کسی اور روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

(۲)۔ وہ لوگ جو اللہ سے یوم حشر میں ملاقات ہونے کے قائل نہیں۔ (یعنی یوم آخرت پر یقین نہیں رکھتے) اللہ کے رسول سلامٌ علیہ سے آیات قرآن کے سنائے جانے پر اعتراض کرتے ہوئے فرمائش کرتے تھے کہ اس کے علاوہ کوئی اور قرآن لے آؤ۔ یعنی ان کو اصل دشمنی اللہ کی کتاب ہی سے تھی (اور ہے) وہ نہیں کہتے تھے کہ کوئی اور صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ترمذی وغیرہ لے آؤ۔ وہ ایسا یوں نہیں کہتے تھے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں تو صرف قرآن کریم نازل ہو رہا تھا صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ نہیں۔ اس لئے جو چیز موجود ہی نہ تھی اس پر اعتراض کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

(۳)۔ وہ لوگ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے یہ بھی فرمائش کرتے تھے کہ اچھا کوئی اور قرآن نہیں لاتے تو اسی میں کچھ ردّ و بدل کر دیجئے۔ ان کی یہ فرمائش بھی (نام نہاد) احادیث کے عدم وجود کا زندہ ثبوت ہے۔ ورنہ اگر اس زمانہ میں یہ

ہوتیں تو ان کو فرمائش کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی یونکہ ان کے وجود سے تو قرآن کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اور امت میں افتراق شروع ہو جاتا ہے۔ہاں ان کے بعد والوں نے ان کی یہ فرمائش پوری کر دی کہ قرآن میں ردّ و بدل کرنے کی حتی الامکان کوشش کر ڈالی کہ: رسول اللہ سلامٌ علیہ فلاں آیت کو یوں یوں، کم از کم سات طریقوں سے پڑھتے تھے، معاذ اللہ، اس طرح سات قرآن تھے۔جب اس مکاری سے کام نہ چلا تو انہوں نے (نام نہاد) احادیث کی سینکڑوں کتابیں لکھوا کر ان میں سے چھ منتخب کر کے قرآن کے ساتھ رکھ کر پھر سات قرآن کے تصور کو بر قرار رکھنے کی کوشش کی۔ اور اب موجودہ دَور میں موصوف نے اس کو کم کر کے تین قرآن کا عقیدہ پیش کیا ہے۔ جس کے ابطال کی میں کوشش کر رہا ہوں۔اور یہ آیات بینات اس عقیدہ کا ابطال پہلے ہی کر چکی ہیں۔

(۴)۔ ان کی فرمائش کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے رسول سلامٌ علیہ کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجئے: (یعنی یہ **احسن الحدیث بلکہ حدیث قدسی ہے**) ''کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں (قرآن میں) ردّ و بدل کر دوں'' یعنی رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کریم کو من و عن رکھنے کے پابند تھے ورنہ وہ کہہ دیتے کہ اچھا میں اس کی تشریح بذریعہ اپنی (نام نہاد) حدیث کے کر دیتا ہوں تم قرآن کو چھوڑ کر صحیح بخاری و صحیح مسلم پڑھا کرو! نعوذ باللہ '

(۵)۔ آگے حدیث قدسی کا بقیہ حصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول سلامٌ علیہ کو حکم دیا کہ آپ یہ بھی بتا دیجئے: ''میں تو بس اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور) اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر لگتا ہے'' ۔ یہاں یہ بات کتنی روشن ہو گئی کہ رسول سلامٌ علیہ تو صرف اس قرآن کی پیروی کرتے تھے جو ان پر وحی کیا جاتا تھا جس پر کفار اعتراض کرتے تھے اور رد و بدل کرنے یا دوسرا قرآن لانے کی فرمائش کرتے تھے۔ نیز رسول سلامٌ علیہ اپنے رب کی نافرمانی یعنی جو قرآن ان پر وحی کیا جا رہا تھا اس کی نافرمانی کرنے سے بڑے دن کے عذاب سے ڈرتے تھے۔

قارئین غور کیجئے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول سلامٌ علیہ اس بات سے خوفزدہ ہے کہ قرآن کی نافرمانی کرے بلکہ وہ تو قرآن ہی کی پیروی کرے (اور یہی پیرویٔ قرآن، سنت رسول ہوئی۔ جب کہ لوگوں نے دوسری باتوں کو سنتِ رسول بنا لیا ہے!) مگر آج کے بڑے بڑے سورما اس سے ذرا بھی خوفزدہ نہیں کہ وہ قرآن کو چھوڑ کر غیر اللہ کی کتابوں کی پیروی کریں جب کہ وہ مانتے بھی ہیں کہ ہاں دوسری کتابیں غیر اللہ ہی کی ہیں، ظنّی ہیں۔

(۶)۔ آگے دوسری حدیث قدسی ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''اگر اللہ چاہتا تو میں یہ کتاب تم کو پڑھ کر نہ سناتا'' (بلکہ نعوذ باللہ بخاری و مسلم سناتا) ''اور نہ اللہ تم کو اس سے آگاہ کرتا'' ۔(بلکہ گمراہی میں پڑا رہنے دیتا)۔ یہاں بھی یہی حق ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ تو اللہ ہی کی کتاب قرآن مبین پڑھ کر سناتے تھے صحیح بخاری و صحیح مسلم یا تبلیغی نصاب نہیں۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔

(۷)۔ اسی حدیث قدسی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں:

''(اور اے کافرو) میں اس سے پہلے تم لوگوں میں (اپنی) عمر (کا کافی حصہ) گذار چکا ہوں (کبھی ایسی بات کہی؟) کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں (کہ جس شخص نے اتنی عمر تک کچھ نہ کہا ہو وہ یکا یک ایسا فصیح و بلیغ کلام کیسے بنا سکتا ہے؟) یہ کتنی روشن اور زبردست دلیل ہے کہ اگر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی اللہ کی طرف سے وحی ہوتیں، (جیسا کہ

اکثریت کا عقیدہ ہے کہ وہ وحی غیر متلو ہیں) تو ان میں بھی وحیٔ قرآن کی طرح فصاحت وبلاغت ہوتی۔ مگر ایسا نہیں اس لئے وہ وحی نہیں اور اکثریت کا عقیدہ باطل ہے۔

(۸)۔ ایسے عقیدہ باطل کیلئے یعنی اس جھوٹ و افتراء کیلئے کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں اور کتاب اللہ ہیں، اللہ تعالیٰ بتارہا ہے کہ ایسے لوگ اَظْلَمُ یعنی سب سے زیادہ ظالم ہیں کہ وہ اللہ پر جھوٹ افتراء کرتے ہیں اور اس کی آیات کی (جو کہ وحی ہیں) اس طرح تکذیب کرتے ہیں تو وہ کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔ مگر افسوس کہ یہی لوگ اپنے آپ کو مفلحین میں شمار کرتے ہیں اور صرف قرآن کریم ماننے والوں اور صرف اس کی پیروی کرنے والوں کو کافرین میں شمار کرتے ہیں!

چیلنج: قارئین ہمارا چیلنج پھر یہی ہے کہ اگر آپ کے پاس قرآن کی کوئی ایسی آیت ہے کہ جس میں یہ لکھا ہو کہ قرآن کے علاوہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی وحی کی گئیں اور ان کی بھی پیروی کرو تو لائیے پیش کیجئے۔ ورنہ پھر اللہ کی ان آیات بینات پر ایمان لے آئیے یعنی صرف قرآن مبین پر ایمان رکھئے اور غیر اللہ کی کتب کو چھوڑ دیجئے۔

**107**۔۔۔ آگے اسی سورہ یونس کی آیت ۲۱ میں پھر آیات ہی کی بات کی جارہی ہے۔ دیکھئے:

''وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ۝۲۱ (یونس:۲۱)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب ہم ان لوگوں کو تکلیف پہنچنے کے بعد (اپنی) رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو یہ ہماری آیات (کی مخالفت) میں (خفیہ) تدبیریں کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ بہت جلد (تمہیں سزا دینے کی) تدبیر کرنے والا ہے، (اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ) ہمارے فرشتے تمہاری تدبیروں کو لکھ رہے ہیں (پھر ہم اس نوشتے کے مطابق تمہیں سزا دیں گے)'' (۲۱) (ص ۶۳، جزء ۵)

غور کیجئے یہ کون لوگ ہیں جو اللہ کی آیات کے خلاف ''مکر'' یعنی تدبیریں کرتے تھے۔ یہ وہی تھے جن کا ذکر اوپر کی آیات میں ہوا کہ پہلے تو وہ کہتے تھے کہ قرآن ہی دوسرا لے آؤ۔ پھر کہتے تھے کہ اچھا آیات میں ردّ و بدل کر دو۔ جب دیکھا کہ دونوں ہی باتیں ناممکن ہیں یونکہ ایک پیغامبر کی یہ طاقت نہیں اور نہ ہی اس کے یہ شایانِ شان ہے کہ وہ ایسی گھٹیا حرکت کرے کہ پیغام میں ردّ و بدل کر دے تو انہوں نے خود مکاری شروع کر دی جیسا کہ پچھلی آیات میں گزرا کہ سات قراءتوں کے سات قرآن بنانے کی کوشش کی تو ایک خلیفہ راشد نے اللہ کی تدبیر کے مطابق ان کی سازش ناکام بنادی۔ اسی طرح انہوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے نام پر افتراء کر کے کچھ اور صحیفے لکھنے کی کوشش کی تو ایک اور خلیفہ راشد نے ان سب کو منگوا کر جمع کر کے آگ لگا دی۔ دوسرے خلیفہ راشد کے سامنے اگر کسی نے غلطی سے بھی کوئی روایت یا بات رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کی تو انہوں نے فوراً مومن گواہ طلب کر لئے ورنہ اس شخص کے کوڑے مارنا شروع کر دیئے (آج لوگ دوسرے خلیفہ راشد کو بُرا بھلا کیوں کہتے ہیں اسی لئے کہ وہ اُن کے اسلاف کی پٹائی کوڑوں سے کرتے تھے اور ان کے مکر کا بھانڈا چورا ہے پر پھوٹ جاتا تھا اس لئے اسلاف کی اتباع نہیں کرنا چاہئے)

یہاں پھر یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کافرین و منافقین جو کچھ تدابیر یا سازشین کرتے رہے وہ قرآن کریم ہی کے

خلاف کرتے رہے (نام نہاد) احادیث کے خلاف نہیں۔ بلکہ یہ تو خلافت راشدہ کے اختتام کے بعد دوسری اور تیسری صدی ہجری میں ہوا کہ جب ان لوگوں کو وزارتیں میسر آ گئیں تو ان کی سازشیں کامیاب ہونا شروع ہوئیں اور انہوں نے اللہ کے رسول سلامٌ علیہ کے نام پر افتراء کر کے (نام نہاد) احادیث لکھوانا شروع کیں اور قرآن کی تفاسیر لکھوانا شروع کیں۔ اور مومنین کا شیرازہ حدیث و فقہ کے فرضی و ظنی ناموں پر بکھیرنا شروع کر دیا۔ اور صرف یہی نہیں کہ اسلامی حکومت کی مرکزیت میں افتراق کر دیا بلکہ اسلام ہی میں افتراق کر کے فرقہ بندی شروع کرا دی۔

**108**۔... آگے اسی سورہ یونس کی آیت ۳۷ میں بات پھر قرآن کریم اور شریعت کی تفصیل کرنے کی ہو رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾ (یونس:۳۷)

ترجمہ: اور یہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اسے بنا سکے (اور نہ ایسا کلام ہے کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی پہلی کتابوں کی تکذیب کرے) بلکہ یہ ان (سب کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) آ چکی ہیں، مزید بر آں (اس قرآن کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ) شریعت (کی باتوں) کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو اور) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے'' (۳۷) (ص ۱۰۳۔۱۰۴، جزء ۵)

غور کیجئے کہ یہ آیت کریمہ کتنی اہم حقیقتیں آشکارا کر رہی ہے:

(۱)۔ یہ کھلا چیلنج ہے کہ قرآن جیسا کلام یعنی کتاب اللہ یعنی وحی، کوئی نہیں بنا سکتا سوائے اللہ کے۔ جب کہ (نام نہاد) احادیث منافقین و کذّابین و منکرینِ قرآن لاکھوں کے حساب سے بناتے رہے۔ پس ثابت ہوا کہ اگر وہ وحی الٰہی ہوتیں تو ان کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا تھا۔ (ابھی پیچھے ہی یہ ثابت ہوا کہ اگر (نام نہاد) احادیث وحیٔ الٰہی ہوتیں تو وہ بھی قرآنی وحی کی طرح فصیح و بلیغ ہوتیں)

(۲)۔ قرآن کریم اپنے سے پہلے آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، جبکہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں ایسا نہیں کرتیں بلکہ کثیر مواقع پر ایک دوسرے کی کاٹ کر جاتی ہیں اور ایک دوسرے کے خلاف روایات پیش کرتی ہیں۔

(۳)۔ قرآن کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شریعت کی باتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو''۔

قارئین یہ میرے الفاظ نہیں بلکہ موصوف کا اپنا ترجمہ ہے۔ یہاں خود موصوف نے قرآن کو شریعت مان لیا۔ جبکہ دوسرے کسی مقام پر شریعت میں (نام نہاد) احادیث بھی شریک کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور صرف یہی نہیں کہ موصوف نے قرآن کو شریعت مان لیا بلکہ یہ بھی مان لیا کہ یہ قرآن کریم شریعت کی باتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے کہ سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو۔

کہئے کیا اب (نام نہاد) احادیث کی ضرورت رہ گئی؟ کیا قرآن کے علاوہ غیر اللہ کی تفسیر کی ضرورت رہ گئی؟ کیا (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں؟

(۴)۔"اس میں کوئی شک نہیں یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے"

بات صاف ہے کہ (نام نہاد) احادیث رب العالمین کی طرف سے نازل نہیں ہوئی ہیں ورنہ پھر اسی طرح کی آیت پیش کیجئے۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ۔

**109**۔... آگے اسی سورہ یونس آیت ۵۷۔۵۸ میں بات پھر قرآن ہی کی ہورہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''يَأَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۭ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت، امراض قلب کے لئے شفا، (تم سب کے لئے) ہدایت اور مومنین کے لئے رحمت آچکی ہے (۵۷) (اے رسول) آپ کہہ دیجئے: اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے (یہ کتاب ان کے پاس آگئی ہے) تو (اب اس کے آنے) سے انہیں خوش ہونا چاہئے (اور اے رسول) جو کچھ (مال و دولت) یہ جمع کر رہے ہیں یہ کتاب اس سے (بدرجہا) بہتر ہے" (۵۸)
(ص ۱۳۱، جزء ۵) (یونس: ۵۷۔۵۸)

غور کیجئے کہ اللہ نے اپنی کتاب کو مومنین کیلئے (۱) نصیحت، (۲) امراض قلب کے لئے شفاء، (۳) ہدایت اور، (۴) رحمت بنایا ہے اور پھر اپنے پیغامبر کو حکم دیا کہ آپ کہہ دیجئے: (یعنی یہ حدیث قدسی ہے) کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے یہ کتاب ان کے پاس آگئی ہے تو اب اس کے آنے سے انہیں خوش ہونا چاہئے یونکہ جو کچھ یہ جمع کر رہے ہیں، یہ کتاب اس سے بدرجہا بہتر ہے۔

موصوف نے یہاں قوسین میں مال و دولت لکھ کر لوگوں کی توجہ ہٹانے کی کوشش کی ہے۔ یونکہ ان آیات میں مال و دولت جمع کرنے کا کوئی قرینہ نہیں بنتا۔ یہاں بات کھلم کھلا کتاب یعنی قرآن کی ہورہی ہے اور پچھلی آیت میں (اسی سورۃ میں) منافقین اور منکرین قرآن کی فرمائش گزر چکی ہے اور پھر ان کی مکاریوں کا بھی ذکر ہوچکا ہے کہ وہ کس طرح قرآن کو بدل دینا چاہتے تھے۔ اس لئے یہاں قرینہ صرف اور صرف غیر اللہ کی کتابوں کا بنتا ہے۔ نیز یہ کہ خود موصوف و دیگر علما یہ کہتے ہیں کہ بعض صحابہؓ نے قرآن کے علاوہ بھی اقوال رسول لکھنا شروع کر دیا تھا تو یقیناً اس لحاظ سے تو اللہ تعالیٰ کا یہ اشارہ اسی طرف ہے کہ تم جو اقوال یا نام نہاد احادیث جمع کر رہے ہو تو یہ کتاب اللہ اس سے بدرجہا بہتر ہے۔ اس لئے ان اقوال کو نہ لکھو۔ تو صحابہ کبارؓ نے تو اللہ تعالیٰ کے اس اشارہ کو مان کر اقوال لکھنا بند کر دیا مگر بعد میں محدثین کرام نے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کرتے ہوئے کئی سو سال پرانے اقوال سُن سُن کر جمع کرنے شروع کر دیئے تاکہ امت کو صحیح راستہ سے ہٹا دیں۔ اس قرینہ کے مطابق آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ: اللہ کے فضل و رحمت سے جو قرآن لوگوں کے لئے نازل ہوا ہے اس پر ان کو خوش ہونا چاہئے کہ ایک شک و شبہ سے پاک کتاب اللہ ان کو مل گئی ہے جو کہ ان (نام نہاد) احادیث و تفاسیر غیر اللہ سے بدرجہا بہتر ہے جسے وہ جمع کر رہے ہیں یا جمع کریں گے۔

یہاں پھر یہ بات واضح ہوگئی کہ اللہ نے تو صرف قرآن نازل کیا (نام نہاد) احادیث نہیں جن کے ذریعہ وہ اپنے آپ حلال و حرام ٹھہراتے ہیں اور اللہ پر افتراء کرتے ہیں کہ یہ بھی وحی ہے۔ اگلی آیت ۵۹ اسی بات کی تائید و وضاحت

کر رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَـكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلۡ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَـكُمۡ اَمۡ عَلَى اللّٰهِ تَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۹﴾ (یونس:۵۹)

ترجمہ: (اے رسول) آپ ان سے پوچھئے بتاؤ جو رزق اللہ نے تمہارے لئے نازل فرمایا ہے اس میں سے تم نے (اپنی طرف سے) کسی چیز کو حرام ٹھہرالیا اور کسی چیز کو حلال ٹھہرالیا۔ کیا اللہ نے تمہیں (اس بات کی) اجازت دی ہے یا تم اللہ پر بہتان لگاتے ہو''۔ (۵۹) (ص ۱۳۷۔۱۳۸، جزء ۵)

قارئین آپ کا بھی یہ عام مشاہدہ ہو گا کہ اہلحدیث حضرات اور اہل فقہ حضرات خود بہت سی کھانے پینے کی چیزوں کو حلال یا حرام ٹھہراتے رہتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے قرآن کریم میں بتادیا ہے اس سے رُوگردانی کی کوشش کرتے رہتے ہیں بلکہ آپس میں بھی جھگڑتے رہتے ہیں کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں حرام۔ (مثال کے طور پر سمندری جانور یا مختلف قسم کی مچھلیوں و جھینگوں ہی کی مثال لے لیجئے، گھوڑے اور گدھے کی مثال لے لیجئے، کالے اور سفید کوّے کی مثال لے لیجئے ان میں سے کوئی چیز ایک نے حلال کی ہوئی ہے تو دوسرے نے حرام) اور ایسا کرنے ہی کے لئے انہوں نے (نام نہاد) احادیث گھڑیں کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ نے انہیں حلال یا حرام ٹھہرایا۔ جب یہ اعتراض کیا گیا کہ اللہ کا پیغامبر اپنی طرف سے قرآن میں نہ ردّو بدل کر سکتا ہے اور نہ گھٹابڑھا سکتا ہے تو اللہ پر افتراء کر دیا گیا کہ یہ (نام نہاد) احادیث بھی تو اللہ نے وحی کیں مگر چپکے سے، خفی طریقے سے وحی خفی کیں.......... اور اسی خفی اصول پر نہ جانے کتنے مذاہب / فرقے بن گئے جو اپنے مذہب وعقائد کو خفی ہی رکھتے ہیں، حتیٰ کہ بہت سے تو اپنی کتابیں تک نہیں لکھتے! یہ تھی حقیقت (نام نہاد) احادیث کی جنہیں محدثین کرام ومنکرین قرآن ومنافقین جمع کرتے رہے۔

**110۔**... آگے اسی سورہ یونس آیت ۶۱ میں پھر بات کتاب مبین کی ہو رہی ہے۔

''وَمَا تَكُوۡنُ فِىۡ شَاۡنٍ وَّمَا تَتۡلُوۡا مِنۡهُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّلَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيۡكُمۡ شُهُوۡدًا اِذۡ تُفِيۡضُوۡنَ فِيۡهِ ؕ وَمَا يَعۡزُبُ عَنۡ رَّبِّكَ مِنۡ مِّثۡقَالِ ذَرَّةٍ فِى الۡاَرۡضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ وَلَاۤ اَصۡغَرَ مِنۡ ذٰ لِكَ وَلَاۤ اَكۡبَرَ اِلَّا فِىۡ كِتٰبٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۶۱﴾ (یونس:۶۱)

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ جس حال میں بھی ہوں خواہ آپ قرآن میں سے کچھ تلاوت کر رہے ہوں (یا اس کے علاوہ کسی اور حال میں ہوں) اور (اے لوگو) تم بھی جب کسی کام میں مشغول ہوتے ہو ہم تم کو دیکھتے رہتے ہیں اور (اے رسول) ذرّہ برابر چیز بھی آپ کے رب سے پوشیدہ نہیں ہے، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی چیز خواہ وہ ذرّہ سے چھوٹی ہو یا بڑی ایسی نہیں ہے جو روشن کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہوئی نہ ہو'' (۶۱) (ص ۱۴۳، ۱۴۵، جزء ۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی بات قرآن کریم ہی میں سے تلاوت کرنے کی ہو رہی ہے یعنی وحی متلو کی اور وحی غیر متلو کا شائبہ تک نہیں۔

دوسری اہم بات جو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بتارہا ہے وہ یہ کہ دین شریعت کی کوئی چھوٹی یا بڑی بات ایسی

نہیں جو اس کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ میں لکھی ہوئی نہ ہو۔ یہاں موصوف نے خواہ مخواہ قوسین میں لوح محفوظ لکھ کر اپنا روایتی تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔(جب کہ لوح محفوظ کو کوئی اور کتاب، قرآن کے علاوہ، ثابت کرنے کیلئے اپنی تفسیر میں یہاں بھی کوئی (نام نہاد) حدیث تک نہ پیش کر سکے جب کہ دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر رسول سلامٌ علیہ نے کی!) حالانکہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ قرآن مبین ہی کو واضح طور پر کہا گیا ہے(۲۱۔۲۲/۸۵) جیسا کہ پہلے بھی (پیچھے) آیات میں ثابت ہو چکا ہے۔ اور حقیقت میں تو لوح محفوظ بھی یہی قرآن ہے جس کی حفاظت کا ذمہ لے کر اللہ تعالیٰ نے اسے منکرین قرآن سے محفوظ رکھا ہوا ہے (لوح بھی، صرف تختی نہیں بلکہ کتاب ہی کو کہتے ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ کے ذکر میں ہے کہ ان کو الواح پر لکھا یا گیا(۱۴۵/۷) اور اسی کو کہا گیا کہ ان کو کتاب عطا ہوئی (۵۳/۲) اگر ایسا نہ ہو کہ قرآن میں دین یا شریعت کی تمام باتیں پوری طرح نہ بتائی گئی ہوں تو پھر تو وہ نعوذ باللہ نامکمل سی بیکار کتاب ہو جائے گی اور دین نامکمل رہے گا۔ اور منافقین ومنکرینِ قرآن نے یہی تاثر پیدا کر کے وحی غیر متلو گھڑ کے اسے مکمل کرنے کی کوشش کی! مگر قرآن پر ایمان لانے والوں کے سامنے بھانڈا پھوٹ گیا۔ پیچھے آیت ۳۷ میں خود موصوف قرآن ہی کو شریعت مان چکے ہیں۔ اس لئے آیت کے آخری ٹکڑے کا مفہوم یہی ہوا کہ دین یا شریعت کی ہر بات اسی روشن اور محفوظ کتاب یعنی قرآن کریم ہی میں بتا دی گئی۔ دراصل آیت کے اس ٹکڑے کا تعلق پچھلی آیت ۵۹ سے ہے جس میں منافقین ومشرکین ومنکرین قرآن کی طرف سے خود حلال وحرام ٹھہرا لینے کا ذکر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہاں وضاحت کر دی کہ ہر چھوٹی بڑی بات تو قرآن میں بتا دی گئی (تم اب کیا سازش کر رہے ہو)؟

**111**۔۔۔ آگے اسی سورہ یونس آیت ۷۱ میں بتایا جا رہا ہے کہ حضرت نوح سلامٌ علیہ بھی اللہ کی آیات ہی پڑھ کر لوگوں کو نصیحت کتے تھے (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔

''وَ اتْلُ عَلَیْھِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖ یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ وَ تَذْکِیْرِیْ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ وَ شُرَکَآءَکُمْ ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّۃً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝ (یونس:۷۱)

ترجمہ: اور (اے رسول) ان کو نوح کا قصہ سنائیے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم اگر میرا منصب اور میرا (تم کو) اللہ کی آیات کے ذریعہ نصیحت کرنا شاق گزرتا ہے تو (سن لو) میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، تم (میرے خلاف) اپنی کسی تدبیر کا اجتماعی فیصلہ کر لو اور (اس کام کیلئے) اپنے شریکوں کو بھی جمع کر لو، پھر تمہاری تدبیر (کا کوئی گوشہ) تم پر مخفی نہ رہ جائے، پھر (جو کچھ تم کرنا چاہو) میرے خلاف کر گزرو اور مجھے (بالکل) مہلت نہ دو'' (۷۱)(ص ۱۶۴۔۱۶۵، جزء۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنے صاف الفاظ میں یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ حضرت نوح سلامٌ علیہ بھی اللہ کی آیات ہی سے لوگوں کو نصیحت کرتے تھے۔ (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔

**112**۔۔۔ آگے اسی سورہ یونس کی آیت ۷۳ میں حضرت نوحؑ کے قصہ میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ جن لوگوں نے آیات کو جھٹلایا ان کو غرق کر دیا گیا۔

''فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓىِٕفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ (یونس:۷۳)

ترجمہ: لیکن کافروں نے پھر بھی انہیں جھٹلایا تو ہم نے ان کو نجات دی اور ان کے جو لوگ کشتی میں تھے ان کو بھی نجات دی اور انہیں (زمین میں) خلیفہ بنا دیا اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا انہیں غرق کر دیا تو (اے رسول) آپ دیکھئے کہ جن لوگوں کو ڈرایا گیا تھا (لیکن ڈرانے کے بعد بھی وہ لوگ کفر سے باز نہیں آئے تو) ان کا انجام کیسا ہوا'' (۷۳) (ص ۱۶۵۔۱۶۶، جزء ۵)

غور کیجئے کہ یہاں قصہ نوح میں بھی اللہ کی آیتوں کو جھٹلانے والوں ہی کو غرق کرنے کا بتایا جا رہا ہے یعنی منکرینِ آیاتِ الٰہی کو غرق کر دیا گیا منکرین (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔ یہ قصہ نوحؑ بھی آج کے لوگوں کے لئے باعث عبرت ہے اسی لئے قرآن میں ذکر کیا گیا ہے۔

**113**۔... آگے بھی اسی سورہ یونس کی آیات ۹۴۔۹۵ میں پھر بات کتاب اور اللہ کی آیات کو جھٹلانے ہی کی ہو رہی ہے:

''فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ (یونس:۹۴۔۹۵)

ترجمہ: اور (اے رسول) اگر آپ کو اس (کتاب) کے بارے میں جو ہم نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے کچھ شک ہو تو آپ ان لوگوں سے پوچھئے جو آپ سے پہلے (نازل ہونے والی) کتاب کو پڑھتے رہتے ہیں (وہ تصدیق کریں گے کہ پہلے بھی ایسی کتابیں آتی رہی ہیں، اور (اے رسول) یقیناً آپ کے رب کی طرف سے آپ کے پاس حق آ گیا ہے لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا (۹۴) اور نہ ان لوگوں میں سے ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی نقصان اُٹھانے والوں میں (شامل ہو جائیں گے)'' (۹۵) (ص ۱۸۸۔۱۸۹، جزء ۵)

یہاں بھی کتنے واضح طور پر یہ حقیقت بتا دی گئی کہ اللہ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ کی طرف کتاب نازل کی (نام نہاد) احادیث کی ہزاروں کتابیں نہیں۔ اور اس کتاب کی تصدیق تو وہ لوگ بھی کر دیں گے جو پہلے آنے والی کتابیں پڑھتے رہے ہیں۔ آج بھی آپ کسی یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر دیکھ لیجئے کہ بھائی اسلام کے دعویداروں کے پاس اللہ کی کونسی کتاب ہے؟ تو وہ فوراً بتائے گا کہ ہاں اسلام کا دعویٰ کرنے والوں کے پاس اللہ کی کتاب ''قرآن'' ہے کوئی بھی بخاری، مسلم، ترمذی و تبلیغی نصاب کا نام نہیں لے گا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے رسول کو پھر بتایا کہ یقیناً آپ کے پاس حق آ گیا ہے لہٰذا آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا یعنی ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلا دیا (نام نہاد احادیث کو نہیں) اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ بھی نقصان اُٹھانے والوں میں شامل ہو جائیں گے۔

غور کیجئے کہ جس شخص کو اللہ نے دوسروں کے لئے نذیر یعنی ڈرانے والا بنایا پہلے تو خود اسی کو ڈرا رہا ہے کہ اللہ کی

کتاب جو سراسر حق ہے اس میں کوئی شک نہ کرنا (کہ اس میں فلاں بات رہ گئی یا فلاں بات بتائی نہیں گئی یا فلاں تفصیل یا طریقہ تو دیا ہی نہیں گیا اس لئے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے کوئی وحی خفی بھی ہونی چاہئے!) ورنہ شک کرنے والے اور تکذیب کرنے والے تو ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ اور تکذیب کرنے کی تعریف میں پیچھے عرض کر چکا ہوں اگر یاد نہ ہو تو پھر سورہ الماعون پڑھ لیجئے۔

**114**۔... آگے سورہ ھود کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ پھر کتاب، حکمت جس کی آیات تفصیل سے بیان کی گئی ہیں کا ذکر کر رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾ (ھود:۱)

ترجمہ: الٓرٰ، (یہ وہ) کتاب ہے جس کی آیتیں حکیم وخبیر (اللہ) کی طرف سے مستحکم کر دی گئی ہیں پھر علیحدہ علیحدہ بھی کر دی گئی ہیں (تاکہ سمجھنے میں الجھن نہ ہو)'' (۱۹) (ص۲۱۵۔۲۱۶، جزء۵)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی کیا تعریف فرما رہا ہے کہ اس کی آیات مستحکم کر دی گئی ہین اور ان میں فصل پیدا کر دی گئی ہے یعنی علیحدہ علیحدہ بیان کر دی گئی ہیں تاکہ بات واضح ہو جائے اور سمجھنے میں کسی قسم کی الجھن نہ رہے۔ اس طرح پھر کسی تفسیر یا (نام نہاد) احادیث یا تشریح کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی اور منکرینِ قرآن کے سارے دعوے غلط ثابت ہو جاتے ہیں۔

**115**۔... آگے اسی سورہ ھود میں آیت ۱۲ میں صرف کتاب ہی وحی کرنے کا ذکر ہو رہا ہے:

''فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ﴿۱۲﴾ (ھود:۱۲)

ترجمہ: (اے رسول) کافروں کے اس قول کے وجہ سے کہ ان پر خزانہ کیوں نہیں نازل ہوا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کا سینہ تنگ ہو اور جو کتاب آپ پر وحی کی جا رہی ہے اس میں سے آپ کچھ حصہ (بیان کرنا) چھوڑ دیں (ایسا نہیں ہونا چاہئے) آپ تو بس ڈرانے والے ہیں (منوانا آپ کا کام نہیں ہے) اللہ ہر چیز پر نگران ہے (وہ ان کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے)'' (۱۲) (ص۲۳۸۔۲۳۹، جزء۵)

اس آیت کریمہ کے موصوف کے اپنے ترجمہ میں یہ الفاظ قابلِ غور ہیں:

''اور جو کتاب آپ پر وحی کی جا رہی ہے''

یہ مفرد کا صیغہ ہے اور صاف بات ہے کہ صرف ایک کتاب یعنی قرآن کریم ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی کی جا رہی تھی (نام نہاد) احادیث کی کوئی کتاب وحی نہیں ہو رہی تھی۔ اگر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی وحی ہو رہی ہوتیں تو کہا جاتا کہ آپ پر جو کتابیں وحی کی جا رہی ہیں اس میں سے آپ کچھ حصہ بیان کرنا نہ چھوڑ دیجئے گا۔

اب ذرا غور فرمایئے کہ اگر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی وحی ہوتیں تو کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ ان کو بھی سارا کا سارا تمام صحابہ کبارؓ کو نہ لکھوا دیتے یا بتا دیتے اور کچھ نہ چھپاتے............ جبکہ (نام نہاد) احادیث کا یا ان کی کتابوں کا یہ حال ہے کہ وہ صدیوں تک مرتب ہوتی رہیں۔ تیسری صدی کی بخاری شریف میں جو روایت ملتی ہے اس میں پانچویں صدی

کی کتاب میں الفاظ بڑھ جاتے ہیں! کہئے کیا وحی اس طرح محفوظ کی جاتی ہے؟ کیا یہ واقعی وحی ہے جو ایک کتاب میں کچھ اور دوسری میں کچھ اور؟ فیصلہ اب آپ خود کر لیجئے۔

**116**۔... آگے اسی سورہ ھود آیت ۱۳۔۱۴ میں اللہ تعالیٰ چیلنج کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِعَشۡرِ سُوَرٍ مِّثۡلِہٖ مُفۡتَرَیٰتٍ وَّ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۱۳﴾ فَاِلَّمۡ یَسۡتَجِیۡبُوۡا لَکُمۡ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّمَاۤ اُنۡزِلَ بِعِلۡمِ اللّٰہِ وَ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ ۚ فَہَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۴﴾ (ھود: ۱۴،۱۳)

ترجمہ: (اے رسول) کیا کافر یہ کہہ رہے ہیں کہ اس (قرآن) کو اس (رسول) نے خود بنالیا ہے (آپ ان سے) کہئے کہ اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو تو اس جیسی دس سورتیں تم بھی بنا کر لے آؤ اور اللہ کے علاوہ جن جن کو تم بلا سکتے ہو (اپنی مدد کے لئے) بلا لو (۱۳) پھر (اے ایمان والو) اگر کافر تمہارے چیلنج کو قبول نہ کریں تو (ان سے کہو کہ اے کافرو) اب تو تمہیں یہ معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ قرآن اللہ کے علم سے اُتارا گیا ہے (کسی انسان کی علمی کاوش کا نتیجہ نہیں ہے) اور یہ بھی تمہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں تو (بتاؤ اب بھی) تم مسلم بننے کے لئے تیار ہو (یا نہیں)'' (۱۴) (ص۲۳۸۔۲۳۹، جزء۵)

غور کیجئے کہ پہلی آیت (۱۳) میں کیا چیلنج کیا جارہا ہے کہ قرآن کی دس سورتوں جیسی تم سب مل کر بنا سکتے ہو تو بنا لاؤ۔ یہ ہے شان وحی الٰہی کی کہ کوئی اس جیسی نہیں بنا سکتا۔ غور کیجئے یہاں یہ نہیں کہا جارہا کہ (نام نہاد) احادیث یعنی وحی خفی جیسی دس احادیث بنا کر لے آؤ۔ وہ تو انہوں نے لاکھوں کے حساب سے بنالی ہیں۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ وحی نہیں بلکہ غیر اللہ کا یعنی انسان کا بنایا ہوا بلکہ گھڑا ہوا کلام ہے۔

اگلی آیت (۱۴) میں پھر وضاحت کر دی کہ منکرین قرآن تمہارے چیلنج کو قبول نہیں کر سکتے تو ان سے کہو کہ ان کو ''معلوم ہو جانا چاہئے کہ یہ قرآن اللہ کے علم سے اُتارا گیا ہے'' یہاں پھر یہ واضح ہو گیا کہ صرف قرآن ہی اُتارا گیا (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں ورنہ ان کا بھی ذکر ہوتا آگے کہا گیا کہ یہ حقیقت جان لینے کے بعد کہ وہ اللہ ہی ہے جس نے صرف قرآن نازل کیا (نام نہاد احادیث نہیں) اور وہی الٰہ ہے، تم مسلم بننے کے لئے تیار ہو؟ یعنی مسلم تو جب بن سکتے ہو جب صرف اللہ اکیلے پر اور اس کی الکتب پر ایمان لاؤ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر ایمان نہ لاؤ۔

قارئین اب ذرا ایک لطیفہ بھی پڑھتے چلئے۔ موصوف ان دونوں آیات کی تفسیر میں ایک روایت پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: ہر نبی کو جیسا معجزہ دیا گیا اسی قدر اس پر ایمان لایا گیا (اسی قدر) لوگ ایمان لائے۔ اور مجھے تو وحی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے لوگ بہت زیادہ ہوں گے'' (ص۲۴۱، جزء۵) (صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ۔ **قول النبی بعثت بجوامع الکلم**۔ جزء۹۔ ص۱۱۳، و صحیح مسلم کتاب الایمان، **باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا**۔ جزء ص۷۵)

غور کیجئے کہ اس روایت میں تین باتیں کہی گئی ہیں:

(۱)۔ ہر نبی کو جیسا معجزہ دیا گیا اسی قدر اس پر ایمان لایا گیا یعنی اگر بڑا معجزہ ہے تو زیادہ لوگ ایمان لائے اور چھوٹا معجزہ ہے تو کم لوگ۔ یعنی ایمان لانے کا معیار معجزہ کا سائز ہوا[1]! اس طرح اگر کسی نبی کو کوئی معجزہ نہ ملا تو ان پر کوئی ایمان نہ لایا! (معاذ اللہ)

(۲)۔ "مجھے تو وحی دی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے میری طرف بھیجی ہے" اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ دوسرے انبیاء کو وحی نہیں دی گئی! نعوذ باللہ بغیر وحی کے نبی کیسے ہوگئے جب کہ نبی کے معنی ہی غیب کی خبر دینے والے کے ہوتے ہیں، تو خبر دینے والا بغیر وحی کے خبر کیسے دے سکتا ہے؟

(۳)۔ نبیوں کو معجزات ملے، محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو وحی ملی گویا کہ معجزات نہیں ملے!

قارئین سوچئے کیا یہ تینوں باتیں قرآن کریم سے مطابقت رکھتی ہیں۔ کہئے یہ تفسیری روایت لطیفہ ہے یا وحی خفی؟

**117**۔... آگے اسی سورہ ھود کی آیت ۱۷ میں حضرت موسیٰؑ کی کتاب کو امام و رحمت بنائے جانے اور قرآن کریم کا ذکر ہے:

"اَفَمَنۡ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ وَ يَتۡلُوۡهُ شَاهِدٌ مِّنۡهُ وَ مِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحۡمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤۡمِنُوۡنَ بِهٖ ؕ وَ مَنۡ يَّكۡفُرۡ بِهٖ مِنَ الۡاَحۡزَابِ فَالنَّارُ مَوۡعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِىۡ مِرۡيَةٍ مِّنۡهُ ۚ اِنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۷﴾ (ھود:۱۷)

ترجمہ: کیا جو شخص اپنے رب کی طرف سے کھلی (فطری) دلیل پر قائم ہو اور اس کی طرف سے ایک گواہ بھی اس کی تائید کرتا ہو۔ مزید برآں اس سے پہلے (آنے والی کتاب) توریت جو رہنما اور رحمت تھی (وہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہو تو کیا ایسا شخص کافر کے مثل ہو سکتا ہے، نہیں) ایسے ہی لوگ ہیں جو قرآن (مجید) پر ایمان لاتے ہیں اور (دنیا کے تمام) فرقوں میں سے جو شخص بھی اس کا انکار کرے تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور (اے رسول) آپ قرآن (مجید) کے سلسلہ میں کسی قسم کا شک نہ کرنا، یہ آپ کے رب کی طرف سے (بالکل) حق ہے لیکن اکثر لوگ (پھر بھی) ایمان نہیں لاتے" (۱۷) (ص ۲۴۸، جزء ۵)

غور کیجئے کہ موصوف کے اپنے ترجمہ ہی نے اس آیت کریمہ میں کیا حقیقت بتائی ہے: (خیال رہے کہ موصوف نے خود اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ "اس آیت میں بَیِّنَةٍ (کھلی دلیل) سے مراد قرآن مجید ہے")

(۱)۔ قرآن کریم ایک کھلی دلیل ہے۔ (نام نہاد) احادیث نہیں۔

(۲)۔ قرآن کریم سے پہلے آنے والی کتاب توریت امام و رحمت (رہنما و رحمت) تھی۔ تو ظاہر ہے اب ہمارے لئے قرآن کریم امام و رحمت ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔

(۳)۔ قرآن کریم ہی پر ایمان لانا ہے۔ (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

(۴)۔ جو شخص بھی دنیا کے کسی فرقے میں سے، قرآن کا انکار کرے یعنی منکرِ قرآن ہو تو اس کا ٹھکانہ دوزخ

[1]۔ آج دنیا میں نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ غور فرمائیے!

ہے۔ منکرین (نام نہاد) حدیث کیلئے یہ وعید کہیں نہیں۔

(۵)۔ قرآن کریم اللہ کی طرف سے بالکل حق ہے لیکن اکثر لوگ پھر بھی ایمان نہیں لاتے بلکہ وہ (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ شریک کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی حقیقت کو سورہ یوسف آیت ۱۰۶ میں ان الفاظ میں کہا گیا ہے:

''وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ (یوسف:۱۰۶)

ترجمہ: لوگوں میں زیادہ تر ایسے لوگ ہوتے ہیں جو ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کرتے رہتے ہیں (ص ۳۷۴، جزء ۵)''

(۶)۔ قرآن کریم کے سلسلہ میں آپ کسی قسم کا شک نہ کرنا (یعنی صرف یہی نہیں کہ یہ اللہ کی کتاب ہے یا نہیں، بلکہ یہ کہ مجمل ہے یا مکمل، مفصل ہے یا غیر مفصل، مشرح ہے یا غیر مشرح، آپ اپنی تفسیر کرتا ہے یا غیر اللہ کی تفسیر کا محتاج ہے، الفرقان ہے یا کسی اور فرقان کا محتاج ہے، مھیمن ہے یا غیر مھیمن، خود تمام چیزون پر قاضی ہے یا (نام نہاد) احادیث اس پر قاضی ہیں، خود کتاب اللہ ہے یا (نام نہاد) احادیث شریک کرنے کے بعد کتاب اللہ بنتا ہے، خود آسان ہے یا بغیر (نام نہاد) احادیث کے سمجھ میں نہیں آسکتا، خود بَيِّنَةٍ ہے یا غیر بَيِّنَةٍ، یہ خود وحی ہے یا (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں............) الغرض کسی بھی قسم کا شک نہیں کیا جاسکتا۔

**118**۔... آگے اسی سورہ ھود میں آیت ۳۵ میں بات پھر قرآن ہی کی ہو رہی ہے۔

''اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ (ھود:۳۵)

ترجمہ: (اور اے رسول) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس (قرآن) کو انہوں نے (یعنی آپ نے) خود ہی بنالیا ہے، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر میں نے اسے خود بنالیا ہے تو میرے گناہ کا وبال مجھ پر ہو گا اور جو گناہ تم کر رہے ہو (اس کا وبال تم پر ہو گا) میں اس سے بَری ہوں'' (۳۵) (ص ۲۶۷۔۲۷۴، جزء ۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی، خود موصوف کے اپنے ترجمہ کے مطابق، لوگ قرآن ہی میں شک کر رہے ہیں کہ رسول سلامٌ علیہ نے اسے خود بنالیا ہے۔ وہ (نام نہاد) احادیث میں کوئی شک نہیں کر رہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت تو (نام نہاد) احادیث کا وجود ہی نہ تھا ورنہ اس میں بھی شک کیا جاسکتا تھا اور ان کا بھی نام اس آیت میں اور دوسری اس طرح کی آیات میں لیا جاتا ہے۔

**119**۔... آگے اسی سورہ ھود میں آیت ۴۹، ۱۰۰ اور ۱۲۰ میں، غیب کی جو باتیں اللہ نے اپنے نبی سلامٌ علیہ کو بتائیں وہ اسی قرآن میں وحی کیں، کا ذکر ہو رہا ہے:

''تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَاۗءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۭ فَاصْبِرْ ۭ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ (ھود:۴۹)

ترجمہ: (اے رسول) غیب کی خبروں میں سے یہ چند خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں، اس

سے پہلے ان خبروں سے نہ آپ واقف تھے اور نہ آپ کی قوم، (اے رسول کافروں کی ایذا رسانیوں پر) آپ صبر کیجئے (کافروں کا انجام اچھا نہیں ہو گا) اچھا انجام تو متقی لوگوں کا ہوتا ہے (۴۹)(ص ۲۷۲-۲۷۵، جزء ۵)

''ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ (ھود: ۱۰۰)

ترجمہ: (اے رسول یہ (چند) بستیوں کے حالات ہیں جو ہم آپ کو بتا رہے ہیں، ان میں سے بعض بستیاں ابھی تک قائم ہیں اور بعض تباہ و برباد کر دی گئیں'' (۱۰۰)(ص ۳۳۷، ۳۴۰، جزء ۵)

''وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ (ھود: ۱۲۰)

ترجمہ: اور (اے رسول) رسولوں کی یہ تمام خبریں جو ہم آپ کو سنا رہے ہیں (ان کا مقصد یہ ہے کہ) ہم ان کے ذریعہ آپ کے دل کو ثابت رکھیں اور (اے رسول) ان خبروں میں آپ کے پاس حق بھی آ گیا ہے اور مومنین کے لئے پند و نصیحت بھی (آ گئی ہے)'' (۱۲۰)(ص ۳۷۲، ۳۷۳، جزء ۵)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح سلامٌ علیہ کا قصہ، بہت سی بستیوں کے قصے، بہت سے رسولوں کے قصے جو سب غیب میں تھے، اپنے رسول سلامٌ علیہ پر قرآن میں وحی کئے اور پھر ان آیات میں یہ جتا بھی دیا کہ اسی قرآن کریم میں وحی کئے۔ علیحدہ علیحدہ سے چوری چھپے وحی خفی میں نہیں۔ (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بتا دیا کہ ان خبروں ہی میں آپ سلامٌ علیہ کے پاس حق بھی آ گیا جو مومنین کے لئے پند و نصیحت ہے یعنی ان کے لئے اس میں عبرت بھی ہے۔ الغرض اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے بالکل واضح کر دیا کہ جو کچھ بھی رسول سلامٌ علیہ پر وحی ہوا وہ سب قرآن ہی میں ہے یونکہ اس کا تعلق لوگوں کی نصیحت سے ہے۔ غیر قرآن یا قرآن کے علاوہ بھی کچھ احکام رسول پر وحی ہوتے تھے یہ عقیدہ بالکل غلط ہے۔ اور اگر بفرض محال رسول سلامٌ علیہ پر قرآن کے علاوہ بھی کچھ وحی ہوا تو وہ ان کی ذات سے متعلق رہا ہو گا۔ امت اس کی مکلّف نہیں یونکہ وہ اللہ کی کتاب میں نہیں۔ ورنہ پھر لاؤ اسی طرح کی آیت کہ فلاں فلاں غیب کی باتیں قرآن کے علاوہ بھی وحی کی گئیں۔ وہ اس میں نہیں لکھی گئیں اس لئے رسول سلامٌ علیہ سے پوچھ لو!

**120**۔۔۔ آگے سورہ یوسف آیت ۲،۱ میں پھر یہ واضح کر دیا گیا کہ یہ آیات الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کی ہیں:

''الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۱﴾ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲﴾

ترجمہ: الٓرٰ، یہ (ہر حکم کو) واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں (۱)(اے لوگو) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو'' (۲)(ص ۳۷۷، ۳۷۸، جزء ۵) (یوسف: ۲،۱)

غور کیجئے۔ اس آیت نے تو اتنے واضح طور پر اور آسان زبان میں مسئلہ ہی حل کر دیا کہ:

''یہ ہر حکم کو واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں''۔

یعنی الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کے معنی خود واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب ہے جو اپنے بیان و تفسیر و تشریح کیلئے کسی دوسری کتاب یا (نام نہاد) احادیث کی محتاج نہیں یونکہ اس کی تبیّین اپنی آیات ہی کے علیحدہ علیحدہ بیان کرنے سے میسر

آتی ہے(وَّ يُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ ۶/۶۵) اور اسی الکتاب ہی میں لوگوں کے لئے بیان کر دی ہیں (مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۲/۱۵۹) اور چونکہ قرآن کریم ایک عربی دان رسول اور قوم پر نازل ہوا تھا اس لئے فرمایا کہ:

"ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو"

یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے سمجھنے کے بھی قابل بنا دیا۔ اب غور کیجئے کہ کیا (نام نہاد) احادیث یا ملاؤں کی تفسیر کی ضرورت رہ گئی؟ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کے الفاظ قطعی الدلالۃ ہیں اس حقیقت پر کہ اس کی اپنی وضاحت کے بعد مزید کسی اور کی وضاحت کی ضرورت ہی نہیں رہی۔

خود موصوف اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تفسیر: "(تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) یہ کتاب مبین یعنی ہر حکم کو واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس کی تمام آیات واضح ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"الٓرٰ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ (الحجر:۱)

ترجمہ: الٓر، یہ (اللہ کی) کتاب یعنی قرآن مبین کی آیتیں ہیں (جو اے رسول، آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہیں)(۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ (النور:۶۱)

ترجمہ: اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تاکہ تم (بآسانی) سمجھ سکو"۔ (ص۸۷۳، جزء۵)"

غور کیجئے کہ یہاں ترجمہ کے بعد آیت کی تفسیر میں بھی موصوف خود قرآن مجید کی آیات کی ہر حکم کو واضح طور پر بیان کرنے والی واضح آیات مان رہے ہیں مگر آگے جا کر (سورہ النحل میں) اسی لفظ تبیّن کے معنی بدل کر ان آیات کی تشریح و تفسیر اور وضاحت رسول سلامٌ علیہ کے ذمہ لگا کر اپنی (نام نہاد) احادیث و تفسیر کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ اس لئے قارئین آپ موصوف کا یہ علمی تضاد یا تحریف یاد رکھیں۔

قارئین یہ بھی نوٹ کریں کہ جب قرآن کریم ہی کی آیات ہر حکم کو واضح طور بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں تو پھر "شریعت" تو یہی ہوئیں مگر موصوف "شریعت" میں دیگر (نام نہاد) احادیث بھی شریک کرتے ہیں۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں غیر اللہ کے احکام شریک کرنا ہے اور شرک صریح ہے۔

**121**۔... آگے اسی سورہ یوسف کی اگلی آیت ۳ میں پھر صرف یہ قرآن ہی وحی کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اور اسی وحی میں ایک بہترین قصہ سنایا جا رہا ہے۔ دیکھئے:

"نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ (یوسف:۳)

ترجمہ:(اور اے رسول)ہم نے جو یہ قرآن آپ کی طرف نازل کیا ہے تو اسی کے ذریعہ ہم ایک بہترین قصہ آپ کو سنا رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے تو آپ (اس قصہ سے ) بالکل ناواقف تھے"۔(۳) (ص ۳۸۰۔۳۸۱، جزء۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنی اہم تین حقیقتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡكَ هٰذَا الۡقُرۡاٰنَ کہ صرف یہی قرآن وحی کیا۔(نام نہاد)احادیث کی کتابیں نہیں۔اور اس حقیقت کی تصدیق رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی حدیث قدسی میں یہ کہہ کر کر دی کہ وَ اُوۡحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ(۶/۱۹) کہ (بیشک )صرف یہی قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے(نام نہاد احادیث وغیرہ نہیں)۔

(۲)۔اسی قرآن میں،(نام نہاد)احادیث میں نہیں،اللہ تعالیٰ ایک بہترین قصہ ( اَحۡسَنَ الۡقَصَصِ )سنا رہا ہے ۔(جب کہ موصوف اور دیگر علما و فضلاء قرآن کے علاوہ سے قصص لکھتے رہتے ہیں اور ان کو نام قصص القرآن دیتے ہیں!)

(۳)۔یہ بہترین قصہ جو رسول سلامٌ علیہ کو قرآن کریم میں سنایا گیا تو رسول سلامٌ علیہ اس سے پہلے اس حقیقت سے ناواقف تھے(یونکہ اصل قصہ تو اسرائیلیات نے بگاڑ دیا ہو گا جیسا کہ آج بھی اسے بگاڑ کر ہی پیش کیا جاتا ہے )اس طرح ان کو غیب میں پڑے ہوئے اتنے اہم واقعہ کی خبر دی گئی جس میں صرف عبرت ہی نہیں بلکہ سیاست وحکومت وغیرہ کے اصول بھی بتا دیئے گئے ہیں۔اسی حقیقت کی تصدیق کہ یہ غیب کی باتیں اور قصص وغیرہ اسی قرآن میں وحی کئے گئے ہیں علیحدہ سے (نام نہاد) احادیث میں نہیں، آگے اسی سورہ کی آیات ۱۰۲اور ۱۰۳میں بھی کی گئی ہے۔

**122**۔... آگے اسی سورہ یوسف کی آیت ۱۱۱ میں قرآن میں وحی کئے گئے قصص کو عقلمندوں کیلئے نصیحت بتایا گیا اور اسی قرآن کو ہر چیز کا علیحدہ علیحدہ بیان کرنے والا بتایا گیا ہے۔

'' لَقَدۡ كَانَ فِیۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیۡثًا یُّفۡتَرٰی وَ لٰكِنۡ تَصۡدِیۡقَ الَّذِیۡ بَیۡنَ یَدَیۡهِ وَ تَفۡصِیۡلَ كُلِّ شَیۡءٍ وَّ هُدًی وَّ رَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾(یوسف:۱۱۱)

ترجمہ: ان لوگوں کے قصہ میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے، یہ (قرآن) ایسا کلام نہیں ہے کہ جو (اپنی طرف سے) بنالیا گیا ہو بلکہ یہ تو (اللہ کا کلام ہے جو) اس سے پہلے آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے، ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے (تاکہ سمجھنے میں الجھن نہ ہو) اور ایمان والوں کے لئے تو یہ کلام (سراسر) ہدایت اور رحمت ہے" (۱۱۱)(ص ۴۸۱، ۴۸۲، جزء۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کن حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱)۔جو قصص قرآن کریم ہی میں وحی کئے گئے ان میں عقل والوں کے لئے نصیحت ہے (لیکن بے عقل، ہٹ دھرم یہ نصیحت قبول نہیں کرتے کہ وحی صرف قرآن ہی میں ہے غیر اللہ کی کتابوں میں نہیں)۔

(۲)۔یہ قرآن کوئی من گھڑت یا افتراء کی ہوئی حدیث نہیں ہے بلکہ یہ تو اللہ کا کلام ہے (جب کہ نام نہاد

........احادیث من گھڑت یا رسول اور اللہ کی طرف افتراء کی ہوئی ہیں)

(۳)۔ یہ قرآن اپنے سے پہلے آنے والی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے (مگر اپنے سے بعد آنے والی کتابوں کی جو اللہ اور رسول کی طرف افتراء کر کے وحی قرار دی گئیں کی تصدیق نہیں کرتا۔ ورنہ پھر آیت کے الفاظ یہ ہوتے کہ یہ قرآن اپنے سے پہلے آنے والے اور بعد میں بھی آنے والی وحی خفی کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے) بس ثابت ہوا کہ بعد میں افتراء کی گئیں وحی خفی کی کتابیں تصدیق شدہ یعنی صحیح نہیں بلکہ وہ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى ہیں۔

(۴)۔ یہ قرآن ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے تاکہ سمجھنے میں الجھن نہ ہو۔ تو پھر کون سی تفسیر چاہیئے؟ غیر اللہ کی اپنی طرف سے لکھی ہوئی تفاسیر تو اور الجھن میں پیدا کر دیتی ہیں اور عجیب عجیب تصورات و عقائد دیتی ہیں!

(۵)۔ یہ قرآن ایمان والوں کیلئے ہدایت اور رحمت ہے (بشرطیکہ وہ اس کے ساتھ غیر اللہ کی کتابوں کو شریک نہ کریں)۔ یعنی جو لوگ اس قرآن کی صداقت اور صرف اس کے ہی حق اور اللہ کی وحی ہونے پر یقین رکھیں گے اور اپنی زندگی کو اس کے مطابق گزارنا چاہیں گے تو ان کو اس میں رہنمائی ملے گی اور وہ اللہ کی رحمت سے مستفیض ہوں گے۔

**123۔**... آگے سورہ رعد کی پہلی آیت ہی میں الکتاب کی آیات کو اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل شدہ بتایا گیا ہے۔ مگر موصوف نے اپنے عقیدہ کی خاطر معنوی تحریف کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

''الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (رعد:۱)

ترجمہ: الٓمّٓرٰ، (اے رسول) یہ (اللہ کی) کتاب کی آیتیں ہیں (جو بالکل حق ہیں) اور (ان کے علاوہ بھی) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ (سب) حق ہے، لیکن اکثر لوگ (پھر بھی) ایمان نہیں لاتے'' (۱) (ص۴۹۹، جزء۵)

قارئین موصوف کے ترجمہ میں (ان کے علاوہ بھی) الفاظ محل نظر ہیں جن سے معنوی تحریف کی بُو آتی ہے یونکہ موصوف کا عقیدہ ہی یہ ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی (نام نہاد) احادیث نازل کی گئیں۔ میرے خیال سے آیت کا سیدھا سا ترجمہ یوں ہے۔

الٓمّٓرٰ (اے رسول) یہ الکتاب کی آیتیں ہیں یعنی آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوئی ہیں الْحَقُّ ہیں، لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

قارئین یہاں بات صاف ہے کہ الکتاب کی آیات اللہ کی نازل کردہ ہیں اور حق ہیں۔ یہ بات (نام نہاد) احادیث کے لئے نہیں کی جا رہی بلکہ الکتاب یعنی قرآن کریم کے لئے کہی جا رہی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ آگے سورہ الحجر کی پہلی آیت میں فرما رہا ہے۔

''الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (الحجر:۱)

ترجمہ: الٓرٰ، یہ (اللہ کی) کتاب یعنی قرآن مبین کی آیتیں ہیں (جو اے رسول، آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہیں)" (۱)(ص ۳۱۷، جزء۵)

غور کیجئے کہ یہاں موصوف نے خود الکتاب کے بعد 'و' کو تفسیری مان کر ترجمہ 'یعنی' کیا ہے تو وہ اوپر کی آیت میں الکتاب کے بعد 'و' کو تفسیری کیوں نہیں مانتے؟ خیر۔ چونکہ وہ اس آیت کی تفسیر میں اپنے قوسین کے الفاظ (ان کے علاوہ بھی) کی کوئی تشریح نہیں کرتے کہ قرآن کے علاوہ بھی کیا نازل کیا گیا، اس لئے ہم اس موقعہ پر مزید تبصرہ نہیں کرتے۔

بہر حال دونوں آیات قرآن کریم ہی کی بات کر رہی ہیں، اسی کو "الحق" اور اسی کو "قرآن مبین" بتا رہی ہیں (کسی اور چیز مثل (نام نہاد) احادیث کا کوئی ذکر تک نہیں)۔ حالانکہ دونوں آیات دو علیحدہ علیحدہ سورتوں (الرعد اور الحجر) میں ہیں اسی بات کو اسی سورہ (رعد) کی اگلی آیت ۲ میں پھر دوہرا دیا ہے کہ:

"يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ (رعد:۲)

ترجمہ: وہی (اپنی) آیات کو علیحدہ علیحدہ بیان کر رہا ہے تاکہ تمہیں اپنے رب کی ملاقات کا یقین آجائے "(۲)(ص ۵۰۴، جزء۵)

**124**۔ آگے اسی سورہ الرعد کی آیت ۳۰ میں تو اللہ تعالیٰ صرف قرآن ہی پڑھ کر سنانے کا حکم دے رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ۝ (الرعد:۳۰)

ترجمہ: (اے رسول جس طرح ہم پہلے بہت سے رسول بھیج چکے ہیں) اسی طرح اس امت میں جس سے پہلے بہت سی امتیں گزر چکی ہیں ہم نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ جو کتاب ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اسے پڑھ کر آپ انہیں سنادیں اور (اے رسول) یہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں آپ کہہ دیجئے وہی تو میرا رب ہے، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں "(۳۰)(ص ۵۶۳، جزء۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں قرآن کریم کے بارے میں خاص طور پر کہا جا رہا ہے کہ "جو کتاب ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اسے پڑھ کر آپ انہیں سنادیں" ظاہر ہے کہ جو کتاب رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف وحی کی جا رہی تھی ساری دنیا جانتی ہے کہ وہ قرآن کریم ہی ہے اور کوئی کتاب (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ وہ غیر اللہ کی، مقابلہ پر بنائی ہوئی کتابیں ہیں اور اللہ اور رسول سلامٌ علیہ پر افتراء ہیں کہ وہ بھی وحی خفی ہیں۔ اگر وہ وحی ہوتیں، کسی بھی طرح کی وحی، تو اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ضرور بتاتا کہ میں دو طرح کی وحی کر رہا ہوں ایک جلی اور دوسری چھپا کر۔ (نعوذ باللہ) اس لئے آپ صرف کتاب جو آپ پر وحی کی جا رہی ہے وہ ہی نہیں بلکہ دوسری چھپا کر وحی کی جانے والی کتابیں بھی سنا دیجئے ورنہ تو آپ کا کام "بلاغ" پورا نہ ہوگا اور لوگ چھپے ہوئے (پوشیدہ خزانہ) سے محروم رہ جانے کی وجہ سے پورے

پورے اسلام میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ جیسا کہ شروع صدیوں کے مومنین کے ساتھ ہوا جب بخاری صاحب اور مسلم صاحب وغیرہ نے اپنی اپنی کتابیں نہیں لکھی تھیں اور لوگ بغیر ان پر ایمان لائے اور عمل کئے مر کھپ گئے تھے۔ (نعوذ باللہ)۔ مزید بر آں کہ بخاری صاحب کے اپنی کتاب لکھنے کے دوران (لکھنے کے بعد یوں نہیں کہ تاریخ کے مطابق اور خود متعدد نسخوں کے مطابق وہ کتاب مکمل نہ کر پائے تھے اور بہت سے عنوانات قائم کرنے کے بعد ان میں روایات لکھنے کا سوچ ہی رہے تھے کہ انتقال فرما گئے) تقریباً نوّے ۹۰ ہزار آدمی اسے ان سے سن چکے تھے[1]۔ (لکھ نہ سکے تھے ورنہ ان میں سے کوئی نسخہ توضرور فرانس یا اٹلی کی لائبریری سے بر آمد ہو چکا ہوتا) باقی کروڑوں مسلمین اس پوشیدہ وحی سے محروم ہی رہے تھے اور اسلام میں پورے داخل نہ ہو سکے تھے۔ (نعوذ باللہ)۔ اور صرف انہی صدیوں میں ایسا نہیں ہوا بلکہ یہ تو اب سے ایک دو صدی پہلے تک یہی حال رہا کہ لوگ پوشیدہ وحی کی کتابوں پر ایمان لانا تو بڑی سعادت' ان کی شکل تک دیکھنے کی سعادت صغریٰ سے محروم رہے۔ مثال کے طور پر اپنے بر صغیر ہند و پاک ہی کو لے لیں جہاں شاہ ولی اللہ صاحب (نام نہاد) احادیث کی کتابیں حج سے واپسی پر لائے اور پھر یہاں فرقہ اہلحدیث کی بنیاد پڑی۔ پھر بھی چھاپہ خانے نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تعداد محدود ہی رہی اور صرف مدرسوں میں علما ہی ان کی زیارت کرتے رہے عوام الناس کو تو اب سے تقریباً سو سال پہلے صحیح بخاری شریف پڑھنے کا موقعہ ملا جب مرزا حیرت دہلوی نے اس کتاب شریف کی تلخیص کا ترجمہ اردو میں کر کے شائع کرا دیا۔ گو کہ وہ بھی ہر مسلم تک نہ پہنچ سکا۔ بلکہ آج اتنے ترقی یافتہ دَور میں جب کہ چھاپہ خانے لا تعداد ہو چکے ہیں پھر بھی کروڑوں مسلمین کے گھروں میں یہ پوشیدہ وحی کی کتابیں نہیں ہیں۔ البتہ اصل وحی یعنی قرآن کریم ہر گھر ہی میں موجود ہے خواہ وہ صرف طاق میں سجانے کیلئے ہی ہو۔ اور یہ صرف پوشیدہ وحی ہی کی حقیقت نہیں بلکہ لاکھوں کروڑوں مسلمان تو پوری کی پوری وحی جلی کی زیارت سے بھی محروم ہیں یونکہ ان کے عقیدہ کے مطابق قرآن کریم کے تقریباً دس پارے تیسری صدی ہجری ہی میں ایک بچہ اپنی بغل میں چھپا کر کسی غار میں بھاگ گیا تھا اور پھر اس کا سراغ نہ ملا۔ وہ لوگ آج بھی اس کا انتظار کر رہے ہیں اور دعا کرتے رہتے ہیں کہ غار سے باہر آ جاؤ اور ہم جیسے وفاداروں کو پالو۔ خیر وہ بچارے تو منتظر ہیں ہی مگر دیگر مسلمانوں کی اکثریت بشمول جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) صرف اسی بچہ کا نہیں بلکہ ایک اور نبی کا بھی انتظار کر رہی ہیں حالانکہ سب کے سب ختم نبوت کا عقیدہ رکھنے کے بھی دعویدار ہیں[2]!

قارئین، درمیان میں یہ تو جملہ معترضہ آ گیا تھا۔ بات ہو رہی تھی کہ جو کتاب رسول پر وحی کی گئی وہ قرآن کریم ہی ہے یا (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی۔ تو موصوف نے خود اسی آیت کی اپنی تفسیر میں مان لیا کہ قرآن کریم ہی رسول سلامٌ علیہ پر وحی کیا گیا۔ ملاحظہ ہو:

"تفسیر:۔۔۔۔۔ اور آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے لِّتَتۡلُوَاْ عَلَيۡهِمُ ٱلَّذِيٓ أَوۡحَيۡنَآ إِلَيۡكَ) تاکہ آپ اس قرآن مجید کو جو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے اس امت کے لوگوں کو پڑھ کر سنا دیں" (ص ۵۶۴، جزء ۵)

---

[1] موصوف کے مطابق یہ ان کے امام فربری کا قول ہے کہ ان سے پہلے نوّے ہزار افراد اسے سُن کر جا چکے تھے۔

[2] اصل میں یہ عقیدہ اہل کتاب کا ہے کہ ابھی ایک نبی اور آئے گا۔ جب کہ مسلمین و مومنین کے لئے تو قرآن کریم نے بتا دیا کہ نبوت ختم ہو گئی۔ اس لئے اب کسی نبی کے آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ خواہ وہ مسیلمہ کذاب ہو، غلام احمد قادیانی ہو یا حضرت عیسیٰ ہوں۔ ورنہ پھر ختم نبوت نہ ہوئی۔ معاذ اللہ

غور فرمائیے، موصوف نے اپنے ترجمہ میں لفظ کتاب ہی استعمال کیا ہے مگر یہاں تفسیر میں حقیقت کو نہ چھپا سکے اور صاف صاف لکھا ہے کہ "آپ پر قرآن مجید نازل کیا ہے" یہاں وہ یہ غیر حقیقت نہ کہہ سکے کہ اور (نام نہاد) احادیث بھی نازل کیں۔ مزید وضاحت یہ کہہ کر کر دی کہ "تاکہ آپ اس قرآن مجید کو جو ہم نے آپ پر بذریعہ وحی نازل کیا ہے اس امت کے لوگوں کو سنا دیں" یہ نہیں کہا گیا کہ بخاری و مسلم یا دیگر (نام نہاد) احادیث جو ہم نے چھپ کر یا پوشیدہ طریقہ پر نازل کیں وہ بھی پڑھ کر سنا دو (جب کہ موصوف اپنی مسجد المسلمین میں وہی پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں بلکہ ساتھ میں ان نام نہاد احادیث کی شرح ابن حجر بھی سناتے ہیں)۔

ہو سکتا ہے کہ موصوف کے متبعین وغیرہ میری اس بات پر اعتراض کریں کہ: چونکہ صرف قرآن مجید ہی سنانے کیلئے ہے اور اس کو "وحی متلو" کہتے ہیں اس لئے صرف اس کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ جب کہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں تو کہی ہی "وحی غیر متلو" جاتی ہیں اس لئے جب انہیں سنانا ہی نہ تھا تو اس لئے اس آیت میں ان کا ذکر نہیں کیا گیا! تو پھر میں دو سوال کروں گا آپ ان کے جواب لائیے؟

(۱)۔ جب (نام نہاد) احادیث کو سنایا ہی نہیں جانا تھا تو پھر ان کو نازل کرنے یا وحی کرنے کی غرض وغایت کیا تھی (کیا امت میں محض افتراق پیدا کرنا اور ان کو لائبریریوں کی زینت بنانا تو لائیے اس کے لئے آیت؟) پھر آپ اسے تلاوت کر کے سناتے کیوں ہیں؟؟ ہے نا وحی غیر متلو کے خلاف عمل!

(۲)۔ اگر اس آیت میں متبعین کے اعتراض والی وجہ سے (نام نہاد) احادیث کا ذکر نہیں ہوا تو لائیے کوئی دوسری آیت پیش کر دیجئے جس میں ان کا نام نہاد ذکر شریف ہو؟

قارئین اب ایک اور کام کی بات سنتے چلئے۔ اس آیت کریمہ میں آپ نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ یہ حقیقت بھی بتا رہا ہے کہ "(اے رسول) یہ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں آپ کہہ دیجئے وہی تو میرا رب ہے، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں" تو موصوف بڑی مشکل سے اللہ کے نام "رحمٰن" کی وضاحت، تشریح یا تفسیر کے لئے ایک روایت ڈھونڈ کر لائے اور اس آیت کریمہ کی مختصر سی تفسیر میں اس کو بھی لکھ دیا۔ تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآنی آیات کی تشریح توضیح، تفسیر فرمائی۔ تو (نام نہاد) رسولی تفسیر ملاحظہ ہو:

"تفسیر: ............... (هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ) لیکن اس معجزانہ کلام کے نازل ہونے کے بعد بھی یہ لوگ رحمٰن کا انکار کر رہے ہیں۔

اگرچہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کا نام ہے لیکن کفارِ مکہ اس نام کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

ترجمہ: سہیل بن عمرو آیا۔ اس نے کہا: لائیے، آپ ہمارے اور اپنے درمیان ایک صلح نامہ لکھوا دیں۔ نبی ﷺ نے کاتب کو بلوایا اور اسے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ۔ سہیل نے کہا: اللہ کی قسم رحمٰن کو میں نہیں جانتا کہ وہ کیا ہے آپ باسمك اللهم لکھوائیے (ص ۵۶۴، جزء ۵) (صحیح بخاری کتاب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اہل الحرب، جزء ۳۔ ص ۲۵۵، صحیح مسلم کتاب الجهاد باب صلح الحدیبیہ، جزء ۲، ص ۹۹۰ واللفظ للبخاری)

قارئین غور فرمایئے:

(۱)۔ بخاری و مسلم صاحبان خود اس روایت کو تفسیرِ قرآن نہیں مانتے بلکہ اس روایت کو انہوں نے کسی اور کتاب اور باب میں بیان کیا ہے (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) مگر موصوف اس کو تفسیر قرآن ماننے پر یا منوانے پر بضد ہیں۔ جب ہی تو اس اکلوتی روایت کو یہاں "رحمٰن" کی تفسیر بنانے کیلئے اس آیت کی تفسیر میں ٹھونسا ہے!

(۲)۔ قارئین اس تفسیری روایت سے آپ "رحمٰن" کے کیا معنی یا تفسیر سمجھے؟ اس روایت نے اللہ کے اس نام کی کیا تشریح یا وضاحت فرمائی؟ سہیل بن عمرو کا اعتراض تھا کہ وہ "رحمٰن" کو نہیں جانتا بلکہ وہ اللہ کو جانتا ہے اس لئے آپ باسمك اللھم لکھوایئے، تو اس کا کیا جواب ہونا چاہئے تھا؟ اس کا یہاں کوئی ذکر نہیں پھر بھی اس کو تفسیر کہا جا رہا ہے!

(۳)۔ قارئین غور کریں کہ روایت میں یہ اعتراض ہی کتنا عجیب ہے کہ سہیل بن عمرو جو یقیناً عرب نزاد مکی ہی تھا وہ یہ اعتراض کرتا ہے کہ وہ "رحمٰن" کو نہیں جانتا اور ساتھ میں اللہ کی قسم بھی کھا رہا ہے اور صرف اسی پر بس نہیں بلکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اس کا اعتراض مان بھی لیتے ہیں! اس کے کیا معنی ہوئے؟ کیا "رحمٰن" عربی کا لفظ نہیں؟ جب کہ "رحمٰن" اور "رحیم" دونوں عربی ہی کے الفاظ ہیں اور قرآن کریم میں اس لئے استعمال ہوئے کہ قرآن کریم عربی مبین ہی میں نازل ہوا اور یہ کہہ کر نازل ہوا کہ عربی میں اس لئے نازل کیا گیا تا کہ تم سمجھ سکو۔ اور چونکہ وہ قوم بھی عرب تھی جس کیلئے سب سے پہلے نازل ہوا اس لئے عربی زبان میں نازل ہوا تو پھر یہ اعتراض کیوں کر کیا جا سکتا تھا اور رسول سلامٌ علیہ کا اس اعتراض کو مان لینا کیونکر ممکن تھا؟ واللہ عالم کہ روایت کے بنانے والوں کا یہ اعتراض اور اس کا رسول سلامٌ علیہ کی طرف سے مان لینے میں کیا مقصد پوشیدہ تھا! بہر حال عقل سلیم اس اعتراض کو اور اس کے جواب کو تسلیم نہیں کرتی۔ اس اعتراض کا جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ: سہیل بن عمرو تو 'رحمٰن' کا کیسے انکار کرتا ہے جب کہ تو اللہ کی قسم بھی کھا رہا ہے اور وہی تو رحمٰن و رحیم ہے اور تو جانتا بھی ہے یونکہ ہماری زبان عربی میں یہ اسی کے نام ہیں جس کے معنیٰ یہ ہیں............

الغرض اگر اس روایت میں رحمٰن کے معنیٰ بتائے گئے ہوتے یا یہ بتایا گیا ہو تا کہ "رحمٰن" عربی کا لفظ نہیں تھا اور قرآن میں پہلی مرتبہ استعمال ہوا اور اہل عرب اس سے ناآشنا تھے تب تو کہہ سکتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ کی تفسیر یہ ہوئی۔ لیکن اس کو نہ ماننا آیت کی تفسیر نہیں! آپ جو چاہیں اس کو نام دے لیں۔

(۴)۔ بہر حال یہ روایت جو کچھ بھی ہو اس سے پھر ہمارا ہی مؤقف ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ اَن پڑھ نہیں تھے جیسا کہ موصوف اور دیگر اہلحدیث و اہل فقہ عقیدہ رکھتے ہیں اور لفظ "اُمّی" کے معنی کرتے ہیں۔ جب کہ اہل مدینہ کے یہودی ام القریٰ کے لوگوں کو اُمّی اس لئے کہتے تھے کہ وہ اہل کتاب نہیں تھے یعنی ان پر اللہ کی الکتاب اس وقت تک نازل نہیں ہوتی تھی)"۔

یہاں غور طلب حقیقت یہ ہے کہ سہیل بن عمرو آتے ہی کہتا ہے کہ: "لایئے، آپ ہمارے اور اپنے درمیان ایک صلح نامہ لکھوا دیں" تو یہ لکھنے کی بات وہی شخص کر سکتا ہے جو لکھے پڑھے ماحول کا ہو۔ جہاں اہم امور کو لکھوانے کا رواج ہو۔ اور عموماً لوگ اس امر سے واقف ہوں کہ اہم امور یا صلح نامے و عہد نامے لکھ کر ہی ہوتے ہیں تا کہ وقت

ضرورت سند رہیں۔ اس حقیقت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ یا اُمّی لوگ سارے کے سارے اَن پڑھ نہیں تھے بلکہ وہاں لکھنے پڑھنے کا چرچا عام تھا۔

اب غور کیجئے اہلحدیثوں کے اس عقیدہ پر کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اَن پڑھ تھے (نعوذ باللہ) تو یہ بات حقیقت نہیں یونکہ وہ اسی ام القریٰ کے سردار گھرانے کے ناز و نعمت میں پرورش کئے ہوئے سپوت تھے جن کو لوگ امین صرف کہتے ہی نہیں تھے بلکہ مانتے بھی تھے، ان سے اپنی تجارت میں شراکت بھی کراتے تھے اور پھر ان کو حساب کتاب اور لین دین میں بھی یکتا پاتے تھے، نیز اپنے مسائل و جھگڑوں میں فیصلہ بھی انہی سے کرانے آتے تھے۔ تو کیا ایسا اونچا شخص اَن پڑھ ہو سکتا تھا؟ ہر گز نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت یقیناً ان کے اپنے ہی گھر میں شاہی انداز سے ہوئی کہ والدہ محترمہ دادا محترم اور تایا محترم پھوپھی محترمہ اور دیگر چچا صاحبان سب ہی کے وہ جگر گوشہ و چہیتے ولاڈلے تھے۔ اب اگر تاریخ میں کہیں یہ ذکر نہیں آیا کہ فلاں نے ان کو لکھنا پڑھنا سکھایا تو اس کے معنی یہ تو نہیں کہ وہ نِرے اَن پڑھ تھے۔ یہ تاریخ دانوں کا قصور ہے کہ وہ اس حقیقت تک نہ پہنچ سکے۔ بلکہ شاید یہ ان کا بھی قصور نہیں یونکہ ایسا کوئی تاریخ دان ہے ہی نہیں جس نے ان کو بچپن میں دیکھ کر ان کی تاریخ یا سوانح عمری لکھی ہو اور یہ تاریخ کا فن، حدیث یا آثار و اخبار کے نام سے فن اسماء الرجال وغیرہ تو ہیں ہی بہت بعد کی پیداوار۔ جو ویسے ہی قابلِ بھروسہ نہیں۔ یونکہ اس میں بھی لکھنے کا دارومدار گزرے ہوئے زمانہ اور لوگوں کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ پوچھ کر لکھنے ہی پر ہے۔ اب جس کو جیسی اطلاع مل جائے۔ ایک شخص کے بارے میں مختلف لوگوں کی آراء مختلف ہو سکتی ہیں (ہر ایک کا اپنا تجربہ و معیار ہوتا ہے) اب جس کی جس سے ملاقات ہو گئی اس کو ویسی ہی اطلاع فراہم ہو گئی۔

قارئین اب ایک اور پہلو سے بھی غور کر لیجئے کہ اس روایت میں صلح حدیبیہ کے کاتب ہیں حضرت علیؓ جو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے پاس بچپن ہی سے رہے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ہی ان کی پرورش کی اور تعلیم و تربیت کی کہ وہ کاتب وحی بھی بنے۔ اسی حقیقت سے ثابت ہوا کہ ان کی تعلیم و تربیت بعثت نبوی سے پہلے ہی بچپن میں ہوئی اور کچھ بعثت کے بعد لڑکپن یا آغاز جوانی میں۔ تو اگر آپ کی تاریخ یا حدیثی روایات اتنی ہی حقیقت پسند ہیں تو لایئے بتایئے کہ حضرت علیؓ کے اساتذہ کون کون تھے؟ جنہوں نے انہیں لکھنا پڑھنا سکھایا تھا؟ اسی طرح دیگر جلیل القدر صحابہ کرام کے اساتذہ کون کون تھے؟ ظاہر ہے کہ یہ باتیں تاریخ یا (نام نہاد) احادیث میں نہیں ملتی ہیں۔ اس لئے اس بحث میں نہیں الجھنا چاہئے اور اس عقیدہ کو نہیں ماننا چاہئے کہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ نعوذ باللہ اَن پڑھ تھے۔ (بلکہ انہوں نے ہی حضرت علیؓ کو پڑھنا لکھنا سکھایا تھا)۔

نوٹ: لفظ اُمّی پر مزید بحث سورہ الاعراف کی آیت ۱۵۷ میں گزر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے۔

**125**۔۔۔ آگے اسی سورہ الرعد میں آیات ۳۶۔۳۷ میں پھر قرآن کریم ہی نازل کرنے اور وہ بھی عربی میں نازل کرنے کا ذکر ہے۔

''وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا

عَرَبِيًّا ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ (الرعد:۳۶۔۳۷)

ترجمہ: اور (اے رسول) جن لوگوں کو ہم نے (آپ سے پہلے) کتاب دی تھی (اور جو صحیح معنوں میں اس پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور فرقوں میں تقسیم ہو کر گمراہ نہیں ہوئے) وہ تو اس کتاب سے بہت خوش ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے۔ اور جو لوگ فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں وہ (بھی اس کتاب کی سب باتوں کا تو انکار نہیں کرتے ہاں) اس کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں (اس لئے کہ ان میں ان کے شرکیہ عقیدے اور اعمال کا ابطال ہے، اے رسول) آپ کہہ دیجئے مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ میں (صرف) اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ (ذرا سا بھی) شرک نہ کروں (تم مانو یا نہ مانو، میں تو اسے مانتا ہوں) میں اسی (ایک اللہ) کی طرف (سب کو) دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف ہر معاملہ میں رجوع کرتا ہوں (۳۶) اور (اے رسول جس طرح ہم پہلے کتابیں نازل کرتے رہے ہیں) اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو بھی نازل کیا ہے، ایسی حالت میں کہ وہ عربی زبان میں فرمان (الٰہی کا ترجمان) ہے اور (اے رسول، احکامِ الٰہی کا) علم ہو جانے کے بعد اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلہ میں نہ کوئی آپ کا دوست ہو گا اور نہ کوئی بچانے والا" (۳۷) (ص ۵۷۸۔۵۷۹، جزء ۵)

غور کیجئے ان آیات میں بھی اللہ تعالیٰ یہی بتا رہا ہے کہ اہل کتاب "اس کتاب سے بہت خوش ہیں جو آپ پر نازل کی گئی ہے" اور وہ کتاب یقیناً قرآن کریم ہی ہے جیسا کہ اگلی آیت میں بتا دیا کہ "اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو بھی نازل کیا ہے ایسی حالت میں کہ وہ عربی زبان میں فرمان (الٰہی کا ترجمان) ہے" کہیں بھی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نازل کرنے کا جھوٹ موٹ کا اشارہ بھی نہیں۔ مگر افسوس کہ پھر بھی موصوف (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ، وحی اور نہ جانے کیا کیا مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔

قارئین، آپ گواہ رہیں کہ غیر اللہ کی ظنّی کتابوں کو ہم کتاب اللہ یا وحی نہیں مانتے۔ ہم صرف قرآن مجید کو کتاب اللہ اور وحی الٰہی مانتے ہیں اور وہی ہم پر فرض کیا گیا ہے اور ہم اسی کے مکلّف ہیں۔ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کے نہیں۔ یونکہ ہم صرف اسی پر ایمان لائے ہیں۔

خود موصوف ان دونوں آیات کی تفسیر میں کوئی رسولی تفسیر یا روایت نہ پیش کر سکے اور آخر میں "عمل" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

عمل: "اے لوگو! قرآن مجید پر ایمان لائیے" (ص ۵۸۴، جزء ۵)

ظاہر ہے کہ قرآن مجید ہی پر ایمان لایا جاتا ہے، (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ آخر موصوف حق کی کہاں تک تحریف کر سکتے ہیں۔

**126**۔... آگے اسی سورہ الرعد کی آیت ۴۳ میں پھر الکتاب ہی کی بات ہو رہی ہے۔ کتابوں کی نہیں۔

''وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ (الرعد:۴۳)

ترجمہ: اور (اے رسول ہمیں معلوم ہے کہ) کافر یہ کہہ رہے ہیں کہ آپ رسول نہیں ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ (مجھے کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں) میرے اور تمہارے درمیان بس اللہ کی اور اس شخص کی جس کے پاس کتابِ (الٰہی) کا علم ہے گواہی کافی ہے''۔ (۴۳) (ص۵۸۷۔۵۸۸، جزء۵)

غور کیجئے کہ رسول کی رسالت کیلئے بھی کتاب الٰہی یعنی الکتاب یعنی قرآن مجید کا علم رکھنے والے کی بات ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کا علم رکھنے والے (محدث) کی بات نہیں ہو رہی۔ (اللہ بھی اس کی گواہی پسند نہیں کرتا) ورنہ یہاں ضرور ذکر کرتا۔

**127**۔... آگے سورہ ابراہیم کی پہلی آیت شروع ہی اس حقیقت سے ہو رہی ہے کہ کتاب نازل کی۔ کتابیں نہیں۔

''الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ﴿۱﴾ (ابراہیم:۱)

ترجمہ: الٓرٰ، (اے رسول) ہم نے (یہ) کتاب آپ کی طرف (اس لئے) نازل کی ہے تاکہ آپ (اس کے ذریعہ) لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں (یعنی) زبردست اور تعریف والے (اللہ) کے راستہ کی طرف لے آئیں'' (۱) (ص۵۹۵۔۵۹۶، جزء۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنی سادہ سی زبان میں کتنی صاف صاف حقیقت بتائی گئی ہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن کریم اس لئے نازل کیا ہے کہ لوگ ''ظلمات'' یعنی گمراہیوں سے نکال کر ''نور'' یعنی روشنی کی طرف لائے جائیں جو کہ اللہ کا راستہ ہے۔ یہاں پھر کتنے واضح طریقہ سے یہ کہا گیا ہے کہ یہ کتاب نازل کی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں ۔ کتٰب واحد کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ایک ہی کتاب ہوتے ہیں جو کہ کتٰب اللہ ہے یعنی قرآن مجید۔ اس کے ساتھ کوئی اور کتاب مثل (نام نہاد) احادیث کی کتابیں شامل یا شریک نہیں۔

موصوف خود اس آیت کی تفسیر کے آخری حصہ میں لکھتے ہیں:

تفسیر:......... ''گمراہی کی متعدّد قسمیں ہو سکتی ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے گمراہی کے لئے ''ظلمات'' کا لفظ یعنی جمع کا صیغہ استعمال کیا۔ ہدایت کا راستہ صرف ایک راستہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لئے ''نور'' کا لفظ یعنی واحد کا صیغہ استعمال کیا' (ص۵۹۷، جزء۵) ''

قارئین یہ عبارت لکھتے ہوئے موصوف شاید یہ لکھنا بھول گئے (بھولے تو خیر نہیں، مگر چونکہ انہوں نے اللہ کی کتٰب میں غیر اللہ کی کتابیں شریک کرنے کا مشرکانہ عقیدہ بنایا ہوا ہے اس لئے انہیں آیت کے شروع ہی میں لفظ ''کتٰب'' واحد کا صیغہ نظر نہ آیا، اور اس طرح خود اپنے جال میں آپ صیاد آ گیا) کہ اس آیت میں لفظ ''کتٰب'' بھی واحد کا صیغہ استعمال ہوا ہے اس لئے اس کے معنی بھی صرف کتٰب اللہ ہی ہیں اور اس کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں مثل صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ نہ تو شامل ہیں اور نہ شریک کی جا سکتی ہیں یونکہ وہ اللہ کی نازل کردہ نہیں یعنی وحی نہیں یونکہ اللہ

تعالیٰ تو نہ صرف اس آیت میں بلکہ بہت سی آیات میں صرف ایک کتٰب ہی نازل کرنے یا وحی کرنے کا بتا رہا ہے۔ اور وہ ہے قرآن مجید۔

قارئین میں تو شروع سے ہی بات کہتا آرہا ہوں کہ قرآن کریم ہمیں صرف ایک ہی کتٰب کے نازل کئے جانے یا وحی کئے جانے کا بار بار بتا رہا ہے۔ مگر اب موصوف کے استدلال کے بعد بھی کیا کوئی شک وشبہ کی گنجائش ہے؟ کیا اب مزید بھی کسی گواہی کی ضرورت باقی رہ گئی؟ اب تو صرف وحی الٰہی، کتٰب اللہ، قرآن مجید پر ایمان لے آیئے اور اگر اس کے علاوہ غیر وحی، غیر اللہ کی کتابوں مثل صحیح بخاری صحیح مسلم وغیرہ پر بھی ایمان لے آئے ہیں تو اللہ سے توبہ کیجئے۔ وہ بہت غفور رحیم ہے۔ اب بھی اگر کوئی نہ مانے اور یہ عقیدہ رکھے کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحیٔ الٰہی ہیں تو پھر یہ حد درجہ کی ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا ہوگا!

**128۔**... آگے اسی سورہ ابراہیم کی آخری آیت ۵۲ میں پھر صرف قرآن ہی کی بات ہو رہی ہے:

''هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: (اے لوگو! خبردار ہو جاؤ) یہ (قرآن) تمام لوگوں کے لئے (اللہ کا ایک) پیغام ہے تاکہ اس کے ذریعہ ان کو ڈرایا جائے، انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے اور عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں'' (۵۲) (ص ۷۲۰۔۷۲۱، جزء۵) (ابراہیم: ۵۲)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی قرآن مجید ہی کو اللہ کا پیغام ہدایت بتایا جا رہا ہے تاکہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایا جائے، ان کو صرف الٰہ واحد کی تعلیم دی جائے اور عقل والوں کو نصیحت کی جائے۔ یہ کام یہ مقاصد کہیں بھی (نام نہاد) احادیث کی موجودگی کا اشارہ تک نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ حقیقت تو صرف عقل والے ہی سمجھ سکتے ہیں۔ جاہل تو اسی پر ہٹ دھرمی کرتے رہیں گے جو وہ اپنے آباء واجداد و علما فضلاء سے روایتی طور پر سنتے آئے ہیں۔

**129۔**... آگے سورہ الحجر کی پہلی ہی آیت میں قرآن ہی کو الکتاب اور مبین بتایا گیا ہے:

''الٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱﴾ (الحجر: ۱)

ترجمہ: الٓرٰ، یہ (اللہ کی) کتاب یعنی قرآن مبین کی آیتیں ہیں (جو اے رسول، آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہیں) (۱) (ص ۷۳۱، جزء۵)''

اس آیت کو ہم پیچھے بھی سورہ الرعد کی پہلی آیت کے ساتھ پیش کر چکے ہیں۔ بہر حال پھر غور کر لیجئے کہ موصوف خود اس کے ترجمہ میں اسے اللہ کی کتاب یعنی قرآن مبین کی آیتوں کو رسول سلامٌ علیہ کی طرف وحی شدہ مان رہے ہیں۔ تو جب آیتیں کتٰب اللہ ہیں اور قرآن مبین کی ہیں (یعنی قرآن خود روشن یا بیان شدہ ہے) تو پھر (نام نہاد) احادیث کیا چیز ہیں اس کا ذکر نہ تو اس آیت میں ہے اور نہ ہی کسی اور آیت میں ہے۔ اس لئے یقیناً وہ غیر اللہ کی ظنی روایات سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

**130۔**... آگے اسی سورہ الحجر کی آیت ۹ میں ''الذِّكْرَ'' یعنی قرآن مجید نازل کرنے اور اس کی حفاظت کے ربّانی وعدہ

کا بیان ہے۔

''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾ (الحجر:۹)

ترجمہ: اور (اے رسول) یہ نصیحت ہم ہی نے نازل کی ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں'' (۹)(ص ۷۴۰، جزء۵)

غور کیجئے، یہ وہ اہم آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ''الذِّكْرَ'' نازل کرنے بلکہ اس کی ہمیشہ حفاظت بھی کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ ''الذِّكْرَ'' قرآن مجید ہی کو کہا گیا ہے[1] اور اللہ تعالیٰ نے اسی کی حفاظت کا وعدہ فرمایا اور وہی حفاظت شدہ یا محفوظ ہے جس کو ''**لوح محفوظ**'' بھی کہا گیا ہے۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث اور ان کی کتابیں بے انتہاء تحریفات سے پُر ہیں، اسرائیلیات سے پُر ہیں، ظنّیات سے پُر ہیں، موضوعات سے پُر ہیں، گھڑی گھڑائی روایات سے پُر ہیں ..........

خود موصوف بھی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

تفسیر: ''قرآن مجید محفوظ ہے۔ اس کا ایک ایک لفظ حتیٰ کہ زیر و زبر تک محفوظ ہیں۔ اور نہ صرف سفینۂ قرطاس میں محفوظ ہیں بلکہ سینۂ حفاظ میں بھی محفوظ ہیں۔ اگر تحریری صورت میں قرآن مجید دنیا سے معدوم بھی ہو جائے تب بھی اس کا ایک ایک لفظ محفوظ رہے گا۔ اور سینۂ حفّاظ سے پھر اسی طرح تحریری صورت میں محفوظ ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے جو ذمہ لیا اسے کیسے معجزانہ طریقہ سے پورا کیا۔ قرآن مجید کی حفاظت کی ذمہ داری کا اس طرح پورا ہونا بھی قرآن مجید کی صداقت کی دلیل ہے اور پھر اس کے کلام کا معجزہ ہونا اس پر متزاد ہے'' (ص ۷۴۰۔۷۴۱)

قارئین، ڈھونڈیئے، کیا ہے کوئی جو اس طرح کا دعویٰ کسی غیر اللہ کی کتاب مثل (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کے بارے میں کر سکے؟ چلئے کتابوں کو چھوڑیئے کوئی ایسا حافظ ڈھونڈیئے جس کو صرف بخاری یا مسلم وغیرہ میں سے کسی ایک کی پوری کتاب شروع سے آخر تک مثل قرآن حفظ ہو!

الغرض اس آیت کریمہ میں بھی اللہ نے صرف قرآن مجید کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور (نام نہاد) احادیث کا کہیں اشارہ تک نہیں[2]۔

**131**۔... آگے اسی سورہ الحجر میں آیت ۸۷ میں اللہ تعالیٰ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ عطا کرنے کا فرماتا ہے:

''وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ (الحجر:۸۷)

ترجمہ: بے شک ہم نے آپ کو دوہرائی جانے والی سات آیتیں اور قرآن عظیم عطا کیا ہے (یہ ایک بہت

[1] گو کہ موصوف نے یہاں الذکر کا ترجمہ نصیحت کیا ہے مگر آگے خود ہی سورہ النحل کی آیت ۴۴ کی تفسیر میں الذکر کو قرآن مجید ہی کہا ہے۔

[2] موصوف نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایک اکلوتی اور انہونی (صحیح بخاری و صحیح مسلم کی) وہی روایت پیش کی ہے جو وہ سورہ ھود کی آیات ۱۳۔۱۴ کی تفسیر میں پیش کر چکے ہیں جس کو میں نے لطیفہ لکھا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اُعطِیَ مِن الاٰیات کا ترجمہ ''معجزہ دیا گیا'' کیا ہے اور یہاں انہی الفاظ کا ترجمہ ''آیات دی گئی ہیں'' ۔ غور فرمایئے کیا یہ لطیفہ ان آیات اور اس آیت دونوں کی رسولی تفسیر ہے؟ میں یقین کرتا ہوں کہ یہ رسول سلامٌ علیہ پر افتراء ہے اور ان کی شان کی توہین ہے کہ ایسی بے سروپا بات وہ آیات کی تفسیر میں کہیں!

بڑی نعمت ہے جو ہم نے آپ کو عطا کی ہے)" (۸۷)(ص ۸۰۴، ۸۰۶، جزء ۵)
یہاں کتنے واضح طور پر صرف قرآن عظیم عطاء کئے جانے کا بیان ہے کسی (نام نہاد) حدیث شریف کی کتاب کی طرف اشارہ بھی نہیں!

**132**۔ ... آگے اسی سورہ الحجر آیت ۹۰۔۹۱ میں پھر القرآن ہی نازل کرنے کا بیان ہے:
"کَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ۙ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ (الحجر: ۹۱،۹۰)
ترجمہ: اور (اے لوگو، یہ کتاب ہم نے تم پر اسی طرح نازل کی ہے) جس طرح (تم سے پہلے) تقسیم کرنے والوں پر نازل کی تھی (۹۰) جنہوں نے (اپنی) کتاب کے ٹکڑے کر ڈالے تھے۔ بعض پر عمل کرتے تھے اور بعض پر عمل نہیں کرتے تھے" (۹۱)(ص ۸۰۵، ۸۰۷، جزء ۵)
غور طلب بات یہ ہے کہ آیت میں یہاں لفظ القرآن استعمال ہوا ہے مگر موصوف اسے غالباً کمال ہوشیاری سے اڑا گئے۔ یونکہ وہ اس کی تفسیر میں بھی (ص ۸۱۲، جزء ۵) لفظ القرآن استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے ہم دوسرا ترجمہ دیکھتے ہیں۔ فتح محمد خان صاحب جالندھری ان دونوں آیات کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:
"(اور ہم ان کفار پر اسی طرح عذاب نازل کریں گے) جس طرح ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے تقسیم کر دی۔ یعنی قرآن کو (کچھ ماننے اور نہ ماننے سے) ٹکرے ٹکڑے کر ڈالا" (کیا یہ زیادہ مناسب ترجمہ نہیں؟)
قارئین اب ذرا سنجیدگی سے غور فرمایئے کہ قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کس طرح کیا گیا؟
میری ناقص عقل کے مطابق مندرجہ ذیل طریقوں پر قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا:
(۱)۔ ایک فرقہ نے کہا کہ یہ قرآن نامکمل ہے اس کے کچھ پارے تو ایک بچہ صدیوں پہلے غار میں لے کر بھاگ گیا تھا اور اس کی واپسی پر ہی یہ پورا ہو گا!
(۲)۔ دوسرے فرقہ نے کہا کہ یہ قرآن دو ٹکڑوں پر مشتمل ہے اس طرح کہ ایک حصہ کی آیات منسوخ ہیں، دوسرے کی نافذ الحکم نیز کچھ آیات منسوخ التلاوۃ ہیں لیکن منسوخ الحکم نہیں۔ جبکہ کچھ آیات منسوخ الحکم ہیں لیکن منسوخ التلاوۃ نہیں۔ کچھ اس قرآن میں ہیں کچھ اس سے باہر (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں۔
(۳)۔ تیسرے فرقہ نے کہا کہ اس قرآن کی بہت ساری آیات اصل میں یہود و نصاریٰ یا کفار و مشرکین کے لئے نازل ہوئی تھیں اور اس کے احکام ہم پر اصولی طور پر نافذ نہیں کئے جا سکتے یا دوسرے مرحلہ میں ہم پر ان کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اسی طرح بعض آیات کا قانون صرف رسول اللہ سلامٌ علیہ کیلئے اور اس دَور کیلئے خاص تھا اس لئے اس سے کوئی عمومی اصول اخذ کرنا درست نہیں۔
(۴)۔ چوتھے فرقہ نے کہا کہ یہ کتٰب اللہ دو حصوں میں ہے ایک وحی متلو یا وحی جلی اور دوسری وحی غیر متلو یا وحی پوشیدہ (خفی)
(۵)۔ عجمیوں نے اسے تیس پاروں میں تقسیم کر دیا پھر اپنی کتاب صحیح بخاری کو بھی تیس پاروں میں ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔
الغرض اس آیت میں بھی بات صرف القرآن ہی کی اہمیت کی ہو رہی ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کو ڈالا ان کے لئے عذاب کی وعید ہے (اگلی آیات پڑھ لیجئے واضح ہو جائے گا)

**133**۔۔۔ آگے سورہ النحل کی آیت ۳۰ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم ہی کو "خیر" کہا۔

" وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ (النحل:۳۰)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب متقی لوگوں سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو کہتے ہیں (بہت) اچھی چیز (نازل کی ہے)" .................. (ص ۸۷۱، ۸۷۲، جزء ۵)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل کیا۔ یقیناً قرآن عظیم جس کا ذکر شروع سے چلا آرہا ہے اور اسی کو خیر کہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں۔

**134**۔۔۔ آگے اسی سورہ النحل کی آیت ۶۴ میں پھر "الکتاب" ہی نازل کرنے کا بیان ہے[1]۔

" وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (النحل:۶۴)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے جو یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے تو اس لئے کہ جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس بات کی آپ وضاحت کر دیں (اور ان کا اختلاف دُور کر دیں) اور (یہ کتاب) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور سراسر رحمت ہے" (۶۴) (ص ۹۱۱، جزء ۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنے واضح طور پر صرف "الکتاب" ہی نازل کرنے کا ذکر ہے، اسی کو موجب ہدایت اور سراسر رحمت کہا جارہا ہے۔ اس کے نزول کا مقصد لوگوں کے اختلافات دُور کرنا بتایا جارہا ہے۔ موصوف خود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تفسیر: گذشتہ آیات میں کفار مکہ کی افتراء پردازیوں کا بیان تھا۔ اسی قسم کی افتراء پردازیوں میں اہل کتاب بھی مبتلا تھے۔ ان افتراء پردازیوں کی وجہ سے ہر گروہ عقائد و اعمال میں ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اللہ نے ان کے اختلاف کو دُور کرنے کے لئے قرآن مجید نازل فرمایا۔" (ص ۹۱۱، جزء ۵)

یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اختلاف دُور کرنے کیلئے قرآن مجید نازل فرمایا (نام نہاد) احادیث نازل نہیں فرمائیں! آگے تفسیر کے بعد "عمل" کے زیرِ عنوان موصوف لکھتے ہیں:

عمل: "اے لوگو، قرآن مجید کے نزول کے بعد اپنے اختلاف کو دُور کر دیجئے، جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے۔ اب ہدایت ملے گی تو قرآن مجید سے ملے گی" (ص ۹۱۲، جزء ۵)

غور کیجئے کہ موصوف کیا کہہ گئے! کہ "جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے" یعنی (نام نہاد) احادیث فقہ و فتاویٰ کو مسترد کر دیجئے۔ ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ قرآن مجید کے علاوہ باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے۔ آخر حق موصوف کے منہ یا قلم سے بھی نکل ہی گیا! مگر ذرا ٹھہریئے موصوف اس حق کہنے

---

[1] یہاں میں آیت ۴۴ کو اس لئے نہیں پیش کر رہا کہ یہی وہ آیت ہے جس سے موصوف (نام نہاد) احادیث کا جواز نکالتے ہیں اور (نام نہاد) احادیث نہ ماننے والے کو کافر بتاتے ہیں۔ اس آیت کو اس سلسلہ کے بعد دوسرے عنوان کے تحت تفصیل سے پیش کروں گا۔ انشآء اللہ

کے فوراً بعد ہی پلٹا کھا گئے اور اگلا جملہ "عمل" کے زیر، عنوان لکھا ہے کہ:

"اب ہدایت ملے گی تو قرآن مجید سے ملے گی، اور ان تشریحات میں ملے گی جو قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بیان فرمائی ہیں (لِتُبَيِّنَ لَهُمْ) میں اسی طرف اشارہ ہے" (ص ۹۱۲)

قارئین میرا مقصد بھی موصوف کا یہ تضاد والا کردار ہی اجاگر کرانا ہے۔ کہ ایک سانس میں دو مختلف باتیں کر رہے ہیں کہ: جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے، پھر اسی سانس میں یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ ان تشریحات میں (بھی ہدایت) ملے گی جو قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بیان فرمائی ہیں۔ (جبکہ پیچھے مختلف آیات میں موصوف خود مان چکے کہ قرآن کریم کی آیات بالکل واضح اور صاف ہیں۔ تو کیا پھر رسول سلامٌ علیہ نے واضح اور صاف آیات کی بھی تشریح کی؟) میرا سوال یہ ہے کہ لاؤ وہ تشریحات جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمائی ہیں۔ لاؤ چلو اسی آیت کی رسولی تشریح لاؤ۔ کہاں ہے؟ (موصوف خود اپنی تفسیر میں نہ لا سکے)۔ کیا پیچھے بیان ہونے والے لطیفہ کو آپ تشریح رسول مانتے ہیں؟

**135**۔... آگے اسی سورہ النحل کی آیت ۸۹ میں اللہ تعالیٰ اپنی الکتاب میں سب چیزوں کا بیان بتا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"................. وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

(النحل:۸۹۔ جزء)

ترجمہ:........... اور (اے رسول) ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کر دی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے (اسی بیان کی بنیاد پر آپ ان گواہوں کی تائید کریں گے) اور (اے رسول) یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں مسلمین کے لئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور بشارت ہے" (۸۹) (ص ۹۴۴۔۹۴۵، جزء ۵)

قارئین غور کیجئے کہ اتنے صاف صاف الفاظ میں کیا بتایا گیا ہے:

(۱)۔ "ہم نے آپ پر الکتاب نازل کی ہے"۔ جب کہ الکتاب صرف قرآن مجید ہی کو کہا گیا ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں (نام نہاد) احادیث کی غیر اللہ کی لکھی ہوئی کتابیں شامل نہیں ہو سکتیں۔ ویسے بھی "الکتاب" واحد کا صیغہ ہے تو یہ صرف قرآن مجید ہی ہوا اور موصوف کا اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو شریک کرنے کا عقیدہ باطل ہو گیا۔

(۲)۔ "اس الکتاب میں (جو آپ پر نازل کی ہے) ہر چیز کا بیان ہے"

اس حقیقت کے بعد اس الکتاب کے علاوہ غیر اللہ کے کسی چیز کے بارے میں بیان کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ وہ اللہ کا نازل کردہ نہ ہو گا اسی لئے اس "الکتاب" کے علاوہ ہو گا۔ اس لئے باطل ہو گا۔ اور موصوف کا عقیدہ بھی باطل ہوا۔

قارئین غور کیجئے کہ اس حقیقت کے اظہار کے بعد کہ "اس الکتاب ہی میں ہر چیز کا بیان ہے" کیا کسی اور کتاب کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ اگر آپ میں ایمان کی ذرا سی بھی رمق ہے تو آپ یہی کہیں گے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے بعد کسی (نام نہاد) حدیث کی ضرورت تو ضرورت وجود بھی باقی نہیں رہتا۔ بے شک اللہ کے رسول سلامٌ علیہ

اللہ کی ''الکتاب'' ہی سے سب کچھ بیان فرماتے تھے۔لتبین لھم میں یہی حکم دیا گیا ہے۔اور ان کے زمانہ میں احسن الحدیث کے علاوہ (نام نہاد) احادیث اور بخاری و مسلم کی کتابوں کا کوئی وجود تک نہ تھا۔یہ سب بعد کی غیر اللہ کی پیداوار ہے اس لئے قرآن کے علاوہ کو مسترد کر دینا چاہئے جیسا کہ پچھلی ذکر شدہ آیت میں موصوف نے خود مان لیا ہے۔

(۳)۔''اسی ''الکتاب'' میں مسلمین کے لئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور بشارت ہے'' کسی غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث کی کتاب میں نہیں۔

انہی صفات کی وجہ سے کہ اس ''الکتاب'' ہی میں ہر چیز کا بیان ہے، اس کو قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱/۱۵، ۶۹/۳۶) كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۱/۲۷، ۱۵/۵، ۵۹/۶، ۶۱/۱۰، ۶/۱۱، ۷۵/۲۷، ۳/۳۴،) الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝...(۱/۱۲، ۲/۲۶، ۲/۲۸،... ۲/۴۳، ۲/۴۴) بتایا گیا ہے اور اللہ کی بتائی ہوئی بات غلط یا جھوٹ نہیں ہو سکتی جب کہ موصوف کی بتائی ہوئی بات غلط اور جھوٹ ہو سکتی ہے۔اس لئے اس سے اپنے ایمان کی خیر منایئے۔اور قرآن مجید کے علاوہ تمام ذخائر (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاوٰی وغیرہ کو مسترد کر دیجئے۔

**136**۔... آگے اسی سورہ النحل میں آیت ۱۰۲ میں پھر قرآن کریم ہی کو روح القدس سے نازل کرنے کا اعلان ہو رہا ہے۔ملاحظہ ہو:

''قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ۝۱۰۲ (النحل:۱۰۲)

ترجمہ:(اے رسول آپ) کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو آپ کے رب کی طرف سے روح القدس نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ (یہ قرآن) ایمان والوں کو ثابت (قدم) رکھے، مسلمین کو راہِ راست پر چلائے اور (جنت کی بشارت سنائے)'' (۱۰۲)(ص ۹۷۰، جزء ۵)

غور کیجئے کہ کتنی وضاحت سے یہ اعلان فرمایا گیا کہ صرف اس قرآن ہی کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔نیز اس کا مقصد بھی بتا دیا: تاکہ یہ قرآن (نام نہاد) احادیث نہیں، مسلمین کو ثابت قدم رکھ کر راہِ راست پر چلائے۔یعنی جو قرآن پر نہ چلے بلکہ اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث کو قرآن کریم کے ساتھ شریک کرے وہ راہِ راست پر نہ ہوا۔اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جن لوگوں نے (نام نہاد) احادیث کو قرآن کے ساتھ شریک کیا وہ نہ صرف یہ کہ شرک کے مرتکب ہوئے بلکہ وہ الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے اور ہر ایک فرقہ اپنی اپنی (نام نہاد) احادیث پکڑے بیٹھا ہے اور اسی میں مگن ہے۔

موصوف خود اس آیت کریمہ کی اپنی تفسیر میں یہ حقیقت مان رہے ہیں کہ قرآن مجید میں کسی انسان کے کلام کی آمیزش ہو ہی نہیں سکتی۔ملاحظہ ہو:

تفسیر:(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن مجید) کو آپ کے رب کی طرف سے روح القدس نے حق کے ساتھ نازل کیا ہے۔(اس میں کسی انسان کے کلام کی آمیزش ہو ہی نہیں سکتی، یہ خالص اللہ تعالیٰ کا کلام ہے)''(ص ۹۷۱، جزء ۵)

قارئین غور کیجئے کہ خالص اللہ کے کلام میں (نام نہاد) احادیث جو کہ غیر اللہ کا کلام ہیں کیسے شامل ہو سکتی ہیں! اس لئے ان کو مسترد کر دیجئے۔

**137۔**... آگے اسی سورہ النحل کی آیت ۱۰۴ میں کتنا زبردست اعلان ہوا ہے کہ:

''اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ (النحل:۱۰۴)

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اللہ ان کو سیدھے راستہ پر چلا کر منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا، ان کے لئے تو دردناک عذاب (تیار) ہے''۔(۱۰۴)(ص ۹۷۲،۹۷۳، جزء۵)

غور کیجے کہ یہ عذاب الیم کن لوگوں کے لئے تیار ہے! یہ عذاب الیم ان لوگوں کے لئے تیار ہے جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے۔ (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ اس لئے موصوف کا عقیدہ کہ (نام نہاد) احادیث پر قرآن مجید کے ساتھ ایمان لاؤ باطل ہوا۔ یہ ایک مشرکانہ فعل ہے اور شرک سب سے بڑا ظلم ہے اور اس کی معافی بھی نہیں۔

**138۔**... آگے سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۲ میں حضرت موسیٰؑ کو الکتاب عطا کرنے کا بیان ہے اور اس کا مقصد بھی بتایا ہے:

''وَ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ﴿۲﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کے لئے باعثِ ہدایت بنایا تھا، (اس میں ہم نے انہیں ہدایت دی تھی) کہ میرے علاوہ کسی کو (اپنا) کارساز نہ بنانا'' (۲)(ص ۱۷ـ۱۹، جزء۶) (بنی اسرائیل:۲)

غور کیجئے کہ یہاں کتنے صاف الفاظ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ موسیٰ سلامؑ علیہ کو بھی الکتاب عطا ہوئی تھی اور اسی الکتاب میں بنی اسرائیل کے لئے ہدایت تھی۔ اس الکتاب سے باہر (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں۔ اسی طرح لفظ الکتٰب پھر واحد ہی کا صیغہ ہے جو یہ واضح کر رہا ہے کہ ان کو بھی صرف ایک ہی الکتٰب عطا ہوئی تھی مختلف (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔

**139۔**... آگے اسی سورہ بنی اسرائیل آیت نمبر ۴ میں الکتٰب ہی میں بنی اسرائیل کو بتادیا گیا تھا:

''وَ قَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ﴿۴﴾ (بنی اسرائیل:۴)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے (اپنی) کتاب میں بنی اسرائیل کو واضح طور پر یہ بات بتادی تھی کہ تم ملک میں دو مرتبہ فساد مچاؤ گے اور بہت سرکشی کرو گے''(۴)(ص ۱۷ـ۱۹، جزء۶)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خود یہ حقیقت بتارہا ہے کہ اس نے اپنی الکتٰب ہی میں بنی اسرائیل کو یہ حقیقت بتادی تھی کہ وہ زمین میں دو مرتبہ فساد مچائیں گے۔ یہ بات اس نے (نام نہاد) احادیث میں نہیں بتائی تھی۔ اس لئے ثابت ہوا کہ وہ بات جس پر پکڑ ہو گی وہ سب، وہ الکتٰب ہی میں علی الاعلان واضح طور پر بتادیتا ہے۔ پوشیدہ طور پر وحی خفی میں نہیں بتاتا۔

اور نہ ہی وحی خفی کرتا ہے کہ چپکے چپکے الکتٰب کے علاوہ بھی بتادے جو کہ صرف اہلحدیث ذہنیت کیلئے ہو، مسلمین کیلئے عام اور علی الاعلان نہ ہو۔

**140۔**... آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۹۔۱۰ میں قرآن ہی کو سیدھا راستہ بتانے والا بتایا گیا ہے:

''اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَ يُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝ وَّ اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ (بنی اسرائیل:۹۔۱۰)

ترجمہ: بے شک یہ قرآن وہ رستہ بتاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے اور ان ایمان والوں کو جو نیک عمل کرتے ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کے لئے (آخرت میں بہت بڑا اجر ہے(۹) اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے (انہیں یہ بشارت دیتا ہے کہ) ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے(۱۰)'' (ص ۲۴، جزء۔۶)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کتنے صاف الفاظ میں یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ ''بے شک یہی قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے'' یعنی موصوف کے بہت سے یا تین قرآن سیدھا راستہ نہیں بتاتے!

مزید یہ اعلان ہے بلکہ بشارت بھی دیتا ہے کہ ''جو لوگ نیک عمل کرتے ہیں ان کے لئے آخرت میں بہت بڑا اجر ہے'' (اور یہ نیک اعمال بھی بتاتا ہے جو قرآن ہی میں جگہ جگہ بتائے گئے ہیں اور دہرائے گئے ہیں۔ ان موتیوں کو چُن لیجئے)

مزید ان لوگوں کو بھی بشارت دیتا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے (بلکہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں شرک کرتے ہیں اور اس کی الکتٰب کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں شریک کرتے ہیں) کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

مزید ان لوگوں کو بھی بشار دیتا ہے جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے (بلکہ اللہ کی ذات اور اس کی صفات میں شرک کرتے ہیں اور اس کی الکتٰب کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں شریک کرتے ہیں) کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

الغرض یہ سب باتیں اسی قرآن میں بتائی جارہی ہیں کسی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں۔

جب یہی قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے، سب سے سیدھا ہے تو پھر کسی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے جبکہ وہ تو سیدھے راستہ سے بھٹکا کر فرقہ بندی میں الجھا دیتی ہیں۔ اس لئے قرآن کے علاوہ کو مسترد کردیجئے۔

**141۔**... آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۲ کے آخری حصہ میں پھر وہی حقیقت دہرائی ہے کہ ہم نے ہر چیز کی تفصیل کر دی ہے:

''...... وَ كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل:۱۲)

ترجمہ:......... اور ہم نے تو ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے (تاکہ سمجھنے میں الجھن نہ ہو)'' (۱۲)(ص ۳۰، جزء۶)

غور کیجئے کہ جب ہر چیز اسی قرآن میں علیحدہ علیحدہ بیان ہوگئی تو یہی اس کی تفصیل ہوگئی اور ایسا اس لئے کیا تاکہ سمجھنے

میں الجھن نہ ہو۔ جب سمجھنے میں کوئی الجھن ہی نہیں تو پھر شرح یا تفسیر یا (نام نہاد) احادیث کی ضرورت بھی نہیں رہی۔

**142**۔۔۔ آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیات میں حکمت کی باتیں بتانے کے بعد آیت نمبر ۳۹ میں جتادیا کہ یہ حکمت کی باتیں قرآن ہی میں بتائی گئی ہیں۔

''ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ............(بنی اسرائیل:۳۹)

ترجمہ: (اور اے رسول) یہ باتیں بھی حکمت کی (ان) باتوں میں سے ہیں جو (وقتاً فوقتاً) آپ کی طرف وحی کی جارہی ہیں.......................... (۳۹)'' (ص ۵۴۔۵۶، جزء ۶)

قارئین ذرا قرآن کریم ہاتھ میں اُٹھا کر پڑھئے اور دیکھئے کہ آیت نمبر ۲۳ سے ۳۸ تک جو آیات بیان ہوئی ہیں ان میں مندرجہ ذیل عنوانات پر پُر از حکمت احکام صادر ہوئے ہیں۔ پھر اس آیت میں جتایا گیا کہ یہ وہ حکمت کی باتیں ہیں جو وقتاً فوقتاً آپ کی طرف وحی کی جارہی ہیں۔ یہ اس لئے کہا گیا کہ یہ حکمتیں اور احکام، قرآن کریم میں کئی مقامات پر دہرائے گئے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ہر چیز علیحدہ علیحدہ بیان کر دی گئی ہے۔ اسی کو تصریف الآیات کہا جاتا ہے۔

وہ حکمتیں یا احکامات ان عنوانات پر ہیں: (۱)۔ توحید (۲)۔ ماں باپ کے ساتھ حُسن سلوک (۳)۔ اقرباء، مساکین اور مسافروں کے حقوق (۴)۔ مفلسی کے اندیشہ سے اولاد کو قتل نہ کرنا (۵)۔ زنا کے قریب نہ جانا۔ (۶)۔ کسی نفس کو ناحق قتل نہ کرے۔ (۷) یتیم کے مال کے نزدیک نہ جائے۔ (۸)۔ عہد وپیمان کو پورا کرے۔ (۹)۔ ناپ تول کو پورا کرے (۱۰)۔ جس چیز کا علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ پڑے یونکہ کان، آنکھ اور قلب (عقل) سے سوال ہو گا (۱۱) کسی طرح حتیٰ کہ چال کا تکبر یا اکڑ بھی نہ کرے۔

قارئین غور کیجئے یہ تمام احکام و حکمتیں اسی قرآن کریم میں وحی کی گئی ہیں۔ کسی بھی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں۔ پوشیدہ وحی کوئی چیز نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو یہاں علی الاعلان چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی حکمت بتارہا ہے۔ اسی قرآن کریم میں۔ اس لئے دوسری چیزیں مسترد کر دیجئے۔

**143**۔۔۔ آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۴۱ میں پھر اسی قرآن میں سمجھانے کی بات ہو رہی ہے:

''وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۭ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ؀ (بنی اسرائیل:۴۱)

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے اس قرآن میں (توحید کے مسئلہ کو[1]) طرح طرح سے سمجھایا ہے تاکہ یہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں مگر ان کی نفرت بڑھتی ہی چلی گئی'' (۴۱) (ص ۹۵۔۹۶، جزء ۶)

غور کیجئے یہاں یہ حقیقت پھر واضح کر دی گئی کہ طرح طرح سے اسی قرآن میں سمجھایا تاکہ نصیحت پکڑیں۔ (دوسری غیر اللہ کی کتابوں میں نہیں سمجھایا) مگر (ہٹ دھرمی کی وجہ سے) ان کی نفرت بڑھتی ہی چلی گئی (اور وہ شرک ہی پر اڑے رہے حتیٰ کہ انہوں نے اللہ کی کتُب کے مقابلہ پر غیر اللہ کی کتابیں بناڈالیں اور ضد کرتے ہیں کہ وہ بھی اللہ

[1]۔ (توحید کے مسئلہ کو) یہ الفاظ موصوف کی طرف سے غلط ترجمانی کے مترادف ہیں یونکہ قرآن نے صرف توحید کے مسئلہ کو ہی طرح طرح سے نہیں سمجھایا بلکہ دیگر مسائل کو بھی طرح طرح سے علیحدہ علیحدہ بیان کر کے سمجھایا ہے۔ جیسا کہ اوپر کی آیت ہی میں گزرا۔ ان احکام کا ذکر کئی مرتبہ مختلف مقامات پر کیا گیا ہے (مثلاً ۱۵۲۔۱۵۳ /۶، ۳۳ /۷ وغیرہ)

ہی کی طرف سے ہیں۔ معاذ اللہ)

**144**۔... آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۴۵،۴۶ میں رسول سلامٌ علیہ کے صرف قرآن ہی پڑھنے کا بیان ہوا ہے۔

''وَ اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَ بَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا ۝۴۵ وَّ جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَ فِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ۝۴۶ (بنی اسرائیل:۴۵۔۴۶)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب آپ قرآن پڑھتے ہیں تو ہم آپ کے اور ان لوگوں کے درمیان جو ایمان نہیں لاتے (ان کی ہٹ دھرمیوں کے نتیجہ میں) ایک پوشیدہ پردہ حائل کر دیتے ہیں (۴۵) ان کے دلوں پر پردے اور ان کے کانوں میں بوجھ ڈال دیتے ہیں اور (اے رسول) جب آپ قرآن میں اپنے یکتا (ولا شریک) رب کا ذکر کرتے ہیں تو وہ نفرت کے ساتھ پیٹھ پھیر کر چل دیتے ہیں'' (۴۶) (ص ۱۰۰،۹۹، جزء۔۶)

غور کیجئے کہ ان آیات میں صاف صاف صرف قرآن ہی پڑھنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ جب قرآن پڑھتے تھے۔ یہ نہیں کہا جا رہا کہ جب وہ بخاری و مسلم کی کتابیں پڑھتے تھے۔ یہ کتابیں تو کئی صدیوں کے بعد کی پیداوار ہیں۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں تو صرف ایک کتاب قرآن کریم ہی تھا۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو لاؤ بتاؤ کس آیت میں قرآن کے علاوہ کسی (نام نہاد) حدیث کی کتاب کا ذکر ہے؟

**145**۔ آگے اسی سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۷۳ میں پھر وہی وحی الٰہی کی بات ہو رہی ہے:

''وَ اِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖۗ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ۝۷۳ (بنی اسرائیل:۷۳)

ترجمہ: اور (اے رسول) یہ (کافر) تو (اس کوشش میں) لگے ہوئے ہیں کہ جو وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے آپ کو بھٹکا دیں تاکہ آپ اس (وحی کے ذریعے نازل شدہ بات) کے علاوہ کوئی اور بات اپنی طرف سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیں اور (جب آپ ایسا کر دیں تو) اس صورت میں یہ آپ کو (اپنا) دوست بنا لیں (لیکن ایسا ہو نہیں سکتا اس لئے کہ آپ کو تو ثابت قدم ہم رکھے ہوئے ہیں)'' (۷۳) (ص ۱۵۰۔۱۵۱، جزء۔۶)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کیا بتا رہا ہے کہ کفار تو اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو اللہ کی وحی یعنی قرآن کریم سے بھٹکا دیں تاکہ آپ قرآن میں وحی شدہ / نازل شدہ احسن الحدیث کے علاوہ اپنی طرف سے حدیثیں بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیں۔ مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا یونکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو قرآنی وحی پر اللہ تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا ہوا تھا اور ہو اپنی طرف سے کوئی حدیثیں نہیں بیان کرتے تھے یا پڑھتے تھے بلکہ وہ تو قرآن کریم ہی میں سے احسن الحدیث پڑھ پڑھ کر بیان کرتے تھے .................. یہ تو رسول سلامٌ علیہ کے بہت عرصہ بعد ہوا کہ ان لوگوں کی آل اولاد نے حدیثیں بنا کر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر دیں۔ اب کوئی فرق نہیں پڑتا تھا یونکہ

اللہ کی وحی جو نازل کی گئی تھی وہ محفوظ شدہ موجود تھی۔ اب تو صرف عقل سے بے بہرہ لوگ ہی اس وحی کے علاوہ کچھ ماننے کو تیار ہوتے ہوں گے اور آج بھی وحی کی موجودگی میں عقل کے اندھے ہی اس غیر وحی کو مانتے ہیں اور ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔

**146**۔۔۔ آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۲ میں پھر قرآن ہی میں نازل کرنے کا بیان ہے:

''وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا ﴿۸۲﴾

ترجمہ: اور ہم قرآن میں ایسی ایسی باتیں نازل فرمارہے ہیں جو ایمان والوں کے لئے شفاء اور (باعث) رحمت ہیں، اور (رہے وہ لوگ) جو ظالم ہیں تو ان باتوں سے ان کے تو نقصان ہی میں اضافہ ہوتا ہے (۸۲)''

(ص ۱۶۲، ۱۶۳، جزء ۶) (بنی اسرائیل: ۸۲)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی، وہ باتیں جو ایمان والوں کیلئے باعثِ شفاء ورحمت ہیں، قرآن کریم ہی میں نازل فرمائے جانے کا اعلانِ عام ہو رہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث میں نازل کرنے کا اعلان نہیں ہو رہا۔ کیا اب بھی آپ کو کوئی شک ہے؟ اگر ہے تو لائیے ایسی ہی آیت جس میں (نام نہاد) احادیث میں بھی ایسی باتیں نازل کرنے کا اعلان ہو۔

**147**۔۔۔ آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۸۶، ۸۷ میں پھر وحی شدہ کتاب کی بات ہو رہی ہے:۔

''وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ﴿۸۷﴾ (بنی اسرائیل: ۸۶۔۸۷)

ترجمہ: اور (اے رسول) اگر ہم چاہیں تو جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے اسے اُٹھالے جائیں (اگر ہم ایسا کریں) تو پھر آپ کو اس (کی بازیابی) کے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی کارساز نہیں ملے گا (۸۶) مگر یہ آپ کے رب کی رحمت (ہی) ہے (کہ وہ اس کتاب کو آپ کے دل میں محفوظ کئے ہوئے ہے) بیشک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے (۸۷)'' (ص ۱۸۰، جزء ۶)

غور کیجئے کہ یہ آیات کریمہ بھی صرف ایک ہی کتاب جو وحی کی گئی کی بات کر رہی ہیں اور خود موصوف قوسین لگا کر اس کو دل میں محفوظ بتا رہے ہیں۔ تو رسول اللہ سلامٌ علیہ اور دیگر حُفّاظ کے دلوں میں تو صرف قرآن مبین ہی محفوظ ہوتا ہے صحیح بخاری و مسلم نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ صرف ایک کتاب ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی کی گئی تھی جیسا کہ خود موصوف کے ترجمہ سے واضح ہے۔ ورنہ موصوف واحد کا صیغہ نہ استعمال کرتے! (جبکہ لفظ کتُب تو آیت میں استعمال ہی نہیں ہوا ہے) اور دیگر کتابیں جو غیر اللہ کی ہیں وہ وحی شدہ نہیں ہیں اس لئے وہ ایمان لانے کے قابل نہیں۔

موصوف کے لئے اب اس آیت کے اپنے ترجمہ (جس میں حق ان کے قلم سے نکل گیا ہے) کے بعد اچھا موقعہ ہے کہ وہ غلط اور مشرکانہ عقیدہ سے توبہ کر کے اللہ کی کتُب، اُمُّ الْكِتٰب کی طرف رجوع کر کے سرخرو ہو جائیں۔ ورنہ دوسروں کو غلط عقیدہ پر لگانے کی ذمہ داری بھی سنبھالنا پڑے گی (جن کو گمراہ کیا ہو گا ان کا بوجھ بھی اُٹھانا پڑے گا دیکھ لیجئے (۲۵/ ۱۶، ۱۳/ ۲۹)

**148**۔... آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۸۸ میں اللہ تعالیٰ چیلنج کر رہا ہے کہ قرآن جیسی کتاب بنا سکتے ہو تو لاؤ:

''قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾ (بنی اسرائیل: ۸۸)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن جیسی کوئی کتاب لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ اس جیسی کتاب نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ (اس کام میں) ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں''(۸۸) (ص ۱۸۴، جزء ۶)

قارئین غور کیجئے کہ کتنا زبردست چیلنج کیا گیا ہے اور یہ چیلنج ھٰذَا الْقُرْاٰنِ کہہ کر کیا گیا ہے کہ اس القرآن جیسی اگر کوئی کتاب لا سکتے ہو (یا بنا سکتے ہو) تو جن و انس مل کر کوشش کر دیکھیں۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی اس چیلنج کا جواب و نتیجہ یا فیصلہ بھی سنا دیا کہ دونوں مل کر بھی اس ''القرآن'' جیسی کتاب نہ لا سکیں گے، نہ بنا سکیں گے۔

قارئین غور طلب بات یہ ہے کہ نام لے کر قرآن کریم کے لئے یہ چیلنج کیا جا رہا ہے یونکہ وہ وحی ہے اور نازل کیا گیا ہے، کتٰب اللہ ہے۔ اگر (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں یا نازل شدہ ہیں یا کتٰب اللہ ہیں تو پھر ان کے لئے بھی یہ چیلنج کیوں نہیں کیا گیا؟

پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث نہ تو وحیِ الٰہی ہیں، نہ ہی نازل شدہ ہیں اور نہ ہی کتٰب اللہ ہیں۔ وہ تو غیر اللہ کا کلام ہیں اور ظنّی ہیں اور غیر یقینی کہانیاں ہیں۔ جن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ آج کے دَور میں بھی یعنی ۱۴۰۰ سال گزرنے کے بعد بھی علامہ ناصر الدین البانی دمشق میں بیٹھے ان کو پرکھ رہے ہیں اور صحیح و موضوعات و ضعیف روایات کو الگ الگ کتابوں میں جمع کر رہے ہیں۔

قارئین کرام اب اس چیلنج الٰہی کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمالیجئے۔ کہ جب یہ اور اس قسم کی دوسری آیات (جن میں سورۃ یا آیت بنانے کا چیلنج ہے) نازل ہوئیں تو کسی مشرک، یا کافر، یا اہل کتاب میں سے کسی کو کم از کم دو سو سال تک یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس چیلنج الٰہی کو نعوذ باللہ باطل قرار دینے کیلئے کوشش بھی کرے۔ مگر پھر شاید تیسری یا چوتھی صدی میں کسی نے یہ کوشش کر کے تیس پاروں کی ''صحیح بخاری'' نام سے ایک کتاب متعارف کرائی اور اس کے لکھنے والے کا نام محمد اسمٰعیل بخاری بتایا اور اس کے بارے میں مختلف افسانوی کہانیاں مشہور کر کے اس کو اللہ کا مخصوص بندہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی، جب مسلمین نے اس کتاب کو دیکھا تو وہ قرآن جیسی نہ تھی تو انہوں نے اس کو مسترد کر دیا۔ مگر کاوش کرنے والوں نے اس کے متعدد اور مختلف نسخے کرا کر مختلف لوگوں کو امام بنا بنا کر ان کی طرف منسوب کر کے اپنی کاوشوں کو جاری رکھا۔ حتیٰ کہ جھوٹ سر چڑھ کے بولا۔.......... پھر ان ادوار کے علما کرام نے اس کتاب کے مختلف نسخے ہونے کے باوجود کسی ایک کو پکڑ لیا اور کتٰب اللہ کے بعد اس کو سب سے صحیح کتاب قرار دیدیا۔ پھر جوں جوں وقت گزرا اس کو وحی غیر متلو اور وحی خفی قرار دیدیا گیا لیکن پھر بھی کسی عالم فاضل کو اس کتاب کو کتٰب اللہ اور قرآن کے برابر قرار دینے کی ہمت نہ ہو سکی (ہاں البتہ دوسری، تیسری یا چوتھی صدی میں ''مِثْلَهٗ وَمَعَهٗ'' والی روایت گھڑ لی گئی تھی!) یہ سعادت صرف جناب مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) ہی کو نصیب ہوئی کہ انہوں نے چودھویں صدی ہجری کے اختتام پر جب لوگ مہدی کے آنے کے منتظر تھے، صحیح بخاری کو بلکہ اس کے ساتھ دوسری کاوش، صحیح

مسلم کو بھی صحت کے اعتبار سے قرآن کریم کے برابر قرار دیدیا۔ اور پھر ان کتابوں و دیگر کتابوں کی (نام نہاد) احادیث کو بھی کتُب اللہ قرار دے کر ایک پمفلٹ بھی شائع کر دیا اور تمام مسلمین سے (نام نہاد) احادیث پر بھی قرآن کے ساتھ ساتھ ایمان لانے کا حکم دیا۔ جس کسی نے ان پر ایمان لانے سے انکار کیا اس کو منکرِ حدیث اور کافر قرار دے کر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) سے خارج کر دیا تاکہ وہ سیدھا جہنم میں جاسکے! معلوم ہوا ہے کہ ان کے ساتھ ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن، اعزازی مشیر قانون، ادارہ تحقیقات اسلامی، پاکستان نے امام شافعی کی طرف منسوب "کتاب الرسالہ" کے پیش لفظ میں اسی کو تھوڑا سا اونکیلی ہیچ پیچ کے ساتھ، قرآن کے برابر درجہ قرار دیدیا ہوا ہے[1]

قارئین اب ذرا پھر آیت کریمہ کی طرف لوٹ آیئے اور یہ غور کیجئے کہ آیت کریمہ ہم کو کیا سبق دینا چاہتی ہے؟ ہم سے کس عمل کی خواہاں ہے؟

میرے خیال میں تو اس آیت کریمہ سے ہمیں جو سبق انتہائی صاف صاف ملتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم کو جو کوئی اللہ یا رسول کا نام لے کر کچھ بتائے، سنائے یا پڑھائے اس کو ہم یہ دیکھ لیں کہ وہ "هٰذَا الْقُرْاٰنِ" یعنی قرآن جیسا ہے یا نہیں۔ اور ظاہر ہے قرآن جیسا صرف قرآن ہی ہو سکتا ہے غیر قرآن یا غیر اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔ اس لئے (بقول موصوف ہی کے) "قرآن کے علاوہ کو مسترد کر دینا چاہئے"۔

**149**۔ ... آگے اسی سورۃ بنی اسرائیل کی اگلی ہی آیت ۸۹ میں پھر قرآن ہی کی تفصیل کی بات ہو رہی ہے۔

"وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۫ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال کو لوگوں (کے سمجھانے) کے لئے طرح طرح سے بیان کر دیا ہے۔ لیکن اکثر لوگوں نے انکار کر دیا تو بس انکار کر ہی دیا (۸۹)" (ص ۱۸۲، ۱۸۴، جزء ۶)

غور کیجئے کہ یہاں اس آیت کریمہ میں پھر وہی بات دہرائی جارہی ہے کہ لوگوں کے لئے قرآن آسان بنایا، تاکہ وہ اسے سمجھ سکیں، اور کسی شرح کی ضرورت نہ پڑے' اسی قرآن میں طرح طرح سے مثالیں تک دے کر بیان کر دیا ہے۔ مگر پھر بھی اکثر لوگوں نے اسے سمجھنے سے انکار کر دیا (اور ہٹ دھرمی سے یہی کہتے ہیں کہ بغیر شرح کے، بغیر (نام نہاد) احادیث کے، بغیر (نام نہاد) رسولی تفسیر کے قرآن کیسے سمجھ میں آسکتا ہے)۔ تو جن لوگوں نے انکار کر دیا وہ ہی كُفُوْرًا ہیں۔

**150**۔... آگے اسی سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۱۰۵۔۱۰۹ میں بار بار قرآن ہی کا ذکر ہے:

"وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا ﴿۱۰۵﴾ وَ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّ نَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّ یَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْكُوْنَ وَ یَزِیْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۵۔۱۰۹)

---

[1] "کتاب الرسالہ" یعنی اصول وفقہ وحدیث۔ از امام محمد بن ادریس شافعی، ترجمہ مفتی امجد العلی صاحب، یکے از اشاعت ادارہ تحقیقات اسلامی۔ سرپرستی حکومتِ پاکستان۔ ناشر محمد سعید اینڈ سنز کراچی ۱۹۶۸ء ص ۷

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے اس (**قرآن**) کو حق کے ساتھ **نازل** کیا ہے اور وہ حق کے ساتھ ہی نازل ہوا ہے (اگر اب بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں تو آپ ان پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجے گئے) ہم نے تو آپ کو بس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (۱۰۵) اور (اے رسول) ہم نے **قرآن** کو اجزاء (میں نازل) کیا ہے تاکہ آپ اسے وقتاً فوقتاً لوگوں کو سناتے رہیں اور ہم نے اس کو (اسی مصلحت سے) اتارا بھی رفتہ رفتہ ہی ہے (۱۰۶) (آپ) کہہ دیجئے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ، اس سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا (وہ تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور) جب یہ قرآن پڑھ کر ان کو سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں (۱۰) اور کہتے ہیں ہمارا رب پاک ہے، بے شک ہمارے رب کا وعدہ پورا ہو گیا (وعدہ کے مطابق قرآن آ گیا) (۱۰۸) اور (یہ کہہ کر) وہ (پھر) روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل (سجدے میں) گر پڑتے ہیں اور (اس قرآن کے ذریعہ) ان کی عاجزی وانکساری اور بڑھتی چلی جاتی ہے (۱۰۹) " (ص ۲۰۵۔۲۰۶۔ جزء ۶)

غور کیجئے کہ ان پانچ آیات میں عربی میں صرف ایک مرتبہ لفظ "قُرْاٰنًا" استعمال ہوا ہے مگر موصوف نے خود ترجمہ میں پانچ مرتبہ لفظ قرآن استعمال کیا ہے۔ اس سے زیادہ قرآن ہی کے ہونے کی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ ایک **اہلحدیث** بار بار **قرآن** ہی کو حق کے ساتھ نازل شدہ مان رہا ہے۔ اور اسی کی صفت یہ بتا رہا ہے کہ اس قرآن سے پہلے جن لوگوں کو علم دیا گیا تھا وہ تو قرآن کو سُن کر (نام نہاد احادیث کو نہیں) سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اللہ کی حمد و ثنا و شکر کرتے ہیں اور اسی قرآن کے ذریعہ ان کا عجز و انکسار اور بڑھتا رہتا ہے۔ (مگر آج جب کسی اہلحدیث یا اہل فقہ کو قرآن سناؤ تو وہ پہلے والے اہل علم کے بالکل برعکس ناراض ہو جاتا ہے، اس کے رویّہ میں مزید سختی آ جاتی ہے، اور وہ تکبّرانہ و تمسخرانہ انداز میں قرآنی آیات کی تاویل کرتا ہے، اس کے مقابلہ میں نام نہاد احادیث پیش کرتا ہے یا اپنے خود ساختہ فقہی اماموں کے قیاسات پیش کرتا ہے اور سجدہ کرنا تو بڑی بات ہے اس کو حقارت سے رَد کر دیتا ہے یا منسوخ قرار دے دیتا ہے.............. )

مزید غور کیجئے کہ ان آیات میں صرف قرآن ہی پر ایمان لانے کو کہا جا رہا ہے اور (نام نہاد) احادیث کا کہیں نام و نشان بھی نہیں۔ خود موصوف ان آیات کی اپنی تفسیر میں بھی کوئی (نام نہاد) رسولی تفسیر یا (نام نہاد) احادیث نہ پیش کر سکے بلکہ تفسیر کے آخر میں "عمل" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

عمل: "اے لوگو، قرآن مجید حق کے ساتھ نازل ہوا ہے، رسول اللہ ﷺ حق کے ساتھ بشیر و نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں لہٰذا قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایئے اور دین و دنیا میں کامرانی حاصل کیجئے"۔ (ص ۲۱۰، جزء ۶)

یہاں خود موصوف (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا نہیں کہہ سکے!

**151۔**... آگے سورہ الکہف کی شروع آیات ۱۔۲ میں صرف الکتٰب ہی نازل کرنے کا اعلان فرمایا گیا:

'' اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۝ (الکہف: ۱۔۲)

ترجمہ: سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں (کسی طرح

کی) کجی نہیں رکھی (۱) وہ ایک سیدھی (اور صاف راہ بتانے والی) کتاب ہے تا کہ اللہ (نافرمانوں کو) اپنے عذاب شدید سے ڈرائے اور ان مؤمنین کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (بہت) اچھا اجر (وثواب) ہے (۲)" (ص۲۱۸۔۲۱۹، جزء۶)

غور کیجئے کہ کتنے واضح طور پر اللہ تعالیٰ یہ حقیقت بتارہا ہے کہ اس نے اپنے بندے یعنی محمد سلامؑ علیہ پر صرف "الْکِتٰب" نازل فرمائی جو کہ ایک سیدھی اور صاف راہ بتانے والی کتاب ہے جس میں کسی طرح کی کجی یا ہیر پھیر نہیں۔ یہاں "الکتٰب" واحد کا صیغہ ہے جو کہ قرآن کریم ہی کو کہا جاتا ہے۔ اَلْکُتُب نہیں کہا ورنہ پھر بہت سی کتابیں ہو جاتیں۔ اس لئے (نام نہاد) پوشیدہ وحی کی کتابیں تو خود بخود خارج از بحث ہو گئیں وہ کوئی چیز نہیں۔

نیز اس نازل شدہ "الکتٰب" کی خصوصیت یہ بتائی گئی کہ اس میں کسی طرح کی کجی نہیں رکھی۔ اگر کسی طرح کی کجی یا پیچیدگی ہوتی تو پھر اس کی شرح کی ضرورت پڑتی اور پھر اس شرح کی شرح ہوتی جس طرح بقول موصوف کے قرآن کی شرح (نام نہاد) حدیث ہے اور (نام نہاد) حدیث کی شرح اہلحدیثوں کے اماموں نے کی۔ جو اہلحدیثوں کے لئے حرفِ آخر کا درجہ واہمیت رکھتی ہے خواہ وہ شرح ہزار سال بعد کی گئی ہو!

موصوف ان آیات کی تفسیر کے آخر میں 'عمل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

عمل: "اے لوگو، اللہ تعالیٰ پر، قرآن مجید پر 'رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایئے اور نیک عمل کیجئے" (ص۲۲۲، جزء۶)

یہاں موصوف خود اپنا عقیدہ نہ ٹھونس سکے کہ (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لایئے۔ یونکہ حقیقت میں تو صرف اللہ کی الکتٰب پر ایمان لانا ہے غیر اللہ کی نام نہاد بخاری و مسلم وغیرہ پر نہیں۔ موصوف نے خود پہلے لکھا ہے کہ قرآن کے علاوہ جو چیزیں ہیں انہیں مسترد کر دیجئے۔

**152۔**... آگے اسی سورہ الکہف کی آیت ۶ میں اسی الکتٰب کو اللہ تعالیٰ هٰذَا الْحَدِیْث بتارہا ہے:

"فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ۝ (الکہف:۶)

ترجمہ: (اے رسول) اگر یہ لوگ اس کلام پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کے پیچھے رنج کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے (اے رسول، آپ کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں)(۶)" (ص۲۲۳، جزء۶)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہاں اتنے واضح الفاظ میں بتارہا ہے کہ "اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ" اگر یہ لوگ اس حدیث (هٰذَا الْحَدِيْثِ) پر ایمان نہیں لاتے' یعنی کس حدیث پر، اس حدیث پر جس کو پہلی آیت میں "الکتٰب" کہا اور اس کو نازل شدہ بتایا۔ (اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ)

کہئے آپ کو اب بھی کوئی شک ہے کہ قرآن کریم ہی "الحدیث" ہے جبکہ موصوف نے یہاں کمال ہوشیاری سے (هٰذَا الْحَدِيْثِ) کا ترجمہ "اس کلام" کر دیا یونکہ اگر وہ اس کا لفظی ترجمہ اس حدیث کر دیتے تو ان کے اپنے بنائے ہوئے عقیدہ کا بیڑا غرق ہو جاتا اور خود ان کے اپنے متبعین بھی بدک جاتے جو ان کے ترجمہ و تفسیر کو حرفِ آخر سمجھتے ہیں!

یہ آیت کریمہ پھر اس حقیقت کی تصدیق کر رہی ہے کہ احسن الحدیث یعنی صرف کتٰب اللہ یعنی قرآن مجید پر

ایمان لانا ہے اور غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث پر ایمان نہیں لانا بلکہ ان کو بقول موصوف کے مسترد کر دینا ہے۔

**153**۔... آگے اسی سورہ الکہف کی آیت ۲۷ میں اللہ تعالیٰ صرف قرآن مجید ہی پڑھنے کا حکم دے رہا ہے جس کے کلمات کو کوئی بدل نہیں سکتا۔ (جبکہ نام نہاد احادیث کے کلمات گھڑ گھڑ کے بنائے جاتے رہے):

''وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ (الکہف:۲۷)

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ کے رب کی کتاب جو بذریعہ وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کیجئے، اللہ کی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں اور نہ آپ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کہیں پناہ کی جگہ پائیں گے (۲۷)'' (ص۴۶ ۲، جزء۶)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی صرف آپ کے رب کی کتاب جو نازل کی گئی یعنی قرآن مجید ہی کو پڑھ کر پیروی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کو پڑھنے اور پیروی کرنے کا نہیں۔ (وَاتْلُ کے معنی صرف پیروی کرنا نہیں بلکہ پڑھ کر پیروی کرنا ہے، اسی لئے خود موصوف و دیگر علما اس کو وحی متلو یعنی پڑھ کر پیروی کرنے والی وحی مانتے ہیں۔ مگر یہاں موصوف پڑھنے کے لفظ کو بڑی خوش اسلوبی سے حذف کر گئے؟)

نیز یہاں دوسری خاص حقیقت یہ بیان ہوئی کہ اللہ کے کلمات یعنی اس کی آیات، اس کی باتوں، اس کی شریعت کو کوئی بدلنے والا نہیں۔ جس کے معنیٰ صاف یہ ہوئے کہ قرآن کریم میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، جو احکامات دیئے گئے ہیں، جو راستہ بتایا گیا ہے اسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث تو ہر موقعہ محل کے لحاظ سے، مختلف مواقع پر، مختلف العقائد لوگ گھڑتے رہے، بدلتے رہے۔ جس کا نتیجہ ہے کہ آج ہر فرقہ کے پاس اپنی اپنی (نام نہاد) احادیث اور ان کی کتابیں ہیں اور وہ انہی میں فرحت محسوس کرتے ہیں۔

اس حقیقت نے پھر موصوف کا اور دیگر اہلحدیث و اہل فقہ کا عقیدہ باطل کر دیا۔ ورنہ اگر (نام نہاد) احادیث بھی منجانب اللہ نازل ہوئی ہوتیں یا وحی کی گئی ہوتیں تو اللہ کی وحی کو کوئی نہیں بدل سکتا تھا نہ گھڑ سکتا تھا جس طرح کہ آج تک نہ تو کوئی آیت گھڑ سکا نہ بدل سکا۔[1]

اس حقیقت کے معلوم ہونے کے بعد صرف قرآن کریم کی پیروی کیجئے اور دوسری تمام چیزوں کو مسترد کر دیجئے۔

**154**۔... آگے اسی سورہ الکہف کی آیت ۲۹ میں اللہ تعالیٰ نے واضح اعلان فرمایا کہ حق یعنی قرآن مجید رب کے پاس سے آنے کے بعد جو چاہے اس پر ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے:

---

[1] اہل فقہ کے سلطان الہند، شیخ محمود الحسن صاحب نے اپنی کتاب ''اِیضَاحُ الْاَدِلَّہ'' میں، سورہ نساء کے حوالہ سے ایک آیت غلط لکھی ہے، غالباً وہ ان کی یادداشت کا قصور ہے کہ وہ الفاظ آگے پیچھے کر گئے اور اسی طرح استدلال کیا۔ بہر حال انہوں نے دانستہ یا نادانستہ یہ غلطی کی تو وہ فوراً پکڑ لی گئی۔ اسی طرح اگر دشمنان، قرآن نے جب کبھی بھی کوئی تحریف کرنے کی کوشش کی وہ جب ہی پکڑ لی گئی۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث کی یہ پوزیشن نہیں بلکہ ان پر آج تک کام ہو رہا ہے کہ کون صحیح ہے اور کون ضعیف یا موضوع۔

''وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۫ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۙ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا ۙ اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِی الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۲۹﴾ (الکہف:۲۹)

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ حق تمہارے رب کی طرف سے آ چکا ہے، تو جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے، ہم نے ظالموں کے لئے آگ تیار کر رکھی ہے جس کی قناتیں ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوں گی اور اگر وہ (پانی کے لئے) فریاد کریں گے تو ان کو (ایسا گرم) پانی دیا جائے گا جیسے پگھلا ہوا تانبا، وہ ان کے چہروں کو بھون ڈالے گا، (ان کے) پینے کی چیز بھی بُری ہو گی اور آرام کرنے کی جگہ بھی بُری ہو گی (۲۹)'' (ص۲۴۹،۲۵۰، جزء۶)

غور کیجئے کہ یہ آیت انتہائی اہم ہے اس لحاظ سے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے حق قبول یا رَدّ کرنے کے بارے میں انسان کو کُلی اختیار عطا فرما دیا ہے کہ چاہے تو وہ حق یعنی اللہ کی الکُتب جو اس نے نازل فرمائی ہے کو قبول کر کے اس پر ایمان لے آئے اور چاہے تو اس کو رَدّ کر دے، اس کا انکار کر کے کفر کرے۔ گویا کہ اس آیت یا حدیث قدسی میں تین انتہائی اہم حقیقتیں واضح کی گئی ہیں۔

(۱)۔ تمہارے رب کی طرف سے حق آ چکا ہے یعنی اللہ کی روشن کتُبِ ہدایت آ چکی ہے جو کہ قرآن کریم ہی ہے (نام نہاد) احادیث و فقہ و تفاسیر و فتاویٰ نہیں۔ (جیسا کہ پچھلی ذکر کردہ تقریباً ڈیڑھ سو آیات سے ثابت ہو چکا ہے)

(۲)۔ اس نازل شدہ کتُبِ ہدایت، جو کہ حق ہے ہی پر ایمان لانا ہے۔ اس کے علاوہ غیر اللہ کی کتابوں پر نہیں۔

(۳)۔ انسان کو اختیار کُلی ہے کہ چاہے تو وہ کتُب ہدایت پر ایمان لا کر مسلم و مومن بن کر فلاح دارین حاصل کر لے، اور چاہے تو کتُب ہدایت کا منکر بن کر کافر و ظالم بن جائے۔

غور کیجئے کہ اس حدیث قدسی نے لوگوں کے اور مُلاؤں کے اس عقیدے کو بھی باطل قرار دے دیا کہ ''اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت دے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے''۔ یہ عقیدہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر جھوٹ و افتراء ہے۔ یونکہ وہ ظالم نہیں کہ خود ہی گمراہ کر دے اور پھر یوم حشر پوچھے کہ تو گمراہ کیوں ہوا تھا؟ وہ تو عادل ہے، اور اصل میں وہی عادل ہے۔ (کوئی انسان نہیں) کہ اس نے کوئی جبر نہیں کیا ہے، بلکہ کھلی چھٹی دی ہے، پورا اختیار دیا ہے کہ چاہے تو حق قبول کرو چاہے تو گمراہ ہو جاؤ۔ جب ہی تو وہ یوم حشر پوچھے گا، حساب کتاب لے گا کہ اب بتاؤ اختیار ہونے کے باوجود اور صحیح راستہ حق و ناحق بتائے جانے کے بعد تو کیونکر گمراہ ہوا تھا؟ اور پھر گمراہ ہونے والوں کو، اللہ کی طرف سے نازل کردہ حق کے ساتھ غیر اللہ کی روایات شریک کرنے والوں کو اور اس کے حق کا انکار کرنے والوں کو جہنم میں ڈال دے گا تاکہ وہ اپنے اختیار سے بجائے حق کے ناحق یا گمراہی پر چلنے کی سزا بھگتیں۔ (حق کیلئے انسان کے اختیار کے بارے میں مزید آیات دیکھئے: ۲/۲۵۶، ۱۸/۵۵، ۳/۷۶، ۱۰/۹۰، ۸/۹۱)

**155**۔۔۔ آگے اسی سورہ الکہف کی آیت ۵۴ میں پھر قرآن ہی میں مثالیں بیان کر کے سمجھانے کا اعلان کیا گیا اور یہ

کہ انسان پھر بھی نہیں سمجھتا بلکہ جھگڑتا ہے:

''وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

(الکھف:۵۴)

ترجمہ: اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کو (سمجھانے کے لئے) ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں' لیکن انسان تمام مخلوقات سے زیادہ جھگڑالو واقع ہوا ہے (ہر مثال میں کوئی نہ کوئی جھگڑے کی بات نکال لیتا ہے)

(۵۴) '' (ص ۲۸۴،۲۸۶، جزء ۶)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اعلان فرمارہا ہے کہ ہم نے اسی قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کے لئے طرح طرح کی، پھیر پھیر کر، ہر قسم کی مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ نہیں فرمارہا کہ سمجھانے کیلئے (نام نہاد) احادیث میں تشریح کر دی ہے وہاں پڑھ لو اور سمجھ لو۔ نہیں۔ بلکہ یہاں تو آیت کریمہ میں '' هٰذَا الْقُرْاٰنِ '' کہہ کر بالکل واضح کر دیا کہ غیر اللہ کے بنائے ہوئے مثل قرآن یا مثلہٗ و معہٗ میں کچھ بھی تشریح نہیں کی۔ جو کچھ تشریح ہے وہ اسی قرآن میں ہے آگے اللہ تعالیٰ یہ بتارہا ہے کہ اسی قرآن میں سب کچھ بمع تشریح بیان کر دینے کے باوجود انسان جھگڑتا ہے کہ وہ قرآن میں قیل و قال کرتا ہے اور غیر اللہ کی گھڑی ہوئی روایات کو قرآن کے ساتھ شریک کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اللہ کی الکتٰب کے مقابلہ میں غیر اللہ کی کتابیں مان لی جائیں۔ اسی بات کو پیچھے بھی سورہ یونس کی آیت نمبر ۱۵ ص ۱۸۴ میں اللہ تعالیٰ بتا چکا ہے کہ لوگ فرمائش کرتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ اور کوئی کتاب لے آؤ۔ اسی بات کی یہاں بھی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

الغرض سب کچھ اسی قرآن میں موجود ہے اس لئے غیر قرآن کو مسترد کر دینا چاہئے۔

**156**۔... آگے اسی سورہ الکھف کی آیت ۵۷ میں رب کی آیات سے نصیحت کرنے کا بیان ہے:

''وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ...... (الکھف:۵۷)

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جاتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیر لیتا ہے............ (۵۷)'' (ص ۲۸۵،۲۸۷، جزء۔۶)

غور کیجئے یہاں '' اَظْلَمُ '' یعنی سب سے بڑا ظالم کس کو کہا جارہا ہے! اس شخص کو جس کو رب کی آیات یعنی قرآن مبین کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو وہ اس سے منہ پھیر لے، قیل قال کرے، تاویلیں کرے........ (اور کہے کہ ہمیں تو (نام نہاد) احادیث سے سمجھاؤ یا اس قرآن کو بدل دو........)

الغرض اس آیت کریمہ میں بھی نصیحت قرآن ہی کے ذریعہ کرنے کا ارشادِ الٰہی ہے (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ نہیں۔

**157**۔... آگے اسی سورہ الکھف کی آیت ۸۳ (اور اس کے آگے کی آیات میں) اسی قرآن میں ذوالقرنین کے بارے میں بتایا جارہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

''وَ یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿۸۳﴾ (الکھف:۸۳)

ترجمہ: اور (اے رسول، یہ لوگ) آپ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کر رہے ہیں، آپ کہہ دیجئے میں

اس کا کچھ حال تم کو پڑھ کر سناتا ہوں(۸۳) ‘‘ (ص۳۱۵، ۳۱۰، جزء ۶)

غور کیجئے کہ اس وقت جب رسول اللہ سلامٌ علیہ سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا (قُل) کہو، اس قرآن ہی سے پڑھ کر سنا دیجئے جو کہ اگلی آیت ۸۴ سے تقریباً ۱۰۱ تک ہے۔ غور کیجئے کہ ذوالقرنین کے بارے میں بھی اسی قرآن مین آیات نازل فرمائیں، چھپ کر پوشیدہ وحی نہیں کی! ورنہ تو اس وقت وحی آ رہی تھی تو نعوذ باللہ پوشیدہ وحی آ جاتی اور ذوالقرنین کے بارے میں ضروری معلومات وحیِ خفی کا حصہ بن جاتی۔ اس لئے قرآن کے علاوہ اگر کوئی کہتا ہے کہ وحی ہے تو اس کو مسترد کر دیجئے۔

**158۔**... آگے سورہ مریم میں زکریا سلامٌ علیہ کے بارے میں بتانے کے بعد آیت نمبر ۱۲ میں اللہ تعالیٰ نے یحیٰی سلامٌ علیہ کو حکم دیا کہ الکتٰب کو مضبوطی سے پکڑے رہو:

’’ یٰیَحۡیٰی خُذِ الۡکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ ؕ ........... (مریم:۱۲)

ترجمہ: اے یحیٰ (میری) کتاب کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو........... ‘‘(۱۲) (ص۳۳۹، ۳۴۰، جزء ۶)

غور کیجئے کہ یحیٰ سلامٌ علیہ کو بھی ’’الکتٰب‘‘ ہی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہنے کا حکم ہوا تھا (نام نہاد) احادیث کو پکڑنے کا نہیں یونکہ وہ کوئی چیز ہی نہیں تھی۔

اب ذرا موصوف کی تفسیر کا کمال بھی دیکھتے چلئے کہ موصوف نے اپنی پوشیدہ وحی کی کتاب صحیح مسلم کے حوالہ سے ص ۳۴۳ اور ص ۳۴۹ پر لکھا ہے کہ ’’ زکریا علیہ السلام بڑھئی تھے ‘‘۔ قارئین غور کیجئے کہ اس کا ان آیات سے کیا تعلق؟ خیر اگر اس کو مان لیا جائے اور اسی حوالہ سے ہم یہ کہیں کہ انجیل مقدس کے (باب پیدائش کے) مطابق زکریا سلامٌ علیہ نے اپنے ایک عزیز اور ہم پیشہ (بڑھئی) نوجوان یوسف سے مریم سلامٌ علیہا کا نکاح کیا تھا تو موصوف بُرا مان جائیں گے۔ (یہ الگ بات ہے کہ ان کی پوشیدہ وحی کے مطابق بہت سی روایات انجیل مقدس کے اس بیان کی تصدیق کرتی ہیں)

غور کیجئے کہ سورہ مریم کی یہ خصوصیت ہے کہ شروع ہی سے زکریا سلامٌ علیہ پھر یحیٰی سلامٌ علیہ، پھر مریم سلامٌ علیہا، پھر عیسیٰ سلامٌ علیہ، پھر ابراہیم سلامٌ علیہ، پھر موسیٰ سلامٌ علیہ اور پھر ادریس سلامٌ علیہ کا ذکر خیر انہی قرآنی آیات میں کیا گیا ہے اور پھر آیت ۵۷ میں یہ کہا گیا ’’ وَّ رَفَعۡنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا ﴿۵۷﴾ ‘‘ ’’ہم نے ان کو (بڑی) اونچی جگہ اُٹھالیا تھا‘‘ (ص ۴۰۰۔ جزء ۶) مگر موصوف اپنی تفسیر میں یہ نہ بتا سکے کہ وہ کونسی (بڑی) اونچی جگہ تھی جہاں انہیں اُٹھالیا تھا[1]؟ معلوم نہیں موصوف کی تفسیر کیسی تفسیر ہے کہ وہ جگہ بتاتی ہی نہیں۔ پھر بھی دعویٰ ہے رسولی تفسیر کا!

**159۔**... آگے اسی سورہ مریم کی آیت ۹۷ میں قرآن کو آسان کرنے اور اسی کے ذریعہ نصیحت کا حکم ہے:

’’ فَاِنَّمَا یَسَّرۡنٰہُ بِلِسَانِکَ لِتُبَشِّرَ بِہِ الۡمُتَّقِیۡنَ وَ تُنۡذِرَ بِہٖ قَوۡمًا لُّدًّا ﴿۹۷﴾ (مریم:۹۷)

---

[1] قرآن کریم تو تمام اعمال صالح کرنے والے کو بھی بلند کرنے کی بات کرتا ہے: وَ الۡعَمَلُ الصَّالِحُ یَرۡفَعُہٗ ؕ (۳۵/۱۰) جبکہ موصوف کے ترجمہ کے مطابق ان انبیاء کرام کو بڑی اونچی جگہ اُٹھالیا گیا تھا۔ چونکہ اہلحدیثوں و اہل فقہ کا مشترکہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کو آسمان پر اُٹھالیا گیا تھا تو پھر یہ سارے انبیاء بھی آسمان پر ہی اُٹھالئے گئے ہوں گے۔ غور کیجئے کیا آپ کا یہ عقیدہ ہے؟

ترجمہ:تو(اے رسول)ہم نے آپ کی زبان میں اس(**قرآن**)کو اس لئے آسان کر دیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ آپ متقیوں کو خوشخبری سنائیں اور جھگڑالو لوگوں کو ڈرائیں" (۹۷)(ص ۴۴۴،جزء۶)

غور کیجئے کہ جب اسی قرآن کو آسان کر دیا گیا ہے تو پھر کسی کی تفسیر، وضاحت، تشریح کی کیا ضرورت رہ گئی؟ اسی لئے بقول موصوف کے قرآن کے علاوہ ہر چیز کو مسترد کر دیجئے۔

**160**۔۔۔ آگے سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲ اور ۴ میں پھر قرآن ہی کے نازل کئے جانے کا بیان ہے:

''مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝ تَنۡزِیۡلًا مِّمَّنۡ خَلَقَ الۡاَرۡضَ وَ السَّمٰوٰتِ الۡعُلٰی ۝ (طٰہٰ:۲،۴)

ترجمہ:(اے رسول)ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اُتارا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں(۲) یہ اس ہستی کی طرف سے نازل ہوا ہے جس نے زمین کو اور بلند آسمانوں کو پیدا کیا(۴)(ص ۴۵۱،۴۵۲،جزء۶)

غور کیجئے ان آیات میں پھر یہ تصدیق کی جارہی ہے کہ صرف قرآن ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ (نام نہاد)احادیث نازل نہیں ہوئیں۔

**161**۔۔۔ آگے اسی سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۹ میں آیات میں آگے بیان کئے گئے موسیٰ سلامٌ علیہ کے حالات کو حدیثُ موسیٰ کہا ہے:۔

''وَ هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ مُوۡسٰی ۝ (طٰہٰ:۹)

ترجمہ:اور(اے رسول)کیا آپ نے موسیٰ کا واقعہ سنا ہے(۹) " (ص ۴۵۶،۴۵۷،جزء۶)

غور کیجئے اس آیت کے بعد اگلی آیت سے اسی سورہ میں موسیٰ سلامٌ علیہ کا واقعہ سنایا گیا ہے۔ اور انہیں آیات کو "حَدِیۡثُ مُوۡسٰی" کہا ہے۔ ان (نام نہاد) احادیث کو نہیں جو صدیوں بعد بخاری و مسلم وغیرہ نے لکھیں۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث تو الکتاب ہی ہے۔

**162**۔۔۔ آگے اسی سورہ طٰہٰ کی آیات ۹۹۔۱۰۰ میں پھر اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے نصیحت کی کتاب عطا فرمانے کا اعلان کر رہا ہے:

''كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیۡكَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ مَا قَدۡ سَبَقَ ۚ وَ قَدۡ اٰتَیۡنٰكَ مِنۡ لَّدُنَّا ذِكۡرًا ۝ مَنۡ اَعۡرَضَ عَنۡهُ فَاِنَّهٗ یَحۡمِلُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ وِزۡرًا ۝ (طٰہٰ:۹۹۔۱۰۰)

ترجمہ:(اے رسول)اس طرح ہم آپ کو بعض ایسے واقعات سُنا رہے ہیں جو گذر چکے ہیں اور ہم نے اپنے پاس سے آپ کو نصیحت (کی کتاب) عطا فرمادی ہے(۹۹) جو شخص اس نصیحت سے رُوگردانی کرے گا تو وہ قیامت کے دن (اپنے گناہوں کا) بوجھ اُٹھائے ہوگا(۱۰۰) " (ص ۵۰۸،جزء۶)

غور کیجئے کہ اسی قرآن کریم میں ایسے واقعات اللہ تعالیٰ نے سُنائے جو گذر چکے تھے۔ یہ (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ میں نہیں سنائے گئے۔ پھر اسی کتاب یعنی قرآن کریم ہی کو "ذِكۡرًا" یا نصیحت کی کتاب کہا گیا۔ (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

**163**۔... آگے اسی سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۳ میں قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کا اعلان ہے:

''وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰہُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا وَّ صَرَّفۡنَا فِیۡہِ مِنَ الۡوَعِیۡدِ لَعَلَّہُمۡ یَتَّقُوۡنَ اَوۡ یُحۡدِثُ لَہُمۡ ذِکۡرًا ﴿۱۱۳﴾ (طٰہٰ:۱۱۳)

ترجمہ: اور ہم نے اس (کتاب) کو یعنی قرآن کو عربی زبان میں اس طرح نازل کیا ہے (جس طرح تم اسے پاتے ہو) اور ہم نے اس میں طرح طرح کے (عذاب سے) ڈرا دیا ہے تا کہ یہ لوگ ڈر جائیں یا اللہ ان کیلئے نصیحت (و عبرت کا سامان) پیدا کر دے (۱۱۳) '' (ص ۵۲٦، جزء ٦)

غور کیجئے کہ یہاں ترجمہ میں موصوف نے خود کتاب کو ''یعنی قرآن'' کو لکھ کر کتاب کو قرآن مان لیا۔ تو پھر (نام نہاد) احادیث کہاں رہیں! آخر کو حق قلم سے نکل ہی جاتا ہے۔

مزید یہ کہ موصوف کے ترجمہ کے الفاظ کہ ''قرآن کو عربی زبان میں اسی طرح نازل کیا ہے جس طرح تم اسے پاتے ہو''۔ تو قارئین غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی اس نازل کردہ کتاب کو آپ صرف قرآن ہی پاتے ہیں یا اس میں بخاری و مسلم وغیرہ بھی ملی ہوئی یا شریک پاتے ہیں؟ یا اس میں مختلف قراء تیں بھی پاتے ہیں؟ بہر حال ہم تو اس نازل کردہ کتاب کو صرف قرآن ہی پاتے ہیں۔ اب جو کوئی اس سے اعراض کرے گا یا اس کے ساتھ شریک کرے گا تو وہ اپنا بوجھ اُٹھائے ہوئے قیامت میں حاضر ہو گا (۱۰۰/ ۲۰) یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ صرف قرآن ہی عربی میں نازل کیا گیا کوئی اور (نام نہاد) احادیث کی کتاب عربی میں نازل نہیں کی گئی۔

**164**۔... آگے اسی سورہ طٰہٰ کی اگلی ہی آیت ۱۱۴ میں قرآن کی وحی کا بیان ہو رہا ہے:

''فَتَعٰلَی اللّٰہُ الۡمَلِکُ الۡحَقُّ ۚ وَ لَا تَعۡجَلۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ یُّقۡضٰۤی اِلَیۡکَ وَحۡیُہٗ ۫ وَ قُلۡ رَّبِّ زِدۡنِیۡ عِلۡمًا ﴿۱۱۴﴾ (طٰہٰ:۱۱۴)

ترجمہ: (اے رسول) اللہ جو (کائنات کا) حقیقی بادشاہ ہے بہت بلند و بالا ہے اور (اے رسول) جب تک قرآن کی وحی (جو) آپ کی طرف (بھیجی جا رہی ہے) ختم نہ ہو جائے آپ قرآن کے پڑھنے کے لئے جلدی نہ کیا کیجئے اور آپ اس طرح دعا کیجئے کہ اے میرے رب مجھے اور زیادہ علم عطا فرما (۱۱۴)

قارئین، قطع نظر موصوف کے ترجمہ کے، یہ غور کیجئے کہ آیت کریمہ کیا حقیقت بتا رہی ہے۔ یہ آیت کریمہ پھر وہی حقیقت دہرا رہی ہے کہ **قرآن** ہی رسول کو **وحی** کیا جا رہا تھا اور کوئی غیر اللہ کی کتاب نہیں۔

اس لئے بقول موصوف کے قرآن کے علاوہ غیر اللہ کی کتابوں کو مسترد کر دیجئے

**165**۔... آگے آگے اسی سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ آدم سلامٌ علیہ کے بارے میں بتاتا ہے کہ جب ان کو اس دنیا میں بھیجا تو بتا دیا کہ جب اللہ کی طرف سے اس کی ہدایت آئے گی تو جو اس کی پیروی کرے گا وہ گمراہ نہ ہو گا اور نہ بد بختی میں مبتلا ہو گا اور جس نے اس کی نصیحت یعنی الکتٰب سے منہ موڑا وہ تو وہ قیامت میں اندھا کر کے اُٹھایا جائے گا۔ دیکھئے آیات ۱۲۴۔۱۲۷ :

''وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۝ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى وَ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۝ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا ۚ وَ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى ۝ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَ لَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ۭ وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَ اَبْقٰى ۝
(طٰہٰ:۱۲۴۔۱۲۷)

ترجمہ: اور جس نے میری نصیحت سے منہ موڑا تو اس کی زندگی تنگی (وپریشانی) میں گذرے گی اور قیامت کے دن ہم اسے اندھا کر کے اُٹھائیں گے (۱۲۴) وہ کہے گا اے میرے رب، میں تو (دنیا میں) بینا تھا تو نے مجھے اندھا کیوں اُٹھایا (۱۲۵) اللہ فرمائے گا اسی طرح (تجھ کو سزا ملنی چاہئے تھی، دنیا میں) تیرے پاس ہماری آیتیں آئی تھیں، تو نے ان کو بھلا دیا تھا، اسی طرح آج تُو بھی بھلا دیا جائے گا (۱۲۶) اور (ہر وہ شخص) جو (حدودِ الٰہی سے) تجاوز کرے اور اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے ہم اسے اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں اور آخرت کا عذاب یقیناً بہت سخت اور بہت باقی رہنے والا ہے (۱۲۷)'' (ص ۵۳۲۔۵۳۴، جزء۶)

غور کیجئے کہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ وہ احکامات بتا رہا ہے جو آدم سلامٌ علیہ کو ان کی اولاد کیلئے عطا ہوئے تھے اور آج بھی جوں کے توں برقرار ہیں۔ اور بات وہی آیات ہی کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں کہ جو اپنے رب کی آیات پر ایمان نہ لائے اسے اسی طرح سزا ملتی ہے اور ملے گی۔ (خیال رہے کہ اس آیت میں موصوف نے ''ذِكْرِيْ'' کے معنیٰ ''میری نصیحت'' کر کے چھوڑ دیئے ہیں جبکہ اسی سورہ طٰہٰ کی آیت ۹۹ میں ''ذِكْرًا'' کے معنیٰ ''نصیحت کی کتاب کر چکے ہیں۔ اس لئے قارئین دھوکہ نہ کھائیں۔ یہاں بھی ''ذِكْرِي'' کے معنی ''میری نصیحت کی کتاب'' یعنی قرآن کریم ہی ہوں گے اور اس حقیقت کی تصدیق اگلی آیات میں آیات آنے اور آیات ہی پر ایمان لانے کے بیان سے ہو جاتی ہے)۔

**166**۔۔۔ آگے سورہ الانبیاء میں کفار و مشرکین کے رسول اللہ اور قرآن کریم پر اعتراضات کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ پھر آیت نمبر ۱۰ میں واضح طور پر اسی قرآنی نصیحت کو نازل کرنے کا اعلان کرتا ہے:

''لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (الانبیاء:۱۰)

ترجمہ: (اے لوگو!) ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کر دی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے، تو کیا تم سمجھتے نہیں (۱۰)'' (ص ۵۶۵۔۵۶۶۔ جزء۶)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں ''ایک ایسی کتاب نازل کر دی ہے جس میں تمہارے لئے نصیحت ہے'' کہہ کر کس کتاب کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے۔ کیا یہ ایک کتاب قرآن کے علاوہ کوئی کتاب ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ اور جب یہ ''ایک کتاب'' ہی ہے تو پھر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں اس کے ساتھ کیسے شامل ہو سکتی ہیں جو کہ سینکڑوں ہیں! پس ثابت ہوا کہ موصوف کا عقیدہ باطل ہے۔

**167**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانبیآء کی آیت ۲۴ میں اللہ تعالیٰ کی کتابوں ہی میں سے دلیل دکھانے کی بات ہو رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

''اَمِ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اٰلِـہَۃً ؕ قُلۡ ہَاتُوۡا بُرۡہَانَکُمۡ ۚ ہٰذَا ذِکۡرُ مَنۡ مَّعِیَ وَ ذِکۡرُ مَنۡ قَبۡلِیۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُہُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ۙ الۡحَقَّ فَہُمۡ مُّعۡرِضُوۡنَ ﴿۲۴﴾ (الانبیاء:۲۴)

ترجمہ: (اے رسول) کیا انہوں نے اللہ کے علاوہ الٰہ بنا رکھے ہیں، آپ ان سے کہئے کہ اپنی دلیل پیش کرو، یہ میرے ساتھ والوں کی (یعنی ہماری) کتاب بھی (موجود) ہے اور جو مجھ سے پہلے (گذر چکے ہیں) ان لوگوں کی کتاب بھی (موجود) ہے (کیا تم ان کتابوں سے اپنے شرک کی کوئی دلیل دے سکتے ہو تو دو) بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ حق بات سے ناواقف ہیں لہٰذا اس سے رُوگردانی کرتے ہیں (۲۴)'' (ص ۵۸۱،۵۷۸، جزء۶)

غور کیجئے کہ اس حدیث قدسی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ (مشرکین سے) ان لوگوں کے شرک کی دلیل مانگ رہے ہیں اور وہ بھی صرف اللہ کی نازل کردہ کتابوں، قرآن، انجیل، توریت و زبور وغیرہ سے۔ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے نہیں۔ ورنہ تو اسی قرآن میں اعلان کیا گیا ہوتا کہ ہم نے صرف قرآن نازل نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ بخاری و مسلم یا دیگر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی نازل کی ہیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور سنتِ رسول معلوم کرکے اس پر عمل کرسکو۔ معاذ اللہ۔ قرآن میں الحمد کے الف سے لیکر والناس کی سین تک ایسا کوئی اعلان نہیں۔ اس لئے ثبت ہوا کہ موصوف کا عقیدہ بالکل باطل ہے۔

قارئین غور کیجئے کہ اس حدیث قدسی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ ''(یعنی ہماری) کتاب بھی (موجود) ہے'' کس کتاب کو کہہ رہے ہیں؟ یقیناً وہ اپنے سے پہلے نازل شدہ کتابوں کے ساتھ قرآن مبین ہی کو ہماری کتاب کہہ رہے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو نہیں جو اس وقت موجود ہی نہ تھیں۔ بلکہ بات موجود کتاب کی ہو رہی ہے۔

قارئین ابھی آپ نے اس قرآن کریم ہی میں ایک حدیث قدسی پڑھی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے مشرکین سے کہا کہ:

> ''اپنی دلیل پیش کرو، یہ میرے ساتھ والوں کی (یعنی ہماری) کتاب بھی (موجود) ہے اور جو مجھ سے پہلے (گذر چکے ہیں) ان لوگوں کی کتاب بھی (موجود) ہے (کیا تم ان کتابوں سے اپنے شرک کی کوئی دلیل دے سکتے ہو تو دو)''

اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی سُنت یہ ہے کہ جب کوئی غیر اللہ کے حوالہ سے بات کرے تو آپ بھی اس سے دلیل مانگئے اور دلیل بھی اللہ کی کتاب سے۔

اسی طرح میں بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی سُنت کی اتباع کرتے ہوئے موصوف اور دیگر ان کے ہم عقیدہ علما وغیرہ سے ان کے عقیدہ کی دلیل مانگتا ہوں کہ وہ اللہ کی کتاب قرآن کریم میں کوئی آیت (یعنی نص صریح) بتائیں جس میں (نام نہاد) احادیث کو بھی وحی کرنے کا ذکر یا اعلان کیا گیا ہو اور اُن کو ''کتٰب اللّٰہ'' میں شامل کیا گیا ہو؟ اور اگر ان کے پاس دلیلِ قرآنی نہیں تو ظن و قیاس کو چھوڑ کر اللہ کے حضور توبہ کریں۔ بیشک وہ معاف کرنے والا ہے۔ اور اگر ہٹ دھرمی ہی کرتے رہیں گے تو پھر اپنا اور دوسروں کا بھی، جن کے عقائد خراب کئے ہیں، بوجھ اُٹھائے یوم حشر میں جانے کو تیار رہیں۔

**168**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانبیآء کی آیت نمبر ۴۵ میں وحی کے ذریعہ ڈرانے کا بیان ہے:

''قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡىِ ۖ وَلَا يَسۡمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنۡذَرُوۡنَ ۝ (الانبیآء:۴۵)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے میں تو وحی کے ذریعہ تمہیں ڈراتا ہوں، (رہے) بہرے (تو وہ) تو جب انہیں ڈرایا جائے (ڈرانے والے کی) پکار ہی نہیں سنتے (ڈریں گے کیا؟ (۴۵)'' (ص ۶۱۳، ۶۱۴، جزء ۶)

ذرا اس حدیث قدسی پر غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو وحی کے ذریعہ لوگوں کو ڈراتے تھے۔ کس وحی کے ذریعہ جو علی الاعلان ان کے قلبِ اطہر پر نازل ہوتی تھی یعنی قرآن کریم جس کی تصدیق انہوں نے ایک اور حدیثِ قدسی میں یہ کہہ کر کی کہ ''وَ اُوۡحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ'' (اور صرف یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے)۔(۱۹/ ۶)

الغرض (نام نہاد) احادیث کا یہاں بھی کوئی ذکر تک نہیں۔ حتیٰ کہ اپنی تفسیر تک میں موصوف اس آیت کی تفسیر میں کوئی روایت تک نہ لاسکے!

**169**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانبیآء کی آیت نمبر ۵۰ میں پھر قرآن ہی کو بڑی برکت والی نصیحت بتایا گیا:

''وَهٰذَا ذِكۡرٌ مُّبٰرَكٌ اَنۡزَلۡنٰهُ ؕ اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ۝ (الانبیآء:۵۰)

ترجمہ: اور (اے لوگو) یہ (قرآن بھی) بڑی برکت والی نصیحت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، تو کیا تم اس کا انکار کرتے ہو؟ (۵۰)'' (ص ۶۲۰، جزء۔۶)

''تفسیر: اور (اے لوگو) یہ (قرآن مجید بھی) بڑی برکت والی نصیحت ہے (جس طرح موسیٰ اور ہارون پر ہم نے نصیحت نازل کی تھی اسی طرح) اس (نصیحت) کو بھی ہم ہی نے نازل کیا ہے۔ (اَفَاَنۡتُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ) تو کیا تم اس (نصیحت) کا انکار کرتے ہو''۔ (ص ۶۲۱، جزء ۶)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں قرآن کریم ہی کو بڑی برکت والی نصیحت بتایا جارہا ہے اور اسی کو نازل شدہ بتایا جارہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کا کہیں ذکر نہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ نازل شدہ نہیں اور نہ ہی برکت والی نصیحت ہیں۔ خود موصوف اپنی تفسیر تک میں کوئی روایت نہ لاسکے!

**170**۔۔۔ آگے اسی سورہ الانبیآء کی آیت نمبر ۱۰۸ میں پھر وحی کی بات ہو رہی ہے۔

''قُلۡ اِنَّمَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝ (الانبیآء:۱۰۸)

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میری طرف یہ بات وحی کی گئی ہے کہ تمہارا الٰہ بس ایک الٰہ ہے تو (بتاؤ اب) تم مسلم ہوتے ہو یا نہیں (۱۰۸)'' (ص ۶۹۲، ۶۹۳، جزء۔۶)

غور کیجئے کہ یہ حدیث قدسی جو کچھ وحی کئے جانے کے بارے میں بیان کر رہی ہے وہ اسی وحی یعنی قرآن ہی میں ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ کہئے اب بھی آپ مسلم ہوتے ہیں کہ نہیں!

**171**۔۔۔ آگے سورہ الحج کی آیت نمبر ۱۶ میں واضح آیات نازل کرنے کا اعلان ہے:۔

وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿١٦﴾ (الحج:١٦)

ترجمہ: اور ہم نے اس (کتاب) کو اس حالت میں اُتارا ہے کہ اس کی (تمام) آیات واضح ہیں اور یہ (ایک حقیقت ہے) کہ اللہ جس کو چاہتا ہے (اس کتاب کے ذریعہ) ہدایت پر چلا کر منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے (۱٦) " (ص ٧٣٠، ٧٣٢، جزء۔٦)

غور کیجئے کہ جب اس کتاب یعنی قرآن کی تمام آیات واضح ہیں تو پھر علما جھوٹ کیوں بولتے ہیں کہ اس کی وضاحت رسول نے کی؟؟

دوسری اہم حقیقت اس آیت کریمہ میں یہ بیان ہوئی کہ اس کتاب کی ہدایت پر ہی چل کر منزل مقصود تک پہنچا جاتا ہے۔(نام نہاد) احادیث پر چل کر نہیں۔اس سے تو فرقہ بندی شروع ہو جاتی ہے،اور فرقہ بندی شرک ہے۔

یہ قرآن کتنا واضح ہے،اس کی تصدیق کیلئے اب موصوف کی اس آیت کی تفسیر بھی پڑھتے چلئے:

"تفسیر: آگے فرمایا (وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ) اور (اے رسول) جس طرح ہم نے اپنی طرف سے آپ کے لئے امداد نازل کی جو آپ کی صداقت کی کھلی دلیل تھی) اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو بھی کھلی دلیلیں بنا کر اُتارا ہے (اور یہ کھلی دلیلیں بھی آپ کی صداقت کی گواہ ہیں، اب بھی جو شخص آپ پر ایمان نہیں لاتا تو یہ اس کی بد بختی ہے) (وَّ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ) اور اللہ تو ہدایت دے کر منزل مقصود تک اسی کو پہنچاتا ہے جس کو وہ چاہتا ہے (یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قوانین ہدایت کی پیروی کرتا ہے وہی ہدایت یاب ہوتا ہے۔ جس شخص میں نہ خلوص ہو اور نہ حق کی جستجو کا جذبہ ہو وہ ہدایت یاب نہیں ہو سکتا۔ جو شخص بھی خلوص کے ساتھ حق کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے اور پوری جدوجہد کرتا ہے، راستہ اسی کو ملتا ہے)۔" (ص ٧٣٦، جزء۔٦)

غور کیجئے کہ جب اس قرآن کو کھلی دلیلیں بنا کر اُتارا ہے تو پھر اب مزید کھلی دلیل (نام نہاد) احادیث کی کیا ضرورت رہ گئی؟ اس لئے اسے مسترد کر دیجئے۔

**172۔**... آگے اسی سورہ الحج کی آیت نمبر ٧٢ میں پھر صاف اور واضح آیات سنانے کی بات ہو رہی ہے:

''وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ ؕ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٢﴾ (الحج:٧٢)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب ان کافروں کے سامنے ہماری صاف اور واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو آپ ان کے چہروں میں ناخوشی (کے آثار) پہچان سکتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنقریب ان لوگوں پر جو انہیں (اللہ کی آیات) پڑھ کر سناتے ہیں جھپٹ پڑیں گے، (اے رسول، آپ ان سے) کہہ دیجئے کہ کیا میں تمہیں اس (غیظ وغضب) سے بھی بدتر چیز (نہ) بتاؤں؟ وہ (دوزخ کی) آگ ہے جس کا اللہ نے کافروں سے وعدہ کیا ہے اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے"۔ (٧٢) (ص ٩٥٥۔٩٥٦، جزء٦)

غور کیجئے کہ کفار کے سامنے کیا تلاوت کیا جا رہا تھا۔ اللہ کی صاف اور واضح آیتیں۔ یعنی (نام نہاد) احادیث نہیں سنائی جا رہی تھیں۔

وہ کفار واضح اور صاف آیات سُن کر ناخوش کیوں ہو جاتے تھے۔ اس لئے کہ جب صاف صاف اور واضح آیتیں نازل ہو جائیں گی تو پھر ان کے لئے شک پیدا کرنے کیلئے کیا رہ جائے گا۔ ان کے لئے اس کی شرح و وضاحت کے (نام نہاد) احادیث گھڑنے کا موقعہ ختم ہو جائے گا!

قارئین اگر آپ ذرا سا غور کریں تو آج بھی آپ کو یہی سین نظر آئے گا کہ بجائے کفار کے آپ کسی اہلحدیث یا اہل فقہ کو کوئی قرآن کی آیت سُنا کر اس پر عمل کرنے کو کہئے پھر دیکھئے وہ کیسا منہ بناتا ہے، کیسی اگر مگر کرتا ہے، کیسی کیسی تاویلیں کر کے گھڑی گھڑائی احادیث پیش کرتا ہے، کیسے کیسے حیلے کرتا ہے............ غرضیکہ آیت کو مان کر ہی نہیں دیتا۔ لیکن اگر آپ کوئی (نام نہاد) حدیث یا فقہی فیصلہ سنائیں تو دیکھئے وہ کیسا خوش ہوتا ہے۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں ایسے لوگوں کو آگ کا ٹھکانا دکھایا ہے۔

**173**۔... آگے سورہ المؤمنون کی آیات ٦٦۔٦٧ میں یہ بیان ہو رہا ہے کہ یوم حشر جب اوپر کے بیان کردہ اور اس قسم کے دوسرے لوگ اچانک عذاب میں پکڑ لئے جائیں گے تو ان کو یہی جتایا جائے گا کہ جب ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سنائی جاتی تھیں تو وہ طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اور تکبر کرتے تھے:

''قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿٦٦﴾ مُسْتَكْبِرِيْنَ ۖ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ﴿٦٧﴾ (المؤمنون: ٦٦۔٦٧)

ترجمہ: میری آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی تھیں لیکن (سب کچھ سننے کے بعد) تم الٹے پاؤں لوٹ جایا کرتے تھے (٦٦) اس حالت میں کہ تم اللہ سے سرکشی کرتے تھے، اپنی باتوں میں مشغول رہتے تھے اور بیہودہ بکواس کرتے تھے (٦٧)'' (ص ١٠٩٣، ١٠٩٦، جزء ٦)

غور کیجئے کہ ان آیات میں کس حقیقت کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہی حقیقت کہ جب اللہ کی الکتٰب کی آیات سنائی جاتی تھیں، (نام نہاد) احادیث نہیں، تو وہ اس طرف توجہ ہی نہیں دیتے تھے بلکہ متکبرانہ بیہودہ بکواس ہی کرتے رہتے تھے

''اگلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت کر دی:

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿٦٨﴾ (المؤمنون: ٦٨)

ترجمہ: کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا یا (انہیں اس بات پر تعجب ہے کہ) ان کے پاس ایسی چیز آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی (٦٨)'' (ص ١٠٩٣، ١٠٩٦، جزء ٦)

قارئین غور کیجئے کہ یہ بات تو اللہ تعالیٰ نے اس وقت کے مشرکینِ عرب کے بارے میں کہی کہ ''کیا انہوں نے اس کلام پر غور نہیں کیا کہ ان کے پاس ایسی چیز یعنی کتٰب اللہ آئی ہے جو ان کے اگلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی'' (جس کی وجہ سے وہ اُمّی کہلاتے تھے)۔ تو انہوں نے اسے مان کر نہ دیا بلکہ ''بیہودہ بکواس کرتے رہے'' اور یہ فرمائش کرتے رہے کہ اس قرآن کو بدل دو یا اس کی جگہ دوسری کتٰب لے آؤ! اور بعد کے ادوار میں بھی بلکہ آج بھی یہی

ہو رہا ہے کہ جب اللہ کی کتٰب سے لوگوں کو آیات، الٰہی پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ اس سے سرکشی کرتے ہوئے بیہودہ بکواس میں متکبرانہ انداز میں لگ جاتے ہیں۔ آج آپ کسی اہلحدیث عالم سے یا موصوف سے سوال کرکے دیکھ لیجئے کہ فلاں فلاں مسئلہ کے بارے میں بتائیے کہ قرآن کیا کہتا ہے تو وہ انتہائی متکبرانہ انداز سے اور غصہ سے جواب دیتے ہیں کہ "میں قرآن سے نہیں (نام نہاد) احادیث سے جواب دوں گا"! (یہ اہلحدیث علما شاید اس لئے ایسا کرتے ہیں کہ صدیوں تک ان کے باپ دادوں کے پاس (نام نہاد) احادیث کی کتابیں (بالخصوص) ہندوستان میں نہیں آئی تھیں بلکہ یہ تو پہلی مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب کی مہربانی سے ہندوستان میں پہنچیں پھر علما ان سے متعارف ہوئے تو انہوں نے قرآن جو کہ پہلے ہی جزء دان میں بند طاق میں رکھا ہوا تھا کو بالکل مہجور کر دیا اور (نام نہاد) احادیث کو پکڑ لیا! اور بیہودہ بکواس شروع کر دی کہ یہ بھی وحی خفی ہیں! انہیں اتنی سی بات سمجھ نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ نہ تو جھوٹ بولتا ہے، نہ **تَقیّہ** کرتا ہے اور نہ **تُورِیَّہ**، یہ تو انسانوں کے مختلف مذہبی فرقوں کا شعار ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ پر ایسا افتراء نہیں کرنا چاہئے کہ وہ بجائے علی الاعلان وحی کرنے کے چھُپ کر پوشیدہ وحی کرے گا اور اس کا علی الاعلان وحی میں کہیں تذکرہ تک نہ کرے گا)

قارئین! موصوف ہی کے بقول "قرآن کے علاوہ کو مسترد کر دیجئے" بیشک یہ قرآن کریم آپ کے باپ دادا کے پاس بھی آیا تھا اور ان سے پہلوں کے پاس بھی اس لئے آپ اسی قرآن کو (جو اللہ کی رسّی ہے) مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور اس کے بارے میں کوئی بیہودہ بکواس مثل مشرکین مکّہ یا آج کے اہلحدیث و اہل فقہ و اہل تفسیر و اہل فتاوٰی کے نہ کیجئے۔ یونکہ آپ کو ہدایت الٰہی اسی "الکتٰب" سے ملے گی، جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی نصیحت کی کتاب آگے کی آیت نمبر ۷۱ ہی میں قرار دیا ہے:

**"وَ لَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝ؕ** (المؤمنون:۲۳)

ترجمہ: اور (اے رسول) اگر حق ان کی خواہشات کا تابع ہو جائے تو آسمان اور زمین اور جو (اشخاص اور چیزیں) ان میں ہیں سب درہم برہم ہو جائیں، (ہم نے ان کی خواہشات کا لحاظ نہیں کیا ہے) **بلکہ ہم نے ان کی نصیحت (کی کتاب) پہنچادی ہے** تو (اب) وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں (۷۱)" (ص ۱۰۹۴، ۱۰۹۶، جزء۔۶)

قارئین کرام ذرا غور فرمایئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنی اہم حقیقتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱)۔ اگر حق مشرکین کی خواہشات کا تابع ہو جائے کہ قرآن کو بدل کر صرف غیر اللہ کی کتابوں کی اتباع کی جائے تو تمام کائنات درہم برہم ہو جائے گی۔

(۲)۔ کائنات کو درہم برہم ہونے سے بچانے کیلئے اللہ نے ان کی یعنی انسانوں کی نصیحت کی کتاب یعنی "الکتٰب" انسانوں تک پہنچادی ہے۔

(۳)۔ مگر پھر بھی وہ اپنی نصیحت سے منہ موڑ رہے ہیں (تو دیکھ لیجئے کہ ٹکڑے ٹکرے اور فرقے فرقے ہو کر آپس میں انتشار کا شکار ہیں اور دنیا میں اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود پست و ذلیل اقوام گردانے جاتے ہیں!)

**174**۔۔۔ آگے اسی سورہ المؤمنون کی آیت ۱۰۵ میں اللہ تعالیٰ آخرت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ جب دوزخ میں ان لوگوں کے چہرے جھلس جائیں گے جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا ہو گا تو وہاں اللہ ان سے فرمائے گا:

''اَلَمۡ تَكُنۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ فَكُنۡتُمۡ بِهَا تُكَذِّبُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ (المومنون:۱۰۵)

ترجمہ: کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں (ضرور سنائی جاتی تھیں) لیکن تم ان کو جھٹلاتے تھے (۱۰۵)'' (ص ۱۱۳۶، ۱۱۳۹، جزء۔۶)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی بات آیات الٰہی ہی کو جھٹلانے پر سزا (اور وہ بھی دوزخ ہمیشہ کیلئے) دینے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث و فقہ و تفسیر و فتاوٰی اور اقوال کی نہیں۔ اس لئے قرآن کے علاوہ سب کو مسترد کر دیجئے ورنہ پھر سزا کے لئے تیار ہو جائیے۔

**175**۔۔۔ آگے سورہ النور کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اُس ہی نے سورہ النور بھی نازل کی ہے اور اس سورہ کے احکام کو فرض کیا ہے اور اس میں واضح آیات نازل کی ہیں:

سُوۡرَةٌ اَنۡزَلۡنٰهَا وَ فَرَضۡنٰهَا وَ اَنۡزَلۡنَا فِیۡهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱﴾ (النور:۱)

ترجمہ: (اے ایمان والو) یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے، جس (کے احکام) کو ہم نے فرض کیا ہے اور جس میں ہم نے واضح آیتیں نازل کی ہیں تا کہ تم نصیحت حاصل کرو'' (۱) (ص ۷، جزء۔۷)

غور کیجئے، موصوف نے یہاں صحیح ترجمہ کرنے کی کوشش نہیں کی ہے انہوں نے یہ ترجمہ کر کے کہ ''یہ ایک سورت ہے جس کو ہم نے نازل کیا ہے......... '' غالباً یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ بس اللہ نے یہی ایک سورت نازل کی ہے، بس اسی کے احکام کو فرض کیا ہے اور بس اسی میں واضح آیات بیان کی ہیں۔ یہ لفظ ''ایک'' بہت ہی خطرناک ہو گیا۔ مانا کہ صیغہ واحد کا ہے مگر اس کے یہ معنیٰ ہر گز نہیں کہ صرف یہی ایک سورت نازل کی ہے............... میرے تاثر کی تائید خود ان کی تفسیر کرتی ہے۔ فرماتے ہیں:

تفسیر: ''اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اس سورت میں جتنی بھی ہدایتیں دی گئی ہیں ان سب کا ادا کرنا فرض ہے، کسی بھی ہدایت کو ترغیباً بیان نہیں کیا گیا ہے''۔

کہئے یہ تفسیر پڑھ کر کیا تاثر ملا کہ:

(۱)۔ اس سورت میں جتنی بھی ہدایتیں دی گئی ہیں ان سب کا ادا کرنا فرض ہے۔ اور

(۲)۔ کسی بھی ہدایت کو ترغیباً بیان نہیں کیا گیا۔ گویا کہ دوسری سورتوں میں ہدایات ترغیباً بیان کی گئی ہیں مرضی ہے عمل کرو، مرضی نہ ہو تو عمل نہ کرو۔ (نعوذ باللہ) اسی لئے موصوف قرآن کریم پر عمل کے قائل نہیں بلکہ (نام نہاد) احادیث پر عمل کرتے ہیں چاہے قرآنی احکام کی شکل بدل جائے یا وہ تبدیل ہو جائیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کے ''کلمات'' بدلتے نہیں۔ (۶۴/۱۰) (اللہ کے کلمات بدلنے کی زندہ مثال اسی سورت النور کی اگلی آیت کی تفسیر ہے جس میں موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ ''زنا کی سزا کی دو قسمیں ہیں.......... (ص ۱۱، جزء۷) '' اور قرآنی سزا کے علاوہ ایک نام نہاد حدیثی سزا بھی مسلط کر دی ہے اور اس کا

افتراء رسول اللہ سلامٌ علیہ پر کر دیا ہے جبکہ ان کو قرآن یا اس کے احکام میں کسی قسم کا ردوبدل کرنے کا کوئی اختیار نہیں تھا۔ ۱۵/۱۰)

قارئین خیال رہے کہ موصوف کا یہ ترجمہ اور تفسیر صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صرف یہ ایک سورۃ ہی نہیں نازل کی بلکہ اس نے پورا قرآن کریم (جس میں ۱۱۴ سورتیں اور ۶۲۳۶ آیات ہیں جو کہ بسم اللہ کی آیات ملا کر ۶۲۳۶ + ۱۱۲ = ۶۳۴۸ ہو جاتی ہیں) نازل کیا ہے اور اس نے صرف اسی سورت میں دی گئی ہدایات فرض نہیں کیں بلکہ پورا کا پورا قرآن یعنی قرآن میں دی گئی تمام ہدایات فرض کی ہیں۔ (فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ ۔ ۸۵/ ۲۸) اور الکتٰب کی بعض ہدایات ماننا اور بعض کا انکار کرنا تو بنی اسرائیل کی خصوصیت بتائی ہے (۸۵/ ۲)۔ اس لئے اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

"(اے ایمان والو!) اس سورت کو (بھی) ہم ہی نے نازل کیا ہے اور (مثل دوسری سورتوں کے) فرض (بھی) کیا ہے۔ اور اس سورت میں (بھی) اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ نازل کی ہیں (تاکہ تم کوئی ردّوبدل نہ کرو) تاکہ تم نصیحت حاصل کر کے (انہی پر عمل کرو)"۔

قارئین اب غور کیجئے کہ صرف یہ آیت یا سورت ہی نہیں بلکہ پورا قرآن فرض کیا گیا ہے اور (نام نہاد) احادیث فرض یا سنت یا نفل کرنے کا کوئی حکم تک نہیں۔ بلکہ انہی سورتوں میں تمام احکام اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ کے ذریعہ کھول کھول کر واضح طور پر بتادیئے گئے تو اب کیا رہ گیا! بچاری (نام نہاد) حدیث و تفسیر تو گئی!

**176**۔۔۔ آگے اسی سورہ النور کی آیت نمبر ۱۸ میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات ہی کو واضح المطالب بتا رہا ہے:

"وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۱۸ (النور:۱۸)

ترجمہ: اللہ تمہارے (سمجھانے کے) لئے اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے، (بے شک) اللہ علم والا، حکمت والا ہے (۱۸) " (ص ۷ ۳، ۴۲، جزء ۷)

غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ اسی قرآن میں اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تو پھر اب کسی اور بیان یا تشریح یا تفسیر کی کیا ضرورت رہ گئی؟ اس لئے ثابت ہوا کہ موصوف اور دیگر اہلحدیث و فقہ کا متفقہ عقیدہ باطل ہے کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کی تشریح یا تفسیر کرتی ہیں۔ اس لئے بقول موصوف ہی کے قرآن کے علاوہ کو مسترد کر دینا چاہئے ورنہ غیر قرآنی باتیں اور فحشیات تک اس قرآن کے ساتھ شامل ہو جائے گا جیسا کہ اہلحدیثوں و فقہ نے اس سورت کی تفسیر میں (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر فحش الزام لگایا تھا۔

**177**۔۔۔ آگے اسی سورہ النور کی آیت نمبر ۳۴ میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی اٰيٰتٍ مُبَيِّنٰتٍ ہی نازل کرنے کا فرما رہا ہے۔

"وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۳۴

ترجمہ: اور (اے ایمان والو) ہم نے تمہاری طرف واضح آیتیں، جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں ان کے (عبرتناک) حالات اور متقیوں کے لئے نصیحت نازل کر دی ہے (تاکہ تم گمراہی سے بچ سکو) ۳۴۰)" (ص ۸۴۔۸۵، جزء ۷) (النور:۳۴)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں پھر اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ہی کو آپ کی طرف نازل کرنے کا واضح طور پر بتایا جا رہا ہے لیکن

بچاری (نام نہاد) احادیث نازل کرنے کا جھوٹ موٹ بھی اشارہ تک نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کا اور دیگر اہلحدیث واہل فقہ کا عقیدہ بالکل باطل ہے کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف قرآن ہی وحی کیا گیاہے اور دین کے بارے میں ساری کی ساری وحی اسی قرآن میں ہے کسی اور غیر اللہ کی کتاب میں نہیں۔

**178۔**... آگے اسی سورہ النور کی آیت ۴۶ میں پھر اللہ تعالیٰ نے اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ہی نازل کرنے کی حقیقت کو دوہرایا ہے:

''لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ یَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ﴿۴۶﴾ (النور:۴۶)

ترجمہ: (اور اے لوگو) ہم نے واضح آیتیں نازل کر دی ہیں (تو اب تمہیں چاہئے کہ ان پر ایمان لے آؤ) اور اللہ جس کو چاہتاہے سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر دیتاہے (۴۶)'' (ص ۱۴۲، ۱۴۳، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں پھر اسی حقیقت کو دوہرایا گیاہے کہ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ نازل کی ہیں (نام نہاد) احادیث کا ذکر اشارتاً بھی نہیں! اس لئے بقول موصوف ہی کے قرآن کے علاوہ کو مسترد کر دیجئے۔

قارئین اس آیت کریمہ کے دوسرے حصہ پر بھی غور کیجئے۔ یہاں موصوف نے صحیح ترجمہ نہیں کیا ہے۔ اور موصوف ہی کیا عام طور پر مترجمین یہی ترجمہ کرتے ہیں اور علما یہی بات لاؤڈ اسپیکروں پر گلا پھار پھاڑ کر دوہرا رہے ہوتے ہیں کہ:

''اللہ جس کو چاہتاہے سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کر دیتاہے''

گویا کہ اس میں انسان کا اپنا کچھ بھی اختیار وارادہ یا کاوش شامل نہیں۔ بس اللہ جس کو چاہتاہے سیدھے راستہ پر لگا دیتاہے اور جس کو چاہتاہے گمراہی کے راستہ پر لگا دیتاہے۔ مطلب یہ کہ وہ مطلق العنان ہے اور خود ہی زبردستی ہدایت یاب یا گمراہ کرتا رہتاہے اور پھر اسی مطلق العنانی کے ساتھ یوم آخر پوچھے گا کہ اے بندہ تو گمراہ کیوں ہوا تھا؟ نعوذ باللہ۔ یہ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرناہے اور آیت کا یہ ترجمہ کرنا بھی غلط ہے۔ خود موصوف اپنی تفسیر میں صحیح بات لکھ گئے ہیں مگر پتہ نہیں کیوں یہاں ترجمہ غلط کیاہے۔ دیکھئے تفسیر:

تفسیر: ''اور (اے لوگو) اللہ جس کو چاہتاہے صراط مستقیم پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچا دیتاہے (منزل مقصود پر وہی پہنچتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قوانینِ ہدایت کے مطابق عمل کرتے ہیں یعنی دل سے ہدایت کے طالب ہوتے ہیں اور اس کی تلاش میں پوری کوشش کرتے ہیں)

اللہ تعالیٰ فرماتاہے:

''وَالَّذِیۡنَ جَاہَدُوۡا فِیۡنَا لَنَہۡدِیَنَّہُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿٦٩﴾ (العنکبوت:۶۹)

ترجمہ: اور (اے رسول) جو لوگ ہمارے (راستے) میں (آنے کی) کوشش کرتے ہیں ہم ضرور ان کو اپنے راستے دکھادیتے ہیں (جن کے ذریعہ وہ صراط مستقیم پر پہنچ جاتے ہیں) بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے (اور ان کی مدد اور رہنمائی کرتا رہتاہے)۔'' (ص ۱۴۹۔ ۱۵۰، جزء۔۷)

قارئین غور کیا آپ نے! تفسیر کے معنیٰ یا مفہوم کیا ترجمہ کے مخالف نہیں؟ اس لئے آیت کے اس حصہ کا صحیح

ترجمہ ہو گا:

"اور جو کوئی چاہتا ہے اللہ اس کی سیدھے راستے کی طرف رہنمائی کر دیتا ہے"

کہئے کیا اس ترجمہ کے بعد کوئی اشکال رہا کہ اللہ خود ہی گمراہ کرے اور پھر خود ہی سوال کرے کہ تو گمراہ کیوں ہوا تھا جبکہ تیری طرف ہدایت کی کتاب بھی بھیجی تھی؟ اور اس ترجمہ سے اللہ پر افتراء بھی ختم ہو گیا اور اس مضمون کی دیگر آیات سے مخالفت بھی ختم ہو گئی۔ اس لئے قارئین اپنے ذہنوں سے غلط ترجمے اور غلط عقائد کو جھٹک دیجئے۔ آپ کی پکڑ ضرور ہو گی یونکہ صحیح یا غلط راہ پر چلنے کا آپ کو اختیار ہے۔ وہ نا انصاف نہیں کہ آپ کو خود ہدایت دے یا گمراہ کرے اور پھر پکڑ کرے۔ وہ تو عادل ہے۔

**179۔**... آگے اسی سورۃ النور میں اللہ تعالیٰ مومنین کو کچھ آداب معاشرت بتانے کے بعد آیت نمبر ۵۸ کے آخر میں پھر جتاتا ہے کہ اللہ تو اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے:

"............... كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ (النور:۵۸)

ترجمہ: ............... اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تا کہ تم (بآسانی) سمجھ سکو(۶۱)(ص ۱۸۳۔ ۱۸۴، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو خود اپنی آیاتِ قرآن ہی میں اپنے احکام واضح کر کے بتا رہا ہے تو پھر (نام نہاد) احادیث کی کیا ضرورت رہ گئی!

**180۔**... آگے اسی حقیقت کو پھر اسی سورہ النور کی آیت نمبر ۶۱ کے آخر میں، کچھ اور آدابِ معاشرت بتانے کے بعد' دوہرایا ہے۔

"...... كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (النور:۶۱)

ترجمہ: ............ اس طرح اللہ تم سے اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تا کہ تم (بآسانی) سمجھ سکو" (۶۱)(ص ۱۸۳۔ ۱۸۴، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ کتنی صاف بات ہے اور صیغہ "حال" میں ہو رہی ہے کہ اللہ اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تا کہ تم بآسانی سمجھ سکو (اور کسی (نام نہاد) احادیث کی ضرورت نہ پڑے) تو بچاری (نام نہاد) احادیث تو گئیں! جب بات' یا احکام' واضح آیات ہی سے سمجھ میں آجائیں تو پھر اب ان کی شرح یا وضاحت کون کرے گا، کہاں کرے گا اس لئے اس قسم کے سب دعوے اور عقیدے باطل ہیں انہیں مسترد کر دیجئے۔

**181۔**... آگے سورۃ الفرقان کی پہلی ہی آیت میں الفرقان نازل کرنے کا اعلان ہے۔

"تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۝ (الفرقان:۱)

ترجمہ: بابرکت ہے وہ (اللہ) جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تا کہ وہ (بندہ) تمام اقوامِ عالم کو ڈرائے (۱)" (ص ۲۰۶۔ ۲۰۷، جزء۷)

قارئین غور کیجئے، یہ آیت کریمہ انتہائی اہم حقیقت کا کھلا اور واضح اعلان کر رہی ہے کہ **اللہ** نے **"الفرقان"** اپنے بندہ **محمد** پر نازل کی ہے۔(موصوف نے "الفرقان کا ترجمہ "قرآن" کر دیا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ "قرآن " ہی کو "الفرقان" کہا گیا ہے اور یہی انتہائی اہم حقیقت ہے کہ اس نے اپنی نازل شدہ 'الکتٰب' کو "الفرقان" قرار دیا ہے۔ "الفرقان" کے معنٰی ہیں "کسوٹی"، حق و باطل میں فرق کرنے والی اور اس حقیقت کو خود موصوف نہ چھپا سکے چنانچہ)موصوف اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تفسیر: بابرکت ہے وہ(اللہ) جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب نازل فرمائی تاکہ وہ(بندہ) تمام(اقوام) عالم کے لئے ڈرانے والا ہو۔

حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے" (ص۲۰۸، جزء۔۷)

قارئین دیکھا آپ نے کہ حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب، باطل کو چھانٹنے والی کتاب، حق کو جانچنے والی کسوٹی قرآن مجید ہی ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں جیسا کہ موصوف و دیگر اہلحدیثوں و اہل فقہ کا عقیدہ ہے کہ (نام نہاد) احادیث قرآن پر بھی قاضی ہیں۔ معاذ اللہ۔ ایسے شیطانی عقیدوں کو مسترد کر دیجئے۔

دوسری اہم حقیقت اس آیت کریمہ میں یہ بتائی گئی ہے کہ اللہ نے اپنے بندے پر الفرقان نازل کی ہے۔یعنی صرف قرآن کا نزول اہم حقیقت ہے کہ صرف قرآن مجید بندے پر نازل ہوا۔کسی اور کتاب مثل(نام نہاد) احادیث کا اشارہ تک نہیں۔اس لئے موصوف کا قرآن کے علاوہ کے نزول کا عقیدہ نص صریح نہ ہونے کی وجہ سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ایسے تمام عقیدوں کو مسترد کر دیجئے اور صرف اللہ کی الکتٰب، الفرقان ہی کو پکڑ لیجئے۔

**182**۔... آگے اسی سورہ الفرقان میں آیات نمبر ۴۔۶ میں اللہ تعالیٰ قرآن کے شروع ہی سے لکھے ہوئے ہونے اور اللہ کی طرف سے نازل ہونے اور کفار و مشرکین کا اس سے انکار کرنے کا بیان کر رہا ہے۔

"وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡۤا اِنۡ ہٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفۡکُ ۣاِفۡتَرٰىہُ وَ اَعَانَہٗ عَلَیۡہِ قَوۡمٌ اٰخَرُوۡنَ ۚۛ فَقَدۡ جَآءُوۡ ظُلۡمًا وَّ زُوۡرًا ﴿۴﴾ۚۛ وَ قَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا فَہِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡہِ بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا ﴿۵﴾ قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّہٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿۶﴾ (الفرقان:۴۔۶)

ترجمہ: اور (اے رسول) کافر کہتے ہیں کہ یہ (سب) جھوٹ ہے جو اس (رسول) نے خود بنا لیا ہے اور اس (کام) پر دوسرے لوگوں نے بھی اس کی مدد کی ہے (یہ بات کہہ کر) وہ ظلم اور جھوٹ کے مرتکب ہوئے ہیں(۴) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں جو انہوں نے (کسی سے) لکھوا لئے ہیں اور (اب) صبح و شام وہی (قصے کہانیاں) ان کو لکھوائی جاتی ہیں(۵) (اے رسول، آپ) کہہ دیجئے اس کو اس نے اُتارا ہے جو آسمانوں کی اور زمین کی (تمام) پوشیدہ باتوں کو جانتا ہے (وہ تمہیں اس بہتان کی فوراً سزا نہیں دے رہا اس لئے کہ) وہ بڑا بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے(۶) " (ص۲۱۶۔۲۱۷، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ یہ آیات کریمات کن حقائق کا اعلان کر رہی ہیں:

(۱)۔ کفار، رسول اللہ سلامٌ علیہ کے معجزہ یعنی قرآن مجید کا انکار کرتے تھے اور اس کو جھوٹ کہتے تھے اور رسول کا خود کا

............بنایاہوا کہتے تھے۔ یعنی کفار (نام نہاد) احادیث کا انکار نہیں کرتے تھے اور نہ یہ کہتے تھے کہ رسول نے یہ خود بنالی ہیں یا یہ ان کے الفاظ میں یا مفہوم میں ہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو اس آیت میں یا کسی اور آیت میں اللہ تعالیٰ اس اعتراض کو بھی نقل فرما دیتا جیسا کہ اس نے قرآن پر کفار کے ہر اعتراض کو نقل فرمادیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت رسول کے سامنے موجود تو صرف قرآن ہی تھا (نام نہاد) احادیث اور ان کی کتابیں نہیں تھیں اس لئے ان پر اعتراض نہیں کیا گیا ورنہ تو کفار کو دین کی ہر بات پر ہی اعتراض ہوتا! اس طرح سے اس آیت کریمہ نے موصوف اور دیگر اہل حدیثوں و اہل فقہ کا عقیدہ باطل ثابت کر دیا کہ (نام نہاد) احادیث رسول اللہ کے سامنے ہی لکھی گئیں۔ (اگلی آیت میں دیکھیئے کہ رسول کے سامنے کیا لکھا گیا قرآن یا (نام نہاد) احادیث)

(۲)۔ کفار نے قرآن کے قصص کو اگلے لوگوں کے قصے کہانیاں بتایا، بہر حال انہوں نے یہ گواہی دیدی (اور قرآن میں یہ شہادت ریکارڈ ہو گئی) کہ قرآن (رسول کی موجودگی میں ان کے اہتمام و انتظام کے تحت) صبح و شام لکھوایا جاتا تھا۔ (تُملیٰ کے معنی ہیں لکھوانا جس کو ہم آپ اِملا کرانا کہتے ہیں یعنی رسول اللہ سلامٌ علیہ صبح و شام کاتبین وحی کو قرآن کریم اِملا کرایا کرتے تھے)۔ قارئین غور کیجئے کہ کیا قرآن کی بیان کردہ یہ حقیقت کافی نہیں یہ ثابت کرنے کیلئے کہ قرآن کریم تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی حیات طیبہ ہی میں ان کے سامنے ہی لکھا جا چکا تھا اور موصوف اور دیگر اہل حدیثوں و اہل فقہ کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ قرآن تو پہلے یا تیسرے خلیفہ راشد کے زمانہ میں لکھا گیا تھا (اور یہ آیت تو صرف اس حقیقت کی گواہی دے رہی ہے کہ متعدد نسخے متعدد کاتبینِ وحی کو املا کرائے جاتے تھے۔ جبکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اپنا تحریر شدہ نسخہ اس کے علاوہ تھا جس سے وہ املا کرایا کرتے تھے! اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے)

(۳)۔ تیسری حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود کہا کہ اے رسول کہہ دیجئے کہ اس قرآن کو اس نے نازل کیا ہے جو آسمانوں و زمین کی ہر پوشیدہ بات کو جانتا ہے۔ تو یہاں صرف یہ حقیقت بتائی گئی کہ قرآن جس کا انکار کفار کرتے ہیں اللہ نے نازل فرمایا۔ (نام نہاد) احادیث کو نازل کرنے کی طرف جھوٹ موٹ کا اشارہ تک نہیں۔

قارئین ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہنوں میں یہ اشکال پیدا کیا جائے کہ ان تینوں آیات میں لفظ قرآن یا کتُب تو استعمال ہی نہیں ہوا۔ تو یہ حقیقت قرآن کے بارے میں کیسے ہو گئی؟ تو عرض یہ ہے کہ پچھلی آیات بھی پڑھ لیجئے نیز موصوف کی تفسیر دیکھ لیجئے۔ وہ خود ان آیات کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تفسیر: "الغرض وہ مقابلہ نہ کر سکے تو انہیں اس کلام کو کلامِ الٰہی مان لینا چاہئے تھا۔ لیکن انہوں نے قرآن مجید کو کلام الٰہی تسلیم نہیں کیا۔ حق کو باطل کہتے رہے اور یہ سراسر ظلم و زیادتی اور جھوٹ ہے" (ص۲۱۸، جزء۔۷)

آگے اسی صفحہ ۲۱۸ پر تفسیر کے اختتام پر "عمل" کے زیرِ عنوان موصوف تحریر فرماتے ہیں:

عمل: "اے لوگو، قرآن مجید پر ایمان لائیے۔ آپ اس کے مثل کلام بنا کر لانے سے عاجز ہیں تو پھر یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ حق ہے۔ حق کو باطل کہہ کر ظلم اور ناانصافی نہ کیجئے............... " (ص۲۱۸، جزء۷)

قارئین غور کیجئے اس عمل میں:

(۱)۔ موصوف نے خود مان لیا کہ ایمان تو قرآن مجید ہی پر لانا ہے۔ اور
(۲)۔ آپ اس کے مثل کلام بنا کر لانے سے عاجز ہیں تو پھر یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔
یعنی موصوف یہ حقیقت مان رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کلام ہو گا یعنی وحی، اس کی یہ صفت ہو گی کہ آپ یا دیگر انسان اس کے مثل کلام بنا کر لانے سے عاجز رہیں گے یعنی مِثْلُهٗ وَ مَعَهٗ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ قرآن کریم کے مثل آج تک کوئی انسان و جن کلام بنا کر نہ لا سکا۔ مگر (نام نہاد) احادیث لاکھوں کے حساب سے بنا کر ہر زمانے میں لاتے رہے۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہیں بلکہ غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہیں۔ اس لئے انہیں مسترد کر دیجئے اور صرف حق یعنی قرآن مجید کو مضبوطی سے پکڑ کر اس پر عمل کیجئے اسی کی اتباع کیجئے۔

**183**۔ ... آگے اسی سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۳۰ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ یوم حشر رسول سلامٌ علیہ امت کے خلاف شکایت کریں گے کہ اس نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔

''وَ قَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ۝ (الفرقان:۳۰)

ترجمہ: (اس دن) رسول (ﷺ) کہیں گے اے میرے رب میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا (اب ان کا معاملہ تیرے حوالے ہے) (۳۰) '' (ص ۲۴۰۔۲۴۱، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے، کتٰب اللہ، وحی کامل قرآن مجید کے بارے میں یہ آیت کریمہ منتہائے کمال (Climax) ہے کہ صرف یہی اللہ کی کتاب ہے جو وحی کی گئی محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر اور اسی پر وہ خود اور ان کے ماننے والوں کو ایمان لانا تھا اور عمل کرنا تھا مگر ان کے ماننے والے دعویداروں نے، اپنے آپ کو مسلمین و مومنین کہنے والوں نے، اپنے آپ کو عاشق رسول کہنے والوں نے، اپنے آپ کو قرآن و سنت پر عامل کہنے والوں نے، اپنے آپ کو رسول کی سنّتوں کا احیاء کرنے کے دعویداروں نے، تقریباً سب ہی نے اسی کتٰب اللہ کو چھوڑ رکھا تھا اس حد تک کہ یوم حشر میں خود رسول اللہ سلامٌ علیہ، اللہ کے حضور میں شکایت فرمائیں گے کہ اے میرے ربّ اس میری قوم نے (جو بڑے بڑے دعوے کرتی تھی) اس قرآن مجید کو چھوڑ دیا تھا۔ قارئین غور کیجئے کہ یہاں پر کسی قسم کا ابہام نہیں۔ صاف صاف نام **قرآن** لیا جا رہا ہے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ قرآن کے ساتھ (نام نہاد) احادیث شامل ہیں؟ ظاہر ہے کہ اللہ کے رسول خود یہ شرک نہیں کر سکتے کہ اللہ کی کتاب کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں شامل کر دیں۔ بلکہ وہ تو دوٹوک اور بالکل واضح الفاظ میں کہیں گے کہ قرآن کو چھوڑ دیا تھا (نام نہاد) حدیث و فقہ، تفسیر و فتاوٰی کو نہیں۔ اس آیت کریمہ سے موصوف کا عقیدہ کہ (نام نہاد) احادیث بھی کتاب اللہ ہیں اور ان پر بھی ایمان لانا، ہوتا ہے غلط اور باطل ثابت ہو جاتا ہے یونکہ یہاں رسول اللہ صرف قرآن کے بارے میں شکایت کریں گے۔ ورنہ پھر وہ بھی ابہام رکھتے ہوئے کوئی اور لفظ استعمال کرتے (نعوذ باللہ) پس ثابت ہوا کہ ایمان صرف قرآن پر لانا ہے (نام نہاد) احادیث یا بخاری و مسلم وغیرہ کی کتابوں پر نہیں وہ نہ کتاب اللہ ہیں نہ ہی وحی۔ اور یہ کہ اگر کوئی ان کا انکار کر دے تو اس کے ایمان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ تو ہے ہی غیر اللہ کی بات۔ ہاں البتہ جو لوگ قرآن کا انکار کریں گے بلکہ اس کو چھوڑ کر غیر اللہ کی کتابوں کو پکڑ لیں گے وہ منکرِ قرآن یا مجرم ہو جائیں گے اور انہیں ہوشیار ہو جانا چاہئے یونکہ اللہ کے رسول ان کے خلاف شکایت کریں گے۔ اور جب

رسول شکایت کریں تو ان لوگوں کو کہاں ٹھکانا ملے گا! یہ خود انہیں سوچ لینا چاہئے۔

**184**۔... آگے اسی سورۃ الفرقان کی آیات ۳۲۔۳۴، میں قرآن ہی پر کفار کے اعتراض کے بارے میں بیان ہے اور پھر ان کے اعتراض کا جواب اور ان کا حشر۔

''وَ قَالَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا لَوۡ لَا نُزِّلَ عَلَیۡہِ الۡقُرۡاٰنُ جُمۡلَۃً وَّاحِدَۃً ۚ کَذٰلِکَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِہٖ فُؤَادَکَ وَ رَتَّلۡنٰہُ تَرۡتِیۡلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا یَاۡتُوۡنَکَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئۡنٰکَ بِالۡحَقِّ وَ اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا ﴿ؕ۳۳﴾ اَلَّذِیۡنَ یُحۡشَرُوۡنَ عَلٰی وُجُوۡہِہِمۡ اِلٰی جَہَنَّمَ ۙ اُولٰٓئِکَ شَرٌّ مَّکَانًا وَّ اَضَلُّ سَبِیۡلًا ﴿۳۴﴾ (الفرقان: ۳۴۔۳۲)

ترجمہ: اور (اے رسول) کافر کہتے ہیں کہ ان پر قرآن پورا کا پورا ایک ہی دفعہ میں کیوں نہیں نازل کیا گیا (جستہ جستہ کیوں اُتارا گیا؟ اے رسول، بے شک ہم نے اس کو) اسی طرح (نازل کیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے) کہ اس کے ذریعہ ہم آپ کے دل کو ثابت رکھیں اور (جس مقصد کی خاطر) ہم نے اس کو (اب تک) آہستہ آہستہ اُتارا ہے (اسی طرح آئندہ بھی اُتارتے رہیں گے) (۳۲) اور جو بات بھی (یہ لوگ اعتراضاً) آپ کے پاس لائیں گے ہم سچائی کے ساتھ (اس کا دندان شکن جواب) اور بہترین تشریح (اور توجیہہ) آپ کو بتادیں گے۔ (۳۳) اور (اے رسول) جو لوگ اپنے منہ کے بل دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے تو یہ لوگ مکان کے لحاظ سے بدترین ہوں گے اور راہ (راست) کے اعتبار سے سب سے زیادہ بھٹکے ہوئے (۳۴)''
(ص ۲۵۶۔۲۵۷، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ آیت میں پھر لفظ ''الۡقُرۡاٰنُ'' ہی استعمال ہو رہا ہے اور کافروں کا یہ اعتراض بتایا جارہا ہے کہ یہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ ایک ہی مرتبہ میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ قرآن یہاں بھی (نام نہاد) احادیث کا ذکر تک نہیں کرتا بلکہ کھلم کھلا قرآن ہی کا نام لیا جارہا ہے جبکہ موصوف کے عقیدہ کے مطابق (نام نہاد) احادیث بھی وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہیں تو پھر کفار نے ان پر کیوں نہیں اعتراض کیا؟ تو حقیقت تو یہ ہے کہ (نام نہاد) احادیث اگر اس وقت نازل ہو رہی ہوتیں تو ان پر اعتراض ہوتا! جب وہ نازل ہی نہیں ہوئیں، اس وقت ان کا وجود ہی نہ تھا تو ان پر اعتراض کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

آگے دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کے آہستہ آہستہ نازل ہونے کی وجہ بھی بتارہا ہے پھر یہ بھی بتارہا ہے کہ کفار جو جو اعتراض لائیں گے ہم ان کا جواب دیتے رہیں گے نیز یہ کہ ہم بہترین تفسیر بھی کرتے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے الفاظ ہیں ''اَحۡسَنَ تَفۡسِیۡرًا'' مگر موصوف نے بجائے وہی استعمال کرنے کے ان کا ترجمہ کر دیا (تاکہ لوگ حق نہ پاسکیں) کہ ''بہترین تشریح اور (توجیہہ) آپ کو بتادیں گے''۔ اس طرح اس آیت کریمہ میں یہ ثابت ہوا کہ تفسیرِ قرآن تو خود اللہ تعالیٰ نے اسی قرآن میں کر دی (جس طرح کہ اس نے کفار کے اعتراضات کا جواب بھی اسی قرآن ہی میں دیا۔ اسی طرح اس کی تفسیر بھی قرآن ہی میں کر دی)۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر موصوف اور دیگر مفسرین کرام کیا کرتے رہے کہ قرآن کی تفسیروں کی سینکڑوں ہزاریں جلدیں لکھتے رہے۔ تو اس کا جواب میرے نزدیک تو یہ ہے کہ وہ الٰہ ہونے کا دعویٰ کرتے رہے کہ اللہ کی کتب کی تفسیر یا تشریح کرتے رہے۔ یونکہ عام اصول یہ ہے کہ کسی بھی کتاب کی

تشریح اس کتاب کے مصنف کے علاوہ یا تو وہ شخص کرتا ہے جو اس مصنف کا مصاحب خاص رہا ہو اور اس کے تاثرات اچھی طرح جانتا ہو یا پھر اس مصنف سے زیادہ قابل ہو، تو چونکہ یہ مفسرین کرام اللہ تعالیٰ کے مصاحب تو رہے نہیں، اس لئے اس سے زیادہ قابل ہونے کے دعویدار ہی ہوئے! نعوذ باللہ۔

اب ذرا دوسرا عقیدہ بھی ہاتھ کے ہاتھ باطل کرتے چلئے کہ رسول اللہ نے قرآن کی تفسیر یا تشریح کی! یہاں آیت تو یہ ثابت کر رہی ہے کہ احسن تفسیر تو اللہ تعالیٰ نے خود کی۔ اہل حدیث و اہل فقہ کہتے ہیں کہ تفسیر رسول نے پوشیدہ وحی کے ذریعہ کی۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر وہ رسولی تفسیر کہاں ہے؟ اگر رسول سلامٌ علیہ نے تفسیر کی تو لاؤ وہ تفسیر پیش تو کرو! قیامت تک نہیں کر سکتے۔ اور اگر رسول نے تفسیر کی تو پھر دوسری یا تیسری صدی ہی سے آج تک مفسرین تفسیریں کیوں لکھتے رہے؟ کیا وہ رسولی تفسیر کافی نہیں تھی؟

موصوف نے خود ہزاروں تفاسیر کے ہوتے ہوئے ایک اور تفسیر لکھ دی اور اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے وہ کوئی روایت یا (نام نہاد) حدیث نہ لا سکے کہ یہاں تفسیر کے معنٰی یہ ہیں کہ رسول تفسیر کریں گے.......... (نعوذ باللہ) پس ثابت ہوا کہ اہل حدیث و اہل فقہ علما اور ان کے مقلدین کا یہ عقیدہ بالکل باطل ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اسی قرآن کے علاوہ کوئی اور تفسیر کی۔ ملاحظہ ہو کہ موصوف اپنی تفسیر میں کیا لکھتے ہیں:

"تفسیر: (وَ لَا يَأْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا) اور (اے رسول، اس کا ایک مقصد اور بھی ہے وہ یہ کہ) یہ لوگ جب کبھی آپ کے پاس کوئی بات (بطور اعتراض کے) لے کر آتے ہیں تو ہم (اسی وقت اس اعتراض کا) جچا تُلا جواب اور اس کی بہترین تشریح و توضیح آپ کو بتا دیتے ہیں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے جستہ جستہ نازل کرنے کے دو مقصد بتائے:

(ا)۔ رسول اللہ ﷺ کے دل کو ثابت رکھنا۔

(۲)۔ تمام اعتراضات کا بر وقت جواب دے دینا۔

اگر پورا قرآن مجید ایک دفعہ نازل کر دیا جاتا تو اعتراضات کا بر وقت جواب کیسے دیا جاتا نزولِ قرآن مجید کے وقت تو وہ اعتراضات تھے ہی نہیں تو ان کا جواب کیسے دیا جاتا۔ اعتراضات تو نازل ہونے کے بعد ہی ہو سکتے تھے اور بعد ہی میں ہوئے اور ان کا جواب اسی وقت دیا گیا جب وہ کئے گئے"۔ (ص ۷۲۵، جزء ۔ ۷)

قارئین غور کیجئے، ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ جب (نام نہاد) احادیث اس وقت تھیں ہی نہیں تو ان پر اعتراضات تو ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ ان پر تو اعتراض جب ہی ہو سکتا تھا جب وہ گھڑی گئیں یا اس کے بعد۔ اور اس کے بعد قرآن مبین نازل نہیں ہوا بلکہ وہ بہت عرصہ پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ غور فرمائیے۔ موصوف اس آیت کی اپنی تفسیر میں صرف اعتراضات کے جوابات تک ہی لکھ کر اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا کی تفسیر گول کر گئے! کیوں؟ محض اس لئے کہ ان کے خود ساختہ عقیدہ کا ابطال ہو رہا تھا۔ مگر پھر بھی حق بات ان کے قلم سے نکل ہی گئی کہ: "ہم اسی وقت اس اعتراض کا جچا تلا جواب اور اس کی بہترین تشریح و توضیح آپ کو بتا دیتے ہیں"۔ بہترین تشریح و توضیح قرآنی الفاظ اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا کا ترجمہ ہے۔ موصوف کو شاید قرآنی الفاظ "اَحْسَنَ تَفْسِيْرًا" لکھنے میں تردّد تھا مبادا کہ قارئین یہ نہ سمجھ لیں کہ قرآن کریم کی سب سے بہتر تفسیر تو خود اللہ تعالیٰ اسی قرآن کریم میں بتا رہا ہے اسی لئے اس کو "قراٰن مبین" کہا ہے۔ پس

موصوف کی اس تفسیر سے بھی یہ ثابت ہوا کہ اپنی الکتٰب کی تفسیر اللہ تعالیٰ نے خود اسی الکتٰب ہی میں کر دی ہوئی ہے تصریف الاٰیات کے ذریعہ۔

آگے غور فرمایئے کہ صرف قرآن پر ایمان نہ لانے والوں کا اور قرآن پر اعتراضات کرنے والوں کا اللہ تعالیٰ کیا حشر بتا رہا ہے کہ "وہ منہ کے بل دوزخ کی طرف جمع کئے جائیں گے" دیکھئے خود موصوف اس کی کیا تفسیر لکھتے ہیں:

"تفسیر: جو لوگ قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اس کا مذاق اُڑاتے ہیں اور اس پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں وہ یقیناً ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور دوزخ یقیناً سب سے بدتر مقام ہے"۔(ص ۲۵۸، جزء ۷)

آگے چل کر موصوف ان تینوں آیات کی تفسیر کے آخر میں "عمل" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

عمل: "اے لوگو، قرآن مجید پر ایمان لایئے۔ اس پر لغو اور لایعنی اعتراضات نہ کیجئے" (ص ۲۵۹، جزء ۷)

قارئین غور کیجئے موصوف بھی صرف قرآن ہی پر ایمان لانے کی بات کر رہے ہیں۔ اور اس پر اعتراضات کرنے سے منع کر رہے ہیں۔ جبکہ خود انہوں نے اپنی کتاب "تفہیم الاسلام" میں جگہ جگہ قرآن کریم پر اعتراضات کئے ہیں اور بہت سے اختلافات بھی بالتفصیل لکھے ہیں۔ اب آپ ہی ان سے پوچھئے کہ یہ انہوں نے کونسی یا کس کی سنت کا احیاء کیا ہے؟

**185**۔... آگے اسی سورۃ الفرقان کی آیت ۵۲ میں کافرین کی بات نہ ماننے اور قرآن ہی کے ذریعہ جد وجہد / جہاد کرتے رہنے کا حکم ہے:

''فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ﴿۵۲﴾

ترجمہ: لہٰذا آپ کافروں کا کہنا نہ مانیں اور اس (قرآن) کے ذریعہ (ان کو راہِ راست پر لانے کی) خوب کوشش کرتے رہیں (۵۲)" (ص ۲۷۴۔۲۷۰، جزء ۷)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کیا کیا اہم احکامات دیئے جا رہے ہیں:

(۱)۔ کافروں کا کہنا (کسی حال میں) نہیں ماننا۔ اب دو باتیں قابلِ غور ہیں۔(۱)۔ کافر کون لوگ ہیں؟(۲)۔ اور وہ کیا منوانا چاہتے ہیں؟...........

پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ انسان اپنی پیدائش کے بعد یا تو مومن ہو جاتا ہے یا کافر (۲/۶۴) تو جو مومن نہیں وہ کافر ہی ہوا۔ اور مومن کہتے ہیں جو ان پانچ باتوں پر ایمان لاتا ہے جس کا اللہ نے حکم دیا ہے (۲/۲۸۵، ۲/۱۷۷، ۴/۱۳۶) اور ان پانچ باتوں میں اللہ کی کتابیں جو اس نے اپنے انبیاء کرام پر نازل فرمائیں شامل ہیں اور ان کتابوں میں سے آخری کتاب قرآن مجید ہے تو جو قرآن مجید پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہوا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ کافر یہ منوانا چاہتے ہیں کہ کتٰب اللہ یعنی قرآن مجید کو کسی طرح بدل دیا جائے (۱۰/۱۵) خواہ وہ (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ من گھڑت تشریح و توضیح کر کے، خواہ من گھڑت و قیاسی تفاسیر کر کر کے)

نیز کافر یہ بھی منوانا چاہتے ہیں کہ اس قرآن مجید کی جگہ اور کوئی قرآن لے آؤ (۱۰/۱۵) (خواہ وہ رومی کا قرآن در زبان پہلوی ہو یا بخاری و مسلم کی صحیح جنہیں قرآن کے برابر قرار دیا جاتا ہو' یا تبلیغی جماعت کا نصاب تبلیغ ہو جسے قرآن

کی بجائے عام محافل میں تلاوت کر کے سنایا جاتا ہو) تو جو لوگ قرآن کو بدلوانا چاہتے ہیں خواہ وہ اس کے مقابلے پر غیر اللہ کی کتابیں لا کر یا شریک کر کے وہ بھی اُس قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہو سکتے جو قرآن محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہوا تھا۔ اس لئے وہ مومن نہیں ہوئے۔ انہی لوگوں کا کہنا یا فرمائش ماننے سے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو منع فرمادیا گیا۔

(۲)۔ "اور اس **قرآن** کے ذریعہ (ان کو راہِ راست پر لانے کی) خوب کوشش کرتے رہیں"۔ قارئین یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ کافرین جس کتُبِ الٰہی کو بدلنے کی فرمائش کر رہے ہیں یا کوشش کر رہے ہیں ان کو اسی کتُبِ الٰہی کے ذریعہ راہِ راست پر لانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ حکم نہیں دیا جا رہا کہ (نام نہاد) احادیث یا غیر اللہ کی کتابوں کو جن کو منکرین قرآن نے قرآن کے برابر کا درجہ دے لیا ہے ان سے راہِ راست پر لانے کی کوشش کرو۔ آپ اگر مزید تفکر کریں تو آپ پر یہ حقیقت بھی منکشف ہو گی کہ یہ آیت کریمہ قرآن کے ذریعہ کوشش کرنے، تبلیغ کرنے، انذار کرنے، ہی کو جِهَادًا كَبِيْرًا کہہ رہی ہے۔ (یعنی اسی قرآن کے ذریعہ ان کو راہِ راست پر لانے کیلئے جہادِ کبیر کرتے رہئے۔ مگر موصوف نے ان الفاظِ قرآنی کو بدل دیا شاید یونکہ ان کے عقیدہ پر زد پڑتی تھی کہ قرآن کریم کے ذریعہ جہادِ کبیر نہ ہو بلکہ (نام نہاد) احادیث سے ہو۔ اب ذرا اس آیت کی تفسیر کا خلاصہ بھی ملاحظہ فرمایئے جس میں موصوف فرماتے ہیں:

"الغرض اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو کفار کے مطالبات ماننے سے منع کر دیا ہے۔ دین اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے۔ اس دین میں کسی کی خواہش کے مطابق ردّوبدل نہیں ہو سکتا۔ اگر اس میں ردّوبدل کر دیا جائے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ کا دین نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا دین خالص اللہ تعالیٰ کے احکامات پر مشتمل ہوتا ہے، اس میں کسی دوسرے کے اقوال و افکار کی آمیزش نہیں ہو سکتی"۔ (ص ۲۸۱، جزء۔ ۷)

قارئین موصوف کے اس خلاصہ پر غور کیجئے۔ ایک ایک جملہ پر غور کیجئے۔ آخر موصوف کے قلم سے حق نکل ہی گیا اس کو پکڑ لیجئے (ورنہ موصوف تو کہیں پر بھی بدل سکتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ کے دین خالص یعنی قرآن مبین میں، قرآن الحکیم میں، احسن الحدیث میں، اَحسن التفسیر میں، قول رسول کریم میں کسی دوسرے یعنی غیر اللہ کے اقوال (نام نہاد احادیث) و افکار (نام نہاد فقہ و تفاسیر و فتاویٰ) کی آمیزش نہ کیجئے۔ خیال رہے کہ اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے خود موصوف نے کوئی (نام نہاد) حدیث کی آمیزش نہیں کی!

**186**۔۔۔ آگے اسی سورۃ الفرقان کی آیت نمبر ۷۳ میں پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیات ہی کی بات کر رہا ہے۔

"وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّ عُمْيَانًا ۝

ترجمہ: اور وہ لوگ کہ جب ان کو ان کے رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو اس پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں) (۷۳) " (ص ۳۳۸، جزء۔ ۷)

قارئین غور فرمایئے۔ سورہ الفرقان کے اس مقام پر اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی (دسویں) صفت بیان فرما رہا ہے اور اس میں بھی اسی کی کتُب کی آیات سے نصیحت کرنے کا بیان ہے اور آیاتِ الٰہی (نام نہاد) احادیث نہیں ہو سکتیں۔ یعنی نصیحت بھی (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ نہیں بلکہ قرآنی آیات ہی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

**187**۔۔۔ آگے سورۃ الشعراء کی آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ یہ روشن کتاب کی آیات ہیں:

"تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

ترجمہ: یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں(۲)

تفسیر: یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔ قرآن مجید کو روشن اس لئے کہا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ سیدھا راستہ دکھائی دیتا ہے، گمراہی کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، قرآن مجید شرعی مسائل کو وضاحت کے ساتھ علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے، اس کے احکام میں کوئی کجی نہیں، کوئی پیچیدگی نہیں" (ص ۳۵۳، ۳۵۴، جزء۔۷)

قارئین غور فرمایئے کہ کس کتاب کی تعریف ہو رہی ہے؟ یہ اسی کتاب کی تعریف ہو رہی ہے جس کے لئے موصوف اور دیگر اہل حدیثوں و اہل فقہ کا عقیدہ ہے کہ وہ نعوذ باللہ مجمل کتاب ہے اور بغیر (نام نہاد) احادیث کے نہ سمجھی جاسکتی ہے اور نہ اس پر عمل ہو سکتا ہے۔ جبکہ موصوف کے قلم سے یہاں پر حق نکل گیا ہے کہ:

"قرآن مجید شرعی مسائل کو وضاحت کے ساتھ علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے" یعنی یہ اسے سمجھانے کا کام (نام نہاد) احادیث یا محدثین یا فقہا کیلئے نہیں چھوڑ دیتا کہ وہ اپنی من مانی تاویلات کرتے رہیں۔ موصوف مزید فرماتے ہیں:

"اس کے احکام میں کوئی کجی نہیں، کوئی پیچیدگی نہیں" ۔ تو جب کوئی پیچیدگی نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کے احکام کی شرح کیونکر ہو رہی ہے؟ یہ (نام نہاد) احادیث پر احادیث، تفاسیر پر تفاسیر کیوں لکھی جا رہی ہیں؟ کیا یہ اسے بدلنے کی سازشیں نہیں؟

قارئین مزید غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں کیا چیلنج کر رہا ہے کہ یہ کتٰبُ الْمُبین یعنی روشن کتاب کی آیتیں ہیں وہ یہ نہیں فرما رہا کہ یہ بخاری و مسلم کی روایتیں ہیں! بخاری و مسلم کی روایتوں کو کتٰب اللہ کہنا اور ماننا کتنی بڑی جسارت ہے؟ کیا ان روایتوں میں بھی ایسی چیلنج کرتی ہوئی کوئی روایت ہے؟

یہاں خود موصوف کی تفسیر نے حق واضح کر دیا کہ کتٰب اللہ تو خود ہی روشن کتاب ہے جس میں "شرعی مسائل" کو وضاحت سے علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا گیا ہے تو پھر اب آپ (نام نہاد) احادیث و فقہ میں کیا تلاش کر رہے ہیں۔ بقول موصوف ہی کے قرآن کے علاوہ کو مسترد کر دیجئے۔

**188**۔... آگے اسی سورۃ الشعرآء کی آیت ۱۹۲ میں صرف اسی قرآن کریم کو نازل کرنے کا بیان ہے:

"وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱۹۲

ترجمہ: اور (اے رسول) بے شک یہ **(قرآن)** رب العالمین کا نازل کردہ ہے" (ص ۴۲۶، ۴۲۸، جزء۔۷)

غور کیجئے، یہ آیت کریمہ بھی، پہلے کی اور بہت سی آیات کی طرح صرف قرآن مجید ہی کے رب العٰلمین کی طرف سے نازل کئے جانے کا اعلان کر رہی ہے۔ (نام نہاد) احادیث یا کسی پوشیدہ وحی کے نزول کا اعلان نہیں کر رہی۔ اس سے ہی صاف صاف ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ پوشیدہ طور پر وحی نہیں ہوا۔ اور اگر ہوا تو لایئے پھر اس طرح کی آیت جس میں کہا گیا ہو کہ (نام نہاد) احادیث بھی رب العٰلمین کی طرف سے نازل ہوئیں (پوشیدہ طور پر)۔ اب ذرا اس آیت کریمہ کی موصوف کی تفسیر بھی ملاحظہ فرمایئے:

"تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی خصوصیات کا ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) اور (اے لوگو) یہ (**قرآن مجید**) رب العالمین کا نازل کردہ ہے (اس میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہے اور نہ یہ شاعرانہ کلام ہے)" (ص ۴۲۹، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ قوسین میں موصوف نے کیا نکتہ چھیڑ دیا۔ اور اچھا ہوا کہ یہ انہی کے قلم مبارک سے نکلا ورنہ تو اگر ہم کہتے تو پھر شکایت ہوتی! اس نکتہ کا واضح مطلب یہی ہے کہ قرآن مجید جو اللہ کا نازل کردہ ہے اس میں شیطان کا کوئی دخل نہیں جبکہ غیر اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں شیطان کا پورا پورا دخل ہے۔ بلکہ عمل دخل دونوں ہے۔ اس لئے غیر اللہ کے کلام سے ہوشیار ہو جایئے اور اسے بقول موصوف ہی کے مسترد کر دیجئے۔ بہر حال سنی سنائی باتوں یا (نام نہاد) احادیث میں شیطان کا عمل دخل کس طرح ہوتا ہے اس کے لئے اسی سورۃ الشعراء کی آیات نمبر ۲۲۱۔۲۲۶ کا مطالعہ کر لیجئے۔ میں موصوف ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ترجمہ: "اے لوگو) کیا میں تمہیں بتاؤں شیطان کس پر اُترتے ہیں (۲۲۱) وہ تو ہر کذّاب بڑے گناہگار پر اُترتے ہیں (۲۲۲) وہ (ہر) سُنی سنائی بات (اس کے دل میں) القاء کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر تو (بالکل ہی) جھوٹے ہوتے ہیں (کوئی بھی صحیح بات القاء نہیں کرتے (۲۲۳) اور (اے رسول) شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ ہی کرتے ہیں (۲۲۴) کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ وہ ہر وادی میں سرگرداں پھرتے ہیں (۲۲۵) اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو کرتے نہیں (۲۲۶)" (ص ۴۴۳، جزء۔۷)

**189**۔۔۔ آگے سورہ النمل کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ پھر وہی حقیقت دوہرا رہا ہے کہ یہ قرآن یعنی روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔

"طٰسٓ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾

ترجمہ: طٰسٓ، یہ قرآن یعنی روشن کتاب کی آیتیں ہیں (۱)" (ص ۴۵۱، ۴۵۲، جزء۷)

تفسیر: "قرآن مجید کی آیتیں واضح ہیں، عام فہم ہیں، ان میں کوئی الجھن یا پیچیدگی نہیں"۔ (ص ۴۵۲، جزء۷)

قارئین غور کیجئے کہ موصوف نے کیسی کیسی حقیقتوں کو بے نقاب کر دیا:

(۱)۔ قرآن مجید کی آیتیں واضح ہیں۔ (مزید کسی تشریح یا توضیح یا تفسیر کی ضرورت نہیں)۔

(۲)۔ قرآن مجید کی آیتیں عام فہم ہیں (جن کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اس لئے مزید تشریح کی کوئی گنجائش نہیں ۔ اس لئے (نام نہاد) احادیث کا پتّا صاف ہو گیا)

(۳)۔ قرآن مجید کی آیتوں میں کوئی الجھن یا پیچیدگی نہیں (اس لئے ہر شخص آسانی سے سمجھ سکتا ہے)

قارئین غور کیجئے کہ موصوف اور دیگر اہل حدیثوں و اہل فقہ کا جو عقیدہ ہے کہ قرآن بغیر (نام نہاد) احادیث کے سمجھ نہیں آسکتا کس بُری طرح سے غلط و باطل ثابت ہو گیا۔ اس تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے بلکہ آخر میں عمل کے زیرِ عنوان پھر اوپر بیان شدہ حقیقتوں ہی کا اعتراف کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

"عمل: اے ایمان والو، قرآن مجید ایک عام فہم کتاب ہے۔ اس میں آپ کے لئے ہدایت ہے۔ اس کو پڑھئے۔

اس پر غور کیجئے اور اس کے احکام پر عمل کیجئے"۔(ص ۴۵۳۔ جزء ۷)

قارئین غور کیجئے اگر ہم یہ بات کہیں گے کہ "قرآن مجید ایک عام فہم کتاب ہے" (اس لئے جن لوگوں نے اس کی شرح و تفسیر کرنے کی کوشش کی ہے وہ شیطان کے زیرِ اثر کی ہے اور اس میں شیطانی خیالات ورجحانات کا عمل دخل کیا ہے۔ اس لئے اس کو مسترد کر دینا چاہئے) تو شکایت ہو گی! ہماری بات کی تصدیق اسی سورہ النمل کی آگے کی آیت نمبر ۶ کرتی ہے۔

**190۔** ..."وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ عَلِيْمٍ ۝

ترجمہ: اور (اے رسول) یہ قرآن آپ کو حکمت والے اور علم والے (اللہ) کی طرف سے القاء کیا جارہا ہے(۶) " (ص ۴۵۷، ۴۵۹، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ اللہ حکیمٍ علیمٍ کی طرف سے القرآن ہی القاء کیا گیا ہے، یہ نہیں کہا جارہا کہ (نام نہاد) احادیث بھی القاء کی گئیں۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث القاء شدہ، یا نازل شدہ وحی نہیں البتہ جیسا کہ اوپر (سورہ الشعراء کی آیت ۱۹۲ کی تفسیر میں) ذکر ہوا ان میں شیطان کی طرف سے القاء شامل ہو سکتا ہے یونکہ وہ سب سُنی سنائی روایتیں ہیں۔

یہاں یہ عقیدہ بھی غلط ثابت ہو گیا کہ جبریل انسانی شکل میں پَر لگا کر، قرآن و (نام نہاد) حدیث لے کر نازل ہوتا تھا۔ ویسے بھی اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا ہوا ہے کہ قرآنی وحی تو رسول کے قلب پر بذریعہ جبریل نازل ہوتی تھی (۲/۹۷) اسی کو یہاں "القاء کیا" کہا گیا ہے۔ یعنی وحی اور القاء مترادف الفاظ ہوئے جو قلب پر نازل ہوئے ہیں۔ جبریل تو اس ذریعہ یا الٰہی قوت، الٰہی صفت (Frequenscy) کا نام ہے جس طرح ریڈیو یا ٹی وی فریکوئنسیز ہیں۔ غور کیجئے

**191۔** ... آگے اسی سورۃ النمل کی آیت نمبر ۷۶، ۷۷ میں اللہ تعالیٰ بتارہا ہے کہ یہی قرآن بنی اسرائیل کے اختلافی مسائل کو واضح کر رہا ہے اور یہی ہدایت ورحمت ہے۔

" اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَقُصُّ عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَكْثَرَ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَ اِنَّهٗ لَهُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

ترجمہ: (اور اے رسول) بے شک یہ قرآن بنی اسرائیل کے سامنے جن باتوں میں وہ اختلاف کر رہے ہیں ان میں سے اکثر باتوں کو (واضح طور پر) بیان کر رہا ہے (۷۶) اور بے شک یہ (قرآن) مومنین کے لئے (سراسر) ہدایت اور رحمت ہے (۷۷)" (ص ۵۴۵، ۵۴۶۔ جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ یہی قرآن (نام نہاد احادیث نہیں) بنی اسرائیل کے سامنے ان باتوں میں جن میں وہ اختلاف کرتے ہیں واضح کر کے بیان کر رہا ہے اور بے شک یہی قرآن (نام نہاد احادیث و فقہ و تفاسیر و فتاویٰ نہیں) ایمان والوں کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔ کیا اب غیر اللہ کی تشریح و تفسیر کی کوئی ضرورت رہ گئی؟

**192۔** ... آگے اسی سورۃ النمل کی آیت نمبر ۹۲ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو قرآن ہی تلاوت کر کے سنانے کا حکم ہو رہا ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔

"وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَقُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور قرآن کی تلاوت کرتا رہوں، تو جو شخص راہِ راست اختیار کرتا ہے تو وہ اپنے ہی فائدے کے لئے اختیار کرتا ہے اور جو شخص گمراہی اختیار کرتا ہے تو (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میں تو بس ڈرانے والا ہوں (اس سے زیادہ میری کوئی ذمہ داری نہیں (۹۲)" (ص۵۶۳، ۵۶۴۔ جزء۔۷)

قارئین اگر آپ غور کریں تو معلوم ہو گا کہ موصوف نے یہاں "وَ اَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ "کا ترجمہ مناسب نہیں کیا یونکہ پچھلی آیت کا ترجمہ یہ ہے:

"(اے رسول آپ کہہ دیجئے) مجھے تو بس یہ حکم ملا ہے کہ میں اس شہر (مکہ) کے رب کی عبادت کروں جس نے اس شہر کو حرمت عطاء فرمائی ہے اور جس کی ملکیت میں ہر چیز ہے اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں (۹۱) " (ص۵۶۴)

اب اس ترجمہ سے اگلی آیت کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے صحیح یا مناسب ترجمہ ہو گا کہ:

"(اور مجھے یہ حکم بھی ملا ہے) کہ قرآن پڑھ پڑھ کر سناتا رہوں ........... " (یعنی قرآن ہی کی تلاوت کرتا رہوں)۔

آگے موصوف نے "نَتْلُوْ "کا ترجمہ خود "سنانے کے لئے" ہی کیا ہے۔ جیسا کہ اگلی آیت میں آئے گا۔

تو قارئین غور کیجئے کہ کیا چیز پڑھنے اور پڑھ کر سنانے کا حکم دیا جا رہا ہے؟ وہی القرآن (نام نہاد) احادیث و فقہ و تفاسیر نہیں۔

**193**۔... آگے سورہ القصص کی آیت نمبر ۲۔۳ میں پھر روشن کتاب کی بات دوہرائی گئی ہے اور موسیٰ و فرعون کی رُوداد سنائی گئی ہے۔ اسی قرآن میں (نام نہاد) احادیث میں نہیں!

"تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ نَتْلُوْا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: (اے رسول) یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں (۲) ہم آپ کو ایمان والوں کے (سنانے کے) لئے موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات حق کے ساتھ بیان کرتے ہیں (۳)" (ص۵۶۹، ۵۷۱، ۵۷۲۔ جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ ان آیات کریمہ میں کیا کیا حقیقتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ قرآن مجید، جو ایک واضح اور روشن کتاب اللہ ہے، کی یہ آیتیں ہیں۔

(۲)۔ ان آیات میں ہم موسیٰ سلامٌ علیہ اور فرعون کے کچھ حالات آپ کو ایمان والوں کے سنانے کے لئے بیان کر رہے ہیں۔ (یہ قرآنی اسلوب بیان ہے کہ ہم بیان کر رہے ہیں)

قارئین یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ موصوف نے خود صرف ایک لفظ "نَتْلُوْا" کے معنیٰ "سنانے کیلئے" اور "ہم بیان کر رہے ہیں" کئے ہیں۔ (تو اگر پیچھے پیش کردہ آیت میں اَتْلُوَا کے معنیٰ پڑھ کر سنانے کے کئے جائیں تو قواعد عربی کی کونسی غلطی ہو جائے گی؟)

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ اور فرعون کے حالات بھی قرآن ہی کی آیات میں بیان کر دیئے (نام نہاد) احادیث یا پوشیدہ وحی میں نہیں!

تیسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ رسول سلامٌ علیہ بھی انہی آیات کو پڑھ کر مومنین کو موسیٰ سلامٌ علیہ اور فرعون کے حالات سناتے رہے کسی پوشیدہ وحی سے نہیں سنائے!

اس لئے پوشیدہ وحی کا پوشیدہ عقیدہ باطل ثابت ہو گیا۔ اس کو دماغ سے جھٹک کر صرف اللہ کی روشن کتاب، قرآن مبین پر ایمان لے آیئے۔

**194**۔... آگے اسی سورۃ القصص کی آیات ۴۷۔۴۸ میں آیات ہی پر ایمان لانے اور اللہ کی کتاب کے لکھے لکھائے ہونے کا بیان ہے:

"وَ لَوْ لَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَ نَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْا لَوْ لَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى ؕ اَوَ لَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ تَظٰهَرَا ٙ وَ قَالُوْۤا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ترجمہ: اور (اے رسول، ہم نے آپ کو اتمام حجت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ) کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی بد اعمالیوں کی وجہ سے ان پر کوئی مصیبت نازل ہو جائے تو اس وقت یہ کہیں کہ (اے ہمارے رب) تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والے بن جاتے (۴۷) پھر جب ہمارے پاس سے ان کے پاس حق آ گیا تو (بجائے اس کے کہ ایمان لے آتے) کہنے لگے ان کو ویسی ہی (لکھی لکھائی) کتاب کیوں نہ دی گئی جیسی (لکھی لکھائی) کتاب موسیٰ کو دی گئی تھی تو کیا جو کتاب پہلے موسیٰ کو دی گئی تھی اس کا انہوں نے انکار نہیں کیا۔.................... (۴۸) " (ص ۶۱۸، ۶۲۱، جزء ۷)

قارئین غور فرمایئے کہ ان آیات نے کیا کیا حقیقتیں بیان فرمائی ہیں:

(۱)۔ رسول سلامٌ علیہ کی بعثت اتمام حجت کے لئے تھی۔

(۲)۔ اگر کفار و مشرکین کسی مصیبت میں پھنستے تو وہ یہی شکایت کرتے کہ "اللہ نے ان کی طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم اس کی آیتوں کی پیروی کرتے اور ایمان والے بن جاتے"۔

قارئین غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایمان کی نشانی یا شرط کیا بتا رہا ہے کہ:

"ہم تیری آیتوں کی پیروی کرتے"

غور کیجئے یہ کتنی اہم شرطِ ایمان ہے کہ یہ نہیں کہا جا رہا کہ ہم تیرے رسول کی پیروی کرتے یا ان کی اتباع کرتے تو ایمان والے بن جاتے بلکہ یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم تیری آیتوں کی یعنی کتاب روشن، قرآن مجید کی پیروی / اتباع کر کے مومن بن جاتے۔ اور رسول کی اتباع کا یوں نہیں کہا جا رہا کہ رسول تو خود سب سے پہلے اللہ کی آیات یعنی قرآن کریم پر ایمان لائے اور اسی کی اتباع کرتے رہے۔ اور یہی امتیوں کا فریضہ ہے کہ وہ اللہ کی آیات یعنی قرآن کریم پر (نام نہاد

احادیث پر نہیں) ایمان لائیں اور اسی کی اتباع کریں۔ یہی اتباع رسول ہے اور یہی سنت رسول ہے۔

قارئین اب غور کیجئے کہ موصوف کا عقیدہ کہ (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لاؤ کہاں گیا؟ نیز یہ کہ اتباع اور اطاعت کا فرق بھی واضح ہو گیا کہ اطاعتِ رسول ان کی زندگی میں۔ پھر اطاعتِ اولی الامر۔ جبکہ اتباع الکتٰب پر دونوں حالتوں میں۔

قارئین غور کیجئے۔ ایمان اور اتباع کے سلسلہ میں یہ بنیادی اور محکم آیت ہے اس لئے اس پر پھر غور فرمائیے اور اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ایمان صرف آیات یعنی کتٰب اللہ، کتٰب مبین پر لانا ہے غیر اللہ کی کتابوں یا (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

اتباع یا پیروی صرف اللہ کی آیات یعنی کتٰب اللہ، کتٰب مبین کی کرنی ہے (نام نہاد) احادیث میں بیان شدہ مختلف صور تہائے سنت کی نہیں۔ یہ سمجھ لیجئے کہ سنتِ رسول یہ ہے کہ وہ خود اللہ کی کتٰب پر ایمان لائے اور اسی کی اتباع کرتے رہے ہمیں جو اتباع رسول کا حکم ہے اس کے معنٰی بھی یہی ہیں کہ ہم رسول سلامٌ علیہ کی اتباع یہ کریں کہ اللہ کی کتٰب پر ایمان لائیں اور اسی کی پیروی کریں اسی پر عمل کریں۔ یہی سنتِ رسول ہے۔ وہ جو ملاؤں و اہلحدیثوں اور اہل فقہ نے سنتیں علیحدہ علیحدہ (ہر فرقہ کی سنت علیحدہ!) بنائی ہیں وہ قرآن کے مطابق سنت رسول نہیں۔ یونکہ وہ تو ان لوگوں نے خود قرار دے لی ہیں تا کہ فساد، امت بڑھتا رہے اور ان کا حلوہ مانڈہ چلتا رہے۔

(۳)۔ "پھر جب ہمارے پاس سے ان کے پاس حق آ گیا" یعنی قرآن مبین آ گیا۔

(۴)۔ "تو بجائے اس کے کہ قرآن مبین پر ایمان لے آتے کہنے لگے ان کو ویسی ہی لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں دی گئی جیسی لکھی لکھائی کتاب موسیٰ کی دی گئی تھی"۔

قارئین غور کیجئے موصوف نے خود اپنے اہلحدیثی عقیدہ کے خلاف ثبوت فراہم کر دیا! غور کیجئے کہ قرآن مبین کے نزول سے سینکڑوں یا ہزاروں سال پہلے جب موسیٰ سلامٌ علیہ کو لکھی لکھائی کتابِ الٰہی ملی تھی تو کیا محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہونے والی کتاب الٰہی صرف زبانی جمع خرچ تھا جو شہادتوں کی بنیاد پر خلیفہ راشد اوّل و سوم کے زمانۂ خلافت میں لکھی گئی؟ یہ محض گھڑی گھڑائی روایت ہے اور اس لئے گھڑی گئی تا کہ اہلحدیث یہ ثابت کر سکیں کہ جس طرح (نام نہاد) حدیثیں شہادتوں کی بنیاد پر لکھی گئیں اسی طرح شہادتوں کی بنیاد پر قرآن مبین لکھا گیا۔ اس لئے اس اہلحدیثی باطل و شیطانی عقیدہ کو دماغ سے جھٹک دیجئے اور یقین کر لیجئے کہ قرآن مبین کو تو رسول اللہ سلامٌ علیہ خود اپنے داہنے دستِ مبارک سے لکھا کرتے تھے اور کاتبانِ وحی کو صبح و شام املا کرا کر (Dictation) لکھاتے رہتے تھے۔ (۲۵/۵)

**195**۔۔۔ آگے اسی سورۃ القصص کی اگلی ہی آیت ۴۹ پھر کتٰب اللہ ہی کی پیروی کرنے کو دوہرا رہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"قُلْ فَأْتُوا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَآ اَتَّبِعْهُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو تو اللہ کے پاس سے کوئی ایسی کتاب لے آؤ جو (قرآن مجید اور توریت) ان دونوں کتابوں سے زیادہ ہدایت کرنے والی ہو، میں بھی اس کی پیروی کروں گا (۴۹)" (ص ۶۱۹، ۶۲۱، جزء ۷)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کیا چیلنج کیا گیا اور کیا بنیادی اصول دیا گیا؟

(۱)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے حکم سے ان لوگوں کو چیلنج کیا کہ (تم نہ تو پہلی کتابوں پر ایمان لائے اور نہ ہی اس قرآن مبین پر) ان دونوں کے علاوہ اللہ کے پاس سے کوئی ان کتابوں سے بہتر کتاب لے آؤ جو ان سے بہتر ہدایت کرنے والی ہو۔

(۲)۔ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے اللہ کے حکم سے یہ بنیادی اصول دیا کہ تم اللہ کے پاس سے (یعنی غیر اللہ کے پاس سے نام نہاد احادیث و فقہ کی کتاب نہیں) جو بھی کتاب لاؤ گے **"میں تو اُسی کتُب اللہ کی پیروی کروں گا"**

قارئین غور کیجئے کہ یہاں اگلی ہی آیت میں یہ بنیادی اصول دوہرا کر اللہ تعالیٰ نے یہ واضح اور یقینی طور پر بتا دیا کہ **اتباع تو صرف آیاتِ الٰہی یعنی کتُب مبین ہی کی کرنا ہے خواہ رسول ہو یا اُمتی۔** قارئین یاد کیجئے یہی بات پچھلی آیت میں بھی کہی گئی ہے۔ اور یہی بات اگلی آیات میں بھی کہی گئی ہے (القصص: ۵۰۔۵۳)

بہرحال حیرت کی بات یہ ہے کہ ان تمام آیات کی تفسیر میں موصوف کوئی بھی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے!

**196۔** ... آگے اسی سورۃ القصص، آیت نمبر ۸۵ میں اسی قرآن کو فرض کرنے کا اعلان ہے۔

"اِنَّ الَّذِیۡ فَرَضَ عَلَیۡكَ الۡقُرۡاٰنَ ......... ﴿۸۵﴾

ترجمہ: (اے رسول) جس (اللہ) نے آپ پر قرآن (کی تبلیغ اور اس کے احکام) کو فرض کیا ہے ..........
(۸۵)" (ص ۶۹۳، ۶۹۴، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ کس چیز کو فرض قرار دیا گیا ہے؟ قرآن مبین کو (نام نہاد) احادیث و فقہ و تفسیر کو نہیں۔ اس لئے جو کچھ آپ پر فرض ہے بس اس کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ اور جو کچھ فرض نہیں اس کو مسترد کر دیجئے۔ اب اگر کوئی اہل حدیث یا اہل فقہ سوال اُٹھائے کہ چلو فرض کو پکڑ لیا تو سنت کا کیا ہو گا تو آپ اس کو دو جواب دیں:

(۱)۔ سنت تو یہی ہے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے بھی قرآن ہی کو پکڑا ہوا تھا۔

(۲)۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ سنتِ رسول سلامٌ علیہ اس کے علاوہ بھی ہے تو وہ اسی طرح کی آیت پیش کرے کہ قرآن تو فرض ہے مگر فلاں فلاں کتابیں سنت ہیں۔

قارئین یاد رکھئے کہ ہر معاملہ یا مسئلہ میں فرض، سنت، نفل، مستحب وغیرہ کی تقسیم در تقسیم ملاؤں کی خود پیدا کردہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرض کر دیا وہ سب کا سب فرض ہی ہے اور اس پر عمل کرنا فرض ہے۔ جب اللہ نے قرآن فرض کر دیا تو اسی کی آیات پڑھنا، ان کی تبلیغ کرنا، ان کی تعمیل کرنا فرض ہے اور خود اللہ کے رسول سلامٌ علیہ، اللہ کی کتُب مبین ہی کی آیات کی تبلیغ و تعمیل کرتے تھے جیسا کہ آگے آیت ۸۷ میں بتایا گیا ہے۔

ترجمہ: "اور (اے رسول) کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ آپ کو اللہ کی آیات (کی تبلیغ و تعمیل) سے روک دیں بعد اس کے کہ وہ آپ پر نازل ہو چکی ہوں، آپ اپنے رب (کے راستہ) کی طرف بلاتے رہئے اور مشرکین میں سے نہ ہو جایئے (۸۷)" (ص ۶۹۴، جزء۷)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ رسول سلامٌ علیہ، اللہ کی آیات ہی کی تبلیغ و تعمیل کرتے تھے۔ جبکہ دوسرے کئی مقامات پر آیا ہے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور اس طرح اصحابؓ کا تزکیہ کرتے تھے۔ بہر حال یہ کہیں بھی نہیں آیا کہ وہ بخاری یا مسلم کی روایتیں سناتے تھے۔

**197**۔... آگے سورۃ العنکبوت کی آیت ۴۵ کے شروع میں پھر الکتٰب یعنی قرآن ہی میں سے پڑھنے یا پڑھ کر سنانے کا حکم ہے۔

"اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ . . . . . . . . . ۝۴۵

ترجمہ: (اے رسول) جو کتاب آپ کی طرف نازل کی جا رہی ہے اس کی تلاوت کیا کیجئے............... (۴۵)"

(ص ۵۵۷، جزء ۷)

قارئین غور کیجئے کہ پھر کتٰب اللہ یعنی قرآن مبین ہی کی تلاوت کرتے رہنے کا حکم ہو رہا ہے۔ لیکن یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ لفظ "اُتْلُ" کا صحیح یا مناسب ترجمہ کیا ہے؟ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ موصوف نے دوسرے مقامات پر اس لفظ کا کیا ترجمہ کیا ہے:۔

(۱)۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ (۵/۲۷)= پڑھ کر سنا دیجئے (ص ۶۲۷، جزء۔۳)

(۲)۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ (۷/۱۷۵)= اس شخص کا حال بھی سنایئے (ص ۶۱۰، جزء۔۴)

(۳)۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ (۱۰/۷۱)= ان کو نوح کا قصہ سنایئے (ص ۱۶۵، جزء۔۵)

(۴)۔ وَ اتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ (۱۸/۲۷)= اور اے رسول آپ کے رب کی کتاب جو بذریعہ وحی آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اس کی پیروی کیجئے (ص ۲۴۶، جزء۔۶)

(۵)۔ وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ۝۶۹ (۲۶/ ۶۹) (اور اے رسول) ان کو ابراہیم کا حال سنایئے (ص ۳۸۶، جزء۔۷)

ان آیات کے تراجم دیکھ کر معلوم ہوا کہ سوائے ایک کے سب جگہ موصوف نے ترجمہ "سنایئے" ہی کیا ہے۔ اور ایک جگہ "پیروی کیجئے" کیا ہے، جبکہ اس آیت میں انہوں نے ترجمہ کرنے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی بلکہ تلاوت کا گول مول لفظ استعمال کر کے کچھ اور تاثر دینے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ اصل میں اس آیت میں بھی معنٰی پڑھ کر ہی سنانے کے ہوں گے اور اس کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ کی کتٰبِ ہدایت پڑھ کر سنائی جائے تو اس پر عمل کیا جائے، اس کی پیروی کی جائے۔ اس لئے آیت کے اس ٹکڑے کا مناسب ترجمہ ہو گا:

"(اے رسول) جو کتاب الٰہی آپ کی طرف وحی کی جا رہی ہے اس میں سے پڑھ پڑھ کر سنایئے (تاکہ سننے والے پیروی کر سکیں)"۔ مطلب یہ کہ یہی قرآن مبین پڑھ پڑھ کر سنانا ہے (نام نہاد) احادیث و فقہ، تفاسیر و فتاویٰ، قصیدہ یا مثنوی و نصاب نہیں۔

**198**۔... آگے اسی سورہ العنکبوت کی آیت ۴۶ میں پھر اللہ کی نازل کردہ کتٰب یا کتابوں ہی پر ایمان لانے کا حکم دیا جا رہا ہے (نام نہاد) حدیث پر نہیں

"وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ۖ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ وَقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَاُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَاِلٰهُنَا وَاِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ: اور (اے ایمان والو!) اہل کتاب سے بحث مباحثہ نہ کیا کرو مگر اس طریقہ سے جو بہت اچھا ہو البتہ ان میں سے وہ لوگ جو ظلم کریں (تو تم بھی ان کو ویسا ہی جواب دے سکتے ہو) اور (اے ایمان والو) تم اس طرح کہا کرو ہم اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو ہم پر نازل کی گئی ہے اور اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو تم پر نازل کی گئی ہے، ہمارا اور تمہارا الٰہ ایک ہے اور ہم اسی (ایک الٰہ) کے مسلم ہیں (۴۶)" (ص۷۵۸، ۷۵۹، جزء۷)

غور کیجئے کہ کس چیز پر ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے اس چیز پر جو ہم پر نازل ہوئی اور اہل کتاب پر نازل ہوئی یعنی کتٰب اللہ، قرآن مبین اور تورات یا انجیل یا زبور وغیرہ مگر یہ نہیں کہا جارہا کہ بخاری مسلم کی صحیحین پر بھی ایمان لاؤ یا غیر اللہ کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ غور کیجئے کہ حقیقت یہاں واضح کر دی گئی کہ "جو چیز نازل ہوئی ہم پر اور تم پر اے اہل کتاب"۔ اب آپ موصوف سے پوچھئے کہ کیا بخاری و مسلم کی کتابیں بھی اہل کتاب پر نازل ہوئی تھیں؟ یا کیا بخاری و مسلم وغیرہ کی کتابیں صرف محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی تھیں؟ جب ان میں سے کسی پر نازل شدہ نہیں تو پھر ایمان لانے کے قابل نہیں۔ اس لئے مسترد کئے جانے کے قابل ہیں۔

قارئین شاید میرے اُٹھائے ہوئے سوال پر یہ اشکال پیدا ہو کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی کتابیں پہلے کے انبیاء اور ان کی امتوں پر (جن کو اہل کتاب کہا گیا ہے) کیسے نازل ہو سکتی تھیں وہ تو دین اسلام سے متعلق بتائی جاتی ہیں! تو اپنے اشکال کو ختم کر لیجئے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت واضح طور پر فرما دیا ہے کہ:

"اس نے تمہارے لئے دین کا واضح راستہ مقرر کیا (وہی راستہ) جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول) جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو دیا تھا (اور ہم نے ان کو یہ بھی حکم دیا تھا اور آپ کو بھی یہ حکم دے رہے ہیں) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں متفرق نہ ہونا،.............. " (ص۷۴۰، جزء۸، الشوریٰ آیت ۱۵)

قارئین غور کیجئے کہ نوح، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ اور محمد سلامٌ علیہم سب کو ایک ہی واضح راستہ، یعنی شریعت یا دینِ اسلام دیا تھا۔ تو پھر اس کی تشریح و تفسیر بھی تو ایک ہی ہو گی تو پھر بخاری و مسلم کی کتابیں بھی تو پہلے انبیاء اور ان کی امتوں یعنی اہل کتاب کو ملی ہوں گیں (نعوذ باللہ) تو موصوف یہ کیوں نہیں دعویٰ کرتے کہ بخاری و مسلم وغیرہ کی کتابیں صرف پوشیدہ وحی ہی نہیں بلکہ وہ تو وہی وحی ہیں جو پہلے انبیاء و رسل پر نازل ہوئی تھیں۔ نعوذ باللہ

قارئین اب اوپر کی سورۃ الشوریٰ کی آیت پر مزید غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم بھی دے رہا ہے کہ اس دینِ اسلام کو قائم رکھنا (جو پہلے کے انبیاء پر بھی وحی کیا گیا تھا) اور اس میں متفرق نہ ہونا۔ اور آپ یہ اچھی طرح سے جانتے ہیں کہ وہ دین اسلام جو پہلے کے انبیاء کرام کو وحی کیا گیا تھا وہ ان کی کتابوں میں وحی کیا گیا تھا۔ مگر ان کی امتوں نے ان انبیاء کی کتابوں کی صحیح طرح حفاظت نہ کی اور ان کے ترجمے کر کر کے تحریفات کا انبار لگا دیا مزید یہ کہ پھر (نام نہاد) حدیث کی کتابیں مثل "تالمود" وغیرہ بھی خود لکھ لیں اور اللہ کے حکم کے خلاف متفرق ہو گئے۔ یہی حال امت محمدی

نے کیا کہ اللہ کی کتاب کو تو جزء دان میں بند کر کے "مَهْجُوْرًا" کر دیا اور خود (نام نہاد) احادیث، فقہ، تفاسیر وغیرہ لکھ لکھ کے اللہ کے حکم کے خلاف متفرق ہو گئے کوئی آج جماعت المسلمین ہے، کوئی جماعۃ المسلمین، کوئی تنظیم المسلمین، کوئی حزب المسلمین، کوئی حزب اللہ، کوئی اہل حدیث، کوئی اہل فقہ................. قارئین اگر آپ غور کریں تو ایک سوال اور بھی پیدا ہوتا ہے۔ موصوف و دیگر فرقوں سے پوچھئے کہ کیا دیگر انبیاء کی طرف منسوب (نام نہاد) احادیث کی کتابیں مثل بخاری و مسلم وغیرہ ایک ہی ہیں یا وہ بھی متفرق ہیں؟ اور اگر وہ بھی متفرق ہیں تو پھر مان لیجئے کہ وہ اللہ کی طرف سے کسی بھی طرح کی وحی شدہ نہیں ہیں اور وہ محمد سلامٌ علیہ کی طرف غلط منسوب ہیں بلکہ افتراء ہیں۔ یونکہ اسلام تو تمام انبیاء کا دین تھا اور ایک ہی تھا اس لئے اس کی کتابیں متفرق نہیں ہو سکتیں۔

**199**۔... آگے اسی سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۴۷ میں صرف الکتٰب نازل کرنے کا ذکر ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۚ وَ مِنْ هٰۤؤُلَاۤءِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ مَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَاۤ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ۝۴۷

ترجمہ: اور (اے رسول، جس طرح ہم نے پہلے رسولوں پر کتابیں اُتاری تھیں) اسی طرح ہم نے آپ پر بھی کتاب اُتاری ہے تو جن لوگوں کو ہم نے (آپ سے پہلے) کتاب دی تھی وہ تو اس پر (فوراً) ایمان لے آتے ہیں اور ان (مشرکین) میں سے بھی بعض لوگ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور ہماری آیتوں کا انکار تو وہی کرتے ہیں جو حق پوش (اور ہٹ دھرم) ہوتے ہیں (۴۷)" (ص ۷۵۸، ۷۵۹، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ پر صرف ایک ہی کتاب "الکتٰب" یعنی قرآن مبین اُتارے جانے کا اعلان ہو رہا ہے تو پھر بخاری مسلم وغیرہ کی کتابیں کہاں سے آ گئیں؟ ظاہر ہے کہ یہ دھوکا ہے، شیطانی چال ہے!

دوسری اہم حقیقت جو اس آیت کریمہ میں بتائی گئی وہ یہ ہے کہ اللہ کی کتاب "الکتٰب" کی آیات کا انکار (یا ان میں ہیر پھیر کرنا یا غیر اللہ کی گھڑی گھڑائی روایتیں شریک کرنا) وہ لوگ کرتے ہیں جو حق پوش اور ہٹ دھرم ہوتے ہیں۔ اس لئے قارئین آپ اس حق پوشی اور ہٹ دھرمی سے بچئے۔

**200**۔... آگے اسی سورۃ العنکبوت کی آیت نمبر ۴۸ میں پھر قرآن مبین کے اللہ ہی کی طرف سے ہونے کی دلیل ہے۔ نیز اس کے لکھے ہونے کا ثبوت بھی ہے۔

"وَ مَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّ لَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝۴۸

ترجمہ: اور (اے رسول) اس (کتاب کے آنے) سے پہلے آپ نہ تو کتاب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے دست راست سے کچھ لکھ ہی سکتے تھے (اگر) ایسا ہوتا تو پھر یہ اہل باطل ضرور شبہ کرتے (اور ان کا شبہ کرنا بعید از قیاس بھی نہ ہوتا لیکن کیونکہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے لہٰذا یہ آیات آپ کی گھڑی ہوئی نہیں ہو سکتیں) (۴۸)" (ص ۷۶۲، ۷۶۴، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ یہ آیت کریمہ کس حقیقت کا اعلان کر رہی ہے کہ رسول سلامٌ علیہ تو صرف اللہ کی کتاب ہی پڑھتے

تھے اور اس کو اپنے داہنے دست مبارک سے لکھتے بھی تھے۔ اور اللہ کی اس آخری کتاب کے نازل ہونے سے پہلے وہ پہلے کی نازل شدہ کتابوں میں سے نہ تو کوئی کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی لکھتے تھے یونکہ اہل القریٰ کے پاس نہ تو صحف ابراہیم ہی اصل حالت میں رہ گئے تھے اور نہ ہی تورات و انجیل و زبور وغیرہ تھیں (مگر وہ پھر بھی دینِ ابراہیم پر ہی ہونے کے دعویدار تھے) اور اس لئے ان کا لقب اُمیّین یعنی بغیر کتاب والے پڑ گیا تھا۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ دلیل روشن دے رہا ہے کہ مشرکین کا شبہ کہ کسی اور کتاب میں سے پڑھ کر انہوں نے اپنی کتاب لکھ لی ہے غلط ہے یونکہ انہوں نے تو اس سے پہلے کی نازل شدہ کتابیں نہ تو پڑھیں تھیں اور نہ لکھی تھیں۔ اس لئے ان پر جو "الکتٰب" نازل ہوئی وہ اللہ ہی کی طرف سے نازل شدہ ہے اور وہ صرف ایک ہے (اس کے ساتھ بخاری ومسلم وغیرہ کی کتابیں شریک نہیں) اور صرف وہی حق ہے۔ مزید یہ کہ کتاب پڑھنے اور دائیں ہاتھ سے لکھنے کا ذکر الکتٰب کے لئے ہو رہا ہے (نام نہاد) احادیث کے لئے نہیں۔ اگر وہ بھی وحی ہوتیں تو رسول سلامٌ علیہ یقیناً انہیں بھی پڑھتے اور داہنے ہاتھ سے لکھتے۔ جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں وہ لائیں اس طرح کی آیت بطور نصِ صریح ورنہ اپنے دعویٰ اور عقیدہ سے دستبردار ہو جائیں۔

قارئین اب ذرا موصوف کے ترجمہ پر بھی غور کر لیجئے، موصوف آیت کا ترجمہ کرتے ہیں:

"اور (اے رسول) اس (کتاب کے آنے) سے پہلے آپ نہ تو کتاب ہی پڑھتے تھے"

لیکن اگلے حصہ میں قرینہ ہی بدل دیا۔ فرماتے ہیں

"اور نہ اپنے دستِ راست سے کچھ لکھ ہی سکتے تھے"

موصوف سے پوچھئے کہ یہ ناممکنات کا قرینہ انہیں کہاں سے ملا کہ سیدھی سی بات کہ نہ آپ کتاب پڑھتے تھے اور نہ ہی سیدھے ہاتھ سے لکھتے تھے کو "نہ لکھ سکتے تھے" کر دیا۔ یہ ہے دراصل اہلحدیثی عقیدہ اور ذہنیت کی بات کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بالکل ان پڑھ ثابت کرنا ہے۔ اور یہی بات انہوں نے آیت کے ترجمہ میں قوسین میں لکھ بھی دی ہے کہ "لیکن کیونکہ آپ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے"

یہاں بھی موصوف نے پھر ہٹ دھرمی دکھائی ہے کہ لکھا ہے کہ "آپ لکھنا پرھنا نہیں جانتے" یعنی حال کا صیغہ استعمال کیا ہے جبکہ آیت یہ بتا رہی ہے کہ رسول سلامٌ علیہ تو اب پڑھتے بھی ہیں اور اپنے دست مبارک سے لکھتے بھی ہیں۔

قارئین یہ حال ہے ان صاحب کا جو عصمتِ رسول اور عظمتِ رسول پر تقریریں کرتے اور پمفلٹ لکھتے نہیں تھکتے! مگر رسول سلامٌ علیہ کی یہ عظمت بتا رہے ہیں کہ وہ اَن پڑھ تھے۔ معاذ اللہ

**201**۔۔۔ آگے اسی سورہ العنکبوت کی اگلی ہی آیت نمبر ۴۹ ان آیات کو جو رسول سلامٌ علیہ پڑھتے اور لکھتے تھے اللہ کی نازل کردہ روشن آیات بتا رہی ہیں جو کہ سینوں میں بھی محفوظ کی جاتی ہیں۔

"بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ۭ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: بلکہ یہ اللہ کی نازل کردہ روشن آیات ہیں جو اہل علم کے سینوں میں محفوظ ہو گئی ہیں، اور ہماری

آیتوں سے وہی انکار کرتے ہیں جو ظالم ہیں" (۴۹)(ص ۶۲۷، ۶۴۷، جزء۔۷)

نوٹ: یہاں موصوف کی تفسیر میں آیت کے آخری حصہ کا ترجمہ ندارد ہے۔

غور کیجئے کہ اوپر کی آیت کریمہ میں جو اللہ کی کتاب پڑھنے اور رسول سلامٌ علیہ کے داہنے دست مبارک سے لکھنے کا ذکر تھا اس کے لئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مزید گواہی دیدی کہ بیشک یہ اللہ ہی کی نازل کردہ روشن آیات ہیں یعنی قرآن مبین (نام نہاد) احادیث نہیں۔

نیز ان آیات یعنی قرآن مبین کی یہ صفت بھی بتادی کہ یہ صرف کتاب یعنی بین الدفتین ہی (بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝ ۲۱۔ ۸۵/۲۲) محفوظ نہیں بلکہ اہل علم کے سینوں میں بھی محفوظ ہیں۔

قارئین موصوف سے پوچھئے کہ کیا ان کی وحی پوشیدہ کی بھی یہی صفت ہے؟ اگر ہے تو کوئی حافظِ بخاری و مسلم کا اَتہ پتہ بتائیں!

**202**۔... آگے اسی سورۃ العنکبوت کی اگلی ہی آیات ۵۰۔۵۱ میں یہ اعلان کر دیا کہ رسول کو قرآن کے علاوہ کوئی اور معجزہ عطا نہیں ہوا[1] اور یہی قرآن کافی ہے۔

" وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَ اِنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّاۤ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

ترجمہ: اور (اے رسول) کافر کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے معجزات کیوں نہیں نازل ہوئے۔ آپ کہہ دیجئے کہ معجزات تو (سب) اللہ کے پاس ہیں (اسی کو معجزہ دکھانے کا اختیار ہے، مجھے کوئی اختیار نہیں) میں تو بس کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (۵۰) اور (اے رسول) کیا ان کے لئے یہ (معجزہ) کافی نہیں کہ ہم نے ان پر (اپنی) کتاب نازل کر دی ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بے شک اس میں مومنوں کے لئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی" (۵۱)

قارئین غور کیجئے کہ ان دونوں آیات میں کیا کیا حقیقتیں بیان کر دی گئی ہیں:

(۱)۔ کفار نے یہ بات نوٹ کر لی تھی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر کوئی معجزہ نہیں نازل ہوا تھا۔ (یعنی طلسماتی یا کرشماتی قسم کے معجزات کہ اشارے سے پہاڑ چلنے لگے یا چشمہ بہنے لگے وغیرہ وغیرہ) اس کے معنی یہ ہوئے کہ نام نہاد) احادیث میں بیان کئے گئے سینکڑوں طلسماتی معجزات سب گھڑے ہوئے ہیں۔ اس حقیقت کی شہادت میں مزید دیکھئے ۲/۷، ۱۳/۲۰، ۱۰/۷، ۱۳/۱)

(۲)۔ کفار کے اعتراض کرنے پر یہ نہیں کہا گیا کہ تم بکواس کرتے ہو ہم نے تو بخاری و مسلم وغیرہ میں سینکڑوں معجزات عطا کر دیئے۔ بلکہ حکم ہوا کہ آپ یہ کہئے (کہ معجزات تو اللہ ہی دکھا سکتا ہے انسان یا رسول تو اس

---

[1]۔ جبکہ موصوف اور مسلمانوں کا عام عقیدہ ہے کہ رسول تو ہر ہر موقعہ پر معجزات دکھاتے رہتے تھے حالانکہ قرآن مبین اس کی نفی کر رہا ہے۔ قرآن مبین کے خلاف یہ سازش بھی (نام نہاد) احادیث ہی میں گھڑی گئی۔

سے عاجز ہے) کہ میں تو صرف ڈرانے والا ہوں۔(اب تم چاہو ڈرو یا نہ ڈرو)

(۳)۔رسول کو کتاب ہی عطا ہوئی جو سب سے بڑا معجزہ ہے اور وہی کافی ہے۔یعنی "الکتٰب" ہی کافی ہے۔(۵۱/۲۹)اور جب "الکتٰب" ہی کافی ہے تو پھر (نام نہاد)احادیث کی کتابوں کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی۔

(۴)۔الکتٰب ہی پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے(نام نہاد)احادیث اس قابل نہیں۔

(۵)۔بے شک اس الکتٰب ہی میں ایمان لانے والوں کیلئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی بشرطیکہ وہ قبول کریں اور ہٹ دھرمی نہ کریں۔

**203**۔... آگے سورۃ الروم کی آیات ۵۵۔۵۶ میں کتٰبِ اللہ کا نام لے کر ہی علم اور ایمان کی بات ہو رہی ہے۔ ملاحظہ ہو،

"وَ يَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ۙ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ ؕ كَذٰلِكَ كَانُوْا يُؤْفَكُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَ الْاِيْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اِلٰى يَوْمِ الْبَعْثِ ۫ فَهٰذَا يَوْمُ الْبَعْثِ وَ لٰكِنَّكُمْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ:اور جس دن قیامت قائم ہوگی گنہگار قسمیں کھائیں گے کہ وہ (دنیا میں) ایک گھڑی سے زیادہ نہیں رہے، (جس طرح یہ قیامت کے دن غلط اندازہ لگائیں گے) اسی طرح (دنیا میں بھی یہ غلط اندازے لگاتے رہے اور) صحیح راستہ سے بھٹکتے رہے (۵۵) لیکن جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے (نہیں) تم (دنیا میں جیسا کہ) اللہ کی کتاب میں (ہے) قیامت تک رہے، یہ قیامت ہی کا دن ہے لیکن تم کو اس کا علم نہیں تھا(۵۶)" (ص۸۶۶،۸۶۷، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ یوم قیامت جو اشکال پیدا ہوگا اس کا جواب کتنے پہلے ہی سے (In-advance) قرآن کریم ہی میں بتادیا گیا اور کتنے واضح و روشن طریقہ سے کہ 'جن لوگوں کو علم اور ایمان دیا گیا تھا وہ کہیں گے تم دنیا میں قیامت تک رہے جیسا کہ کتٰبِ اللہ میں تھا"۔ یہاں بات صاف ہوگئی کہ علم والوں کا ایمان تو کتٰبِ اللہ پر تھا (نام نہاد) احادیثِ بخاری و مسلم وغیرہ پر نہیں۔اور انہوں نے وہی حقیقت بتائی جو کتٰبِ اللہ میں بتادی گئی تھی (نام نہاد) احادیث میں نہیں بتائی گئی تھی اور موصوف خود بھی ان آیات کی تفسیر لکھتے ہوئے کوئی ظنّی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے ورنہ یہ اچھا موقعہ تھا کہ بتاتے کہ یہ حقیقت تو (نام نہاد) حدیث میں بتائی گئی تھی۔لیکن جب قرآن میں موجود تھی تو (نام نہاد) حدیث میں کہاں سے آتی!

قارئین غور کیجئے کہ یہاں یہ بھی ثابت ہوگیا کہ کتٰبِ اللہ صرف ایک ہے یعنی قرآن مبین اور موصوف کا گھڑا ہوا عقیدہ کہ "(نام نہاد)احادیث بھی کتاب اللہ ہیں" بالکل غلط اور باطل ہے۔

کتٰبِ اللہ کے بارے میں ملاحظہ ہو موصوف خود ان آیات کی اپنی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر:........ جن لوگوں کو ایمان دیا گیا تھا یعنی جو لوگ دنیا میں ایمان لے آئے تھے انہیں تو کتاب اللہ کے مطابق علم تھا کہ دنیا میں لوگوں کو قیامت تک رہنا ہوگا۔**وہ کتاب اللہ پر ایمان لائے تھے** لہٰذا وہ اس کی ہر بات پر علم الیقین رکھتے تھے لیکن جو ایمان نہیں لائے تھے انہیں نہ تو ذاتی علم تھا اور نہ انہوں نے کتاب

اللہ کی بات مانی۔ اگر وہ کتاب اللہ کی بات مان لیتے تو انہیں بھی علم الیقین ہو سکتا تھا"۔ (ص ۸۶۸، جزء ۷)

**204**۔... آگے اسی سورۃ الروم کی آیت ۵۸ میں پھر قرآن اور معجزہ کی بات ہو رہی ہے:

" وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ لَىِٕنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُبْطِلُوْنَ ۝۵۸

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کے سمجھانے کے) لئے ہر طرح کی مثال بیان کر دی ہے اور (اے رسول) اگر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے آئیں تو جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہیں گے کہ تم جھوٹ بات بنا کر لائے ہو (۵۸) " (ص ۸۷۰، جزء ۷)

اس آیت کریمہ میں دو حقیقتیں کتنے روشن طریقہ پر واضح کی گئی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

(۱)۔ اسی **قرآن** میں لوگوں کے سمجھانے کے لئے ہر طرح کی مثال بیان کر دی گئی اور (نام نہاد) احادیث کیلئے کچھ نہ چھوڑا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ساری کی ساری تشریح و توضیح و تفسیر تو اسی قرآن میں ہے اور اہل حدیثوں و اہل فقہ کا عقیدہ کہ قرآن ایک مجمل کتاب ہے اور اس کی تشریح و توضیح و تفسیر (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں ہے سراسر بکواس اور باطل و شیطانی عقیدہ ہے۔ ایمان صرف اس بات پر ہونا چاہئے جو کچھ اور جتنا قرآن کریم بتا رہا ہے۔ اور قرآن کریم یہ بتا رہا ہے کہ ہر طرح کی مثال اسی قرآن میں بیان کر دی ہے[1]۔

(۲)۔ دوسری اہم حقیقت یہ بتائی گئی کہ اے رسول اگر آپ ان کے پاس (یعنی مشرکین و کافرین کے پاس) کوئی معجزہ لے آئیں تو جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہیں گے کہ تم جھوٹ بات بنا کر لائے ہو" یعنی اللہ تعالیٰ نے یہاں پیچھے سورہ العنکبوت کی آیات ۵۰۔۵۱ میں بیان کردہ حقیقت (کہ محمد رسول اللہ کو کوئی (کرشماتی) معجزہ عطا نہیں ہوا تھا سوائے قرآن مبین کے) کی مزید تشریح و تفسیر اس آیت کریمہ میں کر دی کہ وہ تو عالم الغیب ہے اور آئندہ کا حال بھی جانتا ہے اس لئے اس کو تو معلوم تھا کہ اگر محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کوئی معجزہ (کرشماتی) دے بھی دیا جائے تو بھی کفار اس کو نہیں مانیں گے اور یہی کہہ دیں گے یہ سب جھوٹ ہے (یا سحر ہے یا نظر بندی ہے)

---

[1]۔ قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں عربی لفظ ضَرَبَ (ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ) کا ترجمہ بیان کرنا کیا گیا ہے اور موصوف نے خود یہ ترجمہ کیا ہے اور دیگر بہت سی آیات میں انہوں نے یہی ترجمہ کیا ہے مگر جب سورہ البقرہ میں میاں بیوی کا ذکر آیا تو موصوف نے "وَاضْرِبُوْهُنَّ" کا ترجمہ "ان کو مارو کیا ہے" حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ (ان کو علیحدہ سلانے کے اقدام کی) "وجہ بیان کرو"۔

......اسی طرح جب سورہ البقرہ (۶۰/۲) میں اور سورہ الاعراف (۱۶۰/۷) میں موسیٰؑ کے ذکر میں " اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ " آیا ہے۔ اس کا ترجمہ بھی موصوف نے مارنا ہی کیا ہے کہ "اپنے عصا کو پتھر پر ماریں" حالانکہ اس کا مناسب ترجمہ یہ ہوتا ہے کہ " اپنی جماعت کو پتھریلی / پہاڑی علاقہ کی طرف لے چل"۔ ویسے بھی موسیٰ سلامٌ علیہ کے ساتھ وہاں تک تو وہی لوگ گئے تھے جو ان پر ایمان رکھتے تھے اس لئے انہیں کوئی معجزہ دکھانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ معجزہ تو انہیں دکھایا جاتا ہے جو ایمان نہیں لائے ہوئے ہوتے۔ نیز یہ کہ "پتھر پر لاٹھی مارنا بھی تو محاورۃً بولا جاتا ہے کہ محنت مشقت کر کے تلاش کرو۔ جبکہ تقریباً یہی معنیٰ موصوف نے خود سورہ النساء میں "" (۱۰۱/۴) کے کئے ہیں کہ "اگر تم سفر میں ہو" تو یہاں سفر بمعنی زمین پر محنت و مشقت ہی کے ہیں۔

قارئین کیا اس سے بھی زیادہ وضاحت درکار ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کوئی (کرشماتی) معجزہ عطا نہیں ہوا تھا (سوائے قرآن مبین کے)۔ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں مثل بخاری و مسلم وغیرہ میں لکھے ہوئے تمام معجزات و کرشمات سب من گھڑت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ بنی اسرائیل میں صاف اعلان فرمادیا کہ "ہم نے نشانیاں / معجزات بھیجنا اس لئے موقوف کردیئے کہ اگلے لوگوں نے ان کی تکذیب کی تھی" (۱۷/۵۹)

خود رسول اللہ سلامٌ علیہ کو شاید یہ خیال پیدا ہوا کہ کوئی معجزہ عطا ہو جائے تو کفار اسے دیکھ کر ایمان لے آئیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے سرزنش کے انداز میں فرمادیا کہ:

ترجمہ: "اور اگر کافروں کی رُوگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے (اور آپ معجزہ دکھانے کے خواہشمند ہیں تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرلیں یا آسمان پر (چڑھنے کیلئے کوئی) سیڑھی تلاش کرلیں پھر ان کیلئے کوئی معجزہ لے آئیں (لیکن اے رسول جب اللہ کی مشیت میں ان کے لئے ہدایت نہیں ہے تو معجزہ سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا) ہاں اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت پر جمع کردیتا (معجزہ کی ضرورت نہ ہوتی) لہٰذا (اے رسول، معجزہ کا مطالبہ کرکے) آپ نادانوں میں سے نہ ہو جانا" (۶/۳۵) (ص ۵۲، جزء۔ ۴)

قارئین اس آیت کے چیلنج پر غور فرمالیں۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی مانتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو قرآن کے علاوہ کوئی معجزہ ملا تھا۔ اب اگر کوئی مانتا ہے تو وہ لائے اس آیت کے خلاف کوئی آیت جس میں یہ اعلان ہو کہ اب ہم نے آپ کو معجزہ یا معجزات عطا کردیئے ہیں۔ خوب دکھایئے لوگوں کو!

قارئین شاید آپ کو سمجھ آگیا ہو مگر موصوف ابھی بھی بضد ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو (کرشماتی) معجزات بھی عطا ہوئے تھے چنانچہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر میں ۳۹ آیتیں لکھنے کے بعد سورہ القمر کی پہلی آیت آخر میں لکھ کر، اپنے عقیدہ کے مطابق اس کا غلط ترجمہ کرکے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول سلامٌ علیہ نے قمر کو شق کر دیا تھا ملاحظہ ہو: لکھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝

قیامت قریب آگئی اور چاند شق ہو گیا (جو رسول کی صداقت کی ایک کھلی نشانی ہے لیکن کافروں نے اسے نشانی تسلیم نہیں کیا بلکہ اسے جادو قرار دیا) اور (اے رسول) اگر یہ کوئی اور) نشانی بھی دیکھیں تو یہی کہیں گے یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

قارئین! غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے کیا معنی ہوتے ہیں جو صحیح یا مناسب ہوں۔ لیکن معنوں سے پہلے اس حقیقت پر غور کرلیجئے کہ موصوف کے معنوں کے مطابق چودہ سو سال پہلے ہی قیامت قریب آگئی تھی اور چاند شق ہو گیا تھا، جبکہ اللہ نے اعلان فرمادیا تھا کہ "(اے رسول) اگر آپ ان کے پاس کوئی معجزہ لے آئیں تو جو لوگ کافر ہیں وہ یہی کہیں گے کہ تم جھوٹ بات بنا کر لائے ہو" (سورہ الروم، آیت ۵۸، ص ۲۷۰) تو کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے علم اور اعلان کے بعد بھی معجزہ دکھایا کہ چاند شق کر دیا! یہ ناممکن ہے۔ ایسا عمل اور قول و فعل کا تضاد تو ایک بیوقوف آدمی بھی نہیں کرتا چہ جائیکہ ایسا الزام اللہ رب العزت پر (جو ہر طرح کے تضاد سے پاک ہے) لگایا جائے۔ موصوف چونکہ قرآن کریم میں

تضادات و اختلافات کے قائل ہیں[1] اس لئے انہوں نے اللہ پر یہ الزام لگایا ہے کہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی (کہ معجزہ دکھانے پر بھی کفار انکار کر دیں گے) اللہ نے بذریعہ رسول معجزہ دکھایا اور نتیجہ وہی ہوا کہ منہ کی کھانا پڑی اور کفار نے پھر بھی انکار کر دیا اور کہا کہ یہ سب تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے (یعنی اور لوگ بھی یہ جادو ہمیشہ کرتے رہے ہیں) کہئے کچھ سمجھ میں آیا؟ نیز قوسین میں موصوف نے جو الفاظ لکھے ہیں وہ ان کا اپنا عقیدہ تو ہو سکتا ہے مگر اسلامی عقیدہ نہیں کہ رسول کی صداقت کسی معجزہ کی محتاج ہو۔ رسول ک صداقت کیلئے تو اللہ کی گواہی کافی ہے۔

اب ذرا موصوف کے ترجمہ پر غور کر لیجئے کہ "قیامت آ گئی اور چاند شق ہو گیا" تو اگر ایسا کوئی واقعہ چودہ سو سال پہلے ہوا تھا تو پھر اب تک قیامت کہاں ہے؟ اب تک تو آئی نہیں! دنیا اسی طرح چل رہی ہے اور فطری نظام میں کہیں سرِ مو بھی فرق نہیں پڑا۔ نیز یہ کہ چاند بھی پورا پورا اپنے ہر حال میں نظر آتا ہے اور شق شدہ تو کہیں نظر انہیں آتا۔ (خیال رہے کہ آیت میں یہ کہیں نہیں کہ چاند شق ہونے کے بعد پھر جُڑ گیا۔ اس لئے اسے شق شدہ نظر آنا چاہئے)۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر صحیح یا مناسب ترجمہ کیا ہو گا؟ تو ہمارے خیال میں آیت کا صحیح ترجمہ ہو گا کہ:

"اور (جب) قیامت برپا ہونے لگے گی تو چاند شق ہو جائے گا۔ اور (اے رسول) اگر یہ کوئی اور بھی نشانی دیکھیں گے تب بھی یہی کہیں گے کہ یہ جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے" (کہ امریکہ والے چلاتے رہتے ہیں کہ ہم تو چاند پر ہو آئے اور ہم مریخ پر ہو آئے)[2]

یہ ترجمہ اس طرح سے یوں مناسب ہو گا کہ نظام فطرت کے تلپٹ ہونے کا ذکر قرآن کریم خود کر رہا ہے مگر اس وقت کیلئے جب قیامت برپا ہونے لگے گی۔ ملاحظہ ہو:

(۱)۔ فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ ۚ﴿۳۷﴾ (الرحمٰن۔ ۳۷)

پھر جب آسمان پھٹ جائے گا اور تیل کی تلچھٹ کی طرح گلابی ہو جائے گا (تو اس دن مشرکین کی بڑی خرابی ہے[3])۔

(۲)۔ فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱۵﴾ وَانْشَقَّتِ السَّمَآءُ فَهِيَ يَوْمَئِذٍ وَّاهِيَةٌ ۙ﴿۱۶﴾ (الحاقۃ: ۱۵۔۱۶)

تو اس دن قیامت واقع ہو گی۔ اور آسمان پھٹ جائے گا اس دن وہ بہت ہی کمزور ہو گا۔

(۳)۔ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ؕ﴿۷﴾ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۙ﴿۸﴾ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۙ﴿۹﴾ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۙ﴿۱۰﴾ (المرسلٰت: ۷۔۱۰)

جس قیامت کا ان سے وعدہ کیا جا رہا ہے وہ ضرور واقع ہو گی۔ جب ستارے ماند پڑ جائیں گے۔ جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔

(۴)۔ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ

---

[1] موصوف نے اپنی کتاب تفہیم الاسلام۔ بجواب دو اسلام میں ۳۳ مقامات پر قرآن کریم میں تضادات یا اختلافات بتائے ہیں۔ ص ۵۱۵۔ ناشر اہل حدیث اکادمی۔ کشمیر بازار۔ لاہور۔ ۱۳۸۷ھ۔ [2] یونکہ "اللہ کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان لوگوں کے پاس نہیں آتی مگر یہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں" (۶/۴)، "اور اگر یہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں تب بھی تو اُن پر ایمان نہ لائیں (۶/۲۵، ۶/۱۱۰)۔ [3] یہ سب تراجم آیات موصوف ہی کے ہیں۔

بُعْثِرَتْ ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ﴿۵﴾ (الانفطار:۱۔۵)

جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔ جب سمندروں میں طغیانی آئے گی۔ جب قبروں کو الٹ پلٹ کیا جائے گا۔ تب ہر شخص کو معلوم ہو جائے گا کہ اس نے آگے کیا بھیجا تھا کیا پیچھے چھوڑ آیا تھا۔

(۵)۔ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ﴿۳﴾ وَ اَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَ تَخَلَّتْ ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ﴿۵﴾ (الانشقاق:۱۔۵)

جب آسمان پھٹ جائے گا اور اپنے رب کا حکم غور سے سنے گا۔ (اور اس کی تعمیل کرے گا) اور اسے واجب بھی یہی ہے۔ اور جب زمین کھینچی جائے گی۔ جو کچھ اس کے اندر ہے اس کو باہر ڈال دے گی اور خالی ہو جائے گی اور اپنے رب کا حکم غور سے سنے گی اور اس کی تعمیل کرے گی اور یہی اس کے لئے واجب ہے۔

نیز دیکھئے سورۃ التکویر کی آیات ۱ سے ۱۴ تک، اس قسم کے تمام الفاظ اور نظام فطرت کا تلپٹ ہونا سب اس وقت ہو گا جب قیامت برپا ہو رہی ہو گی۔ اس لئے ثابت ہوا کہ چودہ سو سال پہلے نہ تو چاند شق ہوا اور نہ ہی قیامت برپا ہوئی اور نہ ہی چاند شق شدہ نظر آتا ہے۔ اس لئے موصوف کا ترجمہ اور روایتی عقیدہ دونوں ہی غلط ہیں[۱]۔ اور مزے کی بات یہ بھی ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔

قارئین اس قسم کے روایتی اور غلط عقائد باطل ثابت ہونے کے بعد بھی موصوف جیسے لوگ ہٹ دھرمی سے انہی کو مانتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کیلئے اسی سورہ الروم کی اگلی ہی آیت ۵۹ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۹﴾

ترجمہ: (اور اے رسول) جو لوگ علم نہیں رکھتے ان کے دلوں پر اللہ اسی طرح مہر لگا دیتا ہے (وہ ہٹ دھرمی کی وجہ سے کسی طرح حق کو قبول نہیں کرتے (۵۹)" (ص ۸۷۰۔۸۷۱، جزء ۷)

**205**۔... آگے سورہ لقمان کی آیت نمبر ۲ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ قرآن کی آیات حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

"تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳﴾

ترجمہ: (اے رسول) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں (جو ہم آپ پر نازل کر رہے ہیں) (۲) (یہ آیتیں) نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور (سراسر) رحمت ہیں (۳)" (ص ۸۹۰۔۸۹۱، جزء ۷)

قارئین موصوف کے ترجمہ میں قوسین کے الفاظ پر غور کیجئے کہ حکمت والی کتاب یعنی قرآن حکیم کی آیتیں اللہ کی طرف سے نازل ہو رہی تھیں۔ (نام نہاد) احادیث کی روایتیں نہیں۔ اور یہ آیتیں ہی نیکی کرنے والوں کے لئے ہدایت اور سراسر رحمت ہیں۔ (نام نہاد) احادیث نہیں۔ مزید غور کیجئے، اس آیت سے اہل حدیث و اہل فقہ کا یہ عقیدہ

---

[۱] غور کیجئے کہ اگر چاند شق ہو گیا ہوتا اور اس کا ایک ٹکڑا ادھر اور دوسرا ادھر چلا گیا ہوتا تو نظام شمسی تہہ و بالا ہو گیا ہوتا! نیز یہ کہ اگر یہ رسول کا معجزہ ہوتا تو پھر تو تمام مشرکین کو معجزہ دیکھ کر فوراً ان پر ایمان لے آنا چاہئے تھا مگر تاریخ کے مطابق ایسا نہیں ہوا۔ اور قرآن کریم کے ہی مطابق تو رسول کو کوئی معجزہ سوائے قرآن کریم کے عطا ہی نہیں ہوا تھا (۱۳۳/۲۰، ۵۰۔۵۱/۲۹، ۳۵۔۳۷/۶، ۲۰/۱۰، ۵۹/۱۷، ۵/۲۱) یونکہ اللہ تعالیٰ نے نشانیاں / معجزات بھیجنا پہلے ہی بند کر دیئے تھے۔

بھی باطل قرار پا گیا کہ قرآن الحکیم کے علاوہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں حکمت کی کتابیں ہیں۔ یا حکمت (قرآن کے علاوہ) بطور (نام نہاد) حدیث نازل ہوئی۔

**206**۔... آگے اسی سورہ لقمان کی آیت نمبر ۶ میں اللہ تعالیٰ **لَهْوَا الْحَدِيْث** خریدنے والوں کو ذلیل کرنے والے عذاب سے ڈرارہا ہے۔

" **وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝**

ترجمہ: اور (اے رسول) لوگوں میں بعض ایسا ہی شخص ہے جو بیہودہ باتوں کا خریدار بنتا ہے تاکہ (ان کے ذریعہ) بغیر علم کے (لوگوں کو) اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دے اور اس کا مذاق اڑائے، ایسے لوگوں کے لئے (قیامت کے دن) ذلیل کرنے والا عذاب ہے (۶) " (ص ۸۹۳، ۸۹۴، جزء۔ ۷)

غور کیجئے کہ یہ **لَهْوَ الْحَدِيْثِ** کیا ہے (یعنی بیہودہ بات یا بکواس)؟ تو یہ **اَحْسَنَ الْحَدِيث** (۳۹/۲۳) کی نقیض یا ضِد ہے۔ قرآن مبین میں اکثر مقامات پر ایک دوسرے کے نقیض یا ضِد الفاظ استعمال ہوئے ہیں اور اسی طرح آیات بھی استعمال ہوئی ہیں جن کو **مُتَشَابِهًا مَّثَانِيَ** (۳۹/۲۳) یعنی مشابہ اور بار بار دہرائی جانے والی یا جوڑاءِ اضداد کہا ہے۔ اس لئے احسن الحدیث کے نقیض یا ضد یا مقابلہ میں لھو الحدیث کے معنی ہوئے غیر اللہ کا کلام یونکہ احسن الحدیث اللہ کا کلام ہے۔ تو اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ حقیقت بتا رہا ہے کہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں (جو ہدایت یافتہ لوگوں کے مقابلے میں) لھو الحدیث یعنی غیر اللہ کے کلام کے خریدار بنتے ہیں تاکہ اس کے ذریعہ بغیر علم کے لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں۔

غور کیجئے کیا ہمارے چاروں طرف یہ نہیں ہو رہا ہے کہ اللہ کی کتاب جو **اَحْسَنَ الْحَدِيث** ہے کے مقابلہ میں لوگ غیر اللہ کی کتابیں جن میں **لَهْوَ الْحَدِيث** ہوتی ہے خریدتے ہیں اور انہی کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اُٹھتے بیٹھتے اسی کو پڑھتے پڑھاتے ہیں اور اسی کا پرچار کرتے ہیں اور جب **اَحْسَنَ الْحَدِيث** پیش کرو تو اگر مگر کر کے تاویلات پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ حدیث قدسی ہے، یہ ارشاد رسول ہے، یہ قول فلاں ولی اللہ کا ہے، یہ قول فلاں امام صاحب کا ہے .......... وغیرہ وغیرہ۔ اللہ نے اَن گنت رسول بھیجے صرف اپنے کلام پر ایمان لانے کیلئے اور اسے ماننے کیلئے مگر یہ لوگ غیر اللہ کے کلام پر ایمان لانا چاہتے ہیں اور اسے منوانا چاہتے ہیں (جیسے موصوف بھی یہی کہتے ہی کہ غیر اللہ کے کلام (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لاؤ تو جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے مسلم بن سکتے ہو ورنہ نہیں۔ اور دنیا جانتی ہے کہ (نام نہاد) احادیث میں **لَهْوَ الْحَدِيث** کی بھرمار ہے یا بے انتہا آمیزش ہے اس لئے وہ **اَحْسَنَ الْحَدِيث** کے مقابلہ میں قابلِ بھروسہ نہیں اور نہ ہی ان کو **اَحْسَنَ الْحَدِيث** کے ساتھ شریک کیا جا سکتا ہے) ایسے لوگوں کیلئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔ اس لئے قارئین اپنے آپ کو اس ذلیل کرنے والے عذاب سے بچایئے اور **لَهْوَ الْحَدِيث** یا (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہ خریدیئے نہ ان کی تبلیغ کیجئے، نہ انہیں پڑھیئے پڑھایئے، نہ ان کا پرچار کیجئے۔ صرف **اَحْسَنَ الْحَدِيث** پڑھیئے پڑھایئے، اسی کی تبلیغ کیجئے اور اسی کا پرچار کیجئے۔ آپ پیچھے آیات میں دیکھ چکے کہ اللہ کے رسول سلامٌ

علیہ خود اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡث ہی کو پڑھتے پڑھاتے تھے، لکھتے لکھاتے تھے، پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور لوگوں کا تزکیہ نفس اسی کے ذریعہ سے کرتے تھے۔ آپ بھی انہی کی اتباع کیجئے۔ اسی کو اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃ کہا گیا ہے جس کو آپ سنتِ رسول کہتے ہیں۔ (ورنہ تو قرآن مبین میں یہ الفاظ "سُنتِ رسول" استعمال تک نہیں ہوئے ہیں) بہر حال اگر آپ اسوہ حسنہ اپنانا چاہتے ہیں یا سنت رسول پر چلنا چاہتے ہیں (ان کی اتباع کرنا چاہتے ہیں) تو پھر تو کتاب مبین ہی کو پڑھ کر سمجھنا ہو گا، سمجھانا ہو گا، پڑھ پڑھ کر سنانا ہو گا، اسی کی تبلیغ اُٹھتے بیٹھتے کرنا ہو گی اسی کا پرچار کرنا ہو گا۔ اسی کا بتایا ہوا نظام قائم کرنا ہو گا تاکہ اللہ کا دین سربلند ہو جائے۔ اور دین کو فرقہ فرقہ کرنے والا غیر اللہ کا کلام چھوڑنا ہو گا۔

**207**۔... آگے سورہ الٓمٓ السجدہ یا سورہ السجدہ کی آیت نمبر ۲۔۳ میں تو اعلان ہی یہ ہوا ہے کہ یہ الکتٰب رب العٰلمین کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

" تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ لَا رَيۡبَ فِيۡهِ مِنۡ رَّبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ؕ‏ ۝٢ اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰٮهُ‌ ۚ بَلۡ هُوَ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّكَ لِتُنۡذِرَ قَوۡمًا مَّاۤ اَتٰٮهُمۡ مِّنۡ نَّذِيۡرٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ لَعَلَّهُمۡ يَهۡتَدُوۡنَ ۝٣

ترجمہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کتاب کا نزول رب العالمین کی طرف سے ہے (۲) اور (اے رسول) کیا لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ رسول نے اسے خود بنالیا ہے (نہیں، یہ بات نہیں ہے) بلکہ یہ آپ کے رب کی طرف سے حق ہے (اسی نے اس کو نازل کیا ہے) تاکہ آپ ایسی قوم کو ڈرائیں جن کے پاس آپ سے پہلے (ماضی قریب میں) کوئی ڈرانے والا (رسول) نہیں آیا شاید (آپ کے ڈرانے سے) یہ لوگ ہدایت پر آ جائیں (۳)" (ص ۹۴۹۔۹۵۰، جزء ۷)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ نے کن کن حقیقتوں کا اعلان واضح طور پر کیا ہے:۔

(۱)۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی الکتٰب کا نزول رب العالمین نے کیا ہے (جبکہ نام نہاد احادیث کا کوئی نزول نہیں ہوا بلکہ وہ غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہی)

(۲)۔ لوگوں کا یہ اعتراض تھا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اسے خود بنالیا ہے۔ مگر انہوں نے (نام نہاد) احادیث پر یہ اعتراض کیوں نہیں کیا؟ (اس لئے کہ وہ خود اُن ہی کی یا غیر اللہ کی بنائی ہوئی ہیں) انہوں نے اس لئے اعتراض نہ کیا کہ نزول قرآن کے وقت ان کا وجود ہی نہیں تھا تو پھر ان پر اعتراض کیسے ہو سکتا تھا۔ ورنہ ان کا اعتراض قرآن کریم میں ضرور نقل ہوتا۔ چلئے قرآن کی گواہی چھوڑیئے، (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر اس قسم کا اعتراض (نام نہاد) احادیث ہی میں دکھا دیجئے۔ اگر آپ سچے ہیں!

(۳)۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اعتراض کو باطل قرار دے کر اعلان فرما دیا کہ یہ الکتٰب آپ کے ربّ کی طرف سے حق ہے یعنی اسی نے اس کو نازل کیا ہے۔ (آپ اگر سچے ہیں تو ایسی کوئی آیت نام نہاد احادیث کے لئے دکھا دیں!)

(۴)۔ الکتٰب کو اس لئے نازل کیا تاکہ رسول سلامٌ علیہ ایسی قوم کو ڈرائیں جن کے پاس اس رسول سے پہلے کوئی ڈرانے والا (رسول) نہیں آیا۔ اسی لئے اس قوم کو اُمیّین کہا گیا ہے۔ اور اس قوم پر رسول کی بعثت ہونے کی

........وجہ سے، رسول کو اَلنَّبِیَّ الامّی (۱۵۷/۷)(یہ بحث پہلے گزر چکی ہے)

(۵)۔ تا کہ اس الکتٰب کے ذریعہ آپ سلامٌ علیہ کے ڈرانے سے یہ امیّین ہدایت پر آ جائیں۔ اور پھر ہوا بھی یہی کہ جس قوم کے پاس عرصہ سے کوئی رسول نہیں مبعوث ہوا تھا اور عرصہ سے وہ الکتٰب سے بے بہرہ تھے، اسی قوم نے اللہ کے رسول اور اللہ کی کتاب کو مان لیا اور ان پر ایمان لے آئے اور دنیا پر چھا گئے۔

**208**۔... آگے اسی سورۃ الٓمّٓ تنزیل یا سورۃ السجدہ کی آیات ۱۵۔۱۶ میں بھی اللہ کی آیات پر ایمان لانے والوں کی بات ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی بات نہیں ہو رہی۔

" اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ سَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۩ ﴿۱۵﴾ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا ۫ وَّ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: ہماری آیتوں پر تو بس وہی لوگ ایمان لاتے ہیں جن کو جب کبھی ان آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو وہ سجدے میں گر پڑتے ہیں، اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح (اور تقدیس) کرتے ہیں اور تکبر نہیں کرتے (۱۵) ان کے پہلو بستروں سے علیحدہ رہتے ہیں وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو کچھ (مال) ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے (ہمارے راستہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں (۱۶)" (ص ۹۷۳،۹۷۵، جزء۔۷)

غور کیجئے گو کہ ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے والوں کی چھ (۲) نشانیاں بتائی ہیں مگر اصل اصول وہی بتایا ہے کہ اللہ کی آیات یعنی الکتٰب پر ایمان لانا ہے اور انہی آیات کے ذریعہ نصیحت کرنا ہے۔ یعنی (نام نہاد) احادیث پر نہ تو ایمان لانا ہے اور نہ ہی ان کے ذریعہ نصیحت کرنا ہے۔ اور نہ ہی (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے والوں یا ماننے والوں کی یہاں صفات بیان ہوئی ہیں۔

**209**۔... آگے اسی سورۃ الٓمّٓ تنزیل یا سورۃ السجدہ کی آیت نمبر ۲۲ میں آیات سے منہ پھیرنے والے کو ظالم کہا جا رہا ہے، (نام نہاد) احادیث سے منہ پھیرنے والے کو نہیں۔

" وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا ؕ اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس کو اس کے رب کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے، ہم گناہگاروں سے (ان کی اس حرکت کا) ضرور بدلہ لیں گے (۲۲)" (ص ۹۷۵،۹۷۶، جزء۔۷)

قارئین غور کیجئے کہ یہ کتنا واضح اور کتنا خوفناک اعلان ہے کہ ایسا شخص سب سے بڑا ظالم ہے جس کو قرآن کی آیات کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو وہ ان سے منہ پھیر لے (یعنی اس طرف التفات نہ کرے، اسے نہ مانے اور تاویلات کرے) کہ (نام نہاد) حدیث میں تو یہ روایت ہے اور فقہ میں یہ فیصلہ ہے اور فلاں بزرگ کا یہ قول ہے! یا (نام نہاد) احادیث کے مطابق تو اس آیت کی شان نزول کچھ اور ہے، یا (نام نہاد) احادیث نے اس آیت کو منسوخ کر دیا ہے، یا

ہمارے امام فقہ کے نزدیک یہ بات انسب یا راجح نہیں ہے......... وغیرہ وغیرہ" تو ایسے گنہگاروں سے ان کی اس حرکت کا ہم ضرور بدلہ لیں گے۔

غور کیجئے کہ (نام نہاد) احادیث سے منہ پھیرنے پر گناہگار نہیں کہا جا رہا نہ ان سے بدلہ لینے کا کہا جا رہا ہے۔ یعنی منکرین حدیث نہ تو گناہگار ہیں اور نہ ہی ان سے بدلہ لیا جائے گا

قارئین غور کیجئے کیا یہ آیت کریمہ اہل حدیث اور اہل فقہ کے رویّہ کے بارے میں نہیں جو (نام نہاد) احادیث اور فقہی اجتہادات یا فیصلوں کو قرآن کریم کی آیات پر ترجیح دیتے ہیں (کیا یہ اَعْرَضَ عَنْهَا یعنی ان سے منہ پھیرنا نہیں؟) کیا اس محکم آیت کے بعد بھی اہل حدیث و اہل فقہ کی آنکھیں و قلب نہیں کھلیں گے؟

اتنی اہم اور محکم آیت پر سے موصوف صرف سرسری طور پر گزر گئے اور تفسیر میں صرف اتنا فرمایا:

"تفسیر: آیات الٰہی کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ان کو سن کر ایمان لائیں اور اپنی اصلاح کریں لیکن جو لوگ آیات الٰہی سے منہ موڑ لیں وہ بڑے ہی بد بخت ہیں۔ وہ اپنی اصلاح نہیں چاہتے بلکہ گمراہی میں پڑا رہنا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگ بڑے ہی مجرم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضرور ان کو ان کے جرم کی سزا دے گا" (ص ۹۸۰-۹۸۱، جزء ۷)

**210**۔... آگے اسی سورہ الٓمّٓ تنزیل یا سورۃ السجدہ کی آیت نمبر ۲۳ میں موسیٰ سلامٌ علیہ کی الکتٰب کو بھی ذریعہ ہدایت بتایا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کی کتاب تالمود کو نہیں۔

"وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآىِٕهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝۲۳

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے یقیناً موسیٰ کو کتاب دی تھی لہٰذا آپ اس (کتاب) کے ملنے (کے سلسلہ) میں کسی قسم کا شک نہ کریں اور ہم نے اس (کتاب) کو بنی اسرائیل کے لئے (ذریعۂ) ہدایت بنایا تھا (۲۳) "
(۹۸۲، جزء ۷)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں موسیٰ سلامٌ علیہ کو بھی "الکتٰب" عطا ہونے کا اعلان ہو رہا ہے اور اس سلسلہ میں کسی قسم کا شک جھٹک دینے کا حکم ہو رہا ہے۔ اور انتہائی اہم بات جو بتائی جا رہی ہے وہ یہ کہ اسی "الکتٰب" کو بنی اسرائیل کے لئے ذریعۂ ہدایت بنایا تھا اُن کی (نام نہاد) احادیث کی کتاب "تالمود" کو ذریعہ ہدایت نہیں بنایا تھا۔

اسی طرح ہمارے لئے "الکتٰب" کو ذریعہ ہدایت بنایا ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں صحیح بخاری، صحیح مسلم وغیرہ کو نہیں۔ کاش کہ کوئی سمجھے!

**211**۔... آگے سورۃ الاحزاب کی آیت ۱-۲ میں پھر کفار و منافقین کی بات نہ ماننے اور قرآن جو وحی کیا گیا کو ماننے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

" يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَ لَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَ الْمُنٰفِقِيْنَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱ وَّ اتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝۲

ترجمہ: اے نبی اللہ سے ڈرتے رہیے اور کافروں اور منافقوں کا کہنا (ہرگز) نہ مانئے، بے شک اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے (۱) اور (اے نبی) جو باتیں آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کی جا رہی ہیں آپ

ان کی پیروی کیجئے ، اور (اے لوگو) ان اعمال سے جو تم کر رہے ہو اللہ خوب واقف ہے (۲)" (ص ۹۵۵۔۹۹۶، جزء ۔۷)

غور کیجئے کہ یہ آیات کریمہ کیا کیا حقیقتیں بتا رہی ہیں:

(۱)۔ اے نبی، اللہ سے ڈرتے رہئے یعنی اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے ہوئے اسی کے احکام نافذ کیجئے (اتّق اللہ کا ترجمہ اللہ سے ڈرتے رہئے کچھ مناسب نہیں، یونکہ اللہ تعالیٰ کوئی خونخوار شئے نہیں کہ اس سے ڈرتے رہئے نہ وہ ظالم ہے کہ ہر وقت خوفزدہ رہئے بلکہ وہ تورحمٰن ورحیم ہے، تقویٰ کے معنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتے ہوئے ان کی بجاآوری کرتے رہنا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کرنے سے بچنا ہے)

(۲)۔ کافروں اور منافقوں کا کہنا ہرگز نہ مانئے یعنی وہ جو کہتے ہیں کہ اس قرآن مبین کو بدل کر (نام نہاد) احادیث وفقہ و تفاسیر واقوال ائمہ لے آؤ تو ایسا ہرگز نہ کیجئے گا ورنہ پھر اللہ جاننے والا ہے اور حکمت والا ہے (یعنی ابھی تو وہ ڈھیل دیدے گا مگر پھر ایسی پکڑ پکڑے گا کہ چھوٹنا ناممکن ہو گا)

(۳)۔ اور (اے نبی) جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کو وحی کیا جارہا ہے آپ صرف اس کی پیروی کیجئے۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ کے ربّ کی طرف سے آپ پر کیا وحی کیا جارہا تھا؟ تو آپ کا جواب تھا: "وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ (۱۹ /۶) " یعنی صرف یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے اور اس کی صفت یہ ہے کہ " اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ (۹ /۱۷) یعنی یہ قرآن وہ رستہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھا ہے۔ اس لئے غیر قرآن کے رستہ پر جو چلے گا وہ یقیناً اللہ کے راستہ پر نہ ہو گا۔

یہاں بالکل واضح ہو گیا کہ پیروی صرف وحی یعنی قرآن مبین کی ہے۔ غیر وحی یعنی (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ جب اللہ کے رسول سلامٌ علیہ کو یہ حکم دیا گیا کہ پیروی صرف قرآن کی کیجئے تو پھر امتیوں کیلئے علیحدہ حکم تو نہ ہو گا کہ پیروی (نام نہاد) احادیث کی کرو! امتیوں کیلئے بھی یہی حکم ہے کہ پیروی صرف قرآن مبین ہی کی کرنی ہے یہ جو کہا جاتا ہے کہ قرآن ہی کا حکم ہے "اَطِیْعُوا الرَّسُوْل" کہ رسول کی اطاعت کرو تو اس کے معنی تو اوپر والی محکم آیت ہی کے تابع کئے جائیں گے کہ قرآن مبین کی پیروی کرنے میں رسول کی اطاعت کرو۔ اس کے معنٰی یہ نہیں کہ رسول کے نام سے اللہ کی کتاب کے مقابلہ میں دوسری کتاب یا کتابیں بنالو اور ان کی پیروی شروع کردو۔ اس لئے قرآن مبین کے علاوہ جو کتابیں غیر اللہ نے بنائی ہیں بقول موصوف ہی کے ان کو مسترد کر دیجئے۔

ان آیات کی تفسیر میں موصوف خود کوئی (نام نہاد) احادیث یا رسولی تشریح و تفسیر نہ پیش کر سکے (جب رسول سلامٌ علیہ نے کوئی تشریح یا تفسیر کی ہی نہیں تو بچارے پیش کہاں سے کریں گے!) بلکہ اپنی تفسیر کے آخر میں "عمل" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

عمل: "اے ایمان والو' صرف اس چیز کی پیروی کیجئے جو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ پر نازل فرمائی ہے۔ اس کے خلاف کسی کا کہنا نہ مانئے صرف اللہ پر توکل کیجئے اور صرف اسی سے ڈریئے۔ کافروں اور منافقوں سے ہرگز نہ ڈریئے" (ص ۹۹۸، جزء ۔۷)

قارئین آپ جانتے ہی ہیں (جیسا کہ اوپر بتایا اور پیچھے بھی گزر چکا) کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر صرف قرآن مبین

ہی بذریعہ وحی نازل فرمایا گیا اس لئے صرف اس کی پیروی کیجئے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی وحی کی گئیں تو اس سے کہئے کہ لاؤ آیت مثل آیت وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ (٦/١٩) اور جب وہ ایسی آیت نہ لا سکے کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی کی گئیں تو ایسے شخص کی بات نہ سنئے اور دوسروں کو بھی اس کی شیطنت سے آگاہ کرتے رہئے ورنہ وہ دوسروں کو گمراہ کرتا رہے گا۔

**212**۔۔۔ آگے اسی سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ٦ میں کِتٰبِ اللّٰهِ ہی کا ذکر ہو رہا ہے (نام نہاد) احادیث کا نہیں۔

" اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ ؕ وَ اُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰی بِبَعْضٍ فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ الْمُهٰجِرِیْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَفْعَلُوْۤا اِلٰۤی اَوْلِیٰٓىِٕكُمْ مَّعْرُوْفًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝٦

ترجمہ: نبی مومنوں کے لئے ان سے زیادہ ان کے خیر خواہ ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں اور اللہ کی کتاب میں رشتہ دار، مومنین اور مہاجرین سے زیادہ آپس میں ایک دوسرے کے حق دار ہیں مگر یہ کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ کوئی نیکی کرو (تو اور بات ہے)، یہ (حکم اللہ کی) کتاب میں لکھا ہوا ہے (٦) " (ص ١٠٠٤، ١٠٠٥، جزء۔٧)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں لفظ کتاب دو مرتبہ استعمال ہوا ہے اور کِتٰبِ اللّٰهِ ایک مرتبہ۔ کہیں بھی بخاری مسلم کی کتابوں یا (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا لفظ استعمال نہیں ہوا۔ اور اللہ کے جو قانون یا احکام اس آیت کریمہ میں بتائے گئے انہیں یہیں قرآن ہی میں لکھا ہوا بھی جتا دیا گیا[1]۔ (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

**213**۔۔۔ آگے اسی سورہ الاحزاب کی آیت ٣٤ میں ازواج النبی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اللہ کی آیات یاد کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، (نام نہاد) احادیث یا فقہ یاد کرنے کا نہیں۔

" وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَ الْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِیْفًا خَبِیْرًا ۝٣٤

ترجمہ: اور (اے نبی کی گھر والیو) تمہارے گھروں میں اللہ کی **آیات** اور حکمت کی جو باتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو، بے شک اللہ بڑا باریک بین اور (بہت) باخبر ہے (٣٤) " (ص ١٠٥٩، ١٠٦٠، جزء۔٧)

غور کیجئے یہ نہیں کہا جا رہا کہ تمہارے گھروں میں جو کچھ بات چیت ہو رہی ہے، جو کچھ (نام نہاد) احادیث پڑھی یا سنائی جا رہی ہوں یا لکھی جا رہی ہوں۔ ان کو یاد رکھو۔ بلکہ آیات کو یاد رکھنے کو کہا جا رہا ہے (اور انہی آیات کو حکمت کی باتیں کہا ہے یونکہ قرآن ہی الحکیم ہے۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِیْمِ (٣٦/٢) جبکہ محدثین و مفسرین نے اس آیت اور اس سے پہلے کی آیات کے شانِ نزول پر صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا روایتیں گھڑی ہیں کہ امہات المومنین بھی (نام نہاد) احادیث روایت کیا کرتی تھیں حالانکہ قرآن کریم کی یہ گواہی ان سب شان نزول اور روایتوں کے خلاف ہے یوں کہ وہ تو اللہ کی آیات یاد کرتی تھیں اور انہی کو آگے تبلیغ کرتی تھیں۔

پس ثابت ہوا کہ اس وقت (نام نہاد) احادیث کا تو وجود بھی نہ تھا اور نہ ہی وہ وحی کی جاتی تھیں ورنہ ان کو بھی یاد

[1] ان احکام کی مزید تفصیل اس آیت کے علاوہ دیکھئے سورہ نساء میں اور وہ آیات جن میں (رحم) کے رشتوں کو قطع کرنے سے منع کیا ہے۔

کرنے کا حکم ضرور ملتا۔ یہ تو بعد میں فارسی ٹکسالوں میں ڈھالی گئیں اور پھیلا دی گئیں!(خیال رہے کہ موصوف نے ترجمہ میں قرآنی الفاظ "ایٰتِ اللّٰهِ وَ الحِكْمَةِ" کو دو علیحدہ چیزیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے یہ ترجمہ کرکے کہ "اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں" جبکہ یہاں "و" تفسیری ہے اس لئے صحیح ترجمہ ہوگا "اللہ کی آیات یعنی حکمت کی باتیں"۔ یونکہ القرآن ہی کو الحکیم بتایا گیا ہے (۲ /۳۶)۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان ملاحظہ ہو کہ موصوف ہی سے آگے حق بات لکھوا دی کہ جو "تلاوت کی جاتی ہیں" اور تلاوت صرف وحی متلو (یعنی القرآن) ہی کیا جاتا ہے جو خود موصوف بھی مانتے ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ (نام نہاد) احادیث یا وحی غیر متلو کا اس وقت وجود نہیں تھا یہ سب بعد کی پیداوار ہے)

**214۔**... آگے سورہ سبا کی آیات ۵۔۶ میں پھر آیات و قرآن ہی کی بات ہو رہی ہے:

"وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝"

ترجمہ: اور جو لوگ ہماری آیتوں (کی مخالفت) میں کوشش کرتے ہیں (اور چاہتے ہیں) کہ ہمیں عاجز کریں ان کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے (۵) اور (اے رسول) جن لوگوں کو علم دیا گیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ (یہ قرآن) جو آپ پر نازل کیا گیا ہے (بالکل) حق ہے اور یہ کہ وہ غالب اور تعریف والے (اللہ) کا راستہ بتاتا ہے (۶)" (ص ۱۳،۱۱، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کی مخالفت میں کوشش کرتے ہیں (مثلاً کتاب کو بدل دیں، تحریف کر دیں، شان نزول، ارشادِ رسول، تفسیرِ رسول کے نام سے معنی و مطلب کچھ سے کچھ کر دیں، غیر اللہ کی کتابوں کو اللہ کی کتاب پر قاضی "مُهَيمِنٌ" بنا دیں، یا اللہ کی کتاب کی آیات کو منسوخ قرار دیکر کچھ اور باہر سے غیر اللہ کے کلام کی آمیزش کر دیں وغیرہ وغیرہ) تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ دردناک عذاب کی سزا کی وعید سنا رہا ہے۔ خیال رہے یہ وعید (نام نہاد) احادیث یعنی پوشیدہ وحی کیلئے نہیں سنائی جارہی ہے!(یہی وعید پھر آگے آیت نمبر ۳۸ میں دوہرائی گئی ہے)

اگلی آیت میں بات اور واضح کر دی کہ علم والے تو جانتے ہیں کہ یہ قرآن جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، (نام نہاد احادیث نہیں) بالکل حق ہے اور غالب اور تعریف والے اللہ کا راستہ بتاتا ہے۔ (محدثین و مفسرین واماموں کا راستہ نہیں)

**215۔**... آگے اسی سورہ سبا کی آیت نمبر ۳۱ میں کفار کے قرآن پر ایمان لانے سے انکار کا ذکر ہے (نام نہاد) حدیث سے انکار نہیں۔

"وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ لَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ ......... (۳۱)

ترجمہ: اور (اے رسول) کافر کہتے ہیں کہ ہم اس قرآن پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے اور نہ اس سے پہلی کتاب پر ایمان لائیں گے (ٹھیک ہے، اگر یہی بات ہے تو یہ اس کی سزا بھگتیں گے)............ (۳۱)" (ص ۵۷،۵۵، جزء۔۸)

غور کیجئے کافرین صرف اللہ کی کتاب یعنی قرآن مبین پر ایمان لانے سے انکار کر رہے تھے، مگر وہ بھی (نام نہاد) احادیث کا نام تک نہیں لیتے تھے، کیا اس سے یہ حق ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت (نام نہاد) احادیث کا وجود ہی نہیں تھا

اور نہ ہی وہ وحی کی جارہی تھیں ورنہ کفار ان پر بھی ضرور اعتراض کرتے۔ (البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ وحی پوشیدہ بھی اس لئے غاروں میں پوشیدہ رہی پھر فارس کی ٹکسالوں میں ظاہر ہو گئی یا فرانس کی لائبریری میں ظہور ہو گیا اور پھر..............)

**216**۔۔۔ آگے اسی سورۃ سبا کی آیت نمبر ۴۳ میں اللہ کی کتاب کی واضح آیتیں پڑھ کر سنائے جانے اور کفار کا قرآن کو جھوٹ اور جادو بتانے کا ذکر ہے:۔

" وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّا رَجُلٌ یُّرِیْدُ اَنْ یَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ ۚ وَ قَالُوْا مَا هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكٌ مُّفْتَرًی ؕ وَ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) جب ان کو ہماری واضح آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں یہ (رسول) نہیں ہے بلکہ ایک (ایسا) شخص ہے جو یہ چاہتا ہے کہ جن چیزوں کی عبادت تمہارے باپ دادا کرتے تھے ان سے تم کو روک دے اور (اے رسول یہ لوگ یہ بھی) کہتے ہیں کہ یہ (قرآن) جھوٹ ہے اور اُن کا اپنا) بنایا ہوا ہے اور جب کافروں کے پاس حق آ گیا تو (کبھی) اس کے متعلق یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے (۴۳)" (ص ۷۰۴، ۷۱، جزء۔ ۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی آیٰت بیینٰت ہی پڑھ کر سنائے جانے کی بات ہو رہی ہے۔ (نام نہاد) احادیث پڑھ کر سنائے جانے کا اشارہ تک نہیں۔

نیز یہ کہ لوگ قرآن ہی کو جھوٹ اور سحر قرار دیتے تھے یعنی ان کو ساری چڑھ یا مخاصمت قرآن کریم ہی سے تھی (نام نہاد) احادیث وفقہ و تفسیر سے نہیں۔ یعنی وہ منکرِ قرآن تھے۔ اسی لئے مختلف آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت سزا کی وعید سنائی ہے۔

**217**۔۔۔ آگے اسی سورہ سبا کی آیت نمبر ۵۰ میں وحی کی برکت سے ہدایت پر ہونے کا ذکر ہے:

"قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَاۤ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَ اِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: (اے رسول) کہہ دیجئے اگر میں گمراہ ہوں تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی برکت سے جو میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے، بے شک وہ (ہر ایک کی) سننے والا اور (ہر ایک کے) قریب ہے (۵۰)" (ص ۷۴۳، ۷۵، جزء۔ ۸)

قارئین غور کیجئے کہ رسول اللہ سلام علیہ کیا فرما رہے ہیں کہ "اگر میں ہدایت پر ہوں تو اس وحی کی برکت سے جو میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے" اور وہ وحی قرآن ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ دیکھئے اس آیت کے الفاظ اور قرآن کے وحی ہونے کا اعلان

یُوْحِیْۤ اِلَیَّ رَبِّیْ۔۔۔۔۔۔۔۔اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ

جو میرا رب میری طرف وحی کر رہا ہے۔ کیا وحی کر رہا ہے؟ صرف یہ قرآن مجھ پر وحی کیا جا رہا ہے (نام نہاد احادیث نہیں)

اس آیت کریمہ نے واضح کر دیا کہ ہدایت اللہ کی وحی یعنی قرآن ہی کی برکت سے ملتی ہے (نام نہاد) احادیث سے نہیں۔ ان سے تو اختلافات و تفرقہ پیدا ہوتا ہے۔

**218۔**... آگے سورہ فاطر کی آیات ۲۹۔۳۰ میں پھر کتٰب اللہ ہی پڑھنے کا ذکر ہے (نام نہاد) احادیث کا نہیں:

" اِنَّ الَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرْجُوْنَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُوْرَ ﴿۲۹﴾ لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو مال ان کو اللہ نے دیا ہے اس میں سے (اللہ کے راستے ہیں) چھپا کر بھی خرچ کرتے ہیں اور علانیہ بھی وہ ایسی تجارت کے امید وار ہیں جس میں کبھی نقصان نہیں ہو گا (۲۹) اس لئے کہ اللہ ان کو ان کا بدلہ پورا پورا دے گا اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی دے گا، بے شک اللہ بخشنے والا اور قدر دان ہے (۳۰)" (ص ۱۳۲۔۱۳۳، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ ان آیات میں تین اہم کام کرنے والوں کیلئے (کتاب اللہ کا پڑھنا، صلوٰۃ کا قائم کرنا اور اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنا) ایسی تجارت کی خوشخبری ہے جس میں کبھی نقصان نہیں ہو گا اس لئے کہ اللہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا اور اپنے فضل سے زیادہ بھی دے گا۔ اور ان تین اہم کاموں میں اوّل کام تلاوت کتٰب اللہ یعنی قرآن مبین کا پڑھنا اور عمل کرنا ہے (تلاوت کے معنی پہلے واضح کئے جا چکے ہیں کہ اس طرح پڑھنا کہ سمجھا جائے اور اس پر عمل کیا جائے) (نام نہاد) احادیث کا پڑھنا اور عمل کرنا نہیں۔ ویسے خود بھی اہل حدیث و اہل فقہ کے نزدیک (نام نہاد) احادیث پڑھنے پڑھانے کی چیز نہیں اسی لئے انہوں نے اسے وحی غیر متلو کا نام دیا ہوا ہے۔

پس ثابت ہوا: چونکہ جب تلاوت تو قرآن مبین کی ہوتی ہے (وہ وحی متلو ہے) تو وہی کتٰب اللہ ہے اور (نام نہاد) احادیث کتٰب اللہ نہیں ہو سکتیں یونکہ ان کی تلاوت نہیں ہوتی (وہ وحی غیر متلو ہیں)۔

**219۔**... آگے اسی سورہ فاطر کی اگلی ہی آیت نمبر ۳۱ میں قرآن کے وحی کئے جانے اور حق ہونے کا ذکر ہے:

"وَالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِعِبَادِهٖ لَخَبِيْرٌۢ بَصِيْرٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور (رسول) جو کتاب ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے وہ (بالکل) حق ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے (نازل ہوئی) تھیں، بے شک اللہ اپنے بندوں سے باخبر ہے اور (ان کو) دیکھ رہا ہے (۳۱) " (ص ۱۳۷، ۱۴۰، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں کس الکتٰب کو وحی کرنے کا ذکر ہے جو حق ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل ہوئی تھیں؟ ظاہر ہے وہ الکتٰب قرآن مبین ہی ہے اور یہ اسی کی صفات ہیں جو جگہ جگہ قرآن مبین ہی میں بیان ہوئی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ کی کتاب قرآن مبین ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔

**220۔**... آگے سورہ یٰسٓ کی آیات ۱۔۶ میں صرف القرآن الحکیم ہی کے نازل کئے جانے کا ارشادِ الٰہی ہے (نام نہاد)

احادیث کے نزول کا اشارہ تک نہیں۔

"یٰسٓ ۝ وَ الْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۝ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ تَنْزِیْلَ الْعَزِیْزِ الرَّحِیْمِ ۝ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُھُمْ فَھُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

ترجمہ: یٰسٓ (۱) **حکمت والے قرآن کی قسم** (۲) آپ بے شک رسولوں میں سے ہیں (۳) (آپ) صراط مستقیم پر ہیں (۴) (اور یہ **قرآن**) غالب اور بہت رحم کرنے والے (اللہ) کا نازل کردہ ہے (۵) یہ اس لئے نازل ہوا ہے تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباءواجداد کو ڈرایا نہیں گیا تھا اور اس وجہ سے وہ (اللہ کے احکام سے) غافل ہیں (۶)" (ص ۱۶۴۔۱۶۶، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ ان آیات میں کیا کیا اہم حقیقتوں کا اعلان کیا گیا ہے:

(۱)۔ قرآن ہی حکمت والا ہے۔ اس طرح اہل حدیث اور اہل فقہ کا عقیدہ کہ قرآن علیحدہ ہے اور حکمت علیحدہ ہے یعنی حکمت (نام نہاد) احادیث ہیں، غلط ثابت ہو گیا یونکہ اللہ تعالیٰ نے خود قرآن ہی کو حکمت فرمادیا اور اس کتاب کی قسم بھی کھالی۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کے ساتھ نہیں نہ ہی وہ قرآن کا حصہ ہیں اور نہ ہی وہ کتٰب اللہ ہیں۔ اور نہ ہی وہ وحی ہیں۔

(۲)۔ آپ بے شک رسول ہیں (مرزا غلام احمد قادیانی اور ڈاکٹر رشاد خلیفہ امریکی رسول نہیں، یونکہ اس قسم کی آیت ان کی شان شیطنت میں نہیں)

(۳)۔ اور یہ قرآن غالب اور بہت رحم کرنے والے اللہ کا نازل کردہ ہے۔ اسی کو پچھلی آیات میں کتٰب اللہ کہا گیا ہے اور بعض جگہ صرف وحی کہا گیا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وحی صرف ایک ہی قسم کی تھی کہ اس میں صرف قرآن نازل ہوتا تھا (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اس لئے (نام نہاد) احادیث کتٰب اللہ نہیں ہو سکتیں۔ صرف قرآن مبین ہی اللہ کی نازل کردہ کتابی وحی ہے۔

(۴)۔ یہ قرآن اس لئے نازل ہوا ہے تا کہ آپ ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے آباءواجداد کو ڈرایا نہیں گیا یعنی ان کے پاس کوئی کتاب نہیں آئی اور نہ کوئی رسول آیا۔ (اسی لئے ان کو اُمّی کہا جاتا ہے) جو ان کو ڈراتا۔ اس وجہ سے وہ اللہ کے احکام یعنی الکتٰب سے غافل ہیں۔

**221۔**... آگے اسی سورہ یٰسٓ کی آیات ۶۹۔۷۰ میں رسول سلامٌ علیہ کو قرآن مبین ہی پیش کرنے والا اور اس سے زندوں کو ڈرانے والا بتایا گیا ہے۔

"وَ مَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ وَ مَا یَنْۢبَغِیْ لَہٗ ؕ اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِیْنٌ ۝ لِّیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا وَّ یَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ ۝

ترجمہ: اور (اے لوگو) ہم نے (اپنے) رسول کو شعر وشاعری نہیں سکھائی اور وہ ان کے شایانِ شان بھی نہیں، (جو کلام وہ پیش کرتے ہیں) وہ تو بس نصیحت ہے اور (ایک) واضح کتاب ہے (۶۹) تا کہ وہ اس شخص کو ڈرائیں جو (روحانی طور پر) زندہ ہو اور کافروں پر (عذاب کا) وعدہ ثابت ہو جائے (۷۰)" (ص ۲۱۵، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ یہ آیات کیا کیا حقیقتیں بتا رہی ہیں:

(۱)۔ رسول کو شعر و شاعری نہیں سکھائی گئی یعنی وہ شاعر نہیں تھے، یونکہ شاعری ایک رسول کی شان سے انتہائی گھٹیا چیز ہے۔ جبکہ رسول کا مقام بہت بلند ہے۔ اس لئے دوسری جگہ فرمایا کہ "یہ (قرآن) کسی شاعر کا کلام نہیں" (۴۱/۶۹)، نیز یہ بھی فرمایا کہ "شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں" (۲۲۴/۲۶)

(۲)۔ (جو کلام وہ پیش کرتے ہیں یعنی وہ تو دین کے بارے میں جو کچھ بولتے ہیں) وہ تو بس نصیحت ہے اور ایک واضح کتاب ہے یعنی قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ہے۔ یعنی (نام نہاد) احادیث نہیں ہیں بلکہ احسن الحدیث ہیں۔ کیا اس وضاحت کے بعد بھی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ دین کے بارے میں رسول قرآن مبین کے علاوہ بھی کچھ بولتے تھے یا بتاتے تھے؟ ہاں دنیا کے معاملہ میں یقیناً قرآن مبین کے علاوہ بھی بول لیتے ہوں گے، مثلاً ازواج مطہراتؓ سے گھر میں خانہ داری کی بابت کوئی بات چیت ان سے حسن سلوک یا بچوں سے شفقت و سلوک، یا سفارت کاروں سے ملنا اور ان سے سلوک کرنا، دنیا کے حالات معلوم کرنا، جاسوسی کا نظام قائم کرنا لوگوں کو علم حاصل کرنے کی تلقین کرنا، فن سپہ گری حاصل کرنے کی ترغیب دینا، مشاورت کرنا غیرہ وغیرہ)

(۳)۔ تاکہ (اس قرآن مبین ہی کے ذریعہ) اس شخص کو ڈرائیں جو (روحانی طور پر یعنی جو ہٹ دھرمی کی وجہ سے کوئی اچھی بات ماننے کو تیار ہی نہ ہو) زندہ ہو تاکہ کافروں پر عذاب کا وعدہ ثابت ہو جائے یعنی اتمام حجت ہو جائے۔

قارئین غور کیجئے یہاں اس شخص کو ڈرانے یا خوف دلانے (آخرت کے عذاب سے) کی بات ہو رہی ہے جو زندہ ہو۔ مگر ہمارے ہاں جب آدمی مرنے لگتا ہے تو اس کو یہی سورہ یٰسین سنائی جاتی ہے! اس وقت اس کا کیا فائدہ؟ جب زندہ تھے تو نہ پڑھتے تھے، نہ سنتے تھے اور نہ عمل کرتے تھے۔ مرتے وقت سورہ یٰسین سنائی جاتی ہے پھر مرنے کے بعد پورے قرآن کو پڑھا جاتا ہے! سب بیکار۔ مرنے کے بعد اب کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر پہنچ سکتا ہے تو لاؤ اسی طرح کی آیت جس میں بتایا گیا ہو کہ مرنے کے بعد قرآن خوانی کرو تو مردہ بخش دیا جائے گا۔

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں (بطور خلاصہ) موصوف خود کیا فرماتے ہیں:

تفسیر: "شاعری اگرچہ بعض شرائط کے ساتھ اچھی چیز ہے لیکن نبی کے اعلیٰ وارفع مرتبہ کے شایان شان نہیں۔ بہر حال وہ ایک انسانی کلام ہوتا ہے جس سے خود شاعر اور دوسرے اپنا دل بہلاتے ہیں، نصیحت حاصل کرتے ہی یا بگڑ جاتے ہیں لیکن نبی کا مقام بہت بلند ہوتا ہے وہ اپنا کلام پیش نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام پیش کرتا ہے" (ص۲۱۶، جزء۔۸)

قارئین موصوف کے آخری جملوں پر غور کیجئے، ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ نبی سلامؑ علیہ نے اپنا کلام بطور (نام نہاد) احادیث (جو کہ ان کا کلام بھی نہیں بلکہ راویوں کا کلام ہے) پیش نہیں کیا بلکہ وہ تو ہمیشہ صرف کلام اللہ، کتٰب اللہ، قرآن الحکیم، قرآن مبین پیش کرتے رہے۔

پس ثابت ہوا کہ صرف قرآن ہی اللہ کی کتاب ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اس لئے، بقول موصوف اس غیر اللہ کے کلام کو مسترد کر دیجئے۔

**222**۔۔۔ آگے سورہ الصّٰفّٰت کی آیت نمبر ۳ میں پھر اللہ کے ذکر یعنی قرآن ہی کی تلاوت کرنے کا بیان ہے (نام نہاد) احادیث تلاوت کرنے کا نہیں۔

"فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝۳

ترجمہ: پھر (اللہ کے نازل کردہ) ذِکر (یعنی قرآن مجید) کی تلاوت کرتے ہیں (۳) " (ص ۲۳۳، ۲۳۴، جزء۔۸)

غور کیجئے، یہ اچھا ہوا کہ موصوف نے خود ہی اپنے ترجمہ میں "ذِکر" کو اللہ کا نازل کردہ قرآن مجید مان لیا اور اسی کی تلاوت کی بات کی۔

یہاں بھی (نام نہاد) احادیث تلاوت کرنے کا اشارہ تک نہیں۔ پیچھے سورہ یٰس کی آیت ۶۹ میں ثابت ہو چکا کہ رسول کریم سلامٌ علیہ (دین کے معاملہ میں) صرف ذکر یعنی قرآن مبین ہی پیش کرتے تھے، تلاوت کرتے تھے، پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور یہاں اس آیت کریمہ میں بھی صرف ذکر یعنی قرآن مبین ہی کو تلاوت کرنے کا بیان ہے۔ اب جس کا عقیدہ ان آیات کے بر خلاف ہو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کے علاوہ (نام نہاد) احادیث بھی تلاوت کرتے تھے، پیش کرتے تھے یا سناتے تھے تو پھر اسی سورہ الصّٰفّٰت کی آیت ۱۵۷ کے مطابق:

"فَأْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۱۵۷

ترجمہ[1]: اگر تم سچے ہو تو دلیل میں اپنی کتاب پیش کرو (۱۵۷) " (ص ۳۱۶، جزء۸)

تو جو لوگ (نام نہاد) احادیث مانتے ہیں اور ان پر ایمان لاتے ہیں وہ اگر اپنے عقیدہ میں سچے ہیں تو "الکتٰب" سے ثبوت کے طور پر اسی طرح کی آیات یا ایک آیت ہی پیش کر دیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ (نام نہاد) احادیث بھی تلاوت فرماتے تھے یا پیش کرتے تھے یا پڑھ پڑھ کر سناتے تھے اور یہ کہ کتٰب مبین کے ہوتے ہوئے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی ضرورت ہے اور صرف کتٰب مبین کافی نہیں!

**223**۔۔۔ آگے سورۃ صٓ کی آیت نمبر ا ہی میں پھر قرآن ہی کو ذکر بتایا گیا ہے:

"صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝۱

ترجمہ: صٓ، نصیحت والے قرآن کی قسم (بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں) (ا) (ص ۳۲۶، ۳۲۸، جزء۸)

قارئین غور کیجئے اس آیت کریمہ میں بھی ذکر یعنی قرآن ہی کی قسم کھائی جا رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں اور ذکر کو ہی قرآن کہا گیا ہے (نام نہاد) احادیث و فقہ کو نہیں۔

**224**۔۔۔ آگے اسی سورہ صٓ کی آیت نمبر ۸ میں پھر قرآن ہی کو ذکر کہا گیا اور اس کے نازل ہونے کا بیان ہے (نام نہاد) احادیث کا نہیں۔

"ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْۢ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝۸

ترجمہ: کیا ہم لوگوں میں (یہی رہ گیا تھا کہ) اس پر نصیحت (کی کتاب) اُتاری گئی، (اے رسول) (اگرچہ)

---

[1] موصوف کی تفسیر میں آیات کے ترجمہ میں اس آیت کا ترجمہ غائب ہے۔ یہ ترجمہ تفسیر کے حصہ میں سے لیا ہے۔

ان کو میری نصیحت کے سچا ہونے میں شک ہے لیکن (اصل وجہ انکار کی یہ نہیں، اصل وجہ تو یہ ہے کہ) انہوں نے (ابھی) میرے عذاب کا مزا نہیں چکھا (جس دن عذاب کا مزا چکھ لیں گے تو انکار اور مخالفت سب بھول جائیں گے)(۸) " (ص۷ ۳۲،۳۲۸،۳۲۹، جزء۔۸)

غور کیجئے موصوف بھی اپنے ترجمہ میں اَلذِّكْرُ" اور "ذِكْرِيْ" کو نصیحت کی کتاب یعنی قرآن مبین ہی مان رہے ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں!

اس آیت کریمہ سے بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر صرف نصیحت کی کتاب قرآن مبین اُتاری گئی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔ نیز لوگوں کو اسی کے سچا ہونے میں شک ہوتا ہے جبکہ وہ اللہ کی طرف سے ہے لیکن غیر اللہ کی کتابوں یعنی (نام نہاد) احادیث و فقہ کی کتابوں میں شک نہیں ہوتا بلکہ ان کو قرآن کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے عذاب کی وعید ہے جو یقیناً پوری ہو کر رہے گی۔

**225۔**... آگے اسی سورہ صٓ کی آیت نمبر ۷۰ میں پھر اسی الکتٰب میں وحی آنے کا ذکر ہے:

"اِنْ يُّوْحٰٓى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

ترجمہ: (ان کے جھگڑنے کی خبر تو مجھے بذریعہ وحی معلوم ہوئی) میرے پاس تو بس یہ وحی آئی ہے کہ میں کھلم کھلا ڈرانے والا ہوں (عالم الغیب نہیں ہوں کہ مجھے خود بخود مجلس بالا کے جھگڑے کی خبر ہو جاتی) (۷۰)" (ص۳۸۹، ۳۹۰، جزء۔۸)

قارئین غور کیجئے کہ مجلس بالا کے لوگوں کے جھگڑے کی خبر (جو کہ اس سے پہلے کی آیت نمبر ۶۹ میں ہے' رسول اللہ سلامٌ علیہ کو نہیں تھی وہ خبر وحی کے ذریعہ ان کو بتائی گئی اور وہ وحی اسی وحی شدہ کتاب یعنی قرآن مبین میں پچھلی آیت کریمہ میں ہے۔ اس جھگڑے کی خبر رسول سلامٌ علیہ کو وحی خفی یا وحی پوشیدہ کے ذریعہ نہیں دی گئی۔ یونکہ اللہ تعالیٰ پوشیدہ وحی نہیں کرتا بلکہ وہ ببانگ دہل وحی کرتا ہے اور ہر کام اسی طرح ببانگ دہل کرتا ہے۔ یہ پوشیدہ رکھنے کا عقیدہ سیاسی طور پر فرقہ سبائیہ نے بنایا اور اس کو دوسرے فرقوں نے پھیلا دیا اور آج بڑے بڑے علما و فقہا اس شیطانی سیاسی عقیدے کا شکار ہو گئے ہیں۔ ذرا اپنی آنکھیں و دماغ کھولئے سب سمجھ میں آجائے گا۔

**226۔**... آگے اسی سورہ صٓ کی آخری آیات نمبر ۸۸،۸۷ میں اسی قرآن کو اقوام عالم کیلئے ایک نصیحت قرار دیا گیا ہے:

"اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَاَهٗ بَعْدَ حِيْنٍ ۝

ترجمہ: یہ (کتاب) تو بس تمام اقوام عالم کے لئے (ایک نصیحت ہے (۸۷) تمہیں بھی کچھ عرصہ کے بعد اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی (۸۸)" (ص۳۹۹، جزء۔۸)

غور فرمایئے یہ کس کتاب کو اقوامِ عالم کیلئے نصیحت (ایک مستقل درس) بتایا جارہا ہے؟ اسی قرآن مبین کو جو محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی کیا گیا۔ یہ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو نہیں کہا جارہا ہے۔ نیز یہ بھی کہا جارہا ہے کہ تم کو کچھ عرصہ بعد اس کی حقیقت معلوم ہو جائے گی (کہ تم نے اس کو مہجور کر دیا تھا اور ظنّ کی پیروی کرتے تھے اس لئے مستحق

عذاب ہوئے)

**227**۔۔۔ آگے سورہ الزمر کی آیات ۱۔۲ میں پھر "الکتٰب" ہی کے نازل کرنے کا اعلان ہے:

" تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ②

ترجمہ: اس کتاب کا نزول اللہ، غالب اور حکمت والے کی طرف سے ہوا ہے (۱) (اے رسول) ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے لہٰذا آپ دین کو خالص اللہ کے لئے مانتے ہوئے اللہ کی عبادت کرتے رہئے (۲)" (ص ۴۰۲، ۴۰۶، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ یہاں اس حقیقت پر زور ہے کہ الکتٰب یعنی یہ کتاب (القرآن) اللہ تعالیٰ نے نازل کی اور آپ کی طرف حق کے ساتھ نازل کی۔ یہاں کسی (نام نہاد) حدیث کا ذکر یا اشارہ تک نہیں ورنہ جمع کا صیغہ استعمال ہوتا۔

کیا اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں کسی حقیقت کا اعلان ہو سکتا ہے ؟ اگر ہو سکتا ہے تو لایئے اسی طرح کی آیت (نص صریح) جس میں یہ اعلان ہو کہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی اللہ نے نازل کیں۔ (نعوذ باللہ)۔ اور اگر آپ ایسی آیت نہیں پیش کر سکتے تو پھر توبہ کر کے اللہ کی اسی الکتٰب پر ایمان لے آیئے اور غیر اللہ کی کتابوں کو بقول موصوف کے مسترد کر دیجئے۔

**228**۔۔۔ آگے اسی سورہ الزمر کی آیت نمبر ۲۳ میں اسی قرآن کو اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ کی حیثیت سے نازل کرنے کا اعلان ہے:

" اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ ۖ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ۚ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَ قُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ㉓

ترجمہ: اللہ نے کتابی شکل میں بہترین کلام نازل کر دیا ہے (جس کی آیتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں (اور جن میں ایک ہی مضمون) بار بار دوہرایا گیا (ہے) جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے (اس کتاب کو پڑھ کر یا سن کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے) کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ (کلام) اللہ کی (طرف سے) ہدایت ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (۲۳)" (ص ۴۴۲، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کتنے صاف صاف الفاظ میں اسی الکتٰب یعنی قرآن مبین کو اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ قرار دیا ہے جس کی آیتیں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں۔ تو آیتیں تو صرف قرآن مبین ہی میں ہیں (نام نہاد) احادیث کو آیتیں نہیں کہا جاتا۔ نیز اسی احسن الحدیث کو اللہ کی طرف سے ہدایت قرار دیا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کو ہدایت قرار نہیں دیا۔

قارئین اب اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو گی کہ الکتٰب ہی کو سب سے بہترین حدیث قرار دیکر ہدایت بنا دیا جائے

اور دیگر تمام (نام نہاد) احادیث کو اس طرح مسترد کر دیا جائے۔ اگر کسی کے پاس اس طرح کی آیت (نام نہاد) احادیث کے لئے ہے تو پیش کر لے! قارئین یہاں ایک اور غور طلب مسئلہ بھی ہے (قطع نظر اس کے کہ موصوف نے احسن الحدیث کا ترجمہ کیا کیا ہے اور ان الفاظ کو بعینہٖ استعمال نہیں کیا) کہ آیت کے آخری الفاظ کا ترجمہ موصوف نے صحیح نہیں کیا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے کہ:

"وہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں"

اسی آیت کی تفسیر میں موصوف خود اس ترجمہ کے خلاف بات لکھ رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو

تفسیر: "جو لوگ خلوص کے ساتھ ہدایت کے حصول میں جدوجہد کرتے ہیں وہ لوگ ہدایت کو پا لیتے ہیں اور جو لوگ حق پوشی، ہٹ دھرمی، ضد اور حسد کرتے ہیں وہ ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔ ہدایت اور ضلالت کا یہ اٹل قانون ہے جو اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اور یہی اس کی مشیّت ہے اور اسی قانون پر ہدایت اور ضلالت کے ملنے کا انحصار ہے۔ کیونکہ خلوص کے ساتھ جدوجہد کرنے اور ہٹ دھرمی اور ضد کرنے کے نتائج اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیئے ہیں لہٰذا نتیجہ مقرر کرنے کے اعتبار سے لوگوں کی ہدایت اور ضلالت کو اللہ تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا مگر ہاں جو شخص اس کے ضابطے کے مطابق حق کو تلاش نہیں کرتا وہ حق پر نہیں آسکتا اور نہ اسے کوئی ہدایت پر لا سکتا ہے"۔ (ص ۴۴۶۔ جزء ۸)

اس لئے زیادہ مناسب ترجمہ ہوگا کہ:

"اور جو چاہتا ہے اللہ اس کو اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اور جو ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ کے قانون کے مطابق گمراہ ہو جائے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں"۔

یہاں ایک اور اہم مسئلہ بھی قابلِ غور ہے کہ موصوف کے ترجمہ ہی میں انہوں نے خود تحریر کیا ہے کہ:

"اللہ نے کتابی شکل میں بہترین کلام نازل کر دیا ہے" تو ظاہر ہے کہ یہ رسول سلامٌ علیہ کے پاس ہی کتابی شکل میں محفوظ تھا (یا محفوظ کیا جا رہا تھا) تو پھر موصوف و دیگر علما و فضلا و محدثین کا عقیدہ کہ قرآن کریم اس وقت یکجا نہیں تھا بلکہ بعد میں خلیفہ اول و سوم نے یکجا کر کے کتابی شکل میں مرتب کیا، بالکل باطل ثابت ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی نے اسے تحریر کر کے کتابی شکل میں محفوظ کیا ہوا تھا۔

**229**۔... آگے اسی سورہ الزمر کی آیت ۲۷ میں اسی قرآن میں لوگوں کو سمجھانے کیلئے ہر طرح کی مثالیں بیان کرنے کا ذکر ہے۔

"وَ لَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اور (اے رسول!) ہم نے اس قرآن میں لوگوں (کو سمجھانے) کیلئے ہر قسم کی مثالیں بیان کی ہیں تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں (۲۷)" (ص ۴۵۱، ۴۵۲، جزء ۸)

غور کیجئے کہ لوگوں کو سمجھانے کیلئے[1] مثالیں اسی قرآن میں بیان کی جارہی ہیں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں نہیں! اور اسی قرآن کو ذریعہ نصیحت بیان کیا جارہا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

**230**۔۔۔ آگے اسی سورہ الزمر کی آیت ۲۸ میں اسی قرآن کو عربی میں نازل کرنے کا بیان ہے۔

"قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: (ہم نے) قرآن (کو) عربی زبان میں (اُتارا ہے) اور اس میں (کسی قسم کی) کجی نہیں (رکھی) تا کہ یہ لوگ (اس کو سمجھ کر اللہ سے) ڈر جائیں (۲۸) (ص ۴۵۱، ۴۵۲، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ قرآن کو عربی میں اُتارنے کا بیان ہو رہا ہے (نام نہاد) احادیث کا نہیں۔ یونکہ وہ زیادہ تر عجمیوں نے بنائیں تو عجمی زبانوں میں بنا بنا کر عربی میں ترجمہ کر دیں۔

**231**۔۔۔ آگے اسی سورہ الزمر کی آیت نمبر ۴۱ میں پھر حق کے ساتھ الکتٰب نازل کرنے کا اعلان ہے۔ (نام نہاد) احادیث نازل کرنے کا نہیں۔

" اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: (اے رسول) ہم نے آپ پر لوگوں کے لئے حق کے ساتھ کتاب نازل کر دی ہے تو (اب جو شخص ہدایت پر چلتا ہے تو اس میں اسی کا (بھلا) ہے اور جو شخص گمراہ ہوتا ہے تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر ہے اور (اے رسول) آپ ان پر داروغہ نہیں ہیں (کہ ان سے زبردستی منوالیں) (۴۱)" (ص ۴۶۹، ۴۷۲۔ جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ حق کے ساتھ الکتٰب یعنی قرآن مبین نازل کرنے کا اعلان فرمارہا ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نازل کرنے کا اعلان نہیں اور اسی کے ذریعہ ہدایت کا اعلان کر رہا ہے اور جو ہدایت قبول نہ کرے اس کی گمراہی کی ذمہ داری رسول پر نہیں۔

**232**۔ آگے اسی سورہ الزمر کی آیت ۴۵ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اللہ کے علاوہ کے ذکر سے کفار لوگ خوش ہو جاتے ہیں۔

" وَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَ اِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) جب اللہ یکتا (ولا شریک) کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہوتے ہیں اور جب اللہ کے علاوہ دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو وہ خوش ہو جاتے ہیں (۴۵)" (ص ۴۷۰۔ ۴۷۳، جزء۔۸)

---

[1] اس آیت میں لفظ ضَرَبْنَا قابلِ غور ہے یونکہ یہاں اس کے معنٰی مارنا نہیں بلکہ موصوف نے بھی سمجھانے کیلئے مثالیں بیان کرنا کئے ہیں۔ (پیچھے اس پر تبصرہ گزر چکا ہے)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی صفت بتائی گئی ہے جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے کہ اس دن ان کو جوابدہ ہونا ہے۔ تو ایسے لوگوں کے سامنے جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے، (یا اس کی کتاب کی بات ہوتی ہے) تو ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں یونکہ انہوں نے بہت سے الٰہ بنائے ہوئے ہیں اور انہیں اللہ کے برابر کا درجہ دیا ہوا ہے (ان کی کتابوں کو اللہ کی کتاب کے برابر قرار دیا ہوا ہے (ان کی کتابوں کو اللہ کی کتاب کے برابر قرار دیا ہوا ہے.......... کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم صحت کے اعتبار سے قرآن کے برابر ہیں۔ اسی طرح محدث کا فرمایا ہوا اللہ کے فرمان پر قاضی ہے... ... ... اور امام کا فرمایا ہوا قرآن کی آیت اور (نام نہاد) حدیث سے بھی افضل ہے) (نعوذ باللہ) لیکن جب دوسروں کا ذکر کیا جاتا ہے (مثل محدث، امام، فقیہہ، پیر وغیرہ) تو وہ بہت خوش ہو جاتے ہیں کہ ہاں اب بات ہوئی کہ اللہ کے فرمان کی بھی شرح کر دی۔ (نعوذ باللہ)

غور کیجئے یہی حال آج ہمارے نام نہاد اسلامی ملک میں ہمارے معاشرے کا ہے۔ آپ اگر صرف اللہ کی بات اس کی الکتٰب سے کریں تو لوگ آپ سے ناراض ہو جاتے ہیں اور آپ کو مارنے، مرنے پر تیار ہو جاتے ہیں، آپ پر کفر و شرک کے فتوے لگانے شروع ہو جاتے ہیں۔ لیکن اگر آپ اللہ کے علاوہ غیر اللہ کی بات قرآن کے علاوہ (نام نہاد) احادیث و فقہ، فتاوٰی و نصاب سے کریں تو پھر دیکھئے کہ خوشی میں جھوم جھوم جاتے ہیں۔

کیا اللہ سے زیادہ لوگوں کی حقیقت کو کوئی جانتا ہے؟ اس نے پہلے ہی اپنی کتاب میں لوگوں کی صفت بیان کر دی ہے۔

**233۔** آگے اسی سورۃ الزمر کی آیات ۵۴۔۵۵ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ عذاب نازل ہونے سے پہلے اسلام لے آؤ اور احسن الحدیث کی پیروی کرو (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔

"وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اور (اے میرے بندو) قبل اس کے کہ تم پر عذاب نازل ہو اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور اس کے لئے اسلام لے آؤ (ورنہ عذاب آ جانے کے بعد) پھر تمہیں (کہیں سے) مدد نہیں ملے گی (۵۴) اور (اے میرے بندو) اس بہترین (کتاب) کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے پیروی کرو قبل اس کے کہ اچانک تم پر عذاب نازل ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (۵۵) " (ص ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۷، ۴۸۷۔ جزء ۸)

غور کیجئے کہ یہاں غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف پلٹنے اور مطیع و فرمانبر دار ہو جانے یعنی اسلام قبول کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ اور اللہ کی نازل کردہ الکتٰب یعنی قرآن مبین کی پیروی کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے (آیت میں لفظ اَحۡسَنَ استعمال ہوا ہے جبکہ لفظ اَلۡحَدِیۡثِ محذوف ہے یونکہ پیچھے آیت نمبر ۲۳ میں اللہ کے نازل کردہ کو اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡثِ کہا گیا ہے۔ اور اس آیت میں بھی یہی کہا گیا کہ جو تمہارے رب نے نازل کیا ہے تو وہ تو قرآن ہی ہے)۔ خود موصوف بھی اس سے متفق ہیں۔ دیکھئے اس آیت کی تفسیر میں وہ فرماتے ہیں:

تفسیر: "اور (اے میرے بندو، اسلام قبول کرنے کے معنی یہ ہیں کہ) تم اس بہترین (کتاب) کی جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل کی گئی ہے پیروی کرو قبل اس کے کہ اچانک تم پر عذاب

واقع ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

اس آیت میں کفار کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر تم نے اسلام قبول کر کے قرآن مجید کی پیروی نہ کی تو تم پر اچانک عذاب واقع ہو جائے گا۔ عذاب کے آنے کی تم کو پہلے سے خبر نہیں ہو گی کہ عذاب کو آتا دیکھ کر توبہ کرو۔ ایسی صورت میں تمہاری بھلائی اسی میں ہے کہ پہلے سے توبہ کر لو"۔(ص ۴۹۳، جزء ۸)

غور کیجئے کہ موصوف خود لکھ رہے ہیں کہ "اسلام قبول کر کے قرآن مجید کی پیروی نہ کی تو تم پر اچانک عذاب واقع ہو جائے گا" یہاں وہ یہ نہ لکھ سکے کہ اسلام قبول کر کے نام نہاد احادیث کی پیروی نہ کی تو تم پر اچانک عذاب واقع ہو جائے گا۔ اب آپ ذرا پیچھے پلٹ کر دیکھئے کہ امت مسلمہ جب تک صرف قرآن مجید کو پکڑے رہی اور اس کی پیروی کرتی رہی وہ امت واحدہ بنی رہی اور دنیا کے لاکھوں مربع میل کے علاقے پر اسلامی حکومت قائم رہی۔ لیکن جب دوسری و تیسری صدی میں قرآن پر گرفت ڈھیلی پڑی اور (نام نہاد) احادیث و فقہ بننا شروع ہوئی اور مسلمین نے ان کو اپنایا ویسے ہی اللہ کا عذاب شروع ہو گیا کہ فرقہ فرقہ ہو کر آپس ہی میں بر سرِ پیکار ہو گئے اور نہ صرف مسلم امت فرقوں میں بٹ گئی بلکہ اسلامی حکومت بھی ٹکڑوں میں بٹ گئی۔ جوں جوں قرآن کو مہجور کرتے گئے اور (نام نہاد) احادیث و فقہ کو پھیلاتے گئے اور ان کی پیروی شروع کر دی اس کی وجہ سے نہ صرف اسلامی مملکتیں سکڑنے لگیں اور ختم ہونے لگیں بلکہ اغیار کی غلام بن گئیں............. اور ذہنی، اقتصادی و معاشرتی غلامی میں تو آج تک دبی ہوئی ہیں۔ یہ ہے نتیجہ (نام نہاد) احادیث اور فقہ کی پیروی کرنے کا اور قرآن کی پیروی نہ کرنے کا!

**234۔** آگے اسی سورہ الزمر کی آیت ۶۵ میں وحی کی گئی کہ اگر شرک کیا تو سارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ تو یہ وحی قرآن ہی میں کی گئی (نام نہاد) احادیث میں نہیں

" وَ لَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَ اِلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَىٕنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۶۵﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) آپ کی طرف (بھی یہی وحی کی گئی ہے) اور آپ سے پہلے جو رسول (بھیجے گئے تھے) ان کی طرف بھی یہی وحی کی گئی تھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے اعمال برباد ہو جائیں گے اور تم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤ گے (۶۵)" (ص ۴۹۶، ۴۹۷۔ جزء۔ ۸)

غور کیجئے کہ شرک نہ کرنے کی وحی بھی اسی الکتٰب ہی میں کی گئی اور پہلے انبیاء کو بھی ان کو عطا کردہ الکتٰب ہی میں کی گئی (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ (اگر کسی (نام نہاد) حدیث میں یہ حکم مل جائے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حدیث وحی کی گئی بلکہ وہ حکم وہاں اس لئے ہو گا کہ اسے احسن الحدیث سے نقل کیا گیا ہو گا)

**235۔** آگے سورہ حٰمٓ المومن کی آیت نمبر ۲ میں پھر وضاحت آگئی کہ اس کتاب کا نزول اللہ غالب اور علم والے کی طرف سے ہے:

"تَنْزِیْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ۙ﴿۲﴾

ترجمہ: اس کتاب کا نزول اللہ، غالب اور علم والے کی طرف سے ہے (۲)" (ص ۵۲۳، ۵۲۵، جزء۔ ۸)

غور کیجئے کہ یہ اعلان کس کتاب کیلئے ہو رہا ہے کہ اس کا نزول اللہ کی طرف سے ہے۔ ظاہر ہے یہ ''**الکتٰب**'' ہی کے لئے کہا جارہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کے لئے نہیں۔ ویسے بھی (نام نہاد) احادیث کی کوئی ایک کتاب نہیں جو واحد کا صیغہ استعمال ہو۔ لایئے ایسی کوئی آیت (نصِ صریح) (نام نہاد) احادیث کے لئے! اس کی تو سینکڑوں ہزاروں کتابیں ہیں اور ہر فرقے کی علیحدہ علیحدہ

**236۔** آگے اسی سورہ حٰمٓ المومن کی آیت نمبر ۴ میں واضح کیا گیا کہ کافر ہی آیات میں جھگڑتے ہیں:

"مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَادِ ۝۴

ترجمہ: اللہ کی آیات میں تو بس وہی جھگڑتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں (کافروں کا مال و متاع ان کے حق پر ہونے کی دلیل نہیں) لہٰذا (اے رسول) ان کے شہروں میں آمد و رفت (اور تاجرانہ چہل پہل) آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے (اور کہیں آپ یہ نہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں، نہیں، وہ حق پر نہیں) (۴)" (ص ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، جزء۔۸)

غور کیجئے یہاں کتنے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا گیا کہ اللہ کی آیات میں تو وہی جھگڑتے ہیں (کہ قیل قال، اگر مگر نام نہاد احادیث میں تو یہ ہے اور امام صاحب نے یہ کہا ہے) جو کافر ہیں۔ اس لئے آیات الٰہی میں تاویلات کرنے والے اپنی خیر منائیں۔

**237۔** آگے اسی سورہ حٰمٓ المومن کی آیت ۵۶ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بچنے کا حکم دے رہا ہے جو اللہ کی آیات میں بغیر کسی دلیل کے جھگڑتے ہیں:

" اِنَّ الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ۙ اِنْ فِيْ صُدُوْرِهِمْ اِلَّا كِبْرٌ مَّا هُمْ بِبَالِغِيْهِ ۚ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ۝۵۶

ترجمہ: بیشک جو لوگ بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں، ان کے دلوں میں کچھ نہیں بس بڑائی (کی ایک ہوس) ہے حالانکہ وہ بڑائی تک پہنچ نہیں سکتے تو (اے رسول، ان لوگوں کی شرارتوں سے) اللہ کی پناہ طلب کرتے رہا کیجئے، بے شک وہ سننے والا، دیکھنے والا ہے (۵۶)" (ص ۵۹۰، ۵۹۱، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اس کی پناہ طلب کرتے رہنے کی ہدایت فرمارہا ہے ان لوگوں سے جو بغیر کسی ایسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں (ان سے انکار کرتے ہیں، ان کی تاویلات کرتے ہیں، ان کے ساتھ غیر اللہ کی بکواس شریک کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ)

سُلْطٰن کے اصل معنی غلبہ اور اقتدار کے ہیں۔ مگر قرآن کریم میں یہ حُجّت اور دلیل کے معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی ایسی ٹھوس دلیل جو ہر دلیل پر مسلّط ہو یا سوار ہو جائے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی ٹھوس دلیل تو نص صریح یعنی اللہ کی الکتٰب ہی ہو سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہی اللہ کے پاس سے آتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جو لوگ اللہ کی آیات میں جھگڑتے ہیں اور اللہ ہی کی آیات کی جگہ غیر اللہ کی بکواس سے تاویلات پیش کرتے ہیں ان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنا چاہیئے۔ ایسے لوگوں کے بارے میں ان کی صفت یہ بتائی گئی کہ ان کے دلوں میں بڑائی کی ایک ہوس ہوتی ہے کہ انہی کی بات مانی جائے اور وہی صحیح ہیں، ویسے بھی اللہ کی آیات میں جھگڑنے والوں کو پچھلی آیت میں کافر بتایا گیاہے اور یہاں ان سے اللہ کی پناہ طلب کرتے رہنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ موصوف خود اپنی تفسیر میں ان لوگوں کے لئے لکھتے ہیں:

"متکبر انسان حق کو تسلیم نہیں کرتے۔ حق کے خلاف بغیر ایسی دلیل کے جو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو جھگڑتے رہتے ہیں۔ ایسے لوگ حق کو تسلیم کرنا اپنے لئے عار سمجھتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ حق کو تسلیم کرنے سے ان کی عزت خاک میں مل جائے گی" (ص۵۹۶، جزء۔۸۹)

غور کیجیئے موصوف اور دیگر اہلحدیثوں کے پاس ایسی کونسی دلیل ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہو (وحی کی گئی ہو) کہ اُس نے (نام نہاد) احادیث بھی مثل وحیٔ قرآن نازل فرمائیں!

**238۔** آگے سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر ۲ میں اعلان عام ہو گیا کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے:

"تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲

ترجمہ: (یہ کتاب) رحمٰن ورحیم (اللہ) کی طرف سے نازل ہوئی ہے (۲) " (ص۶۳۷،۶۳۹، جزء۔۸)

غور کیجیئے کہ یہ اعلان عام کتنی مرتبہ ہو چکاہے کہ یہ کتاب یعنی قرآن مبین اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اب (نام نہاد) احادیث کو بھی اللہ کی طرف سے وحی ماننے والوں کو اسی طرح کی کوئی آیت (نام نہاد) احادیث کے لئے بھی پیش کرنا چاہیئے کہ (نام نہاد) احادیث بھی اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ (نعوذ باللہ) ورنہ پھر اپنے باطل عقیدہ سے توبہ کرلینا چاہیئے اور دوسروں کو بھی اس سے روکنا چاہیئے۔

**239۔** آگے سورہ حٰمٓ السجدہ کی اگلی ہی آیت نمبر ۳ میں پھر اسی قرآن کی آیات علیحدہ علیحدہ بیان کرنے کی بات ہو رہی ہے:

" كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۳

ترجمہ: (یہ ایک ایسی) کتاب (ہے) جس کی آیتیں علیحدہ علیحدہ کر دی گئی ہیں (تاکہ سمجھنے میں الجھن نہ ہو مزید برآں یہ کتاب یعنی) **قرآن** ان لوگوں (کی ہدایت) کے لئے جو علم (و فہم) رکھتے ہیں عربی زبان میں اُتارا گیا) ہے (۳) " (ص۶۳۷،۶۳۹، جزء۔۸)

قارئین کیا اس آیت کریمہ کے بعد قرآن مبین سمجھنے کے لئے کسی شرح، وضاحت یا تفسیر و فقہ یا (نام نہاد) احادیث کی ضرورت رہ گئی؟

**240۔** آگے سورہ حٰمٓ السجدہ کی اگلی ہی آیت نمبر ۴۔۵ آج کل کے اہل حدیث و اہل فقہ کے حسب حال ہے ۔ غور فرمایئے:

" بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝ وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَ فِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ وَّ مِنْۢ بَيْنِنَا وَ بَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ۝

ترجمہ: (یہ **قرآن** ایمان والوں کو) خوشخبری سناتا ہے اور (کافروں کو) ڈراتا ہے، لیکن (ان تمام خوبیوں کے باوجود) ان میں سے اکثر لوگوں نے اس سے منہ پھیر لیا ہے اور اس کو سنتے ہی نہیں (۴) اور کہتے ہیں کہ جس چیز کی طرف آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس سے ہمارے دل (متاثر نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ) پردوں میں (محفوظ) ہیں' ہمارے کانوں میں بوجھ ہے اور ہمارے اور آپ کے درمیان ایک پردہ (پڑا ہوا) ہے (لہٰذا ہم آپ کی تعلیمات کو قبول کرنے سے قاصر ہیں) تو (اب بہتری اسی میں ہے کہ) آپ (اپنی جگہ پر) عمل کرتے رہیں، ہم (اپنی جگہ پر) عمل کر رہے ہیں ۵ ۰) " (ص ۷۶۳ - ۶۳۹، جزء - ۸)

قارئین غور کیجئے کہ قرآن خوشخبری سنا رہا ہے اور ڈرا رہا ہے۔ (یہ کام نام نہاد احادیث نہیں کر رہی ہیں) لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود اکثر لوگ اس سے منہ پھیرے رہتے ہیں اور اس کو سننے کو تیار ہی نہیں ہوتے بلکہ کہتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث و فقہ کی باتیں سناؤ یہ قرآن تو بغیر اس کے سمجھ میں ہی نہیں آ سکتا۔ (معاذ اللہ) اس کو تم کیا سمجھو؟..........
قارئین کیا یہ آیت آج کل کے اہل حدیث و اہل فقہ و اہل تصوف وغیرہ کے حسبِ حال نہیں؟ کیا وہ بغیر غیر اللہ کے کلام کے کلام اللہ سننے کو تیار ہوتے ہیں؟

**241۔** آگے سورہ حٰمٓ السجدہ کی اگلی ہی آیات ۶ - ۷ میں رسول پر وحی آنے کا اعلان ہے جو کہ اسی قرآن ہی میں ہے:

" قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَ اسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَ وَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے میں تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں (البتہ) مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے (جو تم پر نہیں ہوتی، وحی کے ذریعہ مجھے بتایا گیا ہے) کہ تمہارا الٰہ ایک الٰہ ہے لہٰذا اسی کی طرف استقامت کے ساتھ متوجہ رہو، اسی سے معافی مانگو اور (خبردار ہو جاؤ کہ) مشرکین کی بڑی خرابی ہے (۶) جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں (۷)" (ص ۶۳۸، ۶۳۹، جزء - ۸)

غور کیجئے کہ رسول سلامٌ علیہ پر یہ وحی کہاں ہو رہی ہے، قرآن میں یا (نام نہاد) احادیث میں، کہ تمہارا الٰہ ایک الٰہ ہے لہٰذا اسی کی طرف استقامت کے ساتھ متوجہ رہو، اسی سے معافی مانگو نیز جو زکوٰۃ نہیں دیتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ایسے لوگ مشرکین ہیں اور ان کے لئے بڑی خرابی ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ وحی قرآن ہی میں کی گئی (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ یونکہ وحی ساری کی ساری قرآن ہی میں ہے۔ اگر کہیں غلطی سے کسی (نام نہاد) احادیث میں کوئی وحی شدہ بات مل جائے تو وہ قرآن ہی سے لی ہوئی ہو گی۔ مثلاً کوئی آیت۔ وہ خود علیحدہ سے (نام نہاد) حدیث میں وحی نہیں کی گئی ہو گی۔

**242۔** آگے اسی سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر ۲۶ میں ذکر ہے کہ جب قرآن پڑھا جاتا تھا تو کفار اسے سنتے ہی

نہ تھے اور شور کرتے تھے۔ مگر یہ عمل ان کا (نام نہاد) احادیث کیلئے ذکر نہیں ہوا۔

"وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿٢٦﴾"

ترجمہ: اور (اے رسول) کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنا ہی نہ کرو اور (جب وہ پڑھا جائے تو) اس (کی قرأت) کے دَوران شور مچایا کرو تا کہ تم غالب رہو (۲۶)" (ص۶۶۸،۶۶۷، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ کفار کی یہ حرکت (نام نہاد) احادیث کے خلاف کیوں نہیں تھی اگر وہ بھی وحی کی جارہی تھیں؟ اسی سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ (نام نہاد) احادیث اس وقت وحی نہیں کی جارہی تھیں ورنہ تو کفار ان کے خلاف بھی شور مچاتے اور ان کے خلاف بھی پروپیگنڈہ کرتے یا ان کو بھی نہیں سنتے یا ان کے لکھے جانے پر اعتراض کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا کچھ نہ کیا۔ پس ثابت ہوا کہ ان کا اس وقت وجود ہی نہ تھا۔

ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ کفار قرآن مبین کو سننے سے کیوں روکتے تھے؟ میرے خیال میں کفار قرآن کو سننے سے یوں روکتے تھے کہ جب اسے بغیر کسی تشریح، (نام نہاد حدیث و تفسیر کے سنا جائے تو وہ تو انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔ اس کے چودہ طبق روشن کر دیتا ہے، بشرطیکہ کوئی توجہ سے سنے اور غور و فکر کرے۔

قارئین اگر آپ مزید غور کریں تو اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف قرآن مبین ہی پڑھ کر سناتے تھے تو کفار شور کرتے تھے۔ اگر وہ (نام نہاد) احادیث بھی سناتے ہوتے تو کفار اس پر بھی شور کرتے اور اس کا تذکرہ بھی یہاں قرآن میں ہوتا۔ چلئے کوئی اہل حدیث ایسا تذکرہ (نام نہاد) احادیث ہی میں دکھا دے!

**243۔** آگے اسی سورہ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۴۱۔۴۲ میں قرآن ہی کے اللہ کی طرف سے نازل ہونے کا اعلان ہے اور یہ کہ اس میں باطل داخل نہیں ہو سکتا۔

"اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ﴿٤١﴾ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ﴿٤٢﴾"

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے اس کتاب کا انکار کیا جبکہ یہ کتاب ان کو پہنچی (تو انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا)، بے شک یہ کتاب تو بڑی باعزت کتاب ہے (۴۱) باطل، اس کے پاس نہ آگے سے آسکتا ہے اور نہ پیچھے سے (یہ تو) حکمت والے اور تعریف والے (اللہ) کی طرف سے نازل ہوئی ہے (۴۲)" (ص۶۹۶۔۶۹۹، جزء۔۸)

غور کیجئے یہ کس کتاب کی بات ہو رہی ہے کہ "جن لوگوں نے اس (نصیحت کی) کتاب کا انکار کیا جبکہ یہ (نصیحت کی) کتاب ان کو پہنچی جو کہ بڑی باعزت کتاب ہے"؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اللہ کی کتاب قرآن مبین ہی کی ہو رہی ہے جس کا کفار نے انکار کر دیا۔ (نام نہاد) احادیث کا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسی کتاب کو کِتٰبٌ عَزِيْزٌ بتایا یعنی تمام کتابوں پر غالب۔ اس کی عزت اور غلبہ کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی لئے یہ کسی غیر اللہ کی کتاب کی محتاج نہیں۔ اسی لئے غیر اللہ کی کوئی کتاب کسی بھی لحاظ سے اس کی برابری نہیں کر سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کا عقیدہ کہ "صحیح بخاری و صحیح مسلم صحت کے اعتبار سے قرآن کے برابر ہیں" بالکل باطل عقیدہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ اسی قرآن مبین، کِتٰبٌ عَزِيْزٌ کے بارے میں بتا رہا ہے کہ باطل اس کے پاس نہ آگے سے آ

سکتا ہے نہ پیچھے سے۔ یعنی اس میں کسی غیر اللہ کے کلام باطل کی ملاوٹ یا شرکت نہیں کی جا سکتی۔

پس ثابت ہوا کہ غیر اللہ کا کلام یعنی (نام نہاد) احادیث وفقہ کی شرکت کے بغیر قرآنِ خالص سمجھ میں آسکتا ہے اور وہ شرح و تفسیر کیلئے کسی غیر اللہ کی کتاب کا محتاج نہیں۔ بلکہ وہ خود کافی ہے (۵۱/ ۲۹)

**244۔** آگے سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۳ میں اسی قرآن کو وحی کئے جانے کا اعلان ہے:

" كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ③

ترجمہ: (اے رسول، جس طرح یہ سورت نازل کی جا رہی ہے) اسی طرح اللہ، غالب اور حکمت والا آپ پر اور ان (رسولوں) پر جو آپ سے پہلے گزر چکے ہیں وحی بھیجتا رہا ہے (۳) " (ص ۷۲۵،۷۲۹، جزء۔ ۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی وحی ہی کا ذکر ہو رہا ہے جس طرح سب رسولوں پر وحی ہوتی رہی۔ اور کیا وحی ہوتی رہی اس کو آگے آیت نمبر ۷ میں واضح کر دیا:

" وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ...... ⑦

ترجمہ: اور (اے رسول) جس طرح گزشتہ انبیاء پر وحی نازل ہوتی رہی اسی طرح ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں آپ کی طرف نازل کر دیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ارد گرد (رہتے) ہیں (اللہ تعالیٰ سے) ڈرائیں.......... (۷)" (ص ۷۲۶،۷۲۹، جزء۔ ۸)

قارئین! غور کیجئے کہ بات صرف قرآن مبین ہی وحی کئے جانے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ اور اسی قرآن کے ذریعہ ڈرائے جانے کا حکم دیا جا رہا ہے (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں جب قرآن وحی ہو رہا تھا (نام نہاد) احادیث کا وجود ہی نہ تھا۔

**245۔** آگے اسی سورہ الشوریٰ کی آیت ۱۵ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دے رہا ہے کہ کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے:۔

" فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۭ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۭ لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ۭ اَللّٰهُ يَجْمَعُ بَيْنَنَا ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ⑮

ترجمہ: تو (اے رسول) آپ اسی دین کی طرف بلائیے (جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے) اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس پر استقامت اختیار کیجئے، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور (صاف صاف) کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تم لوگوں کے درمیان انصاف کروں، اللہ ہی ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے، ہمارے اعمال ہمارے لئے اور تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں، ہم میں اور تم میں کوئی جھگڑا نہیں، اللہ ہم سب کو (ایک دن) جمع کرے گا اور اسی کی طرف (ہم سب کو) لوٹ کر جانا ہے (وہی فیصلہ کرے گا کہ کون حق پر ہے اور کون باطل ہے) (۱۵) " (ص ۷۳۹، ۷۴۰، جزء۔ ۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے شروع کے حصہ میں کیا کیا اہم حقیقتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ آپ اسی دین کی طرف بلایئے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اسی پر استقامت اختیار کیجئے (اس دین کے بارے میں اسی سورۃ شوریٰ میں آیت نمبر ۱۳ میں بتایا جا چکا ہے کہ آپ پر بھی وہی دین نازل کیا گیا جو نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سلامٌ علیہم پر پہلے ہی نازل کیا جا چکا ہے اور اب آپ پر وحی کیا گیا ہے۔ اور وہ وحی اسی قرآن مبین میں ہے اس سے باہر (نام نہاد) احادیث میں نہیں یونکہ اگر اس سے باہر ہوتی تو پھر پچھلے انبیاء کی بھی (نام نہاد) احادیث ان کے ساتھ ہوتیں۔ مگر ایسا نہیں۔)

(۲)۔ (کفار و مشرکین) کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے (جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن کو بدل دو یا (نام نہاد) احادیث کو اس کے ساتھ شریک کرلو)

(۳)۔ اور صاف صاف کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب یعنی قرآن مبین پر ایمان لایا (نام نہاد احادیث پر نہیں) جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے (جبکہ نام نہاد احادیث اللہ تعالیٰ نے نازل نہیں کی)

قارئین دیکھا آپ نے بات پھر صرف قرآن مبین پر ایمان لانے کی ہو رہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، وحی کیا ہے اور جسے دین مقرر کیا ہے۔ اس میں کہیں بھی (نام نہاد) احادیث کے وجود کا ذکر تو بڑی بات شائبہ یا اشارہ تک نہیں۔

**246۔** آگے اسی سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۱۷ میں اسی حقیقت کا اعادہ فرمایا گیا کہ اللہ ہی نے الکتاب نازل فرمائی:۔

"اَللّٰهُ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَ الْمِیْزَانَ ؕ.................﴿۱۷﴾

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب اور میزان (عدل) نازل فرمایا........... (۱۷)" (ص ۷۴۷،۷۴۸، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ ببانگِ دہل یہ اعلان ہو رہا ہے کہ "الکتٰب" اللہ ہی نے حق کے ساتھ نازل فرمائی یعنی "المیزان" (یعنی عدل) بھی نازل فرمایا مگر (نام نہاد) احادیث نازل کرنے کا کہیں اشارہ تک نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث وحی نہیں۔ اب ذرا غور کیجئے کہ موصوف اپنی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر: اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ کتاب یعنی میزان عدل نازل فرما دیا (یہ کتاب ایک ایسی ترازو ہے جس میں حق و باطل کو تولا جاتا ہے۔ یہ کتاب حق و باطل میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے یعنی حق و باطل میں خط امتیاز کھینچتی ہے۔ جو لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے ان کے لئے قیامت کے دن دردناک عذاب ہے" (ص ۷۵۰، جزء۔۸)

قارئین غور کیا آپ نے موصوف کی تفسیر پر۔ موصوف الکتٰب کو ایک ایسی ترازو مان رہے ہیں جس میں حق و باطل کو تولا جاتا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کے ترازو میں نہیں تولا جاتا بلکہ (نام نہاد) احادیث کو اس الکتٰب کے ترازو میں تولا جاتا ہے) اور یہ الکتٰب حق و باطل میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے یعنی حق و باطل میں خط امتیاز کھینچتی ہے۔ یہ کام (نام نہاد) احادیث نہیں کرتیں اور نہ کر سکتی ہیں یونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی حق کے ساتھ اور میزان کے طور پر نازل شدہ نہیں

ہیں۔ بلکہ وہ غیر اللہ کی بنائی ہوئی باتیں ہیں جن کو علماو فضلاء نے دین میں شامل کر لیا ہے جبکہ وہ دین نہیں یونکہ اسی سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۲۱ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" اَمۡ لَهُمۡ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوۡا لَهُمۡ مِّنَ الدِّيۡنِ مَا لَمۡ يَاۡذَنۡۢ بِهِ اللّٰهُ ؕ وَلَوۡلَا كَلِمَةُ الۡفَصۡلِ لَقُضِىَ بَيۡنَهُمۡ ؕ وَاِنَّ الظّٰلِمِيۡنَ لَهُمۡ عَذَابٌ اَلِيۡمٌ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: (اے رسول) کیا ان لوگوں نے (اللہ کے) شریک بنا لئے ہیں جو ان کے لئے دین کا راستہ وضع کرتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر فیصلہ کا وعدہ (مقرر وقت تک کے لئے ملتوی) نہ ہوتا تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا، بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے (جو مقررہ وقت ہی پر ان کو ملے گا) (۲۱)" (ص ۷۵۶، ۷۵۷، جزء۔۸)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے مطابق جو لوگ اللہ کی کتاب کے علاوہ کو دین کا راستہ بنائیں وہ اللہ کے شریک ہو گئے یعنی وہ ظالم ہیں۔ اب آپ غور کیجئے کہ (نام نہاد) احادیث جو کہ نہ وحی ہیں اور نہ ہی اللہ کی نازل شدہ تو پھر وہ دین کا حصہ یا دین کا راستہ کس طرح متعین کر سکتی ہیں (جبکہ محدثین کرام نے (نام نہاد) احادیث سے مختلف مسائل بنائے ہیں اور اپنی اپنی کتابوں کو مختلف فقہی مسائل ہی کی بنیاد پر لکھا ہے) پس ثابت ہوا کہ ایسی باتیں ماننا اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس شرک سے محفوظ رکھے۔

**247۔** آگے اسی سورہ الشوریٰ کی آیت ۳۵ میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ جو لوگ اس کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ان کے لئے خلاصی نہیں۔

"وَّيَعۡلَمَ الَّذِيۡنَ يُجَادِلُوۡنَ فِىۡۤ اٰيٰتِنَا ؕ مَا لَهُمۡ مِّنۡ مَّحِيۡصٍ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: جو لوگ ہماری آیتوں میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں کہ (جب ہمارا عذاب آ جائے گا تو) ان کے لئے کوئی جائے فرار نہیں ہوگی (۳۵)" (ص ۷۷۴، جزء۔۸)

قارئین غور کیجئے یہ بات آیات الٰہی کے لئے بتائی جا رہی ہے (نام نہاد) احادیث کیلئے یہ نہیں کہا جا رہا کہ جو لوگ ہماری (نام نہاد) احادیث میں جھگڑتے ہیں وہ جان لیں........... اگر (نام نہاد) احادیث بھی اللہ کی طرف سے ہوتیں تو ان کے لئے بھی یہی اعلان کیا جاتا کہ جو لوگ ان میں بھی جھگڑیں گے یا جھگڑتے ہیں وہ جان لین کہ ان کے لئے کوئی جائے فرار نہ ہوگی۔

قارئین کیا اس واضح آیت مبارکہ کے بعد بھی کوئی اور ثبوت چاہئے کہ (نام نہاد) احادیث اللہ کی طرف سے نازل شدہ یا وحی شدہ نہیں ہیں۔ اور جو لوگ اس کے برعکس عقیدہ رکھتے ہیں وہ اس طرح کی واضح آیت (نصّ صریح) (نام نہاد) احادیث کے لئے بھی پیش کریں ورنہ اس باطل عقیدہ سے خود بھی توبہ کریں اور دوسروں کو بھی گمراہ ہونے سے بچائیں۔

**248۔** آگے اسی سورہ الشوریٰ کی آیت نمبر ۵۲ میں پھر الکتٰب ہی وحی کرنے کا تذکرہ ہے۔

" وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ وَ لٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ؕ وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) انہی (تین طریقوں) سے ہم نے آپ کی طرف اپنے احکام کی وحی بھیجی ہے' (اس سے پہلے) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیسی ہوتی ہے اور ایمان کیا ہوتا ہے البتہ ہم نے اس کتاب کو نور بنایا ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت پر چلاتے ہیں اور (اے رسول) آپ یقیناً (لوگوں کو) سیدھا راستہ بتاتے ہیں (۵۲)" (ص ۸۰۴، ۸۰۵، جزء ۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی الکتٰب ہی وحی کئے جانے کا اعلان ہو رہا ہے جس کو رسول سلامٌ علیہ اس کے وحی کئے جانے سے پہلے نہیں جانتے تھے (البتہ موصوف نے اس کو الکتٰب کی بجائے کتاب لکھ کر کچھ اور تاثر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ آیت میں لفظ "الکتٰب" ہی استعمال ہوا ہے)

غور فرمایئے کیا اس قسم کی کوئی آیت صحیح بخاری یا صحیح مسلم بھی وحی کئے جانے کے بارے میں نازل ہوئی ہے؟ اگر ہے تو پیش کیجئے۔ ورنہ اس باطل عقیدہ سے توبہ کر لیجئے۔

**249۔** آگے سورہ الزخرف کی آیات ۴، ۳، ۲ میں الْكِتٰبِ ہی کو مبین اور عربی میں نازل شدہ اور اُمُّ الکتٰب بتایا جا رہا ہے۔

"وَ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟ۙ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۚ﴿۳﴾ وَ اِنَّهٗ فِيْۤ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: اس روشن کتاب کی قسم (۲) ہم نے اس کتٰب کو (یعنی) قرآن کو عربی (زبان میں) نازل کیا ہے تاکہ تم اسے سمجھ سکو (۳) اور (اے لوگو!) یہ قرآن ہمارے پاس لوح محفوظ میں بلند پایہ اور باحکمت (کتاب) کی حیثیت سے لکھا ہوا موجود) ہے (۴)" (ص ۸۱۲، ۸۱۳، جزء۔ ۸)

غور کیجئے کہ "الْكِتٰبُ الْمُبِين" کی قسم کھائی جا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ الکتٰب ہی کو المبین بتا رہا ہے۔ اور مبین کے معنی واضح، بیان شدہ کے ہیں (جبکہ موصوف صرف روشن کے کر رہے ہیں۔ بہر حال اگر روشن بھی مان لئے جائیں تو جو چیز روشن ہو گی اسے کسی اور روشنی کی کیا ضرورت ہو گی۔ روشن چیز یا روشن کتاب کو کوئی اور روشنی شرح کے نام سے یا (نام نہاد) احادیث کے نام سے دکھانا تو ایسا ہے جیسے کوئی سورج کو چراغ کی روشنی دکھائے!) یعنی الکتٰب پوری طرح سے واضح، مشرّح ہے اسے کسی اور شرح یا وضاحت یا تفسیر یا (نام نہاد) احادیث کی ضرورت نہیں۔

کہئے کیا اَلْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کے بعد کسی اور کتابِ حدیث کی ضرورت رہ جاتی ہے۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ قرآن کو عربی زبان میں نازل کرنے کا اعلان کر رہا ہے تاکہ لوگ سمجھ سکیں۔ اللہ تعالیٰ (نام نہاد) احادیث کو عربی زبان میں نازل کرنے کا اعلان نہیں کر رہا تاکہ لوگ اس کی مدد سے قرآن سمجھ سکیں۔ جبکہ اہل حدیث و اہل فقہ سب کا عقیدہ یہی ہے کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہیں اور قرآن مبین ان کے بغیر سمجھا ہی نہیں جا سکتا (نعوذ باللہ)۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر قرآن کو مبین نہ کہا جاتا۔

چوتھی آیت میں اَلْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ (۳۶/۲) ہی کو لَعَلِیٌّ حَکِیْمٌ کہا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کا تذکرہ تک نہیں۔ نیز اسی قرآن کو لوح محفوظ میں لکھا ہوا بتایا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

**250۔** آگے اسی سورہ الزخرف کی آیات نمبر ۳۰۔۳۱ میں پھر بات قرآن ہی کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔

" وَ لَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ وَّ اِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اور جب ان کے پاس حق آیا تو کہنے لگے یہ (تو محض) جادو ہے' ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ اور "الحق" کہتے ہیں "القرآن" کو۔ گویا انہوں نے قرآن کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور پھر کھل کر یہ اعتراض بھی کر دیا کہ اچھا یہ قرآن ان دو شہروں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نازل نہیں ہوا۔ مقصد یہ کہ سارا اعتراض، سارا جھگڑا، سارا انکار قرآن ہی سے تھا (نام نہاد) احادیث سے نہیں یونکہ (نام نہاد) احادیث اس وقت نہ تو نازل ہو رہی تھیں اور نہ ہی ان کا وجود تھا۔ جس چیز کا وجود ہی نہ ہو اس سے جھگڑے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے!

یہاں بھی یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ نام نہاد) احادیث نہ تو نازل کی گئیں اور نہ وحی کی گئیں ورنہ اس وقت کے کفار ان پر بھی اعتراض کرتے کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ ان دونوں شہروں کے بڑے لوگوں پر کیوں نہیں نازل کی گئیں!

**251۔** آگے اسی سورہ الزخرف کی آیات نمبر ۴۳۔۴۴ میں قرآن ہی کو پکڑے رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کو پکڑنے کا نہیں۔

" فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِیْۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ ۚ اِنَّكَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۳﴾ وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ ۚ وَ سَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: تو (اے رسول) جو وحی آپ کی طرف کی جا رہی ہے اس کو مضبوطی سے پکڑے رہئے، آپ بے شک سیدھے راستہ پر ہیں (۴۳) اور (اے رسول) یہ (قرآن) آپ کے لئے بھی نصیحت ہے اور آپ کی قوم کے لئے بھی (نصیحت ہے) اور (اے لوگو) عنقریب تم سے (تمہارے اعمال کے متعلق) باز پرس ہو گی (۴۴) " (ص ۸۵۰،۸۵۱، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ (اُوْحِیَ اِلَیْكَ) رسول سلامٌ علیہ کی طرف کیا وحی کیا جا رہا ہے جواب ہے اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ: اور صرف یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے (۶/۱۹)۔ تو اس آیت کریمہ میں اسی کو یعنی قرآن مبین کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے (نام نہاد) احادیث کی طرف اشارہ تک نہیں۔

پھر اسی قرآن کو سب کے لئے نصیحت بتایا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کو نصیحت نہیں بتایا گیا ہے۔ اس لئے بقول موصوف ہی کے اس کو مسترد کر دیجئے۔

پھر یہ کہا جا رہا ہے کہ عنقریب تم سے اس کے متعلق باز پرس ہو گی کہ تم نے قرآن کو پکڑا تھا یا نہیں۔ یہ نہیں کہا

جارہا کہ (نام نہاد) احادیث کے لئے باز پرس ہوگی!

**252۔** آگے سورہ الدخان کی آیات نمبر ا۔ ۷ میں قرآن ہی قرآن کا ذکر ہے (نام نہاد) احادیث کا نہیں۔

" حٰمٓ ۚ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۙ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ۙ﴿۴﴾ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ۚ﴿۵﴾ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۙ﴿۶﴾ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ: حٰمٓ (۱) روشن کتاب کی قسم (۲) ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے (تاکہ ہم اس کے ذریعہ لوگوں کو بداعمالی کے انجام سے ڈرائیں) بے شک ہم (پہلے بھی) ڈراتے رہے ہیں (۳) اسی رات کو (نظام کائنات کے سلسلہ میں) تمام حکمت والے کاموں کا فیصلہ ہوتا ہے (۴) (اسی طرح اس رات کو ہم نے) اپنے پاس سے (یہ) حکم (یعنی قرآن نازل فرمایا ہے اور) بے شک (اسی مقصد یعنی ڈرانے ہی کے لئے) ہم رسولوں کو بھیجتے رہے ہیں (۵) (اے رسول، اس کتاب کا نزول) آپ کے رب کی طرف سے (دنیا والوں پر ایک بڑی) رحمت ہے، بے شک وہ سننے والا، جاننے والا ہے (۶) (یہ رحمت) آسمانوں کے، زمین کے اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں ان سب کے مالک (کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور یہ یقیناً تمہارے لئے رحمت ہے) بشرطیکہ تم (اس پر) ایمان لے آؤ (۷) " (ص ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، جزء۔ ۸)

(۱)۔ غور کیجئے کہ یہاں پھر "اَلْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ" کی قسم کھائی جارہی ہے اور الکتٰب ہی کو مبین قرار دیا جارہا ہے۔ جبکہ موصوف ان الفاظ کا ترجمہ کرکے شاید کچھ اور تاثر پیدا کرنا چاہتے ہیں حالانکہ وہ بہت سے الفاظ جوں کے توں ہی استعمال کرنے کے قائل ہیں۔ بہر حال یہاں یہ حقیقت ثابت ہوگئی کہ الکتٰب یعنی قرآن مجید ہی قرآن مبین ہے اور مبین ہونے کی وجہ سے کسی شرح و تفسیر کا محتاج نہیں۔

(۲)۔ آگے تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ پھر یہ حقیقت دوہرا رہا ہے کہ اس ہی نے اس الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ کو نازل فرمایا ہے تاکہ اس سے لوگوں کو ڈرایا جاسکے اور صحیح راستہ دکھایا جاسکے۔

(۳)۔ چوتھی آیت میں موصوف کچھ کا کچھ ترجمہ کرگئے یوں کہ غیر اللہ کے حدیثی عقائد ذہن میں بھرے ہوئے ہیں (کہ اللہ تعالیٰ شب قدر میں تخت پر جلوہ افروز ہوتا ہے اور سارے فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ ہر طرح کے رجسٹر پیش کئے جاتے ہیں اور وہ تمام سال کے لئے حکم صادر کرتا ہے فیصلے سناتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ کو انہوں نے دیگر انسانی بادشاہوں یا جمہوری آمروں کی طرح سمجھ لیا ہے کہ وہ دربار لگا کر بیٹھے گا اور صرف ایک سال کے لئے بجٹ پیش ہوگا اور وہ احکام جاری کرے گا۔ نعوذ باللہ) ان کے ترجمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ اسی رات کو نظام کائنات کے سلسلہ میں تمام حکمت والے کاموں کا فیصلہ کرتا ہے حالانکہ وہ تو سورہ حٰمٓ السجدہ میں یہ بتاچکا ہے کہ چھ دن میں تمام کائنات بنانے کے بعد ہر آسمان میں اس کے حکم لگادیئے (اَوْحٰى فِيْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا) اور آسمان دنیا کو چراغوں سے مزیّن کردیا اور محفوظ کردیا (وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا) اور ان کو زبردست علم والے اندازون پر مقرر کردیا جو ان کی تقدیر ہے (ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ) (۹۔ ۱۲ / ۴۱) تو

جب وہ کائنات کو ایک مرتبہ اس کی تقدیر پر لگا چکا تو پھر اب اسے ہر سال شب قدر میں نظام کائنات کے سلسلہ میں تمام حکمت والے کاموں کے فیصلے کرنے کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ کیا نعوذ باللہ اس کا نظام بھی دنیا کے انسانی بادشاہوں کی طرح ہے کہ ایک سال کا بجٹ بنانے کے بعد پھر اس میں وقتاً فوقتاً ترامیم ہوتی رہتی ہیں یا منی بجٹ پیش کئے جاتے ہیں۔ بہر حال موصوف کا حدیثی عقیدہ غلط ہے۔ آیت کریمہ کا مناسب ترجمہ ہو گا کہ:

"اس میں (یعنی الکتٰب المبین میں) تمام امورِ حکمت کو الگ الگ کر کے رکھ دیا ہے (اسی لئے تو اسے الکتٰبِ الْمُبین کہا گیا ہے)"

غور کیجئے کہ سورۃ میں بات شروع ہو رہی ہے الکِتٰب، المُبین سے، مگر موصوف اس کو لیلَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ کی طرف لے گئے اس لئے شاید مغالطہ ہو گیا۔ نیز قرآن کو "اَلْفُرقَان" کہا گیا ہے (۱۸۵/۲، ۱/۲۵) اور اس آیت کریمہ میں یُفْرَقُ بھی اسی کیلئے آیا ہے۔ دونوں کا مادہ عربی زبان میں ایک ہی ہے۔

(۴)۔ پانچویں آیت میں بھی موصوف اپنے مغالطہ کی وجہ سے رات کی اہمیت اجاگر کر کے غیر مناسب ترجمہ کر گئے۔ حالانکہ وہاں بھی بات اسی الکتٰبِ المُبینِ کی ہو رہی ہے۔ مناسب ترجمہ ہو گا

"اور یہ (اَلْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ) ہماری طرف سے (بذریعہ وحی۔ اَمَرًا بمعنی وحی) نازل ہوئی ہے۔ بے شک ہم ہی بھیجنے والے ہیں / نازل کرنے والے ہیں"

غور کیجئے یہاں لفظ مُرْسِلِیْنَ اسم کے طور پر استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ مضارع کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ بمعنی بھیجنے کے۔ اگر اس کو اسم کے طور پر مانا جائے تو اِنَّا کُنَّا مُرْسِلِیْنَ کا ترجمہ ہوتا ہے: بیشک ہم ہیں رسول! جو مناسب نہیں۔

بہر حال ترجمہ میں کم از کم موصوف نے اتنا تو مان ہی لیا کہ اللہ نے اپنے پاس سے یہ حکم یعنی قرآن نازل فرمایا۔ (نام نہاد) احادیث نہیں!

(۵)۔ آگے چھٹی اور ساتویں دونوں آیات میں بھی اسی حقیقت کو دوہرایا گیا ہے کہ اَلْکِتٰبِ الْمُبِیْن تمہارے رب کی طرف سے رحمت ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث کا کوئی تذکرہ نہیں!

**253۔** آگے اسی سورہ الدخان کی آیت نمبر ۵۸ میں قرآن کو آسان کر دینے کا اعلان ہے۔

"فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰہُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: تو (بس آپ نصیحت کئے جایئے) ہم نے اس (قرآن) کو آپ کی زبان میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کریں (۵۸) " (ص ۹۲۵، ۹۲۶، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ جب اس قرآن مبین کو اللہ تعالیٰ ہی نے نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کر دیا ہے تو پھر محدثین کرام، مفسرین کرام اور علماکرام اس قرآن کی شرح لکھ کر کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ کیا (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ نے غلط بیانی کی ہے کہ اس کو آسان نہیں کر دیا! کہئے، ذرا اور غور کیجئے، کیا یہ سب شیطان کی کارستانی نہیں کہ وہ یہ باور کرانا چاہتا ہے کہ قرآن تو بہت مشکل ہے اور وہ اٹھارہ علوم پڑھے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتا! معاذ اللہ۔ اللہ تو کہے کہ قرآن کو

آسان کر دیا اور بندہ یہ کہے کہ مشکل ہے اور صرف مشکل ہی نہیں بلکہ اٹھارہ علوم حاصل کرنے کی اٹھارہ مشکلوں میں اور پڑو۔ پھر قرآن سمجھ میں آئے گا!

اچھا فرض کیجئے کہ یہ حقیقت قرآن کیلئے نہیں کہی گئی (گو کہ موصوف نے صاف صاف قرآن ہی لکھا ہے) بلکہ یہ کہا گیا کہ (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ قرآن کو آسان کر دیا تو پھر (نام نہاد) احادیث کی شرح لکھنے کی کیا ضرورت پیش آگئی؟ اور صرف یہی نہیں کہ محدثین کرام (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کی شرح لکھتے ہیں بلکہ انہی پر بھروسہ کرتے ہیں کہ یہ ہی حرفِ آخر ہیں! (معاذ اللہ)

**254۔** آگے سورہ الجاثیہ کی آیت نمبر ۲ میں بھی الکتٰب کو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ بتایا ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو نازل کردہ نہیں بتایا۔

"تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ۝

ترجمہ: یہ کتاب، غالب اور حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے (۲)" (ص ۹۳۲، ۹۳۴، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں کتنی وضاحت سے یہ حقیقت بتائی گئی ہے کہ "الکتٰب" کو غالب اور حکمت والے اللہ نے نازل کیا ہے۔ یہ بات • نام نہاد) احادیث کی کسی بھی کتاب کے لئے نہیں کہی گئی۔ (نام نہاد) احادیث کو وحی ماننے والے اہل حدیث اور اہل فقہ کو چیلنج ہے کہ وہ اس طرح کی (نص صریح) کوئی آیت (نام نہاد) احادیث کی شان میں پیش کریں اور اگر نہ پیش کر سکیں تو پھر توبہ کر لیں باطل عقیدہ سے۔

**255۔** آگے اسی سورہ الجاثیہ کی آیت نمبر ۶ میں قرآنی آیات ہی کو حدیث کہا گیا ہے اور آیات ہی پر ایمان لانے کی بات ہوئی ہے:

"تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ‌ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝

ترجمہ: (اے رسول) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سُنا رہے ہیں تو اب اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ اور کس چیز پر ایمان لائیں گے (۶)" (ص ۹۳۳، ۹۳۵، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں آیات ہی کو حدیث کہا گیا ہے مگر موصوف نے حدیث کا ترجمہ "چیز" کر دیا ہے! پتہ نہیں یہ کس لغت سے لیا ہے؟ جبکہ اپنی لغت میں وہ خود حدیثًا کے معنی و مصادر لکھتے ہیں[۱]:

" (حَدِيثًا) حَدَثَ يَحۡدُثُ حُدُوۡثٌ (ن) ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے سے موجود نہ ہو، کسی نئی چیز کا واقع ہونا۔ (حدیث = جدید، بات۔ بات کو حدیث اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نئی نئی زبان سے نکلی ہوتی ہے)" (ص ۲۸۹ جزء۔۳)

یعنی انہوں نے حدیث کے معنی "جدید" یا "بات" کئے ہیں۔ لیکن چونکہ لفظ حدیث اردو میں بھی مستعمل ہے

---

۱۔ موصوف نے اپنی لغت اپنی تفسیر ہی میں آیت کے ترجمہ کے بعد "معنی و مصادر" کے عنوان سے دی ہے۔ اس کو علیحدہ سے لغت کے نام سے شائع کرانے کا پروگرام آئندہ پانچ سالہ منصوبہ میں شامل ہے۔

اس لئے اس کا ترجمہ کرنا سوائے بد دیانتی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس لئے آیت کا مناسب ترجمہ ہو گا:

"(اے رسول) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سنا رہے ہیں تو اب اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ اور کس حدیث پر ایمان لائیں گے"

غور کیجئے کہ یہاں دو حقیقتوں پر ایمان لانا ہے: ایک اللہ پر اور دوسرے اس کی آیات پر اور جب آیات ہی حدیث ہیں تو پھر ان کے علاوہ کس پر ایمان لایا جائے گا؟ ظاہر ہے ان کے علاوہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

اس لئے صرف اللہ کی آیات یعنی قرآن مبین پر ایمان لایئے اور ان کے علاوہ (نام نہاد) احادیث پر ایمان نہ لایئے۔ یہ غیر قرآنی عقیدہ ہے۔

قارئین ذرا ایک مرتبہ اور موصوف کے تحریر کردہ حدیث کے معنیٰ پڑھ لیجئے:

"ایسی چیز کا وجود میں آنا جو پہلے سے موجود نہ ہو، کسی نئی چیز کا واقع ہونا"

لیجئے اس معنی و مصادر نے تو سارا جھگڑا ہی ختم کر دیا۔ ثابت ہو گیا کہ (نام نہاد) احادیث رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں موجود ہی نہ تھیں اسی لئے جب بعد میں دَورِ ملوکیت میں اہل فارس کے ہاتھوں وہ وجود میں آئیں تو انہوں نے عجمی ہوتے ہوتے ہوئے بھی ان کو اصلی اور حسبِ موافق عربی نام "حدیث" دیا (مگر اہل عجم اس سازش کو نہ سمجھ سکے اور عربی نام پر ہی خوش ہو کر اس سازش کا حصہ بن گئے) یونکہ وہ نئی نئی وجود میں آئی تھیں اور چونکہ، خود محدثین کرام کا مقولہ ہے کہ "مُحدثاتٌ بِدْعَۃٌ" اس لئے یہ نئی وجود میں آنے والی احادیث بھی بدعت ہوئیں۔ اس لئے بدعت سے توبہ کر لیجئے یونکہ بدعت خواہ حسنہ ہو یا سیئہ بدعت ہی ہے یونکہ اس کے لئے بھی محدثین کرام کا مقولہ ہے کہ "کُلّ بِدعۃٌ ضَلَالَۃٌ"۔

**256۔** آگے اسی سورہ الجاثیہ کی آیات ۷۔۹ میں پھر آیاتِ الٰہی ہی پڑھ کر سنائے جانے کا تذکرہ ہے۔ (نام نہاد) احادیث پڑھ کر سنائے جانے کا تذکرہ نہیں۔

"وَيْلٌ لِّكُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ۙ يَّسْمَعُ اٰيٰتِ اللّٰهِ تُتْلٰى عَلَيْهِ ثُمَّ يُصِرُّ مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا ۚ فَبَشِّرْهُ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ وَاِذَا عَلِمَ مِنْ اٰيٰتِنَا شَيْـًٔا اتَّخَذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝"

ترجمہ: (اے رسول) ہر جھوٹے گنہگار کے لئے (بڑی) خرابی ہے (۷) جب اللہ کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سنتا ہے مگر پھر تکبر سے (کفر پر اس طرح) اصرار کرتا ہے گویا اس نے ان کو سُنا ہی نہیں، تو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے (۸) اور (اے رسول، یہ ایسا شخص ہے کہ) جب اسے ہماری آیات میں کسی آیت کا علم ہوتا ہے تو اس کا مذاق اُڑاتا ہے ایسے لوگوں کے لئے ذلّت آمیز عذاب ہے (۹) " (ص ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، جزء ۸)

غور کیجئے کہ ان آیات میں صرف قرآن کی آیات ہی پڑھ کر سنائے جانے کا تذکرہ ہو رہا ہے (نام نہاد) احادیث پڑھ کر سنائے جانے کا تذکرہ نہیں ہو رہا۔ نیز یہ کہا جا رہا ہے کہ جب اللہ کی آیتیں اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کو سنتا ہے مگر پھر تکبر سے اصرار کرتا ہے گویا کہ اس نے ان کو سنا ہی نہیں (آج کل لوگ اللہ کی آیات سن کر فوراً یہ کہتے ہیں

کہ بغیر (نام نہاد) حدیث کے یہ سمجھ ہی میں نہیں آسکتیں اور پھر اس طرح وہ آیات کو سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں)۔ تو آپ اس کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔

**257۔** آگے اسی سورہ الجاثیہ کی آیت نمبر ۱۱ میں قرآن کریم ہی کو لوگوں کے لئے ہدایت بتایا جارہا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

"هٰذَا هُدًى ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ﴿١١﴾

ترجمہ: یہ (قرآن تمام لوگوں کے لئے ان کے رب کی طرف سے) ہدایت ہے تو جو لوگ (اس ہدایت یعنی) اپنے رب کی آیات کا انکار کریں گے ان کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے (۱۱)" (ص ۹۳۴، ۹۳۵۔ جزء۔۸)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ قرآن مبین ہی کو ہدایت بتا رہی ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔ اور جو لوگ قرآن کی آیات کا انکار کریں گے ان کے لئے دردناک عذاب کی سزا ہے۔ یہ سزا منکرینِ حدیث کیلئے نہیں بتائی جارہی۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث کا انکار کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر سزا ملے۔ یا ایسے شخص کو غیر مسلم یا کافر قرار دیا جائے۔

**258۔** آگے اسی سورہ الجاثیہ کی آیت نمبر ۲۰ میں قرآن ہی کو بصیرت کی باتوں کا مجموعہ بتایا جارہا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

"هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: یہ (قرآن لوگوں کیلئے بصیرت کی باتوں کا مجموعہ اور ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ہدایت اور رحمت ہے (۲۰)" (ص ۹۴۸، ۹۴۹، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ یہ قرآن ہی لوگوں کے لئے بصیرت، ہدایت اور رحمت ہے یعنی ساری صفات قرآن کریم ہی کی بتائی جارہی ہیں (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو (نام نہاد) احادیث سے بجائے بصیرت کے تنگ نظری، بجائے ہدایت کے ضلالت اور بجائے رحمت کے اختلافات کی وجہ سے زحمت ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے ایسی بات سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیئے۔

**259۔** آگے اسی سورہ الجاثیہ کی آیت نمبر ۳۱ میں پھر صرف قرآن کی آیات ہی سنائے جانے کا تذکرہ ہے:

"وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۟ اَفَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاسْتَكْبَرْتُمْ وَكُنْتُمْ قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کیا (ان سے کہا جائے گا) کیا میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں، تم تکبر کرتے تھے اور تم بڑے گنہگار تھے (۳۱)" (ص ۹۵۷، ۹۶۰۔ جزء۔۸)

غور کیجئے کہ کفار سے یوم آخرت یہ سوال ہو گا کہ کیا "میری آیتیں تم کو پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں"؟ یہ سوال نہیں ہو گا کہ تم کو غیر اللہ کی (نام نہاد) احادیث پڑھ کر نہیں سنائی جاتی تھیں۔ جن کی وجہ سے تم تکبر کرتے تھے (اور اللہ کی آیات کو بھی مسترد کر دیتے تھے، منسوخ قرار دیدیتے تھے اور ان کی تشریح و تفسیر کے بہانے ان کے معنی و مفہوم

بدل دیتے تھے اس لئے تم بڑے گنہگار لوگ تھے۔

**260۔** آگے اسی سورہ الجاثیہ کی آیت نمبر ۳۵ میں اعلان کیا جا رہا ہے کہ جو لوگ اللہ کی آیات کا مذاق اُڑاتے تھے انہیں دوزخ ہی میں مستقلاً رہنا ہو گا۔

" ذٰلِكُمْ بِاَنَّكُمُ اتَّخَذْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّ غَرَّتْكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ لَا يُخْرَجُوْنَ مِنْهَا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: یہ اس لئے کہ تم اللہ کی آیات کا مذاق اُڑایا کرتے تھے اور دنیا کی زندگی نے تمہیں دھوکے میں ڈال رکھا تھا تو (اے رسول) ایسے لوگ اس دن دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے اور نہ انہیں راضی کیا جائے گا (۳۵)" (ص۹۵۸۔۹۶۰، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ کن لوگوں کے لئے یہ اعلان کر رہی ہے کہ انہیں نہ تو اس دن دوزخ سے نکالا جائے گا اور نہ راضی کیا جائے گا؟ ان لوگوں کو جنہوں نے اللہ کی آیات کو مذاق بنا رکھا تھا کہ بغیر (نام نہاد) احادیث کے سمجھ ہی نہیں آسکتیں یا بغیر اٹھارہ علوم کے سمجھ ہی نہیں آسکتیں اور قرآن کی آیات پر بغیر (نام نہاد) احادیث کے عمل کیسے ہو سکتا ہے، اور آیات میں تو تضاد ہے، اختلاف ہے، مجمل ہیں مبہم ہیں وغیرہ وغیرہ۔ (معاذ اللہ)

غور کیجئے دوزخ ان لوگوں کے لئے ہے جو آیات اللہ کے بارے میں باتیں بناتے ہیں ان کا مذاق بناتے ہیں۔ اگر (نام نہاد) احادیث کا بھی وہی مقام ہوتا تو ان کے لئے بھی اسی قسم کی وعید آیت کریمہ میں ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث اللہ کی وحی نہیں بلکہ غیر اللہ کی وحی ہیں !

**261۔** آگے سورہ الاحقاف کی آیت نمبر ۲ میں پھر قرآن ہی کے لئے اعلان ہو رہا ہے کہ یہ الکتٰب اس نے نازل کی ہے۔ (نام نہاد) احادیث نہیں۔

" تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

ترجمہ: (یہ) کتاب اللہ غالب اور حکمت والے کی طرف سے نازل ہوئی ہے (۲) " (ص ۹۷۱، ۹۷۳، جزء۔۸)

غور کیجئے کتنی مرتبہ اور کتنے واضح طور پر یہ اعلان ہو رہا ہے کہ الکتٰب اللہ غالب اور حکمت والے نے نازل کی ہے۔ یہ اعلان (نام نہاد) احادیث کے لئے نہیں ہو رہا۔ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث اللہ کی طرف سے نازل شدہ یا وحی شدہ نہیں ہیں بلکہ وہ دَور عباسی کی ملوکیت میں گھڑی گئیں اور پھیلائی گئیں۔

**262۔** آگے سورہ الاحقاف کی آیت نمبر ۷ میں پھر آیات ہی سنائے جانے کی بات ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث سنائے جانے کی نہیں۔

" وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۙ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) جب کافروں کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو اس حق کے متعلق جو ان

کے پاس آیا ہے کہتے ہیں یہ تو صریح جادو ہے(۷)" (ص ۹۸۱، ۹۸۳، جزء۔۸)
غور کیجئے کافروں کو کیا پڑھ کر سنایا جاتا ہے؟ اللہ کی آیات (نام نہاد) احادیث نہیں۔ (اور جب کافروں کو (نام نہاد) احادیث پڑھ کر سنائی گئیں تو انہوں نے "رنگیلا رسول" اور "شیطانی آیات" (Satanic Verses) جیسی کتابیں لکھ کر پیغمبر اسلام پر انہی (نام نہاد) احادیث میں سے چنیدہ چنیدہ احادیث جمع کر کے کیچڑ اچھالا۔ غور کیجئے اس قسم کی (نام نہاد) احادیث، جن سے رسول اور اہلبیت رسول اور صحابہؓ پر کیچڑ اچھالا جا سکے، کن لوگوں نے گھڑیں؟ وہ سب کے سب عجمی النسل، مجوسی یا یہودی النسل فارسی ہی تھے۔

**263۔** آگے اسی سورہ الاحقاف کی آیت نمبر ۹ میں بتایا جارہا ہے کہ رسول سلامٌ علیہ بھی اسی قرآن کی پیروی کرتے تھے جو ان پر وحی کیا جارہا تھا۔

"قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِیْ مَا یُفْعَلُ بِیْ وَلَا بِكُمْ ؕ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۹

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے: میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں (مجھ سے پہلے بہت سے رسول آ چکے ہیں)، مجھے نہیں معلوم کہ (قیامت کے دن) میرے ساتھ کیا کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، میں تو بس اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف آتی ہے اور میں تو بس صاف صاف ڈرانے والا ہوں (۹) (ص ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں دو اعلانات رسول اللہ سلامٌ علیہ کر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کو نہیں معلوم کہ یوم قیامت ان کے ساتھ کیا کیا جائے گا اور دوسروں کے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور دوسرا اعلان وہی ہے کہ وہ تو اس وحی کی اتباع کرتے ہیں جو ان کی طرف آتی ہے (یعنی یُوْحٰۤى اِلَیَّ)۔ اور یہ کیا ہے یہ وہی قرآن ہے اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ (۱۹/۶) جس کا اعلان وہ پہلے فرما چکے ہیں۔ مقصد یہ کہ (نام نہاد) احادیث اُن پر وحی نہیں کی گئیں بلکہ قرآن وحی کیا گیا اور اسی کی انہوں نے پیروی کی اور اسی کا اعلان فرمایا۔ اگر (نام نہاد) احادیث بھی وحی کی گئی ہوتیں تو ان کا بھی اعلان ضرور ہوتا۔ اس لئے آپ بھی صرف وحی الٰہی یعنی القرآن کریم کی پیروی کیجئے اور دیگر غیر اللہ کتابوں کو مسترد کر دیجئے۔

**264۔** آگے اسی سورہ الاحقاف کی آیت نمبر ۱۰ میں بھی بات صرف قرآن پر ایمان لانے کی ہو رہی ہے • نام نہاد) احادیث پر نہیں۔

"قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَ كَفَرْتُمْ بِهٖ وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَ اسْتَكْبَرْتُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰

ترجمہ: (اے رسول) آپ ان سے کہئے اگر یہ (قرآن) اللہ کی طرف سے ہو اور تم اس کا انکار کرو اور باوجود اس کے کہ بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اسی جیسی ایک کتاب کی گواہی دی اور وہ (اس پر) ایمان بھی لے آیا لیکن تم نے تکبر کیا (اور ایمان نہیں لائے) تو بتاؤ (تمہارا انجام کیا ہوگا؟ کیا تم منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں) بے شک اللہ ظالم لوگوں کو راہِ راست پر چلا کر منزل مقصود تک نہیں پہنچاتا (۱۰) (ص

۹۸۲،۹۸۳،جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی بات صرف قرآن ہی پر ایمان لانے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ ایمان لے آیا وہ بھی قرآن ہی پر ایمان لایا (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ یونکہ ان کا اس وقت وجود ہی نہیں تھا۔

**265۔** آگے اسی سورہ الاحقاف کی آیت نمبر ۱۲ میں موسیٰ سلامٌ علیہ کی کتاب کو امام ورحمت بتایا جارہا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

"وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (توریت) رہنما اور رحمت (بناکر بھیجی گئی تھی) اور یہ کتاب (اس کی) تصدیق بھی کرتی ہے اور عربی زبان میں (نازل کی گئی) ہے تاکہ ظالموں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کو (جنت کی) خوشخبری سنائے (۱۲) " (ص۹۸۳،۹۸۴،جزء۔۸)

غور کیجئے کہ یہ آیت کریمہ کیا کیا حقیقتیں بتارہی ہے:

(۱)۔ اس سے (یعنی قرآن سے) پہلے موسیٰ سلامٌ علیہ کی کتاب (توریت) امام اور رحمت بناکر بھیجی گئی تھی۔ (یعنی اب قرآن امام ورحمت بناکر بھیجا گیا ہے)۔ موصوف نے خود قوسین میں توریت کا نام لکھ کر یہ مان لیا کہ اس کتابِ موسیٰ کو امام ورحمت بنایا گیا تھا جو ان پر وحی کی گئی تھی۔ (نام نہاد) احادیث نہیں۔

(۲)۔ اور اب جو نئی کتاب امام ورحمت بنائی گئی ہے وہ اس پہلے کی کتاب کی تصدیق کرتی ہے۔

(۳)۔ اور نئی کتاب جو امام ورحمت بنائی گئی ہے وہ عربی زبان میں نازل کی گئی ہے۔

(۴)۔ یہ نئی کتاب جو امام ورحمت بنائی گئی ہے اس لئے نازل کی گئی ہے کہ ظالموں کو اللہ کے عذاب سے ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری سنائے۔

قارئین دیکھئے یہی باتیں موصوف نے اس آیت کی اپنی تفسیر میں لکھی ہیں۔

"تفسیر: (وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّ رَحْمَةً ؕ) اور (اے رسول) اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب (یعنی توریت بھی) رہنما اور رحمت (بن کر آئی) تھی (وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا لِّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۖ وَبُشْرٰى لِلْمُحْسِنِيْنَ) اور (اب) یہ کتاب (رہنما اور رحمت بن کر آئی ہے) جو (توریت کی) تصدیق بھی کرتی ہے اور (فصیح اور بلیغ) عربی زبان میں (نازل کی گئی) ہے تاکہ ظالموں کو (ان کی بداعمالی کے نتائج سے) ڈرائے اور نیکی کرنے والوں کو (جنت کی) خوشخبری سنائے"۔ (ص۹۸۹۔جزء۔۸)

غور کیجئے کہ اپنی اس تفسیر میں بھی موصوف نے کہیں (نام نہاد) احادیث کا نام تک نہیں لیا اور اسی کتاب یعنی قرآن مبین کو امام ورحمت مان لیا۔ تو پھر اب غیر قرآن یا غیر اللہ کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث وفقہ، تفسیر وفتاوٰی کو کیسے امام ورحمت کے ساتھ شریک کیا جاسکتا ہے؟

قرآن کریم ہمارا امام ہے بس اسی کی پیروی کرنی ہے۔ اسی کی پیروی اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے کی، تمام صحابہ کبار رضوان اللہ علیہ نے کی اور اب ہمیں اس کی پیروی کرنی ہے اور غیر اللہ کی کتابوں کو بقول موصوف کے مسترد کر دینا ہے تاکہ فلاح پا سکیں اور اختلاف و تفرقہ سے بچ سکیں جو عذاب ہے۔

**266۔** آگے اسی سورہ الاحقاف کی آیات ۲۹۔۳۰ میں بھی قرآن کریم ہی جِنّوں کو بھی سنائے جانے کا تذکرہ ہے (نام نہاد) احادیث کا نہیں:۔

" وَ اِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَ لَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۲۹﴾ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَ اِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اور (اے رسول وہ وقت یاد کیجئے) جب جنّات کی ایک جماعت کو ہم نے آپ کی طرف پھیر دیا تاکہ وہ **قرآن سنیں**، پھر جب وہ سننے کے لئے حاضر ہوئے تو آپس میں کہنے لگے خاموش رہو، پھر جب (قرأت) ختم ہو گئی تو وہ اپنی قوم کی طرف واپس چلے گئے تاکہ انہیں ڈرائیں (۲۹) انہوں نے کہا: اے ہماری قوم، ہم نے ایک **ایسی کتاب** سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے، وہ اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے (۳۰) " (ص ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، جزء۔۸)

غور کیجئے کہ جِنّوں میں سے ایک جماعت جب رسول اللہ کی طرف گئی تو اس نے ان کے پاس قرآن کریم کی آیتیں سنیں تو وہ بہت متأثر ہو گئے اور اپنی قوم میں جا کر گواہی دینے لگے کہ انہوں نے ایک ایسی کتاب سنی ہے جو موسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد نازل ہوئی ہے اور اپنے سے پہلے نازل ہونے والی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور حق اور سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

قارئین یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ وہ جنّ بھی ایک ہی کتاب کی بات کر رہے ہیں اور اس کو نازل شدہ ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ وہ کہیں بھی (نام نہاد) احادیث یا ان کے نازل ہونے کی بات نہیں کرتے ورنہ جب وہ رسول سلامٌ علیہ کی محفل میں شریک ہوئے تھے تو ہو سکتا ہے کہ رسول سلامٌ علیہ نے قرآن کی تشریحی روایات بھی سنائی ہوں (معاذ اللہ) تو وہ جنّ اس کا بھی ذکر کرتے............ مگر ایسا نہیں۔ رسول سلامٌ علیہ تو دینی مجالس میں سوائے قرآن مبین کے اور کچھ بات کرتے ہی نہیں تھے (يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ) وہ تو صرف آیات ہی تلاوت کر کے سناتے تھے (ہاں انتظامی، نجی یا گھریلو محفل وغیرہ میں روزمرہ زندگی کی مناسبت سے دنیاوی بات بھی ہوتی تھی۔ مگر وہ دین کا حصہ نہیں ہوتا تھا) اس لئے (نام نہاد) احادیث کا وہاں کوئی وجود نہیں تھا یہ تو کئی سو سال بعد وجود میں آئیں۔ یہاں ایک اور بات بھی انتہائی اہم اور قابلِ غور ہے کہ یہ کون لوگ تھے جنہیں جِنّ کہا گیا اور انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ انہوں نے ایک ایسی کتاب سُنی ہے جو موسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ گویا کہ انہیں موسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد عیسیٰ سلامٌ علیہ پر انجیل نازل ہونے کا یا تو علم ہی نہیں تھا یا وہ انجیل کو مانتے نہیں تھے! تو صاف ظاہر ہے کہ وہ یہودی اعرابی تھے۔ چونکہ وہ انجیل کو تو مانتے ہی نہیں تھے اس لئے انہوں نے اس کا نام ہی نہ لیا اور اپنے نبی اور کتاب کا نام لے دیا۔ مزید یہ بھی ثابت

ہو گیا کہ اہل مکہ و مدینہ یا حجاز کی طرف بہت عرصہ سے کوئی نبی اور کتاب نہیں آئی تھی۔ اسی لئے وہ لوگ اُمّی کہلاتے تھے۔ (یہودی انہیں Gentiles کہتے تھے) اور اس قسم کے اعرابی جو کبھی کبھی، بھٹکے بھولے، شہروں کی طرف نکل آتے تھے جِنّ کہلاتے تھے یونکہ شہری ان سے مانوس نہیں ہوتے تھے۔ مطلب یہ کہ یہ وہ جِنّ نہیں تھے جنہیں مُلّا جی اور پیر جی بوتل میں بند کر دیتے ہیں۔ وہاں رسول سلامٌ علیہ نے انہیں آیات الٰہی سنائیں تھی۔ (یہاں بھی تفسیر میں موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے)

**267۔** آگے سورۂ محمد کی آیت نمبر ۲ میں بھی کتاب ہی نازل ہونے کا ذکر ہے (نام نہاد) حدیث کا نہیں:۔

" وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس (کتاب) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل ہوئی ہے اور وہ ان کے ربّ کی طرف سے حق ہے (اللہ) ان کے گناہوں کو دُور کر دے گا اور ان کی حالت کی اصلاح فرمائے گا۔ (۲) " (ص۸، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا نام نامی اسمِ گرامی لے کر بتایا جا رہا ہے کہ لوگ اس (کتاب) پر ایمان لائے جو **محمد** پر نازل ہوئی ہے۔

قارئین کسی بچہ سے یا بڑے سے پوچھ لیجئے، کسی پڑھے لکھے یا جاہل مسلم سے پوچھ لیجئے، حتیٰ کہ کسی غیر مسلم سے بھی پوچھ لیجئے کہ محمد سلامٌ علیہ پر کیا نازل ہوا تھا۔ تو وہ ایک ہی جواب دے گا کہ محمد سلامٌ علیہ پر قرآن (کریم) نازل ہوا تھا۔ کوئی بڑے سے بڑا مرتد و ملحد بھی یہ نہیں کہے گا کہ محمد سلامٌ علیہ پر (نام نہاد) احادیث یا صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ بھی نازل ہوئی تھیں۔

مگر افسوس کہ ہمارے موصوف ان مرتد اور ملحد لوگوں سے بھی بالکل مختلف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن کے ساتھ (نام نہاد) احادیث بھی محمد سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی تھیں۔ (معاذ اللہ)۔ اور ان کی بدعقیدگی کا کھلا ثبوت اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں آپ کو مل جائے گا۔ دیکھئے وہ تفسیر میں فرماتے ہیں:

تفسیر: "اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور اس (چیز) پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی........... " (ص۹، جزء۔۹)

قارئین غور کیجئے کہ موصوف نے ترجمہ آیت میں لفظ (**کتاب**) استعمال کیا ہے مگر تفسیر لکھتے ہوئے اس کو (چیز) سے بدل دیا۔ اور پھر "**عمل**" لکھتے ہوئے اس کو قرآن مجید اور احادیث نبوی سے بدل دیا۔ دیکھئے اس آیت کے آخر میں وہ "عمل" لکھتے ہیں:

عمل: "اے لوگو، اس حق پر ایمان لایئے جو محمد ﷺ پر نازل ہوا اور اسی کی پیروی کیجئے یعنی قرآن مجید اور احادیث نبوی پر ایمان لایئے اور ان کی پیروی کیجئے"۔ (ص، جزء۔۹) یہ ہے حدیثی ذہن پرستی!

**268۔** آگے آگے سورۃ محمد ہی کی آیت نمبر ۸۔۹ میں اللہ کی نازل کردہ (کتاب) کو ناپسند کرنے پر اعمال رائیگاں کر دیئے جانے کی دھمکی دی جارہی ہے۔ ملاحظہ ہو:

" وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۸ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹

ترجمہ: اور جو لوگ کفر کریں گے تو ان کے لئے ہلاکت (اور بربادی) ہے اللہ ان کے اعمال (اور تدبیروں) کو رائیگاں کر دے گا (۸) یہ اس لئے کہ انہوں نے اس چیز کو ناپسند کیا جو اللہ نے نازل فرمائی ہے، تو اللہ نے ان کے اعمال کو رائیگاں کر دیا (۹) " (ص ۱۲، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کیا نازل کیا تھا جس کو انہوں نے ناپسند کیا تھا اور اس سے کراہت (كَرِهُوْا) کی تھی؟ کیا وہ قرآن کریم کے علاوہ کچھ تھا؟ وہ کیا تھا جس کو وہ بدلنے کی فرمائش کرتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ قرآن کریم ہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا اور کفار و مشرکین اس کو بدل کر کوئی اور کتاب لانے کی فرمائش کرتے تھے۔ تو جن لوگوں نے قرآن کریم کو ناپسند کیا یا اس کی آیات سے کراہت کی اور دوسری ظنیّات کو اس پر فوقیت دی یا برابری کی یا شریک کیا، ان کے اعمال رائیگاں ہو گئے۔ ظاہر ہے اور سیدھی سی بات ہے کہ جو اپنے خالق کی بات سے کراہت کرے گا اور اس کے ساتھ اپنی یا کسی اور بندہ کی بات ملائے گا اس کا کیا حشر ہو گا! وہ یقیناً راندۂ درگاہ ہو گا۔ یہ کہنا کہ اللہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی اس لئے اس کا بندہ تشریح و توضیح کر رہا ہے اور بھی زیادہ سخت و بیہودہ و گستاخانہ بات ہے کہ خالق کی بات سمجھ میں نہ آئے!

الغرض نازل صرف الکتٰب ہی یعنی قرآن مجید ہوا تھا (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اور اس نازل شدہ کتاب سے کراہت کرنے پر اعمال ضائع ہو جانے کی تنبیہ پھر آگے اسی سورۃ محمد کی آیات ۲۵۔۲۸ میں دوہرائی گئی ہے۔ (خود قرآن کریم میں دیکھ لیجئے)

**269۔** آگے اسی سورۃ محمد کی آیت نمبر ۲۴ میں قرآن کریم ہی میں غور کرنے کی تلقین ہو رہی ہے:

" اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ۝۲۴

ترجمہ: تو (آخر) یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ (۲۴)" (ص ۴۳۴، جزء۔۹)

★...... غور کیجئے کس چیز پر یا کس کتاب پر غور کرنے کیلئے تلقین کی جا رہی ہے؟ یہاں تو اتنے صاف طور پر "القرآن" کہہ دیا گیا ہے، کیا اس کے بعد بھی (نام نہاد) احادیث اور شرح احادیث و فقہ وغیرہ پر غور کرنے کی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ یہاں بات صاف ہو گئی کہ جو لوگ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے بلکہ دوسری غَيْرُ الله کی کتابوں پر غور کرتے ہیں اُن کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں یعنی ان کے دل تو ایمان و اسلام کے لئے کھلے ہی نہیں ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ تو گمراہ کے گمراہ ہی ہیں خواہ کتنا ہی ایمان والا ہونے کا دعویٰ کریں۔

★... سوچئے، لِلّٰہ سوچئے! کہ جو لوگ غَيْرُ الله کی کتابوں پر غور کر کر کے اس کی شرحین لکھتے رہے اور اس کو عین اسلام قرار دیتے رہے، کیا وہ اس زُمرہ میں نہیں آتے؟

…★ کیا وہ لوگ، جو رات دن ہمیں قرآن کریم کی آیات کے علاوہ غَیْرُ اللّٰہ کے کلام پر غور کر کر کے بڑے بڑے دقائق اور نکتے سناتے نہیں تھکتے، اس زمرہ میں نہیں آتے کہ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے اس لئے اُن کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟

…★ کیا وہ لوگ، جو رات دن ہمیں قرآن کریم کی آیات پر عمل کرنے کی ترغیب دینے کے بجائے غَیْرُ اللّٰہ کی باتوں پر غور کر کر کے غیر قرآنی اعمال کرنے کی ترغیب دیتے رہتے ہیں، اس زُمرہ میں نہیں آتے کہ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے، اس لئے اُن کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں؟

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایمان والوں کے لئے تو صرف یہ ایک آیت ہی کافی ہے کہ وہ القرآن پر غور و فکر کریں اور قرآن کریم کے علاوہ دیگر تمام غیر اللہ کی کتابوں کو مسترد کر دیں۔

**270۔** آگے سورہ حجرات کی آیت نمبر ۹ میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حکم کی بات ہو رہی ہے:

”وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝۹

ترجمہ: اور (اے ایمان والو!) اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے پھر اگر وہ (اللہ کے حکم کی طرف) لوٹ آئے تو ان دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور (دیکھو ہر حال میں) انصاف ہی کیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے (۹)“ (ص ۱۳۷، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ یہ کتنی فیصلہ کُن آیت ہے کہ اگر مومنین بھی آپس میں لڑ پڑیں تو ان کو اللہ تعالیٰ ہی کے 'اَمر' یعنی حکم کی طرف لوٹنا ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کا 'اَمر' کہاں ہے تو وہ صرف قرآن کریم ہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم یعنی کتابِ اللہ یا اَمرِ اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہو گا۔ یہاں (نام نہاد) احادیث کا اشارہ یا شائبہ تک نہیں اور یہی بات ۶۴/۱۶، ۱۰/۴۲ اور ۵۹/۴ میں کہی گئی ہے۔ اور حکم صرف ایک، اللہ ہی کا بتایا گیا ہے (۴۰/۱۲، ۶۷/۱۲، ۲۶/۱۸، ۱۹/۴۷)

**271۔** آگے سورۃ قٓ کی پہلی ہی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے امر یعنی قرآن مجید کی قسم کھا رہے ہیں:

”قٓ ۚ وَ الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۝۱

ترجمہ: قٓ، قرآن مجید کی قسم (بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں) (۱)“ (ص ۱۶۴، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی ہی کتاب کی قسم کھا رہے ہیں۔ نہ کہ رسول کی طرف منسوب کتابوں کی (جس کا کوئی وجود نہیں) بخاری یا مسلم کی کتابوں کی۔ اور ظاہر ہے کہ قسم اس چیز کی کھائی جاتی ہے جو افضل ہوتی ہے۔ اصل ہوتی ہے یا پھر بہت عزیز ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ کتابیں نہ تو اللہ کی افضل یا اصل کتابیں ہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو عزیز ہیں۔

**272۔** آگے اسی سورۃ قٓ، آیت نمبر ۳۷ میں اسی قرآن مجید کو نصیحت بتایا جارہا ہے:

"اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ہُوَ شَہِیۡدٌ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اس میں نصیحت ہے اس شخص کے لئے جس کے پاس دل ہے اور جو حضور قلب کے ساتھ کان لگا کر سنتا ہے (۳۷) (ص ۱۹۹، جزء۔ ۹)

غور کیجئے نصیحت کس میں بتائی جارہی ہے؟ یہ اسی قرآن مجید ہی میں نصیحت بتائی جارہی ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ اور خود موصوف نے اپنی تفسیر میں اس کو قرآن مجید ہی مانا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں:

"تفسیر: کفار مکہ کو ڈرانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَذِکۡرٰی لِمَنۡ کَانَ لَہٗ قَلۡبٌ اَوۡ اَلۡقَی السَّمۡعَ وَ ہُوَ شَہِیۡدٌ) اس میں **(یعنی قرآن میں)** اس شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس دل ہے اور جو حضور قلب کے ساتھ کان لگا کر سنتا ہے" (ص ۲۰۳، جزء ۹)

دیکھا آپ نے کہ موصوف بھی قرآن مجید ہی کو نصیحت مان رہے ہیں، مگر افسوس کہ اس کے باوجود قرآن مجید کے ساتھ غیر اللہ کا کلام شریک کرتے ہیں! شاید ان کے پاس وہ قلب نہیں جس کے لئے قرآن مجید نصیحت ہے یا پھر وہ ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ ہر جمعہ کو خطبہ میں یہ سورۃ قٓ ہی پڑھتے ہیں مگر ان کے دل میں وہ کیفیت نہیں پیدا ہو رہی جو اسے نصیحت سننے پر مجبور کرتی ہے!

**273۔** آگے اسی سورۃ قٓ میں آیت نمبر ۴۵ میں اسی قرآن ہی کے ذریعہ نصیحت کرنے کا حکم ہو رہا ہے:

"نَحۡنُ اَعۡلَمُ بِمَا یَقُوۡلُوۡنَ وَ مَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِجَبَّارٍ ۟ فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ ﴿۴۵﴾

ترجمہ: (اے رسول) ہمیں معلوم ہے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں لیکن آپ ان پر جبر کرنے والے تو (بنا کر) نہیں (بھیجے گئے، آپ کی ذمہ داری) تو (بس اتنی ہے کہ) آپ اس شخص کو قرآن کے ذریعہ نصیحت کرتے رہئے جو میری وعید سے ڈرتا ہے۔ (۴۵)" (ص ۲۱۰، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کتنے واضح طور پر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو یہ حکم دے رہے ہیں کہ اسی قرآن مجید کے ذریعہ لوگوں کو نصیحت کرتے رہئے، یہاں کہیں بھی (نام نہاد) احادیث وفقہ کی کتابوں کا شبہ تک نہیں۔ یوں کہ وہ اس قابل ہی نہیں کہ ان سے نصیحت کی جائے۔ اس آیت کی تفسیر میں موصوف خود کیا لکھتے ہیں ملاحظہ ہو:

"تفسیر: ........... آگے فرمایا (فَذَکِّرۡ بِالۡقُرۡاٰنِ مَنۡ یَّخَافُ وَعِیۡدِ) (آپ کا کام نصیحت کرنا ہے لہٰذا) آپ اس (شخص) کو قرآن (مجید) کے ذریعہ نصیحت کرتے رہئے جو میرے (عذاب کی) وعید سے ڈرتا ہے (جو ڈرتا ہے وہ ایمان لے آئے گا، جو نہیں ڈرتا وہ ایمان نہیں لائے گا)" (ص ۲۱۳، جزء۔ ۹)

غور کیجئے! اس آیت کے بعد بھی کیا آپ کو نصیحت کرنے کے لئے، ترغیب کے لئے، (نام نہاد) احادیث کی ضرورت ہے یا یہاں صرف قرآن مجید ہی کے ذریعہ نصیحت کرنے کا حکم دیا جارہا ہے؟

**274۔** آگے سورۃ طور کی آیت نمبر ۲۔۳ میں پھر قرآن مجید ہی کی قسم کھائی جارہی ہے:

"وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ﴿۲﴾ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ﴿۳﴾

ترجمہ: لکھی ہوئی کتاب کی قسم (۲) (جو ایک) کشادہ کاغذ پر (لکھی ہوئی ہے) (۳) " (ص ۲۶۰، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں دو کتنی اہم باتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ قرآن مجید یعنی کتاب ہی کی قسم کھائی گئی ہے، (نام نہاد) احادیث کی سینکڑوں کتابوں کی قسم نہیں کھائی گئی ۔اس لئے ان کی کوئی اہمیت وحیثیت نہیں۔

(۲)۔ قرآن کریم کو کشادہ کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب بتایا گیا ہے۔ سوچئے کاغذ بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کے عہد میں موجود تھا اور قرآن مجید لکھا کر اسے کتابی شکل بھی دیدی گئی تھی جب ہی تو اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم کھائی اور یہ عُقدہ بھی کھول دیا کہ قرآن تو کتابی شکل میں رسول سلامٌ علیہ کے سامنے ہی موجود تھا۔ (جب کہ ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ، حتیٰ کہ جناب اصلاحی صاحب بھی یہی مانتے ہیں کہ قرآن مجید تو نعوذ باللہ پتھروں، ہڈیوں، پتوں اور کھجور کی چھال وغیرہ پر لکھ کر ڈھیر بنا دیا گیا تھا! افسوس کہ مدرسہ اصلاحی میں بھی غلط عقائد کی اصلاح نہ ہو سکی!)

**275**۔ آگے اسی سورۃ طور میں آیت نمبر ۳۴ میں اسی قرآن مجید کو حدیث کہا گیا ہے:

" فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اگر وہ (اپنے اس دعوے میں) سچے ہیں تو ایسا کلام یہ بھی (بنا کر) لے آئیں (۳۴)" (ص ۲۷۲، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ مشرکین کے یہ کہنے پر کہ قرآن کریم رسول اللہ سلامٌ علیہ نے خود بنالیا ہے، اللہ تعالیٰ یہ چیلنج دیتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچّے ہیں تو ایسی حدیث یہ بھی بنا لائیں۔ غور کیجئے اللہ تعالیٰ اپنی آیت کریمہ میں قرآن کریم کو "حدیث" فرمارہے ہیں مگر ہمارے موصوف نے (اپنی خِفّت مٹانے کو) اس کا ترجمہ "کلام" کر دیا۔ (اسی کو کہتے ہیں تحریفِ معنوی)

پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم ہی حدیث ہے اور (نام نہاد) حدیثِ بخاری وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں۔

قارئین یہاں یہ حقیقت بھی غور کرنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس چیلنج کو کہ "اس جیسی حدیث بنالاؤ" آج تک کسی کافر نے قبول نہیں کیا، البتہ منافقوں نے ایک روایت "الا . انی اوتیت القراٰن و مثلهٗ معهٗ"[۱] گھڑ کر خود مسلمانوں کو مقابلہ پر لا کھڑا کیا کہ کافر کیا ہم خود ہر مسئلہ پر ایک (نام نہاد) حدیثِ مثل پیش کئے دیتے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ اور اب مقابلہ کا یہ کاروبار خوب پھل پھول رہا ہے، ختم قرآن کی جگہ ختم بخاری ہوتا ہے، بخاری سے مشکل کشائی کرائی جاتی ہے، قرآن کی طرح بخاری کے بھی تیس سَپارے بنادیئے گئے ہیں، کسی نے اس کو قرآن پر قاضی بنادیا ہے، کسی نے اسے قرآن کے برابر قرار دیدیا ہے، کسی نے اسے قرآن کا ضمیمہ بنادیا ہے................. اور کسی نے اگر بہت احتیاط کی ہے تو اسے قرآن کے بعد اصح الکتُب قرار دے دیا ہے۔

**276**۔ آگے سورہ النجم کی آیت نمبر ۳۔۴ میں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ دین کے معاملہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ

---

۱۔ سنن ابی داؤد۔ کتاب السنۃ، باب ٦

جو بات بھی کرتے تھے وہ اپنی خواہشِ نفس سے نہیں کرتے تھے بلکہ اس وحی سے کرتے تھے جو ان پر نازل کی جاتی تھی:۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۞ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۞

ترجمہ: اور نہ وہ اپنی خواہش سے بات کرتے ہیں (۳) وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے (۴)" (ص۲۸۶، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ بات کتنی سادہ سی اور صاف صاف ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنی خواہشِ نفس سے بات نہیں کرتے تھے بلکہ وہ تو وہی فرماتے تھے جو ان پر وحی نازل کی جاتی تھی۔ اور آپ جانتے ہیں کہ ان پر کیا وحی ہوتی تھی کہ:

وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ (۱۹/ ۶) = اور صرف یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا ہے

کیا اس کے بعد کوئی شک رہ جاتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ دینی معاملات میں قرآن کریم کے علاوہ بھی (نام نہاد) حدیث سے بھی کچھ کہتے تھے؟

اور دیکھئے کہ اسی بات کو موصوف نے خود اپنی تفسیر میں مان لیا ہے:

"تفسیر: الغرض اللہ تعالیٰ نے کافروں کے الزام کی سختی سے تردید فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے صاف صاف فرمایا کہ محمد (ﷺ) جو دینی بات بھی کہتے ہیں وہ ان کی طرف سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کی جاتی ہے"۔ (ص۲۸۸۔۲۸۹، جزء۔۹)

پس صاف ثابت ہو گیا کہ اس وقت قرآن کریم کے علاوہ کوئی اور چیز دینی حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ ظاہر ہے کہ دین کے علاوہ رسول اللہ سلامٌ علیہ جو بات کرتے ہوں گے (مثلاً: اپنے خاندان والوں سے، زندگی کی ضروریات وسہولتوں کے لئے، کہیں آنے جانے کے لئے، جنگوں کی تیاری کے لئے، وفود بھیجنے کے بارے میں یا دیگر انتظامی معاملات وغیرہ وغیرہ) وہ وحی نہیں ہوتی تھی۔ اور یہی فطری حقیقت ہے کہ ہر بات وحی نہیں ہو سکتی۔ جبکہ اہلحدیث اور اہل فقہ نے اس آیت کریمہ کا غلط ترجمہ کرکے ان کی ہر بات کو وحی قرار دے لیا ہے۔ اسی لئے فرقہ بندی کے عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

**277۔** آگے اسی سورۃ النجم کی آیات ۵۷۔۵۸ میں قیامت قریب آجانے کی خبر دیکر اللہ تعالیٰ اس قرآنی خبر اور آیات ہی کو آیت نمبر ۵۹ میں حدیث کہہ رہے ہیں:

"اَزِفَتِ الْاٰزِفَةُ ۞ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَاشِفَةٌ ۞ اَفَمِنْ هٰذَا الْحَدِيْثِ تَعْجَبُوْنَ ۞

ترجمہ: وہ قریب آنے والی (یعنی قیامت) قریب آپہنچی (۵۷) اللہ کے علاوہ کسی کے اختیار میں نہیں کہ اس (کی مصیبتوں) کو دُور کر سکے (۵۸) تو (اے کافرو) کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو؟ (۵۹)" (ص۳۳۱، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ حدیث استعمال فرمایا ہے مگر ہمارے موصوف نے اسے کھلی بد عقیدگی سے ترجمہ کرکے بات کر دیا حالانکہ وہ بعض مقامات پر مشکل الفاظ کا بھی ترجمہ نہیں کرتے ہیں۔ آیت کریمہ کا صحیح ترجمہ ہو گا کہ:

"کیا تم (قیامت کے بارے میں) اس حدیث پر تعجب کرتے ہو؟"

غور کیجئے کہ یہ حقیقت کس طرح نکھر کر سامنے آگئی کہ قرآنی آیات ہی کو حدیث کہا گیا ہے اور (نام نہاد) احادیث غیر اللہ کی گھڑی گھڑائی باتیں ہیں۔ ان میں اگر دنیاوی معاملہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول ہے بھی تو وہ قرآنی تصدیق کا محتاج ہے۔

**278۔** آگے سورہ القمر (اِقْتَرَبَتِ) کی آیات ۱۷، ۲۲، ۳۲اور ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے بار بار اس حقیقت کو دوہرایا ہے کہ قرآن کریم نصیحت کے لئے آسان کر دیا گیا ہے:۔

”وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ⑰ ، ㉒ ، ㉜ اور ㊵

ترجمہ: اور (اے لوگو) ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا (۱۷)، (۲۲)، (۳۲) اور (۴۰)“ (ص ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۳ اور ۳۵۸، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ یہ کتنی بڑی حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے مگر ہمارے مولوی نے اسے مشکل بنا دیا ہے! ہمارے مولوی صاحبان فرماتے ہیں کہ قرآن مبین سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک چودہ علوم نہ سیکھو۔ کوئی کہتا ہے بتیس علوم، کوئی کچھ اور کوئی کچھ۔ حد تو یہ ہے کہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مفسرین و محدثین کرام نے قرآن کو سمجھنے کے لئے تقریباً سو ۱۰۰ علوم ایجاد کئے (مدوّن کئے) پھر تفسیریں لکھی گئیں۔ قارئین غور کیجئے کہ دونوں میں کون سچّا ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ سچے ہیں اور مولوی صاحبان جھوٹے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے ”حق“ کو جھوٹا ثابت کرنے پر لگے ہوئے ہیں۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ سے پنجہ آزمائی کر رہے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم نصیحت کے لئے آسان کر دیا گیا ہے مگر مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ نہیں قرآن سمجھا ہی نہیں جا سکتا جب تک تم ہمارے ایجاد کردہ علوم نہ سیکھو۔ معاذ اللہ۔

یہ ہیں ہمیں دین سکھانے والے، دشمنِ اللہ!

دوسری اہم حقیقت جو ان آیاتِ کریمات سے صاف ظاہر ہوتی ہے یہ ہے کہ (نام نہاد) احادیث کا کوئی ذکر نہیں! نہ ہی یہ کہا جا رہا ہے کہ (نام نہاد) احادیث میں قرآن کی شرح بیان کی گئی ہے، نہ ہی یہ کہا جا رہا ہے کہ بغیر (نام نہاد) احادیث کے قرآن کریم سمجھ میں نہیں آسکتا، نہ ہی یہ کہا جا رہا ہے کہ نصیحتِ قرآن تو (نام نہاد) احادیث کے بغیر حاصل ہی نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی یہ کہا جا رہا ہے کہ اس احسن الحدیث پر عمل کرنے کیلئے (نام نہاد) احادیث کی بھی ضرورت ہے۔ بلکہ نصیحتِ قرآن کو آسان بتا کر یہ کہا جا رہا ہے کہ: ہے کوئی جو (اس قرآن ہی سے) نصیحت حاصل کرے یعنی نصیحت حاصل کرنے کا سارا دار و مدار صرف اور صرف قرآن کریم ہے۔

قارئین اس مقام پر یہ بھی نوٹ کرتے چلئے کہ ہمارے موصوف ان چارون آیات کی تفسیر لکھتے ہوئے چاروں مقامات پر اس آیت کی شرح یا تفسیر میں کوئی بھی (نام نہاد) حدیث پیش نہ کر سکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا ہو کہ نہیں، قرآن کریم آسان نہیں، جب تک اس کو تم میری تشریح یعنی احادیث اور تفسیر سے نہ سمجھو۔ (معاذ اللہ) بلکہ الٹا مان گئے اور لکھ گئے کہ:

تفسیر: ”اور یہ نہ سمجھیں کہ قرآن مجید کا سمجھنا مشکل ہے، نہیں، مشکل نہیں ہے) ہم نے نصیحت کے لئے

قرآن کو آسان کر دیا ہے تو ہے کوئی نصیحت حاصل کرنے والا"۔(ص ۳۶۰، جزء۔۹)
کہئے !اب آپ ہمارے موصوف کی اس دورُخی پالیسی کو کیا کہتے ہیں ؟

**279۔** آگے سورہ الرحمٰن کی آیات ۱۔۴ میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ انہوں نے القرآن کی تعلیم دی:
" اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝
ترجمہ: رحمٰن (ہی ہے)(۱)(جس نے) قرآن کی تعلیم دی (۲) انسان کو پیدا کیا (۳)(اور) اسے بولنا سکھایا (۴) " (ص ۲۷۳۔۳۷۴، جزء۔۹)

غور کیجئے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ (انہوں نے یعنی) اَلرَّحْمٰن نے قرآن کی تعلیم دی۔ یہاں کہیں (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا ذکر نہیں۔ بات صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تعلیم دی (نام نہاد) حدیث کی نہیں۔ اور یہ تعلیم کس کو دی ؟ کون مخاطب، اوّل ہے ؟ ظاہر ہے کہ یہ خطاب رسول اللہ سلامٌ علیہ سے ہے جو قرآن کریم کے مخاطب اوّل تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآن کریم کی تعلیم دی تھی (نام نہاد) حدیث کی نہیں۔ اگر (نام نہاد) حدیث کی بھی تعلیم دی گئی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کو یہاں اس کا ذکر کرنے سے کوئی مانع نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے اس کھلے اعلان کے باوجود ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی کی گئیں۔ معاذ اللہ۔

اور دیکھئے ہمارے موصوف اس آیت کی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (اَلرَّحْمٰنُ) رحمٰن (ہی ہے جس نے (عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ) قرآن کی تعلیم دی (خَلَقَ الْاِنْسَانَ) انسان کو پیدا کیا (عَلَّمَهُ الْبَيَانَ) (اور) اس کو بولنا سکھایا قرآن مجید کی تعلیم اگرچہ جبریل علیہ السلام اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ دی گئی لیکن کیونکہ فاعل حقیقی اللہ ہے اور کیونکہ اسی نے قرآن مجید سکھانے کا اہتمام فرمایا لہٰذا اس نے قرآن مجید کی تعلیم کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔

انسان کو بولنا اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی اور اس کی بہت بری نعمت ہے"۔(ص ۳۷۴، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ موصوف نے صاف صاف معنی والی آیت کی کیا تفسیر کر ڈالی کہ مخاطب اول کو قرآن کریم سکھانے کی بات ہی نہیں کر رہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تعلیم دی۔ خیال رہے کہ جبریل نے تعلیم نہیں دی۔ وہ جس نے کل سجدہ کیا تھا آج اس مسجود کا استاد نہیں ہو سکتا (اور نہ ہی امام ہو سکتا ہے کہ نماز پڑھنا سکھائے) جبریل تو صرف رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر قرآن کریم نازل کرنے کا ذریعہ تھا یعنی وہ وائر لیس تھا یا وہ فریکوئنسی (Frequency) تھی جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قلب پر نزول وحی ہوتا تھا (۲/۹۷) اور پھر وہ وحی آپ کی زبان مبارک سے ادا ہوتی تھی اسی لئے اسے قولِ رسول کہا گیا (۴۰/۶۹، ۱۹/۸۱) پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صحابہ کبارؓ کو قرآن کی تعلیم دی۔ (اور اس بارے میں کہیں کسی محدث نے نہیں لکھا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صحابہؓ کو کس طرح تعلیم قرآن دی ؟ کیا وہ پہلے الف، با، تا پڑھاتے تھے یا ایک دم سے پارہ عَمَّ پڑھانا

شروع کر دیتے تھے۔ پھر ہر آیت کے معنیٰ سمجھاتے تھے، پھر تفسیر بتاتے تھے اور نام نہاد حدیثیں لکھواتے تھے وغیرہ وغیرہ) اور اسی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور یہی بات موصوف نے بھی اپنی تفسیر میں مانی ہے مگر جب سورہ بقرہ میں آیت نمبر ۲۳۹ میں عَلَّمَكُم کہا گیا تو موصوف نے نماز کے طریقے کے لئے قرآن کے علاوہ وحی نازل ہونے کا عقیدہ گھڑ لیا ...................... آخر یہ دوہرا معیار کیوں؟

یہ تو قرآنی اسلوبِ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت سے اعمال کو اپنی طرف منسوب کرتے ہیں۔

موصوف کے دوہرے معیار کا ایک اور نمونہ ان کی اسی آیت کی مندرجہ بالا تفسیر ہی میں نوٹ کیجئے کہ لکھتے ہیں کہ انسان کو بولنا اللہ تعالیٰ نے سکھایا (عَلَّمَهُ الْبَيَانَ) لیکن جب اسی لفظ بَیَان ، تبیّن کا ترجمہ سورہ النحل (آیت ۴۴) میں کرتے ہیں تو کہتے ہیں کھول کھول کر بیان کر دیں یا تشریح و توضیح کر دیں۔ کیا دونوں ہم معنی الفاظ ہیں؟ تو یہاں اس آیت میں بیان کے معنی کیوں نہیں لیتے؟ کیا یہ کھلی دورُخی نہیں کہ جہاں جو چاہا اپنے عقیدے کے مطابق ترجمہ یا تفسیر کر ڈالی؟

**الغرض ثابت یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو صرف قرآن تعلیم کیا (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اس لئے صرف قرآن کریم ہی وحیِ الٰہی ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔**

**280۔** آگے سورہ الواقعہ میں آیات ۷۷۔۸۲ میں قرآن ہی کو "کریم" اور پھر "اَلْحَدِيث" کہا گیا ہے اور اسی کو "نازل شدہ" بتایا گیا ہے اور کفار و مشرکین اسی کو جھٹلاتے تھے۔ اور اسی قرآن کریم کو "محفوظ اور مستحکم" بتایا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں:

" اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: بے شک قرآن بہت باعزت کتاب ہے (۷۷) پوشیدہ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں (مکتوب ہے) (۷۸) اس کو صرف پاک لوگ ہاتھ لگاتے ہیں (۷۹) یہ رب العالمین کی طرف سے اُتارا گیا ہے (۸۰) تو کیا تم (ایسے) کلام سے غفلت برت رہے ہو (۸۱) اور اس کے جھٹلانے کو تم نے اپنا رزق بنا رکھا ہے (۸۲)"

(ص ۴۲۸، جزء۔۹)

غور کیجئے ان آیات کریمات میں کیا کیا اہم حقیقتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ پہلی آیت (۷۷) نے تو مسئلہ ہی صاف کر دیا کہ صرف قرآن ہی "کریم ہے یعنی بہت باعزت کتاب ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ باعزت کتابیں نہیں ہیں (وہ ظنّیات، گھڑی گھڑائی اور فحش روایات کے ذخیرے ہیں) اس آیت میں لفظ "اِنَّ" اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ تحقیق، یقیناً صرف یہی کتاب، (اور کوئی کتاب نہیں) بہت باعزت ہے۔ اگر صحیح بخاری وغیرہ بھی باعزت کتابیں ہوتیں تو یا تو اُن کا ذکر بھی یہاں ہوتا یا پھر آیت کے الفاظ "اِنَّ" سے شروع نہ ہوتے۔

(۲)۔ دوسری آیت (۷۸) میں اسی قرآن کریم "مَّكْنُوْنٍ" یعنی مستحکم و پائیدار قرار دیا ہے (جس طرح ۵۵/۲۴ میں وَ

لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ کہہ کر دین کو ان کے لئے مستحکم و پائیدار کرنے کی وعید دی ہے) مگر ہمارے موصوف نے اسے وحی پوشیدہ کی طرح پوشیدہ کتاب بنا دیا۔ اور اگر مَكْنُونٍ کے معنی پوشیدہ بھی مان لئے جائیں تو اس کا مطلب ہوگا کہ قرآن کریم کو جلدوں میں محفوظ کر کے مستحکم و پائیدار کر دیا گیا اور اس طرح مستحکم کر دیا گیا کہ اگر بغداد کے کتب خانے جلا دو تو بخاری کی روایتوں والا نسخہ تو جل سکتا ہے مگر قرآن کریم جل کر ختم نہیں ہوگا یونکہ وہ صرف بغداد کی لائبریری میں نہیں تھا بلکہ ہر مسلم کے گھر میں تھا اور کروڑوں کے سینے میں تھا۔

ہو سکتا ہے موصوف کا مطلب شاید اس کو کسی غار میں چھپانے سے ہو کہ وہ تو پوشیدہ ہو گیا، اب جب موصوف کے رسول اور مہدی آئیں گے تو ہو باہر آئے گا۔ (نعوذ باللہ)

بہر حال وہ ایک محفوظ کتاب ہی کی شکل میں مستحکم ہے، متمکن ہے۔ اور ہر مسلمان اس کی عزت بھی کرتا ہے اور حفاظت بھی کرتا ہے۔ وہ پہلے ہی سے الواح یا دفیتوں کی جِلد میں کتاب کی حیثیت سے محفوظ ہے۔

(۳)۔ تیسری آیت (۷۹) میں کہا گیا کہ اس قرآن کریم کو تو صرف طاہر (خیالات) کے لوگ ہی چھوتے ہیں یعنی اس کی طرف التفات کرتے ہیں (لیکن جن کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اسے پوشیدہ مان کر (نام نہاد) احادیث کی طرف مُلتفِت رہتے ہیں اور ان ظنّیات ہی کو باعزت مانتے رہتے ہیں!)

(۴)۔ چوتھی آیت (۸۰) میں صاف صاف فرما دیا گیا کہ صرف اس قرآن کریم کو رب العالمین نے نازل فرمایا ہے (یعنی نام نہاد احادیث کو نہیں نازل فرمایا۔ یہ موصوف کا گھڑا ہوا عقیدۂ باطل ہے)

(۵)۔ پانچویں آیت (۸۱) میں صاف صاف فرما دیا کہ لوگ اس "اَلْحَدِیث" سے غفلت برت رہے ہیں (مگر افسوس کہ موصوف کو اس قرآنی اصطلاح سے چڑھ ہے چنانچہ وہ فوراً لفظ حدیث کا ترجمہ بات یا کلام کر کے آیت کی معنوی تحریف کر دیتے ہیں تا کہ ان کے باطل حدیثی عقیدہ پر زَد نہ پڑے۔ معاذ اللہ)۔

(۶)۔ چھٹی آیت (۸۲) میں یہ حقیقت بھی صاف صاف بتا دی کہ کفار و مشرکین اس نازل شدہ قرآن کریم کو پورے زور شور سے جھٹلاتے تھے۔ غور کیجئے کیا وہ قرآن کریم کے علاوہ بھی کسی کتاب کو جھٹلاتے تھے؟ کیا صحیح بخاری و صحیح مسلم اس وقت موجود تھیں جو ان کو جھٹلاتے؟ اگر وہ اس وقت موجود ہوتیں تو ان کو بھی جھٹلایا جاتا اور پھر ان کا ذکر بھی اسی قرآن کریم میں ہوتا۔ مگر ایسا نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر صرف "اَلْحَدِیث" یعنی قرآن کریم ہی نازل ہوا تھا اور اس وقت (نام نہاد) احادیث کا وجود نہیں تھا۔ سیدھی سی اور فطری حقیقت ہے کہ اگر (نام نہاد) احادیث بھی اس وقت بطور پوشیدہ وحی کے موجود ہوتیں تو مشرکین ان کو بھی جھٹلاتے یا پھر انہیں مان لیتے اور حقیقی وحی کو جھٹلاتے تو پھر قرآن کریم میں اس کا ذکر ہوتا (اور موصوف کو حقیقی وحی کو کسی پوشیدہ کتاب میں مکتوب بتانے کا عقیدہ نہ بنانا پڑتا) یونکہ اس وقت جب کہ قرآن کریم نازل ہو رہا تھا دشمنانِ قرآن جو بھی اعتراض کرتے تھے اس کا جواب فوراً اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آجاتا تھا۔ اس لئے اگر اس وقت (نام نہاد) احادیث کا بھی نزول ہو رہا ہوتا تو اس پر بھی اعتراض کرنا یقینی اور فطری بات تھی کہ یہ کیا بات ہے کچھ وحی تو کھلم کھلا نازل ہو رہی ہے اور کچھ چھپ چھپا کر پوشیدہ طریقہ پر! یا پھر یہ اعتراض ہوتا کہ کچھ تو کتابی شکل میں لکھائی جا رہی ہے اور کچھ صرف مخصوص لوگوں کو بتائی جا رہی ہے (عام لوگوں کو مثل قرآن نہیں بتائی جا

رہی) اور وہ سینہ بہ سینہ چلے گی! مگر چونکہ ایسا کوئی اعتراض مشرکین و منافقین نے نہیں کیا اس لئے ثابت ہو گیا کہ اس وقت پوشیدہ وحی کا وجود تو بڑی بات تصور تک نہیں تھا۔ یہ سب دشمنانِ قرآن کریم کی بعد کی شرارت اور سازش ہے جو آج تک چل رہی ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح سے قرآن کریم ہی کو جھٹلاتے ہیں، اس سے پہلو تہی کرتے ہیں، اس کے احکام کو بدلنے کی کوشش کرتے ہیں یا اس میں کمی بیشی کرتے ہیں اور بخاری و مسلم کی بات کو مانتے ہیں خواہ اس کے لئے قرآن کریم کے احکامات و آیات کو منسوخ ہی کیوں نہ قرار دینا پڑے یا اس کی معنوی تحریف کرنا پڑے یا اسے بکری کو کھلانا پڑے یا غار میں یا کسی اور کتاب میں لکھا ہوا بتانا پڑے! معاذ اللہ۔

غور کیجئے کہ جب موسیٰ سلامٌ علیہ کو کتاب دی جاتی ہے تو وہ لوح ہی پر لکھی جاتی ہے (لوح کی جمع الواح۔ ۱۴۵ /۷) اور موسیٰ سلامٌ علیہ اسے اُٹھا کر لاتے ہیں مگر صدیوں بعد جب محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کتاب دی جاتی ہے تو وہ پتھروں، پتوں، ہڈیوں اور درخت کی چھال پر لکھی جاتی ہے! مگر اصل میں وہ پوشیدہ کتاب لوحِ محفوظ میں ساتویں آسمان پر لکھی جاتی ہے! کہئے کیا یہ عقل کی یا فطری بات ہے؟ یا یہ دشمنانِ قرآن کریم کا بنایا ہوا عقیدہ ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر فطری اور بے عقلی کی بات ہے اور دشمنانِ قرآن کریم نے پھیلائی ہے جبکہ اصل بات یہ ہے کہ **"لوحِ محفوظ"** قرآن کریم کی جلد یا مُصحف ہی کو کہا گیا ہے کہ وہ ہر طرح سے محفوظ ہے۔ اور ساتویں آسمان پر الواح میں لکھے ہونے کا عقیدہ بالکل جاہلانہ ہے۔ آج انسان نے تو کمپیوٹر کی ڈِسک پر پورا قرآن کریم محفوظ طریقہ پر اُتارا ہوا ہے مگر اللہ میاں کے پاس ہزاروں لاکھوں سال پرانی تختیاں ہی ہیں جن پر قرآن لکھا ہوا ہے! معاذ اللہ۔

بات دراصل یہ ہے کہ ہماری لغات بھی سینکڑوں بلکہ تقریباً ہزار برس پہلے لکھی گی تھیں اس لئے اس وقت لوح کے معنی تختی ہی لئے جاتے تھے • بلکہ اس وقت تو تختیاں بھی مٹی کو کچی یا پکا کر بنائی جاتی تھیں۔ بعد میں لکڑی کی تختیاں بننے لگیں) تو ہمارے ماہرین لغت اور مترجمین و مفسرین وغیرہ اس سے آگے سوچ ہی نہ سکے کہ لوح کے معنی اس لکڑی کی تختی کے علاوہ بھی کچھ ہو سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اب لغات کو دوہرایا جائے اور پرانے الفاظ کو نئے اور سائنٹفک معنی دیئے جائیں۔

**281۔** آگے سورہ الحدید میں آیت نمبر ۹ میں اللہ تعالیٰ واضح آیتیں ہی نازل کرنے کا بتا رہے ہیں:

"هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝"

ترجمہ: وہی ہے جو اپنے بندے پر **واضح آیتیں نازل کر رہا ہے** تا کہ تم کو (گمراہی) کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے اور (اے لوگو) بے شک اللہ تم پر بہت شفقت کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے (۹)" (۴۴۳، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا اعلان، اتنے کھلم کھلا، فرما رہے ہیں کہ وہ اپنے بندے پر یعنی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر آیاتِ بینات یعنی **واضح آیتیں نازل فرما رہے ہیں** تا کہ تم کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرما رہے کہ وہ (نام نہاد) احادیث بھی نازل فرما رہے ہیں!

قارئین اس صاف صاف اعلان کے بعد آپ کو اور کیا چاہئے؟ اگر آیات واضح ہیں تو پھر انہیں کسی اور وضاحت، شرح، تشریح و توضیح یا تفسیر کی ضرورت ہی نہیں رہتی اس لئے جو کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات واضح نہیں، ان کے ایمان کا فیصلہ آپ خود کر لیجئے۔ نیز جو کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ (نام نہاد) احادیث بھی نازل ہوئی تھیں تو پھر وہ اس طرح کی آیت کریمہ پیش کرے ورنہ اپنے باطل عقیدہ سے شرمسار ہو کر توبہ کرے۔

اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں ہمارے موصوف خود "واضح آیتیں" لکھ گئے اور تفسیر میں کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے کہ نعوذ باللہ آیات واضح نہیں اور انہیں (نام نہاد) حدیث کی ضرورت ہے۔ کیا اتنا شرمسار ہونے کے لئے کافی نہیں!

**282۔** آگے اسی سورہ الحدید کی آیت نمبر ۱۷ میں اللہ تعالیٰ نے پھر اسی بات کو دوہرایا ہے کہ انہوں نے اپنی آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے تا کہ تم بآسانی سمجھ سکو:

"............... قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷﴾

ترجمہ:.................. (اے ایمان والو!) ہم نے اپنی **آیات کو واضح طور پر** بیان کر دیا ہے تا کہ تم (بآسانی) سمجھ جاؤ (۱۷) " (ص ۴۵۵، جزء۔۹)

غور کیجئے، کیا ایمان والوں کے لئے یہ آیت کافی نہیں کہ اللہ کی کتٰب کی آیات واضح طور پر بیان کر دی گئی ہیں تا کہ وہ ان آیات کو بآسانی سمجھ جائیں اور کسی قسم کی (نام نہاد) احادیث و تفاسیر کی ضرورت نہ پڑے؟ اگر نہیں تو پھر وہ اپنے اپنے ایمان کی خیر منائیں!

ہمارے موصوف اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے جس سے یہ ثابت ہو کہ نعوذ باللہ آیات واضح نہیں بلکہ ان کو سمجھنے کے لئے (نام نہاد) احادیث اور موصوف کی تفسیر کا انتظار کرنا پڑے گا۔

پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف آیات نازل فرمائیں روایات نہیں۔

**283۔** آگے اسی سورہ الحدید میں آیت نمبر ۲۵ میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اعلان فرما دیا کہ انہون نے ہر رسول صاحبِ کتاب بھیجا تھا تا کہ وہ نظام عدل قائم کرے:

" لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ﴿۲۵﴾.......

ترجمہ: اور (اے لوگو) ہم نے اپنے (تمام) رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا تھا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب اور[1] میزان (عدل) کو نازل کیا تھا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں ...................... (۲۵) " (ص ۴۸۳، جزء۔۹)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف اعلان فرما دیا کہ:

---

[1] خیال رہے کہ یہ "و" تفسیری ہیں اور اس کے معنیٰ "یعنی" ہوں گے۔ یونکہ اللہ تعالیٰ خود وضاحت ساتھ ساتھ کرتے جاتے ہیں۔ مگر چونکہ موصوف کا عقیدہ ہے کہ تفسیر علیحدہ سے ہے، اس لئے وہ غلط ترجمہ کرتے ہیں۔

(۱)۔ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجتے رہے۔
(۲)۔ یعنی وہ رسول کے ساتھ اپنی کتاب بھی بھیجتے رہے، (نام نہاد) احادیث نہیں۔
(۳)۔ یعنی وہ کتب "المیزان" ہوتی تھی تا کہ نظام عدل قائم کیا جائے۔

قارئین، کیا ایسی کوئی آیت (نام نہاد) حدیث کے بارے میں بھی ہے کہ رسولوں کے ساتھ کتُب کے علاوہ پوشیدہ وحی بھی نازل ہوتی رہی یا صحیح بخاری و صحیح مسلم بھی نازل ہوتی رہی تا کہ کتُب کی تشریح ہو جائے؟ نعوذ باللہ۔

کیا آپ کے ایمان کو صرف قرآن کریم پر مستحکم کرنے کے لئے یہ آیت کافی نہیں؟

یقیناً ہے۔ پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم کے علاوہ (نام نہاد) احادیث نازل سدہ نہیں ہیں اور نہ ہی وہ آیات بیّنات کی تشریح و توضیح ہیں۔ بلکہ آیات بینات تو کہتے ہی واضح آیات کو ہیں۔ اس لئے انہیں کسی اور تشریح و توضیح و تفسیر کی ضرورت نہیں ہے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی ہمارے موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے جس سے ان کا باطل عقیدہ ثابت ہوتا ہو!

**284۔** آگے سورہ الحشر کی آیت نمبر ۲۱ میں بھی اسی قرآن کریم ہی کے نازل کئے جانے کا ذکر ہے:

" لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱﴾

ترجمہ: (اے رسول) اگر **اس قرآن** کو ہم کسی پہاڑ پر اُتارتے تو آپ دیکھتے کہ وہ اللہ کے ڈر سے جھک جاتا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے، یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کر رہے یں کہ وہ غور و فکر کریں (۲۱)" (ص ۵۸۱، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی اسی قرآن کریم ہی کو نازل کئے جانے کا ذکر کیا جا رہا ہے (نام نہاد) احادیث کے نزول کا ذکر نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ نازل صرف قرآن کریم ہی ہوا (نام نہاد) احادیث نہیں۔ خود موصوف بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ایسی کوئی (نام نہاد) حدیث پیش نہیں کر سکے جس میں بتایا گیا ہو کہ قرآن کے علاوہ بھی رسول سلامٌ علیہ پر کوئی اور کتاب نازل کی گئی اور اگر وہ پہاڑ پر نازل کی جاتی تو پہاڑ جھک جاتا اور اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو اس آیت کریمہ ہی میں یہ کہہ کر اور واضح کر دیا ہے کہ "یہ مثالیں ہم اس لئے بیان کرتے ہیں تا کہ لوگ غور و فکر کریں" (کہ وہ کس قسم کے باطل اور جہالت آمیز عقیدے بنا لیتے ہیں اور سوچتے سمجھتے تک نہیں) کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تو اس آیت مبارکہ کے مطابق یہی قرآن کریم ہے (هٰذَا الْقُرْاٰنَ) جسے انہوں نے نازل کیا ہے، کس پر، اپنے رسول سلامٌ علیہ پر۔ اور کوئی اس کا نزول برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا، حتیٰ کہ پہاڑ جیسی سخت چیز بھی پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی۔

قارئین غور کیجئے کہ ایسی کتاب کا انسانوں کی بنائی ہوئی کتابوں سے کیا جوڑ ہو سکتا ہے جنہیں ہر اَتّھو نَتّھو خیرا گھڑ لیتا ہے!

**285۔** آگے سورہ صف کی آیت نمبر ۹ میں رسول کو الھُدٰی کے ساتھ بھیجنے کا ذکر ہے:

" هُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡهِرَهٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّهٖ وَ لَوۡ کَرِهَ الۡمُشۡرِکُوۡنَ ۝۹

ترجمہ: وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور[1] دینِ حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے تمام دینوں پر غالب کرے خواہ مشرکین کو بُرا ہی کیوں نہ لگے (۹) " ص ۶۴۱، جزء۔۹)

غور کیجئے کتنے واضح طور پر، اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمادیا کہ انہوں نے اپنے رسول کو اَلْھُدٰی یعنی دینِ حق کے ساتھ بھیجا۔ پیچھے ابھی سورہ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ (ص ۳۱۳) میں آپ دیکھ چکے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول " الکتٰب " کے ساتھ بھیجا پس ثابت ہوا کہ الھُدٰی بھی الکتٰب ہی کو کہا گیا ہے اور وہی دینِ حق ہے۔ اور اسی الکتٰب ہی سے مشرکین کو چڑھ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ کوئی اور کتاب لے آؤ اور اسے بدل دو۔

پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو صرف الکتٰب یعنی قرآن کریم ہی دیئے گئے تھے (نام نہاد) احادیث، (جو کہ بدل دی جاتی رہیں جیسی چیز) نہیں دیئے گئے تھے۔

**286۔** آگے سورہ الجمعہ کی آیت نمبر ۲ میں صاف صاف بتایا جارہا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کریم کی ہی آیات پڑھ پڑھ کر سنا کر مومنین کا تزکیہ کرتے تھے (نام نہاد) احادیث پڑھ پڑھ کر نہیں سناتے تھے:

" هُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَةَ ٭ وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ۝۲

ترجمہ: وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے (۲) " (ص ۶۵۶، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کتنے واضح الفاظ میں یہ حقیقت بتارہے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ، اللہ تعالیٰ کی آیات ہی پڑھ پڑھ کر سنا کر لوگوں کا تزکیہ کرتے تھے (نام نہاد) احادیث وروایات سنا کر نہیں۔ اور کتابِ الٰہی یعنی حکمت ہی کی تعلیم دیتے تھے بخاری کی کتاب یا مسلم کی کتاب کی تعلیم نہیں دیتے تھے! نہ ہی کسی فقہ کی کتاب کی تعلیم دیتے تھے۔

کیا اس سے بھی زیادہ واضح آیت کوئی ہو سکتی ہے؟ جس سے (نام نہاد) احادیث اور تفاسیر کا عدم وجود ثابت ہوتا ہو؟

مگر افسوس کہ ہمارے موصوف اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

تفسیر: " قرآن مجید کی تعلیم دینے کے منصب سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے **اور جو ترجمہ اور تفسیر آپ نے فرمائی ہے وہی صحیح ہے** " (ص ۶۵۸، جزء۔۹)

یہ الفاظ پڑھ کر فوراً فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ لاؤ کہاں ہے رسول سلامٌ علیہ کا ترجمہ اور تفسیر؟

تو موصوف اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے ہیں!

---

[1] آیت کریمہ میں 'و' تفسیری ہے مگر موصوف حسبِ عادت اور اپنے عقیدہ کے ہاتھوں مجبور ہو کر غلط ترجمہ ہی کرتے ہیں۔

اور بھی جو اہل حدیث و اہل فقہ یہ مانتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر فرمائی ہے تو ان سے ہمارا یہی سوال ہے کہ لاؤ وہ کہاں ہے ؟ کیا وہ طبری، ابن کثیر، رازی یا مسعود احمد صاحب کے ترجمہ اور تفسیر کو رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ترجمہ اور تفسیر مانتے ہیں؟ نعوذ باللہ۔

ظاہر ہے کہ ان لوگوں کی لکھی ہوئی، اپنے اپنے عقائد کے مطابق، تفسیریں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بتائی ہوئی ترجمہ و تفسیر نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اور ترجمہ و تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب ہے، بلکہ ان کی طرف جو تفسیری روایات بھی منسوب ہیں ان کے متعلق خود موصوف امام احمد بن حنبل کا فیصلہ نقل کرتے ہیں کہ:

"تین قسم کی کتابیں یکسر بے بنیاد ہیں۔ یعنی مغازی، تفسیر اور شورشوں کی کتابیں" [1]

غور کیجئے کہ امام احمد بن حنبل (۱۶۴ھ تا ۲۴۱ھ) جو کہ امام بخاری کے بھی استاد ہیں، تیسری صدی ہجری ہی میں یہ فیصلہ کر گئے تو پھر کس بنا پر یہ کہا جارہا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مجید کا ترجمہ اور تفسیر فرمائی؟ جب اس وقت تفسیرِ رسول سلامٌ علیہ موجود نہیں تھی تو آج کہاں ملے گی؟ ہاں البتہ تفسیرِ رسول خود قرآنِ مبین میں موجود ہے، ہے کوئی اس کو "نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ" میں غور و فکر کر کے سمجھنے والا؟

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں موصوف خود اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔

**287۔** آگے سورہ التغابن کی آیت نمبر ۸ میں نور یعنی قرآن کریم ہی نازل کرنے کا اعلان ہے، (نام نہاد) احادیث نہیں:

" فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ۝۸

ترجمہ: تو (اے کافرو، اب بھی وقت ہے) اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس **نور** پر جو ہم نے **نازل** کیا ہے ایمان لے آؤ اور (اگر ایمان نہیں لاؤ گے تو) اللہ (تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے وہ) جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے (اچھی طرح) باخبر ہے (۸)" (ص ۱۴۷، جزء ۹)

غور کیجئے کہ کن کن پر ایمان لانے کو کہا جارہا ہے (کیا ان میں نام نہاد احادیث بھی شامل ہیں؟) اور کیا نازل فرمایا گیا ہے؟

ظاہر ہے کہ نور جو نازل فرمایا گیا ہے وہ قرآن مجید ہی ہے، اور پیچھے آیات میں یہ حقیقت گزر چکی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ اور رسول سلامٌ علیہ کے ساتھ تیسری چیز نورِ حق یعنی قرآن کریم پر ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے، (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا تذکرہ تک نہیں۔ ظاہر ہے جس چیز کا وجود ہی نہ ہو اس پر ایمان کا کیا سوال!

**288۔** آگے سورہ الطلاق کی آیات ۱۰۔۱۱ میں "ذکر" یعنی قرآن مجید نازل کرنے اور اسی کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائے جانے کی بات ہو رہی ہے:

"...................... فَاتَّقُوا اللّٰهَ یٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۖ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْكُمْ ذِكْرًا ۝۱۰ۙ رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْكُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مُبَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ؕ وَ مَنْ یُّؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ وَ یَعْمَلْ صَالِحًا یُّدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ قَدْ اَحْسَنَ اللّٰهُ لَهٗ رِزْقًا ۝۱۱

[1] "تاریخ الاسلام والمسلمین" از مسعود احمد صاحب، مقدمہ، ص ۷)

ترجمہ: لہٰذا اے عقل والو، (یعنی اے وہ لوگو) جو ایمان لے آئے ہو اللہ سے ڈرتے رہو اللہ نے تمہاری طرف ذکر نازل کر دیا ہے (۱۰) (اور) ایک رسول کو (بھیج دیا ہے) جو تم کو اللہ کی واضح آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے تا کہ وہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کر رہے ہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔ اور جو شخص اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کرے تو اللہ اس کو ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، (ایسے لوگ) ان میں ہمیشہ رہیں گے، جنتی کے لئے اللہ نے بہت اچھا رزق تیار کر رکھا ہے (۱۱)" (ص ۷۶۴، جزء۔ ۹)

غور کیجئے کہ ان آیات کریمات میں کیا کیا حقیقتیں بتائی گئی ہیں:

(۱)۔ عقل والے ہی ایمان لائے ہیں (مگر ہمارے موصوف اور ان کے متبعین عقل سے ایمان لانے کو ایمان بالعقل کہتے ہیں۔ گویا کہ اس معاملہ میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے اصول کے خلاف ہی جاتے ہیں۔ معاذ اللہ)

(۲)۔ اللہ تعالیٰ نے (اپنے احکام و نصائح پر مبنی کتاب) "ذکر" یعنی قرآن کریم نازل کر دیا ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔ اس (کے احکام) کی خلاف ورزی سے بچتے رہنے کی تاکید کی ہے۔

(۳)۔ اور ایک رسول کو بھیجنے کی خبر دی ہے جو اللہ تعالیٰ کی واضح آیات پڑھ پڑھ کر سناتا ہے (نام نہاد) احادیث نہیں سناتا۔

(۴)۔ رسول، آیات الٰہی اس لئے سناتا ہے تا کہ جو اہل عقل ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

(۵)۔ اور جو اللہ پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا وہ ہمیشہ جنت میں رہے گا۔

قارئین دیکھئے، یہاں پھر یہ واضح کر دیا گیا کہ نازل صرف قرآن کریم ہی ہوا ہے (نام نہاد) احادیث نہیں، اور رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف اللہ تعالیٰ کی آیات ہی سناتے تھے جو بالکل واضح المطالب ہیں۔ وہ (نام نہاد) احادیث نہیں سناتے تھے جو ظنّیات کا ذخیرہ ہیں اور جن کی مشکلات آج تک حل کی جا رہی ہیں اور ان کی شرحیں لکھی جا رہی ہیں!۔

**289۔** آگے سورہ نٓ یا قلم کی آیت نمبر ۱۵ میں ایک ایسے شخص کو قرآنی آیات سنائے جانے کی بات ہو رہی ہے جو بہت قسمیں کھانے والا اور ذلیل آدمی تھا:۔

"اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۵﴾

ترجمہ: جب ہماری آیتیں اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ اگلوں کے قصے کہانیاں ہیں (۱۵) (ص ۸۶۳، جزء ۹)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے تبلیغ اسلام کے مشن میں ہر طرح کے لوگوں کو، حتیٰ کہ ذلیل[۱] لوگوں کو بھی قرآن کریم ہی کی آیات سنا کر تبلیغ دین کرتے تھے ترغیب و تربیت کے لئے بھی (نام نہاد) احادیث (جن کا اس زمانہ میں وجود تک نہ تھا) نہیں سناتے تھے۔ مگر افسوس کہ آج تبلیغ دین کے سب سے بڑے داعی، تبلیغی جماعت والے قرآن

---

[۱] "ذلیل لوگوں" کے الفاظ برے نہیں بلکہ اسی سورۃ نٓ یا قلم کی آیت نمبر ۱۰ میں اللہ تعالیٰ ہی نے استعمال فرمائے ہیں دیکھئے: وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ﴿۱۰﴾ اور (اے رسول) آپ بہت قسمیں کھانے والے اور ذلیل شخص کا کہنا نہ مانیں (۱۰)۔ جزء ۹، ص ۸۶۳، یہاں دو حقیقتیں معلوم ہوئیں ۱)۔ بہت قسمیں کھانے والا شخص ذلیل ہوتا ہے' (۲)۔ تُطِعْ یعنی اطاعت کے معنیٰ "کہنا ماننا" ہوتے ہیں۔

کریم کو ہاتھ تک میں نہیں لیتے بلکہ اپنے ملاؤں کی کتابیں سینے سے لگائے پھرتے ہیں اور ہر وقت انہیں ہی پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں! یہ ہے قرآنِ کریم دشمنی کا حال!

اس آیت کی تفسیر میں بھی ہمارے موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔

**290۔** آگے اسی سورہ قلم / نٓ ہی کی آیت نمبر ۴۴ میں پھر ایک بار اسی قرآن کریم کو "**اَلْحَدِیْث**" کہا گیا ہے اور اس کے جھٹلانے والوں کو عذاب کی وعید دی گئی ہے:

" فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّكَذِّبُ بِهٰذَا الْحَدِیْثِ ؕ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ ۙ﴿۴۴﴾

ترجمہ: (اے رسول) مجھے اور جو لوگ اس کلام کو جھٹلا رہے ہیں انہیں چھوڑ دیجئے ہم ان کو بتدریج اس طرح (عذاب کے) قریب کر دیں گے کہ انہیں خبر بھی نہیں ہو گی (۴۴)" (ص ۸۸۵، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ موصوف نے حسبِ عادت "**اَلْحَدِیْث**" کا ترجمہ کلام کر دیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تو "**الحدیث**" کہیں مگر موصوف اس کو ضرور بدلیں۔

بہر حال اس آیت کریمہ میں بھی "**اَلْحَدِیْث**" یعنی قرآن کریم ہی کے جھٹلانے والوں کے لئے ڈراوا ہے (نام نہاد) حدیث کے جھٹلانے والوں کے لئے نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) حدیث کوئی چیز نہیں، اصل چیز "**الحدیث**" ہی ہے اور وہ قرآنِ کریم ہی کو کہا گیا ہے کسی اور چیز کو نہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث اس آیت کریمہ کو جھٹلاتی ہوئی نہ پیش کر سکے!

**291۔** آگے اسی سورہ قلم / نٓ ہی کی آیت نمبر ۵۱۔۵۲ میں اسی قرآن کریم کو نصیحت کی بات کہا ہے اور اسی کو تمام عالم کے لئے بہترین نصیحت بتایا ہے۔

" وَاِنْ یَّكَادُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ وَیَقُوْلُوْنَ اِنَّهٗ لَمَجْنُوْنٌ ﴿۵۱﴾ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) جب کافر نصیحت کی (بات یعنی **قرآن مجید**) سنتے ہیں تو اپنی آنکھوں سے آپ کو گھور گھور کر دیکھتے ہیں (ایسا معلوم ہوتا ہے) یہ آپ کو (راہِ حق سے) پھسلا دیں گے اور (پھر) کہیں گے (ہم نہ کہتے تھے کہ) یہ دیوانے ہیں (لیکن اے رسول نہ آپ دیوانے ہیں اور نہ آپ کی بات دیوانگی کا نتیجہ ہے) (۵۱) بلکہ وہ تمام عالم کے لئے (بہترین) نصیحت ہے ۵۲) (ص ۸۸۶، جزء۔۹)

غور کیجئے کہ موصوف نے خود ترجمہ میں نصیحت کو قرآن مجید مان لیا۔ تو جب قرآن مجید ہی نصیحت ہے تو (نام نہاد) حدیث تو کچھ بھی نہ ہوئی۔

اور اگلی آیت کریمہ میں اسی قرآن مجید کو تمام عالمین کے لئے نصیحت بتایا گیا ہے تو پھر (نام نہاد) حدیث تو کوئی شیئے نہیں۔

موصوف خود آیات کریمات کی تفسیر میں کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے !

**292۔** آگے سورہ الحاقہ کی آیات کریمات نمبر ۳۸ تا ۵۱ صرف قرآن کریم ہی کا ذکر ہے اور وہ بھی قسم کھا کر:

"فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾ وَ اِنَّهٗ لَحَقُّ الْيَقِيْنِ ﴿۵۱﴾

ترجمہ: تو (اے لوگو) میں ان (تمام) چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تم کو نظر آتی ہیں (۳۸) اور جو تم کو نظر نہیں آتیں (۳۹) یہ (قرآن) عزت والے رسول کا کلام ہے (۴۰) یہ کسی شاعر کا کلام نہیں ہے، (مگر) تم لوگ کم ہی یقین کرتے ہو (۴۱) اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے لیکن تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو (۴۲) (اور یہ کلام رسول کا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ یہ کلام) رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے (۴۳) اور اگر یہ رسول کوئی بات (بنا کر) ہماری طرف منسوب کر دے (۴۴) تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے (۴۵) اور ان کی دل کی رگ کاٹ ڈالتے (۴۶) تو پھر تم میں سے کوئی بھی (ہم کو) اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا (۴۷) بے شک یہ (کتاب) متقین کے لئے نصیحت ہے (۴۸) اور ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلاتے ہیں (۴۹) لیکن یہ (کتاب ایک دن) کافروں کے لئے (باعث) حسرت ہو گی (۵۰) اور اس میں کچھ شک نہیں کہ یہ (کتاب) یقیناً حق ہے (۵۱)" (ص ۲۹، جزء۔۱۰)

غور کیجئے کہ ان (۱۴) چودہ آیات کریمات میں مسلسل قرآن مجید ہی کی بات ہو رہی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ اس کے علاوہ جو اہم باتیں قسم کھا کر بتائی جا رہی ہیں وہ یہ ہیں:

(۱)۔ یہ قرآن عزت والے رسول کا کلام ہے۔ افسوس کہ موصوف نے یہاں قول کا ترجمہ کلام کر دیا جبکہ وہ الحدیث کا ترجمہ بھی کلام کر دیتے ہیں۔ بہر حال اگر ہم قول کا ترجمہ نہ کریں تو حقیقت یہ ہو گی کہ

"یہ قرآن رسولِ کریم کا قول ہے" یا "یہ قرآن قولِ رسول ہے"

....................اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسولِ کریم کس کو کہا گیا ہے۔ تو ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ اسی کو کہا جا رہا ہے جس کی زبان اقدس سے ادا ہو رہا ہے۔ جو کہ رؤف رحیم ہے، رحمت للعالمین ہے۔ جس کے قلب اطہر پر اس کا نزول ہو رہا ہے۔ یہ کوئی فرشتہ یا جبریل نہیں جیسا کہ موصوف نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے۔ فرشتہ رسولِ کریم کیسے ہو گیا رسولِ کریم تو سورہ الدخان میں پیغمبر (حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ) ہی کو کہا گیا ہے (۴۴/۱۷) پس ثابت ہوا کہ قرآن کریم، رسول کریم، محمد سلامٌ علیہ کا قول ہے اس لئے وہ ہی اصل الحدیث ہے اور (نام نہاد) حدیث جھوٹ کا ذخیرہ۔

(۲)۔ یہ قرآن کریم کسی شاعر یا کاھن کا قول نہیں بلکہ رب العالمین کا نازل کردہ ہے۔

غور کیجئے یہاں اس کو رب العالمین کا قول نہیں کہا گیا بلکہ اُن کا نازل کردہ بتایا ہے۔

(۳)۔ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنی طرف سے کوئی بات بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیتے (مثلاً جیسے ظالموں نے

حدیثِ قدسی بنائی ہیں۔ اور موصوف کے نزدیک تو ہر نام نہاد حدیث ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے) تو اللہ تعالیٰ ان کا داہنا ہاتھ پکڑ کر دل کی رگ کاٹ ڈالتے۔

........ غور کیجئے کہ (نام نہاد) حدیثیں بنانے پر کتنی سخت وعید رسول اللہ سلامٌ علیہ کو دی جارہی ہے۔ مگر اس کے باوجود ظالمین (نام نہاد) حدیثیں ان کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں کہ یہ وحی کی گئیں۔ معاذ اللہ

........ یہاں لفظ تَقَوَّلَ قابل غور ہے۔ اس نے مہر تصدیق ثابت کر دی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس قرآن یعنی دین کے بارے میں اپنی طرف سے کچھ نہیں کہا سوائے آیات کریمات کے اور نہ ہی اپنی طرف سے کوئی لفظ اس میں گھٹایا، یا بڑھایا۔

(۴)۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی سے بچ کر متقی بننا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ کتاب، قرآن مجید، نصیحت ہے۔ (نام نہاد) حدیث نہیں۔

(۵)۔ اور بعض لوگ اسی قرآن مجید کو جھٹلاتے ہیں، (نام نہاد) حدیث کو نہیں۔

(۶)۔ اور یہی کتاب حق ہے (نام نہاد) حدیث کی کتاب نہیں۔

ان آیات کریمات کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔

**293۔** آگے سورہ الجن کی آیات نمبر ۱۔۲ میں جنّوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے بھی قرآن سنا اور ایمان لے آئے۔ (نام نہاد) حدیث نہیں سُنی۔

"قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے میری طرف وحی آئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے (**اس قرآن کو**) **سنا** تو کہنے لگے ہم نے **قرآن سنا** (جو بڑا ہی) عجیب (ہے) (۱) وہ رُشد و ہدایت کا راستہ بتاتا ہے، ہم اس پر ایمان لائے اور (اب) ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کریں گے (۲) " (ص ۸۷، جزء۔ ۱۰)

(۱)۔ قارئین غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو جو اطلاع بذریعہ وحی دی جارہی ہے کہ جنّوں نے قرآن کریم سُنا اور ایمان لے آئے وہ اسی قرآن کریم میں دی جارہی ہے پوشیدہ طریقہ پر (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

(۲)۔ خاص بات یہ کہ جن بھی قرآن کریم ہی سُن کر ایمان لائے (نام نہاد) حدیث سن کر نہیں۔

(۳)۔ رُشد و ہدایت کا راستہ بھی قرآن کریم ہی بتاتا ہے (نام نہاد) حدیث نہیں۔

**294۔** آگے اسی سورہ الجن کی آیت نمبر ۱۳ میں اسی قرآن کو جسے جنوں نے سُنا تھا الھدیٰ کہا گیا ہے:

"وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ ........

ترجمہ: ہم نے ہدایت (کی بات) سُنی ہم اس پر ایمان لے آئے........ (۱۳)" (ص ۸۸، جزء ۱۰)

غور کیجئے کہ پچھلی آیت میں کہا گیا "يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ" اور اس آیت میں اسی کو "الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ" کہا گیا کہ "الْهُدٰٓى" یعنی ہدایت والی کتاب، قرآن کریم، سن کر ایمان لے آئے، (نام نہاد) حدیث و روایت سُن

کر ایمان نہیں لائے۔

غور کیجئے کہ یہ حقیقت کتنی واضح ہے کہ جنّ و انس سب صرف قرآن کریم پر ایمان لاتے ہیں (نام نہاد) احادیث و روایات پر نہیں۔ اور نہ کسی جن و انس نے یہ کہا کہ ہم نے غیر اللہ کا کلام بھی سنا اور اس پر ایمان لے آئے۔ یہ نیا عقیدہ صرف ہمارے موصوف ہی کی ذہن پرستی محنت کا شاخسانہ ہے!

موصوف خود اوپر کی دونوں آیات اور اس آیت کی تفسیر میں بھی کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے!

**295۔** آگے سورہ المزمّل کی آیت نمبر ۴ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو رات کو قیام میں قرآن کریم ہی ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا حکم ہو رہا ہے۔ (نام نہاد) حدیث نہیں:

"اَوۡ زِدۡ عَلَیۡہِ وَ رَتِّلِ الۡقُرۡاٰنَ تَرۡتِیۡلًا ؕ﴿۴﴾

ترجمہ: یا اس سے کچھ زیادہ، اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے (۴)" (ص ۱۰۹، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ قیام الیل میں بھی قرآن کریم ہی پڑھنے کی تلقین ہو رہی ہے، (نام نہاد) حدیث پڑھنے کی نہیں! جب (نام نہاد) حدیث اس وقت تھی ہی نہیں تو اس کے پڑھنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے موصوف بھی اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کوئی ایسی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے جس میں یہ کہا گیا ہو کہ آپ قرآن نہیں پڑھتے تھے بلکہ (نام نہاد) حدیث پڑھتے تھے!

**296۔** آگے اسی سورہ المزمّل کی آیت نمبر ۱۹ میں قرآن کریم ہی کو نصیحت بتایا گیا ہے:

"اِنَّ ہٰذِہٖ تَذۡکِرَۃٌ ۚ فَمَنۡ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّہٖ سَبِیۡلًا ﴿۱۹﴾

ترجمہ: (اور) یہ **(قرآن)** تو ایک نصیحت ہے، تو جو شخص چاہے (اس پر عمل کر کے اپنے رب تک (پہنچنے کا) راستہ اختیار کرے (۱۹)" (ص ۱۲۳، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ قرآن کریم ہی کو نصیحت بتایا جا رہا ہے۔ تو جو شخص چاہے قرآن کریم پر عمل کر کے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ اختیار کر لے۔ یعنی قرآن کریم ہی نصیحت ہے اور اسی پر عمل کر کے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ ملتا ہے (نام نہاد) احادیث نہ تو نصیحت ہیں اور نہ ہی اس پر عمل کر کے اپنے رب تک پہنچنے کا راستہ مل سکتا ہے۔

ہمارے موصوف اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے بلکہ تفسیر کے بعد "عمل" میں لکھتے ہیں کہ:

"اے لوگو، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نصیحت ہے۔ اس پر ایمان لائیے اور اس پر عمل کیجئے۔ یہی سیدھا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت تک پہنچاتا ہے"۔ (ص ۱۲۶، جزء۔ ۱۰)

یعنی ایمان صرف قرآن مجید پر لانا ہے (نام نہاد) حدیث پر نہیں۔ اس سے اگلی آیت نمبر ۲۰ میں تو دو دفعہ فرمایا کہ "قرآن سے جتنا آسانی سے پڑھا جا سکے پڑھ لیا کرو" مگر یہ نہیں کہا کہ تھوڑا قرآن کریم میں سے پڑھ لیا کرو اور تھوڑی سی (نام نہاد) حدیث پڑھ لیا کرو!

**297۔** آگے سورہ المدثر کی آیات ۴۹۔۵۵ میں بھی قرآن کریم ہی کا ذکر ہے:

"فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِينَ ﴿٤٩﴾ كَأَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنفِرَةٌ ﴿٥٠﴾ فَرَّتْ مِن قَسْوَرَةٍ ﴿٥١﴾ بَلْ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ أَن يُؤْتَىٰ صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ﴿٥٢﴾ كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ كَلَّا إِنَّهُ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: (ان چیزوں کے ذکر سے کافروں کو نصیحت حاصل ہو جانی چاہئے تھی مگر) انہیں کیا ہو گیا ہے کہ نصیحت سے رُوگردانی کر رہے ہیں (۴۹) گویا کہ وہ گدھے ہیں کہ بدک رہے ہیں (۵۰) (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ) شیر سے (ڈر کر) بھاگ رہے ہیں (۵۱) (وہ نہیں چاہتے کہ قرآن پر ایمان لائیں) بلکہ ان میں سے ہر ایک کی خواہش ہے کہ اُسے (براہِ راست اللہ کی طرف سے) کھلے ہوئے صحیفے ملیں (۵۲) (ایسا تو) ہر گز نہیں (ہو سکتا۔ یہ قرآن کا انکار کسی اور وجہ سے نہیں کرتے) بلکہ (ان کے انکار کی اصل وجہ یہ ہے کہ) یہ لوگ آخرت سے نہیں ڈرتے (۵۳) (ان کی خواہش) ہر گز (پوری نہیں ہو گی، انہیں اسی کتاب یعنی **قرآن مجید پر ایمان لانا ہو گا یہ** (سراسر) نصیحت (کی کتاب) ہے (۵۴) تو (اب جو شخص نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ) اسی سے نصیحت حاصل کرلے (۵۵)" (ص ۱۶۴۔ جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ ساری بات قرآن کریم ہی پر ایمان لانے کی ہو رہی ہے (نام نہاد) حدیث پر نہیں اور اسی کو نصیحت بتایا جا رہا ہے۔

نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کھلی چھٹی دیدی کہ جو شخص قرآن کریم ہی سے نصیحت حاصل کرنا چاہے وہ اسی سے نصیحت حاصل کرلے، (نام نہاد) حدیث سے نصیحت نہیں ملے گی۔

ان آیات کی تفسیر میں بھی ہمارے موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے!

**298۔** آگے سورہ ھَلْ اَتٰی / دھر / الانسان کی آیت ۲۳ میں بھی قرآن کریم ہی نازل کرنے کا فرمایا۔

"إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ تَنزِيلًا ﴿٢٣﴾

ترجمہ: (اے رسول) ہم نے قرآن کو آپ پر نازل کیا ہے (۲۳)" (ص ۲۲۱، جزء۔ ۱۰)

یہاں موصوف کے ترجمہ میں لفظ تَنزِيلًا کا ترجمہ نہیں کیا گیا! ورنہ آیت کا ترجمہ ہوتا کہ '[ہم نے قرآن کو آپ پر آہستہ آہستہ نازل کیا ہے"۔ بہر حال موصوف نے یہ مان لیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر قرآن کریم ہی نازل ہوا۔

اگر موصوف یہ مانتے ہیں کہ آپ پر (نام نہاد) حدیث بھی نازل ہوئی تو لائیں وہ اس کے مثل آیت پیش کریں ورنہ اس باطل عقیدہ سے توبہ کریں۔

اس آیت کی تفسیر میں بھی وہ کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے!

**299۔** آگے اسی سورہ ھَلْ اَتٰی / دھر / الانسان کی آیت نمبر ۲۹ میں پھر اسی قرآن کریم کو "تَذْكِرَةٌ" یعنی نصیحت فرمادیا اور اس کو اختیار کرنے نہ کرنے کا اختیار دیدیا۔

"إِنَّ هَٰذِهِ تَذْكِرَةٌ ۖ فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا ﴿٢٩﴾

ترجمہ: یہ ایک نصیحت ہے تو جس کا جی چاہے اپنے ربّ کی طرف پہنچنے کا راستہ اختیار کرے (اور جس کا جی چاہے نہ کرے)(۲۹) " (ص ۲۲۱۔ ۲۲۲، جزء۔ ۱۰)

اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں سے آگاہ کر دیا۔ ہر قسم کی نصیحت بھی کر دی۔ پھر بھی اگر کوئی شخص نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھاتا تو وہ خود اپنی تباہی کا ذمہ دار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّ اِمَّا كَفُوْرًا ﴿۳﴾ (هَلْ اَتٰى ۔ ۳)

پھر ہم نے اسے سیدھا راستہ بتا دیا (پھر اسے اختیار دیا کہ وہ) چاہے تو شکر گزار بن جائے یا ناشکرا بن جائے"۔ (ص ۲۲۵، جزء ۱۰)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ نے کتنے واضح الفاظ میں یہ حقیقتیں بتائیں کہ:

(۱)۔ یہی قرآن کریم ہی نصیحت کی کتاب ہے۔

(۲)۔ یہی قرآن کریم ہی ہدایت اور گمراہی دونوں راستوں سے آگاہ کرتا ہے یعنی دونوں میں فرق کر دیتا ہے یونکہ یہ "الفرقان" ہے۔

(۳)۔ انسان کو اختیار دیدیا کہ چاہے تو ہدایت و نصیحت کو اپنائے، چاہے تو گمراہی کو اپنائے۔ یعنی اس پر جبر نہیں۔

الغرض، یہی قرآن کریم ہی اللہ کی نصیحت کی کتاب ہے اب اگر کسی کا جی اس کو اپنانے کو نہیں چاہتا تو اس پر جبر نہیں کیا جا سکتا وہ خود اپنی تباہی کا ذمہ دار ہو گا۔ ہاں اگر کسی کے پاس اس کے مثل کوئی آیت ہے جس میں (نام نہاد) حدیث کیلئے بھی یہی کہا گیا ہو کہ وہ بھی نصیحت ہے اور انسان کو اختیار ہے چاہے تو اپنائے چاہے تو نہ اپنائے، تو لائے پیش کرے۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث پیش نہیں کر سکے۔ کہ ہدایت بغیر (نام نہاد) حدیث کے نہیں مل سکتی (نعوذ باللہ)

**300۔** آگے سورہ المرسلٰت کی آخری آیت ۵۰ میں پھر اسی قرآن کریم کو "حدیث" کہا گیا، اور اسی پر ایمان لانے کی بات ہوئی:

"فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۢ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ: تو (اے رسول) اس کے بعد یہ اور کون سی بات پر ایمان لائیں گے ؟ (۵۰)" (ص ۲۴۴، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ حسبِ عادت موصوف نے لفظ "حدیث" کا ترجمہ "بات" کر دیا ورنہ سیدھا سیدھا ترجمہ ہوتا کہ:

"تو (اے رسول) اس (حدیث) کے بعد یہ اور کونسی حدیث پر ایمان لائیں گے ؟"

یعنی اللہ علیم خبیر نے پہلے ہی یہ واضح کر دیا تھا کہ اس حدیثِ قرآن کے بعد یہ حدیثِ بخاری و حدیثِ مسلم پر ایمان لائیں گے !

غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ ایک سوال اُٹھائیں تو اس کے کیا معنی ہوتے ہیں ؟ کیا اس کے صاف صاف یہ معنی

نہیں ہوتے کہ یہ اہلحدیث و اہل فقہ، قرآن کریم سے مطمئن نہیں ہوں گے، یہ ان کے لئے کافی نہیں ہو گا، بلکہ اس کے بعد یہ غیر اللہ کی کتابوں پر بھی ایمان لائیں گے۔

آگے موصوف خود اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

تفسیر: "(فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ) تو (اے رسول) اس کے بعد یہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے (اللہ تعالیٰ کے کلام سے بہتر تو کوئی اور کلام نہیں، جب یہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سُن کر ایمان نہیں لاتے تو پھر کس کلام کو سُن کر ایمان لائیں گے۔ کیا اس سے بہتر کوئی کلام ہے۔ ہر گز نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب بہترین و بے مثال کلام کو سُن کر یہ ایمان نہیں لا رہے تو اب ان سے ایمان لانے کی توقع رکھنا فضول ہے)" (ص ۲۴۶، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ موصوف کی تفسیر سے کیا معنیٰ نکلے؟ کیا اسی قرآن کریم کو حدیث نہیں کہا گیا؟

کیا اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ قرآن کریم، جو کہ اللہ کا کلام ہے، کے علاوہ (نام نہاد) احادیث بھی کلام اللہ ہیں؟

کیا اس کے یہ معنیٰ ہوئے کہ قرآن کریم کے علاوہ (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لانا ہے؟

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے!

**301۔** آگے سورہ عَبَسَ (۸۰) کی آیات نمبر ۱۱۔۱۶ میں پھر قرآن کریم ہی کو نصیحت بتایا ہے اور اسے اوراق میں لکھا ہوا بتایا گیا ہے:

" كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍۭ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۭ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: .................. یہ (قرآن) تو ایک نصیحت ہے (۱۱) تو جو چاہے اسے یاد کرے (اور اس سے فائدہ اُٹھائے۔ فائدہ اُٹھانے کے لئے کسی کی کوئی شرط نہیں مانی جائے گی) (۱۲) یہ (قرآن) بڑے عزت والے اوراق میں لکھا ہوا ہے (۱۳) ان اوراق کو بلندی دی گئی ہے اور وہ (نہایت) پاکیزہ ہیں (۱۴) وہ (ایسے) لکھنے والوں کے ہاتھ میں (رہتے ہیں) (۱۵) جو (بڑے) باعزت اور بہت) نیک ہیں (۱۶)" (ص ۲۹۴، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ ان آیات کریمات نے کیا کیا اہم مسائل کھول کھول کر بیان کر دیئے:

(۱)۔ قرآن کریم ہی "تَذْكِرَةٌ" یعنی نصیحت ہے (نام نہاد) حدیث نہیں۔

(۲)۔ کسی پر جبر نہیں، جو چاہے اس قرآن کریم سے فائدہ اُٹھائے۔ فائدہ اُٹھانے کے لئے اس کی کوئی شرط، مثلاً (نام نہاد) حدیث پر بھی ایمان لاؤ، نہیں مانی جائے گی۔

(۳)۔ ہمارے مُلّا کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم پتھروں، پتوں، درخت کی چھال وغیرہ پر لکھا گیا تھا اور منتشر حالت میں تھا۔ جبکہ خلیفہ اوّل یا خلیفہ سوم نے اسے باقاعدہ لکھوا کر صحیفہ یا کتاب بنایا (اور ہر آیت پر دو دو شہادتیں لیں۔ معاذ اللہ)۔ مگر دیکھئے اللہ تعالیٰ خود شہادت دے رہے ہیں کہ "یہ قرآن تو بڑے عزت والے اوراق میں لکھا ہوا ہے"۔ اور صحیفہ بنا ہوا ہے (آیت کریمہ میں لفظ صُحُفٍ استعمال ہوا ہے۔) مگر مُلّا جی، تیسرے خلیفہ کے دَور میں لکھے گئے

نسخوں کو "صحیفہ عثمانی" کہتے ہیں۔ قارئین غور کیجئے کس طرح قرآن دشمنوں نے افسانے بنائے اور قرآن کریم ہی کی شہادت کے خلاف پھیلائے اور ہمارے نام نہاد علماوفضلاء نے ان افسانوں کو صحیح مان لیا!

(۴)۔ان اوراق کو جن پر قران لکھا ہوا ہے ان کو بلندی (مَرْفُوْعَةٍ) یعنی رفعت دی گئی۔اور وہ نہایت پاکیزہ (مُّطَهَّرَةٍ) ہیں۔

قارئین! غور کیجئے کہ یہی قرآنی لفظ "رَفَعَهُ" جب عیسیٰ سلامٌ علیہ کے ساتھ استعمال ہو (۴/۱۵۷) تو ملّاؤں نے ترجمہ کر دیا اور عقیدہ بنالیا کہ انہیں آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔ ہمارے موصوف نے بھی یہی کیا۔ مگر جب اس آیت میں مَرْفُوْعَةٍ کا ترجمہ کیا تو لکھا کہ ان اوراق کو بلندی دی گئی۔ یہ نہیں لکھا کہ قرآن لکھے ہوئے اوراق کو آسمان پر اُٹھالیا! یہ ہے بدعقیدگی اور ذہن پرستی کی مثال۔

(۵)۔ وہ اوراق ایسے لکھنے والے کاتبین کے ہاتھوں میں رہتے ہیں جو بڑے باعزت اور بہت نیک لوگ ہیں۔ اس سے صاف طور پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ کاتبین قرآن کتنے امانت دار' باعزت اور نیک صحابہؓ تھے۔ یہ کون سے صحابہؓ تھے ان کے نام ہر تاریخ و(نام نہاد) حدیث کی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں اس لئے آپ اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ اس میں چھٹے خلیفہ المومنین بھی شامل ہیں جن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے کی ہے مگر افسوس کہ آج کے اہل حدیث و اہل فقہ ان کی شان میں بھی حرف زنی کرتے ہیں اور کتابیں لکھ لکھ کر ان کو اور خلیفہ سوم تک کو مطعون قرار دیتے ہیں۔(اعوذ باللہ)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کیلئے پیش نہ کر سکے۔

**302۔** آگے سورہ التکویر (۸۱) کی آیت نمبر ۲۷۔۲۸ میں اسی قرآن کریم کو تمام اقوام عالم کے لئے نصیحت بتایا۔(نام نہاد) حدیث کو نہیں۔

"اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: یہ (قرآن) تو تمام (اقوام) عالم کے لئے نصیحت ہے (۲۷) مگر مفید) اس کے لئے ہے جو سیدھے راستہ پر چلنا چاہے (۲۸)" (۳۱۸، جزء۔۱۰)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسی قرآن کریم کو تمام عالمین کیلئے نصیحت بتا رہے ہیں یعنی یہ سب کے لئے ایک مستقل درس ہے تو جو چاہے فائدہ اُٹھالے۔

مگر فائدہ وہی اُٹھا سکتا ہے جو اس کو نصیحت سمجھتے ہوئے سیدھے راستہ پر چلنا چاہے۔ اور جو اس کو مستقل یا نامکمل نصیحت سمجھتے ہوئے غیر اللہ کی کتابوں کو بھی اس کا شریک کرے وہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

بات واضح ہو گئی کہ تمام عالمین کے لئے قرآن کریم ہی کتابِ نصیحت ہے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے پیش نہ کر سکے۔

**303۔** آگے پھر سورہ البروج (۸۵) کی آیات نمبر ۲۱۔۲۲ میں قرآن کریم ہی کو بزرگی والا اور محفوظ و مکتوب بتایا گیا ہے:

"بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: (اور اے کافرو، قرآن کوئی معمولی کتاب نہیں) بلکہ یہ تو بزرگی والا قرآن ہے (۲۱) جو لوح محفوظ میں (مکتوب ہے) (۲۲)" (ص ۱۷۳، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ قرآن کریم ہی کو "مَجِيْد" یعنی بزرگی والا قرآن بتایا جا رہا ہے جو کہ کتاب اللہ ہے، (نام نہاد) حدیث کی کتاب کو نہیں کہا جا رہا۔

نیز اسی کتاب اللہ کو بین الدفتین لکھا ہوا محفوظ قرار دیا جا رہا ہے (نام نہاد) احادیث کو محفوظ قرار نہیں دیا جا رہا۔ (ظاہر ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا جو نسخۂ اُم تھا وہ اوراق پر لکھا ہوا تھا اور جلد کی جگہ دفتی کے بجائے لوح استعمال ہوئی تھی۔ اس لئے کہا گیا فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ) یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید رسول سلامٌ علیہ ہی کے سامنے ہی تحریر شدہ اور مجلّد حالت میں موجود تھا۔ نہ ہی اس کے خلاف یا اس سے مختلف عقیدہ کے لئے موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث اپنی تفسیر میں پیش کر سکے۔ بلکہ "عمل" کے تحت صرف قرآن مجید ہی پر ایمان لانے کی بات کر رہے ہیں، ملاحظہ ہو!

عمل: "اے لوگو، قرآن مجید پر ایمان لائیے۔ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں، یہ تو بڑی عزت والی کتاب ہے۔ اگر آپ ایمان نہیں لائیں گے تو سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہ آپ کو جب چاہے گا پکڑ لے گا پھر اس کی گرفت سے نکلنا ناممکن ہو گا۔ اگر وہ چاہے گا تو آپ کو اسی طرح تباہ و برباد کر دے گا جس طرح قوم فرعون اور قوم ثمود ہلاک کر دی گئیں"۔ (ص ۳۷۳، جزء۔ ۱۰)

پس ثابت ہو گیا کہ ایمان صرف قرآن مجید پر لانا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں۔ صرف قرآن کریم ہی بڑی عزت والی کتاب ہے، وہی کتُب اللہ ہے، صرف وہی محفوظ کتاب ہے اور دیگر سب کتابیں غیر محفوظ اور غیر اللہ کی ظنّی کتابیں ہیں۔ قرآن کریم کو رسول اللہ نے خود لکھ کر مجلد حالت میں محفوظ کیا ہوا تھا اور دیگر صحابہؓ کو بھی املا کرا کر لکھوایا ہوا تھا (نیز ان کے سینوں میں بھی محفوظ کرا دیا تھا) اس لئے رسول سلامٌ علیہ پر یہ محض الزام ہے کہ وہ قرآن کریم کو مجلد حالت میں یکجا کر کے بطور صحیفہ یا کتاب نہ چھوڑ سکے بلکہ اسے منتشر حالت میں پتھروں، ہڈیوں، کھجور کے پتوں پر لکھا ہوا چھوڑ گئے تھے۔ جسے بعد میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمع کروایا اور پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پھر سے جمع کر کے کچھ کاپیاں بنوا کر صوبائی دارالحکومتوں کو بھجوائیں۔ یہ عقیدہ دراصل اسلام پر سب سے پہلی ضرب تھی جو دشمنانِ اسلام نے ہمارے ملاؤں کے ذریعہ عقیدہ بنا کر شامل کی۔

**304۔** آگے سورہ **والسمآء والطارق**(۸۶) کی آیت نمبر ۱۳ میں اسی قرآن مجید کو قول فیصل کہا گیا:

"اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: یہ (**قرآن مجید**) قول فیصل ہے (۱۳)" (ص ۳۷۹، جزء۔ ۱۰)

غور کیجئے کہ قولِ فیصل کس کتاب کو کہا جا رہا ہے؟ قرآن مجید کو، صحیح بخاری و صحیح مسلم و مستدرک الحاکم کو نہیں۔ تو جب قرآن مجید ہی قول فیصل ہے یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے اور تمام معاملات میں آخری بات، اٹل اور قطعی الصحت ہے تو پھر تمام ظنّی (نام نہاد) احادیث کو بھی اسی پر پرکھا جائے گا تا کہ حق و باطل، سچ و جھوٹ، صحیح و گھڑا ہوا جدا جدا ہو جائے۔ موصوف نے اس آیت کریمہ کی تفسیر انتہائی مختصر صرف ایک سطر میں کی ہے (یونکہ ان کے عقیدہ

پر ضرب پڑ رہی ہے)۔ ملاحظہ ہو:

"تفسیر: (اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ) یہ (قرآن مجید) قولِ فیصل ہے (یعنی قرآن مجید کا بیان تمام معاملات میں اَٹل، فیصلہ کُن اور قطعی الصحت ہے)" (ص ۳۸۰، جزء۔ ۱۰)

قارئین غور کیجئے کہ موصوف نے کتنا شرمسار ہو کر، معذرت خواہانہ انداز میں، قوسین کے اندر لکھا ہے کہ قرآن مجید کا بیان تمام معاملات میں اٹل، فیصلہ کُن اور قطعی الصحت ہے۔ مگر افسوس کہ عملی طور پر وہ اپنے اس لکھے ہوئے سے بھی عاری رہے! اور (نام نہاد) احادیث ہی کو فوقیت دیتے رہے اور انہیں ہی اٹل، فیصلہ کن اور قطعی الصحت مانتے رہے!

یہاں یہ بھی غور کرتے چلئے کہ اس آیت کریمہ میں موصوف نے "لَقَوْلٌ" کا ترجمہ "قول" اور "فَصْلٌ" کا ترجمہ "فیصل" کیا ہے اس طرح یہ "قولِ فیصل" ہو گیا مگر جب اسی "لَقَوْلٌ" کا ترجمہ دوسری جگہ "اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ" (۴۰/۶۹)" میں کیا تو لکھا "یہ (قرآن) عزت والے رسول کا کلام ہے"۔ حالانکہ سیدھا سیدھا لفظی ترجمہ بنتا ہے "یہ (قرآن) قولِ رسول کریم ہے"۔ کہئے یہ ترجمہ کرتے ہوئے کیا قباحت تھی؟ اسی آیت کا ترجمہ جب سورہ التکویر میں کیا (۸۱/۱۹) تو لکھا: "بے شک یہ ایک معزز فرشتہ کا (پہنچایا ہوا) کلام ہے"۔ یہ بدعقیدگی کی زندہ مثال ہے کہ ایک ہی آیت، ایک ہی لفظ کا ترجمہ دو مختلف جگہوں پر مختلف کیا جا رہا ہے اور قرآن کریم کو فرشتہ کا کلام ثابت کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے! حالانکہ وہ اللہ کا کلام ہے (۷۵/۲، ۹/۶، ۴۸/۱۵) اور رسولِ کریم سلام علیہ کے قلبِ اطہر پر نازل ہونے کے بعد ان کی زبان مبارک سے قول بن کر نکلا اسی لئے اسے "قولِ رسول کریم" کہا گیا۔ اس میں فرشتہ کا کوئی کمال نہیں وہ تو محض ایک ذریعہ تھا نزول کا۔ جس طرح وائرلیس میں صرف فریکوئنسی بات کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کا ذریعہ ہوتی ہے۔ فریکوئنسی کی اپنی زبان، اپنا قول یا اپنا کلام نہیں ہوتا۔ موصوف (اور دیگر اہل حدیث اور اہل فقہ) کو اپنا عقیدہ ثابت کرنے کیلئے پہلے یہ ثابت کرنا ہو گا کہ فرشتہ کی بھی انسان کی طرح زبان و منہ ہوتا ہے جس سے وہ انسانی زبان بولتا ہے!

اس آیت کریمہ کی مختصر تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔

**305۔** آگے سورہ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا / الْبَیِّنَةُ (۹۸) کی آیات نمبر ۱۔۳ میں بھی قرآن کریم اور اس کے واضح اور صاف ہونے کا بیان ہے:

" لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝۳

ترجمہ: اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ (اپنے کفر سے کبھی) باز آنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس کوئی کھلی دلیل نہ آتی (۱) (یعنی جب تک) اللہ کی طرف سے کوئی رسول نہ آتا جو پاکیزہ صحیفے پڑھتا ہو (۲) جن میں سیدھی اور صاف ہدایات لکھی ہوں (۳) " ص ۴۹۹، جزء۔ ۱۰)

آگے تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ) اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر تھے وہ (اپنے کفر سے) کبھی باز آنے والے نہیں تھے جب تک ان کے پاس کوئی دلیل نہ آتی (رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً) (یعنی جب تک) اللہ کی طرف سے کوئی رسول نہ آتا جو پاکیزہ صحیفے پڑھتا ہو (فِيْهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ) جن میں سیدھی اور صاف باتیں لکھی ہوئی ہوں) کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا تھا کہ کافر کفر سے باز آجائیں لہٰذا اس نے محمد (ﷺ) کو رسول بنا کر بھیجا اور ان پر پاکیزہ صحیفے یعنی قرآن مجید کی سورتیں نازل فرمائیں جن میں بہت صاف واضح اور مضبوط باتیں لکھی ہوئی ہیں)" (ص۵۰۰، جزء۔۱۰)

آگے موصوف سورہ بنی اسرائیل کی آیات ۹۔۱۰ اور سورہ عبس کی آیات ۱۱۔۱۶ لکھنے کے بعد مزید تفسیر لکھتے ہیں کہ:

"قرآن مجید کے مضامین بہت واضح اور صاف ہیں۔ ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں ہے ان کو پڑھ کر ہر شخص اگر چاہے تو بآسانی نصیحت حاصل کر سکتا ہے" (ص۵۰۱، جزء۔۱۰)

غور کیجئے کہ موصوف خود مان گئے کہ:

(۱)۔ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر پاکیزہ صحیفے یعنی قرآن مجید کی سورتیں نازل فرمائی گئیں (یعنی نام نہاد احادیث نہیں نازل فرمائیں بلکہ وہ خودساختہ اور ظنّی ہیں)

(۲)۔ قرآن کریم کی سورتوں میں بہت صاف واضح اور مضبوط باتیں لکھی ہوئی ہیں۔ (یعنی وہ غیر واضح، مبہم اور کمزور باتیں نہیں ہیں اور نہ ہی ان صاف واضح باتوں کو مزید کسی وضاحت، شرح یا تفسیر کی ضرورت ہے)

(۳)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نازل شدہ پاکیزہ صحیفے یعنی قرآن کریم کی سورتین اور آیات پڑھ پڑھ کر سناتے تھے (نام نہاد) حدیث نہیں۔

(۴)۔ قرآن کریم کے مضامین بہت واضح اور صاف ہیں۔ ان میں کسی قسم کی پیچیدگی نہیں ہے ان کو پڑھ کر ہر شخص اگر چاہے تو بآسانی نصیحت حاصل کر سکتا ہے۔ اسے کسی اور شرح و تفسیر کی ضرورت نہیں یونکہ وہ سب پیچیدہ اور ظنّی باتیں ہیں۔

قارئین غور کیجئے کیا اس کے بعد بھی آپ کو کوئی اور دلیل چاہئے؟

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں بھی موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔ بلکہ ان آیات کے بعد "عمل" میں لکھتے ہیں کہ:

عمل: "اے ایمان والو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی دلیل مل جانے کے بعد ہٹ دھرمی اور ضد نہ کیجئے۔ اپنے علما اور مشائخ کے فتووں پر نہ اڑ جایئے۔ اللہ تعالیٰ کی بات مانیے حق کو قبول کر لیجئے" (ص۵۰۵، جزء۔۱۰)

غور کیجئے کہ اس مقام پر موصوف نے علما و مشائخ کے فتووں پر نہ اڑ جایئے لکھ کر اپنی حدیثی ذہن پرستی کی تسکین کی ہے کہ (نام نہاد) احادیث کا ذکر نہیں کیا۔ آخری جملہ میں اللہ تعالیٰ کی بات مانیے لکھا ہے، جبکہ وہ پہلے جملہ میں بھی یہ لفظ بات استعمال کر سکتے تھے کہ: "اپنے علما اور مشائخ کی بات نہ مانیے اور اس پر نہ اَڑ جایئے"۔

قارئین غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی ان تمام دلیلوں کے بعد کیا کسی کے پاس اللہ کی طرف سے

اس کے مخالف بھی دلیل ہے کہ (نام نہاد) احادیث بھی قرآن کریم کی طرح نازل کی گئیں اور وہ قرآن کریم کی شرح و تفسیر ہیں ؟ اگر کسی کے پاس ان آیات جیسی کوئی آیت ہے تو پیش کرے ! ورنہ پھر اپنے باطل، ضد وہٹ دھرمی اور دشمنِ قرآن عقیدہ سے توبہ کرے۔

**306۔** قارئین ابھی تک ہم نے تقریباً یک طرفہ یعنی مثبت اثرات والی آیات پیش کی ہیں اب ذرا منفی اثرات والی مخالف آیات بھی ملاحظہ فرمالیجئے جو آیاتِ قرآن کو نہ ماننے پر عذاب کا وعدہ کررہی ہیں۔

سب سے پہلے بنیادی آیت اور اس کے بعد والی آیت ملاحظہ ہو کہ سورہ البقرہ کے شروع ہی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ: ہم نے ان سے پھر کہا تم سب یہاں سے اُتر (کر زمین پر چلے) جاؤ، پھر جب کبھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں روز محشر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۳۸) البتہ جو لوگ ہماری آیتوں کا انکار کریں گے اور ان کو جھٹلائیں گے تو ایسے لوگ دوزخی ہوں گے اور دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے (۳۹)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔ ا، سورہ البقرہ۔ آیات ۳۸۔۳۹، ص ۲۱۱)

قارئین غور کیجئے کہ:

(ا)۔ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے کی اٹل خبر دی جارہی ہے۔

(۲)۔ ہدایت ہی کی پیروی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔

(۳)۔ ہدایت ہی کو آیات بتایا جارہا ہے۔

(۴)۔ اور ان آیات یعنی ہدایت کا انکار کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کو ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی خبر دی جارہی ہے۔ یعنی (نام نہاد) احادیث کا انکار کرنے والوں یا جھٹلانے والوں کو دوزخ کی خبر نہیں دی جارہی۔ پورے قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں (نام نہاد) احادیث کے انکار کرنے پر یا جھٹلانے پر اس قسم کی یا کسی بھی قسم کی سزا کی وعید دی گئی ہو۔

................اور چونکہ آیات صرف قرآن کریم ہی میں ہیں، (نام نہاد) احادیث آیات نہیں، اس لئے ثابت ہوا کہ ہدایت صرف قرآن کریم ہی ہے اسی پر ایمان لانا ہے اسی کی اتباع کرنا ہے اور اس کے انکار کرنے سے دوزخ میں جانا ہے۔

**307۔** آگے سورہ النساء کی آیات ۵۴۔۵۶ میں بھی قرآن کریم ہی پر ایمان لانے یا انکار کرنے کی بات ہو رہی ہے ملاحظہ ہو:

" اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ۝ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَ كَفٰى بِجَهَنَّمَ

سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِـيْمًا ﴿۵۶﴾

ترجمہ: کیا یہ (ایمان دار) لوگوں سے محض اس وجہ سے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں (قرآن مجید جیسی دولت) عطا فرمائی ہے (اس میں حسد کی کونسی بات ہے) ہم نے (اپنے فیصلہ کے مطابق پہلے بھی) آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور عظیم بادشاہت عطا کی تھی (اور اب بھی انہیں کو عطا کی ہے) (۵۴) ان اہل کتاب میں سے بعض ایسے ہیں جو اس پر ایمان لاتے یں اور بعض ایسے ہیں جو اس (پر ایمان لانے) سے رُکے ہوئے ہیں، (ایسے لوگوں کے لئے بطور سزا) جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کافی ہے (۵۵) جن لوگوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا ہم عنقریب ان کو دوزخ میں داخل کریں گے (پھر) جب کبھی ان کی کھالیں جل جائیں گی تو ہم (جلی ہوئی کھال کو) دوسری کھال سے بدل دیں گے تاکہ وہ (مسلسل) عذاب کا مزا چکھتے رہیں، بے شک اللہ غالب اور حکمت والا ہے (۵۶)" (تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۳۔ سورہ النسآء، آیات ۵۴۔۵۶، ص ۱۹۰)

قارئین غور کیجئے کہ موصوف کے اپنے ترجمہ کے مطابق:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے قرآن مجید جیسی دولت عطا فرمائی ہے (نام نہاد احادیث جیسی ظنّی اور مختلف فیہ غیر اللہ کی لکھی کتابیں نہیں عطاء فرمائیں)

(۲)۔ لوگ اس عظیم دولت ہی پر ایمان لاتے ہیں جس کی وجہ سے دشمنِ قرآن ان سے حسد کرتے ہیں۔

(۳)۔ اس سے پہلے بھی آل ابراہیم کو "الکتٰب" یعنی "الحکمۃ" عطاء ہوتی رہی۔ (نام نہاد حدیثیں نہیں)

(۴)۔ اہل کتاب میں سے بعض تو اس قرآن مجید پر ایمان لے آتے ہیں۔

(۵)۔ انہی اہل کتاب میں سے بعض اس قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے (بلکہ وہ شاید غیر اللہ کی نام نہاد احادیث کی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں) تو ایسے لوگوں کے لئے جہنم کی دہکتی ہوئی آگ کافی ہے۔

(۶)۔ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی " الکتٰب کا انکار کیا ان کو عنقریب دوزخ میں داخل کر دیا جائے گا۔ جہاں جب ان کی کھالیں جل جائیں گی تو جلی ہوئی کھال کو دوسری کھال سے بدل دیا جایا کرے گا تاکہ وہ مسلسل اس عذاب کا مزا چکھتے رہیں۔ یہ بات بھی آیات ہی کا انکار کرنے کے لئے کہی گئی ہے (نام نہاد) احادیث یعنی غیر اللہ کی کتابوں کا انکار کرنے کے لئے نہیں کی گئی۔

پس ثابت ہو گیا کہ ایمان صرف "الکتٰب" یعنی آیاتِ قرآن پر لانا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں، اور اس کا انکار کرنے ہی سے دوزخ کی آگ میں جانا ہے (نام نہاد) احادیث کا انکار کرنے سے نہیں۔

ہم چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی دشمنِ قرآن ہم کو ایسی ایک آیت بھی قرآن کریم میں دکھا دے جس میں (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کو کہا گیا ہو اور انکار کرنے پر جہنم کی وعید ہو تو ہم اس پر ایمان لے آئیں گے۔

ہم اس باب میں اب یہیں پر بس کرتے ہیں یونکہ اگر مخالف آیات جو انکار قرآن پر جہنم کی وعید دے رہی ہیں لکھنا شروع کر دیں تو وہ بھی مثبت آیات کی طرح سینکڑوں میں پہنچتی ہیں۔ جبکہ ایمان والے کے لئے جو قلبِ منیب رکھتا

ہو ایک آیت بھی کافی ہے۔ لیکن دشمنِ قرآن کے لئے سینکڑوں آیات بھی کافی نہیں وہ ہر ایک کی تاویل کرے گا اور اپنی ہٹ دھرمی پر ہی قائم رہے گا۔ (بہر حال آپ مزید یہ آیات بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ۹۹ /۲، ۴ /۳، ۱۰ /۵، ۸۶ /۵، ۲۱ /۶، ۳۷ /۷، ۱۷ /۱۰، ۹۵ /۱۰، ۵۷ /۱۸، ۲۳ /۲۹، ۱۰ /۳۰، ۵ /۵۸ وغیر ہم)

اللہ تعالیٰ ہم کو اپنی عطا کردہ ہدایت پر قائم رکھے۔

اس باب کا لب لباب یہ ہے کہ مندرجہ بالا تین سو سے زائد آیات کریمات نے یہ ثابت کر دیا کہ:

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سلامٌ علیہ پر کتابی وحی صرف القرآن المبین نازل فرمائی اور اسی میں تصریف الآیات کے ذریعہ اس کی شرح یعنی 'احسن التفسیر' (سب سے بہترین تفسیر) نازل فرمائی۔ قرآن مبین کی کوئی تشریح یا تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نہیں کی اور نہ ہی ایسی کوئی تفسیر امت کے پاس موجود ہے۔ اور اسی کو احسن الحدیث اور قول رسول قرار دیا۔ اور صرف یہی ایک کتاب ہے جو امت مسلمہ کے عقیدہ میں شامل ہے۔ صرف اسی القرآن المبین کو فرض قرار دیا اور صرف اسی پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول سلامٌ علیہ پر کوئی وحی خفی یا وحی غیر متلو نہیں نازل کی جس کے لئے ہم جواب دہ ہوں یا جس پر القرآن المبین کی طرح ایمان لانا ہو بلکہ اس قسم کی وحی محض سنی سنائی اور گھڑی گھڑائی باتیں ہیں جنہیں دشمنانِ قرآن نے مسلمانوں میں اپنے پروپیگنڈہ کے ذریعہ عام کر دیا اور جہاں تک وحی خفی کا تعلق ہے تو اس قسم کی کسی وحی کا وجود نہیں ہے اللہ تعالیٰ نہ تو حق بات کہنے سے شرماتا ہے (۳۳/۵۳) اور نہ ہی وہ کسی سے ڈرتا ہے کہ چھپ چھپا کر کچھ وحی کرے بلکہ وہ تو کتمانِ حق یعنی حق بات کو بھی چھپانے سے منع کرتا ہے (۴۲/۲، ۷۱ /۳) اسی طرح کسی وحی غیر متلو کا بھی وجود نہیں یونکہ وحی غیر متلو کے معنی ہیں ایسی وحی جس کی تلاوت نہ کی جاوے / جسے پڑھا نہ جاوے۔ تو مُلّا جس کو وحی غیر متلو کہتا ہے یعنی (نام نہاد) احادیثِ رسول تو ان کو تو وہ خود پڑھتا بھی ہے اور دوسروں کو سناتا بھی ہے اور ان پر عمل کرنے پر بھی زور دیتا ہے۔ نیز ختم بخاری بھی کرتا ہے اور کراتا ہے۔ تو پھر وہ غیر متلو کیسے ہوئی؟ ظاہر ہے کہ یہ سب دھوکہ ہے۔ لوگوں کو بیوقوف بنا کر گمراہ کرنا ہے۔

جہاں تک قرآن کے **مثلہٗ و معهٗ** ہونے کا تعلق ہے (یعنی ملاؤں کے زبان و قلب پر گھڑی گھڑائی روایت کا ہونا کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں قرآن کے ساتھ اس کے مثل (**مِثلَہٗ و معهٗ**) بھی دیا گیا ہوں تو کیا نعوذ باللہ رسول سلامٌ علیہ خود اللہ کے واضح حکم:

(ترجمہ) "اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن جیسی کوئی کتاب لانے کے لئے جمع ہو جائیں تو وہ اس جیسی کتاب نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ (اس کام میں) ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں"۔ (سورہ بنی اسرائیل۔ آیت ۸۸)

کے بعد یہ فرما سکتے تھے؟؟ ظاہر ہے کہ وہ ایسی بات نہیں فرما سکتے تھے۔

**مثلہٗ معهٗ** کے الفاظ قرآن کریم ہی کے الفاظ ہیں مگر قرآن کریم مس قرآن کے ساتھ اس کے مثل کوئی اور وحی (خفی) نازل ہونے کے لئے استعمال نہیں ہوئے (دراصل یہ ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ان کے امام اول کو قرآن کے علاوہ کچھ خفیہ طور پر سکھایا جو دوسرے صحابہؓ کو نہیں سکھایا۔ ظاہر ہے کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ یونکہ اس کا کوئی ذکر تو بڑی بات اشارہ تک قرآن مبین میں نہیں۔ اور جو چیز قرآن میں نہیں وہ نا تو عقیدہ بن

سکتی ہے اور نہ ہی اسلام ہو سکتی ہے۔) بلکہ کفار کے لئے استعمال ہوئے ہیں کہ "اگر ان کے پاس زمین کی تمام دولت اور اتنی ہی دولت اور ہو اور وہ چاہیں کہ اس کے بدلہ وہ قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا حاصل کر لیں تو وہ دولت ان سے قبول نہیں کی جائے گی بلکہ ان کو دردناک عذاب ہو گا۔(دیکھئے ۵/۳۶، ۱۳/۱۸، ۳۹/۴۷)

غور کیجئے پیچھے اُٹھائے گئے سوالات میں سے بحمد للہ ۱۵ سوالات کے جواب اس باب میں قرآن مبین کی تین سو آیات میں بہت واضح طور پر آ گئے۔ آخری سوال کا جواب باب دوم کے آخر میں اطیعوا الرسول کے عنوان کے تحت انشاء اللہ واضح کیا جائے گا۔

اختتام باب اول:(17.7.1418H) (18.11.1997)

# باب دوم

# جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے بنیادی عقیدے کا ابطال

## (عقلی و نقلی دلائل سے)

اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے بنیادی عقیدے کے بارے میں پچھلے صفحات پر ۳۰۷ آیات الٰہی کے ذریعہ، جو کہ نصِ صریح ہیں (اور موصوف نصِ صریح کے معنی بخوبی جانتے ہیں)، موصوف کے بنائے ہوئے عقیدے کا ابطال واضح طور پر کیا گیا۔ اب ان کے عقیدے کا ابطال عقلی و نقلی دلائل سے کرنے سے پہلے ان کا ایک چیلنج ملاحظہ ہو:

## امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کا چیلنج

تمام اہلحدیث فرقوں / مسلکوں کے نزدیک مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کی تحریر کردہ کتاب ''تفہیمِ اسلام بجواب دو اسلام'' انتہائی مایہ ناز کتاب سمجھی جاتی ہے جو کہ جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ صاحب کی مایہ ناز کتاب ''دو اسلام'' کے جواب میں تحریر کی گئی تھی۔ اور اس کو سب سے پہلے (شعبان ۱۳۸۷ھ، نومبر ۱۹۶۷ء) اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا تھا جس پر جناب محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی صاحب (اہلحدیث) مدیر المکتبہ السلفیہ لاہور نے تصدیر تحریر فرمائی تھی۔ اس کتاب کے مصنف کے مطابق کتاب کا مقصد (نام نہاد) احادیث کے متعلق غلط فہمیوں کا ازالہ کرنا تھا۔ مگر کتاب پڑھنے کے بعد اس کا لب لباب کچھ یوں سامنے آتا ہے کہ:

- ... (نعوذ باللہ) قرآن کریم مفصّل نہیں بلکہ مجمل کتاب ہے (ص ۲۰۳)
- ... قرآن کریم سے اللہ کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ گویا کہ وہ انتہائی مشکل ہے، اس لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ اس کی وضاحت، تشریح اور تفسیر کرتے ہیں (ص ۲۱۰)
- ... صرف قرآن کریم اللہ کی وحی نہیں بلکہ صدیوں سال بعد لکھی گئی (نام نہاد) احادیث بھی اللہ کی وحی ہیں (ص ۳۴، ۱۷۰، ۲۲۸، ۴۶۷، ۴۸۰)
- ... قرآن میں جابجا تضادات / اختلافات ہیں (موصوف نے ۳۳ تضادات اپنی کتاب کے ص ۵۱۵ سے ص ۵۲۶ پر تحریر کئے ہیں)[1]
- ... قرآن (نام نہاد) حدیث کا محتاج ہے (ص ۱۹۴)
- ... قرآن بہت سی باتوں کے متعلق خاموش ہے، اور بعض آیتیں اگر ان کو حدیث کی روشنی میں نہ دیکھا جائے تو بالکل مہمل نظر آتی ہیں (ص ۲۰۳)

---

[1] جو لوگ قرآنی آیات میں تضادات کے قائل ہیں انہیں جناب رحمت اللہ طارق صاحب کی کتاب ''تفسیر فی برہان القرآن'' کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ (شائع کردہ دوست ایسوسی ایٹس۔ اردو بازار۔ لاہور)

- ... بعض آیتیں قرآن میں نہیں ہیں بلکہ وہ حدیث میں ہیں (ص ۲۲۹)
- ... قرآن کی بہت سی آیات بالکل ناقابلِ عمل اور ناقابلِ تشریح ہیں، جب تک ان کی وہ تشریح تسلیم نہ کی جائے جو آنحضرت نے فرمائی۔ (ص ۲۸)
- ... آیت میں کتاب سے مراد قرآن ہے اور حکمت سے مراد (نام نہاد) حدیث ہے (ص ۳۴)
- ... اب ذرا اپنی عقل سلیم پر زور دے کر سوچئے کہ اللہ کی الکتٰب کے ساتھ یہ کیا سازش ہے!

سب سے اہم بات جو موصوف فرماتے ہیں اور جو کہ ایک چیلنج ہے وہ یہ ہے کہ:

"یہ تو صحیح ہے کہ قرآن بذریعہ وحی نازل ہوا لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے علاوہ وحی نہیں آتی تھی... ......"قرآن وحی ہے" اور "قرآن ہی وحی ہے" ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ "قرآن ہی وحی ہے" اور جب یہ نہیں تو پھر قرآن بھی وحی ہے اور دوسری چیز بھی وحی ہو سکتی ہے" (ص ۱۶۴)

موصوف کے الفاظ پر غور کیجئے کہ وہ خود شک میں مبتلا ہیں اور کہتے ہیں کہ "دوسری چیز بھی وحی ہو سکتی ہے" حالانکہ وہ دوسری چیز کو یعنی (نام نہاد) حدیث کو وحی ہی مانتے ہیں (اس دورُخ کی پالیسی کو آپ جو چاہیں نام دے لیں ہم تو اس کو ان کی جان بچانے کی ناکام کوشش ہی کہیں گے)۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اس کے لئے وہ کوئی نص صریح نہیں پیش کر سکے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ بھی کوئی چیز اور نازل فرمائی یا وحی کی اور اس کا ہم کو مکلّف بنایا!

## ہمارا چیلنج

موصوف کے مندرجہ بالا چیلنج کہ "قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ قرآن ہی وحی ہے" کے جواب میں ہم پچھلے صفحات پر تین سو سے زائد آیات / نص صریح پیش کر آئے ہیں۔ جن میں واضح طور پر صرف قرآن ہی وحی کئے جانے کا ارشاد الٰہی ہے۔ مگر ایک بھی جگہ کسی دوسری چیز کے وحی کئے جانے کا شائبہ تک نہیں۔ ہم پھر ایک آیت پیش کر دیتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے تو ایک آیت بھی کافی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ (۱۹ /۶)" ترجمہ: (آپ کہہ دیجئے) اور صرف یہ القرآن ہی محمد پر وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ سے اور جس شخص تک وہ پہنچ سکے آگاہ کر دوں[1] یہاں پر لفظ القرآن ہی یہ واضح کرتا ہے کہ صرف یہی مخصوص کتاب القرآن ہے۔ آپ کہیں بھی جمع کا صیغہ دکھا دیں! ہم نے تو اتنی واضح آیت موصوف کے چیلنج کے جواب میں پیش کر دی اب ہم چیلنج کرتے ہیں کہ موصوف بھی کوئی ایک ہی آیت ایسی پیش کر دیں جس میں قرآن کے علاوہ **مثلهٗ و معهٗ** یا (نام نہاد) حدیث بھی نازل کئے جانے یا وحی کئے جانے کا ارشاد الٰہی انہی الفاظ میں ہو۔ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا چیلنج فرماتا ہے کہ:۔ کہ اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ قرآن کے مثل اس کے **مَعَهٗ** ہے تو اس وحی جیسی ایک سورۃ تم بھی بنا لاؤ اور اللہ کے علاوہ جس کو چاہو بلا کر مدد لے لو (مفہوم آیت ۱۰/۳۸) مطلب صاف ہے کہ تم قیامت

[1] ہم نے آیت کے ترجمہ میں لفظ "صرف" اس لئے لگایا ہے کہ القراٰن کے علاوہ کچھ اور وحی کئے جانے کا ذکر ۶۲۳۶ آیات میں کہیں نہیں۔ دوسرے یہ کہ موصوف نے بھی بعض جگہ صرف اس قسم کے الفاظ ترجمہ میں استعمال کئے ہیں جن کی نشاندہی ہم پیچھے متعلقہ مقام پر کر چکے ہیں۔ انہوں نے کس قرینہ کے تحت ایسا کیا ہے؟ ہم تو یہاں قرینہ بتا رہے ہیں۔

تک قرآن کا مثل نہیں بنا سکتے۔ تم جو کچھ بناؤ گے وہ تمہارے گھڑنے کی شہادت دے گا۔ خیال رہے کہ ہمیں نص صریح یعنی واضح آیت چاہئے ورنہ تو موصوف دوسرے مقام پر کھینچ تان کر کے زبردستی اگر مگر لگا کر یہ معنیٰ نکالتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ بھی رسول پر وحی آتی تھی۔ یہ ان کا اپنا استنباط یا اجتہاد تو ہو سکتا ہے مگر آیاتِ الٰہی کے معنی نہیں۔ مزید وہ کہتے ہیں کہ انبیاء کرام پر کتابی وحی کے علاوہ بھی وحی آتی تھی (ص ۱۸۔ ۲۲) مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ ٹھیک ہے انبیاء کرام پر کتاب کے علاوہ بھی کچھ باتیں وحی کی گئیں تھیں یا موسیٰ سلامؑ علیہ کی والدہ پر وحی آئی کہ (وغیرہ وغیرہ) مگر کیا وہ ہمارے لئے تھیں یا ان کے لئے مخصوص تھیں؟ کیا ہمیں ان کا مکلّف بنایا گیا ہے؟ یا صرف الکتٰب کو ہم پر فرض کیا گیا ہے؟ (۸۵ /۲۸) اس لئے اس کو قرآن کریم کا شریک مت ٹھہرایئے۔ ہمارے لئے صرف قرآن کریم کو نور وہدایت، امام بنادیا گیا، اس لئے قرآن کے علاوہ اگر کوئی وحی تھی اس کے لئے ہم جوابدہ نہیں یونکہ قرآن نے ایسا نہیں کہا۔ اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر لایئے نصِ صریح / آیت الٰہی۔ (وہ آپ قیامت تک نہیں لا سکتے) آپ کوئی بھی عقیدہ نہیں بنا سکتے یا کوئی بھی ایسی بات نہیں کہہ سکتے جس کی اللہ تعالیٰ نے سند نہ نازل کی ہو۔ یوں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ (۷۱/۷)

اللہ نے اس سلسلہ میں کوئی سند نازل نہیں کی[1] (ص ۴۶۳، تفسیر قرآن عزیز، سورہ الاعراف جزء۔ ۴)

اب ہم دیکھتے ہیں کہ یہ "حدیث" ہے کیا چیز جس کو موصوف کتابُ اللہ کا حصہ بنا رہے ہیں اور اس پر ایمان لائے بغیر کافر بنا رہے ہیں:

## حدیث کی تعریف (ساختۂ عجم)

موصوف کی مایہ ناز کتاب "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" میں تو غالباً کہیں بھی حدیث کی تعریف نہیں آئی البتہ ان کے ایک رسالہ "اصول حدیث" میں حدیث کی تعریف اور اس کی قسمیں اس طرح دی گئی ہیں:

.(۱)۔... "حدیث کے لغوی معنیٰ ہیں: بات، خبر

شرعی اصطلاح[2] میں حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں

قول کے معنیٰ ہیں: کہنا، فرمانا۔ جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے کسی قول یا فرمان کو بیان کیا گیا ہو اسے "قولی حدیث" کہتے ہیں۔

فعل کے معنیٰ ہیں: کام۔ جس حدیث میں رسول اللہ ﷺ کے کسی کام کا بیان ہو اُسے "فعلی حدیث" کہتے ہیں۔

تقریر کے معنیٰ ہیں: باقی رکھنا، برقرار رکھنا۔ جس حدیث میں کسی صحابی کے ایسے قول کا بیان ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے سنا یا ایسے فعل کا بیان ہو جسے رسول اللہ ﷺ نے دیکھا لیکن آپ نے نہ اس قول کی تردید کی اور نہ

---

[1]۔ مزید دیکھئے، ۴۰/ ۱۲، ۱۵ /۱۸، ۱۵۶۔۱۵۷ /۳۷، ۳۵ /۴۰، ۵۶ /۴۰، ۳۸ /۵۲، ۲۳ /۵۳، ۱۵۱ /۳، ۸۲ /۶، ۳۳ /۷، ۷۱ /۲۲، ۳۵ /۳۰

[2]۔ یہ الفاظ "شرعی اصطلاح" بھی درست نہیں یونکہ یہ اصطلاحات بھی جو قرآن کریم کے علاوہ ہیں خود ساختہ ہیں اور اللہ ورسول کی طرف افتراء ہیں۔ اس لئے ان کو شرعی اصطلاح نہیں کہا جا سکتا یہ علمانے خود بنائی ہیں تاکہ لوگ گمراہ ہوں۔

اس فعل سے منع کیا بلکہ اس قول یا فعل کو بر قرار رکھا تو اس حدیث کو "تقریری حدیث" کہتے ہیں"[1] (حدیث کے یہ معنی یا تعریف رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نہیں بتائے ورنہ اگر یہ شرعی اصطلاح ہوتی تو شریعت لے کر آنے والے رسول ضرور بتاتے)

.(۲)۔.. محدثین کی اصطلاح میں صحابی کے قول و فعل کو بھی حدیث کہتے ہیں[2]

غور فرمایئے کہ موصوف نے حدیث کی جو تعریف کی ہے کیا اس کے وحی الٰہی ہونے کا شائبہ تک بھی ہو سکتا ہے؟ کیا صحابہ کبارؓ پر بھی وحی آتی تھی کہ جس حدیث میں کسی صحابی کے ایسے قول کا بیان ہو جسے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے سنایا ایسے فعل کا بیان ہو جسے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے دیکھا لیکن آپ نے نہ اس قول کی تردید کی اور نہ اس فعل سے منع کیا بلکہ اس قول یا فعل کو بر قرار رکھا تو کیا وہ وحی الٰہی ہو گئی؟

صحابی کا قول یا فعل تو ایک طرف، خود رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قول و فعل کے متعلق جو وحی نہ ہو یعنی قرآن کے علاوہ ہو اس کے لئے دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

قول کے بارے میں:

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَ مَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿۴۰﴾ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ ﴿۴۴﴾ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ﴿۴۵﴾ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَمَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ عَنْهُ حٰجِزِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ ﴿۴۹﴾

ترجمہ: تو (اے لوگو) میں ان (تمام) چیزوں کی قسم کھاتا ہوں جو تم کو نظر آتی ہیں (۳۸) اور جو تم کو نظر نہیں آتیں (۳۹) (یہ) قرآن عزت والے رسول کا کلام[3] ہے (۴۰) یہ کسی شاعر کا کلام[3] نہیں ہے (مگر) تم لوگ کم ہی یقین کرتے ہو (۴۱) اور نہ یہ کسی کاہن کا کلام ہے لیکن تم لوگ کم ہی نصیحت حاصل کرتے ہو (۴۲) (اور یہ کلام رسول کا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ یہ کلام) رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے (۴۳) اور اگر یہ رسول کوئی بات (بنا کر) ہماری طرف منسوب کر دے (۴۴) تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے (۴۵) اور ان کی دل کی رگ کاٹ ڈالتے (۴۶) تو پھر تم میں سے کوئی بھی (ہم کو) اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا (۴۷) بے شک یہ (کتاب) متقین کے لئے نصیحت ہے (۴۸) اور ہمیں معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اس کو جھٹلاتے ہیں (۴۹) سورہ الحاقہ۔ تفسیر قرآن عزیز، جزء ۱۰۔ ص ۲۹

غور کیجئے کہ ترجمہ میں موصوف نے قرآنی لفظ "قول" کا ترجمہ کلام کر دیا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے رسول کا کلام نہیں۔ لیکن قول رسول ہے یونکہ اس کلام کے الفاظ رسول کی زبان مبارک سے نکلے۔ اس طرح یہ

---

۱۔ رسالہ "اصول حدیث" مرتبہ مسعود احمد صاحب، بی ایس سی، امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) ۱۴۱۴ھ، ص ۵

۲۔ التحقیق فی جواب التقلید مصنفہ مسعود احمد صاحب۔ جماعت المسلمین اشاعت پنجم سال طباعت ۱۴۰۹ھ مطابق ۱۹۸۸ء۔ فٹ نوٹ ص ۸۲

۱۔ یہ قرآنی لفظ "قول" کا غلط ترجمہ ہے جیسا کہ میں پیچھے واضح کر چکا ہوں۔

ترجمہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے خلاف ہوا۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو اس قرآن کریم کو رسول کریم سلامٌ علیہ کا قول بتارہا ہے۔ مگر موصوف نام نہاد احادیث کو قولِ رسول کریم بتارہے ہیں! کیا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے خلاف نہیں؟

اللہ تعالیٰ تو یہ بتارہا ہے کہ اگر رسول اپنی طرف سے کوئی بات اللہ کی طرف منسوب کرکے کہتے (کہ اس قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوا ہے) تو یقیناً ہم اس کو دائیں ہاتھ سے پکڑ لیتے پھر ان کی رگِ حیات کاٹ دیتے۔ اتنی بڑی دھمکی! مگر موصوف قرآن کے علاوہ دیگر ظنی اقوال کو اقوالِ رسول ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس کو وحی نہ ماننے والے کو کافر قرار دیتے ہیں۔

مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ تو اسی قرآن کو ڈرنے والوں کیلئے نصیحت بتارہا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔ نیز وہ یہ وضاحت بھی کررہا ہے کہ "تم میں کچھ لوگ اس قرآن کے جھٹلانے والے بھی ہیں" (جو نام نہاد حدیث کو تو مانتے ہیں مگر قرآن کیلئے تاویلیں کرتے ہیں، اگر مگر کرتے ہیں اور ظن کو اس کے ساتھ شریک کرتے ہیں) جو کہ (نام نہاد) احادیث کو نہیں جھٹلاتے حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ وہ خود ساختہ ہیں، ظنّی ہیں............ قولِ رسول کریم نہیں ہیں۔

غور کیجئے کہ ان آیات کریمات میں تو اللہ تعالیٰ صرف آیات الٰہی کو قولِ رسول بتارہا ہے مگر موصوف آیات الٰہی کے علاوہ کو بھی قولِ رسول بتارہے ہیں اور اس کو وحی بھی قرار دے رہے ہیں۔ اب آپ فیصلہ خود کرلیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی بات سچ ہے یا موصوف کی۔

آگے دیکھئے فعلِ رسول کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

## فعل و تقریر کے بارے میں:

.۱... لَوۡلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمۡ فِيۡمَاۤ اَخَذۡتُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۶۸﴾

ترجمہ: اگر اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا (کہ تمہیں معاف کردیا جائے گا) تو جو مال تم نے لیا اس کی وجہ سے تم پر عذاب عظیم نازل ہوتا (۶۸) (تفسیر قرآن عزیز، سورہ الانفال، ص۸۱۵، جزء۔۴)

غور کیجئے کہ جنگِ (بدر) میں جب قیدی گرفتار کرلئے گئے اور پھر ان کو صحابہ کبارؓ کے مشورہ سے فدیہ لے کر رہا کردیا گیا تو اس فعلِ حدیث و تقریری حدیث پر اللہ تعالیٰ نے اس آیتِ کریمہ میں سرزنش فرمائی اور عذابِ عظیم کی دھمکی دی مگر معاف کردیا۔ تو اگر یہ فعلی حدیث اور تقریری حدیث وحی ہوتی تو کیا سرزنش کی ضرورت پیش آتی؟ موصوف خود اس آیت کی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"تفسیر: مندرجہ بالا شانِ نزول سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کے مشورہ سے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو پسند نہیں فرمایا" (ص۸۱۷، جزء۴)

قارئین غور کیا آپ نے؟ کہ فعل رسول جو کہ صحابہ کے مشورہ سے کیا گیا (یعنی وہ فعلی و تقریری حدیث ہوئی) اسے اللہ نے پسند نہیں فرمایا! کیوں؟ اس لئے کہ وہ وحی نہیں تھا۔ بلکہ رسول کی بشری حیثیت کا فعل تھا۔

.۲... مزید دیکھئے سورہ التوبۃ آیت ۴۳

"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ تَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۴۳

ترجمہ: (اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے ان (منافقین) کو (لڑائی پر نہ جانے کی) اجازت کیوں دے دی (اگر آپ اس وقت تک اجازت کو مؤخر کر دیتے) جب تک سچے آپ پر ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں سے آپ واقف نہ ہو جاتے (تو کتنا اچھا ہوتا) (۴۳)" (تفسیر قرآن عزیز، التوبہ ص۹۸۶، جزء۔۴)

دیکھا آپ نے کہ رسول کے فعل پر سرزنش کی جا رہی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بشر اور عبد تھے اور ان کا ہر قول و فعل وحی نہیں تھا۔ اور نہ ہی ہر بات کیلئے وحی آتی تھی (جیسا کہ بعض اہلحدیثوں کا عقیدہ ہے! یہ کوئی ٹیلیفون یا وائرلیس نہیں تھا کہ ہر ہر بات میں ہدایت دی جا رہی ہے۔ بلکہ بشر و عبد کو بشریت اور عبدیت دکھانے کا پورا پورا موقعہ فراہم کیا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی حدود میں رہتے ہوئے ہر فعل کی پوری آزادی تھی)۔ یہ مؤقف موصوف ہی کی تفسیر سے خود واضح ہو جاتا ہے جہاں پر تفسیر میں وہ کوئی رسولی تشریح یعنی حدیث پیش نہ کر سکے بلکہ آیت کریمہ کے ترجمے ہی کو اپنے الفاظ میں ذرا بڑھا کر لکھ دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"تفسیر: اے رسول، اللہ تعالیٰ آپ کو معاف کرے آپ نے ان منافقین کو جنگ میں شریک نہ ہونے کی اجازت کیوں دے دی۔ اگر آپ اس وقت تک اجازت کو مؤخر کر دیتے جب تک سچّے آپ پر ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں سے آپ واقف نہ ہو جاتے تو کتنا اچھا ہوتا۔ سچوں اور جھوٹوں میں امتیاز ہو جاتا اور منافقین کا پردہ فاش ہو جاتا" (تفسیر قرآن عزیز، ص۹۸۸، جزء۔۴)

یعنی یہ حقیقت یہاں پر واضح ہو گئی کہ اس موقعہ کے منافقین اور سچے و جھوٹے بھی وحی کے ذریعہ پہچان نہیں کرائے گئے بلکہ اس کو قدرتی عمل پر چھوڑ دیا گیا۔

۲۔... مزید دیکھئے سورہ التحریم کی پہلی آیت

"يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱

ترجمہ: اے نبی جو چیز اللہ نے آپ کے لئے حلال کر دی ہے آپ اسے (قسم کھا کر) کیوں (اپنے اوپر) حرام کرتے ہیں (کیا) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی چاہتے ہیں؟ اور (اے نبی) اللہ بڑا بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے (۱) (سورہ التحریم، تفسیر قرآن عزیز، جزء۹، ص۷۷۴)

غور کیجئے کہ نبی سلامٌ علیہ اپنی طرف سے کسی جائز چیز کو حرام بھی نہیں کر سکتے تھے اور جب کسی موقعہ پر انہوں نے ایسا کرنے کے لئے قسم کھالی (جیسا کہ آگے کی آیت سے واضح ہوتا ہے جبکہ نام نہاد حدیثوں کے مطابق انہوں نے اپنی کسی زوجہ محترمہؓ کی خوشنودی کے خاطر شہد نہ کھانے کی قسم کھالی تھی) تو ان کا یہ فعل چونکہ وحی کے تابع نہ تھا بلکہ خلافِ وحی تھا (یونکہ قرآن کریم میں تو شہد کو شفاء بتایا گیا ہے اس طرح وہ جائز و حلال ہوا) تو اس فعل پر سرزنش فرما دی گئی۔

غور کیجئے کہ جس امر کے بارے میں وحی الٰہی نہیں ہوئی یعنی آیت قرآنی کا نزول نہیں ہوا تو اس کے مطابق قرآنی نہ ہونے پر فعلِ رسول پر بھی سرزنش کی جا رہی ہے[1] چہ جائیکہ غیر قرآنی زائدِ قرآنی یا خلافِ قرآن افعال و اقوال کو موصوف وحی بتا رہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کی حدیث کی تعریف صحیح نہیں بلکہ یہ عجمیوں کی ساختہ ہے۔

[1]۔ مزید دیکھئے وہ مقامات جہاں سرزنش کی گئی یا دھمکی دی گئی، ۱۲۰/۲، ۱۴۵/۲، ۸۰/۹، ۸۴/۹، ۷۴-۷۵/۱۷، وغیرہ)

اب دیکھئے قرآن کریم حدیث کی کیا تعریف کر رہا ہے یا کس کو حدیث بتا رہا ہے۔

## حدیث کی قرآنی تعریف

۔ ا۔۔۔ قرآن کریم میں سورہ الکہف شروع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:

" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَ لَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۞ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَ یُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا ۞ مَّاكِثِیْنَ فِیْهِ اَبَدًا ۞ وَّ یُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۞ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّ لَا لِاٰبَآىِٕهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ۞ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰۤى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ۞

ترجمہ: سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل فرمائی اور اس میں (کسی طرح کی) کجی نہیں رکھی (۱) وہ ایک سیدھی (اور صاف راہ بتانے والی) کتاب ہے تا کہ اللہ (نافرمانوں) کو اپنے عذاب شدید سے ڈرائے اور ان مؤمنین کو جو نیک عمل کرتے ہیں خوشخبری سنائے کہ ان کے لئے (بہت) اچھا اجر (وثواب) ہے (۲) وہ اس اجر (وثواب کی نعمتوں) میں ہمیشہ رہیں گے (۳) اور (اللہ نے یہ کتاب اس لئے بھی صاف اور واضح بنائی ہے تا کہ) اللہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے (۴) اس معاملہ میں نہ خود ان کو علم ہے اور نہ ان کے آباؤاجداد کو علم تھا۔ بہت بڑی بات ہے جو ان کے مونہوں سے نکل رہی ہے۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں (سراسر) جھوٹ ہے (۵) (اے رسول) اگر یہ لوگ اس حدیث[1] پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کے پیچھے رنج کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال دیں گے (اے رسول آپ کو رنج کرنے کی ضرورت نہیں)[2] (۶) (ص ۲۱۷۔ ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۳، جزء۔ ۶)

ذرا ترجمہ کو غور سے پڑھئے، اللہ تعالیٰ نے شروع ہی میں بتا دیا کہ اپنے بندے پر کتاب یعنی "الکتٰب" نازل فرمائی جس میں کسی طرح کی کجی نہیں، وہ ایک سیدھی اور صاف راہ بتانے والی کتاب ہے (اس لئے اس کی کسی شرح و تفسیر کی ضرورت ہی نہیں) اور یہ کتاب اس نے اس لئے بھی صاف اور واضح بنائی ہے تا کہ اللہ ان لوگوں کو ڈرائے جو کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے، وہ جھوٹ بکواس کرتے ہیں۔ تو اے رسول اگر یہ جھوٹے لوگ اس "الکتٰب" پر ایمان نہیں لاتے تو آپ ان کے پیچھے رنج کر کے اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالئے۔

یہاں واضح طور پر اللہ تعالیٰ نے "الکتٰب" ہی کو چھٹی آیت میں "الحدیث" بتایا ہے۔ جسے پہلی آیت میں اپنے بندے پر نازل کرنے کا کہا ہے۔ کیا اس کے بعد کوئی شک رہ جاتا ہے کہ حدیث آیات الٰہی یعنی قرآن کریم ہی ہے۔ وہ نہیں جو موصوف نے تعریف کی ہے۔ وہ ان کی خود ساختہ تعریف ہے۔ اللہ تعالیٰ یا رسول کریم نے نہیں بتائی۔

---

[1] یہاں دونوں آیات میں موصوف نے اپنے ترجمہ میں لفظ "الحدیث" کا ترجمہ 'کلام' کیا ہے اس کو میں نے بدل کر الحدیث کا ترجمہ حدیث ہی رہنے دیا ہے۔ جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں۔ (صدیق)

[2] موصوف نے اپنی تفسیر میں یہ انداز اختیار کیا ہے کہ ایک ہی مضمون کی آیات کو ایک ہی جگہ لکھ کر اس کی تفسیر کی ہے مگر یہاں چونکہ شاید ان کے مؤقف پر زد پڑتی تھی اس لئے انہوں نے چھٹی آیت کو شروع کی پانچ آیتوں سے جدا کر کے اگلی آیتوں کے ساتھ لکھ کر تفسیر کی ہے۔ قارئین خود غور کر لیں کہ یہ چھٹی آیت مضمون کے لحاظ سے شروع کی پانچ آیتوں کے ساتھ ہے یا نہیں۔

۲۔ مزید دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورہ الکھف کے آغاز میں اپنے بندے پر "الکتٰب" نازل کرنے کا فرمایا، آگے سورہ الزمر (آیت۔۲۳) میں اسی الکتٰب کو "احسن الحدیث" نازل کرنے کا کہا:

" اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ﴿۲۳﴾

ترجمہ: اللہ نے کتابی شکل میں بہترین حدیث نازل کر دی ہے (جس کی آیتیں) ایک دوسرے کے مشابہ ہیں (اور جن میں ایک ہی مضمون) بار بار دوہرایا گیا (ہے) جو جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے (اس کتاب کو پڑھ کر یا سن کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے) کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ (بہترین حدیث) اللہ کی (طرف سے) ہدایت ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (۲۳) " (ص ۴۴۲، جزء۔۸)

دیکھا آپ نے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے "الکتٰب" کی جگہ "احسن الحدیث" کے الفاظ استعمال کر کے ان کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث آیاتِ الٰہی ہی کو کہا گیا ہے اور وہ بھی اَحۡسَن یعنی سب سے اچھی، بہترین، اور موصوف کی تعریف کے مطابق، قول و فعل و تقریر رسول کو حدیث نہیں کہا گیا ہے۔ (وہ تعریفِ حدیث موصوف کی خود ساختہ ہے)

۳۔ مزید دیکھئے کہ سورہ الجاثیہ شروع کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" تَنۡزِيۡلُ الۡكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الۡعَزِيۡزِ الۡحَكِيۡمِ ﴿۲﴾

ترجمہ: یہ کتاب، غالب اور حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے" (۲) (ص ۹۳۴، جزء۔۸)

یعنی قرآن کریم غالب اور حکمت والے اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے اور یہ حقیقت بتانے کے بعد اللہ تعالیٰ چھٹی ہی آیت میں اس کو "حدیث" کہتا ہے، دیکھئے:

" تِلۡكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَـتۡلُوۡهَا عَلَيۡكَ بِالۡحَـقِّ ۚ فَبِاَىِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۶﴾

ترجمہ: (اے رسول) یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ سنا رہے ہیں تو اب اللہ اور اس کی آیتوں کے بعد یہ اور کس حدیث[1] پر ایمان لائیں گے" (۶) (ص ۹۳۵، جزء۔۸)

قارئین دیکھا آپ نے کہ جو آیات الٰہی آپ کو سنائی جاتی ہیں یا آپ ان کی تلاوت کرتے ہیں (نَتۡلُوۡهَا) اللہ تعالیٰ انہی کو "حدیث" کہہ رہا ہے اور صرف یہی نہیں بلکہ یہ بھی بتا رہا ہے کہ انہی پر ایمان لانا ہے، ظنّی (نام نہاد)

---

[1] یہاں موصوف نے "حدیث" کا ترجمہ "چیز" کیا ہے۔ مگر میں نے اس کو بدل کر حدیث کا ترجمہ حدیث ہی رہنے دیا ہے۔ یونکہ یہ عام استعمال کا لفظ ہے اور اردو عربی دونوں میں مستعمل ہے۔ نیز اس طرح آیت کے معنی زیادہ واضح ہو جاتے ہیں مگر چونکہ موصوف کے عقیدہ پر زَد پڑتی ہے اس لئے انہوں نے یہاں اس کو بدل دیا حالانکہ ان کے دیئے ہوئے معنیٰ خود ان کی دی ہوئی حدیث کی تعریف سے نہیں ملتے۔ (اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں)

احادیث پر ایمان نہیں لانا۔ جبکہ موصوف ظنّی (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اپنے پاس آنے والوں کو بھی ان پر ایمان لانے کا اصرار کرتے ہیں۔

۴۔ مزید دیکھئے کہ سورہ الواقعہ میں اللہ تعالیٰ قسم کھا کے فرماتا ہے کہ:

" اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: "بے شک قرآن بہت باعزت کتاب ہے (۷۷) پوشیدہ کتاب (یعنی لوح محفوظ) میں مکتوب ہے (۷۸) اس کو صرف پاک لوگ ہاتھ لگاتے ہیں (۷۹) یہ رب العالمین کی طرف سے اُتارا گیا ہے (۸۰) تو کیا تم (ایسے) کلام سے غفلت برت رہے ہو (۸۱) اور اس کے جھٹلانے کو تم نے اپنا رزق بنا رکھا ہے (۸۲)
(سورہ الواقعہ آیات ۷۷۔ ۸۲، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔ ۹۔ ص ۴۲۸)

خیال رہے کہ یہاں بھی ترجمہ میں قرآنی لفظ الحدیث کا ترجمہ کلام کر کے موصوف نے اپنی ذہن پرستی کا ثبوت دیا ہے۔ نیز یہاں آخری آیت کریمہ میں لفظ رزق پر بھی غور کیجئے کہ آپ رزق کے کیا معنیٰ سمجھتے ہیں؟

قارئین اگر آپ بُرا نہ مانیں تو ان آیات کا ترجمہ، زیادہ سلیس انداز میں، یوں بھی کیا جا سکتا ہے:

"ترجمہ: بیشک یہ قرآن ہے (۷۷) (جو کہ بَيْنُ الدَّفَتَيْن) کتاب میں محفوظ ہے (۷۸) اسے نہ چھوئیں سوائے ان کے جو پاک حالت میں ہوں (یعنی انہیں غسل کی حاجت نہ ہو) (۷۹) (یہ) رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے (۸۰) کیا تم اس الحدیث سے مداہنت کرتے ہو (یعنی چرب زبانی سے اصل کے خلاف ظاہر کرتے ہو کہ الکتٰب ہی الحدیث نہیں بلکہ نام نہاد قول و فعل و تقریرِ رسول حدیث ہے) (۸۱) اور اس طرح الحدیث کو جھٹلانا اپنے رزق (یا روزی کا ذریعہ و وسیلہ) بناتے ہو (۸۲)

غور کیجئے کہ یہاں ان آیات کریمات سے یہ حقیقت بے نقاب ہو جاتی ہے کہ صرف القرآن ہی رب العالمین کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اسی کو 'الحدیث' کہا گیا ہے جو کہ شروع ہی سے بین الدفتین کتابی شکل میں محفوظ و مامون ہے جبکہ (نام نہاد) حدیث نازل شدہ نہیں، نہ ہی محفوظ و مامون ہے بلکہ لاکھوں کروڑوں گھڑی گئیں اور جب سے گھڑی گئیں اسی وقت سے پرکھی جا رہی ہیں کہ صحیح کتنی ہیں اور غلط کتنی مگر سینکڑوں سال میں بھی یہ فیصلہ نہ ہو سکا ہے۔ جبکہ القرآن کیلئے تمام دنیا متفق ہے کہ یہ وہی الکتٰب ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھی۔ (خیال رہے کہ علامہ ناصر الدین البانی صاحب اب تک ان (نام نہاد) احادیث کو پرکھ رہے ہیں اور ان کے علیحدہ مجموعے بنا رہے ہیں)۔

۵۔ مزید دیکھئے کہ سورہ الطور میں اللہ تعالیٰ مشرکین و منافقین کے الزامات' جو انہوں نے رسول سلامٌ علیہ اور قرآن کریم پر لگائے تھے، کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ:

" اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: "کیا (کفار) یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے خود بنا لیا ہے؟ بات یہ نہیں ہے بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ یہ ایمان لانا نہیں چاہتے اور) یہ ایمان نہیں لائیں گے (اس لئے ایسی باتیں بنا رہے ہیں) (۳۳) اگر وہ (اپنے اس دعوے میں) سچے ہیں تو ایسا کلام یہ بھی بنا کر لے آئیں (۳۴) " (سورہ طور، تفسیر قرآن عزیز۔

آیات ۴۳۔۴۴، جزء۔۹۔ص ۲۷۲)

غور کیجئے یہاں بھی موصوف نے قرآنی لفظ حدیث کا ترجمہ کلام کر دیا!

غور کیجئے کہ جب محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر قرآن کریم نازل ہو رہا تھا تو اس وقت مشرکین و منافقین قرآن کریم ہی پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ انہوں نے خود بنالیا ہے یا گھڑ لیا ہے مگر کسی نے بھی (نام نہاد) حدیث پر اعتراض نہیں کیا جب کہ موصوف کے مطابق تو وہ ہیں ہی قول و فعل و تقریر رسول۔ ایسا کیوں؟ ایسا اس لئے کہ جب وحیِ قرآن ہو رہی تھی تو اس وقت (نام نہاد) وحی خفی کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اللہ کی وحی ہر طرح کے شرک سے پاک تھی۔ اور اسی کو 'الحدیث' خود اللہ تعالیٰ نے فرمادیا ہے اس لئے موصوف کا عقیدہ باطل ہو جاتا ہے۔

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جو چیلنج دیا ہے کہ اگر منافقین و مشرکین کا یہ اعتراض ہے کہ القرآن رسولِ کریم نے خود بنالیا ہے تو وہ اس جیسی ایک حدیث ہی لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔ تو منافقین و مشرکین نے اپنی ہٹ دھرمی میں اللہ تعالیٰ کے چیلنج کے جواب میں (نام نہاد) حدیثیں گھڑ گھڑ کر مسلمین میں پھیلا دیں اور ان کو بھی وحی قرار دیدیا۔ آج ہمارے بھائی بغیر سوچے سمجھے، بغیر غور و فکر کئے ہوئے منافقین و مشرکین کے پھیلائے ہوئے عقیدے پر چلے جارہے ہیں بلکہ ان کا دفاع کرتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ کیا کر رہے ہیں؟

۶۔ مزید دیکھئے کہ سورہ القلم میں اللہ تعالیٰ یوم آخرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

" فَذَرۡنِیۡ وَمَنۡ یُّکَذِّبُ بِهٰذَا الۡحَدِیۡثِ ؕ سَنَسۡتَدۡرِجُهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ لَا یَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: (اے رسول) مجھے اور جو لوگ اس کلام کو جھٹلا رہے ہیں انہیں چھوڑ دیجئے۔ ہم ان کو بتدریج اس طرح (عذاب کے) قریب کر دیں گے کہ انہیں خبر بھی نہیں ہو گی (۴۴) (سورہ القلم، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۹۔ص ۸۸۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی بات 'الحدیث' یعنی 'القرآن' ہی کی ہو رہی ہے کہ اس کو جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو یہ نہیں کہا جارہا کہ (نام نہاد) احادیث کو جھٹلانے والوں سے سمجھ لینے دو۔ (ذرا سوچئے کہ یہاں بھی موصوف نے "الحدیث" کا ترجمہ "کلام" کر دیا ہے!)

۷۔ مزید دیکھئے کہ سورہ الاعراف کی آیت ۱۸۵ اور سورہ المرسلات کی آیت ۵۰ دونوں میں اللہ تعالیٰ ایک ہی سے الفاظ استعمال کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: پھر اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے" (سورہ الاعراف ۱۸۵، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۴،ص ۶۲۶)

یہاں بھی القرآن ہی پر اور اس کی آیات پر ایمان لانے کی بات ہو رہی ہے اور آیات القرآن ہی کو حدیث کہا جا رہا ہے (جبکہ موصوف نے حدیث کا ترجمہ بات کر کے لوگوں کی توجہ ہی قرآن سے ہٹانے کی کوشش کی)

پس ثابت ہوا کہ کلام الٰہی کے مطابق "حدیث" آیات القرآن ہی کو کہا جاتا ہے، اور وہی "قولِ رسول کریم" ہیں نہ کہ موصوف کی تجویز کردہ غیر قرآنی قول و فعل و تقریر رسول، ہاں البتہ جو قول و فعل و تقریر رسول قرآن کریم

میں وحی شدہ ہیں یا اس کے عین مطابق ہیں وہ یقیناً حدیث رسول ہیں مثلاً:

## اصلی حدیثِ رسول

۱۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا:

"قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ؕ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: (اے لوگو) تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس (عبرت و) بصیرت کی باتیں آچکی ہیں جس نے (ان کو نگاہِ بصیرت) سے دیکھا تو اس میں اس کا فائدہ ہے اور جس نے (ان سے) آنکھیں بند کر لیں تو اس کا وبال اسی پر ہو گا اور (اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ) میں تم پر نگران نہیں ہوں (کہ تم سے زبردستی منواؤں) (۱۰۵)" (سورۃ الانعام، تفسیر قرآن عزیز، ص ۱۷۷۔۱۷۸، جزء۔۴)

۲۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کیا بات زبردستی نہیں منوانا، اس کے لئے انہوں نے فرمایا:

"...... هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ﴿۳﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

ترجمہ: اللہ ایک ہے (۱) وہ بے پرواہ ہے (نہ اسے کیس چیز کی پرواہ ہے اور نہ کسی چیز کی ضرورت) (۲) نہ اس کی کوئی اولاد ہے (ورنہ وہ کسی کا بیٹا ہے (۳) اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے (۴) (سورہ الاخلاص، تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۱۰، ص ۵۸۲)

۳۔ مزید دیکھئے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی قولی حدیث

"يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨالَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ وَ اتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: اے لوگو، میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں جس اللہ کی بادشاہت آسمانوں پر بھی ہے اور زمین پر بھی، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی زندہ کرتا ہے، وہی مارتا ہے، تو (اے لوگو) اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امّی پر ایمان لاؤ جو اللہ پر اور اللہ کی باتوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کی پیروی کرو[ا] تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے (۱۵۸) (سورہ الاعراف، تفسیر قرآن عزیز، ص ۵۶۷۔۵۶۸، جزء۔۴)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی قولی حدیث بنیادی طور پر صرف الٰہ واحد اور اس کے کلمات پر ایمان لانے کی دعوت دے رہی ہے اور رسول کے آنے کا مقصد ہی یہ ہے، نا کہ داڑھی بڑھانے اور مونچھیں کتروانے کا طریقہ بتانا یا

---

ا۔ یہاں موصوف نے وَ اتَّبِعُوْهُ کا ترجمہ صحیح نہیں کیا۔ یہاں "وَ اتَّبِعُوْهُ" الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ كَلِمٰتِهٖ کیلئے کہا جارہا ہے کہ رسول جو اللہ اور اس کے کلمات پر ایمان رکھتے ہیں تو تم بھی اس کی اتباع کرو یعنی اللہ اور اس کے کلمات یعنی قرآن کریم پر ایمان لاؤ اور ع اسی کی پیروی کرو۔ یعنی پیروی یا اتباع اللہ کے کلمات (قرآن کریم) کی ہے۔ اور رسول کی اتباع کرنے کا بھی یہی مطلب ہے۔

شلوار کا پائنچہ اوپر کرنا سکھانا[۲] اپنی وضع قطع، لباس وزینت خود انسان کی فطرت میں ودیعت شدہ ہیں اور انسان خود حالات وماحول کے مطابق ان میں تبدیلیاں کرتا رہتا ہے اور مناسب راہ اختیار کرتا رہتا ہے۔ اصل شئے جہاں وہ راہ سے ہٹتا ہے وہ اللہ کی وحدانیت اور اس کے کلمات کی اتباع ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ اپنے بزرگوں کو شریک کرنے لگتا ہے اور اللہ کے کلمات پر اپنے بزرگوں کے کلمات مقدم کر دیتا ہے۔ اسی لئے بار بار رسول بھیجے جاتے رہے اور وہ بھی یہی پیغام دیتے رہے کہ صرف الٰہ واحد کو مانو۔ دیکھئے۔

۴۔ حضرت نوح کی قولی حدیث، کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

"اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲۵ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ۝۲۶

ترجمہ: میں تمہیں صاف صاف (اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والا (بنا کر بھیجا گیا ہوں) (۲۵) (اللہ نے حکم دیا ہے) کہ تم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو (اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو) مجھے تمہارے متعلق المناک دن کے عذاب کا خوف ہے (۲۶)" سورہ ھود، ص ۴۳۷، جزء۔ ۵

۵۔ آگے دیکھئے حضرت ھود کی قولی حدیث کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

---

[۲]۔ یہ رسول کی شان نہیں، نہ ہی رسول کا کام ہے۔ یہ تمام چیزیں اللہ کی ودیعت کردہ ہیں اور انسان خود اپنی فطرت کے مطابق کر لیتا ہے۔ میں ایک بہت بڑی مثال پیش کرتا ہوں کہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"......... وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُکَلِّبِیْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰهُ ........"

ترجمہ: اور وہ شکار بھی (تمہارے لئے حلال ہے) جو تم نے ایسے شکاری جانوروں کے ذریعہ کیا ہو جن کو تم نے تعلیم دی ہو، شکار کرنے کے لئے سدھایا ہو اور اس طرح ان کو تعلیم دی ہو، جس طرح تمہیں اللہ نے تعلیم دی ہے" (تفسیر قرآن عزیز، ص ۵۳۶، جزء ۳)

یہاں غور کیجئے کہ جانوروں کے سدھانے کی تعلیم جو تمہیں اللہ نے دی ہے وہ کیا ہے؟ اور کہاں ہے؟ قرآن کریم میں جانوروں کو سدھانے کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ تو موصوف کے مطابق اس کا طریقہ جبریل کو بھیج کر رسول کو بتایا گیا ہو گا اور جبریل نے جانور سدھا کر دکھایا بھی ہو گا (جیسا کہ انہوں نے اسی طرح کے الفاظ پر نماز پڑھ کر دکھائی اور سکھائی تھی) تو پھر وہ طریقہ اس آیت کی تشریح رسول یعنی (نام نہاد) حدیث میں ہونا چاہئے۔ تو موصوف کی تفسیر کے مطابق وہ بھی دیکھ لیجئے کیا ہے:۔

"تفسیر: (۱) شکاری جانور کو پہلے خوب سدھائے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِذَا اَرْسَلْتَ کِلَابَکَ الْمُعَلَّمَةَ وَذَکَرْتَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَیْهِ فَکُلْ (صحیح مسلم کتاب الصید باب الصید بالکلاب المعلمۃ جزء ۲ ص ۱۶۵ و صحیح بخاری کتاب الذبائح باب ماجاء فی الصید، جزء ۷ ص ۱۱۴، اللفظ لمسلم)

جب تم اپنے سدھائے ہوئے کتوں کو چھوڑو اور ان پر اللہ کا نام لو تو پھر (ان کا شکار کیا ہوا جانور) کھا سکتے ہو۔

یہ (نام نہاد) حدیث، قرآنی آیت تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَکُمُ اللّٰهُ کی تفسیر ہے" (ص ۵۳۷۔ ۵۳۸، تفسیر قرآن عزیز جزء۔ ۳)

کہئے دیکھ لی آپ نے "اللہ کے بتائے ہوئے یا تعلیم دیئے ہوئے طریقہ" کی تفسیر۔ حالانکہ اگر یہ طریقہ جبریل نے آ کر بتایا ہوتا اور اس طرح جس طرح نماز کا طریقہ سکھایا۔ جانوروں کو سدھانے کا طریقہ بھی تعلیم کیا گیا ہوتا تو پھر تو تفسیر اتنی ضخیم ہونی چاہئے تھی جتنی کہ عام طور پر نماز کی کتابیں۔ اور پھر وہ طریقہ تو لوگوں کے لئے کمائی کا ذریعہ بھی بن جاتا اور تفسیری مولویوں کے ہاتھ ایک اور کمائی کا گر آ جاتا۔ مگر ظاہر ہے کہ عَلَّمَکُمُ اللّٰهُ کے معنی یہ نہیں جو موصوف کرتے ہیں کہ جبریل آ کر سکھائیں گے۔ بلکہ اس کے معنی اللہ نے انسان کی فطرت میں وہ طریقہ ودیعت کر دیا ہے اور ذرا سی کاوش سے انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

"........ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ اِنۡ اَنۡتُمۡ اِلَّا مُفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۰﴾ يٰقَوۡمِ لَاۤ اَسۡـَٔـلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ اَجۡرِىَ اِلَّا عَلَى الَّذِىۡ فَطَرَنِىۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَ يٰقَوۡمِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّكُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ يُرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَيۡكُمۡ مِّدۡرَارًا وَّيَزِدۡكُمۡ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمۡ وَلَا تَتَوَلَّوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: ........ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں، (اور یہ جو تم نے دوسروں کو الٰہ بنا رکھا ہے یہ تمہاری افتراء پردازی ہے) اور تم واقعی (بڑے) افتراء پرداز ہو (۵۰) اے میری قوم میں تم سے اس (وعظ و نصیحت) کی کوئی اجرت طلب نہیں کرتا، میری اجرت تو اس کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا، کیا تم اتنی بات بھی نہیں سمجھتے (۵۱) اور اے میری قوم، اپنے ربّ سے معافی مانگو پھر اس سے توبہ کرو (کہ آئندہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں کروگے اگر تم ایسا کروگے تو) اللہ تم پر موسلا دھار بارش برسائے گا، تمہاری قوت میں اضافہ پر اضافہ فرمائے گا اور (اے میری قوم، میری بات مان لو) مجرم بن کر اس سے منہ نہ موڑو (۵۲)" (تفسیر قرآن عزیز، سورہ ھود، ص ۲۸۸، جزء ۵)

۶۔ آگے دیکھئے حضرت صالح کی قولی حدیث، کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

"........... يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ هُوَ اَنۡشَاَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَاسۡتَعۡمَرَكُمۡ فِيۡهَا فَاسۡتَغۡفِرُوۡهُ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَيۡهِ ؕ اِنَّ رَبِّىۡ قَرِيۡبٌ مُّجِيۡبٌ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: ........... اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں، اسی نے تم کو زمین (کی مٹی) سے پیدا کیا، پھر اس زمین میں تم کو آباد کیا لہٰذا (اس کا کہنا مانو اور جو گناہ کر چکے ہو ان کی) اس سے معافی مانگو پھر اس سے توبہ کرو (کہ آئندہ کوئی گناہ نہیں کروگے) بے شک میرا ربّ (بہت) قریب ہے (کسی وسیلہ کی اسے حاجت نہیں، وہ سب کی دعاؤں کو سننے والا اور) قبول کرنے والا ہے (۶۱)" (تفسیر قرآن عزیز، سورہ ھود، ص ۳۰۱، جزء ۵)

۷۔ آگے دیکھئے حضرت شعیب سلامٌ علیہ کی قولی حدیث، کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

"........ يٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمۡ مِّنۡ اِلٰهٍ غَيۡرُهٗ ؕ وَلَا تَنۡقُصُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكُمۡ بِخَيۡرٍ وَّاِنِّىۡۤ اَخَافُ عَلَيۡكُمۡ عَذَابَ يَوۡمٍ مُّحِيۡطٍ ﴿۸۴﴾ وَيٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِكۡيَالَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡيَآءَهُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِى الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِيۡنَ ﴿۸۵﴾ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَاۤ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِحَفِيۡظٍ ﴿۸۶﴾ سورہ ھود

ترجمہ: اے میری قوم، اللہ کی عبادت کرو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی الٰہ نہیں اور (دیکھو) ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو مجھے معلوم ہے کہ تم خوشحال لوگ ہو (پھر ناپ تول میں کمی کرنے کی آخر کیا ضرورت ہے، اگر تم نہیں مانوگے تو) مجھے تمہارے متعلق ایسے دن کے عذاب کا ڈر ہے جو (دن سب کو اپنے) احاطہ میں لے لے گا (۸۴) اور اے میری قوم، ناپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم (ناپ کر یا تول کر) نہ دیا کرو اور زمین میں فساد نہ مچاؤ (۸۵) (اور اے میری قوم) اگر تم ایمان لے آؤ تو (تجارت میں) اللہ کی (دی ہوئی) بچت (یا منافع) تمہارے لئے بہتر ہے اور (یہ یاد رکھو کہ) میں تم پر نگراں نہیں ہوں

(کہ مجھے تمہاری ہر بات کا علم ہو جائے، ہاں اللہ بے شک تم پر نگراں ہے لہٰذا اس سے ڈرتے رہو (۸۶) "
(تفسیر قرآن عزیز، سورہ ھود، ص ۳۲۶، جزء ۵)

۸۔ آگے دیکھئے حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی قولی حدیث، کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا:

"......... اِنَّا بُرَآءُوْا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ.......... سورہ الممتحنہ

ترجمہ: ........ ہم تم سے اور اللہ کے علاوہ جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سے بیزار ہیں ہم تم سے (محبت کرنے کا) انکار کرتے ہیں اور جب تک تم اللہ اکیلے پر ایمان نہ لاؤ ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے کھلم کھلا دشمنی اور بغض قائم رہے گا........ " (۴) (سورہ الممتحنہ تفسیر قرآن عزیز۔ آیت ۴، ص ۶۰۲، جزء ۹)

۹۔ آگے دیکھئے حضرت یوسف سلامٌ علیہ کی قولی حدیث کہ انہوں نے (جیل میں) اپنے ساتھیوں سے فرمایا:

"........ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾

ترجمہ: .......... میں نے اس قوم کی ملّت کو جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور آخرت کا انکار کرتے ہیں ترک کر دیا ہے (۳۷) میں تو اپنے آباء و اجداد ابراہیمؑ، اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کی ملّت کی پیروی کرتا ہوں۔ ہمارے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کریں یہ اللہ کا ہم پر اور (تمام) لوگوں پر (بڑا) فضل ہے (کہ وہ بار بار) صحیح راستے کی نشاندہی کرتا رہتا ہے لیکن اکثر لوگ (اس کا) شکر ادا نہیں کرتے (۳۸) اے قید خانے کے ساتھیو، (بتاؤ) کیا (مختلف قوموں اور قبیلوں کے یہ) علیحدہ علیحدہ رب بہتر ہیں یا اللہ (بہتر ہے) جو واحد (و یکتا) اور غالب و زبردست ہے (۳۶) (اے قید خانے کے ساتھیو) جن جن، ہستیوں کی تم اللہ کے علاوہ پرستش کرتے ہو یہ بس نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے آباء واجداد نے رکھ لئے ہیں، اللہ نے تو ان کی کوئی سند نازل نہیں فرمائی (اور یہ بھی سن لو کہ) حکم کسی کا نہیں چلتا سوائے اللہ (اکیلے) کے (تو پھر بغیر اس کے حکم کے ان ہستیوں کی عبادت کیسے ہو رہی ہے برخلاف اس کے) اس نے تو یہ حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو سوائے اس کے، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ (اتنی واضح بات کو بھی) نہیں جانتے (۴۰) " (سورہ یوسف ص ۴۱۷۔۴۱۸، جزء۔۵، تفسیر قرآن عزیز)

ذرا اس حدیثِ یوسف سلامٌ علیہ پر غور کر لیجئے کہ حضرت یوسف کتنے واضح الفاظ میں صرف اللہ تعالیٰ ہی پر ایمان لانے اور اسی ہی کی عبادت کرنے پر زور دے رہے ہیں اسی کو اپنے آباء و اجداد ابراہیم، اسحٰق اور یعقوب کا دین (مِلَّةَ بمعنی = دین، طریقہ، راستہ) بتارہے ہیں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کو اس طرح واضح کر رہے ہیں کہ

اس کے علاوہ کسی کا حکم نہیں (حتیٰ کہ رسول کا بھی حکم نہیں۔ رسول تو خود اللہ ہی کے حکم کی پیروی کرتا ہے۔ جبکہ ہمارے فرقے والے حضرات تین حکم مانتے ہیں ایک اللہ کا اور ایک رسول کا اور ایک محدث یا امام، فقہ کا)......... اور اسی کو سیدھا دین (الدِّيْنُ الْقَيِّمُ) بتا رہے ہیں۔

۱۰۔ آگے دیکھئے محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کی قولی حدیث، کہ انہوں نے اہل کتاب سے فرمایا:

"......... يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب، ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کریں اور اللہ کے علاوہ ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائیں۔ اگر یہ (اس بات سے) منہ موڑیں تو (اے ایمان والو) ان سے کہہ دو تم "گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم ہیں" (۶۴) (تفسیر قرآن عزیز، اٰل عمرآن، ص۱۱۳، جزء۲)

۱۱۔ آگے دیکھئے محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کی فعلی حدیث کہ وہ اپنا راستہ یا سنت کیا بتا رہے ہیں:

"......... هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِيْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ:......... کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میری پیروی کرنے والے سمجھ بوجھ (کے ساتھ اس) پر (قائم) ہیں، اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (۱۰۸)" (تفسیر قرآن عزیز، سورہ یوسف، ص۸۷۴، جزء۵)

قارئین کرام! غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنا **راستہ یعنی سنت** کیا بتا رہے ہیں؟ وہ اپنی سنت یہ بتا رہے ہیں کہ "میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں"۔ مگر ہمارے علما کرام رسول کی سنت یہ بتاتے ہیں کہ لمبی داڑھی رکھو اور مونچھیں کترواؤ اور پاجامہ کا پائنچہ اوپر چڑھا کر اپنی زینت خراب کرلو۔ جبکہ قرآن کریم ادائیگی صلوٰۃ کیلئے اپنی زینت پہننے / سنبھالنے کا حکم دیتا ہے (دیکھئے ۷/۳۱) وغیرہ وغیرہ۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں "سَبِيل" کے معنی ہی راستہ یا سنت یا طریقہ یا عادت کے ہیں اور "سنت" کا لفظ پورے قرآن کریم میں سنتِ رسول کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعمال ہوا ہے (سُنَّةَ اللّٰهِ[1]) یا پھر پہلے گزرے ہوئے لوگوں کے ساتھ استعمال ہوا ہے (سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ[2])

۱۲۔ آگے دیکھئے رسول اللہ سلامٌ علیہ کیا فرماتے ہیں (قولی حدیث)۔ وہ اللہ تعالیٰ کو، جو کہ گواہی کے لحاظ سے سب سے بڑی ہستی ہے، گواہ بنا کر فرماتے ہیں:

"وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ ؕ ........."

ترجمہ: میری طرف صرف[3] یہ قرآن نازل کیا گیا ہے تاکہ میں اس کے ذریعہ تم کو اور جس جس کو وہ پہنچے

---

۱۔ دیکھئے: ۳۸/۳۳، ۶۲/۳۳، ۴۳/۳۵، ۸۵/۴۰، ۲۳/۴۸۔ ۲۔ دیکھئے: ۳۸/۸، ۱۳/۱۵، ۵۵/۱۸، ۴۳/۳۵۔ ۳۔ یہاں موصوف کے ترجمہ میں لفظ صرف کا اضافہ میں نے کیا ہے (جس کے لئے معذرت خواہ ہوں) یونکہ بغیر اس لفظ کے ترجمہ صحیح نہیں ہوتا۔

ڈراؤں" (۱۹)(تفسیر قرآن عزیز، سورہ الانعام ص۲۶، جزء۴)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کتنے واضح الفاظ میں اعلان فرمارہے ہیں کہ ان کی طرف صرف قرآن نازل کیا گیا ہے........ مگر ہمارے علماکرام کہتے ہیں کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ قرآن کے مثل (مِثْلُهٗ وَ مَعَهٗ) اور کچھ بھی یعنی ظنّی احادیث بھی نازل ہوئیں۔ اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ رسول کی حدیث جو قرآن کریم میں درج ہے وہ صحیح ہے اور قابلِ اعتبار و قابلِ ایمان ہے یا ظنّی حدیث جو فارسیوں / عجمیوں کی صدیوں بعد لکھی گئی کتابوں میں درج ہے وہ صحیح و قابلِ اعتبار و قابلِ ایمان ہے۔ اور ہو بھی وہ جس کیلئے خود اس فن کے ماہرین متفق علیہ نہیں کہ وہ صحیح ہے یا غلط[۱]

الغرض قرآن کریم ہی احادیثِ رسول سے بھرا ہوا ہے اور وہی اَحْسَنَ الْحَدِيْث ہے جبکہ موصوف کی بتائی ہوی (نام نہاد) احادیث ظنّی اور گھڑی ہوئی ہیں۔ اور موصوف کی حدیث کی تعریف بھی صحیح نہیں جیسا کہ اوپر درج شدہ احادیثِ رسول سے ثابت ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث وحی الٰہی بھی نہیں۔ یوں کہ موصوف کی حدیث کی تعریف (ص۳۳۶) میں خود یہ بات کہیں نہیں کہ وہ وحی شدہ یا نازل شدہ ہیں اس لئے وہ وحی کیسے ہو سکتی ہیں۔ بلکہ یہ تعریف بھی خود ساختہ ہے۔

یہ حقیقت ثابت شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ اس قرآن کی آیات کے علاوہ اور بھی کچھ یا (نام نہاد) احادیث وحی کی گئیں۔ (ہمارا چیلنج اپنی جگہ برقرار ہے کہ کوئی عالم ایسی ایک آیت بھی پیش کردے) چنانچہ اس مجبوری کے تحت (نام نہاد) احادیث اور فنونِ حدیث ایجاد کرنے والوں نے ایک روایت گھڑی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ مجھ پر قرآن کے علاوہ اس کے ساتھ اس کا مثل بھی نازل کیا گیا۔ (وہ روایت مِثْلُهٗ وَ مَعَهٗ والی روایت کے نام سے مشہور ہے) اور پھر تمام روایات کو "اَحْسَنَ الْحَدِيْث" کے مقابلہ میں "حدیث" کا نام دے کر عوام میں متعارف کرا دیا گیا۔ اب چونکہ قرآن کے خلاف فارسی عجمی علما و فضلاء کی سازش جاری رہی اس لئے روایات کا کوئی ایک نسخہ نہ رائج ہو سکا بلکہ جوں جوں روایات گھڑی جاتی رہیں اسی لحاظ سے ہر صدی میں مختلف نسخے مرتب ہوتے رہے اور بڑے بڑے فارسی عجمی علما و فضلاء کے نام سے عوام میں متعارف کرائے جاتے رہے۔ اسی لئے "مِثْلُهٗ وَ مَعَهٗ" والی روایت میں اس نسخہ کا کوئی نام قرآن کریم کے مقابلہ پر پیش نہ کر سکے۔ البتہ بعد میں ان سازشیوں کے متبعین و مقلدین نے وہ کمی بھی پوری کر دی اور دعویٰ کر دیا کہ صحیح بخاری و صحیح مسلم صحت کے اعتبار سے قرآن کے برابر ہیں۔ (معاذ اللہ) گویا کہ انہوں نے قرآن کی صحت کو بھی صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت کی طرح پرکھ لیا۔ (معاذ اللہ) اور اب موصوف تو اس دیدہ دلیری کی انتہا کو پہنچ گئے کہ انہوں نے "تاریخ الاسلام و المسلمین" نامی کتاب ہی ان تینوں صحت مند کتابوں سے مرتب کر ڈالی اور اس کو سب سے صحیح تاریخ کی کتاب قرار دیدیا۔ خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا۔ ہم یہ بتا رہے تھے کہ جب قرآن کریم میں ایک بھی آیت ایسی نہیں جس میں یہ کہا گیا ہو کہ قرآن کے علاوہ بھی (نام نہاد) احادیث رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی ہوتی تھیں تو پھر ہمارے علماکرام کس طرح بہک گئے کہ انہون نے ایک غلط سازشی عقیدہ کو اپنا لیا۔ تو آیئے دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے عقیدہ کی صحت کیلئے کونسی آیت الٰہی پیش کرکے اور ان کے غلط معنی کرکے یا غلط تاویل کرکے اپنے عقیدہ کو صحیح ثابت کرتے ہیں:

---

[۱] جس کسی کو شبہ ہو وہ دیکھے علامہ تمنا عمادی صاحب کی کتاب 'اعجاز القرآن' شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ کراچی۔

## آیات کی غلط تاویل اور دھوکہ دہی

**۱۔** سب سے پہلی آیت جو وہ پیش کرتے ہیں وہ سورہ النجم کی یہ دو آیات ہیں۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝

اور ان کا ترجمہ یہ کر کے پیش کرتے ہیں کہ "اور نہ وہ اپنی خواہش سے بات کرتے ہیں وہ جو کچھ کہتے ہیں وحی ہوتی ہے جو ان پر نازل کی جاتی ہے" اس لئے ان کا ہر قول، ہر بات چیت وحی ہوئی! کیا یہ ممکن ہے؟ اب آپ ذرا قرآن کریم کے ترجمے اُٹھا کر دیکھئے کہ مترجمین و مفسرین کیا ترجمہ کرتے ہیں[۱]:

(۱)۔ "اور نہ خواہشِ نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں۔ یہ (قرآن) تو حکمِ خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے"۔ (ترجمہ از فتح محمد جالندھری صاحب)

(۲) اور نہ اپنی خواہشِ نفسانی سے باتیں بناتے ہیں۔ (بلکہ) یہ (قرآن جو پڑھ کر سناتے ہیں) وحی (آسمانی) ہے جو ان پر نازل ہوتی ہے" (ترجمہ از شمس العلماء مولوی حافظ نذیر احمد صاحب عرف ڈپٹی صاحب)

دیکھا آپ نے کہ اتنے بڑے اہلحدیث عالم جن کو شمس العلما کا خطاب تھا خود ترجمہ میں قوسین لگا کر واضح کر رہے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی آسمانی یعنی قرآن نازل ہوتا تھا اور وہ وہی پڑھ کر سناتے تھے۔ یعنی (نام نہاد) حدیثیں نہیں سناتے تھے۔ (یہ تو سب بعد میں بنائی گئیں)

آپ جب بھی کسی سے بات کریں یا کوئی تقریر یا وعظ سنیں تو وہ یہی کہتا ملے گا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ہر قول وحی ہے۔ دیکھئے قرآن کہتا ہے اور پھر وہ آپ کو عربی میں یہی سورہ النجم کی آیت پڑھ کر سنائے گا اور اردو میں غلط ترجمہ پیش کر کے کہے گا کہ دیکھئے ان کا ہر قول وحی ہوتا تھا۔

آپ خود غور کیجئے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک بندہ سوائے وحی کے اور کچھ بولے ہی نہیں؟ آخر دنیا داری بھی تو کرنا ہے، دوست احباب سے ملنا ہے، بیوی بچوں سے ملنا ہے، انتظامی امور نمٹانا ہیں، وفود سے ملنا ہے، لوگوں کے جھگڑے نمٹانا ہے وغیرہ وغیرہ۔ الغرض ایسا ممکن ہی نہیں۔ اور اگر ایسا ہوتا تو پھر ان کے کچھ ارشاد فرمائے ہوئے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سرزنش کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا (جیسا کہ پچھلے صفحات میں قرآنی آیات پیش کیں)۔ ایسا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک وحی اپنے رسول کی زبان مبارک سے کہلوائے اور پھر اس پر سرزنش کرے۔ پس ثابت ہوا کہ ہمارے عام علما غلط ترجمہ اور غلط مفہوم و تاویل پیش کر کے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور موصوف سے بھی یہی غلطی ہوئی جو اسلام میں ایک نئے فرقہ کی بنیاد بن گئی!

**۲۔** دوسری آیت وہ سورہ الحشر کی نامکمل پیش کر کے اپنے مطلب کے معنی نکالتے ہیں۔

"وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

---

[۱] اپنی کتاب "ذہن پرستی" میں انہوں نے ترجمہ کیا ہے کہ "رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا، وہ جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے" کیا یہ ممکنات سے ہے؟ وہ اپنی ازواج مطہرات سے گھر میں جو بات کہتے تھے کیا وہ وحی ہوتا تھا؟؟ کیا وہ ایک روبوٹ تھے؟ (ص ۸۴، "ذہن پرستی" مصنفہ مسعود احمد، امیر جماعت المسلمین، ۱۴۰۷ھ مطابق ۱۹۸۷ء)

ترجمہ: (اے ایمان والو) جو کچھ رسول تمہیں دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جن چیزوں سے روک دیا کریں (ان سے) رک جایا کرو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ (بہت) سخت عذاب دینے والا ہے (۷) " (الحشر۔ ص ۵۶۰، جزء۹۔ تفسیر قرآن عزیز)

غور کیجئے کہا جا رہا ہے کہ "سو جو چیز تم کو پیغمبر دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو" یعنی بات کسی چیز کے لینے اور نہ لینے کی ہو رہی ہے۔ مگر ہمارے علما کہتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں کہ جو (نام نہاد) حدیثِ رسول دیں وہ لے لو۔ کہئے کیا یہ معنی آپ کو سمجھ آتے ہیں؟ اس کو اگر صحیح مان لیا جائے تو پھر اگلے حصہ کے کیا معنی ہوں گے کہ "جس سے روک دیا کریں اس سے رُک جایا کرو، تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ رسول کے پاس بھی دو طرح کی حدیثیں تھیں ایک وہ دیتے تھے اور دوسری سے روک دیتے تھے! (نعوذ باللہ)

اب دیکھئے دوسرے اہلحدیث مترجم، شمس العلماڈپٹی نذیر احمد صاحب کیا ترجمہ کرتے ہیں:

"اور (مسلمانو جو چیز پیغمبر تم کو ہاتھ اُٹھا کر دے دیا کریں تو وہ لے لیا کرو، اور جس چیز (کے لینے) سے تم کو منع کریں (اُس سے) دست کش رہو، اور خدا (کے غضب) سے ڈرتے رہو (کیونکہ) خدا کی مار بڑی سخت ہے (۷)" (ترجمہ از ڈپٹی نذیر احمد صاحب)

اب ذرا ڈپٹی صاحب کے ترجمہ پر غور فرمایئے کہ وہ کیا چیز ہے جو رسول سلامٌ علیہ ہاتھ اُٹھا کر دے رہے ہیں (یا ہاتھ سے اُٹھا کر دے رہے ہیں)؟ کیا وہ (نام نہاد) حدیث کے مجموعے صحیح بخاری و صحیح مسلم ہیں کہ انہیں ہاتھ سے اُٹھا کر دے رہے ہیں کہ یہ لے لو۔ اور کیا موضوعات کبیر بھی ان کے پاس پڑی ہے جسے ہاتھ اُٹھا کر نہیں دے رہے بلکہ منع کر رہے ہیں کہ یہ نہ لو؟ سوچئے یہ دو طرح کی وحی کیسی کہ وحی خفی کے ساتھ وحی موضوع بھی ہے۔ اور وہ بھی رسول کے پاس (معاذ اللہ)۔ قارئین اسے کہتے ہیں کھلا دھوکہ! تقاریر و وعظ میں ہمیں، آپ کو یہ کھلا دھوکہ دیا جاتا ہے کہ پوری آیت بھی نہیں سنائی جاتی، صرف آدھی یا ادھوری آیت سنا کر غلط معنی و تاویل کر کے کچھ کے کچھ معنی پہنا دیئے جاتے ہیں۔ ع

دیتے... ہیں... یہ... بازیگر... دھوکہ... کھلا

اب ذرا یہ دیکھئے کہ یہ پوری آیت کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ اس سے پہلی والی آیت بھی ملا لیجئے:

"وَمَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْهُمْ فَمَآ اَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَّلَا رِكَابٍ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهٗ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ مَآ اَفَآءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ ۭ وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۤ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ: اور (اے ایمان والو) جو مال اللہ نے اپنے رسول کو (بغیر لڑائی کے) دلوایا ہے (اس میں تمہارا کوئی حق نہیں اس لئے کہ) تم نے اس کے لئے نہ گھوڑے دوڑائے اور نہ اونٹ، اللہ جن لوگوں پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو (بغیر لڑائی کے تسلط دے دیا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۶) ان بستی والوں سے جو مال اللہ نے اپنے رسول کو (بغیر لڑائی کے) دلوا دیا ہے وہ اللہ کا، رسول کا، قرابتداروں کا، یتیموں کا، مسکینوں کا اور

مسافروں کا (حق) ہے (یہ حکم اس لئے دیا جارہا ہے) تا کہ یہ (مال ومتاع تم میں جو مالدار ہیں انہی کے درمیان نہ گھومتا رہے اور (اے ایمان والو)) جو کچھ رسول تمہیں دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جن چیزوں سے روک دیا کریں (ان سے) رُک جایا کرو، اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ (بہت) سخت عذاب دینے والا ہے (۷)
(سورہ الحشر۔ تفسیر عزیز، جزء۹، آیات ۶۔۷، ص ۵۶۰)

اس سے آگے دسویں آیت تک ان لوگوں کی تفصیل ہے جن کو یہ مفت میں ہاتھ لگا ہوا مال رسول کی طرف سے عطا کرنے کو کہا جارہا ہے یا جن کا یہ حق بنتا ہے۔ میں صرف ترجمۂ آیات پیش کرتا ہوں۔ ملاحظہ ہو:

ترجمہ: (اور اے ایمان والو، یہ مال) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے، جو (ہمہ اوقات) اللہ کے فضل اور (اس کی) رضا کے متلاشی رہتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مدد بھی کرتے رہتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں (۸) اور (یہ مال ان کا بھی حق ہے) جو مہاجرین (کے آنے) سے پہلے ہی سے (دار الہجرت) میں آباد ہیں اور ایمان لا چکے ہیں۔ ان کی کیفیت یہ ہے کہ جو لوگ ان کے پاس ہجرت کر کے آتے ہیں ان سے (بڑی) محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان (مہاجرین) کو دیا جاتا ہے اس کے لئے اپنے سینوں میں کوئی حرص نہیں پاتے بلکہ اپنی ضرورت کے باوجود ان کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں اور جو شخص اپنے نفس کی حرص سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۹) اور (یہ مال ان لوگوں کا بھی حق ہے) جو ان (مہاجر وانصار) کے بعد (ایمان لے آئے) اور جو (اس طرح) دعاء کرتے ہیں: "اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی بخش دے جو ہم سے پہلے ایمان لائے اور ہمارے دلوں میں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے بغض نہ پیدا کر، اے ہمارے رب، تو بہت شفقت کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے" (۱۰) (سورہ الحشر آیات ۸ تا ۱۰، تفسیر قرآن عزیز، جزء۹۔ ص ۵۶۰)

ذرا غور کیجئے کہ مندرجہ بالا آیات کریمات اپنے معنی ومطالب کے لئے کتنی واضح ہیں اور کتنی اصولی بات کر رہی ہیں کہ مال فئے میں سے رسول تم کو جو کچھ دے دیا کریں وہ (بخوشی) قبول کر لیا کرو۔ اور (اگر کسی چیز کی تمہاری خواہش ہو، لیکن) رسول جس چیز کو نہ دینا چاہیں اس سے (بھی بخوشی) رک جایا کرو۔ ہمارے موصوف اپنی تفسیر میں بھی ایسی کوئی آیت یا (نام نہاد) حدیث پیش نہیں کر سکے جس میں مال فئے کے علاوہ اطاعت رسول یا (نام نہاد) احادیث دینے کا ذکر ہو، بلکہ تفسیر کے آخر میں "عمل" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

عمل: "اے ایمان والو، جو مال کفار سے بغیر جنگ کئے ہاتھ آئے اسے آیات زیرِ تفسیر کے احکام کے مطابق تقسیم کیجئے (تفسیر قرآن عزیز، جزء۹۔ ص ۵۷۳)

مزید دیکھئے کہ موصوف نے اپنی کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" میں "بنو نضیر قبیلہ کی املاک کا مصرف" کے زیرِ عنوان یہی آیات پیش کی ہیں اور اس میں زیر بحث الفاظ کا ترجمہ کیا ہے کہ: "جو مال رسول تم کو دیدیا کریں وہ لے لیا کرو اور جس مال کے لینے سے تم کو منع کر دیں تو تم اس کے لینے سے باز رہا کرو" (ص ۲۲۸) غور کیجئے یہاں انہوں نے لفظ مال واضح طور پر لکھا ہے۔ اس لئے اس سے (نام نہاد) احادیث کا دینا ثابت نہیں ہوتا۔

غور کیجئے کہ ان آیات کو پڑھنے کے بعد کیا کوئی شک رہ جاتا ہے کہ یہ حکم: "جو کچھ رسول دیدیا کریں وہ لے لیا

کرو، اور جن چیزوں سے روک دیا کریں ان سے رک جایا کرو" مالِ فئے (یعنی بغیر جنگ و قتال کئے جو مال مفت میں ہاتھ لگے) کے لئے ہے یا (نام نہاد) احادیث لے لینے کیلئے ہے۔ مگر افسوس کہ آج کے دورِ جدید کے بہت بڑے عالم، بہت بڑے مفسر، بہت بڑے سیاستدان و بہت بڑے مدبّر و دانشور بھی عام واعظوں وذاکروں کے پروپگنڈے سے بہک گئے۔ دیکھئے وہ اس آیت کے ترجمہ کے حاشیہ میں کیا فرماتے ہیں:

"اگرچہ یہ ارشاد بنی نضیر کے اموال کی تقسیم کے سلسلے میں نازل ہوا تھا مگر حکم کے الفاظ عام ہیں، اس لئے اس کا منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں۔ اس منشا کو یہ بات اور زیادہ واضح کر دیتی ہے کہ "جو کچھ رسول تمہیں دے" کے مقابلہ میں "جو کچھ نہ دے" کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے گئے ہیں، بلکہ فرمایا یہ گیا ہے کہ "جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کر دے)" اس سے رُک جاؤ۔" (ص ۱۴۰۲، ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی از سید ابو الاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، طبع دوازدھم شعبان ۱۴۱۳ھ جنوری ۱۹۹۳ء)

غور کیجئے کہ آیت ۶ سے آیت ۱۰ تک ایک ہی مضمون چل رہا ہے کہ مال فئے میں کس کس کا حق ہے اور دانشور صاحب مان بھی رہے ہیں کہ "یہ ارشاد بنی نضیر کے اموال کی تقسیم کے سلسلے میں نازل ہوا تھا" مگر پھر بھی اس کو اپنے مطلب کیلئے توڑ مروڑ رہے ہیں کہ "مگر حکم کے الفاظ عام ہیں اس لئے منشا یہ ہے کہ تمام معاملات میں مسلمان رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کریں"۔ غور کیجئے کہ حکم کے الفاظ عام کس چیز کے لئے ہیں مفت میں آئے ہوئے اموال کی تقسیم کیلئے جس کی وضاحت آیت ۶ سے آیت ۱۰ تک مسلسل ہے یا اطاعت رسول کیلئے؟ اطاعت رسول کیلئے تو بار بار کہا جا چکا ہے کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔ جہاں تک اس منطق کا سوال ہے کہ "جو کچھ رسول تمہیں دے" کے مقابلہ میں "جو کچھ نہ دے" کے الفاظ استعمال نہیں فرمائے گئے تو یہ قرآنی اسلوب نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قواعد یا گرامر کا پابند نہیں۔ اس آیت کریمہ کے پڑھنے سے اور ان الفاظ سے کہ "جس چیز سے وہ تمہیں روک دے (یا منع کر دے)" یہ اندازہ ہوتا ہے کہ جب بغیر جنگ و قتال کئے کچھ اموال ملے تو ہر مجاہد کی خواہش ہوئی کہ وہ اس میں سے لے لے نیز یہ کہ چند ایک منافق بھی ساتھ ساتھ لگے ہوتے تھے چنانچہ جب انہوں نے بھی مال لینا چاہا ہو گا تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے انہیں روک دیا ہو گا۔ اس لئے آیت میں اس قسم کے الفاظ استعمال ہوئے۔ اسی طرح کا ایک موقعہ صدقات کی تقسیم کے سلسلہ میں بھی پیش آیا تھا جس پر منافقین نے اعتراض تک کر دیا تھا۔ دیکھئے مودودی صاحب ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

"اے نبیؐ، ان میں سے بعض لوگ صدقات کی تقسیم میں تم پر اعتراض کرتے ہیں، اگر اس مال میں سے انہیں کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں، اور نہ دیا جائے تو بگڑنے لگتے ہیں۔ کیا اچھا ہوتا کہ اللہ اور رسولؐ نے جو کچھ بھی انہیں دیا تھا اس پر وہ راضی رہتے اور کہتے کہ "اللہ ہمارے لئے کافی ہے، وہ اپنے فضل سے ہمیں اور بہت کچھ دے گا اور اس کا رسولؐ بھی ہم پر عنایت فرمائے گا، ہم اللہ ہی کی طرف نظر جمائے ہوئے ہیں" (سورہ التوبہ، آیات ۵۸۔۵۹، ص ۵۱۳)

کہئے قارئین! کیا اب بات بالکل واضح نہیں ہو گئی کہ آیت میں حکم مال فئے کی تقسیم کے سلسلے میں ہے اس کا منشا ہرگز یہ نہیں کہ (نام نہاد) احادیث یا ان کی کتابیں بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے دیں۔ ایسا کہنا دھوکہ دہی کرنا اور اللہ تعالیٰ اور رسول پر اتہام لگانا ہے۔ اور قوم کو گمراہ کرنا ہے، دھوکہ دینا ہے۔

۳۔ تیسری آیت وہ سورہ النسآء کی پیش کر کے غلط معنی و مطلب بیان کر کے (نام نہاد) احادیث کو ٹھونسنا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

" فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ۝۶۵

ترجمہ: (اے رسول) آپ کے رب کی قسم، لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات میں آپ کو حَکَم نہ مان لیں پھر جو کچھ فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ برضاء ورغبت اسے تسلیم کریں (النساء۔۶۵)" (ص۲۲۵، جزء۳۔ تفسیر قرآن عزیز)

تفسیر: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ) اے رسول، لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات میں آپ کو حَکَم نہ مان لیں یعنی جب تک وہ اپنے تمام اختلافات میں آپ کی طرف رجوع نہ کریں (ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ) پھر جو فیصلہ آپ کریں اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں بلکہ دل کی خوشی کے ساتھ اسے مانیں (وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا) اور برضاء ورغبت اسے تسلیم کریں"۔ (تفسیر قرآن عزیز ص۲۲۶، جزء۲)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ کتنے واضح الفاظ میں یہ حقیقت بتا رہی ہے کہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو حَکَم نہ بنالیں اور آپ جو فیصلہ کریں اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں۔ بات بالکل واضح اور صاف ہے کہ یہ خطاب یا حکم یا تو صحابہ کبار کے لئے ہے یا منافقین کیلئے یونکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو انہی میں موجود تھے اور حَکَم بنائے جاسکتے تھے۔ حکم ظاہر ہے کہ حاکم یا قاضی یا کوئی اہم شخصیت ہی ہو سکتی ہے خود موصوف اپنی تفسیر میں آگے چل کر لکھتے ہیں:

"فیصلہ ہر حاکم اور قاضی کا ماننا پڑتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر فریق حاکم یا قاضی کے فیصلہ کو دل سے بھی تسلیم کرے، دل میں حاکم یا قاضی کے فیصلہ سے کوئی انقباض یا بے چینی نہ ہو لیکن رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کی کیفیت دوسری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو دل سے ماننا پڑتا ہے۔ کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو اس حالت میں نہ مانے کہ اس کے دل میں کسی قسم کا انقباض یا تنگی نہ ہو، نہ کوئی تذبذب ہو اور نہ پس و پیش۔" (ص۲۲۷، جزء۳۔ تفسیر قرآن عزیز)

موصوف کا فرمانا بالکل صحیح، ان کی تفسیر بالکل صحیح یونکہ رسول کا کسی اختلاف میں فیصلہ کرنا عام حاکم یا قاضی کے فیصلہ کی طرح نہیں تھا (ظاہر ہے کہ وہ ان چھوٹے چھوٹے کاموں کیلئے مبعوث نہیں ہوئے تھے یونکہ ان کاموں کیلئے مقامی حاکم اور قاضی متعین کئے جاتے ہیں جو تنخواہ دار یا وظیفہ خوار ہوتے ہیں اور ان کا کام ہی لوگوں کے جھگڑے نمٹانا ہوتا ہے) مگر اب آگے دیکھئے کہ اپنی تفسیر کے اسی پیراگراف میں وہ کس طرح ایک دم سے پلٹا کھاتے ہیں اور حَکَم کی حیثیت سے فیصلہ کی جگہ (نام نہاد) حدیث لے آئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کو دل کی خوشی سے مانے بغیر کوئی شخص ایماندار نہیں ہو سکتا خواہ وہ کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کیوں نہ کرے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر کہ جب ان کے سامنے کوئی صحیح حدیث پیش کی جاتی

ہے جس کی صحت کو وہ تسلیم کرتے ہیں لیکن کیونکہ وہ ان کے مذہب کے خلاف ہوتی ہے تو دل کی تنگی سے ماننا تو کجا اسے تسلیم نہیں کرتے۔ اپنے مذہب پر اڑے رہتے ہیں، وہ خود سوچیں کہ ایسی حالت میں وہ مومن رہتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ تمام مسائل میں جن میں اختلاف چلا آرہا ہے وہ حدیث کے فیصلہ کو برضاء و رغبت مان لیتے اور اختلاف ختم کر کے اپنے ایمان کا ثبوت دیتے۔ اگر وہ ایسا کرتے تو نہ اختلاف باقی رہتا اور نہ یہ فرقے باقی رہتے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسی صورت میں یہ فرقے وجود میں ہی نہ آتے۔ اس آیت پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کا نتیجہ وہی نکلتا جو فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ (النساء:۵۹) پر عمل کرنے کا نتیجہ نکلتا۔ لیکن افسوس کہ ان دونوں آیتوں پر عمل نہیں ہوا اور نتیجہ وہ نکلا جو اللہ تعالیٰ کی رضاء کے خلاف تھا" (ص۲۲۷، جزء۳۔ تفسیر قرآن عزیز)

غور کیجئے کہ اس آیت کی تفسیر میں موصوف:

(۱)۔ اس آیت کی رسولی تشریح نہ بیان کر سکے بلکہ اپنی تفسیر لکھ رہے ہیں۔ کمال ہے کہ اتنی اہم آیت اور رسول نے کوئی تشریح نہیں کی کہ لوگ اب تک بہک رہے ہیں!

(۲)۔ آیت بات کر رہی ہے اپنے اختلافات میں رسول کو حَکَم بنانے کی جبکہ موصوف بات کر رہے ہیں "کہ تمام مسائل میں جن میں اختلاف چلا آرہا ہے وہ حدیث کے فیصلہ کو برضاء ورغبت مان لیتے"۔ یہ اتنا بڑا اپلٹا کیوں کھالیا کہ رسول کی جگہ حدیث آگئی؟

(۳)۔ اب رسول کہاں ہیں کہ ہم اپنے اختلافات میں ان کو حَکَم بنائیں؟ اپنا مقدمہ ان کے آگے پیش کریں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا حکم ہمارے لئے نہیں ورنہ تو رسول کی موجودگی ضروری ہے یونکہ حاکم یا قاضی یا حَکَم تو زندہ شخص ہی ہو سکتا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ پھر یہ حکم کس کے لئے ہے؟ اس کا سیاق وسباق کیا ہے جس کو موصوف گھمارہے ہیں اور معنوی تحریف کر رہے ہیں؟

ہم موصوف ہی کا ترجمہ اس آیت سے چند آیتیں پہلے کا دیکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"(اے رسول) کیا آپ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور (ان کتابوں پر بھی ایمان لائے) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں (لیکن) چاہتے ہیں کہ (اپنے مقدمات کو) فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس (لے) جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ طاغوت کا انکار کریں لیکن شیطان (ان پر غالب ہے اور وہ) یہ چاہتا ہے کہ انہیں گمراہی میں بہت دُور لے جا کر ڈال دے (۶۰) اور (اے رسول) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل کی ہے اور (اس کے) رسول کی طرف (آؤ) تو آپ منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کے پاس آنے سے بڑی سختی سے گریز کرتے ہیں (۶۱) پھر جب ان کے اعمال کی سزا میں ان پر کوئی مصیبت نازل ہوتی ہے تو ان کی حالت کیسی (عجیب وغریب) ہوتی ہے۔ اس وقت (اے رسول) یہ (بھاگے ہوئے) آپ کے پاس آتے ہیں اور اللہ کی قسمیں کھا کھا کر آپ سے کہتے ہیں کہ ہماری نیت سوائے بھلائی اور موافقت کے اور کچھ نہیں تھی (۶۲) (اے رسول، یہ جھوٹ بولتے ہیں) جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ اسے خوب جانتا ہے، آپ ان

سے اعراض کیجئے، انہیں نصیحت کرتے رہیئے اور ان کی جانوں کے معاملہ میں اُن سے ایسی بات کہئے جو (ان کے) دل میں اُتر جائے (۶۳) اور (اے رسول) ہم نے جو بھی رسول بھیجا وہ اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے اور اگر یہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا آپ کے پاس آتے، پھر وہ خود بھی اللہ سے بخشش طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے بخشش کی دعاء کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا پاتے (۶۴)" (النسآء، ص۲۱۹، ۲۲۳، جزء۳۔ تفسیر قرآن عزیز)

دیکھا آپ نے یہ کن لوگوں کی بات ہو رہی ہے' ان لوگوں کی جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو آپ سلامٌ علیہ پر نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی ایمان لائے جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں (یعنی وہ قرآن کریم اور تورات و انجیل وغیرہ پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں، بخاری و مسلم وغیرہ پر نہیں یونکہ ان کا تو وجود اس وقت تھا ہی نہیں) لیکن چاہتے ہیں کہ **اپنے مقدمات کو** فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس لے جائیں۔

غور کیجئے کہ یہ لوگ کون ہوئے؟ کیا منافق ہوئے یا صحابی یا ہم؟ ظاہر ہے کہ یہ بات اس وقت کے منافقین کی ہو رہی ہے۔ آپ سے کہا جائے گا کہ اعتراض کیجئے کہ اس وقت کے منافقین ہی کیوں؟ تو اس کا جواب بھی یہی ہے جو میں اوپر عرض کر چکا ہوں کہ رسول سلامٌ علیہ تو انہی میں موجود تھے اب نہیں۔ اور جیسا کہ آگے اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ " اگر یہ لوگ (اے رسول) آپ کے پاس آتے پھر خود بھی مغفرت طلب کرتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت کی دعا کرتے تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا بہت رحم کرنے والا پاتے"۔ تو یہ تو اسی وقت ممکن تھا کہ وہ رسول کے پاس جاتے اور رسول ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے" ۔ آج رسول نہیں تو ہم ان کے پاس نہیں جاسکتے اور نہ ہی وہ ہمارے لئے دعا کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی (نام نہاد) حدیث ہمارے لئے دعا کر سکتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف نے آیت کی تفسیر میں معنوی تحریف کی ہے۔ اور اس کے لئے انہوں نے باقاعدہ پلاننگ کی ہے کہ ان آیات کو جو کہ ایک ساتھ ہونا چاہیئے تھیں یونکہ ایک ہی سیاق وسباق کی ہیں ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے ترجمہ و تفسیر بیان کیا ہے۔

مزید غور کیجئے کہ موصوف خود لکھ رہے ہیں کہ "اپنے مقدمات کو فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس لے جائیں" مگر آیت زیرِ بحث کی تفسیر میں وہ مقدمات کو ایک دم پلٹا کھا کر اختلافی مسائل بنا دیتے ہیں اور ان کا حل (نام نہاد) حدیث کے فیصلہ میں کرانا چاہتے ہیں۔

ان آیات اور بالخصوص آیت نمبر ۶۴ میں مزید غور کیجئے تو رسول کی اطاعت کے معنی بھی سمجھ میں آجائیں گے کہ رسول کی اطاعت کا مطلب (نام نہاد) احادیث کی اطاعت نہیں بلکہ زندہ رسول کے زندہ احکام کی اطاعت ہے اور اس کے فیصلہ کو برضاء ورغبت قبول کرنا ہے۔ رسول کی زندگی کے بعد رسول کا حکم کہاں ہو گا؟ یونکہ حکم تو صرف **اللہ** کا ہے ( اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۶۲ /۶، اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۴۰/۱۲ وغیرہم) اور وہی حکم چلے گا۔ اور وہ حکم صرف نازل شدہ وحی کی کتاب القرآن الحکیم میں ہے اور کہیں نہیں۔ اور اس حکم کو رسول سلامٌ علیہ کے بعد چلائے گا "اولی الامر" یا حاکم وقت یا امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین۔ اور دیکھئے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات سے پہلی والی آیت میں اللہ و رسول کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اہلحدیث و اہل فقہ اس آیت میں بھی معنوی تحریف کر کے (نام نہاد) احادیث کی اطاعت کا جواز نکالتے ہیں اس لئے ہم اس آیت کو آگے علیحدہ سے پیش کرتے ہیں۔ مگر اس آیت کو پیش

کرنے سے پہلے قارئین دلچسپی اور تفسیر کا معیار دیکھنے کے لئے ذرا آیت زیرِ بحث ۶۵ کی موصوف کے مطابق "شانِ نزول" دیکھتے چلئے: صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں:

**شانِ نزول:**...... حضرت عبداللہ بن زبیر فرماتے ہیں:۔

ایک انصاری شخص نے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں حرّہ کی ایک نہر کی بابت جس سے لوگ کھجور کے درختوں کو سینچتے تھے زبیر سے جھگڑا کیا انصاری نے کہا! تم پانی سینچ لیا کرو مگر وہ بہتا رہے (اس کو روکو نہیں) زبیر نے انکار کر دیا۔ پھر دونوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے مقدمہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے زبیر سے فرمایا! اے زبیر تم پانی سینچ لیا کرو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دیا کرو۔ (اس فیصلہ پر) انصاری کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا: یہ فیصلہ آپ نے اس لئے کیا ہے کہ یہ آپ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے چہرے کی رنگت بدل گئی۔ آپ نے فرمایا! اے زبیر تم سینچو پھر پانی کو روک لو یہاں تک کہ وہ منڈیروں تک پہنچ جائے۔ عروہ کہتے ہیں! اب رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو ان کا پورا حق دلا دیا اور پہلے رسول اللہ ﷺ نے زبیر کو ایسی رائے دی تھی جس میں ان کے اور انصاری کے لئے آرام تھا مگر جب انصاری نے رسول اللہ ﷺ کو غصہ دلایا تو آپ نے زبیر کو صریح حکم میں ان کا حق ان کو پورا دے دیا۔ زبیر کہتے ہیں اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں یہ آیت اسی بارے میں نازل ہوئی! فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

نوٹ: خط کشیدہ عبارت صحیح مسلم میں نہیں ہے۔" (تفسیر قرآن عزیز، ص ۲۲۵، ۲۲۶، جزء۔ ۳)

غور کیجئے کہ اس آیت ۶۵ کی شان نزول جو بخاری و مسلم و موصوف نے بیان کی وہ صحیح ہے یا جو قرآن کریم نے آیات ۶۰ سے ۶۴ تک میں بیان کی (جس کا ترجمہ ہم نے پیچھے پیش کیا) وہ صحیح ہے؟ مزید غور کیجئے کہ بخاری و مسلم کی یہ (نام نہاد) حدیث یا روایت رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کیا بنا کر پیش کر رہی ہے کہ وہ ذرا سی بات پر مشتعل ہو گئے، غصہ میں آ گئے اور اپنا پہلے کیا ہوا فیصلہ بدل دیا؟ (معاذ اللہ) غور کیجئے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اخلاق ایسا ہی تھا کہ وہ ذرا سی بات میں مشتعل ہو جاتے تھے؟ حالانکہ قرآن تو ان کے اخلاق کے عظیم ہونے کی گواہی دے رہا ہے (وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ۶۸/۴) کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ ایسے منصف مزاج تھے کہ ذرا سی بات میں فیصلہ بدل دیں حالانکہ اسی سورہ النساء کی آیت ۵۸ ہی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کیا کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کرو"۔ غور کیجئے کہ کیا یہ روایت قرآن اور رسول دونوں کے خلاف سازش نہیں؟ اگر نہیں تو پھر سنتوں کے عاشق رسول کی اس سنت پر بھی عمل کریں یونکہ یہ ان کے لئے وحی ہے!

۴۔ چوتھی آیت وہ اسی سورہ النساء کی معنوی تحریف کر کے پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝"

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے امیر ہوں (ان کی اطاعت کرو) پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو

اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، یہ بہت اچھی بات ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی احسن ہے (۵۹)
" (ص ۲۰۳، جزء۔۳۔ تفسیر قرآن عزیز)

سب سے پہلے تو اس آیت کی شانِ نزول بخاری و مسلم و موصوف کے مطابق ملاحظہ کرتے چلئے شاید کوئی عقدہ کھل جائے، (صرف ترجمہ پیش کرتا ہوں):

"**شانِ نزول:** حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:
اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ عبد اللہ بن حذافہ بن قیس بن عدی کے بارے میں نازل ہوئی جب کہ ان کو رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر میں بھیجا تھا" (ص ۲۰۴، جزء۔۳)

قارئین! اب یہ فیصلہ آپ خود کریں کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی یا حکم عام ہے اور آپ پر بھی لاگو ہے۔ ہم اس سے آگے موصوف کی اس آیت کی تفسیر میں سے کچھ اقتباسات پیش کرتے ہیں:

"تفسیر: ............ رسول بھیجا ہی اس لئے جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ رسول اپنی اطاعت خود نہیں کرواتا بلکہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کرواتا ہے۔ رسول اللہ کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا وہ وہی کہتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا" (ص ۲۰۴۔۲۰۵، جزء۔۳)

یہاں تک تو بات بالکل صحیح ہے۔ ہم بھی یہی مانتے ہیں۔ مگر اب دیکھئے موصوف کی معنوی تحریف کا نمونہ۔ اسی عبارت کے آگے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (النجم۔ ۳،۴)
رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے" (ص ۲۰۵، جزء۔۳)

دیکھا آپ نے کہ موصوف نے آیت کا ترجمہ کیا سے کیا کر دیا۔ (آیت میں نہ تو "وہ جو کچھ کہتا ہے" کے الفاظ آئے ہیں اور نہ ہی "جو اس پر نازل کی جاتی ہے" کے الفاظ آئے ہیں) بہر حال وحی چونکہ رسول پر نازل ہوتی تھی اس لئے اس کو بھی اگر مان لیں تو نازل ہونے والی وحی تو قرآن ہوتا تھا۔ اس لئے معنیٰ ہوئے کہ رسول سلامٌ علیہ قرآنی وحی ہی لوگوں کو بتاتے تھے (نام نہاد) حدیث نہیں۔ آگے دیکھئے تفسیر میں موصوف کیا فرماتے ہیں:

تفسیر: "مندرجہ بالا مباحث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔ مندرجہ بالا مباحث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ جو حکم دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے"۔ (ص ۲۰۵۔ جزء۔۳)

صحیح ہے۔ ہم بھی یہ ہی کچھ مانتے ہیں۔ مگر اب دیکھئے موصوف ایکدم سے پلٹا کھا کر اپنے عقائد کی بات کر گئے۔ ملاحظہ ہو:

"یعنی احادیث میں جو احکام ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے احکام جو احادیث میں محفوظ ہیں ان احکام میں اور اللہ تعالیٰ کے قرآنی احکام میں صرف لفظی فرق ہے۔ حقیقی فرق کچھ نہیں لہٰذا یہ

کہنا صحیح نہیں کہ قرآن مجید میں جو احکام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور احادیث میں جو احکام ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے احکام نہیں۔ احادیث میں جو احکام ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکام ہیں" (ص ۲۰۵، جزء ۳)

موصوف کے اس فلسفہ سے ہم متفق نہیں یونکہ قرآن کریم سے ہم کو اس کی شہادت نہیں ملتی کہ قرآن کے علاوہ بھی اللہ کے احکام (نام نہاد) احادیث میں ہیں جن میں صرف "لفظی فرق" ہے۔ بلکہ قرآن تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ؕ" (۶۴/۱۰)۔ تو پھر اللہ کے کلمات یا الفاظ کیسے بدل سکتے ہیں! مزید بر آں موصوف نے خود یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس آیت کی یہ رسولی تفسیر ہے اور نہ ہی وہ اس بارے میں کوئی (نام نہاد) حدیث پیش کر سکے۔ کوئی آیت تو پہلے ہی نہیں تھی۔ تو پھر کس طرح وہ یہ معنٰی نکال رہے ہیں۔ ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ وہ بھی قرآن کے خلاف سازش کے سحر میں مبتلاء ہو گئے ہیں۔ اور اس طرح سے انہوں نے دین میں دو حکم قرار دیدیئے۔ ایک اللہ کا حکم اور دوسرا رسول کا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو دعویٰ کر رہا ہے کہ حکم صرف اس کا ہے (۶۲/۶، ۴۰/۱۲)

اب اگر آپ ذرا غور کریں تو آیت زیر بحث کا سیدھا سادھا ترجمہ کچھ یوں ہو گا:

"اے ایمان والو اطاعت کرو اللہ کی (بذریعہ) اطاعت کرنے اس کے رسول کے۔ اور جو تم میں سے امیر ہوں (ان کی بھی اطاعت کرو)۔ پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو (کہ تم کو جواب دہ بھی ہونا ہے) تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ (یعنی رسول کے بعد امیر المومنین / خلیفۃ المسلمین کی طرف لوٹاؤ جو رسول کا خلیفہ ہے وہ اللہ کی کتاب سے فیصلہ کر دے گا) یہ بہت اچھی بات ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی احسن ہے (۵۹)"

ذرا غور کیجئے کہ جب قرآن کریم نازل ہو رہا تھا اور یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کبارؓ نے اللہ کے احکام کی کس طرح اطاعت کی؟ ظاہر ہے کہ بذریعہ رسول اطاعت کی یونکہ رسول ہی نے انہیں بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ حکم نازل فرمایا ہے۔ اور جب ان کے درمیان رسول نہ رہے تو اللہ کے احکام کی اطاعت بذریعہ امیر المومنین / خلیفۃ المسلمین ہوتی رہی اب قرآن تو نازل نہیں ہو رہا تھا بلکہ وہ مکمل کتابی شکل میں امیر المومنین کے پاس تھا جو کہ اللہ کی طرف سے رسول پر نازل کردہ تھا وہ کلام تو اللہ کا تھا (کلام اللہ ۷۵/۲، ۶/۹، ۱۵/۴۸) لیکن قول رسول کا ( اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۞ ۴۰/۶۹، ۱۹/۸۱) (دیکھئے ۱۷/۴۴ کہ رسول کریم کسی فرشتہ کو نہیں کہا گیا بلکہ بشر رسول کو کہا گیا ہے) تو امیر المومنین یا خلیفۃ المسلمین فیصلہ اللہ کی کتاب سے کر دیتے تھے یونکہ اس ہی سے فیصلہ کرنے کا حکم ہے (۱۰۵/۴، ۲۱۳/۲، ۲۳/۳، =، ۶۴/۱۶، ۵۰،۴۹،۴۸ /۵، ۴۷،۴۵،۴۴ /۵، ۱۱۴ /۶، ۱۰ /۴۲) ہاں جب تک وحی آ رہی تھی تو جن لوگوں کو رسول سلامؑ علیہ سے اختلاف ہوا تھا یا ان کی دلجمعی نہیں ہوئی تھی تو وحی بشکل قرآنی آیت آ گئی تھی مگر اب ایسا ممکن نہیں۔ اس لئے اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ کے معنٰی سوائے اللہ و رسول کے خلیفہ / امیر المومنین / مرکز ملت کے اور کوئی نہیں ہو سکتے۔ اگر موصوف کے معنٰی مان لئے جائیں کہ (نام نہاد) احادیث کی طرف لوٹاؤ تو پھر تو اختلافات بڑھتے ہی جائیں گے جس طرح فرقے بڑھتے جا رہے ہیں یونکہ ہر ایک کے پاس اس کے مطلب کی (نام نہاد) حدیث موجود ہے اور یہی (نام نہاد) حدیثیں تفرقہ بازی کی جڑ ہیں۔

اگر موصوف اور بخاری و مسلم کی اس آیت کی شانِ نزول بھی مان لی جائے کہ یہ آیت حضرت عبد اللہ بن حذافہ کے بارے میں نازل ہوئی جبکہ ان کو رسول سلامٌ علیہ نے ایک لشکر میں بھیجا تھا تو اس سے بھی تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول سے دُور یا رسول کی غیر حاضری میں اور ان کی زندگی کے بعد اللہ کی اطاعت بذریعہ امیر المومنین / خلیفۃ المسلمین ہونا ہے۔ اور چونکہ اولی الامر پر تو وحی نہیں آئے گی اس لئے اس کا سارا انحصار اس وحی پر ہوگا جو رسول پر نازل ہو چکی ہے اور قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے اب قرآن کریم کے احکام کی اطاعت ہی اللہ اور رسول کی اطاعت ہو گی۔ اور ایسے معاملات جن میں قرآن کریم نے واضح احکام نہیں دیئے ہیں، نیز دیگر روز مرہ کے انتظامی امور وغیرہ میں اولی الامر کی اطاعت ہو گی۔ جو کہ اللہ ہی کے حکم سے ہو گی اس لئے اسی کی اطاعت ہوئی۔ بات واضح ہو گئی کہ رسول کی زندگی کے بعد قرآنی احکام کی اطاعت تو اللہ اور رسول کی اطاعت ہوئی اور دنیاوی روز مرہ کے معاملات میں اولی الامر کی اطاعت کرنی ہے۔ (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ اگر (نام نہاد) احادیث کی اطاعت بھی فرض ہوتی تو پھر صحابہ کبارؓ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے درمیان کبھی مجادلہ یا مخاصمت (۱/۵۸) کی نوبت نہ آتی اور مجادلہ و مخاصمت کرنے والے صحابہ کے بارے میں قرآن کوئی فتویٰ جاری کر دیتا کہ وہ منکرین حدیث ہیں! مگر ایسا نہیں ہوا۔ خود (نام نہاد) احادیث میں ایسی روایات موجود ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی حکم دیا یا کوئی مشورہ دیا یا کوئی بات کہی اس کو صحابہؓ نے فوراً نہ مانا بلکہ سوال کر دیا کہ کیا آپ ایسا قرآنی وحی کے مطابق بتا رہے ہیں یا اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں؟ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تسلیم کیا کہ وہ ایسا اپنی طرف سے کہہ رہے تھے۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کا سورہ النجم کی آیت اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کا ترجمہ صحیح نہیں۔ اس کا صحیح مطلب یہ ہو گا کہ "دین کے احکام کے بارے میں رسول سوائے وحی الٰہی یعنی قرآن کے علاوہ نہیں بولتے تھے"، لیکن دین کے علاوہ روز مرہ کے دیگر دنیاوی معاملات میں بشر کی حیثیت سے عام گفتگو اپنی طرف سے فرماتے تھے۔ گونگے نہیں بنے رہتے تھے (وہ روبوٹ نہیں تھے) ان معاملات میں اور روز مرہ کے معمولات میں بشر کی حیثیت سے غلطی کرنے کا امکان بھی تھا اسی لئے کئی مواقع پر اللہ تعالیٰ کو سرزنش کرنا پڑی۔ جیسا کہ پیچھے واضح کیا جا چکا ہے۔

ہمارے اس موقف کی (کہ امیر سے تنازع کی صورت میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرنے کا مطلب اللہ کی کتاب یعنی قرآن ہی ہے (نام نہاد) احادیث نہیں) تائید میں خود مجموعہ (نام نہاد) احادیث میں ایسی روایات رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب ہیں جس میں کتاب اللہ ہی کی طرف رجوع کرنے کا کہا گیا ہے۔ مثال کے طور پر موصوف خود اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ رسول سلامٌ علیہ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا:۔

"لَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُوْدُكُمْ بِكِتَابِ اللّٰهِ فَاسْمَعُوا لَهٗ وَاَطِيْعُوا (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعۃ الامراء جزء ۲، ص ۱۳۰)

ترجمہ: اگر تم پر کسی غلام کو بھی امیر بنا دیا جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری قیادت کرے تو اس کا حکم سنو اور اس کی اطاعت کرو" (ص ۲۰۷، جزء۔ ۳)

کہئے قارئین کیا سمجھ میں آیا۔ یہ کتاب اللہ کیا قرآن کے علاوہ سینکڑوں کتابوں پر مشتمل ہے یا صرف قرآن کریم ہے؟ البتہ ہمیں یہ سمجھ نہ آیا کہ امیر بنائے گا کون جو یہ بات کہی گئی۔ خیر اس کا یہاں زیرِ بحث مسئلہ یا عقیدہ سے کوئی

تعلق نہیں۔ ہم آپ کو اس سے زیادہ دلچسپ روایات ملاحظہ کرواتے ہیں جو موصوف نے اس آیت کی اپنی تفسیر میں اولی الامر کی اطاعت کے سلسلہ میں لکھی ہیں۔ ہم صرف ترجمہ ہی پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

.(۱)۔ ..." الغرض امیر ظلم و زیادتی کرے پھر بھی امیر کا حکم سننا اور اس کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ امیر کی نافرمانی کرنا سخت گناہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جس شخص کو امیر کی کوئی بات ناگوار گذرے تو اسے صبر کرنا چاہئے کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی امیر (کی اطاعت) سے باہر ہوگا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)" (ص۲۰۷، جزء۳)

اور دیکھئے:

.(۲)۔... "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جس نے (امیر کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو قیامت کے دن وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت میں مر گیا کہ اس کی گردن میں بیعت نہیں تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی (صحیح مسلم)" (ص۲۰۸، جزء۔۳)

اور دیکھئے:

.(۳)۔... رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں، ان پانچ چیزوں کا حکم اللہ نے مجھے دیا ہے:

(امیر کا حکم سننا[۱]، اطاعت کرنا، جہاد کرنا، ہجرت کرنا اور جماعت (سے چمٹے رہنا) کیونکہ جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے علیحدہ ہوا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا مگر یہ کہ وہ واپس لوٹے (ترمذی)" (ص۲۰۹۔ جزء۔۳)

اور دیکھئے:

.(۴)۔... "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جس نے جماعت چھوڑی اور امامت کی توہین کی وہ اللہ سے اس حال میں ملے گا کہ اس کے لئے اللہ کے ہاں کوئی حجت نہیں ہوگی (المستدرک الحاکم)" (ص۲۰۹، جزء۔۳)

اور دیکھئے:

.(۵)۔... "رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا تو اس نے اپنی گردن سے اسلام کا پٹہ نکال دیا اور جو شخص اس حال میں مرا کہ اس پر جماعت کا امیر نہیں تھا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی (المستدرک الحاکم)" (ص۲۰۹۔۲۱۰، جزء۔۳)

کہئے یہ (نام نہاد) احادیث پڑھ کر آپ کس نتیجہ پر پہنچے؟ یہی نا کہ جو شخص امیر کے ذرا بھی خلاف ہوا اور اس نے

---

[۱]۔ پتہ نہیں رسول اللہ سلامٌ علیہ پر کون امیر تھا جس کا حکم سننے اور اطاعت کرنے کا حکم ان کو اللہ تعالیٰ نے دیا تھا؟ شاید ترمذی کو یا موصوف کو معلوم ہو! قارئین آپ بھی معلوم کرنے کی کوشش کریں اگر معلوم ہو جائے تو براہِ کرم ہمیں بھی بتا دیجئے گا!

امیر کی بیعت نہیں کی بلکہ بغیر بیعت کئے ہوئے مر گیا تو: (۱) وہ اسلام سے خارج ہو کر غیر مسلم، مرتد یا کافر ہو گیا (۲) اللہ کے ہاں اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہو گی اور (۳) وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

غور کیجئے، یہ (نام نہاد) احادیث موصوف کے نزدیک اور آپ کے نزدیک بھی وحی ہیں تو پھر اب اس وحی کی روشنی میں حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے ساتھیوں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں اور دیگر وہ تمام امام اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں سوچئے جنہوں نے مختلف امیر المومنین کے خلاف خروج یا بغاوت کی اور ان کی بیعت کئے بغیر مر گئے یا مارے گئے۔ کیا وہ مسلم ہی مرے یا جاہلیت کی موت مرے؟ حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو تو کم از کم صغار صحابہ میں شمار کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے راضی ہونے کی خوشخبری دی ہوئی ہے۔ تو کیا امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اور جماعت المومنین سے علیحدہ ہونے کی وجہ سے وہ بھی جاہلیت کی موت مارے گئے؟ اب آپ اپنے عقیدہ کا فیصلہ خود کر لیں۔ ہم آپ کی مزید مدد یہ کر سکتے ہیں کہ آپ کو نام نہاد وحی کا کچھ اور مواد مہیا کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے موصوف آگے چل کر اسی آیت کی تفسیر میں مزید فرماتے ہیں کہ:

"امارت کے سلسلہ میں مزید یہ ہدایت بھی دی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص امیر سے جھگڑتا ہے، مندرجہ بالا دو وجوہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے اور اس کو اس کے منصب امارت سے ہٹانے کی کوششیں کرتا ہے تو اسے قتل کر دو خواہ وہ کوئی ہو۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جب دو خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کی جائے تو ان میں سے دوسرے (یعنی بعد والے) کو قتل کر دو (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"عنقریب فتنے اور فساد ہوں گے تو جو شخص اس امت کے امر میں رخنہ ڈالنا چاہے ایسی حالت میں کہ وہ متفق ہو یا طاقت کو منتشر کرنا چاہے یا تمہاری جماعت میں پھوٹ ڈالنا چاہے اس حالت میں کہ تم ایک شخص کی امارت پر متفق ہو تو تلوار سے اس کی گردن اڑا دو خواہ وہ کوئی بھی ہو۔ (صحیح مسلم)" (ص ۲۱۳۔۲۱۴، جزء۔۳)

کہئے اب آپ کیا کہتے ہیں کہ اس (نام نہاد) وحی کے مطابق امیر المومنین یزیدؒ کی امارت کی بیعت عام ہو جانے کے بعد مسلمؒ بن عقیل اور حسین بن علیؓ نے جو بیعت لینا چاہی اور امیر المومنین کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے تو کیا تلوار سے ان کی گردن نہیں اُڑا دینا چاہئے تھی؟ تو پھر آپ کیوں روتے ہیں؟ ان کا تو انجام یہی ہونا چاہئے تھا یہ تو عین وحی کے مطابق تھا۔ اور اگر آپ پھر بھی روتے ہیں کہ ان کے ساتھ زیادتی ہوئی تو پھر آپ وحی کے منکر ہیں!

اب ذرا آپ ایک اور پہلو پر بھی غور کر لیجئے کہ اگر یہ (نام نہاد) احادیث وحی تھیں تو کیا حضرات مسلمؒ بن عقیل اور حسینؓ بن علیؓ کو اور دیگر اماموں کو (جنہوں نے بعد میں خروج کیا تھا) نہیں معلوم تھیں کہ وہ جو جماعت المومنین میں رخنہ ڈال رہے ہیں اور ایک امیر کی بیعت ہو جانے کے بعد اپنی بیعت کے کوشش کر رہے ہیں تو وہ اسلام سے خارج ہو جائیں گے اور ان کا انجام تلوار سے ان کی گردن اُڑانا ہو گا؟ اگر ان کو یہ وحی نہیں معلوم تھی تو پھر تو نعوذ باللہ رسول سلامؑ علیہ نے اپنا تبلیغی کام نہیں کیا تھا کہ وحی کو سب تک نہیں پہنچایا تھا! کہئے یہ بات کہاں جا کر ٹھیرتی ہے؟ الزام کس پر آتا ہے؟ قرآن کے خلاف سازش کیوں کی جاتی رہی ہے؟ قرآنی وحی کے مقابلہ پر پوشیدہ وحی کا عقیدہ کیوں پھیلایا گیا؟ کہئے

کیا آپ کو اب بھی یقین نہیں کہ قرآن کے خلاف سازش پارسیوں کا بہت بڑا فکری و علمی کارنامہ ہے اور انہوں نے وہ مقصد حاصل کیا جو وہ جنگ کر کے حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

ذرا اپنی تاریخی روایات کے کفر پر بھی غور کر لیجئے کہ تاریخ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کم از کم چھ ماہ تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت امیری نہیں کی تھی۔ تو پھر تو اوپر کی درج شدہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق وہ چھ ماہ تک دائرہ اسلام سے خارج رہے (نعوذ باللہ) پھر وہ واپس لوٹے۔ اسی طرح تاریخ کے مطابق تو حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات تک حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت امیری نہ کی اور باغ فدک نہ ملنے کی وجہ سے ناراض رہیں حتیٰ کہ فوت ہو گئیں تو نعوذ باللہ وہ بھی جاہلیت کی موت مریں! یہ ہے شاخسانہ ان (نام نہاد) احادیث کو وحی ماننے کا کہ یہ کیسی وحی تھی جو رسول کی بیٹی تک کو معلوم نہیں تھی اور انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا؟ یہ کیسی وحی تھی جو رسول سلامٌ علیہ کے چچازاد اور داماد کو بھی نہیں معلوم تھی حالانکہ وہ تو باب العلم کہلاتے ہیں؟

قارئین اس سے تو یہی حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اور ان کے فوری بعد کے زمانہ میں ان (نام نہاد) احادیثِ رسول اور پوشیدہ وحی کا وجود نہیں تھا یا اس کو پوشیدہ رکھا گیا تھا اور بہت عرصہ بعد کھول دیا گیا! یا پھر یہ بعد میں گھڑی گئیں اور امت میں پھیلا کر امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا گیا۔

غور کر لیجئے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ آیا ہے وہاں اس سے مراد دو علیحدہ علیحدہ اطاعتیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی اطاعت ہے یعنی اللہ کی کتاب کی اطاعت (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ یونکہ حکم صرف ایک ہے یعنی صرف اللہ کا حکم۔ اور اللہ کا حکم اس کی کتاب قرآن مجید میں ہے (نام نہاد) حدیث میں نہیں۔ اس لئے اطاعت بھی صرف ایک ہوئی۔ مگر افسوس کہ ظالم پارسی عجمی علما نے ایسا شیطانی بیج بویا کہ حکم بھی دو کر دیئے اور اطاعتیں بھی دو کر دیں اور کتابیں بھی دو کر دیں بلکہ دو سے بھی زیادہ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ موصوف نے اپنی جماعت کی دعوت میں ایک کتاب پر ایمان کی دعوت رکھی ہی نہیں یونکہ ان کا ایمان اللہ کی ایک کتاب "الکتٰب" پر ہے ہی نہیں بلکہ غیر اللہ کی کتابوں پر ہے۔

اسی طرح جتنی آیات میں اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے وہاں سب میں مطلب یہی ہے کہ اللہ کے قانون یعنی اللہ کی کتاب کی اطاعت کرنا ہے، ورنہ تو جہاں کہیں صرف اطیعوا الرسول آیا ہے تو کیا اس کے معنیٰ یہ ہو جائیں گے کہ اللہ کو چھوڑو صرف رسول کی اطاعت کرو اور وہ بھی ان کے نام سے گھڑی گھڑائی (نام نہاد) حدیثوں کی؟ ظاہر ہے کہ یہ معنی خود بھی اہلحدیث و اہل فقہ نہیں مانتے۔ ہم اپنے مؤقف کی حمایت میں سورہ بقرہ کی دو آیات پیش کرتے ہیں:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾"

ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ سے ڈرو اور اگر تم مومن ہو تو سود میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو (۲۷۸) اگر تم ایسا نہ کرو تو پھر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے جنگ کا اعلان سُن لو اور اگر تم (سود لینے سے) توبہ کر لو تو پھر تم اپنا رأس المال یعنی زر اصل لے سکتے ہو (زرِ اصل سے زیادہ کچھ نہیں لے سکتے اس

طرح )نہ تم ظلم کرو گے اور نہ تم پر ظلم ہو گا( دونوں میں سے کسی کا نقصان نہیں ہو گا )(۲۷۹) " (ص ۱۰۳۲، جزء۔۱)

غور کیجئے کہ اگر اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول دو الگ الگ اطاعتیں ہیں تو پھر اس آیت میں جو اللہ اور رسول کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے (فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ) وہ دو الگ الگ جنگیں ہوئیں! تو اللہ سے تو جنگ سمجھ میں آتی ہے کہ وہ حَيٌّ قيوم ہے مگر رسول سلامٌ علیہ تو اب حیات نہیں تو ان سے جنگ کیسے ہو گی؟ کیا ان کی (نام نہاد) احادیث سے جنگ ہو گی؟ وہ (نام نہاد) احادیث لکھنے والے بخاری و مسلم وغیرہ بھی حیات نہیں کہ انہی سے جنگ ہو جائے! صاف ظاہر ہے کہ مِنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ کے معنی اللہ کے قانون / اس کی مقرر کردہ حدود (جو کہ قرآن کریم میں نازل کی گئی ہیں) کے خلاف جنگ ہو گی اور ان حدود کو لاگو کرنے والی ہستی زندہ خلیفۃ المسلمین یا اولی الامر ہو گا۔ اس لئے اب اطاعت قرآن کریم کے احکام کی ہو گی (وہی اللہ و رسول کی اطاعت ہے) اور خلیفۃ المسلمین یا اولی الامر کی ہو گی کہ وہ اللہ کا قانون نافذ کرنے کا ذمہ دار ہے۔ اور جو قرآن پر ایمان نہ لائے گا اور اس کے احکام کی اطاعت نہ کرے گا وہی کافر ہو گا یونکہ خود محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ اسی قرآن پر ایمان لائے اور اسی کی اطاعت کرتے تھے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔ ملاحظہ ہو:

" اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ كُتُبِهٖ وَ رُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۲۸۵

ترجمہ: (اللہ کا) رسول اور تمام مومنین اس چیز پر ایمان لاتے ہیں جو رسول پر اس کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، (اور یہ) سب اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر بھی ایمان لاتے ہیں (اور اس طرح کہتے ہیں کہ) ہم اللہ کے رسولوں میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے (سب پر بلا تفریق ایمان لاتے ہیں) اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ (اے اللہ) ہم نے (تیرے احکام کو) سُنا اور ہم (ان کی) اطاعت کریں گے اور اے ہمارے ربّ ہم تیری مغفرت طلب کرتے ہیں اور (ہمیں اس بات پر یقین ہے کہ ہمیں) تیری طرف لوٹ کر جانا ہے (۲۸۵) (البقرہ، ص ۱۰۶۴، جزء۔۱)

غور کیجئے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اور ان کے ساتھ والے مومنین کن چیزوں پر ایمان لائے تھے؟

(۱)۔ اللہ تعالیٰ پر

(۲)۔ اس کے ملائکہ (یعنی قوتوں) پر

(۳)۔ اس کی کتابوں پر (یقیناً ان میں بخاری و مسلم وغیرہ کی کتابیں شامل نہیں یونکہ ان کا نہ تو اس وقت وجود تھا اور نہ ہی وہ ربّ کی طرف سے نازل کی گئی تھیں)

(۴)۔ اس کے رسولوں پر، اور

(۵)۔ اس کی طرف لوٹ کر جانے پر (یعنی قیامت پر)

نیز یہ کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے مومنین یہ بھی کہتے تھے کہ "(اے اللہ) ہم نے (تیرے احکام کو) سُنا اور ہم (ان کی) اطاعت کریں گے" غور کیجے کہ یہ سُنے جانے والے اللہ کے احکام کون سے

تھے۔ ظاہر ہے کہ قرآنی احکام ہی تھے یونکہ قرآن ہی تلاوت کیا جاتا تھا (اور تمام اہلحدیث و اہل فقہ اسی کو وحی متلو یعنی تلاوت کی جانے والی وحی بتاتے ہیں تو وہی سُنا جا سکتا تھا) جبکہ (نام نہاد) احادیث کا وجود ہی نہ تھا اور نہ ہی وہ تلاوت کی جانے والی شیئے تھی (خود تمام اہلحدیث و اہل فقہ اس کو وحی غیر متلو یعنی تلاوت نہ کی جانے والی شیئے بتاتے ہیں)

بس یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ (نام نہاد) احادیث پر ایمان نہیں لانا بلکہ قرآن کریم پر ایمان لانا ہے اور اس میں جو اللہ تعالیٰ کے احکام نازل ہوئے ہیں انہی کی اطاعت کرنا ہے (نام نہاد) احادیث جو بعد میں بنائی گئیں ان کی اطاعت کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یونکہ خود رسول اور ان کے صحابہ صرف قرآنی احکام کی اطاعت کرتے تھے۔ جس حکم کا رسول پابند ہو اسی حکم کے ہم پابند ہیں اور یہی اطاعتِ رسول ہے۔ یہی سنتِ رسول ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور دیگر تمام ایمان لانے والوں پر صرف اَلْقُرْاٰن فرض کیا ہے (اِنَّ الَّذِیْ فَرَضَ عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ۔ ۲۸/۸۵) (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں بلکہ وہ کتابیں تو نہ سنت ہیں نہ نقل! جب ان کا رسول اللہ سلامٌ علیہ کی حیات میں وجود ہی نہ تھا تو ان کے سنت و نقل ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود اور دیگر صحابہؓ کرام قرآنی احکام ہی کی اطاعت کرتے تھے اور یہی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کی کیفیت تھی۔ البتہ روزمرہ کے معاملات میں بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی اطاعت ہوتی تھی یونکہ وہ اس وقت اولی الامر بھی تھے وہی اللہ کے احکام کو نافذ کرنے والی زندہ مرکزی اتھارٹی تھے۔ آج جب وہ حیات نہیں تو آج کے مسلم (زندہ) خلیفۃ المسلمین یا اولی الامر کی اطاعت ہو گی۔ اور کسی قسم کے تنازعہ کی صورت میں اللہ کے احکام یعنی قرآن کی طرف رجوع کیا جائے گا[۱]۔

قارئین اوپر یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ قرآن کریم کی جن جن آیات میں اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کا حکم آیا ہے، ان تمام آیات میں معنیٰ یہی ہوں گے کہ اللہ کے احکام یعنی قرآن کریم کی اطاعت کرنا ہے خواہ وہ رسول کرائے یا خلیفۃ المسلمین یا اولی الامر کرائے۔ اس لئے اب آپ مولوی صاحب کے " اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ " پڑھ دینے سے دھوکہ میں مت آیئے کہ قرآن کے علاوہ (نام نہاد) احادیث کے احکام کی بھی اطاعت کرنا ہے۔ بلکہ پھر اللہ ہی کا حکم سُن لیجئے کہ:

" وَ مَا اخْتَلَفْتُمْ فِیْهِ مِنْ شَیْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّیْ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۖۗ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ۝۱۰

ترجمہ: اور (اے لوگو) تم جس بات میں اختلاف کر رہے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کرے گا (اے رسول، آپ کہہ دیجئے کہ) یہ اللہ ہی میرا رب ہے، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں (۱۰) (الشوریٰ۔ ص ۷۲۹، جزء۔ ۸)

مطلب صاف ہے کہ جب رسول خود اللہ ہی کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو اختلاف کی صورت میں فیصلہ اللہ ہی کی طرف سے ہو گا یعنی اس کی کتاب سے ہو گا یونکہ اب کوئی اور وحی تو آئے گی نہیں۔ دیکھئے خود اللہ تعالیٰ اسی سورہ النسآء میں کیا حکم دیتا ہے:

---

[۱] میں معذرت خواہ ہوں کہ البقرہ کی اس آیت ۲۸۵ کی موصوف کی تفسیر پیش نہیں کر سکتا یونکہ انہوں نے اس آیت کی تفسیر ہی نہیں کی۔ شاید جان کر، یونکہ ان کے عقیدہ کو باطل کرنے والی آیت ہے۔ یا پھر وہ شائع ہونے سے رہ گئی اور کسی نے غور نہیں کیا۔ (واللہ عالم)

" اِنَّآ اَنۡزَلۡنَآ اِلَیۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَیۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ‌ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآٮِٕنِیۡنَ خَصِیۡمًا ۙ۝۱۰۵

ترجمہ: (اے رسول) ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف کتاب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ آپ کو سمجھائے اس کے مطابق آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ کریں اور (اے رسول) خیانت کرنے والوں کی (حمایت میں) کبھی نہ جھگڑیئے (۱۰۵) " (ص۳۵۴، جزء۔۳)

کہئے، اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بعد، "کہ ہم نے حق کے ساتھ آپ کی طرف الکتٰب نازل کی ہے تاکہ جو کچھ اللہ آپ کو سمجھائے اسی الکتٰب کے مطابق فیصلہ کیجئے" کیا (نام نہاد) حدیث یا فقہ سے رسول اللہ سلامٌ علیہ فیصلہ کر سکتے تھے؟ جبکہ (نام نہا) حدیث اور فقہ کا تو اس وقت قرآن کریم کے مقابلہ میں وجود ہی نہ تھا۔

کیا اب بات واضح نہ ہو گئی کہ فیصلہ صرف اور صرف القرآن ہی سے ہو گا اور ہر صورت میں اسی کی طرف رجوع کرنا ہو گا۔ اب آپ کی مرضی کہ آپ اللہ کا حکم مانیں یا اپنے اپنے علما اہلحدیث و فقہ کی مانیں! ہم تو صرف اللہ کا حکم مانتے ہیں یونکہ جو کوئی اس کے نازل فرمائے ہوئے حکم کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا وہ کافر ہے، ظالم ہے، فاسق ہے:

وَمَنۡ لَّمۡ یَحۡكُمۡ بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓٮِٕكَ هُمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ۝۴۴ المائدہ آیات ۴۴، ۴۵، ۴۷)

**۵۔** پانچویں آیت سورہ الاعراف کی پیش کر کے غلط معنیٰ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

" اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ‌ ؕ قَلِیۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ۝۳

ترجمہ: (اے لوگو) جو شریعت تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے نازل ہوئی ہے (بس) اسی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ ولیوں (وغیرہ) کی پیروی نہ کرو، (مگر) تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو (۳)" (ص ۳۲۰، جزء۔۴)

یہاں ترجمہ میں موصوف نے لفظ "شریعت" پتہ نہیں کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے؟ حالانکہ لفظ "شریعت" خود عربی کا اور قرآنی لفظ ہے جو قرآن کریم میں کئی مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ مگر یہی لفظ موصوف کی تحریف معنوی یا بد عقیدگی کا پتہ دیتا ہے یونکہ موصوف کا عقیدہ یہ ہے کہ شریعت قرآن میں مکمل نہیں ہوئی بلکہ (نام نہاد) احادیث میں مکمل ہوئی اس لئے انہوں نے یہاں آیت کے ترجمہ میں " شریعت' کا لفظ بڑھا دیا[۱] تو پھر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کیا ہے جس کے نازل کئے جانے کا اور اتباع کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ تو سنئے قول رسول کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کیا فرماتے ہیں کہ ان پر کیا نازل کیا گیا:

"اُوۡحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ = اور یہ کہ میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے" (۱۹/۶) (ص ۲۶، جزء۔۴)

کہئے کیا کہتے ہیں آپ کے مفتیان شرع متین؟ لائیے قرآن کریم سے ایسا کوئی قول رسول سلامٌ علیہ جس میں رسول نے کہا ہو کہ اُوۡحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الۡقُرۡاٰنُ وَالۡحَدِیۡثُ وَسُنَّةٌ۔ (معاذ اللہ) موصوف خود اس آیت کی تفسیر میں ایسی کوئی آیت نہ پیش کر سکے بلکہ صلوٰۃ کے بارے میں وہی منطقی کھینچا تانی کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"الغرض مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہو گیا کہ احادیث بھی منزل من اللہ ہیں اور اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ

---

[۱] شریعت تو قرآن کریم کا صرف ایک حصہ ہے۔ قرآن کریم میں شریعت کے علاوہ بھی اور کچھ ہے۔ بہر حال شریعت قرآن کے علاوہ نہیں۔ موجودہ شریعت مُلّا کی اپنی خود ساختہ ہے۔

اِلَیۡکُمۡ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ کے حکم میں شامل ہیں یعنی آیت زیر تفسیر میں جس چیز کو منزل من اللہ کہا گیا ہے وہ قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ ہیں۔

الغرض آیت کے پہلے جزء سے ثابت ہوا کہ امت کو صرف قرآن مجید اور احادیث رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنی ہے۔ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث کی پیروی فرض ہے" (ص ۳۲۳۔ جزء۔ ۴)

ذرا موصوف کی جرأت رندانہ پر غور کیجئے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ بھی یہ جرأت نہ کر سکے کہ (نام نہاد) احادیث کو منزل من اللہ کہیں بلکہ وہ یہی کہتے ہیں کہ "اور یہ کہ میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے" (۱۹/۶) مگر موصوف کہتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث بھی نازل کی گئی ہیں!

اور اس سے بڑھ کر جرأت ملاحظہ ہو کہ موصوف کہتے ہیں کہ "قرآن مجید اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی احادیث کی پیروی فرض ہے" لیکن اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ اس نے قرآن فرض کیا ہے (۲۸/۸۵)

ذرا غور کیجئے کہ اللہ اور اس کے رسول اور موصوف میں کون بڑا ہوا اور کس کی بات صحیح ہے جو مانی جائے؟ اب آپ فیصلہ کرتے رہئے ہم اور آگے چلتے ہیں۔ دیکھئے اس آیت زیرِ بحث سے پہلی والی آیت میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

"کِتٰبٌ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ ............

ترجمہ: (اے رسول[1]) یہ کتاب آپ پر اس لئے نازل کی گئی ہے کہ........ " (۲) (ص ۳۱۷، جزء۔ ۴)

یعنی بات کتنی واضح ہے کہ "کتٰب" نازل کی گئی، (نام نہاد) احادیث کی سینکڑوں کتابیں نہیں۔ اور موصوف اپنی تفسیر میں مانتے بھی ہیں کہ اس آیت میں جو کتٰب نازل کرنے کا فرمان ہے وہ قرآن مجید ہی کیلئے ہے مگر اگلی ہی آیت میں اپنی طرف سے (نام نہاد) احادیث بھی بڑھا دیتے ہیں!

اور دیکھئے سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

" وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوۡہُ وَاتَّقُوۡا لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: اور اس کتاب کو بھی ہم ہی نے نازل کیا ہے یہ بڑی بابرکت کتاب ہے (اس میں بھی وہ احکام موجود ہیں جو تم کو پڑھ کر سنائے جا چکے ہیں) لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۵) " (ص ۲۸۴، جزء۔ ۴)

غور کیجئے کہ اس آیت میں پھر بات واضح ہو گئی کہ صرف "کتٰبٌ" نازل ہوئی اور اسی کی اتباع کرنا ہے (فَاتَّبِعُوۡہُ) اور یہی لفظ اِتَّبِعُوۡا آیت زیرِ بحث میں استعمال ہوا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اتباع یا پیروی "کتٰبٌ" کی کرنی ہے (نام نہاد) احادیث کی نہیں۔

یہ دیکھنے کیلئے کہ نازل کی جانے والی "کتٰبٌ" کیا ہے، صرف سورہ یوسف کی شروع کی آیات ہی دیکھ لیجئے:

---

[1] غور کیجئے اس آیت میں موصوف نے "کِتٰبٌ" کا ترجمہ "یہ کتاب" کیا ہے۔ جبکہ کتٰبٌ کا ترجمہ صرف "کتاب" ہوتا ہے۔ لیکن یہ ترجمہ بھی غلط نہیں یونکہ یہاں آیت میں اس کے معنیٰ یا مطلب یہی ہوتا ہے۔ لیکن اگر اسی قرینہ سے ہم ۱۹/۶ میں " ھٰذَا الۡقُرۡاٰن " کا ترجمہ "صرف یہ قرآن" کر دیں تو موصوف ناراض ہو جاتے ہیں۔ بہرحال ہمارے لحاظ سے صحیح ترجمہ یہی ہو گا کہ "اور یہ کہ میری طرف صرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے" (۱۹/۶)

"الٓرٰ ۟ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟ۙ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝

ترجمہ: الٓرٰ، یہ (ہر حکم کو) واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں (۱) (اے لوگو) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو (۲)" (ص ۳۷۸، جزء ۵)

غور کیجئے کہ پہلی آیت میں جس "اَلْکِتٰب" کی آیات کو واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں بتایا جارہا ہے (یعنی جو واضح المطالب ہیں ان کی شرح یا تفسیر کی ضرورت ہی نہیں مگر موصوف ان کی شرح و تفسیر بھی کر رہے ہیں۔ اس پر ہم بحث انشاء اللہ آگے کریں گے) اسی کتاب کو اگلی آیت میں قرآن کا نام دے کر اعلان فرمادیا گیا کہ قرآن ہی کو عربی زبان میں نازل کیا گیا۔ یعنی نازل کئے جانے کی بھی تصدیق کر دی گئی۔ کہئے کیا اب بھی آپ کو کوئی شبہ ہے کہ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ میں قرآن کریم کے علاوہ بھی کوئی (غیر اللہ کی) کتاب شامل ہے جس کی اتباع کرنے کا حکم دیا جارہا ہے[1]؟ کیا آپ کو اب بھی کوئی شبہ ہے کہ اطاعت کے علاوہ (اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے بارے میں بحث پچھلے صفحات پر ہو چکی ہے) اتباع قرآن کے علاوہ کسی پارسی عجمی کی لکھی کتاب کی کرنی ہے؟

۶۔ چھٹی آیت سورہ آلِ عمران کی غلط مطلب کے ساتھ پیش کی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

موصوف اپنی معرکۃ الآراء کتاب "تفہیمِ اسلام بجواب دو اسلام" میں فرماتے ہیں "حدیث کا ذکر قرآن میں جگہ جگہ ہے۔ چند آیات ملاحظہ فرمایئے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ (آل عمران:۳۱)

ترجمہ: کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو" (ص ۱۶۴)

دیکھا آپ نے کہ آیت کا جو حصہ موصوف نے پیش کیا اس میں نہ تو لفظ حدیث کہیں استعمال ہوا اور نہ ہی اس کا ذکر خیر ہے۔ بہر حال آپ پوری آیت دیکھ لیجئے تاکہ بات ذرا واضح ہو جائے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو' (اگر تم میری پیروی کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے (۳۱)" (ص ۵۸، جزء۔ ۲)

موصوف کے اس ترجمہ میں پہلی بات تو یہ کہ آیت میں "دعویٰ" کے الفاظ قطعی نہیں استعمال ہوئے معلوم نہیں موصوف نے کیوں بڑھا دیئے! دوسرے یہ کہ آیت کے سیدھے سیدھے معنیٰ ہیں کہ "اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع میں اللہ کے احکام تسلیم کرو (یونکہ میری بھی اللہ سے محبت اسی طرح ہے کہ میں اس کے ہر حکم پر بے چون و چرا سر تسلیم خم کر دیتا ہوں اور اس کے احکام بجالاتا ہوں خیال رہے کہ قرآن مبین کے پہلے مخاطب خود رسول اللہ سلامٌ علیہ ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے وہ خود اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ نیز یہاں لفظ اتباع واضح کرتا ہے کہ اللہ کی

---

[1] جو قارئین مزید دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کیا نازل کیا گیا تو وہ کتاب کے پہلے باب پر نظر ڈال لیں جہاں سینکڑوں آیات سے یہی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف قرآن کریم نازل کیا (نام نہاد) احادیث نہیں۔ یہاں دوبارہ وہ آیات لکھنے سے یہ حصہ غیر ضروری طور پر طویل ہو جائے گا۔

کتاب کو مان کر عمل پیرا ہونا ہے (۳/۷) غیر اللہ کی بات نہیں ماننا تو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے گا، تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے"۔ یہاں یہ بھی غور کیجئے کہ بات اللہ سے محبت کی ہو رہی ہے رسول سلامٌ علیہ سے نہیں۔ اور ان سیدھے سیدھے معنوں کی یعنی اللہ کے احکام مان لینے کی تصدیق اگلی ہی آیت سے ہو جاتی ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ: (اے رسول) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ اطاعت سے منہ موڑیں تو (وہ لوگ کافر ہیں اور) اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا (۳۲) (ص۵۸، جزء۔۲)

غور کیجئے ہم پچھلے صفحات ہی پر یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ قرآنی اصطلاح ہے اس کے معنٰی اللہ کے قوانین واحکام کی اطاعت کرنا ہوتے ہیں (البتہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی حیات طیبہ میں ان کے احکامات کی اطاعت اولی الامر کی حیثیت سے بھی فرض تھی) اور یہاں اتباع کے معنٰی بھی پچھلی آیت کے ساتھ یہ اطاعت والی آیت لگا کر واضح ہو گئے کہ دونوں: اطاعت اور اتباع کے معنٰی و مطالب اللہ تعالیٰ کے قوانین واحکامات کو بے چوں وچرا مان لینا ہیں۔ ان کے آگے سر تسلیم خم کر دینا ہے یعنی خود سپردگی یا ہتھیار ڈال دینا ہے (Surrender کر دینا)۔ اس کے یہ معنی نہیں کہ رسول ہتھیار کس طرح اُٹھاتے تھے، ہتھیار کس طرح استعمال کرتے تھے، کس ہتھیار کو (مثلاً تیر کمان کو) کتنا بلند اور کتنی دُور رکھتے تھے، کس طرح نشانہ لیتے تھے، یا کس طرح تلوار چلاتے تھے یا کس طرح وار روکتے تھے وغیرہ وغیرہ (نام نہاد) احادیث کی کسی کتاب میں یہ سنتیں نہیں ملیں گی (ورنہ تو پھر فن سپہ گری پر بھی ایک ضخیم کتاب روح پرور سنتوں کے نام سے چھپ جاتی اور ملاؤں کی کمائی کا ذریعہ بنتی) بلکہ اس کے معنٰی ذہنی ہوتے ہیں (Abstract Form میں) یعنی یہ ذہنی کیفیت ہوتی ہے۔ کوئی مادی عمل نہیں۔ مگر موصوف چونکہ چالیس سال تک فرقہ **اہلحدیث** کے مقلد رہے اس لئے اس ذہن پرستی سے نہ نکل سکے اور پنی تفسیر میں اتباع کے معنٰی سنت و سیرت ٹھونس دیئے۔ ملاحظہ ہو:

"تفسیر: اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان کی نشانی ہے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص ایمان دار بھی ہو اور اللہ تعالیٰ سے محبت نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ (البقرہ۔۱۶۵)

ایمان والوں کو توسب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے[1]۔

لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کی محبت کا صرف زبانی دعویٰ کافی نہیں، جب تک کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اس کا محبت کا دعویٰ کرنا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام تقاضوں کو صرف ایک لفظ "اتباع" میں سمو دیا یعنی جو شخص رسول اللہ سلامٌ علیہ کی اتباع کرتا ہے یعنی آپ کی سنت کی پیروی کرتا ہے وہ اپنے دعویٰ محبت میں سچّا ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ اپنے دعویٰ محبت میں سچا نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا (قُلْ اِنْ كُنْتُمْ

---

[1] غور کیجئے کہ آج برّصغیر ہندو پاک کے مسلمان بجائے اللہ سے محبت کرنے کے اس کے رسول سے عشق کرتے ہیں۔ جبکہ عشق برّصغیر کی زبان میں بھی بیہودہ و قبیح فعل قرار دیا جاتا ہے۔ (معاذ اللہ)

تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ) اے رسول، آپ ان تمام لوگوں سے جو اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ اگر تم کو (واقعی) اللہ تعالیٰ سے محبت ہے (فَاتَّبِعُوْنِيْ) تو میری اتباع کرو، (میرے طریقہ پر چلو، میری سنت کی پیروی کرو، میری سیرت کو نمونۂ عمل بناؤ)[1]

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حکم دے کر سنت کی پیروی کو تمام مومنین پر لازم کر دیا، اب کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں رہا کہ وہ سنت کی پیروی نہ کرے اور سنت کے ترک کو جائز سمجھے" (ص۵۸-۵۹، جزء-۲)

غور کیجئے کہ موصوف نے کس کمال ہوشیاری سے اپنی ذہن پرستی کے سبب "اتباع" کے معنیٰ: طریقہ پر چلنا، سنت کی پیروی کرنا، سیرت کو نمونۂ عمل بنانا کر دیا! اور ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ ان آیات کی وجہ سے رسول کی سنت کیا تھی؟؟ تو رسول کی سنت تو احکامات الٰہی جو نازل ہو رہے تھے ان کو دل وجان سے مان کر عمل پیرا ہونا تھی۔ آپ بھی یہ سنت اپنائیے۔ مگر موصوف تو (نام نہاد) احادیث اپنانے کا فرماتے ہیں!) اب ذرا قرآن الحکیم کی بھی سنئے کہ کلام اللہ "اتباع" کے کیا معنیٰ بتاتا ہے۔ اسی سورہ آل عمران میں اس آیت زیرِ بحث سے چند آیات پہلے ملاحظہ ہو:

"فَإِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۲۰

ترجمہ: پھر (اے رسول) اگر یہ آپ سے جھگڑیں (اور بحث ومباحثہ کریں) تو آپ کہہ دیجئے کہ میں نے اور میری اتباع کرنے والوں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا ہے (ہم تو بس دین، اسلام ہی کو سمجھتے ہیں) اور (اے رسول) آپ اہل کتاب اور ناخواندہ لوگوں سے کہئے: "کیا تم اسلام قبول کرتے ہو" اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو ہدایت یاب ہو جائیں گے اور اگر وہ (اسلام سے) منہ موڑیں تو آپ کی ذمہ داری سوا اس کے اور کچھ نہیں کہ آپ (دین اسلام ان تک) پہنچا دیں، اللہ (اپنے) ان بندوں کو دیکھ رہا ہے (اور وہ خود ان سے حساب لے لیگا) (ص۳۸، جزء-۲)

غور کیجئے کہ (وَمَنِ اتَّبَعَنِ) رسول کی اتباع کرنے والوں نے کیا کام کیا؟ کس طرح اتباع کی؟ اس طرح کہ انہوں نے اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا یعنی سرنڈر (Surrender) کر دیا۔ اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ سب سر جھکا کر کھڑے ہو گئے یا نماز کی طرح سجدے کرنے لگے۔ یعنی یہ کوئی ظاہری عمل نہیں تھا کہ رسول کی طرح سب نے سر جھکا لیا! رسول کی طرح سب نے کپڑے پہننا شروع کر دیے (وہاں تو دنیا کے ہر خطہ اور ہر کلچر کا انسان آکر اللہ کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دیتا تھا یہ نہیں کہ رسول کی طرح کے کپڑے پہننا شروع کر دے یا ان جیسی شکل بنانے لگے جو کہ ممکن ہی نہیں) بلکہ یہ ذہنی کیفیت تھی کہ رسول کی طرح سب کے دل ودماغ نے اقرار کیا کہ بس دین تو اسلام ہی ہے اور ان الفاظ کو خود موصوف نے قوسین میں اس طرح لکھا ہے: (ہم تو بس دین، اسلام ہی کو سمجھتے ہیں)۔ گویا کہ دبی زبان سے موصوف بھی مان رہے ہیں کہ اتباع کے معنی ذہنی کیفیت ہے مگر اپنی اہلحدیث ذہن پرستی کے ہاتھوں مجبور ہو

---

[1] انہی معنیٰ ومطالب لینے کی وجہ سے آج امت مسلمہ میں مختلف وضع وقطع کے لوگ، مختلف انداز اپنائے مختلف حلیہ بنائے، مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں اور ہر ایک یہی دعویٰ کر رہا ہے کہ ہم سنت رسول سلام علیہ پر عمل کر رہے ہیں اور ہمیں رسول سے محبت ہے۔ مگر جب اللہ کے نام پر کچھ مانگو تو جیب سے ایک پیسہ نہیں نکلتا!

کر زبردستی سے اس کو تفسیر میں: طریقہ پر چلنا، سنت کی پیروی کرنا، سیرت کو نمونہ عمل بنانا کہہ رہے ہیں! جبکہ یہ تینوں کیفیات کا تعلق ظاہری عمل سے ہے۔ مزید غور کیجئے کہ اسی آیت میں اللہ تعالیٰ فرمارہاہے کہ اگر اہل کتاب اور غیر اہل کتاب [1] (یعنی اُمِّیّٖن) رسول اور ان کے متبعین کی اتباع کرتے ہوئے "اسلام قبول کرلیں" تو ہدایت یاب ہو جائیں گے۔ یہاں لفظ "قبول کرلیں" بھی ذہنی کیفیت ہی بتارہاہے یہ کوئی ظاہری عمل نہیں!

ذرا سا اور پیچھے دیکھئے کہ اسی سورہ اٰل عمران کی ساتویں آیت میں اللہ تعالیٰ محکم اور متشابہ آیات کا ذکر کرکے متشابہ آیات ہی کی اتباع کرنے والوں کے بارے میں فرماتا ہے:

" .............. فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ۚ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ ........ ۝"

ترجمہ: ........... پھر بھی جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیت کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تاکہ اس کے حقیقی معنوں کو تلاش کریں اور کوئی فتنہ برپا کریں........... " (۷)(ص ۱۱، جزء۔ ۲)

غور کیجئے کہ یہاں موصوف خود فَیَتَّبِعُوۡنَ کے معنیٰ کررہے ہیں "پیچھے پڑ جاتے ہیں"۔ یہ بھی ذہنی کیفیت ہی ہے۔ ورنہ وہ پیچھے پیچھے چلنے یا بھاگنے لگ جاتے!

غور کیجئے کہ انسان کی پیدائش کے بعد جب اسے اس دنیائے فانی میں بھیجا گیا تو اللہ تعالیٰ نے کس کی اتباع کا حکم دیا۔ ملاحظہ ہو سورہ البقرہ:

"قُلۡنَا اهۡبِطُوۡا مِنۡهَا جَمِیۡعًا ۚ فَاِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ مِّنِّیۡ هُدًی فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ ۝"

ترجمہ: ہم نے ان سے پھر کہا تم سب یہاں سے اُتر (کر زمین پر چلے) جاؤ، پھر جب کبھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں روزِ محشر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۳۸)" (ص ۲۱۱، جزء۔ ۱)

دیکھا آپ نے کہ شروع ہی سے اللہ تعالیٰ انسانوں کو اپنی ہدایت کی (تَبِعَ هُدَایَ) اتباع کا حکم دے رہاہے۔ اور ان انسانوں میں رسول بھی شامل ہیں۔ عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے تو صرف اس ایک آیت ہی سے بافت واضح ہوگئی کہ رسول کی اتباع کے معنی "اللہ کی ہدایت کی اتباع کرنا ہے" یونکہ وہ خود اللہ کی ہدایت کی اتباع کررہاہے۔ (مگر افسوس کہ اہل حدیث و اہل فقہ اس کے معنیٰ (نام نہاد) احادیث و فقہ کی اتباع کرتے ہیں) دیکھئے خود رسول اللہ سلامٌ علیہ کیا فرماتے ہیں:

"................. اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ؕ .................... (۵۰) الانعام

[1] موصوف نے اپنی اہلحدیث ذہن پرستی کے سبب یہاں بھی اُمِّیّٖن کا ترجمہ "ناخواندہ لوگوں" کیا ہے جو کہ ہمارے نزدیک غلط ہے یونکہ خود اللہ تعالیٰ اس لفظ کو اہل کتاب کے ساتھ استعمال کررہاہے کہ وہ لوگ جنہیں الکتٰب دی گئی اور وہ لوگ جنہیں الکتٰب اس وقت تک نہیں دی گئی۔ تو ان کا نام اُمِّیّٖن پڑ گیا۔ یہ ہم پہلے بھی واضح کرچکے ہیں۔

ترجمہ: میں تو بس ان (احکام کی) پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کئے جارہے ہیں............... " (۵۰)
(الانعام، ص ۸۷، جزء۔ ۴ (اور ۱۵/ ۱۰)

آگے اسی سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ اپنے چند اہم احکامات دینے کے بعد فرماتا ہے کہ:

"............... وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ................." (۱۵۴)

ترجمہ: اور (اللہ یہ بھی فرماتا ہے) کہ میرا سیدھا راستہ تو یہی ہے، بس اس کی پیروی کرو............ (۱۵۴) "۔
(ص ۲۶۹، جزء۔ ۴)

اور ایک آیت آگے بات بالکل واضح کر دی کہ "کتٰب" کی اتباع کرو:

"وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: اور اس کتاب کو بھی ہم ہی نے نازل کیا ہے یہ بڑی بابرکت کتاب ہے (اس میں بھی وہ احکام موجود ہیں جو تم کو پڑھ کر سنائے جا چکے ہیں) لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۶) " (ص ۲۸۴، جزء۔ ۴)

دیکھا آپ نے کہ کس چیز کی اتباع کا حکم دیا جارہا ہے۔ اور کیا نازل کئے جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ جبکہ موصوف اور ان کے ساتھ دیگر اہل حدیث و فقہ بھی قرآن کریم کے علاوہ غیر اللہ کی کتابیں نازل کئے جانے اور ان کی اتباع کرنے اور کرانے کے قائل ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ یہاں یہ بھی بتا تا چلوں کہ موصوف نے "وَاتَّقُوْا" کے معنی کئے ہیں "اور (اللہ سے) ڈرتے رہو" لیکن اس کے صحیح معنٰی ہوں گے "اور اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے سے بچو"۔ اس طرح آیت کے آخری حصہ کا زیادہ مناسب ترجمہ ہو گا۔

"لہٰذا تم اس کتاب کی اتباع کرو اور اس کے احکامات کی خلاف ورزی کرنے سے بچتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے"۔

اتباع کے بارے میں آیات تو بہت ہیں مگر وہ سب یہاں نقل کرنے سے مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے سب آیات نہیں لکھتا۔ بہر حال اتباع کے معنٰی واضح ہو گئے اور ایمان والوں کے لئے تو ایک آیت بھی کافی ہوتی ہے۔ پیچھے میں نے آپ کو قولِ رسول سنایا کہ رسول سلامٌ علیہ خود فرماتے ہیں کہ وہ تو ان احکامِ الٰہی کی اتباع کرتے ہیں جو ان کی طرف وحی کئے جاتے ہیں (۵۰/ ۶، ۱۵/ ۱۰) پھر آپ کو خالقِ رسول کا کلام سنایا جو کہ بنیادی حکم اور محکم آیت ہے کہ تم اس کتٰب کی اتباع کرو (جو رسول پر وحی کی گئی / نازل کی گئی) اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۶/ ۶)، اب ایک اور بنیادی حکم یا محکم آیت سن لیجئے جو پیچھے بھی آچکی ہے۔ یہ ہے سورہ الاعراف کی تیسری آیت جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "اتباع کرو اس کا جو تم پر تمہارے ربّ کی طرف سے نازل کیا گیا ہے (۳/ ۷) یعنی القرآن (۱۹/ ۶)۔ بنیادی حکم یعنی محکم آیات کے ہوتے ہوئے بات واضح ہو گئی کہ جہاں کہیں بھی رسول کی اتباع کا کہا گیا اس کے معنٰی ان ہی محکم آیات کے تابع ہوں گے کہ جو احکام رسول پر نازل کئے گئے ان احکام کی اتباع کرو۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب رسول سلامٌ علیہ کہاں ہیں جو ان کی اتباع کریں؟ اور کسی بھی آیت میں یہ حکم نہیں کہ (نام نہاد) احادیث کی اتباع کرو جو کہ ظنّی شئے ہے۔ اور ظنّ کی پیروی کو تو خود اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا

ہے(۳۶/۱۰، ۲۸/۵۳ وغیرہ)

پس ثابت ہوا کہ اصل اتباع صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی ہے اور وہ بھی وہ احکام جو اس کی وحی شدہ کتب میں نازل ہوئے ہیں یعنی "القرآن" میں، ان کی نہیں جو امام لے جا کر رُوپوش ہو گیا، ان کی نہیں جو سینہ بہ سینہ چلے آرہے ہیں، ان کی نہیں جو پارسی عجمی محدثین نے اپنی کتابوں میں اللہ و رسول کی طرف منسوب کر دیئے۔ ان کی نہیں جو منسوخ التلاوت ہیں مگر ان کا حکم باقی ہے!(معاذ اللہ) بلکہ اتباع صرف القرآن کی ہے اور یہی رسول کی سنت ہے کہ وہ القرآن کی اتباع کرتے تھے۔ اور وہ القرآن کی اتباع کیوں کرتے تھے اس لئے کہ بنیادی حکم اللہ ہی کی اتباع کا ہے۔ دیکھئے سورہ یونس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ٞ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: (اور، اے رسول، آپ ان سے یہ بھی) پوچھئے (بتاؤ) کیا تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرے۔ (اے رسول، یہ کیا جواب دیں گے آپ خود ہی انہیں) بتا دیجئے کہ (صرف) اللہ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو پھر (اے مشرکین، بتاؤ کہ) جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو وہ زیادہ حق دار ہے کہ اس کی پیروی کی جائے یا وہ کہ جب تک اسے راستہ نہ بتایا جائے وہ خود بھی راستہ نہ پا سکے تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ تم کیسا فیصلہ کرتے ہو (۳۵) " (ص۹۵۔۹۶، جزء۔۵)

یہاں یہ حقیقت کتنی واضح ہو گئی کہ اتباع اس کی کرنی ہے جو حق کی طرف رہنمائی کرتا ہو۔ اور وہ ذات صرف اللہ تبارک تعالیٰ کی ہے۔ رسول کی اتباع بذاتہٖ نہیں کرنی یونکہ وہ خود ذات باری تعالیٰ کی حق کی طرف رہنمائی کا محتاج ہے۔ ہاں اس کی یہ اتباع کرنی ہے کہ چونکہ وہ بھی اللہ کی، اس کے احکام کی یعنی الکتٰب کی اتباع کر رہا ہے تو ہم نے بھی الکتٰب ہی کی اتباع کرنی ہے۔ دیکھئے خود موصوف اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر:........ الغرض پیروی صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرنی چاہئے [1]۔ انسانوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج رہتا ہے۔ اُس کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کر کے ہی وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے لہٰذا ہر شخص کو بجائے اُس شخص کے احکام کے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایت کی پیروی کرنے والے ہی نجات پاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾ (البقرہ:۵)

یہی وہ لوگ ہیں جو ان کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہدایت پر قائم ہیں اور یہی لوگ نجات پانے والے ہیں (یعنی منزل مقصود پر پہنچنے والے ہیں)" (ص۹۸۔ جزء۔۵)

کہئے قارئین کیا اب بھی کوئی شبہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کسی کی اتباع کرنی ہے؟ (نام نہاد) احادیث یا سُنت وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتی ہیں؟

---

[1] موصوف نے خود مان لیا کہ پیروی صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرنی چاہئے۔

۷۔ ساتویں آیت وہ سورہ النسآء کی آیت کی معنوی تحریف کرکے پیش کرتے ہیں:

"وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط

ترجمہ: اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو ایسی ایسی باتوں کی تعلیم دی ہے جن کو (پہلے) آپ نہیں جانتے تھے (۱۱۳) " (ص ۳۵۵، جزء۔ ۳)

ہم شاید پہلے ہی آپ کو یہ بتا چکے ہیں کہ کلام اللہ عام طور پر قرآن کریم ہی کو حکمت بتا رہا ہے اگر یاد نہ ہو تو دیکھئے آیات: وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ (۳۶/۲)، الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞ (۱۰/۱)، وَ اِنَّهٗ فِيْٓ اُمِّ الْكِتٰبِ لَدَيْنَا لَعَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۞ (۴۳/۴)

اب دیکھئے موصوف اپنی تفسیر قرآن عزیز میں حکمت کے کیا معنیٰ کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

"حکمت کے معنیٰ دانائی، عقل و سمجھ بوجھ کے ہیں" (ص ۹۹۵، جزءاوّل تفسیر آیت البقرہ ص ۲۶۹)

گویا کہ یہ قرآن کے علاوہ کوئی کتاب یا کتابیں نہیں ہیں۔ مگر دیکھئے موصوف ہی اپنی معرکۃ الآرا کتاب میں ایک مقام پر یہی آیت لکھ کر فرماتے ہیں کہ:

"اس آیت میں کتاب کے علاوہ ایک اور چیز کے نزول کی خبر ہے، اور یہ حکمت یعنی سنت ہے، جو لوگ یہاں "واؤ" کو تفسیری کہتے ہیں وہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اس سورت میں آیت کے معنیٰ یہ ہوں گے "کہ اللہ نے آپ پر کتاب نازل کی، یعنی حکمت نازل کی، یعنی وہ باتیں سکھائیں جو آپ نہیں جانتے تھے۔ بار بار واؤ تفسیری کا آنا بلاغت کے منافی ہے" [۱] (ص ۱۶۶)

گویا کہ موصوف کلام اللہ کی بلاغت کو اپنی گرامر کے معیار سے پرکھ رہے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں:

"اگر بالفرض محال کتاب و حکمت ایک ہی چیز ہے، تو پھر "وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ" کے دوسری چیز ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں، اور یہی چیز حدیث ہے" [۲]

گویا کہ وہ بھی اس شبہ میں مبتلا ہیں کہ کتاب و حکمت ایک ہی چیز ہے........... پھر بھی مصر ہیں کہ اچھا آیت کے دوسرے الفاظ سے دوسری چیز سنت یا حدیث مان لی جائے۔ قارئین کہئے کیا یہ زبردستی اور تحریف ہے کہ نہیں؟ اچھا ہم اب "حکمت" کی مزید تعریف آپ کو موصف ہی کی تفسیر سے دکھاتے ہیں' ملاحظہ ہو سورہ بنی اسرائیل کی آیت ۳۹ کا ترجمہ: جبکہ اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ چند اہم باتیں بتانے کے بعد اس آیت میں فرماتا ہے:

ترجمہ: " (اور اے رسول) یہ باتیں بھی حکمت کی (ان) باتوں میں سے ہیں جو (وقتاً فوقتاً) آپ کی طرف وحی کی جارہی ہیں اور (اے رسول) اللہ کے ساتھ دوسرا الٰہ نہ بنانا ورنہ آپ بھی ملامت زدہ اور راندہ درگاہ کرکے جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے (۳۹) " (ص ۵۶، جزء۔ ۶)

غور کیجئے کہ یہ حکمت کی باتیں جو وقتاً فوقتاً آپ سلامٌ علیہ پر وحی کی جارہی ہیں تو کیا یہ وحی قرآن کریم ہی میں کی جارہی ہیں (دیکھئے آیات ۲۳ سے ۳۸) یا پوشیدہ طور پر (نام نہاد) احادیث میں وحی کی جارہی ہیں؟

مزید دیکھئے کہ سورہ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ امہات المومنین سے کیا فرما رہا ہے:

---

۱۔ تفہیم اسلام بجواب دو اسلام۔ ص ۱۶۶۔ ۲۔ ایضاً ص ۱۶۷

" وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ﴿۳۴﴾

اور (اے نبی کی گھر والیو) تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو، بے شک اللہ بڑا باریک بین اور (بہت) باخبر ہے (۳۴)(ص ۱۰۶۰، جزء۔۷)

کہئے کہ یہ تلاوت کی جانے والی حکمت کیا ہے؟ کیا یہ وَحیٔ مَتلُو نہیں؟ اور آپ سب کے مطابق بھی وَحیٔ مَتلُو تو قرآن ہی ہے۔ پھر یہ " اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ہی "اَلْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ" ہوئی کہ نہیں؟ غور کیجئے کہ کیا رسول کے گھروں میں اللہ کی آیات کے علاوہ (نام نہاد) احادیث بھی تلاوت کی جاتی تھیں؟... ع

لو... آپ... اپنے... دام... میں... صیاد... آ... گیا

اور دیکھئے سورہ آل عمران میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

"(اے رسول) یہ (اللہ کی) آیتیں ہیں اور حکمت سے بھرپور نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں (۵۸)" (ص ۱۰۶، جزء۔۲)

پس ثابت ہوا کہ "اَلْحِكْمَةَ" (نام نہاد) حدیث نہیں بلکہ قرآن کریم ہی ہے۔ اور اس کے معنیٰ حدیث یا سنت کرنا بدعقیدگی اور معنوی تحریف ہے۔

آیئے اب دیکھتے ہیں موصوف کے دوسرے دعویٰ کو کہ "اگر بالفرض محال کتاب وحکمت ایک ہی چیز ہے تو پھر " وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ " کے دوسری چیز ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں اور یہی چیز حدیث ہے؟ (ص ۱۶۷، تفہیم اسلام بجواب دو اسلام) وہ کیا چیز ہے جس کی تعلیم اللہ نے رسول کو دی جسے وہ پہلے نہیں جانتے تھے۔ ملاحظہ ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

" اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ ۱۔۲/۵۵ یعنی الرحمٰن نے (اپنے بندہ کو) قرآن کی تعلیم فرمائی۔ کس طرح؟ کہ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (۹۷/۲) اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر نازل ہوا۔

غور کیجئے کیا اس قسم کی کوئی آیت (نام نہاد) احادیث کے لئے بھی ہے کہ انہیں بھی رسول کے قلب پر نازل کیا گیا؟ اگر ہے تو پیش کیجئے ورنہ موصوف کے غلط معنیٰ رَد کر دیجئے۔

دیکھئے کہ اسی قرآن کو جو اللہ نے رسول کو سکھایا اسی کے بارے میں سورہ العنکبوت میں تصدیق فرماتا ہے کہ وہ اس سے پہلے اس کو نہیں جانتے تھے:

" وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ ............ (۴۸)

اور (اے رسول) اس (کتاب کے آنے) سے پہلے آپ نہ تو کتب ہی پڑھتے تھے اور نہ اپنے دستِ راست سے کچھ لکھ ہی سکتے تھے............ (۴۸) " (ص ۶۴۷، جزء۔۷)

ظاہر ہے کہ وہ جب الکتٰب کو جانتے ہی نہیں تھے تو لکھنے پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر جب اللہ نے ان کو قرآن کی تعلیم دیدی ( اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ ۱۔۲/۵۵) جس کو وہ پہلے نہیں جانتے تھے تو پھر وہ اس کو پڑھنے بھی لگے اور لکھنے بھی لگے جیسا کہ سورہ العنکبوت کی اس آیت ۴۸ سے ثابت ہوا۔ نیز یہ کہ آپ اس کو صبح وشام کاتبینِ وحی کو

املا کرا کر لکھانے بھی لگے، ملاحظہ ہو الفرقان کی آیت نمبر ۵۔

"............ اکۡتَتَبَهَا فَهِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَةً وَّ اَصِیۡلًا ۝ اور (اب) صبح و شام وہی ان کو لکھوائی جاتی ہیں (۵)" (ص۲۱۷، جزء۔۷)

غور کیجئے کیا (نام نہاد) احادیث بھی اسی طرح صبح شام املا کرا کر لکھی جاتی تھیں؟ کیا ہے کوئی ایسی آیت؟ ظاہر ہے کہ نہیں! تو پھر ان (نام نہاد) احادیث اور موصوف کے دعویٰ کو مسترد کر دیجئے اور قرآن کریم پر پکا ایمان لے آیئے اور اس کے ساتھ غیر اللہ کے کلام کو شریک نہ کیجئے[1]۔

## اُسوۂ حسنہ:

۸۔ آٹھویں آیت: سورہ الاحزاب کی اکیسویں آیت پیش کر کے اسوۂ حسنہ کے معنی سیرت کرتے ہیں جو مناسب نہیں، ملاحظہ ہو:

" لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنۡ کَانَ یَرۡجُوا اللّٰهَ وَ الۡیَوۡمَ الۡاٰخِرَ وَ ذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیۡرًا ۝

ترجمہ: بے شک رسول اللہ (کی سیرت) میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے (یعنی تم لوگوں میں سے ہر) اس شخص کے لئے (بہترین نمونہ ہے) جو اللہ (تعالیٰ) سے اور قیامت کے دن سے ڈرتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو (۲۱) "(ص۱۰۳۵، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ ترجمہ میں موصوف نے "سیرت" کا لفظ قوسین میں زبردستی ٹھونسا ہے، محض اپنی اہلحدیث ذہن پرستی کی وجہ سے۔ ورنہ یہاں پر اس کا کوئی قرینہ نہیں ہے۔ بلکہ آیت کریمہ کسی خاص موقعہ سے متعلق ہے جیسا کہ اس کے سیاق وسباق کو چند آیات پہلے اور چند آیات بعد پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے:۔

(۱)۔ اگر آپ اس سورہ الاحزاب کو شروع سے پڑھیں تو معلوم ہو گا کہ نبی سلامؑ علیہ کو بھی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے اور کفار و منافقین کے رویّہ کی اطاعت نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے (۱/۳۳) پھر جو کچھ یعنی القرآن وحی کیا گیا اسی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے (۲/۳۳) اس کے بعد کچھ اور احکام ہیں۔ مگر دوسرا رکوع آیت نمبر ۹ سے شروع ہوتا ہے تو مضمون جنگ احزاب کا شروع ہوتا ہے جبکہ کفار نے مؤمنین پر یلغار کر دی تھی۔ ہم تاریخ و روایات سے کچھ نقل نہیں کرتے بلکہ اس موقعہ کا جو نقشہ خود اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں کھینچا ہے اسے موصوف کی ہی تفسیر سے پیش کرتے ہیں تاکہ بات واضح ہو کہ آیت زیرِ بحث میں کس چیز کو اُسۡوَةٌ حَسَنَةٌ کہا گیا ہے: ملاحظہ ہو:

"ترجمہ: اے ایمان والو، اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جو اس نے تم پر اس وقت کیا جب (کفار کی) فوجوں نے تم پر حملہ کیا۔ ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور (ایسے) لشکر بھیجے جو تم کو دکھائی نہیں دیتے تھے اور اللہ دیکھ رہا تھا جو تم کر رہے تھے (وہ تمہاری جدوجہد سے بے خبر نہیں تھا) (۹) جب وہ تمہاری بالائی جانب سے بھی حملہ آور

[1] مزید دیکھئے سورہ العلق کی آیت نمبر ۵ "عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ۝" = "اور انسانوں کو وہ باتیں سکھائیں جن کو نہیں جانتا تھا" تو انسان میں تو رسول اللہ سلامؑ علیہ بھی شامل ہیں۔ تو یہاں اس کے معنیٰ یہ تو نہیں ہوئے کہ تمام انسانوں کو (نام نہاد) احادیث یا سنت کی تعلیم دی! غور کا مقام ہے۔

ہوئے اور تمہاری نشیبی جانب سے بھی حملہ آور ہوئے اور جب آنکھیں پھر گئیں، دل گلوں تک پہنچ گئے اور تم اللہ کی نسبت (طرح طرح کے) گمان کرنے لگے (۱۰) اس موقع پر مومنین کی (بڑی سخت) آزمائش کی گئی اور انہیں بڑی شدت کے ساتھ جھنجوڑا گیا (۱۱) اور جب منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری تھی کہنے لگے: اللہ اور اس کے رسول نے جو وعدہ کیا تھا وہ محض دھوکا تھا (۱۲) اور جب ان میں سے ایک جماعت نے کہا کہ اے اہل مدینہ (میدان جنگ میں) تمہارے لئے کوئی (محفوظ) مقام نہیں لہٰذا واپس چلو، ان میں سے ایک فریق نے نبی سے (واپس جانے کی اجازت مانگی) انہوں نے کہا ہمارے گھروں کو حفاظت کی ضرورت ہے حالانکہ ان کو حفاظت کی ضرورت نہیں تھی، وہ تو بس (اس بہانے لڑائی سے) بھاگنا چاہ رہے تھے (۱۳) اور (اے رسول، ان سے ہوشیار رہیں۔ ان کی تو یہ کیفیت ہے کہ) اگر مدینہ کے (تمام) اطراف سے فوجیں ان پر حملہ آور ہوں پھر (ایسے نازک موقع پر) اگر ان سے فتنہ برپا کرنے کو کہا جائے تو یہ فوراً فتنہ برپا کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے، ایسے کام کے لئے بہت کم ہی توقف کریں گے (۱۴) اور اس سے پہلے یہ اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ (لڑائی سے) پیٹھ نہیں پھیریں گے (لیکن انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا، انہیں خبر دار ہو جانا چاہئے کہ) اللہ سے کئے ہوئے عہد کے متعلق (قیامت کے دن) باز پرس ہو گی (۱۵) (اے رسول) آپ کہہ دیجئے اگر تم موت یا قتل سے بھاگو تو یہ بھاگنا تمہیں ہرگز نفع نہیں دے گا اور (اگر بھاگ کر تم بچ بھی گئے تو) ایسی صورت میں کچھ تھوڑا سا (دنیوی) فائدہ اور حاصل کر لو گے (۱۶) (اے رسول) آپ (ان سے) پوچھئے بتاؤ اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کا ارادہ کرے تو کون تمہیں اللہ سے بچا سکتا ہے اور اگر تم پر مہربانی کا ارادہ کرے (تو کون اسے روک سکتا ہے) اور یہ لوگ اللہ کے علاوہ نہ کسی کو اپنا کارساز پائیں گے اور نہ مددگار (۱۷) (اے ایمان والو) اللہ تم میں سے ان (منافقین) کو (اچھی طرح) جانتا ہے جو (لوگوں کو لڑائی سے) باز رکھتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہمارے پاس آ جاؤ اور وہ خود بھی لڑائی میں شریک نہیں ہوتے مگر (بہت) کم (۱۸) (اے ایمان والو) تمہارے معاملہ میں یہ لوگ بڑے بخیل واقع ہوئے ہیں اور اے رسول ان کی بزدلی کا تو یہ حال ہے کہ) جب خوف (کا کوئی موقع) آئے تو آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ آپ کو دیکھ رہے ہیں، ان کی آنکھیں اس طرح پھر رہی ہوں گے جیسے وہ شخص جس پر موت کی بے ہوشی طاری ہو، پھر جب خوف جاتا رہے تو تم سے مال (غنیمت) کی حرص میں (اس طرح) ملیں گے کہ (تمہاری خوشامد میں) ان کی زبانیں (بڑی) تیز ہوں گی، یہ لوگ ایمان نہیں لائے لہٰذا اللہ نے ان کے اعمال کو برباد کر دیا اور یہ کام اللہ کے لئے آسان ہے (۱۹) (یہ لوگ اتنے ڈرپوک ہیں کہ اگرچہ فوجیں چلی گئی ہیں لیکن) یہ گمان کر رہے ہیں کہ فوجیں ابھی نہیں گئیں اور اگر فوجیں (پھر) آ جائیں تو تمنا کریں گے کہ دیہاتیوں میں جا رہیں اور (دُور بیٹھے بیٹھے) تمہاری خبریں دریافت کرتے رہیں اور اگر تم لوگوں میں موجود ہوں تو نہ لڑیں مگر تھوڑا سا (۲۰)" (ص ۱۰۲۵۔۱۰۲۶، جزء ۷)

ان آیات کا ترجمہ بہت واضح ہے۔ اب آپ غور کیجئے کہ اس میں سب سے اہم بات کیا ہے جس کو نقطۂ عروج کہا جا سکتا ہو۔ خیر ہم آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرا دیتے ہیں۔ ہمارے فہم کے مطابق آیت نمبر ۱۵ اس پورے واقع کا

نقطہ عروج ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ:

”اس سے پہلے منافقین اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ لڑائی سے پیٹھ نہیں پھیریں گے لیکن انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا“

جبکہ آیت نمبر ۱۲ سے ۲۰ تک صرف منافقین کا ذکر ہے ان کے بزدلانہ و منافقانہ رویّہ کا ذکر ہے۔ اب اس کے ساتھ آیت نمبر ۲۱ کو ملا کر پڑھئے تو مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ:

”(اے منافقو) بے شک رسول اللہ (کے استقلال و استقامت) میں (کہ جنگ کے دوران سخت آزمائش کی گھڑی میں بھی وہ پیچھے نہ ہٹے) تمہارے لئے بہترین نمونہ تھا۔ (اگر تم بھی استقامت دکھاتے تو فلاح پا سکتے تھے)“

اس کے بعد اگلی آیت یعنی نمبر ۲۴ سے مومنین کے رویّہ کا ذکر شروع ہو گیا۔ قارئین یہ بات ہم ہوا میں نہیں کہہ رہے بلکہ ہم آپ کو دو اہم نمونے ایک پرانے عالم و مفسر اور ایک نئے عالم و مفسر کا دکھا دیتے ہیں، جس سے ہمارے فہم کی تائید ہوتی ہے:

(۱)۔۔۔ جناب شاہ ولی اللہ صاحب کے صاحبزادے اور اردو میں قرآن کریم کے غالباً پہلے مترجم جناب شاہ عبد القادر صاحب اپنی مشہور تفسیر ”موضح القرآن“ میں اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں (شاہ صاحب اہل حدیث و اہل فقہ دونوں فرقوں کے درمیان محترم و قابلِ اعتبار ہستی ہیں):

”یعنی رسول کو دیکھو ان سختیوں میں کیسا استقلال رکھتا ہے، سب سے زیادہ محنت اور اندیشہ اس پر ہے[1]“

(۲)۔۔۔ ڈاکٹر محمد عثمان صاحب جو کہ دَورِ جدید کے عالم ہیں اور فرقہ حنفی، دیوبندی مسلک اور تنظیم اسلامی سے منسلک ہیں اپنے مرتّبہ ترجمہ و تفسیر میں (جس کے بارے میں انہوں نے سرورق پر لکھا ہے کہ ”اردو کے قدیم و جدید تراجم و تفاسیر سے مرتّب قرآن مجید کا سلیس اور بامحاورہ ترجمہ ضروری تشریحات کیساتھ): اس آیت نمبر ۲۱ کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:

”(مسلمانو) تمہارے لئے (یعنی) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور روز آخرت کا ثواب حاصل کرنے کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے ' (پیروی کرنے کو) اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا“۔[2]

ہمارے خیال میں یہاں ڈاکٹر صاحب سے سمجھنے میں غلطی ہوئی کہ جس آیت کے مخاطب منافقین تھے اسے وہ مسلمانوں کے لئے سمجھ بیٹھے! اس کی تصحیح یوں کی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے شروع کے دونوں قوسین کے الفاظ اوپر کی آیات ۱۲ سے ۲۰ کی روشنی میں بدل دیجئے تو ترجمہ یوں ہو گا:

”(منافقو) تمہارے لئے (اور) ہر اس شخص کے لئے جو اللہ سے روز آخرت میں ثواب حاصل کرنے کا امیدوار

---

[1] عکسی قرآن مجید، تاج کمپنی لمیٹڈ۔ ریلوے روڈ لاہور ص ۴۵۸۔ حاشیہ ص ۷۳۶۔۔ [2] ”الکتاب“ ترتیب و تہذیب از ڈاکٹر محمد عثمان صاحب، قرآن فاؤنڈیشن لاہور۔ طبع ششم۔ ص ۲۵۴

ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے، (پیروی کرنے کو) اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔"[1]

آگے ڈاکٹر صاحب اس آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

"یعنی جب نبی ﷺ بہ نفس نفیس لڑائی میں شریک تھے اور سب سے پیش پیش تھے اور محنت و مشقت میں آپ نے دوسروں سے بڑھ کر حصہ لیا اور کوئی تکلیف ایسی نہ تھی جو دوسروں نے اُٹھائی ہو اور آپ نے نہ اُٹھائی ہو تو مسلمانوں کو ہچر مچر کرنا کیا مناسب تھا؟ انہیں چاہئے تھا کہ بے چون وچرا رسول کا ساتھ دیتے"۔[2]

معلوم نہیں ڈاکٹر صاحب نے کس آیت سے یہ تاثر لیا کہ مسلمانوں نے ہچر مچر کیا (حالانکہ اس زمانہ میں تو مسلمان ہوتے ہی نہیں تھے بلکہ مسلمین یا مؤمنین اور منافقین ہوتے تھے۔ یہ مسلمان تو دورِ جدید کی پارسی عجمی پیداوار ہیں اور وہ بھی صرف برّصغیر ہندوپاک میں) جبکہ آیات ۱۲ سے ۲۰ تک بالکل واضح طور پر منافقین کے بارے میں (وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ کے الفاظ سے شروع ہو کر) تذکرہ کر رہی ہیں۔ اور آیت نمبر ۲۲ (وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ کے الفاظ سے شروع ہو کر) مومنین کے رویّہ کی تعریف کر رہی ہے۔ بہر حال یہ ان کا فہم یا ذہن پرستی ہے یونکہ ہیں تو وہ بھی آخر اہل فقہ ہی!

ہم اب دیکھتے ہیں کہ ہمارے موصوف اس آیت کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کو امت کے لئے بہترین نمونہ قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا (لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْرًا) بے شک رسول اللہ ﷺ (کی سیرت) میں تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے (یعنی تم لوگوں میں سے ہر) اس شخص کے لئے (بہترین نمونہ ہے) جو اللہ (تعالیٰ) سے اور قیامت کے دن سے ڈرتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو" (ص۱۰۳۵، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ موصوف نے آیت میں "سیرت" کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے یا قوسین میں ٹھونسا ہے؟ جبکہ آیت میں بات رسول کے "استقلال واستقامت" کی ہو رہی ہے اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اگلا جملہ لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اس شخص کو جو قیامت پر ایمان رکھتا ہو اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنی چاہئے"۔ (ص۱۰۳۵، جزء۔۷)

اب یہاں موصوف اپنی ذہن پرستی کے سبب لفظ "سنت" بھی لے آئے جبکہ پورے قرآن میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ "سنتِ رسول کی پیروی کرو"۔ بلکہ ہر جگہ بنیادی طور پر "وحیِ الٰہی" کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے۔ حد یہ کہ یہ لفظ "سنتِ رسول" یا "سیرتِ رسول" قرآن میں کہیں استعمال ہی نہیں ہوا۔ مگر موصوف مُصر ہیں کہ سنت کی پیروی کرو اور سیرت کی پیروی جیسے کہ بخاری و مسلم و ابن الحجر نے بتائی! جس کام کا حکم ہم کو اللہ نے نہیں دیا یا القرآن نے نہیں دیا

---

[1]۔ خیال رہے کہ بات ماضی کی ہو رہی ہے آیت میں لفظ "کَانَ" استعمال ہوا ہے (اللہ کے رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود تھا) یونکہ مخاطب منافقین سے ہے نہ کہ مسلمین سے۔ مگر افسوس کہ ہمارے مولوی نے اسے مسلمین کے لئے بنا کر کچھ سے کچھ معنی کر دیئے! (آیت میں لفظ کَانَ کے معنی ہی "تھا" ہوتے ہیں یونکہ یہ ماضی اور مذکر غائب کا صیغہ ہے)۔ [2]۔ "الکتاب" ترتیب و تہذیب از ڈاکٹر محمد عثمان صاحب، قرآن فاؤنڈیشن لاہور۔ طبع ششم۔ ص۲۵۸ (۱)

موصوف ہم سے وہ کام کرانا چاہتے ہیں!(معاذ اللہ)

گو کہ اس آیت ہی میں واضح ہو گیا کہ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ یعنی اچھا اسوہ کس چیز کو کہا گیا ہے (یعنی اس استقلال و استقامت کو جو رسول نے جنگ کی حالت میں قائم رکھا۔ سیرت یا سنت کو عام معنوں میں نہیں بلکہ اس مخصوص دلی کیفیت کو جو حالت جنگ میں ہوئی) مگر آیئے دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم دوسری آیات میں اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ کس کو کہہ رہا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ الممتحنہ:

"قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۡ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ④ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ⑤ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ⑥

ترجمہ: (مسلمانو!) ابراہیم اور جو لوگ اُن کے ساتھ تھے (یعنی اس وقت کے مسلمان پیروی کرنے کو) تمہارے لئے اُن کا ایک اچھا نمونہ ہو گزرا ہے جب کہ انہون نے اپنی قوم (کے لوگوں) سے کہا کہ ہم کو تم سے اور تمہارے اُن (معبودوں) سے جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو کچھ (بھی) سروکار نہیں ہم تم (لوگوں کے عقیدوں) کو بالکل نہیں مانتے، اور ہم میں اور تم میں کھلم کھلا عداوت اور دشمنی (قائم) ہو گئی ہے (اور یہ دشمنی) ہمیشہ کے لئے (رہی) جب تک تم اکیلے خدا پر ایمان نہ لاؤ (الغرض مسلمانوں نے کفار سے بے تعلقی ظاہر کر دی) مگر (ہاں) ابراہیم نے اپنے باپ سے اتنی بات (تو بے شک) کہی کہ میں تمہارے لئے ضرور مغفرت کی دعا کروں گا اور (یوں) تمہارے لئے خدا کے آگے میرا کچھ زور تو چلتا نہیں (کہ زبردستی تم کو بخشوا لوں، اور اس کے ساتھ دعا بھی کی تھی کہ) اے ہمارے پروردگار ہم تجھی پر بھروسا رکھتے ہیں اور تیری ہی طرف رجوع کرتے ہیں اور تیری ہی طرف (ہمیں) لَوٹ کر جانا ہے (۴) اے ہمارے پروردگار ہم کو کافروں (کے زور و ظلم) کا تختۂ مشق نہ بنا اور اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہ معاف کر، بے شک تو زبردست (اور) حکمت والا ہے (۵) (مسلمانو!) تمہارے لئے (یعنی جو کوئی خدا (کے عذاب) اور روز آخرت (کی باز پُرس) سے ڈرتا ہو اس کے لئے (پیروی کرنے کو) اِن لوگوں کا ایک اچھا نمونہ ہو گزرا ہے، اور جو (ان لوگوں کی پیروی سے) رُوگردانی کرے گا تو اللہ بے نیاز (اور ہر حال میں) سزاوار حمد (وثنا) ہے (۶)" ترجمہ از شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب[1]۔

غور کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ اور دیگر مومنین سے کہا جا رہا ہے کہ: "ابراہیم اور ان کے ساتھ جو مومنین تھے اُن کے رویّہ میں (پیروی کرنے کو) تمہارے لئے ایک اچھا نمونہ (اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ) ہو گزرا ہے"۔ یعنی مطلب یہ کہ

[1] شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد صاحب کا ترجمہ میں نے اس لئے دیا ہے کہ ڈاکٹر محمد عثمان کی طرح انہوں نے بھی عربی لفظ کَانَ یا کَانَتْ کا ترجمہ صحیح اس کے اصل معنوں یعنی ماضی کے صیغہ میں کیا ہے۔

رسول اور دیگر مومنین حضرت ابراہیم اور ان کے صحابہ کبارؓ کی پیروی کریں................. تو کیا یہ پیروی ان کی سیرت و سنت کی ہوگی جیسا کہ موصوف معنیٰ کرتے ہیں؟ اگر ان کی سیرت اور سنت کی پیروی ہوگی تو لائیے وہ روح پرور سنتوں بھری کتاب جس کی پیروی کی جائے۔ کم از کم حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کی احادیث کی کتاب کا نام ہی بتا دیجئے! اور اگر نہیں بتا سکتے تو مان لیجئے کہ کسی بھی رسول کی احادیث کی کتاب علیحدہ سے نازل نہیں ہوتی بلکہ وہی نازل شدہ کتاب ہوتی ہے جس کو وحی کہا جاتا ہے، کتاب اللہ کہا جاتا ہے یا صحیفہ کہا جاتا ہے۔ خود حضرت ابراہیم کی کتاب کا نام قرآن کریم "صحف ابراہیم" بتا رہا ہے (صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى ۝ ۱۹ /۸۷) اور یہ بھی بتا رہا ہے کہ اس قرآن کریم کے احکام پہلے کے صحیفوں میں بھی آ چکے ہیں (اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۝ ۱۸ /۸۷) پس پیروی اللہ کے احکام کی ہوگی وہی اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ہیں یا تھے۔ یہاں اوپر کی پیش کردہ تینوں آیات کو پھر سے غور سے پڑھ لیجئے تو سمجھ آ جائے گا کہ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کس نمونہ کو کہا جا رہا ہے؟ اس نمونہ کو کہ:

"انہوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم کو تم سے اور تمہارے اُن (معبودوں) سے جن کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو کچھ (بھی) سروکار نہیں، ہم تم (لوگوں کے عقیدوں) کو بالکل نہیں مانتے' اور ہم میں اور تم میں کھلم کھلا عداوت اور دشمنی (قائم) ہو گئی ہے (اور یہ دشمنی) ہمیشہ کے لئے (رہی) جب تک تم اکیلے خدا پر ایمان نہ لاؤ" (اوپر دی ہوئی آیت نمبر ۴)

دیکھا آپ نے ابراہیم سلامٌ علیہ نے کیا کیا؟ ان کے ساتھ کے مومنین نے ان کی کس طرح اتباع کی؟ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ اور ان کے ساتھ کے مومنین اور حتیٰ کہ ہم کو ابراہیم کے کس اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یہ کوئی لباس پہننے کی سنتیں نہیں یا استنجاء کرنے کی سنتیں نہیں بلکہ بات ہو رہی ہے اللہ رب العزت کو اَحَدٌ ماننے کی صرف اسی کی عبدیت کرنے کی، صرف اسی کے احکام ماننے کی اور خالق کے کلام کے ساتھ غیر کا کلام نہ ملانے کی یہ بات یہیں بس نہیں ہو جاتی بلکہ قرآن کریم میں جگہ جگہ ابراہیم سلامٌ علیہ ہی کے دین یعنی احکامِ الٰہی کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے۔ ملاحظہ ہو سورہ النحل کی آیت کریمہ:

(۱)۔... ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۳

ترجمہ: پھر (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ بھی ایک اللہ کی طرف رجوع کرنے والے ابراہیم کی ملّت کی پیروی کریں، وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے (جیسا کہ مشرکین کا دعویٰ ہے) (۱۲۳)" (ص ۹۹۶، جزء ۵)

غور کیجئے کہ یہاں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کیا حکم دیا گیا؟ کہ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ کی اتباع کرو۔ مِلَّةَ کہتے ہیں دین کو، طریقہ کو۔ (جبکہ موصوف نے اس کو اردو زبان کا ملّت بنا دیا اور معانی و مصادر میں غالباً اس کو نہیں لکھا۔ بہر حال سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۳۵ میں اس کو "ابراہیم کے دین" لکھ گئے ہیں ص ۴۴۴، جزء ۱) تو ابراہیم کا طریقہ یا دین کسی (نام نہاد) حدیث کی کتاب میں نہیں لکھا ہوا ملتا تھا بلکہ وہ وہی تھا جو القرآن میں وحی کیا جا رہا تھا تو رسول اللہ سلامٌ علیہ اسی وحی کی اتباع کر رہے تھے اور ان کی سنت پر عمل کرتے ہوئے ان کے صحابہ کرامؓ بھی اسی وحی یعنی قرآن کی اتباع کر رہے تھے (جس کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود اسی قرآن میں دے دی دیکھئے ۶۸ /۳)۔ موصوف خود اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" تفسیر: آگے فرمایا (کیونکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد نجات کا دار و مدار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں منحصر ہے لہٰذا ہم نے پہلے بھی ان کی ملت کی اتباع کا سب کو حکم دیا تھا اور اب) (ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا) پھر (اے رسول) آپ کو بھی حکم دیا ہے کہ آپ بھی ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کرتے رہیں (وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے تھے) (وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ) اور مشرک نہیں تھے"۔ (ص۹۹۹، جزء۔۵)

موصوف کے الفاظ پر غور کیجئے کہ: "ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد نجات کا دار و مدار ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی میں منحصر ہے" تو اگر پیچھے پیش کردہ موصوف کے معنی و مطالب صحیح مان لئے جائیں تو اس آیت کا مطلب ہوگا کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کی سیرت و سنت کی پیروی کرنا چاہئے ورنہ نجات نہیں ہوگی! تو اس لحاظ سے تو سیرت ابراہیم اور سنت ابراہیم پر علیحدہ کتابیں ہونی چاہئے تھیں ورنہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ان سنتوں پر عمل کیسے کرتے! مگر افسوس کہ موصوف اپنی تفسیر میں پطرس وغیرہ کی کسی ایسی حدیث کی کتاب کا حوالہ نہ دے سکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ فلاں صحیح پطرس کی پیروی کرتے تھے! (اور اگر ایسی کوئی کتاب اس وقت موجود تھی تو پھر قرآن کیوں نہیں کتابی شکل میں لکھا جاسکتا تھا جو بعد میں زید بن ثابت جمع کرتے رہے۔ معاذ اللہ) اور صرف یہی نہیں بلکہ موصوف یہ بھی نہ بتا سکے کہ حدیثِ ابراہیم کی کوئی کتاب صحیح موجود نہ ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی سنتیں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو جبریل کو بار بار بھیج کر پوشیدہ وحی کے ذریعہ بتائیں۔ (معاذ اللہ)

مقامِ غور ہے کہ جب نجات کا دار و مدار ابراہیم سلامٌ علیہ کی پیروی میں منحصر ہے تو صحیح احادیث ابراہیم نہ ہونے کی صورت میں نجات کیسے ہوگی؟ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کو صحیح احادیث ابراہیم کی کتابیں نہ ملیں تو ان کی نجات کیسے ہوگی؟ (نعوذ باللہ)

قارئین دیکھا آپ نے کہ اہل حدیث و اہل فقہ ذہن پرستی نے بات کہاں پہنچادی! حالانکہ بات بالکل سیدھی سادھی سی تھی اور ہے کہ بس اللہ تعالیٰ کے احکام جو پہلے صُحُفِ ابراہیم و موسیٰ میں نازل ہوئے تھے اور اب القرآن میں نازل ہوئے ہیں صرف ان کی پیروی کرنی تھی اور ان کی پیروی کرنی ہے۔ رسول کی لباس و وضع قطع کی سنتوں کی پیروی نہیں کرنی نہ ہی استنجاء کی سنتوں کی پیروی کرنی ہے۔ نہ ہی بخاری یا مسلم کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث رسول کی پیروی کرنی ہے اور نہ ہی ابن الحجر کی لکھی ہوئی ان (نام نہاد) احادیث کی شرح کی پیروی کرنی ہے۔ صرف القرآن کی پیروی کرنی ہے، نہ ہی طبری و ابن کثیر کی لکھی تفسیر کی پیروی کرنی ہے اور نہ ہی مسعود احمد صاحب کی لکھی تفسیر کی پیروی کرنی ہے یہ سب غیر اللہ کا کلام ہیں اور وحی شدہ یا نازل شدہ کتابیں نہیں ہیں۔ بلکہ ہمیں تو صرف وحی شدہ یعنی نازل کردہ "الکتٰب" "القرآن العظیم" کی پیروی کرنی ہے۔ جو اس کی پیروی نہ کرے اور غیر اللہ کی کتابوں کی پیروی کرے وہ خود اپنا جوابدہ اور اپنا ذمہ دار ہوگا۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود دین ابراہیم کی پیروی کرتے تھے۔ دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں:

" بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا

بلکہ ہم تو ایک اللہ کے پرستار ابراہیم کے دین پر قائم ہیں (البقرہ آیت ۱۳۵، ص ۴۴۴، جزء۔۱)

(۲)۔... دیکھئے سورہ آل عمران میں بھی ملۃ ابراہیم کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے:

"قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۫ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۹۵

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے سچ فرمایا (کہ یہ چیزیں ملت ابراہیمی میں حرام نہیں تھیں) لہٰذا خالص اللہ کو ماننے والے ابراہیم کی ملت کی پیروی کرو، وہ (موحد تھے) مشرک نہیں تھے (۹۵)" (ص ۱۷۱، جزء۔۲)

(۳)۔... آگے دیکھئے سورۃ النسآء میں اللہ تعالیٰ بتاتا ہے کہ اس کا دین سب سے اچھا ہے (اَحْسَنَ) جو ملۃ ابراہیم کی اتباع کرے:

"وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّ اتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝۱۲۵

ترجمہ: اور دین کے لحاظ سے اس شخص سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے، نیک عمل کرتا رہے اور ابراہیم کی ملّت کی جو خالص توحید پر قائم تھے پیروی کرے (کیونکہ ابراہیم یکسوئی کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ) اللہ نے ابراہیم کو (اپنا) دوست بنایا تھا (۱۲۵)" (ص ۳۸۶، جزء۔۳)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے اچھا (اَحْسَنَ) دین کیا بتایا یا دین پر عمل کرنے والا سب سے اچھا اس شخص کو بتایا جو کہ:

- ... اللہ کے سامنے یعنی اس کے احکامات پر سر تسلیم خم کر دے، اور
- ... نیک عمل کرتا رہے، یعنی
- ... دین ابراہیم کی اتباع کرے۔

یہ نہیں کہا کہ وہ سب سے اچھا جو سنت اور سیرت کی اتباع کرے یا پارسی عجمی محدثین کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث کی پیروی کرے)

(۴)۔... آگے دیکھئے سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو حکم دے رہا ہے کہ آپ کہہ دیجئے کہ آپ کو اللہ نے دین ابراہیم کی ہدایت کر دی ہے:

"قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۶۲

ترجمہ: (اے رسول، آپ کہہ دیجئے کہ مجھے میرے رب نے سیدھے راستہ کی ہدایت کر دی ہے، (یعنی) اس سیدھے دین کی ہدایت کر دی ہے جو ایک اللہ کی طرف رُخ کرنے والے ابراہیم کا دین تھا اور وہ مشرک نہیں تھے (۱۶۲)" (ص ۳۰۴، جزء۔۴)

غور کیجئے یہ ہدایت کہاں کر دی ہے؟؟ یہ ہدایت ظاہر ہے کہ القرآن الحکیم ہی میں کی ہے یونکہ وہی ہدایت رسول پر نازل ہوئی۔ یہ کہیں نہیں کہا کہ بخاری و مسلم و ابنِ الحجر کی کتابوں کی ہدایت کر دی کہ ابراہیم کے دین کو چھوڑ کر اس پر عمل کرو۔ تو پھر وہ سیدھا راستہ کیا ہے جس کی ہدایت کر دی ہے؟ وہ سیدھا راستہ ابراہیم کا دین ہے۔ وہ کہاں ملے گا؟ وہ ملے گا "صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى" میں۔ وہ صحائف تو اب ملتے نہیں۔ تو پھر وہ ملے گا "القرآن العظیم" میں۔ ذرا اسے

کھول کر پڑھ کر تو دیکھو! دیکھئے سورہ الانعام میں اللہ تعالیٰ کس کی اتباع کا حکم دے رہا ہے:

"وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: اور اس کتاب کو بھی ہم ہی نے نازل کیا ہے یہ بڑی بابرکت کتاب ہے (اس میں بھی وہ احکام موجود ہیں جو تم کو پڑھ کر سنائے جا چکے ہیں) لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو[1] تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۶)" (ص ۲۸۴، جزء۔۴)

(۵)۔... مزید دیکھئے کہ سورہ الزمر میں اللہ تعالیٰ کس کی اتباع کا حکم دے رہا ہے:

"وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴿۵۵﴾

ترجمہ: اور (اے میرے بندو) اس بہترین (کتاب) کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے پیروی کرو قبل اس کے کہ اچانک تم پر عذاب نازل ہو جائے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو (۵۵)" (ص ۷۸۴۔ جزء۔۸)

دیکھا آپ نے کہ کس کی اتباع کا حکم بار بار ہو رہا ہے۔ کیا موصوف یا کوئی اور اہلحدیث یا اہلِ فقہ ایسی ایک آیت بھی پیش کر سکتا ہے جس میں بخاری یا مسلم یا ابن الحجر کی کتابوں کی اتباع کرنے کا حکم بھی دیا ہو؟ یا کوئی ایسی آیت جس میں سنتِ رسول یا سیرتِ رسول (جو غیر اللہ کی کتابوں میں لکھی ہے) کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا ہو؟

## آیت لِتُبَیِّنَ (آیات سے مزید دھوکہ دہی)

۹۔... نویں آیت سورہ النحل کی آیت ۴۴ پیش کر کے اس کا غلط ترجمہ کر کے یہ کہا جاتا ہے کہ رسول نے قرآن کی تشریح و توضیح یعنی تفسیر کی اور یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ ہی نے آپ پر ڈالی تھی اور آپ جو تشریح کرتے تھے وہ من جانب اللہ ہوتی تھی۔ ملاحظہ ہو:

"...................... وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: ...................... اور (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف یہ ذکر (اس لئے) نازل کیا ہے تاکہ اس ذکر کی جو (ان لوگوں کی ہدایت کے لئے) ان کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ ان کے لئے **تشریح و توضیح** کر دیں تاکہ یہ لوگ (اپنے انجام کے متعلق) غور و فکر کریں (اور سرکشی سے باز آ جائیں) (۴۴)" (ص ۸۸۶۔ جزء۵)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے اس حصہ میں دو حقیقتیں بتائی گئی ہیں:۔

(۱)۔ پہلی حقیقت یہ کہ اللہ نے رسول کی طرف "اَلذِّکْرَ" نازل کیا ہے اور اَلذِّکْرَ قرآن کریم ہی کو کہا گیا ہے جیسا کہ خود موصوف نے اپنی تفسیر میں مانا ہے جو ہم آپ کو ابھی بتائیں گے۔

(۲)۔ دوسری حقیقت یہ کہ اللہ نے رسول کی یہ ڈیوٹی لگائی کہ اس "اَلذِّکْرَ" کو جو انسانیت (لِلنَّاسِ) کی

---

[1]۔ یہاں وَاتَّقُوْا کا ترجمہ اللہ سے ڈرتے رہو مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کوئی خوفناک یا خطرناک شئے نہیں۔ بلکہ وہ تو رحمٰن و رحیم ہے۔ وَاتَّقُوْا کے مناسب معنی ہیں کہ اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرو / بچو۔

......ہدایت کے لئے نازل کیا گیا ہے لوگوں سے بیان کر(لِتُبَیِّنَ) کر دیں تا کہ (اتمام حجت ہو جائے اور) وہ غور و فکر کریں۔ بالفاظِ دیگر رسول نے بلاغ کرنا ہے جس کی طرف متعدّد آیات میں کہا گیا کہ آپ کا کام تو صرف بلاغ کرنا ہے... (مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۔... ۲۰/۳، ۹۲/۵، ۹۹/۵، ۴۰/۱۳، ۳۵/۱۶، ۸۲/۱۶، ۵۴/۲۴، ۱۸/۲۹، ۱۷/۳۶، ۴۸/۴۲، ۱۲/۶۴) مگر موصوف اتنی بہت سی محکم آیات کو نہیں مانتے بلکہ لِتُبَیِّنَ کے معنی: "آپ ان کے لئے تشریح و توضیح کر دیں" کرتے ہیں۔ اور اس طرح رسولی تفسیر کا جواز نکالتے ہیں (مگر رسولی تفسیر پیش نہیں کرپاتے) ملاحظہ ہو موصوف کی اس آیت کی اپنی تفسیر (جو کہ رسولی تفسیر نہیں ہے):

تفسیر:............ اور (اے رسول، جس طرح ہم گذشتہ نبیوں پر جو کہ انسان ہی ہوا کرتے تھے کتابیں بھیجتے رہے اسی طرح ہم نے یہ ذکر یعنی قرآن مجید آپ پر نازل کیا ہے (اور آپ پر اس لئے نازل کیا ہے) تا کہ جو کچھ ان لوگوں کی (ہدایت کے لئے) ان کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ اس کی تشریح و توضیح کر دیں (وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ) تا کہ پھر یہ خود اپنے انجام کے متعلق سوچ سکیں (اور سرکشی اور تکذیب سے باز آجائیں)۔

دونوں آیتوں میں "ذکر" سے مراد کتابِ الٰہی ہے۔ "ذکر" نصیحت کو کہتے ہیں اور کیونکہ ہر آسمانی کتاب نصیحت سے پُر ہوتی ہے لہٰذا ہر آسمانی کتاب کو "ذکر" کہا گیا ہے۔

قرآن مجید کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

صٓ وَ الْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ ۝۱ (صٓ۔۱)

صٓ، نصیحت والے قرآن کی قسم (بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۸۷ (صٓ۔۸۷)

یہ (کتاب) تو بس تمام اقوام عالم کے لئے (ایک) نصیحت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَ مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَ مَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّ قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ ۝۶۹ (یٰسٓ۔۶۹)

اور (اے لوگو) ہم نے (اپنے) رسول کو شعر و شاعری نہیں سکھائی اور وہ اس کے شایانِ شان بھی نہیں، (جو کلام وہ پیش کرتا ہے) وہ تو بس نصیحت ہے اور (ایک) واضح کتاب ہے"۔ (ص۸۸۷۔۸۸۸، جزء۵)

یہ مقامِ غور ہے کہ موصوف "قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ" کا ترجمہ واضح کتاب کر رہے ہیں اور قرآن کو قرآن کہتے ہوئے شرما رہے ہیں! حالانکہ اس کا سیدھا سادھا ترجمہ ہو گا کہ "(جو کلام وہ پیش کرتا ہے) وہ تو بس نصیحت ہے یعنی واضح قرآن"۔ خیر آگے چلتے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ "ذکر" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے:۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۝۵۷ (یونس:۵۷)

اے لوگو، تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت، امراضِ قلوب کے لئے شفا، (تم سب کے

لئے) ہدایت اور مومنین کے لئے رحمت آچکی ہے"۔(ص۸۸۸۔۸۸۹، جزء۔۵)

غور کیجئے کہ موصوف کیا فرمارہے ہیں کہ: "اللہ تعالیٰ "ذکر" کی تشریح کرتے ہوئے فرماتا ہے"۔یعنی قرآنی الفاظ کی تشریح اللہ تعالیٰ خود کرتا ہے(اور بات بھی صحیح ہے مگر دیکھئے اب فوراً ہی موصوف پلٹا کھا جاتے ہیں (یا اپنے لکھے کو بھول جاتے ہیں) اور فرماتے ہیں کہ قرآن کی تشریح و توضیح کر دینا رسول کے فرائض منصبی میں سے ہے۔اگلی سطریں ملاحظہ ہوں:

"(لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ) سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح کر دینا رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں سے ہے۔رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کی تعلیم دینے والے ہیں اور جس طرح ایک معلّم کسی کتاب کو پڑھاتے وقت تلامذہ کو سمجھاتا ہے اور تشریح و توضیح کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نہ صرف کتاب کو سناتے ہیں بلکہ اس کی تعلیم بھی دیتے ہیں اور قولاً و فعلاً اس کی تشریح کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَۗ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍۙ﴿۲﴾ (الجمعۃ:۲)

وہی ہے جس نے ناخواندہ[۱] لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے حالانکہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں تھے۔

آیت زیرِ تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر رسول اللہ ﷺ کی تشریح و توضیح کے قرآن مجید سمجھنا مشکل ہے۔آیت زیرِ تفسیر سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی جو تشریح و توضیح رسول اللہ ﷺ نے کی ہے وہ حجّت شرعیّہ ہے۔اس سے صرف نظر کر کے نہ کوئی شخص قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے اور نہ صحیح معنوں میں قرآن مجید پر عمل کر سکتا ہے اور نہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اس کو چھوڑ کر کوئی شخص ہدایت یاب ہو سکتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کی تشریح و توضیح کا انکار اس آیت کا انکار ہے لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی تشریح و توضیح یعنی حدیث شریف کا انکار کفر ہے"(ص۸۸۹، جزء۔۵)

دیکھا آپ نے کہ موصوف کس طرح "لِتُبَيِّنَ" کے معنی تشریح و توضیح کرتے ہوئے حدیث شریف تک پہنچ گئے اور پھر حدیث شریف کے انکار کو کفر قرار دیدیا! ہم ان کی اس حرکت پر کچھ نہیں کہتے! صرف وہ اتنا بتا دیں (یا کوئی بھی اہلحدیث و اہل فقہ عالم بتادے) کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی قرآن کی تشریح و توضیح کہاں ہے؟؟ صرف وہ کتاب کا نام بتادیں یا اس تفسیر کا نام بتادیں جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی تشریح و توضیح لکھی گئی ہو!

موصوف کیا سارے علما بھی مل کر ایسی کوئی کتاب یا تفسیر نہیں بتا سکتے جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بتائی ہوئی قرآن کی تشریح و توضیح لکھی گئی ہو۔ذرا غور کیجئے! یہ تو عام فہم بات ہے کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کی تشریح و توضیح کی تھی یعنی تفسیر لکھوائی تھی (یا بتائی تھی) تو وہ کہاں گئی؟ اور پھر ہر صدی میں درجنوں تفسیریں محدثین و مفسرین

[۱] موصوف اُمّیّٖن کا ترجمہ "ناخواندہ" کرنے ہی پر مصر ہیں حالانکہ ہمارے علما کرام اپنے مدارس میں آج تک انہی ناخواندہ لوگوں کے عربی لٹریچر بالخصوص ان کے شعراء کے "دیوان" سے عربی سیکھتے ہیں!

کیوں لکھتے رہے؟ حتیٰ کہ اس پندرھویں صدی ہجری میں موصوف نے بھی ایک اور تفسیر لکھ کر اس ذخیرہ تفاسیر میں اضافہ کر دیا مگر رسولی تفسیر پیش نہ کر سکے۔ حد تو یہ ہے کہ موصوف بذات خود اس آیت زیرِ تفسیر تک کی رسولی تفسیر پیش نہ کر سکے! ہو تو پیش کریں!

غور کیجئے کہ ابھی پیچھے ہی اسی زیر بحث آیت (النحل:۴۴) کی تفسیر میں وہ سورہ یٰسٓ کی آیت نمبر ۶۹ پیش کر چکے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم کو "قرآن مبین" فرما رہا ہے یعنی واضح قرآن۔ نیز اور پیچھے ہم بہت سی آیات پیش کر آئے ہیں جن میں موصوف نے مانا ہے کہ قرآن مبین کی آیات آسان ہیں، سمجھنے کے لئے واضح ہیں.......... تو پھر اب ایک دم سے پلٹا کیوں کھا گئے کہ اس کی تشریح و توضیح رسول کے ذمہ لگا دی! ایسا محض وہ اپنی اہلحدیث ذہن پرستی کے زیر اثر کر رہے ہیں۔ دیکھئے آگے اور کیا فرماتے ہیں:

"قرآن مجید کی تشریح و توضیح کیونکہ عموماً قرآن مجید میں نہیں ہوتی لہٰذا اس تشریح و توضیح کو اصطلاحی اعتبار سے رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے لیکن حقیقت میں وہ تشریح و توضیح بھی من جانب اللہ ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور شدہ ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کسی آیت کی تشریح و توضیح ایسی کریں جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ خاموش رہے"۔(ص۸۸۹، جزء۔۵)

غور کیجئے موصوف کس طرح چکر دے گئے کہ:

(۱)۔ "قرآن مجید کی تشریح و توضیح عموماً قرآن مجید میں نہیں ہوتی"۔ یعنی وہ نام نہاد احادیث میں ہوتی ہے۔ حالانکہ ہم پیچھے پہلے باب میں محکم آیات پیش کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن کریم کی تشریح و توضیح بھی اللہ تعالیٰ نے اسی قرآن کریم ہی میں نازل کی ہے۔ اور خود موصوف بھی آگے اللہ تعالیٰ کی آیت پیش کرتے ہیں کہ: ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ؕ﴿۱۹﴾۔ پھر اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔(۱۹/۷۵) تو کیا یہ تشریح قرآن سے باہر ہو گی اور پھر اس کی حفاظت کی ضمانت کیا ہو گی؟ اور شاید اسی وجہ سے وہ تشریح آج محفوظ نہیں کہ ہر عالم ایک نئی تفسیر لکھنے کی کوشش کرتا ہے اور مسلسل جھوٹ بولتا رہتا ہے کہ قرآن کی تشریح و توضیح رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کی۔

(۲)۔ کیونکہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح عموماً قرآن مجید میں نہیں ہوتی لہٰذا اس تشریح و توضیح کو اصطلاحی اعتبار سے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کی جاتا ہے! کیا مطلب؟ تشریح و توضیح کسی نے کر دی اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر دی! تو پھر گھڑنا کس کو کہتے ہیں؟؟ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ گھڑی گھڑائی تشریحات رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں۔

(۳)۔ گھڑی گھڑائی تشریح و توضیح جو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کی گئی وہ حقیقت میں من جانب اللہ ہوتی ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور شدہ ہوتی ہے۔ معاذ اللہ کیا دنیا میں اس سے بڑا جھوٹ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟

(۴)۔ "ایسا نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کسی آیت کی تشریح و توضیح ایسی کریں جو منشائے الٰہی کے خلاف ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ خاموش رہے" گویا کہ موصوف مان رہے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود قرآن کی تشریح و توضیح کرتے تھے۔ گویا کہ اس طرح سے وہ خود اوپر بیان کردہ آیت کہ "پھر اس کی تشریح کر دینا

...... بھی ہمارے ذمہ ہے" (۱۹/۷۵) کے منکر ہیں کہ تشریح اللہ نہیں کر رہا بلکہ رسول کر رہا ہے۔ (معاذ اللہ)

(۵)۔ نیز اس طرح وہ یہ حقیقت بھی مان رہے ہیں کہ تشریح و توضیح کرنے کے لئے جبریل ہر دم وحی لے کر حاضر نہیں ہوتے تھے۔ بلکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود سے جو تشریح و توضیح کر دیتے تھے، اگر اللہ تعالیٰ اس پر خاموش رہتا تھا، تو اس تشریح و توضیح کو اصطلاحی اعتبار سے رسول اور اللہ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ اور یہ کام ہمارے علما کرام و محدثین کرام کرتے ہیں! (معاذ اللہ)

کہئے قارئین! کیا سمجھے؟ کیا یہ ایسی تشریح و توضیح وحیِ الٰہی ہو سکتی ہے؟ کیا یہ سراسر دھوکہ نہیں؟

آگے دیکھئے اسی آیت زیرِ تفسیر میں موصوف مزید کیا فرماتے ہیں:

"ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾ (القیامۃ:۱۹)

پھر اس کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ اور اس کا صدور اللہ تعالیٰ ﷺ کے قول و فعل سے ہوتا ہے گویا رسول اللہ ﷺ کی تمام تشریح و توضیح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور منجانب اللہ وحی ہوتی ہے الغرض احادیث کا انکار گویا وحی الٰہی کا انکار ہے۔ ایسی صورت میں جو شخص احادیث صحیحہ کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے" (ص۸۸۹۔۸۹۰، جزء۔۵)

دیکھا آپ نے موصوف کا مزید چکر کہ آیت پیش کر رہے ہیں کہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے مگر اس کا صدور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قول و فعل کو بتا رہے ہیں (اور یہ قول و فعل و تقریر ہی کو حدیث کہتے ہیں جس کی حقیقت پر ہم پیچھے بحث کر چکے ہیں) اور پھر اس کو کہہ رہے ہیں کہ گویا رسول اللہ سلامٌ علیہ کی تمام تشریح و توضیح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور منجانب اللہ وحی وہتی ہے۔ جبکہ پچھلے ہی پیراگراف میں وہ یہ حقیقت مان چکے ہیں کہ قرآن مجید کی تشریح و توضیح رسول اللہ سلامٌ علیہ خود کرتے تھے تو پھر وہ منجانب اللہ وحی کس طرح ہو گئی؟ موصوف کی کون سی بات مانی جائے؟ جب بات سیدھی نہ ہو اور اس میں چکر ہی چکر ہوں تو پھر سِرا ملنا مشکل ہو جاتا ہے۔

مزید دیکھئے کہ موصوف بات قرآن مجید کی تشریح و توضیح کی کرتے کرتے ایکدم سے فتویٰ لگا بیٹھے کہ "الغرض احادیث کا انکار گویا وحی الٰہی کا انکار ہے ایسی صورت میں جو شخص احادیث صحیحہ کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے"۔ موصوف چکر دیتے ہوئے یہ بات لکھنے کو تو لکھ گئے مگر ایک بھی آیت نہ پیش کر سکے کہ جو (نام نہاد) احادیث کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ یہ کہتا ہے کہ جو ہماری آیات کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"........ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٧﴾ (العنکبوت:۴۷)

اور ہماری آیتوں کا انکار تو وہی کرتے ہیں جو حق پوش (اور ہٹ دھرم) ہوتے ہیں" (ص۷۵۹، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں لفظ "الْكٰفِرُوْنَ" استعمال ہوا ہے مگر موصوف اس کا ترجمہ حق پوش اور ہٹ دھرم کر رہے ہیں۔ گویا کہ وہ آیت کا انکار کفر نہیں مانتے!

اب، اس سے پہلے کہ ہم آیت زیرِ بحث میں "لِتُبَيِّنَ" کے معنوں کی طرف آئیں پہلے یہ دیکھتے چلئے کہ موصوف سورہ "القیٰمۃ" کی جو آیت پیش کر رہے ہیں کیا اس لفظ بَيَانَهٗ کے معنیٰ یہ بنتے بھی ہیں کہ نہیں کہ: "پھر اس

کی تشریح کر دینا بھی ہمارے ذمے ہے"۔اس کے ساتھ کی چند آیات ملاحظہ ہوں:

" لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا بَیَانَهٗ ﴿۱۹﴾

ترجمہ:(اے رسول)اس(قرآن)کو جلدی سے یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے(۱۶) اس کا(آپ کے سینہ میں)جمع کرنا اور پھر اس کو پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے(۱۷)لہٰذا جب ہم پڑھا کریں تو((آپ سنتے رہئے اور)اس کے پڑھنے کی پیروی کیجئے(۱۸)پھر اس کی تشریح کرا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے(۱۹)(تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۱۰، سورہ القیامۃ، آیات ۱۶۔۱۹، ص ۱۸۷)

اب یہ چاروں متعلقہ آیات پڑھ کر فیصلہ خود کیجئے کہ کیا موصوف کا ترجمہ:"پھر اس کی تشریح کرا دینا بھی ہمارے ذمے ہے" صحیح ہے[1]؟(خیال رہے کہ کر دینا اور کرا دینا میں معنوں کا بھی فرق ہے)اب آجایئے آیت زیرِ بحث میں لفظ"لِتُبَیِّنَ" کے معنٰی کی طرف یونکہ موصوف نے اس آیت میں اس کا ترجمہ "تشریح و توضیح کرا دینا" کئے ہیں۔ لیکن اس آیت سے صرف چار آیات پہلے انہوں نے"لِتُبَیِّنَ" کے معنی ظاہر کرنا کئے ہیں دیکھئے:

" لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾(النحل:۳۹)

ترجمہ:دوبارہ زندہ کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اللہ ان باتوں(کی حقیقت)کو ظاہر کر دے اور کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہی غلطی پر تھے(۳۹)" (ص ۸۷۹، جزء۔۵)

خیر اب ہم دیکھتے ہیں کہ موصوف نے اپنی لغت میں اس کے کیا معنی کئے ہیں۔ تو ملاحظہ ہو کہ وہ سورہ اٰل عمران کی آیت نمبر ۱۸۷ کے نیچے معانی و مصادر میں لکھتے ہیں:

"معانی و مصادر:تُبَیِّنُ ، بَیَّنَ ، یُبَیِّنُ، تَبیِیْنٌ (باب تفعیل) بیان کرنا"۔(ص ۴۷۳، جزء۔۲)

اب ذرا اس آیت کریمہ کا ترجمہ بھی دیکھ لیجئے کہ اس میں لَتُبَیِّنُنَّهٗ کا ترجمہ بھی صاف صاف بیان کرنا کئے ہیں تشریح و توضیح کرنا نہیں کئے:

" وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَیِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَ لَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَ اشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا فَبِئْسَ مَا یَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ:اور(وہ وقت یاد کرو)جب اللہ نے ان لوگوں سے عہد لیا جن کو کتاب دی گئی تھی کہ تم اس کتاب کو لوگوں کے سامنے صاف صاف بیان کرتے رہنا اور اس(کی کسی بات)کو نہ چھپانا لیکن(انہوں نے عہد کرنے کے بعد)اسے پس پشت ڈال رکھا ہے اور اس کے بدلہ میں تھوڑا سا فائدہ حاصل کر رہے ہیں(خبردار) جو فائدہ یہ حاصل کر رہے ہیں وہ(بہت)بُرا ہے(۱۸۷) " (ص ۴۷۳، جزء۔۲)

قارئین اس آیت کریمہ میں ایک اور حقیقت بھی واضح کی گئی ہے کہ(صرف رسول سے نہیں بلکہ)تمام اہل کتب سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ "الکتٰب" کو لوگوں کے سامنے صاف صاف **بیان کرتے رہنا**۔ یہ صاف صاف بیان کرنا کس

[1] تفسیر کا کمال یہ ہے کہ اوپر تفسیر میں آیت کا ترجمہ کیا ہے کہ تشریح کر دینا ہمارے ذمہ ہے۔ مگر آیت میں ترجمہ میں لکھا ہے کہ اس کی تشریح کرا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے۔ غور کیجئے کہ کر دینا اور کرا دینا میں کیا کوئی فرق نہیں؟

طرح ہو گا کہ تم اس کی کسی بات کو **نہ چھپانا**۔ یہاں بات واضح ہو گئی کہ "**لَتُبَيِّنُنَّهٗ**" کے معنٰی **تشریح و توضیح** کرنا نہیں بلکہ بیان کرنا ہے (مگر کمال یہ ہے کہ امت محمدی کے نام لیواؤں میں تقریباً ہر عالم نے ہی ایک عدد تفسیر القرآن لکھ ڈالی ہے اور خوب پیسے کمارہے ہیں!)

قرآن کریم میں لفظ "بَيَّنَّا" (جس سے لِتُبَيِّنَ وغیرہ بنے ہیں) سب سے پہلے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۱۸ میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھتے ہیں موصوف نے وہاں کیا ترجمہ کیا ہے (خیال رہے کہ انہوں نے یہاں "معانی و مصادر" میں اس لفظ کے لغت کے معنی نہیں دیئے ہیں:۔

"............... قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ:............. ہم نے اپنی آیات کو یقین کرنے والوں کے لئے (اچھی طرح) بیان کر دیا ہے (۱۱۸) "

(ص ۴۰۲، جزء۔۱)

اس آیت کی موصوف کی تفسیر بھی قابلِ توجہ ہے۔ ملاحظہ ہو موصوف فرماتے ہیں کہ:

"تفسیر:..................... (ایمان لانے کے لئے تو قرآن مجید کی واضح آیات خود معجزہ ہیں کسی دوسرے معجزہ کی ضرورت ہی نہیں) (قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ) ہم انہیں یقین کرنے والوں کے لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے (یقین کرنے والے ان آیات میں بیان کردہ امثال و احکام کی حکمتوں کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں)" (ص ۴۰۴، جزء۔۱)

قارئین موصوف کی تفسیر کے الفاظ پر غور کیجئے کہ:

(۱)۔ "اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات یقین کرنے والوں کے لئے وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہیں"۔ تو پھر رسول کس واضح بیان کی مزید تشریح و توضیح کریں گے؟ اور اگر اب بھی اِن کی تشریح و توضیح ہو سکتی ہے تو نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ اس نے تو "وضاحت کے ساتھ بیان کر دی ہیں" غلط یا جھوٹ ہو جاتا ہے! تو ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ نہیں بولتا بلکہ موصوف کے معنٰی غلط اور کھلے بد عقیدتی ہیں آپ کا ایمان کیا ہے یہ اب آپ خود فیصلہ کریں!

(۲)۔ "ایمان لانے کیلئے تو قرآن مجید کی واضح آیات خود معجزہ ہیں کسی دوسرے معجزہ کی ضرورت ہی نہیں"۔ تو پھر تشریح و توضیح یا تفسیر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے واضح آیات کا معجزہ سمجھانے کیلئے کافی ہے۔ جو لوگ معجزہ سے نہ سمجھ سکیں وہ تفسیر سے کیا سمجھیں گے! اس لئے تفسیر کا عقیدہ ہی غلط ہے۔ بلکہ "یقین کرنے والے ان آیات ہی میں بیان کردہ امثال و احکام کی حکمتوں کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں" ان کو (نام نہاد) حدیث کی حکمت کی ضرورت ہی نہیں۔

آگے موصوف اپنی اسی تفسیر میں مان لیتے ہیں کہ:

"................. آپ کا کام ہمارے احکام پہنچا دینا ہے اور بس۔ اس سے زیادہ آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں"

(ص ۴۰۵۔ جزء۔۱)

یہاں بات صاف ہو گئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا کام اللہ تعالیٰ کے احکام (جو کہ "الکتٰب" میں نازل ہوئے) پہنچا دینا ہے۔ بَلّٰغ کرنا ہے۔ اور بس اس کی تشریح و توضیح کرنا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ یہ تو موصوف ان کے ذمہ بلا وجہ لگا رہے ہیں۔ (اور اس طرح اپنے ہی بیان سے پلٹ جاتے ہیں)

آگے دیکھئے اسی سورہ البقرہ کی آیت ۱۵۹ میں پھر اللہ تعالیٰ یہی لفظ "بَيَّنّٰهُ" استعمال کرتا ہے اور موصوف پھر اس کے معنی واضح طور پر بیان کرنا کرتے ہیں:

" اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَ الْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کھلے دلائل اور ہدایت کی اُن باتوں کو جو ہم نے نازل فرمائی ہیں چھپاتے ہیں باوجود اس کے کہ ہم نے ان کو (اپنی) کتاب میں واضح طور پر بیان کر دیا ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ بھی لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں (۱۵۹) " (ص ۵۱۹، جزء۔ ۱)

قارئین غور کیجئے کہ موصوف کے اپنے ترجمہ: "کھلے دلائل اور ہدایت کی ان باتوں کو جو ہم نے نازل کی ہیں اور اپنی "الکتٰب" میں واضح طور پر بیان کر دی ہیں" کے بعد کیا کسی اور تشریح اور توضیح یا تفسیر کی ضرورت رہ جاتی ہے؟

مزید یہ غور کیجئے کہ اس حقیقت کو کہ "اللہ کی الکتٰب میں کھلے دلائل اور ہدایت (اَلْبَيِّنٰت و الْهُدٰى) واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں" جو لوگ یا علما چھپاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ القرآن تو بہت مشکل ہے یہ تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتا جب تک تم چودہ علوم نہ حاصل کر و اور (نام نہاد) احادیث میں جمع شدہ تفسیریں نہ پڑھو" تو اللہ تعالیٰ اور تمام لعنت کرنے والے ایسے لوگوں پر لعنت کرتے ہیں۔ خود موصوف اسی آیت کی تفسیر میں ایسے علما کیلئے فرماتے ہیں:

"بات یہ ہے کہ عوام الناس کو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارا فلاں عالم حق کو چھپا رہا ہے اور اگر ان کو معلوم ہو جائے تو یہ بات یقینی ہے کہ وہ بھی ایسے عالم پر لعنت ہی بھیجیں گے کہ جو محض دنیا کمانے اور اپنی جمعیّت کو برقرار رکھنے کے لئے حق کو چھپاتا ہے۔ حق کو چھپانا اتنا بڑا جرم ہے کہ کوئی شخص اسے معاف نہیں کرے گا اس لئے کہ حق پوشی سے عوام الناس گمراہ ہوتے ہیں اور عوام الناس گمراہی کو کبھی پسند نہیں کرتے، انہیں دھوکا دے کر گمراہ کیا جاتا ہے، اگر انہیں حق کا یقین ہو جائے تو وہ کبھی ناحق کی پیروی نہ کریں، عوام الناس کا قصور ہے تو بس یہ ہے کہ وہ ایسے عالموں کے مقلد بن جاتے ہیں اور ان کی ہر صحیح و غلط بات کو بے دلیل تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ الغرض علما حق کو چھپا کر مجرم بنتے ہیں اور عوام الناس تقلید کر کے مجرم بنتے ہیں" (ص ۵۲۰، جزء۔ ۱)

(نوٹ: اہلحدیث مقلدین اور خود موصوف کے مقلدین کے لئے مقامِ عبرت ہے!)

مزید دیکھئے کہ سورہ آلِ عمران کی آیت ۱۱۸ میں پھر یہی لفظ بَيَّنَّا استعمال ہوا ہے تو موصوف اس کے معنیٰ واضح طور پر بیان کرنا' ہی کرتے ہیں:

"............ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: ............... اگر تم میں عقل ہے (تو تم اس بات کو سمجھ گئے ہو گے) ہم نے آیات کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے (۱۱۸)" (ص ۲۲۹، جزء۔ ۲)

مزید دیکھئے کہ آیت زیرِ بحث سے چند آیتیں آگے اسی سورہ النحل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے جو یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے تو اس لئے کہ جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس بات کی آپ وضاحت کر دیں (اور ان کا اختلاف دُور کر دیں) اور (یہ کتاب) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور سراسر رحمت ہے (۶۴)" (ص ۹۱۱، جزء۔۵)

ذرا آیت کے ترجمہ پر غور کیجئے کہ یہ کس کتاب کو آپ پر نازل کرنے کی بات ہو رہی ہے؟ کیا یہ قرآن کریم ہے یا بخاری شریف یا مسلم شریف یا فتح الباری شریف؟ یہ کس کتاب سے اختلاف دُور کرنے کی بات ہو رہی ہے؟ یہ کونسی نازل شدہ کتاب ہے جس کو موجب ہدایت اور سراسر رحمت بتایا جا رہا ہے؟

موصوف کا اپنا جواب سنئے کہ یہ کونسی کتاب نازل کی گئی تھی۔ موصوف اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"تفسیر: گذشتہ آیات میں کفار مکّہ کی افتراء پردازیوں کا بیان تھا۔ اسی قسم کی افتراء پردازیوں میں اہل کتاب بھی مبتلاء تھے۔ ان افتراء پردازیوں کی وجہ سے ہر گروہ عقائد و اعمال میں ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اختلاف کو دُور کرنے کے لئے قرآن مجید نازل فرمایا"۔ (ص ۹۱۱، جزء۔۵)

دیکھا آپ نے کہ موصوف نے مان لیا کہ "عقائد و اعمال کے اختلاف کو دُور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا"۔ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے اور آپ کے عقائد اور اعمال میں جو اختلاف ہے وہ قرآن مجید ہی سے حل ہو سکتا ہے یونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نازل ہی اس لئے کیا ہے۔ جبکہ بخاری شریف و مسلم شریف و فتح الباری شریف کو نازل نہیں کیا۔ ان سے اختلاف ختم نہیں ہو سکتا بلکہ حقیقت میں اختلاف شروع ہی وہاں سے ہوتا ہے جہاں سے یہ شریفین داخل ہوتی ہیں اور وہیں سے فرقے بننے شروع ہو جاتے ہیں۔

بہر حال آیت پر پھر ایک مرتبہ غور کر لیجئے یوں کہ آیت یہ بتا رہی ہے کہ جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس کو دُور کرنے کے لئے یہ موجب ہدایت کتاب بیان کر دیجئے یہ نہیں کہا جا رہا کہ اس کی تشریح یا توضیح یا تفسیر بذریعہ بخاری و مسلم کر دیجئے۔ بات صرف اس کتاب کی ہو رہی ہے جس کو نازل فرمایا گیا ہے۔ غیر اللہ کی لکھی ہوئی کتابوں کا اس سے کیا تعلق یا کیا برابری!

موصوف اس آیت کی تفسیر میں خود کوئی (نام نہاد) حدیث یا رسولی تفسیر / روایت نہ پیش کر سکے بلکہ تفسیر کے بعد 'عمل' میں ایک معرکۃ الارا جملہ لکھ گئے، ملاحظہ ہو:

"عمل: اے لوگو، قرآن مجید کے نزول کے بعد اپنے اختلاف کو دُور کر دیئے۔ جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے۔ اب ہدایت ملے گی تو قرآن مجید سے ملے گی" (ص ۹۱۲، جزء۔۵)

غور کیجئے کہ موصوف نے کتنی اچھی اور حق بات لکھ دی ہے.......... مگر ٹھہریئے وہ حسبِ عادت فوراً ہی پلٹا کھا گئے اور اگلا جملہ لکھ دیا:

"اور ان تشریحات میں ملے گی جو قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں (لِتُبَيِّنَ لَهُمُ) میں اسی طرف اشارہ ہے" (ص ۹۱۲۔ جزء۔۵)

اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ پہلے اور آخری جملے میں تضاد ہے کہ نہیں۔ اور پھر یہ اللہ کے کلام کے خلاف ہے کہ

نہیں ؟ یونکہ وہ تو یہ فرماتا ہے کہ قرآن کریم نازل ہی اس لئے کیا ہے کہ اس سے اختلاف دُور کرو۔ مگر موصوف کہتے ہیں کہ قرآن مجید کی روشنی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جو تشریحات بیان فرمائیں ان سے اختلاف دُور کرو!

یہاں موصوف کے آخری جملہ سے قدرتی طور پر یہ اعتراض ابھرتا ہے کہ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تشریحات خود بیان فرمائیں تو پھر وہ وحی کیسے ہو سکتی ہیں ؟ وہ تو رسول کا اجتہاد یا استنباط ہوئیں۔ اور کسی کا بھی اجتہاد یا استنباط وحی نہیں ہو سکتا جب تک وہ قرآنِ کریم یعنی الکتٰب میں نازل شدہ نہ ہو۔ ورنہ تو پھر خالق کے کلام کے ساتھ بندہ کے اجتہاد کو شریک کرنے سے یہ کھلا ہوا شرک ہو جائے گا۔

قارئین دوسری اہم حقیقت یہ کہ موصوف کا جملہ پڑھنے کے بعد قدرتی طور پر سوال اُبھرتا ہے کہ اچھالاؤ وہ تشریح قرآن جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بیان فرمائی؟ کم از کم اسی آیت ہی کی رسولی تشریح پیش کر دو اگر سچے ہو؟

قارئین تیسری بات جو قدرتی طور پر ذہن میں ابھرتی ہے وہ یہ کہ موصوف کا آخری جملہ اللہ تعالیٰ کے کلام کہ: قرآن بذاتِ خود واضح کتٰب ہے کے خلاف ہے۔ دیکھئے سورہ یوسف کے آغاز ہی میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

" الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

ترجمہ: الٓرٰ، یہ (ہر حکم کو) واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں (۱) (اے لوگو) ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ سکو (۲)" (ص۳۷۸۔ جزء۔۵)

آگے اپنی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں:

**تفسیر:** (تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ) یہ کتاب مبین یعنی ہر حکم کو واضح طور پر بیان کرنے والی کتاب کی آیتیں ہیں۔ کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے۔ اس کی تمام آیات واضح ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ۞ (الحجر:۱)

الٓرٰ، یہ (اللہ کی) کتاب یعنی قرآن مبین کی آیتیں ہیں (جو اے رسول، آپ کی طرف وحی کی جارہی ہیں)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ (النور:۶۱)

اسی طرح اللہ تم سے اپنی آیات کو وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا ہے تاکہ تم (بآسانی) سمجھ سکو"۔ (ص ۳۷۸، جزء۔۵)

غور کیجئے کہ کیا اس ترجمہ اور تفسیر کے بعد قرآن کی کسی اور تشریح و توضیح کی ضرورت رہ جاتی ہے ؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو پھر تو قرآن کے یہ دعوے جھوٹے ہو جاتے ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اور اگر آپ کا جواب نہیں میں ہے تو پھر موصوف کا اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ علما کے دعوے جھوٹ قرار دیئے جائیں گے جو یہ عقیدہ بناتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس واضح قرآن کی مزید تشریح و توضیح و تفسیر کی[1]۔ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی تفسیر کی ہوتی تو آج

---

[1] اگر آپ مزید آیات اس سلسلہ میں دیکھنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے احکام کی وضاحت اپنے القرآن میں کر دی ہے تو کتاب کے پہلے باب پر پھر نظر ڈال لیجئے جہاں ہم نے تقریباً تمام ایسی آیات جمع کر دی ہیں۔

سینکڑوں تفسیریں (ہر مُلّا کی اور ہر فرقہ کی الگ الگ) بازار میں کمائی کا ذریعہ نہ بنی ہوئی ہوتیں اور مفسرین میں مقابلہ نہ ہو رہا ہوتا کہ دس جلدیں تفسیر میں لکھیں یا بیس یا سو!

## آیتِ الکتٰب والحکمۃ

**۱۰۔**... دسویں آیت سورہ البقرہ (اور آل عمران: ۱۶۴ اور الجمعہ: ۲ کی پیش کر کے غلط ترجمانی کی جاتی ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ (نام نہاد) احادیث میں قرآن کریم کی تشریح و توضیح کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو:

" كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: (اور اے ایمان والو ہم اپنی نعمتیں تم کو عطاء فرما رہے ہیں) اسی طرح جس طرح ہم نے (ایک بہت بڑی نعمت تم کو یہ عطاء فرمائی کہ) ہم نے تم میں تم ہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ہماری آیتیں تم کو پڑھ کر سناتا ہے۔ تمہارے دلوں کو پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ایسی ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم (پہلے) نہیں جانتے تھے (۱۵۱)" (ص ۴۸۵، جزء۔۱)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں کیا حقیقت بتائی جارہی ہے، اس کا نقطۂ عروج کیا ہے؟ سیدھی سی حقیقت ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے ارد گرد صحابہ کبارؓ کو اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیاتِ (قرآن) پڑھ پڑھ کر سنا کر ان کا تزکیہ کر کے ان کو اللہ کی الکتاب یعنی الحکمت کی تعلیم دیتے تھے جس کی باتوں سے وہ ناواقف تھے۔

آپ اگر مزید غور کریں تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کا یہ فعل کہ وہ صرف قرآن کی آیات ہی پڑھ پڑھ کر سنا کر صحابہ کا تزکیہ کرتے تھے (کہ وہ پھر اپنی جان و مال سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دیتے تھے۔ ۱۱۱/ ۹ ، ۱۶۲/ ۶) اور ان کو قرآنی حکمت کی تعلیم دیتے تھے (کہ وہ پھر قرآن کا فہم اچھی طرح سے حاصل ہونے کے بعد دوسروں تک اسے پہنچانے کے قابل ہو جاتے تھے اور اللہ کے احکامات پر پوری تندہی و تسلیم و رضا سے عمل پیرا ہو جاتے تھے، ایسے کہ وہ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ﴿۴﴾ (۴/ ۱۰۷) نہیں بنتے تھے بلکہ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (۱۔۱۰/ ۲۳، ۱۴/ ۸۷ بن جاتے تھے جن سے اللہ راضی ہو گیا تھا ۱۱۹/ ۵) اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول پر عائد واحد ذمہ داری مَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ "مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ۭ (۹۹) (۹۲/ ۵، ۹۹/ ۵، ۵۴/ ۲۴، ۱۸/ ۲۹ وغیرہم) کی اتباع میں صحابہ کبار بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو قرآن کریم کی آیات رسول پر نازل ہو رہی تھیں ان کا وہ بلاغ کر رہے تھے۔ ان کو دوسروں تک پہنچا رہے تھے ان پر خود عمل کر رہے تھے اور دوسروں سے ان پر عمل کرا رہے تھے۔ یونکہ ان کی ذمہ داری صرف بلاغ تھی۔ بس۔ قرآن کرم خود ایک مقام پر اپنے رسول سلامٌ علیہ (نوح) کا قول سنا رہا ہے کہ:

" اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ اَنْصَحُ لَكُمْ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ (الاعراف: ۶۲)

ترجمہ: میں اپنے رب کا پیغام تم لوگوں کو پہنچاتا ہوں، تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں اور مجھے اللہ کی طرف سے (آنے والی) ایسی ایسی باتوں کا علم ہے جن کو تم نہیں جانتے (۶۲)" (ص ۷۵۴، جزء۔۴)

اور دیکھئے موصوف اس قولِ رسول کی کیا تفسیر فرمارہے ہیں:

تفسیر: ”رسول تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے وہ تو اپنے رب کا پیغام پہنچاتے ہیں اور بس (اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ) میں بھی اپنے رب کا پیغام تم لوگوں کو پہنچا رہا ہوں (وَ اَنْصَحُ لَكُمْ) اور تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں س کہ تمہیں عذاب الٰہی سے ڈرا کر تمہیں اس سے بچنے کی تلقین کر رہا ہوں۔........... “ (ص ۴۵۸۔ جزء ۴)

غور کیجئے کہ موصوف اپنی تفسیر میں خود کتنی **اصولی** بات لکھ گئے ہیں کہ:

”رسول تو اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے وہ تو اپنے رب کا پیغام پہنچاتے ہیں اور بس“۔

مگر دیکھئے اب اس اصول سے وہ اپنی اہلحدیث ذہن پرستی اور عقیدہ کے سبب کیسے پلٹ جاتے ہیں اور آیت زیرِ تفسیر (البقرہ: ۱۵۱) کی کیا تفسیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

”تفسیر: مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی میں صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے سنا دیں۔ نہیں، اس کے علاوہ ان کے دو فرائض اور بھی ہیں، وہ دلوں کو پاک کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں“۔ (ص ۴۸۸، جزء۔ ۱)

دیکھا آپ نے کہ موصوف نے کیسا پلٹا کھایا اور اپنے لکھے پر خود قائم نہ رہ سکے (ایسی مثالیں دنیا میں کم ہی ملیں گی!) کہ بنیادی فریضہ ٔ بلاغ کو تین علیحدہ علیحدہ فریضہ قرار دے دیا۔ حالانکہ رسول اللہ سلامؑ علیہ قرآنی آیات مبارکہ کے مطابق لوگوں کا تزکیہ اور تعلیم قرآنی آیات ہی سنا سنا کر کرتے تھے اور اس حقیقت کو قرآن کریم نے بار بار دہرایا ہے (۱۲۹ /۲ ، ۱۵۱ /۲ ، ۱۶۴ /۳ ، ۲ /۶۲) اگر ایسا نہیں تو پھر اوپر نوح سلامؑ علیہ کا بیان کردہ اصول اور آیت مَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ کا انکار ہو جاتا ہے۔ آگے دیکھئے موصوف اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

تفسیر: ”دلوں کو پاک کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ دل کو شرک، اوہام باطلہ، کفر و ناشکری، کینہ و بغض، حسد و عداوت، تکبر و ریاء، فخر و عُجب سے پاک کریں، دلوں کو توحید و عقائد صحیحہ، ایمان و شکر، الفت و محبت، عاجزی و انکساری، خوف و خشیت، خلوص اور اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے جذبہ سے معمور کر دیں، یعنی قلوب امراض روحانی سے پاک ہو جائیں اور ان میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور تقویٰ پیدا ہو جائے، یہی انسان کا روحانی کمال ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے۔ اللہ کے رسول سلامؑ علیہ نے یہ فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا اور وہ جماعت تیار کی جس کی شان میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

”وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَ كَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَ اَهْلَهَا ؕ (الفتح: ۲۶)

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بات کو ان کے ساتھ چمٹا دیا ہے۔ وہ تقویٰ کے حقدار بھی ہیں اور اہل بھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا (الفتح: ۲۹)

وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضاجوئی کے متلاشی رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَ زَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَ كَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَ الْفُسُوْقَ وَ الْعِصْيَانَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ ۙ (الحجرات: ۷)

(اے صحابہ) اللہ نے ایمان کو تمہارا محبوب بنا دیا ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں زینت دے دی ہے،

کفر، نافرمانی اور گناہ سے تم کو بیزار کر دیا ہے ایسے ہی لوگ ہدایت یاب ہوتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے تزکیۂ قلوب کے سلسلہ میں جو کچھ کیا اور جو ہدایات جاری کیں وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں محفوظ ہیں اور جو کچھ قرآن مجید اور احادیث میں محفوظ ہے اسے شریعت کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے تزکیہ کے سلسلہ میں شریعت کے علاوہ کسی اور قسم کی تعلیم نہیں دی، لہٰذا ثابت ہوا کہ طریقت، حقیقت اور معرفت کی اصطلاحیں سب خود ساختہ ہیں اور جو کچھ ان میں شریعت کے علاوہ پایا جاتا ہے سب ضلالت ہے"۔ (تفسیر آیات ۱۵۰، ۱۵۱، سورہ البقرہ، ص۴۸۸۔۴۸۹، جزء۔۱)

غور کیجئے کہ موصوف کی اوپر نقل شدہ تفسیر پڑھ کر کیا اہم چار نکات ذہن میں آتے ہیں:

(۱)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جو آیات پڑھ پڑھ کر سنائیں اور تزکیہ کیا وہ صحابہ کبارؓ کا کیا، یوں کہ وہی ان کی حیات میں ان کے سامنے موجود تھے۔ اور اسی کے نتیجہ میں وہ جماعت تیار ہو سکی جس کی شان میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل کیں۔

(۲)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تزکیۂ قلوب کے سلسلہ میں جو کچھ کیا اور جو ہدایات جاری کیں وہ سب قرآن مجید اور احادیث میں محفوظ ہیں۔

(۳)۔ جو کچھ قرآن مجید اور احادیث میں محفوظ ہے اسے شریعت کہتے ہیں۔

(۴)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تزکیہ کے سلسلہ میں شریعت کے علاوہ کسی اور قسم کی تعلیم نہیں دی، لہٰذا ثابت ہوا کہ طریقت، حقیقت اور معرفت کی اصطلاحیں سب خود ساختہ ہیں اور جو کچھ ان میں شریعت کے علاوہ پایا جاتا ہے سب ضلالت ہے۔

آیئے اب ان چاروں نکات کا ہم علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے ہیں:

.(۱)۔... جہاں تک پہلے نکتہ کا تعلق ہے تو یہ حقیقت ہے کہ رسول سلامٌ علیہ آیات پرھ پڑھ کر اپنے سامنے کے، قرب و جوار کے افراد ہی کو سنا سکتے تھے اس کے نتیجہ ہی میں لوگ اسلام قبول کرتے گئے اور پھر ان کا تزکیہ ہوتا رہا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا۔

پچھلے صفحات میں ہمارا بھی یہی موقف رہا ہے کہ قرآن کے علاوہ، دیگر امور دنیاوی یا امور سلطنت اسلامیہ کے سلسلہ میں رسول سلامٌ علیہ کی اطاعت، ان لوگوں ہی کے لئے تھی جو آپ کی حیات میں وہاں حاضر تھے۔ لیکن اب جبکہ وہ حیات نہیں تو قرآن کے علاوہ دیگر امور میں اولی الامر کی اطاعت ہو گی۔ اب نہ تو رسول ہم کو آیات پڑھ کر سنا سکتے ہیں اور نہ ہی تزکیۂ قلب کر سکتے ہیں اور نہ قرآن کی تعلیم دے سکتے ہیں۔

.(۲)۔... جہاں تک دوسرے نکتہ کا تعلق ہے تو ہمیں موصوف سے یہاں تک تو اتفاق ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تزکیۂ قلوب کے سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ سب قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ یونکہ قرآن کریم خود اس کی گواہی دے رہا ہے کہ:

(۱)۔ اسی آیت البقرہ:۱۵۱، آل عمران:۱۶۴، اور الجمعہ: ۲ میں اللہ تعالیٰ خود گواہی دے رہا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ آیاتِ قرآن ہی پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنا کر ان کے دلوں کو پاک کرتے تھے۔

(۲)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ صحابہ کے مال میں سے صدقات وصول کرتے تھے اس طرح ان کی تطہیر و تزکیہ ہوتا تھا (۱۰۳/۹، ۱۸/۹۲)

(۳)۔ اور صرف لوگ صدقات ہی نہیں دیتے تھے بلکہ اپنی ضرورت سے زائد سارا مال دے دیتے تھے ۔... (۲/۲۱۹)۔ وغیرہم

لیکن ہمیں موصوف کی اس بات سے اتفاق نہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تزکیہ قلوب کے سلسلہ میں قرآن مجید کے علاوہ بھی ہدایات جاری کیں اور وہ (نام نہاد) احادیث میں محفوظ ہیں۔ اور ہمارے اختلاف کی سیدھی سادھی وجہ یہ ہے کہ نہ تو موصوف نے اپنے مؤقف کی حمایت میں کوئی آیت پیش کی اور نہ ہی وہ اس آیت کی تفسیر میں کوئی (نام نہاد) حدیث یا رسولی تفسیر پیش کر سکے! کہئے کیا ہمارا اختلاف غلط ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے کہ "هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ = اگر سچے ہو تو دلیل پیش کرو (۲۴/۲۱) اور یہ دلیل بھی اللہ کی نازل کردہ کتابوں ہی سے پیش کرنے کو کہا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کی غیر نازل شدہ کتابوں سے نہیں۔ مگر موصوف تو اپنی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں سے بھی کوئی دلیل نہ پیش کر سکے اور دلیل تو بڑی بات وہ اس آیت کی تفسیر میں کوئی ایک ہدایت تک نہ بتا سکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کے علاوہ یہ ہدایت بھی تزکیہ قلوب کے سلسلہ میں دی تھی! اور حد تو یہ ہے کہ وہ اس آیت یا ان الفاظ کی دوسری آیات میں بھی رسولی تفسیر نہ پیش کر سکے کہ اس آیت کا مطلب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ بتایا کہ قرآن کے علاوہ (نام نہاد) حدیث سے تزکیہ کرو اور تشریح و توضیح کرو! ہمارے ان سے اختلاف کی دوسری وجہ یہ ہے کہ ہم متعدد آیات کی گواہی پچھلے صفحات میں پیش کر کے یہ حقیقت ثابت کر چکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کے علاوہ دین کے معاملہ میں کچھ اور نہیں بولتے تھے اور (نام نہاد) احادیث جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان کا ان کی حیات میں کوئی وجود نہیں تھا یہ سب بعد میں گھڑی گئیں۔

بہر حال سیدھی بات کہ موصوف ایک بھی غیر قرآنی ہدایت اپنی تفسیر میں ان چاروں آیات کی تفسیر میں نہ لکھ سکے کہ یہ تزکیہ کا طریقہ ہے۔ تو پھر (انہی کے نقطہ نظر سے) یہ تفسیر کہاں ہوئی؟ قارئین اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ موصوف کے اس عقیدہ (کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کی آیات کے علاوہ بھی ہدایات بذریعہ (نام نہاد) احادیث دیں) ہی کا نتیجہ ہے کہ ایک فرقہ تو تزکیہ کیلئے "اِلَّا اللہ" کی ضربیں لگاتا ہے، دوسرا فرقہ صرف درود شریف کا وِرد کرتا ہے، تیسرا فرقہ مختلف آیات یا اسماء الٰہی کا وِرد کرتا ہے، چوتھا فرقہ اماموں کے بتائے ہوئے اور بنائے ہوئے غیر قرآنی اَوراد کا وِرد کرتا ہے، پانچواں فرقہ چلّے کاٹتا ہے، چھٹا فرقہ ................. غرضیکہ جتنے فرقے ہیں ان کے پاس ان کے مطلب وعقیدہ کی (نام نہاد) احادیث موجود ہیں اور وہ اس کے مطابق تزکیہ کر رہے ہیں اور پھر بھی تزکیۂ قلب نہیں ہو رہا بلکہ کرّۂ ارض برائیوں و بدامنی سے بھرتا جا رہا ہے!

(۳)۔ جہاں تک تیسرے نکتہ کا تعلق ہے تو ہمیں اس میں موصوف سے اتفاق نہیں کہ (نام نہاد) احادیث بھی شریعت میں شامل ہیں۔ اس کی سیدھی سی وجہ یہ کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی، مقرر کی ہوئی ہے اور وہ صرف اس کی الکتٰب یعنی قرآن مجید کے اندر ہے اس کے باہر نہیں۔ ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

" شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ ............ ⑬

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے دین کا واضح راستہ مقرر کیا (وہی راستہ) جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور

(اے رسول) جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو دیا تھا (اور ہم نے ان کو یہ بھی حکم دیا تھا اور آپ کو بھی یہ حکم دے رہے ہیں) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں متفرق نہ ہونا............... (۱۳)" (الشوریٰ۔ ص ۷۴۰، جز ۴۔۸)

غور کیجئے کہ شریعت تو اللہ نے دی اور یہی شریعت رسول اللہ سلامٌ علیہ سے پہلے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سلامٌ علیہم کو بھی مل چکی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ اللہ کی کتابوں ہی میں ہو سکتی ہے اس سے باہر غیر اللہ کی کتابوں میں نہیں یونکہ اسی کی طرف بلانے کا اس آیت کے بعد ایک آیت چھوڑ کر، حکم دیا جارہا ہے، ملاحظہ ہو:

"فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ...... ﴿۱۵﴾ الشوریٰ

ترجمہ: تو (اے رسول) آپ اسی دین کی طرف بلایئے (جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے) اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس پر استقامت اختیار کیجئے، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور (صاف صاف) کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے........... (۱۵) (الشوریٰ، ص ۷۴۰، جزء۔۸)

غور کیجئے، کیا یہ دونوں آیات پڑھ کر بات واضح نہیں ہوئی کہ شریعت اللہ کی نازل کردہ ہے اور نازل کردہ چیز اللہ کی کتاب ہی ہے اور اسی "الکتٰب" پر رسول سلامٌ علیہ بھی ایمان لائے تھے جو اللہ نے نازل کی تھی۔ اور کون سی کتاب نازل ہوئی تھی تو اللہ تعالیٰ چند آیات پہلے ہی اسی سورہ الشوریٰ میں بتا چکا ہے کہ اس نے قرآن کریم عربی میں نازل کیا (نام نہاد) احادیث نہیں۔ ملاحظہ ہو:

"وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا وَتُنْذِرَ يَوْمَ الْجَمْعِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ ...... ﴿۷﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) جس طرح گذشتہ انبیاء پر وحی نازل ہوتی رہی اسی طرح ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں آپ کی طرف نازل کر دیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ارد گرد (رہتے) ہیں (اللہ تعالیٰ) سے ڈرائیں اور جمع ہونے کے دن سے بھی ڈرائیں جس کے (آنے) میں کوئی شک نہیں، ........... (۷)" (الشوریٰ۔ ص ۷۲۹، جزء۔۸)

بعض قارئین یہاں یہ سوال کر سکتے ہیں کہ آیت کے موصوف کے ترجمہ میں تو "شریعت" کا لفظ استعمال نہیں ہوا جبکہ ہم یہ کہہ رہے ہیں کہ ایک ہی شریعت رسول اللہ سلامٌ علیہ سے پہلے نوح، ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ سلامٌ علیہم پر بھی نازل ہو چکی تھی۔ تو قارئین پریشان نہ ہوں یہی تو ترجمہ نگاری کا فن ہے اور یہی فنکاری موصوف نے کی ہے کہ شریعت کے لفظ کی جگہ انہوں نے "واضح راستہ" کے الفاظ استعمال کر دیئے تاکہ پڑھنے والا حقیقت کی تہہ کو نہ پہنچے! قارئین غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں لفظ "شَرَعَ" استعمال ہوا ہے اور اس لفظ کے معنی موصوف نے اپنی تفسیر میں دیئے ہیں:

"معانی ومصادر: (شَرَعَ) شَرَ۔عَ، يَشْرَعُ، شَرْعٌ (ف) شریعت بنانا، شریعت یا کسی اور کام کو جاری کرنا، طریقہ بنانا، راستہ ظاہر کرنا، واضح راستہ مقرر کرنا، پانی میں داخل ہونا، حق ظاہر کرنا اور باطل کو مٹانا، بہت بلند کرنا، ظاہر ہونا، شروع کرنا۔" (ص ۷۴۱، جزء۔۸)

ایک اور مقام پر انہوں نے شَرِیْعَةٍ کے معنٰی لکھے ہیں:

”معانی ومصادر: (شَرِیْعَةٍ) شَرَعَ، یَشْرَعُ، شَرعٌ (ف) ظاہر کرنا، واضح راستہ بنانا۔
(شَرِیْعَةٌ = واضح اور سیدھا راستہ، شَرْعٌ) (ص۹۴۹، جزء۔۸)

جبکہ سورہ الجاثیہ کی آیت ۱۸ کے ترجمہ میں عربی لفظ ”شَرِیْعَةٌ“ کا ترجمہ انہوں نے واضح اور سیدھا راستہ ہی کئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

”ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِیْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: پھر (اے رسول، بنی اسرائیل کے بعد) ہم نے آپ کو امر (دین) کے واضح اور سیدھے راستہ پر (قائم) کر دیا تو آپ اسی راستے کی پیروی کرتے رہئے اور بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے (۱۸)“
(ص۹۴۸۔ جزء۔۸)

قارئین دیکھا آپ نے جہاں لفظ شریعت ترجمہ میں بھی من و عن اسی طرح سے استعمال ہو سکتا ہے وہاں بھی موصوف اس کو ترجمہ کر کے واضح اور سیدھا راستہ لکھ رہے ہیں۔ بہر حال لفظ شریعت انہوں ہی نے اپنی تفسیر میں استعمال کیا ہے کہ ”اور جو کچھ قرآن مجید اور احادیث میں محفوظ ہے اسے شریعت کہتے ہیں۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تزکیہ کے سلسلہ میں شریعت کے علاوہ کسی اور قسم کی تعلیم نہیں دی“ جبکہ ہمارا مؤقف یہ ہے کہ شریعت دین ہی کو کہا گیا ہے جیسا کہ اوپر سورہ الجاثیہ کی آیت ۱۸ میں بھی کہا گیا ہے۔ سورہ شوریٰ کی آیت ۱۳ میں کہا گیا ہے اور دیکھئے سورہ یونس کی آیت نمبر ۳۷ میں موصوف خود مان رہے ہیں کہ شریعت الٰہیہ قرآن ہی میں ہے جو اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے۔ ملاحظہ ہو:

”وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: اور یہ قرآن ایسا (کلام) نہیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی اسے بنا سکے (اور نہ یہ ایسا کلام ہے کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی پہلی کتابوں کی تکذیب کرے) بلکہ یہ ان (سب کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے جو اس سے پہلے (اللہ کی طرف سے) آچکی ہیں، مزید برآں (اس قرآن کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ) شریعت (کی باتوں) کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو اور) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے (نازل ہوا) ہے (۳۷)“ (ص۱۰۳، ۱۰۴، جزء۔۵) (سورہ یونس)

غور کیجئے اس آیت کریمہ نے تو ساری الجھن ہی ختم کر دی اور واضح کر دیا کہ نہ صرف یہ کہ شریعت اس قرآن مجید ہی میں ہے جو رب العالمین کی طرف سے نازل شدہ ہے اور شریعت کی باتوں کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو۔ اس لئے اب کسی شرح یا تفسیر یا تشریح و توضیح کی ضرورت ہی نہ رہی۔

اس آیت کریمہ نے مزید یہ وضاحت بھی کر دی کہ یہ قرآن وحی ہوتے ہوئے، نازل شدہ ہوتے ہوئے، ایسا کلام نہیں جسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی بنا سکے اب آپ غور کر لیجئے کہ (نام نہاد) حدیثیں کیا اللہ تعالیٰ ہی بناتا رہا؟ (نعوذ باللہ) یا غیر اللہ نے بنائیں؟

نیز اس آیت کریمہ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ (نام نہاد) حدیث نازل کردہ نہیں یونکہ یہاں اور تمام آیتوں میں

صرف قرآن ہی نازل کئے جانے کا ذکر خیر ہے۔ کسی ایک آیت میں بھی (نام نہاد) حدیث نازل کئے جانے یا وحی کئے جانے کا ذکر نہیں۔ دیکھا آپ نے کہ ہم نے اپنے مؤقف کی دلیل قرآن کریم سے موصوف ہی کے ترجمہ سے پیش کر دی کہ اللہ کی شریعت اسی قرآن میں نازل ہوئی (اور اس سے باہر کوئی چیز یا (نام نہاد) احادیث شریعت میں شامل نہیں)۔ اب اگر موصوف سچے ہیں تو اپنے مؤقف کی حمایت میں قرآن سے ایسی کوئی آیت پیش کریں جس میں (عبارت النص میں) یہ کہا گیا ہو کہ شریعت قرآن کے علاوہ بخاری یا مسلم کی کتابوں میں بھی نازل ہوئی (نعوذ باللہ) ورنہ پھر اپنے غلط عقیدہ سے رجوع کریں اور اپنے متبعین کو بھی اس ضلالت سے بچائیں جیسا کہ انہوں نے خود مانا ہے کہ شریعت کے علاوہ سب ضلالت ہے (تفسیر آیت ۱۵۰۔۱۵۱، سورہ البقرہ، ص ۴۴۲)

(۴)۔ جہاں تک چوتھے نکتہ کا تعلق ہے تو ہم موصوف سے لفظ بہ لفظ متفق ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تزکیہ کے سلسلے میں (قرآن میں نازل شدہ شریعت جیسا کہ پچھلے صفحات میں قرآن ہی سے ثابت ہوا) شریعت کے علاوہ کسی اور قسم کی تعلیم نہیں دی، لہٰذا ثابت ہوا کہ فقہ، طریقت، حقیقت اور معرفت، (نام نہاد) احادیث و سنت) کی اصطلاحیں سب خود ساختہ ہیں اور جو کچھ ان میں شریعتِ الٰہی کے علاوہ پایا جاتا ہے سب ضلالت ہے۔

اب دیکھئے کہ موصوف آیت زیرِ تفسیر (البقرہ۔ آیت ۱۵۱) میں آگے کیا فرماتے ہیں:

"تفسیر: رسول اللہ ﷺ کا تیسرا فریضۂ منصبی جو مندرجہ بالا آیات اور آیت زیرِ تفسیر میں بتایا گیا ہے وہ تعلیم کتاب و حکمت ہے۔ کتاب و حکمت دو چیزیں ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کی تعلیم دی، دوسرے لفظوں میں رسول اللہ ﷺ نے قرآن مجید اور حدیث کی تعلیم دی، ان پر عمل کرنے کا طریقہ بتایا جسے سنت کہتے ہیں، ..............

اگر مان بھی لیا جائے کہ کتاب و حکمت ایک ہی چیز یعنی قرآن مجید ہے تب بھی اس آیت سے حدیث کی ضرورت اظہر من الشمس ہے۔ معلّم جب کسی کتاب کو پڑھاتا ہے تو وہ اس کی تشریح و توضیح بھی کرتا ہے۔ اگر وہ تشریح و توضیح نہ کرے تو پھر وہ سنانا ہی ہوا اور یہ پہلے منصب میں اللہ تعالیٰ نے علیحدہ بیان کر دیا ہے۔ سنانا اور تعلیم دینا دو علیحدہ فریضے ہیں۔ تعلیم دینا اور سنانا یکساں نہیں ہیں۔ تعلیم میں جو تشریح و توضیح ہوتی ہے وہ ایک زائد فریضہ ہے۔ یہ تشریحی و توضیحی الفاظ اگر حجت نہ ہوں تو رسول اللہ ﷺ کا معلّم قرآن مجید ہونا بیکار ہو جائے گا اور اگر حجت ہوں اور یقیناً وہ حجت ہیں تو ان کا ماننا اتنا ہی ضروری ہو گا جتنا کہ قرآن مجید کا ماننا۔ وہ معلم جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہو غلطی نہیں کر سکتا۔ جو تشریح و توضیح وہ کرے گا یقیناً صحیح ہو گی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی منظور شدہ یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہو گی۔ اس پر ایمان نہ لانا گویا اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تشریح کا انکار کرنا ہے۔ اور یہ یقیناً کفر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو تشریح بھی کی وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی تھی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیامۃ۔۱۹)

پھر اس قرآن کی تفسیر بھی ہمارے ہی ذمّہ ہے

الغرض اللہ تعالیٰ نے اس ذمہ داری کو پورا کیا اور رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہمارے لئے قرآن مجید کی تشریح وتوضیح فرمادی اور اس پر عمل کرنے کا طریقہ بھی سمجھادیا۔ "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ" پر ایمان لانا اور اس کی عملی کیفیت کا انکار کرنا یقیناً قرآن مجید کا انکار کرنا ہے۔ یعنی قرآن مجید پر ایمان لانا اور حدیث کا انکار کرنا در حقیقت قرآن مجید ہی کا انکار ہے۔ الغرض حدیث حجتِ شرعیّہ اور قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے اور اس کا انکار کفر ہے"۔ (ص۴۸۹۔۴۹۰، جزء۔۱)

یہاں سب سے پہلی بات تو یہ نوٹ کر لیجئے کہ اتنی لمبی چوڑی تفسیر میں منطق تو ہے مگر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی اس آیت زیرِ تفسیر کی تشریح وتوضیح یا تفسیر کا ایک لفظ بھی نہیں! یہ سارے الفاظ اور ساری منطق موصوف کی اپنی ہے۔ اور یہی بات موصوف کے جھوٹے دعویٰ کی قلعی کھولنے کے لئے کافی ہے کہ وہ اتنی اہم آیت کی بھی رسولی تفسیر پیش نہ کر سکے اور خود تفسیر لکھ رہے ہیں۔ پھر بھی دعویٰ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے آیات کی تشریح وتوضیح وتفسیر کی! کہاں ہے وہ تشریح وتوضیح وتفسیر؟

دوسری بات یہ نوٹ کیجئے، (جیسا کہ ہم پیچھے ساتویں آیت سورہ النساء کی آیت ۱۱۳، صفحات ۳۷۶ سے ۳۷۸ میں بھی کتٰب وحکمت کے موصوف کے معنیٰ بتا آئے ہیں) کہ یہاں موصوف پھر پلٹا کھا گئے کہ کتاب وحکمت دو چیزیں" بتا رہے ہیں جبکہ قرآن کریم خود کو " اَلْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (۳۶/۲) " کہہ رہا ہے، تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞ (۱۰/۱) کہہ رہا ہے الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (۳/۵۸) کہہ رہا ہے۔ اب ذرا خود موصوف کا ترجمہ و تفسیر دیکھ لیجئے:

(۱)۔ "وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞ (۳۶/۲)

حکمت والے قرآن کی قسم (۲) (ص۱۶۶۔ جزء۔۸)

موصوف خود اس آیت کی اپنی لکھی ہوئی تفسیر میں فرماتے ہیں:

"تفسیر:.......... قرآن مجید کو حکمت والا کہا گیا ہے اس لئے کہ اس میں حکمت کی باتیں بیان کی گئی ہیں "

(ص۱۶۷، جزء۔۸)

غور کیجئے کیا قرآن میں (نام نہاد) احادیث بیان کی گئی ہیں جن کو موصوف حکمت کی باتیں بیان کی گئی ہیں بتا رہے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر اوپر جو انہوں نے حِكْمَةَ کی تفسیر کی اس کو اس حِكْمَةَ کی تفسیر سے ملا لیجئے۔ تو ڈھول کا پول نظر آ جائے گا۔ اور دیکھئے:

(۲)۔ "الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۞ (یونس:۱)

الٓرٰ ۚ (اے رسول) یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں (جو آپ کی طرف وحی کی جارہی ہیں) (۱)" (ص ۳۔۴، جزء۔۵)

آگے اس آیت کی تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں:

"تفسیر: اے رسول، یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں۔

**حکمت والی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔** اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يٰسٓ ۚ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۞

یٰسٓ۔ حکمت والے قرآن کی قسم۔

قرآن مجید حکمت سے پُر اور دانائی کی باتوں سے لبریز ہے"۔(ص ۴۔ جزء۔۵)

کہئے قارئین، اب آپ کو موصوف کی منطق کہ "کتاب و حکمت دو چیزیں ہیں" خلافِ حقیقت لگ رہی ہے یا حقیقت؟ اور دیکھئے حکمت کی تعریف کیا ہے:

(۳)۔" ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝۵۸(آلِ عمران:۵۸)

(اے) یہ (اللہ کی) آیتیں ہیں اور حکمت سے بھرپور نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں"

(ص۱۰۶، جزء۔۲)

آگے تفسیر میں موصوف فرماتے ہیں:

"تفسیر:............ (اے رسول) قرآن مجید کی یہ آیتیں اور پُر از حکمت نصیحت (کی باتیں) ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں"۔(ص۱۰۶، جزء۔۲)

غور کیجئے کہ جو آیتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جا رہی ہیں یعنی وہ وحی متلو ہیں تو وہ تو خود موصوف و دیگر اہل حدیث و فقہ کے نزدیک قرآن کریم ہی ہیں تو پھر قرآن و حکمت دو چیزیں کیسے ہو گئیں؟ ثابت ہو گیا کہ موصوف کی دو چیزوں کی منطق دھوکہ ہے! آگے دیکھئے وہ اس آیت کی تفسیر کے بعد "عمل" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

"عمل: لوگو، قرآن مجید کے پُر از حکمت احکام پر ایمان لائیے، ان پر سختی سے عمل کیجئے، اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے یہ حکمت کی باتیں آپ کو بتائیں اور ایک بہت بڑی خیر سے آپ کو بہرہ ور کیا"۔(ص ۱۰۷۔ جزء۔۲)

آگے دیکھئے اللہ تعالیٰ حکمت کسے بتا رہا ہے:

(۴)۔" يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ(البقرہ:۲۶۹)

اللہ جس کو چاہتا ہے حکمت و دانائی دیتا ہے"۔(ص۹۹۴، جزء۔۱)

آگے اسی آیت کی تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں:

"تفسیر:.................. حکمت کے معنیٰ دانائی، عقل و سمجھ بوجھ کے ہیں.........." (ص۹۹۵، جزء۔۱)

اب غور کر لیجئے کہ موصوف کس قدر اہل حدیث ذہن پرستی کے تابع ہیں کہ جگہ جگہ حکمت کے صحیح معنیٰ لکھنے کے باوجود اپنی اسی تفسیر میں منطق سے اسے (نام نہاد) حدیث یا سُنت ثابت کرنے لگ جاتے ہیں۔

آگے موصوف کی منطق کے مطابق سنانا اور تعلیم دینا دو علیحدہ فریضے ہیں۔ گویا کہ وہ بگیر سنائے تعلیم دینے کے قائل ہیں! بہرحال ہم تو یہ جانتے ہیں کہ آیت زیرِ بحث میں اللہ تعالیٰ آیات پڑھ پڑھ کر سنانے ہی سے تزکیہ کرنے اور الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کی تعلیم دینے کا ذکر کر رہا ہے اور اسی کو اس نے آیت کے آخری حصہ میں یہ کہہ کر واضح کر دیا "(وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ) اور (اس طرح) تمہیں اس کی تعلیم دی جو تم پہلے نہیں جانتے تھے"۔ کیا بات واضح نہیں ہو گئی؟ کہ وہ لوگ پہلے اَلْکِتٰب سے ناواقف تھے (لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ (۲/۷۸)) تو اب ان کو الکتٰب کی آیات پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور انہیں ان کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی مطلب کو واضح کرنے کے لئے اسی معنوں کی آخری آیت

(سورہ الجمعۃ کہ آیت ۲) کے آخری حصہ میں کہا کہ (وَ اِنۡ کَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ لَفِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ﴿۲﴾ ۶۲/۲) اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے۔ توجو لوگ بالکل ہی ناواقف تھے انہیں توبار بار ہی آیاتِ الٰہی سنائی جاتی تھیں۔ اس طرح ان کے دل میں کچھ جگہ بنتی تھی، کچھ خوف پیدا ہوتا تھا، کچھ دین و دنیا کا سمجھ میں آتا تھا، کچھ قدرت کے اصول سمجھ میں آتے تھے، کچھ اچھائیوں برائیوں کا پتہ چلتا تھا، اپنی پیدائش کا مقصد پتہ چلتا تھا۔ اللہ کے وجود اور لاشریک ہونے کا یقین واثق پیدا ہوتا تھا.......... غرضیکہ اس طرح وہ سر تسلیم خم کر دیتے تھے، ساتھ ساتھ آیات الٰہی یاد بھی ہو جاتی تھیں، جو لکھ سکتے تھے وہ لکھ بھی لیتے تھے۔ اب بتایئے اس سارے طویل عملِ تعلیم میں (نام نہاد) احادیث کی ضرورت کہاں پیش آئی؟ رہ گیا مسئلہ آیات کے معنیٰ سمجھانے کا یا تشریح و توضیح و تفسیر کرنے کا تو قرآن کرم کے مطابق تو وہ عمل اللہ تعالیٰ خود اپنے رسول کے ذریعہ (نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ) آیات کو بار بار، آگے پیچھے مختلف انداز سے دہرا دہرا کر پورا کرتا رہا۔ اور موصوف کے مطابق اللہ نے اس کا ذمہ خود لیا جیسا کہ اسی آیت زیرِ بحث کی تفسیر میں انہوں نے لکھا ہے کہ:

"ثُمَّ اِنَّ عَلَیۡنَا بَیَانَہٗ ﴿ؕ۱۹﴾ (القیامۃ:۱۹)

پھر اس قرآن کی تفسیر بھی ہمارے ہی ذمہ ہے"۔ (ص ۴۹۰۔ جزء۔۱)

لیکن قارئین اگر موصوف کا یہ ترجمہ مان بھی لیا جائے تو قرآن کی تفسیر کا اللہ کا انداز وہ نہیں تھا جو موصوف بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کی تشریح و توضیح (نام نہاد) حدیث میں کرتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا اندازِ تفسیر، تصریف الایات کے ذریعہ تھا اور ہے جیسا کہ ہم کتاب کے پہلے باب میں تفصیل سے پیش کر چکے ہیں۔ اور یقیناً رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی تعلیم قرآن کے دَوران تصریف آیات ہی کے ذریعہ قرآنی حکمت سمجھاتے تھے جب ہی تو قرآن میں کسی اور چیز مثل (نام نہاد) احادیث کا ذکر تک نہیں۔ بلکہ قرآن الحکیم تو چیلنج کر رہا ہے کہ کیا ان کے لئے الکتٰب کافی نہیں جو انہیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

" اَوَ لَمۡ یَکۡفِہِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ یُتۡلٰی عَلَیۡہِمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَرَحۡمَۃً وَّ ذِکۡرٰی لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿ؒ۵۱﴾ سورہ العنکبوت

ترجمہ: اور (اے رسول) کیا ان کے لئے یہ (معجزہ) کافی نہیں کہ ہم نے ان پر (اپنی) کتاب نازل کر دی ہے جو اُن کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بے شک اس میں مومنوں کے لئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی (۵۱)
(سورہ العنکبوت ص ۶۵۷، جزء۔۷)

مگر افسوس کہ موصوف کا عقیدہ یہ نہیں کہ صرف "الکتٰب" ہی کافی ہے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ اسی کو پڑھ پڑھ کر سناتے تھے (کسی اور چیز کو سنانے کا اس آیت میں بھی ذکر نہیں) بلکہ وہ تو (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ تعلیم قرآن کے قائل ہیں۔ تو لایئے وہ تفسیر پیش کیجئے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے القرآن کی کی! چلئے پورے القرآن کو چھوڑیئے صرف اس آیت زیر بحث (البقرہ:۱۵۱) ہی کی وہ تفسیر پیش کر دیجئے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کی ہو کہ "ان کے فرائض منصبی اس آیت میں تین بتائے گئے ہیں اور وہ آیات پڑھ پڑھ کر سنانے کے علاوہ تزکیہ کسی دوسرے طریقہ سے کرتے تھے اور کتٰب و حکمت کی تعلیم تیسرے طریقے سے دیتے تھے"! (معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ اگر موصوف اپنے عقیدہ میں سچے ہوتے کہ "رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کریم کی تفسیر کی تھی"

تو پھر موصوف اسے ہی پیش کر دیتے خود دس جلدوں میں ایک اور تفسیرِ غیر اللہ لکھنے کی زحمت کیوں گوارا فرمائی؟؟

الغرض یہ ثابت ہو گیا کہ کتاب و حکمت دو چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک ہی چیز "القرآن" ہے اور وہی نازل کیا گیا ہے اور اسی کی تعلیم دی گئی تھی جسے اس وقت کے لوگ نہیں جانتے تھے (اور آج کے لوگوں نے ہٹ دھرمی سے اسے **مَهْجُور** کرر کھا ہے اور غیر اللہ کی کتابوں پر ایمان لانے اور عمل کرنے پر سارا زور ہے)۔ دیکھئے اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے سورہ النسآء میں یوں فرمایا:

"وَ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ......... (١١٣)

ترجمہ: اور اللہ نے تم پر الکتٰب یعنی حکمت نازل فرمائی ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھائی جو تم جانتے نہیں تھے ............ (١١٣)"

اور حکمت کی تعریف ہم پیچھے دے چکے ہیں کہ یہ "الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ (٥٨ / ٣)" اور الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (٣٦/٢) ہی کو کہا گیا ہے۔ (مزید دیکھئے ٢/٢٣١، ١٠/١، ٣٩/١٧)

## آیات کے مفاہیم سے انحراف

پچھلے صفحات میں ہم نے چند وہ آیات پیش کر کے تبصرہ کیا جنہیں اہل حدیث و اہل فقہ عام طور پر پیش کر کے غلط معنیٰ کر کے لوگوں کو بیوقوف بناتے ہیں۔ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سوائے وحی کے کچھ اور بولتے ہی نہیں تھے اور ان پر صرف قرآن ہی وحی نہیں ہوتا تھا بلکہ (نام نہاد) احادیث بھی وحی ہوتی تھیں اس لئے ان (نام نہاد) احادیث کی اتباع کرنا ہے۔ اب ہم نمونہ کے طور پر چند اور آیات پیش کرتے ہیں جن سے یہ دھوکہ دیا جاتا ہے کہ چونکہ فلاں حکم قرآن میں نہیں چنانچہ ثابت ہوا کہ قرآن کے علاوہ بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر وحی آتی تھی اس لئے حدیث وحی یعنی منزّل من اللہ ہے۔ (ان آیات کا تعلق نہ تو ایمان سے ہوتا ہے نہ ہی عقائد و عمل سے) ملاحظہ ہو کہ موصوف اپنے رسالہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" کو شروع ہی اس طرح کرتے ہیں:

١۔ "حدیث وحی ہے یعنی منزّل من اللہ ہے۔ حدیث کے وحی ہونے کے دلائل درج ذیل ہیں۔

دلیل نمبر ١، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿١٢٤﴾

(اٰل عمران: ١٢٤)

اے رسول، جب آپ مومنین سے یہ کہہ رہے تھے کہ کیا تمہارے لئے یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے نازل فرما کر تمہاری مدد فرمائے۔

آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بطور تسلّی صحابہ کرام کو تین ہزار فرشتوں کی امداد کی خبر دی تھی۔ کیونکہ یہ خبر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے لہٰذا ثابت ہوا

کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی وحی آئی تھی جس کی بنیاد پر آپ نے یہ خوشخبری دی تھی"[1]۔ ص ۳۔
غور کیجئے کہ کیا موصوف کے یہ الفاظ کہ "کیونکہ یہ خبر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے" یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ وہ قرآن کا حصہ نہیں اس لئے کتاب اللہ نہیں۔ یونکہ کتاب اللہ صرف قرآن مجید ہے (جیسا کہ ہم کتاب کے پہلے باب میں ثابت کر چکے)

دوسری بات یہ کہ قرآن کے علاوہ جو وحی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر آئی تھی کیا اس سے اب آپ کے ایمان، عقائد یا عمل کا کوئی تعلق ہے؟ اس غیر قرآنی وحی پر آپ کیا عمل کریں گے؟ ظاہر ہے کہ کچھ نہیں۔ اور جب کچھ نہیں تو پھر آپ اس کے لئے مکلّف تو نہ ہوئے۔ اس وحی کی آپ کیا اتباع کریں گے؟ یہ کوئی حکم نہیں تھا!

اب ذرا حقیقت کی طرف آجایئے اور غور کیجئے کہ یہ آیتِ قرآنی ہے۔ اس کے معنی یہ وحی متلو ہے، تو واقعی وحی ہوئی (نام نہاد) حدیث نہیں بلکہ اَحۡسَنَ الۡحَدِیۡث۔ دوسری حقیقت یہ کہ یہ خبر نہیں بلکہ جملہ استفہامیہ ہے اور وہ بھی استفہامی مجازی کہ اس میں استفسار کیا گیا ہے (اَلَنۡ یَّکۡفِیَکُمۡ = کیا نہیں کفایت کرے گا تم کو؟)۔ اب آپ ذرا اس کے آگے کی دو آیات اور پڑھ لیجئے تو امید ہے کہ ساری حقیقت سمجھ میں آجائے گی۔ ملاحظہ ہو:

" بَلٰۤی ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَ تَتَّقُوۡا وَ یَاۡتُوۡکُمۡ مِّنۡ فَوۡرِہِمۡ ہٰذَا یُمۡدِدۡکُمۡ رَبُّکُمۡ بِخَمۡسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیۡنَ ﴿۱۲۵﴾ وَ مَا جَعَلَہُ اللّٰہُ اِلَّا بُشۡرٰی لَکُمۡ وَ لِتَطۡمَئِنَّ قُلُوۡبُکُمۡ بِہٖ ؕ وَ مَا النَّصۡرُ اِلَّا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰہِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَکِیۡمِ ﴿۱۲۶﴾ۙ

ترجمہ: یہی نہیں بلکہ اگر تم نے استقامت دکھائی اور (اللہ سے) ڈرتے رہے اور کافروں نے جوش وخروش کے ساتھ تم پر حملہ کیا تو تمہارا رب پانچ ہزار نشان لگے ہوئے فرشتوں کو بھیج کر تمہاری مدد کرے گا (۱۲۵) اور (یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ) اس مدد کو تو اللہ نے محض تمہارے لئے خوشخبری (کا ذریعہ) بنایا تھا تاکہ یہ خوشخبری سُن کر تمہارے دل مطمئن ہو جائیں ورنہ مدد تو (حقیقت میں) اللہ ہی کی طرف سے آتی ہے جو غالب اور حکمت والا ہے (۱۲۶) " (سورہ اٰل عمران، آیات ۱۲۵۔۱۲۶، جزء۔۲، ص ۲۵۱)

کیا ان آیات کو پڑھ کر یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ استفہامی جملہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس زمانہ اور مشرکانہ ماحول کے عقائد کے مطابق (کہ فرشتے مدد کرتے ہیں اور انسانی شکل میں آکر لڑتے ہیں وغیرہ وغیرہ) مومنین کا دل بڑا کرنے اور ہمت دلانے کے لئے خود سے کہا تھا۔ جبکہ وہ ایمان رکھتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ اگر مومنین استقامت دکھائیں تو یقیناً کامیاب رہیں گے (جیسا کہ پیچھے سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۲۱ لَقَدۡ کَانَ لَکُمۡ فِیۡ رَسُوۡلِ اللّٰہِ اُسۡوَۃٌ حَسَنَۃٌ کی بحث میں گزر چکا) اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ اس پر یقین رکھتے تھے۔ یونکہ ہجرت کے موقعہ پر جب دشمن انہیں تلاش کرتا ہوا تقریباً غار کے دہانہ پر پہنچ گیا تھا تو وہ اپنے ساتھی صحابیؓ کو تسلّی دیتے رہے کہ "لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ۚ (۹/۴۰)" "ڈرو نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ تو اس وقت بھی ان پر علیحدہ سے کوئی وحی نہیں آئی تھی اور نہ اس موقعہ (جنگِ بدر) پر علیحدہ سے کوئی وحی آئی تھی۔ اور یہ ہی حقیقت ہے یونکہ موصوف خود اپنی تفسیر میں دونوں مقامات پر ایسی کوئی

[1] رسالہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" مرتبہ مسعود احمد صاحب، شائع کردہ ادارہ مطبوعاتِ اسلامیہ ۲ / ۱۶۲۔ حسین آباد نمبر ۲، فیڈرل بی ایریا کراچی نمبر ۳۸، کتاب "برہان المسلمین"۔ مرتبہ مسعود احمد صاحب بی ایس سی، امیر جماعت المسلمین۔ ص ۸

روایت یا رسولی تفسیر نہ پیش کر سکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا ہو کہ ان مواقع پر مجھ پر علیحدہ سے یہ یہ وحی آئی تھی! پس ان کی منطق جعلی ثابت ہو گئی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے الفاظ احسن الحدیث کی حیثیت سے دیکر یہ واضح کر دیا کہ رسول کی طرف سے تسلّیاں ان لوگوں کے اطمینانِ قلب (وَ لِتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ) کیلئے تھیں (ورنہ کوئی فرشتے تھوڑی ہی لڑنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں) ورنہ تو اصل مدد اللہ ہی کی ہوتی ہے (بشر طیکہ لوگ اس کی مدد پر ایمان رکھیں اور استقامت دکھائیں)۔ (یہی حقیقت سورہ انفال آیت ۹۔۱۰، اور سورہ حمٓ السجدہ آیت ۳۰ میں بتائی گئی ہے)۔ موصوف نے خود اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جو تسلّی و تشفی جنگ سے پہلے صحابہ کرام کو دی تھی اللہ تعالیٰ نے جنگ کے بعد اس کو قرآن مجید کے الفاظ میں نازل کر کے قیامت تک کے لئے اس کو صرف محفوظ ہی نہیں بلکہ اسے ایسی وحی بنا دیا جو تلاوت کی جائے (ص ۲۵۲)۔ پس اس تفسیر ہی سے ثابت ہو گیا کہ فرشتوں کے بارے میں یہ رسول کی طرف سے صحابہ کرام کو تسلّی تھی۔ یہ ان کے الفاظ تھے علیحدہ سے جنگ سے پہلے وحی خفی نہیں آئی تھی۔ ورنہ موصوف اپنے موقف کو سچ ثابت کرنے کیلئے وہ وحی خفی یا نام نہاد حدیث پیش کرتے بلکہ ان تینوں آیات (۱۲۴۔۱۲۲) کی تفسیر میں تو وہ ایک بھی نام نہاد حدیث پیش نہیں کر سکے پھر بھی دعویٰ ہے کہ حدیث قرآن کی شرح ہے اور جنگ سے پہلے وحی آئی تھی! کہئے کتنا عمدہ دھوکہ ہے!

آپ یہاں یہ حقیقت نوٹ کر لیں کہ فرشتے یعنی ملائکہ جنگیں لڑنے اور قتال کرنے کے لئے نہیں بھیجے جاتے[1] ورنہ پھر انسان اور مومنین کیوں جنگیں لڑیں اور قتال کریں؟ اگر ملائکہ جنگ لڑ کر جتا دیں تو پھر مومنین کا کیا کمال؟ دوسری بات یہ کہ اگر اللہ کو ملائکہ ہی جنگ و قتال کے لئے بھیجنا ہو تو ایک مَلِک ہی کافی ہے وہ سب کو تہس نہس کر سکتا ہے۔ یہ تو ایک غلط عقیدہ لوگوں کو دے دیا گیا حتیٰ کہ ۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں پاکستانی سپاہیوں کو (نام نہاد) فرشتے لڑتے ہوئے نظر آتے رہے (اس کے باوجود ۱۹۷۱ء میں انہوں نے بنگلہ دیش میں ہتھیار ڈال دیئے) یہ تو اللہ کا قانون ہے یا اصول ہے کہ انسان کا مقابلہ انسان ہی کرے گا، جس کی پوری تیاری ہو گی، جس کا اپنے مقصد پر ایقان ہو گا، جو رسولوں کی طرح جنگ میں استقامت دکھائے گا اور پیٹھ نہیں دکھائے گا اور اپنے کمانڈر یا جرنیل کی فراست و حکم کے مطابق لڑے گا وہ کامیاب ہو گا۔ اس کی زندہ مثال خود مومنین کا جنگ احد میں حزیمت اُٹھانا ہے جبکہ وہ صرف ایک چیز میں چُوک گئے یعنی انہوں نے اپنے کمانڈر کی فراست و حکم کے مطابق عمل نہیں کیا۔ اس وقت کوئی فرشتے مدد کرنے نہیں آئے!

بہر حال یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا مومنین کو تسلیاں دینا علیحدہ سے غیر قرآنی وحی نہیں تھا۔ اور اگر تھا تو لاؤ پیش کرو؟ خود موصوف جیسا کٹر اہلحدیث اپنی تفسیر میں کوئی حدیث نہ پیش کر سکا۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کا یہ بیان کہ

"آیت کا انداز بتا رہا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہی رسول اللہ ﷺ نے بطور تسلّی صحابہ کرام

---

[1] نہ ہی جنگ بدر یا کسی اور جنگ میں لڑنے کیلئے فرشتے آئے۔ خود اہلحدیث علما کے نزدیک اس سلسلہ میں کوئی صحیح (نام نہاد) حدیث موجود نہیں ہے۔ لوگوں میں جو مشہور ہے وہ صرف ذاکرین کا کمال ہے۔

کو تین ہزار فرشتوں کی امداد کی خبر دی تھی۔ کیونکہ یہ خبر قرآن مجید میں کہیں نہیں ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی وحی آئی تھی جس کی بنیاد پر آپ نے یہ خوشخبری دی تھی[1]" جھوٹ کا پلندہ اور دھوکہ ہے۔ (نام نہاد) احادیث میں بھی ایسی کوئی خبر نہیں ہے۔ اور نہ ہی تفسیر میں ایسی کوئی رسولی تفسیر ہے!

موصوف کے من گھڑت تصورِ حدیث کی ردّ میں دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

"وَ قَالُوْا لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ مَلَكٌ ؕ وَ لَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِیَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ ۝ وَ لَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّ لَلَبَسْنَا عَلَیْهِمْ مَّا یَلْبِسُوْنَ ۝

ترجمہ: جو لوگ کہتے ہیں کہ ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہیں نازل ہوا (جو ان کی تصدیق کرتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ) اگر ہم فرشتہ نازل کر دیتے تو پھر کام ہی تمام ہو جاتا پھر (یقیناً عذاب الٰہی نازل ہوتا اور) انہیں (بالکل) مہلت نہ ملتی (۸) اور اگر ہم کسی فرشتہ کو رسول بنا کر (بھیجتے) تو اس کو بھی انسانی شکل ہی میں بھیجتے، اس طرح ہم ان کو پھر اسی شبہ میں ڈال دیتے جس شبہ میں یہ اب مبتلا ہیں (۹) (الانعام آیات ۸۔۹، ص ۱۷۰، جزء۔ ۴)

قارئین غور کیجئے کہ یہ دونوں آیات قول فیصل ہیں، اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہیں، اللہ تعالیٰ کی سنت ہیں، اللہ تعالیٰ کے اصول ہیں کہ: (۱)۔ اب اللہ تعالیٰ فرشتہ / فرشتے نازل نہیں فرماتا بلکہ اب تو وہ دنیا ہی کا) کام تمام کرنے کے لئے نازل کیا جائے گا۔ (۲۹۔ فرشتہ بھی اگر بھیجا جاتا تو انسان ہی بنا کر بھیجا جاتا جبکہ مشرکین و معترضین تو پہلے ہی یہی اعتراض کر رہے تھے کہ ہمارے جیسے ہی انسان کو رسول کیوں بنایا!

غرضیکہ، ہر طرح سے، قرآن کریم ہی کی حکمت بالغہ سے موصوف کا بدعقیدہ باطل ثابت ہو گیا۔

نیز یہ بھی ثابت ہو گیا کہ، بطور مُلّا کے' وحی لیکر آنے والا فرشتہ انیس سو پروں والا انسان نما جاندار نہیں تھا۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وہ قوت تھا جو قلب پر وحی نازل کرنے کا ذریعہ بنتا تھا۔

**۲۔** آگے موصوف دوسری دلیل کے طور پر فرماتے ہیں:

"دلیل نمبر ۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ؕ (بقرہ: ۱۴۳)

اور (اے رسول) جس قبلہ کی طرف آپ پہلے منہ کرتے تھے اس کو ہم نے کسی اور مقصد کے لئے مقرر نہیں کیا تھا سوائے اس کے کہ ہم یہ دیکھ لیں کہ کون رسول کے پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں (کفر کی طرف) واپس ہو جاتا ہے۔

یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں نہیں۔ لہٰذ ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی وحی تھی جس کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا تھا" (رسالہ: "حدیث بھی کتاب اللہ ہے"۔ ص ۳ نیز کتاب "برہان المسلمین" ص ۸)"

[1] کتابچہ: "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" ص ۳۔ نیز کتاب "برہان المسلمین"۔ ص ۸

قارئین اس سے پہلے کہ ہم کوئی تبصرہ کریں، ذرا آیت کے اس حصہ کی موصوف کی لکھی ہوئی تفسیر بھی دیکھتے چلیئے۔ ملاحظہ ہو:

"**تفسیر:** پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا(وَ مَا جَعَلۡنَا الۡقِبۡلَۃَ الَّتِیۡ کُنۡتَ عَلَیۡہَاۤ اِلَّا لِنَعۡلَمَ مَنۡ یَّتَّبِعُ الرَّسُوۡلَ مِمَّنۡ یَّنۡقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیۡہِ) ہم نے اس قبلہ کو جس پر آپ اب تک قائم تھے۔ اس لئے مقرر کیا تھا کہ ہم یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون الٹے پیر واپس لوٹ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کے حکم کا مقصد بیان فرمایا۔ بیت المقدس کی طرف منہ کرنا گویا اتباعِ رسول کی ایک جانچ تھی، وہ لوگ جو قبلۂ ابراہیمی کے ماننے والے تھے ان کے لئے یہ بات ایک امتحان تھی، وہ اس امتحان میں کامیاب ہوئے اور بغیر کسی چون وچرا کے قبلہ ابراہیمی کو چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے لگے، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع کیا اور اپنے آبائی قبلہ کی حمایت میں ایک لفظ نہ کہا۔ پھر جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو وہ بھی ایک امتحان تھا، بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم در حقیقت اس امتحان کا پیش خیمہ تھا اگر بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم نہ دیا گیا ہوتا تو تحویلِ قبلہ واقع ہی نہیں ہوتا۔ اور جب تحویل قبلہ نہ ہوتا تو امتحان کیسے ہوتا۔

الغرض جب تحویلِ قبلہ کا حکم نازل ہوا تو بے وقوف لوگوں نے اعتراض کیا، کمزور ایمان والے ڈگمگا گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے، اس طرح سچے ایمان والوں ک جانچ ہو گئی اور وہ برائے نام ایمان لانے والوں سے ممتاز ہو گئے۔ (البقرہ ۱۴۳ص ۲۶۶۔ جزء۔ ۱)"

غور کیجئے موصوف نے اپنی تفسیر میں الفاظ یا اصطلاح "تحویلِ قبلہ" استعمال کی ہے جو کہ اس آیت کریمہ ہی کیا کسی اور آیت میں بھی پورے قرآن میں استعمال نہیں ہوئی۔ یہ ایک خود ساختہ اصطلاح ہے اور اسی طرح یہ بھی خود ساختہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ اور پھر بعد میں وہ حکم منسوخ کر کے بیت الحرام یعنی خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا! (ہمارے نزدیک اس آیت کا تعلق "بیت المقدس" سے یا "تحویلِ قبلہ" سے ہے ہی نہیں۔ یہ دونوں الفاظ نہ تو اس آیت کریمہ میں استعمال ہوئے ہیں اور نہ ہی اس سے آگے پیچھے کسی آیت میں) ایسا اس لئے ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو شروع ہی سے قبلہ بنایا ہوا تھا جسے پہلا گھر (اَوَّلَ بَیۡتٍ) ہونے کا شرف حاصل ہے۔ قرآنی شہادت ملاحظہ ہو:

(۱)۔ "جَعَلَ اللّٰہُ الۡکَعۡبَۃَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ......... المائدہ:۹۷

ترجمہ: اللہ نے کعبہ کو حرمت والا گھر قرار دیا ہے (تاکہ) لوگ (وہاں امن کے ساتھ) قیام کر سکیں......"
(المائدہ۔ آیت ۹۷، ص ۸۱۹، جزء۔ ۳)

(۲)۔ "اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ۹۶﴾

ترجمہ: سب سے پہلا گھر جو لوگوں (کی عبادت) کے لئے بنایا گیا وہی ہے جو مکّہ میں ہے' وہ بابرکت ہے اور تمام اقوام عالم کے لئے رہنما ہے" (آل عمران آیت ۹۶، ص ۱۷۵، جزء۔ ۲)

غور کیجئے کہ کتنے واضح الفاظ میں خانہ کعبہ ہی کو بیت الحرام تمام انسانوں اور تمام عالمین کے لئے بتایا جارہا ہے تو یہ

محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کے لئے کیسے بدل سکتا ہے کہ بیت المقدس ہو جائے جس کا نام تک قرآن کریم میں نہیں ہے۔ قرآن کریم میں یہ ذکر بھی کہیں نہیں کہ "بیتِ اوّل" تو خانہ کعبہ تھا لیکن "بیتِ دوم" بیت المقدس تھا۔ قرآن کریم میں بیتِ اوّل سے بیتِ دوم کی طرف منہ کرنے یا اس کو قبلہ بنائے جانے کا حکم بھی نہیں جبکہ موصوف اپنی تفسیر میں (جو اوپر نقل کی گئی) اس کے بر خلاف لکھ رہے ہیں۔ اور پھر ان کا خود تراشیدہ عقیدہ یہ ہے کہ "بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی وحی تھی جس کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا تھا"

غور کیجئے، اس سے بڑا دھوکہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک عقیدہ خود بنالو اور پھر یہ کہو کہ یہ قرآن میں نہیں اس لئے ثابت ہوا کہ وہ قرآن کے علاوہ وحی ہے!

ہم چیلنج کرتے ہیں کہ موصوف یا ان کا کوئی مّتبع یہ حکم غیر قرآنی جعلی وحی یعنی (نام نہاد) حدیث میں دکھادے۔ لاؤ پیش کرو اگر تم سچے ہو!

موصوف کا مکر تو اسی حقیقت سے ثابت ہو گیا کہ موصوف خود اپنی لکھی ہوئی تفسیر میں ایسی کوئی (نام نہاد) حدیث یا رسولی تفسیر نہ پیش کر سکے جس میں بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا گیا ہو! اس طرح موصوف کا یہ دعویٰ بھی دھوکہ ہی ثابت ہو گیا کہ قرآن کی تشریح و توضیح و تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کی۔ لاؤ کہاں ہے وہ رسولی تفسیر اس آیت مبارکہ کی؟ لاؤ کہاں ہے وہ حکم وحی پوشیدہ میں کہ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو؟ ہماری قوم مسلم کی یہ بد قسمتی یا بد بختی کہی جا سکتی ہے کہ ہمارے علما فضلاء ہی ہمیشہ قوم کو گمراہ کرتے رہے اور نئی نئی اصطلاحات اور نئے نئے عقائد بناتے رہے اور اس کے لئے نئی نئی روایات گھڑ گھڑ کر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کرتے رہے۔ غور کیجئے کہ موصوف نے تو یہاں تک جسارت کر لی کہ لکھ دیا کہ بیت الحرام سے بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے غیر قرآنی وحی میں دیا۔ مگر ہمارے دَور کے ایک جدید عالم، صدی کے انسان اور مزاج شناس رسول بھی اس عقیدہ کی آنچ سے نہ بچ سکے وہ اپنا دامن بچاتے ہوئے اللہ پر تو الزام نہ لگا سکے تو انہوں نے سارا بوجھ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر ڈال دیا۔ ملاحظہ ہو اس آیت کا حاشیہ:

> "نبی ﷺ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں سولہ یا سترہ مہینے تک بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ پھر کعبے کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آیا" (ص ۱۷، ترجمۂ قرآن مجید، مع مختصر حواشی، از سید الو الاعلیٰ مودودی صاحب، ادارہ ترجمان القرآن لاہور)

غور کیجئے کہ کعبہ مکرمہ وہ مقام ہے جسے نہ صرف حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل از سرِ نو تعمیر کرتے ہیں بلکہ وہاں حج بھی شروع کراتے ہیں یعنی یہ ان کا قبلہ رہتا پھر ان کی اولاد یعنی بنی اسماعیل اور تمام عالمین کا قبلہ رہتا ہے، حتیٰ کہ بنی اسمٰعیل میں محمد سلامٌ علیہ پیدا ہوتے ہیں تو اسی قبلہ کے پاس، پھر وہیں ان کی بعثت نبوت ہوتی ہے اور وہ اسی قبلہ میں کھڑے ہو کر صلوٰۃ ادا کرتے ہیں وہ صلوٰۃ جو انہیں ملّۃ ابراہیم سے ورثہ میں ملتی ہے (تواتر توارث) یونکہ انہیں ملۃ ابراہیم ہی کی اتباع کرنے کا حکم تھا (۹۵/۳، ۱۲۳/۱۶) (اور پھر وہ نماز بھی اسی قبلہ میں کھڑے ہو کر ادا کرتے ہیں جس کا حکم ان کو بقول روایات شب معراج میں ہوتا ہے جو کہ مّکی زندگی ہی کا واقعہ ہے) مگر جب وہ حالات کے تحت مکہ مکرمہ سے ہجرت

کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آتے ہیں تو قبلہ بجائے مکہ مکرمہ کے بیت المقدس کو بنا لیتے ہیں اور سولہ سترہ مہینے تک ادھر منہ کر کے نماز پڑھتے رہتے ہیں گویا کہ وہ اب اتباعِ ملۃ ابراہیم یعنی قبلہ ابراہیم[1] سے منہ پھیر لیتے ہیں[2]! (معاذ اللہ) یہ ہے کارنامہ دورِ جدید کے مزاج شناس رسول کا! غور کیجئے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ اللہ کے حکم کہ "فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا" کے خلاف عمل کر سکتے تھے؟ انہوں نے کس کے حکم سے قبلہ بدلا تھا؟ وہ حکم کہاں ہے؟؟؟

یہاں دوسری جو قابلِ غور بات ہے اور بہت اہم ہے وہ یہ کہ موصوف نے اپنی تفسیر کے مطابق بہت سے کمزور ایمان والے مومنین یعنی صحابہ کرام کو کفر کی طرف لوٹا دیا۔ دیکھئے ان کے الفاظ:

"الغرض جب تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو بے وقوف لوگوں نے اعتراض کیا، کمزور ایمان والے ڈگمگا گئے اور کفر کی طرف لوٹ گئے"۔ (ص ۴۶۶، جزء۔۱)

یہاں یہ سوال قدرتی طور پر پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے صحابہؓ تھے جو مدینہ منورہ میں کفر کی طرف لوٹ گئے تھے یعنی مرتد ہو گئے تھے؟ ان کی تعداد کتنی تھی؟ اور پھر کیا ان کو مرتد ہونے کے جرم میں (موصوف کے عقیدہ قتلِ مرتد کے مطابق)) قتل کیا گیا تھا یا نہیں؟ اگر قتل کیا گیا تو پھر تو مدینہ کی گلیاں خون سے بھر گئی ہوں گی! اور اگر نہیں تو پھر قتلِ مرتد کا عقیدہ کہاں سے آیا؟ (معاذ اللہ) بہر حال یہ قدرتی اور دلچسپ سوالات ہیں مگر اس سے زیادہ دلچسپ یا قابلِ افسوس حقیقت یہ ہے کہ موصوف نے اپنے خود ساختہ عقیدہ کی خاطر حیاتِ رسول ہی میں (کچھ) صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو مرتد قرار دیدیا (گو کہ ان کی تعداد نہیں لکھی) (گویا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی ساری محنت شاقہ، تزکیہ نفس و قرآن و حکمت کی تعلیم ضائع ہو گئی۔ نعوذ باللہ) جبکہ موصوف ہی کی طرح کے ایک اور فرقۂ مومنین نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے فوراً بعد سوائے تین کے باقی تمام صحابہؓ کو مرتد قرار دیا ہوا ہے (معاذ اللہ)۔ اب آپ خود فیصلہ کریں کہ دونوں فرقوں میں سے زیادہ خطرناک کونسا ہوا؟

اس موقعہ پر موصوف کے امام بخاری کی ایک (نام نہاد) حدیث بھی دیکھتے چلئے جس سے ان کا عقیدہ بھی شاید واضح ہو جائے، یہ (نام نہاد) حدیث انہوں نے اپنی بخاری شریف کی جلد۔۱ میں کتاب الاذان کے باب فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت" میں بیان فرمائی ہے اس سے ان کی کتاب کے معیار کا بھی پتہ لگتا ہے:

"حدیث نمبر ۶۱۸۔ حدثنا عمر بن حفص قال حدثنا ابی قال حدثنا الاعمش قال سمعت سالماً قال سمعتُ اُم الدَّرداءِ تَقُولُ دَخل عَلَيَّ ابو الدَّرداءِ وَ هُوَ مُغْضَبٌ فَقُلْتُ مَا اَغْضَبَكَ قَال وَاللهِ مَا اَعرِفُ مِن اَمْرِ محمدٍ صلی اللہ علیه وسلم شَيْئًا اِلَّا اَنَّهُمْ يُصَلُّوْنَ جَمِيْعًا۔

عمر بن حفص، حفص، اعمش، سالم روایت کرتے ہیں، کہ میں نے ام درداء کو کہتے ہوئے سنا، وہ کہتی تھیں، کہ (ایک دن) ابو درداء میرے پاس غصہ میں بھرے ہوئے آئے میں نے کہا کہ آپ کو کیوں اتنا غصہ آ گیا؟ بولے کہ اللہ کی قسم! محمد ﷺ کے دین کی کوئی بات (اب) میں نہیں دیکھتا، صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں[3]

---

۱۔ غور کیجئے کہ قِبْلَةً، مِلَّةً ہی کے مترادف ہے یونکہ دونوں کی اتباع کا ذکر ہو رہا ہے۔ ۲۔ گویا کہ یہ ان کا اپنا فعل تھا یعنی تقریری وحی تھی۔ (معاذ اللہ)۔ ۳۔ صحیح بخاری شریف، قمر سعید پبلشرز۔ لاہور۔ ۱۹۷۹ء کتاب الاذان، باب فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت (ص ۲۹۸) جلد اوّل

غور کیجئے کہ یہ ام درداءؓ ایک صحابیہ ہیں اور ابو درداءؓ صحابی اور یہ ان کے تاثرات ہیں۔ نعوذ باللہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی ساری زندگی کی محنت اکارت گئی۔ غور کیجئے کیا کوئی صحابی ایسی بات کہہ سکتے تھے یا ان کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے تا کہ صحابیوں کے معاشرہ کو بیکار ثابت کیا جاسکے!

الغرض یہ حقیقت انتہائی افسوسناک اور بھیانک ہے کہ نہ تو ہمارے محدثین کرام، نہ ہی مفسرینِ کرام اور نہ ہی ہمارے موصوفِ کریم نے ایسی من گھڑت روایت لکھتے ہوئے کبھی یہ سوچا کہ:

(۱)۔ کیا اللہ تعالیٰ نے کعبۃ اللہ کے علاوہ بھی کوئی قبلہ مقرر کیا تھا یا ہے؟

(۲)۔ کیا اللہ تعالیٰ کا قانون بدلتا رہتا ہے کہ شروع ہی سے جس "بَيْت" کو قبلہ بنایا ہوا تھا اس کو بدلتا رہا؟

(۳)۔ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں بھی یروشلم کے ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات کو بیت المقدس کہا جاتا تھا یا یہ نام بہت بعد میں پڑا؟

(۴)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں یروشلم کے ہیکل سلیمانی کی کیا حیثیت تھی؟ کیا اس وقت اس کا وجود تھا بھی یا نہیں؟

(۵)۔ کیا اب جو بیت المقدس کہلاتا ہے وہ بھی قبلہ ہے؟

(۶)۔ اگر وہ دوسرا قبلہ ہے تو اس کا ذکر "اَوَّلَ بَيْتٍ" کی طرح قرآن کریم میں کیوں نہیں ہے؟

(۷)۔ محدثین کرام کے مطابق تحویلِ قبلہ مسجد نبوی میں ہوا جبکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ صلوٰۃ کی امامت فرما رہے تھے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر اس لحاظ سے تو مسجد نبوی کو مسجد قبلتین یعنی دو قبلوں والی مسجد ہونا چاہئے تھا، جبکہ مسجد قبلتین مدینہ سے باہر بنائی گئی تھی! سوچئے کہ مسجد نبوی کو اس تقدس سے محروم کر دیا گیا؟

(۸)۔ مسلمانوں نے بیت المقدس یعنی یروشلم کے ہیکل سلیمانی کو قبلۂ اول کس کے اشارہ پر کہنا شروع کر دیا؟ کیا قرآنِ کریم سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے؟

(۹)۔ خود محدثین و مفسرین کرام کے مطابق رسول اللہ سلامٌ علیہ اور دیگر صحابہؓ خانہ کعبہ ہی میں یا اس کی طرف منہ کر کے صلوٰۃ ادا کرتے رہے پھر ہجرت کے بعد انہوں نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے صلوٰۃ ادا کی! اگر اس فریب کو سچ مان بھی لیا جائے تو بھی تو بیت المقدس قبلہ اوّل کیسے قرار پا سکتا ہے؟ قبلہ اول تو خانہ کعبہ ہی رہا اور قبلہ دوم بیت المقدس ہوا اور پھر قبلہ سوم خانہ کعبہ ہوا! تو بیت المقدس کو قبلہ اوّل کیونکر اور کس نے قرار دیا؟ لائیے کچھ رسولی تفسیر سے بتایئے۔ کچھ تو روشنی ڈالئے ہم اندھوں کے لئے!

(۱۰)۔ موصوف کے مطابق "بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید کے علاوہ کوئی وحی تھی جس کے ذریعہ یہ حکم دیا گیا" گویا کہ موصوف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے وحی پوشیدہ میں (ڈرتے ڈرتے، چھپتے چھپاتے۔ نعوذ باللہ) اپنا پہلا حکم بدلا تھا کہ شروع انسانیت سے جو مسلمین اور تمام انبیاء کرام کا قبلہ چلا آرہا تھا اسے بدل دیا تھا۔

۱۔ تو پہلی بات تو یہ کہ اللہ کا حکم یا قول بدلا نہیں کرتا (۵۰/۲۹)

۲۔ دوسری بات یہ کہ اگر حکم بدلنا ہی تھا تو پھر ببانگِ دہل "الکتٰب" میں ہی ایسا کرنا تھا چھپ چھپا کر کرنے کی کیا ایمرجنسی ہو گئی تھی! نیز وہ حکم ہے کہاں؟؟

۳۔ تیسری بات یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قبلہ بدلنے کا حکم دیا تھا تو پھر تو رسول کو اس پر آنکھیں بند کر کے اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا عمل کرتے رہنا چاہئے تھا اور دل میں اس کے خلاف کوئی خیال تک نہ لانا چاہئے تھا۔ نا کہ وہ بار بار آسمان کی طرف منہ کر کے (موصوف اور بخاری کے مطابق) یہ خواہش کرتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم کالعدم قرار دیدے اور پھر قبلہ اوّل ہی کو قبلہ بنادے کہئے کیا رسول، اللہ تعالیٰ کے فیصلہ یا حکم یا مرضی کے خلاف اس طرح دل میں خیال لاسکتے ہیں؟ غور کیجئے!

(۱۱)۔ ایسی بے سر و پا روایت لکھ کر محدثین و مفسرین کرام کس کو تقویت پہنچا رہے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن کریم ہی میں ایک اصولی فیصلہ دے کر اس قسم کی شیطانی روایت کو جڑ ہی سے کاٹ کر رکھ دیا ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

........ وَمَآ ......... اَنْتَ ............ بِتَابِعٍ ............... قِبْلَتَهُمْ (البقرہ آیت ۱۴۵)

۱)۔ اور نہیں.......... آپ.......... اتباع کرنیوالے..... قبلے اُن کے.......... (ترجمہ: شاہ رفیع الدین صاحب)

۲)۔ اور تم بھی اُن کے قبلے کی پیروی کرنے والے نہیں ہو...................... (ترجمہ: فتح محمد جالندھری صاحب)

۳)۔ اور نہ تمہارے لئے یہ ممکن ہے کہ اُن کے قبلے کی پیروی کرو.......... ترجمہ: سید مودودی صاحب)

۴)۔ اور نہ آپ اُن کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہو۔...................... (ترجمہ: سید محمد رفاعی عرب صاحب)

۵)۔ اور نہ تم ہی اُن کے قبلے کی پیروی کرنے والے ہو۔...................... (ترجمہ: ڈپٹی نذیر احمد صاحب)

۶)۔ اور (اے رسول) آپ تو اب ان کے قبلہ کی طرف منہ کر ہی نہیں سکتے۔ (ترجمہ موصوف از تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۱، ص ۱۷۴)

غور کیجئے، اُوپر ہم نے ایک تحت الالفظ ترجمہ اور چار دوسرے ترجمے لکھے ہیں۔ مگر چھٹا ترجمہ موصوف کا ملاحظہ کیجئے اور نوٹ کیجئے کہ موصوف نے اپنے عقیدہ کے تحت ترجمہ میں لفظ "اب" بڑھا کر معنوی تحریف کی ہے! ان سے یا ان کے متبعین سے پوچھئے کہ ترجمہ میں لفظ "اب" کس عربی لفظ کا ترجمہ ہے؟ جس سے انہوں نے آیت کے معنی ہی بدلنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال آپ پوری آیت پڑھ کر اس کا ترجمہ دیکھ کر فیصلہ کیجئے کہ کیا واقعی یروشلم کا ہیکل سلیمانی بھی رسول اللہ سلام علیہ کا قبلہ بنایا گیا تھا؟ جبکہ ہیکل سلیمانی کا اس وقت وجود بھی نہ تھا۔

## نماز / صلوٰۃ کے بارے میں وحی دکھانے کا چیلنج

**۳۔** آگے موصوف کی ایک اور دلیل دیکھتے چلئے جو بہت اہم ہے۔

"دلیل نمبر ۴: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾ (بقرہ: ۲۳۸۔۲۳۹)

نمازوں کی حفاظت کرو اور خاص طور پر بیچ کی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو۔ پھر

اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو (چلتے پھرتے) پیدل بھی اور سواری پر بھی نماز ادا کرسکتے ہو لیکن جب امن ہو جائے تو پھر اللہ کو اسی طرح یاد کرو جس طرح تمہیں اللہ نے سکھایا ہے جس کو تم نہیں جانتے تھے۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ حالتِ امن میں کوئی خاص طریقہ ہے جس طریقہ سے نماز ادا کی جاتی ہے اور یہی وہ طریقہ ہے جس کے متعلق ارشاد ہے "اللہ نے تمہیں سکھایا" پورا قرآن مجید پڑھ جایئے نماز کا طریقہ آپ کو نہیں ملے گا۔ لہٰذا اللہ نے کسی اور ذریعہ سے نماز کا طریقہ سکھایا ہے اور یہی وہ ذریعہ ہے جس کو حدیث کہا جاتا ہے۔ لہٰذا حدیث بھی منزّل من اللہ ہے"۔ (رسالہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے"۔ ص ۴۔۵۔ نیز کتاب: "برہان المسلمین" ص ۱۴۔۱۵)

غور کیجئے، یہاں موصوف نے وہ انتہائی اہم بات بیان کی ہے جس کی ہم وضاحت کرکے ڈھول کا پول کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ تمام اہلحدیث قرآن کریم کے الفاظ "كَمَا عَلَّمَكُمْ" (جیسا اللہ نے تمہیں سکھایا) کو پیش کرکے کہتے ہیں کہ نماز کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے علاوہ جبریل کو بھیج کر سکھایا۔ اس لئے وہ بھی وحی ہے۔ یہی کچھ موصوف بھی کہہ رہے ہیں کہ وہ منزّل من اللہ ہے۔ اور اس کے ذریعہ (نام نہاد) حدیث کو وحی الٰہی ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ موصوف اس آیت کی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں:

تفسیر: "اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں نماز کے طریقہ کی تعلیم نہیں دی، پھر بھی تعلیم کے فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا، نماز کا یہ طریقہ جو اللہ تعالیٰ نے سکھایا احادیث میں ملتا ہے اور کیونکہ نماز کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے سکھایا ہے لہٰذا احادیث میں جو طریقہ دیا ہوا ہے وہ سب من جانب اللہ ہے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام صرف قرآن مجید ہی کے ذریعہ نازل نہیں ہوتے تھے بلکہ اور طریقے سے بھی نازل ہوتے تھے۔ اسی طریقے کو حدیث کہتے ہیں، گویا حدیث بھی منجانب اللہ وحی ہے اور منزل من اللہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز کو فرض کیا اور آیت زیرِ تفسیر میں اس کے طریقہ کو بھی فرض کر دیا لہٰذا وہ طریقہ جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ نے نماز ادا کی سب کا سب فرض ہے، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الاذان للمسافر ازا کانوا جماعۃ جزء۔ اول ص ۱۶۲)

نماز اسی طرح پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔" (ص ۸۷۱۔۸۷۲، جزء۔۱) "

قارئین یہاں اس روایت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "دیکھنے سے" تو صرف حرکات و سکنات نظر آتی ہیں، یعنی یہ پتہ لگتا ہے کہ نماز کے ارکان کس طرح ادا کرنے ہیں، مگر ان ارکان میں کیا پڑھنا ہے، یہ کیسے پتہ لگے گا؟ اس کے لئے پھر ہر فرقہ علیحدہ علیحدہ (نام نہاد) احادیث پیش کرتا ہے کہ فلاں رکن میں یہ پڑھنا ہے اور فلاں رکن میں یہ۔ مگر کوئی بھی ایسی ایک بھی (نام نہاد) حدیث پیش کرنے سے قاصر ہے جس میں وحی خفی یعنی پوشیدہ وحی کے آنے کا ذکر ہو یا جبریل کے آنے کا ذکر ہو کہ جبریل نے آکر نماز اس طرح پڑھنا سکھائی اور نماز پڑھنے کا بس یہی طریقہ ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر مندرجہ ذیل سوالات پیدا ہوتے ہیں جو ایک چیلنج کی حیثیت رکھتے ہیں:

# چیلنج

(۱)۔ جن جن طریقوں سے نماز رائج ہے، یا جو مختلف طریقے (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں ملتے ہیں کیا وہ سب وحی ہیں؟ کیا وہ سب طریقے جبریل نے آکر سکھائے تھے؟

(۲)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں سارے نماز کے طریقے نہ سہی کوئی ایک طریقہ بھی جبریل نے آکر شروع سے آخر تک بتایا ہو؟

(۳)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر نیت کرنے یا نہ کرنے کا طریقہ بتایا ہو؟

(۴)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ فلاں فلاں وقت کی نمازیں اللہ تعالیٰ کے حکمِ قرآن (۱۷/۱۱۰) کے خلاف سرّی پڑھنا ہے اور فلاں فلاں وقت کی جہری؟

(۵)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ نماز کیلئے جمع ہونے کے لئے اذان اس طرح دی جائے اور اس میں یہ الفاظ کہے جائیں اور اقامت میں یہ الفاظ کہے جائیں؟

(۶)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ نماز باجماعت واجب ہے اس لئے جماعت سے پڑھنا چاہئے؟

(۷)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ جماعت کی صفیں سیدھی بنیں گی یا گولائی میں؟

(۸)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ نماز باجماعت میں ایک امام بھی ہو گا اور وہ کہاں کھڑا ہو گا؟ صفوں کے آگے یا پہلی صف کے درمیان؟

(۹)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ فلاں فلاں نماز میں اتنی اتنی رکعتیں فرض ہیں، اتنی اتنی سنت اور اتنی اتنی نفل؟

(۱۰)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ جماعت کی نماز میں عورتوں کو شامل کرنا ہے یا نہیں؟

(۱۱)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ نماز باجماعت میں یا نماز جمعہ میں امامت کون کرے گا؟

(۱۲)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ جمعہ کی نماز کس وقت اور کتنی رکعتیں پڑھنا ہیں؟

(۱۳)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر جمعہ کا خطبہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو یاد کرایا ہو (جس میں خلفائے راشدین اور دیگر کے نام تک پڑھے جاتے ہیں اور اس کو مسنون خطبہ کہا جاتا ہے یعنی وہ خطبہ جو رسول اللہ سلامٌ علیہ پڑھا کرتے تھے؟)

(۱۴)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ دیہاتوں و قصبوں میں جمعہ کی نماز نہیں پڑھنا؟

(۱۵)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ جمعہ کی نماز کی امامت صرف امام وقت ہی کر سکتا ہے مجتہد نہیں ورنہ جمعہ کی نماز حرام ہو گی؟ (شیعہ اخباریئن کا عقیدہ)

(۱۶)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ جب امام نماز پڑھا رہا ہو تو مقتدی تلاوت نہیں کریں گے؟

(۱۷)۔ لاؤ وہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ جب امام نماز پڑھا رہا ہو تو دن کی نمازیں وہ بھی سرّی پڑھے گا (اللہ تعالیٰ کے حکم ۱۷/۱۱۰ کے خلاف)

(۱۸)۔لاؤوہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایاہو کہ جو جمعہ کی جماعت میں شریک نہ ہو سکے یا عورتیں،جمعہ کی جگہ ظہر کی نماز پڑھیں؟

(۱۹)۔لاؤوہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایاہو کہ عیدین پر بھی نماز پڑھنا ہے،فلاں فلاں اوقات میں،اتنی اتنی رکعات اور اس اس طرح سے؟

(۲۰)۔لاؤوہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایاہو کہ جب سورج گرہن یا چاند گرہن کا فطری عمل ہو تو نماز پڑھو اور اس اس طرح سے؟

(۲۱)۔لاؤوہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایاہو کہ نماز جنازہ بھی پڑھنا ہے اور اس طرح پڑھنا ہے؟(جبکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی خود نماز جنازہ باجماعت پڑھے جانے کا کوئی ثبوت نہیں؟۔غرضیکہ اسی طرح سے اور بہت سے سوال پیدا ہوتے ہیں۔

(۲۲)۔لاؤوہ وحی پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر بتایاہو کہ نماز کے ارکان میں کیا کیا پڑھنا ہے؟

قارئین دیگر کی تو بات ہی علیحدہ ہے،سب سے بڑے اہلحدیث،موصوف خود،اس طرح کی کوئی وحی پوشیدہ نہ پیش کر سکے جس میں وحی کے نزول کی کیفیت ہو سوائے اس کے کہ سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۰۳ کی تفسیر میں ایک جگہ فرماتے ہیں:

"آیت زیرِ تفسیر میں اللہ تعالیٰ نے اوقات مقررہ کا ذکر فرمایا لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ اوقات کب سے کب تک رہتے ہیں۔اوقات کی تفصیل احادیث میں ملتی ہے لہٰذا اب ہم احادیث سے اوقات کی تفصیل بیان کرتے ہیں:

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

[1]جبریل نازل ہوئے،انہوں نے نماز پڑھی،رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی پھر انہوں نے نماز پڑھی تو رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی پھر انہوں نے نماز پڑھی،رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی،پھر انہوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی پھر انہوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ نے بھی نماز پڑھی پھر آپ نے فرمایا مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔(صحیح بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب و قولہ:۔اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا جزء اول ص۱۲۹)" (ص ۳۴۲۔۳۴۳۔جزء۔۳)

قارئین کہئے بخاری شریف کی اس (نام نہاد) حدیث کو پڑھ کر آپ کو کیا سمجھ آیا؟ کونسا وقت پتہ چلا؟ نیز یہ کہ یہ تو رسول اللہ سلامٌ علیہ خود نہیں بتا رہے بلکہ صحابی بتا رہے ہیں شاید اس لئے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔چلئے وہ روایت دیکھ لیتے ہیں جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ خود بتا رہے ہیں۔ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

[2]جبریل نازل ہوئے،انہوں نے میری امامت کی میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی،پھر میں نے ان کے

---

[1]۔اس روایت کا عربی متن میں نے نہیں لکھا صرف ترجمہ نقل کر دیا ہے۔۔[2]۔اس روایت کا عربی متن میں نے نہیں لکھا صرف ترجمہ نقل کر دیا ہے۔

ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی، پھر میں نے ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب اوقات الصلوٰۃ الخمس جزء اوّل ص ۲۴۵) " (ص ۳۴۳، جزء۔۳)

کہئے! اب آپ کو کچھ معلوم ہوا کہ نماز کے اوقات کیا ہیں یا جبریل نے نماز کا کیا طریقہ بتایا؟ جو اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ بتایا۔ البتہ یہاں یہ نئی بات ضرور معلوم ہوئی کہ جبریل رسول اللہ سلامٌ علیہ کے امام بن گئے! (جبکہ دوسری (نام نہاد) احادیث میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو تمام انبیاء کرام کا امام بنادیا جاتا ہے! (دیکھئے واقعہ معراج) اس روایت کے پڑھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبریل کو نماز پڑھنے کا طریقہ کس نے سکھایا تھا؟ کیا اللہ میاں نے ان کی امامت کرکے نماز پڑھ کر دکھائی تھی جو عمل آکر انہوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ساتھ دوہرا دیا؟ پتہ نہیں محدثین کرام اس قسم کے مذاق کیوں کرتے ہیں! وہ تو بہت اونچے سُپر (Super) لوگ تھے اور ان سے غلطی کا امکان ہی نہیں تھا! (معاذ اللہ)

الغرض اس طرح سے موصوف اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ کھلا دھوکہ دیتے ہیں۔ البتہ اہل فقہ میں ایک سنجیدہ طبقہ بھی ہے جس کا عقیدہ ہے کہ نماز کا طریقہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اجتہادی طور پر خود مقرر فرمایا۔ اور یہی عقیدہ قرآن کریم سے زیادہ مطابقت رکھتا ہے یونکہ صلوٰۃ تو مِلَّۃَ اِبْرٰهِیْمَ کی اتباع میں رسول اللہ سلامٌ علیہ بعثت نبوی کے آغاز ہی سے پڑھ رہے تھے بلکہ شاید بچپن یا لڑکپن ہی سے پڑھ رہے تھے) حتیٰ کہ خانہ کعبہ میں دورانِ رکوع و سجود مشرکین مکہ ان سے شرارتیں کرتے رہتے تھے اور مذاق اڑایا کرتے تھے۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ ہجرت کے بعد آپ نے پرانے طریقہ میں کوئی ترامیم یا اصلاح کرلی ہو اور پھر وہ طریقہ رائج ہوگیا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب پارسی سازش رنگ دکھانے لگی اور (نام نہاد) احادیث گھڑی جانے لگیں اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے مقرر کردہ طریقہ صلوٰۃ کے پچاسیوں طریقے بن گئے اور ہر طریقے کے لئے (نام نہاد) احادیث کھڑلی گئیں! جس کے نتیجہ کے طور پر آج اصل طریقہ غائب ہے! اگر اصل طریقہ وحیِ الٰہی ہوتا تو وہ کبھی بھی غائب نہ ہوتا۔ اگر موصوف یہ دعویٰ کریں کہ اصل طریقہ ان کے پاس ہے تو یہ بھی دھوکہ ہوگا یونکہ انہوں نے تو یہ طریقہ تیرہ چودہ سو سال کے بعد موجود ذخیرہ (نام نہاد) احادیث میں سے چُن چُن کر اب بنایا ہے جس میں بھی بعض معمولی تبدیلیاں کتاب کے ایڈیشن کے ساتھ ساتھ ہوتی رہیں۔ نیز یہ کہ ہمارے نزدیک تو وہ بھی اصلاح طلب ہے مثلاً

(۱)۔ تشہد (یعنی التحیات) اور اس کے بعد کی دعاء میں:

"اَحْسَنُ الْکَلَامِ کَلَامُ اللّٰہِ وَ اَحْسَنُ الْھَدْیِ ھَدْیُ مُحَمّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ و سَلَّمَ" (ص ۸۹۵، جزء۔۱) میں کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ خود اپنے نام مبارک کے ساتھ "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ و سَلَّمَ" پڑھا کرتے تھے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ تو پھر یہ بعد کی پیداوار ہے جو شاید اصل دعاء میں بڑھادی گئی یا پھر پوری کی پوری دعاء ہی بعد کی پیداوار ہے اس لئے سنتِ رسول نہیں۔

(۲)۔ اسی طرح تشہد میں کیا رسول سلامٌ علیہ خود بھی "التحیات" پڑھا کرتے تھے اور اپنے اوپر سلام بھیجتے تھے یہ کہہ کر کہ "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَ رَحْمَۃُ اللّٰہِ وَ بَرَکَاتُہٗ" (اے نبی آپ پر سلام ہو، آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہو!) یا کسی اور نبی پر سلام بھیجتے تھے؟

............. قارئین آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ ایک محدث غیر پارسی بھی تھے۔ ان کا جمع کردہ مجموعہ (نام نہاد) احادیث "موطا مالک" کے نام سے مشہور ہے اور اہلحدیثوں نے اس کا بائیکاٹ کیا ہوا ہے۔ اس میں ایک (نام نہاد) حدیث ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد صحابہ کبارؓ "اَلسَّلَامُ عَلَى النَّبِيِ وَ رَحْمَةُ اللهِ وَ بَرَكَاتُهُ" کہنے لگے[1]۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ شرک کا شائبہ نہ رہے۔

(۳)۔ اسی طرح کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے اوپر تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھتے تھے؟ کیا درود شریف نماز میں پڑھنا سنت نبوی ہے؟

............. قارئین اب موصوف کی دلیل کی طرف لوٹ آیئے اور غور کیجئے کہ نماز پڑھنے کا وہ طریقہ کہاں ہے یا کیا ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے " كَمَا عَلَّمَكُمْ " فرمایا اور موصوف نے اس کا ترجمہ "تمہیں اللہ نے سکھایا" کر کے یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ وہ طریقہ قرآن کے علاوہ وحی کے ذریعہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو سکھایا گیا! آپ نے یہ تو پچھلے صفحات میں دیکھ ہی لیا کہ یہ کتنی بھونڈی کوشش تھی کہ جبریل نے آکر نماز پڑھنا سکھائی اور اس کے اوقات بتائے البتہ وضو کرنا اور اذان دینا سکھانا وہ بھول گئے (جس طرح پہلی وحی لانے کے موقعہ پر اللہ کا نام لینا بھول گئے تھے) اور اسی طرح ہم نے جو دیگر سوال اُٹھائے ہیں اُن کا طریقہ جبریل نے نہیں بتایا! تو پھر یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ نماز کا طریقہ اللہ نے سکھایا؟ تو آیئے غور کرتے ہیں کہ " كَمَا عَلَّمَكُمْ " کا کیا مطلب ہے؟

## " كَمَا عَلَّمَكُمْ " کا مطلب:

حقیقت یہ ہے کہ " كَمَا عَلَّمَكُمْ " اور اس سے ملتے جُلتے اور تقریباً ہم معنی الفاظ قرآن کریم میں جگہ جگہ استعمال کئے گئے ہیں مگر اس کا مطلب کہیں بھی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے لئے قرآن کے علاوہ وحی کر کے سکھایا بلکہ ان الفاظ کا مطلب ہوتا ہے کہ وہ فطری طور پر انجام پاتے ہیں یونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی فطرت اس چیز ہی میں رکھ دی ہے۔ مگر پورے قرآن کریم میں طرزِ کلام یا اسلوب بیان اس طرح پر ہے کہ اکثر مقامات پر اللہ تعالیٰ بندوں کے کاموں پر یا اپنی تخلیق کے فطری کاموں کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے یونکہ وہ ہی ان تمام چیزوں کا خالق اور محرک ہے۔ اگر موصوف " كَمَا عَلَّمَكُمْ " کے لفظی معنیٰ ہی پر اصرار کریں گے تو وہ مشکل میں پھنس جائیں گے۔ آیئے ہم چند الفاظ پیش کرتے ہیں:

(۱)۔ " كَمَا عَلَّمَكُمْ (البقرہ:۲۳۹) کے اگر یہی معنی لئے جائیں کہ جیسا کہ "تمہیں اللہ نے سکھایا" تو لاؤ پھر وہ حدیث پوشیدہ جس میں جبریل نے آکر وضوء، اذان، نمازوں کے طریقے بتائے ہوں (جیسا کہ پیچھے صفحات پر ہم چند سوال اُٹھا چکے)

(۲)۔ كَمَا عَلَّمَهُ اللهُ فَلْيَكْتُبْ (البقرہ:۲۸۲) البقرہ کی اس آیت میں مقررہ میعاد کے لئے قرض کے معاملہ کو لکھا لینے

[1] "موطا مالک" کتاب الصلوٰۃ، تشہد کا بیان۔ اس کی متابعت کی ایک روایت بخاری میں بھی ہے مگر پتہ نہیں کیوں تمام اہلحدیث و فقہ نے اسے چھوڑا ہوا ہے۔ (دیکھئے بخاری جلد ۳۔ کتاب الاستیذان، باب ۱۷، اَلْاَخْذِ بِالْيَدَيْنِ وَ صَافَحَ. حدیث نمبر ۱۱۹۴)

کا حکم ہے اور کاتب کو حکم دیا گیا کہ (كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ) "جس طرح اللہ نے اسے لکھنا سکھایا ہے اسی طرح لکھ دے" تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جبریل نے آ کر کاتب کو قرض کی دستاویزات لکھنا سکھائیں، نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ جبریل نے آ کر رسول سلامٌ علیہ کو قرض کی دستاویزات لکھنا سکھائیں۔ اگر موصوف یہی مطلب لیتے ہیں تو لائیں پھر بتائیں کہ جبریل کے سکھائے ہوئے وہ طریقے یا طریقہ کہاں ہے؟ اگر وہ وحی شدہ طریقے مل جائیں تو پھر تو ایک باقاعدہ دستاویزات کی کتاب تیار ہو سکتی ہے اور ملاؤں کی کمائی کا ذریعہ بن سکتا ہے! (موصوف خود اپنی تفسیر میں اس معاملہ کے بارے میں کوئی وحی شدہ دستاویزات نہ دے سکے)

(۳)۔ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (البقرہ:۲۲۲) البقرہ کی اس آیت میں عورتوں کی اذیت ماہانہ کا ذکر ہے کہ اس دَوران اُن سے کنارہ کش رہو پھر جب وہ نہا کر پاک صاف ہو جائیں تو (فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ) تو جس طریق سے اللہ نے تم کو حکم دیا ہے اس طریقہ سے ان کے پاس جاؤ۔ تو اس کا مطلب بھی یہ نہیں کہ جبریل نے آ کر ان کے پاس جانے کا طریقہ عملی طور پر کر کے دکھایا ہو / بتایا ہو جس طرح نماز عملی طور پر پڑھ کر بتائی۔ (خود موصوف ایسا کوئی عملی طریقہ اپنی تفسیر میں نہ پیش کر سکے۔ ورنہ تو اس سے ایک اور کتاب علیحدہ تیار ہو سکتی ہے اور کمائی کا اچھا ذریعہ بن سکتی ہے یونکہ ہمارے یہاں سنتوں کے عاشق بہت ہیں وہ سب روح پرور سنتون پر عمل پیرا ہونے کے لئے ایک ایک کتاب ضرور خریدیں گے اور دوستوں کو تحفتاً بھی پیش کریں گے!) بلکہ اس کا سیدھا سیدھا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری فطرت میں وہ فطری طریقہ ودیعت کیا ہوا ہے تو تم طبیعی قانون تولید کے مطابق اُن کے پاس جاؤ۔

........ اگر ہمارا موَقف غلط ہے تو پھر لاؤ وہ طریقہ جو جبریل نے آ کر عملی طور پر کر کے بتایا ہو؟

(۴)۔ كَمَا هَدٰىكُمْ (البقرہ:۱۹۸) البقرہ کی اس آیت میں حج کے دنوں میں عرفات سے واپسی پر مشعر الحرام میں اللہ کا ذکر کرنے کا حکم اس طرح ہے کہ (وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ) اللہ کا ذکر کرو اس طرح جیسے تم کو ہدایت کی ہے۔ مگر موصوف اپنی تفسیر میں وہ طریقہ اللہ کے ذکر کا پیش نہیں کر سکے جو جبریل نے آ کر عملی طور پر کر کے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بتایا تھا! یہاں موصوف اور دیگر اہلحدیث و اہل فقہ اس سے مطلب مالا جپنا یعنی مختلف تسبیحات پڑھنا لیتے ہیں اور اس کے سینکڑوں طریقے نکالے ہوئے ہیں۔ حالانکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ "اَلذِّكْر" اللہ کی کتٰب ہی کا ذکر کرو اور اس ہی کی بالادستی قائم کرنے کیلئے کوشش کرو۔ ساری دنیا کے نمائندے وہاں جمع ہیں سب مل کر سوچ بچار اور سعی مسلسل کریں اور اس طرح دلچسپی لے کر کریں جس طرح اپنے آباء و اجداد کے نام بلند کرنے کے لئے کرتے ہیں[1]۔

...... اگر ہمارا موَقف غلط ہے تو پھر لاؤ وہ طریقہ جو جبریل نے آ کر عملی طور پر کر کے دکھایا ہو؟

(۵)۔ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ (البقرہ:۲۷ اور الرعد:۲۱، ۲۵) البقرہ اور الرعد کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں بتا رہا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مضبوط عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور جو اس چیز کو قطع کرتے ہیں (مَآ اَمَرَ اللّٰهُ) جس کو ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے مگر موصوف اپنی تفسیر میں (دونوں مقامات پر ہی) کوئی تفصیل نہ بتا سکے کہ وہ کیا چیزیں ہیں جس کو ملانے کا حکم اللہ نے دیا ہے! جبکہ موصوف کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ

[1] اس کی وضاحت اسی سورہ البقرہ کی دو آیات آگے نمبر ۲۰۰ میں ہے

نے قرآن کی تشریح کی اور وہ تشریح ان کو بذریعہ وحی بتائی جاتی تھی، تو وہ تشریح کہاں ہے؟ ہم تو آپ کو اتنی آیتیں بتا چکے کہ موصوف ان کی رسولی تفسیر نہ بتا سکے! ہمارے خیال میں اس آیت کا ترجمہ اس طرح ہو گا تو بات خود ہی واضح ہو جاتی ہے۔

" جو لوگ اللہ سے (اس کی بندگی کرنے کا) مضبوط عہد کرنے کے بعد اسے توڑ دیتے ہیں اور اللہ کے حکموں کو اصلی حالت میں یکجا (تسلسل سے) رکھنے کی بجائے توڑ مروڑ کر ان کی قطع وبرید کر دیتے ہیں اور زمین پر فساد برپا کرتے ہیں۔ تو یہی لوگ خسارہ میں رہیں گے"۔ (تشریح کیلئے دیکھئے ۷۵/۲، ۸۵/۲، ۴۶/۴ وغیرہ)

......اگر ہمارا موقف غلط ہے تو پھر لاؤ وہ وحی جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ اللہ نے فلاں فلاں چیزیں قطع کرنے سے منع کیا ہے اور انہیں جوڑے رکھنے کا حکم دیا ہے؟

(۶)۔ بِإِذْنِهِ (آل عمران: ۱۵۲) ایل عمران کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اس نے تو اپنا فتح ونصرت کا وعدہ پورا کر دیا جبکہ (اے ایمان والو) تم (بِإِذْنِهِ) اللہ کے حکم سے کافروں کو دھڑا دھڑ قتل کر رہے تھے۔ تو موصوف کے مطابق یہ حکم تو قرآن کریم میں نہیں ہے تو پھر غیر قرآنی وحی ہوئی ہو گی۔ مگر افسوس کہ موصوف خود اپنی تفسیر میں یہ وحی نہ لکھ سکے کہ کب اور کہاں جبریل یہ حکم لے کر آئے کہ مومنین کفار کو دھڑا دھڑ قتل کریں۔ ہمارے خیال میں یہاں بِإِذْنِهِ کے معنیٰ اللہ کے قانون کے مطابق ہیں، یعنی جب جنگ ہوئی تو مومنین جو جذبہ ایمان سے سرشار اپنی جان ومال اللہ کے لئے نچھاور کرنے کو تیار تھے وہ بے جگری اور بہادری سے لڑے اور کفار کو دھڑا دھڑ قتل کیا تو اللہ نے اس کو اپنی طرف منسوب کیا۔

..............اگر ہمارا مؤقف غلط ہے تو پھر لاؤ وہ وحی جس میں جبریل نے آکر بتایا ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو کفار کو دھڑا دھڑ قتل کرنے کا حکم دیتا ہے!

(۷)۔ عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ (المائدہ۔ ۴) المائدہ کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ حلال چیزوں کے بارے میں بتا رہا ہے اور ان حلال چیزوں میں اس شکار کو بھی حلال قرار دیا ہے جن کو ان شکاری جانوروں نے پکڑا ہو جن کو تم نے سدھار کھا ہو (عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ) اس طریقہ سے جس طریقہ سے اللہ نے تمہیں سکھایا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ جبریل نے آکر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو جانور سدھانے کے طریقے سکھائے اور جانور سدھا سدھا کر عملی طور پر بتایا۔ یہی وجہ ہے کہ موصوف خود اپنی تفسیر میں وہ وحی نہ لکھ سکے جس میں جبریل نے آکر جانور سدھا کر سدھانے کے طریقے بتائے تھے۔ ورنہ تو پھر اس پر کتابیں تیار ہو سکتی تھیں اور اِس فن کو سکھانے اور سیکھنے کے لئے ادارے قائم ہو جاتے اور اہلحدیثوں کی زبردست کمائی کا ذریعہ ہوتے۔

..............ہمارے خیال میں اس کا مطلب ہے کہ انسان کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ قوت ودیعت کر دی ہے کہ وہ جانوروں کو بھی اپنا تابع بنا لیتا ہے اور ان کو سدھا لیتا ہے، اور یہی اللہ کا سکھانا ہے۔ یعنی فطرت تو اللہ ہی کی عطا کردہ ہے۔ اس لئے وہ اس کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے یونکہ انسان اس کے بنائے ہوئے فطری قوانین واصول کے مطابق کام کرتا ہے یا سدھاتا ہے۔

..............اگر ہمارا مؤقف غلط ہے تو پھر لاؤ وہ وحی جو جبریل لے کر آئے اور جانور سدھا کر سکھایا!

الغرض یہ قرآنی اسلوبِ بیان[1] ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "ہم نے سکھایا" مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ غیر قرآنی وحی بذریعہ جبریل نازل کر کے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو سکھایا گیا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ فطری طور پر سکھایا گیا یا خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اللہ کی عطا کردہ عقل و فہم و فراستو بصیرت کو استعمال کر کے سیکھا۔ اسی طرح نماز کیلئے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں کہ اس طرح ادا کرو جس طرح اللہ نے سکھائی تو اس کے معنی یہی ہوئے کہ جو کچھ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو "مِلَّةَ اِبْرٰهِيْم" سے تواتر سے ملا اس کو انہوں نے قرآن مبین کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے اصلاح کر کے مقرر کر لیا۔ اور پھر تواتر عملی سے وہ آگے چلتا رہا۔ مگر افسوس کہ محدثین کی زیادتی سے یا (نام نہاد) احادیث کی زیادتی سے آج رسول اللہ سلامٌ علیہ کا مقرر کردہ طریقہ نماز غائب ہو گیا سوائے قیام، قعود، رکوع و سجود کے (جس کی تصدیق تو قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔ مگر موصوف کہتے ہیں کہ نماز کا طریقہ قرآن میں نہیں حالانکہ وہ کسی ایک (نام نہاد) حدیث میں نماز کا پورا طریقہ شروع سے آخر تک نہیں دکھا سکتے جیسا کہ بقول ان کے ہی اللہ نے سکھایا تھا! بلکہ ایک (نام نہاد) حدیث تو بہت چھوٹی ہو جاتی ہے وہ کسی محدث کی پوری ایک کتاب میں پورا طریقہ نہیں دکھا سکتے! انہوں نے خود جو طریقہ مسنون اپنی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" میں جمع کیا ہے وہ پچاسیوں کتابوں سے چُن چُن کر جمع کیا ہے۔ اس لئے وہ سنت، نبوی بھی شاید نہ ہو جیسا کہ ہم نے پچھلے صفحات میں اپنے سوالات کے ذریعہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے) اور ہمارا یہ مؤقف خواہ مخواہ میں نہیں ہے بلکہ اس کی حمایت میں موصوف کے امام بخاری کی ایک روایت ہم پیچھے پیش کر چکے (ص ۴۱۵) کہ "صحابی ابو درداؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے دین کی کوئی بات (اب) میں نہیں دیکھتا صرف اتنا ضرور ہے کہ وہ جماعت سے نماز پڑھ لیتے ہیں" اب ہم موصوف کی مرتبہ کتاب "صلوٰۃ المسلمین" ہی سے اپنی حمایت میں گواہی پیش کرتے ہیں، دیکھئے کتاب کے آغاز ہی میں تصدیر میں جناب محمد نعیم الدین صاحب فرماتے ہیں:

## نماز / صلوٰۃ کے تبدیل ہونے کی روایات

(۱)۔ "اللہ نے صلوٰۃ کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سکھایا۔ جبرئیلؑ نے ہر صلوٰۃ کو دو [۲] دو [۲] مرتبہ آکر پڑھوایا۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ صلوٰۃ اس طرح پڑھو جس طرح تم لوگ مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے اس اہتمام و تاکید کے باوجود بھی صلوٰۃ کے طریقہ میں فرق پیدا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مدّت دراز تک صلوٰۃ اسی طریقہ پر پڑھی جاتی رہی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو تعلیم دی تھی۔ عورتیں اور مرد ایک ہی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھتے تھے لیکن بعد میں صرف عورتوں اور مردوں کی صلوٰۃ کے طریقہ میں ہی فرق پیدا نہیں ہوا بلکہ مَردوں مردوں کی صلوٰۃ کا طریقہ بھی مختلف ہو گیا۔ ہر فرقہ نے اپنے مقرّرہ طریقہ پر صلوٰۃ پڑھنی شروع کر

---

[1] اگر آپ قرآنی اسلوب بیان اور دیکھنا چاہتے ہیں تو مزید دیکھئے آیات: ۲۴۹/۲، ۱۱۰/۵، ۱۱۳/۶، ۵۷/۷، ۷/۸، ۱۷/۸، ۳۷/۱۱، ۷۱/۱۱، ۱۸/۱۸، ۸۵/۲۰، ۸۰/۲۱، ۲۰/۲۳، ۲۷/۲۳، ۲۰۰/۲۶، ۴۱۔۴۲/۲۸، ۷۱/۳۶، ۱۰/۴۸، ۱۳/۵۴، ۵/۵۹، ۲۶/۸۰۔ وغیرہم

دی حالانکہ صلوٰۃ صرف مسنون طریقہ پر ہی ادا کرنی چاہئے تھی[1]" (ص ۱۹۔ ۲۰)

جناب محمد نعیم الدین صاحب کے اس بیان پر غور کیجئے کہ "اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کو جبریل کے ذریعہ سکھایا........... مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے اس اہتمام و تاکید کے باوجود بھی صلوٰۃ کے طریقہ میں فرق پیدا ہو گیا" کہئے اس سے کیا نتیجہ نکلا؟ کیا اس سے یہ نتیجہ نہ نکلا کہ اللہ کی وحی نعوذ باللہ محفوظ نہ رہی! جبکہ اس نے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اور اگر اس کی وحی محفوظ نہ رہے تو پھر نئی وحی آتی ہے (جیسا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بعثت نبوت سے پہلے ہوتا رہا) مگر اب ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر اس کے معنیٰ (نعوذ باللہ) اللہ اور رسول فیل ہو گئے کہ اپنی وحی کی حفاظت نہ کر سکے! یہ ہے وہ نقطۂ عروج جو دشمنِ قرآن کے سازشی عناصر سیدھے سادھے مسلمین کے ذہنوں میں ڈالنا چاہتے ہیں۔

اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ تو اصل حقیقت یہ ہے کہ جبریل نے آکر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی امامت نہیں کی (نہ تو وہ کوئی انسان نما مخلوق ہے جو انسان کی امامت کرے اور نہ ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ کا امام بلکہ اس نے تو تمام ملائکہ کے ساتھ حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا۔ اس لئے وہ تو ایک طرح کا خادم ہے۔ مسخر شدہ خادم (۳۴/۲، ۲۰/۳۱) اور نہ ہی صلوٰۃ پڑھنا سکھائی بلکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو "مِلَّةَ اِبْرٰهِيْم" کی جو صلوٰۃ[2] تواتر سے ملی تھی آپ نے اسی کو قائم کیا۔ وہ نہ وحی تھی اور نہ اس غیر قرآنی وحی کی حفاظت کا وعدہ الٰہی تھا۔ بلکہ یہ ممکن ہے کہ اس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنے اجتہاد سے کچھ اصلاح فرمائی ہو۔ بہر حال اس غیر قرآنی طریقہ میں لوگوں نے فرق پیدا کر دیا جو اتنا اہم نہیں یونکہ اس کی تفصیل قرآن کریم میں نہیں بتائی گئی بلکہ صرف اصولی ہیئت یعنی قیام، قعود، رکوع و سجود، خشوع و خضوع وغیرہ کا ذکر کر کے مسلمین پر ہی چھوڑ دیا کہ وہ کس طرح اس کی روح کو قائم رکھتے ہوئے فواحش و منکرات سے رکتے ہوئے (۲۹/۴۵) نہ صرف یتامٰی و مساکین کے پیٹ بھرنے کا انتظام کرتے ہیں بلکہ ربوبیت عامہ استوار کرتے ہوئے اللہ کی پھٹکار (فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ ۴/۱۰۷) سے بچتے ہوئے اپنے مال کو سائل و محروم دونوں کے لئے کھلا رکھتے ہیں (۱۹/۵۱، ۲۲۔۲۵/۷۰، ۷/۱۰۷) اور یوں وہ معاشرہ قائم کرتے ہیں جس میں ہر طرح کا امن و سکون ہو، نہ کوئی بھوکا ہو نہ ننگا نہ بے ٹھکانا، نہ بڑا نہ چھوٹا بلکہ سب ہی مکرم (۷۰/۱۷) ہوں اور سب ہی احکام الٰہی کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے (۲۱/۸۴)

جناب محمد نعیم الدین صاحب کی گواہی کے بعد دیکھئے موصوف خود اپنے امام بخاری کی (نام نہاد) حدیث گواہی میں پیش کرتے ہیں:

(۲)۔ "ایک دن حضرت انسؓ نے لوگوں سے فرمایا جو چیزیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھیں ان میں سے مجھے اب کوئی چیز نظر نہیں آتی، لوگوں نے پوچھا "(کیا) صلوٰۃ (بھی اس طریقہ پر نہیں ہے)" حضرت انسؓ نے فرمایا "صلوٰۃ میں بھی تو تم لوگوں نے کیا کیا (تغیر و تبدل) کر دیا" [3] (صحیح بخاری کتاب المواقیت، باب تضیع الصلوٰۃ عن وقتھا)

آگے موصوف پھر اپنے امام بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث گواہی میں پیش کرتے ہیں:

---

[1] کتاب "صلوٰۃ المسلمین" جماعت المسلمین، اشاعت اوّل ۱۹۷۸ء۔ (اس پہلے ایڈیشن میں موصوف نے اپنا نام مصلحتاً نہیں لکھا تھا)۔۔ [2] دیکھئے ۳۷/۱۴، ۴۰/۱۴، ۳۹/۳، ۱۲/۵، ۸۷/۱۰، ۸۷/۱۱، ۳۱/۱۹، ۵۵/۱۹، ۷۳/۲۱، ۱۷/۳۱ وغیر ہم۔۔ [3] کتاب "صلوٰۃ المسلمین" ص ۴۱۸

(۳)۔ ”حضرت عثمان کہتے ہیں میں نے امام زہری[1] سے سُنا وہ فرماتے تھے ”میں (ایک دن) دمشق میں حضرت انسؓ سے ملنے گیا (میں نے دیکھا کہ) وہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو رُلایا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا جو باتیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیکھی تھیں اُن میں سے اب کوئی بات مجھے نظر نہیں آتی[2] سوائے صلوٰۃ کے، اور حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃ بھی ضائع کر دی گئی (یعنی وہ بھی اصلی حالت پر باقی نہیں رہی)“[3] (صحیح بخاری کتاب المواقیت باب تضیع الصلوٰۃ عن وقتہا)

آگے موصوف حضرت اُمِ درداء والی (نام نہاد) حدیث (ص ۴۱۵) کے بعد اپنے امام بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث گواہی میں پیش کرتے ہیں:

(۴)۔ ”حضرت مالکؒ کہتے ہیں: میں نے لوگوں کو (یعنی صحابہ کرامؓ کو) جس حالت پر دیکھا تھا اُس میں سے میں اب کسی چیز کو نہیں دیکھتا سوائے اذان برائے صلوٰۃ کے (کہ وہ اپنی اصلی حالت پر موجود ہے)“[4] (مؤطاء امام مالکؒ باب ماجآء فی النداء للصلوٰۃ ص ۳۵، رواۃ ثقات)

قارئین کہئے کیا سمجھے؟ کیا ہمارا مؤقف کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی مقرر کردہ نماز کا طریقہ ان (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کے ذریعہ غائب ہو گیا، غلط ہے؟ جبکہ ہم موصوف کی پیش کردہ ان کے امام بخاری کی بھی گواہی پیش کر چکے۔ آج دیکھ لیجئے کہ ہر فرقہ کے پاس نماز پڑھنے کا الگ طریقہ ہے، بعض فرقوں میں اذان میں بھی فرق ہے، وضو کرنے کے طریقے میں بھی فرق ہے۔ عیدین کی نماز کے طریقے میں فرق ہے وغیرہم۔ ہر فرقہ اور اس کے علما دعویدار ہیں کہ اس کا طریقہ ہی سنت رسول ہے! قارئین غور کیجئے یہ کتنی اہم بات ہے کہ پوری امت کی متفقہ رسمی عبادت کا طریقہ ایک نہیں اور پھر بھی یہ دعویٰ کہ نماز سنت کے مطابق پڑھی جانی چاہئے! آپ ذرا (نام نہاد) سنت یا (نام نہاد) احادیث پر اعتراض کیجئے تو جھٹ آپ سے سوال ہوتا ہے کہ اگر (نام نہاد) احادیث نہ مانیں تو نماز کیسے پڑھیں گے؟

ہم کہتے ہیں کہ ہاں آپ (نام نہاد) احادیث ضرور مانئے مگر پھر ہر اس طریقے سے نماز پڑھئے جو (نام نہاد) احادیث کی کتابوں میں لکھا ہے! تو اس پر ہٹ دھرمی سے اہل حدیث و اہل فقہ جواب دیتے ہیں کہ ہاں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ایسے بھی نماز پڑھی اور ایسے بھی! غور کیجئے کیا یہ مضحکہ خیز بات نہیں کہ وہ شخص جو اللہ کا نبی و رسول ہو، دنیا کا بادشاہ ہو، دنیا کا بہترین جرنیل ہو، دنیا کا سب سے اچھے اخلاق کا مالک ہو اور دنیا کا سب سے پُر وقار انسان ہو وہ یہ کرے گا کہ کبھی ایسے نماز پڑھ لے اور کبھی ویسے؟ یہ سراسر الزام ہے، بہتان عظیم ہے، گستاخیٔ شان رسالت ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ہاں آپ (نام نہاد) احادیث ضرور مانئے مگر پھر وہ ایک طریقۂ رسول بتا دیجئے جس سے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ساری عمر نماز پڑھی ہو اور وہ (نام نہاد) احادیث میں لکھا ہو؟ تو پھر اہل حدیث و اہل فقہ بغلیں جھانکتے ہیں یونکہ (نام نہاد) احادیث میں کہیں ایسا کوئی طریقہ نہیں لکھا ہوا ہے۔ بلکہ چودھویں صدی کے اختتام پر (۱۳۹۸ سنہ ھ)

---

[1] غور کیجئے کہ موصوف کے امام زہری حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وفات (۳۵ھ) کے تقریباً سولہ سال بعد ۵۱ سنہ ھ میں پیدا ہوئے تھے، تو حضرت عثمان نے ان سے کیسے سُن لیا؟ ثابت ہوا کہ نام نہاد حدیث ہی باطل / گھڑی ہوئی ہے۔ [2] قارئین ان دونوں روایتوں پر سنجیدگی سے غور کیجئے کہ دَورِ صحابہؓ کی یہ حالت بتائی جا رہی ہے! کیا یہ سازش نہیں؟ [3] کتاب ”صلوٰۃ المسلمین“ ص ۴۱۹۔۴۲۰۔ [4] کتاب ”صلوٰۃ المسلمین“ ص ۴۲۱

موصوف نے بھی (جو کہ ایک ہی طریقۂ رسول کے قائل ہیں) تمام (نام نہاد) احادیث کی کتابوں اور ان کی شرحوں سے چُن چُن کر جو طریقہ نکالا اور شائع کیا اس پر پوری امت تو بڑی بات، اہل فقہ اس سے بھی بڑی بات، خود اہل حدیث فرقے بھی متفق نہیں ہو سکے کہ ہاں یہی سنتِ رسول ہے! اسی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود اس پر متفق نہیں ہیں کہ نماز کا طریقہ جبرئیل لے کر نازل ہوئے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کو سکھایا بلکہ پیچھے پیش کردہ چاروں روایات کے تحت تو تواتر عملی بھی مشکوک ہو جاتا ہے جو کہ ایک طبقہ کا عقیدہ ہے!

نیز موصوف کے اس طریقہ پر یہ اعتراضات یا سوالات بھی پیدا ہوتے ہیں:

(۱)۔ تیرہ سو سال سے زیادہ یہ (نام نہاد) وحی امت مسلمہ کی نظروں سے پوشیدہ رہی اور امتِ مسلمہ اس اہم سنت پر عمل کرنے سے محروم رہی! اور ایسا ہونا ناگزیر تھا یوں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس (نام نہاد) وحی کو قلمبند کرا کر کوئی کتابِ نماز امت کیلئے نہیں چھوڑی تھی! نعوذ باللہ انہوں نے فریضۂ رسالت کہ "جو کچھ نازل ہوا ہے دوسروں تک پہنچا دو" پوری طرح ادا نہیں کیا! (قارئین دیکھا آپ نے کہ بات کہاں پہنچی اور یہی مقصود ہے قرآن کے خلاف سازش کا کہ لوگوں کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ رسول نے تو اپنا کام پورا کیا ہی نہیں تھا، قرآن ایک نامکمل اور مجمل کتاب دے گئے تھے جس میں پوری شریعت بھی نہیں تھی اس کو بعد میں اماموں و فقہا و محدثین نے پورا کیا اور علما کرام نے پھیلایا!) پھر جلیل القدر محدثین و ائمہ سینکڑوں و ہزاروں میل کا سفر پیدل چل چل کر کرتے رہے اور (نام نہاد) احادیث یعنی وحیِ پوشیدہ کو جمع کرتے رہے۔ یہ ان کی برکت ہے اور محنت شاقہ کا نتیجہ کہ شریعت جمع ہو گئی ورنہ تو دُور دراز علاقون میں (جہاں وحی کو لوگ پوشیدہ کئے ہوئے خود پوشیدہ تھے) یہ وحی پوشیدہ دفن ہو گئی ہوتی اور پھر امت صرف غار سے نکلنے والی وحی کے انتظار میں ادھوری شریعت لئے بیٹھی رہتی! (نعوذ باللہ)

(۲)۔ موصوف کے مطابق نماز کا طریقہ فرض ہے[1] جو سنت کے مطابق ادا کی جائے گی جب کہ امت تیرہ سو سال تک اس طریقہ سے محروم رہی تو اس کا انجام کیا ہو گا؟

(۳)۔ خود رسول کا، صحابہؓ کا اور بعد میں آنے والوں کا انجام کیا ہو گا کہ انہوں نے نماز کا طریقۂ سنت امت تک پہنچانے کا کوئی انتظام کتابی شکل میں نہیں کیا؟

(۴)۔ خود موصوف کا کیا انجام ہو گا، یعنی کتنا اونچا مقام ہو گا کہ جو کام پچھلی چودہ صدیوں میں نہیں ہوا تھا وہ انہوں نے ۱۳۹۸ھ میں کر کے امت پر احسان کیا!

پچھلے صفحات پر ہماری بحث و دلائل کا خلاصہ ہے یہ کہ مروّجہ نماز نہ تو وحی ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیج کر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو سکھائی۔ آیت کریمہ کے غلط معنی و مطالب نکال کر دھوکہ دیا جاتا ہے اور یہ "محض ایک قیاسی عقیدہ ہے کہ جو چیز قرآن کریم میں نہیں وہ غیر قرآنی وحی کے ذریعہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل کی گئی۔ موصوف

[1]۔ دیکھئے موصوف کی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" ص ۴۳

اور دیگر اہل حدیث اور بھی کچھ آیات[1] پیش کر کے اس کے غلط معنی و مطالب کر کے، چونکہ چنانچہ کر کے، لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ بات قرآن کریم میں نہیں اس لئے یہ غیر قرآنی وحی (جس کو وہ وحی خفی یا وحی پوشیدہ کہتے ہیں) کے ذریعہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بتائی گئی۔ یہ کھلا دھوکہ ہے۔ اس قسم کا عقیدہ صرف اس وقت مانا جاسکتا ہے جب کہ کوئی قرآن کریم کی "عبارت النص" یعنی آیت پیش کرے جس میں کہا گیا ہو کہ "ہم نے (نام نہاد) حدیث وحی کی یا نازل کی" جس طرح قرآن کے بارے میں اعلان کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

(۱)۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ (۲/۱۸۵)

(۲)۔ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (۶/۱۹)

(۳)۔ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ (۱۲/۳)

(۴)۔ وَ نُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (۱۷/۸۲)

(۵)۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۝ (۲۰/۲)

(۶)۔ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (۲۵/۳۲)

(۷)۔ وَ قَالُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۝ (۴۳/۳۱)

(۸)۔ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ (۵۹/۲۱)

(۹)۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ (۷۶/۲۳)

(۱۰)۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (۱۲/۲)

(۱۱)۔ وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا (۲۰/۱۱۳)

(۱۲)۔ وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَ مَنْ حَوْلَهَا (۴۲/۷)

لائیے ایسی کوئی آیت پیش کیجئے اگر اپنے عقیدہ میں سچے ہیں! قیامت تک پیش نہیں کر سکتے۔ اس لئے ایک غلط عقیدہ سے توبہ کر کے دوسروں کو بھی گمراہی سے بچائیے۔

## نماز اجتہادِ رسول ہے؟

قارئین اب ذرا ہمارے اس مؤقف پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ حقیقت زیادہ قرینِ قیاس ہے یا قابلِ یقین ہے کہ مروّجہ طریقۂ نماز رسول اللہ سلامٌ علیہ نے "ملۃ ابراہیم" سے اتباع کے طور پر اپنایا ہو اور پھر اپنے وقت کے مطابق اس میں قرآن مبین کی روشنی میں اپنے اجتہاد سے اصلاح فرمالی ہو۔ (خیال رہے کہ سینکڑوں سال گزرنے کے ساتھ کچھ نہ کچھ تبدیلیاں یقیناً ہو گئی ہوں گی، جیسا کہ ہماری نماز کے ساتھ بھی ہوا اور ہو رہا ہے) ہمارے مؤقف کی حمایت مندرجہ ذیل عقلی و نقلی دلائل سے ہوتی ہے:

---

[1] موصوف کے اس قسم کے دیگر دلائل ہم خواہ مخواہ میں پیش کر کے اس کتاب کو ضخیم نہیں کرنا چاہتے اور نہ ہی ہمارا مقصد ان کی ہر دلیل اور ہر دھوکہ کا جواب دینا ہے بلکہ ہمارا مقصد تو صرف قلبِ منیب اور عقل سلیم رکھنے والوں کے ضمیر کو جگانا ہے۔ اگر وہ جاگ گیا تو قرآن کی صرف ایک آیت بھی ان کو صحیح راہ بتانے کے لئے کافی ہوگی کہ وَ اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ (۶/۱۹) یا۔ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ (۲۸/۸۵)

.(ا)۔... نماز کے اوقات میں لوگوں کو جمع کرنے کے لئے (تاریخی اعتبار سے) رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبارؓ میں آپس میں صلاح و مشورہ ہوتا ہے اور مختلف تجاویز آتی ہیں۔ موصوف کے امام بخاری کی گواہی دیکھئے:

"محمود بن غیلان، عبد الرزاق، ابن جریج، نافع، ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں، کہ مسلمان جب مدینہ آئے تھے تو نماز کے لئے نماز کے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے، اس وقت تک نماز کے لئے اعلان نہ ہوتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ کوئی اعلان ضرور ہونا چاہئے) بعض نے کہا، کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا، نہیں، بلکہ یہود کی طرح کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالو، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے کہ وہ الصلوٰۃ (الصلوٰۃ) پکار دیا کرے، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا، کہ اُٹھو اور نماز کی اطلاع کر دو"۔[1]

اس طرح لوگوں کی تجویز کے بعد "الصلوٰۃ" کی نداء شروع ہو جاتی ہے۔ مگر پھر ایک صحابی سے خواب میں اذان دینے کو کہا جاتا ہے (موصوف کے مطابق یہ وحی تھی! نعوذ باللہ جبریل غلطی سے بجائے رسول کے صحابیؓ کے پاس پہنچ گئے تھے) سنئے موصوف کے امام مالک کی گواہی دیکھئے:

"یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قصد کیا دو لکڑیاں بنانے کا اس لئے کہ جب ان کو ماریں تو آواز پہنچے لوگوں کو اور جمع ہوں لوگ نماز کیلئے پس دکھائے گئے عبد اللہ بن زید دو لکڑیاں اور کہا کہ یہ لکڑیاں تو ایسی ہیں جیسی رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں۔ پھر کہا گیا اُن سے خواب میں کہ تم اذان کیوں نہیں دیتے نماز کے لئے۔ تو جب جاگے آئے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور بیان کیا اور اُن سے خواب۔ پس حکم دیا آپ نے اذان کا"[2]

سوچئے کہ دو لکڑیوں سے آواز کس طرح ہو سکتی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ کسی بڑے ڈھول کے لئے پول بنوائے گئے ہوں! بہر حال اس طرح اذان شروع ہوتی ہے۔ بعد میں آہستہ آہستہ اس میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں مثلاً ایک فرقہ نے ایک صحابیؓ کا نام بھی اس میں شامل کر دیا۔ دوسرے نے........................ اور ابھی حال ہی کی ہمارے بچپن کی بات ہے کہ ایک فرقہ نے اذان کے ساتھ پورا صلوٰۃ و سلام ہی بڑھالیا! اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ کیا اذان وحی ہے ؟؟؟

قرآن کریم ہم کو صرف اتنا بتاتا ہے کہ صلوٰۃ کے لئے "نِدا"[3] دی جاتی تھی ہو سکتا ہے کہ وہ صرف "الصلوٰۃ" کی ندا ہو اور مروجہ اذانیں بعد میں بنتی رہیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس بات کی اہمیت نہیں کہ لوگ صلوٰۃ کے لئے جمع ہونے کے لئے کیا کرتے ہیں نیز یہ کہ اگر، "اذان" وحی کی گئی ہوتی تو قرآن میں ضرور درج ہوتی یونکہ اللہ تعالیٰ **عَلَّامُ الْغُيُوب** ہے اور اسے معلوم تھا کہ آئندہ فرقے اس وحی خفی میں تبدیلیاں کر لیں گے تو وحی کی شکل بگڑ جائے گی۔ تو وہ پہلے ہی اس کا تدارک کر دیتا۔ لیکن چونکہ اس نے ایسا نہیں کیا تو ثابت ہوا کہ مروجہ اذانیں وحی نہیں ہیں۔

---

[1]۔ "صحیح بخاری شریف" کتاب الاذان، باب اذان کی ابتداء، حدیث نمبر ۵۷۴۔ ص ۲۸۵۔ (قمر سعید پبلشرز۔ لاہور۔ ۱۹۷۹ء)۔ [2]۔ "مؤطا امام مالک" کتاب الصلوٰۃ، باب اذان کے بیان میں، اسلامی اکادمی، اردو بازار، لاہور ۱۳۹۹ھ، ص ۶۰۔ (ترجمہ از فرید عصر حضرت علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ تعالیٰ)۔ [3]۔ دیکھئے: وَ اِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ۔ ۵/۵۸ اور اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ۔ ۶۲/۹

(۲)۔... صلوٰۃ کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے وضوء کرنے کا حکم قرآن مجید میں دیا[1] جو کہ ایک اصولی حکم ہے اور اس پر عمل فطری طریقہ پر ہو سکتا ہے کہ "جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولیا کرو" تو فطری بات ہے کہ منہ ہاتھوں ہی سے دھلے گا۔ کوئی بھی اپنے منہ کو حوض میں غوطہ نہیں دے گا۔ مگر اہلحدیثوں نے اسے بھی مسئلہ بنالیا کہ صاحب پہلے کیا چیز دھوئی جائے گی اور کتنی! (خیر یہ اپنی عقل اور عقیدہ کی بات ہے)۔ یہ ممکن ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی طریقۂ وضو مقرر کر لیا ہو۔ مگر کہاں ہے وہ؟؟؟

اب تو پوزیشن یہ ہے کہ خود اہل حدیث فرقے اس بات پر متفق نہیں کہ کُلّی کرنا اور ناک میں پانی لینا تین چُلّوؤں سے کیا جائے یا چھ چُلّوؤں سے! اگر وضوء کا (نام نہاد) حدیثی طریقہ وحی ہوتا تو وہ محفوظ ہوتا اور ایک ہی ہوتا۔ حد تو یہ ہے کہ یہ وضوء ٹوٹ بھی جاتا ہے (شاید مٹی کا یا شیشہ کا برتن ہے) اور اس سے بڑی بات یہ کہ موصوف کے فرقہ کے نزدیک (۱) شرمگاہ کو ہاتھ لگانے۔ (۲) اونٹ کا گوشت کھانے اور (۳) ٹخنوں سے نیچے پاجامہ وغیرہ لٹکانے سے بھی وضوء ٹوٹ جاتا ہے اور دوبارہ کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے وضو کے حکم کے ساتھ ایسی کوئی بات نہیں کہی!) جبکہ دوسرے فرقوں کے نزدیک ایسا نہیں۔ اگر وضوء کا یہ طریقہ وحی ہوتا تو پھر ہر فرقے کے نزدیک مختلف نہ ہوتا!

نیز یہ کہ قرآن کریم صرف ہاتھ پاؤں دھونے، منہ دھونے اور سر کا مسح کرنے کو وضوء قرار دے رہا ہے لیکن:

اہل فقہ گردن کا مسح بھی ضروری قرار دیتے ہیں۔ شاید وہ گردن کو بھی سر کا ہی حصہ سمجھتے ہیں حالانکہ دونوں علیحدہ علیحدہ عضو ہیں۔ اور موصوف رُومالی پر ایک چُلّو پانی چھڑکنے کو بھی لازمی قرار دیتے ہیں۔ پتہ نہیں کہ رومالی منہ کا حصہ ہے یا ہاتھ یا پاؤں کا!

غور کیجئے کہ کیا اللہ تعالیٰ بھول گیا تھا کہ اس نے وضوء کا اصولی طریقہ قرآن میں بتایا مگر گردن اور رومالی کو چھوڑ دیا؟ کہئے کیا یہ طریقے وحی ہو سکتے ہیں؟

(۳)۔... اب ذرا مروّجہ نماز کو دیکھ لیجئے۔ نماز کی نیت کرنے سے لے کر سلام اور نماز کے بعد کی دعاؤں تک کتنے فرقے کتنی باتوں میں متفق ہیں (سوائے قرآنی ارکان: قیام، قعود، رکوع و سجود کے) سوائے سورہ فاتحہ پڑھنے کے (اور امام کے پیچھے تو اسے بھی پڑھنے میں متفق نہیں) رفع یدین کرنے نہ کرنے پر تو لڑائی جھگڑا اور مار پیٹ ہوتی رہتی ہے آمین (جو کہ غیر قرآنی لفظ ہے) آہستہ کہنے اور زور سے کہنے پر فساد برپا ہوتا ہے۔ کوئی کہیں ہاتھ باندھتا ہے اور کوئی کہیں، کوئی سرے سے ہاتھ باندھتا ہی نہیں ہے، کوئی تورک پر جھگڑ رہا ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صرف بڑھاپے میں تورک کیا ہے ورنہ نہیں حتیٰ کہ دونوں پیروں کو کتنے فاصلہ پر رکھ کر کھڑا ہوا جائے، اس پر بھی متفق نہیں۔ غرض یہ کہ مروّجہ نماز نہ تو سنت رسول ہی معلوم ہوتی ہے اور نہ ہی وحی ہے۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جو طریقہ اپنے اجتہاد سے اصلاح کر کے مقرر فرمایا تھا وہ اب کہاں ہے؟ لاؤ کوئی ایسی (نام نہاد) حدیث پیش کرو جس میں وہ طریقہ وحی کیا گیا ہو؟ ایک مثال ملاحظہ کرتے چلیئے۔ موصوف کے امام بخاری فرماتے ہیں:

---

[1] دیکھئے المائدہ آیت ۶۔ قارئین یہ بھی غور کیجئے کہ قرآن حکیم میں صرف صلوٰۃ کیلئے وضو کا حکم ہے مگر مُلّاؤں نے اسے اور بھی بہت سے کاموں کے لئے ضروری قرار دیدیا ہے۔ خاص طور پر قرآن مجید پڑھنے کے لئے تاکہ لوگ قرآن پڑھیں ہی نہیں۔

"حفص بن عمر، شعبہ، قتادہ، حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ نماز کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے کرتے تھے"[1]

اس کے بعد اگلی ہی روایت میں فرماتے ہیں:

"موسیٰ بن اسماعیل، عبد الواحد بن زیاد، عمارہ بن قعقاع، ابو زرعہ، ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں، کہ رسول خدا ﷺ تکبیر اور قرأت کے درمیان میں کچھ سکوت فرماتے تھے، (ابو زرعہ کہتے ہیں مجھے خیال ہوتا ہے کہ ابو ہریرہؓ نے کہا تھوڑی دیر) تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، تکبیر اور قرأت کے مابین سکوت میں آپ کیا پڑھتے ہیں؟ آپ نے فرمایا، میں پڑھتا ہوں اَللّٰھُمَّ بَاعِدْ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمشرِقِ وَالْمَغْرِبِ اَللّٰھُمَّ نَقِّنِیْ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا یُنَقّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ اَللّٰھُمَّ اغْسِلْ خَطَایَایَ بِالْمَآءِ والثَّلْجِ وَالْبَرَدِ"[2]

کہئے اس (نام نہاد) وحی سے آپ کیا سمجھے؟ اگر دوسری (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے وحی پوشیدہ کی اور روایات پیش کروں تو سوائے اس کے کہ کتاب کا حجم بڑھتا جائے اور کوئی فائدہ نہیں۔ بہر حال اس قسم کی روایات بھی ہیں کہ رکوع میں پہلے دونوں رانوں کے درمیان ہاتھ جوڑ کر رکھتے تھے[3] پھر بعد میں گھٹنے پکڑے جانے لگے۔ اسی طرح نماز کے اختتام پر سلام ہاتھ اُٹھا کر کرتے تھے بعد میں دائیں بائیں چہرہ موڑنے لگے[4]۔ صحابہؓ کے پوچھنے پر کہ آپ پر سلام پڑھنے کا طریقہ تو اللہ نے ہمیں بتا دیا ہے "اب آپ پر یعنی اہل بیت پر ہم کس طرح دُرود پڑھیں؟"[5] رسول اللہ ﷺ نے انہیں درود شریف پڑھنا بتائی، جس کے الفاظ مختلف روایات میں مختلف ہی ہیں۔ (بہر حال تعجب خیز بات یہ ہے کہ ابھی شروع کا زمانہ ہے، صلوٰۃ یا نماز پڑھنا سکھائی جارہی ہے اور "اَھْلَ الْبَیْتِ" کا تصور اور ان پر دُرود بھیجنے کا تصور آچکا ہے!) اس دوران میں صحابہ کبار درود شریف نہیں پڑھتے رہے تو اس دوران میں تو وہ (نام نہاد) وحی سے محروم ہی رہے پوچھنے پر رسول اللہ نے بتایا کہ یہ پڑھنا ہے گویا کہ انہوں نے وحی کو چھپایا ہوا تھا اور صحابہؓ تک اس کا بلاغ نہیں کیا تھا (معاذ اللہ)

یہ ہم آپ کو پہلے بتا چکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ صلوٰۃ میں خود پر نہ تو التحیات پڑھتے تھے، نہ ہی دُرود شریف پڑھتے تھے اور نہ ہی تشہد کے بعد کی دعاء میں "صلی اللہ علیہ وسلم" پڑھتے تھے بلکہ شاید پورا تشہد بھی نہیں پڑھتے تھے (ص ۴۲۲) اب جو مروّجہ نماز میں یہ چیزیں پڑھی جاتی ہیں تو پھر یہ نماز سنتِ رسول تو نہ ہوئی جبکہ موصوف اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ نماز کو سنت کے مطابق پڑھنے کا حکم لگاتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ صرف وہ ہی سنتِ رسول کے مطابق پڑھ رہے ہیں!

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ آپ کو دھوکہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ نیز یہ کہ کیا مروّجہ نماز اللہ تعالیٰ کی وحی شدہ ہے

---

[1] "صحیح بخاری شریف" "کتاب الاذان، باب ۴۸۰ "پہلی تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے"، حدیث ۷۰۴، ص ۳۲۸۔ [2] "صحیح بخاری شریف" "کتاب الاذان، باب ۴۸۰ "پہلی تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھے"، حدیث ۷۰۵، ص ۳۲۸۔ [3] صحیح مسلم، جزء ۲۔ کتاب المساجد، باب رکوع میں ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا اور تطبیق کا منسوخ ہونا۔ حدیث عن اسود۔ ص ۱۰۶۔ [4] صحیح مسلم، جزء ۲۔ کتاب الصلوٰۃ، باب نماز میں بیجا حرکت، سلام کے لئے ہاتھ اٹھانے کی ممانعت ........ ص ۵۱۔ [5] "صحیح بخاری شریف" "کتاب الانبیاء" باب ۳۱۴ یَزِفُّوْنَ یعنی رفتار میں تیزی کرنا، حدیث نمبر ۵۹۵۔ (شکر ہے کہ باب دُرودَن نہ تھا!)

یا رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اجتہاد ہے؟ جسے محدثین کرام نے (نام نہاد) احادیث کی بھرمار سے شاید صحیح شکل میں نہیں رہنے دیا!

آگے موصوف کی ایک اور دلیل دیکھئے:

(۴)۔... "دلیل نمبر ۳: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ (جمعہ:۹)

اے ایمان والو! جب جمعہ کے دن نماز کے لئے اذان دی جائے تو جلدی سے اللہ کے ذکر کی طرف آؤ اور خرید و فروخت چھوڑ دو۔ یہ ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھو۔

یہ آیت کب نازل ہوئی اس کا ذکر بھی قرآن مجید میں اس طرح آتا ہے:

وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا انْفَضُّوْٓا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآىِٕمًا ۭ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۝ (جمعہ:۱۱)

اور جب ان لوگوں نے تجارت یا تماشا دیکھا تو اس طرف چلے گئے اور آپ کو کھڑا چھوڑ گئے، آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ لہو اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ بہتر رزق دینے والا ہے۔

گویا یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب جمعہ کی نماز کے وقت بعض لوگ (یقیناً منافقین تھے) تجارت کے لئے چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں کھڑا ہوا چھوڑ گئے۔

آیت زیرِ بحث سے ثابت ہوا کہ نماز جمعہ کے لئے اذان دی جاتی تھی، جمعہ کے دن کوئی خاص نماز تھی جس میں لوگ جمع ہوا کرتے تھے۔ ان دونوں باتوں کا قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔ لہٰذا یہ دونوں کام کسی ایسی حکم کی تعمیل میں ہو رہے تھے جو قرآن مجید میں نازل نہیں ہوا تھا بلکہ قرآن مجید کے علاوہ تھا۔ اور جب اس حکم کے خلاف ورزی عمل میں آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ذریعہ تنبیہ کر دی۔ پس ثابت ہوا کہ وہ حکم بذریعہ حدیث ملا تھا۔ لہٰذا حدیث وحی ہے" (رسالہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" ص ۴، نیز "برہان المسلمین" ص ۱۳۔۱۴)

اب ذرا موصوف کی اہلحدیث ذہن پرستی کی کیفیت ملاحظہ کیجئے کہ وہ صلوٰۃ الجمعہ کیلئے آیت نمبر ۹ کی شانِ نزول قرآن کریم ہی سے ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں! کیا آپ کو ان دونوں پیش کردہ آیات یا ان کے درمیان اللہ تعالیٰ کی طرف سے شانِ نزول بتائے جانے کا ذکر ملتا ہے؟ (جبکہ شانِ نزول کا نظریہ بذاتِ خود ہی انتہائی مضحکہ خیز ہے)۔ نیز موصوف لکھ رہے ہیں کہ جمعہ کی نماز و اذان دونوں کیلئے قرآن مجید میں کہیں حکم نہیں دیا گیا تھا! ذرا غور کیجئے کہ سورہ جمعہ کی آیت نمبر ۹ جو زیرِ بحث ہے۔

کیا یہ واضح طور پر اذان اور نماز کا ہی حکم نہیں دے رہی ہے؟ مگر موصوف کے ذہن و دماغ پر اہلحدیث ذہن پرستی کا پردہ پڑا ہوا ہے کہ وہ (نام نہاد) حدیث کو وحی خفی ثابت کرنے کیلئے اتنی واضح آیت کریمہ کو یکسر باطل قرار دے رہے ہیں!

نماز کے سلسلہ میں ہم پچھلے صفحات میں کچھ بحث کر چکے اس سے واضح ہو چکا کہ عام نمازیں اللہ تعالیٰ کے قرآنی

حکم اقیموا الصلوٰۃ اور اتَّبِعۡ مِلَّةَ اِبۡرٰهِيۡمَ حَنِيۡفًا[1] (۳/۹۵، ۴/۱۲۵، ۱۶/۱۲۳) کے تحت اپنائی گئی تھیں اور اس کے لئے کوئی حکم قرآن مجید کے علاوہ نہیں آیا تھا جبکہ جمعہ کی نماز واضح طور پر سورہ جمعہ کی آیت نمبر۹ (جو کہ زیر بحث ہے) کے تحت اپنائی گئی تھی۔ کیا یہ حکم نہیں؟ اگر موصوف اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو لائیں وہ حکم (نام نہاد) حدیث میں پیش کریں کہ کب جبریل نے آکر صلوٰۃ الجمعہ قائم کرنے کا حکم دیا تھا؟ یہ حکم کہاں آیا تھا مدینہ میں یا مکہ میں؟ انہوں نے صلوٰۃ الجمعہ کا کیا طریقۂ نماز بتایا تھا؟ کتنی اذانیں جمعہ کے لئے بتائی تھیں؟ کہ بعد میں ایک اور اذان کا اضافہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ خلافت سے ہوا، کیا حضرت عثمانؓ پر بھی (نعوذ باللہ) وحی آئی تھی کہ ایک اور اذان یا ندا بڑھا دی جائے[1]؟ کیا حضرت عثمانؓ کو یہ حق تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وحی شدہ حکم میں کچھ گھٹا یا بڑھا دیں؟ جو لوگ جمعہ کی نماز میں شریک نہ ہو سکیں وہ کیا پڑھیں؟ کون لوگ جمعہ کی نماز سے مستثنیٰ ہیں اور وہ کیا پڑھیں؟ موصوف خود عیدین کی نماز میں تو عورتوں کی شرکت ہر حال میں لازمی قرار دیتے ہیں[2] مگر جمعہ کی نماز میں عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیدیا[3] حالانکہ قرآنی حکم "اقیموا الصلوٰۃ" (۲/۴۳) تو سب کے لئے ہے خواہ مرد ہو یا عورت۔

قارئین یہ بھی نوٹ کرلیں کہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق عورتوں کا عیدین کی نماز میں شریک ہونا لازمی ہے (خواہ وہ ناپاکی کی حالت میں کیوں نہ ہوں) مگر علمائے اہل فقہ نے ان کو روک دیا ہے! کیا یہ امر شریعت سازی یا اللہ تعالیٰ کی ہمسری یا رسول اللہ سلامٌ علیہ کی برابری نہیں؟

اسی طرح (نام نہاد) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرض نمازوں میں عورتیں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں، اور خلفائے راشدین کے زمانوں میں بھی جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھتی تھیں۔ مگر بعد کے اہل حدیث و اہل فقہ علما نے انہیں نمازوں کی جماعت میں شریک ہونے سے روک دیا اور اب تو مساجد میں عورتوں کے لئے کوئی جگہ یا انتظام بالکل ہی نہیں ہوتا۔ کیا یہ امر سنتِ رسول ہے یا اس کی خلاف ورزی؟

الغرض ہر طریقہ سے دھوکہ ہی دیا جارہا ہے!

آگے موصوف کی ایک اور دلیل دیکھئے

"دلیل نمبر (۵)۔۔۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَا قَطَعۡتُمۡ مِّنۡ لِّيۡنَةٍ اَوۡ تَرَكۡتُمُوۡهَا قَآئِمَةً عَلٰٓى اُصُوۡلِهَا فَبِاِذۡنِ اللّٰهِ (حشر۔۵)

(جنگ بنو نضیر میں) جو درخت تم نے کاٹے یا جو درخت اپنی جڑوں پر کھڑے چھوڑ دیئے، یہ اللہ کے حکم سے تھا۔

پورے قرآن مجید میں یہ حکم کہیں نہیں کہ فلاں درخت کاٹے جائیں اور فلاں درخت چھوڑ دیئے جائیں لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی اور ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا یعنی قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی"۔ (رسالہ "حدیث بھی کتاب اللہ" ص۵، نیز کتاب "بُرہان المسلمین" ص۱۵)

قارئین غور کیجئے کہ جب درخت کاٹنے کا حکم قرآن میں کہیں نہیں تو یہ ہرگز ثابت نہ ہوا کہ کسی اور ذریعہ سے اللہ تعالیٰ

---

[1]۔ موصوف کے مطابق جمعہ میں ایک زائد اذان پوری نہیں ہے بلکہ یہ صرف ندا تھی جو حضرت عثمانؓ نے شروع کرائی تھی مگر اہل فقہ نے وہ پوری اذان کردی! (دیکھئے صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، باب الاذان یوم الجمعہ عن سائبؓ)۔۔ [2]۔ کتاب "صلوٰۃ المسلمین" ص ۲۰۶۔۔ [3]۔ کتاب "صلوٰۃ المسلمین" ص ۲۲۴۔۲۲۵

نے اپنے رسول کو حکم دیا تھا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے کسی اور ذریعہ سے رسول کو یہ حکم دیا تھا کہ فلاں فلاں درخت کاٹ دو اور فلاں فلاں چھوڑ دو تو لاؤ (نام نہاد) حدیث میں وہ حکم دکھاؤ کہ کس وقت جبریل نے آکر درختوں کی نشاندہی کی؟

یہ محض دھوکہ ہے، کوئی بھی قرآن کے علاوہ حکم یا وحی نہیں دکھا سکتا۔ یہ صرف ایک (خیالی) مفروضہ ہے کہ چونکہ ایسا کوئی حکم قرآن کریم میں نہیں اس کے معنیٰ کسی اور وحی کے ذریعہ رسول کو یہ حکم دیا گیا ہوگا! نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہاں پر اس کام کو جو رسول نے کیا اس کو اپنی طرف منسوب کرنا یہ قرآنی اسلوب بیان ہے جس پر ہم پیچھے بحث کر چکے ہیں۔ یہاں بھی یہ واضح کر دیتے ہیں کہ کچھ درختوں کا کاٹنا اور کچھ کا ان کی جڑوں پر کھڑے رہنے دینا یہ "جنگی حکمت عملی" ہوتی ہے جو دنیا کے سب سے بڑے جرنیل نے اس وقت اپنائی تھی۔ اب چونکہ یہ حکمت عملی، یہ عقل سلیم، اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطاء کردہ انسانی صلاحیتوں میں سے ہے اس لئے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہوئی۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا۔...... ایک اور موقعہ پر تو جب جنگ کے لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے، مومنین کا جذبہ جہاد اور جوش خروش دیکھتے ہوئے ان سے اپنے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ قرار دیدیا تھا[1]۔ مگر اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ اس کے لئے حکم غیر قرآنی وحی سے آیا تھا۔ اور رسول کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ تھا!

نیز یہ "بِاِذْنِ اللّٰہ" کے معنی صرف "اللہ کے حکم سے" ہی نہیں ہوتے بلکہ اس کے معنیٰ اللہ کی اجازت سے / اللہ کے قانون (فطرت) کے مطابق بھی ہوتے ہیں۔ تو جنگی حکمت عملی جو رسول نے بطور کمانڈر اِن چیف اپنائی وہ قانونِ فطرت ہی کے مطابق تھی۔

(٦)۔... آگے موصوف کی ایک اور دلیل دیکھئے:

"دلیل نمبر ٦: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَّ عَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَ ضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِ ؕ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۱۸﴾ (توبہ:١١٨)

اور اُن تین آدمیوں کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادگی کے ان پر تنگ ہوگئی اور اُن کی جانیں ان پر وبال بن گئیں اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے غضب سے بچنے کا سوائے اللہ کے اور کوئی ٹھکانہ نہیں تو اللہ ان پر متوجہ ہوا تاکہ وہ توبہ کریں، بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

یہ تین آدمی کون تھے؟ ان کا کیا قصور تھا؟ اللہ تعالیٰ نے ان پر غصہ کا اظہار کس آیت میں کیا تھا؟ قرآن مجید ان تمام باتوں سے خاموش ہے۔ ظاہر ہے کہ توبہ قبول کرنے سے پہلے غیظ وغضب کا اظہار بھی کیا گیا ہو گا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ پچاس دن تک ان کا مکمل مقاطعہ (بائیکاٹ) کیا گیا۔ سلام وکلام بند کر دیا گیا۔ حتّٰی کہ بیویوں کو بھی علیحدہ ہو جانے کا حکم ملا۔ یہ سب کچھ کس کے حکم سے تھا؟ ظاہر ہے کہ جس کے حکم سے معافی دی جارہی ہے اسی کے حکم سے مقاطعہ بھی کیا گیا ہو گا لیکن وہ حکم قرآن مجید میں کہیں نہیں لہٰذا ثابت ہوا کہ

[1]۔ القرآن الکریم۔ سورہ الفتح آیت ١٠ (اس کو (نام نہاد) احادیث میں بیعت الرضوان کے نام سے لکھا گیا ہے)

قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی"۔ (رسالہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" ص ۵۔۶، نیز کتاب "برہان المسلمین" س۱۵۔۱۶)

اب ذرا موصوف کے سوالات اور جوابات پر غور کر لیجئے:

موصوف کا پہلا سوال کہ وہ تین آدمی کون تھے؟ تو قارئین، یہ جاننا کیا ضروری ہے؟ آپ سے یا موصوف سے ان کے بارے میں یوم حشر سوال نہ ہو گا کہ وہ تین آدمی کون تھے۔ البتہ ان تین آدمیوں کو یقیناً رسول اور صحابہؓ جانتے تھے جب ہی تو ان کا مقاطعہ کیا تھا۔

موصوف کا دوسرا سوال کہ ان کا کیا قصور تھا؟ تو اگر آپ یہی آیت نمبر ۱۱۸ اور اس سے اگلی دو آیات نمبر ۱۱۹، ۱۲۰ اور نیز آیت ۳۸ غور سے پڑھیں تو آپ کو ان کا قصور واضح ہو جائے گا کہ "وہ جنگ میں جانے سے پیچھے رہ جانے والے حضرات تھے"۔ دونوں آیات میں لفظ خُلِّفُوْا اور یَتَخَلَّفُوْا استعمال ہوئے ہیں جن کے معنیٰ ہیں پیچھے رہ جانے والے، پیچھے چھوڑ دیئے جانے والے۔ تو جو لوگ جنگ یعنی رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ پر جانے سے پیچھے رہ گئے تھے، اگر وہ ایمان والے تھے، تو ان کو تو خود ان کا اپنا ضمیر اتنے کچوکے لگا رہا ہو گا کہ ان کی زندگی ان کے اپنے لئے بھاری ہو گئی ہو گی۔ باقی رہ گئی (نام نہاد) احادیث یا تاریخ میں پیش کی گئی کہانی کہ ان کا مقاطعہ کیا گیا، سلام و کلام بند کر دیا گیا، حتیٰ کہ بیویوں کو بھی علیحدہ ہو جانے کا حکم ملا تو یہ کچھ قابلِ یقین ہونا ضروری نہیں۔ تاریخ میں ایسے بہت سے افسانے ملتے ہیں جو کسی اور پوشیدہ مقصد کے تحت لکھے جاتے رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اُمّہات المومنینؓ تک پر انہی افسانوں کے ذریعہ بڑی ہوشیاری سے فحش الزامات لگا دیئے گئے۔ صحابہ کبارؓ اور صحابیاتؓ کو گناہ کبیرہ میں ملوّث دکھایا گیا ان کے ہاتھ کاٹے گئے، انہیں سنگسار کیا گیا وغیرہ وغیرہ تو بقول موصوف ہی کے یہ سب تاریخ کا کفر ہے[1]۔

رہ گئیں بیویاں تو ان بچاریوں پر تو سب سے پہلے نزلہ گرتا ہے۔ ابھی حال ہی میں جب پہلے انسان نے چاند پر قدم رکھا اور یہ خبر نشر کی گئی تو مولویوں نے فوراً فتویٰ دیدیا کہ جو اس پر یقین کرے اس پر اس کی بیوی حرام!

موصوف کا تیسرا سوال کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر غصہ کا اظہار کس آیت میں کیا تھا؟ تو قارئین یہ بھی افسانوی مفروضہ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی آیت میں ان سے ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ اسے کیا ضرورت پڑی تھی جبکہ اُن پیچھے رہ جانے والے مومنین میں ضمیر زندہ تھا اور وہ ہی اتنا غیظ و غضب کر رہا تھا کہ اللہ کے غیظ و غضب کی ضرورت ہی نہ تھی۔..................... بلکہ اللہ تعالیٰ تو رحیم و کریم ہے، اس نے ان کو توبہ کرنے کا موقعہ عطا فرمایا اور اُن کی توبہ قبول فرمائی۔ البتہ یہ حقیقت کتنی مضحکہ خیز ہے کہ موصوف خود بھی وہ غیر قرآنی وحی "جس میں توبہ قبول کرنے سے پہلے غیظ و غضب کا اظہار بھی کیا گیا تھا" کہیں نہیں پیش کر سکے! لاؤ کہاں ہے وہ وحی جس میں اللہ تعالیٰ نے جبریل کو بھیج کر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہو اور حکم دیا ہو کہ ان تینوں کا مقاطعہ کیا جائے سلام و کلام بند اور ان کی بیویوں کو ان سے علیحدہ کر دیا جائے؟

قارئین یقین کیجئے یہ سب موصوف کا مفروضہ ہے اور سراسر دھوکہ ہے۔ اسی طرح سے وہ اور آیات بھی پیش کر کے یہ مفروضہ سامنے لے آتے ہیں کہ چونکہ فلاں بات (جو ان کی (نام نہاد) احادیث میں بتائی گئی ہے) آیت میں

---

[1] موصوف نے خود ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام ہی "تاریخ کا کفر ہے" اور جس میں انہوں نے یہی ثابت کیا ہے کہ ہمارے اسلاف نے تاریخ میں قرآن کے خلاف بڑا کفر کیا ہے۔

نہیں اس لئے وہ یقیناً قرآن کے علاوہ، غیر قرآنی وحی سے، رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بتائی گی تھی۔ چاہے رسول اللہ سلامٌ علیہ خود وہ غیر قرآنی وحی بتائے جانے کا دعویٰ نہ کریں۔ ہم تو سو بات کی ایک بات جانتے ہیں کہ "هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۲/۱۱۱) اگر سچے ہو تو لاؤ وہ وحی پیش کرو جس کا قرآن کے علاوہ نازل ہونے کا دعویٰ کر رہے ہو؟ اور اگر نہیں پیش کر سکتے تو پھر اپنی غلطی کا اعتراف کرو اور دوسروں کو گمراہ نہ کرو ورنہ ان کے گمراہ کرنے کا بھی بوجھ اُٹھانا پڑے گا(۲۵/۱۶، ۱۳/۲۹)

یہاں ہم دو حقیقتوں کی طرف آپ کی توجہ مبذول کراتے چلتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ موصوف نے آیت میں شروع الفاظ کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے یونکہ ان کے ذہن میں (نام نہاد) حدیث گھسی ہوئی ہے اس لئے وہ آیت کا ترجمہ بھی (نام نہاد) حدیث کے تحت کرتے ہیں۔ دیکھئے وہ ترجمہ کرتے ہیں:

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

اور ان تین آدمیوں کی طرف بھی اللہ تعالیٰ نے توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا۔

جبکہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے معنیٰ "جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا" ہوتے ہوں۔ اور خُلِّفُوْا کے معنیٰ ہوتے ہیں: پیچھے چھوڑے گئے یا پیچھے رہ جانے والے۔ اسی سے لفظ "اَلْخَوَالِفِ" ہے جس کے معنیٰ ہیں "(وہ عورتیں) جو پیچھے رہ جاتی ہیں" اور خود موصوف نے اپنی تفسیر میں اسی سورہ توبہ کی آیات نمبر ۸۷ اور ۹۳ میں یہی ترجمہ کیا ہے[1]۔ نیز یہ کہ اسی لفظ "خُلِّفُوْا" کا ترجمہ بھی صرف ایک آیت چھوڑ کر آیت ۱۲۰ میں بھی یہی کہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ.........

ترجمہ: اہل مدینہ اور اہل مدینہ کے ارد گرد جو دیہاتی رہتے ہیں ان کے لئے یہ زیبا نہیں کہ اللہ کے رسول (تو جنگ کیلئے جائیں اور وہ اُن) کے پیچھے (اپنے گھروں میں آرام سے) بیٹھے رہیں........................"

(التوبہ: ۱۲۰، ص ۱۱۴۴، جزء۔ ۴ تفسیر قرآن عزیز)

کہئے کیا ہم نے غلط کہا تھا کہ موصوف نے ترجمہ غلط کیا ہے محض اپنے عقیدہ کو بچانے کے لئے۔ نیز آیت کے صرف شروع ہی کے اس حصہ سے یہ حقیقت کتنی واضح ہو گئی کہ ان تینوں حضرات کا قصور کیا تھا جو موصوف کو قرآن میں نظر نہیں آیا تو انہوں نے غیر قرآنی وحی نازل ہونے کا عقیدہ تراشا یا اپنایا! آیت کے شروع کا صحیح ترجمہ ہو گا "اور ان تین شخصوں پر جو پیچھے رہ گئے تھے

دوسری حقیقت یہ ہے کہ موصف خود وہ غیر قرآنی وحی تو نہ پیش کر سکے جس میں جبریل نے آکر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو وہ باتیں بتائی ہوں جن پر انہوں نے اپنی دلیل میں سوال اُٹھائے ہیں۔ البتہ اپنی تفسیر میں انہوں نے تقریباً گیارہ صفحوں پر پھیلی شان نزول کی ایک افسانوی روایت بخاری و مسلم سے نقل کی ہے جس میں وہ یہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت کعب ابن مالکؓ کو (جو کہ روایات کے مطابق ان تین افراد میں شامل تھے)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے مبارک باد

---

[1] تفسیر قرآن عزیز۔ ص ۱۰۶۷ اور ۱۰۷۲۔ جزء۔ ۴

دی تو انہوں نے برجستہ پوچھا کہ "اے اللہ کے رسول، یہ معافی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا آپ کی طرف سے[1]؟ یعنی انہوں نے فوراً اس حقیقت کی تصدیق چاہی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآنی وحی سے یہ بات کہہ رہے ہیں یا اپنی طرف سے؟ پس ثابت ہوا کہ صحابہ کبارؓ بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر لفظ یا ہر جملہ کو وحیِ الٰہی نہیں مانتے تھے۔ جبکہ موصوف اس کے بالکل برعکس عقیدہ رکھتے ہیں اور قرآنی آیات کے ساتھ مفروضے قائم کر کے اس سے اپنا عقیدہ نکالنے کی کوشش کرتے ہیں!

جہاں تک موصوف کے اس عقیدہ کا یا یہ لکھنے کا تعلق ہے کہ

## "قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی"

تو ہمیں اس سے انکار نہیں۔ مگر یہ نبی یا رسول کی خصوصیت نہیں۔ قرآن مجید کے علاوہ غیر کتابی وحی تو کسی پر بھی آسکتی ہے مگر کتابی وحی صرف نبی اور رسول ہی پر آتی ہے وہ کسی اور پر نہیں آسکتی۔ حتیٰ کہ ہماری کائنات کی مادی و غیر مادی اشیاء مثلاً اجرام فلکی، زمین و آسمان ہر ایک پر وحی کی گئی (اس قانون الٰہی کی جس کے مطابق ان کو کام کرنا تھا) (۱۱-۱۲ /۴۱ ، ۵ /۹۹) ملائکہ کی طرف وحی کی گئی (۱۲ /۸) شہد کی مکھی کی طرف وحی کی گئی (۶۸-۶۹ /۱۶) ام موسیٰ کی طرف وحی بھیجی (۳۸ /۲۰، ۷ /۲۸)، حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرف وحی بھیجی (۱۱۱ /۵)، شیاطین اپنے اولیاء کی طرف وحی کرتے ہیں (۱۲۱ /۶) وغیر ہم۔ اور غالباً غلطی کا آغاز یہیں سے ہوتا ہے۔ بہر حال اس مسئلہ پر بحث ہم انشاء اللہ تعالیٰ اگلے صفحات پر کرتے ہیں۔

(۷)۔۔۔ آگے موصوف کی ایک اور دلیل دیکھئے:

"دلیل نمبر ۴۰۔ موسیٰ سلامٌ علیہ کے متعلق ارشاد گرامی ہے:

| | |
|---|---|
| فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۱﴾ ...........فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى ﴿۱۳﴾ ...........وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۱۷﴾ (طٰہٰ: ۱۱ تا ۱۷) | جب موسیٰؑ آگ کے پاس آئے تو انہیں آواز دی گئی ................. اے موسیٰؑ سنو جو کچھ وحی کی جا رہی ہے.......................... اور اے موسیٰؑ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے۔ |
| اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ (نازعات: ۱۷) | فرعون کے پاس جاؤ وہ بے شک بہت سرکش ہو گیا ہے۔ |
| فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ (اعراف: ۱۳۶) | (جب آل فرعون راہِ راست پر نہ آئے) تو ہم نے ان سے انتقام لیا اور ان کو دریا میں غرق کر دیا اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور اُن سے غفلت برتتے تھے۔ |

[1] تفسیر قرآن عزیز۔ ص ۱۱۳۸، جزء ۴ (تفسیر آیات ۱۱۷-۱۱۹، سورہ التوبہ) شان نزول بحوالہ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوہ تبوک، حدیث کعب بن مالک، جزء ۶، صحیح مسلم کتاب التوبہ، باب حدیث توبہ کعب ابن مالک وصاحبیہ جزء ۲

گویا موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ الٰہی کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی۔ آیات بالا سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آل فرعون نے آیات اللہ کو جھٹلایا تھا اس وجہ سے عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوئے اور یہ آیات کتاب الٰہی کے ملنے سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ یعنی یہ آیات کتاب الٰہی کے علاوہ دوسری وحی کے ذریعہ نازل ہوئی تھیں، **ہماری اصطلاح** میں ان آیات کو حدیث کہا جاتا ہے۔ گویا فرعون اور آل فرعون حدیث کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک کئے گئے" (کتاب "بُرہان المسلمین" ص۴۹۔۵۲)

آگے خلاصہ کے زیرِ عنوان موصوف لکھتے ہیں:

"خلاصہ: مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کے پاس کتاب الٰہی کے علاوہ بھی وحی آتی رہی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کتابِ الٰہی کے علاوہ وحی نہ آتی ہو"۔ (کتاب "بُرہان المسلمین" ص۵۳)

غور کیجئے موصوف کا یہ کہنا کہ "موسیٰ علیہ السلام کو کتاب الٰہی کے علاوہ بھی وحی آیا کرتی تھی" بالکل حق ہے بلکہ موسیٰ سلامٌ علیہ تو وہ برگزیدہ نبی تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے براہِ راست پردہ کے پیچھے سے کلام کیا ہے اور سورہ طٰہٰ اور سورہ نازعات کی یہ اور ان کے ساتھ بہت سی آیات اس حقیقت کی گواہ ہیں، مگر یہ کلامِ موسیٰ علیہ السلام سے مخصوص ہے اور اس پر ان کو عمل کرنا تھا ہمیں نہیں۔ یہاں موصوف کے ترجمہ کا کمال دیکھتے چلئے کہ انہوں نے "نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى" کا ترجمہ یہاں اپنی کتاب (برہان المسلمین ص۴۹) میں تو کیا ہے "انہیں آواز دی گئی ........ اے موسیٰ" اور تفسیر (ص ۴۵۷، جزء۔۲) میں کیا ہے "انہیں آواز آئی اے موسیٰ"۔ معلوم نہیں کیوں وہ شاید یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ جبریل نے انہیں آواز دی۔ حالانکہ یہ آواز اللہ تعالیٰ ہی نے دی تھی جس کا ذکر وہ سورہ اعراف میں کر چکا ہے کہ "پھر جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر (طور پہاڑ پر) پہنچے تو ان کے رب نے ان سے بات کی" (تفسیر سورہ الاعراف، آیت ۱۴۳، ص۵۳۰، جزء۔۴) اب اگلی آیات جو معلوم نہیں کیوں موصوف نے پوری نہیں لکھیں، اس کو بالکل واضح کر دیتی ہیں کہ :

"میں تمہارا رب ہوں، تم اپنی جوتیاں اُتار دو (اس لئے کہ اس وقت) تم طویٰ نامی ایک مقدس وادی میں ہو (۱۲) اور (اے موسیٰ) میں نے تم کو منتخب کر لیا ہے لہٰذا جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جا رہی ہے اسے غور سے سنو (۱۳) میں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں لہٰذا (صرف) میری عبادت کرو اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو (۱۴) .............. (۱۵) .............. (۱۶) اور اے موسیٰ، یہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے ؟ (۱۷) (موسیٰ نے) کہا یہ میرا عصا ہے ' میں اس سے سہارا لیتا ہوں، اپنی بکریوں کے لئے اس سے پتّے جھاڑ تا ہوں اور اس سے اپنی اور بھی ضرورتیں پوری کرتا ہوں (۱۸) (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ اسے (زمین پر) ڈال دو (۱۹) انہوں نے اُسے (زمین پر) ڈال دیا، کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے (۲۰) (اللہ نے) فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم اسے عنقریب پھر اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے (۲۱) اور (اے موسیٰ، اپنے ہاتھ کو اپنے بازو (کے نیچے) کی طرف قبض کر لو (پھر اسے نکالو تو) وہ بغیر کسی عیب کے سفید بن کر نکلے گا (یہ تمہاری نبوت کی) دوسری نشانی ہے (۲۲) (یہ دو نشانیاں ہم نے تم کو اس لئے دی ہیں)

تاکہ ہم تم کو (اپنی قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں (۲۳) (اے موسیٰ) فرعون کے پاس جاؤ، وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے (۲۴)" (تفسیر سورہ طٰہٰ ص۴۵۷، ۴۶۲۔ جزء۔ ۶)

کہئے کیا یہ اللہ تعالیٰ اور موسیٰ سلامٌ علیہ کے درمیان براہِ راست، پردہ کے پیچھے سے، کلام ہو رہا ہے کہ نہیں؟ پھر انہیں جو احکام مل رہے ہیں وہ صرف ان کے لئے ہیں یا ان کی امت کے لئے اور ہمارے لئے؟ (یاد رہے کہ ان انبیاء کرام کو جو دین وحی کیا گیا وہ ہمارے لئے بھی ہے (۱۳/۴۲) کیا ان کی امت اور ہم سب فرعون کے پاس گئے؟ کیا ہم سب نے اپنے اپنے عصا زمین میں ڈالے؟ کیا ہم سب نے اپنی اپنی جوتیاں اُتاریں؟ کیا ہم سب کو نشانیاں ملیں؟؟ غرضیکہ یہ کلام اور غیر کتابی وحی موسیٰ سلامٌ علیہ کے لئے مخصوص تھی اور ہم پر فرض نہیں تھی۔ پس ثابت ہوا کہ غیر کتابی وحی عام مومنین پر فرض نہیں ہوتی۔

آگے موصوف لکھتے ہیں کہ: "آیات بالا سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اٰلِ فرعون نے آیات اللہ کو جھٹلایا تھا اس وجہ سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور یہ آیات کتاب الٰہی کے ملنے سے پہلے نازل ہوئی تھیں۔ یعنی یہ آیات کتاب الٰہی کے علاوہ دوسری وحی کے ذریعہ نازل ہوئی تھیں، ہماری اصطلاح میں ان آیات کو حدیث کہا جاتا ہے۔ گویا فرعون اور آل فرعون حدیث کا انکار کرنے کی وجہ سے ہلاک کئے گئے" (برہان المسلمین ص۵۱)

غور کیجئے کہ موصوف کے ان جملوں میں کتنا بڑا دھوکہ ہے کہ انہوں نے اردو میں عربی لفظ آیٰت کو آیات ہی لکھ کر یہ دھوکہ دیا کہ یہ کتابی آیات تھیں جن کو فرعون اور آلِ فرعون نے جھٹلایا تھا! حالانکہ عربی عبارت میں لفظ آیٰت نشانیوں کے لئے (جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ سلامٌ علیہ کو عطا کیں اور جنہیں لے کر فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تھا) استعمال ہوا ہے جیسا کہ اوپر آپ سورہ طٰہٰ کی آیت نمبر ۲۲ میں پڑھ چکے۔ مزید دیکھئے سورہ النازعات میں (جس کی آیت نمبر۱۷ موصوف نے پیش کی ہے۔ حالانکہ یہی آیت سورہ طٰہٰ (۲۴) میں بھی تھی، جو معلوم نہیں کیوں انہوں نے ان آیات کے ساتھ پیش نہیں کی!)

اللہ تعالیٰ نے پھر اسے بیان کیا ہے:

| | |
|---|---|
| فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ | پھر انہوں نے اس کو (اپنی نبوت کی) ایک بڑی نشانی دکھائی (۲۰) |
| فَكَذَّبَ وَعَصٰى ﴿۲۱﴾ | لیکن اس نے (پھر بھی) جھٹلایا اور (ان کا) کہنا نہ مانا (۲۱) |

(سورہ النّٰزِعٰت: ۲۰۔ ۲۱ جزء ۱۰ ص ۲۷۸)

یعنی فرعون اور آل فرعون نے موسیٰ سلامٌ علیہ کی پیش کردہ نشانیاں (عصا کا سانپ کی طرح دَوڑنا اور ہاتھ کا بغیر عیب کے سفید ہو جانا) نہیں مانیں اور انہیں جھٹلا دیا۔ (مزید دیکھئے سورہ الاعراف کی آیت ۱۳۳، ۱۳۲) کہ نشانیوں کو اٰیَۃٍ

۱۔ غور کیجئے کہ اللہ کے حضور حاضری کا ادب سکھایا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاں یہ ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں جاتے ہوئے جوتیاں اُتار لیتے ہیں تو اسے سجدہ کرنے کی جگہ رکھ لیتے ہیں اور اسی کے پاس سر رکھ کر سجدہ کرتے رہتے ہیں۔ جبکہ بعض اہل حدیث تو جوتیاں بھی نہیں اُتارتے بلکہ پہن کر نماز پڑھتے ہیں یعنی وہ کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کے حکم کی (جو قرآن میں دیا گیا ہے) مخالفت کرتے ہیں اور اس کے لئے (نام نہاد) حدیث پیش کرتے ہیں! غور کیجئے کیا رسول سلامٌ علیہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت کر سکتے تھے؟

کہا گیا ہے اور ان دو کے علاوہ بھی دیگر نشانیاں بتائی گئی ہیں) اور بقول موصوف ہی کے کتاب تو موسیٰ سلامٌ علیہ کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد ملی تھی اس لئے کتاب کی آیات کے جھٹلانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ البتہ موصوف کا یہ کہنا کہ "یہ آیات کتاب الٰہی کے ملنے سے پہلے نازل ہوئی تھیں[1]" (ص ۵۱) بھی دھوکہ ہے یونکہ کتابی آیات نازل نہیں ہوئی تھیں بلکہ موسیٰ سلامٌ علیہ کو نشانیاں عطا ہوئی تھیں۔ دونوں میں واضح فرق ہے۔

آگے موصوف لکھتے ہیں: "یعنی یہ آیات کتاب الٰہی کے علاوہ دوسری وحی کے ذریعہ نازل ہوئی تھیں، ہماری اصطلاح میں ان آیات کو حدیث کہا جاتا ہے" (برہان المسلمین ص ۵۱۔ ۵۲)۔ (یعنی وہ نشانیوں یا معجزات کو حدیث کہنے پر مصر ہیں) یہ ہے موصوف کا نقطۂ عروج کہ "ہماری اصطلاح میں ان آیات کو حدیث کہا جاتا ہے"۔ یہاں آکر غلطی سے سارا دھوکہ کھل گیا! یہ "ہماری اصطلاح" کیا چیز ہے؟ کیا یہ اصطلاح اللہ اور رسول نے دی ہے؟ دین میں نئی چیز یا نئی اصطلاح ایجاد کرنے کا اختیار آپ کو کس نے دیا؟ قارئین بات واضح ہوگئی کہ اہل حدیث و اہل فقہ کے علما خود اصطلاحیں بناتے رہے گھڑتے رہے، اور اس کو دین و شریعت میں شامل کرتے رہے۔ یہی موصوف اپنی کتاب "برہان المسلمین" کے آغاز میں "تمہید" ہی کے عنوان کے تحت پہلی سطر میں فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں" ص ۵

اپنے رسالہ "اصول حدیث" کے آغاز میں "حدیث کی تعریف اور اس کی قسمیں کے عنوان کے تحت پہلی سطروں میں فرماتے ہیں کہ:

"حدیث کے لغوی معنٰی ہیں: بات، خبر

شرعی اصطلاح میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں" ص ۵

اور (یہاں اپنی زیرِ بحث دلیل کی) کتاب "برہان المسلمین" میں فرماتے ہیں کہ:

"ہماری اصطلاح میں ان آیات کو حدیث کہا جاتا ہے" ص ۵۱۔ ۵۲

(یعنی وہ نشانیاں جو کتاب الٰہی کے علاوہ موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں)

قارئین اب آپ فیصلہ خود کر لیجئے کہ اس میں سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا؟ حق کیا ہے اور دھوکہ کیا ہے؟ یونکہ قرآن کریم تو اپنی آیات ہی کو حدیث بتاتا ہے جیسا کہ ہم پیچھے "حدیث کی قرآنی تعریف" کے زیرِ عنوان پیش کر آئے ہیں۔ یہاں یہ غور کر لیجئے کہ موصوف کے مطابق "شرعی اصطلاح میں حدیث رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو کہتے ہیں" تو یہ شرعی اصطلاح کیسے بن گئی؟ کیا یہ نام نہاد شرعی اصطلاح اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے دی ؟؟ ظاہر ہے کہ یہ اصطلاح خود مُلّا کی دی ہوئی ہے! جبکہ شریعت تو اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی یا مقرر کی ہوئی ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (۴۲/ ۱۳) کے مطابق۔ تو صاف ظاہر ہے یہ شریعت ان ہی لوگوں کی بنائی ہوئی ہے!

آگے موصوف فرماتے ہیں کہ "مندرجہ بالا بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہ السلام کے پاس کتاب الٰہی

---

[1] قارئین یہاں یہ نوٹ کر لیں کہ موصوف نے موسیٰ سلامٌ علیہ کو ملنے والی الواح کو کتابِ الٰہی مان لیا، اس لئے غور کر لیجئے کہ وہ کتاب الٰہی تو لکھی لکھائی تھی مگر افسوس کہ آخری کتاب الٰہی کو تختیاں بھی نصیب نہ ہوئیں! (معاذ اللہ) اور وہ بعد میں پوچھ پوچھ کر اور گواہیاں لے لے کر مرتب کی گئی! (معاذ اللہ)

کے علاوہ بھی وحی آتی رہی تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سید الانبیاء[1] علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس کتاب الٰہی کے علاوہ وحی نہ آتی ہو" (ص ۵۳)

یہ صحیح کہ انبیاء سلامٌ علیہ کے پاس کتاب الٰہی کے علاوہ بھی وحی آتی رہی اور صرف انبیاء سلامٌ علیہ ہی کیا غیر انبیاء پر بھی وحی آتی رہی (جو ہم آگے قرآن کی عبارت النص ہی سے ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ) لیکن وہ انہی لوگوں کے لئے مخصوص تھی۔ ان کی غیر کتابی وحی ہمارے لئے نہیں تھی۔

یہ بھی صحیح کہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر بھی غیر کتابی وحی آتی رہی، ان کو بہت کچھ نشانیاں بھی دکھائی گئیں۔ مگر کیا وہ غیر کتابی وحی ہمارے لئے تھیں؟ جبکہ ہم پر صرف قرآن کریم فرض کیا گیا (۲۸/ ۸۵)۔ ظاہر ہے کہ اس آیت کریمہ کی موجودگی میں نہیں۔ نیز دیکھئے اللہ تعالیٰ نے تو آدم سلامٌ علیہ سے بھی گفتگو کی یا غیر کتابی وحی نازل کی جب فرمایا:

" وَ قُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ (بقرہ:۳۵)

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم، تم اور تمہاری بیوی اس جنت میں رہو اور اس میں سے جہاں سے تمہارا جی چاہے خوب کھاؤ (پیو) لیکن اس درخت کے پاس نہ جانا" ۔ (۳۵) (تفسیر سورہ بقرہ، ص ۲۱۰، جزء۔۱)

پھر جب ان دونوں نے اس درخت میں سے کھالیا...... پھر آدم نے معافی مانگی اور اللہ نے معافی قبول کرلی۔ تو فرمایا:

" قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ (بقرہ:۳۸)

ترجمہ: ہم نے پھر ان سے کہا تم سب یہاں سے اُتر (کر زمین پر چلے) جاؤ، پھر جب کبھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا) جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں روز محشر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے" (تفسیر سورہ بقرہ۔ آیت ۳۸، ص ۲۱۱، جزء۔۱)

غور کیجئے کہ جس وقت آدم سلامٌ علیہ سے یہ گفتگو ہوئی (کلام کیا) اس وقت تک ان کی بعثت نبوت کا کوئی ثبوت نہیں۔ ان کو جو وحی کی گئی کہ "اس درخت کے پاس نہ جانا" یہ غیر کتابی گفتگو یا وحی تھی اور اس کا اطلاق دیگر انسانوں پر نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آدم سلامٌ علیہ اور ان کی بیوی کو جنت سے اُتارتے وقت یہ کہا کہ "جب کبھی تمہارے پاس میری طرف سے (هُدًى) ہدایت پہنچے تو (فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ) اس کی اتباع کرنا۔ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اب ہم نے بھی هُدًى کی اتباع کرنا ہے اور غیر کتابی وحی کی اتباع نہیں کرنا۔ یہاں تَبِعَ سے اتباع کے معنیٰ و مفہوم بھی واضح ہوگئے کہ اتباع اللہ کی ہدایت یعنی الکتاب کی کرنا ہے (نام نہاد) عجمی روایات کی نہیں۔ اس سے اتباع اور اطاعت کا فرق بھی واضح ہوگیا اور هُدًى یعنی ہدایت کیا ہے؟ تو وہ اللہ کی کتُب ہی کو کہا گیا ہے۔ دیکھئے:

"طٰسٓ ۫ تِلْكَ اٰيٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ ۙ﴿۱﴾ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ﴿۲﴾ (نمل:۱،۲)

---

[1] قارئین موصوف سے پوچھئے کہ یہ "سید الانبیاء" قرآن کی کس آیت میں آیا ہے؟ یا یہ کس آیت کی تشریح میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بتایا ہے؟ جبکہ قرآن کریم تو حکم دیتا ہے کہ "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (۲/ ۲۸۵) اور لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ (۳/ ۸۴) تو موصوف انبیاء میں فرق کس طرح کر رہے ہیں؟ ان کے پاس قرآن کے حکم کے خلاف عمل کرنے کی کیا اتھارٹی ہے؟؟

ترجمہ: طٰسٓ، یہ قرآن یعنی روشن کتاب کی آیتیں ہیں (۱) مومنین کے لئے ہدایت اور بشارت کا (ذریعہ) ہیں (۲)" (تفسیر سورہ نمل آیت ۱۔۲، ص ۴۵۲، جزء۔۷)

اور دیکھئے:

" اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِىَ ۖ تَقۡشَعِرُّ مِنۡهُ جُلُوۡدُ الَّذِيۡنَ يَخۡشَوۡنَ رَبَّهُمۡ ۚ ثُمَّ تَلِيۡنُ جُلُوۡدُهُمۡ وَقُلُوۡبُهُمۡ اِلٰى ذِكۡرِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهۡدِىۡ بِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنۡ هَادٍ ۝ (سورہ الزمر: ۲۳)

ترجمہ: اللہ نے کتابی شکل میں بہترین کلام نازل کر دیا ہے (جس کی آیتیں) ایک دوسرے کے مشابہ ہیں (اور جن میں ایک ہی مضمون) بار بار دوہرایا گیا (ہے)۔ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کے رونگٹے (اس کتاب کو پڑھ کر یا سن کر اللہ تعالیٰ کے خوف سے) کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کی کھالیں اور ان کے دل اللہ کی نصیحت کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔ یہ (کلام) اللہ کی (طرف سے) **ہدایت** ہے، وہ جس کو چاہتا ہے اس کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں (۲۳) (تفسیر سورہ الزمر۔ آیت ۲۳، ص ۴۴۲، جزء۔۸)

قارئین میں نے صرف یہ دو آیات پیش کر دی ہیں جن میں واضح طور پر لفظ هُدًى اور اَلْقُرْاٰن اور الحدیث بھی آیا ہے تاکہ آپ کو واضح ہو جائے کہ ہدایت صرف القرآن ہی میں ہے اور وہی الحدیث ہے بلکہ اَحۡسَنَ الۡحَدِيۡثِ۔ (نام نہاد) حدیث محض ظن ہے وہ غیر کتابی وحی بھی نہیں۔ اگر آپ مزید آیات دیکھنا چاہتے ہیں تو دیکھئے ۱۵۔۱۶ /۵، ۶۴ /۱۶، ۸۹ /۱۶، ۹۲ /۱۷ اور کتاب کا پہلا باب

یہاں یہ حقیقت اچھی طرح نوٹ کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی بنیادی تعلیم یعنی اصل تعلیم انسان کو یہی ہے کہ اس کی **ہدایت** (هدًی) کی پیروی یعنی اتباع کرنا ہے یعنی **القراٰن** کی اتباع / پیروی کرنا ہے اور یہ اصل تعلیم سب کے لئے حتیٰ کہ انبیاء کرام کے لئے بھی ہے بلکہ پہلے انہی کے لئے ہے یونکہ آدم سلامٌ علیہ کو یہی حکم ملا تھا۔ پہلے نبی یا رسول، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت پر ایمان لاتا ہے، پھر اس کی اتباع میں دیگر لوگ اللہ کی نازل کردہ ہدایت پر ایمان لاتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت / **الکتٰب** پر عمل کرتے ہیں اور اتباع کے معنیٰ صرف اتنے سے ہیں۔ اتباع کے معنیٰ جو اہل حدیث و اہل فقہ نے بنائے ہوئے ہیں (کہ مخصوص قسم کی شکل و صورت اور وضع قطع بنالو اور مخصوص قسم کے اعمال کرنے لگو) وہ نہیں اور نہ ہی اس قسم کا کوئی حکم اللہ کی کتاب ہدایت یعنی القرآن میں ملتا ہے۔ یہ مُلّا کا خود ساختہ ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنے اٹھارہ (۱۸) انبیاء کرام کا اسم گرامی لے کر بتا رہا ہے کہ:

" اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰٮهُمُ اقۡتَدِهۡ ؕ قُلْ لَّاۤ اَسۡـئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ اَجۡرًا ؕ اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٰى لِلۡعٰلَمِيۡنَ ۝ (الانعام: ۹۱)

ترجمہ: یہ انبیاء تو وہ تھے کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی آپ بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کیجئے (اور ان کفار سے) کہہ دیجئے کہ (میں اسی ہدایت کی تم کو تبلیغ کرتا ہوں اور) تم سے اس (تبلیغ) کی کوئی اجرت (بھی) طلب نہیں کرتا (خبردار ہو جاؤ) یہ ہدایت تمام عالم کے لئے نصیحت ہے" (تفسیر سورہ الانعام، آیت نمبر ۹۱،

ص۱۴۸، جزء۔۴)

غور کیجئے کہ (ھُدًی) "ہدایت" کی پیروی کا حکم ہو رہا ہے، سُنت یا (نام نہاد) حدیث کی نہیں اور (ھُدًی) ہدایت "القرآن" کو کہا گیا ہے۔ "سنت رسول" کے الفاظ تو پورے قرآن میں کہیں نہیں استعمال ہوئے اور نہ اس کی پیروی کرنے کا حکم دیا گیا۔ پیروی یا اتباع صرف القرآن کی ہے وہی رسول کی اتباع ہوئی اور وہی اللہ کی اتباع ہے یونکہ صرف "القرآن" ہی اس کی ہدایت ہے۔ القرآن ہی اس کی کتاب ہے، القرآن ہی اس کی شریعت ہے۔ القرآن ہی اس کے احکام ہیں۔ اور صرف القرآن ہی اب کتابی شکل میں اس کی وحی ہے۔ اور وہی ہم پر فرض کی گئی ہے (۸۵/ ۲۸) اس کے علاوہ کے ہم مکلّف نہیں ہیں۔ (۳/ ۷)

## غلطی کہاں لگی؟

حقیقت وہی ہے جو ہم آغاز میں بتا چکے ہیں کہ جب فارس و روما کی سلطنتیں (صرف قرآن ہاتھوں میں لئے) اہل قرآن کے سامنے خس و خاشاک کی طرح سرنگوں ہو گئیں تو اہل انجیل، اہل توریت، اہل فارس و مجوس وغیرہ سب سر جوڑ کر بیٹھے کہ اس اکیلی کتاب وحی کا زور کس طرح توڑا جائے تو ان کے علماو فضلاء کی مقتدرہ نے فیصلہ کیا کہ ظنّی علوم کو علم بالوحی کے ساتھ شریک کرنے کی کوشش کرو تاکہ علم بالوحی والوں کا ایمان کمزور ہو جائے اور وہ صراط مستقیم سے ہٹ جائیں۔ چنانچہ ان کا پہلا یہودی عالم فاضل ابن سباء عبد اللہ نام رکھ کر تیسرے خلیفۂ راشد کے دور میں دار الخلافہ میں داخل ہوتا ہے اور وحی پوشیدہ (وحی خفی) کے نام سے اپنی سازش کا آغاز کرتا ہے۔ اس کے بعد کیا کچھ ہوتا ہے اور مسلمین کس طرح سازش کا شکار ہو جاتے ہیں اور اہل قرآن کا زور ختم ہو کر اہل حدیث و اہل فقہ منظر شہود پر آجاتے ہیں یہ سب آپ لوگوں کو پتہ ہے۔ اور بہت سی تاریخی کتابوں میں مرقوم ہے۔

بہر حال ہم نیک گمان رکھتے ہوئے اس بات کا تعیّن کرتے ہیں کہ ہمارے موصوف، جو یقیناً نیک نیت اور مجاہد ہیں کہاں دھوکہ کھا گئے یا ان کو غلطی کہاں لگی؟ قطع نظر محدثین کے نام پر سازش کے، ہمارے خیال میں موصوف کو غلطی قرآن شریف کی سورۃ الشوریٰ کی آیت نمبر ۵۱ کے غلط ترجمہ سے لگی۔ ملاحظہ ہو۔ موصوف اپنی کتاب "برہان المسلمین" میں "ایک اور زاویہ سے حدیث کے وحی ہونے کا قرآنی ثبوت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ۝ (الشوریٰ:۵۱)

ترجمہ: کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے سوائے (۱) وحی کے ذریعہ (۲) یا پردہ کے پیچھے سے (۳) یا اللہ کسی فرشتے کو بھیجے اور وہ اللہ کے حکم سے اس چیز کی جو اللہ چاہے (اس انسان کو) وحی کر دے بیشک اللہ بلند و بالا، حکمت والا ہے"۔

اس آیت میں کسی رسول یا نبی تک احکام الٰہی پہنچنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

(۱)۔ براہِ راست وحی کے ذریعہ

(۲)۔ پردہ کے پیچھے سے براہِ راست کلام

(۳)۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی کا فرشتہ کے ذریعہ آنا

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن مجید ان تین قسموں میں سے کون سی وحی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

(۱)۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ (بقرہ:۹۷)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے جبریل کا دشمن کون ہو سکتا ہے، (جبریل) وہی ہے جس نے اللہ کے حکم سے اس قرآن کو آپ کے قلب پر اتارا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

(۲)۔ وَ اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ﴿۱۹۵﴾ (شعراء:۱۹۲تا۱۹۵)

یہ (یعنی قرآن مجید) رب العالمین نے نازل فرمایا ہے، اس کو امانت دار فرشتہ لے کر نازل ہوا ہے۔ آپ کے قلب پر اس کو واضح عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں

آیات بالا سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید وحی کی تیسری قسم ہے۔ اب وحی کی دو قسمیں باقی رہ جاتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حق میں ان کا بھی استعمال ہوا ہوگا۔ اور وہ حدیث کے نزول ہی میں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا حدیث بھی منزل من اللہ وحی ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ: یہاں یہ شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ ان دونوں اقسام سے وحی نبوت مراد نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ آیت زیرِ بحث کے بعد ہی دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَ لَا الْاِيْمَانُ (شوریٰ۔۵۲)

اور اسی طرح ہم نے آپ کی طرف اپنے حکم کی وحی کی (اس سے پہلے) آپ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیسا ہوتا ہے۔

وحی کی تینوں اقسام کا ذکر کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس ہی طرح سے یعنی ان ہی تینوں طریقوں سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے جو ہمارے احکام کی ترجمانی کرتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف تینوں اقسام وحی سے امر الٰہی نازل ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ قرآن مجید صرف ایک قسم کی وحی ہے لہٰذا باقی اقسام وحی سے صرف حدیث نازل ہوئی اور اگر احادیث کو ان اقسام وحی میں سے شمار نہیں کیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ بقیہ دو اقسام کی وحی کہاں غائب ہو گئی۔ وہ احکام کہاں گئے کیونکہ ان کا غائب ہونا ناممکن ہے لہٰذا احادیث کو وحی ماننا ناگزیر ہے"۔ (برہان المسلمین، ص۲۳۔۲۵)

غور کیجئے کہ موصوف نے سورہ الشوریٰ کی آیت ۵۱ کے ترجمہ کے فوراً بعد یہ فیصلہ دے دیا کہ "اس آیت میں کسی رسول یا نبی تک احکام الٰہی پہنچنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں" اور یہیں سے غلطی کا آغاز ہو گیا یونکہ یہ آیت کریمہ عام "بشر" سے اللہ تعالیٰ کے کلام کرنے کا کلیّہ، قاعدہ، اصول یا قانون بتا رہی ہے کہ عام انسان، بشر سے اللہ تعالیٰ

کلام نہیں کرتا سوائے تین طریقوں کے اور عام طور پر ہمارے دیگر علما و فضلاء و مفسرین بھی یہی غلطی کرتے ہیں کہ وہ اس سے نبی یا رسول سے کلام کرنا سمجھ لیتے ہیں اور آیت کو رسول کی وحی سے مخصوص کر دیتے ہیں۔ جو بالکل غلط ہے اور دھوکہ دہی ہے یونکہ آیت میں واضح طور پر لفظ "بَشَرٍ" استعمال ہوا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ لفظ "بَشَرٍ" میں رسول بھی شامل ہیں مگر آیت کریمہ ان کے لئے مخصوص نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کسی اور انسان سے بھی کلام کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی ثابت کریں گے۔

یہاں یہ غور کر لیجئے کہ آیت کے ترجمہ میں موصوف نے خود یہی ترجمہ کیا ہے کہ "کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے سوائے" مگر ترجمہ کرنے کے فوراً بعد پلٹ گئے اور اس کو نبی و رسول سے مخصوص کر دیا۔

آیئے اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان سے کلام کرنے کے لئے اللہ کے تینوں طریقے کیا ہیں:

**(۱)۔** ... **وَحْيًا یعنی وحی** : جس کو موصوف نے براہِ راست وحی لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ بغیر ملٰئِکہ یعنی فرشتے کے ہوتی ہے (جبکہ قرآن کریم دونوں طریقوں کی گواہی دیتا ہے) مگر وہ کس طرح ہوتی ہے یہ نہیں لکھا!

سب سے پہلے تو یہ سمجھ لیجئے کہ وحی کہتے کسے ہیں؟ تو وحی عام طور پر اللہ کے کلام، حکم، اشارہ، قانون، حقائق کو کہتے ہیں جو کہ اللہ کی طرف سے بتایا گیا ہو۔ اور وحی کے معنی اس راہِ ہدایت کے بھی ہیں جو اللہ کی طرف سے ملی ہو جسے "الکتٰب" کہا جاتا ہے۔ لیکن وحی لغت کے اعتبار سے غیر الٰہی اشارہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ شیاطین اپنے اولیاء کے ساتھ کرتے ہیں (۶/ ۱۲۱)

اب دیکھئے غیر انبیاء و رُسُل میں سے عام انسانوں کو وحی کئے جانے کی گواہی قرآن کریم ہی واضح الفاظ میں کس طرح دے رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

" اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّىْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ............ (طٰہٰ:۳۸۔۳۹)

جب ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وحی بھیجی جو (اب تمہاری طرف) وحی کی جا رہی ہے۔ (وہ یہ) کہ موسیٰ کو صندوق میں رکھ دو، پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دو، دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا (پھر) اس کو وہ شخص اُٹھا لے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے......... " (ص۴۶۹، جزء۔۶)

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ ۚ فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ فَاَلْقِيْهِ فِى الْيَمِّ وَ لَا تَخَافِىْ وَ لَا تَحْزَنِىْ ۚ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷﴾ (القصص:۷)

اور (اے رسول) ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کہ موسیٰ کو دودھ پلاتی رہو، پھر جب تمہیں ان کے متعلق (کسی قسم کا) خوف ہو تو ان کو دریا میں ڈال دینا اور (جب تم ایسا کرو تو) نہ ڈرنا اور نہ رنج کرنا، ہم ان کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے اور اُن کو رسول بنائیں گے (۷)" (ص۵۷۹، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ اُمِّ موسیٰ سلامٌ علیہ کو جو وحی کی جا رہی ہے اس میں لفظ "اَوْحَيْنَا" ہی استعمال ہو رہا ہے اور درمیان میں کوئی واسطہ، وسیلہ یا ذریعہ کا ذکر تک نہیں کہ فرشتہ کے ذریعہ یہ وحی کی گئی یا کسی اور نبی یا رسول کے ذریعہ وحی کی گئی۔

اس کے معنیٰ یہی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے براہِ راست ان کے دل میں اتنا مضبوط خیال ڈالا کہ اس کو انہوں نے عملی جامہ پہنا دیا مگر ٹھہریئے! یہ محض خیال یا اِلقاء نہیں ہو سکتا، جو کہ دشمن کے شر سے بچنے کے لئے ایک ماں کر سکتی ہے۔ بلکہ یہ اس سے کہیں بلند و بالا چیز ہے یونکہ اُن کو یہ یقین بھی دلایا گیا کہ "ہم ان کو تمہارے پاس واپس لے آئیں گے اور اُن کو رسول بھی بنائیں گے"۔ کہیئے یہ اللہ تعالیٰ کی وحی ایک بشر پر جو کہ غیر نبی و رسول ہے، ہوئی کہ نہیں؟ اور دیکھئے:

(۲)۔ یوسف سلامٌ علیہ کو بچپنے میں وحی کی گئی جبکہ اس وقت تک ان کی بعثت نبوت نہیں ہوئی تھی:۔

" فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵﴾ (یوسف:۱۵)

ترجمہ: الغرض جب وہ یوسف کو اپنے ساتھ لے گئے تو اس بات پر سب نے اتفاق کیا کہ ان کو کسی گہرے کنویں میں ڈال دیں (پھر جب اس متفقہ فیصلہ پر عمل کرتے ہوئے انہوں نے یوسف کو کنویں میں ڈال دیا تو) ہم نے (فوراً) یوسف کی طرف وحی بھیجی کہ (گھبراؤ نہیں، ایک وقت آئے گا کہ) تم ان کو ان کے فعل کی خبر دو گے اور انہیں (اس بات کا) علم نہیں ہو گا ((کہ کون ان سے بات کر رہا ہے)" (ص ۳۹۳، جزء۔۵)

غور کیجئے کہ بچہ پر وحی ہو رہی ہے اور کسی ذریعہ کا ذکر نہیں جبکہ وہ کنویں میں پھنسا ہوا ہے اور لفظ وہی "اَوْحَیْنَاۤ" ہی استعمال ہو رہا ہے۔ اور دیکھئے:

(۳)۔ حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کے حواریوں پر جو کہ نبی یا رسول نہیں ہیں، وحی ہوتی ہے:

" وَ اِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَ بِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (المائدہ:۱۱۱)

(اور اے عیسیٰؑ وہ بھی یاد کرو) جب میں نے حواریوں کو حکم بھیجا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ تو انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم مسلم ہیں" (ص ۸۶۰۔ جزء۔۳)

غور کیجئے کہ یہاں لفظ "اَوْحَیْتُ" استعمال ہوا ہے جس کے معنیٰ بھی وحی بھیجنا یا حکم بھیجنا ہے اور یہ حکم بھیجنے کیلئے کسی ذریعہ کا ذکر نہیں ہو رہا جبکہ یہ غیر نبی یا رسول پر وحی ہے۔ اور دیکھئے:

(۴)۔ حضرت مریم پر ذریعہ ملائکہ وحی ہو رہی ہے:

" وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ (اٰل عمران:۴۲)

اور (وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے (مریم سے) کہا اے مریم اللہ نے تم کو منتخب کیا ہے، تمہیں پاک کیا ہے، اور دنیا کی تمام عورتوں پر تم کو برگزیدہ کیا ہے (۴۲)" (ص ۸۰، جزء۔۲)

کہیئے یہ جو فرشتے آ کر حضرت مریم کو بشارت دے رہے ہیں تو یہ وحی ہے یا نہیں؟ اور اس وحی میں فرشتوں "ملٰئکۃ" کو ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اور دیکھئے:

(۵)۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ یُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ وَجِیْهًا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ ﴿۴۵﴾ (اٰل عمران:۴۵)

(اور وہ وقت یاد کرو) جب فرشتوں نے (مریم سے کہا) "اے مریم" اللہ تم کو اپنی طرف سے ایک کلمہ کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا، اور وہ دنیا اور آخرت میں باعزت اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں سے ہوگا (۴۵)" (ص ۸۹، جزء:۲)

کہیئے اب تو یقین آ گیا کہ ایک غیر نبی یا رسول کو بذریعہ ملائکہ وحی کی گئی۔ اب دیکھئے کہ آخری نبی سلامٌ علیہ کو کس طرح وحی کی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(۶)۔ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ (البقرہ:۹۷)

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے جو شخص جبریل کا دشمن ہو تو (اسے خبر دار ہو جانا چاہئے کہ) بیشک وہی تو ہے جس نے اللہ کے حکم سے یہ کتاب آپ کے قلب پر اُتاری ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور بشارت (کا مژدہ سناتی) ہے (۹۷)" (ص ۳۴۶، جزء۔۱)

اور دیکھئے:

(۷)۔ وَ إِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۹۲﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْأَمِيْنُ ﴿۱۹۳﴾ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ (شعراء:۱۹۲۔۱۹۴)

اور (اے رسول) بے شک یہ (قرآن) رب العالمین کا نازل کردہ ہے ○ اس کو امانتدار فرشتہ (جبریل) لے کر اترا ہے ○ (اور اس نے اس کو) آپ کے قلب پر (القاء کیا ہے) تا کہ آپ (لوگوں کو) ڈرائیں ○ " (ص ۴۲۸، جزء۔۷)

غور کیجئے کہ ان دونوں آیات میں جبریل روح الامین کے ذریعہ قرآن کریم (نام نہاد احادیث نہیں) رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر نازل کئے جانے کا اعلان ہو رہا ہے۔ جس کو خود موصوف نے القاء کیا جانا لکھا ہے۔ یعنی یہ حقیقت واضح ہوئی کہ جبریل نزول قرآن میں بولا نہیں (جبکہ روایتی کہانی وہ ہے جو آپ نے سینکڑوں بار ذاکرین سے سنی ہے کہ جبریل آکر حکم کرتا ہے اِقْرَاء ۔ اور دو دفعہ اللہ کا نام ہی نہیں لیتا۔ رسول کو سینہ سے لگا کر بھینچتا ہے، جس طرح پیر لوگ اپنے مرید کو بھینچتے ہیں، پھر اسے اللہ کا نام یاد آ جاتا ہے تو پوری بات کرتا ہے کہ اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ .......... پھر اس طرح وہ آخری نبی و رسول سلامٌ علیہ کو پہلی آیتِ قرآن پڑھاتا ہے ........ وغیرہ وغیرہ معاذ اللہ) اس طرح روایتی کہانی تو آپ اپنی موت مر گئی یونکہ قرآن کریم تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے قلب اطہر پر نازل ہونا بتا رہا ہے۔ اس نزول کی کیفیت تو اللہ تعالیٰ نے نہیں بتائی سوائے اس کے کہ:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَإِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (القیمۃ:۱۶۔۱۹)

(اے رسول) اس (قرآن) کو جلدی سے یاد کرنے کے لئے اپنی زبان کو حرکت نہ دیا کیجئے ﴿۱۶﴾ اس کا (آپ کے سینہ میں) جمع کرنا اور پھر اس کو پڑھوانا ہمارا ذمہ ہے ﴿۱۷﴾ لہٰذا جب ہم پڑھا کریں تو (آپ سنتے رہئے اور) اس کے پڑھنے کی پیروی کیجئے ﴿۱۸﴾ پھر اس کی تشریح کرا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے ﴿۱۹﴾ (تفسیر قرآن عزیز، سورہ

القیٰمۃ۔ آیت ۱۶۔۱۹، جزء ۱، ص ۱۸۷)

اسی بات کو ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

"سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ (الاعلیٰ:۶)

ہم آپ کو (قرآن) پڑھائیں گے پھر آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے (۶) (تفسیر قرآن عزیز، سورہ الاعلیٰ، آیت ۶، جز ۱۰۔ ص ۳۸۴)

غور کیجئے کہ ان دونوں آیات میں پڑھنے اور پڑھانے (قُرْاٰنَهٗ اور سَنُقْرِئُكَ) دونوں کیلئے صیغہ متکلّم استعمال ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ دونوں کام اپنی طرف منسوب کر رہا ہے[ا]۔ اسی پڑھنے یا تلاوت کرنے کو تو متعدّد جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب کیا:

ا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ اس کے معنٰی یہی ہیں کہ جبریل پڑھتے تھے تو لاؤ قرآن ہی سے اس کا ثبوت؟ نیز یہ بتاؤ کہ موسیٰ سلامٌ علیہ سے جو اللہ نے کلام کیا ہے تو کیا وہ بھی جبریل بول رہا تھا کہ ("اِنِّىْٓ اَنَا رَبُّكَ") "میں تیرا رب ہوں" (۲۰/۱۲)

" تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ (۲/۲۵۲، ۳/۱۰۸، ۴۵/۶)

(اے رسول) یہ اللہ کی (یعنی ہماری) آیتیں ہیں جو ہم آپ کو حق کے ساتھ پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں ............ " (تفسیر قرآن عزیز، ص ۹۲۶، جزء ۱ ........"

"ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۞ (۳/۵۸)

(اے رسول) یہ (اللہ کی) آیتیں ہیں اور حکمت سے بھرپور نصیحتیں ہیں جو ہم آپ کو پڑھ پڑھ کر سنا رہے ہیں" (تفسیر قرآن عزیز، ص ۱۰۶، جزء ۲)

غور کیجئے کہ یہاں نَتْلُوا کہنے کے معنٰی یہ نہیں ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ بیٹھ کر اور مولوی کی طرح ہل ہل کر قرآن کریم کی تلاوت کرتا رہتا ہے (جیسے کہ صَلُّوا کے معنٰی مولوی یہ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں کے ساتھ کھڑا ہو کر "یا نبی سلام علیكَ" پڑھتا رہتا ہے معاذ اللہ)۔ بلکہ یہ قرآنی اسلوب بیان ہے جیسا کہ پیچھے ہم "عَلَّمَكُمْ" کی بحث میں بتا آئے ہیں۔

بات واضح ہو گئی کہ پہلا طریقہ وحی جس کو وَحْيًا کہا گیا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قلب پر نزول ہے چاہے وہ نبی یا رسول پر ہو یا غیر نبی پر۔ چاہے اس کا ذریعہ جبریل ہو یا نہ ہو۔ (مثلاً ام موسیٰ پر، حضرت یوسف پر کہیں ملائکہ یا جبریل کا ذکر نہیں) بات دل میں ڈال دی گئی اور اس کو مستحکم کر دیا گیا۔

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ انسانوں سے کلام کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے دوسرا کیا طریقہ بتایا ہے:

**(۲)۔** ..."مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ" یعنی پردہ کے پیچھے سے براہِ راست کلام۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو قرآن کریم کی گواہی دیکھئے کہ وہ اس طریقہ کو انسانوں میں انبیاء و رسل کے ساتھ مخصوص بتا رہا ہے۔ اور قرآن کریم میں رسول کے علاوہ کسی اور سے کلام کرنے کی نظیر نہیں ملتی۔ ملاحظہ ہو:

(۱)۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ (البقرہ:۲۵۳)

یہ رسول ایسے ہیں کہ ان میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی، ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض وہ ہیں جن کے اللہ نے مرتبہ بلند کئے......... " (ص۹۲۶، جزء۱)

(۲) آگے دیکھئے سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۶۳ میں اللہ تعالیٰ کئی انبیاء کرام کے نام لے کر بتاتا ہے کہ ان کی طرف وحی کی (اَوْحَیْنَا) اور پھر اس سے اگلی آیت میں صرف موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرنے کا بھی واضح طور پر اعلان فرمایا ہے۔ دیکھئے:

"(اور ان ہی پر کیا منحصر ہے، ہم نے تمام رسولوں پر اسی طرح وحی نازل کی تھی) بہت سے رسولوں کا قصہ تو ہم نے آپ سے بیان کر دیا ہے اور بہت سے رسولوں کا قصہ ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور (موسیٰ کو بھی ہم نے اسی طرح وحی کی تھی البتہ) موسیٰ سے اللہ نے باتیں بھی کی تھیں......... (النساء۔۱۶۴) " (ص ۴۷۸، جزء۔۳)

(۳)۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کلام حضرت موسیٰ سے پہاڑ پر کیا، دیکھئے:

" وَ لَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَ كَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ............... (الاعراف:۱۴۳)

پھر جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر (طور پہاڑ پر) پہنچے تو ان کے رب نے ان سے بات کی......... (۵۳۰۔ جزء۴)

یہاں یہ نوٹ کر لیجئے کہ وقت کا مقرر کرنا اس کلام کرنے سے پہلے ہوا۔ تو وہ کیسے ہوا؟ یقیناً وہ وحی کے پہلے طریقہ سے ہوا ہو گا۔ (اس سلسلہ میں مزید آیات دیکھئے الاعراف۔ ۱۴۲۔ ۱۴۳، طٰہٰ:۹۔ ۴۸)۔ آگے دیکھئے:

(۴)۔ " قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِىْ وَ بِكَلَامِىْ ۖ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ (الاعراف:۱۴۴)

اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ میں نے تمام لوگوں میں سے تم کو اپنی رسالت اور اپنی ہم کلامی کے لئے منتخب فرمایا لہٰذا جو کچھ میں تم کو دے رہا ہوں اسے (مضبوطی سے) پکڑے رہنا اور (میرا) شکر ادا کرتے رہنا (۱۴۴)" (ص ۵۳۱، جزء۔۴)

یہاں اللہ تعالیٰ نے پھر واضح اعلان فرما دیا کہ موسیٰ سلامٌ علیہ کو رسالت کیلئے اور اپنے سے ہمکلامی کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ جبکہ ہمکلامی کی بات کسی اور رسول کیلئے نہیں کی۔

اب ذرا یہ بھی دیکھتے چلئے کہ اس ہمکلامی کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو کیا دیا جسے مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دیا۔ اگلی ہی آیت میں وہ واضح کر دیا:

" وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ مَّوْعِظَةً وَّ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّ اْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ........... (الاعراف:۱۴۵)

اور (اے رسول) ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کا بیان علیحدہ علیحدہ لکھ دیا تھا، پھر (ہم نے بطور تاکید کے ان سے ایک مرتبہ اور کہا) اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اپنی قوم کو بھی حکم دینا کہ وہ بھی اس کے بہترین (قواعد وضوابط) کو (مضبوطی سے ۹ پکڑے رہیں...... " (ص ۵۳۱، جزء۔۴)

غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ، آخری نبی ورسول سلامٌ علیہ سے سینکڑوں سال پہلے نبی مبعوث ہوئے تھے مگر اس وقت ان کو لکھی لکھائی تختیاں (اگر الواح کے معنیٰ تختیاں ہی مان لئے جائیں جیسا کہ موصوف نے کئے ہیں [1]۔ تو بھی تو وہ لکھی لکھائی حضرت موسیٰ کے ہاتھ میں تھیں کہ جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو اٹھائے ہوئے تھے۔ اور جب اپنے بھائی سے ملے تو غصہ میں ان تختیوں کو ایک طرف رکھ دیا) ملتی ہیں، تو کیا سینکڑوں سال بعد، رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں دنیا میں اتنا تنزّل آ گیا تھا کہ قرآن کریم لکھنے کیلئے (ہمارے علما و فضلاء کے مطابق) درختوں کے پتے و چھالیں، ہڈیاں و پتھر ملتے تھے! (معاذ اللہ) یہ بھی دراصل اہلحدیثوں کا سازشی افسانہ ہی ہے تا کہ (نام نہاد) احادیث کو بھی مثل قرآن کے جمع کرنا ثابت کیا جا سکے! ورنہ حقیقت یہی ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود باہتمام قرآن مجید کو لکھ کر اور لکھوا کر محفوظ کر لیتے تھے اور نزول مکمل ہونے پر اس کو یقیناً کتابی شکل میں بین الدفتین محفوظ کر لیا تھا۔ اسی لئے خود قرآن کریم اس کو ایک جگہ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ (۲/۲) کہتا ہے دوسری جگہ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ۝۲۱ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ۝۲۲ (۲۱-۲۲/۸۵) کہتا ہے تو تیسری جگہ اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ۝۷۷ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ۝۷۸ (۷۷-۷۸/۵۶) کہتا ہے اور چوتھی جگہ وَ كِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝۲ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝۳ (۲-۳/۵۲) بتاتا ہے۔

تُف ہے ہمارے علما و فضلاء پر کہ موسیٰ سلامٌ علیہ کو تو الواح پر لکھی لکھائی کتُب ملی مگر محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل شدہ کتُب ان کی وفات کے بعد لوگوں سے پوچھ پوچھ کر جمع کی گئی! (معاذ اللہ)

قارئین دوسرے نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ موسیٰ سلامٌ علیہ کو الواح پر ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کا بیان علیحدہ علیحدہ لکھا ہوا تھا مگر تُف ہے ہمارے علما و فضلاء پر کہ وہ کہتے ہیں کہ آخری نبی سلامٌ علیہ کو جو کتُب ملی وہ مجمل تھی اور اس کی تشریح و توضیح علیحدہ سے (نام نہاد) احادیث میں کی گئی جو کہ فارسی النسل محدثین کرام نے جمع کیں (لکھی لکھائی وہ تشریح و توضیح بھی نہ ملی!) معاذ اللہ)

قارئین تیسرے نکتہ پر بھی غور کیجئے کہ موسیٰ سلامٌ علیہ کو جو لکھی لکھائی الواح ملیں یعنی الکُتب صرف اس کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم ہوا مگر تُف ہے ہمارے علما و فضلاء پر کہ وہ کہتے ہیں کہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو جو کتُب ملی اس کے علاوہ کو مضبوطی سے پکڑ لو یا پھر وہ اس کتُب الٰہی کے ساتھ دوسری کتُب غیر الٰہی بھی پکڑنے کو کہتے ہیں۔ (معاذ اللہ) کیا شرک اس کے علاوہ بھی کوئی ہو سکتا ہے کہ اللہ کی کتُب کے ساتھ غیر اللہ کی کتابیں شریک کر لو!

قارئین چوتھا نکتہ یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے کہ "وَ كَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ" اور "الواح میں ہم نے لکھ دیا تھا" تو اس طرح تو اللہ تعالیٰ خود کاتب وحی بھی ہو گیا (اور اگر پتھر کی الواح تھیں تو وہ سنگ تراش ہو گیا [2]۔ معاذ اللہ) یہ ہے کمال لفظی ترجمہ کا اور اس پر ہٹ دھرمی کرنے کا۔ جیسا کہ موصوف "كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ" اور "كَمَا عَلَّمَكُمْ" کے لفظی معنیٰ کر کے کہتے ہیں کہ صلوٰۃ اس طریقہ سے ادا کرو جس طرح اللہ نے سکھائی۔ (اس نکتہ پر ہم خاصی بحث پچھلے صفحات میں کر چکے ہیں کہ یہ قرآنی اسلوب بیان ہے۔ اس سے لفظی معنیٰ لے کر اس پر

[1] حالانکہ قرآن کریم دوسری جگہ موسیٰ کی کتُب کو "قراطیس" پر لکھا ہوا بتا رہا ہے (۶/۹۲)۔ [2] صحیح مسلم، جزء ۶۔ کتاب القدر، باب حضرت آدم اور حضرت موسیٰ سلامٌ علیہما کا مباحثہ، حدیث عن ابو ہریرہؓ، ص ۲۵۹ کے مطابق تورات اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے لکھی تھی۔ اور شارح شرح قرآن، امام نودی کے مطابق اہلحدیث کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہاتھ ہیں اور دونوں داہنے ہیں!

اصرار نہیں کرنا چاہئے ورنہ شر پیدا ہو سکتا ہے اور ہوا ہے کہ صلوٰۃ ادا کرنے کے سینکڑوں طریقے نکل آئے ہیں اور ہر ایک یہی کہتا ہے کہ اللہ کا اور رسول کا بتایا ہوا یہی طریقہ ہے!)

یہ تو جملے معترضہ تھے۔ اب آیئے اصلی مضمون کی طرف کہ انسان سے کلام کرنے کا اللہ کا تیسرا طریقہ کیا ہے:

**(۳)**۔ ... یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ بِاِذۡنِهٖ مَا یَشَآءُ ؕ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی کا فرشتہ کے ذریعہ آنا۔

یہ تو ہم پہلے ہی طریقہ وحی میں بتا آئے کہ فرشتہ یا ملائکہ تو پہلے طریقہ "براہِ راست وحی" میں آتا ہے خواہ وہ خود بولے یا نہ بولے جیسا کہ آیات سے ظاہر ہوا۔ یہ تیسرا طریقہ تو حقیقت میں "رسول کا بھیجنا ہے جو مشیت الٰہی کے مطابق احکام الٰہی (انسانوں کو) بتائے"۔ یہ ہے آیت کے آخری حصہ کا صحیح ترجمہ جبکہ موصوف کا ترجمہ صد فیصد غلط ہے یوں کہ آیت میں فرشتہ یا ملائکہ کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوا بلکہ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا کہا گیا ہے۔ دیکھئے لفظی ترجمہ:

... اَوۡ ......... یُرۡسِلَ ......... رَسُوۡلًا ......... فَیُوۡحِیَ ......... بِاِذۡنِهٖ ......... مَا یَشَآءُ ؕ

... یا ......... بھیجے ......... رسول ......... پس وہ وحی پہنچائے ......... اس کے حکم سے ......... جو وہ چاہتا ہے

یعنی انسانوں ہی میں سے جو رسول مبعوث کئے جاتے رہے ہیں یہ ان کا فریضہ رہا ہے کہ وہ اللہ کی وحی (یعنی اس کے احکام) عام بشر تک پہنچائیں یونکہ اللہ تعالیٰ عام بشر سے خود نہیں بات کرتا۔ اس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ یہ تیسرا طریقہ تو صرف عام بشر کے لئے ہے۔ جس میں انسانوں سے اللہ تعالیٰ، انسانوں ہی میں سے رسول کے ذریعہ ہمکلام ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا طریقہ صرف انبیاء کے لئے ہے کہ ان سے پردہ کے پیچھے سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور پہلے طریقہ میں انبیاء کرام اور مخصوص بشر سے ڈائریکٹ وحی سے ہمکلام ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پہلا طریقہ بھی انبیاء کرام کے لئے مخصوص ہے ان سے غلطی ہوئی ہے کہ وہ آیات قرآن کے ہوتے ہوئے کہ غیر نبی پر بھی وحی آئی اور ملائکہ آئے، ایسی بے دلیل بات کرتے ہیں۔

موصوف کی غلطی یہ کہ آیت میں لفظ "لِبَشَرٍ" ہوتے ہوئے وہ اللہ کے بات کرنے کے تینوں طریقوں کو نبی و رسول کے لئے مخصوص کر رہے ہیں اور قرآن کے وحی ہونے کو ایک طریقہ قرار دے کر مدعی ہیں کہ باقی دو طریقے حدیث کے نزول کے ہی ہو سکتے ہیں اس لئے (نام نہاد) حدیث منزل من اللہ ہے۔ وہ پھر وہی قیاسی مفروضہ پر دھوکہ کھا گئے کہ چونکہ قرآن وحی کے نزول کا ایک طریقہ ہے تو دوسرے طریقے حدیث کے ہو گئے! لیکن اس کے لئے نہ تو کوئی دلیل پیش کر سکے اور نہ ہی کوئی آیت پیش کر سکے۔ سوائے اس کے کہ "ایک شبہ اور اس کا ازالہ" کا عنوان لگا کر انہوں نے سورہ شوریٰ کی اگلی آیت نمبر ۵۲ پیش کر کے لکھا کہ "وحی کی تینوں اقسام کا ذکر کرنے کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس ہی طرح سے یعنی ان ہی تینوں طریقوں سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے" ہمارا مؤقف یہ ہے کہ یہاں بھی موصوف سے غلطی ہوئی ہے کہ وہ "کَذٰلِكَ" کے معنیٰ "اس ہی طرح سے یعنی تینوں اقسام سے" کر رہے ہیں جبکہ دوسری جگہ بھی یہ لفظ کَذٰلِكَ" استعمال ہوا ہے مگر اس کے معنیٰ تینوں طریقے نہیں۔ ملاحظہ ہو، اللہ تعالیٰ اسی سورہ شوریٰ کے بالکل آغاز میں فرماتا ہے:

"حٰمٓ ۚ ۞ عٓسٓقٓ ۞ کَذٰلِكَ یُوۡحِیۡۤ اِلَیۡكَ وَ اِلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكَ ۙ اللّٰهُ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ۞ (شوریٰ: ۳،۲،۱)

حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ (اے رسول، جس طرح یہ سورت نازل کی جارہی ہے) اسی طرح اللہ، غالب اور حکمت والا آپ پر اور اِن (رسولوں) پر جو آپ سے پہلے گذر چکے ہیں وحی بھیجتا رہا ہے (۳)" (ص۷۲۹، جزء۔۸)

دیکھا آپ نے کہ موصوف ہی نے یہاں کَذٰلِکَ کے معنیٰ (اسی سورۃ میں) "اس ہی طرح سے یعنی تینوں اقسام سے" نہیں کئے۔ اور دیکھئے اس کے دو آیات بعد ہی کچھ اور ترجمہ کرتے ہیں:

" وَ کَذٰلِکَ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا لِّتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَ مَنۡ حَوۡلَهَا ......... (شوریٰ:۷)

اور (اے رسول) جس طرح گذشتہ انبیاء پر وحی نازل ہوتی رہی اسی طرح ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں آپ کی طرف نازل کر دیا ہے تاکہ آپ مکہ والوں کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ارد گرد (رہتے) ہیں (اللہ تعالیٰ) سے ڈرائیں.............. " (ص۷۲۹، جزء۔۸)

قارئین دیکھئے کہ ایک اور مقام پر آیت زیرِ بحث سے ملتے جلتے الفاظ کا موصوف کچھ اور ترجمہ کرتے ہیں:

" وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰهُ قُرۡاٰنًا عَرَبِیًّا ........... (طٰہٰ:۱۱۳)

اور ہم نے اس (کتاب) کو یعنی قرآن کو عربی زبان میں اسی طرح نازل کیا ہے (جس طرح تم اسے پاتے ہو)" (ص۵۲۶، جزء۔۶)

اور دیکھئے:

" وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰهُ حُکۡمًا عَرَبِیًّا ........... (الرعد:۳۷)

اور (اے رسول جس طرح ہم پہلے کتابیں نازل کرتے رہے ہیں) اسی طرح ہم نے اس (قرآن) کو بھی نازل کیا ہے۔ ایسی حالت میں کہ وہ عربی زبان میں فرمان (الٰہی کا ترجمان ہے............ " (ص۵۷۹، جزء۔۵)

اور دیکھئے:

" وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰهُ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ........... (الحج:۱۶)

اور ہم نے اس (کتاب) کو اس حالت میں اُتارا ہے کہ اس کی (تمام) آیات واضح ہیں......... " (ص۳۸۷، جزء۔۶)

اور دیکھئے:

" وَ کَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الۡکِتٰبَ ........... (العنکبوت:۴۷)

اور (اے رسول، جس طرح ہم نے پہلے رسولوں پر کتابیں اتاری تھیں) اسی طرح ہم نے آپ پر بھی کتاب اُتاری ہے" (ص۵۹۷، جزء۔۷)

الغرض موصوف کَذٰلِکَ کا ترجمہ اپنی مرضی وعقائد کے مطابق ہی کرتے رہے ہیں۔ اگر وہ اپنے ترجمہ ہی پر اصرار کرتے ہیں کہ "اس ہی طرح سے یعنی ان ہی تینوں طریقوں سے ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے" تو لائیں کم از کم ایک ایک آیت ہی اس طرح کی پیش کر دیں جن میں ایک ایک طریقہ کا ذکر ہو۔ یہ کتنی بڑی جسارت کی بات ہے کہ " ... اَوۡ یُرۡسِلَ رَسُوۡلًا فَیُوۡحِیَ " کا ترجمہ "وحی کا فرشتہ کے ذریعہ آنا" کر دیا اور پھر اس پر اصرار! غور کیجئے کہ آیت کریمہ انسانوں سے کلام کرنے کے طریقے بتا رہی ہے اور موصوف اس کو کسی رسول یا نبی تک احکام الٰہی پہنچنے کے طریقے

بتا کر مخصوص کر رہے ہیں! نص صریح کے طور پر عبارت النص کی آیت پیش کرنا تو ناممکن ہے اور خود موصوف سورہ شوریٰ میں اس آیت کی تفسیر میں ایک بھی آیت اپنے مؤقف کی حمایت میں نہ پیش کر سکے۔ البتہ (نام نہاد) احادیث پیش کی ہیں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیے:

موصوف لکھتے ہیں کہ وحی کی پہلی اور تیسری قسم کی تشریح کرتے ہوئے رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں:

"وحی کبھی تو اس طرح آتی ہے جیسے گھنٹے کی جھنکار اور یہ وحی مجھ پر بہت سخت گذرتی ہے۔ پھر یہ کیفیت مجھ سے چلی جاتی ہے اور فرشتہ نے جو کچھ کہا ہوتا ہے میں اسے محفوظ کر لیتا ہوں اور کبھی فرشتہ مرد کی صورت بن کر میرے پاس آتا ہے، وہ مجھ سے بات کرتا ہے میں اس کا کہا ہوا یاد کر لیتا ہوں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میں نے آپ کو دیکھا ہے کہ سخت سردی کے دن آپ پر وحی اُترتی پھر موقوف ہو جاتی اور آپ کی پیشانی سے پسینہ بہتا ہوتا۔ (بحوالہ صحیح بخاری کتاب الوحی باب کیف کان بدء الوحی ، و صحیح مسلم کتاب الفضائل باب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی البرد حین یأتیہ الوحی)"

غور کیجئے کہ موصوف اپنی دو کتاب اللہ (نعوذ باللہ) سے ملا کر ایک روایت بنا کر پیش کر کے یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس کو وحی کی دو قسمیں مان لیا جائے (پہلی اور تیسری) حالانکہ دونوں میں فرشتہ موجود ہے! تو پھر یہ دو قسمیں کیسے ہو گئیں؟ جبکہ وہ خود پہلی قسم میں فرشتہ کا کوئی ذکر نہیں کرتے!

دوسری حیرت افزا بات یہ ہے کہ نزول وحی کو بہت سخت بتا رہے ہیں کہ پسینہ بھی بہتا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:

"مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۞ (طٰہٰ:۲)

(اے رسول) ہم نے یہ قرآن آپ پر اس لئے نہیں اتارا ہے کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں (۲)" (ص ۴۵۲، جزء۔۶)

اللہ تعالیٰ تو قرآن اتارنے کے بعد بھی مشقت میں ڈالنا پسند نہیں کرتا تو کیا وہ قرآن اُتارتے ہوئے مشقت میں ڈالے گا؟

بہر حال اس سے زیادہ حیرت افزا بات یہ کہ وحی اس طرح آتی تھی جیسے گھنٹے کی آواز! جبکہ موصوف کی نام نہاد وحی کے مطابق گھنٹی قسم کی کوئی چیز گھر میں نہ رکھے [1] تو یہ عجیب بات ہے کہ وحی تو گھنٹے کی جھنکار کی طرح آتی ہے (معلوم نہیں رسول اللہ سلامٌ علیہ پھر اس جھنکار میں فرشتہ کی آواز کس طرح سُن لیتے تھے اور سمجھ لیتے تھے؟) جبکہ (نام نہاد) وحی ہی گھر میں گھنٹی کی قسم کی کوئی چیز تک رکھنے کی ممانعت کر رہی ہے۔ (شاید اس لئے کہ کہیں وحی نہ آنے لگے! نعوذ باللہ) شاید یہ گھنٹی اور گھنٹے کا فرق ہے!

مزید حیرت اس بات پر ہے کہ (نام نہاد) حدیث مبارک کے مطابق، وحی کرنے کے لئے "فرشتہ مرد کی صورت بن کر آتا تھا وہ رسول سلامٌ علیہ سے بات کرتا تھا تو آپ اس کی کہی ہوئی بات یاد کر لیتے تھے"! گویا کہ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا کہ انہوں نے فرمایا کہ وحی تو قلبِ رسول پر نازل ہوتی تھی (۲/۹۷،

---

[1] کتاب "منہاج المسلمین" شائع کردہ جماعت المسلمین۔ اشاعت اول ۱۹۸۳ء، ص ۲۵۷، بحوالہ صحیح مسلم، کتاب اللباس)

۱۹۲۔ ۱۹۴ /۲۶)۔ تو یہ ہے ہماری ملّائیت کا حال!

قارئین (نام نہاد) وحی کا یہ گھنٹی اور گھنٹے کا فرق تو آپ نے دیکھ لیا اب ذرا موصوف کی تفسیر میں دوسری (نام نہاد) حدیث کو بھی دیکھ لیجئے، اس میں حضرت صفوان بن یعلیٰؓ بن امیہ ایک دن رسول اللہ سلامؑ علیہ کو وحی آتے وقت دیکھتے ہیں کہ:

"آپ کا چہرہ سرخ ہو گیا ہے اور خراٹے کی سی آواز نکل رہی ہے [1]۔ (سورہ شوریٰ: ۵۱۔۵۳، ص۸۰۷، جزء۔۸) (بحوالہ صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن باب نزول القرآن بلسان قریش، جزء۔۶، ص۲۲۵)

ان روایتوں کے بعد موصوف ان کو پہلی قسم کی وحی ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"الغرض پہلی قسم کی وحی جب آتی تھی تو رسول اللہ ﷺ پر بڑی سخت ہوتی تھی، آپ ایک قسم کا کرب محسوس کرتے تھے، چہرے کی رنگت سرخ ہو جاتی تھی، سخت سردی میں آپ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا تھا" (ص۸۰۸، جزء۔۸)

قارئین کیا اب کوئی شک رہ گیا کہ دونوں روایتیں پہلی قسم کی وحی کے آنے کے وقت کی کیفیت بتا رہی ہیں، تو اب ذرا غور کر لیجئے کہ:

وحی کی آمد کے وقت تکلیف و کرب کا ہونا قرآن کے تو خلاف ہے! (جیسا کہ پیچھے قرآنی آیات سے ثابت کیا گیا)

نیز وحی گھنٹے کی جھنکار میں آتی تھی یا خرّاٹے کی سی آواز میں؟ جب آپ کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں تو ہمیں بھی بتا دیجئے گا ورنہ پھر شارح حدیث حافظ صاحب سے پوچھ لیجئے گا!

اب ذرا آگے چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ موصوف دوسری قسم کی وحی کی آمد کے بارے میں کیا تفسیر فرماتے ہیں، لکھتے ہیں:

"دوسری قسم کی وحی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے بات کرتا ہے۔

معراج کا حال بیان کرتے ہوئے رسول اللہ سلامؑ علیہ نے فرمایا:

پھر (جبریل) مجھے لے کر چڑھے یہاں تک کہ میں ایک بلند ہموار مقام پر پہنچا۔ وہاں میں قلم چلنے کی آواز سُن رہا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں یہ حکم لے کر لوٹا جب موسیٰ کے پاس پہنچا تو انہوں نے پوچھا اللہ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا؟ میں نے کہا پچاس نمازیں فرض کیں۔ انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ کیونکہ تمہاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ جبریل مجھے واپس لے گئے۔ اللہ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں۔ پھر میں موسیٰ کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ کچھ نمازیں معاف کر دیں۔ انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس جاؤ تمہاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ میں لوٹا پھر اللہ نے کچھ نمازیں معاف کر دیں۔ پھر میں موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔ تمہاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی۔ پھر میں لوٹا آخر اللہ نے فرمایا وہ پانچ نمازیں ہیں اور (بلحاظ ثواب) پچاس ہی

---

[1] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گھنٹے والی روایت ٹکسال میں کسی رومن عیسائی راہب نے ڈھالی اور خراٹے والی کسی فارسی یہودی پیر نے یونکہ پیر سوتے بہت ہیں اور خراٹے لیتے وقت انہیں بھی بڑے بڑے مشاہدات ہوتے ہیں!

ہیں۔ میرے پاس بات نہیں بدلتی۔ پھر موسیٰ کے پاس آیا انہوں نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ۔ میں نے کہا اب مجھے اپنے رب کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ پھر جبریل مجھے لے کر چلے یہاں تک کہ انہوں نے مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا۔ اس کو مختلف قسم کے رنگوں نے ڈھانک رکھا تھا۔ میں نہیں جانتا وہ کیا تھے۔ پھر مجھے جنت میں لے گئے کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں موتیوں کے ہار ہیں اور وہاں کی مٹی مشک ہے (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فرضیت الصلوٰۃ فی الاسراء جزء اوّل ص ۹۷، و صحیح مسلم کتاب الایمان باب الاسراء رسول اللہ ﷺ جزء ۱، ص ۸۴)

مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے پردے کے پیچھے سے گفتگو فرمائی تھی"۔ (ص ۸۰۸-۸۰۹، جزء ۸)

اب ذرا اس (نام نہاد) حدیث شریف پر غور کر لیجئے۔

(۱)۔ یہ (نام نہاد) حدیث خود اس کے لکھنے والے بخاری و مسلم صاحبان کے نزدیک سورہ شوریٰ کی آیت زیر بحث (۵۱) کی تفسیر نہیں، نہ ہی اس میں ایسا کوئی ذکر ہے، بلکہ یہ موصوف کا اپنا قیاس یا استنباط ہے کہ انہوں نے اس کو اس آیت کی تفسیر میں پیش کر دیا ورنہ بخاری و مسلم صاحبان تو اسے کسی اور کتاب اور باب میں پیش کر رہے ہیں۔ بہر حال یہ محدثین اور مفسرین کا کمال ہے آخر موصوف بھی تو مفسر ہیں!

(۲)۔ اس (نام نہاد) حدیث کو پڑھنے کے بعد، موصوف کا یہ اپنا قیاس یا استنباط ہے کہ معراج میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ سے پردے کے پیچھے سے گفتگو فرمائی تھی! اس پوری روایت میں اس کا ذکر نہیں بلکہ صیغۂ مجہول میں بات کہی گئی ہے مثلاً "پھر اللہ تعالیٰ نے میری امت پر پچاس نمازیں فرض کیں" اس میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کب اور کہاں پیشی ہوئی اور کیا گفتگو ہوئی یا جبریل ہی پیغام دیتے رہے!

(۳)۔ پھر جب آپ کو سطح مرتفع پر چڑھایا گیا تو آپ قلم چلنے کی آواز سُن رہے تھے! ظاہر ہے کہ جس شخص نے یہ روایت ٹکسال میں ڈھالی ہو گی اس وقت اس کا دماغ سیٹھے کے قلم اور لکڑی کی تختی سے آگے نہیں سوچ سکتا تھا۔ وہ کیا ہمارا اپنا مولوی اب سے پچاس سال پہلے تک اس کے علاوہ نہیں سوچ سکتا تھا یوں کہ اس نے فاؤنٹن پین اور بال پین وغیرہ دیکھے ہی نہیں تھے (اور اب تو ان کی بھی ضرورت نہیں رہی بلکہ کمپیوٹر میں سب کچھ لکھا جا رہا ہے اور ڈسک پر ریکارڈ ہو رہا ہے)۔ تو اس کا قلم کی آواز سنانے سے مطلب یہ تھا کہ وہ سطح مرتفع اللہ میاں کے تخت اور لکھنے کی ڈیسک سے اتنی نزدیک تھی کہ اللہ میاں کی لکھائی کی آواز وہاں تک آ رہی تھی۔ (شاید وہ لوگوں کی قسمتیں لکھ رہا ہو گا۔ ورنہ اگر نماز پڑھنے کی ترکیب لکھ رہا ہوتا تو وہ ترکیب بھی نماز فرض کرنے کے ساتھ ساتھ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ہاتھ میں پکڑا دیتا پھر بعد میں جبریل بھیج کر سکھانے کی زحمت نہ کرنی پڑتی۔ مگر شاید اس وقت تک کاربن پیپر یا فوٹو اسٹیٹ مشین ایجاد نہیں ہوئی تھی اس لئے لکھی لکھائی نماز پڑھنے کی ترکیب نہ دے سکا آخر اس کا اپنی اوریجنل تختیاں تو بچا کر رکھنی تھیں بطور "لوح محفوظ"!) (معاذ اللہ)

(۴)۔ سطح مرتفع پر امت پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ شاید اللہ میاں کو برسوں بعد "ملۃ ابراہیم" کا یہ فریضہ یاد آیا تو فرض کر دیا! (معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ قرآن کریم میں شروع ہی میں سورہ بقرہ کی تیسری آیت میں "یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ" کہا جارہا ہے، نیز یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو "مِلۃِ ابراہیم" کی اتباع کا حکم ہے اور وہ اسی پر عمل بھی کر رہے ہیں وہ اور ان کے صحابہؓ نماز پڑھ رہے ہیں (گو کہ چھُپ چھُپ کر) دن میں بھی رات میں بھی حتّٰی کہ کعبہ میں بھی جا کر نمازیں پڑھ رہے ہیں[1] مگر نماز فرض ہو رہی ہے آٹھویں یا نویں سال نبوت میں! اور جبریل اس کے بھی کئی سال بعد مدینہ میں آکر نماز پڑھ کر سکھا رہے ہیں اور رسول اللہ سلامٌ علیہ ان کے پیچھے نماز پڑھنا سیکھ رہے ہیں (نعوذ باللہ)۔ پھر منبر پر کھڑے ہو کر پڑھ کر سب حاضرین کو دکھا رہے ہیں[2] اور حکم دیتے ہیں کہ جیسے مجھے پڑھتے دیکھا ہے ویسے ہی پڑھو۔ (تو یہ تو مدینہ ہی میں ممکن تھا اس سے پہلے مکّہ میں ممکن نہ تھا کہ کھلے عام منبر پر چڑھ کر نماز پڑھیں)

(۵)۔ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ نمازیں فرض ہونے کا حکم لے کر لوٹتے ہیں تو ایک آسمان پر ہی (موصوف نے یہاں اپنی تفسیر میں پوری روایت نہیں دی ہے ورنہ اس میں آسمان پر ہی موسیٰ سے ملاقات ہونے کا ذکر ہے) موسیٰ سلامٌ علیہ کے پاس پہنچتے ہیں تو وہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ اللہ نے تمہاری امت پر کیا فرض کیا۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ پچاس نمازیں فرض کئے جانے کا بتاتے ہیں تو موسیٰ سلامٌ علیہ فرماتے ہیں کہ اپنے رب کے پاس لوٹ جاؤ کیونکہ تمہاری امت اتنی طاقت نہیں رکھتی.......... پھر تین پھیرے لگتے ہیں!

غور کیجئے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ یہ روایت کسی موسوی یہودی نے ٹکسال میں ڈھالی تھی تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو ہر جگہ حاضر دکھایا جائے (جب معراج کیلئے رسول اللہ سلامٌ علیہ کعبہ سے بیت المقدس کی طرف جا رہے ہوتے ہیں تو لال ٹیلے کے پاس ان کو اپنی قبر میں کھڑے نماز پڑھتے ہوئے پاتے ہیں[3]۔ پھر بیت المقدس میں آپ نے خود تمام نبیوں کی امامت کر کے نماز پڑھائی[4]۔ یہ نہیں معلوم کہ وہ رات کے کس وقت کی نماز تھی؟ پھر اوپر پہلے آسمان کے بعد موسیٰ سلامٌ علیہ ہی سے ملتے ہیں نہ عیسیٰ سلامٌ علیہ سے نہ ابراہیم سلامٌ علیہ سے!) نیز ان کو آئندہ کے علم کا جاننے والا بھی ظاہر کیا جائے کہ وہ امت محمدی کا حال اس وقت سے قیامت تک جانتے تھے کہ وہ پچاس نمازیں پڑھنے کی طاقت نہیں رکھتی!

کہئے اب کچھ حقیقت سمجھ میں آئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نماز پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے (امامت کرتے ہوئے) آسمانوں پر معراج کے لئے جاتے ہیں تو وہاں بھی نماز ہی فرض ہوتی ہے! نیز یہ بھی غور کیجئے کہ صدیوں و ہزاروں سال پہلے کے فوت شدہ انبیاء کرام سے آسمانوں پر ملاقات ہوتی ہے کہ ان کو بھی معراج (بعد از فوتگی) کے لئے بلایا گیا تھا حالانکہ وہ تو اپنی قبروں میں تھے اور وہاں بھی نماز ہی پڑھ رہے تھے کہ مرنے کے بعد بھی نماز سے جان نہ چھوٹی تھی یا مرے ہی نہیں تھے بلکہ زندہ درگور کر دیئے گئے تھے! (معاذ اللہ)۔ ع اب ہم تو کچھ کہہ بھی نہیں سکتے یونکہ یہ موصوف کی تفسیر میں بحوالہ وحیٔ خفی کے لکھا ہوا ہے!

---

[1] خود موصوف نے اپنی "تاریخ" میں ص ۱۱۳ پر رسول اللہ سلامٌ علیہ پر کعبہ کے سایہ میں نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کی حالت میں مشرکین مکہ کے اوجھڑی ڈالنے کا واقعہ لکھا ہے جو کہ مسلمین سے مقاطعہ سے پہلے کا واقعہ ہے اور معراج سے بہت پہلے کا واقعہ ہے (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ [2] صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۱۷۰ (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔ [3] موصوف کی تفسیر سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت۔ ص ۱۰، جزء۔ ۶، (بحوالہ صحیح مسلم کتاب الفضائل باب من فضائل موسیٰ علیہ السلام، جزء۔ ۲، ص ۳۱۵)۔ [4] ایضاً۔ ص ۱۲، (بحوالہ صحیح مسلم کتاب الایمان باب ذکر المسیح بن مریم جزء اوّل ص ۸۸)

رسول اللہ سلامٌ علیہ کے تین پھیرے لگنے کے بعد کہا جاتا ہے کہ "وہ پانچ نمازیں ہیں اور (بلحاظِ ثواب) پچاس ہی ہیں۔ میرے پاس بات نہیں بدلتی" یعنی کتنی عمدہ فلاسفی ہے کہ پچاس سے پانچ کر دیں اور پھر بھی یہ کہا جارہا ہے کہ میرے پاس بات نہیں بدلتی!

تو اصل بات یہ کہ یہ یہودی اس سیٹھے کے قلم والی یہودی سے زیادہ ہوشیار تھا۔ اس سے جب کسی نے اعتراض کیا ہو گا کہ قرآن کریم میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی بات نہیں بدلتی (لَا تَبۡدِيۡلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ ۱۰/۶۴) تو اس نے فَٹ اس جملہ کا اضافہ کر دیا ہو گا۔ بہر حال پھر اس وحی خفی کی تشریح توسین لگا کر (بلحاظ ثواب) موصوف نے کر دی ہے۔ اس طرح یہ وحی خفی مع تشریح کے آپ تک پہنچ گئی ہے!

تو یہ ہے موصوف کی وحی خفی اور دوسری قسم کی وحی جس میں اللہ تعالیٰ پردے کے پیچھے سے بات کرتا ہے۔ ہمیں تو اس میں کہیں پردہ کے پیچھے سے بات کرتا ہوا اللہ تعالیٰ نظر نہیں آیا۔ ہاں مجہول کے صیغہ میں بات ہوتی بتائی گئی ہے تو وہ تو جبریل کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے یونکہ جبریل رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ بہر حال یہ تو ہے وحی خفی یا وحی پوشیدہ۔ اب ہم آپ کو دکھاتے ہیں وحی جلی یا اصلی وحی کہ اللہ تعالیٰ پردہ کے پیچھے سے کس طرح بات کرتا ہے ملاحظہ ہو:

ترجمہ: "پھر جب موسیٰ ہمارے مقرر کردہ وقت پر (طور پہاڑ پر) پہنچے تو ان کے رب نے ان سے بات کی۔ (دورانِ گفتگو) موسیٰ نے کہا: اے میرے رب مجھے اپنی ذات اقدس دکھادے تاکہ میں تیرا دیدار بھی کر لوں، اللہ نے فرمایا: تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے البتہ تم اس پہاڑ کی طرف نظر کرو، اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے (ورنہ نہیں الغرض) جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلّی فرمائی تو اس کو ریزہ ریزہ کر دیا (پہاڑ اپنی جگہ پر برقرار نہیں رہا) اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب وہ ہوش میں آئے تو کہنے لگے (اے اللہ) تو پاک ہے (مجھ سے غلطی ہو گئی کہ میں نے تجھے دیکھنے کی درخواست کی) میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اور میں سب سے پہلے (تجھ پر) ایمان لانے والا ہوں (۱۴۳) اللہ نے فرمایا: اے موسیٰ میں نے تمام لوگوں میں سے تم کو اپنی رسالت اور اپنی ہمکلامی کے لئے منتخب فرمایا لہٰذا جو کچھ میں تم کو دے رہا ہوں اسے (مضبوطی سے) پکڑے رہنا اور (میرا) شکر ادا کرتے رہنا (۱۴۴)" اور ہم نے موسیٰ کے لئے تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کا بیان علیحدہ علیحدہ لکھ دیا تھا، پھر (ہم نے بطور تاکید کے ان سے ایک مرتبہ اور کہا) اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا اور اپنی قوم کو بھی حکم دینا کہ وہ بھی اس کے بہترین (قواعد و ضوابط) کو (مضبوطی سے) پکڑے رہیں۔ جو لوگ میرے احکام سے سرتابی کریں گے میں عنقریب ان کا گھر تمہیں دکھاؤں گا۔ (۱۴۵) (اور یہ بھی سُن لو کہ) میں اپنے احکام سے انہی لوگوں کو برگشتہ کروں گا جو زمین میں ناحق تکبر کرتے پھرتے ہیں، (یہ ایسے لوگ ہیں کہ) اگر تمام نشانیاں (اور معجزات) دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں، اگر ہدایت کا راستہ دیکھ لیں تو کبھی اس پر نہ چلیں البتہ اگر گمراہی کا راستہ دیکھ لیں تو (ضرور) اس پر چلنے لگیں، (ان کی) یہ (بدبختی صرف) اس لئے ہے کہ انہوں نے (ہٹ دھرمی سے) ہماری آیات کی

تکذیب کی اور ان سے قصداً غفلت برتتے رہے" [1] (۱۴۶) (سورہ الاعراف آیات ۱۴۳۔۱۴۶، ص ۵۳۰۔۵۳۱، جزء۔۴)

اور دیکھئے کہ سورہ طٰہٰ میں اللہ تعالیٰ کافی تفصیل سے بتارہا ہے کہ جب موسیٰ سلامٌ علیہ نے ایک آگ دیکھی اور اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر اس کی طرف گئے تو اللہ تعالیٰ سے کیا بات ہوئی، ملاحظہ ہو:

"پھر جب وہ آگ کے مقام پر پہنچے تو انہیں آواز آئی اے موسیٰ (۱۱) میں تمہارا رب ہوں، تم اپنی جوتیاں اتار دو (اس لئے کہ اس وقت) تم طوٰی نامی ایک مقدس وادی میں ہو (۱۲) اور (اے موسیٰ) میں نے تم کو منتخب کر لیا ہے لہٰذا جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جارہی ہے اسے غور سے سنو (۱۳) میں اللہ ہوں، میرے علاوہ کوئی الٰہ نہیں لہٰذا (صرف) میری عبادت کرو اور میرے ذکر کے لئے نماز قائم کرو (۱۴) قیامت یقیناً آنے والی ہے اگرچہ میں اس (کے وقت) کو چھپائے ہوئے ہوں، (قیامت اس لئے قائم ہوگی) تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے (۱۵) اور (اے موسیٰ) جو شخص قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلتا ہے وہ تمہیں اس (پر ایمان لانے) سے روک نہ دے پھر تم (دوزخ میں جا گرو (۱۶) اور اے موسیٰ، یہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں کیا ہے؟ (۱۷) (موسیٰ نے) کہا یہ میرا عصا ہے، میں اس سے سہارا لیتا ہوں، اپنی بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور اس سے اپنی اور بھی ضرورتیں پوری کرتا ہوں (۱۸) (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ اسے (زمین پر) ڈال دو (۱۹) انہوں نے اسے (زمین پر) ڈال دیا کیا دیکھتے ہیں کہ وہ ایک سانپ ہے جو دوڑ رہا ہے (۲۰) (اللہ نے) فرمایا اسے پکڑ لو اور ڈرو نہیں، ہم اسے عنقریب پھر اس کی پہلی حالت پر لوٹا دیں گے (۲۱) اور (اے موسیٰ) اپنے ہاتھ کو اپنے بازو (کے نیچے) کی طرف قبض کر لو (پھر اسے نکالو تو) وہ بغیر کسی عیب کے سفید بن کر نکلے گا (یہ تمہاری نبوت کی) دوسری نشانی ہے (۲۲) (یہ دو نشانیاں ہم نے تم کو اس لئے دی ہیں) تاکہ ہم تم کو (اپنی قدرت کی) بڑی بڑی نشانیاں دکھائیں (۲۳) (اے موسیٰ) فرعون کے پاس جاؤ، وہ بڑا سرکش ہو گیا ہے (۲۴) (موسیٰ نے) کہا: اے میرے رب میرے (اس کام کے) لئے میرا سینہ کھول دے (۲۵) میرے لئے میرے کام کو آسان کر دے (۲۶) میری زبان کی گرہ کھول دے (۲۷) تاکہ (وہ لوگ) میری بات کو سمجھ سکیں (۲۸) میرے خاندان میں سے میرے لئے ایک وزیر مقرر فرما دے (۲۹) (یعنی) میرے بھائی ہارون کو (میرا وزیر بنا دے) (۳۰) اس کے ذریعہ میری قوت کو مستحکم کر دے (۳۱) اور اس کو میرے کام میں شریک کر دے (۳۲) تاکہ ہم دونوں (مل کر) کثرت کے ساتھ تیری تسبیح پڑھتے رہیں (۳۳) اور کثرت کے ساتھ تیرا ذکر کرتے رہیں (۳۴) بے شک تو ہمیں دیکھ رہا ہے (۳۵) (اللہ نے) فرمایا اے موسیٰ جو کچھ تم نے مانگا، تمہیں دیا گیا (۳۶) (یہ تم پر ہمارا احسان ہے) اور ہم نے تم پر ایک مرتبہ اور احسان کیا تھا (۳۷) جب ہم نے تمہاری والدہ کی طرف وحی بھیجی جو (اب تمہاری طرف) وحی کی جارہی ہے (۳۸) (وہ یہ) کہ موسیٰ کو صندوق میں رکھ دو، پھر اس صندوق کو

[1] میں معذرت خواہ ہوں کہ صرف ترجمہ پیش کر رہا ہوں اور عربی عبارت نہیں لکھ رہا۔ دوسرے یہ کہ چند قوسین کی عبارتیں بھی حذف کر دی ہیں یونکہ موصوف نے ترجمہ کو کچھ زیادہ ہی طویل کر دیا ہے۔

دریا میں ڈال دو، دریا اسے ساحل پر ڈال دے گا (پھر) اس کو وہ شخص اُٹھالے گا جو میرا بھی دشمن ہے اور اس کا بھی دشمن ہے اور (اے موسیٰ) میں نے اپنے پاس سے تم پر (اپنی) محبت ڈال دی (کہ جو دیکھتا تمسے محبت کرنے لگتا) اور (اے موسیٰ اس کا مقصد یہ تھا) کہ تم میری نگرانی میں پرورش پاؤ (۳۹) (اور اے موسیٰ وہ وقت یاد کرو) جب تمہاری بہن چلتی چلاتی (فرعون کے ہاں) پہنچی اور کہنے لگی کیا میں تم کو ایسا آدمی بتاؤں جو اس کی کفالت کرے الغرض (اس طرح) ہم نے تم کو تمہاری والدہ کے پاس لوٹا دیا تاکہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اور وہ (کسی قسم کا) رنج نہ کرے اور (اے موسیٰ تمہیں وہ واقعہ بھی یادہ جب) تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا (پھر تم بہت فکر مند ہوئے) تو ہم نے تم کو غم سے نجات دی، غرض یہ کہ ہم نے تمہاری خوب آزمائش کی، پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہے پھر (اے موسیٰ) تم (رسالت کے مقررہ) معیار پر پہنچ گئے (تو ہم نے تم کو رسالت سے نوازا) (۴۰) اور (اے موسیٰ) میں نے تم کو اپنے (پیغام کو بندوں تک پہنچانے کے) لئے (خاص طور پر) تیار کیا ہے (۴۱) (اے موسیٰ) تم اور تمہارے بھائی (دونوں) میری نشانیاں لے کر (تبلیغ کے لئے) جاؤ (اور دیکھو) میرے ذکر (کے سلسلہ) میں (کسی قسم کی) کمزوری نہ دکھانا (۴۲) تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ، وہ بہت سرکش ہو گیا ہے (۴۳) اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا ڈر جائے (۴۴) ان دونوں نے کہا اے ہمارے رب ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ ہم پر (کسی قسم کی) زیادتی کرے یا یہ کہ وہ ((اور زیادہ) سرکشی کرنے لگے (۴۵) (اللہ نے) فرمایا، ڈرو نہیں، میں تمہارے ساتھ ہوں (جو کچھ تمہارے ساتھ ہو گا) میں (اسے) سنتا رہوں گا اور دیکھتا رہوں گا (۴۶) تو (اب) تم اس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں (تو اپنے رب پر ایمان لا اور) بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے اور ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ دے ہم تیرے پاس تیرے رب کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں (لہٰذا تو ہماری لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کر تاکہ تو سلامتی حاصل کرے اس لئے کہ) سلامتی اسی کے لئے ہے جو ہدایت (ربّانی) کی پیروی کرے (۴۷) ہماری طرف یہ وحی کی گئی ہے کہ عذاب اسی پر (نازل) ہو گا جو (اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو) جھٹلائے اور اس سے منہ موڑے (۴۸) ''[1]

(سورہ طٰہٰ، آیات ۱۱۔۴۸، ص ۷۴۵، ۴۶۲، ۴۶۵، ۴۸۷، ۴۷۰، ۴۸۷، جزء۔۲)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے پردہ کے پیچھے سے اپنے رسول سے کیا کلام کیا؟ اس نے کہیں بھی ان کو نماز پڑھنے کا طریقہ یا وضوء کرنے کا طریقہ یا استنجا کرنے کا طریقہ نہیں بتایا۔

موصوف یا جو کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ سے بھی پردہ کے پیچھے سے کلام کیا تو وہ گواہی کے طور پر لائیں اس طرح کی آیات مبین (عبارت النص) ورنہ پھر اپنی غلطی سے توبہ کریں اور دوسروں کو گمراہ کرنے سے بچیں۔

---

[1] میں معذرت خواہ ہوں کہ طوالت کے خوف سے عربی متن نہیں دیا ہے۔ بہر حال ان آیات میں ذرا قرآنی اسلوب بیان پر بھی غور کریں۔ نیز یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سلامٌ علیہ سے جو کلام کیا وہ بھی اس کتابی وحی یعنی قرآن حکیم میں ریکارڈ ہو گیا، کتاب کے باہر راویوں کے پاس نہیں رہا!

الغرض یہ ثابت ہوا کہ سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۱ کے آخری حصہ کا ترجمہ موصوف نے اپنی ذہن پرستی کے سبب غلط کیا۔ اس کا (اَوْ یُرْسِلَ رَسُوْلًا فَیُوْحِیَ بِاِذْنِہٖ مَا یَشَآءُ) صحیح ترجمہ ہو گا کہ "یا (اپنا) رسول بھیجے اور جو وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) چاہتا ہے اس کے حکم کے مطابق (انسانوں کو) وحی پہنچائے"۔ اور یہی تیسر اطریقہ اللہ کا (عام انسانوں) بشر سے بات کرنے کا ہے۔ اگر موصوف اس سے متفق نہیں تو لائیں بتائیں کہ عام انسانوں سے (بشر)، اللہ تعالیٰ اگر اپنے رسول بھیج کر نہیں تو پھر کس طرح بات کرتا ہے؟ ہاں رسولوں کا آنا بند ہو جانے کے بعد اب رسولوں کی لائی ہوئی وحی یعنی القرآن الحکیم ہی رہ گئی ہے اور بس۔ (یا پھر رسول کے رسول یا خلیفہ یا جنہیں اولی الامر کہا جاتا ہے وہ رہ گئے ہیں)

اس لئے قارئین اب ہوشیار ہو جایئے کہ اللہ تعالیٰ اب آپ کے پاس رسول نہیں بھیجے گا اس لئے رسول کے ذریعہ بھیجی گئی وحی یعنی القرآن الحکیم ہی وہ واحد ذریعہ رہ گیا ہے جس سے اس کے احکام پر عمل ہو سکتا ہے۔ اس لئے اسی کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور دوسری کتابوں کو چھوڑ دیجئے ورنہ پھر اللہ کی پکڑ کے لئے تیار رہئے۔

الغرض ان آیات کریمہ سے بھی یہی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہم عام انسانوں تک اپنے رسول ہی کے ذریعہ وحی کرتا ہے اور وہ وحی صرف "الکتب" یعنی "القرآن الحکیم" ہے جس کے لئے خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کہا کہ

"وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ (۱۹/۶) اور میرے اوپر صرف یہ القرآن ہی وحی کیا گیا (نام نہاد حدیث نہیں)۔

اور موصوف کو آیت کریمہ (۵۱/۴۲) کا غلط ترجمہ کرنے کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی کہ قرآن کے علاوہ بھی کوئی محفوظ وحی ہے جو ہم پر فرض کی گئی ہے اور جس کے ہم مکلّف ہیں!

قارئین یہاں پر یہ نامناسب نہ ہو گا اگر ہم موصوف کی ایک اور غلط دلیل کو بھی دیکھتے چلیں۔ موصوف اپنی کتاب میں عنوان "قرآن مجید کے ایک اور زاویہ سے حدیث کے وحی ہونے کا ثبوت" کے تحت فرماتے ہیں:

" قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی ؕ قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (صافات:۱۰۲)

ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ "اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ بتاؤ تم کیا کہتے ہو" کہا۔ " اے ابّا جان جو حکم آپ کو ملا ہے اسے کر گزریئے"۔

ابراہیم علیہ السلام ایک خواب دیکھتے ہیں اور خواب کو حکم الٰہی سمجھ کر اسمٰعیل علیہ السلام سے اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام بھی یہی سمجھتے ہیں کہ یہ حکم الٰہی ہے۔ دونوں مقدس ہستیوں نے خواب کو وحی الٰہی سمجھا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرما کر تائید کر دی جس سے یہ معلوم ہوا کہ پیغمبر جو خواب بھی دیکھے وہ وحی ہے اور امر الٰہی ہے۔ آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کتاب آسمانی کے علاوہ بھی رسول کے پاس وحی آتی ہے۔ یہ ایک خواب تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا۔ خواب میں صرف ایک فعل دیکھا تھا، جو حکم دیا جا رہا تھا اس کے الفاظ اللہ تعالیٰ کے پاس سے نازل نہیں ہوئے تھے۔ اگر الفاظ نازل ہوئے ہوتے تو ابراہیم علیہ السلام یہ فرماتے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حکم الٰہی الفاظ کی صورت میں نازل نہیں ہوا صرف حکم الٰہی کا مفہوم تھا جو ابراہیم علیہ السلام اور اسمٰعیل علیہ السلام کی سمجھ میں آیا۔ اب اس حکم کے متعلق یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ صحیفہ ابراہیمی میں بھی یہ حکم موجود تھا۔ کیونکہ

صحیفۂ ابراہیمی میں موجود ہونے کے لئے الفاظ چاہئیں اور الفاظ نازل نہیں ہوئے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے مفہوم کو ابراہیم علیہ السلا اپنے الفاظ میں ادا کر کے صحیفۂ آسمانی میں شامل کر دیتے لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ حکم صحیفہ میں نہیں تھا بلکہ حدیث تھی جو نازل ہوئی تھی۔

نتائج: اس آیت سے دو نتیجے بر آمد ہوئے:

........... (۱)۔ صحیفۂ ربانی کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اسی وحی کو حدیث کہتے ہیں۔

........... (۲)۔ احادیث کا اگر صرف مفہوم محفوظ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ الفاظ کے محفوظ ہونے پر اصرار کرنا لایعنی ہے" (کتاب: برہان المسلمین ص ۲۵-۲۶)

غور کیجئے کہ ابھی ابھی موصوف سورہ شوریٰ کی آیت نمبر ۵۱، ص ۵۰۲ پیش کر کے یہ فیصلہ دے چکے ہیں کہ:

"اس آیت میں کسی رسول یا نبی تک احکام الٰہی پہنچنے کے تین طریقے بیان کئے گئے ہیں"

یہاں وہ سورہ صافات کی آیت نمبر ۱۰۲ پیش کر کے یہ فیصلہ دے رہے ہیں کہ:

"پیغمبر جو خواب بھی دیکھے وہ وحی ہے اور امر الٰہی ہے"

جبکہ سورہ شوریٰ کی آیت زیرِ بحث میں خواب کے وحی ہونے کا ذکر تک نہیں تو پھر یہ چوتھا طریقہ کہاں سے آ گیا؟ کسی نے سچ کہا ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے!

قارئین ذرا زحمت کیجئے اور قرآن کریم اُٹھا کر سورہ صافات کھولئے۔ آپ اس آیت نمبر ۱۰۲ کے بعد آیت نمبر ۱۰۶ میں پڑھیں گے:

" اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾ ............... بے شک یہ ایک کھلی آزمائش تھی" (ص ۷۲۹، جزء ۸)

بات واضح ہو گئی کہ خواب کا اشارہ آزمائش کے لئے تھا وہ وحی نہیں تھا۔ ورنہ خود ابراہیم سلامٌ علیہ فرماتے کہ مجھے حکم ملا ہے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں فرمایا۔۔ نیز یہ اشارہ صرف ان کے لئے مخصوص تھا ورنہ اگر وہ وحی بمعنی امر الٰہی ہوتا (جیسا کہ موصوف نے اس کو معنی دیئے ہیں) تو ابراہیم علیہ السلام کے متبعین اور بالخصوص محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ اور ان کے صحابہ کبارؓ بھی اس وحی پر عمل کر رہے ہوتے (یونکہ انہیں مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ کی اتباع کا حکم تھا) کہ ہر کوئی اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوتا۔ اور پھر موصوف بھی اس سنت پر عمل کرتے۔ مگر کسی نے بھی ایسا نہیں کیا پس ثابت ہوا کہ خواب وحی نہیں تھا۔ اور نہ ہی خواب وحی ہوتا ہے۔

نیز یہ کہ اگر خواب وحی بمعنی امر الٰہی تھا تو پھر اسمٰعیل سلامٌ علیہ ذبح کر دیئے گئے ہوتے۔ حکم تو وہی ہوتا ہے جس پر عمل کیا جائے۔ یہ نہیں کہ عمل کرنے سے پہلے روک دیا جائے۔ یونکہ اللہ کا حکم بدلا نہیں کرتا (۶۴/۱۰، ۵۰/۲۹) ۔ پس ثابت ہوا کہ خواب وحی نہیں ہوتا خواہ نبی کا ہو یا غیر نبی کا ورنہ تو یوسف سلامٌ علیہ کا خواب بھی وحی کہلائے گا جبکہ اس میں بھی کوئی حکم نہیں (۱۲/۴)۔ اور یوسف سلامٌ علیہ کے زمانہ میں وہاں کے بادشاہ (مَلِكُ) نے خواب دیکھا جس کی تعبیر نے یہ حقیقت واضح کر دی کہ غیر نبی کو بھی اشارہ مل سکتا ہے (کہ آئندہ کی فصلوں اور ان کی تقسیم کا انتظام کرو تا کہ قحط سالی کے دوران حالات خراب نہ ہوں) یہ بالکل اسی طرح ہے کہ وحی غیر نبی پر بھی آ سکتی ہے جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں قرآنی آیات کی عبارت النص سے ثابت کر چکے۔

آگے موصوف فرماتے ہیں کہ:

"آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کتاب آسمانی کے علاوہ بھی رسول کے پاس وحی آتی ہے" تو قارئین غور کیجئے اس آیت سے یہ کیسے ثابت ہوا؟ اس آیت میں تو وحی آنے کا ذکر ہی نہیں (اسمٰعیل علیہ السلام جو کہ ابھی بچے ہی ہیں ان کے الفاظ ہیں کہ اُمَرُ پر عمل کیجئے مگر ابراہیم علیہ السلام جو کہ نبی ہیں وہ اس کو وحی یا اَمَر نہیں کہہ رہے)۔ ہاں البتہ دوسری آیات سے ثابت ہے کہ آسمانی کتاب کے علاوہ بھی وحی آتی ہے اس میں بھی نبی یا رسول کی تخصیص نہیں وہ غیر نبی پر بھی آسکتی ہے اور آتی رہی ہے جیسا کہ ہم پچھلے صفحات میں قرآنی آیات کی عبارت النص سے ثابت کر چکے۔

آگے موصوف کچھ منطق کے بعد کہتے ہیں کہ:

"لہٰذا یہ ثابت ہوا کہ یہ حکم صحیفہ میں نہیں تھا بلکہ حدیث تھی جو نازل ہوئی تھی"

تو پہلی حقیقت تو یہ کہ جیسا کہ ابھی ثابت ہوا کہ خواب محض اشارہ تھا آزمائش کیلئے اور ایسے اشارے خواب میں غیر نبی کو بھی ملتے رہتے ہیں جیسا کہ عزیز مصر کا خواب)۔ دوسری حقیقت یہ کہ موصوف کو کیسے معلوم کہ یہ صحیفہ ابراہیم میں نہیں تھا وہ تو انہوں نے دیکھا ہی نہیں۔ تیسری حقیقت یہ کہ یہ حدیث بھی نہیں تھی یونکہ اس کو قرآن نے حدیث نہیں کہا بلکہ (مَنَامِ) خواب کہا ہے۔ اور چوتھی حقیقت یہ کہ یہ نازل شدہ بھی نہیں یونکہ نزول کا لفظ صرف کتُب کے لئے آیا ہے خواب کے لئے نہیں۔

آگے موصوف دو نتیجے بر آمد کر کے کہتے ہیں:

"(۱) صحیفہ ربّانی کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اسی وحی کو حدیث کہتے ہیں"۔

تو اس میں یہ بات تو صحیح ہے کہ صحیفہ ربّانی کے علاوہ بھی وحی آتی تھی مگر اس کی تخصیص نبی یا رسول کے لئے نہیں تھی بلکہ وہ کسی بھی مخصوص بشر پر آسکتی تھی اور وہ دوسرے بشر پر لازم نہیں ہوتی۔ مثلاً موسیٰ سلامٌ علیہ کی والدہ پر جو وحی آئی وہ دوسری ماؤں پر لاگو نہیں ہوتی ورنہ ہر ماں اپنے نوزائیدہ بچے کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہانے لگے! اسی طرح صحیفہ ربانی کے علاوہ بھی وحی نبی یا رسول پر آئے وہ بھی دوسروں پر لاگو نہیں ہوتی یونکہ فرض صرف کتابی وحی یعنی قرآن کیا گیا ہے (۲۸/۸۵)

اس نتیجہ میں دوسری بات صحیح نہیں کہ اسی وحی کو حدیث کہتے ہیں یونکہ قرآن کریم اس کو حدیث نہیں کہہ رہا بلکہ قرآن کریم تو اپنی آیات کو حدیث کہہ رہا ہے جیسا کہ ہم نے کتاب کے پہلے حصہ میں عبارت النص سے ثابت کیا۔ نیز قرآن کریم تو قرآنی آیات ہی کو حدیث پر ایمان لانے کو کہہ رہا ہے (۶/۴۵) صحیفہ ربّانی کے علاوہ وحی کو نہیں۔

موصوف لائیں کوئی ایسی آیت جس کی عبارت النص میں ان کا یہ عقیدہ ہو؟

موصوف کا دوسرا نتیجہ ہے:

"(۲)۔ احادیث کا اگر صرف مفہوم محفوظ ہو تو یہ بھی کافی ہے۔ الفاظ کے محفوظ ہونے پر اصرار کرنا لایعنی ہے"

اس سلسلہ میں ہم صرف اتنا عرض کریں گے کہ اس نتیجہ پر بحث کرنا ہی لایعنی ہے یونکہ موصوف کا پہلا نتیجہ "کہ صحیفہ ربانی کے علاوہ جو وحی آتی تھی اسی کو حدیث کہتے ہیں" ہی ثابت نہیں جب وہ قرآن حکیم کے مطابق حدیث ہی نہیں تو چاہے اس کا مفہوم محفوظ ہو یا نہ ہو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ظنّ، ظنّ ہی رہے گا۔ مفروضہ، مفروضہ ہی رہے گا۔

غور کیجئے کہ آیت کریمہ (الشوریٰ آیت ۵۱) کی مدد سے موصوف نے وحی کے تین طریقے بتائے مگر پھر آگے چل کر خواب کو بھی اس میں شامل کر دیا۔ مزید آگے جا کر وہ اپنی اسی کتاب "برہان المسلمین" میں وحی کی صرف دو قسمیں بتاتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"در حقیقت وحی کی دو قسمیں ہیں: قولی اور تقریری"۔(ص۱۷۳)۔

مگر افسوس کہ موصوف اس پر بھی قائم نہ رہ سکے اور اپنی دوسری مایہ ناز کتاب "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" میں فرماتے ہیں کہ:

"برق صاحب کو یہ غلط فہمی ہو گئی، کہ وحی کی بس ایک قسم ہے یعنی قولی، حالانکہ وحی کی کئی قسمیں ہیں، (۱) قولی (الفاظ کا نزول)۔(۲)۔ فعلی (جبریل علیہ السلام کا کسی کام کو کر کے بتانا، مثلاً نماز کا طریقہ اور اوقات نماز کی تعلیم اسی قسم میں شامل ہے)۔(۳)۔ تقریری (آپ کے تمام اجتہادات، بعض فیصلے و تشریحات اسی کے ذیل میں آتے ہیں، برق صاحب کو غالباً اسی وحی کا خیال نہیں رہا اور نہ بہت سی غلط فہمیاں دُور ہو جاتیں)۔(۴)۔ القاء (۵)۔ الہام، (۶)۔ خواب۔(۷)۔ بالمشافہ کلام بھی نبی کے لئے وحی کی قسمیں ہیں"۔(ص۴۷۵)

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ قرآن کریم کی بتائی ہوئی بات صحیح ہے اور مکمل یا موصوف کی بے سند بات صحیح ہے کہ کبھی وہ کہتے ہیں ہ "در حقیقت وحی کی دو قسمیں ہیں" اور کبھی سات لکھ دیتے ہیں۔ دراصل یہ کلامی جرأت ہوتی ہے کہ اپنی بات اور اپنا عقیدہ منوانے کے لئے 'چت بھی میری پَٹ بھی میری' کی گردان کرنا ہوتی ہے کہ مدّ مقابل کسی طرح سے شکست مان لے اکم از کم کنفیوژ تو ہو ہی جائے تا کہ صراط مستقیم پر قائم نہ رہ سکے!

## اصل غلطی

پچھلے صفحات میں ہم یہ بتا چکے کہ موصوف کو غلطی کہاں لگی۔ لیکن پھر بھی اس غلطی کا تعیّن ابھی باقی ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان ایک سماجی جانور[۱] ہے (دَوَآبّ اور دَآبَّۃ ۲۳ /۸ ، ۵۵ /۸ ، ۶ /۱۱، ۵۶ /۱۱، ۴۹ /۱۶، ۶۱ /۱۶، ۴۵ /۳۵) جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے کے ساتھ اُنسیت کی وجہ سے رہن سہن رکھتا ہے بلکہ ایک دوسرے جیسا عمل بھی کرتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ بسا اوقات تو شاید جبلّی طور پر ایک دوسرے کے پیچھے چلنے یا بھاگنے لگتا ہے اور اسی کو بھیڑ چال کہا جاتا ہے۔ اس بھیڑ چال کی مختلف وجوہات ہو سکتی ہیں مثلاً ڈر، خوف، جہالت، محبت، ضرورت وغیرہ وغیرہ۔ اس کی ایک عام فہم مثال یہ ہے کہ جب کوئی ایک انسان بھی اپنے سے طاقتور کسی ہستی کے آگے جھکا تو دوسروں نے بھی جھکنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ پھر وہ اس کی عادتِ ثانیہ بن گیا۔ اب اس کو اس عادت سے روکنا یا پھیرنا آسان کام نہیں رہا۔ یونکہ "تبدیلی" کا عنصر ایک ایسا عنصر ہے جس کو قبول کرنے میں انسان سب سے زیادہ پس و پیش کرتا ہے۔ اور یہ عادتِ ثانیہ اور فطرتِ انسانی ہمیشہ اسی طرح رہی ہے حتیٰ کہ جب اللہ کے رسول، اللہ کی وحی کا علم دے کر انسانوں کی بھیڑ چال کو روکنے اور اللہ کی طرف پھیرنے کے لئے مبعوث کئے گئے تو بھی اس حضرت انسان نے مان کر نہیں دیا۔ الّا ماشا اللہ۔ یہی کچھ آخری نبی ورسول سلامٌ علیہ کے ساتھ ہوا کہ پہلے تو ان کے اپنے قبیلہ و شہر کے لوگوں نے یہی بات نہ مانی اور پھر

[۱] "Man is a Social animal" آج تمام سماجی و عمرانی علما کا مسلمہ و متفقہ اصول ہے۔

نوبت یہاں تک پہنچی کہ نبوت کے دعویدار بھی کھڑے ہوگئے اور بھیڑ چال والوں نے یعنی جو عقل سلیم نہیں رکھتے... (۲۲/ ۸) تھے ان کا ساتھ دیا۔ بہر حال اس وقت تک وحی کی وجہ سے ذہنی طور پر جِلا یافتہ افراد چونکہ طاقتور ہو چکے تھے انہوں نے سب سے بڑے ذہن پرست اور بھیڑ چال کے سربراہ ابوجہل کی منظم طاقت توڑ کر رکھ دی۔ اور اللہ کی وحی کا ڈنکا ہر طرف بجنے لگا.......... وقت گزرتا ہے۔ حتیٰ کہ جزیرہ العرب کے باہر کی عجمی طاقتیں جو اب وحی کی طاقت کے آگے سر بسجود ہو چکی تھیں وہ دل سے اس تبدیلی کو قبول نہیں کرتیں اور وحی کے خلاف اپنے چُنیدہ علما و فضلاء کو منظم کر کے کام پر (وحی کے خلاف سازش پر) لگا دیتی ہیں۔ چنانچہ ان کے منظم گروہ کے افراد جزیرۃ العرب بالخصوص مدینہ منورہ میں وارد ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان میں کا ایک فرد ابن سبا (جس نے عبد اللہ نام رکھا ہوا تھا) بے نقاب ہو جاتا ہے اور خلیفۂ رسول اس کو جلا وطن کر دیتے ہیں۔.............. وقت گزرتا ہے۔ اور منافقین و ناپختہ ذہن کے وہ لوگ جو وحی کی طاقت دیکھ کر اس کے آگے جھکنے والوں کو جھکتا دیکھ کر بھیڑ چال میں وحی کے آگے جھکنے لگے تھے اب اپنے میں سے ایک عالم و فاضل کو معتوب دیکھ کر اس کا ساتھ دینے لگتے ہیں اور شاید اپنی اصلیت کی طرف لوٹ جاتے ہیں (خیال رہے یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے نہ تو ساتھی تھے نہ ہی تربیت یافتہ و مزکّٰی تھے (بلکہ بعد کے زیادہ تر فارس و یمن، مصر وغیرہ سے آمدہ تھے) یہانتک کہ منظم ہو کر ایک باقاعدہ جماعت یا گروہ بن جاتے ہیں اور ''شیعانِ علی'' کا نام پاتے ہیں ابھی وہ اپنے پرانے (غیر وحی کے) عقائد کو ترتیب ہی دے رہے ہوتے ہیں کہ ان میں پھوٹ پڑ جاتی ہے اور ایک اور گروہ کھڑا ہو جاتا ہے اور ''خوارج'' کا نام پاتا ہے........... وقت گزرتا ہے اور بات آگے بڑھنا شروع ہو جاتی ہے مگر چونکہ ابھی وہ لوگ باقی تھے جن کے سامنے وحی یعنی ''القرآن'' نازل ہوا تھا اور وہ صاحب وحی یعنی صاحب قرآن کے تربیت یافتہ اور تزکیہ شدہ اور اللہ کے ہاں سے رضائے الٰہی کا تمغہ حاصل کر چکے تھے اس لئے غیر وحی یعنی غیر قرآنی عقائد زیادہ نہ پنپ سکے لیکن جوں جوں ان کی تعداد گھٹتی گئی غیر قرآنی فکر پھیلتی گئی۔ اب جو لوگ مسلم ہوتے تھے ان کو دونوں چیزیں ملتی تھیں یعنی قرآنی فکر اور غیر قرآنی فکر اور دونوں کا اشتراک عمل آگے بڑھتا گیا حتیٰ کہ دوسروں اور تیسری صدی میں تو غیر قرآنی فکر و عمل نے جڑیں پکڑ لیں بلکہ تناور درخت بن گیا۔ اور یہ وہ دور تھا جبکہ غیر قرآنی فکر پر مبنی کتابیں بھی باقاعدہ قرآن کے مقابلہ پر لکھی جانے لگیں اور منظم طریقہ پر شائع کی جانے لگیں (یہی وہ دَور تھا کہ مختلف فرقے بنتے اور بڑھتے رہے اور ہر ایک اپنے مکتبہ ہائے فکر کے ساتھ کسی نہ کسی شہر میں براجمان تھا اور اس کی ٹکسالیں کھوٹے سکے ڈھال رہی تھیں) یہی وہ دور تھا جب مختلف فقہوں کی پہلی کتابیں مرتب و منظم کر کے شائع کی گئیں اور یہی وہ دور تھا جب مختلف ٹکسالوں میں ڈھلی ہوئی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں مرتب ہونے لگیں مگر ان کو عام مسلمین کی پہنچ سے دور ہی رکھا گیا اس پر کنٹرول اُنہیں علما و فضلاء (احبار و رہبان) ہی کا رہا۔ اب قرآنی فکر والے خال خال رہ گئے اور سب بھیڑ چال کی نذر ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب کسی قرآنی فکر والے نے اس وقت کے ایک امام، فقیہہ، محدث و بانی فرقہ (اس وقت ایک امت میں بیک وقت بہت سے امام ہوتے تھے۔ جو فن جس نے ایجاد کیا ہوتا تھا وہ اس کا امام ہوتا تھا، جو فرقہ جس نے بنایا ہوتا تھا وہ اس کا امام ہوتا تھا۔ بعض بعض میں دو، دو تین خوبیوں کی امامت شامل ہو جاتی تھی) سے سوال کیا:

''کیا آپ کے پاس کوئی دلیل اُس شخص کے مقابلہ میں بھی ہے جو یہ حدیث روایت کرتا ہے، نبی ﷺ

نے ارشاد فرمایا ہے میری طرف سے جو قول تمہارے سامنے آئے اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو، پس جو اس کے موافق ہو وہ میں نے کہا ہے، اور جو اس کے مخالف ہو (سمجھ لو) کہ میں نے نہیں کہا"؟[1]

امام صاحب نے جواب دیا:

"کسی چھوٹے یا بڑے درجہ کے راوی نے اس حدیث کو ایسی سند سے روایت نہیں کیا ہے جو ثابت متصوّر ہو، تا کہ ہم سے یہ کہا جائے کہ جن راویوں نے یہ حدیث روایت کی ہے تمہارے حق میں ثابت شدہ ہو گئی۔

"نیز یہ روایت ایک مجہول راوی کی وجہ سے منقطع ہے، اور ہر قسم کی منقطع روایت کو کسی شے کے حق میں حجت نہیں تسلیم کرتے"

سائل نے مزید سوال کیا کہ:

"کیا آپ کے پاس آپ کے اپنے قول پر کوئی دلیل ہے؟"

تو امام صاحب نے جواب دیا:

"جی ہاں! ہم کو سفیان نے خبر دی بواسطۂ سالم ابو لنضر بسماعت عبید اللہ بن ابی رافع، ابو رافع رضی اللہ عنہ سے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اپنے تخت پر بیٹھا ہوا ہو، اور اس کے سامنے میرا کوئی حکم یا کوئی ممانعت پیش کی جائے تو وہ یہ کہہ دے کہ میں کچھ نہیں جانتا، جو کچھ ہم کتابُ اللہ[2] میں پائیں گے اس کی اتباع کریں گے"۔[3]

غور کیجئے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ ایسی بات کہہ سکتے تھے (کوئی حکم یا ممانعت) جو کتاب اللہ کے علاوہ ہوتی؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں بتایا ہے:

" وَ اِذَا لَمۡ تَاۡتِہِمۡ بِاٰیَۃٍ قَالُوۡا لَوۡ لَا اجۡتَبَیۡتَہَا ؕ قُلۡ اِنَّمَاۤ اَتَّبِعُ مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ مِنۡ رَّبِّیۡ ۚ ہٰذَا بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ وَ ہُدًی وَّ رَحۡمَۃٌ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۲۰۳﴾ (الاعراف:۲۰۳)

ترجمہ: اور (اے رسول) جب آپ ان کو کوئی آیت نہیں سناتے تو (آپ سے کہتے ہیں کہ آپ خود ہی کوئی بات منتخب کر کے ہمیں کیوں نہیں سنا دیتے آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور جو باتیں مجھ پر وحی کی جا رہی ہیں) یہ تمہارے رب کی طرف سے (تمہارے لئے بڑی) بصیرت آفریں ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں"۔ (تفسیر سورہ الاعراف:۲۰۳، ص۶۵۶، جزء۔۴)

کیا یہاں بات بالکل صاف نہیں ہو گئی کہ جب قرآنی وحی نہیں آتی تھی تو آیات کے علاوہ (لفظ "اٰیَۃٍ"، اسی

---

۱۔ غالباً تیسری صدی کی کتاب میں اس ارشادِ رسول کی موجودگی یہ ثابت کرتی ہے کہ صحابہ کبار کے تربیت یافتہ اہل القرآن یا قرآنی فکر رکھنے والے اس دور میں بھی موجود تھے جب ہی تو انہوں نے یہ سوالات کئے۔۔ ۲۔ قارئین اس روایت میں لفظ "کتابُ اللہ" پر بھی غور کر لیجئے کہ یہ کس کے لئے کہا گیا ہے؟ آیا القرآن کے لئے یا موصوف کی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کے لئے؟۔۔ ۳۔ تیسری صدی کی اصولِ فقہ و حدیث پر پہلی کتاب: "کتاب الرّسالہ" از امام محمد بن ادریس شافعی۔ ترجمہ از مفتی امجد العلی صاحب، یکے از اشاعت، ادارۂ تحقیقات اسلامی، ناشر محمد سعید اینڈ سنز۔ ناشران و تاجران کتب، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی، مطبوعہ ۱۹۶۸ء، ص ۱۵۷

آیت کریمہ میں استعمال ہوا ہے اور موصوف نے اپنے ترجمہ میں بھی لکھا ہے' پس ثابت ہوا کہ وحی تو صرف آیات ہی ہو رہی تھیں) رسول اللہ سلامٌ علیہ (نام نہاد) حدیث نہیں سناتے تھے ورنہ پھر اپنی طرف سے منتخب کرکے سنانے کا سوال نہ اُٹھایا جاتا۔ اور جب وہ (نام نہاد) حدیث نہیں سناتے تھے تو اپنی طرف سے کوئی حکم یا کوئی ممانعت کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے جس کا ذکر اوپر کی روایت میں کیا گیا ہے۔ (ہاں البتہ وہ حاکمِ وقت کی حیثیت سے، یا شوہر اور گھر والے کی حیثیت سے، کمانڈر اِن چیف کی حیثیت سے کوئی بھی حکم دے سکتے تھے اور ممانعت بھی کر سکتے تھے۔ مگر روایت میں چونکہ معاملہ کتابُ اللہ کے مقابلہ میں ہے اس لئے وہ کتاب اللہ یعنی "القرآن" کے علاوہ دین میں کوئی حکم نہیں دے سکتے تھے نہ ممانعت ہی کر سکتے تھے یونکہ وہ خود پہلے القرآن کی اتباع کرنے والے تھے ((مزید دیکھئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود کیا کہتے تھے۔ ۱۵۸ /۷ ، ۹۱۔ ۹۲ /۲۷)

دیکھا آپ نے کہ اتنے بڑے امام نے (جو کم از کم تین فنون کا امام تھا، فن فقہ، فنِ حدیث اور ان کا اپنا بنایا ہوا مذہب یا فرقہ) قرآن کے خلاف یا قرآن کے علاوہ کیلئے کیسی روایت پیش کی جو اللہ کی کتاب "القرآن" کے سراسر خلاف ہے!

غور کیجئے کہ سائل نے جو سوال اُٹھایا تھا کہ "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے میری طرف سے جو قول تمہارے سامنے آئے اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو" کیا غلط سوال تھا؟ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی کتاب القرآن کے بارے میں فرمارہا ہے:

(۱)۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ ............ (البقرہ:۱۸۵)

رمضان ہی کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، (وہ قرآن) جس میں (تمام) لوگوں کے لئے رہنمائی ہے اور جس میں ہدایت اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے واضح دلائل ہیں ............... (تفسیر سورہ البقرہ آیت ۱۸۵، ص ۲۰۸، جزء۔ ۱)

(۲)۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ......... (الفرقان:۱)

بابرکت ہے وہ (اللہ) جس نے اپنے بندے پر حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب نازل فرمائی ......... (حق و باطل میں فرق کر دینے والی کتاب سے مراد قرآن مجید ہے) (تفسیر سورہ الفرقان۔ آیت ۱، ص ۲۰۸، جزء۔ ۷)

(۳)۔ مزید دیکھئے سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۴۸ جس میں الکتٰب کو "مُهَيْمِنًا" کہا گیا ہے جبکہ مُهَيْمِنًا کے معنیٰ: نگہبان کے علاوہ قاضی، حَکَم، پرکھ اور کسوٹی کے ہوتے ہیں۔

یعنی جب القرآن ہی الفرقان ہے اور مُهَيْمِنًا ہے تو پھر اس پر نہیں تو کس اور کتاب پر پیش کیا جائے گا؟ اور کس طرح اس کا سچ یا جھوٹ و افتراء ہونا پہنچانا جائے گا؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ کے مطابق تو وہ "القرآن" ہی ہے۔ پس سائل کی پیش کردہ روایت صحیح ہے۔ مگر امام صاحب کو غلط لگتی ہے یونکہ شاید وہ بھی سازشیوں کا شکار ہو گئے تھے اور القرآن کو "الفرقان" و "مُهَيْمِنًا" ماننے کو تیار نہ تھے۔ یہی حال ہمارے موصوف کا ہے کہ قرآن کریم

کی اتنی ضخیم (دس جلدوں میں) تفسیر لکھنے کے باوجود قرآن سے انہیں چڑھ ہے اور ہر جگہ وہ قرآن کے ساتھ (نام نہاد) حدیث شریک کرتے ہیں۔ اور القرآن کو مکمل شریعت تسلیم نہیں کرتے بلکہ شریعت کا ماخذ قرآن اور (نام نہاد) حدیث مانتے ہیں۔ دیکھئے وہ اپنی کتاب "بُرہان المسلمین" کی "تمہید" کے زیرِ عنوان کیا لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ شروع اسلام سے اب تک حدیث کو حجّت شرعیّہ سمجھا گیا۔ اسی بنیاد پر علمائے اسلام نے حدیث کی حفاظت میں انتھک کوشش کی اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بیسیوں فنون ایجاد کئے، ہر فن پر حدیث کو پرکھا اور مختلف قسم کی باریکیوں سے کام لیا۔ محدثین کرام کا یہ ایک ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے۔

محدثین کرام کی مساعی جمیلہ اور محنت شاقہ کے نتیجے میں آج امت مسلمہ کو صحیح احادیث کا ایک بیش بہا ذخیرہ میسّر ہے جس کی روشنی میں امت مسلمہ کا ہر فرد بآسانی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتا ہے اور قرآن مجید پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

دینِ اسلام میں شریعت الٰہیّہ کے دو ماخذ ہیں:

اوّل: قرآن مجید

دوم: حدیث رسول اللہ ﷺ

حدیث: قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو متعیّن کرتی ہے اور قرآن مجید پر عمل کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔

حدیث ہی ہے جو قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی ملحد کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ قرآن مجید کے جو معنی چاہے کر دے"۔ ص۵۔۶۔

پس یہی وہ اصل غلطی ہے (بلکہ اصل سازش ہے جس کا آغاز تو پہلی صدی ہجری ہی میں ہو گیا تھا مگر صحابہ کبارؓ و تابعینؒ کے بعد دوسری صدی میں پروان چڑھی اور تیسری صدی تک تناور درخت بن چکی تھی اور پھل دے رہی تھی) جس نے ایک اسلام (۱۳ /۴۲) کے دسیوں اسلام بنا دیئے، اللہ کی ایک کتاب القرآن کے اکّیس مصاحف بنا دیئے، ملّت جو ایک امت واحدہ تھی (۲۱۳ /۲) اس کے سینکڑوں فرقے بنا دیئے، حکومت صرف اللہ کی تھی (۴۵ /۱۱) اس نے حکومت مرے ہوئے پیروں کی بنا دی، حکم صرف اللہ کا تھا (۲۶ /۱۸) اس نے اس کے ساتھ بلکہ مقابلہ پر رسول کا حکم بھی لگا دیا (بلکہ اماموں اور پیروں کا حکم بھی لگا دیا) اتباع صرف اللہ کی ہدایت کی تھی (۳۸ /۲) مگر اس نے غیر اللہ کی کتابوں کی بنا دی، پکارنا صرف اللہ کو تھا (۶۰ /۴۰) اس نے پکار نا مرے ہوؤں کو شروع کرا دیا۔ محبت صرف اللہ سے کرنا تھی (۳۱ /۳) اس نے رسول سے عشق کرا دیا۔ معجزہ صرف اللہ کی عطاء تھی (۱۱ /۱۴) اس نے اسے رسول اور پیروں کے بائیں ہاتھ کا کھیل قرار دیدیا...................... الغرض اس نے دین اسلام کو دنیا کے وقت بے وقت کے تمام مذاہب کا ملغوبہ بنا دیا اور اصل دین یا شریعت اور اصل کتاب کو مخلوق سے چھپا کر وحی پوشیدہ کے خوبصورت جزء دان میں بند کر کے طاق نسیان کی زینت بنا دیا، یا غار میں چھپا دیا۔

اسی پر بس نہیں کہ موصوف نے شریعت کے دو ماخذ مقرر کئے (اللہ نے مقرر نہیں کئے، ورنہ لاؤ آیت؟)، ان کے علاوہ دیگر اہل حدیث و اہل فقہ نے ان سے زیادہ ماخذ مقرر کئے ہیں (گویا کہ یہ بچوں کا کھیل ہے کہ جو چاہئے جتنے ماخذ

مقرر کرلے اور کھیل کے جتنے چاہے اور جیسے چاہے قواعد و ضوابط مقرر کرلے!) مثلاً بقول موصوف ہی کے ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی اہلحدیثوں کے ایک ذیلی فرقہ کے امیر نے "قیاس" کو بھی حجتِ شرعیہ مان لیا[1]۔ سنیوں کے بڑے فرقہ "حنفیہ" کے نزدیک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قیاس اور (۴) اجماع، شریعت یا فقہ کے ماخذ ہیں [2]۔ سنیوں کے دوسرے بڑے فرقہ شافعی کے نزدیک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) اجتہاد (۴) قیاس اور (۵) استحسان، شریعت کے ماخذ ہیں [3]۔ حد تو یہ ہے کہ آج کے دَور کی سب سے بدنام شخصیت جناب غلام احمد پرویز صاحب (جو کہ منکرِ حدیث اور اہل قرآن مشہور ہیں) کے ادارہ "طلوعِ اسلام" نے بھی "اسلامی شریعت کے بنیادی اُصول" کے نام سے تقریباً یہی اصول یا ماخذ، قانونِ اسلامی لکھے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"۱۔ جب کوئی معاملہ زیرِ غور ہو تو اس کے متعلق سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں اس کی بابت کیا اصول دیا ہے۔

۲۔ قرآن کریم عام طور پر زندگی کے معاملات کے متعلق اصولی تعلیم دیتا ہے۔ ان اصولوں پر مختلف زمانوں میں ہر زمانہ کی ضرورت کے مطابق عمل کرنا ہوتا ہے۔

۳۔ لہٰذا دوسری بات دیکھنے کی یہ ہوگی کہ اس معاملہ کے متعلق ہمارے زمانہ کی ضروریات اور ہماری مملکت کے تقاضے کیا ہیں؟

۴۔ پھر یہ دیکھنا ہوگا کہ قرآن کے اس اصول کی کوئی عملی شکل احادیث کے مجموعوں میں، یا فقہ کی کتابوں میں ملتی ہے؟

۵۔ اگر احادیث یا فقہ میں کوئی ایسی شکل مل جائے جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو ٹھیک ٹھیک پورا کرتی ہے تو اس شکل کو اسی طرح اختیار کرلیا جائے۔

۶۔ اگر ان کتابوں میں کوئی شکل نہ ملے، یا ایسی شکل ملے جو ہمارے زمانے کے تقاضوں کو پورا نہ کرتی ہو، تو جو شکل وہاں ملے اس میں مناسب ردّوبدل کرلیا جائے یا حسبِ ضرورت کوئی شکل خود مرتب کرلی جائے............" [4]

نمبر ۱ سے ۳ تو واضح طور پر قرآن کو ماخذ بتا رہے ہیں۔ مگر نمبر ۴ اور ۵ میں کھلم کھلا حدیث اور فقہ کو ماخذ مانا جارہا ہے۔ کہئے کیا ان منکرِ حدیث اور اہلحدیث و اہل فقہ میں کوئی فرق ہے؟ ظاہر ہے کوئی نہیں۔ محض پروپیگنڈہ ہے۔ دیکھئے انہی اصولوں کے فوراً بعد ادارہ کی سرخی ہے "سنت، رسول اللہ کے متعلق طلوعِ اسلام کا مسلک" اس سرخی کے نیچے لکھتے ہیں:

"حافظ زین الدین عراقی، جو بڑے پایہ کے محدث ہیں، سیرت منظوم کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

ولیعلم الطالب ان السیر تجمع ما صحّ ما قد انکر

طالب کو جاننا چاہئے کہ سیرت میں سبھی قسم کی روایتیں ہوتی ہیں۔ صحیح اور غلط بھی۔

---

۱۔ کتاب "ذہن پرستی" مصنفہ مسعود احمد، امیر جماعت المسلمین، اشاعت رابع ۱۹۸۷ء، ص ۹۳ (بحوالہ: الاعتصام لاہور مورخہ ۲۰، ۲۷ اپریل ۱۹۷۹ء ص ۸)۔۔ ۲۔ دیکھئے ان کی فقہ کی کتابیں۔ نیز مسند امام اعظم میں تحریر کردہ مختصر سیرت امام ابو حنیفہ ص ۲۵ ترجمہ دوست محمد شاکر صاحب ناشر حامد اینڈ کمپنی، مدینہ منزل ۳۸ اردو بازار۔ لاہور۔۔ ۳۔ دیکھئے ان کی فقہ کی کتابیں۔۔ ۴۔ ماہنامہ "طلوعِ اسلام" لاہور۔ مارچ ۱۹۹۱ء جلد ۴۴۔ شمارہ ۳۔ ادارہ کی طرف سے "اسلامی شریعت کے بنیادی اصول" ص ۳۴۔۳۵

"طلوعِ اسلام" بھی یہی کہتا ہے اور یہ جانچنے کے لئے کہ کون سی روایت صحیح ہے اور کون سی غلط' یہ معیار مقرر کرتا ہے کہ:

۱۔ جو روایت قرآن کے خلاف جاتی ہو وہ غلط ہے۔ اس لئے کہ حضور رسالتماب کا کوئی قول یا عمل قرآن کے خلاف ہو نہیں سکتا۔

۲۔ جس روایت سے حضورؐ کی سیرت داغدار ہوتی ہو وہ صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ حضورؐ سیرت و کردار کے بلند ترین مقام پر فائز تھے اور آپؐ کی حیات طیّبہ معراجِ انسانیت کا آئینہ تھی..........."[1]

ان (نام نہاد) منکرینِ حدیث کا مؤقف یا مسلک پڑھ کر اب فیصلہ آپ خود کر لیجئے کہ کیا "سنتِ رسول" کی اصطلاح قرآنی ہے؟ ہم آگے بڑھتے ہیں۔

اب ذرا موصوف کی تمہید کے زیرِ عنوان عبارت کا بھی تجزیہ کر لیجئے۔ سب سے پہلے موصوف حدیث کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

(۱)۔ رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں" (برہان المسلمین ص ۵)

اس پر ہم تفصیل سے بحث تو پچھلے صفحات میں "حدیث کی تعریف" کے زیرِ عنوان کر چکے ہیں اب یہاں صرف یہ دیکھ لیجئے کہ دوسرے مقامات پر موصوف حدیث کی کیا تعریف کرتے ہیں چنانچہ جیسا کہ ہم پچھلے صفحات پر بتا چکے کہ موصوف نے اپنی کتاب "برہان المسلمین" کے ص ۲۶ پر "نتائج" کے زیرِ عنوان لکھا ہے کہ:

(۲)۔ "صحیفہ ربانی کے علاوہ بھی وحی آتی تھی۔ اسی وحی کو حدیث کہتے ہیں"

موصوف اپنی ایک اور کتاب کے حاشیہ میں فرماتے ہیں کہ:

(۳)۔ "محدثین کی اصطلاح میں صحابی کے قول و فعل کو بھی حدیث کہتے ہیں"[2]

موصوف اپنی کتاب "برہان المسلمین" کے ص ۵۱ پر حضرت موسیٰ سلامؑ علیہ پر نشانیوں کے نزول اور اللہ تعالیٰ سے کلام کرنے کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ:

(۴)۔ "یہ آیات (یعنی نشانیاں) کتاب الٰہی کے علاوہ دوسری وحی کے ذریعہ نازل ہوئی تھیں، ہماری اصطلاح میں ان آیات کو حدیث کہا جاتا ہے"

اب آپ خود فیصلہ کر لیجئے کہ جو تعریفیں موصوف نے دی ہیں وہ ان کی یا محدثین کرام کی خود ساختہ ہیں کہ نہیں؟ یونکہ قرآن کریم تو اپنی آیات ہی کو حدیث بتا رہا ہے (۲۳/ ۳۹ ، ۶/ ۴۵ ، ۵۰/ ۷۷ ، ۸۷/ ۴، ۳۴/ ۵۲ ، ۸۱/ ۵۶ ، ۴۴/ ۶۸) جیسا کہ ہم پیچھے تفصیل سے بتا آئے ہیں۔

موصوف اپنی تمہید میں اگلے جملہ میں فرماتے ہیں کہ:

"شروع اسلام سے اب تک حدیث کو حجّت شرعیّہ سمجھا گیا"

غور کیجئے کہ اسلام تو شروع ہوا تھا پہلے انسان اور پہلے نبی آدم سلامؑ علیہ سے۔ مگر اس پچھلے یعنی دورِ گذشتہ کے مصدق قرآن کریم نے کہیں بھی (نام نہاد) حدیث کا ذکر تک نہیں کیا بلکہ زُبُر ، بَیِّنٰت ، صحائف و الکتُب (۸۴/ ۳،

[1] ایضاً۔ ص ۳۵۔ [2] کتاب "التحقیق فی جواب التقلید" مصنف مسعود احمد۔ جماعت المسلمین۔ اشاعت پنجم ۱۹۸۸ء، ص ۸۲

۴۴/۱۶، ۱۹۶/۲۶ ، ۲۵/۳۵) اور الواح (۱۴۵/۷ ، ۴۳/۵۴) کے نازل کئے جانے کا ذکر کیا اور الکتب ہی کو ''احسن الحدیث'' کہا(۲۳/۳۹)۔ ہاں البتہ جب پچھلی امتوں نے اللہ کی کتاب کو اصل حالت میں نہ رہنے دیا اور (نام نہاد) احادیث شامل کر دیں تو وہ کتاب منسوخ کر کے نئی کتاب نازل کر دی گئی حتیٰ کہ فائنل اور آخری کتاب نازل کی جس میں (نام نہاد) احادیث شامل تو نہ کی جاسکیں اور اصل متن کو محفوظ رکھا گیا مگر (نام نہاد) احادیث اس کے مقابلہ پر لا کر کھڑی ضرور کر دی گئیں اور اس کو بھی وحی (پوشیدہ) کا درجہ دے دیا گیا۔ مگر قرآنی فکر والے اللہ کے نیک بندے ہر دَور میں رہے اور وہ اس شرک کے خلاف آواز بلند کرتے رہے (جیسا کہ میں نے ابھی پچھلے صفحات میں آپ کو تیسری صدی کے ایک امام کی کتاب سے نمونہ پیش کیا)۔ یونکہ وہ (نام نہاد) احادیث کو القرآن سے پرکھنے کے قائل تھے اور انہوں نے القرآن کو طاق نسیاں کی زینت نہیں بنایا تھا۔ اسی سے موصوف کا دعویٰ غلط ثابت ہو گیا کہ (نام نہاد) حدیث کو بھی حجّت شرعیّہ سمجھا گیا۔ ہاں یہ نظریہ تو موصوف کے امام کا تھا کہ انہوں نے (نام نہاد) احادیث کو حجت شریعہ مانا اور قرآن سے پرکھنے کا اصول رد کر دیا۔

اس کے علاوہ ہم کتاب کے پہلے باب میں قرآن کریم کی آیات سے یہ ثابت کر چکے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں (نام نہاد) احادیث اور ان کی کتابوں کا وجود تک نہیں تھا۔ نیز یہ کہ جب اللہ کی شریعت و نصیحت و ہدایت قرآن کریم ہی میں مکمل ہو گئی تھی تو پھر کسی (نام نہاد) حدیث کو حجّت ماننے کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ اس وقت تو صرف قرآن کریم ہی کافی تھا(۲۹/۵۱) اور آج بھی ہمارے لئے قرآن کریم ہی کافی ہے۔

غور کیجئے کہ کیا اللہ کی شریعت نعوذ باللہ اتنی نامکمل اور نکمّی تھی کہ اس کا خالق اس کو اس حال میں نازل کرے گا کہ رسول کے بعد امام یا احبار و رہبان یا محدثین اس کو مکمل کریں گے ؟ (نعوذ باللہ) اور وہ بھی کس طرح ؟ حدیثیں اور فقہی مسائل گھڑ گھڑ کر ! اور مفتیوں کے فتوے ملا ملا کر ! (استغفر اللہ)۔ دیکھئے موصوف خود اپنی ایک کتاب میں اس طرح سے مکمل کی ہوئی شریعت کے بارے میں اپنی تحقیق کا لُبِّ لباب اس طرح پیش کرتے ہیں:

''فقہ حنفیہ میں بے شمار مسائل گھڑے گئے ہیں جن کا قرآن وحدیث میں کہیں پتہ نہیں بلکہ بعض تو قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہیں۔ کیا یہ شریعت سازی نہیں''[1]

یہ شریعت سازی کس طرح کی گئی اس کے بارے میں موصوف کی تحقیق ہے:

''قاضی کا قرآن وحدیث کی روشنی میں اجتہاد کر کے کسی مقدمے کا فیصلہ کر دینا اس فیصلہ کو قانون شرعی کی حیثیت نہیں دیتا۔ وہ فیصلہ بالکل وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے فقہ کے مسائل کو ابدی قانون کی شکل دیدی گئی ہے اور ان کو اس طرح مدوّن کر دیا گیا ہے گویا وہ منزّل من اللہ شریعت ہے۔ تمام مقلدین کو ان مسائل پر عمل کرنا ہوتا ہے اور دلائل میں ان ہی کو پیش کرنا ہوتا ہے۔ ان مسائل کو گھڑنے والے قاضی نہیں تھے کہ ان کو وقتی فیصلہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی ہو بلکہ ایسے لوگ تھے کہ جن کو سوائے اس کے اور کوئی کام ہی نہ تھا۔ خود ہی سوال گھڑنا اور خود ہی اس کا جواب گھڑنا۔ اور اس جواب کو اپنے فرقے کے لئے قانون شریعت کی شکل دیدینا۔ اگر یہ قانون سازی اور شریعت سازی شرک نہیں تو پھر آخر

---

[1] کتاب ''التحقیق فی جواب التقلید'' ص ۳۳

اسے کیا کہا جائے۔ شرک کو شرک کہنا اگر ظلم ہے تو پھر اللہ ہی حافظ ہے۔ یہ کیسا فقہی اجتہاد ہے کہ حدیث میں کچھ ہے اور فقہ میں کچھ۔ صریح حدیث کے خلاف بھی مسائل وضع کئے گئے جو تحریف فی الدین کی بدترین مثال ہے، پھر ایسے مسائل بھی گھڑے گئے جن کا سر ہے نہ پیر"۔[1]

غور کیجئے کہ موصوف کی یہ تحقیق فقہوں کے خلاف ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ بالکل یہی حال (نام نہاد) احادیث کا ہے اور اس کی مدد سے جو شریعت سازی کی گئی ہے وہ خود ساختہ ہے اور کھلا ہوا شرک ہے اور ظلم عظیم ہے۔ خود موصوف اس فقہی شریعت کے بارے میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"پھر اگر عملاً دیکھا جائے تو آپ کو تقلیدی دنیا میں یہی ملے گا کہ صریح و صحیح حدیث کے خلاف امام کی رائے ہی کو مانا جارہا ہے۔ اگر یہ شارع بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لئے شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے لکھا ہے:

علماء را بہ پیغمبری رسانیدہ شود بلکہ بخدائے (فتاوٰی عزیزیہ ج۔۱، ص۱۷۶) مقلّدین نے علما کو رسول کا درجہ دیدیا بلکہ اللہ کا۔"[2]

غور کیجئے کہ آخر موصوف نے بھی شاہ صاحب کے فتاوٰی سے مدد لے ہی لی! اب اگر موصوف کی اس تحقیقی عبارت کو ہم اپنی تحقیق کے مطابق اہل حدیثوں کے لئے یوں لکھیں تو انہیں ناراض نہیں ہونا چاہئے:

"اگر عملاً دیکھا جائے تو آپ کو اہل حدیث و اہل فقہ کی دنیا میں یہی ملے گا کہ صریح اور بیّن آیتِ قرآنی کے خلاف محدث و امام کی رائے ہی کو مانا جارہا ہے۔ اگر یہ ان کو شارع بنانا نہیں تو اور کیا ہے؟ اسی لئے ہم یہ کہتے ہیں کہ:

اہل حدیث و اہل فقہ نے اپنے علما و فضلا کو رسول سے بھی بڑھا کر اللہ کا درجہ دیدیا اس طرح کہ رسول نہ تو شریعت سازی کرتے تھے اور نہ ہی قرآن کی شرح لکھتے تھے مگر علما و فضلا دونوں کام کرتے ہیں"۔

قارئین میں سے بعض حضرات ہماری اس تحقیق پر چونکیں گے کہ رسول نہ تو شارع تھے اور نہ ہی شارح۔ جبکہ موصوف خود ان کو جگہ جگہ شرح کرنے والے بتاتے ہیں اور (نام نہاد) حدیث کو بھی قرآن کی شرح بتاتے ہیں۔ بلکہ بعض مقامات پر تو وہ ان کو شارع بھی بنا دیتے ہیں (مثلاً جب وہ یہ کہتے ہیں کہ رسول نے فلاں فلاں چیزیں حرام کر دیں، وغیرہ وغیرہ)۔ مگر غور کیجئے کہ ہم موصوف ہی کی تحریر سے اس کو ثابت کئے دیتے ہیں۔ وہ اپنی اسی کتاب میں شریعت سازی کے بارے میں قرآن شریف کا حوالہ پیش کرتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے تو صاف فرما دیا ہے أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ اللَّهُ (شوریٰ۔۲۱) (کیا انہوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے دینی قوانین بناتے ہیں جس کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اجازت نہیں دی) کیونکہ فقہ کے کھڑے ہوئے مسائل کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں لہٰذا ان کا ماننا شرک ہے"۔[3]

---

۱۔ ایضاً ص ۱۴۔۱۵۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۳۳۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۱۔۱۲

غور کیجئے کہ اگر فقہ کے گھڑے ہوئے مسائل کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اجازت نہیں لہٰذا ان کا ماننا شرک ہے تو یہی صورت حال تو (نام نہاد) حدیث کے ساتھ بھی ہے کہ اس کے نام پر جو مسائل کھڑے گئے ہیں ان کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت کہاں ہے ؟ (اگر ہے تو لاؤ پیش کرو ؟) لہٰذا ان کا ماننا بھی شرک ہے۔ ویسے بھی آیت کریمہ کی روشنی میں اللہ کے سِوا کوئی دینی قوانین نہیں بنا سکتا ورنہ وہ اللہ کا شریک ہو جائے گا، تو رسول اللہ سلامؑ علیہ کیسے قرآن مبین کے مقابلہ پر (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ دینی قوانین بنا سکتے تھے ورنہ وہ بھی اللہ کے شریک ہو جاتے۔ وہ تو خود اللہ کے بنائے ہوئے دینی قوانین پر سب سے پہلے ایمان لانے والے تھے اور ان کی اتباع کرنے والے تھے۔ آگے موصوف خود اس شریعت سازی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اگر شارع صرف اللہ ہے تو کیا یہ شریعت سازی شرک نہیں ؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (شوریٰ۔۱۳) اللہ نے تمہارے لئے دینی شریعت بنائی ہے"[1]

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ نے بات کتنی فیصلہ کن بنا دی کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ پس دونوں آیات سے ثابت ہوا کہ شریعت یا دینی قوانین صرف اللہ تعالیٰ نے بنائے اور نازل کئے اور کوئی اس کا اس صفت میں شریک نہیں ہو سکتا ورنہ پھر یہ شرک فی التشریع ہو گا۔ اور نازل چونکہ صرف القرآن مبین ہوا ہے اس لئے دینی قوانین یا شریعت "القرآن" کے علاوہ کہیں اور ڈھونڈنا یا وہاں سے اخذ کرنا ناممکن ہے۔ اسی لئے موصوف کا عقیدہ کہ شریعت اسلامی کا ماخذ قرآن کے علاوہ (نام نہاد) حدیث بھی ہے بالکل غلط ہے اور کھلا ہوا شرک ہے۔

آگے اسی سلسلہ میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

"ہاں آپ کا یہ کہنا کہ ہم نے شارع نہیں شارح سمجھا ہے، تو یہ بھی صحیح نہیں' اس لئے کہ شارح بھی اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

''ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ (قیامۃ:۱۹) اس کی تشریح بھی ہمارے ذمّہ ہے۔

اس تشریحی ذمّہ کو اللہ تعالیٰ نے رسول کی طرف وحی بھیج کر پورا کر دیا اور اس وحی کے ماتحت رسول کو اس تشریح کے پہنچا دینے کا منصب دے کر اتمام حجّت کر دیا۔ ارشاد باری ہے:

وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ (النحل:۴۴)

(اے رسولؐ) ہم نے یہ شریعت آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ آپؐ لوگوں کیلئے اس نازل کردہ شریعت کی تشریح کر دیں۔[2]

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۵۔ [2] غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں لفظ شریعت ایک مرتبہ بھی استعمال نہیں ہوا مگر موصوف نے ترجمہ میں دو مرتبہ استعمال کیا ہے! شاید اسی کو فنّی مہارت کہتے ہیں۔ غور کیجئے کہ عبارت میں تو موصوف لکھ رہے ہیں کہ "تشریح کے پہنچا دینے کا منصب دیکر" اور "شرح بھی وہی حجت ہو گی جو رسولؐ کے ذریعہ سے ملے گی" یعنی رسول کا کام پہنچا دینا ہے۔ مگر ترجمہ میں کہتے ہیں کہ "شریعت کی تشریح کر دیں" یعنی رسول کو بجائے رسول کے شارح بنا دیا! پھر خود لکھتے ہیں کہ "شارع بھی اللہ اور شارح بھی اللہ" تو پھر آیت کا یہ ترجمہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

غرض یہ کہ شرح بھی وہی حجّت ہو گی جو رسول کے ذریعہ سے ملے گی اور جو شرح رسول کے ذریعہ سے نہ پہنچے بلکہ خود ساختہ ہو تو وہ شرح اللہ کی شرح کے مقابلہ میں واقع ہو گی اور اسی لئے شرک ہو گی۔ **شارع بھی اللہ اور شارح بھی اللہ**۔ اگر امام کو آپ شارح سمجھتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے"[1]

دیکھا آپ نے کہ بات کتنی واضح ہے موصوف کے اپنے الفاظ میں **شارع بھی اللہ اور شارح بھی اللہ**۔ اب اگر امام کو یا محدث کو یا رسول کو **شارح** سمجھا جائے تو یہ کھلا شرک ہو گا۔ اور خود موصوف اس شرک میں مبتلا ہیں کہ:

(۱)۔ وہ رسول سلامٌ علیہ کو قرآن کا یا دینی احکام یعنی شریعت کا شارح سمجھتے ہیں (اور یہاں اوپر سورہ نحل کی آیت میں بھی کمالِ بدعقیدگی سے غلط ترجمہ کیا کہ "آپؐ لوگوں کے لئے اس نازل کردہ شریعت کی تشریح کر دیں" جبکہ اس سے پہلے ہی یہ جملہ لکھ چکے تھے کہ "شارع بھی اللہ اور شارح بھی اللہ" تو پھر رسول کس طرح تشریح کر سکتے تھے؟ اور اگر انہوں نے تشریح کی تھی تو لاؤ وہ کہاں ہے؟ کہاں ہے وہ رسولی تشریح؟ جبکہ آیت کریمہ اس کو نازل کردہ بتا رہی ہے اور موصوف خود بھی ترجمہ میں مان رہے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نازل کردہ تو صرف قرآن مبین ہے جس میں نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ کے ذریعہ تشریح اللہ تعالیٰ نے خود کر دی ہے۔ اس لئے اب دین کا ماخذ سوائے قرآن مبین کے اور کچھ نہیں ہو سکتا)

(۲)۔ موصوف شریعت کی تشریح (نام نہاد) احادیث کو بتاتے ہیں اور اس کو وحی پوشیدہ بھی مانتے ہیں اور پھر اس وحی کا **شارح محدثین** کو مانتے ہیں (نام نہاد حدیث کی تقریباً ہر کتاب کی متعدّد شرحیں لکھی گئیں) تو پھر ظاہر ہے کہ موصوف کے ساتھ ساتھ وہ دیگر شارح بھی شرک میں مبتلا تھے کہ وہ پہلے ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریح شدہ کی تشریح کر رہے تھے یعنی اللہ کے مقابلہ پر شارح بن گئے تھے!

الغرض اوپر کی بحث سے جو کہ موصوف کی اپنی تحریروں پر مشتمل ہے یہ ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کی شرح نہیں کی بلکہ قرآن میں نازل کردہ قوانین الٰہی کی شرح (دیگر آیات میں کی گئی شرح) بیان کی اور "لِتُبَيِّنَ" کے معنیٰ بھی "بیان کر دیجئے" ہی ہیں جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر چکے ہیں۔ دیکھئے صفحات ۴۲۸ سے ۴۳۹) تشریح کر دیجئے نہیں)۔ پس (نام نہاد) حدیث شروع ہی سے حجت شرعیہ نہیں رہی بلکہ صرف قرآن کریم ہی حجت شرعیہ تھا اور ہے۔

آگے اپنی اسی کتاب کی تمہید میں موصوف فرماتے ہیں کہ:

"اسی بنیاد پر علمائے اسلام نے حدیث کی حفاظت میں انتھک کوشش کی اور اس سلسلہ میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ بیسیوں فنون ایجاد کئے، ہر فن پہ حدیث کو پرکھا اور مختلف قسم کی باریکیوں سے کام لیا۔ محدثین کرام کا یہ ایسا حیرت انگیز کارنامہ ہے جس پر جتنا بھی فخر کیا جائے کم ہے" (برہان المسلمین ص ۵)

غور کیجئے کہ واقعی محدثین کرام کا یہ کتنا حیرت انگیز کارنامہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی کتاب جو کہ "اَلْفُرْقَان" اور "مُهَيْمِنًا" ہے کے ہوتے ہوئے بیسیوں فنون ایجاد کئے اور ان فنون کے امام بنتے گئے۔ حد تو یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے دَور میں صرف ایک امام ہوتا تھا اور وہ بھی اللہ کا بنایا ہوا، آل ابراہیم سلامٌ علیہ میں سے، پھر خلفائے

---

[1]۔ ایضاً۔ ص ۳۳۔ ۳۴

راشدین کی صدی میں امیر المومنین یاخلیفۃ الرسول بھی ایک ہوتا تھا مگر جب "اَلْفُرْقَان" اور "مُهَيْمِنًا" کے خلاف سازش کی گئی تو ہر شہر اور ہر قریہ اور ہر ٹکسال کا امام الگ الگ ہونے لگا۔ قرآن کو اور قرآنی احکام کو ختم کرنے یا بدل ڈالنے کے لئے بیسیوں فنون ایجاد کئے جاتے رہے اور قرآنی احکام نافذ کرنے والے امیروں کے خلاف ان اماموں کی طرف سے صرف قلم توڑ مقابلہ نہ ہوا بلکہ بیسیوں خروج (بغاوت بزور شمشیر) بھی کئے جاتے رہے۔ نتیجتاً صحابہ کبارؓ کے بعد قرآن کریم پر غلاف یا جزء دان چڑھایا جانے لگا اور خالص قرآنی احکام میں (نام نہاد) احادیث و فقہ کی شراکت شروع ہو گئی اور عجمی سازش کامیاب ہو گئی۔ اب ہزار سال سے زیادہ سے وہی شراکت چل رہی ہے، ذہن خالص قرآنی کے بجائے خالص حدیثی و فقہی بلکہ عجمی بن چکے ہیں۔ ان کو تبدیل کرنا آسان کام نہیں یونکہ انسان سب سے زیادہ "تبدلی" پر رکاوٹ بنتا ہے۔

موصوف کی کتاب کی تمہید سے مندرجہ بالا عبارت یہاں لکھنے کا ہمارا مقصد صرف یہ حقیقت واضح کر دینا تھا کہ بقول موصوف کے بھی محدثین کرام نے (اور فقہا کرام نے بھی مسائل گھڑنے کے لئے) "بیسیوں فنون ایجاد کئے" اور اس طرح قرآن کے خلاف سازش کی آبیاری ہوتی رہی۔ تو جو فنون ایجادِ بندہ ہوں ان میں تو غلطیوں کا احتمال ہر وقت اور بہت زیادہ ہوتا ہے[۱]۔ جبکہ ایجادِ بندہ کے مقابلہ پر اللہ تعالیٰ کے وحی کردہ علم یعنی القرآن میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں۔ اس لئے القرآن جو بات کہے وہی حق ہے۔

آگے موصوف اپنی تمہید میں فرماتے ہیں:

"محدثین کرام کی مساعی جمیلہ اور محنت شاقہ کے نتیجے میں آج امتِ مسلمہ کو صحیح احادیث کا ایک بیش بہا ذخیرہ میسّر ہے جس کی روشنی میں امت مسلمہ کا ہر فرد بآسانی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتا ہے اور قرآن مجید پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی منشاء کے مطابق عمل کر سکتا ہے" (برہان المسلمین ص۵)

غور کیجئے کہ یہ تھا نقطۂ عروج موصوف کی تمہید کا کہ:

(نام نہاد) احادیث کی روشنی میں امت مسلمہ کا ہر فرد بآسانی صراطِ مستقیم پر گامزن ہو سکتا ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱)۔ اِنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ............... (المائدہ:۴۴)

ہم نے توریت کو نازل کیا تھا اس میں ہدایت تھی اور نور تھا........ " (تفسیر المائدہ: ص۶۲۰، جزء۔۳)

(۲)۔ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ ......... (المائدہ:۴۶)

ہم نے ان کو انجیل عطاء کی تھی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا......... "(تفسیر المائدہ، ص۶۲۰، جزء۔۳)

(۳)۔ قَدۡ جَآءَكُمۡ مِّنَ اللّٰهِ نُوۡرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيۡنٌ ۝۱۵ يَّهۡدِىۡ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضۡوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخۡرِجُهُمۡ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوۡرِ بِاِذۡنِهٖ وَيَهۡدِيۡهِمۡ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ ۝۱۶ ...... (المائدہ:۱۵-۱۶)

بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور (ہدایت) اور روشن کتاب آچکی ہے (۱۵) اللہ اس کتاب

[۱]۔ خود موصوف نے محدثین کے ایجاد کردہ فنِ تدلیس کو کالعدم قرار دیدیا ہے۔ اس کا ذکر انشاء اللہ آگے کریں گے۔

مبین کے ذریعہ ان لوگوں کو سلامتی کے راستے بتادیتا ہے جو اللہ کی رضاء کی پیروی کرتے ہیں پھر اپنے حکم سے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتا ہے اور ان کو صراط مستقیم کی طرف رہنمائی فرمادیتا ہے(١٦)(تفسیر المائدہ ص٦٠٥۔ جزء۔٣)

(٤)۔ هُوَ الَّذِیْ یُنَزِّلُ عَلٰی عَبْدِهٖۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لِّیُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (الحدید:٩)

وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح آیتیں نازل کر رہا ہے تاکہ تم کو (گمراہی) کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے........ ''(تفسیر سورۃ الحدید۔ ص٣٤٣۔ جزء۔٩)

(٥)۔ الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۙ۬ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰی صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ(ابراہیم:١)

الٓرٰ، (اے رسول) ہم نے (یہ) کتاب آپ کی طرف (اس لئے) نازل کی ہے تاکہ آپ (اس کے ذریعہ) لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں (یع) زبردست اور تعریف والے (اللہ) کے راستہ کی طرف لے آئیں (١)(تفسیر سورہ ابراہیم۔ ص٥٩٦، جزء۔٥)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو بتا رہا ہے کہ اس نے تورات اور انجیل کو نازل کیا تھا اور ان میں نور اور ہدایت تھا اور اب اس قرآن کو نازل کیا ہے جو کہ سراسر نور ہے اور کتاب مبین (واضح کتاب) ہے (نام نہاد احادیث کا کوئی ذکر خیر نہیں) اور انہی کے ذریعہ گمراہی کی تاریکیوں سے نکل کر روشنی کی طرف، صراط مستقیم کی طرف یعنی اللہ کے راستہ کی طرف آیا جاسکتا ہے اور (اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ) بے شک یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو بہت ہی سیدھا ہے (بنی اسرائیل:٩، ص٢٤، جزء۔٦) مگر موصوف (نام نہاد) احادیث کے ذخیرہ کی روشنی میں صراط مستقیم پر گامزن ہونے کے دعویدار ہیں۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں قرآن ہی سے دشمنی ہے اس لئے وہ بَیِّنٰتٍ آیات کے باوجود آیات کے خلاف بات کرتے ہیں! یا پھر وہ قرآن دشمنوں کی سازش کا شکار ہو گئے ہیں!

آگے اپنی تمہید میں موصوف دین اسلام میں شریعت الٰہیہ کے دو ماخذ بتانے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''حدیث، قرآن مجید کے معنی و مفہوم کو متعیّن کرتی ہے اور قرآن مجید پر عمل کرنے کا طریقہ بتاتی ہے۔

حدیث ہی ہے جو قرآن مجید کو بازیچۂ اطفال بنانے سے باز رکھتی ہے اور کسی ملحد کو یہ موقع نہیں دیتی کہ وہ قرآن مجید کے جو معنی چاہے کر دے''۔(برہان المسلمین ص٦)

دیکھا آپ نے کہ موصوف نے (نام نہاد) حدیث کی ایک اور تعریف پیش کر دی! اس میں یہ کہیں نہیں کہا کہ (نام نہاد) حدیث بھی وحیٔ الٰہی ہے۔ پس اسی سے ثابت ہوا کہ یہ سب جھوٹا پراپیگنڈہ ہے۔ پچھلے صفحہ (٤٧٣-٤٧١) پر ہم موصوف کی حدیث کی چار تعریفیں پیش کر آئے ہیں اب اس پانچویں تعریف پر غور کر لیجئے۔ اس سے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ (نام نہاد) حدیث، رسول یا صحابی کا قول و فعل و تقریر نہیں نہ ہی قرآن کے علاوہ وحی ہے بلکہ یہ کوئی ''لغت'' ہے جو قرآن مجید کے معنی و مفہوم متعیّن کرتی ہے۔ تولاؤ وہ لغت کہاں ہے؟ اگر (نام نہاد) حدیث قرآن مجید کے معنی و مفہوم متعین کرتی ہے تو پھر (نام نہاد) حدیث ماننے والوں کے اتنے فرقے کیوں ہو گئے ہیں؟ آج تک وہ کوئی ایک کتابِ حدیث یا ایک لغت کیوں نہ پیش کر سکے؟ آج تک وہ نماز کے طریقۂ ادائیگی تک پر متفق ہو کر کوئی ایک طریقہ امت کو نہ

پیش کر سکے! آج تک کوئی ایک متفقہ تفسیر نہ پیش کر سکے! حد تو یہ ہے کہ آج تک کوئی ایک ''متعیّن شدہ یا متفق علیہ'' ترجمۂ قرآن نہ پیش کر سکے! اگر (نام نہاد) حدیث معنی و مفہوم متعین کرتی ہے اور قرآن کو بازیچۂ اطفال بنانے سے روکتی ہے تو پھر ہر اہل حدیث عالم نے قرآن کریم کا علیحدہ ترجمہ کیوں کیا؟ ہر اہل حدیث عالم نے علیحدہ تفسیر قرآن کیوں لکھی؟ سیدھی سی بات تھی کہ (نام نہاد) احادیث میں متعیّن شدہ ترجمہ و تفسیر پیش کر دیتے تاکہ امت میں افتراق پیدا نہ ہوتا۔ مگر چونکہ یہ دعویٰ صحیح نہیں بلکہ جھوٹ پر مبنی ہے اس لئے اہل حدیث علماء و فضلاء اور اہل فقہ علماء و فضلاء ایسا کوئی ترجمہ اور تفسیر قیامت تک نہیں پیش کر سکتے۔ بلکہ وہ امت کا افتراق بڑھاتے رہیں گے۔ اور امت کو گمراہ کرتے رہیں گے اور کمزور کرتے رہیں گے۔

الغرض یہ ثابت ہوا کہ موصوف کا یہ دعویٰ کہ شریعت الٰہیّہ کا ماخذ قرآن کے علاوہ غیر اللہ کی کتابیں بھی ہیں، بالکل غلط اور جھوٹا بلکہ دھوکہ ہے۔ اور قرآن کریم کے خلاف سازش ہے۔ اگر غیر اللہ کی کتابیں اور غیر نازل شدہ کتابیں بھی شریعتِ الٰہیّہ کا ماخذ بنادی جائیں تو پھر تو (نعوذ باللہ) کتاب الٰہی نازل کرنے کا مقصد ہی فوت ہو گیا! اور یہ سازش اس کی اہمیت اور برتری کو ختم کرنے ہی کے لئے تیار کی گئی تھی تاکہ امت میں افتراق پیدا کر کے اس کو کمزور کر کے زیرِ نگیں کر لیا جائے۔

## کاش... کوئی... سمجھے!

ہو سکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آخر یہ شریعت الٰہیّہ ہے کیا جس کے ماخذ تک پر اہل حدیث و اہل فقہ متفق نہیں ہیں کوئی دو بتا رہا ہے، کوئی تین، کوئی چار، کوئی پانچ۔ تو یہاں یہ فطری قانون سمجھ لیجئے کہ جب انسان خود کوئی چیز ایجاد کرے گا تو اس میں افتراق و انتشار رہ جانا بھی ایک فطری عمل ہے اور جب کوئی فنون سازش کے تحت ایجاد کئے جائیں تو پھر تو انتشار اور بھی زیادہ ہو سکتا ہے۔ یہی حال اس اصطلاح کا ہے جو کہ کسی محدث یا امام کی ایجاد ہو گی یونکہ قرآن کریم میں یہ اصطلاح ''شریعت الٰہیّہ'' استعمال نہیں ہوئی ہے۔ اس لئے یہ قرآنی اصطلاح تو ہے نہیں۔ اگر آپ کسی عالم سے اس کے معنیٰ پوچھیں تو وہ ایک چیز بتائے گا اور دوسرے سے پوچھیں تو وہ کچھ اور بتائے گا۔ غرض جتنے عالم اور جتنے فرقے اتنے ہی اس اصطلاح کے معنیٰ بتائیں گے۔ موصوف نے خود یہاں اس اصطلاح کے معنیٰ نہیں لکھے ورنہ ہم اس پر کچھ تبصرہ کرنے کی کوشش کرتے۔ البتہ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم لفظ شریعت کے بارے میں کیا بتاتا ہے تو قرآن کریم میں تو لفظ '' شَرِيْعَةٍ'' صرف ایک آیت میں ایک مرتبہ استعمال ہوا ہے مگر اس کے دیگر مصادر مزید تین آیتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱)۔ ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۸ (الجاثیہ: ۱۸)

پھر (اے رسول، بنی اسرائیل کے بعد) ہم نے آپ کو امر (دین) کے واضح اور سیدھے راستہ پر (قائم) کر دیا تو آپ اسی راستے کی پیروی کرتے رہئے اور بے علم لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے (۱۸)[۱] (تفسیر، الجاثیہ، ص ۹۴۸۔۹۴۹، جزء۔۸)

---

[۱] خیال رہے کہ بنیادی طور پر اتباع کا حکم ھُدًی (اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہدایت یعنی القرآن۔ ۲۸/۲) کیلئے ہے اس کے معنیٰ صاف ہوئے کہ شریعت بھی ہدایت ہی کو کہا گیا ہے۔

یہاں موصوف نے "شَرِيْعَةٍ" کے معنیٰ "واضح اور سیدھے راستہ" کے کئے ہیں۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سیدھا راستہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ تو ملاحظہ ہو قرآن کی ہدایت: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۲)۔ شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ مَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَ لَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ......... (شوریٰ:۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین کا واضح راستہ مقرر کیا (وہی راستہ) جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول) جس کی وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم کو، موسیٰ کو اور عیسیٰ کو دیا تھا (اور ہم نے ان کو یہ بھی حکم دیا تھا اور آپ کو بھی یہ حکم دے رہے ہیں) کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں متفرق نہ ہونا......... (تفسیر۔ شوریٰ ص ۷۴۰، جزء۔۸)

یہاں موصوف نے اپنی تفسیر میں درج لغت میں "شَرَعَ" کے معنیٰ دیئے ہیں: شریعت بنانا، شریعت یا کسی اور کام کو جاری کرنا، طریقہ بنانا، راستہ ظاہر کرنا، واضح راستہ مقرر کرنا، پانی میں داخل ہونا وغیرہ (ص ۷۴۱) اور ترجمہ میں انہوں نے "واضح راستہ مقرر کرنا" لے لئے ہیں اور پہلے معنیٰ "شریعت بنانا" غالباً مصلحتاً نہیں لئے ہیں یونکہ وہ اس کے قائل نہیں کہ شریعت اللہ نے بنائی بلکہ وہ تو اس کے قائل ہیں (شریعت کے دو ماخذ: قرآن و (نام نہاد) حدیث) کہ شریعت محدثین کرام نے مکمل کی۔ جبکہ دوسرے اہل حدیث و اہل فقہ تو اس کے قائل ہیں ہ شریعت تو اماموں و فقہانے مکمل کی (نعوذ باللہ)

اس آیت کریمہ سے ہمیں واضح طور پر معلوم ہوا کہ شریعت اللہ تعالیٰ نے مقرر کی اور وہی شریعت وحی کی (اَوْحَيْنَآ) جو ہمارے نبی سے پہلے دیگر انبیاء کرام کو وحی کی گئی تھی (لیکن اگر آپ اپنے علما و فضلاء سے پوچھیں تو وہ کہیں گے کہ ہر نبی کی شریعت علیحدہ تھی۔ نعوذ باللہ) اور یہ وحی آپ کو معلوم ہے کہ "اَلْقُرْاٰن" ہے (اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ ۱۲/۳) تو پھر اس کے علاوہ غیر وحی شدہ کتابوں میں شریعت کو کیسے ڈھونڈا جا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ تو اسی القرآن میں ہے اسی لئے ایک آیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ (فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ ........... الشوریٰ۔۱۵) تو (اے رسول) آپ اسی دین کی طرف بلایئے (جو اللہ کی طرف سے نازل ہوا ہے) اور جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے آپ اس پر استقامت اختیار کیجئے، ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے اور (صاف صاف) کہہ دیجئے کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے ......... (تفسیر۔ ص ۷۴۰، جزء۸)

دیکھا آپ نے کہ یہ حقیقت کس طرح واضح ہو گئی کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت اللہ کی نازل کردہ کتاب "القرآن" ہی میں ہے۔ اب چونکہ خالق کریم کو یہ معلوم تھا کہ آئندہ علما و فضلاء اس کی کتاب کے علاوہ غیر اللہ کی کتابوں کو بھی شریعت کا ماخذ بنادیں گے اس لئے اس نے پہلے ہی متنبّہ کر دیا تھا کہ:

(۳)۔ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ ۭ وَ لَوْ لَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ۭ وَ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۱﴾ (شوریٰ۔۲۱)

(اے رسول کیا ان لوگوں نے (اللہ کے) شریک بنالئے ہیں جو ان کے لئے دین کا راستہ وضع کرتے ہیں

جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی اور اگر فیصلہ کا وعدہ (مقررہ وقت تک کے لئے ملتوی) نہ ہوتا تو ان کے درمیان کبھی کا فیصلہ ہو گیا ہوتا، بے شک ظالموں کے لئے دردناک عذاب ہے (جو مقررہ وقت ہی پر ان کو ملے گا) (۲۱) (تفسیر۔ ص۷۵۷، جزء۔۸)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں:

"شریعت سازی، مسائل سازی، تحلیل و تحریم صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ (الشوریٰ:۱۳) اس نے تمہارے لئے دین کا واضح راستہ مقرر کیا۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ شریعت سازی یا حلال و حرام کا فیصلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

..........

آیت زیر تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں شریعت سازی کرنے والا گویا خود شارع بن بیٹھتا ہے۔ اس کا یہ فعل گویا اللہ تعالیٰ کے منصب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرکت ہے اور جو لوگ ان کے فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں وہ گویا ان کو شریعت سازی میں اللہ تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کر رہے ہیں اور یہ لوگ بڑے ظالم ہیں" (ص۷۵۸۔۷۶۱، جزء۔۸)

یعنی خالق کریم نے پہلے ہی متنبّہ کر کے یہ بتا دیا تھا کہ شریعت یعنی منہاج یعنی ہدایت اللہ تعالیٰ ہی نے نازل کی ہے اس کے علاوہ کسی کو یہ حق نہیں اس لئے وہ غیر اللہ کی کتابوں (مثل نام نہاد احادیث و فقہ) میں تلاش نہیں کی جا سکتی۔ اس کا ماخذ صرف اللہ کی نازل کردہ "الکتٰب" ہی رہے گی۔ اس کے برخلاف سب شرک ہو گا۔

اوپر دیئے گئے تین مقامات کے بعد چوتھی جگہ شریعت کا لفظ "شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا" کی حیثیت سے سورہ المائدہ میں استعمال ہوا ہے۔

(۴)۔........لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا ......... (المائدہ:۴۸)

ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت یعنی منہاج (واضح راستہ) مقرر کیا ہے۔

خیال رہے کہ لفظ "مِنْهَاج" قرآن کریم میں صرف ایک ہی بار استعمال ہوا ہے اور وہ اس آیت میں بطور شِرْعَةً کی تفسیر کے۔ (عربی میں شِرْعَةً کے معنیٰ پانی تک پہنچنے کے چھوٹے راستہ کے بھی ہوتے ہیں اور "مِنْهَاج" کے معنی بڑے راستہ کے ہوتے ہیں)

پس یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ شریعت اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ پر "القرآن" کی حیثیت سے وحی کی گئی تھی اس لئے اس کا ماخذ القرآن کے علاوہ غیر اللہ کی کتابیں ہرگز نہیں ہو سکتیں ورنہ وہ کھلا ہوا شرک فی التشریع ہو گا۔ "القرآن" ایک جامع کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی دینی ضرورت کی ہر چیز رکھ دی ہے اسی لئے تو کہا ہے کہ:

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝۲۰

یہ (قرآن) لوگوں کے لئے بصیرت کی باتوں کا مجموعہ اور ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں ہدایت اور

رحمت ہے(تفسیر الجاثیہ:۲۰،ص۹۴۹،جزء۔۸)

مزید اللہ تعالیٰ نے کہا کہ

اَوَ لَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّ ذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾

اور(اے رسول) کیاان کے لئے یہ کافی نہیں کہ ہم نے ان پر(اپنی) کتاب نازل کر دی ہے[۱] جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے، بے شک اس میں مومنوں کے لئے رحمت بھی ہے اور نصیحت بھی(۵۱)(تفسیر العنکبوت، ص۷۶۵،جزء۔۷)

(اور وہ بد قسمتی سے سازش کے تحت غیر اللہ کی کتابوں میں ڈھونڈتے پھر رہے ہیں)

یہاں یہ حقیقت نوٹ کر لیجئے کہ موصوف نے اوپر درج شدہ چاروں آیات کی اپنی تفسیر میں **"شریعت"** کی تعریف نہیں دی جبکہ وہ جگہ جگہ ماانزل اللہ اور "کتٰب" کا ترجمہ شریعت لکھتے ہیں اور اس کو قرآن و(نام نہاد) حدیث پر مشتمل بتاتے ہیں، نہ ہی وہ اپنی تفسیر میں رسولی تشریح یا تفسیر پیش کر سکے۔ نیز یہ کہ موصوف اپنی کتاب کی تمہید میں یہ لکھ چکے کہ "حدیث قرآن مجید کے معنیٰ و مفہوم کو متعین کرتی ہے" مگر افسوس کہ ان کی (نام نہاد) حدیث لفظ **"شریعت"** کے معنیٰ و مفہوم متعیّن نہ کر سکی۔ خود موصوف ہر اس بات کو جو(نام نہاد) حدیث میں ہو شریعت مانتے ہیں، جبکہ دیگر علماو فضلاء عام طور پر جزئی احکام کو شریعت کہتے ہیں خواہ وہ غیر اللہ کے یعنی اماموں و علماہی کے بنائے ہوئے ہوں(یعنی مختلف ماخذوں میں موجود ہوں)۔ مگر غور کیجئے کہ قرآن کریم نے کتنے واضح طور پر شریعت کے معنیٰ بتا دیئے کہ یہ وہ واضح راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے اور تمام نبیوں کو بطور "الکتٰب وحی کیا ہے۔(شوریٰ:۱۳) اور اسے غیر اللہ(یعنی رسول، امام، عالم، پیر وغیرہ) مقرر نہیں کر سکتے(شوریٰ:۲۱) اور وہ وحی شدہ الکتٰب صرف "القرآن" ہے(یوسف:۳)

غور کیجئے کہ اس طرح یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ شریعت کے قرآنی معنیٰ وہ نہیں جو عام طور پر لئے جاتے ہیں (کہ جزئی احکام بھی شریعت ہیں) بلکہ یہ اَلدِّیْن یعنی الْاَمْرَ ہے(یونکہ اوپر کی چاروں آیتوں میں جہاں شَرَعَ کا لفظ استعمال ہوا ہے وہیں اَلدِّیْن اور اس کا مترادف اَلْاَمْرَ آیا ہے) اسی کو بَصَآئِرُ لِلنَّاس ، هُدًى وَرَحْمَةَ وَذِكْرٰى بھی کہا گیا ہے۔ مقصد صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو جزئیات کے چکر میں نہیں الجھانا چاہتا جیسا کہ اس نے سورہ البقرہ:۱۷۷ میں واضح کر دیا۔ بلکہ وہ تو ایمان والوں کے قلوب کا جھکاؤ و اطاعت چاہتا ہے جبکہ اہل حدیث و اہل فقہ عالم، مخصوص وضع قطع کے لباس، اور حسین سنتوں کے چکر میں پھنسائے رکھنا چاہتا ہے.......... اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر قرآن مبین میں شریعت کے جو معنیٰ متعیّن ہوتے ہیں اگر اس سے موصوف کو یا کسی کو اختلاف ہے تو:

☆۔لایئے، پیش کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ان چاروں آیتوں میں شریعت کی کیا تشریح، توضیح و تفسیر کی؟

☆۔لایئے، پیش کیجئے کہ(نام نہاد) احادیث نے قرآن مجید میں استعمال شدہ لفظ شَرِيعَةٍ کے کیا معنیٰ و مفہوم متعیّن کئے؟

---

[۱]۔ لیکن موصوف کہتے ہیں کہ "صرف قرآن کافی نہیں" دیکھئے ص۱۳۸، کتاب برھان المسلمین (جواب نمبر۱)

اور اگر آپ یہ دونوں نہیں پیش کر سکتے تو پھر کیسے دعویٰ کرتے ہیں کہ "حدیث" قرآن مجید کے معنیٰ و مفہوم کو متعیّن کرتی ہے اور کسی کو یہ موقعہ نہیں دیتی کہ وہ قرآن مجید کے جو معنیٰ چاہے کر دے"۔ اور یہی موصوف کی اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ علما و فضلاء کی اصل غلطی تھی اور ہے کہ وہ قرآنِ مبین کے علاوہ شریعت کو دوسرے یعنی غیر اللہ کے بنائے ہوئے ماخذ یا ماخذوں میں تلاش کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ کوئی گمشدہ چیز ہے جو تلاش کی جارہی ہے یا غیر واضح حکم ہے جو اخذ کیا جارہا ہے اور اخذ بھی کہاں سے کیا جارہا ہے؟ (نام نہاد) حدیث سے جس کو وہ وحی خفی یعنی وحی پوشیدہ کہتے ہیں[1] (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی اس طرح کی کوئی تفریق نہیں کی۔ ہاں البتہ اس نے انسان سے بات کرنے کے تین طریقے ضرور بتائے ہیں۔ ۴۲/۵۱)

## وحی پوشیدہ کی تلاش

اس وحی پوشیدہ کی یہ حالت تھی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ وحیٔ جلی یا وحی متلوء تو لکھی لکھائی دے گئے تھے مگر وحی خفی یا وحی غیر متلوء کو واقعی پوشیدہ ہی چھوڑ گئے تھے کہ بعد میں ہزاروں لاکھوں مومنین ان پر عمل کئے بغیر ہی دار فانی سے کوچ کر گئے[2] پھر فارس اور ماوراء النہر کے علما و فضلاء کو امت کی بھلائی کا خیال آیا تو انہوں نے اس کی تلاش میں ہر جنگل و صحرا، وادی و پہاڑ، ہر شہر و قریہ ہر محل و غار کو چھان مارا، ہزاروں میل کے لمبے لمبے سفر کئے اور آخر کار چھٹی صدی ہجری تک سینکڑوں کتابیں تلاش کر کے بنا لیں! سینکڑوں فنون ایجاد کر دیئے۔ ہزاروں اصطلاحیں ایجاد کر دیں۔ ہزاروں تفسیریں لکھ ماریں اور شریعت کو اخذ کر کے مکمل کر دیا! (معاذ اللہ) اور امت کی نجات و بخشش و شفاعت کا انتظام کر کے احسان عظیم کیا!

غور کیجئے کہ ایسی چیز جو صدیوں تک تلاش کی جاتی رہی کیا وہ شریعت کا ماخذ ہو سکتی ہے؟

کیا آپ کو یقین ہے کہ وحی اب کسی غار میں یا کھو میں پوشیدہ نہیں رہ گئی اور سب کی سب مل گئی یونکہ بعض وحی تیسری چوتھی صدی تک نہیں ملی تھی وہ چھٹی صدی میں ملی؟ (اس کی مثال ہم انشاء اللہ آگے پیش کریں گے) اور کچھ ابھی بھی ایک غار میں چھپی ہوئی ہے! <u>آپ کے خیال میں ان مسلمین و مومنین کا کیا حشر ہو گا جو صدیوں بغیر وحیٔ پوشیدہ کے نامکمل شریعت پر عمل پیرا رہے؟؟</u>

---

[1] جبکہ موصوف وحی کی مزید دو قسمیں اور بھی بتاتے ہیں (۱) وحی قولی اور (۲) وحی تقریری۔ 'برھان المسلمین' ص ۱۷۳ مقصد یہ کہ یہ سب علما و فضلاء کا فنّی کمال ہے کہ جب' جہاں' جو چاہا ایجاد کر ڈالا خواہ قرآن میں ہو یا نہ ہو۔۔ [2] اس کی چند مثالیں ہم پیچھے "آیات کی غلط تاویل" کے زیرِ عنوان پیش کر چکے اور چند آگے پیش کریں گے۔ انشاء اللہ

# وحیٔ پوشیدہ کا خیر القرون میں عدم وجود / انکارِ حدیث (نقلی و عقلی دلائل)

آپ نے پچھلے صفحات میں وحیٔ پوشیدہ کی عجمی و فارسی علما و فضلاء کے ذریعہ دشت و صحرا، میں تلاش کی مختصر سی کہانی پڑھی کہ وہ کس طرح اس کی تلاش میں اپنی عمریں گزار گئے اور آخر کار سینکڑوں کتابیں و سینکڑوں علوم ایجاد کر گئے مگر اب ذرا دوسرا رخ بھی ملاحظہ ہو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا دور اور ان کے بعد خیر القرون کا دور اس نعمت سے محروم ہی رہا (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ) اول درسگاہ رسول یعنی صُفّہ میں نہ تو ان علوم و فنون کی ایجاد ہوئی تھی نہ ہی وہ پڑھائے جاتے تھے اور نہ ہی وہاں ان علوم و فنون کے امام پیدا ہوئے تھے اور نہ ہی وہاں ان کی کتابیں صحیح بخاری و صحیح مسلم، مستدرک حاکم،.......... موجود تھیں (جو کہ تیسری سے چھٹی صدی ہجری تک لکھی گئیں) اور نہ ہی ان نام نہاد وحی کی کتابوں کی شرحیں فتح الباری، فتح القدیر، شرح نووی وغیرہ لکھی گئی تھیں (جو کہ نویں دسویں صدی ہجری میں لکھی گئیں)! تو گویا اس طرح تو اس دَور کے مسلمین و مومنین بغیر وحی پوشیدہ کے ہی مر گئے تو وہ تو موصوف کی "شریعت" پر عمل کر ہی نہ سکے تھے تو ان کے ساتھ یوم حساب کیا سلوک ہو گا؟ نیز یہ کہ رسول اپنا بلاغ کا کام پورا نہیں کر گئے (معاذ اللہ) کہ وہ وحی پوشیدہ کا مجموعہ مرتب نہ کرا گئے اور امت کئی صدیوں تک اسے غار و صحرا میں تلاش کرتی رہی! اور بعض تو اب بھی غار کی تلاش میں ہیں!

مزید' یہ غور کیجئے کہ بقول اہل حدیث و اہل فقہ کے اصل کتابی وحی، وحی متلو، یعنی قرآن کریم کی شرح (نام نہاد) احادیث ہیں تو پھر (نام نہاد) احادیث کی شرح کی کیا ضرورت پڑ گئی؟؟ جو خود شرح ہو اس کی شرح کے کیا معنیٰ؟ اس کے معنیٰ تو یہ ہوئے کہ وہ شرح بھی صحیح نہیں تھی یا مشکل ہی تھی، گویا کہ شرح ہوئی ہی نہ تھی اس لئے پھر شرح کرنا پڑی! پھر یہ غور کیجئے کہ قرآن کریم کی شرح کس نے کی تھی؟ عام اہل حدیث و اہل فقہ کے مطابق تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کی تھی۔ تو گویا انہوں نے شرح صحیح نہیں کی تھی کہ ان کے نو سو یا ہزار سال بعد امامِ شرح ان ک شرح کر کے بات واضح کرتے رہے۔ (معاذ اللہ) یہ ہے رسول کی شان و عزت! اور وہ بھی عاشقِ رسول اور عاشقِ سنت کے ہاتھوں! جبکہ ہمارے موصوف کے مطابق (نام نہاد) احادیث بھی اللہ تعالیٰ کی وحی کردہ قرآن کریم کی شرح ہیں۔ تو پھر نویں دسویں صدی کے امامِ شرح اللہ تعالیٰ کی شرح شدہ وحی کی شرح فرماتے رہے! (معاذ اللہ) یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شان و عزت کہ اس کی دونوں طرح کی وحی (وحی جلی اور وحی خفی) اس قابل نہ تھی کہ کوئی بات سمجھا سکے جب تک کوئی عجمی بندہ اپنے خالق کی بات کی وضاحت و شرح نہ کرے! معاذ اللہ۔ وہ تو اپنی اصلی وحی میں اپنے رسول کو حکم دے کہ جب اللہ کے حضور میں جاؤ تو ادب و احترام میں اپنی جوتیاں اتار دو۔ مگر نام نہاد شرحی وحی کہے کہ جوتے پہن کر اللہ کے حضور میں جا سکتے ہو[1]! کہئے کیا یہ قرآن یعنی اسلام کے خلاف سازش تھی؟ یا نہیں؟

خیر یہ تو جملے معترضہ تھے اب ہم کچھ نقلی و عقلی دلائل پیش کرتے ہیں یہ ثابت کرنے کیلئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے دَور اور اُن کے صحابہؓ کرام کے دَور اور اُن کے نزدیکی دَور میں جسے خیر القرون کہا جاتا ہے یعنی شروع کی صدیوں

[1] "جوتے پہن کر صلوٰۃ پڑھی جا سکتی ہے" "صلوٰۃ المسلمین" لباس۔ ص ۱۳۶ بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

میں وحی پوشیدہ یعنی نام نہاد احادیث کا وجود تک نہیں تھا:

**(۱)**۔۔۔ کتاب کے پہلے باب میں قرآن کریم کی آیات کریمات ہی سے ہم ثابت کر چکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر صرف کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہی نازل ہوا یعنی وحی کیا گیا، اور کوئی اور کتاب وحی نہیں کی گئی اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وَ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَ مَنْۢ بَلَغَ (اور صرف یہ قرآن مجھ پر وحی کیا گیا تا کہ اسی سے تم کو اور جس جس کو یہ پہنچے ڈراؤں۔ ۶/۱۹) کہہ کر اس کا دوٹوک فیصلہ کر دیا مگر سازشی عناصر نے رسول کی یہ احسن حدیث نہیں مانی نہ ہی اُن کا یہ فیصلہ مانا بلکہ ایک (نام نہاد) حدیث گھڑ لی[۱] کہ: اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْکِتٰبَ وَ مِثْلَهٗ مَعَهٗ (خبر دار مجھے الکتاب دی گئی ہے اور اس کے ساتھ اُسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی ہے) اور اس طرح لوگوں کو دھوکہ دینا شروع کر دیا۔ غور کیجئے کہ کیا یہ گھڑی ہوئی (نام نہاد) حدیث اوپر کی اَحْسَنُ الْحَدِیْث کے مقابلہ پر نہیں؟ کیا یہ قرآن دشمنی نہیں؟ کیا یہ قرآن کے خلاف سازش نہیں؟ غور کیجئے ہ قرآن کے خلاف یہ سازش اسی گھڑی ہوئی روایت کے اگلے الفاظ ہی سے واضح ہو جاتی ہے جس میں کہا گیا کہ: اَلَا یُوْشِكُ رَجُلٌ شَبْعَانُ عَلٰی اَرِیْکَتِهٖ یَقُوْلُ عَلَیْکُمْ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ فَمَا وَجَدْتُمْ فِیْهِ مِنْ حَلَالٍ فَاَحِلُّوْهُ وَمَا وَجَدْتُمْ فِیْهِ مِنْ حَرَامٍ فَحَرِّمُوْهُ (خبر دار عنقریب ایک پیٹ بھرا شخص اپنے تخت پر بیٹھ کر اس طرح کہے گا کہ **قرآن کو لازم پکڑ لو**، پس جو اس میں حلال ہے اسے حلال سمجھو اور جو اس میں حرام ہے اسے حرام سمجھو[۲])!

غور کیجئے کیا یہ کھلم کھلاّ قرآن دشمنی نہیں؟ جبکہ صرف قرآن ہی کو ہم پر فرض کیا گیا (۲۸/۸۵)، اسی کو پکڑے رہنے کا حکم دیا گیا (۴۳۔ ۴۴/۴۳)، جو کچھ حلال و حرام تھا وہ اس ہی میں بتا دیا گیا تھا (۱۔ ۵/۵ ، ۱۴۴۔ ۱۴۶/۶ ، ۱۵۲۔ ۱۵۴/۶ وغیرہم) تو پھر قرآن کو لازم پکڑنے پر اعتراض کیوں؟ اس میں جو حلال بتایا گیا ہے اسے حلال ماننے پر اعتراض کیوں؟ اس میں جو حرام بتایا گیا ہے اسے حرام ماننے پر اعتراض کیوں؟ اس لئے کہ خود یہودیوں نے اپنے اوپر بہت سی چیزیں حرام کر لی تھیں (۶/۱۴۷) اس لئے وہ چاہتے تھے کہ مومنین بھی ایسا ہی کریں۔ اس کے لئے رسول کے نام سے بہتر اور کیا ہو سکتا تھا کہ ان کے نام پر افتراء کر کر کے روایتیں گھڑتے رہے اور اس طرح لوگوں کو قرآن سے دُور کرتے رہے یقیناً رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف قرآن کو لازم پکڑ لینے پر اعتراض نہیں کر سکتے تھے اور نہ قرآن کے بتائے ہوئے حلال و حرام پر اعتراض کر سکتے تھے یہ تو وہی کر سکتا ہے جس کو قرآن سے دشمنی ہو اور وہ اس کے خلاف سازش میں ملوث ہو۔ مزید غور کیجئے کہ وہ شخص کون تھا جو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے عنقریب بعد ہوا؟ اس کا پیٹ بھرا ہوا تھا (یونکہ مملکت اسلامیہ اپنے شباب پر تھی اور ہر طرف سے مال و دولت آ رہا تھا اور ہر ایک کو ایک نظام کے تحت مل رہا تھا) اور اپنے تخت پر بیٹھ کر اس نے کہا (یعنی تختِ خلافت پر بیٹھ کر کہا) کیا کہا؟ کہ قرآن کو لازم پکڑ لو (یعنی حَسْبُنَا کِتَابَ الله = کہ ہمیں اللہ کی

---

۱۔ اس نام نہاد حدیث کے گھڑے جانے کے بارے میں دیکھئے جناب علامہ تمناؔ عمادی صاحب مرحوم کی کتاب: اعجاز القرآن۔ شائع کردہ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ کراچی۔۔ ۲۔ ابو داؤد، کتاب السنۃ جلد ۲ ص ۲۸۴، وروی الترمذی بحوالہ کتابچہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" از مسعود احمد صاحب ص ۱۹۔ قارئین یہاں غور طلب بات یہ بھی ہے کہ یہ گھڑی ہوئی روایت بخاری و مسلم کو بھی نہیں ملی جن کی روایتوں کو موصوف قرآن کے برابر مانتے ہیں! البتہ فقہی امام شافعی نے اس کو صحیح مان کر اپنی کتاب میں پیش کیا ہے اور روایات کو قرآن کریم سے پرکھنے کی روایت کو رد کر دیا ہے۔ (پورا حوالہ پیچھے گزر چکا ہے ص ۵۳۱)

کتاب یعنی قرآن کافی ہے)۔ جب آپ کو معلوم ہو جائے کہ وہ شخص کون تھا جس کے لئے رسول اللہ سلام علیہ نے پیش گوئی فرمائی تھی تو ہمیں بھی بتادیجئے گا۔ اور اگر معلوم نہ ہو تو موصوف سے جا کر معلوم کر لیجئے گا کہ یہ پیش گوئی کس کے بارے میں تھی؟

قرآن دشمنی کی ایک اور مثال ملاحظہ کرتے چلئے، جو موصوف نے اپنی کتاب کے اسی صفحہ پر جس پر اوپر والی گھڑی ہوئی (نام نہاد) حدیث دی تھی لکھی ہے اور "رسول اللہ ﷺ کا احادیث کی اہمیت کے متعلق اعلان فرمانا" کہ عنوان کے تحت لکھی ہے:

"قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُلْفِيَنَّ أَحَدَكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيكَتِهِ يَأْتِيهِ الْأَمْرُ مِنْ أَمْرِي مِمَّا أَمَرْتُ بِهِ أَوْ نَهَيْتُ عَنْهُ فَيَقُولُ لَا نَدْرِي مَا وَجَدْنَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ اتَّبَعْنَاهُ

(ابوداؤد، کتاب السنۃ جلد ۲ ص ۲۸۷ مروی الترمذی نحوہ وسندہ صحیح)[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں ہرگز تم میں سے کسی کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور جب میرا کوئی حکم اس کو سنایا جائے یا میری ممانعت اس کو پہنچے تو وہ کہے ہم اسے نہیں جانتے ہم تو صرف اُس کی اتباع کرتے ہیں جو کتاب اللہ میں ہمیں ملتا ہے"۔

ذرا غور کیجئے کہ اس روایت میں کتاب اللہ کس کتاب کو کہا گیا ہے؟

ظاہر ہے کہ یہاں کتاب اللہ قرآن کریم ہی کو کہا گیا ہے اور موصوف کا عقیدہ کہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" خود ان کی اپنی پیش کردہ (نام نہاد) حدیث ہی سے باطل ہو گیا۔ (اصل بات یہ ہے کہ جب اس قسم کوئی (نام نہاد) حدیثیں گھڑی گئیں تو اس وقت تک "کتاب اللہ" لوگ قرآن ہی کو مانتے تھے مگر پھر جب کسی کو اس غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے انداز بدل کر گھڑنا شروع کر دیا) دوسری اہم حقیقت یہ کہ قرآن کریم ہی کی اتباع کا ذکر کر کے اس کی اتباع کے علاوہ رسول کی اتباع کا بھی جواز پیدا کیا گیا حالانکہ رسول سلام علیہ قرآن کے احکام میں یا ممانعت میں کچھ گھٹا یا بڑھا نہیں سکتے تھے۔ (۱۵/۱۰، ۴۴-۴۷/۶۹)

تیسری اہم حقیقت یہ کہ رسول اللہ سلام علیہ تو خود ساری عمر قرآن کریم ہی کی اتباع کرتے رہے (۳/۷، ۲/۳۳، ۱۵/۱۰ وغیرہم) تو وہ ایسی بات کیسے کہہ سکتے تھے جو کھلم کھلا قرآن دشمنی ہے۔ بہر حال آپ جو بھی حقیقت سمجھیں اس حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتے کہ "کتاب اللہ" صرف قرآن کریم ہی ہے۔ اور اس کے مِثل اور کوئی کتاب نہیں ہو سکتی (۲۳-۲/۲۴، ۱۷/۸۸)

الغرض، رسول اللہ سلام علیہ پر صرف قرآن مجید ہی وحی کیا گیا اور (نام نہاد) حدیث وحی نہیں کی گئی۔ پورے قرآن کریم میں ایک بھی آیت یہ نہیں بتاتی کہ (نام نہاد) حدیث بھی وحی کی گئی بلکہ قرآن کریم تو حدیث اسی قرآن کو بتا رہا ہے بلکہ اَحْسَنَ الْحَدِيْث بتا رہا ہے (۲۳/۳۹) اور صاف اعلان کر رہا کہ (نام نہاد) حدیث کی طرح) قرآن گھڑی ہوئی حدیث (مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى۔ ۱۲/۱۱۱) نہیں ہے جبکہ لوگ گھڑی گھڑائی (لَهْوَ الْحَدِيْثِ) حدیثیں خریدتے ہیں تا کہ لوگوں کو اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں اور اس سے (یعنی اللہ کی کتاب کے بارے میں) استہزاء کریں۔ یہی

[1] رسالہ، "حدیث بھی کتاب اللہ ہے" ص ۱۹ اور کتاب "برہان المسلمین" ص ۲۰۲-۲۰۳

لوگ ہیں جنہیں ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا۔(۱۔۶/ ۳۱)

**(۲)**۔... موصوف اپنی معرکۃ الآرا تاریخ کی کتاب میں (نام نہاد) حدیث کی کتاب (صحیح بخاری) کے حوالہ سے حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سورہ التوبہ کی آیت ۳۴ کی شانِ نزول میں اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں حضرت ابو ذرؓ ملک شام میں رہا کرتے تھے۔ ایک دن اُن کا اور حضرت امیر معاویہؓ کا (جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے وہ دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے) کی شان نزول میں اختلاف ہو گیا۔ حضرت امیر معاویہؓ نے کہا ”یہ آیت اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی ہے“ حضرت ابو ذرؓ نے کہا ”ہمارے اور اہل کتاب دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے“ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت عثمانؓ کو اس بات کی اطلاع دی۔ حضرت عثمانؓ نے حضرت ابو ذرؓ کو مدینہ منورہ بلا لیا۔ جب وہ مدینہ منورہ پہنچے تو لوگ اس کثرت سے اُن کے پاس ملنے کیلئے آنے لگے گویا کہ انہوں نے اس سے پہلے انہیں دیکھا ہی نہ تھا۔ حضرت ابو ذرؓ نے اس بات کا ذکر حضرت عثمانؓ سے کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اُنہیں مشورہ دیا کہ یہیں کہیں قریب میں منتقل ہو جائیں۔ الغرض وہ مدینہ کے قریب رَبَذہ نامی مقام میں منتقل ہو گئے“[۱]

غور کیجئے کہ موصوف اور ان کے امام کے نزدیک قرآن کریم کی ایک آیت کا مفہوم سمجھنے میں یا اس کی شان نزول سمجھنے میں دو صحابہ کبارؓ کے درمیان اختلاف پیدا ہوا! ایک صحابی وہ جو شروع میں دَورِ مکّی میں اسلام لانے والوں میں سے ہیں (جن کو اہل مکہ نے سخت اذیتیں بھی دیں) اور دوسرے صحابی وہ جنہیں مدنی دَور میں کاتبِ وحی (اصلی وحی) ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ظاہر ہے دونوں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے انتہائی قریبی اور تربیت یافتہ اور صحبت یافتہ ہیں مگر اختلاف اتنا بڑھتا ہے کہ خلیفۂ وقت (امیر المومنین عثمانؓ) تک شکایت پہنچتی ہے اور وہ ایک کو دار الخلافہ میں طلب کر لیتے ہیں اور پھر انہیں دار الخلافہ سے باہر منتقل ہو کر رہنے کی ہدایت کرتے ہیں مگر اب بھی اختلاف وہیں کا وہیں رہتا ہے اور نہ تو کاتبِ وحی اس کو ختم کرا سکے اور نہ ہی امیر المومنین و خلیفہ رسول اس کو ختم کرا سکے اور نہ ہی کوئی اور صحابی آگے بڑھ کر یہ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس کی یہ تشریح و توضیح یا تفسیر کی تھی۔ یا وحیِ پوشیدہ میں اس کی یہ تشریح آئی ہے اس لئے آپ لوگ اپنا اختلاف ختم کر لیں![۲]

کہئے اگر وحی پوشیدہ اس خیر القرون میں موجود تھی تو پھر اسے لے کر کوئی آگے کیوں نہیں آیا؟ کیا وحی

---

[۱] صحیح بخاری، کتاب الزکوٰۃ باب ما اُدِّیَ زکاتہ فلیس بکنز، بحوالہ ”صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین“ مؤلفہ مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین۔ اشاعت ثانی ۱۹۸۰ء، ص ۸۲۵۔ [۲] غور کیجئے کہ موصوف اپنی تفسیر میں بھی اس اختلاف کو ختم کرنے کے بارے میں کوئی وحی پوشیدہ نہ پیش کر سکے! دراصل اس قسم کی روایات اس لئے گھڑی گئیں کہ ان کی مدد سے ”ایک تیر سے دو شکار“ کے مصداق ایک تو دو مسالک پیدا کر کے (ایک مسلک سرمایہ داری اور دوسرا مسلک سوشلزم) افتراقِ امت کیا گیا، دوسرے جلیل القدر صحابہؓ (حضرت عثمانؓ، حضرت امیر معاویہؓ اور اس دَور کے دیگر بزرگ صحابہ کبارؓ پر طعن کیا گیا کہ آج تک ان پر تبرّا ہوتا ہے (جبکہ شہداد پور، سندھ میں بوذری جماعت اب بھی قائم ہے)

(پوشیدہ) تبلیغِ عام کیلئے تھی یا چھپانے کیلئے؟ کیا وحی پوشیدہ (بقول موصوف کے) اختلافات ختم کرنے کے لئے نہیں تھی؟ پس ثابت ہوا کہ وحی پوشیدہ یعنی (نام نہاد) حدیث اس زمانہ میں موجود ہی نہ تھی۔ یہ تو بعد کی سوچ اور بعد کی پیداوار اور بعد کی سازش ہے۔ اس کے مزید ثبوت میں کہ یہ بعد کی پیداوار ہے ہم موصوف ہی کی ایک اور عبارت انہیں حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "قبولِ اسلام" کے بارے میں نقل کرتے ہیں:

" حضرت ابوذرؓ قبیلۂ غفار کے ایک فرد تھے۔ جب انہیں رسول اللہ ﷺ کے دعویٰ نبوت کی خبر پہنچی تو تحقیق حال کے لئے اپنے بھائی کو مکہ روانہ کیا۔ انہوں نے مکہ معظمہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی پھر واپس آکر حضرت ابوذرؓ کو آپ کے کلام اور تعلیمات کا حال سنایا، حضرت ابوذرؓ کو ان کے بیان سے تشفی نہ ہوئی لہٰذا وہ خود مکہ معظمہ پہنچے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے نہ تھے اور کسی سے پوچھنا بھی پسند نہ کرتے تھے لہٰذا وہ مسجد میں ٹھہر گئے۔ رات کے وقت حضرت علیؓ اُن کے پاس سے گزرے اور انہیں اپنے گھر لے گئے۔ صبح کو حضرت ابوذرؓ واپس مسجد آگئے۔ دوسری اور تیسری رات کو بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت علیؓ نے ان سے آنے کا مقصد پوچھا۔ حضرت ابوذرؓ نے بتایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے ملنے آئے ہیں۔ حضرت علیؓ اُن کو اپنے ساتھ لے گئے۔ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلم ہوگئے۔ حضرت ابوذرؓ نے مکہ میں اپنے اسلام کا اعلان کیا، اس اعلان پر انہیں خوب زدوکوب کیا گیا۔ اتفاق سے حضرت عباسؓ ادھر آنکلے۔ انہوں نے ان کو بچایا۔ دوسرے دن پھر ایسا ہی ہوا۔ پھر حضرت ابوذرؓ اپنے وطن واپس آگئے اور اپنی قوم سے اپنے اسلام کو چھپایا"۔[1]

غور کیجئے کہ اس عبارت میں:

(۱)۔ لفظ "مسجد" دو مرتبہ استعمال ہوا ہے (جبکہ بخاری کی اصل روایت کتاب الانبیاء، باب قصہ اسلام ابی ذرؓ عن ابن عباسؓ، میں تین مرتبہ استعمال ہوا ہے) کہ حضرت ابوذرؓ دن میں "مسجد" میں ٹھہرے رہے۔ غور کیجئے کہ شروع اسلام کا دَور ہے، رسول اللہ سلامٌ علیہ بڑے محتاط طریقہ پر تبلیغ کر رہے ہیں یونکہ اہل مکہ ان کے دشمن ہو چکے ہیں اور اسلام قبول کرنے والوں کو اذیتیں دے رہے ہیں۔ اس وقت اور اس مخالفانہ ماحول میں مسجد کہاں سے آگئی؟ اگر وہ دَور اسلام کی پہلی بنائی جانے والی مسجد تھی تو پھر تو وہ تاریخی اعتبار سے آج بھی بڑی اہم یادگار ہوتی! پوچھئے موصوف سے یا ان کے امام سے یہ کون سی مسجد تھی؟؟

بات دراصل یہی ہے کہ یہ روایت بعد میں ٹکسال میں ڈھالی گئی اس لئے اس میں اس طرح کی خامی رہ گئی۔[2]

(۲)۔ رات کو حضرت علیؓ اُن کے پاس سے گزرے اور بغیر پوچھے گچھے، بغیر متعارف ہوئے ان کو "اپنے گھر" لے گئے (جہاں انہوں نے رات گزاری) صبح کو حضرت ابوذرؓ واپس "مسجد" میں آگئے۔ تین دن اور تین رات یہی سلسلہ جاری رہا۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت حضرت علی کے پاس "اپنا گھر" کہاں تھا؟ انہی (نام نہاد) احادیث کے مطابق وہ تو بچپن ہی سے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زیرِ کفالت اُن ہی کے ساتھ اُن کے گھر میں رہتے تھے۔ تو اگر

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ ص ۸۲۳ (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔۔ [2]۔ اسی طرح سے تحویل قبلہ کی روایت جب ڈھالی گئی تو اس میں بیت المقدس کے الفاظ آگئے حالانکہ اس زمانہ میں تو ہیکل سلیمانی بھی نہ تھا تو بیت المقدس کہاں سے آگیا!

وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے گھر میں لے گئے تو تے تو پھر ان سے ملاقات نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔
بات دراصل یہی ہے کہ چونکہ روایت بعد میں حضرت علیؓ کے فضائل اجاگر کرنے کیلئے ٹکسال میں ڈھالی گئی اس لئے اس میں خامی رہ گئی۔

(۳)۔ حضرت ابوذرؓ کو مکہ میں اپنا اسلام ظاہر کرنے پر زدوکوب کیا جارہا تھا تو حضرت عباسؓ ادھر آ نکلے۔ انہوں نے ان کو بچایا ۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس وقت تک تو حضرت عباسؓ نے خود اسلام قبول نہ کیا تھا بلکہ وہ تو بہت بعد میں، ہجرت کے بھی بعد، بلکہ جنگ بدر میں مومنین کے خلاف لڑنے کے بعد اور قید ہونے کے بعد مسلم ہوئے تھے[1] تو انہوں نے ایک اسلام قبول کرنے والے کو کیسے بچایا تھا؟ انہیں اس وقت ایک مسلم سے ہمدردی کیسے ہو گئی تھی؟ بات دراصل یہی ہے کہ روایت چونکہ بعد میں حضرت عباسؓ کے فضائل کی مناسبت سے ڈھالی گئی اس لئے ایسا کرنا پڑا۔

اب ذرا واپس حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے واقعہ کی طرف آجایئے کہ وہ قرآنی آیت کی شانِ نزول ایک دوسرے صحابہؓ سے مختلف سمجھے، حالانکہ یہ حقیقت قرآنی حریت فکر کی نشاندہی کرتی ہے اور صحابہؓ نے اس پر کوئی محاکمہ نہیں کیا مگر تاریخ کے مطابق وہ سب سے جدا ہو گئے یا کر دیئے گئے اور مدینہ النبی سے باہر مقام ربذہ میں بوریہ نشین ہو گئے اور غالباً وہیں فوت ہو گئے۔ تو اس واقعہ پر مندرجہ ذیل سوالات اُٹھائے جاسکتے ہیں۔

ا۔ کسی آیت کے معنی و مفہوم اس کی شانِ نزول جداگانہ سمجھنے پر یا دیگر صحابہ کے مطابق نہ سمجھنے پر یا غلط سمجھنے پر حضرت ابوذرؓ کو کسی نے اسلام سے خارج نہ کہا، نہ مرتد کہا نہ غیر مسلم کہا، نہ فرقہ کہا۔ بلکہ وہ اسی طرح باعزت مسلم و مومن اور صحابیٔ رسول رہے (اور لوگ ان سے ملنے کے لئے ٹوٹے پڑتے تھے)۔ جبکہ آج معنی و مفہوم سمجھنے میں ذرا سے اختلاف کو فوراً ارتداد و کفر یا انکار حدیث قرار دیدیا جاتا ہے!

۲۔ (نام نہاد) احادیث یعنی وحی پوشیدہ کے مطابق "جماعت سے چمٹے رہنا ضروری ہے اور جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے علیحدہ ہوا اس نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا"[2] تو جب حضرت ابوذرؓ تمام مومنین سے علیحدہ ہو گئے یا کر دیئے گئے تو کسی نے نہیں کہا کہ نعوذ باللہ انہوں نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے نکال دیا یا وہ جہالت کی موت مرے، وغیرہم۔ نہ ہی کسی نے یہ فتویٰ دیا کہ وہ "جماعت المسلمین" سے نکل گئے یا نکال دیئے گئے۔ پس ثابت ہوا کہ "جماعت المسلمین" نام اس وقت استعمال ہی نہیں ہوتا تھا یونکہ اس وقت تو تصور اُمت کا تھا۔ حزبُ اللہ کا تھا۔ نیز اس قسم کی وحی پوشیدہ کا اس وقت کوئی وجود نہیں تھا ورنہ وہ حضرت ابوذرؓ کو نہ بتائے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا یونکہ وہ مومنین جو تمام دنیا میں اسلام پھیلا رہے تھے کیا وہ وہیں مدینۃ النبی کے باہر اسلام نہ پھیلاتے اور وحی (پوشیدہ) نہ بتاتے بلکہ اسے پوشیدہ ہی رکھتے۔ نیز یہ کہ اگر (نام نہاد) احادیث و تفسیر وحی ہوتیں تو پھر یقیناً ان کی تبلیغ عام ہوتی اور اس صحیفہ کو بھی مثل صحیفۂ قرآن کے لکھوا کر تمام دار الحکومتوں و شہروں اس حکم کے ساتھ میں بھیج دیا جاتا کہ یہ وحی خفی / وحی غیر متلو ہے اس کو پڑھنا نہیں مگر اس پر عمل کرتے رہنا ورنہ تباہ ہو جاؤ گے اور اسلام میں پورے پورے داخل نہ ہو سکو گے! جبکہ آج اگر اس کو نہ مانو تو منکر و کافر قرار دیدیا جاتا ہے! یہ

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۱۳۹، (بحوالہ صحیح بخاری)۔ [2] اس قسم کی روایات ہم "آیات کی غلط تاویل" کے زیرِ عنوان پیچھے ص ۳۷ پر دے چکے ہیں۔ وہاں دیکھئے۔

ہے کرشمہ اہل حدیثیت کا!

**(۳)**۔...مکہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بعثت سے قبل سے یہ رواج تھا کہ شوہر ناراضگی کی حالت میں اپنی بیوی کو ماں کہہ کر اپنے اوپر حرام کر لیتا تھا یا اس طرح اس کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا جاتا تھا۔ اس کو ظہار کہتے تھے۔ اس قسم کا ایک واقعہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے سامنے پیش آیا کہ کسی صحابیؓ نے دَور جہالت کے اسی رواج کے مطابق ناراضگی میں اپنی زوجہ کو ماں کہہ دیا وہ صحابیہؓ[۱] رسول اللہ سلامٌ علیہ کے حضور میں حاضر ہوئیں اور اپنے شوہر کی شکایت کی غالباً اس وقت تک طلاق کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی رواج کے مطابق فرمادیا کہ ہاں وہ اپنے شوہر پر حرام ہو گئیں اس لئے علیحدگی اختیار کر لیں مگر ان صحابیہؓ کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے جھگڑنے لگیں[۲] یا بحث و تکرار کرنے لگیں کہ اسلام آنے کے بعد بھی دَورِ جاہلیت کے رواج چلیں گے؟ اور اس طرح خاندان تباہ ہوں گے؟ اس جھگڑے یا جدل یا بحث کے نتیجہ میں قرآن کریم کی سورہ "المجادلہ" کی شروع کی آیات نازل ہو گئیں جس میں اللہ تعالیٰ نے لفظ تُجَادِلُكَ (جو جَدَل سے مشتق ہے اور جس کے معنی جھگڑنے، لڑنا، بحث کرنا۔ تکرار کرنا وغیرہ ہیں اور یہ لفظ اردو میں بھی اِنہیں معنوں میں جنگ کے ساتھ استعمال ہوتا ہے مثلاً جنگ و جدل) استعمال کر کے یہ حقیقت واضح کر دی کہ ان صحابیہؓ نے رسول کی بات آنکھیں بند کر کے نہیں مانی بلکہ اس پر بحث و تکرار کی۔ اور اللہ سے التجا کی کہ اس ظالمانہ رواج سے نجات عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی التجا سُن لی اور حکم کر دیا کہ ماں کہنے سے بیوی ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو وہی ہے جس سے وہ پیدا ہوا ہے.................. اور صرف اتنا ہی حکم نازل نہیں کیا بلکہ ایسا کرنے والوں پر سزا بھی لاگو کر دی (المجادلہ ۱تا۴۔ اس سورۃ کا نام ہی "جدل" کی مناسبت سے "المجادلہ" ہو گیا)

غور کیجئے کہ کیا اس قرآنی شہادت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ:

۱۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی ورنہ صحابیہؓ کی کیا مجال تھی کہ وہ آپ کے فرمان پر جھگڑتیں یا بحث و تکرار کرتیں اور اس وحی پوشیدہ کے خلاف اللہ سے التجا کرتیں؟ حالانکہ یہ ایک دینی معاملہ تھا) پس ثابت ہوا کہ جو لوگ سورۃ النجم کی آیت نمبر ۳۔۴ (وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ﴿۳﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ﴿۴﴾ کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا اس کی بات اور کچھ نہیں سوائے وحی کے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے" اور نتیجہ یہ نکالتے ہیں کہ "رسول اللہ سلامٌ علیہ کی ہر بات وحی ہوتی تھی[۳]" وہ سخت غلطی میں مبتلا ہیں۔ سورہ المجادلہ کی آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ رسول کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی ورنہ پھر ایک وحی کے ہوتے ہوئے دوسری وحی آنے کی کیا ضرورت تھی۔ انسانوں کی ہدایت کیلئے ان کو شریعت بتانے کے لئے صرف ایک ہی وحی آتی تھی جس میں قرآن کریم نازل ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور وحی ہوتی ہو گی تو وہ رسول کی اپنی رہنمائی یا بصیرت کیلئے ہوتی ہو گی اس کا عام انسانوں سے تعلق نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ ان کے لئے واجب الاتباع تھی ورنہ صحابیہؓ اس پر احتجاج نہ کرتیں۔

۲۔ یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ اللہ نے جو شرعی احکام نازل کئے وہ قرآن کریم ہی میں نازل کئے اور اس کے علاوہ وحی

---

۱۔ صحابیہ خویلہؓ بنت ثعلبہؓ (زوجہ اوس بن الصامتؓ)۔ (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۹، تفسیر سورہ مجادلہ۔ ص ۵۰۵)۔۔ ۲۔ بحوالہ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ "ظہار کا حکم" ص ۳۶۴۔۔ ۳۔ "برہان المسلمین" ص ۵۵

پوشیدہ میں نازل نہیں کئے۔ ورنہ تو یہ معاملہ صرف ایک صحابیہؓ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے درمیان ہوا تھا اللہ تعالیٰ اس کو پوشیدہ ہی رکھتا اور وحی پوشیدہ ہی کے ذریعہ اس کا حل بتا دیتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔

۳۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نہ تو خود اپنی بات کو وحی یا مثل قرآن سمجھتے تھے اور نہ ہی صحابہ کبارؓ آپ کی ہر بات کو وحی یا مثل قرآن سمجھتے تھے۔ بلکہ دینی معاملات یعنی شریعت کے احکام تک میں صحابہ کبارؓ آپ سے سوال و جواب کرتے تھے اور آنکھیں بند کر کے ہر بات نہیں مان لیتے تھے اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر جھگڑنے والی صحابیہؓ کی سرزنش بھی اسی سورہ المجادلہ میں نازل ہوتی مگر ان کی کوئی سرزنش نہیں ہوئی۔ غور کیجئے کہ اگر رسول کی ہر بات وحی تھی تو کیا وہ صحابیہؓ بار بار اعتراض وحی پر کر رہی تھیں؟ کیا وہ وحی کے، ان کے مطابق نہ ہونے پر رسول سے جھگڑ رہی تھیں؟ اور پھر بھی ان کی کوئی سرزنش نہیں کی گئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تائید فرما دی۔

۴۔ اگر وہ صحابیہؓ رسول کی بات کو وحی سمجھتی تھیں تو پھر انہوں نے آپ کے فیصلہ کے خلاف اللہ تعالیٰ کے حضور میں التجا کیوں کی اور پھر اللہ تعالیٰ نے ان ہی کی تائید میں وحیِ قرآن نازل کر دی۔

پس ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا ورنہ صحابیہؓ اور رسول کے درمیان جھگڑا یا بحث و تکرار نہ ہوتی۔ یہ وحی پوشیدہ سب بعد کی پیداوار ہے۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ذرا اس سورہ المجادلہ کی تفسیر جو امام بخاری نے اپنی کتاب میں دی ہے وہ بھی ملاحظہ کرتے چلئے تاکہ آپ کو صحیح اندازہ ہو جائے کہ وحی پوشیدہ اور تفسیر کے نام پر کیا مذاق کیا گیا۔ امام بخاری فرماتے ہیں:

"وَقَالَ مُجَاهِدٌ: يُحَآدُّوْنَ: يُشَاقُّوْنَ اللهَ كُبِتُوْا: اُخْزِبُوا مِنَ الْخِزْيِ. اِسْتَحْوَذَ: غَلَبَ

مجاہد نے کہا "یحادون" اللہ کی مخالفت کرتے ہیں "کُبِتُوا": ذلیل کئے گئے، "خِزْيِ" سے ماخوذ ہے "اِسۡتحوذ" غالب ہوا"[1]

کہئے اس تفسیر سے آپ کیا سمجھے۔ یہ پوری سورۃ "المجادلہ" کی تفسیر ہے! اور امام مسلم نے تو اتنی بھی تفسیر نہیں لکھی۔ شاید ان کو وہ غار نہ ملا جہاں تفسیری ٹکسال لگی تھی یا پھر شاید جو تفسیر ان کو ملی ہوگی وہ ان کے احادیث کے پرکھنے کے معیار پر پوری نہیں اتری ہوگی اس لئے انہوں نے اسے مسترد کر دیا۔ آخر یہ معیار بھی تو ان کے اپنے ہی بنائے ہوئے تھے (یعنی عجمیوں کے خود ساختہ، اللہ یا رسول کے دیئے ہوئے نہیں کہ "الفرقان" سے حق و باطل کا فرق معلوم کر لو) تو پھر تو وہ بہت بڑے منکرِ حدیث ہو گئے کہ انہوں نے تفسیر مسترد کر دی! آخر یہ کیسی وحی پوشیدہ میں بتائی گئی تفسیر قرآن تھی کہ اتنے بڑے فنونِ حدیث کے امام کو نہ ملی اور پوشیدہ ہی رہی (اتفاق سے انہوں نے اپنی کتاب میں صرف چند صفحات[2] میں پورے قرآن کی صرف ۳۸ تفسیری روایات لکھ دی ہیں۔ یعنی صرف چند روایات کو ہی انہوں نے صحیح مانا اور باقی لاکھوں کے منکرِ حدیث ہو گئے!)

---

[1] صحیح بخاری، کتاب التفسیر ۸۳۲، المجادلہ۔ جلد دوم۔ قمر سعید پبلشرز لاہور۔ بار دوم ۱۹۷۹ء۔ ص ۹۳۵

[2] صرف دس صفحات مع ترجمہ کے۔ صرف ۳۸ روایات جن میں دہرائی گئی سندیں بھی ہیں وہ سب کی سب "عَنْ" کے لفظ سے۔ جبکہ امام بخاری نے تفسیری روایات تقریباً پانچ سو دی ہیں، پونے تین سو صفحات پر اور سب کی سب "حَدَّثَنَا" کے لفظ سے۔ جبکہ ان کے امام، احمد بن حنبل نے فرمایا تھا کہ تفسیر کی کتابیں یکسر بے بنیاد ہیں۔ اب غور کیجئے کس کی مانیں گے؟

(۴)۔ ... قارئین پچھلی دلیل میں ہم آپ کو اللہ تعالیٰ کی گواہی (قرآن کریم کی سورہ المجادلہ) بتا چکے کہ زمانہ خیر القرون میں کوئی (نام نہاد) حدیث یا وحیٔ پوشیدہ نہیں تھی ورنہ صحابہؓ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بات بغیر چوں و چرا کے مان لیتیں مگر انہوں نے رسول کی بات نہ مانی اور جدل کیا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آیت ان کے حق میں نازل فرمادی اور ان پر منکرِ حدیث ہونے کا فتویٰ بھی نہ لگایا۔ اب ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ ہی کی قرآن کریم میں ایک اور گواہی کہ رسول کے منہ مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی۔

"حضرت زید بن حارثہؓ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بیٹا بنایا تھا ...................... آیات زیرِ تفسیر اور آگے آنے والی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح زیدؓ بن حارثہ سے ہوا تھا۔ کچھ عرصہ بعد زیدؓ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور زینب کی شکایت کرنے لگے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں:

زَيْدُ بْنُ حَارِثه يَشْكُوا فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَقُولَ اِتَّقِ اللهَ وَاَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ (صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ۔ باب وكان عرشه على الماء جزء۔۹ ص ۱۵۲)

زید بن حارثہ اپنی بیوی (حضرت زینب) کا شکوہ کرتے ہوئے آئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی بیوی کو روکے رکھو (طلاق نہ دو)۔

حضرت زیدؓ انہیں طلاق دینا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں مشورہ دیتے تھے کہ ایسا نہ کرو۔ لیکن میاں بیوی کی بن نہ سکی اور حضرت زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (وَ اِذْ تَقُوْلُ لِلَّذِیْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَ اتَّقِ اللّٰهَ) اور (اے رسول، وہ وقت یاد کیجئے) جب آپ اس شخص سے جس پر اللہ نے احسان کیا تھا اور آپ نے احسان کیا تھا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی بیوی (زینب) کو اپنی زوجیت میں رہنے دو، اللہ سے ڈرو (اور انہیں طلاق نہ دو لیکن وہ نہ مانے اور طلاق دے ہی دی)[1]"۔

یہ عبارت میں نے موصوف ہی کی تفسیر سے من و عن نقل کر دی ہے (تاکہ حسبِ عادت وہ یہ نہ کہیں کہ بغیر حوالہ کے لکھی ہے) اور بات بالکل واضح ہے کہ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بات یا خواہش یا حکم یا مشورہ نہیں مانا اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آپ کی مرضی کے خلاف طلاق دے دی۔ پس ثابت ہو گیا کہ رسول کے منہ مبارک سے نکلا ہوا ہر لفظ، ہر بات، ہر خواہش، ہر حکم یا ہر مشورہ وحی نہیں ہوتا تھا اور صحابہ کیلئے واجب الاتباع بھی نہیں۔ اس حکم کی خلاف ورزی پر اللہ تعالیٰ نے بھی زیدؓ بن ثابت کی کوئی سرزنش نہیں کی نہ انکار حدیث یا انکار وحی پوشیدہ کا کوئی فتویٰ لگایا۔ نہ رسول نے خود اس پر بُرا منایا اور نہ ہی صحابہؓ کبار نے حضرت زیدؓ پر کوئی فتویٰ لگایا۔

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اپنی تفسیر میں موصوف نے لفظ "مشورہ" استعمال کیا ہے ذرا زحمت کر کے موصوف سے ان کے (نام نہاد) حدیثوں پر ایمان کی رُو سے پوچھئے کہ قرآن کریم کے الفاظ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اور

[1] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔ ۲۲، سورہ الاحزاب، تفسیر آیت نمبر ۳۷، ص ۱۰۹۸۔ ۱۰۹۹

اتَّقِ اللّٰہ کا صیغہ مشورہ کا ہے؟ یا یہ صیغہ خبریہ ہے یا ظنّی ہے؟ یا یہ صیغہ امر ہے؟ (یا کسی بھی عربی جاننے والے سے پوچھ لیجئے اور اس سے ہی موصوف کی دیانتداری کا اندازہ کر لیجئے)

اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ کیا رسول کے منہ مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات وحیٔ الٰہی ہوتی تھی؟ جیسا کہ موصوف کا عقیدہ ہے۔ اگر وہ وحی ہوتی تھی تو پھر مشورہ بھی وحی ہوا اور اس کی خلاف ورزی اللہ کے حکم کی خلاف ورزی اور وہ یقیناً گناہ اور قابلِ سزا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اسے نہ تو حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی قرار دیا اور نہ ہی اطاعتِ رسول کی خلاف ورزی ،نہ ہی کوئی سزا دی۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کے عقیدہ کا اس وقت زمانہ خیر القرون میں کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ عقیدہ ہی باطل ہے (نیز اس سے "اطیعوا الرسول" کے معنی بھی سمجھ آسکتے ہیں۔ بشر طیکہ کوئی غور کرے)

**(۵)**۔... امام المحدثین بخاری کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"بَابُ شَفَاعَةِ النَّبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فِيْ زَوْجِ بَرِيْرَة

حَدثنا محمدٌ اخبرنا عبد الوهاب حدثنا خالد عن عكرمة عن ابن عباس ان زوج بريرة كان عبدا يقال له مغيث كانى انظر اليه يطوف خلفها يبكى و دموعه تسيل علٰى لحيتِهٖ فقال النبى صلى الله عليه و سلم لعباس يا عباس الا تعجب من حب مغيث بريرة و من بغض بريرة مُغيثا فقال النبى صلى الله عليه و سلم لو راجعتهٖ قالت يا رسول الله تَاْمُرنى؟ قال انما انا اشفع . قالت لا حاجة لى فيه۔

باب بریرہ کے شوہر کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی سفارش۔

محمد، عبد الوہاب، خالد، عکرمہ، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں ہ بریرہؓ کا شوہر مغیث نامی غلام تھا۔ گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں کہ بریرہؓ کے پیچھے روتا ہوا گھوم رہا ہے۔ آنسو اس کی داڑھی پر گر رہے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباسؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے عباسؓ کیا تمہیں بریرہؓ سے مغیث کی محبت اور بریرہؓ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں ہوتا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کاش تو اسے لوٹا لیتی۔ اس نے کہا یا رسول اللہ کیا آپ مجھے حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا (نہیں بلکہ) میں تو صرف سفارش کر رہا ہوں۔ بریرہؓ نے کہا تو مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"[1]

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ بریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے خواہش ظاہر کرتے ہیں کہ کاش وہ اپنے شوہر کو لوٹا لیں مگر وہ اس خواہش کا احترام نہیں کرتیں بلکہ پوچھتی ہیں کہ کیا یہ آپ حکم دے رہے ہیں؟ آپ اس کی نفی کر دیتے ہیں یہ کہہ کر کہ میں تو سفارش کر رہا ہوں تو آپ فرماتی ہیں کہ مجھے اس کی یعنی سفارش کی ضرورت نہیں۔ اور اس طرح رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بات نہیں مانتیں مگر پھر بھی ان پر نہ تو اطاعت سے انکار کا فتویٰ لگتا ہے اور نہ ہی منکرِ حدیث ہونے کا فتویٰ لگتا ہے نہ منکرِ رسول ہونے کا فتویٰ لگتا ہے نہ کفر کا فتویٰ لگتا ہے! نہ ہی ان کو کوئی سرزنش کی جاتی ہے نہ ہی کوئی آیت ان کے بارے میں اترتی ہے نہ ہی کوئی وحی پوشیدہ طور پر آتی ہے کہ یہ تو گمراہ ہو گئیں (نعوذ باللہ)۔ انہوں نے

[1] صحیح بخاری، جزء۔۳۔ کتاب الطلاق، باب ۱۷۱ شفاعة النبى صلى الله عليه و سلم فى زوج بَريرة، حدیث ۲۶۲، ص ۱۴۲

رسول کے منہ مبارک سے نکلی ہوئی وحی کو نہیں مانا۔ مگر آج مُلّا یہ سارے فتوے لگا دیتا ہے اور خود ساختہ قانون 'توہینِ رسالت' کے تحت سزا بھی دلوا دیتا ہے۔ اور اگر عدالت ان کی بات نہ مانے تو ملک میں شر و فساد بھی پھیلا دیتا ہے!

غور کیجئے کہ جو لوگ آیات کریمات "وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ﴿٣﴾ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ﴿٤﴾ (۳-۴/۵۳) کا ترجمہ کرتے ہیں کہ:

"رسول اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا اس کی بات (اور کچھ) نہیں مگر وحی جو (اس کی طرف) بھیجی جاتی ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر بات وحی ہوتی تھی"[۱]

وہ بالکل غلط ترجمہ کرتے ہیں اور بالکل غلط مفہوم نکالتے ہیں۔ اس (نام نہاد) حدیث بخاری سے تو ثابت ہو گیا کہ رسول اپنی خواہش سے بھی بولتے تھے (کاش کہ تو اسے لوٹا لیتی! کیا یہ خواہش نہیں؟) اور صحابہؓ اُن کی خواہش ماننے کے پابند نہ تھے اور نہ ہی صحابہ رسول کی سفارش ماننے کے پابند تھے۔ اور اسی سے ثابت ہو گیا کہ رسول کی ہر بات وحی نہیں ہوتی تھی اور موصوف کا ترجمہ و مفہوم اور عقیدہ سب ہی غلط اور باطل ہے۔

پس ثابت ہوا کہ زمانہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث یا وحیِ پوشیدہ یا رسول کی ہر بات وحی ہونے کا عقیدہ موجود ہی نہ تھا۔ یہ سب بعد کی سازشی پیداوار ہے۔

اور اسی (نام نہاد) حدیثِ بخاری سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ جو لوگ آیتِ کریمہ کے ٹکڑے وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ (۷/۵۹) کا ترجمہ کرتے ہیں "جو رسول تم کو دے وہ لے لو اور جس سے روک دے اس سے رُک جاؤ"[۲]

اور اس کا مفہوم (نام نہاد) حدیث لیتے ہیں وہ بھی غلط ترجمانی کرتے ہیں ورنہ صحابیہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی خواہش کو اس طرح رد نہ کرتیں کہ کہہ دیتیں مجھے آپ کی سفارش کی ضرورت نہیں! (اس آیت کریمہ میں مال فئے لینے دینے کی بات ہو رہی ہے جیسا کہ ہم پیچھے وضاحت کر چکے۔ اس میں حدیث کا کہیں ذکر تک نہیں) مگر ہر ملّا اس آیت کو پیش کر کے عوام کو دھوکہ دیتا ہے!

**(۲)**۔... قارئین امام المحدثین مسلم کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

(۱)۔"عن رافع ابن خدیج عن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال ثمن الكلب خبيث و كسب الحجام خبيث

رافع بن خدیج رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی آپ نے فرمایا کتے کی قیمت خبیث ہے اور پچھنے لگانے والی کی کمائی خبیث ہے"[۳]

اس (نام نہاد) حدیث میں کتے کی قیمت کے علاوہ پچھنے لگانے والے کی کمائی کو خبیث بتایا گیا ہے۔ اسی کو ہمارے موصوف نے اپنی مایہ ناز کتاب میں "حلال اور حرام چیزیں" کے زیرِ عنوان اس طرح لکھا ہے:

---

۱۔ برہان المسلمین۔ ص ۵۵ (اگلے ہی صفحہ نمبر ۵۶-۵۷ پر موصوف انہی آیات کا ترجمہ یوں کرتے ہیں: "رسول کا بولنا اپنی خواہش سے نہیں ہوتا۔ وہ اور کچھ نہیں ہوتا مگر وحی جو بھیجی جاتی ہے یعنی نطق رسول وحی ہے اور کچھ نہیں ")۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۲۶۔۔۔ ۳۔ صحیح مسلم، جزء۔ ۴۔ کتاب المساقاۃ و المزارعت۔ باب تحریمِ ثمن الکلب ...... (باب کتے کی قیمت اور.........) ص ۱۹۶

”پچھنے لگانے کی اُجرت نہ لے، نہ پچھنے لگانے کی اُجرت کھائے“۔[1]

مگر اب ذرا انہی امام المحدثین کی صحیح مسلم کو ذرا آگے دیکھئے تو باب ہے:

بَاب حِلِّ اُجرۃ الحجامۃ باب۔ پچھنے لگانے کی اجرت حلال ہے۔

اور دو (نام نہاد) احادیث شریف ملاحظہ ہوں:

(۲)۔ عن ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم احتجم و اعطی الحجام اجرہٗ و استعط۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے اور حجام کو اس کی مزدوری دی اور ناک مبارک میں دوائی ڈالی“۔[2]

(۳)۔” عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال حجم النبی صلی اللہ علیہ و سلم عبدٌ بنی بیاضۃ فاعطاہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم اجرہ و کلم سیدہ فخفف عنہ ضریبتہ و لو کان سحتًا لم یعطہ النبی صلی اللہ علیہ و سلم۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ کو پچھنے لگائے بنی بیاضہ (ایک قبیلہ ہے انصار میں سے) کے ایک غلام نے، پھر آپ نے اس کو اجرت دی اور اس نے اپنے مالک سے اس کا ذکر کیا اس نے اس کا محصول کم کر دیا (جو روزانہ اس سے ٹھہرا تھا۔ اس کو مخارجہ کہتے ہیں اور یہ جائز ہے) اور اگر حجامت کی اجرت حرام ہوتی تو آپ کبھی اس کو نہ دیتے“۔[3]

خیال رہے کہ پچھنے لگانے پر کچھ دینے کی یہی صرف دو روایات نہیں ہیں بلکہ انہی امام المحدثین مسلم نے اسی باب میں کم از کم دو اور (نام نہاد) احادیث لکھی ہیں جن میں پچھنے لگوانے پر (مختلف لوگوں سے) رسول اللہ ﷺ نے کچھ نہ کچھ دیا ضرور ہے۔ اسی لئے امام صاحب نے باب بھی یہی قائم کیا ہے کہ ”پچھنے لگانے کی اجرت حلال ہے“ اور پچھلی (نام نہاد) حدیث میں یہ الفاظ بھی شامل ہیں کہ اگر حجامت کی اجرت حرام ہوتی تو آپ کبھی حجام کو نہ دیتے۔ نیز دوسرے امام المحدثین بخاری نے بھی اپنی صحیح بخاری میں کئی (نام نہاد) احادیث[4] لکھی ہیں جن میں یہی تصدیق ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (مختلف لوگوں سے پچھنے لگوائے اور حجام کو کچھ نہ کچھ دیا۔ مگر افسوس کہ امام المحدثین مسلم کی پہلی (نام نہاد) حدیث پچھنے لگانے والے کی کمائی کو خبیث بتاتی ہے اور ہمارے موصوف نے بھی اس سے یہی شریعت سازی کی ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت نہ لے، اور نہ پچھنے لگانے کی اُجرت کھائے اور اسے حلال و حرام چیزوں ہی کے زیرِ عنوان درج کیا ہے۔ (آج تو پچھنے لگانے کا باقاعدہ پیشہ ، حجامہ، کے نام سے شروع ہو گیا ہے اور اس کی کمائی کھانے والے ڈاکٹر کہلاتے ہیں!)

---

[1]۔ منہاج المسلمین، باب حلال اور حرام چیزیں، ص ۳۵۰۔ [2]۔ صحیح مسلم، جزء ۴ کتاب المسافات و المزارعت ، بَاب حِلِّ اُجرۃ الحجامۃ (باب پچھنے لگانے کی اجرت حلال ہے (ص ۲۰۲)۔ [3]۔ ایضاً۔ [4]۔ صحیح بخاری، جزء ۱، کتاب البیوع، باب ۱۳۱۴، ذکر الحجام ، ص۷۳۹، اور باب ۱۴۱۶، خراج الحجام ، ص۷۸۷

غور کیجئے اب کس کی بات صحیح ہے؟ شریعت سازی کون کر رہا ہے، **اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ یا امام المحدثین** صاحبان یا ہمارے موصوف؟

یہ بھی غور کیجئے کہ کیا ہمارے رسول سلامٌ علیہ کا یہی کردار تھا کہ جس چیز کو حرام بتائیں یا خبیث بتائیں اسی کام کو خود کریں؟ ہمارے موصوف اور ان کے متبعین آپ کو یہ جواب دیں گے کہ یہ بھی ناسخ منسوخ اور تقدم و تاخر کا معاملہ ہے۔ تو یقین کر لیجئے کہ یہ کھلا دھوکہ اور ان کا خود ساختہ جواب ہے یہ کسی بھی (نام نہاد) حدیث تک کی کتاب غیر اللہ میں لکھا ہوا نہیں۔ محض ظنّ ہے۔

کہئے اگر آپ کا یہ عقیدہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا کردار ایسا دوہرا نہیں تھا بلکہ وہ کردار کی انتہائی بلندیوں پر تھے تو کیا پھر یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس قسم کی مختلف فیہ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے کردار کو داغدار کرنے والی (نام نہاد) احادیث کا زمانہ خیر القرون میں کوئی وجود نہیں تھا اور نہ ہی ایسی باتیں وحی ہو سکتی ہیں۔

**(۷)**... قارئین صحیح مسلم کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"عَن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال لا تکتبوا عنی ومن کتب عن غیر القراٰن فلیمحہٗ وحدثوا عنی ولا حرج ومن کذب علی قال ھمام احسبہ[۱] قال متعمدًا فلیتبوّأ مقعدہ من النار (صحیح مسلم جلد آخر، کتاب الزھد، باب التثبت فی الحدیث و حکم کتابة العلم)

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری طرف سے کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے اسے چاہئے کہ اسے مٹا دے۔ (البتہ میری طرف سے (دیگر) باتیں کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کوئی عمداً میری طرف جھوٹ بات کہے اور ھمام نے کہا اَحسِبُہٗ[۱] (یعنی میں گمان کرتا ہوں کہ انہوں نے یہ کہا) وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔
(صحیح مسلم، جلد آخر، کتاب الزھد، باب: بات سمجھ کر کہنا اور علم کو لکھنا)

غور کیجئے کہ روایت میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا کتنا واضح حکم ہے کہ اُن سے **غیر القراٰن** کچھ نہ لکھا جائے اور اگر لکھ لیا ہو تو مٹا دیا جائے۔ یہاں ایسا حکم دینے کی کوئی وجہ نہیں بتائی گئی اور نہ ہی کسی اور روایت میں ایسا حکم دینے کی کوئی وجہ بتائی گئی۔ موصوف خود تسلیم کرتے ہیں کہ:

"یہ تو صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے احادیث کو لکھنے سے منع فرما دیا تھا"[۲] مگر پھر آگے وہی ہیر پھیر والی بات کرتے ہیں کہ:

"لیکن اس کا مقصد صرف اتنا تھا کہ[۳] احادیث قرآنی آیات کے ساتھ خلط ملط نہ ہو جائیں"[۴]

۱۔ ان الفاظ سے معلوم ہوا کہ اس روایت کے آخری الفاظ میں شک ہے۔ بہر حال ہمارے موصوف نے یہ الفاظ (قال حمام احسِبہٗ) اپنی کتاب "برہان المسلمین" میں (ص ۲۰۶) روایت نقل کرتے ہوئے اُڑا دیئے ہیں۔ پتہ نہیں کیا مصلحت تھی! روایت کو توڑ توڑ کر اس طرح لکھا ہے کہ لوگ آسانی سے دھوکہ میں آجائیں!۔۔ ۲۔ برہان المسلمین ص ۲۰۵۔۔ ۳۔ غور کیجئے کہ یہ مقصد، موصوف کو کیسے معلوم ہوا؟ کیا ان پر چودہ سو سال بعد کوئی وحی آئی؟۔۔ ۴۔ برہان المسلمین ص ۲۰۵

غور کیجئے کہ کلام اللہ کے ساتھ غیر اللہ کے انسانی الفاظ کیسے خلط ملط ہو سکتے تھے اس کے لئے تو مزاج شناسِ رسول بھی ہونا ضروری نہیں تھا بلکہ ہر عربی دان آیات پڑھ کر ہی بلکہ صرف سن کر ہی پکار اُٹھتا تھا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ اگر یقین نہ ہو تو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ چلئے اسی روایت کے یہی شروع کے الفاظ کہ "رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ میری طرف سے کچھ نہ لکھو اور جس نے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے اسے چاہئے کہ اسے مٹادے" قرآن کریم میں کسی بھی آیت کے ساتھ لکھ کر دیکھ لیجئے۔ کہئے کیا یہ الفاظ قرآنی آیات سے خلط ملط ہوئے یا فرق صاف ظاہر ہے؟ اور جب فرق صاف ظاہر ہے تو پھر اللہ کے رسول کو یہ خدشہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ان کے غیر القرآن الفاظ قرآنی الفاظ سے خلط ملط ہو جائیں گے؟ پس موصوف کا ظنّی استدلال بالکل غلط ہے اور حقیقت یہی ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت صرف قرآن کریم ہی نازل ہو رہا تھا اور وہی لکھا جا رہا تھا (اور کسی اور نام نہاد وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا) اور اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں اس حقیقت کی شہادت دے رہا ہے کہ رسول تو صبح شام املا کرا کے قرآن کریم ہی لکھاتے تھے (۴-۵/۲۵) اور وہ سطر بہ سطر لکھا جاتا تھا عمدہ قسم کی جھلی نما کاغذ پر (۲-۳/۵۲) اور اسی کو بین الدفتین محفوظ کیا گیا تھا (۲۱-۲۲/۸۵) اور صرف یہی نہیں کہ رسول اس کا املا کرا کر لکھاتے تھے بلکہ وہ اپنا نسخہ خود اپنے داہنے ہاتھ سے لکھتے تھے (۴۸/۲۹) دیگر مومنین جو اپنے اپنے نسخے لکھتے تھے ان کو وہ نسخے جہاد میں لے جانے کی ممانعت تھی' (ہمارے موصوف نے اپنی مایۂ ناز تاریخ الاسلام والمسلمین میں ۵ھ کے واقعات کے ذیل میں لکھا ہے کہ "آپ نے فرمایا: "قرآن مجید کو لے کر دشمن کے ملک میں سفر نہ کیا جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ دشمن کے ہاتھ لگ جائے"[۱] غور کیجئے کیا اس وقت قرآن مجید کتابی شکل میں تھا یا پتھروں، ہڈیوں، پتوں اور چھالوں کا ڈھیر تھا؟ یقیناً اس وقت بھی قرآن مجید کتابی شکل ہی میں لکھا جا رہا تھا جب ہی تو اسے سفر میں بھی ساتھ لے جایا سکتا تھا۔ مگر افسوس کہ ملّا جی کہتے ہیں کہ قرآن مجید تو پتھروں و ہڈیوں کا ڈھیر تھا، اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بعد پوچھ پوچھ کر، دو دو گواہیاں لے کر لکھا گیا!)

اب آپ ذرا موصوف سے یہ پوچھئے کہ یہ روایت جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اتنا واضح حکم غیر القراٰن کو نہ لکھنے کا ہے تو یہ قرآن کی کس آیت کی شرح یا تفسیر ہے؟ (یونکہ موصوف کا عقیدہ ہے کہ نام نہاد احادیث قرآن کی شرح و تفسیر ہیں)۔

اب ذرا اس شرح کی شرح ملاحظہ ہو کہ صحیح مسلم کے شارح امام نووی، امام مسلم کے چار ۴۰۰ سو سال بعد ساتویں صدی ہجری میں اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"قاضی عیاض نے کہا سلف صحابہؓ اور تابعینؒ میں بڑا اختلاف تھا علم کے لکھنے میں بہتوں نے اس کو مکروہ رکھا لیکن اکثر نے جائز رکھا۔ پھر اس کے بعد اجماع ہو گیا اس کے جواز پر اور اختلاف جاتا رہا۔ اور اس حدیث میں جو ممانعت ہے وہ محمول ہے اس شخص پر جو اچھا حافظہ رکھتا ہو لیکن لکھنے میں اس کو ڈر ہو کتابت پر اعتماد کرنے کا اور جس کا حافظہ اچھا نہ ہو اس کو لکھنے کی اجازت ہے"۔[۲]

---

۱۔ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ "جہاد کے متعلق مختلف قسم کی ہدایتیں" ص ۳۵۷، بحوالہ صحیح بخاری: کتاب الجهاد باب کراهیته السفر بالمصاحف عن ابن عمر رضی اللہ عنہ و صحیح مسلم کتاب الامارة باب النبی ان یسافر بالمصحف)

۲۔ صحیح مسلم، جلد آخر کتاب الزهد، باب بات سمجھ کر کہنا اور علم کو لکھنا۔ حاشیہ ص ۵۰۱

یہاں شارح امام کی عبارت پر غور کیجئے! وہ ایسی کوئی (نام نہاد) حدیث پیش نہ کر سکے جس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بعد میں اُن سے غیر القرآن بھی لکھنے کی اجازت دیدی ہو۔ بلکہ وہ تو یہی شرح کر رہے ہیں کہ "سلف صحابہؓ اور تابعینؒ میں بڑا اختلاف تھا علم کے لکھنے میں۔ بہتوں نے اسے مکروہ رکھا"۔ پس حقیقت ثابت ہو گئی کہ پوشیدہ قسم کی وحی کا کوئی وجود اس وقت خیر القرون میں نہ تھا اور نہ صحابہؓ کرام اس کی مخالفت نہ کرتے اور نہ اس کو لکھنے کو مکروہ جانتے۔

شارح امام صاحب مزید فرماتے ہیں کہ "اکثر نے (لکھنا) جائز رکھا پھر اس کے بعد اجماع ہو گیا" مگر وہ اس قسم کے کسی اجماع کی کوئی تاریخ نہ دے سکے کہ یہ کب اور کہاں ہوا؟ رسول سلامٌ علیہ کے سامنے ہوا یا ان کی وفات کے بعد؟ اگر ان کے سامنے ہوا تو اس کی کیا حیثیت ہے؟ اور اگر ان کے بعد ہوا تو اس کی کیا حیثیت ہے؟ ظاہر ہے کہ ان کی یہ شرح ایک بے سند اور ظنّی بات ہے اسی طرح ان کا استدلال کہ لکھنے کی ممانعت محمول ہے اس شخص پر جو اچھا حافظہ رکھتا ہو.......... بھی ایک بے سند اور ظنّی بات ہے۔ یہاں یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ (نام نہاد) احادیث لکھنے کا رواج صحابہؓ و تابعینؒ کے دَورِ خیر القرون کے بعد ہی ہوا یعنی جب قرآن کریم کے خلاف سازش پروان چڑھی۔

آگے شارح امام صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اور حکم دیا حضرت ﷺ نے ابو شاہ کے لئے لکھنے کا اور اسی قسم میں صحیفہ حضرت علیؓ کا اور کتاب عمروؓ بن حزم کی اور کتاب صدقہ کی اور زکوۃ کی۔ اور ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ عبد اللہ بن عمروؓ لکھتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔ اور بعضوں نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے ان حدیثوں سے۔ اور یہ اس وقت کی حدیث ہے جب آپؐ کو ڈر تھا کہ کہیں قرآن اور حدیث نہ مل جائے۔ جب اس سے اطمینان ہو گیا تو آپؐ نے اجازت دی کتابت کی اور بعضوں نے کہا کہ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ قرآن اور میری حدیث ایک کتاب میں ملا کر نہ لکھو تاکہ پڑھنے والے کو شبہ نہ ہو"۔[1]

ذرا غور کیجئے کہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ جو کہ دنیا کی سب سے پر وقار ہستی ہیں وہ ایسا کریں کہ ایک حکم دیں اور خود اس کی خلاف ورزی کریں؟ ایسا تو آج کے سیاستدان بھی کرتے ہوئے گھبراتے ہیں کہ سب اعتراض کریں گے اور مذاق اُڑے گا۔ اس لئے اس قسم کی تمام روایات جن سے نتیجہ اخذ کیا جارہا ہے یقیناً بعد میں کسی ٹکسال میں ڈھالی گئیں۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی طرف منسوب روایت صحیح نہیں ہو سکتی یونکہ ایک صحابیؓ یہ جرأت بھی نہ کر سکتے تھے کہ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے غیر القرآن لکھنے کی ممانعت فرمادی تھی تو وہ (حضرت عبد اللہ بن عمروؓ) ان کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے لکھتے رہتے۔

جہانتک شارح امام صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ "بعضوں نے کہا کہ یہ حدیث منسوخ ہے ان حدیثوں سے۔ اور یہ اس وقت کی حدیث ہے جب آپ کو ڈر تھا کہ کہیں قرآن اور حدیث نہ مل جائے۔ جب اس سے اطمینان ہو گیا تو آپ نے اجازت دی کتاب کی" تو یہ بھی ایک بے سند اور ظنّی بات ہے۔ یہ "بعضوں نے کہا" کون لوگ تھے؟ بعضوں کے کہنے سے حدیث کیسے منسوخ ہو گئی؟ حدیث کو تو وہی منسوخ کر سکتا ہے جس نے حدیث کہی ہو یعنی خود رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے حکم کو منسوخ کر سکتے تھے یا پھر ان کو رسول مبعوث کرنے والا اس کو منسوخ کر سکتا تھا۔ بعضوں کے کہنے سے وہ

---

[1] ایضاً

منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اس کے لئے رسول ہی کا دوسرا حکم پیش کرنا پڑے گا کہ انہوں نے اپنا پچھلا حکم منسوخ کر دیا اور غیر القراٰن لکھنے کی اجازت دیدی۔ اور خود اس موجودہ حدیثی لٹریچر کے مطابق اس کا انداز یہ ہوگا:

"بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت سے اب زیارت کرو ان کی، اور میں نے تم کو منع کیا تھا قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنے سے اب رکھو جب تک چاہو، اور میں نے تم کو منع کیا تھا نبیذ بنانے سے سوا مشک کے اور برتنوں میں اب جس برتن میں چاہو بناؤ لیکن نہ پیو نشہ کرنے والی چیزیں"[1]

شارح امام صاحب کا دوسرا اندازہ بھی غلط ہے یونکہ وہ کوئی ایسی بات نہ پیش کر سکتے جس کے ظہور میں آنے کے بعد یہ خطرہ ٹل گیا ہو کہ اب قرآن اور حدیث مِل نہیں سکتے بنیادی حقیقت تو اپنی جگہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو ایسا کوئی ڈر سرے سے تھا ہی نہیں کہ دونوں مل جائیں گے یونکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں جن میں قرآن تو خود "الفرقان" (۲۵/۱ ، ۲/ ۱۸۵) ہے جو حق و باطل، صحیح و غلط، اور سچی و جھوٹی بات کو فرق کر کے الگ الگ پھاڑ کر واضح کر دیتا ہے اس لئے اس کا حدیث سے ملنا ناممکن تھا[2]۔ بلکہ حقیقت وہی تھی کہ چونکہ صرف کتاب اللہ ہی نازل ہو رہی تھی اور اسی کو فرض کیا گیا تھا، یعنی انسان کو صرف اسی کا مکلّف بنایا گیا تھا، اس لئے صرف اسی کے لکھنے کی اجازت تھی تاکہ کتاب اللہ ایک ہی رہے۔ ہر شبہ سے بالاتر۔ یہ تو بعد کی سازش ہے کہ ایک کتاب اللہ کے ساتھ دوسری غیر اللہ کی کتابوں کو شریک کر کے اسے کتاب اللہ قرار دینے کی کوشش کی جانے لگی مگر حق پرستوں نے ہر دَور میں اس سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کو بے نقاب کیا کہ کتابی وحی صرف قرآن کریم ہی میں ہے کسی اور کتاب میں نہیں اور غیر کتابی وحی سے تمام مسلمین کا کوئی تعلق بھی نہیں وہ تو اگر ہوتی تھی تو رسول کیلئے مخصوص ہوتی تھی۔ عام لوگوں کی ہدایت کیلئے تو صرف کتابی وحی تھی۔

شارح امام صاحب کا یہ فرمانا کہ "بعضوں نے کہا کہ مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ قرآن اور میری حدیث ایک کتاب میں ملا کر نہ لکھو تاکہ پڑھنے والے کو شبہ نہ ہو" بھی ایک بے بنیاد و ظنّی بات ہے یونکہ وہ یہ نہ بتا سکے کہ یہ "بعضوں" کون لوگ تھے؟ اس روایت میں تو قرآن کے علاوہ کچھ اور رسول کی طرف سے (یعنی ان کی زبان مبارک سے ادا ہونے والے الفاظ) لکھنے کی صریح ممانعت ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ اگر غلطی سے (پہلے، یا بعد میں) کچھ لکھ لیا ہے تو اسے مٹا دو، ملیا میٹ کر دو، اس کا وجود ختم کر دو۔ تو کیا اتنے واضح حکم کے بعد بھی اس قسم کی قیاس آرائی کا (جس قسم کی شرح امام صاحب نے کی ہیں) کوئی جواز رہ جاتا ہے؟ اور اس واضح حکمِ ممانعت اور مٹانے کے حکم کے بعد کیا یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ روایت میں آگے کے الفاظ بعد میں کسی ٹکسال میں بڑھائے گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر القرآن کو نہ لکھنے اور مٹائے جانے کا حکم دیا جا رہا ہو اور بیان کرنے کی اجازت بھی دی جا رہی ہو؟

قارئین اس ہی سے آپ شرح کی شرح کے معیار کا اندازہ کر لیجئے کہ اس کا مقصد صرف جھوٹ کو سچ ثابت کرنا ہوتا تھا۔ غلط عقائد کو صحیح ثابت کرنا ہوتا تھا! سازش کی پردہ پوشی کرنا ہوتا تھا۔ لوگوں کو گمراہ کرنا ہوتا تھا!

قارئین جہاں تک روایت کے دوسرے یا اگلے حصہ (وَ حَدِّثُوا عَنِّي وَلَا حَرَجَ ........) کا تعلق ہے اگر یہ صحیح

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲ جنازوں کا بیان ص ۴۰۲ اور جلد ۵۔ کتاب الاضاحی ص ۲۲۴۔ [2] اس کا تجربہ آپ ابھی پیچھے کر چکے ہیں۔

ہے تو اس سے تو حقیقت کو نکھار کر اور واضح کر دیا کہ قرآن کے علاوہ جو آپ کی بات ہو اس کو زبانی ہی بیان کیا جا سکتا ہے مگر اس میں بھی یہ خیال رکھنا ہو گا کہ اگر کوئی بات جھوٹ آپ کی طرف منسوب کر دی گئی تو پھر اس صورت میں نار جہنم ہی ٹھکانہ ہو گا۔ یہاں اس حقیقت کی طرف بھی رہنمائی ہوتی ہے کہ اس وقت کی غیر القرآن بات عام طور پر وقتی تقاضوں کے تحت دنیاوی معاملات سے متعلق ہوتی ہو گی اس لئے بھی اس کو لکھ کر محفوظ کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جہاں تک جھوٹ کا تعلق ہے تو اس کی تو ویسے ہی ممانعت ہے (۳۰/۲۲) اور جھوٹ کو ظلم کہا گیا ہے (ظُلْمًا وَّ زُوْرًا۔ ۴/۲۵) اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ بولنے والے کو اَظْلَمُ یعنی سب سے بڑھ کر ظالم کہا گیا ہے (۳۲/۳۹) تو پھر سمجھ لیجئے کہ رسول سلامٌ علیہ کی طرف جھوٹ بولنے والا اس سے ایک درجہ کم ظالم ہوا۔ اور جھوٹ بولنے والے کو عذاب الیم کی وعید دی گئی ہے (۲/۱۰) اس پر لعنت بھی بھیجی گئی ہے (۳/۶۱)

کہئے کیا فرماتے ہیں آپ کے علمائے دین شرح متین بیچ اس مسئلہ میں کہ جن لوگوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے حکم کے خلاف آپ کی قرآن کے علاوہ باتوں کو لکھا اور لکھ کر قرآن کے مقابلہ پر کتابیں شائع کیں انہوں نے حکمِ رسول کے خلاف کیا یا نہیں؟؟

تُف ہے ان لوگوں کی عقلوں پر جو آج اس چیز کو قرآن سے زیادہ پڑھتے ہیں جس کے لکھنے کی خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ممانعت فرمائی تھی (یونکہ ان سے پہلے بھی کبھی کسی نبی و رسول نے کتاب اللہ کے علاوہ کچھ اور نہیں لکھوایا تھا۔ یہودیوں کی احادیث کا مجموعہ "تالمود" ان کے علما کا مرتب کردہ تھا اور وہی ہمارے علما نے کیا یا شاید انہی نے بھیس بدل کر ہمارے لئے کیا) اور مزے کی بات یہ کہ اس کو وحی غیر متلو بھی کہتے جاتے ہیں (یعنی نا پڑھی جانے والی وحی) اور اس کو پڑھتے بھی جاتے ہیں! کیا یہ بدحواسی نہیں؟ کیا یہ سازش نہیں؟ اور آج ہند و پاک کا مسلمان تو اس سے بھی آگے بڑھ گیا کہ اس نے اس وحی غیر متلو کا ختم بھی پڑھا کر ثواب دارین حاصل کرنا شروع کر دیا کہ ختم بخاری شریف ہونے لگا!

جس کتاب کے لکھنے والے اور اس کی کتاب کا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے سامنے وجود تک نہیں تھا اس کا ختم شریف کیا بدعت شریف نہیں؟ جبکہ وہ خود ساتھ میں یہ بھی پڑھتے ہیں کہ كُلُّ بِدْعَةٌ ضِلَالَةٌ وَكُلُّ ضِلَالَةٌ فِي النَّار۔

کہئے کچھ سمجھ میں آیا کہ قرآن کے خلاف سازش نے کیا کیا گل کھلائے ہیں اور آپ کو کہاں پہنچا رہی ہے؟

اس بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ یہ روایت صحیح ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے غیر القرآن لکھنے سے منع کیا ہوا تھا اور جس کسی نے سہواً لکھ لیا تھا اسے مٹا دینے کا حکم دیا ہوا تھا۔ اور اس حقیقت کی تصدیق قرآن کریم نے کر دی کہ رسول تو صرف قرآنی وحی ہی لکھتے تھے (۲۹/۴۸) اور لکھاتے تھے (۲۵/۴-۵)۔ جہاںتک موصوف کے ظنّی عقیدہ کا تعلق ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بعد میں غیر القرآن لکھنے کو اجازت دیدی تھی تو یہ صحیح نہیں یونکہ خود اس سلسلہ میں کوئی حتمی روایت نہیں پیش کر سکے بلکہ دیگر گھڑی ہوئی روایتوں سے اخذ کیا کہ اجازت مل گئی تھی اور فلاں فلاں نے لکھا تھا...........

اگر موصوف کے ظنّی عقیدہ کو مان لیا جائے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بعد میں غیر القرآن بھی لکھنے کی اجازت دیدی تھی تو پھر اس عرصہ کے بارے میں جبتک ممانعت رہی سوال پیدا ہوتے ہیں کہ:

۱۔ اگر (نام نہاد) حدیث مثل القرآن یا مع القرآن یا شرح قرآن یا وحی ہوتی تو لکھنے سے روکنے اور لکھے ہوئے کو مٹانے کا حکم کیوں دیا جاتا؟ گویا کہ وحی کو مٹایا جاتا!

۲۔ لکھنے سے روک کر اور لکھے ہونے کو مٹا کر وحی کو ضائع کر دیا گیا! چہ للعجب است!

پس ثابت ہوا کہ اگر (نام نہاد) حدیث مثل القرآن یا مع القرآن یا شرح القرآن یا وحی ہوتی تو رسول اللہ سلام علیہ اس کو بھی محفوظ کرنے کا پورا پورا اہتمام و انتظام کرتے اور اس کو لکھاتے اور اپنی وفات کے وقت صرف ایک ہی صحیفۂ قرآن نہ چھوڑ جاتے بلکہ دوسرا صحیفہ "شرح القرآن" بھی چھوڑ جاتے اور ان کے بعد خلفاء راشدینؓ قرآنی صحیفہ کی طرح اس کی شرح کا صحیفہ بھی نقل کرا کرا کر شہروں میں بھجواتے رہتے کہ اس وحی پوشیدہ کو بھی سنبھال لو! مگر ایسا نہیں ہوا۔

پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں (نام نہاد) وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔

یہ بھی نوٹ کر لیجئے کہ امام المحدثین ترمذی نے اپنی صحیح ترمذی میں انہی ابو سعید خدریؓ سے اس روایت کو صرف اتنا سا بیان کیا ہے:

عن ابی سعید قال اِستَاذَنَّا النبیَّ صلی اللہ علیہ و سلم فِی الکِتَابَۃِ فَلَمْ یَأْذَنْ لَنَا

روایت ہے ابو سعید خدریؓ سے کہا انہوں نے کہ اجازت چاہی ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی تو اجازت نہ دی ہم کو۔[۱]

دیکھا آپ نے کہ کتنی واضح ممانعت ہے!

اب آپ اسی کتاب صحیح مسلم کی انہی صحابی حضرت ابو سعید خدریؓ سے مروی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں مدینہ کی مسجد میں بیٹھا تھا انصار کی مجلس میں اتنے میں ابو موسیٰ اشعریؓ آئے ڈرے ہوئے، ہم نے پوچھا تم کو کیا ہوا۔ اہوں نے کہا مجھ کو حضرت عمرؓ نے بلوا بھیجا۔ جب میں ان کے دروازے پر گیا تو تین بار سلام کیا۔ انہوں نے جواب نہ دیا۔ میں لوٹ آیا۔ پھر انہوں نے کہا تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟ میں نے کہا تمہارے پاس گیا تھا اور تمہارے دروازے پر تین بار سلام کہا تم نے جواب نہیں دیا آخر لوٹ آیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جب تم میں سے کوئی تین بار اذن چاہے پھر کوئی اذن نہ ملے (اندر آنے کی) تو لوٹ جاوے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا اس پر گواہ لاؤ ورنہ میں تم کو سزا دوں گا ابی بن کعبؓ نے کہا ابو موسیٰ کے ساتھ وہ شخص جاوے جو ہم سب لوگوں میں چھوٹا ہو (اَصْغَرُ الْقَومِ)۔ ابو سعیدؓ نے کہا میں سب سے چھوٹا ہوں۔ ابی بن کعب نے کہا اچھا تم جاؤ ان کے ساتھ"۔[۲]

اس (نام نہاد) حدیث کو نقل کرنے کے بعد امام المحدثین نے حضرت ابو سعید خدریؓ ہی سے اور کئی صحابہؓ سے متعدد روایتیں بھی کچھ کم و بیش الفاظ سے نقل کی ہیں (ان کے اضطراب کو چھوڑیئے) ان میں سے ایک روایت کے آخری الفاظ قابلِ غور ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"(ابو سعید خدریؓ کے رسول اللہ ﷺ کا اذن کے بارے میں حکم بتانے پر) حضرت عمرؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم مجھ پر نہیں کھلا اور اس کی وجہ یہی ہے بازاروں میں معاملہ کرنا"۔[۳]

---

۱۔ صحیح ترمذی۔ جلد ۲، ابواب العلم، باب فِی کَرَاھِیَۃِ کِتَابَۃِ الْعِلم (باب کتابت علم کی کراہیت)۔ ۲۔ صحیح مسلم، جلد ۵۔ کتاب الاداب، باب الاستیذان (باب اذن چاہنے کے بیان میں)۔ ۳۔ ایضاً

غور کیجئے کہ حضرت عمرؓ سے دشمنی کی یہ زندہ مثال ہے کہ انہیں بازاروں میں تجارت ہی میں مصروف دکھایا جارہا ہے کہ وہ (نام نہا) حدیث جاننے سے بھی محروم رہے۔ اور دیکھئے اسی پر بس نہیں کیا گیا بلکہ ان کو اصحابِ رسول پر عذاب بھی قرار دیدیا گیا۔ ملاحظہ ہو اسی مسئلہ اذن سے متعلق دوسری روایت:

"ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے وہ آئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تو کہا السلام علیکم عبد اللہ بن قیس ہے۔ انہوں نے اجازت نہ دی ان کو اندر آنے کی پھر انہوں نے کہا السلام علیکم ابو موسیٰ ہے۔ السلام علیکم اشعری ہے۔ آخر لوٹ گئے۔ تب حضرت عمرؓ نے کہا تم کیوں لوٹ گئے ہم کام میں تھے۔ انہوں نے کہا میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے آپ فرماتے تھے اجازت مانگنا تین بار ہے پھر اگر اجازت ہو تو بہتر۔ نہیں تو لوٹ جا۔ حضرت عمرؓ نے کہا اس پر گواہ لاؤ نہیں تو میں کروں گا اور کروں گا (یعنی سزا دوں گا) ابو موسیٰ یہ سُن کر چلے گئے۔ حضرت نے کہا اگر ابو موسیٰ کو گواہ ملے گا تو شام کو منبر کے پاس تمہیں ملے گا۔ جب حضرت عمرؓ شام کو منبر کے پاس آئے تو ابو موسیٰ موجود تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے ابو موسیٰ تم کیا کہتے ہو تم کو گواہ ملا؟ انہوں نے کہا ہاں ابی بن کعبؓ موجود ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا بیشک وہ معتبر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا اے ابو الطفیل (یہ کنیت ہے ابی بن کعبؓ کی) ابو موسیٰ کیا کہتے ہیں۔ ابی بن کعبؓ نے کہا میں نے سنا رسول اللہ ﷺ سے آپؐ یہ فرماتے تھے۔ اے خطاب کے بیٹے تم عذاب مت بنو حضرت کے اصحاب پر ..........................."[1]

قارئین ایک ہی مسئلہ کے بارے میں یہ مختلف روایات ہیں ان کا اضطراب قابلِ غور ہے ایک ہی بات کی شہادت ابو سعید خدریؓ کو ابی بن کعبؓ بھیج کر دلا رہے ہیں اور دوسری روایت میں خود ابی بن کعبؓ شہادت دے رہے ہیں! اور پھر حضرت عمرؓ کو اصحاب رسول پر عذاب بننے سے منع کر رہے ہیں! غور کیجئے ان دونوں میں کونسی روایت صحیح ہو سکتی ہے اور کہاں کی ٹکسال میں ڈھالی ہوئی کہ عمرؓ دشمنی کی بُو بہت تیز آرہی ہے!

بہر حال ہمارا مقصد تو یہ بتانا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی بھی اس وحی پوشیدہ سے لاعلم ہی رہے! کہئے ہے نا حیرت انگیز حقیقت!

نیز ان روایتوں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اس دَور القرون میں اس وحی پوشیدہ کا وجود نہ تھا۔ یہ تو بعد میں مختلف ٹکسالوں میں ڈھالی گئی۔ ورنہ تو پھر حضرت عمرؓ کے شہادت طلب کرنے پر ابو موسیٰؓ ان کو صحیح مسلم شریف لاکر دکھادیتے کہ دیکھئے یہ رہی شرح رسول یا وحی پوشیدہ!

آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ اس قسم کی روایتیں صحابہ کبارؓ کی شان مطعون کرنے کے لئے گھڑی گئیں۔ ورنہ قرآن کریم میں یہ واضح حکم موجود ہے کہ اپنے گھروں کے علاوہ دوسروں کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک ان سے اجازت نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ کر لو (۲۴/۲۷) اور اگر تم سے کہا جائے کہ اس وقت واپس چلے جاؤ تو واپس چلے جایا کرو (۲۴/۲۸) تو یہ تو تین مرتبہ دروازہ پر سلام کرنے سے بھی بڑی بات ہے کہ اگر کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ (اس وقت ملاقات نہیں ہو سکتی) تو واپس چلے جایا کرو۔ تین مرتبہ سلام کا چکر تو محض روایت گھڑنے کیلئے چلایا گیا

[1] ایضاً

اور اس میں بھی قرآنی حکم کہ پہلے اجازت لو پھر گھر والوں پر سلام کرو کی ترتیب بدل دی گئی کہ پہلے سلام کرو پھر اجازت لو۔ کہئے کیا رسول قرآنی ترتیب بدل سکتے تھے؟ یہ تو محدثین ہی کا کمال ہے (معاذ اللہ)۔

**(۹)۔**... فنِّ حدیث کے امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم کے مقدمہ میں طاؤس سے بشیر بن کعب کی ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ملاقات کی ایک روایت درج کی ہے اس میں لکھتے ہیں کہ:

**فقال له ابن عباس اِنَّا کُنا نحدث عن رسول الله صلی الله علیه و سلم اذ لم یکذب علیه فلما رکب الناس الصعب و الذلول ترکنا الحدیث عنه**

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے حدیث نقل کیا کرتے تھے جب آپ پر جھوٹ نہیں باندھا جاتا تھا پھر جب لوگ بُری اور اچھی راہ چلنے لگے تو ہم نے حدیثیں بیان کرنا چھوڑ دیا"[1]

غور کیجئے کہ اگر امام صاحب کی یہ (نام نہاد) حدیث صحیح ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر (نام نہاد) حدیث وحی ہے تو پھر اسے ترک کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کیا یہ کتمانِ وحی نہیں؟ کیا اس طرح وحی کو ضائع نہیں کر دیا گیا؟ کیا ان (نام نہاد) احادیث کی کوئی اہمیت تھی؟ اگر ان (نام نہاد) احادیث کے بغیر قرآن پر عمل نہیں ہو سکتا (جیسا کہ آج کے اہلحدیث و اہل فقہ کا عقیدہ ہے) اور سنتِ رسول معلوم نہیں ہو سکتی تو پھر تو وہ (نام نہاد) احادیث ترک کرنے سے سب کچھ ترک ہو گیا؟ تو اب جو سنت کے عاشق سنتیں بتاتے ہیں وہ کیا سب بکواس نہیں؟

غور کیجئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے چچا کے بیٹے ہیں، بچپن میں اکثر انہیں کے گھر رہتے تھے یونکہ ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ ان کی خالہ تھیں[2]۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے وقت وہ قریب البلوغ تھے[3] اور رسول اللہ سلامٌ علیہ اکثر ان کے لئے دعا فرماتے تھے کہ اے اللہ انہیں الکتٰب و حکمت کا علم دے[4]۔ غرض یہ کہ ان کا شمار بھی صحابہؓ میں ہوتا ہے، جب کہ صحابہؓ ہی (نام نہاد) احادیث کو ترک کر رہے ہیں تو پھر اس کی کیا اہمیت رہ گئی!

ثابت ہوا کہ دین میں (نام نہاد) احادیث کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ ہی وہ وحی تھیں اور نہ ہی ان کا اس حیثیت سے خیر القرون میں وجود تھا۔ اور نہ ہی ان کا انکار کرنے سے یا انہیں ترک کرنے سے دین پر کوئی فرق پڑتا ہے ورنہ صحابہؓ ایسا نہ کرتے۔

**(۱۰)۔**... صلح حدیبیہ ۶۰۰۰ھ کا واقعہ موصوف کی زبانی ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ سہیل نے کہا اللہ کی قسم ہم رحمٰن کو نہیں جانتے کہ کون ہے، آپؐ اس طرح لکھوایئے باسمك اللّٰهُمّ، جیسا کہ

[1] مقدمہ، "صحیح مسلم شریف" مع مختصر شرح نووی مترجم۔ جلد ۱۔ ص ۳۱۔ (ترجمہ از علامہ وحید الزماں صاحب) ناشر: خالد، احسان پبلشرز۔ لاہور، اشاعت اول ۱۹۸۱ء۔۔۔ [2] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۹۴۱۔۔ [3] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۹۴۱۔۔ [4] ایضاً ص ۹۴۱

آپؐ پہلے لکھا کرتے تھے۔ صحابہؓ نے کہا ہم تو بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ہی لکھوائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا باسمك اللّٰھُمّ ہی لکھ دو۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ لکھو "یہ وہ تحریر ہے جس پر محمد رسول اللہ نے صلح کی" سہیل نے کہا "اللہ کی قسم اگر ہم جانتے کہ آپؐ اللہ کے رسولؐ ہیں تو آپؐ کو کعبہ سے نہ روکتے اور نہ آپؐ سے جنگ کرتے۔ بلکہ آپ کی پیروی کرتے۔ لہٰذا آپؐ یہ لکھوایئے محمدؐ بن عبد اللہ" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اللہ کی قسم میں بے شک اللہ کا رسول ہوں، اور اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو محمدؐ بن عبد اللہ ہی لکھوا دو"۔ یہ فرما کر آپ نے حضرت علیؓ سے کہا "رسول اللہ" کو مٹا کر "ابن عبد اللہ" لکھ دو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا "اللہ کی قسم یہ کام مجھ سے نہیں ہو سکتا" رسول اللہ ﷺ نے وہ کاغذ لے لیا اور فرمایا "مجھے بتاؤ (کہ وہ کہاں لکھا ہے؟) حضرت علیؓ نے بتا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے دستِ مبارک سے اسے مٹا دیا"۔[1]

غور کیجئے کہ یہ ۶ ہجری کا واقعہ ہے جب مدینہ منورہ میں مسلم سلطنت قائم ہو چکی ہے۔ رسول اللہ سلامؐ علیہ کو تبلیغ کرتے ہوئے تقریباً (۱۸) اٹھارہ سال ہو چکے ہیں آپ کے صحابہؓ اسلام کو اور وحی کو اچھی طرح سمجھ چکے ہیں مگر جو سب سے قریبی عزیز ہیں یعنی حضرت علیؓ وہ حکم رسول کہ "رسول اللہ کو مٹا کر ابن عبد اللہ لکھ دو" نہیں مانتے! تو کیا انہوں نے اطاعت رسول کی؟ یا "اطیعوا الرسول" کی خلاف ورزی کی اور اس پر بھی نا تو رسول نے نا ہی اللہ تعالیٰ نے سرزنش کی! غور کیجئے کیا وہ منکرِ حدیث ہو گئے، یا منکرِ قرآن ہو گئے؟

کیا وہ رسول اللہ سلامؐ علیہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کو وحی نہیں مانتے تھے؟ اگر وحی مانتے تھے تو انکار کیسے؟ وحی سے انکار تو کفر ہے!

پس ثابت ہوا کہ صحابہ کبارؓ بھی رسول اللہ سلامؐ علیہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے ہر لفظ اور ہر بات کو وحی نہیں مانتے تھے بلکہ وحی الٰہی اور دنیاوی معاملات میں رسول صلی اللہ کے الفاظ اور احکام میں تمیز رکھتے تھے۔ حتیٰ کہ ان کی موجودگی ہی میں دنیاوی معاملات میں انکار کر دیتے تھے یا سوال کر لیتے تھے کہ آپ ایسا وحی سے فرما رہے ہیں یا اپنی طرف سے؟ اس قسم کے سوالات کی بہت سی مثالیں خود موصوف کی کتب اور روایات کی مشہور کتابوں میں ملتی ہیں۔ یونکہ قرآنی الفاظ، غیر قرآنی الفاظ سے بالکل مختلف ہوتے تھے۔ اور غیر قرآنی الفاظ پر سوال کرنے سے یا انکار کرنے سے ان پر منکرِ حدیث ہونے کا یا کفر کرنے کا فتویٰ نہیں لگتا تھا۔

اب ذرا ایک جملہ معترضہ بھی ملاحظہ کرتے چلئے، غور کیجئے کہ موصوف کی زبانی اس واقعہ میں:

۱۔ سُہیل (مشرکین کا نمائندہ) یہ گواہی دے رہا ہے "آپ اس طرح لکھوایئے باسمك اللھم جیسا کہ آپ پہلے لکھا کرتے تھے"۔ تو کیا جو شخص پہلے لکھتا رہا ہو وہ اَن پڑھ ہو سکتا ہے جیسا کہ موصوف اور عام علما اُمِّیؐ کے معنیٰ کرتے ہیں۔

۲۔ غور کیجئے کہ حضرت علیؓ صلح نامہ کے کاتب ہیں۔ انہیں لکھنا پڑھنا کس نے سکھایا ہے؟ وہ بچپن سے کس کے زیرِ تربیت وزیر کفالت ہیں؟ یہی (نام نہاد) احادیث انہیں باب العلم بتاتی ہیں۔ تو کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ علم کا دروازہ تو لکھنا پڑھنا جانتا ہو اور جو علم کا گھر ہو علم کا گہوارہ ہو وہ لکھنا پڑھنا نہیں جانتا ہو؟

[1] ایضاً۔ ص ۴۰۲ (بحوالہ صحیح بخاری)

۳۔ غور کیجئے، کیا ایک اَن پڑھ آدمی اِملا (Dictation) دے کر کوئی دستاویز لکھا سکتا ہے؟ آج تو اچھے اچھے پڑھے لکھے اِملا نہیں دے سکتے!

۴۔ حضرت علیؓ کے مٹانے سے انکار کرنے پر "رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وہ کاغذ لے لیا"۔ غور کیجئے کہ یہ چھٹی ہجری میں کاغذ کہاں سے آ گیا جس پر صلح نامہ لکھا جارہا ہے اور وہ بھی تقریباً حالتِ جنگ میں (یعنی غیر معمولی حالاتِ سفر میں)۔ لیکن افسوس کہ قرآن کریم لکھنے کے لئے کاغذ نہیں ملتا وہ ہڈیوں، پتوں اور پتھروں پر لکھا جاتا ہے! تُف ہے ہمارے علما و فضلاء کے علم و عقل پر۔ صلح نامہ تو کاغذ پر لکھ کر دونوں فریقوں کے پاس محفوظ رہ سکتا ہے مگر قرآن کریم کاغذ پر لکھ کر محفوظ نہیں رہ سکتا بلکہ ایک ایک صحابیؓ سے پوچھ پوچھ کر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے کئی سال بعد مرتب کر کے لکھا جاتا ہے! تُف ہے ہمارے علما و فضلاء پر جو ایسی کہانیوں کو صحیح مانتے ہیں اور اس کو وحی کہتے ہیں!

۵۔ غور کیجئے کہ موصوف نے اپنی عبارت میں قوسین لگا کر لکھا ہے کہ "مجھے بتاؤ (وہ کہاں لکھا ہے؟)۔ یعنی وہ یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نرے ان پڑھ تھے کہ وہ اس صلح نامہ میں جس میں ابھی دوسری سطر ہی لکھی گئی تھی لفظ رسول اللہ تک نہیں پڑھ سکتے تھے (معاذ اللہ) کہ پوچھ رہے تھے کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے جس کو مٹاؤں جبکہ قرآن کریم گواہی دے چکا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لکھنا پڑھنا سکھا دیا تھا اور اب وہ نہ صرف املا ہی دے سکتے تھے بلکہ داہنے ہاتھ سے لکھ بھی سکتے تھے (۴۸/ ۲۹) یہ حقیقت بھی جان لیجئے کہ بریکٹ میں لکھے گئے الفاظ (نام نہاد) حدیث میں نہیں بلکہ موصوف نے خود لکھے ہیں!

**(۱۱)**۔ ...(نام نہاد) احادیث میں ایک حدیث قرطاس بہت مشہور ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ مرض الموت میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وفات سے چار دن پہلے فرمایا کہ "کوئی کاغذ لے آؤ، میں تمہیں لکھوا دوں کہ لکھنے کے بعد تم بھول نہ سکو"۔ مگر حاضر صحابہؓ نے اس پر عمل نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا "آپ ویسے ہی اس وقت تکلیف میں ہیں (مزید تکلیف کیوں دی جائے) تمہارے پاس قرآن موجود ہیں (کیا وہ کافی نہیں؟)

(اس بات پر اختلاف ہوا تو) حضرت عمرؓ کہنے لگے "اللہ کی شریعت (یعنی قرآن و حدیث) ہمارے لئے کافی ہے (آپ کو کیوں تکلیف دی جائے)"

جو لوگ گھر میں موجود تھے ان میں اختلافِ رائے ہوا۔ بعض کہنے لگے کاغذ وغیرہ لے آؤ تاکہ آپ وصیّت لکھوا دیں تو پھر تم اس کی موجودگی میں بھول نہ سکو گے۔ بعض کچھ اور کہنے لگے۔ بالآخر لوگوں نے آپس میں کہا "رسول اللہ ﷺ کی کیا کیفیت ہے، کیا آپ رخصت ہو رہے ہیں (اگر واقعی یہ بات ہے تو پھر لکھوا ہی لیں ورنہ پھر کسی اور وقت دیکھا جائے گا اور) یہ بات آپ ہی سے کیوں نہ پوچھ لی جائے (کہ کیا اسی وقت لکھوانا ضروری ہے) الغرض (اتفاقِ رائے سے) حاضرین نے آپ کو وصیت لکھوانا یاد دلایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مجھے چھوڑ دو جس حالت میں مَیں اس وقت ہوں وہ اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو (رہ گئیں وصیتیں تو ان کو زبانی ہی سُن لو)"۔ پھر آپ نے اُن کو تین وصیتیں کیں۔ آپ نے فرمایا

(۱) "مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دینا،

(۲)۔ وفود کی اسی طرح خاطر مدارات کرنا جس طرح میں کرتا تھا"۔۔۔ پھر آپؐ نے فرمایا "اب تم میرے پاس سے چلے جاؤ، تمہیں میرے پاس اختلاف کرنا مناسب نہیں تھا"[۱]

(۳)۔ رسول اللہ ﷺ نے کتاب اللہ یعنی شریعت الٰہیہ پر عمل کرنے کی بھی وصیّت فرمائی[۲]۔

(۴)۔ آپ نے یہ بھی وصیت کی کہ میرے وارث نہ دینار تقسیم کریں نہ درہم۔ ہم (یعنی انبیاءؑ) اپنی بیویوں کے اخراجات اور اپنے عامل کی اجرت کے علاوہ جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہوتا ہے"[۳]

(نوٹ۔ موصوف کی "تاریخ" میں یہ ایک ہی صفحہ پر مسلسل عبارت ہے مگر وصیتیں مختلف مقامات سے نقل کی ہیں اس لئے ان کے حوالے مختلف ہیں جو نیچے دیئے گئے ہیں)

روایت پر غور کیجئے کہ ابھی رسول اللہ سلامٌ علیہ حیات ہیں اور کاغذ منگاتے ہیں تاکہ کچھ اہم باتیں لکھوادیں تاکہ لکھنے کے بعد امت بھول نہ جائے مگر صحابہؓ جو ان کے پاس حاضر ہیں وہ ان کے اس حکم پر عمل نہیں کرتے۔ اور وہ جو لکھوانا چاہتے تھے تو ظاہر ہے کہ موصوف کے مطابق وحی ہی ہوتی' وہ نہ لکھی گئی۔ مگر پھر بھی کسی نے ان لوگوں پر منکر وحی یا منکرِ حدیث ہونے کا فتویٰ نہ لگایا! کہئے ہے نا عجیب بات!

اور تو اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بعد میں صرف اتنا کہا کہ "تمہیں میرے پاس اختلاف کرنا مناسب نہیں تھا" یہ نہیں کہا کہ تم نے نافرمانیٔ رسول کی یا تم نے وحی لکھنے سے اعراض کیا یا تم نے حدیث لکھنے سے اعراض کیا تو تم لوگ منکرِ حدیث ہو گئے!

دیکھا آپ نے کہ اس نام نہاد وحی کی کیا اہمیت تھی کہ اس کو لکھنے کیلئے صحابہؓ تیار ہی نہ تھے!

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ "تمہارے پاس قرآن موجود ہے (کیا وہ کافی نہیں جو تم اس کے علاوہ بھی لکھنا چاہتے ہو؟)" ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے (حسبنا کتاب اللہ) " مگر کوئی صحابیؓ یہ اعتراض نہیں کرتا کہ نعوذ باللہ قرآن کافی نہیں! وہ تو مجمل کتاب ہے! ہمیں اسے سمجھنے کیلئے اس کی شرح چاہئے!

غور کیجئے کہ یہ واقعہ اور اوپر حضرت علیؓ کا مٹانے سے انکار یہ دونوں ایسے واقعات ہیں جو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے دوبدو۔ آمنے سامنے۔ ہوتے ہیں مگر پھر بھی ان صحابہؓ کو کوئی منکرِ حدیث نہیں کہتا۔ لیکن اگر آج کوئی من گھڑت بات کا بھی جو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب ہو انکار کر دے تو اس پر فوراً منکرِ حدیث اور کفر کا فتویٰ لگ جاتا ہے!

پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں نہ تو (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود تھا اور نہ ہی اس کے انکار و اقرار کا کوئی تصور تھا۔ صحابہ کبارؓ صرف کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم ہی کو کافی جانتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بتایا ہوا ہے (۲۹/۵۱)

اب ذرا موصوف کا فن بھی ملاحظہ کرتے چلیئے۔ دیکھئے حضرت عمرؓ کا جملہ "تمہارے پاس قرآن موجود ہے" لکھ کر موصوف نے خود قوسین میں لکھا کہ (کیا وہ کافی نہیں؟) یعنی موصوف کے قلم سے حق نکل گیا۔ مگر پھر دیکھئے کہ

---

۱۔ "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص۵۹۶، بحوالہ صحیح بخاری کتاب العلم عن ابن عباسؓ، کتاب الجہاد باب جوائز الوفود و کتاب فرض الخمس باب اخراج الیہود سن جزیرۃ العرب و کتاب المغازی باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب المرضیٰ و صحیح مسلم کتاب الوصیۃ باب ترک الوصیّہ۔۔

۲۔ "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص۵۹۶، بحوالہ صحیح بخاری کتاب الوصایا عن عبد اللہ بن ابی اوفیٰ و کتاب المغازی باب مرض النبی ﷺ و صحیح مسلم کتاب الوصیّۃ باب ترک الوصیّۃ۔۔ ۳۔ "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص۵۹۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الوصایا عن ابوہریرہؓ۔

اگلے جملہ میں کتاب اللہ کو "اللہ کی شریعت" لکھ کر قوسین میں لکھا (یعنی قرآن و حدیث) غالباً فوراً ہی ان کی رگ ظرافت پھڑک اُٹھی اور انہوں نے اپنا عقیدہ قوسین میں ٹھونس دیا یہ خیال بھی نہ رہا کہ اوپر کی سطر میں صرف قرآن حکیم کو کافی مان چکے ہیں۔ یہ ہے ان کی اپنی اہل حدیث ذہن پرستی کا نتیجہ کہ حق بات کرتے کرتے فوراً غیر حق کو بھی شریک کر لیتے ہیں۔ کیا یہ صریح شرک نہیں؟ یہ بھی غور کیجئے کہ حضرت عمرؓ نے کہا تھا "**حسبنا کتٰب اللّٰہ**" انہوں نے "اللہ کی شریعت" کے الفاظ استعمال نہیں کئے تھے۔

مزید غور کیجئے کہ موصوف خود لکھ رہے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کاغذ منگوایا۔ مگر افسوس کہ ان کی اپنی ذہن پرستی ان کو یہ ماننے نہیں دیتی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کریم کاغذ پر لکھوا کر باقاعدہ کتاب بنوا کر یعنی جِلد چڑھوا کر چھوڑ گئے تھے اور بعد میں صحابہؓ سے پوچھ پوچھ کر لکھے جانے والی کہانی محض دشمن کی پھیلائی ہوئی سازش ہے تاکہ ٹکسالوں کی گھڑی ہوئی (نام نہاد) حدیثیں اس کے مقابلہ پر کھڑی کی جاسکیں کہ دیکھو دونوں ہی لوگوں سے پوچھ پوچھ کر جمع کئے گئے۔

مزید غور کیجئے کہ موصوف نے اوپر کی اپنی عبارت میں لکھا ہے کہ پھر "آپ نے ان کو تین وصیتیں کیں" مگر جب وصیتیں جمع کرنے لگے تو وہ چار بن گئیں اور مزے کی بات یہ کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ چاروں وصیتیں اسی وقت کی تھیں (جیسا کہ موصوف تاثر دینا چاہتے ہیں) تو پھر تو وہ ایک ہی روایت میں ہونا چاہئے تھیں، مگر ایسا نہیں۔ موصوف نے وہ مختلف روایات سے جمع کی ہیں۔ بہر حال ان میں دو "تو وقتی تھیں مگر دو" وصیتیں تو اب بھی لاگو ہیں اور ان پر امت کا عمل ہونا چاہئے۔ یعنی

۱۔ وفود کی خاطر مدارات کرنا چاہئے۔ اور

۲۔ کتاب اللہ پر (نام نہاد حدیث و فقہ و فتاوٰی و اقوال پر نہیں) عمل کرنا چاہئے۔

اب آپ سوچ لیجئے کہ آپ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی دی ہوئی کتاب اللہ پر عمل کر رہے ہیں یا عجمی سازشیوں کی دی ہوئی غیر اللہ کی کتابوں پر؟

مزید غور کیجئے کہ اس واقعہ کے بعد بھی تقریباً چار دن تک رسول اللہ سلامٌ علیہ حیات ہیں مگر وہ یہ نہیں کہتے کہ عمرؓ نے غلط بات کی ہے صرف قرآن یا کتاب اللہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کی شرح (نام نہاد) حدیث بھی ضروری ہے! نہ ہی آپ اس بات کو اپنی وصیت میں بتاتے ہیں کہ میرے بعد قرآن کے ساتھ ساتھ (نام نہاد) احادیث شریک کرتے رہنا بلکہ وہ تو صرف کتاب اللہ ہی پر عمل کرنے کی وصیت فرماتے ہیں۔

**(۱۲)**۔۔۔ قارئین صحیح مسلم کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گدھے پر سوار تھا جس کا نام "**عُفَیر**" تھا۔ آپؐ نے فرمایا اے معاذ! تو جانتا ہے اللہ کا بندوں پر کیا حق ہے اور بندوں کا اللہ پر کیا حق ہے؟ میں نے کہا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اللہ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ اسی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور بندوں کا حق اللہ پر یہ ہے کہ جو شخص شرک نہ کرے اللہ اس کو عذاب

نہ دیوے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ! میں خوش نہ کر دوں لوگوں کو یہ سنا کر۔ آپ نے فرمایا مت منا ان کو ایسا نہ ہو کہ وہ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں"۔[1]

غور کیجئے کہ اتنی اہم بات ہے کہ اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ پر کیا ہے مگر اس کے اعلان سے منع کیا جا رہا ہے! کہیئے اگر یہ وحی تھی تو پھر اس کے اعلان یعنی بلاغ سے کیوں روکا گیا؟

مزید غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کو "نَذِیْرٌ" کے ساتھ ساتھ "بَشِیْرٌ" یعنی بشارت دینے والا، خوشخبری دینے والا بنایا تھا (۔۱۱۹ /۲، ۲۸ /۳۴ ، ۲۴ /۳۵ وغیرہم) مگر جب حضرت معاذؓ آپ سے لوگوں کو خوشخبری سنانے کی اجازت مانگتے ہیں تو آپ سلامٌ علیہ منع فرما دیتے ہیں! دیکھا آپ نے کہ بات کہاں پہنچی کہ رسول سلامٌ علیہ نے نعوذ باللہ بشارت نہیں دی، بلاغ نہیں کیا اور وحی کو چھپا لیا! سوچئے کہ یہ (نام نہاد) حدیث کس ٹکسال میں ڈھالی گئی ہو گی؟ اور پھر بھی وحی ہونے کا دعویٰ!

غور کیجئے کیا خیر القرون میں اس وحیِ پوشیدہ کا وجود تھا؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک بات وحی کرے اور پھر تقریباً فوراً ہی یہ بھی کہہ دے کہ ٹھہرو یہ خوشخبری کسی کو سنانا نہیں؟

مزید، روایت کے آخری الفاظ پر غور کیجئے کہ "ایسا نہ ہو کہ وہ اس پر بھروسہ کر بیٹھیں" تو کیا وحی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے؟ ثابت ہوا کہ یہ کسی دشمنِ وحی کی گھڑی ہوئی روایت ہے۔ اور یہ خود بھی وحی نہیں۔

**(۱۳)**۔... اسی قسم کی وحیِ پوشیدہ کے بارے میں موصوف کی زبانی اور سنئے: وہ اپنی صحیح تاریخ میں "صدقِ دل سے کلمہ پڑھنا" کے عنوان کے تحت ایک لمبی (نام نہاد) حدیث بیان کرتے ہیں ہم صرف اس کا متعلقہ حصہ یہاں نقل کر رہے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے اُن کو اپنی دونوں جوتیاں دے کر فرمایا: "اے ابوہریرہؓ یہ جوتیاں لے کر جاؤ اور جو شخص بھی باغ کے باہر تمہیں ملے اور وہ یہ گواہی دیتا ہو کہ "اللہ کے علاوہ کوئی حاکم و کارساز نہیں[2]" اور اس کا دل "اس پر یقین رکھتا ہو[3]" تو اُسے جنّت کی بشارت دو"۔ حضرت ابوہریرہؓ روانہ ہوئے تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ ملے۔ انہوں نے پوچھا یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کیفیت بیان کی۔ انہوں نے حضرت ابوہریرہؓ کے سینہ پر زور سے ہاتھ مارا، وہ (افلاس اور فاقوں کی وجہ سے کمزور تو تھے ہی) کولہوں کے بَل گر پڑے۔ حضرت عمرؓ نے کہا واپس چلو۔ وہ واپس آئے۔ اُن کی کیفیت ایسی تھی گویا رونے والے ہیں۔ حضرت عمرؓ بھی پیچھے پیچھے پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے ابوہریرہؓ کیا ہوا؟" انہوں نے واقعہ سنایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "اے عمرؓ تم نے ایسا کیوں کیا؟" انہوں نے عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ، میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہو جائیں کیا آپؐ نے ان کو بھیجا تھا؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہاں"۔ انہوں نے عرض کیا "میں ڈرتا ہوں کہ لوگ (غلط فہمی سے) اسی پر بھروسہ کر لیں گے (اور عمل چھوڑ دیں گے، آپؐ اعلان نہ کرائیں تو اچھا ہے) انہیں عمل کرنے دیجئے"۔ رسول اللہ ﷺ نے (حضرت

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۱۔ کتاب الایمان، باب من لقی اللہ بالایمان ۔ (تقریباً انہی الفاظ و مفہوم میں یہ (نام نہاد) حدیث صحیح بخاری، ج۔۱۔ کتاب العلم، باب ۹۱ حدیث نمبر ۱۲۸، ۱۲۹ میں بھی ہے)۔ [2] یہ ترجمہ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا۔ [3] یہ ترجمہ ہے مُسْتَیقِنًا کا۔

ابوہریرہؓ سے) فرمایا "اس کا اعلان نہ کرو[1]"۔

غور کیجئے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا رسول اللہ سلامؐ علیہ کی جوتیاں بطور نشانی لئے ہوئے ہونا اور حدیث بیان کرنا حضرت عمرؓ کو مطمئن نہیں کرتا اور وہ ان کے سینہ پر زور کا ہاتھ مارتے ہیں کہ وہ گر پڑتے ہیں۔ کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ حضرت عمرؓ اس کو حدیث یا وحی نہیں مانتے تھے۔ پھر ان کا رسول اللہ سلامؐ علیہ سے استفسار کرنا اور اس خوشخبری کے اعلان کو رکوا دینا کیا ثابت نہیں کرتا کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ سلامؐ علیہ کے اعلان کو وحی نہیں سمجھا! مزید یہ کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ خود بھی اس پر اصرار نہیں کرتے کہ یہ تو وحی ہے اس کے اعلان کو روکا نہیں جاسکتا ورنہ بلاغ کا حق ادا نہ ہوگا! بعد میں پھر جب حضرت ابوہریرہؓ نے یہ روایت اور لوگوں کو سنائی ہوگی تو کسی نے اس پر فتویٰ نہیں دیا کہ حضرت عمرؓ تو منکرِ حدیث ہوگئے!

پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہ تھا اب آپ سوچتے رہئے کہ اس قسم کی (نام نہاد) حدیث جس میں رسول اللہ سلامؐ علیہ کو بشارت دینے سے روک دیا گیا یعنی بلاغ کے فریضہ سے روک دیا گیا وہ کس ٹکسال میں ڈھالی گئی؟

(نوٹ: قارئین خیال رہے کہ (یہ اور پچھلی) دونوں خوشخبریاں قرآن کریم کے عین مطابق ہیں مگر اس کے اعلان کو رکوانے کا الزام حضرت عمرؓ اور رسول اللہ سلامؐ علیہ پر لگا دیا گیا! حالانکہ یہ خالص دینی اور عقائدی معاملہ تھا) (ان دونوں خوشخبریوں کے عین قرآن کریم کے مطابق ہونے کے لئے دیکھئے آیات ۵۶/ ۵۱ ، ۱۱۰/ ۱۸ ، ۸۸/ ۶ ، ۱۳۵۔۱۳۶ /۳ ، ۲۹/ ۹۱ ، ۲۱۳/ ۲۶ ، ۷۲/ ۵ اور ۳۰/ ۴۱)

**(۱۴)**۔ ...اب صحیح بخاری کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو (جو کہ دو مختلف سندوں سے ہے):

"اسحٰق بن نصر، عبد الرزاق، معمر، زہری، ابن مسیّب، اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ کہا حزن، آپ نے فرمایا تو سہل ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اس نام کو نہیں بدلوں گا جو میرے باپ نے رکھا ہے۔........ "[2]

غور کیجئے کہ اگر رسول اللہ سلامؐ علیہ کی ہر بات حدیث تھی، وحی تھی تو پھر کوئی صحابی اس کو ماننے سے کیسے انکار کر سکتا تھا؟

نیز یہ کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ کی بات جو کہ اگر وحی تھی نہ ماننے پر ان کو منکرِ حدیث یا منکرِ وحی یا گستاخِ رسول یا مخالف رسول کا خطاب نہیں دیا گیا! نہ ہی کفر کا فتویٰ لگا!۔ پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں اس تصور کا ہی وجود نہ تھا کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ کی ہر بات یا قول و فعل و تقریر حدیث یا وحی ہے۔

**(۱۵)**۔ ... صحیح مسلم ہی کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ مت نام رکھ اپنے غلام کا رباح، اور نہ یسار اور نہ افلح اور نہ نافع"۔[3]

---

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۴۵۱، (بحوالہ صحیح مسلم، جلد۔۱، کتاب الایمان، باب من لقی اللہ بالایمان)۔۔ [2]۔ صحیح بخاری جلد ۳، کتاب الآداب، باب ۶۶۳، اِسمِ الحزن ۔۔ [3]۔ صحیح مسلم، جلد ۵، کتاب الآداب، باب کراھت التسمیه بالاسماء القبیحه۔

مگر جو لوگ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں پڑھتے ہیں وہ دیکھیں گے بہت سے راوی انہی ناموں کے تھے مثلاً یسار، نافع وغیرہ

کہئے اگر یہ حکمِ رسول وحی تھا تو لوگوں تک کیوں نہیں پہنچا؟ اس کو کیوں پوشیدہ رکھا گیا؟ بلاغ کیوں نہیں کیا گیا؟ لوگوں نے اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ کیا اطیعوا الرسول کے یہی معنٰی ہیں؟

پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود ہی نہیں تھا یہ سب بعد میں پارس کی ٹکسالوں میں ڈھالا گیا۔

ہمارے موصوف نے اپنی مایہ ناز کتاب "منہاج المسلمین" میں "نام رکھنا" کے زیرِ عنوان مندرجہ ذیل ناموں کو، مختلف (نام نہاد) وحی پوشیدہ کی غیر پوشیدہ کتابوں سے، جمع کر کے لکھا ہے کہ یہ نام نہ رکھے جائیں[1]۔ اب آپ غور کیجئے کہ ان میں سے کون کون سے نام اس وقت سے آج تک رکھے جا رہے ہیں اور اطیعوا الرسول کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ اگر یہ (نام نہاد) احادیث وحی تھیں تو پھر اس وقت ہی یہ سب مسلمین تک کیوں نہیں پہنچیں؟ ورنہ پھر یہ وحی نہیں!

۱۔ یسار۔
۲۔ رباح۔
۳۔ نجیح۔
۴۔ افلح۔
۵۔ نافع۔ (یہ تو (نام نہاد) احادیث کے راوی کا بھی نام تھا مگر انہیں خود یہ وحی پوشیدہ معلوم نہ تھی!)
۶۔ ملک الاملاک۔ (یعنی شہنشاہ) (یہ نام تو آج اہل حدیث اور اہل فقہ کے ہاں بہت رکھا جاتا ہے)
۷۔ برّہ۔
۸۔ عاصیہ۔ (لوگ اس کو بدل کر آسیہ رکھتے ہیں)
۹۔ حرام۔ (دَورِ خیر القرون میں بھی یہ نام ملتا ہے)
۱۰۔ حرب۔ (دَورِ خیر القرون میں بھی یہ نام ملتا ہے)
۱۱۔ عزیز۔ (دَورِ خیر القرون اور آج بھی یہ نام بہت عام ہے)
۱۲۔ حزن۔
۱۳۔ شہاب۔ (دَورِ خیر القرون اور آج بھی یہ نام بہت رکھا جاتا ہے)
۱۴۔ غراب۔
۱۵۔ عبد فلاں۔ (آج عبد الرسول، عبد النبی نام رکھنا سعادت سمجھا جاتا ہے حالانکہ عبد صرف اللہ ہی کا ہو سکتا ہے رسول یا کسی پیر فقیر کا نہیں)
۱۶۔ حکم۔ (دَورِ خیر القرون اور آج بھی یہ نام بہت رکھا جاتا ہے)

---

[1] "منہاج المسلمین" باب نام رکھنا، پکارنا اور کنیت، ص ۴۱۰

۱۷۔ **اسود**۔ (دَورِ خیر القرون اور آج بھی یہ نام بہت رکھا جاتا ہے)
۱۸۔ **کثیر**۔ (دَورِ خیر القرون کے فوراً بعد ایک بہت مشہور مفسّر قرآن کے والد کا نام یہ تھا اور وہ آج بھی ابنِ کثیر ہی کے نام سے جانے جاتے ہیں مگر ان تک یہ وحیٔ پوشیدہ نہیں پہنچی تھی یا پھر پہنچانے والوں نے تقیہ کر لیا تھا)
۱۹۔ **اصرم**۔ (گو کہ یہ نام کم رکھا جاتا ہے مگر آج بھی رکھا جاتا ہے)
۲۰۔ **ابو القاسم** اور **ابو الحکم** کنیت نہ رکھے[۱] (بقول بخاری و مسلم کے "نبی سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ میرا نام رکھو لیکن میری کنیت نہ رکھو کیونکہ قاسم میں ہوں تقسیم کرتا ہوں تم میں جو کچھ ملتا ہے" اس حدیثی ممانعت کے باوجود صحابہ، تابعی، تبع تابعی اور آج تک لوگ قاسم نام رکھتے ہیں تو پھر ان کے باپ تو ابو القاسم ہی کہلائے جاتے رہے یونکہ یہ عرب قوم کا رواج تھا۔ کیا یہ وحی کے خلاف نہیں؟ کیا صحابہ، تابعین وغیرہ کو یہ وحی نہیں پہنچی تھی یا اس کا وجود ہی نہ تھا؟)

مزے کی بات یہ کہ محدثین کرام نے اس قسم کے نام والوں سے (جو کہ منکرِ حدیث یا منکرِ وحی تھے اور انہوں نے وحی کا حکم نہیں مانا تھا) حدیثیں بھی قبول کی ہیں! کیا یہ وحی کا انکار یا مذاق اُڑانا نہیں؟ نہ ہی کسی تابعیٔ یا تبع تابعی وغیرہ نے ان لوگوں کی توجہ وحی پر عمل کرنے کی طرف دلائی۔ کیوں؟ کیا یہ اطیعوا الرسول تھا؟

ثابت ہوا کہ (نام نہاد) حدیث یا وحی پوشیدہ کا وجود خیر القرون میں نہ تھا اور نہ صحابہؓ و تابعی اس قسم کا کام کبھی نہیں کرتے جو حکمِ رسول کے خلاف تھا۔

**(۱۶)**۔ ... قارئین صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ایک حکم ملاحظہ ہو:

"عبد اللہ بن یوسف، مالک، نافع، عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم سے کوئی شخص جمعہ کی نماز کے لئے آئے تو چاہئے کہ غسل کرے[۲]"

قارئین سب سے پہلے تو یہ نوٹ کر لیجئے کہ عبد اللہ بن عمرؓ صحابی سے حضرت نافع تابعی روایت کر رہے ہیں جبکہ ابھی ہم آپ کو حکمِ رسول بتا چکے کہ نافع نام رکھنے سے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے منع فرمایا تھا۔ تو امام المحدثین نے ایک نافرمانِ رسول یا منکرِ حدیث سے روایت کیسے قبول کر لی؟ کیا اس سے ان کے اپنے ذہنی اُپچ کا اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ بھی نافرمانِ رسول تھے!

اوپر کی (نام نہاد) حدیث کے بعد امام بخاری و امام مسلم دونوں ہی ایک اور (نام نہاد) حدیث لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"حضرت عمرؓ بن خطاب جمعہ کے دن خطبہ پڑھ رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اور اگلے مہاجرین میں سے ایک شخص آئے (امام مسلم کی روایت میں ان کا نام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لکھا ہے) تو انہیں حضرت عمر نے آواز دی، کہ کون سا وقت آنے کا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ میں ایک ضرورت کے سبب سے رُک گیا تھا، چنانچہ میں ابھی گھر بھی نہیں لوٹا تھا، کہ میں نے اذان کی آواز سُنی تو میں صرف وضو کر

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۴۱۲۔ (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الآداب)۔۔ ۲۔ صحیح بخاری، کتاب الجمعہ، جلد۔۱، فصل الغسل یوم الجمعہ، و صحیح مسلم، کتاب الجمعہ۔

سکا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ صرف وضو کیا، حالانکہ آپ کو معلوم ہے کہ رسول اللہ ﷺ غسل کا حکم دیتے تھے۔ (مسلم کی روایت میں یہ آخری جملہ استفہامیہ ہے کہ کیا تم نے نہیں سُنا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے کہ جب کوئی جمعہ کو آئے تو ضرور نہائے)"۔[1]

غور کیجئے کہ اگر قول، فعل و تقریرِ رسول حدیث ہے اور وحی ہے تو پھر حضرت عثمان جیسے جلیل القدر صحابی کو نام معلوم ہونا یا اس پر عمل نہ کرنا کیا یہ ثابت نہیں کرتا کہ (نام نہاد) احادیث بعد کی پیداوار ہیں اور خیر القرون میں ان کا کوئی وجود نہیں تھا۔

**(۱۷)**۔ ... صحیح مسلم کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"ابو یونس جو مولیٰ ہیں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کے (یعنی آزاد کردہ غلام) انہوں نے مجھ سے کہا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک صحیفہ (قرآن) ہم کو لکھ دو اور فرمایا کہ جب تم اس آیت حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ پر پہنچو تو مجھے خبر دو۔ پھر جب میں وہاں تک پہنچا تو میں نے ان کو خبر دی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ یوں لکھو **حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى و صلٰوة العصر وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ** ○ (یعنی حفاظت کرو نمازوں کی اور نماز وسطیٰ یعنی نماز عصر کی اور اللہ کے آگے ادب سے کھڑے ہو) اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ایسا ہی سُنا ہے"۔[2]

غور کیجئے اور ذرا قرآن کریم اُٹھا کر سورہ البقرہ کھولئے اور آیت ۲۳۸ پڑھئے، کیا اس میں آپ کو "**وَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ**" کے الفاظ ملتے ہیں؟ کہئے اس (نام نہاد) حدیث مبارک سے آپ کو کیا پتہ لگا؟ کہئے کیا آپ اس آیت کو اسی طرح پڑھتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا منکرِ حدیث ہوئے کہ نہیں؟ (یہ قرآن کے خلاف دوسری سازش ہے۔ اس کا ذکر انشاء اللہ ہم بعد میں کریں گے)

**(۱۸)**۔ ... اب ذرا صحیح مسلم ہی کی اس کے بعد والی (نام نہاد) حدیث بھی ملاحظہ کر لیجئے:

"براء بن عازب نے کہا کہ اُتری یہ آیت **حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ صَلٰوةِ الْعَصْرِ** اور ہم اس کو پڑھتے رہے جب تک اللہ نے چاہا۔ پھر یہ منسوخ ہو گئی اور اتری **حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى**........"[3]

غور کیجئے کہ اب دونوں (نام نہاد) احادیث مبارکہ میں صحیح کون سی ہے؟ ہو سکتا ہے آپ تذبذب میں پڑ گئے ہوں۔ مگر ہمارے موصوف اور دیگر تمام اہل حدیث و اہل فقہ یہی کہتے ہیں کہ دونوں صحیح ہیں یونکہ یہ امام المحدثین مسلم کی صحیح میں لکھی ہے اور امام صاحب کے مطابق یہ صرف انہی کے نزدیک صحیح نہیں بلکہ تمام محدثین کے نزدیک متفقہ طور پر صحیح ہیں یونکہ انہوں نے اپنی صحیح میں خود لکھا ہے کہ:

"امام مسلم نے دریافت پر جواب دیا یہ ضروری نہیں کہ جس روایت کو میں صحیح سمجھوں اسے اپنی کتاب میں لکھوں بلکہ میں نے اس کتاب میں وہ احادیث لکھی ہیں جو متفقہ طور پر صحیح ہیں"۔[4]

مزید یہ غور کیجئے کہ اوپر کی دونوں (نام نہاد) احادیث مبارک صحیح ہیں اور متفقہ طور پر صحیح ہیں تو پھر کیا نتیجہ

---

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ صحیح مسلم، جلد۔ ۲، کتاب المساجد، بابُ الدلیل لمن قال الصلوٰةُ الوسطٰی هِیَ صلٰوةُ العَصرِ (باب نماز وُسطیٰ سے مراد نماز عصر ہے) ص ۲۱۷۔ ۳۔ ایضاً۔ ۴۔ صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب الصلوٰة، بابُ التَّشَهُّدِ فِي الصلوٰة (میں قتادہؓ کی روایت کا آخری حصہ) ص ۳۱

بر آمد ہوا؟

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ اور ان سے امام المحدثین تک روایت کرنے والوں کو یعنی تقریباً اس وقت تک کی نصف امت کو یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ وہ آیت جو پہلے نازل ہوئی تھی منسوخ ہو چکی ہے؟ سب سے زیادہ حیران کن بات یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کو جو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی تربیت یافتہ اور آخر وقت تک رفیقہ تھیں کو نہیں معلوم!

کہیئے بات کہاں تک پہنچی؟

بات یہاں ختم نہیں ہوئی، بلکہ یہ تو اور آگے تک بھی پہنچی کہ رسول نے کیسی تعلیم دی؟ کیسا بلاغ کیا؟ کیسی وحی بتائی؟ کہ اپنی رفیقہ حیات تک کو نہیں بتایا کہ وحی میں تبدیلی ہو گئی ہے!(معاذ اللہ)

کہیئے کیا یہ (نام نہاد) حدیث مبارک خیر القرون میں موجود تھی؟

غور کیجئے کہ صحیح مسلم کی یہ ٹکسالی حدیث کونسی ٹکسال میں ڈھالی گئی ہو گی؟ جب معلوم ہو جائے تو کسی کو بتایئے گا نہیں بلکہ تقیہ کر لیجئے گا۔

**(١٩)**۔ ... اب ذرا انہی امام المحدثین مسلم سے آیت کو دو مختلف الفاظ سے پڑھنے کا سبب بھی جانتے چلئے تو قرآن کے خلاف سازش واضح ہو کر سامنے آ جائے گی۔ ملاحظہ ہو امام المحدثین مسلم بَابُ بَیَان اَنَّ القرٰان انزل علیٰ سبعۃِ اَحرفٍ و بَیان مَعْناھَا (باب قرآن کا سات حرفوں میں اترنے اور اس کے مطلب کا بیان) میں فرماتے ہیں:

(١)۔" عن عبد الرحمٰن بن عبد القاری قال سمعت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقول سمعت ھشام بن حکم بن حزام یقرء سورۃ الفرقان علیٰ غیر ما اقرءُھا و کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اقراتینھا فکیدت ان اعجل علیہ ثم امھلتہٗ حتی انصرف ثم لببَّتُہٗ بِردَآئِہٖ فجئت بہٖ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقلت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلمٰی سمعت ھذا یقرء سورۃ الفرقان علیٰ غیرما اقرءتنیھا فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلمارسلہ اقرء فقرء القرآءۃ التیٓ سمعتُہٗ یقرء فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ھٰکذَا انزلت ثم قال لی اقرء فقراْتُ فقال ھٰکذا انزلت ان ھذا القران انزل علیٰ سبعۃ احرفٍ فاقرءوما تیسّر منہ

ترجمہ: عبد الرحمٰن بن عبد القاری نے کہا سُنا میں نے عمرؓ بن خطاب رضی اللہ عنہ سے کہ کہتے تھے میں نے ایک دن ہشام بن حکیمؓ کو سورہ الفرقان پڑھتے سنا کہ اور لوگوں کے خلاف پڑھتے تھے اور یہ سورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو پڑھا چکے تھے۔ سو میں قریب تھا کہ ان کو جلد پکڑ لوں مگر میں نے انہیں مہلت دی یہاں تک کہ پڑھ چکے پھر میں نے ان کی چادر ان کے گلے میں ڈال کر کھینچا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک لایا، اور عرض کیا کہ اے رسول، اللہ کے! میں نے ان سے سورۂ فرقان سُنی خلاف اس کے جیسے کہ آپؐ نے مجھے پڑھائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ان کو چھوڑ دو اور ان سے کہا پڑھو۔ پھر انہوں نے ویسا ہی پڑھا جیسا میں نے ان سے پہلے سُنا تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی ہی

اُتری ہے۔ پھر مجھ سے کہا پڑھو، میں نے بھی پڑھی (یعنی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پڑھائی تھی) تب بھی آپ نے فرمایا کہ ایسی ہی اُتری ہے اور فرمایا بات یہ ہے کہ قرآن سات [a] حرفوں میں اترا ہے، اس میں سے جو تم کو آسان ہو اس طرح پڑھو"۔[1]

ایک اور روایت ملاحظہ ہو:۔

(۲)۔"عن ابن عباس رضی اللہ عنھما حدّثه ان رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم قال اقرأنی جبریل علیه الصلوٰة والسلام علی حرف فراجعتهٗ فلم ازل استزیدهٗ فیزیدنی حتی انتھٰی الی سبعة احرفٍ..........

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عبید اللہ بن عتبہؓ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک حرف پر قرآن پڑھایا اور میں ان سے زیادہ کی درخواست کرتا رہا اور وہ زیادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سات حرف تک نوبت پہنچی............... "[2]

غور کیجئے کہ کیا بات کی جا رہی ہے کہ قرآن کریم سات حروف پر اتارا یا نازل کیا گیا اور سب صحابہؓ کو یہ راز معلوم نہیں تھا! کوئی کسی طرح پڑھتا تھا اور کوئی کسی طرح۔ (جس کا نمونہ آپ پیچھے ملاحظہ کر چکے کہ کوئی کچھ الفاظ بڑھا کر پڑھ رہا ہے اور کوئی کچھ الفاظ گھٹا کر گویا کہ قرآن ایک نہیں تھا سات تھے اور ہمارے موصوف بھی ایک قرآن نہیں مانتے اور کم از کم تین (قرآن + صحیح بخاری + صحیح مسلم) ورنہ سات (قرآن کریم + صحاح ستہ) ہی مانتے ہیں) اور اس کے لئے کچھ اسی قسم کی مشق کرنا پڑی جس قسم کی پچاس نمازیں کم کرانے کے لئے شب معراج میں کی تھی فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں شب معراج کی رات متعین کر کے رسول اللہ ﷺ ہی کو آسمانوں میں اوپر نیچے پھیرے لگوائے تھے یہاں کوئی رات متعین نہیں کی گئی اور جبریل علیہ السلام کو پھیرے لگوائے گئے۔ ملاحظہ ہو:

(۳)۔"عن ابی ابن کعب ان النبی صلی اللہ علیه و سلم کان عند اضاة بنی غفار قال فاتاه جبریل فقال ان اللہ یأمرك ان تقرء امتك القران علی حرف فقال اسال اللہ معافاتهٗ و مغفرتهٗ و ان امتی لا تطیق ذالك ثم اتاه الثانیة فقال ان اللہ یأمرك ان تقرء امتك القرٰن علی حرفین فقال اسال اللہ معافاتهٗ و مغفرتهٗ و ان امتی لا تطیق ذالك ثم جاءه الثالثة فقال ان اللہ یأمرك ان تقرء امتك القرٰن علی ثلٰثة احرف فقال اسال اللہ معافاتهٗ و مغفرته و ان امتی لا تطیق ذالك ثم جآءهٗ الرابعة فقال ان اللہ عز و جل یأمرك ان تقرء اُمتَك القرٰن علی سبعة احرف فایما حرف قرءوا علیه فقد اصابوا

ترجمہ: ابی بن کعبؓ نے کہا کہ نبی ﷺ بنی غفار کے تالاب پر تھے۔ ان کے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم کرتا ہے کہ اپنی امت کو ایک حرف پر قرآن پڑھاؤ۔ آپ نے

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب فضائل القرآن، اب قرآن کا سات [a] حرفوں میں اترنے اور اس کے مطلب کا بیان۔ ص ۲۸۷ (اس معرکۃ الآرا روایت کو دوسرے امام المحدثین نے بھی لکھا ہے دیکھئے بخاری جلد ۳، کتاب التفسیر، باب ۱۹ سورہ بقرہ یا فلاں سورہ کہنے میں کوئی حرج نہ سمجھنا، حدیث ۳۵، ص ۵۹۔ [2] ایضاً۔ ص ۲۸۹

فرمایامیں اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی اور بخشش چاہتاہوں اور میری امت اس کی طاقت نہ رکھے گی۔ پھر دوبارہ ان کے پاس آئے اور کہا بے شک اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے کہ آپؐ اپنی امت کو دو حرفوں پر قرآن پڑھائیں آپؐ نے عرض کیامیں اللہ تعالیٰ سے اس کی عفو اور بخشش چاہتاہوں اور میری امت سے یہ نہ ہو سکے گا۔ پھر تیسری بار آئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو حکم فرماتا ہے کہ اپنی امت کو تین حرفوں میں قرآن پڑھاؤ۔ آپؐ نے عرض کیا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس کا عفو اور اس کی بخشش چاہتاہوں اور میری امت سے یہ نہ ہو سکے گا۔ پھر وہ چوتھی بار آئے اور کہا کہ بے شک اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ اپنی امت کو قرآن سات[2] حرفوں پر پڑھاؤ اور ان حرفوں میں سے جس حرف پر پڑھیں گے وہ ٹھیک ہو گا"۔[1]

غور کیجئے کہ یہاں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو علم غیب جاننے والا بھی بتایا گیا ہے کہ انہں نے جبریل سے کہا کہ "میری امت سے یہ نہ ہو سکے گا" (کہ وہ ایک ہی کتاب اللہ یا قرآن کریم کو کافی مان کر اس کو پکڑلیں اور اسی کو پڑھیں بلکہ وہ تو اسے مختلف الفاظ سے پڑھنا چاہیں گے کہ جب جو فرقہ یا امام جو چاہے گھٹا یا بڑھا کر پڑھ لے)

اسی سات حرف پر نازل ہونے کو عام طور پر "قرأت سبعہ" یا سات قرأتیں کہا جاتا ہے کہ قرآن سات مختلف الفاظ کے ساتھ پڑھا جا سکتا ہے اور اس کے نمونے آپ کو (نام نہاد) احادیث کی کتابوں اور تفاسیر میں مل جائیں گے کہ فلاں آیت کو فلاں صحابی ان الفاظ کو بڑھا کر پڑھا کرتے تھے اور فلاں صحابی ان الفاظ کو گھٹا کر پڑھا کرتے تھے۔ یا یوں کہ فلاں آیت یا الفاظ بھی قرآن کریم میں نازل ہوئے تھے مگر پھر قرآن کریم میں لکھنے سے منع کر دیا گیا مگر ان کا حکم بر قرار رکھا گیا۔ (اور اسی کو وحی پوشیدہ کہا گیا)۔ نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ سے بھول ہو گئی تھی کہ پہلے[2] تو انہوں نے آیت قرآن میں لکھوا دی پھر کچھ یاد آیا کہ یہ قرآن تو بہت ضخیم ہو جائے گا تو اسے مٹوا دیا۔ مگر اس کے حکم کو قائم رکھا یونکہ ان کا حکم بدلا نہیں کرتا۔ غور کیجئے کیا ایسی روایت کا وجود زمانہ خیر القُرون میں ہو سکتا تھا جو کہ تمام صحابہؓ تک بھی نہ پہنچی تھی! کیا یہ (نام نہاد) حدیث وحی ہو سکتی ہے؟ انہی نام نہاد احادیث کا نتیجہ ہے کہ لاہور کے اہلحدیث گروہ نے کچھ دیوبندی علماکے ساتھ مل کر سات قرأتوں کی بیس قرأتیں لکھ ڈالی ہیں اور ان کو سعودی اور کویت کی تنظیموں کے ساتھ مل کر شائع کرنا شروع کر دیا ہے، جبکہ امریکہ میں ڈاکٹر رشاد خلیفہ نے (جس نے ۱۹ کی تھیوری ایجاد کی ہے) نام نہاد احادیث ہی کی بناء پر سورہ توبہ کی آخری دو آیات ببانگ دہل خارج کر کے قرآن مجید شائع کیا ہوا ہے۔ اس طرح اب قرآن کریم کے ۲۱ مختلف نسخے یا مصاحف ہو جائیں گے یہ وہ کام ہے جو سارے یہود و نصاریٰ و مجوس و کفار مل کر چودہ سو سال میں نہیں کر پائے تھے۔ مگر (نام نہاد) احادیث ماننے والوں نے پندرھویں صدی ہجری میں کر دکھایا۔ (معاذ اللہ)

**(۲۰)۔** ... صحیح بخاری کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

ترجمہ: "رفاعہ بن رافع زرقی نے کہا کہ ہم ایک دن نبی ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے تو (ہم نے دیکھا کہ) جب آپ نے اپنا سر رکوع سے اُٹھایا تو فرمایا سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَہ۔ ایک شخص نے آپ کے پیچھے کہا: رَبَّنَا وَ لَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ۔ تو آپؐ نے فارغ ہو کر فرمایا، کہ یہ کلمات کہنے والا کون تھا؟ اس شخص نے عرض کیا میں تھا، آپؐ نے فرمایا کہ میں نے کچھ اوپر تیس فرشتوں کو دیکھا کہ وہ ان

---

[1] ایضاً۔ ص ۲۹۰۔ [2] رسول بھی آیات بھول جاتے تھے (نعوذ اللہ) اس کا ذکر آگے آرہا ہے (دیکھئے شب قدر کے بارے میں روایت)

کلمات کے لکھنے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے"۔[1]

کہیئے اس (نام نہاد) حدیث مبارک سے آپ کیا سمجھے؟ کبھی اس پر عمل کیا؟ کبھی آپ کو کسی نے اس پر عمل کرنے کو بتایا؟ کبھی آپ نے سوچا کہ آپ کے نیک کلمات کو تیس سے اوپر فرشتے لکھنے میں سبقت کرتے ہیں آپ تو دو ہی فرشتوں پر قناعت کئے بیٹھے ہیں غور کیجئے کہ صحابہؓ کو رکوع سے سر اُٹھاتے ہوئے کس نے یہ کلمات پڑھنے کو کہا تھا؟ کیا ان پر بھی وحی پوشیدہ آئی تھی؟ بہر حال صحابیؓ پر وحی پوشیدہ آئی تھی یا نہیں مگر امام المحدثین کی یہ (نام نہاد) حدیث تو وحی پوشیدہ ہے!

اب ذرا صحیح ترمذی کی اس سے ملتی جلتی ایک (نام نہاد) حدیث بھی ملاحظہ کر لیجئے:

"روایت ہے رفاعہ بن رافع سے کہ انہوں نے نماز پڑھی رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تو چھینک آئی مجھ کو سو کہا میں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ مُبَارَكًا عَلَيْهِ كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى۔ پھر جب نماز پڑھ چکے رسول اللہ ﷺ پھر کر بیٹھے اور پوچھا کون بات کرنے والا تھا نماز میں۔ پھر بھی کوئی نہ بولا پھر فرمایا دوبارہ کہ کون بات کرنے والا تھا نماز میں پھر بھی کوئی نہ بولا۔ پھر فرمایا سہ بارہ کون بات کرنے والا تھا نماز میں تو کہا رفاعہ بن رافع بن عفراء نے میں تھا یا رسول اللہ۔ فرمایا آپؐ نے کیونکر کہا تھا تم نے۔ میں نے کہا الحمد للہ سے آخر تک سو فرمایا نبی ﷺ نے قسم ہے اس کی کہ میری جان جس کے ہاتھ میں ہے کو دپڑے اس پر تیس اور کئی فرشتے کہ کون چڑھ جاتا ہے اس کلمہ کو لے کر یعنی آسمان کی طرف"۔[2]

غور کیجئے کہ دونوں (نام نہاد) احادیث ایک ہی ہیں اور ایک ہی صحابیؓ سے مروی ہیں مگر اس میں اضطراب پر غور کیجئے کہ ایک میں چھینک آنے کا ذکر ہے اور ایک میں نہیں، ایک میں دعائیہ کلمات ادھورے ہیں دوسری میں اس سے زائد! ایک میں تیس سے اوپر فرشتے لکھنے میں سبقت کر رہے ہیں دوسری میں ان کلمات کو لے کر آسمان پر جانے میں سبقت کر رہے ہیں!

مزید یہ کتنی عجیب بات ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو تیس سے اوپر فرشتے تو نظر آ گئے مگر یہ پتہ نہ چلا کہ کس مقتدی نے یہ کلمات کہے تھے۔ یہ جاننے کیلئے تین مرتبہ پوچھنا پڑا! یعنی انہیں یہ پتہ ہی نہ چلا کہ وحی پوشیدہ بجائے ان پر آنے کے کسی مقتدی پر آ گئی تھی! نہ ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ بتایا کہ وہ فرشتے انسانی شکل میں تھے یا حیوانی یا اپنی اصلی شکل میں؟

اگر یہ وحی پوشیدہ پہلے آپ ہی پر آ چکی تھی تو آپ نے صرف رفاعہ بن رافع ہی کو کیوں بتایا تھا اور اس وحی کو عام نہیں کیا تھا یعنی اس کا بلاغ نہیں کیا تھا!

اب یہ فرشتوں کے نظر آنے کے بعد بھی آپ نے صحابہؓ کو حکم نہیں دیا کہ نماز میں چھینک آنے کی صورت میں یہ کلمات پڑھا کرو! مگر ہمارے موصوف نے اسے شرعی مسئلہ بنا لیا اور اپنی دعاؤں کی کتاب "دعوات المسلمین" (ص ۲۱) میں بھی لکھ دیا!

کہیئے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر یہ (نام نہاد) وحی پوشیدہ، جو رسول پر نہیں آئی، خیر القرون میں موجود ہوتی تو

---

[1] صحیح بخاری، جلد ۱۔ کتاب الاذان، باب ۵۱۷۔ [2] صحیح ترمذی، جلد ۱، ابواب الصلوٰۃ۔ باب اس کے بیان میں جو چھینکے نماز میں۔

تمام صحابہؓ کو یہ دعائیہ کلمات معلوم ہوتے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بھی معلوم ہوتے اور اس کے پڑھنے کی فضیلت بھی معلوم ہوتی۔

**(۲۱)**۔ ... حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بہت سی (نام نہاد) احادیث مروی ہیں ان کے لئے یہ بھی مشہور ہے کہ وہ حضرت عمرؓ کے دَورِ خلافت میں روایت کرتے ہوئے ڈرتے تھے کہ کہیں حضرت عمرؓ انہیں ماریں نہ۔ یونکہ انہی روایات کے مطابق وہ ایک مرتبہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کے زمانہ میں ان کے سینہ پر ہاتھ مار چکے تھے جس سے وہ گر گئے تھے[۱] ان کی طرف اس ڈرنے کے بارے میں ایک روایت بھی ہے جسے موصوف نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ انہیں کی زبانی ملاحظہ ہو:

"حضرت ابو ہریرہؓ کے اصل الفاظ یہ ہیں:

اگر میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کثرت سے حدیث روایت کرتا، جتنی اب کرتا ہوں تو وہ مجھے دُرّے سے مارتے"[۲]

غور کیجئے کیا اس سے یہ حقیقت واضح نہیں ہو جاتی کہ کم از کم حضرت عمرؓ کے زمانہ تک ان (نام نہاد) احادیث کا زبانی بھی اتنا چرچا نہ تھا۔ اگر کوئی ان کے سامنے کوئی بات رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر کے کہتا اور وہ اس کو نہ جانتے ہوتے تو فوراً اس شخص پر سخت ہو جاتے اور شہادت مانگتے۔

دوسرا رُخ بھی غور کیجئے کہ اگر یہ (نام نہاد) احادیث بطور وحی اس وقت تھیں تو پھر ان کو پوشیدہ رکھنے کا کیا جواز تھا؟ اگر وہ وحی ہوتیں تو ان کو پوشیدہ رکھنا تو کتمانِ حق ہو جاتا اور صحابہ کرامؓ سے ایسا ہونا ناممکن ہے۔

پس ثابت ہوا کہ دَورِ خیر القرون میں وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہ تھا یہ سب بعد کی پیداوار اور بعد کے بنائے ہوئے عقائد ہیں حتیٰ کہ خود امام المحدثین مسلم اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

"محمد بن یحییٰ بن سعید قطان نے اپنے باپ سے سُنا (یحییٰ بن سعید قطان سے جو حدیث کے بڑے امام تھے) وہ کہتے تھے ہم نے نیک آدمیوں کو (صالحین کو) اتنا جھوٹا کسی چیز میں نہیں دیکھا جتنا جھوٹا حدیث کی روایت کرنے میں دیکھا ابن ابی عتاب نے کہا میں محمد بن یحییٰ سے ملا اور ان سے یہ بات پوچھی۔ انہوں نے اپنے باپ سے نقل کیا کہ انہوں نے کہا تو نیک لوگوں کو اتنا جھوٹا کسی بات میں نہ پائے گا جتنا حدیث کی روایت کرنے میں"۔[۳]

غور کیجئے کہ حقیقت واضح ہو گئی کہ نام نہاد صالحین ہی گھڑ گھڑ کر جھوٹی روایات پھیلاتے رہے اور ان کو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان کو عقیدہ بنا دیا اور وحی پوشیدہ قرار دے کر ایمان والوں کو ان کے صحیح راستہ سے ہٹانے کی سازش پوری کر ڈالی یعنی اصل وحی قرآن کریم کو پس پشت ڈلوا دیا!

غور کیجئے ان روایات سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی کوئی بات غیر القراٰن کوئی کسی سے بیان کرتا تھا وہ زبانی ہی ہوتا تھا اور پھر اس پر شہادت بھی زبانی ہی ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ حکمِ رسول تھا کہ غیر القراٰن کچھ نہ لکھا جائے اور اگر کسی نے لکھ لیا ہے تو مٹا دے) تو پھر صحابہؓ کبار نافرمانی یعنی حکم عدولی نہیں کر سکتے تھے۔

---

۱۔ پیچھے وہ روایت گزر چکی ہے۔۔ ۲۔ "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" ص ۱۰۵ (بحوالہ برق اسلام از شرف الدین صاحب محدث دہلوی ص ۳۶)۔۔
۳۔ صحیح مسلم، جلد ا، مقدمہ باب الکشف عَنْ مَعَایِبِ رُوَاۃِ الْحدیث (باب حدیث کے راویوں کا عیب بیان کرنا درست ہے) ص ۳۸۔

(اس لئے کسی صحابیؓ کے لکھنے کی روایات صحیح نہیں ہیں) اور وہ غیر القرآن بات کو اگر کسی سے بیان کرتے تھے تو اپنی یاد داشت کی بنیاد پر زبانی ہی کرتے تھے۔ اس حقیقت کی تصدیق حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک اور روایت سے ہو جاتی ہے، ملاحظہ ہو:

ترجمہ: "ابوہریرہؓ فرماتے تھے............... کہ ہمارے مہاجرین بھائیوں کو بازاروں میں خرید و فروخت کا شغل رہتا تھا، اور ابوہریرہ اپنا پیٹ بھر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں رہتا تھا اور ایسے اوقات میں حاضر رہتا تھا کہ لوگ حاضر نہ ہوتے تھے، اور وہ باتیں یاد کر لیتا تھا جو وہ لوگ یاد نہ کرتے تھے"[1]

پس ثابت ہوا کہ دورِ قرون میں (نام نہاد) احادیث کا وجود بطور وحی نہیں تھا۔

**(۲۲)۔** ... حضرت ابوہریرہؓ ہی کی ایک اور روایت صحیح بخاری میں ملاحظہ ہو:

"ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو طرف (علم کے) یاد کر لئے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے ایک کو تو میں نے ظاہر کر دیا اور دوسرے کو اگر ظاہر کروں تو یہ بلعوم کاٹ ڈالی جائے (ابو عبداللہ کہتے ہیں کہ بلعوم کھانے کے جانے کی جگہ ہے)"[2]

غور کیجئے کہ اگر بخاری کی یہ (نام نہاد) حدیث صحیح ہے تو وہ دو علوم کون سے ہیں؟ وہ کونسا علم ہے جو ظاہر نہیں کیا اور حضرت ابوہریرہؓ اپنے ساتھ ہی لے گئے۔ ظاہر ہے کہ موصوف کے مطابق تو وہ وحی پوشیدہ تھا یونکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے حاصل کر کے یاد کیا گیا تھا، تو پھر تو وحی پوشیدہ ان کے ساتھ ہی چلی گئی! اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ

اس سے زیادہ خطرناک حقیقت تو یہ کہ رسول نے وحی کا بلاغ نہ کیا اور تمام صحابہؓ کو نہ بتایا صرف ابوہریرہؓ کو بتایا اور انہوں نے ڈر کے مارے کسی کو بھی نہ بتایا! تو یہ بات پہنچی رسول تک کہ وہ بلاغ نہیں کرتے تھے! نعوذ باللہ۔

جبکہ سورہ البقرہ آیت ۱۴۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

"وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ کَتَمَ شَہَادَۃً عِنۡدَہٗ مِنَ اللّٰہِ"[3]

ترجمہ: اور اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی (طرف سے شہادت (یعنی وحی) کو جو اس کے پاس آئے چھپائے۔ (البقرہ آیت ۱۴۰)

اس لئے سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ رسول سلامٌ علیہ نے وحی کو صحابہؓ سے چھپایا ہو اور پھر صحابہؓ نے دوسروں سے چھپایا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ وحی پوشیدہ کا کوئی وجود خیر القرون میں نہیں تھا۔ وحیٔ پوشیدہ کا عقیدہ قرآن کے خلاف سازش کا نتیجہ ہے جو بعد میں گھڑ کر لوگوں کے ذہنوں میں ڈالا گیا ورنہ رسول اور صحابہؓ نے وحی کو پوشیدہ نہیں رکھا۔

اہل حدیث ذرا غور کریں کہ وہ کیا کہتے ہیں!

قارئین اسی طرح سے صحیح مسلم میں ایک روایت ہے کہ:

"ابو الطفیل بن عامر بن واثلہ سے روایت ہے میں علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا اتنے میں ایک شخص آیا اور کہنے لگا رسول اللہ ﷺ آپ کو چھپا کر بتلاتے تھے یہ سن کر علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ غصہ ہوئے

---

[1] صحیح بخاری، کتاب العلم، باب ۸۴، حِفۡظِ الۡعِلۡمِ، جلد۔۱، ص ۱۳۶۔ [2] صحیح بخاری، جلد۔۱۔ کتاب العلم، باب ۸۴۔ حِفۡظِ الۡعِلۡمِ (ص ۱۳۶۔۱۳۷)

اور کہنے لگے آپ نے مجھے کوئی چیز ایسی نہیں بتلائی جو اور لوگوں سے چھپائی ہو ...........“[1]

پس ثابت ہوا کہ چھپا کر پوشیدہ وحی کوئی چیز نہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کا ہر کام، ہر بلاغ ببانگِ دہل ہوتا ہے پوشیدہ طور پر نہیں۔ ان دونوں روایات کا ایک دوسرے کے خلاف ہونا قابلِ غور ہے! کیا یہ وحی ہو سکتی ہے؟؟

**(۲۳)۔** ... موصوف نے اپنی مایہ ناز کتاب ”صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین“ میں حجۃ الوداع کے باب میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ۱۰ ذوالحجہ کا خطبہ دیا ہے اس کے آخری الفاظ ہیں:

”پھر آپؐ نے فرمایا: حاضر کو چاہیئے کہ غائب کو یہ بات پہنچا دے، اس لئے کہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ پہنچانے والا کسی ایسے شخص کو پہنچا دیتا ہے جو اس سے زیادہ اس کو محفوظ کرنے والا ہوتا ہے“[2]

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو بلاغ کا کس قدر اہتمام کروا رہے ہیں۔ مگر پچھلی روایات یہ ثابت کر رہی ہیں کہ نہ تو رسول سلامٌ علیہ ہی نے سب کو بتایا اور نہ ہی صحابہؓ نے سب کو بتایا! اور صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ صحابہؓ نے تو (نام نہاد) احادیث بیان کرنا تک چھوڑ دیا تھا۔ اگر یہ (نام نہاد) احادیث وحی تھیں تو ان کو بیان کرنا ترک کرنا اور سننا بھی ترک کرنا کیا ہوا؟ کیا یہ کتمانِ وحی نہیں؟ کیا یہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اوپر کے فرمان کے خلاف عمل نہیں؟ پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث وحی نہیں تھیں اور نہ ہی خیر القرون میں ان کا وجود تھا۔ اس زمانہ میں جس وحی کا وجود تھا یعنی القرآن وہ سب نے ایک دوسرے تک پہنچا دی تھی۔

**(۲۴)۔** ... صحابہ کبارؓ نے ایک موقعہ پر رسول اللہ سلامٌ علیہ سے دریافت کیا کہ آپ نے سلام کا طریقہ تو بتا دیا ہے لیکن آپ پر دُرود کیسے پڑھیں[3] تو آپ نے درود ابراہیمی بتائی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ:

اگر جبریل نے آکر صلوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ سکھایا تھا، جیسا کہ موصوف کا دعویٰ ہے، تو پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وہ طریقہ صحابہؓ کو کیوں نہیں سکھایا تھا؟ حالانکہ آپ کو تو حکم تھا کہ آپ پر جو کچھ نازل کیا جاتا ہے وہ دوسروں تک پہنچا دیجئے اور اگر ایسا نہیں کیا تو آپ اللہ کا پیغام پہنچانے سے قاصر رہے (۵/۶۷)۔ دیکھا آپ نے کہ زد کہاں پڑتی ہے! یہ ہے اس فنِ حدیث کا کمال!

مزید غور کیجئے، کیا اس روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نماز پڑھنے کا طریقہ وحی نہیں کیا گیا تھا۔

نیز یہ کہ جہاں تک جبریل کے آکر نماز پڑھنا سکھانے والی روایت[4] کا تعلق ہے تو اس روایت میں یہ ذکر بالکل نہیں کہ جبریل نے کیا پڑھا یا کیا پڑھنے کا بتایا! البتہ جب وہ روایت ' خلیفہ راشد عمر بن عبد العزیز کے سامنے سنائی گئی تو انہوں نے بھی اعتراض کیا تھا کہ راوی کیا کہہ رہا ہے؟ اگر اس روایت کو صحیح مان لیا جائے تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ

---

۱۔ صحیح مسلم، جلد۔۵۔ کتاب الاضاحی۔ باب ”جو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کی تعظیم کے لئے جانور کاٹے وہ ملعون ہے اور ذبیحہ حرام ہے“۔ ص ۲۲۷۔ ۲۔ ”صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین“ ص ۵۸۵ (بحوالہ صحیح بخاری، جلد۔۱، کتاب العلم، باب ۵۱ قول نبیؐ کہ بسا اوقات وہ شخص جسے پہنچائی جائے سننے والے سے زیادہ یاد رکھنے والا ہوتا ہے ص ۱۱۶)۔ ۳۔ صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، باب نمبر ۳۱۳ یزفون یعنی رفتار میں تیزی کرنا، حدیث ۵۹۴، ۵۹۵۔ (غور کیجئے اس کتاب اور باب کا درود شریف سے کیا تعلق ہے؟ اس کو موصوف کہتے ہیں قرآنی آیات کی شرح و تفسیر ہے!)۔ ۴۔ صحیح بخاری، جلد۔۱، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب ۳۵۱، مواقیت الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۴۹۴ اور جلد ۲، کتاب بدء الخلق، حدیث نمبر ۴۵۴

کوئی بھی عقل سلیم رکھنے والا آدمی پہلی صدی ہجری کے اختتام تک یہ ماننے کو تیار نہ تھا کہ نماز کا طریقہ جبریل نے آکر بتایا اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کی امامت کی۔ جبریل رسول کا امام یا استاد کیسے ہو سکتا ہے؟

پس ثابت ہوا کہ اس وقت تک وحی پوشیدہ کا وجود نہیں تھا۔

اگر آپ غور سے (نام نہاد) احادیث کو دیکھیں تو نماز پڑھنے کے بارے میں قولی روایات تو کم ہی ملتی ہیں جبکہ فعلی روایات و آثار زیادہ ملتے ہیں۔ پس اگر نماز کا طریقہ وحی کیا گیا تھا تو کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے سب صحابہؓ کو نہیں سکھایا تھا؟ پھر وہ ریکارڈ کیوں نہیں ہوا جو صحابہؓ اس طرح کے سوال کرتے رہے کہ آپ تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھتے ہیں؟ آپ پر درود کیسے بھیجیں، وغیر ہم؟

لاؤ نماز کیلئے قولی روایات بجائے اپنے اپنے استنباط و اجتہاد و رائے کے؟

**(۲۵)۔** ... موصوف اپنی مایہ ناز کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" میں اسی حجۃ الوداع کے باب میں "خُم پر رسول اللہ سلامٌ علیہ کا خطبہ" کے زیرِ عنوان تحریر کرتے ہیں:

"جب رسول اللہ ﷺ خُم کے کنویں پر پہنچے تو آپؐ نے ایک خطبہ دیا پہلے آپؐ نے اللہ کی حمد و ثناء بیان کی، پھر وعظ و نصیحت کی، پھر فرمایا اما بعد، اے لوگو! میں بھی ایک آدمی ہوں، قریب ہے کہ اللہ کا قاصد آئے اور میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔ میں تم لوگوں میں دو بھاری چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ پہلی ان میں سے اللہ عزّ و جل کی **کتاب** ہے (**كِتَابُ اللهِ فِيهِ الْهُدٰى وَ النُّور**) اس میں ہدایت ہے۔ نور ہے۔ وہ اللہ کی رسّی ہے۔ جس نے اس کی پیروی کی ہدایت پر رہے گا اور جس نے اسے چھوڑ دیا گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔ اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور اس پر سختی سے عمل کرو اور (دوسری بھاری چیز جو میں چھوڑ رہا ہوں) میرے اہلبیت[1] (یعنی ازواج مطہراتؓ) ہیں، میں اپنے اہلبیت کے متعلق تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہلبیت کے متعلق تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں۔ میں اپنے اہلبیت کے متعلق تمہیں اللہ کو یاد دلاتا ہوں (یعنی اللہ سے ڈرنا، ان کے ساتھ کسی قسم کی بدسلوکی نہ کرنا)[2]

غور کیجئے کہ اس روایت میں بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ **کتاب اللہ** ہی کی پیروی کی ہدایت کر رہے ہیں (**مَنِ اتَّبَعَهٗ**) اسی کو پکڑے رہنے (**وَاسْتَمْسِكُوْا بِهٖ**) کی ہدایت کر رہے ہیں۔ اور کتاب اللہ کی پہچان یہ بتا رہے ہیں کہ اس میں ہدایت ہے (۹۷/۲ وغیر ہم) اس میں نور ہے (۱۵/۵، ۱۵۷/۷، ۸/۶۴ وغیر ہم) وہ اللہ کی رسّی ہے (۱۰۳/۳) تو بات صاف ہو گئی کہ وہ تو قرآن کریم ہے (نام نہاد) احادیث نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ اس وقت (نام نہاد) احادیث کا کتاب اللہ کے ساتھ کوئی وجود نہیں تھا اور نہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اس کو بھی پکڑے رہنے کا ذکر کرتے! رسول اللہ سلامٌ علیہ تو مبعوث ہی ہوئے تھے کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کو الناس تک متعارف کرانے کے لئے، پہنچانے کیلئے اور اسی کا بلاغ کرنے کے لئے اور یوم حشر اسی ہی کے بارے میں شکایت

[1] "اہلبیت" قرآن کریم ازواج مطہرات کو کہتا ہے اور کسی رشتہ دار کو نہیں۔ دیکھئے ۷۳/۱۱، ۳۳/۳۳۔ جبکہ ۱۲/۲۸ میں اہلبیت ماں کو کہا گیا ہے تو بھی معنیٰ امہات المؤمنین ہی ہوئے۔ [2] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۵۸۹، (بحوالہ صحیح مسلم جلد ۶، باب من فضائل علیؓ۔ ص ۱۰۲)

فرمائیں گے کہ اتنا بلاغ کرنے کے باوجود میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ کر (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ کو پکڑ لیا تھا (۲۵/۳۰)

اس روایت کے مطابق "خُم" پر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے دوسری بھاری چیز چھوڑنے کا جو ذکر فرمایا ہے تو وہ اپنی ازواج مطہرات یعنی امہات المومنین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ہیں جن کو کسی موقعہ پر اللہ تعالیٰ مومنین کی مائیں قرار دے چکا تھا (۶/۳۳) اور رسول کی وفات کے بعد ان سے نکاح کرنے کا سوچنے تک کو منع کر دیا تھا (۵۳/۳۳)۔ اس لئے اس خطبہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے (نئے آنے والوں کو) پھر یہ ہدایت دی کہ میری گھر والیوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا۔ ویسے بھی اس سے چند روز پہلے ہی آپ اسی حجۃ الوداع کے موقعہ پر ۹۔ ذوالحجہ کو عرفات کے میدان کے تاریخی خطبہ میں (دراصل وہی خطبہ حجۃ الوداع کے خطبہ کی حیثیت سے مشہور ہے جبکہ خطبہ خُم کو سوائے ایک فرقہ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ بلکہ امام المحدثین بخاری نے بھی اس کا انکار کیا ہے اور اپنی صحیح بخاری شریف میں نہیں دیا ہے) یہ ہدایت فرما چکے تھے کہ:

"عورتوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے انہیں اللہ کی امان میں (اپنے عقد میں) لیا ہے"[۱]

غور کیجئے کہ اس دوسری بھاری چیز میں بھی (نام نہاد) احادیث یا سنت کا ذکر تک نہیں اور امام المحدثین مسلم اس کو تیسری صدی ہجری میں اپنی صحیح مسلم شریف میں لکھ رہے ہیں (گو کہ دوسرے امام المحدثین بخاری نے اس روایت ہی کا انکار کیا اور اپنی صحیح بخاری شریف میں نہیں لکھا۔ جبکہ امام مسلم کا دعویٰ ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب میں وہ احادیث لکھی ہیں جو متفقہ طور پر صحیح ہیں[۲]۔ شاید اس اتفاق میں ان کے ہمعصر امام بخاری شامل نہیں تھے!

**(۲۶)**۔ ... موصوف اپنی مایہ ناز کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" میں اسی حجۃ الوداع کے باب میں "عرفات کے میدان میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا تاریخی خطبہ" کے زیرِ عنوان رسول اللہ سلامٌ علیہ کا ۹ ذوالحجہ کا مشہور خطبہ (مختلف ٹکڑوں میں بخاری یا مسلم سے) نقل کرتے ہیں۔ اس کا آخری ٹکڑا ملاحظہ ہو:

"میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے، یعنی اللہ کی شریعت (اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ كِتَابُ اللّٰهِ)، تم سے قیامت کے روز میرے متعلق سوال ہو گا، تم کیا جواب دو گے؟ سب نے عرض کیا "ہم گواہی دیں گے کہ بے شک آپؐ نے اللہ کا پیغام پہنچا دیا، (اَنَشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ) رسالت کا حق ادا کر دیا اور امت کی خیر خواہی کی" پھر رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنی شہادت کی انگلی کو آسمان کی طرف اُٹھا کر لوگوں کی طرف جھکایا اور فرمایا "اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ، اے اللہ گواہ رہ"۔[۳]

پہلی بات تو یہی غور کیجئے کہ موصوف نے یہاں بھی وہی مکر سے کام لیا ہے کہ کتابُ اللہ کا ترجمہ کر دیا یعنی "اللہ کی شریعت"۔ (حالانکہ وہ مسلمین کا ترجمہ کبھی بھی مسلمان نہیں کرتے اور اسی طرح بہت سے دوسرے الفاظ کا)

---

[۱] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۵۸۱، (بحوالہ صحیح مسلم جلد۔۳، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن جابرؓ۔ ص ۲۴۶)۔ [۲] صحیح مسلم، جلد۔۲، کتاب الصلوٰۃ۔ باب التَّشَهُّدِ فی الصلوٰۃ (میں قتادہؓ کی روایت کا آخری حصہ) ص ۱۳۱۔ [۳] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۵۸۱ (بحوالہ صحیح مسلم جلد ۳، باب حجۃ النبیؐ عن جابرؓ، ص ۲۴۶)

جبکہ شریعت بھی عربی ہی کا لفظ (اور اصطلاح بھی) ہے تو پھر اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد "کتاب اللہ" سے قرآن کریم کے علاوہ کچھ تھا یا وہ شریعت کو قرآن کریم سے باہر بھی مانتے تھے تو پھر لفظ "شريعة الله" ہی استعمال کرتے۔ لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا[1]۔ پس ثابت ہوا کہ انہوں نے کتاب اللہ قرآن کریم ہی کو کہا اور اس کی تصدیق پیچھے "خُم پر خطبہ" میں گزر چکی ہے جہاں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کتاب اللہ کی پہچان بھی بتادی تھی کہ وہ ہدایت ہے، اس میں نور ہے، وہ اللہ کی رسّی ہے..........

قارئین اصل حقیقت پر غور کیجئے کہ اس مشہور و معروف خطبہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف ایک ہی چیز کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہی اپنے بعد چھوڑنے کا ذکر فرمارہے ہیں اور اسی کو مضبوطی سے پکڑے رہنے کی نصیحت فرمارہے ہیں کہ اگر اس کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ نہ تو (نام نہاد) احادیث اپنے بعد چھوڑنے کا ذکر کررہے ہیں اور نہ ہی انہیں پکڑنے یا چھوڑنے کا ذکر کررہے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود ہی نہیں تھا

مزید اس حقیقت کو بھی جان لیجئے کہ صحیح مسلم کی اس (نام نہاد) حدیث کا (جس میں حجۃ الوداع کا خطبہ دیا گیا ہے) امام المحدثین بخاری نے انکار کیا ہے اور اپنی صحیح بخاری میں نہیں لکھا۔ بلکہ صحاح ستہ کے مصنفین و مرتّبین میں سے صرف امام مسلم اور امام ابوداؤد نے اس کو مانا ہے ورنہ دوسروں نے انکار ہی کیا ہے۔ پھر بھی بخاری منکرِ حدیث نہیں کہے جاتے! غور کیجئے اگر یہ (نام نہاد) حدیث وحی ہوتی تو پھر تو اس کا انکار وحی کا انکار ہوتا۔ اور نازل شدہ وحی کا انکار کفر ہوتا ہے (۹۰/۲ ، ۶۱/۲) نیز یہ کہ اگر یہ وحی ہوتی تو دو سو سال بعد بھی محدثین تک نہ پہنچنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس کے معنیٰ تو پھر وہی ہوتے کہ رسول سلامٌ علیہ نے وحی نہیں پہنچائی (نعوذ باللہ) جب کہ اسی روایت کے مطابق بھی حجۃ الوداع کے موقعہ پر حاضر تمام صحابہؓ نے شہادت دی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اللہ کا پیغام پہنچادیا (اَنْشْهَدُ اَنَّكَ قَدْ بَلَّغْتَ) اور بلاغ کا لفظ اللہ کا پیغام یعنی قرآن کریم ہی کی تبلیغ کے لئے استعمال ہوا ہے (۱۹/۶ ، ۶۷/۵)

اب ذرا اس اہم حقیقت کو بھی نوٹ کرلیجئے کہ تیسری صدی ہجری تک تو یہ (نام نہاد) حدیث تمام بڑے بڑے امام المحدثین تک نہیں پہنچی سوائے مسلم و داؤد کے اور پھر اس کے بعد تقریباً پانچویں صدی ہجری میں اس وحی پوشیدہ میں ترمیم ہوگئی اور ایک کی دو چیزیں بن گئیں کتاب اللہ اور سنت! (تفصیل آگے ملاحظہ ہو)۔

**(۲۷)۔** ... موصوف اپنی کتاب "برہان المسلمین" میں "رسول اللہ سلامٌ علیہ کا قرآن کے ساتھ حدیث کو بھی ماخذِ قانون بنانا" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ:

"۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

يٰاَيها الناس اِنی قد تَركتُ فيكم ما اِن اعتصمتم به فلن يضلوا ابدًا كتاب الله و سُنتَہ

---

[1] موصوف کی اس دھوکہ دہی کی مثالیں ہم پیچھے بھی دے چکے ہیں نیز یہ بھی واضح کرچکے ہیں کہ شریعت جس کے لئے ہم مکلّف ہیں وہ صرف قرآن کریم ہی میں ہے اس سے باہر نہیں۔

نبیِّہٖ (مستدرک حاکم جلد اوّل ص ۹۳)[1]
اے لوگو میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔
وہ چیز اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت ہے

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنِّی قد تَرکتُ فِیکم شَیئَینِ لن تضلوا بعدھما کِتَابَ اللّٰہِ و سُنَّتی وَ لن یتفرقا حتّٰی یَرِدَا علیَّ الحَوْضَ (مستدرک حاکم جلد اول۔ ص ۹۳)

میں تم میں دو چیزیں چھوڑ رہا ہوں ان کے بعد تم ہرگز گمراہ نہیں ہو سکتے اللہ کی کتاب اور میری سنت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز علیحدہ نہیں ہوں گی یہاں تک کہ وہ دونوں میرے پاس حوض کوثر پر آئیں۔

غرض یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے حدیث کے ماخذ قانون ہونے کا اعلان تقریباً ایک لاکھ صحابہ کے مجمع میں فرمایا۔ یہ اعلان آخری حج میں کیا گیا۔ گویا اس اعلان کی حیثیت وصیّت کی بھی تھی۔ پھر ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ قرآن و سنت دونوں میں تفریق نہ ہو گی "ان میں روزِ محشر تک علیحدگی ناممکن ہے"۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ میری زندگی میں تو قرآن کے ساتھ سنت وابستہ رہے اور بعد والے سنت کو قرآن سے علیحدہ کر دیں۔ اس اعلانِ عام سے صاف ثابت ہوا کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجّتِ شرعیّہ ہے"[2]

غور کیجئے کہ اوپر کی دونوں روایتوں سے کیا واقعی یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث قیامت تک کے لئے حجّتِ شرعیّہ ہے؟ ان دونوں روایتوں میں لفظ حدیث تو کہیں استعمال ہی نہیں ہوا۔ البتہ لفظ "سُنت" استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنٰی موصوف کے نزدیک حدیث اور سنت ہم معنی الفاظ ہیں باالفاظِ دیگر حدیث ہی سنتِ رسول ہے اور سنتِ رسول ہی حدیث ہے۔ لیکن اگر ہم دونوں میں تضاد کی مثالیں پیش کریں گے تو پھر موصوف کو شکایت ہو گی۔ خیر اس مسئلہ کو بعد میں دیکھا جائے گا فی الحال آپ موصوف کی پیش کردہ دونوں روایات کا جائزہ لیجئے۔

ا۔ دونوں روایات دو جلیل القدر صحابہؓ سے منسوب ہیں مگر یہ وہ نہیں ہیں جنہوں نے امام مسلم کو یہ روایت سنائی تھی (وہ حضرت جابرؓ تھے)

۲۔ تینوں صحابہؓ اور تینوں محدثین کے نزدیک یہ روایتیں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ارشاد فرمائی تھیں۔ جہاں بقول موصوف لاکھوں صحابہ کا مجمع تھا۔

تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ تیسری صدی تک چھوڑی جانے والی چیز صرف ایک تھی یعنی "کتاب اللہ" وہ آگے جا کر پانچویں صدی میں دو کیسے بَن گئی کتاب اللہ اور سُنت؟ نیز یہ کہ ان صدیوں میں جو لوگ بغیر دونوں چیزوں کے بارے میں جانے ہوئے مر گئے اُن کا کیا ہو گا؟ وہ تو بقول موصوف کے (نام نہاد) وحی سے محروم ہی مر گئے! تو پھر تو وہ پوری طرح سے نہ اسلام میں داخل ہو سکے ہوں گے اور نہ ہی اس پر عمل کر سکے ہوں گے! (معاذ اللہ)

اگر تیسری صدی تک روایت میں کمی تھی تو کسی نے اس کمی کی تصحیح کیوں نہیں کرائی جبکہ لاکھوں صحابہؓ سے

---

[1] مستدرک حاکم کے مصنف کی تاریخ وفات ۴۰۵ھ ہے۔ تو اس صدی میں لفظ "سنت" خطبہ حجۃ الوداع میں بڑھایا گیا۔ [2] "برہان المسلمین" باب ہفتم۔ ص ۲۰۳۔ ۲۰۴۔ (اوپر میں نے موصوف کی زیرِ عنوان عبارت پوری نقل کر دی ہے تا کہ قارئین کو تشنگی نہ رہے۔

(جنھوں نے حجۃ الوداع میں اسے سُنا تھا) یہ روایت آگے لاکھوں اور کروڑوں تابعین و تبع تابعین تک پہنچ جانا چاہئے تھی اور رسول سلامٌ علیہ کی اس وصیت کو زبان زدِ عام ہونا چاہئے تھا بلکہ ان دو صدیوں میں تو سنت یعنی حدیث کا نسخہ بھی قرآن کریم کے ساتھ چسپاں ہو جانا چاہئے تھا تاکہ وہ قیامت تک علیحدہ نہ ہوتا (اور سینکڑوں نسخے نہ بنتے)۔ مگر ایسا نہیں ہوا اور نہ کیا گیا۔ نہ تو صحابہؓ کے دَور میں ایسا کیا گیا اور نہ ہی صحابہؓ کے بعد۔ پس ثابت ہوا کہ خیر القرون میں وحی پوشیدہ یا سنت بمعنی نام نہاد حدیث کا کوئی وجود نہ تھا۔ اور نہ ہی یہ عقیدہ تھا کہ کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کے علاوہ بھی کسی چیز کی ضرورت ہے اور بغیر اس کے اسلام یا اسلامی قانون یا شریعت الٰہی ادھوری رہے گی۔ اس قسم کے عقائد تو فارسی و عجمی سازش کا نتیجہ ہیں۔ ہاں اگر اسوۂ حسنہ کو سنت کہا جائے تو وہ صحیح ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا عمل یا اسوۂ حسنہ تو وہی تھا جو قرآن الحکیم میں نازل ہوا تھا اور جس کی اتباع آپ کرتے تھے۔ اور وہ امت کو قرآن الحکیم اور تواتر عملی سے پہنچا ہے نہ کہ (نام نہاد) عجمی احادیث سے۔

اب ذرا پھر سے ایک بار ان دونوں خطبوں (خطبہ ُخُم اور خطبہ حجۃ الوداع) پر نظر ڈال لیجئے آپ نوٹ کریں گے کہ دونوں خطبوں میں پانچویں صدی تک ایک ہی چیز متفقہ ہے یعنی "کتاب اللہ" جبکہ دوسری چیز بعد میں بڑھائی گئی لگتی ہے اسی لئے اس میں اختلاف ہو گیا۔ پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے یہ خطبات بھی وحی نہیں تھے ورنہ ان میں کسی قسم کا اختلاف نہ ہوتا۔ اس لئے صرف ایک ہی متفقہ چیز یعنی "کتاب اللہ" کو پکڑ لینا چاہئے۔

**(۲۸)**۔ ... صحیح بخاری کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"حدثنا عمر بن حفص حدثنا ابی حدثنا الاعمش حدثنا شقیق بن سلمة قال خطبنا عبد الله فقال : والله لقد اخذت من فی رسول الله صلی الله علیه و سلم بضعًا و سبعین سورة والله لقد علم اصحاب النبی صلی الله علیه و سلم انی من اعلمهم بِکِتابِ اللهِ وما انا بخیرهم ،........ (صحیح بخاری، جلد۔۲، کتاب فضائل القرآن، باب ۸۹۶، القرّآءِ من اصحاب النبی ، ص۹۹۶ حدیث۲۱۰۸)

ترجمہ: عمر بن حفص، اعمش، شقیق بن سلمہ، حضرت عبد اللہؓ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ وہ خطبہ دے رہے تھے، تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے ستر سے کچھ زائد سورتیں رسول اللہ ﷺ کے دہن مبارک سے حاصل کی ہیں، نبی ﷺ کے صحابہؓ سمجھنے لگے تھے کہ میں کتاب اللہ کو ان سب سے زیادہ جانتا ہوں، حالانکہ میں ان سے بہتر نہ تھا..............."

غور کیجئے کہ کتاب اللہ کسے کہا جا رہا ہے؟ سورتیں کس میں ہوتی ہیں؟

ظاہر ہے کہ کتاب اللہ قرآن کریم ہی کو کہا جا رہا ہے اور اسی کی ستر سے زائد سورتیں حضرت عبد اللہؓ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ سے حاصل کی تھیں (نام نہاد) احادیث نہیں جن کا اس وقت کوئی وجود نہ تھا۔

**(۲۹)**۔ ... صحیح بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

" حدثنی محمد بن کثیرا اخبرنا سفیان عن الاعمش عن ابراہیم عن علقمة قال کنا بحمص فقرأ ابن مسعودٍ سورة یوسف فقال رجل ما هٰکذا اُنزِلت قال قرأت علیٰ

رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و سلم فقال احسنت ووجد منه رِیح الغمر فقال : اتجمع ان تکذب بکتابِ اللّٰه و تشرب الخمر فضربه الحدَّ۔ (صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب فضائل القرآن، باب ۸۹۶، القراءِ من اصحاب النبی ، حدیث نمبر ۲۱۰۹، ص ۹۹۶)

ترجمہ: محمد بن کثیر، سفیان، اعمش، ابراہیم، علقمہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ ہم حمص میں تھے تو حضرت ابن مسعودؓ نے سورت یوسف کی تلاوت کی، ایک آدمی نے کہا، کہ اس طرح یہ سورت نازل نہیں ہوئی ہے، حضرت ابن مسعودؓ نے کہا، کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہ سورت تلاوت کی تھی تو آپؐ نے فرمایا کہ بہت خوب! اس آدمی کے منہ سے شراب کی بو آتی تھی، حضرت ابن مسعودؓ نے کہا: تو کتاب اللہ کو جھٹلاتا ہے اور شراب بھی پیتا ہے۔ چنانچہ اس پر حد جاری کی"

غور کیجئے کتاب اللہ کسے کہا جا رہا ہے؟ سورہ یوسف کس میں ہے؟ ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں کتاب اللہ قرآنِ کریم ہی کو کہا جاتا تھا اور (نام نہاد) احادیث کا وجود نہیں تھا۔

**(۳۰)۔** ... صحیح بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"حدثنا عمر بن حفص حدثنا اَبی حدثنا الاعمش حدثنا مسلم عن مسروق قال قال عبد اللّٰه رضی اللّٰه عنه: وَاللّٰه الذی لا اله غیرهٗ ما انزلت سورة من کتاب اللّٰه اِلا انا اعلم ابن انزلت و لا انزلت اية من کتاب اللّٰه الا انا اعلم فیم انزلت و لو اعلم احدا اعلم مِنی بِکتاب اللّٰه تبلُّغه الابل لرکبت اِلیه۔ (صحیح بخاری۔ جلد ۲۔ کتاب فضائل القرآن باب ۸۹۶، القراء من اصحاب النبی ، حدیث نمبر ۲۱۱۰، ص ۹۹۶)

ترجمہ: عمر بن حفص، حفص، اعمش، مسروق نے حضرت عبداللہ (بن مسعود) رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا، کہ انہوں نے کہا، کہ اس اللہ کی قسم جس کے سوائے کوئی معبود نہیں ہے، کتاب اللہ کی کوئی سورت بھی نازل ہوئی میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی اور جو آیت بھی اُتری اس کے متعلق میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی اور اگر میں کسی کے متعلق جانوں کہ وہ کتاب اللہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو اونٹ پر سوار ہو کر اس کے پاس جاؤں"۔

غور کیجئے کتاب اللہ کسے کہا جا رہا ہے کیا (نام نہاد) احادیث کو؟ سورتیں کس میں ہوتی ہیں؟ آیتیں کس میں ہوتی ہیں؟

نیز یہ بھی غور کیجئے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ، جو کہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، وہ کس چیز کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ اگر میں کسی کے متعلق جانوں کہ وہ کتاب اللہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو اونٹ پر سوار ہو کر اس کے پاس جاؤں"۔ ظاہر ہے کہ سورتوں اور آیتوں والی کتاب اللہ یعنی قرآن کریم کے متعلق ہی فرما رہے ہیں (نام نہاد) احادیث یا احادیث کی کتابوں (جن میں ایک کتاب میں دسیوں کتابیں اور سینکڑوں باب ہیں اور گھڑی گھڑائی ہر طرح کی روایتیں ہیں جنہوں نے سچی روایت کو بھی، اگر کوئی ہے، ظنی اور مشکوک بنا دیا ہے) کے بارے میں نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب اس دَور میں (نام نہاد) احادیث کا وحی کی حیثیت سے وجود ہی نہیں تھا تو پھر اس کے حاصل کرنے کے لئے ایک

صحابی کا اونٹ پر بیٹھ کر جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پھر سارا کا سارا قرآن کریم وہیں موجود ہے۔ کسی ٹکسال میں یا غار میں ڈھالا نہیں جارہا تھا۔ جبکہ بچارے محدثین خواہ مخواہ میں دشت و صحرا و غاروں میں ٹکسالیں ڈھونڈتے پھرے اور سازشی علم کو جمع کرتے رہے! یہ سمجھ کر کہ یہ وحی ہے! افسوس ان کی عقل میں اتنی سیدھی سادی بات نہیں آئی کہ وحی الٰہی اس طرح تتر بتر نہیں ہوسکتی اور نہ اس میں اوٹ پٹانگ و اختلافی باتیں ہوسکتی ہیں۔

**(۳۱)**۔ ...رسول اللہ سلامٌ علیہ کے صرف قرآن کریم ہی چھوڑ کر جانے کے بارے میں صحیح بخاری کی روایت ملاحظہ ہو:

حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا سفیٰن عن عبد العزیز بن رفیع قال دَخلتُ انا و شدّادُ بن معقل علی ابن عباس فقال لهٗ شداد بن معقل اترك النبی صلی الله علیه و سلم من شیءٍ قال ما ترك الا ما بین الدفتین قال و دخلنا علی محمد بن الحنفیة فسالناهُ فقال ما ترك الا ما بین الدفتین۔ (صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب التفسیر، ابواب فضائل قرآن، باب ۸ من قال لم یترك النبی الا ما بین الدفتین ۔ حدیث نمبر ۱۱، ص ۵۳)

ترجمہ: قتیبہ بن سعید، سفیان کہتے ہیں کہ عبدالعزیز کا بیان ہے کہ میں اور شداد بن معقل ابن عباس کے پاس گئے ان سے شداد بن معقل نے پوچھا کیا نبی ﷺ نے کوئی چیز چھوڑی ہے وہ بولے: کچھ نہیں سوائے اس کے جو دفتین (یعنی جِلد) کے درمیان ہے صرف وہی چھوڑا ہے: پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے بھی پوچھا، تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ (قرآن) جلد کے درمیان جو کچھ ہے اس کے علاوہ آپؐ نے اور کچھ نہیں چھوڑا۔

قارئین سوچ لیجئے کہ امام المحدثین نے اسی روایت میں دو صحابیوں کی گواہیاں دیدیں (حضرت ابن عباسؓ اور حضرت محمد بن حنفیہؒ) کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بین الدفتین "یعنی جو دو جلدوں کے درمیان اللہ کی کتاب ہے" اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چھوڑا۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں لکھ کر اور لکھوا کر چھوڑیں تو وہ سفید جھوٹ بولتا ہے!

موصوف نے اپنی کتابوں [1] میں بہت سی کتابوں کے بارے میں لکھا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے لکھیں تو یہ بہت بڑا مکر اور سفید جھوٹ ہے یونکہ:

۱۔ انہیں کے امام اوپر کی روایت میں ثابت کر چکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ترکہ میں سوائے مجلد قرآن کریم کے اور کچھ نہ چھوڑا تھا۔ یہاں ذرا یہ بھی غور کریں کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن مجید کو یونہی بے ترتیب پتھروں، پتوں اور دیگر چیزوں پر بغیر ترتیب غیر کتابی شکل میں چھوڑ گئے تھے؟ (جیسا کہ ہمارا مولوی کہتا ہے) یا پھر کتابی شکل میں ترتیب دیا اور دفتیوں میں مجلد کیا ہوا چھوڑ گئے تھے یعنی بین الدفتین جیسا کہ صحابی رسول حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ نے اس نام نہاد حدیث میں بتایا جو کہ بخاری ہی نے روایت کیا ہے۔

---

[1] دیکھئے "برہان المسلمین" ص ۲۰۸، "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" ص ۴۲۔ ۴۳ وغیرہ

۲۔ موصوف خود رسول سلامٌ علیہ کو اُمّی بمعنی ان پڑھ مانتے ہیں[1] تو پھر وہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں کیسے لکھ سکتے تھے؟

پس ثابت ہوا کہ زمانہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا وجود تک نہیں تھا!

**(۳۲)**۔ ... غور کیجئے کہ موصوف خود اپنی کتاب[2] میں "حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتاب" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

**ما عندنا شیءٌ الا کتاب اللہ و ھذہ الصحیفة عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم** (صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب المناسک، ابواب العمرۃ، باب حرم المدینہ، ص۲۶۹ وروی مسلم نحوہ، جلد۔۳، کتاب الحج، باب مدینہ کی فضیلت)

ترجمہ: ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے سوائے کتابُ اللہ کے اور اس صحیفہ کے جس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں"۔

غور کیجئے کہ پیچھے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور محمد بن حنفیہؒ یہ گواہی دے چکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے سوائے قرآن کریم کے اور کچھ نہیں چھوڑا تھا اور اس روایت میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ گواہی دے رہے ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ سلامٌ علیہ کے صحیفہ یعنی کتابُ اللہ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

غور کیجئے کہ موصوف نے اپنی ذہن پرستی کے نتیجہ میں روایت کے الفاظ کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے۔ انہوں نے "وَ ھٰذِہِ الصحیفة عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم" کا ترجمہ "اور اس صحیفہ کے جس میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث ہیں" کیسے کر دیا؟ عربی عبارت میں لفظ احادیث تو سرے سے استعمال ہی نہیں ہوا تو ترجمہ میں کہاں سے آ گیا؟ پھر خود عنوان لگا رہے ہیں "حضرت علیؓ کی کتاب" تو اس کو رسول اللہ سلامٌ علیہ کا کیسے بنا دیا؟

غور فرمایئے اوپر کی روایت کے الفاظ کا صحیح ترجمہ یہ ہو گا:

"ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے سوائے کتابُ اللہ کے یعنی یہ صحیفہ (جو) رسول اللہ ﷺ (کی طرف سے) ہے"

اگر و ھٰذِہ میں 'وَ' تفسیری نہ مانی جائے تو بھی ترجمہ یہ ہو گا:

"ہمارے پاس کوئی چیز نہیں ہے سوائے کتابُ اللہ کے اور یہی صحیفہ رسول اللہ ﷺ (کی طرف سے) ہے"

پس ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف قرآن کریم ہی چھوڑ کر گئے تھے اور کتاب اللہ بھی اسی کو مانا جاتا تھا۔ اور قرآن کریم کے علاوہ اس دَور خیر القرون میں کسی اور کتابی وحی کا وجود نہیں تھا۔

بہر حال اگر موصوف ہی کا غلط ترجمہ مان لیا جائے تب بھی تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی کتابُ اللہ صرف قرآن کریم ہی کو مانتے تھے اور (نام نہاد) احادیث و روایات کو کتابُ اللہ کے ساتھ شریک نہیں کرتے تھے ورنہ وہ کتاب اللہ اور صحیفہ کے الفاظ علیحدہ استعمال نہ کرتے یعنی موصوف کے ترجمہ کے

---

[1] تفسیر قرآن العزیز جلد۔۴۔ ص۱۵۵ (اُمّی = وہ شخص جس نے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو۔) غور کیجئے، معلم انسانیت اَن پڑھ تھا! (معاذ اللہ)

[2] "برہان المسلمین" باب کتابت احادیث، عنوان حضرت علیؓ کی کتاب، ص۲۲۲

مطابق بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب احادیث کا صحیفہ کتاب اللہ کے علاوہ تھا (جب رسول سلامٌ علیہ نے غیر اللہ کلام کو لکھنے سے منع کر دیا تھا تو پھر خلاف ورزیٔ رسول میں صحیفہ کہاں سے آ گیا؟)

پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث کتاب اللہ نہیں۔

اب ذرا اسی صحیح بخاری کی ایک اور روایت انہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاحظہ کرتے چلئے:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"هل عندكم كتاب قال لا الا كتاب الله او فهم اعطيهُ رجل مسلمٌ او ما فى هذهِ الصحيفة، قال قلت وما فى هٰذهِ الصحيفة قال العقل وَ فَكَاكُ الاسير ولا يقتل مسلم بكافر ( صحیح بخاری جلد ا کتاب العلم، باب ۸۱ كتابةِ العلم ، حدیث نمبر ۱۱۱، ص ۱۳۳)

ترجمہ: (ابو جحیفہؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ) آپ کے پاس قرآن کے علاوہ اور کوئی کتاب بھی ہے۔ حضرت علیؓ فرمانے لگے، نہیں، مگر اللہ کی کتاب ہے یا وہ سمجھ ہے جو ایک فرد مسلم کو عطا ہوتی ہے۔ یا پھر یہ صحیفہ ہے۔ (ابو جحیفہؓ) کہتے ہیں میں نے کہا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ کہا کہ اس میں عقل (کے مطابق) قیدی کے رہا کرنے کا طریقہ ہے اور یہ کہ کوئی مسلم کسی کافر کے عوض میں نہ مارا جائے"۔

غور کیجئے کہ اس روایت میں بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتنے واضح طور پر فرما رہے ہیں کہ ان کے پاس کتاب اللہ کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں ہے البتہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و فہم ہے جو ہر مسلم کو عطا ہوتی ہے (یعنی دین کا فہم) پھر وہ اپنے صحیفہ کا ذکر کرتے ہیں تو پوچھنے والے صحابی حضرت ابو جحیفہؓ پوچھتے ہیں کہ اس صحیفہ میں کیا ہے تو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس میں العقل ہے (یعنی وہ فہم جو انہوں نے کتاب اللہ سے حاصل کیا) قیدی کو رہا کرنے کے بارے میں اور یہ حقیقت کہ کوئی مسلم کسی کافر کے عوض میں نہ مارا جائے۔

غور کیجئے کہ دونوں روایتوں میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی سے سوال کیا جا رہا ہے اور انہیں کا جواب بتایا جا رہا ہے۔ مگر الفاظ میں اختلاف ہے۔ بہر حال ایک بات متفقہ ہے کہ وہ بھی کتاب اللہ، قرآن کریم ہی کو کہہ رہے ہیں۔ ایک روایت میں اسی کو رسول اللہ سلامٌ علیہ کا صحیفہ بتا رہے ہیں اور دوسری میں اپنے فہم کے مطابق مرتب کردہ صحیفہ بتا رہے ہیں۔ بہر حال وہ صحیفہ جس کسی کا بھی ہو اس کو وہ کتاب اللہ نہیں بتا رہے' نہیں مان رہے۔ پس ثابت ہوا کہ زمانہ خیر القرون میں صرف کتاب اللہ قرآن کریم ہی کو مانا جاتا تھا اور (نام نہاد) احادیث یا وحیٔ پوشیدہ، پوشیدہ ہی تھیں ان کا ظہور بعد از خیر القرون ہوا۔ اور روایتوں میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب صحائف دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہیں اس کا زندہ ثبوت یہ ہے کہ آج تک کسی غار سے یا یورپ کی کسی لائبریری سے رسول اللہ سلامٌ علیہ کا لکھا ہوا کوئی صحیفہ برآمد نہ ہو سکا۔ نہ تو ڈاکٹر حمید اللہ کو ملا نہ ہی علامہ ناصر الدین البانی کو ملا اور نہ ہی ہمارے موصوف کو ملا۔

**(۳۳)۔** ...اسی صحیح بخاری کے اسی باب "كِتَابَةِ الْعِلْمِ" کی اگلی روایت کا آخری حصہ بھی ملاحظہ کرتے چلئے۔ یہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا مکہ میں ایک خطبہ ہے قبیلہ بنی لیث کے کسی شخص کے قتل کئے جانے کے موقعہ پر آپ دے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

ترجمہ: "اللہ نے مکہ سے فیل کو یا قتل کو روک لیا۔ اپنے رسول اور مسلمین کو ان پر غالب کر دیا، آگاہ

رہو مکہ (میں قتال کرنا) نہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال ہوا ہے اور نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہو گا۔ میرے لئے بھی صرف دن کے تھوڑے حصہ کے لئے حلال کیا گیا تھا۔ آگاہ رہو وہ اس وقت حرام ہے۔ اس کا کانٹا نہ توڑا جائے اور اس کا درخت نہ کاٹا جائے اور اس کی گری ہوئی چیز صرف وہی شخص اُٹھائے، جس کا مقصد یہ ہو کہ وہ اس کا اعلان کر کے مالک تک پہنچائے گا۔ اور جس کا کوئی (عزیز) قتل کیا جائے تو وہ مختار ہے کہ ان (ذیل کی) دو صورتوں میں سے ایک صورت پر عمل کر لے، یا تو دیت لے لے یا قصاص لے لے، اتنے میں ایک شخص اہل یمن میں سے آگیا اور اس نے کہا یا رسول اللہ میرے لئے لکھ دیجئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ابو فلاں کے لئے لکھ دو، پھر قریش کے ایک شخص نے کہا کہ (یا رسول اللہ) اذخر کے سوا (اور چیزوں کے کاٹنے کی ممانعت فرمایئے، اور اذخر کی ممانعت نہ فرمایئے) اس لئے کہ ہم اس کو اپنے گھروں میں اور قبروں میں استعمال کرتے ہیں، تو نبی ﷺ نے فرمایا: (ہاں) اذخر کے سوا، اذخر کے سوا، اذخر کے سوا (اور اشیاء کے کاٹنے کی ممانعت ہے)"۔[1]

غور کیجئے کہ آپ کے امام المحدثین بخاری اس روایت کو یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کر رہے ہیں (اور دیگر ان کے مقلد اہلحدیث بھی پیش کرتے ہیں) کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اہل یمن میں سے ایک شخص کے لئے اس خطبہ کو لکھوا دیا تھا گویا کہ (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ لکھنے کی آپ نے اجازت دی ہوئی تھی!

اب اسی چیز کو ذہن میں رکھتے ہوئے ذرا روایت کے الفاظ پر بھی غور کر لیجئے:

۱۔ اگر یہ خطبۂ رسول لکھوا دیا گیا تھا تو کم از کم اس کے الفاظ تو محفوظ ہونے چاہئے تھے۔ مگر یہ لکھا جا رہا ہے کہ اللہ نے "فیل" یا "قتل" کو مکہ سے روک لیا!

۲۔ ابو فلاں کون شخص تھا جس کے لئے خطبہ لکھا گیا؟

۳۔ کس شخص نے لکھا؟

۴۔ وہ وحی کہاں ہے کہ مکہ میں قتال دن کے تھوڑے حصہ کیلئے حلال کیا گیا تھا؟ اور پھر کون کون قتل کیا گیا تھا؟ اور کیوں؟

۵۔ مکہ کا کانٹا بھی نہ توڑا جائے اور اس کا درخت بھی نہ کاٹا جائے! تو کیا اس وحی پر عمل ہوتا ہے؟ کیا وہاں صفائی ستھرائی نہیں کی جاتی، کیا وہاں ہر چیز ختم کر کے خانہ کعبہ کی مسجد کی توسیع نہیں کی جاتی؟ اگر نہ وہاں گھاس کاٹی جاتی، نہ درخت یا پودے کاٹے جاتے تو پھر تو آج چودہ سو سال کے بعد وہاں بہت ہی گھنا جنگل ہونا چاہئے تھا! مگر نہیں وہ تو انتہائی صاف ستھری جگہ ہے!

۶۔ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اذخر گھاس کاٹنے کی ممانعت فرمادی تھی تو پھر تو آج وہاں ہر طرف اذخر گھاس ہی گھاس اور وہ بھی چودہ سو سالہ پرورش پائی ہوئی اونچی اونچی ہوتی!

۷۔ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ کے منہ مبارک سے نکلی ہوئی ہر بات حدیث اور وحی ہوتی تھی تو پھر قریش کے ایک شخص (جس کا نام تک تحریر شدہ وحی میں نہیں ہے!) کے کہنے پر فوراً وحی تبدیل کیسے ہو گئی (کہ اچھا

---

[1] صحیح بخاری، جلد۔۱، کتاب العلم، باب ۸۱، كِتَابَةِ الْعِلْمِ، حدیث نمبر ۱۱۲، ص ۱۳۴۔

اذخر گھاس کے سوا اور اشیاء کاٹنے کی ممانعت ہے!)؟

غور کیجئے کہ یہ کتنا بڑا دھوکہ ہے اور یہی ثابت کرتا ہے کہ نہ تو قرآن کے علاوہ کچھ اور رسول سے لکھنے کی اجازت تھی اور نہ ہی قرآن کے علاوہ وحی پوشیدہ کا کوئی وجود عام مسلمین کے لئے زمانہ خیر القرون میں تھا۔ یہ سب سازش کے تحت بعد میں کیا گیا اور بقول امام مسلم کے بڑے بڑے (نام نہاد) صالحین اس میں شامل رہے۔

## شبِ قدر کے بارے میں مختلف فیہ احادیث شریف

**(۳۴)۔** ... امام المحدثین بخاری کی ایک روایت ملاحظہ ہو:

"حدثنا ابو الیمان قال اخبرنا شعیب قال حدثنا ابوا الزّنادِ عن الاعرج عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه و سلم من یقم لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر لهٗ ماتقدم من ذنبه

ترجمہ: ابوالیمان، شعیب، ابولزناد، اعرج، ابوہریرہؓ سے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ایمان دار ہو کر ثواب جان کر شب قدر میں بیدار رہے تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے"[1]

غور کیجئے کہ یہ شب قدر کی شان بتائی جارہی ہے کہ اگر کوئی ایماندار ہو کر اور ثواب جان کر شبِ قدر میں بیدار رہے تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ (قطع نظر اس کے کہ مترجمین صاحبان نے اِحْتِسَابًا کا ترجمہ صحیح کیا ہے یا نہیں) آپ یہ غور کیجئے کہ شب قدر میں کیا عمل کرنے کو کہا جارہا ہے؟ بیدار رہنا! تو کیا رات بھر بیدار رہنا اتنا زبردست صالح کام ہے کہ اگلے گناہ معاف کر دیئے جانے کی بشارت دی جارہی ہے؟ واہ واہ وارے نیارے ہو گئے بس شب قدر میں (رات بھر) جاگ لو اس کے بعد آئندہ زندگی دل کھول کر گناہ کرتے رہو سب معاف ہو جائیں گے!

کہئے کیا یہی اسلام ہے؟

کیا یہ اور اسی قسم کی روایات کی وجہ سے ہمارے مُلّا اور عام مسلمان میں کبر و نخوت نہیں پیدا ہوتا کہ وہ جو چاہے جھوٹ بولتا رہے، دھوکہ دہی کرتا رہے، کم تولتا رہے، ملاوٹ کرتا رہے، رشوت لیتا رہے اور دیتا رہے، غبن کرتا رہے، اسمگلنگ کرتا رہے، لوگوں کا مال زبردستی اور دھوکہ سے ہتھیاتا رہے، ظلم کرتا رہے .............. مگر بس شبِ قدر میں جاگ لے تو وہ بخشا بخشایا ہوا ہو جائے گا! معاذ اللہ۔

اور ملاحظہ ہو! ہمارے موصوف تو اس سے بھی آگے بڑھ گئے فرماتے ہیں:

"رات کے وقت آنکھ کھلے تو یہ ثناء پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ اَلحمدُ لِلّٰهِ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

[1] صحیح بخاری جلد۔ ۱، کتاب الایمان، باب ۲۵ قِيَامُ لَيْلَةِ الْقَدرِ من الایمان ۔ حدیث نمبر ۳۴، ص ۹۹۔ (نوٹ: یہ روایت مختلف سندوں سے کتاب الصیام میں بھی بیان کی گئی ہے)

پھر اَللّٰھُمَّ اغْفِرلِیْ کہے یااور کوئی دعاء مانگے تواس کی دعاء قبول ہو گی۔[1]

لیجئے اب توایک رات بھر جاگنے کی زحمت بھی نہیں کرناپڑے گی، نہ ہی ایمان واحتساب کے ساتھ کی شرط رہی، بس جب کبھی رات کو سوتے میں آنکھ کھل جائے یہ ثناء پڑھ لیجئے اور اَللّٰھُمَّ اغْفِرلِیْ کہہ لیجئے (یعنی اے اللہ میری مغفرت کر دے / بخش دے) تو آپ بخش دیئے جائیں گے۔ (موصوف کے پاس اکثر ان کے متبعین آکر یہ خبر سناتے تھے، جب میں بھی ان کا اطاعت گزار و طالبعلم تھا، کہ آج رات ہماری آنکھ کھلی تھی اور ہم نے مغفرت کی دعاء کرلی۔ تو موصوف اس کو خوشخبری دے دیا کرتے تھے اور اس طرح وہ متبع خوش ہو جاتا تھا کہ اب بخشا بخشایا ہو گیا)۔ کہیۓ بخشش یا مغفرت کتنی آسان ہو گئی ہے! جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: "(اے ایمان والو!) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں ان لوگوں جیسی مصیبتیں تمہیں ابھی پیش نہیں آئیں، ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب جھنجوڑے گئے یہاں تک کہ رسول اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے پکار اُٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، (اللہ تعالیٰ نے فرمایا) خبر دار ہو جاؤ، اللہ کی مدد عنقریب آنے والی ہے" (البقرہ، آیت نمبر ۲۱۴، تفسیر عزیز۔ جلد ا۔ ص ۵۶۷)، (مزید دیکھئے آل عمران کی آیت نمبر ۱۴۲، توبہ آیت نمبر ۱۶)

غور کیجئے، یہ ہے نمونہ قرآنی تعلیم کو مسخ کرنے کا یا تبدیل کرنے کا۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے بھی تو مشرکین یہی فرمائش کرتے تھے کہ اُف قرآن کے مطابق تو مغفرت ہونا آسان نہیں۔ جنت میں آسانی سے داخل نہیں ہو سکتے اس لئے اس قرآن کو بدل لائیے (۱۵/۱۰)۔ تو بعد والوں نے قرآن بدل کر حدیث دے دی اور جنت میں داخلہ بغیر ٹکٹ حاصل کئے کتنا آسان کر دیا! کہئے کیا اب بھی آپ کو قرآن کریم کے خلاف سازش میں کوئی شک رہ گیا؟ کیا واقعی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جنت میں داخلہ کے بارے میں تین آیات (۲/۲۱۴، ۳/۱۴۲، ۹/۱۶) اتنے واضح الفاظ میں ہوتے ہوئے اس طریقہ کو بدل دیا تھا کہ بس شب قدر میں جاگ لو یارات میں آنکھ کھلنے پر دعا کر لو تو مغفرت ہو جائے گی اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے؟ یا یہ وحی پوشیدہ، وحی جلی کے خلاف آگئی تھی؟

پس کیا ثابت نہیں ہوتا کہ دَورِ خیر القرون میں صرف قرآن کریم ہی کا وجود تھا اور (نام نہاد) حدیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔

اب آگے بڑھنے سے پہلے ذرا شب قدر کی اصلیت بھی جانتے چلئے کہ یہ شب کب آتی ہے۔ امام المحدثین بخاری فرماتے ہیں:

(ا)۔ "حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا اسمٰعیل بن جعفر عن حمید عن انس قال اخبرنی عبادة بن الصامت ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم خرج یخبر بلیلة القدر

---

[1] کتاب "دَعَوَاتُ المُسلِمِین" از جماعت المسلمین، اشاعت ثانی ۱۹۸۲ء، ص ۳۵۔ (بحوالہ صحیح بخاری، جلد ا۔ ابواب تقصیر الصلوٰة، باب ۳۴۷ فَضْل من تعارّ من اللّیل فَصَلّی. ص ۴۵۲)۔ برصغیر ہندو پاک کے ایک فرقہ کے لوگ مرنے کے بعد سوالاکھ مرتبہ کلمہ شریف پڑھواتے ہیں، قُل شریف پڑھواتے ہیں اور قرآن کریم ناظرہ ختم کروا کر مردہ کو بخشواتے ہیں۔ انہیں موصوف سے یہ آسان نسخہ لے لینا چاہیئے!

فتلاحٰی رجلان من المسلمین فقال انی خرجت لاخبرکم بلیلۃ القدر و انہ تلاحٰی فلانٌ و فُلانٌ لرُفعت و عسٰی ان یکون خیرًا لکم فاُلتمسوھا فی السبعِ و التِّسع و الخمسِ

ترجمہ: قتیبہ بن سعید، اسمٰعیل بن جعفر حمید، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے عبادہؓ بن صامت نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک مرتبہ لوگوں کو) شب قدر بتانے کے لئے نکلے مگر (اتفاق سے اس وقت) دو مسلمین باہم لڑ رہے تھے آپؐ نے فرمایا کہ (اس وقت) میں اس واسطے نکلا تھا کہ تمہیں شب قدر بتا دوں، مگر (چونکہ) فلاں اور فلاں باہم لڑے، اس لئے (اس کی خبر دنیا سے) اُٹھالی گئی اور شاید یہی تمہارے حق میں مفید ہو، (اب) تم شب قدر کو رمضان کی ستائیسویں اور انتیسویں اور پچیسویں (تاریخوں) میں تلاش کرو"۔[1]

غور کیجئے کہ وحی (پوشیدہ) آ رہی ہے اور رسول وہ بتانے کیلئے نکلتے ہیں تو دو مسلمین کو لڑتا ہوا پاتے ہیں (ہماری سازشی تاریخ رسول کے بعد بھی مسلمین کو باہم دست و گریبان ہی نہیں بلکہ جنگ و جدال و قتال کرتے ہوئے بتاتی ہے) تو وہ وحی ان دو فلاں اور فلاں کے باہم لڑنے کی وجہ سے اُٹھالی جاتی ہے!

کہئے کیا یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے کہ دو آدمیوں کے باہم دست و گریباں ہونے کی سزا پوری امت کو دیدی گئی؟ یہ کونسا عدل ہے[2]؟ کیا وحی بھیجتے وقت اللہ کو معلوم نہ تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے کہ دو مسلمین باہم دست و گریباں ہو جائیں گے اس لئے اس وقت وحی نہ بھیجو؟ (معاذ اللہ)۔ پھر جب اس وحی (پوشیدہ) کو اُٹھا ہی لینا تھا تو بھیجا ہی کیوں تھا؟

مزید غور کیجئے کہ جب وحی (پوشیدہ) اٹھالی گئی اور آسمانی غار میں ہمیشہ کیلئے پوشیدہ کر دی گئی تو پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ یہ کیسے کہہ رہے ہیں کہ شب قدر کو رمضان کی ساتویں اور نویں اور پانچویں تاریخوں میں تلاش کرو؟

کونسی بات صحیح ہے کہ وحی پوشیدہ اُٹھالی گئی یا یہ تین تاریخیں؟

غور کیجئے! آنکھیں کھولئے! دماغ کھولئے!

یہی امام المحدثین بخاری آگے فرماتے ہیں (میں صرف ترجمہ ہی لکھتا ہوں ورنہ کتاب کا حجم بڑھتا جا رہا ہے) ملاحظہ ہو:

(۲)۔ ترجمہ: "عبد اللہ بن یوسف، مالک، نافع، ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کے صحابہ میں سے چند افراد کو شب قدر خواب میں آخری سات راتوں میں دکھائی گئی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب آخری سات راتوں میں متفق ہو گئے ہیں اس لئے اس کا تلاش کرنے والا اسے آخری سات راتوں میں تلاش کرے"۔[3]

غور کیجئے کہ اب وحی (پوشیدہ) صحابہ پر بھی بطور خواب آنے لگی اپنی اصلی شکل میں (یاد ہوگا کہ نبی مکرم حضرت

---

[1] صحیح بخاری، جلد۔۱، کتاب الایمان، باب ۳۶، حدیث نمبر ۴۷، ص ۱۰۴ (قارئین نوٹ کر لیجئے کہ مترجمین نے السَّبْعِ والتِّسعِ والخَمسِ کا ترجمہ صحیح نہیں کیا۔ صحیح ترجمہ ہو گا ساتویں اور نویں اور پانچویں (تاریخوں) میں تلاش کرو۔ [2] خیال رہے کہ مسلمانوں کے ایک فرقہ میں عدل بنیادی اعتقادات میں شامل ہے۔ [3] صحیح بخاری جلد۔۱، کتاب الصیام، باب ۱۲۵۴ اِلْتِماَسِ لَیْلَۃِ الْقَدرِ فِی السَّبعِ الاَوَاخِرِ، حدیث نمبر ۱۸۷۹، ص ۱۱۷

ابراہیم علیہ السلام پر بھی موصوف کے مطابق، وحی خواب ہی کی صورت میں آئی تھی اور اپنی اصلی شکل میں کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ ۱۰۲ /۳۷) اور رسول اللہ سلامٌ علیہ اس کی تصدیق بھی کر رہے ہیں کہ "تمہارے خواب آخری سات راتوں میں متفق ہو گئے ہیں اس لئے انہیں آخری سات راتوں میں تلاش کرو"۔

غور کیجئے کہ پچھلی وحی (پوشیدہ) جو کہ اُٹھالی گئی تھی اس کے اٹھائے جانے کے بعد رسول کو کیسے معلوم ہوا تھا کہ ستائیسویں، انتیسویں اور پچیسویں تاریخوں میں یعنی تین تاریخوں میں شب قدر تلاش کرنا ہے؟ اور اب صحابہؓ کی متفقہ وحی (پوشیدہ) سے معلوم ہوا کہ آخری سات راتوں میں شب قدر تلاش کرنا ہے! تو یہ تین راتوں کی سات کیسے بن گئیں؟

آگے دیکھئے اگلی روایت میں امام المحدثین بخاری کیا فرماتے ہیں:

(۳)۔ ترجمہ: "معاذ بن فضالہ، ہشام، یحییٰ، ابو سلمہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابو سعید جو میرے دوست تھے ان سے میں نے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ ہم نے نبی ﷺ کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا آپؐ بیس (۲۰) کی صبح کو باہر نکلے اور ہم لوگوں کو خطبہ سنایا، فرمایا کہ مجھے شب قدر دکھائی گئی پھر میں اسے بھول گیا یا یہ فرمایا کہ بھلا دیا گیا۔ اس لئے اس کو آخری عشرے میں طاق راتوں میں تلاش کرو اور میں نے خواب میں دیکھا کہ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اس لئے جس نے رسول اللہ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ واپس ہو جائے۔ اور آسمان میں بدلی کا کوئی ٹکڑا بھی ہم کو نظر نہیں آرہا تھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بارش ہونے لگی۔ یہاں تک کہ مسجد کی چھت سے پانی بہنے لگا۔ جو کھجور کی ٹہنیوں سے جمی ہوئی تھی۔ اور نماز پڑھی گئی تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ یہاں تک کہ آپؐ کی پیشانی پر مجھے کیچڑ کا اثر دکھائی دیا"۔[1]

غور کیجئے کہ یہ وحی (پوشیدہ) تو بہت ہی واضح باتیں بتا رہی ہے:

۱۔ نبی سلامٌ علیہ کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے، کہئے آپ لوگ کون سے عشرہ میں اعتکاف کرتے ہیں؟

۲۔ آپ بیس رمضان کی صبح کو اعتکاف پورا کر کے باہر نکلے۔ کہئے آپ کونسی تاریخ کو اعتکاف پورا کر کے باہر نکلتے ہیں؟

۳۔ بیس (۲۰) رمضان کی صبح اعتکاف پورا کر کے آپ نے صحابہؓ کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ آپ کو شب قدر دکھائی گئی (یعنی اس گذری ہوئی رات کو یعنی بیسویں شب کو)

۴۔ آپ نے خطبہ میں یہ بھی فرمایا کہ پھر آپ شب قدر جو کہ دکھائی گئی تھی اسے بھول گئے یا بھلا دیئے گئے۔

(۱)۔ بھولنے کی یا بھلائے جانے کی کیا وجہ ہوئی یہ کچھ نہیں بتایا جبکہ پچھلی روایت میں دو مسلمین کا آپس میں دست و گریباں ہونے کی وجہ سے وحی (پوشیدہ) اُٹھالی گئی تھی۔

(۲)۔ نبی وحی (پوشیدہ) ہی بھول گیا گویا کہ ان کا حافظہ اتنا کمزور تھا کہ صرف تاریخ یاد نہ رکھ سکے! معاذ اللہ۔ جبکہ امام المحدثین کا حافظہ اتنا اچھا تھا کہ انہوں نے مختلف ٹکسالوں کی چھ لاکھ پوری پوری احادیث مع راویوں کے نام اور ان کے باپوں کے نام کے یاد رکھی ہوئی تھیں! کہئے دونوں میں فرق نمایاں ہوا کہ نہیں؟ اور یہی سازش ہے کہ نبی کا مرتبہ کم کر دیا جائے! معاذ اللہ

---

[1] ایضاً۔ حدیث نمبر ۱۸۸۰۔ ص ۱۱۷۔

(۳)۔ اور اگر یہ مان لیا جائے کہ نبی کا حافظہ بھی اچھا تھا، وہ خود نہیں بھولے بلکہ بھلا دیئے گئے تو سنئے اللہ تعالیٰ تو ببانگ دہل فرماتا ہے کہ:

...............سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۙ‎ ........ہم تمہیں پڑھا دیں گے کہ تم بھولو گے نہیں۔(۸۷/۶)

............تو کیا یہ اعلان وحی پوشیدہ کے لئے نہیں تھا کہ ہم جو کچھ تم کو پڑھا دیں گے یا بتادیں گے وہ تم بھولو گے نہیں یونکہ تم نے تبلیغ کرنا ہے اور معلم بننا ہے۔(حالانکہ بقول موصوف کے وحی پوشیدہ بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی پر آتی تھی۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اوپر والی روایت میں وہ صحابہ پر بھی خواب میں آگئی تھی) تو یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول تو بھلا دیا جائے مگر امام المحدثین کو نہ بھلایا جائے؟

۵۔ پھر آپ نے فرمایا چونکہ آپ بھول گئے یا بھلا دیئے گئے اس لئے اسے آخری عشرہ میں طاق راتوں میں تلاش کرو۔ غور کیجئے کہ جب آپ بھول گئے یا بھلا دیئے گئے تو پھر اب کس بنا پر کہہ رہے ہیں کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو؟ گویا کہ آپ کو خود رمضان کے دوسرے عشرہ میں جبکہ آپ اعتکاف میں تھے شب قدر نہیں ملی، جب ہی تو آپ آخری عشرہ میں تلاش کرنے کیلئے فرما رہے ہیں! لیکن جب آپ بھول گئے یا بھلا دیئے گئے تو پھر طاق رات کا مسئلہ کہاں سے یاد آ گیا؟

۶۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ آپ نے (دورانِ اعتکاف) خواب میں دیکھا کہ پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہے ہیں۔ پس جس نے آپ کے ساتھ اعتکاف کیا ہے وہ واپس ہو جائے۔(اور یہ خواب اسی وقت پورا ہو گیا)

۷۔ راوی کہتا ہے کہ اس وقت آسمان میں بدلی کا کوئی ٹکڑا بھی ہم کو نظر نہیں آ رہا تھا کہ بادل کا ایک ٹکڑا نمودار ہوا اور بارش ہونے لگی۔ یہاں تک ک مسجد کی چھت سے ے پانی بہنے لگا............... اور نماز پڑھی گئی تو میں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو پانی اور کیچڑ میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا یہاں تک کہ آپ کی پیشانی پر مجھے کیچڑ کا اثر دکھائی دیا!

(۱)۔ غور کیجئے کہ راوی نے یہ نہیں بتایا کہ صبح کے وقت یہ کونسی نماز پڑھی گئی تھی آیا کہ یہ فجر کی نماز تھی یا اشراق کی؟ یونکہ بات صبح ہی صبح کی ہے جبکہ خطبہ ہو رہا تھا اس وقت کی ہو رہی ہے تو بارش ہو جانے کے بعد کیا فجر کا وقت ختم ہو رہا تھا جو کیچڑ پانی میں نماز پڑھی گئی یا کیا اشراق کی نماز بھی باجماعت ہوئی تھی؟

(۲)۔ مزید غور کیجئے کہ رسول کی پیشانی کو بھی مٹی یا کیچڑ سے آلودہ کر دیا گیا! ایک اور موقعہ پر ان کے چچا زاد (اور بعد میں امیر المومنین و خلیفہ راشد) کو بھی مٹی میں آلودہ کر کے ان کا تخلص ہی ابو تراب کر دیا گیا[1]! غور کیجئے کہ یہ کس ٹکسال میں ہوا؟

(۳)۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو پھر تو بیسویں رات ہی شب قدر تھی جب ہی تو صبح بارش ہو گئی اور رسول نے پانی و کیچڑ میں نماز ادا کی۔

(۴)۔ جب بارش ہونے کے بعد شب قدر کی تصدیق ہو گئی کہ وہ تو بیسویں رات تھی تو پھر رسول اللہ سلامٌ

[1] یہ "ابوتراب" یعنی مٹی کا باپ بڑا ہی معنی خیز تخلص ہے! جبکہ ایک فرقہ (یا مذہب) مٹی کو "دھرتی ماتا" یعنی "مٹی ماں ہے" کہتا اور مانتا ہے! غور کیجئے یہ کس ٹکسال کا سکّہ ہے؟

علیہ نے اپنا پچھلا اعلان کہ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شب قدر تلاش کرو کیوں نہیں منسوخ کیا؟

(۵)۔ اس تصدیق کے بعد دوسری وحی (پوشیدہ) کی کیا حیثیت رہ گئی جن میں کسی روایت میں کوئی رات بتائی جارہی ہے اور کسی میں کوئی؟ اب آپ خود سوچتے رہیے۔

.........اب آگے امام المحدثین بخاری کی اگلی روایت ملاحظہ کیجئے:

(۴)۔ ترجمہ: ''قتیبہ بن سعید، اسمٰعیل بن جعفر، ابو سہیل اپنے والد سے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈو''[1]

غور کیجئے یہاں بات سیدھی سادھی ہورہی ہے اور باقی کہانی غائب ہے۔(امام صاحب نے باب بھی تبدیل کر دیا ہے، پچھلی دونوں روایات کا باب تھا: ''شب قدر کو آخری سات راتوں میں ڈھونڈنا'' اور اب اگلی ہی روایت کا باب ہے: ''شب قدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ڈھونڈنا، اس کے راویوں میں عبادہ بھی ہیں''۔) چلئے آگے بڑھتے ہیں، امام المحدثین کی اگلی روایت ملاحظہ ہو:

(۵)۔ ترجمہ: ''ابراہیم بن حمزہ، ابن ابی حازم دراوردی' یزید بن محمد بن ابراہیم، ابوسلمہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے۔ جب بیسویں رات گذرنے لگتی اور اکیسویں رات کی آمد ہوتی تو اپنے گھر کو واپس آتے اور جو لوگ آپ کے ساتھ اعتکاف میں ہوتے وہ بھی واپس آجاتے۔ ایک مرتبہ ایک رمضان کو آپ اس رات میں اعتکاف میں رہے جس میں آپؐ واپس ہوجاتے تھے۔ اس کے بعد آپؐ نے لوگوں کے سامنے خطبہ پڑھا اور جو کچھ اللہ نے چاہا اس کا آپؐ نے حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ میں اس عشرہ میں اعتکاف کرتا تھا۔ مگر اب ظاہر ہوا کہ اس آخری (عشرہ) میں اعتکاف کروں۔ اس لئے جو لوگ میرے ساتھ اعتکاف میں ہیں وہ اپنے اعتکاف کی جگہ میں ٹھہرے رہیں اور مجھے خواب میں شب قدر دکھائی گئی، پھر وہ مجھ سے بھلا دی گئی اس لئے اسے آخری (عشرہ) اور ہر طاق راتوں میں تلاش کرو۔ اور میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ پھر اس رات آسمان سے گرج کے ساتھ پانی برسا، اور نبی ﷺ کے نماز پڑھنے کی جگہ مسجد ٹپکنے لگی، وہ اکیسویں کی رات تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ آپؐ نماز صبح سے فارغ ہوئے اور آپ کا چہرہ کیچڑ اور پانی سے بھرا ہوا تھا''۔[2] (معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ پیچھے کی طویل روایت کے راوی بھی ابوسعید ہیں اور اس کے بھی پھر بھی دونوں میں فرق ہے:

۱۔ یہاں یہ تو واضح ہوگیا کہ (شروع میں) رسول اللہ سلامٌ علیہ درمیانی عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے اور اب آخری عشرہ میں کرنے کا فرمایا۔ مگر پیچھے کی روایت میں بیس کی صبح کو اعتکاف مکمل کر کے نکلتا ہوا بتایا گیا پھر اسی صبح بارش ہوئی گویا کہ تصدیق ہوئی کہ بیسویں شب، شبِ قدر تھی۔ مگر اس روایت میں ہے کہ وہ

---

۱۔ ایضاً، باب ۱۲۵۵، تَحَرِّیُ لَیْلَةِ القدرِ فی الْوِتْرِ من العشرِ الاواخِرِ فیه عبادة۔ حدیث نمبر ۱۸۸۱، ص ۱۱۷۔ ۲۔ ایضاً، حدیث نمبر ۱۸۸۲، ص ۱۱۷

اکیسویں شب تھی۔ اب غور کیجئے کہ کون بھولا؟

۲۔ اکیسویں شب کو شبِ قدر ہو جانے کے باوجود یہی کہا جارہا ہے کہ آخری عشرہ کی ہر طاق راتوں میں تلاش کرو!

۳۔ آپ پہلے رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے تو یہ کس وحی کے حکم کے تحت کرتے تھے؟ امام المحدثین نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا!

۴۔ موصوف کے مطابق رسول سلامٌ علیہ کا ہر فعل اور ہر لفظ وحی کے تابع تھا تو یقیناً دوسرے عشرہ میں اعتکاف کرنے کے لئے وحی (پوشیدہ) آئی ہو گی۔ وہ کہاں ہے؟

۵۔ اور اب جبکہ وحی (پوشیدہ) نے اپنا حکم کسی پوشیدہ مصلحت کے تحت بدل دیا تو اس کی کیا وجہ تھی؟ لاؤ وحی پیش کرو! ورنہ ہم پیش کرتے ہیں۔ سنو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

........"لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ........ اللہ کی باتیں بدلا نہیں کرتیں"[۱] (۶۴/۱۰، ۲۹/۵۰)

........تو پھر اللہ کی یہ بات کیسے بدل گئی کہ پہلے وحی آئی ہو کہ رمضان کے دوسرے عشرہ میں اعتکاف کرو، پھر وحی آئی کہ آخری عشرہ میں اعتکاف کرو۔ اب چونکہ موصوف کے پاس اس قسم کی کوئی وحی نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ اللہ کی وحی یا اس کا ہر حکم ببانگِ دہل ہوتا تھا اور وہ قرآن کریم میں لکھ دیا جاتا تھا اور محفوظ ہو جاتا تھا۔

اب امام المحدثین بخاری کی اگلی روایت ملاحظہ ہو (یہ اسی باب میں ہے):

(۶)۔ "محمد بن مثنیٰ، یحییٰ، ہشام، عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: شب قدر تلاش کرو"[۲]

کہئے کیا سمجھ میں آیا؟ اب ساری شرائط (رمضان، آخری عشرہ، طاق راتیں) ختم ہو گئیں! یعنی سارا سال ہی شب قدر تلاش کرتے رہو! کیا موصوف یا ان کے متبعین سارا سال شب قدر تلاش کرتے ہیں؟

اب امام المحدثین بخاری کے اسی باب کی اگلی روایت ملاحظہ ہو:

(۷)۔ ترجمہ: "محمد، عبدہ، ہشام بن عروہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں ڈھونڈو"[۳]

غور کیجئے پچھلی روایت اور اس روایت میں کتنا فرق ہو گیا! حالانکہ تقریباً سارے راوی وہی ہیں (سوائے ایک کے)۔ اب پھر آخری عشرہ میں ڈھونڈنے کو کہا جارہا ہے مگر طاق راتوں کی شرط نہیں ہے!

چلئے اب امام المحدثین بخاری کے اسی باب کے تحت اگلی روایت ملاحظہ کر لیجئے۔

(۸)۔ ترجمہ: "موسیٰ بن اسمٰعیل، وہیب، ایوب، عکرمہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے

---

۱۔ سورہ یونس آیت ۶۴، تفسیر قرآن عزیز، جلد ۵۔ ص ۱۴۵۔ ۲۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الصیام، باب ۱۲۵۵، تَحَرِّی لیلة القدر فی الوتر من العشرِ الاواخر فیه عبادة. حدیث ۱۸۸۳، ص ۱۲۷۔ ۳۔ ایضاً، حدیث ۱۸۸۴، ص ۱۲۷

ہیں کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں ڈھونڈو، اور شبِ قدر اِن راتوں میں ہے، جب نَو یا سات یا پانچ (راتیں) باقی رہ جائیں"[1]

کہیئے اس وحی پوشیدہ سے آپ کو کیا ملا؟ میرا حساب تو بہت کمزور ہے اب آپ حساب لگاتے رہیئے کہ جب نَو یا سات یا پانچ راتیں باقی رہ جائیں تو وہ کونسی راتیں ہوں گی؟ چلیئے شکر ہے کہ آخری عشرہ کی تمام طاق راتوں سے کم ہو کر تین رہ گئیں۔

امام المحدثین بخاری کے اسی باب کے تحت اگلی روایت بھی ملاحظہ کر لیجئے:

(۹)۔ ترجمہ: "عبد اللہ ان ابی لاسود، عبد الواحد، عاصم، ابی مِجْلَزٍ اور عکرمہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ وہ (شب قدر) عشرہ میں ہے جب نو راتیں گذر جاتیں یا سات راتیں باقی رہتیں۔ عبد الوہاب نے ایوب سے اور ابو حالد نے بواسطہ عکرمہ، ابن عباسؓ روایت کیا کہ چوبیسویں رات میں ڈھونڈو"[2]

کہیئے قارئین اس وحی پوشیدہ میں بھی عکرمہ ہی حضرت ابن عباسؓ سے روایت کر رہے ہیں اور اس روایت کو امام المحدثین تیسری صدی ہجری میں امت مسلمہ کے لئے محفوظ کر رہے ہیں۔ اب بتایئے امت کون سی رات میں شب قدر تلاش کرے؟

امام المحدثین بخاری کے اسی باب کی اب آخری روایت بھی ملاحظہ کر لیجئے جس کی وجہ سے انہوں نے باب میں "فِیْهِ عُبَادَةُ" (اس کے راویوں میں عبادہ بھی ہیں) بڑھائے ہیں۔

(۱۰)۔ ترجمہ: "محمد بن مثنیٰ، خالد بن حارث، حمید، انس، عبادہ بن صامتؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم باہر تشریف لائے تا کہ ہم کو شب قدر بتائیں (کہ کس رات میں ہے) دو مسلمان آپس میں جھگڑنے لگے۔ آپؐ نے فرمایا میں اس لئے آیا تھا کہ تمہیں شب قدر بتاؤں، لیکن فلاں فلاں شخص جھگڑنے لگے اس لئے (اس کا علم مجھ سے) اُٹھا لیا گیا، اور ممکن ہے اسی میں تمہاری بہتری ہو اس لئے اس کو نویں، ساتویں اور پانچویں راتوں میں ڈھونڈو"۔[3]

قارئین غور کیجئے کہ یہ دس (۱۰) احادیث شریف ایک ہی امام المحدثین کی ایک ہی کتاب صحیح بخاری میں امام صاحب نے جمع کی ہیں اور سوائے پہلی کے باقی نو ایک ساتھ ہی دو ابواب میں۔ جبکہ پہلی اور آخری ایک ہی ہیں (صرف دو راویوں کا فرق ہے) اب دیکھئے کہ ان دس احادیث میں سے (جو کہ وحی پوشیدہ کہی جاتی ہیں) شب قدر کب ہوتی ہے یا کب ڈھونڈی جائے:

............ ساتویں اور نویں اور پانچویں رات میں

............ آخری سات راتوں میں

............ بیسویں رات میں

............ آخری عشرہ کی طاق راتوں میں

---

۱۔ ایضاً، حدیث ۱۸۸۵، ص ۱۲/۷۔ ۲۔ ایضاً، حدیث ۱۸۸۶، ص ۱۳/۷۔ ۳۔ ایضاً، حدیث ۱۸۸۷، ص ۱۳/۷

........... اکیسویں رات میں

........... شب قدر کو تلاش کرو (یعنی ہر رات پورے سال)

........... آخری عشرہ رمضان میں

........... آخری عشرہ میں جب نَو یا سات یا پانچ (راتیں) باقی رہ جائیں

........... جب نو راتیں گذر جائیں یا سات راتیں باقی رہیں

........... چوبیسویں رات میں ڈھونڈو۔

قارئین اب حساب آپ خود لگالیجئے۔ ہمیں ایماندارسے صرف یہ بتادیجئے کہ کیا یہ دس احادیث شریف وحی ہیں؟

اب ذرا آگے دوسرے امام المحدثین مسلم کی روایات بھی ملاحظہ کرتے چلئے جن کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنی کتاب صحیح مسلم میں صرف وہ روایات لاتے ہیں جو متفقہ طور پر صحیح ہوتی ہیں[1] (غالباً وہ تمام محدثین کو فیکس کرکے چیک کر لیتے ہوں گے!)۔ انہوں نے دو مقامات پر شب قدر سے متعلق روایات دی ہیں۔ ایک تو جلد دوم میں "کتاب صلوٰۃ المسافرین" میں " بابُ الترغیب فی قیام رمضان و هو التراویح" میں صرف دو[۲] روایات اور "بابُ النّدبِ الاکیدِ الی قیام لیلة القدر و دلیل من قال انها لیلة سبعٍ و عشرین" میں دو روایات بیان کی ہیں جبکہ جلد سوم میں "کتاب الصیام" میں بابُ فضل لیلةِ القدر و بیان محلها" (شب قدر کی فضیلت اور اس کے تعین کا بیان) میں انیس[۱۹] روایات بیان کی ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ کرتے چلئے:

(۱)۔ "ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا مجھے خواب میں شب قدر دکھائی دی پھر کسی میرے گھر والے نے جگادیا سو میں اس کو بھلادیا گیا۔ اور حرملہ کی روایت میں ہے کہ میں اس کو بھول گیا"[۲]

ذرا غور کیجئے کہ یہ متفقہ طور پر صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ کو ان کے کسی گھر والے نے جگادیا تھا اس لئے وہ شب قدر کا تعین جو خواب میں کیا گیا تھا وہ بھلا دیا گیا۔ جبکہ پیچھے آپ امام المحدثین بخاری کی صحیح روایت' جس کے (ہمارے موصوف کے نزدیک) غلط ہونے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یونکہ وہ امام بخاری کی روایت ہے، میں پڑھ چکے کہ دو مسلمین کے آپس میں لڑنے کی وجہ سے آپ بھلادیئے گئے تھے۔ قارئین اب آپ فیصلہ خود کرلیجئے کہ دونوں امام المحدثین کی وحی پوشیدہ میں کیا راز پوشیدہ رہ گیا ہے! بہر حال دونوں کا یہ کارنامہ یادگاری ہے کہ رسول کو بھی بھلکڑ بنادیا! معاذ اللہ۔ اور خود لاکھوں روایات نہ بھلاسکے۔

آگے ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

(۲)۔ "ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اعتکاف کیا رسول اللہ ﷺ نے بیچ کے عشرہ میں رمضان کے، ڈھونڈھتے تھے آپؐ شب قدر کو قبل اس کے کہ ظاہر ہو شب قدر آپؐ پر۔ پھر جب عشرۂ اوسط کی راتیں گزر گئیں تو آپ نے فرمایا کہ خیمہ کھول ڈالیں۔ پھر آپؐ کو معلوم ہوا کہ وہ اخیر عشرہ میں ہے اور حکم

---

[1] صحیح مسلم، جلد۔۲، کتاب الصلوٰۃ، بابُ التَّشَهّدُ فی الصَّلوٰۃ (میں قتادہؓ کی روایت کا آخری حصہ) ص ۱۳۱۔ [۲] صحیح مسلم، جلد سوم، کتاب الصیام، باب شب قدر کی فضیلت اور اس کے تعین کا بیان، ص ۱۶۹

کیا آپؐ نے خیمہ کا کہ پھر لگایا گیا۔ پھر آپ نکلے اور فرمایا اے لوگو! مجھے شب قدر معلوم ہوئی تھی اور میں نکلا تھا کہ تم کو خبر دوں۔ پھر دو شخص آپس میں جھگڑتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ شیطان بھی تھا۔ پھر میں بھول گیا۔ تو ڈھونڈو اس کو نویں اور ساتویں اور پانچویں راتوں میں۔ راوی نے کہا کہ میں نے ابوسعید سے کہا کہ تم گنتی زیادہ جانتے ہو ہم لوگوں سے تو انہوں نے کہا ہاں ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں بہ نسبت تمہارے پھر میں نے پوچھا نویں، ساتویں، پانچویں سے کیا مراد ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب اکیسویں گزر جائے تو اس کے بعد جو آئے بائیسویں وہی بائیسویں رات مراد ہے نویں سے اور جب تئیسویں گزر جائے تو اس کے بعد جو رات آئے یعنی چوبیسویں وہی ساتویں سے مراد ہے اور جب پچیسویں گذر جائے تو اس کے بعد جو رات آئے یعنی چھبیسویں وہی مراد ہے پانچویں سے..................‘‘[1]

اب پچھلی متفقہ طور پر صحیح روایت کے بعد اس متفقہ طور پر صحیح روایت پر غور کیجئے:

۱۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود شب قدر کو ڈھونڈ رہے تھے! کیوں؟ اسے ڈھونڈنے کا حکم کب اور کہاں دیا گیا تھا؟ یعنی آپ پر وحی پوشیدہ نہیں آئی تھی! اور جب آئی تو بھول گئے' یا بھلا دیئے گئے!

۲۔ پھر آخری عشرہ کے اعتکاف میں آپ پر شب قدر ظاہر ہوئی تو آپ بتانے کے لئے نکلے مگر دو اشخاص آپس میں جھگڑتے ہوئے آئے اور ان کے ساتھ شیطان بھی تھا! (اس لئے) پس آپ بھول گئے۔ تو کیا شیطان نے آپ کو بھلا دیا؟ نعوذ باللہ۔ جبکہ اللہ کے نیک بندوں پر تو وہ قابو پا ہی نہیں سکتا چہ جائیکہ رسول؟

۳۔ پھر آپ نے فرمایا ڈھونڈھو اسے نویں اور ساتویں اور پانچویں راتوں میں۔ مگر عشرہ کا ذکر نہیں کیا کہ کس عشرہ میں۔

۴۔ غور کیجئے کہ نویں اور ساتویں اور پانچویں رات کی وضاحت راوی نے کیا کی؟ کہ یہ بائیسویں ۲۲، چوبیسویں ۲۴ اور چھبیسویں ۲۶ رات ہے یعنی شب قدر طاق راتوں میں نہیں بلکہ جُفت میں ہے!

۵۔ اگر بفرض محال یہ مان بھی لیا جائے کہ وحی آنے کے بعد اسے بھلا دیا گیا تو پھر وہ وحی کہاں رہی؟ تو پھر اس روایت کو وحی کیسے کہا جا سکتا ہے؟؟؟

آگے ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

(۳)۔ ’’عبد اللہ بن انیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے دکھائی گئی شب قدر۔ پھر میں بھول گیا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی صبح کو میں پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں۔ اور راوی نے کہا کہ مینہ برسا ہمارے اوپر تئیسویں شب کو اور نماز پڑھی ہمارے ساتھ رسول اللہ ﷺ نے اور جب پھرے آپؐ نماز پڑھ کر تو آپ کی پیشانی اور ناک پر اثر پانی اور کیچڑ کا تھا۔ اور عبد اللہ بن انیسؓ تئیسویں رات کو شب قدر کہا کرتے تھے‘‘[2]

غور کیجئے کہ اس وحی پوشیدہ کے مطابق، جو آپ بھول گئے (بغیر کسی وجہ کے) شب قدر تئیسویں شب کو ہوئی! جبکہ اوپر والی وحی پوشیدہ کے مطابق آپ بائیسویں، چوبیسویں اور چھبیسویں کو تلاش کر رہے تھے۔

---

[1] ایضاً، ص ۱۷۲۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۷۲

آگے ایک اور روایت ملاحظہ کیجئے:

(۴)۔ "ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہم نے آپس میں ذکر کیا شب قدر کا تو میں ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آیا اور وہ میرے دوست تھے اور میں نے ان سے کہا کہ تم ہمارے ساتھ کھجور کے باغ میں نہیں چلتے تو وہ ایک چادر اوڑھے ہوئے نکلے اور میں نے کہا آپ نے کچھ سنا ہے رسول اللہ ﷺ سے کہ ذکر کرتے ہوں شب قدر کا؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں نے اعتکاف کیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بیچ کے عشرہ میں رمضان کے اور ہم بیسویں کی صبح کو نکلے۔ پھر خطبہ پڑھا ہم پر رسول اللہ ﷺ نے اور فرمایا کہ مجھے دکھائی دی شب قدر اور میں بھول گیا اسے یا فرمایا بھلا دیا گیا۔ سو تم اس کو اخیر کی دس تاریخوں میں طاق راتوں میں ڈھونڈو اور فرمایا کہ میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں۔ پھر جس نے اعتکاف کیا ہو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تو وہ پھر جائے یعنی اپنے معتکف میں اور ہم لوگ پھر معتکف میں آ گئے اور ہم آسمان میں کوئی بدلی کا ٹکڑا تک نہیں دیکھتے تھے کہ اتنے میں ابر آیا اور ہم پر مینہ برسا یہاں تک کہ مسجد کی چھت بہنے لگی اور کھجور کی ڈالیوں سے پٹی ہوئی تھی اور نماز (صبح) کی تکبیر ہوئی اور میں نے آپؐ کو دیکھا کہ سجدہ کرتے ہیں پانی اور کیچڑ میں (یعنی جو خواب میں دیکھا تھا وہ صحیح ہوا) یہاں تک کہ دیکھا میں نے اثر کیچڑ کا آپؐ کی پیشانی میں"۔[1]

اب ذرا اس وحی پوشیدہ پر سنجیدگی سے غور کر لیجئے:

۱۔ ابو سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، جو کہ خود صحابی ہیں، شب قدر کے تعین کے بارے میں معلوم ہی نہیں! یعنی انہیں وحی کا ہی پتہ نہیں! وہ دوسرے صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھتے ہیں کہ "آپ نے کچھ سنا ہے رسول اللہ ﷺ سے کہ ذکر کرتے ہوں شب قدر کا؟"

۲۔ دوسرے صحابی یعنی ابو سعید خدریؓ ان کو بتاتے ہیں اور شب قدر کا تعین اکیسویں شب میں کر دیتے ہیں!

قارئین باقی واقعہ کو چھوڑیئے ذرا یہ دیکھ لیجئے کہ اوپر دی ہوئی وحی پوشیدہ نے شب قدر کا تعین کس رات کو کیا تھا اور اس وحی پوشیدہ نے کس رات کو کیا ہے؟ اب ذرا آگے ایک اور روایت ملاحظہ کر لیجئے:

(۵)۔ "زِرّ بن حُبیش کہتے تھے کہ میں نے ابیؓ بن کعب سے پوچھا کہ تمہارے بھائی ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو کہتے ہیں جو سال بھر برابر جاگے وہ شب قدر پاوے۔ تو انہوں نے کہا اللہ رحمت کرے ان پر، اس کہنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ لوگ ایک ہی رات پر بھروسہ نہ کر رہیں (بلکہ ہمیشہ عبادت میں مشغول رہیں) اور وہ خوب جانتے تھے کہ وہ رمضان میں ہے اور وہ عشرۂ اخیر میں ہے اور وہ ستائیسویں شب ہے۔ پھر وہ اس پر قسم کھاتے تھے اور انشاء اللہ بھی نہ کہتے تھے (یعنی ایسا اپنی قسم پر یقین تھا) اور کہتے تھے کہ وہ ستائیسویں شب ہے تو میں نے ان سے کہا کہ تم اے منذر کیوں یہ دعویٰ کرتے ہو؟ انہوں نے ایک نشانی یا علامت کی وجہ سے جس کی خبر دی ہے ہم کو رسول اللہ ﷺ نے اور وہ یہ ہے کہ اس کی صبح کو آفتاب جو نکلتا ہے تو اس میں شعاع نہیں ہوتی"۔[2]

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۷۱۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۷۳

اب ذرا اس وحی پوشیدہ پر بھی غور کر لیجئے یونکہ اس میں تو دعویٰ قسم کھا کر کیا جا رہا ہے:

۱۔ عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو سال بھر کی راتوں کو جاگنے کا بتا رہے ہیں! کہئے آپ کی عقل کیا کہتی ہے؟

۲۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُن کی بات کی تاویل کرتے ہیں۔ اور دونوں کے یہ فعل وحی کے ساتھ ہیں!

۳۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قسم کھا کر بتاتے ہیں کہ شب قدر رمضان کی ستائیسویں شب ہے۔

۴۔ وہ اس کی نشانی یا علامت بھی بتاتے ہیں کہ اس شب کی صبح یعنی ستائیس تاریخ کو صبح جب سورج نکلتا ہے تو (وہ ٹھنڈا پڑا ہوتا) اس میں شعاع نہیں ہوتی۔ کہئے آپ میں سے کس کس نے اس کا مشاہدہ کیا ہے؟

۵۔ ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قسم کھا کر شب قدر کا تعین کرنے کے بعد، دوسری تمام روایتوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

اب اس سلسلہ میں امام المحدثین کی ایک اور روایت ملاحظہ فرمالیجئے:

(٦)۔ ''ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار ذکر کیا ہم نے رسول اللہ ﷺ کے آگے شب قدر کا تو آپؐ نے فرمایا کون تم میں سے یاد رکھتا ہے شب قدر؟ اس رات میں ہے کہ طلوع کرتا ہے چاند اور وہ ایسا ہوتا ہے جیسے ایک ٹکڑا طشت کا''[۱]

غور کیجئے کہ اس وحی پوشیدہ نے تو نقشہ ہی بدل دیا۔ اب رات کو آپ چاند دیکھتے رہا کیجئے کہ وہ کب ایک ٹکڑا طشت (مِثْلُ شِقِّ جَفْنَةٍ) کا ہو کر طلوع ہوتا ہے! اور صبح میں سورج دیکھا کیجئے کہ کب وہ بغیر شعاع کے ہو!

یہاں یہ نوٹ کر لیجئے دونوں اماموں نے اپنی (١٠ + ٢٣) ٣٣ روایات میں ایک بھی ایسی روایت نہیں لکھی جس میں عشرہ کی تمام طاق راتوں کا ذکر کرتے یعنی اکیسویں[۱]، تئیسویں[۲]، پچیسویں[۳]، ستائیسویں[۴] اور انتیسویں[۵]۔ زیادہ سے زیادہ تین راتوں کا ذکر کیا ہے !

قارئین یہ نمونہ تو میں نے صرف ان دو امام المحدثین کی کتابوں سے پیش کیا ہے جن کو ہمارے موصوف صحت کے اعتبار سے قرآن کے برابر قرار دیتے ہیں اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے ان دونوں اماموں سے غلطی تو ہو ہی نہیں سکتی نہ وہ بھول سکتے ہیں (چاہے رسول بھول جائیں!)۔ معاذ اللہ

اب آپ ایمان داری سے فیصلہ کیجئے اس قسم کی مختلف النوع یا مختلف فیہ روایات کو کیا آپ وحی مان سکتے ہیں؟ میرے خیال میں تو کوئی مخبوط الحواس آدمی ہی انہیں وحی مانے گا!

مزید یہ کہ ذرا موصوف سے یا کسی اور اہلحدیث و اہل فقہ سے یہ پوچھ لیجئے کہ بھائی آپ ان مختلف النوع روایات کو قرآن کریم کی آیات کی شرح یا تشریح و تفسیر بتاتے ہیں تو براہِ مہربانی وہ آیت بتا دیجئے جس میں لَيْلَةُ الْقَدْرِ (شب قدر) میں جاگنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو؟ جس کی تشریح یہ کی جا رہی ہے کہ فلاں رات کو جاگو! اور اگر وہ کسی آیت میں لیلۃ القدر میں جاگنے کا اللہ کا حکم نہ دکھا سکیں تو مان لیجئے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور دھوکہ دیکر لوگوں کے، قائد خراب کرتے ہیں۔ جب قرآن کریم کی کسی آیت کریمہ میں لَيْلَةُ الْقَدْرِ میں جاگنے کا حکم ہی نہیں اور نہ اس میں جاگنے سے اگلے گناہ معاف کئے جانے کی خوشخبری ہے تو پھر یہ روایات کیسے تشریح کر رہی ہیں کہ فلاں رات میں ڈھونڈو اور فلاں

---

۱۔ ایضاً۔ ص ١٧٤

رات میں ڈھونڈو! پھر یہ روایات تو رسول کو بھی ڈھونڈتا ہوا ہی اور بے وحی کا دکھا رہی ہیں کہ وہ کبھی کسی عشرہ میں ڈھونڈتے تھے تو کبھی کسی میں [1]۔ نیز یہ غور کیجئے کہ شب قدر کو کیوں ڈھونڈا جائے یہ کوئی امام نہیں بتارہا! اور پھر بتا کر بھلا دیا گیا! کیا معنیٰ کہ بے وحی کے رہے! کیا ان (نام نہاد) حدیثوں نے اسلام کو بازیچۂ اطفال نہیں بنا دیا کہ آنکھ مچولی کھیلتے رہو، فلاں رات میں ڈھونڈو اور فلاں رات میں ڈھونڈو۔ معاذ اللہ۔ پس ثابت ہوا کہ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی بغیر وحیِ پوشیدہ کے رہے تو اس زمانہ خیر القرون میں اس وحیِ پوشیدہ کا وجود ہی نہ تھا۔ یہ تو بعد میں قرآن کریم کے خلاف سازش میں وجود میں لائی گئی۔

**(۳۵)۔** ... قارئین خیال رہے کہ پچھلی (نام نہاد) احادیث نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کا وحیِ پوشیدہ کے بھولنے کو ثابت کیا، اب ملاحظہ ہو کہ وہ اصل وحی یعنی قرآن بھی بھول جاتے تھے۔ معاذ اللہ

امام المحدثین بخاری اور امام المحدثین مسلم دونوں متفقہ طور پر ثابت کرتے ہیں کہ:

"حدثنا ربیع بن یحییٰ حدثنا زائدۃ حدثنا ھشام عن عروۃ عن عائشۃ قالت سمع النبی صلی اللہ علیہ و سلم رجلا یقرأُ فی المسجدِ فقال یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا و کذا اٰیۃ من سورۃ، کذا۔

ترجمہ: ربیع بن یحییٰ، زائد، ہشام، عروہ، عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سُنا۔ تو آپ نے فرمایا۔ اللہ اس شخص پر رحم کرے، کہ اس نے مجھے فلاں آیت فلاں سورت کی یاد دلا دی"۔ [2]

(نوٹ: بخاری ہی میں عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت میں اور مسلم میں بھی عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں (اَذۡکَرَنِی اٰیَۃً کُنۡتُ اُنۡسِیۡتُھَا) "مجھے اس نے ایک آیت یاد دلا دی جو میں بھلا دیا گیا تھا" کے الفاظ اوپر کی روایت سے زائد ہیں)

غور کیجئے! یہ کوئی اکیلی روایت نہیں بلکہ بخاری نے تین روایتیں چار سندوں سے لکھی ہیں تاکہ کوئی شک و شبہ ہی نہ رہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی آیات بھول جاتے تھے۔ معاذ اللہ اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نام سے لکھی ہیں تاکہ کوئی شک و شبہ ہی نہ رہے یونکہ وہ تو گھر والی تھیں اور ان سے زیادہ صحیح روایت کس کی ہو سکتی ہے۔ اگر رسول بھی نازل کردہ آیات بھول جائے تو پھر وحی الٰہی کی حقانیت اور حفاظت کہاں ہوئی! پھر ایک عام بشر اور اس بشر میں جس پر وحی الٰہی ہوتی ہو کیا فرق رہ جاتا ہے؟ غور کیجئے کہ یہ زدّ کہاں پڑتی ہے کہ رسول ایسا جو وحی کردہ کتُب کی آیات بھول جائے

---

[1] انہی امام المحدثین بخاری کے مطابق آخری سال، یعنی جس سال رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو عشرے یعنی بیس دن اعتکاف کیا جبکہ ہر سال آپ دس دن اعتکاف کرتے تھے۔ تو گویا کہ آپ آخر عمر تک شب قدر ہی تلاش کرتے رہے! معاذ اللہ (دیکھئے صحیح بخاری جلد۔ ۲، کتاب فضائل القرآن باب ۸۹۵ کَانَ جبریلُ یَعرضُ القُراٰنَ عَلَی النبی، حدیث نمبر ۲۱۰۶، ص ۹۹۵)

[2] صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب التفسیر، باب ۱۸ نِسان القراٰن و ھل یقول نسیت اٰیَۃَ کذا و کذا اَو قول اللہ تعالیٰ سنقرئک فَلا تنسٰی اِلّا ما شآء اللہ (قرآن کا بھول جانا اور یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان جلدی ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو ہر گز نہ بھولے گا، مگر جو اللہ چاہے گا) ص ۵۸

اور رسول مبعوث کرنے والا ایسا کہ وہ ایک بھلکڑ بشر کو رسول بنائے جو صرف ۶۲۳۶ آیات میں سے بھی بھول جائے جبکہ امام المحدثین جیسا بشر کہ ۶ لاکھ احادیث میں سے بھی نہ بھولے! کہئے کون بہتر ہوا؟ (معاذ اللہ)

غور کیجئے صرف روایتیں ہی لکھنے پر بس نہیں کیا بلکہ امام المحدثین بخاری نے باب کا عنوان ہی یہ رکھا ہے کہ "قرآن کا بھول جانا اور یہ کہنا کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا"۔ یعنی وہ یہ ثابت کرنے پر مُصر ہیں کہ رسول قرآن میں سے بھی بھول گئے یا بھول جاتے تھے (اسی لئے ایک فرقہ کا عقیدہ ہے کہ اصل قرآن تو سترہ ہزار آیات پر مشتمل تھا جبکہ موجودہ قرآن صرف ۶۲۳۶ آیات پر مشتمل ہے اس لئے یہ مکمل نہیں۔ اور ہمارے موصوف بھی و دیگر اہل حدیث و اہل فقہ بھی آیات کے نمبر کا تعین کئے بغیر اس موجودہ قرآن کو نامکمل ہی مانتے ہیں نیز اس کو مجمل بھی مانتے ہیں) اور قرآن کے ساتھ وحی پوشیدہ بھی بھول جاتے تھے۔ اس سے آگے امام المحدثین صاحب اپنے باب ہی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "جلدی ہم آپ کو (قرآن) پڑھائیں گے، پھر آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے، مگر جو اللہ (بھلانا) چاہے گا" (۸۷/۶-۷) لکھ کر یہ طنز اللہ تعالیٰ پر کر رہے ہیں کہ اس کے ارشاد کے باوجود کہ آپ کبھی نہیں بھولیں گے رسول پھر بھی بھول گیا! معاذ اللہ

دوسرے امام المحدثین نے اس قسم کا باب نہیں لگایا بلکہ کتاب فضائل القرآن میں **" بَابُ الاَمرِ يتعهد القراٰن "** (باب۔ قرآن کی نگہبانی کرنے کا حکم۔ جلد۔ ۲، ص ۲۷۳) کے زیرِ عنوان دو روایتیں دونوں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لکھی ہیں۔ وہ غالباً یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ قرآن کی نگہبانی کرنے کے حکم کے باوجود رسول قرآن میں سے بھول جاتے تھے۔ معاذ اللہ

الغرض دونوں امام المحدثین اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اصل وحی یعنی قرآن کریم کی آیتیں بھول جاتے تھے اور وحی پوشیدہ بھی بھول جاتے تھے۔ کہئے قرآن کے خلاف سازش میں کوئی شک باقی رہ گیا؟ بہر حال یہ غور کرتے رہئے گا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا پڑھایا ہوا بھی بھول سکتا ہے جبکہ اس نے دعویٰ بھی کیا کہ آپ ہرگز نہ بھولیں گے؟ (جبکہ انسانوں کے پڑھائے ہوئے چھ لاکھ حدیثیں نہیں بھول سکتے!)

کہئے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ (نام نہاد) احادیث / وحی پوشیدہ زمانہ خیر القرون کے بعد کی پیداوار ہیں، اس وقت ان کا وجود بھی نہ تھا۔

**(۳۶)۔** ... امام المحدثین بخاری فرماتے ہیں:

**"حدثنا نعيم بن حماد حدثنا هشَيم عن حصين عن عمرو بن ميمون قال رايت في الجاهليةِ قردة اجتمع عليها قردة قد زنت فرجموها فرجمتُها معهم ۔**

ترجمہ: نعیم بن حماد، ہشیم، حصین، عمرو بن میمون سے روایت کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو جس نے زنا کیا تھا دیکھا کہ بہت سے بندر اس کے پاس جمع ہو گئے اور ان سب نے اسے سنگسار کر دیا۔ میں نے بھی ان کے ساتھ اسے سنگسار کیا" [۱]

---

[۱]۔ صحیح بخاری، جلد۔ ۲، کتاب الانبیاء، باب ۴۴۱، اَلْقَسَامَةُ فِي الجَاهِلِيَّة (ایام جاہلیت میں قسامت) حدیث نمبر ۱۰۲۹، ۷۴۴

غور کیجئے کہ باب القسامۃُ ( قَسَامَت کے معنی کسی کی لاش ملنے پر اس بستی والوں سے قسم لیناہیں) کا بندر کے زنا کرنے سے کیا تعلق؟ امام صاحب اس روایت سے اپنی شریعت کا کونسا مسئلہ ثابت کرنا چاہتے تھے؟؟

کیاامام صاحب کے خیال میں بندروں میں بھی نکاح ہوتا ہے؟ تو وہ نکاح کون پڑھاتا ہے؟ ہمارایا بندروں کا مولوی؟ کیاوہ اہلحدیث ہوتا ہے یااہل فقہ؟ یا کسی بھی فرقہ اور مسلک کا پڑھا سکتا ہے؟ اس روایت کے راوی صاحب انسان تھے یا جن؟ کہ انہیں سمجھ آ گئی کہ اس بندر نے نکاح نہیں کروایا تھا بلکہ زنا کیا تھا؟ سنگساری کی سزا کیا بندروں کی شریعت میں تھی یااہل حدیثوں کی؟؟

کیابندر بھی انسانوں کی طرح اچھے برے کام کے جوابدہ ہوتے ہیں؟

یہ ہے معیار ہمارے محدثین کرام کے ذہن و علم کا! (معاذ اللہ)

کیابندر بھی شریعت یہود یااہلحدیث کے پابند ہوتے ہیں کہ زنا کرنے پر سنگسار کر دیئے جاتے ہیں؟ کیا راوی صاحب نے اس بندر کو سنگسار کرنے سے پہلے یہ تصدیق کرلی تھی کہ وہ بندر پہلے سے شادی شدہ تھا اور لئے اس کو سنگسار ہی کرنا تھا؟

غرض یہ کہ اس روایت کو پڑھ کر اسی قسم کے سوال ابھرتے ہیں۔ البتہ آپ یہ اعتراض کرسکتے ہیں کہ یہ (نام نہاد) حدیث یاوحی پوشیدہ تو نہیں بلکہ یہ تو کسی صحابی کا قول و فعل ہے۔ تو ہم عرض کردیں کہ ہمارے موصوف یہ پہلے فرما چکے ہیں کہ:

"محدثین کی اصطلاح میں صحابی کے قول و فعل کو بھی حدیث کہتے ہیں"[1]

اس لئے یہ (نام نہاد) حدیث ہی ہے اور وہ بھی صحیح بخاری کی اس لئے غلط بھی نہیں ہوسکتی اور چونکہ (نام نہاد) حدیث ہے اس لئے وحی پوشیدہ ہوئی۔

قارئین! غور کیا آپ نے یہ ہے معیار آپ کی وحی پوشیدہ کا! معاذ اللہ۔

اب چونکہ ہم اس (نام نہاد) حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ تو کسی مخبوط الحواس کا خبط ہے تو موصوف یا ان کے کوئی متبع ضرور یہی اعتراض قرآن کریم کی آیات (۶۵/ ۲، ۶۰/ ۵، ۱۶۶/ ۷) پر کریں گے کہ پہلے یہودیوں میں سے سرکش و نافرمان لوگوں کو بندر اور سؤر (کی طرح ذلیل کر دیا گیا تھا) بنادیا گیا تھا تو شاید یہ انہی کی اولاد میں سے بندر تھا جس نے زنا کیا تھا۔

قارئین اگر وہ قرآن کریم کی آیات پر یہ اعتراض کریں تو آپ ان سے کہیں کہ یہ اصولی بات ہے کہ جب ان کو ان کی نافرمانی اور سرکشی کی بناء پر سزا دے دی گئی اور بندر یا سؤر بنا دیا تو جب وہ انسان ہی نہ رہے تو پھر کسی قانون یا شریعت کے مکلّف نہ رہے۔ نیز یہ کہ آپ کی (نام نہاد) حدیث کے مطابق بھی وہ تو اس کے بعد مر کر ختم ہو گئے تھے ان کی نسل آگے نہیں چلی تھی[2]۔ اور تفسیر موضح القرآن میں بھی یہی لکھا ہے[3]۔ یہ ممکن ہے کہ اس روایت کے گھڑنے

---

[1] کتاب "التحقیق فی جواب التقلید" ص ۸۲ (پیچھے ہم حدیث کی تعریفوں میں یہ تعریف بھی دے چکے ہیں دیکھئے ص ۴۷۳)۔۔ [2] صحیح مسلم جلد ۶، کتاب القدر، بابُ الاَجل والرزق لا تزید ولا تنقص عن القدر (باب عمر اور روزی اور رزق تقدیر سے زیادہ نہ بڑھتی ہے نہ گھٹتی ہے) حدیث عن عبد اللہ، ص ۲۶۶۔۔ [3] دیکھئے تفسیر آیت نمبر ۱۶۶، سورہ الاعراف (بُرے حال سے تین دن میں مر گئے)

والوں میں کوئی یہودی النسل رہا ہو اس لئے اس روایت لکھوانے میں زیادہ دلچسپی رہی ہو اور امام المحدثین نے اس کی دلچسپی دیکھ کر اس کو اپنی کتاب میں لکھ دیا ہو

غور کیجئے کہ اس قسم کی روایات (جو موصوف کے نزدیک بالکل صحیح ہیں اور مثل قرآن کے صحیح ہیں چونکہ بخاری و مسلم کی ہیں (معاذ اللہ) کیا یہ ثابت نہیں کرتیں کہ زمانہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا یہ سب بعد کی سازشوں کی پیداوار ہیں۔ آگے اپنے یقین کے لئے ایک اور روایت دیکھ لیجئے:

**(۳۶)۔** ... اس سے پہلے ذرا غور فرمایئے کہ دنیا میں کونسا مذہب برائی، فحاشی و حرام کاری کو نہیں روکتا چہ جائیکہ دین اسلام؟ دین اسلام میں تو صرف ایک فرض یا رکن یا عبادت ہی تمام برائیوں اور فحاشی یا حرام کاری کو روکنے کا باعث بنتی ہے اور اگر یہ برائیاں اس کے ہوتے ہوئے نہیں رُکتیں اس کے معنٰی وہ فرض صحیح طرح سے ادا نہیں کیا جارہا، کہیں نہ کہیں خامی ہے۔ غور کیجئے وہ فرض کیا ہے؟ وہ فرض ہے: **اَقِیمُوا الصَّلٰوۃَ**۔ ملاحظہ ہو اللہ تعالیٰ کا حکم:

...... "وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنۡہٰی عَنِ الۡفَحۡشَآءِ وَ الۡمُنۡکَرِ ؕ ........"

اور صلوٰۃ قائم کیجئے، بے شک صلوٰۃ فواحشات و منکرات سے روکتی ہے" (۲۹/۴۵)

غور کیجئے کیا اللہ کے اس حکم عام کے بعد کہ "صلوٰۃ قائم کیجئے" (تاکہ فواحشات و منکرات ختم ہو جائیں) اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے اس حکم پر عمل کر کے فواحشات و حرام کاری، برائیوں و منکرات کو روک نہیں دیا ہو گا؟ یقیناً ایسا ہی کیا ہو گا۔ مگر دیکھئے امام المحدثین مسلم اور بخاری کیا فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو:

(۱)۔" **عن عبد الله يقول كنا نغزو مع رسول الله صلى الله عليه و سلم ليس لنا نسآءَ فقلنا الا نستخصى فنهانا عن ذالك ثم رخص لنا ان ننكح المرءاة بالثّوب اِلٰى اجل** .........

عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ اور ہمارے پاس عورتیں نہ تھیں اور ہم نے کہا کیا ہم خصّی ہو جائیں؟ سو آپؐ نے ہم کو منع فرمایا اس سے اور اجازت دی ہم کو کہ ایک کپڑے کے بدلے ایک معیّن مدت تک عورت سے نکاح کریں"[۱] (یعنی متعہ کر لیں)

غور کیجئے یہ کس معاشرہ کی تصویر کھینچی گئی ہے! کیا یہ وہ اسلامی معاشرہ ہے جس میں اللہ کا رسول بنفس نفیس موجود ہے اور اللہ کی راہ میں تلوار سے جہاد میں مصروف ہے؟ اللہ کے رسول کے ساتھ وہ صحابہ ہیں جن کا ایمان مضبوط ہو چکا ہے اور وہ اپنا سب کچھ اللہ کے ہاتھوں بیچ چکے ہیں، **مزکّٰی** و **مصفّٰی** ہو چکے ہیں۔ تو کیا ان کی نفسانی حالت یہ ہو گی کہ وہ اللہ کے رسول سے اس قسم کا احتجاج کریں گے؟ اس قسم کا احتجاج تو آج کے دَور میں بھی دَورانِ جنگ مسلمان فوجی نہیں کرتا، چہ جائیکہ قرنِ رسول میں! اور پھر اس قسم کے لچر و بیہودہ احتجاج کے بعد، اللہ کے رسول کا متعہ یعنی فحاشی یا حرام کاری کی اجازت دے دینا کیا معنٰی رکھتا ہے! کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں "**مِیۡثَاقًا غَلِیۡظًا**" (۴/۲۱) کے علاوہ

---

[۱] صحیح مسلم، جلد ۴، کتاب النکاح، **باب نكاح المتعة و بيان انهٗ ابيح ثم نسخ ثم ابيح ثم نسخ واستقرّ تحريمهٗ الى يوم القيٰمَةِ** (باب متعہ کے حلال ہونے کا پھر حرام ہونے کا پھر حلال ہونے کا۔ پھر قیامت تک حرام رہنے کا) ص ۱۲، نیز صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب النکاح، باب ۷ ۳ (مجرد رہنے اور اپنے آپ کو خصی بنانے کی کراہت) حدیث ۶۷، ص ۷۰

بھی کسی نکاح کی اجازت دی ہے کہ "مِیثاقًا اَجَلٍ" کر لو؟ کیا اللہ تعالیٰ نے قرآن میں شہوت رانی کیلئے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے؟ یا یہ حکم دیا ہے کہ "نکاح کر لو بشرطیکہ مقصد عفت قائم رکھنا ہو شہوت رانی نہ ہو" (۲۴/۴)۔ کیا اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اس حکم کے خلاف شہوت رانی کیلئے مقررہ مدت کے نکاح یعنی متعہ کی اجازت دے سکتے تھے؟ معاذ اللہ۔

اور سنئے کہ امام المحدثین کیا فرماتے ہیں:

(۲)۔"عن جابر ابن عبد اللہ و سلمۃ ابن الاکوع قال خرج علینا منا دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قد اذن لکم ان تستمتعوا یعنی متعۃ النسآءِ

جابرؓ اور سلمہؓ نے کہا کہ ہم پر رسول اللہ ﷺ کا مُنادی نکلا اور اس نے پکارا (اعلان کیا) کہ رسول اللہ ﷺ نے تم کو عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی ہے"[1]

غور کیجئے کہ حرام کاری کی اجازت کا اعلان بِبانگِ دہل بذریعہ منادی ہو رہا ہے! کیا یہ اسلامی و قرآنی معاشرہ تھا؟ معاذ اللہ

اور سنئے کہ دوسرے امام المحدثین کیا فرماتے ہی:

(۳)۔"حدثنا علیّ حدثنا سفیٰنُ قال عمرو عن الحسن بن محمد عن جابر بن عبد اللہ و سلمۃ بن الاکوع قال کنّا فی جیش فاتانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال انہٗ قد اذن لکم ان تستمتعوا فاستمتعوا و قال ابن ابی ذئب حدثنی ایاس بن سلمۃ بن الاکوع عن ابیہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ایّما رجل و امراۃ توافقا فعشرۃ ما بینھما ثلٰث لیال فان احبّا ان یتزایدا او یتتارَکا تتارکا فما ادری اشی کان لنا خاصّۃ ام للناس عامّۃ قال ابو عبد اللہ و بینہٗ علی عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم انہ منسوخ۔

ترجمہ: علی، سفیان، عمرو، حسن بن محمد، جابر بن عبد اللہ اور سلمہ بن اکوع سے روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک لشکر میں تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ہمارے پاس آکر ارشاد فرمایا کہ تمہیں متعہ کرنے کی اجازت دی گئی ہے تم متعہ کر لو۔

(بخاری کہتے ہیں) کہ ابنِ ابی ذئب، ایاس ابن سلمہ، ابن اکوع نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو عورت و مرد باہم موافق ہو جائیں، تو تین شب تک باہم عشرت کرنا جائز ہے، اس کے بعد اگر پھر زیادتی کرنا چاہیں تو وہ مختار ہیں نہ معلوم یہ ہمارے واسطے خاص تھا یا سب لوگوں کے واسطے جائز ہے۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری فرماتے ہیں) کہ حضرت علیؓ نے اس حکم کے منسوخ ہونے کو نبی ﷺ سے روایت کیا ہے"[2]

غور کیجئے کہ اس روایت میں تو امام المحدثین نے بالکل واضح کر دیا کہ تین رات تک باہم عیش و عشرت یعنی حرام کاری کرنا جائز قرار دیا گیا! کیا قرآن کریم تین راتوں کے لئے نکاح کی اجازت دیتا ہے؟ کیا یہ شہوت رانی نہیں جس سے

---

[1]۔ صحیح مسلم، جلد ۴۔ کتاب النکاح، باب نکاح المتعۃ۔ ص ۱۵۱۔ [2]۔ صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب النکاح، باب ۶۱، نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم عن نکاح المتعۃ اٰخرًا (رسول اللہ ﷺ کا نکاح متعہ سے آخر وقت میں منع کرنا)۔ ص ۸۴۔

قرآن کریم نے منع کیا تھا؟

یہاں پر اور بھی بہت سے سوالات ذہن میں آتے ہیں۔ بہر حال میں انہیں خلافِ آدابِ کتاب سمجھتے ہوئے پہلو تہی کرتا ہوں۔ آپ خود ان سوالوں کے جوابات سوچ لیجئے۔ بہر حال شکر ہے کہ یہاں امام المحدثین نے کم از کم اتنا تو ترس کھالیا اُس معاشرہ پر کہ آخر میں اس حکم کے منسوخ ہونے کا اشارہ کر دیا۔ مگر اس اشارہ کی وضاحت دیکھئے دوسرے امام المحدثین کیسے کرتے ہیں:

(۴)۔ "عن عطاء قال قدم جابر ابن عبد الله معتمرًا و جئنا ہ فی منزله فساله القوم عن اشیآء ثم ذکروا المتعة فقال نعم استمتعنا علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم و ابی بکر و عمر۔

ترجمہ: عطاءؒ نے کہا کہ جابرؓ بن عبد اللہ عمرے کے لئے آئے اور ہم سب ان کی منزل میں ملنے کے لئے گئے اور لوگوں نے ان سے بہت باتیں پوچھیں پھر متعہ کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا ہاں ہم نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک اور ابو بکرؓ و عمر کے زمانہ خلافت میں متعہ کیا ہے"۔[1]

اور سنئے:

(۵)۔ "عن جابر ابن عبد الله یقول کنا نستمتع بالقبضة من التمر والدقیق الایام علیٰ عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم و ابی بکر حتیٰ نهیٰ عنه عمر فی شان عمر و ابن حریثٍ۔

جابرؓ کہتے تھے کہ ہم متعہ کرتے تھے یعنی عورتوں سے کئی دن کے لئے ایک مٹھی کھجور اور آٹا دے کر رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ کے زمانہ میں یہانتک کہ حضرت عمرؓ نے اُس سے عمرو بن حریث کے قصہ میں منع کیا۔[2]

غور کیجئے کہ صحیح مسلم کی (تمام محدثین سے متفقہ طور پر صحیح شدہ یا منظور شدہ) ان دو روایتوں نے تو صحیح بخاری کی • سب سے صحیح) روایت میں جو نسخ کا اشارہ تھا اسے بھی نسخ کر دیا اور زمانہ رسول کے بعد دورِ خلافت راشدہ میں بھی حرام کاری کو جاری دکھا دیا اور وہ بھی اتنا سستا کہ صرف ایک مٹھی کھجور اور آٹا دے کر............. آپ کے منہ میں بھی پانی آرہا ہو گا!......... مگر غور کیجئے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے دَورِ خلافت میں اس حرام کاری سے منع کر دیا۔ شاید اسی لئے کچھ لوگ حضرت عمرؓ سے ناراض رہتے ہیں!

اس مقام پر اہل حدیث و اہل فقہ یہ تاویل کریں گے کہ دورِ شیخین تک صحابہؓ کو نسخ کا پتہ نہ چلا ہو گا اس لئے حرام کاری جاری رکھی! (معاذ اللہ)۔ (یہی تاویل شرح قرآن کے شارح امام نووی نے ساتویں صدی ہجری میں اپنی شرح مسلم میں کی ہے ص۱۶) تو یہی تو اصل نکتہ ہے جس کی طرف ہم آپ کی توجہ دلانا چاہتے ہیں کہ وحیٔ (پوشیدہ) رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد تک صحابہؓ کو نہ پہنچی (خیال رہے کہ راویٔ حدیث جناب جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی ابن صحابی ہیں جو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی خدمت اقدس میں تقریباً ہر وقت حاضر رہتے تھے اور سنت کے بہت دلدادہ تھے مگر ان کو یہ وحی نہ پہنچی اسی طرح عبد اللہ ابن عباس اور دیگر صحابہ کو بھی نہیں پہنچی!) تو پھر رسول اللہ

[1] صحیح مسلم جلد چہارم، کتاب النکاح، باب متعہ کے حلال ہونے کا پھر حرام ہونے کا پھر حلال ہونے کا۔ پھر قیامت تک حرام رہنے کا۔ ص۱۶
[2] ایضاً۔ ص۱۶

سلامٌ علیہ نے کیا کچھ پہنچایا تھا جس پر گواہی خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر تمام موجود صحابہ سے لی تھی؟ ظاہر ہے کہ وہ اصل وحی یعنی قرآن کریم تھا جس کے پہنچائے جانے پر آپ نے صحابہ سے گواہی لی تھی۔ اور وحی پوشیدہ کا اس وقت تک کوئی وجود نہ تھا۔ اور نہ ہی صحابہؓ حرام کاری کرتے تھے وہ عین قرآن حکیم کے احکام کے مطابق عمل کر کے عباد الرحمٰن بنے ہوئے تھے۔ یہ افسانے ان کے خلاف سراسر سازش ہیں جو کہ وحی پوشیدہ کے نام پر تراشے گئے اور مذہب کے نام پر لوگوں کو گمراہ کیا گیا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ وحی پوشیدہ کا عقیدہ ہی اس لئے تراشا گیا تاکہ ایمان والوں کو اصل وحی سے دُور ہٹا دیا جائے۔ اس طرح شیطان کا کام آسان ہو گیا کہ وحی پوشیدہ کا نام لے کر جو چاہو قرآن کریم کے خلاف عمل کرالو۔

قارئین امید ہے کہ صحیح مسلم کی چار اور صحیح بخاری کی ایک (میں دو) روایتیں پڑھ کر آپ کی آنکھیں کھل گئی ہوں گی۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ تو امام المحدثین مسلم نے چوبیس (۲۴) روایتیں دی ہیں۔ (اور ان میں چند تو انتہائی بے شرمی سے بھرپور)۔ بہر حال ان میں نسخ والی روایتیں بھی دی ہیں مگر ان میں بھی اختلاف ہے کہ متعہ کی ممانعت """جنگ خیبر" کے دوران ہوئی اور متعہ کی ممانعت "فتح مکہ" کے بعد وہاں سے روانگیٔ مدینہ کے وقت ہوئی۔ یہ حال ہے وحی پوشیدہ کا۔ مگر لوگوں کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔

مزید غور طلب امر یہ ہے کہ یہ کس قسم کی وحی تھی کہ کبھی حلال کرتی تھی، کبھی حرام کرتی تھی، پھر اسی فعل کو حلال کر دیتی تھی پھر اسے ہی حرام قرار دے دیتی تھی؟ کیا یہ وحی کی تضحیک نہیں؟ کیا یہ سب کچھ پارسی مجوسیوں اور یہودیوں کی خود ساختہ نہیں؟ کیا یہ حسبنا کتاب اللہ کے خلاف نہیں؟ کیا یہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور اللہ تعالیٰ کی اہانت نہیں کہ وہ کبھی کچھ حکم دے دیتے تھے اور کبھی کچھ اس کے مخالف؟ بالکل یہی کام ان مجوسیوں ویہودیوں نے لغات القرآن میں کیا ہے کہ عام طور پر ہر لفظ کے کم از کم دو دو معنی دیئے ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے مخالف / ضد۔

**(۳۸)۔** ... اب اس سے آگے (نام نہاد) حدیثوں کے نام پر حرام کاری کی اجازت کا ایک اور نمونہ دیکھتے چلئے۔ ہمارے موصوف اپنی مایۂ ناز کتاب "منہاج المسلمین' (یعنی مسلمین کے لئے زندگی گزارنے کا راستہ) میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

"اگر کافر عورت میدان جنگ میں قید ہو جائے تو باوجود اس بات کے کہ اس کا شوہر دار الحرب میں زندہ ہو، آقا اس سے صحبت کر سکتا ہے"[1]

اسی بات کو موصوف اپنی دوسری مایۂ ناز کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" میں "جنگِ اوطاس" کے زیرِ عنوان یوں فرماتے ہیں:

"**جنگِ اوطاس کا نتیجہ:** اس جنگ میں بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ بعض مسلمین کے حصہ میں لونڈیاں بھی آئیں۔ مسلمین نے اس خیال سے کہ ان کے مشرک شوہر موجود تھے ان سے خلوت کرنے کو بُرا سمجھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا (اے مومنو!)

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ (نساء:۲۴)

[1] "منہاج المسلمین" جماعت المسلمین، اشاعت اول مطابق ۱۹۸۳ء، باب، خادم غلام اور ان کے متعلقات، ص ۴۳۶۔ (بحوالہ سورہ النساء آیت ۲۴)

شوہر والی عورتیں بے شک تم پر حرام ہیں لیکن وہ لونڈیاں اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو (جنگ کے نتیجہ میں) تمہارے قبضہ میں آجائیں، اس سلسلہ میں تمہارے لئے اللہ نے یہی فیصلہ فرما دیا ہے"۔[1]

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ باب جنگ اوطاس۔ ص ۴۹۱

موصوف نے اپنی جماعت کے مسلمین کے لئے جو منہاج اوپر درج شدہ اپنی کتاب (منہاج المسلمین) میں مقرر کیا ہے اس کا ماخذ بھی قرآن کریم کی سورۃ النساء ہی کی اس آیت کریمہ کے ٹکڑے کو بنایا ہے۔ اب اس سے پہلے کہ ہم آپ کے سامنے پوری آیت پیش کر کے یہ ثابت کریں کہ موصوف نے یہ معنوی تحریف کی ہے، ہم پہلے یہ بتاتے ہیں کہ اس معنوی تحریف کا سبب کیا ہے؟ تو قارئین اس معنوی تحریف کا سبب وہی (نام نہاد) احادیث (جس کو موصوف اور دیگر اہل فقہ وحیِ پوشیدہ کہتے ہیں) ہیں جن سے امت مسلمہ جو کہ امت واحدہ تھی کے بہت سے فرقے بن گئے۔ ایک فرقے نے نسخِ متعہ والی (نام نہاد) احادیث نہیں مانیں اور قرآنی نکاح کے خلاف آج تک نکاح متعہ کو جائز رکھتے ہیں، جبکہ دیگر کچھ فرقوں نے نسخِ متعہ والی روایات مان کر نکاح متعہ کو جائز نہیں رکھا مگر صحابہؓ کبار پر لگا ہوا داغ نہ دھو سکے یونکہ وہ اس طرح کی الزامی (نام نہاد) احادیث کا انکار کرنے کے لئے اتنی ایمانی طاقت نہیں رکھتے۔ اسی طرح اہل حدیث فرقوں اور اہل فقہ کے فرقوں نے لونڈیاں بغیر نکاح کے رکھنا جائز رکھا ہوا ہے اور اس کا باعث مندرجہ ذیل قسم کی (نام نہاد) احادیث ہیں جو ان کے امام المحدثین نے اپنی کتابوں میں لکھی ہیں۔ مثلاً صحیح مسلم میں ہے:

(۱)۔" عن ابی سعید رضی اللہ تعالیٰ عنه قال اصابوا سبیًا یوم اوطاس لهن ازواج فتحوفوا فأُنزلت هٰذه الاٰيَةُ والمحصنٰتُ من النسآءِ الا ما ملکت ایمانکم۔

ترجمہ: ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ کچھ عورتیں قید میں ہاتھ لگیں غازیوں کے اوطاس کے دن اور اُن کے شوہر تھے (یعنی کفار میں) اور صحابیؓ ان کی صحبت سے اندیشہ کئے سو یہ آیت اتری والمحصنات[1]"

(۲)۔ عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عن ان رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم یوم حنین بعث جیشًا الیٰ اوطاس فلقوا عدوًا فقاتلوهم و ظهرو علیهم فاصابوا لهم صبایا فکان ناسًا من اصحاب رسول اللہ سلی اللہ علیه و سلم تخرجوا من غشیانهن من اجل ازواجهن من المشرکین فانزل اللہ عزو جل فی ذالك والمحصنات من النسآء الا ما ملکت ایمانکم اَی فهن لکم حلالٌ اذا انقضت عدّتهنَّ۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن ایک لشکر روانہ کیا اور وہ لوگ دشمن سے مقابل ہوئے اور ان سے لڑے اور غالب آئے اور ان کی عورتیں قید کر لائے، سو بعض یاروںؓ نے رسول اللہ ﷺ کے ان کی صحبت کرنے کو بُرا جانا اس وجہ سے کہ ان کے شوہر مشرکین

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۴، کتاب الرضاع، باب جواز وطاء المسبیة بعد الاستبرآء وان کان لها زوج انفسخ نکاحة بالسبی (باب بعد استبراء کے قیدی عورت سے صحبت کرنا درست ہے اگرچہ اس کا شوہر بھی موجود ہو اور بمجرد قید ہونے کے نکاح ٹوٹ جانے کا بیان) ص ۲۷ (اور اس اجازتِ حرام کاری کی (نام نہاد) حدیثیں، موصوف کے مطابق ترمذی، کتاب النکاح، احمد و ابوداؤد وغیرہ میں بھی ہیں)

موجود تھے۔ سو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری **وَالْمُحْصَنَاتُ** یعنی حرام ہیں عورتیں شوہر والیاں مگر جو تمہاری مِلک میں آگئیں یعنی قید میں کہ وہ تم کو حلال ہیں جب ان کی عدت گزر جائے[1]۔

غور کیجئے دونوں (نام نہاد) حدیثیں ایک ہی صحابی ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہیں مگر ایک جنگِ اوطاس بتا رہی ہے اور دوسری جنگِ حنین۔ جبکہ خود موصوف کی تاریخ کے مطابق بھی دونوں علیحدہ علیحدہ جنگیں ہیں۔ خیر اسے چھوڑیئے اصل چیز کی طرف آیئے یعنی آیت کی شانِ نزول کی طرف کہ جنگ کے بعد کیا حالات ہوئے: کہ صرف عورتیں ہی ہاتھ لگیں اور ان کو قید کر لائے! تو یہ آیت اتری اور قیدی عورتوں سے بغیر نکاح کے صحبت حلال کر دی! معاذ اللہ۔ یہ ہے شانِ نزول کا کرشمہ!

کہئے کچھ سمجھ آیا کہ یہ شانِ نزول کیوں متعین کی گئیں؟ یہ (نام نہاد) احادیث کیوں بنائی گئیں اور ان کو وحی کا درجہ کیوں دیا گیا؟ تاکہ حرام کاری کو حلال قرار دیا جائے!

غور کیجئے کہ اگر یہی سلوک غیر مسلم اقوام جنگ وغیرہ کے بعد مسلم عورتوں سے کریں تو پھر یہ حلال ہو گا کہ نہیں؟ نیز یہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ شوہر والی عورتیں قید میں آنے کے بعد صحابہؓ نے ان سے صحبت کو کیوں بُرا جانا اور تردّد کیا؟ موصوف کے مطابق تو "شوہر والی عورتیں **والمحصنٰت**) بے شک تم پر حرام ہیں" والی آیت تو اب نازل ہوئی تھی (یعنی صحابہؓ کے تردّد کے جواب میں)۔ اور اس سے پہلے ایسی کوئی آیت نہیں اتری تھی جو **والمحصنٰت** سے صحبت کو حرام قرار دے رہی ہو۔ اس کے معنیٰ تو یہی ہوئے کہ خود صحابہؓ کا اخلاق اتنا بلند تھا کہ انہوں نے غیر عورتوں سے صحبت کو بُرا جانا یونکہ حرام کاری تھی۔ تو پھر یہ حرام کاری حلال کیسے ہو سکتی ہے؟؟

اب ذرا آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ موصوف اپنی کتاب "منہاج المسلمین" میں جنگی قیدیوں کے بارے میں کیا لکھتے ہیں:

"خوب قتل کر کے دھاک بٹھانے کے بعد کافروں کو قیدی بنایا جائے، کافروں کو مضبوطی کے ساتھ قید کرے، پھر جنگ ختم ہونے کے بعد یا تو بطور احسان ان کو چھوڑ دیا جائے یا فدیہ میں کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے، یہ چیز اس وقت تک جاری رہے جب تک حالت جنگ کا بالکل خاتمہ نہ ہو جائے"[2]

غور کیجئے کہ یہاں موصوف خود جنگی قیدیوں کے بارے میں اللہ رب العزت کا فیصلہ بتا رہے ہیں کہ جنگ ختم ہونے کے بعد قیدیوں کو چھوڑ دیا جائے! تو کیا قیدی عورتوں کو نہیں چھوڑا جائے گا اور انہیں حرام کاری کیلئے رکھا جائے گا؟ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ منافقوں کی طرح دو باتیں کریں کہ ایک طرف تو یہ کہ قیدیوں کو چھوڑ دو اور دوسری طرف یہ کہ ان کی عورتوں کے ساتھ حرام کاری کرو؟ (معاذ اللہ)

قارئین کہئے کیا کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ منافقت اللہ تعالیٰ نے کی (نعوذ باللہ) یا اہلحدیث و اہل فقہ نے کی؟ ناراض نہ ہوں۔ دیکھئے ہمارے موصوف آگے کیا منہاج مقرر کرتے ہیں؟ فرماتے ہیں:

"لونڈی اگر قبضہ میں آئے اور وہ حاملہ ہو تو اس سے اس وقت تک صحبت نہ کرے جب تک وضع حمل نہ

---

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ منہاج المسلمین۔ عنوان: جنگی قیدی۔ ص ۵۲۶ (بحوالہ۔ سورہ محمد آیت ۴)

ہو جائے اگر حاملہ نہ ہو تو اس وقت تک صحبت نہ کرے جب تک ایک اذیّت ماہانہ نہ گزر جائے“[1]

اور یہ منہاج ہمارے موصوف نے اہل حدیث و اہل فقہ اماموں کی (نام نہاد) احادیث (جو کہ مسند احمد، سنن ابن داؤد وغیرہ میں دی گئی ہیں اور شارح امام نے انہیں صحیح یا حسن قرار دیا ہے) کی بنیاد پر مقرر فرمایا ہے۔

اور آگے چلئے! دیکھئے اپنی کتاب میں ”خادم اور غلام کے حقوق“ ہی کے زیرِ عنوان ہمارے موصوف فرماتے ہیں کہ:

”آقا کو چاہئے کہ غلام کو عبد نہ کہے اور نہ لونڈی کو اَمتہ کہے، بلکہ میرا بچہ، میری بچی، میرا لڑکا، میری لڑکی کہے۔ نہ غلام کو چاہئے کہ وہ اپنے آقا کو رَبّ کہے یا مولا کہے بلکہ سید کہے“[2]

کہئے قارئین آپ کو کچھ شرم آئی! کیسا عمدہ مذہب ہے یہ اہلحدیثوں اور اہل فقہ کا کہ لونڈی کو میری بچی، میری لڑکی کہے جاؤ اور اس سے حرام کاری بھی کرتے رہو! (معاذ اللہ) (دوسری بات بھی کتنی شرم کی ہے کہ اگر یہ حکمِ رسول ہے، جیسا کہ ان روایات کے بارے میں عقیدہ ہے، تو پھر مولوی جو اپنے آپ کو ”مولانا“ یعنی ”ہمارے مولا“ کہلواتا ہے وہ بھی تو سراسر حکمِ رسول کے خلاف عمل کروا کر خوش ہو رہا ہوتا ہے حالانکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے مولا کہنے سے روک دیا بلکہ سید کہنے کا حکم دیا۔ مگر اہل حدیث و اہل فقہ مولوی نے سید مخصوص کر دیا اولادِ علیؓ و فاطمہؓ کیلئے! کہئے حکمِ رسول کہاں گیا؟ وحی پوشیدہ پر کیا عمل ہوا؟) ہمارے موصوف نے اوپر کے دونوں منہاج ایک ساتھ ہی (بالکل مسلسل) اسی ترتیب سے لکھے ہیں مگر ان کو ذرا سی شرم نہ آئی یونکہ (نام نہاد) احادیث کا دبیز پردہ ان کی عقلِ سلیم پر چھایا ہوا ہے!

اور دیکھئے اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

”اپنے غلام کو عَبْدِیْ (میرا بندہ)، لونڈی کو اَمَتِیْ (میری بندی) نہ کہے بلکہ یہ کہے ”میرے بیٹے“، ”میری بیٹی“، ”میرے لڑکے“، ”میری لڑکی“[3] اپنے آقا کو ”میرا رب“ یا ”میرا مولا“ نہ کہے بلکہ میرا ”سردار“ کہے“[4]

قارئین کہئے اب کچھ شرم آئی؟ اگر تھوڑی سی بھی آگئی تو پھر ذرا اور دیکھئے اسی ”خادم اور غلام کے حقوق“ کے زیرِ عنوان موصوف لکھتے ہیں کہ:

”آقا کو چاہئے کہ غلام کو اپنا بھائی سمجھے، اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے وہی پہنائے جو خود پہنے اور اس سے ایسے کام کے لئے نہ کہے جو اس سے نہ ہو سکے، اگر کہے تو (اس کام میں) اس کی مدد کرے“[5]

قارئین کہئے اب کیسا لگا؟ غلام کو بھائی سمجھتے ہوئے کیا شرم آئی؟ غور کیجئے کہ جب غلام کو بھائی سمجھنے کا حکم ہے اور اسے وہی کھانے، پلانے، پہننے اور کام کرنے کا حکم ہے جو خود آقا اپنے لئے کرے تو کیا لونڈی کو بہن یا بیٹی نہ سمجھنے کا حکم ہے؟ ظاہر ہے کہ جو سلوک غلام کے ساتھ روا رکھا جائے گا وہی لونڈی کے ساتھ روا رکھا جائے گا۔ اور اس کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ یونکہ وہ بھی ہماری ہی جنس سے ہے جس کو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ (۴/۲۵) کہہ کر واضح کر دیا ہے۔

قارئین اب آجایئے اصلیت کی طرف، پیچ اس مسئلہ کے:

---

۱۔ منہاج المسلمین۔ ص ۴۴۷، (بحوالہ مسند احمد و ابو داؤد و سندہٗ حسن۔ نیل الاوطار جزء ۶۔ ص ۲۵۹)۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۳۸، (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔۔ ۳۔ منہاج المسلمین، ص ۴۱۲ (بحوالہ صحیح مسلم)۔۔ ۴۔ ایضاً، ص ۴۱۲، (بحوالہ صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب)۔۔ ۵۔ ایضاً، ص ۴۳۴، (بحوالہ صحیح بخاری کتاب العتق و فضلہ وروی مسلم نحوہ)

جہانتک کسی جنگی صورتحال کے نتیجہ میں کسی قیدی کے ہاتھ آنے کا تعلق ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس کے غلام یا لونڈی بنائے جانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا یونکہ قرآن کریم کی سورہ محمد میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف حکم دیدیا کہ... "جنگ ختم ہونے کے بعد...یا...تو بطور احسان ان کو چھوڑ دیا جائے یا فدیہ میں کچھ مال لے کر چھوڑ دیا جائے"[1]... (۴/۴۷) گویا کہ اس طرف سے تو غلامی کا بالکل خاتمہ ہو گیا۔ اب اگر کسی اور ذرائع سے غلام یا لونڈیاں آجاتی ہیں تو ان ہی کے لئے یہ احکام ہیں کہ ان کو اپنا بھائی سمجھو اور ان کو وہی کھلاؤ، پہناؤ جو خود کھاتے پیتے اور پہنتے ہو اور کام لینے میں بھی یعنی خدمت لینے میں بھی ان پر سختی نہ کرو (انہیں بیگار کیمپوں بھٹوں یا کھیتوں وغیرہ میں درندوں کی طرح رکھ کر کام نہ لو)۔ جہانتک لونڈیوں یعنی خادماؤں کا تعلق ہے تو ان کے لئے موصوف خود لکھتے ہیں کہ:

"لونڈی کی اچھی تربیت کرے، اسے تعلیم دے اگر اسے آزاد کر کے نکاح کر لے تو زیادہ بہتر ہے"[2]

(موصوف نے جو صحیح بخاری کے حوالہ سے اس روایت کو لکھا ہے تو اس کے ترجمہ میں بھی وہ کمال ہوشیاری دکھا گئے جبکہ "كَانَ لَهٗ اَجْرَانِ" "یعنی اس کے لئے دوہرا اجر ہے" (دوگنا ثواب ہے) کا ترجمہ صرف "تو زیادہ بہتر ہے" کر کے عمل کی ترغیب کو کم کر دیا)

قارئین دیکھا آپ نے کہ اصل بات کیا ہے کہ آزاد کر کے نکاح کر لو۔ اور اہلحدیثوں و اہل فقہ نے اسے حرام کاری کا ذریعہ بنالیا ہے اور اسے حلال قرار دیتے ہیں۔ اب ذرا قرآن کریم میں سورہ النسآء کی چوبیسویں آیت کریمہ کی طرف آجایئے جس کے ایک ٹکڑے کو پیش کر کے موصوف حرام کاری کو حلال قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ آیت کریمہ نکاح کیلئے حلال قرار دے رہی ہے۔ پچھلی آیت نمبر ۲۳ میں اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کی فہرست دی جن سے نکاح کرنا حرام قرار دیا۔ ابھی فہرست ختم نہیں ہوئی کہ چوبیسویں آیت شروع ہو گئی۔ ملاحظہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں میں موصوف ہی کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

ترجمہ: "اور تم پر شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں سوائے ان لونڈیوں کے جو تمہارے قبضہ میں آجائیں، (یہ تمام عورتیں) اللہ کی طرف سے تم پر حرام کر دی گئی ہیں اور ان کے علاوہ تمام عورتیں تم پر حلال کر دی گئی ہیں (اس طرح) کہ اپنا کچھ مال (ان کو بطور مہر دے کر) ان سے نکاح کر لو (اس شرط کے ساتھ کہ) تمہاری نیت ان کو اپنے نکاح میں روکے رکھنے کی ہو (چند دن تک) اُن سے زنا (کر کے چھوڑ دینے) کی نیت نہ ہو اور جن عورتوں سے تم نے فائدہ اٹھایا ہے ان کو ان کے مقررہ مہر ادا کر دیا کرو، اگر مہر مقرر کرنے کے بعد آپس کی رضامندی سے (مہر میں کمی بیشی کر لو تو) تم پر کوئی گناہ نہیں، اللہ بڑے علم والا اور بڑی حکمت والا ہے (۲۴)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۳۔ ص ۶۴)

اب موصوف ہی کے اس ترجمہ کو موصوف کے اس ترجمہ سے جو انہوں نے آیت کے شروع کے ٹکڑے کا کر کے لونڈیوں سے حرام کاری کا جواز نکالا ہے، ملا کر دیکھ لیجئے اور خود ایمانداری سے فیصلہ کیجئے کہ "شوہر والی عورتیں بھی حرام ہیں سوائے ان لونڈیوں کے جو تمہارے قبضہ میں آجائیں" کس چیز کے لئے حرام بتائی جارہی ہیں اور کس چیز

---

۱۔ یہ قرآنی حکم موصوف نے بھی لکھا ہے اور پیچھے ہم آپ کو ملاحظہ کرا چکے ہیں۔۔۔ ۲۔ منہاج المسلمین، ص ۴۳۸ (بحوالہ صحیح بخاری، جلد۱، کتاب العتق، باب ۱۵۹۶ فَضل من ادّب جاريتهٗ و علمها، حدیث ۲۳۶۴، ص ۸۷۶)

سے مستثنیٰ کی جارہی ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہ نکاح کیلئے حرام کی جارہی ہیں اور سوائے ان کے جو تمہارے قبضہ میں آجائیں سے نکاح کی اجازت دی جارہی ہے جیسا کہ آیت کریمہ ہی میں بالکل واضح کر کے بتادیا۔ اور نکاح کی تعریف بھی بتادی کہ نکاح شہوت پرستی یا زناکاری کیلئے نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ کے لئے ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اُس مقام پر ہمارے موصوف نے جان بوجھ کر تحریف معنوی کی ہے تاکہ اپنے حدیثی عقائد کو تسکین دے سکیں۔

اس آیت کریمہ نے یہ حقیقت بھی واضح کر دی کہ چند دن کا نکاح (جس کو کچھ لوگ نکاحِ متعہ کہتے ہیں) بھی جائز نہیں بلکہ نکاح میں تو نیت ہمیشہ رو کے رکھنے کی ہونا چاہئے۔ اور مہر بھی ادا کرنا ضروری قرار دیدیا۔

لونڈیوں سے نکاح کرنے کو مزید وضاحت سے اگلی ہی آیت میں پھر دوہرا دیا گیا ملاحظہ ہو:

ترجمہ: ”اور (اے ایمان والو) اگر تم میں اتنی استطاعت نہ ہو کہ تم آزاد مومنہ عورتوں سے نکاح کر سکو تو اپنی مومنہ لونڈیوں میں سے کسی لونڈی سے نکاح کرلو، اللہ تمہارے ایمان سے بھی خوب واقف ہے (اور تمہاری خواہشات سے بھی واقف ہے اور اُسے یہ بھی علم ہے کہ تم لونڈیوں سے بھی اپنی خواہش پوری کر سکتے ہو اس لئے کہ) تم اور وہ آخر ایک دوسرے کے ہم جنس ہی ہو (ہاں یہ ضروری ہے کہ) ان لونڈیوں سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کیا کرو اور ان کو (بھی) دستور کے مطابق ان کا مہر ادا کیا کرو۔ (لونڈیوں سے بھی نکاح اس شرط کے ساتھ ہو کہ) وہ (پاک دامن ہوں) پاکدامن رہیں زناکاری نہ کریں اور نہ کسی (غیر مرد) کو (درپردہ) اپنا محبوب و آشنا بنائیں۔ پھر جب وہ کسی کی زوجیت میں آنے کے بعد بدکاری کر بیٹھیں تو ان کو آزاد عورتوں کی سزا کی نصف سزا دی جائے، (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) یہ اجازت اسی شخص کے لئے ہے جس کو گناہ کر بیٹھنے کا اندیشہ ہو اور (اگر ایسا اندیشہ نہ ہو تو یہ بات) کہ (آزاد عورت سے نکاح کرنے کی استطاعت پیدا ہونے تک) تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے (۲۵)“ (تفسیر قرآن عزیز، جلد۔۳، ص ۴۷)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ گناہ سے بچنے کا کس قدر زور دے رہے ہیں اور ہر ایک کی عزت عصمت قائم رکھنا چاہتے ہیں اور نکاح کے علاوہ کسی قسم کی شہوت پرستی پسند نہیں فرماتے مگر افسوس کہ ہمارے اہل حدیث و اہل فقہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف قرآنی آیات کی معنوی تحریف کر کے اور (نام نہاد) احادیث سے اس کی تائید کر کے شہوت پرستی و حرام کاری کا جواز نکالتے ہیں۔ (اعوذ باللہ) یہاں یہ حقیقت بھی قابلِ غور ہے کہ لونڈیوں سے بھی نکاح ان کے مالکوں کی اجات سے ہے اور وہ بھی بقول موصوف ہی کے اس شرط کے ساتھ کہ وہ پاکدامن ہوں اور پاکدامن رہیں۔ تو اگر ان کے مالک ہی نے اُن کو پاکدامن نہ چھوڑا ہو تو پھر کوئی دوسرا اُن سے نکاح کیسے کر سکتا ہے؟

ذرا سوچئے کہ اسلام میں حرام کاری جائز کیسے ہو سکتی ہے! جہاں تک غلام لونڈیوں کا تعلق ہے تو وہ بھی ہماری ہی جنس سے ہیں یعنی انسان ہیں اب اگر ان پر ظلم ہوتا ہے اور وہ غلام یا لونڈی بنالئے جاتے ہیں تو اس کے یہ معنی تو نہیں کہ ان کی عزت و عصمت سے بھی کھیلا جائے جیسا کہ کفار و مشرکین کرتے ہیں۔ اور نہ ہی کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اگر کسی آزاد عورت کے پاس کوئی مرد غلام ہو تو وہ اس سے صحبت کرے! تو پھر بچاری لونڈی نے کیا قصور کیا ہے؟

قارئین اصل بات یہ ہے کہ اسلام نے تو جنگی قیدیوں کو غلام یا لونڈی بنانے کی یکسر ممانعت فرمادی (۴۷/۴)

جیسا کہ پیچھے آیت کریم سے بتایا گیا اور خود یہ (نام نہاد) حدیثیں دیگر طریقوں سے حاصل کردہ غلام ولونڈیوں کو اپنا بھائی بہن کی طرح قرار دے رہی ہیں اور ان سے وہ سلوک کرنے کو کہہ رہی ہیں جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ تو اس طرح سے غلام ولونڈیوں کا مرتبہ زیادہ سے زیادہ خادم وخادمہ کا ہو سکتا ہے اور اس میں ایک دوسرے سے شراکت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً ایک خادم یا خادمہ ایک سے زیادہ لوگوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اور میرے اس مؤقف کی تائید خود (نام نہاد) حدیث سے ہوتی ہے۔ ملاحظہ ہو کہ امام المحدثین بخاری خود اپنی کتاب میں ایک باب قائم کرتے ہیں "جب دو آدمیوں کے درمیان کسی مشترک غلام یا چند شریکوں کے درمیان مشترک لونڈی کو کوئی شخص آزاد کردے" اور اس باب کے نیچے کئی روایتیں بیان کرتے ہیں جن میں سے ایک پیش خدمت ہے۔ ملاحظہ ہو:

"حدثنا احمد بن مقدام حدثنا الفضیل بن سلیمان حدثنا موسیٰ بن عقبة اخبرنی نافع عن ابن عمر انهٗ کان یفتی فی العبد او الامة یکون بین شرکاء فیعتق احدھم نصیبه من ہ یقول قد وجب علیه عتقه کله اذا کان للذی اعتق من المال ما یبلغ یقوم من ماله قیمة العدل و یدفع الی الشرکاء انصباؤھم و یخلیٰ سبیل المعتق یخبر ذالك ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیه و سلم و رواہ اللیث و ابن ابی ذئبٍ و ابن اسحٰق و جویریّة و یحییَ ابن سعید و اسمٰعیل ابن امیة عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیه و سلم مختصرًا۔

ترجمہ: احمد بن مقدام، فضیل بن سلیمان، موسیٰ بن عقبہ، نافع، ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فتویٰ دیتے تھے اگر کوئی غلام یا لونڈی چند شریکوں کے درمیان مشترک ہو، ان میں سے کوئی شخص اپنا حصہ آزاد کردے تو اس پر پورے غلام کو آزاد کرنا واجب ہے۔ جبکہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ منصف کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو۔ اور شریکوں کو ان کے حصہ کی قیمت دے دی جائے گی۔ اور آزاد کئے ہوئے (غلام اور لونڈی) کا راستہ چھوڑ دیا جائے گا۔ ابن عمرؓ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے تھے۔ اور اس کو لیث وابن ابی ذئب، ابن اسحاق وجویریہ ویحییٰ بن سعید اور اسمٰعیل بن امیّہ نافع سے، وہ ابن عمرؓ سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر طور پر روایت کرتے ہیں"۔[1]

غور کیجئے اس (نام نہاد) حدیث (یہ ایک حدیث میں دو حدیثیں ہیں اور دونوں کو رسول اللہ سلامٌ علیہ تک منسوب کیا گیا ہے) کے مطابق ایک غلام یا ایک لونڈی کے کئی مالک ہو سکتے ہیں تو کیا ہر مالک اس لونڈی سے صحبت کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ آپ یہی کہیں گے کہ نہیں! تو پھر یہ یقین کر لیجئے کہ اس غیر اسلامی تصور حرام کاری کا کوئی وجود زمانہ خیر القرون میں نہیں تھا اور نہ ہی اس قسم کی وحیٔ پوشیدہ کا کوئی وجود تھا۔ نہ ہی صحابہؓ کبار اس قدر شہوت پرست تھے جیسا کہ ان (نام نہاد) احادیث میں ان کو دکھایا گیا ہے۔ اس قسم کی روایات محض اسلامی معاشرہ اور صحابہؓ کے کردار کو داغدار

[1] صحیح بخاری، جلد اول۔ کتاب العتق۔ باب ۱۵۸۶ اذا اعتق عبدا بنی اثنین او امة بین الشرکاء (باب جب دو آدمیوں کے درمیان کسی مشرک غلام یا چند شریکوں کے درمیان مشترک لونڈی کو کوئی شخص آزاد کردے) حدیث ۲۳۴۷، ص ۸۶۹ مزید دیکھئے باب ۱۵۷۴ الشرکةِ فی الرقیق (لونڈی اور غلام میں شراکت، ص ۸۶۳)

کرنے کے لئے ڈھالی گئیں اور بڑے بڑوں کو لونڈی کی (غیر نکاحی) اولاد قرار دیدیا گیا۔ (اعوذ باللہ) ذرا (نام نہاد) حدیث میں اس جملہ پر غور کیجئے کہ: "جبکہ آزاد کرنے والے کے پاس اتنا مال ہو کہ منصف کی تجویز کے مطابق اس کی قیمت کے برابر ہو"۔ گویا کہ لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی جائز قرار دیدی! کیا اُس معاشرہ میں یعنی رسولی معاشرہ میں، ان کے سامنے یا ان کی موجودگی میں، لونڈیوں کی خرید و فروخت بھی ہوتی تھی جو یہ وحی پوشیدہ نازل ہوئی؟

## رضاعت کے بارے میں (نام نہاد) احادیث:

**(۳۹)۔** ... قارئین ملاحظہ ہو رضاعت کے بارے میں امام المحدثین مسلم اپنے ہمعصر تمام محدثین کی متفق علیہ (نام نہاد) احادیث لکھتے ہیں:

(۱)۔ "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت قال رسول الله صلی الله علیه و سلم و قال سویدٌ و زهیر ان النبی صلی الله علیه و سلم قال لا تحرم المصّة و المضتان۔

ترجمہ: جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی ایک بار یا دو بار دودھ چوسنے سے"۔[۱]

انہوں نے کم از کم پانچ (نام نہاد) احادیث اسی مضمون کی مختلف اسناد سے دی ہیں پھر لکھتے ہیں:

(۲)۔ "عن عائشه رضی الله تعالیٰ عنها انها قالت کان فیما انزل من القراٰن عشر رضعات معلومات یحرمن ثم نسحن بخمس معلومات فتوفی رسول الله صلی الله علیه و سلم وهی فیما یقرأ من القراٰن۔

ترجمہ: جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ قرآن میں اترا تھا کہ دس بار چوسنا دودھ کا حرمت کرتا ہے۔ پھر منسوخ ہو گیا اور یہ پڑھا گیا کہ پانچ بار دودھ چوسنا حرمت کا سبب ہے۔ اور وفات ہوئی رسول اللہ ﷺ کی اور قرآن میں پڑھا جاتا تھا"۔[۲]

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ بھی کیسے کیسے تجربات کرتے رہتے تھے کہ پہلے دس بار چوسنا مقرر کیا پھر پانچ بار چوسنا کر دیا؟ (معاذ اللہ)۔ پھر قرآن میں رسول اللہ ﷺ کی وفات تک پانچ بار چوسنا ہی پڑھا جاتا تھا۔ مگر بعد میں اس قرآن کے پتّوں کو شاید بکری کھا گئی کہ اب موجودہ کاغذی قرآن میں کہیں وہ آیت نہیں ملتی شاید اسی لئے اہل حدیث و اہل فقہ قرآن کا انکار کرتے ہیں! اور اس کو مجمل اور نامکمل کتاب مانتے ہیں! (معاذ اللہ)

غور فرمائیے کہ تمام اہل حدیث و اہل فقہ کے مطابق صحیح مسلم شریف کی یہ (نام نہاد) حدیث مبارک تو قرآن کی شرح ہے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمائی۔ (یہاں یہ اہم سوال سامنے آتا ہے کہ قرآن کی وہ کونسی آیت ہے جس کی شرح اس نام نہاد حدیث شریف میں کی گئی ہے؟؟ اس سوال کا جواب آپ اہلحدیث و اہل فقہ و ہمارے موصوف سے مانگ لیں۔) اب اس شرحِ قرآن کی شرح جو امام نووی نے ساتویں صدی ہجری میں فرمائی وہ ملاحظہ ہو مختصراً:

"اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ خمس رضعات کی قرأت آخر وقت میں منسوخ ہو گئی مگر چونکہ زمانہ اس

---

[۱]۔ صحیح مسلم، جلد ۴۔ کتاب الرضاع، ص ۶۷، ص ۶۸۔ [۲]۔ ایضاً۔

کے نسخ کا حضرت کی وفات سے بہت قریب تھا اس لئے اس کے نسخ کی کیفیت کسی کو معلوم ہوئی۔ کسی کو نہ معلوم ہوئی۔ اور بعد مشہور ہونے نسخ کے پھر سب نے اجماع کیا کہ اس کو قرآن میں نہ پڑھنا چاہئے"۔[1]

یاد کیجئے کہ ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیث واہل فقہ کا عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کریم کی شرح یا تفسیر فرمائی اور وہ بھی اس طرح کہ ان کو وہ تفسیر یا شرح قرآن کے علاوہ پوشیدہ طور پر وحی کی گئی (اسی لئے اس کو وحی خفی کہتے ہیں) تو پر جو شخص یا محدث یا امام اس وحی شدہ شرح کی شرح کرے تو اسے بھی وحیِ پوشیدہ ہی آئی ہو گی! (نعوذ باللہ) اور شارح امام نووی کو یہ وحی ساتویں صدی ہجری میں آئی کہ رضعات کی قرأت رسول اللہ ﷺ کے آخر وقت میں منسوخ ہو گئی تھی اس لئے تمام صحابہؓ کو معلوم نہ ہو سکا اور (خصوصاً حفاظ) وہ قرآن کو مع منسوخ شدہ آیت کے پڑھتے رہے حتیٰ کہ سب نے اجماع کیا کہ اس آیت کو قرآن میں نہ پڑھنا چاہئے! غور کیجئے کہ کسی آیت کو قرآن کریم میں لکھ کر پڑھنے یا نہ پڑھنے کا فیصلہ اس وقت کے حاضرین کر رہے ہیں! ان کو یہ فیصلہ (وحی الٰہی کے بارے میں) کرنے کا حق کس نے دیا؟ موصوف یا کوئی اور اہل حدیث واہل فقہ بتائے۔ نیز یہ بھی بتائے کہ یہ اجماع کب اور کہاں ہوا تھا؟ بہر حال شارح امام صاحب کو بذریعہ وحی اجماع کی تاریخ و مقام نہ بتایا گیا یا شاید انہوں نے اس کو پوشیدہ رکھنا ہی مناسب سمجھا ہو (یونکہ تقیہ کرنا بھی تو آخر دینی فریضہ ہے۔ لوگ تاریخ یا مقام معلوم کر کے کیا کریں گے)۔ قارئین کو شارح امام پر وحی آنے پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے یونکہ غیر نبی پر بھی وحی آنا ثابت ہے اور موصوف بھی اس کو مانتے ہیں۔ آگے شارح امام صاحب فرماتے ہیں:

"اور نسخ تین قسم ہے: ایک یہ کہ حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہو جائیں۔ دوسرے یہ کہ تلاوت منسوخ ہو جائے نہ حکم۔ مثال اول کی عَشْرَ رَضْعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ ہے کہ حکم اور تلاوت اس کی دونوں منسوخ ہو گئے۔ اور مثال دوسری قسم کی خَمسٍ رَضعَاتٍ ہے کہ حکم باقی ہے اور تلاوت منسوخ اور اسی طرح ہے اَلشَّیْخُ وَ الشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا کہ حکم رجم باقی ہے اور تلاوت اس آیت کی منسوخ۔ اور تیسری قسم یہ ہے کہ حکم اس کا منسوخ ہو جائے اور تلاوت اس کی باقی رہے۔ اور یہ بھی قرآن میں بہت ہے اور اسی قسم سے ہے۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَ یَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِیَّۃً لِّاَزْوَاجِھِمْ۔ الآیۃ کہ حکم اس کا منسوخ ہے اور تلاوت باقی"۔[2]

غور کیجئے کہ شارح امام صاحب پر یہ بھی وحی پوشیدہ ہوئی کہ یہ موجودہ کاغذی قرآن (جو بکری نے چھوڑ دیا تھا) منسوخیت کی چوں چوں کا مربّہ ہے کہ کوئی آیت پڑھی تو جاتی ہے مگر اس کے حکم پر عمل نہیں کر سکتے اور کوئی آیت قرآن میں ہے ہی نہیں مگر اس غیر القرآن پر عمل کرنا لازم ہے۔ کہئے ہے نا مزیدار مربّہ؟ (معاذ اللہ)۔ آگے شارح امام صاحب فرماتے ہیں:

"اور علما کا اس میں اختلاف ہے کہ حرمتِ رضاعت کس مقدار سے ثابت ہوتی ہے۔ سو جناب عائشہؓ صدیقہ اور امام شافعی اور ان کے اصحاب کا تو قول ہے کہ پانچ بار سے کم میں رضاعت ثابت نہیں ہوتی اور

---

1۔ حوالہ اگلے صفحہ پر دیکھئے۔ 2۔ صحیح مسلم جلد۔4، کتاب الرضاع۔ ص68 (خیال رہے کہ شارح امام صاحب کی قرآن کریم کی شرح کی شرح کا اختصار میں نے نہیں کیا ہے بلکہ یہ صحیح مسلم کے مترجم، اہلحدیثوں کے مشہور عالم علامہ وحید الزماں صاحب نے کیا ہے)

جمہور علما کا قول ہے کہ ایک بار میں بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اس قول کو ابن منذر نے حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ اور ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ اور عطاء اور طاؤس اور ابن مسیّب اور حسن اور زہری اور قتادہ اور حکم اور حماد اور مالک اور اوزاعی اور ثوری اور ابو حنیفہ رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے۔"[1]

غور کیجئے کہ شارح امام صاحب کیا فرما رہے ہیں کہ علما میں اختلاف ہے کہ حرمتِ رضاعت کس مقدار سے ثابت ہوتی ہے جبکہ انہوں نے جو ناموں کی فہرست دی ہے تو وہ تو صحابہؓ اور تابعین کی ہے گویا کہ صحابہؓ ہی میں آپس میں اسلامی احکام سمجھنے میں اختلاف تھا تو پھر آگے اتحاد کیسے ہو سکتا ہے ؟ یہ ہے سازش اسلام کے خلاف! (جبکہ ہمارے موصوف تو کہتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث یعنی شرح قرآن یعنی وحی پوشیدہ تو اختلاف ختم کر دیتی ہے، حالانکہ اسی کی وجہ سے امت مسلمہ میں اتنے لاتعداد فرقے بن گئے اور اختلافات کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا) حالانکہ اوپر کی وحی پوشیدہ میں بتایا گیا "کہ پانچ بار دودھ چوسنا حرمت کا سبب ہے"۔ اس کے معنٰی علما یہ جانتے ہی نہیں کہ اوپر کی وحی پوشیدہ نے (پوشیدہ طور پر) خَمْسٍ رَضْعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ کی آیت کی تلاوت تو منسوخ کر دی مگر حکم باقی رکھا ہے! تو پھر قرآن کی آیت رضاعت کی شرح و تفسیر کہاں ہوئی اور اس شرح کا معیار کیا ہوا کہ پھر بھی علما میں اختلاف ہی رہا۔

ذرا سوچئے در اصل یہ عقیدہ ہی قرآن کریم کے خلاف گہری سازش ہے کہ یہ منسوخیت[2] کی چوں چوں کا مربّہ ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ بنایا جاتا تو پھر امت واحدہ میں اختلاف کو کیسے بھڑکایا جاتا۔ اور اتنے فرقے کیونکر بنائے جاتے! اور ہر ایک مولوی اور امام کی چودھراہٹ کیسے قائم کی جاتی۔

اب ذرا امام المحدثین کی اسی سلسلہ رضاعت میں ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ کرتے چلیئے:

(۳)۔"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان سالما مولیٰ ابنی حذیفة رضی الله تعالیٰ عنهما کان مع ابی حذیفة و اهلهٗ فی بیتهم فاتت یعنی بنت سهیل رضی الله تعالیٰ عنها البنی صلی الله علیه و سلم فقالت ان سالمًا قد بلغ ما یبلغ الرجال و عقل ما عقلوا و اِنهٗ یدخُل علینا وَ انی اَظُن ان فی نفس ابی حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه من ذٰلك شیئًا فقال النبی صلی الله علیه و سلم ارضعیه تحرمی علیه و یذهب الذی فی نفس ابی حذیفة فرجعت فقالت اِنی قد ارضعتهٗ فذهب الذی فی نفس ابی حذیفة رضی الله تعالیٰ عنه۔

جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ سالم مولیٰ ابو حذیفہ کے ساتھ ان کے گھر میں رہتے تھے اور سہیل کی بیٹی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئیں (یعنی ابو حذیفہ کی بیوی) اور عرض کی کہ سالم حد بلوغ کو پہنچ گیا اور مردوں کی باتیں سمجھنے لگا اور وہ ہمارے گھر میں آتا ہے اور میں خیال کرتی ہوں کہ ابو حذیفہؓ کے دل میں اس سے کراہت ہے سو فرمایا اُن سے نبی ﷺ نے کہ تم سالم کو دودھ پلا دو۔ کہ تم اس پر حرام ہو جاؤ۔ اور وہ کراہت جو ابو حذیفہؓ کے دل میں ہے جاتی رہے۔ پھر وہ لوٹ کر آپؐ کے پاس آئیں اور عرض کی کہ میں نے اس کو دودھ پلا دیا اور ابو حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کراہت جاتی رہی"۔[3]

---

[1] ایضاً۔ ۔[2] آیات کی منسوخی کی تفصیل جاننے کے لئے مطالعہ کیجئے علامہ رحمت اللہ طارق صاحب کی کتاب "تفسیر منسوخ القرآن" شائع کردہ "دوست ایسوسی ایٹس۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار۔ لاہور۔ ۔[3] صحیح مسلم، جلد۔۴، کتاب الرضاع۔ ص ۶۹

قارئین! امام المحدثین نے یہ ایک ہی روایت نہیں دی ہے بلکہ ایسی کم از کم چار دی ہیں۔ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ:

"آپؐ نے فرمایا کہ تم سالم کو دودھ پلا دو۔ انہوں نے کہا میں اسے دودھ کیونکر پلاؤں اور وہ جوان مرد ہے۔ آپؐ مسکرائے اور آپ نے فرمایا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ جوان مرد ہے"[1]

غور کیجئے کہ یہ تمام محدثین کی متفقہ طور پر صحیح (نام نہاد) حدیثیں ہیں اور یہ کیا نقشہ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ سے بنائے ہوئے معاشرہ کا کھینچ رہی ہیں کہ جوان عورت جوان مرد کو اپنا دودھ چُوسا رہی ہے اور یقیناً پانچ پانچ مرتبہ تو ضرور چوسایا ہو گا کہ حرمتِ رضاعت بمطابق پچھلی (نام نہاد) حدیث شریف کے ثابت ہو جائے!

قارئین ہم آپ کو یہ بتاتے چلیں کہ اس سنتِ رسول بلکہ حکمِ رسول سے اہل فقہ نے تو عام طور پر اختلاف کیا ہے مگر پتہ نہیں کہ ہمارے موصوف نے اپنے ہاں اس سنت بلکہ حکمِ رسول کو زندہ کیا ہے کہ نہیں؟ اگر نہیں تو ان کو فوراً اس سنت کو زندہ کرنا چاہئے، ورنہ وہ گنہگار ہوتے رہیں گے یوں کہ ان کے ہاں "ترکِ سُنت گناہ ہے"۔[2]

ابھی تک تو بات تھی ذہنی عیاشی کی۔ جو کہ آپ نے ان (نام نہاد) متفقہ صحیح حدیثوں کو پڑھ کر خوب کر لی، اب ذرا سنجیدگی سے بھی غور کر لیجئے کہ ان (نام نہاد) حدیثوں کے ڈھالنے کا کیا مقصد تھا:

۱۔... یہ ظاہر کرنا کہ صحابہؓ و صحابیاتؓ اور خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نعوذ باللہ قرآن کریم سے واقف نہیں تھے کہ قرآن کریم میں اجازت عام ہے کہ سوائے تین اوقات کے تمہارے موالی یا غلام تمہارے رہنے کی جگہ میں بلا روک ٹوک آ جا سکتے ہیں (۲۴/ ۵۸) کتنی عجیب بات ہے کہ صحابیہؓ کو (جو کہ سہلہؓ بنت سہیل بن عمرو ہیں) قرآن کریم کی یہ اجازت نہیں معلوم اور وہ اپنے شوہر (جو کہ ابو حذیفہؓ ہیں اور بدری صحابیوں میں شمار ہوتے ہیں گو کہ جنگ نہ لڑ سکے تھے) کو یہ بات نہیں بتا سکتیں۔ خود صحابیؓ کو قرآنی اجازت نہیں معلوم اور وہ کراہت کرتے ہیں۔ عرض کرتی ہیں۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی ان کو قرآنی اجازت نہیں بتاتے (نعوذ باللہ انہیں بھی شاید آیت یاد نہیں تھی یونکہ اہلحدیثوں کے مطابق وہ آیات بھول جاتے تھے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بتا چکے ہیں) بلکہ ایک اتنی عجیب بات کرتے ہیں جو کہ آج کا ماڈرن مسلمان بھی پسند نہیں کرے گا کہ اس کی جوان بیوی یا بیٹی کا دودھ ایک جوان خادم پئے اور کم از کم پانچ پانچ چسکیاں لے!

ہمارے موصوف اور دیگر اہلحدیث فوراً یہ اعتراض کریں گے کہ اس وقت تک سورہ النور کی یہ آیت کریمہ نازل ہی نہیں ہوئی ہو گی!۔ ہم کہتے ہیں کہ اس امر کا تعین کرنا ہی ناممکن ہے کہ اس وقت تک یہ آیت کریمہ نازل ہو گئی تھی یا نہیں۔ خیر مان لیتے ہیں کہ اس وقت تک یہ آیات کریمہ نازل نہیں ہو چکی تھی۔ تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس معاملہ میں کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ہوتی تھی تو اس وقت رسول اللہ سلامٌ علیہ کا لائحہ عمل کیا ہوتا تھا؟

اہلحدیثوں ہی کی (نام نہاد) احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ ایسے معاملات میں رسول اللہ سلامٌ علیہ خاموشی

---

۱۔ ایضاً۔ ۲۔ "ترکِ سنت گناہ ہے" یہ ہمارے موصوف کا ایک پمفلٹ ہے اور ان کے عقیدہ کا حصہ ہے۔ ان کے ہاں مردہ سنتوں کو زندہ کرنا انتہائی اہم اور ضروری عقیدہ ہے۔

اختیار فرماتے تھے اور آیت نازل ہونے کا انتظار فرماتے تھے۔ کہئے کیا یہ غلط ہے ؟[1] وہ فوراً ایکدم سے اپنی طرف سے حکم نہیں دے دیتے تھے اور وہ بھی ایسا بیہودہ حکم کہ جوان عورت جوان مرد کو اپنا دودھ چوسائے !(اعوذ باللہ)

بہر حال ہمارے موصوف کے عقیدہ کے مطابق تو رسول اللہ سلام علیہ نے معاملہ کا جو حل پیش کیا وہ تو وحیٔ پوشیدہ نازل ہونے پر کیا ہو گا! تو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہی حکم کے خلاف وحی کر دی اور شاید اسی لئے پوشیدہ وحی کی !(معاذ اللہ)۔ غور کیجئے کہ بات کہاں تک پہنچی اور (نام نہاد) حدیث کی زد کس کس پر پڑی! یہ ہے قرآن اور اسلام کے خلاف گہری سازش!

۲۔... صحابہ کبارؓ و تابعینؒ میں خود آپس میں اسلامی احکام سمجھنے میں اور عمل کرنے میں اختلافات تھے! جب رسول ہی کے تربیت یافتہ افراد اسلام اور قرآن کو نہ سمجھ سکے تو ہم کیا سمجھ سکتے ہیں! اس طرح عام ایمان والوں کو متزلزل کر دو اور اسلام اور قرآن پر ان کا اعتماد ختم کر دو پھر جو چاہو غیر قرآنی عقائد ان کے دماغوں میں ڈال کر ان کو صحیح راہ سے ہٹا دو ........... اور اس طرح سے بعد میں کوئی اور رسول یا نبی یا امام یا مجدّد آنے کی راہ ہموار کرو۔

۳۔... قرآن کو ایک ایسی کتاب کی حیثیت سے پیش کرو کہ یہ منسوخ و غیر منسوخ آیات کی چوں چوں کا مربّہ ہے نیز اس میں ایسی آیات بھی ہیں جن پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں یونکہ ان پر عمل وحی پوشیدہ کے ذریعہ منسوخ ہو چکا۔ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو اس قرآن کے بارے میں اسی میں فرما رہے ہیں کہ اس میں صرف دو طرح کی آیات ہیں ایک محکم اور دوسری متشابہ (۳/۷)۔ مگر قرآن کے خلاف سازشیوں نے اور دو طرح کی آیات کا شوشہ بھی چھوڑ دیا کہ اس میں بعض آیات منسوخ شدہ بھی اور بعض پر عمل کرنا منسوخ ہو چکا ہے (ناسخ) مگر وہ صرف تلاوت کر کے ثواب کمانے کے لئے چھوڑ دی ہیں۔

۴۔... قرآن میں ایسا بھی مذاق ہے کہ آیت کی آیت ہی غائب کر دی مگر وہ وحی پوشیدہ میں پوشیدہ کر دی گئی اور اس کا حکم باقی رکھا گیا اور اس پر عمل کرنا فرض قرار دیدیا گیا۔

قارئین! غور فرمایئے کہ اگر یہ سب سازش نہ کی جاتی تو پھر تو آپ صرف قرآن ہی کو لئے ہوئے آج دنیا پر حکمرانی کر رہے ہوتے نہ آپ کے علیحدہ علحدہ مسلم ممالک ہوتے، نہ آپ کے فرقے ہوتے، نہ آپ کا شیرازہ بکھرا ہوتا، نہ آپ کی طاقت ٹوٹی ہوتی۔ اور نہ ہی پارسی و رومیوں نے دوبارہ اقتدار حاصل کیا ہوتا۔ نہ ہی آپ دوبارہ شرک میں مبتلاء ہوتے کہ کتاب اللہ کے ساتھ غیر کتاب اللہ کو شریک کرنے لگے بلکہ غیر کتاب اللہ کو کتاب اللہ پر قاضی اور حکم بنا دیا۔ غور کیجئے کہ کیا آپ خود یہ برداشت کر سکتے ہیں کہ آپ کی اپنی لکھی ہوئی کتاب پر کوئی اور حاشیہ آرائی کرے یا آپ کی موجودگی ہی میں اس کی شرح لکھ کر مزید تشریح کرے کہ آپ کا کتاب میں فلاں بات لکھنے کا مطلب و مقصد یہ ہے اور یہ ہے ؟ جب آپ خود اپنی لکھی ہوئی کسی کتاب پر اپنے ہی جیسے انسان کی حاشیہ آرائی پسند نہیں کرتے تو پھر خالق عالم کی

---

[1] دیکھئے "صحیح بخاری" جزء۔۳، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، باب ۱۲۱۱ ماکان النبی صل اللہ علیہ و سلم یسئل مما لم نزل علیہ الوحی فیقول لا ادری او لم یجب حتّٰی ینزل علیہ الوحی، و لم یقل برأی ولا بقیاس (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کسی ایسی چیز کے متعلق سوال کیا جاتا جس کے متعلق آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی ہوتی، تو فرماتے کہ میں نہیں جانتا، یا جواب نہ دیتے، جب تک کہ آپ پر وحی نازل نہ ہوتی، اور اپنی رائے اور قیاس سے نہ فرماتے) ص ۸۲۲

کتاب پر اس کی مخلوق کی حاشیہ آرائی کیسے پسند کرتے ہیں؟ بولئے! جواب دیجئے! کیا ہے آپ کے پاس کوئی منطق؟

قارئین اب شاید آپ رضاعت کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کا حکم جاننا چاہتے ہوں گے تو سنئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنا محکم اصول دیدیا۔ ملاحظہ ہو:

" وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ............

اور مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں

غور کیجئے کتنا واضح اصول ہے اور اسی آیت کریمہ میں آگے چل کر یہ وضاحت بھی کر دی کہ بچے کو دودھ پلانے کی پوری مدّت دو سال ہے یعنی اس سے کم بھی پلایا جا سکتا ہے اور اگر ماں اور باپ دونوں چاہیں کہ منت پوری ہونے سے پہلے کسی وجہ سے دودھ پلانا چھڑا دیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں وہ ایسا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ اہم نکتہ یہ ہے کہ اگر ماں کے علاوہ کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہیں تو معاوضہ دے کر ایسا بھی کر سکتے ہیں، ملاحظہ ہو۔

" وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ........

ترجمہ: اور (اے لوگو) اگر تم اپنی اولاد کو (ماں کے علاوہ کسی اور عورت سے) دودھ پلوانا چاہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ تم (ان دودھ پلانے والی عورتوں کو) دستور کے مطابق (ان کی) مقررہ اجرت پوری ادا کرو ..........." (البقرہ آیت ۲۳۳، تفسیر قرآن عزیز، جزء۔ ا، ص ۸۳۹)

(نوٹ: موصوف نے خود اپنی تفسیر میں معانی و مصادر کے زیرِ عنوان یَرْضَعُ کے معنی دودھ پینا، بچہ کا چھاتی چوسنا۔ لکھے ہیں)

قارئین یہاں اللہ کا عطا کردہ اصول کتنا واضح ہو گیا کہ بچہ کو (جوان کو نہیں) ماں یا کوئی دوسری عورت (بچپن میں ہی جوانی میں نہیں) دودھ پلا سکتی ہے۔ تو ظاہر ہے وہی رضاعت ہوئی۔ جوانی میں دودھ پینے سے رضاعت نہیں ہو گی۔ اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ خود اس بے شرمی کی پہلے اجازت دیں کہ جوان مرد جوان عورت کا دودھ دس ۱۰ دس ۱۰ مرتبہ چوسے پھر اس کو کم کر کے کہہ دیں کہ اچھا پانچ ۵ پانچ ۵ مرتبہ چوسے تو رضاعت ہو جائے گی۔ ان کے ہاں کلمات یا اصول یا قانون بدلا نہیں کرتا (۶۴/۱۰، ۲۹/۵۰)۔ اس قسم کی (نام نہاد) احادیث ڈھالنے کا مقصد ہی امت واحدہ میں افتراق پیدا کرنا تھا چنانچہ یہی ہوا کہ ان (نام نہاد) صحیح اور متفقہ احادیث کی وجہ سے فقہاء و علماء نے جہاں قرآنی آیات کو غیر قرآنی دو حصوں میں بانٹ دیا کہ ناسخ و منسوخ ویسے ہی انہوں نے رضاعت کو دو حصوں میں بانٹ دیا ایک "رضاعت صغیر" اور دوسری "رضاعت کبیر"۔ اور یَرْضَعُ کے معنیٰ "بچہ کا چھاتی چوسنا" کرنے اور لکھنے کے باوجود جوانوں کے لئے بھی رضاعت کبیر" جائز قرار دیدی۔ بہر حال ہمارے موصوف نے (شاید ہم جیسے مخالفین کے سمجھانے کے باعث) ایک جگہ باریک سافٹ نوٹ دیدیا، کہ وہ بھی قوسین میں، کہ بعد میں آپ نے رضاعت کبیر کو منسوخ کر دیا۔ ان کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:

"رضاعت کبیر سے مراد یہ ہے کہ بچّہ کو محرم بنانے کے لئے بری عمر میں دودھ پلایا جائے (بعد میں آپ ؐ نے اسے منسوخ کر دیا)"[۱]

---

[۱] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" فُٹ نوٹ ص ۹۲۳

"قارئین! ذراموصوف کے الفاظ پر غور کیجئے کہ کیا فرمارہے ہیں کہ بچے کو محرم بنانے کے لئے بڑی عمر میں دودھ پلایا جائے! یعنی جب بچہ جوان ہو جائے تو اسے دودھ پلایا جائے! کہئے یہ اہلحدیث فقہ کچھ آپ کی سمجھ میں آئی کہ بچہ اور جوان ایک ہو سکتا ہے؟

آگے ان کی قوسین کی عبارت پر غور کیجئے کہ "بعد میں آپ نے اسے منسوخ کر دیا" (اس کے صاف صاف معنیٰ تو یہ ہوئے کہ اللہ کی وحی کو رسول نے منسوخ کر دیا! شاید دونوں ہی وحی پوشیدہ تھیں!) گویا کہ رضاعت کبیر کی اجازت رسول اللہ سلامٌ علیہ نے دی تھی اور پھر آپ ہی نے اسے منسوخ کر دیا! گویا کہ اسلام میں بھی دو حکم چلتے تھے ایک اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا ان کے عبد رسول کا! حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حکم صرف انہی کا چلتا ہے۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۱۲/۴۰ ، ۱۲/۶۷)

قارئین! ذرا سوچئے۔ یہی وہ مقام ہے اور یہی وہ سازش ہے کہ قرآنی آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ (۵۴/۲۴) کے معنیٰ اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کر دیئے گئے یعنی دونوں کی اطاعت کرو۔ تو دو اطاعتیں تو جب ہی ہو سکتی ہیں کہ حکم بھی دو ہوں۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے حکم کے ساتھ رسول کا حکم بنام (نام نہاد) حدیث ڈھال دیا اور اس طرح دو کی اطاعتیں شروع کروادی گئیں۔ پھر آہستہ آہستہ اللہ کے حکم کو تو پس پشت کر دیا گیا اور صرف رسول سلامٌ علیہ کا حکم رہ گیا۔ آپ جس مسلمان سے بات کریں وہ چھوٹتے ہی یہ کہتا ہے: حدیث میں ہے، یا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا ہے، یا سنت تو یہ ہے۔ لیکن اگر آپ اس سے پوچھیں کہ بھائی اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے تو اسے نہیں معلوم یونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام تو پڑھتا ہی نہیں سمجھنا تو بعد کی بات ہے!

بہر حال ہمارے موصوف بادل نخواستہ رضاعت کبیر کو منسوخ تو لکھ گئے مگر کوئی حوالہ نہ دے سکے اور نہ ہی منسوخی کا حکم لکھا نہ موقعہ یا شان نزول لکھی ............ مگر افسوس کہ دیگر اہل حدیث و اہل فقہ آج تک اس مسئلہ میں اختلاف رکھتے ہیں (جیسا کہ ہم آپ کو شارح امام صاحب کی عبارت پیچھے ملاحظہ کرا چکے)۔ اب آگے بڑھنے سے پہلے ذرا انہی امام المحدثین مسلم کی آخری روایت بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ فرماتے ہیں:

(۴)۔"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت دخل علیّ رسول الله صلی الله علیه و سلم و عندی رجلٌ قاعدٌ فاشتدّ ذٰلك علیه و رَایتُ الغضب فی وجهه قالت فقلت یا رسول الله انهٗ اخی من الرضاعة قالت فقال انظرن اخواتکن من الرضاعة فانما الرضاعة عن المجاعة۔

جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس آئے اور میرے نزدیک ایک شخص (بیٹھا) تھا تو آپؐ کو ناگوار ہوا اور آپؐ کے چہرہ پر میں نے غصہ دیکھا اور میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ یہ میرا دودھ شریک بھائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ذرا غور کیا کرو دودھ کے بھائیوں میں اس لئے کہ دودھ پینا وہی معتبر ہے جو بھوک کے وقت میں ہو یعنی ایام رضاعت میں ہو یعنی دو برس کے اندر"۔[1]

قارئین! غور کیجئے کہ پچھلی تین (نام نہاد) احادیث کی طرح یہ روایت بھی جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی طرف منسوب ہے اور پچھلی روایت کے خلاف نقشہ کھینچ رہی ہے کہ:

[1] صحیح مسلم، جلد۔۴، ص ۷۱، صحیح بخاری جلد۔۳، کتاب النکاح، باب ۵۱، حدیث ۹۳، ص ۷۹

۱۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جب اپنی زوجہ محترمہ کے پاس کسی شخص کو بیٹھے دیکھا تو غصہ آ گیا۔ تو کیا وہی رسول دوسرے صحابی کی زوجہ محترمہ سے یہ کہہ سکتے تھے کہ جوان آدمی کو اپنا دودھ چوسا دو؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اخلاقِ حسنہ یہی تھا کہ اپنے لئے جو چیز پسند نہ فرمائیں وہ دوسرے کے لئے پسند فرمائیں؟ اور اُس پر طُرّہ یہ کہ جب صحابیہ سے جوان آدمی کو دودھ چوسانے کو کہا اور انہوں نے اس پر احتجاج کیا کہ جوان آدمی کو دودھ کس طرح چوساؤں تو آپ اس پر مسکرائے!

۲۔ جناب عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وضاحت کرنے پر کہ وہ شخص آپ کے رضاعی بھائی ہیں، پھر بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی تشویش ختم نہ ہوئی اور آپؐ نے اس بارے میں احتیاط برتنے کا حکم دیا۔ گویا کہ آپؐ کو جناب عائشہؓ کی وضاحت پر پورا یقین نہ آیا!

۳۔ پھر آپؐ نے فرمایا کہ رضاعت وہی معتبر ہے جو بھوک کے وقت میں ہو (یعنی ایّام رضاعت میں ہو یعنی دو۲ برس کے اندر)۔ جبکہ پچھلی (نام نہاد) حدیث میں رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی سالم کو، جو کہ جوان مرد تھے، دودھ پلانے کیلئے کہتے ہیں تاکہ رضاعت ہو جائے! تو کیا نعوذ باللہ رسول سلامٌ علیہ کا کردار ایسا ہوتا ہے کہ وہ ہاتھ کے ہاتھ بدلتا رہتا ہے! کبھی کچھ تو کبھی کچھ، کبھی ایک بات اور کبھی اس کے خلاف!

قارئین! ہمارے لئے تو جو رسول مبعوث کئے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ کی وحی ہم تک پہنچانے کے ذمہ دار تھے ان کا کردار تو ایسا تلوّن زدہ نہیں تھا بلکہ وہ تو بہت ہی اعلیٰ کردار و اخلاق کے مالک تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس حقیقت کی گواہی یہ کہہ کر دی کہ "وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ... (اور آپ تو یقیناً بڑے اعلیٰ درجہ کے اخلاق پر قائم ہیں[1]) ... (۶۸/۴) تو وہ تو ایسی بات نہیں کر سکتے تھے۔ ہو سکتا ہے کہ اہلحدیثوں و اہل فقہ کے رسول اس طرح کی بات کرتے ہوں جس پر اہلحدیثوں و اہل فقہ کو شرم نہیں آتی بلکہ وہ اس کی تاویل کر کے اس قسم کے رویّہ اور اس قسم کی مختلف فیہ روایات کو بھی صحیح ہی قرار دینے پر مُصر رہتے ہیں۔ اعوذ باللہ۔

قارئین! اب اگر آپ ہم سے یہ سوال کریں کہ امام المحدثین اور ان کے شارح امام صاحب کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے اس قسم کی مختلف فیہ اور ذہنی عیاشی کرانے والی (نام نہاد) احادیث اپنی کتابوں میں لکھیں! تو ہم تو صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اسی سے آپ ان کی ذہنی کیفیت و عقائد کا صحیح صحیح اندازہ کر لیجئے بالکل اسی طرح جس طرح ان کے ہمعصر محدثین کرام نے ان کی لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث کو متفقہ طور پر صحیح قرار دیا اور اہل حدیث حضرات آج تک اسے صحیح قرار دے رہے ہیں اور ان پر ایمان بھی رکھ رہے ہیں۔

## رسول کی عُسرت:

اب ذرا رسول اللہ سلامٌ علیہ کی عُسرت کے بارے میں وحی پوشیدہ ملاحظہ کر لیجئے:

**(۴۰)۔** ... امام المحدثین بخاری فرماتے ہیں:

(۱)۔" حدثنا محمد بن سنان حدثنا همام عن قتادة قال كنا عند انس و عندهٗ خبّازٌ لّهٗ

[1] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۹۔ ص۸۳۹

فقال ما اکل النبی صلی اللہ علیہ و سلم خُبزًا مُّر قَّقًا و لا شاۃً مسموطۃ حَتّٰی لقی اللہ۔

ترجمہ: محمد بن سنان، ہمام، قتادہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہم اَنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس تھے اور ان کے پاس ان کا روٹی پکانے والا بھی تھا تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے پتلی روٹی نہیں کھائی اور نہ ہی بھُنی ہوئی بکری کھائی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے"[1]

اور دیکھئے:

(۲)۔" حدثنا قتیبۃ حدثنا جریرٌ عن منصور عن ابراھیم عن الاسود عن عائشۃ رضی اللہ عنہا قالت ما تبع اٰل محمد صلی اللہ علیہ و سلم منذ قدم المدینۃ من طعام البُرّ ثلاث لیال تباعا حتی قبض۔

ترجمہ: قتیبہ، جریر، منصور، ابراہیم، اسود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ محمد ﷺ کے گھر والوں نے جب سے مدینہ آئے گیہوں کا کھانا سیر ہو کر تین دن تک متواتر نہیں کھایا یہاں تک کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو اُٹھالیا"۔[2]

قارئین! یاد کیجئے کہ ساری عمر واعظین و ذاکرین سے یہی سنتے رہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ مدینہ کی حکومت قائم ہونے کے باوجود بھی انتہائی غریب رہے اور کسمپرسی کی زندگی گزارتے رہے۔ مہینوں ان کے ہاں چولہا نہیں جلتا تھا اور کہیں سے کچھ تحفتًا کھانے اور پہننے کو آجاتا تھا تو اسی پر گزارہ ہوتا تھا(معاذ اللہ)۔ حتّٰی کہ تین تین دن بھوکے رہ کر پیٹ پر تین تین پتھر باندھنا پڑتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ اور تقریباً یہی بات اوپر کی دونوں (نام نہاد) احادیث میں کہی جارہی ہے جو کہ ایک صحابی انسؓ سے اور دوسری ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبان مبارک سے روایت ہیں۔ اور اسی قسم کی بہت سی (نام نہاد) حدیثیں دیگر امام المحدثین نے اپنی اپنی صحیح کتابوں میں لکھ کر امر کر دی ہیں اور قوم اس پر ہمدردی کے آنسو بہاتی ہے (اور کچھ لوگ ماتم بھی کرتے ہیں کہ رسول اور اٰلِ رسول دنیا سے بھوکے پیاسے ہی چلے گئے نعوذ باللہ)۔ ہمارے موصوف کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب میں خصائل رسول میں عُسرت کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں عُسرت اور تنگی کا یہ عالم تھا کہ دو دو مہینے گزر جاتے چولہا نہیں جلتا تھا، کھجور اور پانی پر گذر اوقات تھی۔ آپؐ کی زندگی میں ازواج مطہرات نے کبھی دو دن تک متواتر جَو کی روٹی پیٹ بھر کر نہ کھائی[3] (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

اب یہ روایات ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ کے نزدیک انتہائی صحیح ہیں اور ان کا اِن پر ایمان بھی ہے۔ مگر افسوس کہ ان کا قرآن کریم یعنی اللہ تعالیٰ کی گواہی پر ایمان نہیں۔ ملاحظہ ہو کہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ سورہ "والضحیٰ" میں جو کہ مکّی سورت ہے کیا فرماتے ہیں:

"وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞

[1] صحیح بخاری جلد۔۳، کتاب الاطعمہ، باب ۲۳۲ الخبز المرقق والاکل عن الخوان والسفرۃ، حدیث ۳۵۲، ص ۱۷۸

[2] صحیح بخاری، جلد۔۳، کتاب الاطعمہ، باب ۲۴۸، ما کان النبی صلی اللہ علیہ و سلم و اصحابہ یاکلون، حدیث ۳۸۱، ص ۱۸۶

[3] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۶۱۴

ترجمہ: عنقریب آپؐ کا رب آپؐ کو (اتنا) دے گا کہ آپؐ راضی ہو جائیں گے"۔(۵)[1]
پھر اللہ تعالیٰ اپنے دینے کی تصدیق اسی سورہ والضحیٰ میں یوں فرماتے ہیں!
"وَ وَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝
آپؐ کو تنگ دست پایا تو غنی کر دیا(۸) "[2]

قارئین غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو رسول سلامٌ علیہ کے غنی ہونے کی تصدیق فرما رہے ہیں جبکہ ہمارے اہل حدیث و اہل فقہ علما صرف عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غنی بتاتے ہیں اور حد تو یہ ہے کہ ان کے نام کے ساتھ غنی کا لفظ ہی بڑھا کر لکھتے ہیں مگر رسول کو معاذ اللہ ننگا بھوکا بتاتے ہیں۔ یہ ہے اہل حدیث و اہل فقہ کا اسلام! اور دیکھئے قرآن کریم میں سورہ "الاحزاب" میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ ۙ وَ لٰكِنْ اِذَا دُعِيْتُمْ فَادْخُلُوْا فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَ لَا مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيٖ مِنْكُمْ ۫ وَ اللّٰهُ لَا يَسْتَحْيٖ مِنَ الْحَقِّ ؕ....... (۵۳)

ترجمہ: اے ایمان والو، نبی کے گھر میں داخل نہ ہوا کرو مگر اس صورت میں کہ تم کو کھانے کے لئے اجازت دی جائے اور اس کے پکنے کا تم کو انتظار بھی نہ کرنا پڑے۔ الغرض جب تمہیں بلایا جائے تو جایا کرو اور جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جایا کرو باتوں میں دل لگا کر نہ بیٹھے رہا کرو، اس بات سے نبی کو تکلیف ہوتی ہے وہ تم سے (کہتے ہوئے) شرماتے ہیں لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا.......... (۵۳) "[3]

## رسول کے گھر میں لنگرِ عام ہوتا تھا

قارئین! غور فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ خود گواہی دے رہے ہیں کہ نبی سلامٌ علیہ کے ہاں تو صحابہؓ کی دعوت عام ہوتی تھی (ظاہر ہے کہ یہ دعوت اعزہ اقربا و قریش کی یا سیدون کی نہیں ہوتی تھی یونکہ آپ نے تو ہر طرح کی تفریق اور طبقاتی گروہ بندی ختم کر کے اپنی بھوپھی زاد بہن کو ایک افریقی غلام (شیدی) سے بیاہ دیا تھا اور تمام مسلمین و مومنین کو بھائی بھائی بنا دیا تھا، نہ کوئی بڑا رہا تھا اور نہ چھوٹا، نہ کوئی آقا تھا نہ غلام!) اور بالخصوص ان لوگوں کی جن کی مالی حالت کمزور ہوتی تھی یا ان کو اس دن کوئی روزگار نہ ملا ہوتا تھا۔ گویا کہ نبی سلامٌ علیہ کے گھر میں لنگر عام ہوتا تھا اور وہاں غیر اغنیاء جا کر پیٹ بھر سکتے تھے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اسلامی نظامِ ربوبیت ہی یہی ہے کہ اس میں نہ کوئی ننگا رہتا ہے اور نہ کوئی بھوکا سوتا ہے۔ غور کیجئے کہ کیا آج کسی حاکمِ وقت کے ہاں یا کسی عاشقِ رسول اہل حدیث و اہل فقہ عالم کے ہاں اس سنتِ رسول پر بھی عمل ہو رہا ہے کہ اس کے ہاں دعوتِ عام یا لنگر عام چلتا ہو؟ سوائے مخصوص مزاروں پر مخصوص اوقات و دنوں میں)

اس کے بالکل بر عکس ہمارے اہل حدیث و اہل فقہ علما کا تو یہ حال ہے کہ وہ اس آیت میں لفظ "دُعِيْتُمْ" کا ترجمہ بھی "دعوت" نہیں کرتے۔ حالانکہ دعوت ہی سے دُعِيْتُمْ بنا ہے خود ہمارے موصوف نے اِذَا دُعِيْتُمْ کا ترجمہ "جب تمہیں بلایا جائے" کیا ہے۔ یونکہ اگر وہ اس کا صحیح ترجمہ کر دیتے تو ان کے عقیدہ اور (نام نہاد) حدیث پر زَد پڑتی!

۱۔ "تفسیر قرآن عزیز"۔ جزء۔ ۱۰، ص ۴۵۶۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۵۶۔ ۳۔ "تفسیر قرآن عزیز"، جزء۔ ۷، ص ۱۱۳۹

لیکن دیکھئے کہ لفظ "فَانْتَشِرُوْا" کا ترجمہ "منتشر ہو جایا کرو" کیا ہے ۔ اسی کو کہتے ہیں "ذہنی بد دیانتی" (Intellectual dishonesty)

موصوف کے متبعین شاید یہ اعتراض کریں کہ آیت کریمہ میں دعوتِ عام یا لنگر عام کا ذکر نہیں۔ کبھی ایسا ہوا ہو گا! تو یہ اعتراض بالکل غلط اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہو گا یونکہ پہلی بات تو یہ کہ آیت کریمہ میں لفظ دُعِیْتُمْ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ہیں کہ جب تم کو دعوت دی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ آیت کریمہ کا قرینہ بتا رہا ہے کہ یہ ایک مرتبہ کا واقعہ نہیں بلکہ نبی کے گھر میں داخلہ کے آداب قرآنی آیات سے، (نام نہاد) حدیث سے نہیں، سکھائے جا رہے ہیں کہ جب کھانا تیار ہو جائے اور اندر بلایا جائے تو اندر جائیں اور کھانا کھا کر وہیں نہ بیٹھے رہیں بلکہ وہاں سے علیحدہ ہو جائیں، منتشر ہو جائیں، باہر آ جائیں تا کہ دوسروں کو بھی فوراً موقعہ مل جائے اور نبی کا بھی زیادہ وقت اس میں نہ خراب ہو۔ کہئے یہ ادب کسی گزری ہوئی دعوت کیلئے سکھایا جا رہا ہے یا جو روز کا معمول ہو اس کے لئے سکھایا جا رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک مستقل عمل تھا اسی وجہ سے قرآن کریم میں اس کی اصولی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔ اب کوئی ہٹ دھرمی اور ذہن پرستی سے نہ مانے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

اب ذرا اس آیت کریمہ کے آخری حصہ پر بھی غور کرتے چلئے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ترجمہ: "جب تم کھا چکو تو منتشر ہو جایا کرو باتوں میں (لِحَدِیْثٍ) دل لگا کر نہ بیٹھے رہا کرو اس بات سے نبی کو تکلیف (یُؤْذِی = ایذا ہوتی ہے) ہوتی ہے۔ وہ تم سے کہتے ہوئے شرماتے ہیں۔ لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا"۔

غور کیجئے کہ نبی سلامٌ علیہ کے پاس بیٹھ کر اگر قرآن کے علاوہ اِدھر اُدھر کی کوئی اور بات ہو سکتی تھی تو اس (حَدِیْثٍ) سے منع فرما دیا گیا یونکہ اس سے نبی سلامٌ علیہ کو بھی اذیت ہوتی تھی (کہ غیر قرآن کی بات ہو رہی ہے جبکہ ان کو صرف اور صرف قرآن کریم کی تبلیغ کا حکم تھا)۔ جبکہ ہمارے موصوف کا عقیدہ ہے کہ نبی سلامٌ علیہ کے پاس تو حدیث ہی ہوتی تھی۔ اور اس کو لکھنے کی بھی اجازت تھی۔ آپ خود لکھ کر دیتے تھے! اور لکھوا کر دیتے تھے۔ اور لوگوں کی لکھی ہوئی کو چیک بھی کرتے تھے۔ معاذ اللہ۔ جس بات سے نبی کو اذیت ہو اور جس کام سے اللہ تعالیٰ خود منع فرمائیں (کہ نبی تو تم سے کہتے ہوئے شرماتے ہیں لیکن اللہ حق بات کہنے سے نہیں شرماتا) اور اس کو حق بتائیں ہمارے موصوف اسی کے خلاف عقیدہ رکھیں گے! اور (نام نہاد) حدیث ہی کو مقدم رکھیں گے اور اسے وحی مانیں گے! کہئے اگر قرآن کے علاوہ (نام نہاد) حدیث بھی وحی ہوتی تو کیا اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتے؟

اب غور کیجئے کہ اوپر جو دو (نام نہاد) حدیثیں بیان کی گئی ہیں، جو کہ دو صحابہؓ کبار کی طرف منسوب ہیں، کیا سچ ہو سکتی ہیں جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود ان کے خلاف گواہی دے رہے ہیں۔ یہ حقیقت اپنی جگہ پتھر کی لکیر ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرآن کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ثابت ہوا کہ یہ بعد والوں کا جھوٹ ہے۔ زمانہ خیر القرون میں موصوف کی اس وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہ تھا یہ سب بعد کی پیداوار ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو امام المحدثین بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث شریف:

**(۴۱)**۔ ... امام المحدثین بخاری فرماتے ہیں:.

(۱)۔"حدثنا سعید بن ابی مریم حدثنا ابو غسّان قال حدثنی ابو حازم انه سال سهلا هل رایتم فی زمان النبی صلی الله علیه و سلم النقی قال لا فقلت کنتم تنخلون الشعِیر قال لا ولکن کنا ننفخهٗ۔

ترجمہ: سعید بن مریم، ابو غسان، ابو حازم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے سہل سے پوچھا کہ کیا تم نے نبی ﷺ کے زمانہ میں میدہ دیکھا تھا، انہوں نے کہا نہیں، پھر میں نے پوچھا کیا جَو کے آٹے کو چھانتے تھے، انہوں نے کہا نہیں، لیکن ہم لوگ اسے پھونک لیا کرتے تھے"۔[۱]

اور ملاحظہ ہو:

(۲)۔" حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا یعقوب عن ابی حازم قال سالت سهل بن سعد فقلت هل اکل رسول الله صلی الله علیه و سلم النقی فقال سهلٌ ما رایٰ رسول الله صلی الله علیه و سلم النقی من حین ابتعثه الله حتی قبضه الله قال فقلت هل کانت لکم فی عهد رسول الله صلی الله علیه و سلم مناخل قال ما رایٰ رسول الله صلی الله علیه و سلم منخلا من حن ابتعثه الله حتی قبضه الله قال قلت کیف کنتم تاکلون الشعیر غیر منخول قال کنا نطحنهٗ و ننفخهٗ فیطیر ما طار وما بقی ثریناہ فاکلناہ۔

ترجمہ: قتیبہ بن سعید، یعقوب، ابو حازم بیان کرتے ہیں کہ میں نے سہل بن سعد سے دریافت کیا کہ کیا نبی ﷺ نے میدہ کھایا تھا؟ سہل نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کیا (میدہ کھاتے ہوئے) نہیں دیکھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اٹھالیا۔ پھر میں نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تم چھلنی استعمال کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے چھلنی نہیں دیکھی جب سے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو مبعوث کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو اُٹھالیا، میں نے پوچھا تم لوگ بغیر چھانے ہوئے جَو کس طرح استعمال کرتے تھے؟ انہوں نے کہا: ہم اس کو پیس لیتے تھے اور پھونک مارتے تھے جس قدر اس کا چھلکا اُڑنا ہوتا اُڑ جاتا اور جس قدر باقی رہتا ہم اس کو گوندھتے اور کھاتے"[۲]

اب ذرا ان دونوں (نام نہاد) احادیث پر غور کرتے ہیں:

۱۔ سب سے پہلے دیکھئے کہ دونوں روایتیں ایک ہی راوی سہل سے ہیں جن کی وضاحت دوسری روایت میں ان کی ولدیت دیکر کر دی گئی ہے کہ یہ سہل بن سعد (ساعدی انصاری) رضی اللہ تعالیٰ عنہ، صحابیٔ رسول ہیں۔ ان سے یہ سوال کیا جارہا ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے میدہ دیکھا تھا یا کھایا تھا؟ تو اس کا جواب وہ دیتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنی بعثت سے وفات تک میدہ نہیں دیکھا یا نہیں کھایا۔

۲۔ پھر ان سے سوال ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں تم (یعنی لوگ) چھلنی استعمال کرتے تھے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ بعثت سے وفات تک رسول اللہ سلامٌ علیہ نے چھلنی نہیں دیکھی۔

[۱] صحیح بخاری، جلد۔۳، کتاب الاطعمہ، باب ۲۴۷، اَلنَّفْخ فی الشّعِیر، حدیث ۳۷۵، ص ۱۸۵۔ [۲] ایضاً۔ باب ۲۴۸، ما کان النبی صلی الله علیه و سلم و اصحابه یاکلون، حدیث ۳۷۸، ص ۱۸۶

قارئین بس ذرا یہاں ٹھہر جائیے اور غور کیجئے، یونکہ یہی وہ نقطۂ عروج ہے جس سے آپ کے سارے مسائل اور سارے خلجان و خلشِ دل ختم ہو جائے گی! ذرا غور کیجئے کہ تار بننا کب شروع ہوا جس سے چھلنی بنائی جانے لگی؟ یا ٹین کی چادر کب بننا شروع ہوئی جس میں سوراخ کر کے چھلنی بنائی جانے لگی؟ یا کسی بھی چیز سے چھلنی کب بننا شروع ہوئی؟ اگر آپ نے سنجیدگی سے یہ راز معلوم کر لیا تو پھر یقیناً آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ روایات یا (نام نہاد) احادیث کب وحی بنیں! یعنی اگر چھلنی پہلی صدی ہجری میں ایجاد ہو کر مکہ مدینہ پہنچ گئی تھی تو یہ (نام نہاد) احادیث پہلی صدی ہجری میں بنائی گئیں، اگر دوسری صدی میں چھلنی ایجاد ہوئی تو دوسری صدی میں یہ (نام نہاد) احادیث بنیں، اگر تیسری صدی میں چھلنی ایجاد ہوئی تو تیسری صدی میں (نام نہاد) احادیث بنیں۔ غرض یہ کہ (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کی ایجاد کا تعین چھلنی کی ایجاد سے کر لیجئے (گو کہ یہ ضروری نہیں کہ چھلنی مکہ مدینہ ہی میں ایجاد ہوئی ہو، اگر یہ بخارا یا ماوراء النہر کے کسی اور علاقہ میں ایجاد ہوئی ہو گی تو اس کی تجارتی پیمانے پر تیاری، فروخت اور مکہ مدینہ تک ترسیل میں بھی وقت لگے گا۔ خیر اسے نظر انداز کر دیجئے)۔ آپ کی ساری پریشانی ختم ہو جائے گی اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی علیحدہ علیحدہ ہو جائے گا۔ اور یہ ثابت ہو جائے گا کہ زمانہ خیر القرون میں (نام نہاد) احادیث یا وحی پوشیدہ کا کوئی وجود نہیں تھا۔ یعنی تو جب چھلنی ایجاد ہوئی تو اس کے بعد حدیثی ٹکسالیں قائم کی گئیں۔ (خیال رہے کہ برصغیر ہند و پاک جیسے خطہ ارض پر جہاں اب سے تقریباً پچاس سال پہلے تک انگریز بہادر کی حکمرانی تھی وہاں بھی ہر گاؤں اور ہر دیہات تک چھلنی نہیں پہنچ سکی تھی بلکہ لوگ موٹا آٹا ہی، پھوک مار کر بھوسی اڑا کر، کھاتے تھے جیسا کہ روایت میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے دَور کے بارے میں بتایا گیا ہے اور جو کہ اس دَور میں فطری طریقہ تھا)۔ حدیثیں بننے لگیں، کتابیں لکھی جانے لگیں۔ فوٹو اسٹیٹ کاپی کر کے دوسرے تمام محدثین کو بھیجی جانے لگیں تا کہ وہ ان کے صحیح ہونے پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر سکیں۔ پھر ان کی تصدیق کے بعد اماموں نے اپنی کتابیں شائع کرائیں مگر رہیں وہ پھر بھی عام لوگوں سے پوشیدہ۔ آخر کو وحیٔ پوشیدہ جو ٹھہریں!

قارئین اگر موقعہ ملے تو یہ بھی تحقیق کر لیجئے کہ آٹے سے میدہ (اور میدہ سے پراٹھا، کچوری یا ڈبل روٹی وغیرہ) کب بننا شروع ہوا؟ وہ کونسی چکّیاں تھیں جو میدہ بناتی تھیں اور پھر یقیناً سوجی بھی بناتی ہوں گی اور پھر یقیناً سوجی کا حلوہ بھی بنتا ہو گا! اگر آپ کو تحقیق سے میدہ اور چھلنی بننے کے وقت کا تعین ہو جائے تو پھر آپ آسانی سے فیصلہ کر سکیں گے کہ یہ (نام نہاد) احادیث کس زمانہ میں پوشیدہ طور پر وحی ہوئیں!

اس (نام نہاد) حدیث میں ایک اور حقیقت بھی پوشیدہ ہے کہ راویٔ حدیث سہل بن سعد یہ فرماتے ہیں کہ "میں نے رسول اللہ ﷺ کو جب سے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مبعوث کیا (میدہ کھاتے ہوئے) نہیں دیکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اُٹھا لیا"۔ گویا کہ رسول کی بعثت کے وقت یا اس کے نزدیک وہ وہاں موجود تھے اور ان کے طعام پر نظر رکھے ہوئے تھے! جبکہ وہ یقیناً مدنی صحابی ہیں اور اگر صحابی ہیں تو کب اور کہاں ایمان لائے؟ کیا وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے پاس ہر وقت ہوتے تھے اور شروع میں مکہ میں ایمان لانے والوں میں شامل تھے؟ جب آپ ان دونوں سوالوں کے صحیح جوابات تحقیق کر لیں تو (نام نہاد) حدیث کے صحیح یا گھڑنت ہونے کا فیصلہ کر لیجئے گا۔

## اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے معنٰی

**(۴۲)۔** ...ہمارے موصوف نے اپنی مایہ ناز کتاب صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالہ سے ایک واقعہ لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو:

''ایک دن ایسا ہوا کہ بنو عمرو بن عوف کے کچھ لوگوں میں جھگڑا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے۔ ابھی رسول اللہ ﷺ واپس تشریف نہیں لائے تھے کہ نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت بلالؓ حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور کہا ''اگر آپ لوگوں کو نماز پڑھا دیں تو میں اقامت کہوں''۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا ''ہاں، اگر تم چاہو''۔ حضرت بلالؓ نے اقامت کہی۔ حضرت ابو بکرؓ اور صحابہؓ کرام نے نماز شروع کی۔ تھوڑی ہی دیر میں رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے۔ آپؐ صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے ہاتھ پر ہاتھ مارنا شروع کیا۔ حضرت ابو بکرؓ نماز میں اِدھر اُدھر متوجہ نہیں ہوتے تھے لیکن جب لوگوں نے کثرت سے تصفیق کی (یعنی ہاتھ پر ہاتھ مارے) تو حضرت ابو بکرؓ نے ادھر ادھر دیکھا (اس وقت تک نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی) حضرت ابو بکرؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہیں رسول اللہ ﷺ نے اشارہ کیا کہ اپنی جگہ پر کھڑے رہو۔ حضرت ابو بکرؓ نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اس بات پر کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں نماز پڑھانے کا حکم دیا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (کچھ دیر بعد) حضرت ابو بکرؓ اُلٹے پاؤں پیچھے آ کر صف میں شامل ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ آگے بڑھ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھائی۔ جب آپؐ نے سلام پھیرا تو فرمایا، ''اے ابو بکر جب میں نے تم کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تم کو وہاں قائم رہنے سے روکا؟'' حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ، ابو قحافہ کے بیٹے کی یہ کہاں مجال کہ رسول اللہ ﷺ کے آگے کھڑا ہو کر نماز پڑھائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے کہا ''کیا بات ہے کہ میں نے تمہیں کثرت سے تصفیق کرتے دیکھا۔ اگر کسی کو نماز میں کوئی بات پیش آ جائے تو اُسے سبحان اللہ کہنا چاہئے کیونکہ جب وہ سبحان اللہ کہے گا تو اُس کی طرف توجہ کی جائے گی۔ تصفیق تو عورتوں کے لئے ہے''[۱]

غور کیجئے اس (نام نہاد) حدیثی واقعہ نے تو بہت سے اہم پہلو واضح کر دیئے۔

(۱)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ ''صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں آ کر کھڑے ہو گئے''۔ گویا کہ آپ نے صفوں میں اچھا خاصا انتشار پیدا کر دیا (معاذ اللہ) حالانکہ صفوں کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنانے کا حکم ہے[۲]

(۲)۔ لوگوں نے تصفیق شروع کی۔ جس پر نماز کے بعد آپ نے لوگوں پر اعتراض کیا اور بتایا کہ تصفیق عورتوں کے لئے ہے جبکہ مردوں کو سبحان اللہ کہنا چاہئے۔ گویا کہ اس وقت تک (۳۰۰۰ سنہ ھ میں) آپ نے

---

۱۔ صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ متفرق واقعات ۳۰۰۰ سنہ ھ، ''رسول اللہ ﷺ کا صلح کرانے کے لئے تشریف لے جانا، ص ۲۴۲، بحوالہ صحیح بخاری کتاب الاذان باب من دخل لیوم الناس فجاء الامام الاول عن سهل بن سعد و ابواب العمل فی الصلوٰة باب ما یجوز من التسبیح و الحمد فی الصلوٰة للرجل (جلد۔۱، ص۳۰۹) و صحیح مسلم کتاب الصلوٰة باب تقدیم الجماعۃ من تصیلی بهم (جلد ۔۲، ص۴۵۔۔۔ ۲۔ دیکھئے موصوف کی کتاب صلوٰة المسلمین، زیرِ عنوان صف بندی۔ ص ۱۲۱

وحی شدہ نماز کا طریقہ لوگوں کو بتایا ہوا نہیں تھا اب بتا رہے ہیں حالانکہ موصوف کے مطابق نماز تو سن ہجری سے پہلے معراج میں فرض ہوئی تھی اور پھر پہلی ہجری میں جبریل نے آکر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی امامت کر کے ان کو نماز سکھائی تھی۔ تو اتنے عرصہ تک لوگ بغیر وحی کے رہے (معاذ اللہ)

(۳)۔ لوگوں کے کثرت سے تصفیق کرنے پر حضرت ابو بکرؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا! گویا کہ نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنا منع نہیں تھا!

مگر ہمارے موصوف نے فوراً قوسین لگا کر اپنی رائے دی کہ "اس وقت تک نماز میں اِدھر اُدھر دیکھنے کی ممانعت نہیں ہوئی تھی"۔ مگر وہ یہ نہ بتاسکے کہ یہ ممانعت پھر کب اور کون سی وحی کے تحت ہوئی؟

اس کے صاف معنٰی کہ جبریل نے ادھورا طریقہ ہی بتایا تھا یا ادھوری باتیں ہی بتائی تھیں یا پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے پورا طریقہ لوگوں کو نہیں پہنچایا تھا! بلاغ نہیں کیا تھا! (نعوذ باللہ)۔ غور کیجئے کہ زَدّ کہاں تک پہنچتی ہے!

(۴)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ صفوں کو چیرتے ہوئے پہلی صف میں آکر کھڑے ہو گئے تھے اور لوگوں کے تصفیق کرنے پر حضرت ابو بکرؓ نے اِدھر اُدھر دیکھا تھا۔ تو پیچھے کھڑے ہوئے رسول سلامٌ علیہ کیسے نظر آ گئے؟ جبکہ پیچھے نہیں دیکھا تھا!

(۵)۔ سب سے اہم پہلو یہ کہ حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان اطہر سے نکلے ہوئے الفاظ نہیں مانے۔ یعنی انہوں نے وحی نہیں مانی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ انہوں نے تو رسول کی موجودگی ہی میں رسول کا حکم نہیں مانا کہ خود رسول کو پوچھنا پڑا کہ "اے ابو بکر جب میں نے تم کو حکم دیا تھا تو کس چیز نے تم کو وہاں قائم رہنے سے روکا؟"

اور اتنا کچھ ہونے کے باوجود ان پر منکرِ حدیث یا منکرِ حکمِ رسول یا نافرمانی کرنے کا فتویٰ نہیں لگا۔ جبکہ ہمارا مُلّا تو رسول سلامٌ علیہ کی غیر موجودگی میں اب فوراً فتویٰ لگا دیتا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ وحی پوشیدہ کا کوئی تصور اس وقت موجود نہیں تھا اور نہ کوئی منکرِ حدیث کہلاتا تھا اور نہ پھر سب سے پہلے منکرِ حدیث حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوتے۔ اور صرف پہلے منکرِ حدیث ہی نہیں بلکہ انہوں نے تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے سامنے ہی ان کے حکم کی اطاعت ہی نہیں کی! حالانکہ اطاعت کے معنی اسی طرح کے حکم کی فعلی اطاعت ہیں نا کہ اتباعِ رسول جو کہ اللہ کے حکم بذریعہ رسول، کو دل سے ماننے اور عمل کرنے کے ہیں۔

کہئے کیا وہ اطیعوا الرسول کے معنٰی زیادہ صحیح سمجھتے تھے یا ہمارا مُلّا زیادہ صحیح سمجھتا ہے؟

کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان اطہر سے نکلا ہوا ہر لفظ یا ہر فقرہ وحی الٰہی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ فطری حقیقت ہے کہ روزمرہ زندگی میں سینکڑوں باتیں وہ اپنی طرف سے کرتے تھے۔ اور یہی حقیقت اطیعوا الرسول کے معنٰی واضح کر کے سمجھا دیتی ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم میں یعنی القرآن ہے (اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی ہے ورنہ تو پھر وہ صرف پیغامبر رہ جاتے ہیں)۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اس لئے وہ جو پیغام اللہ تعالیٰ کا پہنچائیں گے اس کی اطاعت وہ خود کریں گے اور دوسرے ایمان لانے والے بھی ان کی اطاعت کرتے ہوئے اللہ کے اس

حکم کی اطاعت کریں گے۔ یہ ہو ااطیعوا الرسول۔

پس پوشیدہ وحی یا (نام نہاد) احادیث کا اس زمانہ میں کوئی وجود نہیں تھا۔ بلکہ انہی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دور خلافت میں جمع کئے گئے ایک ذخیرہ کو جلا کر اس کا نام ونشان مٹا دیا تھا۔[1] (تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی)۔

**(۴۳)۔** ... ہم پیچھے یہ بتا آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (بقول موصوف ہی کے) رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بستر مرگ پر کاغذ قلم لانے کے حکم کو ماننے سے انکار کر کے مشہو جملہ فرمایا تھا کہ حَسْبُنَا کِتٰبَ اللّٰہِ (ہمیں صرف اللہ کی کتاب کافی ہے) اور ایک دوسرے موقعہ پر فرمایا تھا کہ لَا نَتْرُکُ کِتٰبَ اللّٰہِ (ہم اللہ کی کتاب کو نہیں چھوڑیں گے) اس کے بعد دیکھئے وہ، وہ کام کرتے ہیں جس کے لئے کوئی وحی پوشیدہ نہیں تھی۔ یہ واقعہ ان کے دَورِ خلافت کا ہے جو آج عام رکن اسلام بنا ہوا ہے۔ اسے ہم آپ کو موصوف ہی کے الفاظ میں سناتے ہیں:

" حضرت عمرؓ اور تراویح: ایک مرتبہ رمضان کی ایک رات کو حضرت عمرؓ مسجد تشریف لے گئے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ مسجد میں مختلف جماعتیں ہو رہی ہیں اور کچھ ایسے بھی لوگ ہیں جو اکیلے نماز پڑھ رہے ہیں (ان متفرق جماعتوں کو دیکھ کر) کہنے لگے "اگر میں ان تمام لوگوں کو ایک قاری پر جمع کر دوں تو (سُنت کے) زیادہ مثل ہو گا" آخر انہوں نے اس بات کا پختہ ارادہ کر لیا اور ان سب کو جمع کر کے حضرت اُبَی بن کعبؓ کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم دیا۔ (یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک چھوٹی سی مسجد میں، ایک ہی وقت میں، مختلف جماعتیں ہو رہی ہیں اور کچھ لوگ اکیلے اکیلے بھی نماز پڑھ رہے ہیں؟؟ کیا نماز تراویح میں قرآن حکیم کی تلاوت نہیں ہو رہی تھی کہ سب ایک وقت میں نماز پڑھ رہے تھے؟ کیا سب سرّی طور پر نمازیں پڑھ رہے تھے جبکہ حکم جہر سے پڑھنے کا ہے (صدیق)

حضرت اُبَی بن کعب کی امامت میں اکثر لوگ اول شب ہی تراویح پڑھ لیا کرتے تھے (لیکن حضرت عمرؓ آخری شب میں تراویح یعنی تہجّد ادا کرتے تھے) ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ پھر کسی رات کو مسجد تشریف لے گئے، لوگ حسبِ معمول ایک ہی امام کے پیچھے قیام اللیل میں مصروف تھے۔ حضرت عمرؓ یہ سماں دیکھ کر فرمانے لگے "یہ بدعت اچھی ہے" (یعنی متروکہ سنت کو از سرِ نو جاری کر دینا ہی اچھی بدعت ہو سکتی ہے نہ کہ کسی نیک کام کو ایجاد کرنا) پھر فرمایا" جس وقت یہ سوتے ہوتے ہیں وہ وقت اس وقت سے افضل ہے جس وقت یہ نماز پڑھتے ہیں یعنی آخری شب میں" (قیام اللیل افضل ہے)۔ (صحیح بخاری کتاب صلوٰۃ التراویح عن ابی ہریرۃؓ)

مندرجہ بالا واقعہ پر تبصرہ: رسول اللہ ﷺ نے تراویح تین دن پڑھا کر اس خیال سے چھوڑ دی تھی کہ کہیں آپؐ کے ہمیشہ پڑھنے سے امت پر لازمی نہ ہو جائے اور پھر وہ اسے ادا نہ کر سکے تو گناہگار ہو (صحیح

---

[1] تحفہ اہل سنت از امام سنت مولوی عبد الشکور صاحب لکھنوی۔ مقدمہ تفسیر آیات خلافت، ص ۴۲، بحوالہ تذکرۃ الحفاظ۔ (اس قسم کی روایات دیگر کتابوں میں بھی ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی (نام نہاد) احادیث کے مجموعے جلوا دیئے تھے۔ مگر موصوف ان روایات کو اپنے عقائد کی بناء پر نہیں مانتے!)

بخاری کتاب صلوٰۃ التراویح عن عائشہ صدیقہؓ) اس واقعہ کے بعد مختلف جماعتیں ہونے لگیں اور بعض اکیلے ہی پڑھ لیا کرتے تھے یہ طریقہ حضرت عمرؓ کے وقت تک جاری رہا۔ کیونکہ لازمی ہونے کا اندیشہ تو اب باقی نہ رہا تھا لہٰذا حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو جو آپؐ کو محبوب تھا لیکن آپؐ کو مصلحتاً چھوڑنا پڑا تھا پھر بھی جاری کر دیا۔ بدعت اس فعل کو کہتے ہیں جس کا پہلے سے نمونہ موجود نہ ہو۔ کیونکہ متروکہ سنت کو جاری کرنے کا عمل پہلے کبھی نہیں ہوا تھا لہٰذا متروکہ سنت کو جاری کرنے کا نمونہ پہلے سے موجود نہیں تھا۔ اسی بنیاد پر لُغوی اعتبار سے حضرت عمرؓ نے اس کے جاری کرنے کو بدعت کہہ دیا۔ ورنہ اصطلاح شرع میں بدعت اس نیک عمل کو کہتے ہیں جس کا نمونہ سنت میں موجود نہ ہو۔ تراویح کا نمونہ رسول اللہ ﷺ کی سنت میں موجود تھا لہٰذا تراویح باصطلاحِ شرع بدعت نہیں ہے۔ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے کیا اور اور پھر اس اندیشہ سے چھوڑ دیا کہ امت پر لازمی نہ ہو جائے اُس کام کو **مُستحب** کہتے ہیں۔ اس لحاظ سے تراویح مستحب ہے نہ کہ سنت۔ اگر آپؐ ہمیشہ پڑھتے رہتے تو سنت ہو جاتی اور پھر اس کا پڑھنا لازمی ہوتا اور ترک کرنا گناہ ہوتا"[1]

آپ نے صحیح بخاری کے حوالے سے موصوف کا تحریر کردہ واقعہ اور اس پر ان کا عالمانہ تبصرہ یعنی (نام نہاد) احادیث کی شرح بالشرح بھی پڑھی۔ اب ہمارا عام جاہلانہ تبصرہ بھی پڑھئے:

۱۔ موصوف نے صحیح بخاری کی "کتاب صلوٰۃ التراویح" کا حوالہ دیا ہے۔ اس نام سے صحیح بخاری کے ہمارے نسخہ میں کوئی کتاب نہیں۔ اور اس نام سے کوئی باب بھی نہیں۔ ہاں البتہ کتاب الاذان" میں باب ۷۴۲ "**صلوٰۃِ اللیل**" ضرور ہے اور "کتاب الصوم" میں باب ۱۲۵۲ "**فَضْلِ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ**" ضرور ہے اور اسی (مؤخر الذکر) باب میں ابوہریرہؓ والی روایت ہے جو موصوف نے اوپر واقعہ میں بیان کی ہے۔

۲۔ لفظ "تراویح"، قرآن کریم میں کسی بھی نماز کے لئے استعمال نہیں ہوا اور نہ ہی یہ لفظ غالباً کسی (نام نہاد) حدیث میں استعمال ہوا ہے۔ ہاں البتہ کسی محدث نے لفظ "تراویح" اپنے "باب" میں استعمال کیا ہے۔ اس طرح سے موصوف کے نزدیک وہ شرعی اصطلاح بن گیا حالانکہ شرعی اصطلاح صرف وہ ہو سکتی ہے جو "شرع" یعنی قرآنِ مبین میں استعمال ہوئی ہو۔

۳۔ چنانچہ موصوف کا یہ لکھنا کہ حضرت عمرؓ نے "اُن سب کو جمع کر کے حضرت اُبَی بن کعبؓ کو نماز تراویح پڑھانے کا حکم دیا"۔ حضرت عمرؓ پر اتہام ہے یونکہ نماز تراویح شرعی اصطلاح یا شرعی نماز ہی نہیں۔ خود موصوف اس غیر شرعی اصطلاح کو کہیں تہجّد اور کہیں قیام اللّیل لکھ رہے ہیں! اور خود بھی اس بدعت حسنہ کے عامل نہیں۔

۴۔ موصوف لکھتے ہیں کہ "حضرت اُبَی بن کعبؓ کی امامت میں اکثر لوگ اول شب ہی تراویح پڑھ لیا کرتے تھے"۔ ان کا یہ بیان بھی اتہام ہے یونکہ جو چیز شرعی طور پر موجود ہی نہ ہو اسے پڑھنے کا کیا سوال! غور کیجئے کہ موصوف کی یہ شرح الشرح قرآن کریم کی کس آیت کی شرح ہے؟؟

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ زیرِ عنوان "حضرت عمرؓ کی خلافت" ص ۱۴۷۔۱۵۷

۵۔ آگے موصوف اپنے قیاس قوسین میں پیش کرتے ہیں کہ "(لیکن حضرت عمرؓ آخری شب میں تراویح یعنی تہجّد ادا کرتے تھے)"۔ یہاں موصوف تراویح کو تہجّد بتارہے ہیں! مگر ان کو یہ کون سی وحی سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ تراویح آخری شب میں ادا کرتے تھے؟ کیا ایسا ممکن ہے کہ سب کو تو اول شب میں باجماعت پڑھوادیں اور خود اکیلے (یا کسی اور امام کے پیچھے) بعد میں آخر شب میں پڑھیں؟ کیا اس کا نمونہ سنت میں موجود ہے؟

۶۔ آگے موصوف لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ پھر کسی رات کو مسجد تشریف لے گئے" (گویا کہ وہ ہر رات مسجد جاتے ہی نہیں تھے!) تو "لوگ حسبِ معمول ایک ہی امام کے پیچھے "قیام اللیل میں مصروف تھے" اب یہاں موصوف اس کو قیام اللیل کہہ رہے ہیں! ان کی کون سی بات صحیح ہے؟

۷۔ آگے لکھتے ہیں کہ "حضرت عمرؓ یہ سماں دیکھ کر فرمانے لگے: یہ بدعت اچھی ہے"۔ موصوف کا یہ کہنا بھی اتہام ہے یونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ حضرت عمرؓ جیسا دیدہ ور عالم و فاضل بدعت کو اچھا کہے اور کسی چیز کو بدعت جانتے ہوئے اس پر عمل بھی کرائیں!

۸۔ پھر موصوف اوپر کے حدیثی واقعہ پر اپنے تبصرہ میں لکھتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے تراویح تین دن پڑھا کر اس خیال سے چھوڑ دی تھی" یہ بھی اتہام ہے! یونکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ایسا کوئی دینی کام نہیں کیا جس کا حکم قرآن حکیم میں نہ آیا ہو۔ جب تراویح کا حکم قرآن حکیم میں نہیں آیا تو رسول اللہ سلامٌ علیہ اس کو کیسے پڑھا سکتے تھے؟

قارئین اب آیئے ذرا اس واقعہ کی طرف جو اگر صحیح بھی ہو، تو محض اتفاقی طور پر واقع ہو گیا تھا مگر موصوف نے اس کا حوالہ یہاں نہیں دیا۔ ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ امام بخاری نے اپنی اسی صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ:

ترجمہ: "عبد اللہ بن یوسف، مالک، ابن شہاب، عروہ بن زبیر، ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں، کہ حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، تو آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی پڑھی، پھر دوسری رات میں آپؐ نے نماز پڑھی، تو لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، پھر تیسری یا چوتھی رات کو لوگ جمع ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس نہیں آئے، جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، کہ میں نے اس چیز کو دیکھا جو تم نے کیا اور مجھے باہر آنے سے کسی چیز نے نہیں روکا بجز اس خوف کے کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے، اور یہ رمضان کا واقعہ تھا"۔[1]

غور کیجئے کہ، بات واضح ہوئی یا نہیں؟ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی اعلان نہیں کروایا تھا کہ وہ رات کو مسجد میں عشاء کے بعد بھی نماز پڑھیں گے۔ نہ اس کو "تراویح" کا نام دیا تھا۔ بلکہ اتفاقیہ طور پر جب لوگوں نے آپ کو نفل پڑھتے دیکھا تو پیچھے شامل ہو گئے اور پھر دوسری رات بھی یہی ہوا۔ تو آپ کو احساس ہوا کہ یہ کیا شروع ہو گیا کہ عشاء کی جماعت کے بعد نفلوں کے لئے بھی جماعت بن گئی! تو آپ نے مسجد میں آکر نفل پڑھنا فوراً بند کر دیا مبادا کہ وہ بھی فرض نہ کر دی جائے یونکہ اس وقت تک قرآن کریم کا نزول جاری تھا۔

---

[1] صحیح بخاری، ابواب تقصیر الصلوٰۃ، حدیث نمبر ۱۰۵۷، ص ۴۴۵ (غور کیجئے ابواب کا حدیث سے کوئی تعلق نہیں!)

۹۔ پھر آگے موصوف اپنے تبصرہ ہی میں لکھتے ہیں کہ "اس واقعی کے بعد مختلف جماعتیں ہونے لگیں اور بعض اکیلے ہی پڑھ لیا کرتے تھے۔ یہ طریقہ حضرت عمرؓ کے وقت تک جاری رہا" تو یہ بات بھی غلط ہے کہ "اس واقعہ کے بعد مختلف جماعتیں ہونے لگیں"۔ اس سلسلہ میں موصوف کوئی (نام نہاد) حدیث نہیں پیش کر سکے بلکہ یہ ان کا اپنا قیاس ہے (اور قیاس سے بنائے ہوئے مذہب کو وہ خود شرک سمجھتے ہیں۔ اس لئے فقہی مذاہب کو نہیں مانتے) اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے عمل اور ارشاد کے خلاف ہے یونکہ امام بخاری ہی نے اپنی صحیح بخاری میں اس واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے روایت کے آخر میں لکھا ہے کہ:

ترجمہ: "پھر صبح کو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں نے تمہارا فعل دیکھا، اسے سمجھ لیا، تو اے لوگوں اپنے گھروں میں نماز پڑھو، کیونکہ فرض نماز کے علاوہ آدمی کی نمازوں میں افضل نماز وہ ہے جو اس کے گھر میں ہو" [۱]

غور کیجئے کہ اگر صحیح بخاری کی (نام نہاد) یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اس حکمِ رسول کے بعد صحابہؓ کا مسجد میں جماعت سے نفل نماز کا پڑھنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور اگر موصوف اپنی بات پر اصرار کرتے ہیں کہ ایسا ہی ہوتا تھا تو پھر ثابت ہو گیا کہ وہ تمام صحابہؓ جو حکمِ رسول کے باوجود نفل نماز باجماعت پڑھ رہے تھے وہ منکرِ حدیث تھے اور اطیعوا الرسول کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ (معاذ اللہ)

۱۰۔ آگے اپنے تبصرہ میں موصوف بدعت کے اچھے (حسنہ) ہونے پر منطق پیش کر رہے ہیں ہم تو اوپر کے ارشادِ رسول کی روشنی میں یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر حضرت عمرؓ نے نفل نماز کی جماعت لازم قرار دے دی تو پھر انہوں نے بھی اوپر والی (نام نہاد) حدیث کا انکار کیا اور وہ بھی ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد دوسرے بڑے منکرِ حدیث ہوئے اور جن جن صحابہؓ نے ان کی بات مانی وہ سب منکرِ حدیث ہوئے (نعوذ باللہ)

کہئے کیا کوئی شک رہ گیا کہ "تراویح" نام کی نماز کا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں کوئی وجود نہیں تھا [۲]۔ (انہوں نے دوراتِ مسجد میں نفل ہی پڑھی تھی اور کتنی رکعت؟ یہ ان روایات میں ذکر نہیں۔ کیا آج کوئی اہلِ حدیث یہ ثابت کر سکتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بیس "۲۰" رکعت تراویح مسجد میں آکر پڑھی تھی اور پھر گھر میں جا کر تہجد کی بارہ رکعتیں پڑھی تھیں؟)۔ پس ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں ان (نام نہاد) احادیث کا کوئی وجود نہیں، یہ سب بعد کی پیداوار ہیں۔

**(۴۴)**۔ ... ہمارے موصوف ہی کی زبانی اُن کی مایۂ ناز کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" سے سوئم خلیفۃ المومنین عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں سنئے، لکھتے ہیں:

"تنبیہی اعلان برائے نمازِ جمعہ: رسول اللہ ﷺ، حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانوں میں جمعہ کی اذان اُس وقت ہوتی تھی جب امام منبر پر بیٹھ جاتا تھا۔ جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو مسلمین کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی تھی (اذان کی آواز سب تک نہیں پہنچتی تھی) اس لئے حضرت عثمانؓ نے زوراء کے مقام پر

---

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان، باب ۴۷۲ صلوٰۃ اللیل، حدیث نمبر ۶۹۲، عن زید بن ثابتؓ۔۔۔ ۲۔ یہ تاریخی حقائق لکھنے سے ہمارا مقصد نماز "تراویح" کی حُفّاظ، قرآن کے لئے افادیت سے انکار کرنا نہیں۔ اس کی بے انتہا افادیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔

ایک اعلان کا اضافہ کر دیا (تا کہ بازار والے متنبّہ ہو جائیں)"[1]
غور کیجئے کہ آج آپ جمعہ کے لئے کتنی اذانیں دیتے ہیں جبکہ موصوف صحیح بخاری کے حوالہ سے صرف ایک اذان بتا رہے ہیں۔

رسول اللہ سلامٌ علیہ اور دونوں خلفائے مومنین کے دَور میں جمعہ کے لئے صرف ایک اذان ہوتی تھی۔ تو اگر اذان کا طریقہ بذریعہ پوشیدہ وحی بتایا گیا تھا تو پھر اسی کو بعد میں بھی قائم رہنا چاہئے تھا۔۔۔

لیکن وحیٔ پوشیدہ کے طریقہ کو تیسرے خلیفہ نے بدل دیا، اس میں اضافہ کر دیا اور انہوں نے تو صرف ایک اعلان یا نداء کا اضافہ کیا تھا مگر آج کے ملّاؤں نے تو پوری اذان کا اضافہ کر دیا! جبکہ قرآن کریم تو رسول تک کو وحی میں کوئی تبدیلی یا گھٹانے بڑھانے کی اجازت نہیں دیتا (۱۰/۱۵)

★۔ کہئے کیا نماز و اذان وحی کے ذریعہ قولی و عملی طور پر سکھائی گئیں؟

★۔ کہئے کیا وحی میں خلیفہ یا آج کا مولوی اضافہ کر سکتا ہے؟

★۔ کہئے کیا وحی کے مقرر کردہ طریقہ میں ردّ و بدل کرنا انکارِ وحی یا انکارِ حدیث نہیں؟

★۔ کہئے کیا اس تاریخی واقعہ سے خلیفۂ سوئم بھی منکرِ حدیث نہیں ٹھہرتے؟ جبکہ موصوف ہی نے اپنی تاریخ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کے حوالوں[2] سے حج تمتّع کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے اختلاف کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ تو کیا ان لوگوں تک وحی نہیں پہنچی تھی یا پھر وحی کے سلسلہ میں اختلاف کرنا جائز ہے؟

## نماز کی امامت کون کرے؟

**(۴۵)۔** ... ہم نے آپ کو (نام نہاد) احادیث کی صحیح ترین کتابوں سے چند اعلیٰ ترین حدیثوں کے نمونے دکھائے۔ ان میں اگر آپ کو کوئی بات بے شرمی اور اخلاق سے گری ہوئی لگتی ہے تو اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں، چونکہ یہ اماموں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں اس لئے ہم ان میں کوئی رد و بدل نہیں کر سکتے یوں کہ وہ امام معصوم عن الخطاء تھے (نعوذ باللہ) اور ماوراء العقل فہم و بصیرت رکھنے والے تھے۔ اس لئے انہوں نے جو کچھ لکھا بالکل صحیح ہی لکھا! ہم اسے سمجھ نہیں سکتے۔ خیر اب ہم آپ کو ایک اہل فقہ کا کارنامہ بھی دکھا دیتے ہیں جو کہ اپنے مسائل (نام نہاد) احادیث ہی سے اخذ کرنے کے دعویدار ہیں۔ مسئلہ یہ ہے کہ نماز کی امامت کون کرے؟ تو امام صاحبان اس میں سلسلہ وار مختلف شرائط رکھتے ہیں۔ اور قرآن کا سب سے زیادہ قاری ہونے سے شروع ہو کر............... کس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہے............... ہوتے ہوئے آخری شرط یہ رکھتے ہیں کہ:

"ثُمَّ الْاَکْبَرُ رَأْسًا وَّ الْاَصْغَرُ عُضْوًا

یعنی مذکورہ بالا شرائط میں اگر سب برابر ہوں تو پھر اسے امام بنایا جائے جس کا سر سب سے بڑا ہو اور ذکَرْ

---

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ "حضرت عثمان کی خلافت"۔ ص۲۴۶ بحوالہ صحیح بخاری کتاب الجمعہ باب الاذان یوم الجمعۃ عن سائبؓ

[2] ایضاً۔ ص۲۴۷

سب سے چھوٹا ہو" (دُرّ مختار)[1]

قارئین اب آپ شاید یہ پریشان ہوں گے کہ ان تمام چیزوں کی پیمائش کرنے کا پیمانہ کیا ہو گا؟ یہ پیمائش کون کرے گا؟ کس حالت میں کرے گا؟ مسجد میں کرے گا یا باہر؟ صف کھڑی ہو جانے کے بعد کرے گا یا پہلے؟ وضو کر کے کرے گا یا بے وضو؟ غرضیکہ اسی طرح کے بہت سے سوالات پیدا ہوتے ہیں مگر امام فقہ ان سوالوں کے جواب دینے سے قاصر ہیں۔ بہر حال یہ مسئلہ فقہ کا ہی کمال ہے جس کو (نمانہاد) حدیث ہی سے اخذ کر کے بنایا گیا ہے۔ خیر ہم اس پر مزید تبصرہ نہیں کرتے بلکہ اپنے موصوف کا تبصرہ آپ کو پڑھوا دیتے ہیں۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"کیا یہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ میرا تو ایمان ہے کہ یہ قول امام صاحب کا نہیں ہے بلکہ بعد میں گھڑا گیا ہے۔ لیکن اگر آپ اسی پر مصر ہیں کہ بعد میں نہیں گھڑا گیا بلکہ انہیں کا فتویٰ ہے تو پھر آپ امام ابو حنیفہ کی شان کو دوبالا نہیں کر رہے بلکہ اس قول کو ان کی طرف منسوب کر کے ان کی توہین کر رہے ہیں۔ بلکہ بقول آپ کے امام صاحب کا ہر قول حدیث کے مطابق ہے تو پھر یہ قول رسول اللہ ﷺ کی طرف مرفوع ہوا اور اب یہ ایک امام ہی کی توہین نہیں رہی بلکہ اللہ کے رسول سرور بنی آدم، فخر موجودات علیہ افضل الصلوٰت و التحیات کی توہین ہوئی۔ بتایئے کوئی امتی اپنے رسولؐ کی طرف ایسے قول کو منسوب کرنا گوارا کرے گا؟ میں تو امام ابو حنیفہؒ کی عزت و تقویٰ کا لحاظ کرتے ہوئے یہی بات کہتا ہوں کہ ایسے مسائل بعد میں گھڑے گئے ہیں اور ان کے گھڑے ہوئے ہونے کے ثبوت کے لئے محض ان کا **مکروہ** ہونا ہی کافی ہے"[2]

غور کیجئے کہ موصوف کتنا زبردست اصول بتا گئے کہ:

"ان کے گھڑے ہوئے ہونے کے ثبوت کے لئے محض ان کا مکروہ ہونا ہی کافی ہے"

مگر افسوس کہ (نام نہاد) احادیث کے معاملہ میں وہ اس اصول پر قائم نہیں رہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ امام بخاری یا امام مسلم، یا امام............ نے لکھی ہیں اس لئے صحیح ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم اگر مکروہ روایات رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کریں تو ان کو بُرا نہیں لگتا! جب شانِ رسول کی توہین نہیں ہوتی!

آخر اہل حدیثوں کا یہ دہرا معیار کیوں ہے؟ کیا یہ تقلیدی ذہنی جمود نہیں؟ یا پھر وہ بھی قرآن مبین کے خلاف سازش کا حصہ ہیں!

قارئین! یہ فیصلہ آپ خود کر لیں۔ ع۔ ہم تو کچھ کہیں گے تو شکایت ہو گی۔ بہر حال ہم تو آپ کی رہنمائی کے لئے اپنے موصوف کا قول بلکہ عقیدہ نقل کئے دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:

"غرض یہ کہ محدثین نے جس حدیث کو صحیح کہا، وہ حقیقت میں قطعی الصحت ہے، اس لئے کہ شبہ اور شکوک کے تمام منازل کو اس نے عبور کر کے ہی مقام صحت کو حاصل کیا ہے"[3]

پس موصوف کے عقیدہ کے مطابق ثابت ہوا کہ پیچھے لکھی گئیں مکروہ روایات بھی قطعی الصحت ہیں یونکہ وہ ان کے امام المحدثین نے لکھی ہیں۔ اس لئے اب تمام اہل حدیث و اہل فقہ کو ان پر فوراً عمل شروع کر دینا چاہئے تاکہ وہ ثواب دارین حاصل کر سکیں اور گناہ گار ہونے سے بچیں۔

---

[1] "خلاصہ تلاشِ حق"۔ ص ۲۴۔۔۔[2] ایضاً۔۔۔[3] "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" پہلا باب، ص ۴۰۔

قارئین اب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ بھی اس قسم کی بیہودہ باتوں کے لئے سن لیجئے۔ وہ فرماتا ہے کہ

" وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۖ وَّ يَتَّخِذَهَا هُزُوًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ (لقمٰن۔٦)

ترجمہ: اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بیہودہ حدیث خریدتے ہیں (یعنی اس کی تجارت کرتے ہیں) تاکہ (بے علم لوگوں کو) بے سمجھے اللہ کے راستے سے گمراہ کریں (اور شروع کی آیت ٢ میں بیان کردہ الکتٰبِ الحَکِیم) اور اس کا مذاق اڑائیں۔ یہی لوگ ہیں جنہیں ذلیل کرنے والا عذاب ہوگا۔ (سورہ لقمٰن۔ آیت٦)

آیئے مل کر دعا کریں کہ ہم ان لھو الحدیث سے بچے رہیں اور اللہ تعالیٰ ہمیں عذاب سے بھی محفوظ رکھیں۔

قارئین! خیال کیجئے کہ میں نے چالیس سے زیادہ (نام نہاد) حدیثیں پیش کردیں، جبکہ اہلحدیث و اہل فقہ چالیس ہی لکھنے پر سیدھا جنت میں پہنچا دیتے ہیں!

## (نام نہاد) احادیث سے بھی قرآن کریم ہی کی اہمیت ثابت ہوتی ہے

اب ہم چند وہ دلائل نقل کرتے ہیں جن سے قرآن کریم ہی کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔

**(١)۔** ..."حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ایک حدیث رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اخلاق اور قرآن کریم کے بارے میں بہت مشہور ہے۔ وہ کافی طویل روایت ہے میں اس کا صرف متعلقہ حصہ پیش کرتا ہوں، ملاحظہ ہو:

"عن قتادة عن زُرارة ان سعد ابن هشام بن عامر ارادَ ..................فقلت يا ام المومنين انبئِينِي عن خُلُقِ رسول الله صلى الله عليه و سلم قالت اَلَسْت تقرأُ الْقرآن ؟ قُلت بَلٰى . قالت فان خلُقَ نبى الله سلى الله عليه و سلم كان القرآن .........

ترجمہ: قتادہ نے زرارہ سے روایت کی ہے کہ سعد بن ہشام بن عامر نے چاہا.......... پھر میں نے عرض کیا کہ اے اُم المؤمنین مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سے خبر دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا کیوں نہیں۔ انہوں نے فرمایا حضرت ﷺ کا خُلق وہی تھا جس کا قرآن میں حکم ہے........"[١]

غور کیجئے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سائل کے جواب میں یہ نہیں فرماتیں کہ تم نے صحیح بخاری نہیں پڑھی یا صحیح مسلم نہیں پڑھی، بلکہ وہ فرماتی ہیں کہ "تم نے قرآن نہیں پڑھا"؟ اور یہ کہ "نبی ﷺ کا خُلق وہی تھا جس کا قرآن میں حکم ہے" وہ نہیں جو وحی پوشیدہ میں مستور ہے!

کہئے کیا یہ (نام نہاد) حدیث بھی ہمارے مؤقف و عقیدہ ہی کی حمایت نہیں کرتی کہ ہر ضروری چیز قرآن کریم میں موجود ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ہی پر عمل کرتے تھے۔ نیز ان کے اخلاق و سیرت بھی اسی میں موجود ہیں۔

---

[١] "صحیح مسلم" جزء۔٢۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ اللیل و عدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی اللیل و ان الوتر رکعة ا ان الرکعة صلاة صحیحةٌ (باب نماز شب اور وتر کے ایک ہونے کا بیان اور اس بات کا بیان کہ ایک رکعت صحیح نماز ہے) ص٢٤٥۔٢٤٦ (سوال: آپ میں سے کتنے ایک رکعت وتر پڑھتے ہیں؟ ایک سے زائد پڑھنے والے کیا سنت پر عمل کر رہے ہیں؟)

**(۲)**۔ ...بخاری کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو۔

"حدثنا ابو عاصم الضحاك بن مخلد اخبرنا الاوزاعی حدثنا حسان بن عطیة عن ابی کبشة عن عبد الله بن عمرو ان النبی صلی الله علیه و سلم قال بلغوا عنی ولو اٰیةً . . .

ترجمہ: ابو عاصم ضحاک بن مخلد، اوزاعی، حسان بن عطیہ، ابو کبشہ، حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، میری طرف سے دوسروں تک پہنچادو اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو ..........."[1]

غور کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ کس چیز کے بلاغ کا حکم دے رہے ہیں "اگرچہ وہ ایک ہی آیت ہو"۔ یعنی آیت پہنچانا ہے (نام نہاد) حدیث نہیں۔ مگر افسوس کہ آج اہل حدیث و اہل فقہ بجائے آیت پہنچانے کے گھڑی گھڑائی (نام نہاد) احادیث پہنچانے کے چکر میں رہتے ہیں!

**(۳)**۔ ...بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

"حدثنا محمد بن یوسف حدثنا مالك بن مغول حدثنا طلحة قال سالت عبد الله بن ابی اوفٰی اوصی النبی صلی الله علیه و سلم فقال لا فقلت کیف کتب علی الناس الوصیة امروا بها و لم یوص قال **اَوْصٰی بِکِتَابِ اللهِ**۔

ترجمہ: محمد بن یوسف، مالک بن مغول، طلحہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن ابی اوفٰی سے پوچھا: "کیا نبی ﷺ نے کچھ وصیّت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں، میں نے کہا: "پھر لوگوں پر وصیّت کرنا کیوں فرض ہے؟ ہم لوگوں کو تو حکم دیا گیا ہے اور حضورؐ نے وصیّت نہیں کی (یہ کیسے ہو سکتا ہے)؟" انہوں نے کہا کہ حضور نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے"۔[2]

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کتاب اللہ یعنی قرآن کریم ہی پر عمل کرنے کی وصیت فرماتے ہیں مگر اہلحدیث و اہل فقہ (نام نہاد) اور ظنّی احادیث و قیاسی فقہ پر عمل کراتے ہیں۔ خیال رہے کہ موصوف کتاب اللہ کے معنی کتاب و حدیث یا (خود ساختہ) شریعت کرتے ہیں جبکہ پیچھے ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کتاب اللہ صرف قرآن مبین ہی کو کہا گیا ہے۔

**(۴)**۔ ...بخاری ہی کی ایک (نام نہاد) حدیث مع اس کے باب کے ملاحظہ ہو:

"باب ۸ ، مَن قال لم یَتْرُكِ النبی صلی الله علیه و سلم اِلّا **ما بین الدَّفتَیْنِ**

حدثنا قتیبة بن سعید حدثنا سفیٰن عن عبد العزیز بن رفیع قال دخلت انا و شدّاد بن معقل علی ابن عباس فقال لهٗ شداد بن معقل اترك النبی صلی الله علیه و سلم من شیءٍ قال ما ترك **اِلَّا مَا بَیْنَ الدُّفتَیْنِ** قال و دخلنا علٰی محمد بن الحنفیّة فسالناه

[1] "صحیح بخاری" جزء ۲۔ کتاب الانبیاء، باب ۳۵۰۔ مَا ذُکِرَ عَن بَنِی اسرآئیل (بنی اسرائیل کے کیا واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ حدیث ۶۷۸، ص ۳۱۴۔ [2] "صحیح بخاری" جزء ۳، کتاب التفسیر۔ باب ۱۰۔ اَلْوَصَاةُ بِکِتَابِ اللهِ عَزَّ وَ جَل (قرآن کی وصیت پر عمل کرنا۔ حدیث ۱۴۔ ص ۵۴

**فقال ما ترك اِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَتَيْنِ**

ترجمہ: باب جس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی جلد کے درمیان جو کچھ ہے، کے علاوہ اور کچھ نہ چھوڑا۔

قتیبہ بن سعید' سفیان کہتے ہیں کہ عبد العزیز کا بیان ہے کہ میں اور شداد بن معقل ابن عباسؓ کے پاس گئے ان سے شداد بن معقل نے پوچھا: کیا نبی ﷺ نے کوئی چیز چھوڑی ہے؟ وہ بولے انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا سوائے دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے (یعنی قرآن کریم)۔ پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا سوائے دو دفتیوں کے درمیان جو کچھ ہے (یعنی قرآن کریم)"۔[1]

غور کیجئے کہ یہاں بات کتنی صفائی اور سچائی سے کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ اور نہیں چھوڑ کر گئے سوائے اس کے جو دو دفتیوں یعنی جلد کے درمیان ہے یعنی قرآن کریم جبکہ ہمارے موصوف و دیگر اہلحدیث و اہل فقہ کہتے ہیں کہ وہ (نام نہاد) حدیث کے صحیفے اور کتابیں بھی لکھ کر اور لکھا کر چھوڑ گئے۔ معاذ اللہ۔ اب آپ خود ہی فیصلہ کر لیجئے کہ کس کی بات صحیح ہے؟ ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ فرمارہے ہیں کہ انہوں نے کچھ نہیں چھوڑا سوائے اس کے جو دو دفتیوں یعنی جلد کے درمیان ہے۔ تو یہ دفتیاں اس وقت کہاں سے آ گئیں جبکہ ہمارے اہلحدیث و اہل فقہ کے نزدیک تو اس وقت کاغذ بھی ایجاد نہ ہوا تھا اور قرآن کریم ہڈیوں، پتھروں اور پتوں کے ڈھیر پر لکھا گیا تھا! معاذ اللہ۔ یہ ہے خود ان کے خلاف ان کی اپنی شہادت کہ وہ سفید جھوٹ بولتے ہیں ورنہ رسول اللہ ﷺ تو باقاعدہ مجلد قرآن کریم صحابہؓ کو عنایت کر کے گئے۔

**(۵)**۔ ....بخاری ہی کی ایک (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو مع باب کے:

"باب من لم يتخن بالقراٰن و قولهٗ تعالىٰ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ

"حدثنا يحى ابن بكير قال حدثنى الليث عن عقيل عن ابن شهاب قال اخبرنى ابو سلمة بن عبد الرحمٰن عن ابى هريرة انهٗ كان يقول قال رسول الله صلى الله عليه و سلم لم ياذن الله لشيءٍ ما اذن للنبى صلى الله عليه و سلم **يَتَغَنّٰى بِالْقُراٰنِ** .........

باب جس نے قرآن پر اکتفا نہیں کیا اور اللہ کا فرمان کہ کیا انہیں کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو اُن پر پڑھی جاتی ہے۔

ترجمہ: یحییٰ بن بکیر، لیث، عقیل، ابن شہاب، ابو سلمہ بن عبد الرحمٰن حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے کسی کا قرآن اتنی توجہ سے نہیں سُنا جتنا کہ ان نبیؐ کا قرآن غور سے سُنا جو قرآن کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں ..............."[2]

[1]۔ "صحیح بخاری" جزء۔۳، کتاب التفسیر، باب ۸، حدیث ۱۱، ص ۵۳۔۔۔ [2]۔ "صحیح بخاری" جلد۔۳، کتاب التفسیر۔ باب ۱۱، حدیث ۱۵، ۱۶، ص ۵۴۔۵۵

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اور ان کے رسول سلامٌ علیہ، دونوں ہی، قرآن کریم ہی کو کافی بتارہے ہیں مگر افسوس کہ ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ اس کو کافی نہیں مانتے! گویا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور رسول دونوں ہی کی مخالفت کرتے ہیں اور پھر بھی دعویٰ ہے مسلم ہونے کا!

**(۶)۔** ... بخاری ہی کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:۔

**"حدثنا علی بن ابراهیم حدثنا روح حدثنا شعبة عن سلیمان سمعت ذکوان عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قال لا حسد الا فی اثنتین رجلٌ علمه الله القراٰن فهو یتلوهُ اٰنآءَ اللّیلِ وَ اٰنآءَ النهار فسمعهٗ جارٌ لهٗ فقال یلیتنی اوتیت مثل ما اوتی فلانٌ فعملت مثل ما یعمل و رجل اتاه الله ما لا فهو یهلکهٗ فی الحق فقال رجل لیتنی اوتیت مثل ما اوتی فلان فعملت مثل ما یعمل۔**

ترجمہ: علی بن ابراہیم، روح، شعبہ، سلیمان، ذکوان، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمیوں کے سوا حسد نہیں ہے۔ ایک اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اور وہ اسے دن رات پڑھتا ہے۔ اس کا پڑوسی سُن کر کہتا ہے، کاش مجھے بھی اس کی طرح پڑھنا نصیب ہوتا تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا۔ دوسرے اس شخص پر، جسے اللہ تعالیٰ نے دولت دی ہے اور وہ اس کو راہِ حق پر خرچ کرتا ہے۔ پھر کوئی کہے کہ کاش مجھے بھی یہ مال میسر آتا تو میں بھی اسے اسی طرح صرف کرتا"۔[1]

غور کیجئے کہ کن دو اشخاص کو قابلِ رشک بتایا جارہا ہے اور ان میں بھی اول وہ ہے جو قرآن کو پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اسی لئے اس کا پڑوسی بھی خواہش کرتا ہے کہ کاش وہ بھی اسی طرح قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے۔ خیال رہے وہ (نام نہاد) احادیث پڑھنے اور عمل کرنے کی خواہش نہیں کر رہا۔ مگر افسوس کہ ہمارے موصوف بخاری و مسلم پڑھنے کی تلقین کرتے ہیں بلکہ اس کی شرح فتح الباری کو جو وہ خود ہر وقت پڑھتے رہتے ہیں۔

**(۷)۔** ... بخاری ہی کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ ہو:

**"حدثنا ابو نعیم حدثنا سفیان عن علقمة ابن مرثد عن ابی عبد الرحمٰن السلمی عن عثمان بن عفّان قال قال النبی صلی الله علیه و سلم ان افضلکم من تَعَلَّمَ الْقُراٰنَ وَعَلَّمَهٗ۔**

ترجمہ: ابونعیم، سفیان، علقمہ بن مرثد، ابوعبدالرحمٰن سلمیٰ، حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں وہ شخص سب سے افضل ہے **جو قرآن سیکھے اور سکھائے**"۔[2]

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کس شخص کو سب سے افضل بتارہے ہیں۔ اس شخص کو جو قرآن سیکھے اور سکھائے یعنی اس کی تعلیم حاصل کرے اور اس کی تعلیم دے (ناظرہ خوانی نہیں) مگر (نام نہاد) حدیث سیکھنے اور سکھانے

---

[1] ایضاً، باب ۱۲ اغتباطِ صاحب القرآن (قرآن پڑھنے والے پر رشک کرنا) حدیث ۱۸، ص ۵۵ (اسی مضمون کی روایات صحیح مسلم، جزء۔۲، کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقوم بالقراٰن و معلمه یعنی قرآن پر عمل کرنے والے اور اس کے سکھانے والے کی فضیلت ص ۲۸۶ پر بھی ہیں)۔

[2] صحیح بخاری۔ جزء ۳۔ کتاب التفسیر۔ باب ۱۳۔ خَیْرُکُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُراٰنَ وَ عَلَّمَهٗ (تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن کریم سیکھے اور سکھائے) حدیث ۲۰۔ ص ۵۶

کا کوئی ذکر خیر نہیں۔ جبکہ ہمارے موصوف کا اور دیگر اہلحدیث و اہل فقہ کا سارا زور (نام نہاد) احادیث سیکھنے اور سکھانے پر ہے اور قرآن کریم کی تو محض ضمنی طور پر ناظرہ خوانی کرالی جاتی ہے۔ حتٰی کہ مذہبی مدرسوں میں "درسِ نظامی" میں بھی قرآن کریم کی صرف ناظرہ خوانی کرائی جاتی ہے اور سارا زور (نام نہاد) احادیث و فقہ پر صرف ہوتا ہے! اسی لئے علما کرام کو قرآن کریم سے اُنس نہیں پیدا ہوتا بلکہ اگر ان سے قرآن کریم کی بات کرو کہ قرآن کریم میں تو یہ لکھا ہے تو وہ اس پر چڑھ جاتے ہیں (جیسے ہمارے موصوف بھی قرآن کا نام لیتے سے چڑھ جاتے ہیں اور غصہ سے فرماتے ہیں کہ نہیں !میں تو حدیث سے جواب دوں گا!) اور کہتے ہیں کہ نہیں حدیث میں یوں ہے اور ہمارے امام صاحب کے نزدیک یوں ہے!(معاذ اللہ)۔ قرآن کے مقابلہ پر (نام نہاد) حدیث اور خود ساختہ امام!(معاذ اللہ)

یہاں مزید غور طلب حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت (نام نہاد) صحاح ستہ کی چھ [۶] میں سے پانچ [۵] کتابوں میں لکھی گئی ہے سوائے صحیح مسلم کے۔ شاید امام مسلم کے ہم عصر علمانے (جب انہوں نے اسے پیش کیا ہوگا) اس کی تصدیق نہیں کی ہوگی کہ یہ روایت بھی صحیح ہو سکتی ہے! یا پھر امام مسلم کو بھی قرآن کریم سے چڑھ ہی ہوگی جب ہی تو اس کو نہیں لکھا!

اب آپ خود غور کر کے فیصلہ کر لیجئے کہ قرآن کریم کا سیکھنا سکھانا اور اس پر عمل کرنا سب سے بہتر عمل ہے یا نام نہاد احادیث کا؟

**(۸)**۔ ...اب ذرا اپنے صحاح ستہ ہی کے ایک اور امام المحدثین کی کتاب "جامع الترمذی" کی ایک روایت ملاحظہ کر لیجئے. اس سے کچھ اور عُقدے کھل جائیں گے۔

"بَابُ مَا جَآءَ فِی فَضْلِ الْقُرْاٰنِ

باب قرآن عظیم الشان کی فضیلت میں

**(۱)۔ عن الحارث الاعور قال مررت فی المسجد فاذا الناس یخوضون فی الاحادیث قد خلْتُ علٰی عَلِیٌّ فقلت یا امیر المؤمنین الا تری الناس قد خاضوا فی الاحادیث قال او قد فعلوھا قلت نعم**

ترجمہ: حارث اعور سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کا گزر مسجد میں ہوا تو دیکھا کہ لوگ احادیث میں مشغول ہیں۔ پھر وہ داخل ہوئے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اور کہا کہ اے امیر المومنین کیا نہیں دیکھتے آپ لوگوں کو کہ وہ احادیث میں مشغول ہیں فرمایا آپ نے کہ اچھا، کیا وہ ایسا کر رہے ہیں تو (اعور نے) کہا کہ جی ہاں وہ ایسا کر رہے ہیں (یعنی قرآن کی طرف سے غفلت برت رہے ہیں)"۔

**(۲)۔"قال امّا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم یقول اَلا انھا ستکون فتنۃٌ فقلت ما المخرج منھا یا رسول اللہ ، قال کتابُ اللہ فیہ نَبَاۤءُ ما قبلکم و خبرما بعد کم و حکم ما بینکم و ھو الفصل لیس بالھزل من ترکہٗ من جبّار قصمہٗ اللہ وَمَنِ ابْتَغَی الْھُدٰی فِیْ غَیْرِہٖ اضلہ اللہ و ھو حبل اللہ المتین و ھو الذکر الحکیم و ھو الصراط المستقیم ھو الذی لا یزیغُ بِہِ الْاھوآء و لا تلتَبِس بہ الالسنَۃ وَ لا یشبع منہ الْعُلَمَاءُ**

ولا یخلُق عن کثرۃ الرّدّ ولا تنقضی عجآئبۃ هو الذی لم تنتہ الجِن اذ سمعتہ حتّٰی قالوا: اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ

من قال بہ صدق و من عمل بہ اجر ومن حکم بہ عدل و من دعیٰ الیہ ھدی الٰی صراط المستقیم (رواہ الترمذی والدارمی)

ترجمہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سُنا، آپ نے ایک دن فرمایا: آگاہ ہو جاؤ ایک بڑا فتنہ آنے والا ہے! میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اس فتنہ کے شرّ سے بچنے اور نجات پانے کا ذریعہ کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: **کتاب اللہ**، اس میں تم سے پہلی امتوں کے (سبق آموز) واقعات ہیں، اور تمہارے بعد کی اس میں اطلاعات ہیں، (یعنی اعمال و اخلاق کے جو دنیوی و اُخروی نتائج و ثمرات مستقبل میں سامنے آنے والے ہیں، قرآن مجید میں اُن سب سے بھی آگاہی دے دی گئی ہے) اور تمہارے درمیان جو مسائل پیدا ہوں قرآن میں اُن کا حکم اور فیصلہ موجود ہے (حق و باطل اور صحیح و غلط کے بارے میں) وہ قول فیصل ہے، وہ فضول بات اور یاوہ گوئی نہیں ہے۔ جو کوئی جابر و سرکش اس کو چھوڑے گا (یعنی غرور و سرکشی کی راہ سے قرآن سے منہ موڑے گا) اللہ تعالیٰ اس کو توڑ کے رکھ دے گا، اور جو کوئی ہدایت کو قرآن کے غیر میں تلاش کرے گا اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے صرف گمراہی آئے گی (یعنی وہ ہدایتِ حق سے محروم رہے گا) قرآن ہی حبل اللہ المتین یعنی اللہ سے تعلق کا مضبوط وسیلہ ہے، اور محکم نصیحت نامہ ہے، اور وہی صراط مستقیم ہے، وہی وہ حقِ مبین ہے جس کے اتباع سے خیالات کجی سے محفوظ رہتے ہیں اور زبانیں اس کو گڑبڑ نہیں کر سکتیں (یعنی جس طرح اگلی کتابوں میں زبانوں کی راہ سے تحریف داخل ہو گئی اور محرّفین نے کچھ کا کچھ پڑھ کے اُس کو محرّف کر دیا۔ اس طرح قرآن میں کوئی تحریف نہیں ہو سکے گی۔ اللہ تعالیٰ نے تا قیامت اس کے محفوظ رہنے کا انتظام فرما دیا ہے) اور علم والے کبھی اس کے علم سے سیر نہیں ہوں گے (یعنی قرآن میں تدبّر کا عمل اور اس کے حقائق و معارف کی تلاش کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ جاری رہے گا اور کبھی ایسا وقت نہیں آئے گا کہ قرآن کا علم حاصل کرنے والے محسوس کریں کہ ہم نے علمِ قرآن پر پورا عبور حاصل کر لیا اور اب ہمارے حاصل کرنے کیلئے کچھ باقی نہ رہا۔ بلکہ قرآن کے طالبین علم کا حال ہمیشہ یہ رہے گا کہ وہ علمِ قرآن میں جتنے آگے بڑھتے رہیں گے اتنی ہی ان کی طلب ترقی کرتی رہے گی اور ان کا احساس یہ ہو گا کہ جو کچھ ہم نے حاصل کیا ہے وہ اس کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہے، جو ابھی ہم کو حاصل نہیں ہوا ہے) اور وہ (قرآن) کثرت مزاولت سے کبھی پرانا نہیں ہو گا (یعنی جس طرح دنیا کی دوسری کتابوں کا حال ہے کہ بار بار پڑھنے کے بعد اُن کے پڑھنے میں آدمی کو لطف نہیں آتا، قرآن مجید کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے وہ جتنا پڑھا جائے گا اور جتنا اس میں تفکر و تدبر کیا جائے گا اُتنا ہی اس کے لطف و لذت میں اضافہ ہو گا) اور اس کے عجائب (یعنی اس کے دقیق و لطیف۔ حقائق و معارف) کبھی ختم نہیں ہوں گے۔ قرآن کی یہ شان ہے کہ جب جِنّوں نے اس کو سنا تو بے اختیار بول اٹھے:

اِنَّا سَمِعۡنَا قُرۡاٰنًا عَجَبًا ۙ یَّہۡدِیۡۤ اِلَی الرُّشۡدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ ؕ

ہم نے قرآن سنا جو عجیب ہے، رہنمائی کرتا ہے بھلائی کی پس ہم اس پر ایمان لے آئے۔

جس نے قرآن کے موافق بات کہی اس نے سچی بات کہی، اور جس نے قرآن پر عمل کیا وہ مستحقِ اجر و ثواب ہوا اور جس نے قرآن کے موافق فیصلہ کیا اس نے عدل و انصاف کیا، اور جس نے قرآن کی طرف دعوت دی اس کو صراطِ مستقیم کی ہدایت نصیب ہو گئی"۔ (ترجمہ معارف الحدیث از مولانا محمد منظور نعمانی۔ نقل از پمفلٹ بنام رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا۔ شائع کردہ انجمن خدام القرآن سندھ، اس کا حوالہ آگے آرہا ہے)

(۳)۔ خُذْهَا اِلَيْكَ يَا اَعْوَرِ تو اے اَعْوَر تم بھی اسی کو (قرآن کو) پکڑے رہو۔[1]

غور کیجئے کہ یہ پوری (نام نہاد) حدیث ترمذی کی ہے (جیسا کہ میں نے پورا حوالہ لکھ دیا ہے) مگر اس کے عربی متن کو میں نے تین حصوں میں آپ کے سامنے اس لئے پیش کیا ہے کہ اس سے کچھ عُقدے کھل جائیں گے۔

۱۔ سب سے پہلے تو یہ نوٹ کیجئے کہ یہ (نام نہاد) حدیث قرآن کریم کی فضیلت و عظمت سے بھری پڑی ہے اور اس کے شروع ہی میں (یعنی پہلے حصہ میں) راوی تابعی، جناب حارث لاَعْوَر یہ حقیقت واضح کر رہے ہیں کہ جب ان کا گذر مسجد کی طرف ہوا تو لوگوں کو (نام نہاد) احادیث میں مشغول پایا (غالباً وہ پہلی ٹکسال ہو گی جو سبائیوں کے مدینہ پر یلغار اور شہادتِ عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد کوفہ میں قائم کی گئی ہو گی) بلکہ ان کو اس میں غرقاب پایا۔ چنانچہ آپ نے امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کیفیت بیان کی جس پر ان کو حیرت ہوئی تب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈراوے کا فرمان سنایا (جس کا ذکر آگے حصہ دوم میں آتا ہے)۔

۲۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنے بعد عنقریب ہی ایک فتنہ سے ڈرایا (اور یہ فتنہ وہی تھا جو بہت مشہور ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ میرے بعد میرے نام سے احادیث کی کثرت ہو گی.......... ) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (و دیگر صحابہؓ) کے دریافت کرنے پر اس فتنۂ احادیث سے بچنے کا کیا طریقہ ہو گا آپ نے فرمایا **"کتاب اللہ"** اور پھر اس کی کچھ تفصیلات بھی بتا دیں (تا کہ اہلحدیث اس کتاب اللہ کو اپنی کتابیں نہ کہیں) حتیٰ کہ اس کو ہی سُن کر جنّوں کے ایمان لانے کا واقعہ بھی بتا دیا جو قرآن کریم ہی میں ہے (تا کہ اب اس کے قرآن کریم ہی ہونے میں کوئی شک نہ رہے) اور ساتھ میں یہ بھی فرما دیا کہ جو کوئی ہدایت کو قرآن کے غیر میں (فِي غَيْرِهٖ) تلاش کرے گا اس کے حصہ میں اللہ کی طرف سے گمراہی آئے گی۔

۳۔ تیسرے اور آخری حصہ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی (تابعی) یعنی جناب حارث الاعور کو اسی کو یعنی کتاب اللہ کو پکڑے رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔

۴۔ غور کیجئے کہ پاکستان میں اہل فقہ کی ایک جماعت "انجمن خُدّامُ القرآن۔ سندھ (رجسٹرڈ) ۱۱۔ داؤد منزل۔ شاہراہ لیاقت کراچی نے چند سال پیشتر غالباً ماہ رمضان المبارک میں ایک پمفلٹ بنام "رمضان کا مہینہ وہ

---

[1] جامع الترمذی، ترجمہ (جائزة الشعوذي) از بدیع الزماں صاحب برادر علامہ وحید الزماں صاحب، محمد علی کارکانہ اسلامی کتب، خان محل، دستگیر کالونی کراچی نمبر ۳۸، طبع اول، جلد۔ ۲۔ ابواب فضائل القرآن۔ باب مَا جَآءَ فِي فَضْلِ الْقُرْاٰنِ۔ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴۔

ہے جس میں قرآن اُتارا گیا" شائع کیا تھا اُس کے ص ٦-٧ پر "قرآن مجید کی عظمت و فضیلت" کے زیرِ عنوان اس (نام نہاد) حدیث کا صرف دوسرا حصہ شائع کیا تھا جو ہم نے من و عن آپ کی خدمت میں پیش کر دیا ہے۔ پہلا اور آخری حصہ انہوں نے بحسن و خوبی غائب کر دیا۔ شاید آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ انہوں نے ان حصوں کو کیوں غائب کیا؟ (یونکہ ان سے ان کے حدیثی موقف پر زَد پڑتی! یونکہ نام تو یہ جماعت بھی قرآن ہی کا لیتی ہے مگر کام حدیث و فقہ کی تبلیغ کا کرتی ہے۔ اعوذ باللہ)

٥۔ خیر اس جماعت نے کتر بیونت کر کے ہی سہی، یہ روایت کچھ پیش تو کی اور وہ بھی بظاہر اچھے ارادے سے کہ قرآن کی عظمت و فضیلت لوگوں کو پتہ لگے۔ مگر ہمارے موصوف تو اس قسم کی روایات کو مانتے ہی نہیں (یونکہ وہ حدیث کے مقابلہ میں قرآن کی عظمت بتاتی ہیں) یونکہ ان کے امام المحدثین کے نزدیک یہ (نام نہاد) حدیث ہے ہی غریب۔ اس لئے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

٦۔ غور کر لیجئے کہ اس روایت کے مطابق ابھی چوتھے خلیفہ راشد ہی کا زمانہ ہے اور فارس کو سرنگوں ہوئے بمشکل پندرہ بیس سال ہی ہوئے ہیں کہ پہلی ٹکسال حضرت علیؓ کے بنائے ہوئے نئے دار الخلافہ کوفہ میں لگ گئی ہے۔ اور (نام نہاد) حدیثیں ڈھالی جانے لگی ہیں۔ حضرت علیؓ نے اعور کی شکایت پر کوئی ایکشن نہیں لیا بلکہ اعور ہی کو رسول اللہ سلامٌ علیکم کا قرآن الحکیم کے متعلق ایک فرمان تفصیلاً سنا دیا! اگر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا انکار کر دیتے تو ان پر منکرِ حدیث ہونے کا فتویٰ لگ جاتا! جبکہ بعد میں ان کو ہی امام اور باب العلم بنا کر (نام نہاد) احادیث کے پوشیدہ خزانہ کا دروازہ کھول دیا پھر آہستہ آہستہ یہ فتنہ پنپنا شروع کر دیتا ہے۔ پارسی و رومی علما و فضلاء بنام مسلمین و مومنین اس کی آبیاری کرتے ہیں اور پھر اگلی صدیوں تک یہ تناور درخت بن جاتا ہے اور پھل دینے لگتا ہے ........... دوسری صدی میں امام الفقہ شافعی اس کے پھل کھاتے ہیں مگر پھر بھی ان میں کچھ نہ کچھ قرآن کی عظمت باقی رہتی ہے چنانچہ اپنی اصولِ فقہ و اصولِ حدیث کے فن پر سب سے پہلی تصنیف [1] کتاب الرسالہ میں "حمد و ستائش" ہی کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

> "الغرض اللہ جل شانہٗ نے جو کچھ بھی اپنی کتاب میں نازل فرمایا وہ رحمت اور حجّت ہے۔ جس نے اس کا علم حاصل کیا وہ عالم ہے، اور جس نے نہ جانا وہ جاہل رہا، جو نادان رہا وہ صاحبِ علم نہیں، اور جو صاحبِ علم ہے وہ نادان نہیں"۔ [2]

غور کیجئے کہ کتنی پیاری بات کہہ گئے کہ "اللہ جل شانہٗ نے جو کچھ بھی اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے وہ رحمت ہے اور وہی حجّت ہے (یعنی جو کچھ غیر اللہ کی کتابوں میں ہے وہ حجّت نہیں) (مگر افسوس کہ یہ حقیقت لکھنے کے باوجود وہ پلٹ گئے اور مثلہٗ و معہٗ کا پرچار کیا)

**(٩)۔** ... اب آگے بڑھنے سے پہلے انہی امام المحدثین ترمذی کی ایک اور (نام نہاد) حدیث ملاحظہ کرتے چلیئے:

[1] کتاب الرسالہ یعنی اصول فقہ و حدیث از امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ، ترجمہ مولوی مفتی امجد العلی صاحب ادارہ تحقیقات اسلامی بسرپرستی حکومتِ پاکستان۔ ناشر محمد سعید اینڈ سنز، ناشران تاجران کتب، قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی۔ ١٩٦٨ء عرض ناشر۔ ص ٥۔۔۔ [2] "کتاب الرسالہ"۔ ص ٣٤

" عن عثمان بن عفان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال خیرکم من تعلم القرٰان و علمہٗ قال ابو عبد الرحمٰن فذٰلك الذی اقعدنی مقعدی ھٰذا و **عَلَّمَ الْقُرٰانَ** فی زمان عثمان حتیٰ بلغ الحجاج بن یوسف۔

ترجمہ: روایت ہے عثمانؓ بن عفان سے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہتر تم میں سے وہ ہے کہ جس نے سیکھا قرآن اور سکھایا اوروں کو۔ کہا ابو عبد الرحمٰن نے (جو راوی اس حدیث کے ہیں) کہ اسی روایت نے مجھے بٹھایا اس جگہ اور قرآن سکھلاتے رہے وہ لوگوں کو عثمانؓ کے زمانہ سے حجاج بن یوسف کے زمانہ تک "[1]

غور کیجئے کہ امام المحدثین بخاری کی جو روایت ہم نے پیچھے نمبر ے پر دی ہے وہ بھی یہی ہے (اور سند بھی یہی ہے) مگر اس میں اِس روایت کے آخری الفاظ کہ "ابو عبد الرحمٰن قرآن ہی پڑھاتے رہے" چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ (غالباً امام صاحب کو یا ان کے بعد والوں کو یہ بات پسند نہ آئی کہ صرف قرآن پڑھایا جائے اور اس کے ساتھ (نام نہاد) حدیث شریک نہ کی جائے)

ذرا سوچئے اس روایت نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ خلیفہ سوئم کے زمانہ سے حجاج بن یوسف کی گورنری کے زمانہ تک (یعنی نویں خلیفہ عبد الملکؒ کی خلافت تک) حضرت ابو عبد الرحمٰن صرف قرآن کریم ہی سکھلاتے رہے (یعنی نام نہاد احادیث نہیں سکھائیں۔ اس وقت تک اُن کی اہمیت کا کوئی عقیدہ نہیں تھا) اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلی صدی ہجری کے تقریباً اختتام تک قرآن کریم ہی پڑھا پڑھایا، سیکھا سکھایا جاتا تھا اور اسی حجاج بن یوسف کے لئے مشہور ہے کہ انہوں نے ہی قرآن کریم میں نقطے اور اعراب لگوائے اور تمام علما اس کو سچ مانتے ہیں۔ (حالانکہ حروف تہجی بغیر نقطوں کے ہو ہی نہیں سکتے تھے ورنہ وہ پہچانے کیسے جاتے؟)

**(۱۰)۔** ... قرآن کریم کی اہمیت کیلئے بخاری ہی کی ایک اور روایت ملاحظہ ہو:

"حدثنا ابو النعمان حدثنا حماد عن ابی عمران الجونی عن جندب ابن عبد اللہ عن النبی صلی اللہ علیہ و سلم قال اقرؤا القرٰان ما ائتلفت قلوبکم فاذا **اختلفتم** فقوموا عنہ۔

ترجمہ: ابو نعمان، حماد، ابو عمران جونی، جندب بن عبد اللہ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ قرآن پڑھو جب تک تمہارے دل لگے رہیں لیکن اس میں جب تم میں اختلاف ہو جائے تو اُٹھ جایا کرو"۔[2]

اسی باب کی آگے کی ایک روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔

"قال فان من کان قبلکم اختلفوا فاھلکھم۔

آپؐ نے فرمایا تم سے پہلے لوگوں نے (اللہ کی کتاب میں) اختلاف کیا تو ہلاک کر دیئے گئے"[3]

غور کیجئے کہ یہاں نبی سلامٌ علیہ قرآن کریم ہی پڑھنے کی تلقین فرما رہے ہیں اور یہ کہ اگر (کوئی امر سمجھنے میں)

---

۱۔ جامع الترمذی۔ جلد ۲۔ ابواب فضائل القرآن، باب مَا جَآءَ فِی تَعلِیمِ الْقُرٰانِ (باب تعلیم قرآن کی فضیلت میں) ص ۳۴۴، (امام صاحب اس کو حدیث حسن اور صحیح تحریر کیا ہے)۔۔۔ ۲۔ صحیح بخاری، جزء۔۳، کتاب التفسیر، باب ۲۹، اقرؤا القرٰان ما ائتلفت قلوبکم (جب تک دل لگے قرآن پڑھتے رہو) حدیث ۵۳، ص ۶۵۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ حدیث ۵۵، ص ۶۵

اختلاف ہو جائے تو اُٹھ جاؤ (بجائے اس کے بحث و مباحثہ یا لڑائی جھگڑا کرو)۔ آپؐ یہ نہیں فرما رہے کہ "میں نے اس کی شرح و توضیح و تفسیر کر دی ہے تو تم میری (نام نہاد) احادیث سے یا میری تفسیر سے اپنا اختلاف دُور کر لیا کرو۔ یہاں خیال رہے کہ یہ قرآن کی ناظرہ خوانی کا ذکر نہیں۔ بلکہ سمجھ بوجھ کر پڑھنے کا ذکر ہے ورنہ ناظرہ خوانی میں اختلاف ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اختلاف تو جب ہو سکتا ہے جب دو چار آدمی آپس میں بیٹھ کر پڑھیں اور اس پر تدبر کریں یا مکالمہ کریں، تو کسی کی سوچ مختلف ہو سکتی ہے۔ تو ایسے وقت میں وہاں سے اُٹھ جانا چاہئے اور مزید تدبر و تفکر کر کے دوسرے وقت میں بیٹھ کر اختلاف ختم کر لینا چاہئے۔ الغرض یہاں بھی (نام نہاد) احادیث کا کوئی ذکر خیر نہیں بلکہ بات صرف قرآن اور قرآن ہی کی ہو رہی ہے۔ نیز یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ "ہم سے پہلوں سے کتاب اللہ میں ہی اختلاف کیا تھا اس لئے انہیں ہلاک کر دیا گیا"۔ آج صرف ان کے نشان عبرت رہ گئے ہیں۔ انہیں دیکھ دیکھ کر عبرت حاصل کرو اور اللہ کی کتاب کو اختلافی نہ بناؤ!

قارئین کیا یہ دلیل آپ کے لئے کافی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو لائیے اسی طرح کی (نام نہاد) احادث پیش کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ یا صحابہ کبارؓ نے قرآن کریم کے بجائے (نام نہاد) احادیث یا صحاح ستہ پڑھنے اور اس پر عمل کرنے یا سیکھنے اور سکھانے کی وصیت کی ہو۔

## قرآن الحکیم کے خلاف سازش

پیچھے ہم نے جو چند روایات یا (نام نہاد) احادیث پیش کیں ان پر پھر سے ایک بار نظر ڈال لیجئے ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صرف قرآن ہی کو کافی سمجھا اور اسی کو پکڑے رہنے کی وصیت کی اور صرف وہی دو دفتیوں کے درمیان مجلّد حالت میں چھوڑ گئے۔ ساری فضیلتیں اور عظمتیں اسی کی بتائیں اور ان کے بعد صحابہؓ کبار اور تابعینؒ وغیرہ تقریباً پہلی صدی کے اختتام تک اسی قرآن کریم کی تعلیم دیتے رہے۔ تو پھر فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں بھی قرآن کریم کی جِلدوں کے مقابلہ میں تیس سپاروں میں کہاں سے مجلّد ہو کر آ گئیں؟ قرآن کریم کے خلاف یہ سازش کیونکر کہاں اور کب ہوئی جس نے امت مسلمہ کو فرقہ فرقہ کر کے انتشار کے عذاب دنیا میں مبتلا کر دیا اور آخرت بھی خراب کر دی! آیئے اس حقیقت کا تعین ہم اپنے موصوف اور دیگر امام المحدثین ہی کی کتابوں سے کرتے ہیں تاکہ انہیں کوئی شکوہ نہ ہو کہ ہم قرآن کے خلاف جس سازش کا ذکر کر رہے ہیں وہ ہم اپنی طرف سے کر رہے ہیں۔ ہم ایسا اپنی طرف سے ظنّی طور پر نہیں کر رہے بلکہ تاریخ کی مختلف کتابوں ہی سے اخذ کر کے کر رہے ہیں اور خود موصوف نے بھی یہی کچھ لکھا ہے صرف چند الفاظ کا ہیر پھیر ہے۔ مثلاً ہم جسے "قرآن کریم" کے خلاف سازش کہتے ہیں وہ اسے "اسلام" کے خلاف سازش کہتے ہیں اور اس طرح پھر قرآن کریم کے ساتھ (نام نہاد) احادیث شریک کر لیتے ہیں۔ حالانکہ ساری سازش ہی وہی تھی۔ اسلام سے کسی کو دشمنی تھی نہ ہے۔ سب سمجھتے ہیں کہ کوئی بھی دین یا مذہب یا نظریہ ختم نہیں کیا جا سکتا جس طرح آج تک یہودیت، عیسائیت، ہندو مت، بدھ مت، مجوسیت وغیرہ ختم نہ کئے جا سکے۔ اصل دشمنی اس کی کتاب یا بنیادی عقائد سے ہوتی ہے۔ اس کو ختم کر دو یا اس میں ملاوٹ کر دو یا اس میں تحریف کر دو تو اصل دین یا مذہب یا نظریہ خود بخود اپنے اصل مقام سے ہٹ جائے گا۔ اور یہی کچھ دوسرے

مذاہب کے ساتھ کیا گیا۔ چنانچہ آج (سوائے اسلام کے) کسی کے پاس اس کی اصل کتاب اور اصل عقائد محفوظ نہیں۔ اسلام کے خلاف بھی اس وقت کی دونوں بڑی طاقتوں (پارس اور روم۔ Persian Empire & Roman Empire) کے سرنگوں ہونے کے بعد ان کے دانشوروں اور علماو فضلاء کی مقتدرہ نے مِل کر اور سوچ سمجھ کر یہی سازش تیار کی کہ مسلمین کی طاقت کے اصل منبع یعنی قرآن کریم میں کسی طرح ملاوٹ کر کے اس کے اصل عقائد سے مسلمین کو ہٹادو تو وہ خود بخود کمزور ہو جائیں گے۔ اس کے لئے انہوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے نام سے (نام نہاد) حدیثیں بنانے کے ٹکسال مختلف جگہوں پر لگائے اور انتہائی تیزی سے مسلمین کو قرآنی عقائد سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئے۔

ہمارے موصوف خود اپنی مایہ ناز کتاب "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" کے "مقدمہ" میں لکھتے ہیں:

"اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں برپا ہوئیں۔ متعدد قسم کے زہر پھیلائے گئے۔ دشمنان اسلام نے مختلف لبادے اوڑھے۔ اسلام سے باہر رہ کر بھی اسلام کی بیخ کنی کی اور بظاہر اسلام میں داخل ہو کر منافق کی حیثیت سے بھی سازشیں کرتے رہے۔ منجملہ ان سازشوں کے ایک سازش یہ بھی کی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا۔ وہ معاشرہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے اپنے فیضِ صحبت سے تیار کیا تھا، جس معاشرہ کی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی تھی، جس معاشرہ کی تعریف میں قرآنی آیتیں اُتری تھیں اسی معاشرہ اور معاشرہ کے افراد کے متعلق ایسی زہر افشانی کی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ قرنِ ثانی اور قرنِ ثالث کے اکابر کے اوپر بھی اسی قسم کے الزامات لگائے۔ **خود ساختہ** واقعات کو رنگ آمیزی اور نمک مرچ لگا کر اِس طرح پیش کیا کہ پڑھنے والے اپنے اکابر کے متعلق بد ظنی کا شکار ہو گئے اور پھر ان تمام زہر افشانیوں، افتراء پردازیوں کو تاریخ میں اس طرح سمودیا کہ جھوٹ سچ میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا"۔[1]

کہئے کیا میں غلط لکھتا رہا کہ قرآن کریم کے خلاف سازش ہوئی۔ اور موصوف خود سائنس پڑھے ہونے کے باوجود اسی سازش کا شکار ہو گئے۔ چنانچہ اگر آپ ان کی یہی مایہ ناز کتاب پڑھیں جسے وہ بڑے فخر سے صحیح ترین تاریخ اسلام کے طور پر پیش کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی مدنی زندگی کے دس۱۰ سال کے صبح و شام اور صحابہ کرامؓ کے واقعات کی **صحیح ترین تصویر** آگے یا پیچھے آپ کے سامنے کھنچ جائے گی۔[2]

تو آپ کے سامنے (نام نہاد) صحیح احادیثِ بخاری و مسلم کے حوالے سے صحابہ کرامؓ کے بارے میں یہ تصویر سامنے آئے گی:

۱۔ جنگ اُحد میں جانبازی سے لڑنے والے ایک مجاہد صحابیؓ دوزخی ہیں (ص ۲۶۳)

۲۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے یہ سوال کرنے والے ایک صحابیؓ کہ "میں کہاں جاؤں گا" دوزخی ہیں (ص ۳۸۶)۔

۳۔ جنگ خیبر میں جانبازی سے لڑنے والے ایک مجاہد صحابیؓ دوزخی ہیں (ص ۴۲۲)

۴۔ جنگ خیبر ہی میں فتح کے دن جانبازی سے لڑ کر شہید ہونے والے ایک صحابیؓ دوزخی ہیں (ص ۴۲۴)

۵۔ جنگ خیبر سے واپسی میں ایک صحابی تیر لگنے سے شہید ہو گئے مگر وہ دوزخی ہیں (ص ۴۲۹)

---

۱۔ "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" مقدمہ۔ ص ا۔ ۲۔ ایضاً۔ مقدمہ۔ ۱۰

۶۔ جنگ خیبر (یعنی ۷ھ) سے واپسی میں ایک صحابی نے شراب پی تو ان کو سزا دی گئی۔ (ص ۴۲۸) (اور اس وقت تک شراب پینے پر کوئی باقاعدہ سزا مقرر نہیں ہوئی تھی)

۷۔ فتح مکہ کے بعد ایک صحابیہؓ نے چوری کی تو ان کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ (ص ۴۸۳)

۸۔ **غزوۂ بنو مصطلق** (جنگِ مُرَیْسِیْع) میں ہاتھ آئی قیدی عورتوں کو بطور لونڈی مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔ (ص ۳۰۶)

۹۔ جنگِ اوطاس (۸ھ) کے نتیجہ میں ہاتھ آئی قیدی عورتوں کو مجاہدین میں بطور لونڈی بانٹا گیا ص ۳۰۶ (گویا کہ قرآنی حکم کہ قیدیوں کو واپس کر دو (۴۷/۴) کی خلاف ورزی کی گئی (ص ۴۹۱)

۱۰۔ فتح خیبر کے بعد (۷ھ) نکاح متعہ کی ممانعت کر دی گئی (یعنی اس وقت تک صحابہؓ نکاح متعہ کرتے تھے) ص ۴۲۵ (صحیح مسلم کے مطابق یہ رسم بعد میں بھی جاری رہی)

۱۱۔ ۷ھ میں مدینۃ النبی میں ایک صحابیؓ نے لونڈی کے ساتھ زنا کیا تو انہیں سنگسار کیا گیا (ص ۴۴۵)

۱۲۔ ۸ھ میں مدینۃ النبی میں ایک صحابیہؓ نے زنا کیا تو انہیں سنگسار کیا گیا۔ (ص ۴۶۵)

۱۳۔ ..........................................

معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ۔ موصوف نے صرف اپنی (نام نہاد) احادیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے یہ اس معاشرہ کی تصویر کھینچی ہے "جس کو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنے فیضِ صحبت سے تیار کیا تھا، جس معاشرہ کی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی تھی جس معاشرہ کی تعریف میں قرآنی آیتیں اُتری تھیں"[1]

قارئین ذرا غور کیجئے! ذرا اپنے ضمیر کو جھنجوڑیئے! شاید جاگ جائے!

اس سے آگے اسی "مقدمہ" میں موصوف تاریخ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"موجودہ زمانہ میں اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان فرضی واقعات کو تاریخی حقائق (HISTORICAL FACTS) کے نام سے متعارف کرایا گیا اور یہ سازش اِتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہو گئے اور وہ بس یہی سمجھنے لگے کہ تاریخ کا تمام مواد بالکل حقیقت ہے اور اس میں سے کسی ایک واقعہ کے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ الغرض تاریخ پرستی عام ہو گئی۔ اس سازش کی زَد میں بڑے بڑے آگئے اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہر افشانی کرنے لگے۔

اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں:

(۱)۔ انکارِ حدیث کے لئے فضاء ساز گار ہو گئی۔ اگر کوئی حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرائی تو بجائے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے.............."[2]

غور کیجئے کہ حقیقت میں تو تاریخ پرستی نہیں بلکہ (نام نہاد) "حدیث پرستی" نے یہ فتنہ پیدا کیا کہ انکارِ قرآن یا قرآن کو مہجور کرنے کیلئے فضاء ساز گار ہو گئی اور (نام نہاد) حدیث نے رسول کے بنائے ہوئے معاشرہ تک کو نہ بخشا اور کسی میں اتنی غیرت نہ اُبھری کہ اس قسم کی (نام نہاد) **لَہْوَ الْحَدِیْث** کا انکار کرے کہ یہ اس قرآنی معاشرہ کے خلاف

---

[1] ایضاً۔ مقدمہ ص ا۔۔۔ [2] ایضاً۔ مقدمہ ص ۲

ہیں جسے اللہ کے رسول نے بنایا تھا۔ ان کے تربیت یافتہ اور تزکیہ یافتہ صحابہؓ اور صحابیاتؓ ایسے نہیں ہو سکتے۔ یہاں موصوف کسی حدیث کے کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرانے کی بات کر رہے ہیں جبکہ وہ کسی (نام نہاد) حدیث کے قرآنی آیات سے ٹکرانے کی بات سے پہلو تہی کر گئے!

''اس کے برخلاف تاریخ اسلام کے ابتدائی مؤلّفین میں سے اکثر غیر مستند جھوٹے بلکہ دشمن اسلام تھے۔ بعد میں آنے والے متدیّن مؤرّخین کے لئے ان ابتدائی مؤلّفین کی کتابیں ماخذ بن گئیں۔ دوسرے دَور کی ان کتب تاریخ میں بغیر تحقیق و تنقید ہر قسم کے رَطب و یابس کو بھَر دیا گیا......... ''[1]

غور کیجئے کہ پیچھے سے ہم بھی تو یہی بتانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ قرنِ اولیٰ کے فوراً بعد ہی سے قرآن کریم اور قرآنی معاشرہ کے خلاف سازش شروع ہوئی اور انہی ابتدائی مؤلفین سے سازشی جھوٹا مواد زبانی کلامی آگے بڑھتا رہا حتیٰ کہ سیرت، مغازی، تفسیر، تاریخ اور حدیث کے نام سے کتابیں لکھی جانے لگیں اور ان میں رطب ویابس بھَر دیا گیا۔ پھر اسلام میں بھی عیسائیت کی طرح پاپائیت کا ادارہ قائم کر دیا گیا۔ اور پاپاؤں نے جو کہا اسے ہی اللہ کا حکم مان لیا گیا۔ اور اس طرح اللہ کی کتاب سے علیحدہ کر کے اسلام کو مسخ کرنے کی راہ ہموار ہو گئی۔

اسی مقدمہ میں موصوف آگے لکھتے ہیں:

(۲)۔''جب حدیث پر سے اعتماد اُٹھا گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں، قرآن مجید بازیچہ اُطفال بن گیا اور ایک جدید اسلام کی داغ بیل ڈال دی گئی''[2]

غور کیجئے کہ پیچھے ہم کس طرح (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ قرآن مجید کو بازیچہ اطفال بنائے جانے کے نمونے دکھا چکے ہیں، یہ سب قرآن کریم پر سے اعتماد ختم کرنے اور اسے مہجور بنا کر (نام نہاد) احادیث کی سازش میں پھنسانے کے نتیجہ میں ہوا۔ حتیٰ کہ (نام نہاد) احادیث نے ایک قرآنی آیت کی جگہ سات سات الفاظ کی آیات تشکیل دیدیں (سبعہ احرف کا عقیدہ) اور بہت سی آیاتِ قرآنی کو منسوخ تک قرار دیدیا۔ قرآن کو مجمل کتاب قرار دیدیا اور اسے ایک نہ سمجھ میں آنے والی مشکل ترین کتاب قرار دیدیا گیا جسے سمجھنے کے لئے اٹھارہ علوم کا جاننا لازم ہو گیا۔ اس طرح ایک اسلام کے بجائے سینکڑوں اسلام بنا دیئے گئے۔ ہر فرقہ کا اسلام جدا ہے۔ اور ہر فرقہ نے دوسرے فرقہ کو کافر قرار دیا ہوا ہے! ظاہر ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے سینکڑوں اسلام نہیں پیش کئے تھے انہوں نے صرف ایک اسلام اللہ کے دین کی حیثیت سے پیش کیا تھا، ایک ''الکتٰب'' اللہ کی کتاب کی حیثیت سے پیش کی تھی۔ مگر (نام نہاد) احادیث نے نہ صرف یہ کہ فرقہ بندی کرا دی بلکہ ہر فرقہ کا اسلام ہی مختلف بنا دیا۔ اسی طرح ایک الکتٰب کی جگہ سینکڑوں کتابیں صحیح احادیث اور فقہ اور فتاویٰ کے نام سے پھیلا دیں........... اور پھر بھی دعویٰ ہے اسلام سے ہمدردی کا۔ وہ تو چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ''الکتٰب'' کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے اس لئے اس کے متن میں باوجود ہر ممکن کوشش کے (کہ سات قرأتیں ہیں۔ فلاں فلاں آیات منسوخ ہیں، فلاں فلاں منسوخ التلاوت ہیں۔ وغیرہ وغیرہ) اس کو تبدیل نہ کر سکے۔ ورنہ تو اس کے سینکڑوں تراجم اور ہزاروں تفسیریں لکھ لکھ کے اس کی اصلیت کو بھی مہجور کر ڈالا۔ اور آج کے موجودہ دَور

[1]۔ ایضاً۔ مقدمہ۔ ص ۲۔۔۔ [2]۔ ایضاً۔ مقدمہ ص ۲۔ گویا کہ اس طرح موصوف نے مان لیا کہ اسلام دو ہو گئے ایک قدیم اسلام اور دوسرا جدید اسلام تو پھر وہ غلام جیلانی برق صاحب سے کیوں ناراض ہیں جنہوں نے کتاب ''دو اسلام'' لکھی تھی؟

میں تو ایک فرقہ کے سربراہ (ڈاکٹر رشاد خلیفہ) نے ایک قرآن شریف ایسا چھپوا دیا جس میں سے دو آیتیں ہی بہانگِ دہل نکال دیں[1] شاید اس بناء پر کہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق وہ صرف ایک ایک صحابی کے پاس ملی تھیں! یہ ہے نتیجہ ان (نام نہاد) احادیث کو صحیح ماننے کا! اور انہی (نام نہاد) احادیث سے رُشدی ایرانی نے اپنی کتاب لکھی تھی جس پر اسے قتل کرنے کا فتویٰ لگا۔ اس سے پہلے ہندوستان میں ایک انگریز سر ولیم میور نے انہی (نام نہاد) احادیث سے اپنی رسوائے زمانہ کتاب[2] لکھی تھی جس کا جواب دینے کیلئے سوائے جناب سر سید احمد خان صاحب کے کسی اور کی غیرت نہ جاگی تھی۔ مگر اس قوم کے ملّاؤں نے ان پر بھی کفر کے فتوے لگا دیئے۔

ہندوستان کے ایک مذہب "آریہ سماج" کے بانی سوامی دیانند سرسوتی نے تقریباً ۱۸۷۵ء میں ایک کتاب ناگری زبان میں "ستیارتھ پرکاش" کے نام سے لکھی تھی جس کا اردو ترجمہ تقریباً ۱۹۰۰ء میں بازار میں آیا جس کے چودھویں باب میں اسلام کے خلاف لکھا گیا اور قرآن مجید پر ۱۵۹ اعتراضات کئے گئے تھے اس کا جواب صرف جناب ابو الوفا ثناء اللہ امرتسری صاحب نے ۱۹۰۰ء میں بنام "حق پرکاش" لکھ کر دیا تھا اس کے باوجود کچھ مُلّا ان کے بھی خلاف ہو گئے تھے۔ ان کے فوراً بعد دھرم پال جی سابق منشی عبد الغفور صاحب بی اے، ہیڈ ماسٹر اسلامیہ اسکول گوجرانوالہ نے ۱۴ جون ۱۹۰۳ کو گوجرانوالہ آریہ سماج مندر میں ایک جلسہ میں اسلام کو ترک کرنے کا اعلان کیا اور ویدک دھرم کو اختیار کرتے وقت جو لیکچر دیا وہ "ترکِ اسلام" کے نام سے شائع ہوا تھا۔ اس کتاب میں اس نے قرآن شریف پر تقریباً ۱۱۶ اعتراض کئے تھے اور ظاہر کیا تھا کہ انہی اعتراضات کی رُو سے اس نے قرآن اور اسلام کو ترک کیا۔ اس کتاب کا جواب کسی نے نہیں دیا، سوائے جناب عبد اللہ چکڑالوی کے بنام "حجت اسلام بجواب ترک اسلام"۔ مگر ملاؤں نے انہیں منکرِ حدیث قرار دیکر اہل قرآن ہونے پر کفر کا فتویٰ لگا کر ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا۔ لیکن اس کے بعد کسی کو قرآن کریم پر اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی سوائے ہمارے موصوف کے جنھوں نے اپنی مایہ ناز کتاب "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" میں دھرم پال اور سوامی دیانند سرسوتی کی کتابوں کے تقریباً ۶۵ سال بعد قرآن کریم میں تینتیس ۳۳ اختلافات مرتب کئے اور نہ جانے کتنے آیات پر اعتراضات کئے! یہ ہے اہلحدیث ذہن پرستی کا کارنامہ! ایک جدید اسلام نہیں بلکہ قدیم ہی روایتی اسلام کی داغ بیل ڈال دی گئی اور اصل اسلام یعنی قرآن کریم کو مہجور کر دیا گیا۔

اسی مقدّمہ میں موصوف آگے لکھتے ہیں:

"(۳)۔ خلافت راشدہ کو دشمنانِ اسلام کی نام نہاد ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہؓ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو ٹھہرایا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ملوکیت کو غیر شرعی نظامِ حکومت ظاہر کر کے انتہائی کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا، جس کے نتیجہ میں صحابہؓ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو محض دنیادار، مکّار اور خوشامدی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ کوئی صحابی کسی صحابی کے خلاف زہر افشانی کر رہا ہے، کوئی کسی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ آپس میں تلواریں چل رہی ہیں۔ دنیا کی دَوڑ میں کوئی پیچھے رہنا نہیں چاہتا، مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ غرض یہ کہ جس معاشرہ کو رسول اللہ ﷺ نے تیار کیا تھا وہ

[1] مسلم ورلڈ لیگ کانفرنس۔ ٹارنٹو (اگست ۲۴۔۲۶ ۱۹۹۰ء۔ جناب اکبر علی مہر علی (سابقہ آغاخانی) کا پڑھا گیا مقالہ۔ [2] "لائف آف محمد" از ولیم میور۔ اس کا جواب سر سید احمد خان صاحب نے "خطباتِ احمدیہ فی سیرۃ النبویہ" لکھ کر دیا۔

اسلام سے کوسوں دُور تھا، وہ افراد جو رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتہ تھے وہی صحیح معنوں میں مسلم نہیں تھے تو بعد والوں کا کیا کہنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ ﷺ (نعوذ باللہ من ذالک) اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اپنے بعد منافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے۔ اس فتنہ نے نبوّت کی عمارت کو متزلزل کر دیا اور اسلام کے متعلق بد گمانی پیدا ہونے لگی"۔[1]

غور کیجئے کہ موصوف نے خود اسلام کے خلاف سازش کا کیا نقشہ کھینچا ہے اور یہ سب کچھ تاریخ کا کارنامہ نہیں ہے بلکہ (نام نہاد) احادیث کا کارنامہ ہے اور موصوف نے خود اپنی کتاب میں رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کے زمانہ کی جو تصویر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے حوالے سے کھینچی ہے اس کا خلاصہ ہم آپ کو پیچھے ہی ص ۵۹۵۔۵۹۶ پر دکھا چکے ہیں ایک اور اہلحدیث فرقہ کی ایک حدیث کی کتاب میں تو یہاں تک لکھا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے فوراً بعد سوائے تین صحابہؓ کے سب مرتد ہو گئے تھے[2]! تو اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے مشن میں ناکام ہو گئے (نعوذ باللہ) کہ ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی سب سوائے تین کے مرتد ہو گئے! یہ ہے (نام نہاد) احادیث کا کارنامہ!

آگے اپنی اسی تاریخ کی کتاب میں ایک مقام پر موصوف لکھتے ہیں:

"دشمنان، اسلام کی تحریک برابر جاری تھی۔ حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے وہ مسلسل اسی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ مسلمین کو آپس میں لڑایا جائے۔ اگر کوئی شخص لڑنے سے کنارہ کشی اختیار کرتا تو اسے جنگ کی ترغیب دیتے"۔[3]

غور کیجئے ہم بھی تو شروع سے یہی حقیقت بتا رہے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ کو شہید کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں پارس وروم کے اہل دانش و علم نے مل کر قرآن کے خلاف سازش تیار کی تھی اور ابن سباء کو "عبد اللہ" نام دیکر دربار عثمانؓ میں رسائی حاصل کرنے کو بھیجا تھا۔ جب اسے وہاں رسائی میسر نہ ہوئی بلکہ وہ اپنی مشتبہ حرکات کی وجہ سے وہاں سے نکال دیا گیا تو پھر وہ کوفہ، بصرہ، دمشق وغیرہ سے ہوتا ہوا دوسرے علاقوں بالخصوص مصر کی طرف چلا گیا اور وہاں جا کر حضرت عثمانؓ ہی کے خلاف سازش کر ڈالی۔ جس کے نتیجہ میں ان کی شہادت عظمیٰ ہوئی۔ پھر انہی سازشیوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کیا اور ان کے گرد بھی گھیرا تنگ کرتے گئے حتیٰ کہ انہیں اسلامی سلطنت کے دار الخلافہ تک کو منبرِ رسول سے تبدیل کرا کر سلطنت پارس کے علاقہ کوفہ میں پہنچا دیا۔ یہ کوفہ عراق میں واقع تھا جس میں اسی زمانہ سے انہی سبائیوں نے حدیثیں گھڑنا شروع کیں اور نئے نئے عقیدے پھیلائے، لوگوں کے متعلق ہمارے موصوف اپنی دوسری مایۂ ناز کتاب میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"عراقی برائے نام مسلمان تھے، نہ انہیں قرآن سے محبت تھی نہ حدیث سے، وہ فتنہ پرور اور دین کے دشمن تھے (ملاحظہ ہو کتب حدیث و کتب تاریخ)"۔[4]

---

۱۔ "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" مقدّمہ۔ ص ۲۔۔۔ ۲۔ اصول کافی کتاب الروضہ من الکافی، باب الناس بعد عن نبی۔ اہل اردۃ الاثلاثہ. روایت نمبر ۳۴۱، نبی کے بعد لوگ مرتد ہو گئے تھے سوائے تین کے مقداد، ابوذر غفاری اور سلمان فارسی۔ (اس کے معنی حضرت علی، فاطمہ، حسن اور حسین وغیرہ بھی مرتد ہو گئے تھے!) از جعفر محمد بن یعقوب بن اسحاق الکلینی (م ۳۲۹ھ) الکتاب الاسلامیہ، تہران بازار، السلطانی۔ جلد ۸، ص ۲۴۵) ........... ۳۔ "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ ص ۸۰۱۔۔۔ ۴۔ "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" ص ۹۹

غور کیجئے۔ دراصل انہیں قرآن سے کوئی محبت نہیں تھی بلکہ قرآن سے تو دشمنی تھی۔ حدیث کا نام تو موصوف نے اپنے عقیدہ کی بناء پر لکھ دیا ہے ورنہ ہماری تحقیق کے مطابق تو (نام نہاد) احادیث ڈھالنے کی سب سے پہلی ٹکسال ہی کوفہ میں قائم کی گئی تھی[1] پھر فقہی ٹکسالیں بھی وہیں لگیں۔ اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ سارے فتنے وہیں جنم لیتے رہے اور صحابہؓ کو صحابہؓ سے لڑائے جانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ چنانچہ خود موصوف اپنی تاریخ میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

"دشمنانِ اسلام کی یہ بھی ایک سازش تھی کہ صحابہ کرامؓ کے متعلق اس قسم کی باتیں پھیلائی جائیں جن سے ثابت ہو کہ وہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھتے تھے"[2]

چنانچہ اس قسم کی سازشوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ کے مطابق حضرت علیؓ کے مختصر دورِ خلافت ہی میں دو بڑے فرقوں (شیعانِ علی اور خوارج) نے جنم لیا اور مسلمین میں آپس میں خونریزی شروع ہو گئی جو حضرت علیؓ کی شہادت پر منتج ہوئی۔ اس طرح سے دانشورانِ پارس قرآن کے خلاف اپنا کام "حدیث سازی" کرتے رہے مگر صحابہ کبارؓ اور کچھ تابعین اپنا کام "عَلَّمَ الْقُرْاٰن" حجاج بن یوسف کے زمانہ اور اس کے بعد تک کرتے رہے[3]

آگے موصوف اپنی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" میں "ترکِ رفع یدین تاریخ کی روشنی میں" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"صحابہ کرامؓ کے دور ہی میں بعض مخالف اسلام تحریکوں نے جنم لیا، جن میں خارجی اور سبائی تحریکیں سرِ فہرست ہیں۔ ان تحریکوں نے اسلامی سیاست کو پارہ پارہ کرنے کی ہی کوشش نہ کی بلکہ سب سے پہلا مسلم معاشرہ جس کی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اس کو بھی بدنام کرنے میں انہوں نے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی میں بھرپور کوشش کرتے رہے۔ قرآن و حدیث کو بے محل استعمال کرنا، قرآن و حدیث کے مقابلہ میں آرائے رجال کو پیش کرنا، تشابہات کی تاویلیں کرنا اور عقائد کو خراب کرنا ان لوگوں کا خاص مشغلہ تھا، انہوں نے اسلامی عبادات اور قوانین میں بھی تبدیلی کی کوشش کی، حتیٰ کہ صلوٰۃ جو دن میں پانچ ۵ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اُس کو بھی انہوں نے بگاڑنے میں بھرپور زور لگایا۔ اکثر نو مسلم ان کے فریب میں آ گئے۔ فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی اور اس طرح ایک اسلام کے کئی اسلام بن گئے"۔[4]

غور کیجئے اگر یہی بات ہم کہیں کہ سبائیوں کی (نام نہاد) احادیث نے اصل صلوٰۃ تک بگاڑ دی اور مسلمین میں فرقہ بندی کر دی اور ایک اسلام کے کئی اسلام بنا دیئے تو موصوف ناراض ہو جاتے ہیں۔ مگر خود وہی لکھتے ہیں۔ آگے لکھتے ہیں:

"فرقہ بندی نے شخصی عقیدت کو پیدا کیا، شخصی عقیدت نے شخصیت پرستی کو جنم دیا۔ شخصیت پرستی نے تقلید شخصی اور جمود کے لئے راہ ہموار کی۔ فرقہ وارانہ مسائل کی حمایت میں حق پوشی ہونے لگی اور اس کے بعد حق کا انکار ہونے لگا، حتیٰ کہ یہ حمایت ترقی کرتے کرتے حمیّت جاہلیت تک پہنچ گئی"۔[5]

---

[1] جامع الترمذی۔ جلد۔ ۲، ابواب فضائل القرآن۔ باب مَا جَآءَ فِی فضل القرآن۔ ص ۳۴۳۔ ۳۴۴۔ (پیچھے ص ۵۹۱ وغیرہ پر ہم اسے تفصیل سے لکھ آئے ہیں)۔ [2] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" ص ۸۰۴۔ [3] جامع الترمذی۔ جلد ۲۔ ابواب فضائل القرآن۔ باب مَا جَآءَ فِی تَعلیمُ القُرْاٰن (پیچھے ص ۵۹۲ پر ہم اسے لکھ آئے ہیں)۔ [4] "صلوٰۃ المسلمین"۔ ترکِ رفع یدین تاریخ کی روشنی میں۔ ص ۴۱۶۔ ۴۱۷۔ [5] ایضاً، ص ۱۷

اب موصوف کو آگے پڑھنے سے پہلے ذرا موصوف ہی کی شخصیت پرستی کا ایک نمونہ ملاحظہ کرتے چلئے، اپنی کتاب "تلاشِ حق" میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

"صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسی کتابوں کا تو صرف ترجمہ بھی کافی ہے نہ ان میں صحت و ضعف کا جھگڑا ہے۔ نہ ناسخ و منسوخ کا۔ ہر چیز صاف ہے اور جو چیز ان کے خلاف ہے وہ یا تو ضعیف ہوتی ہے یا اس کا محل دوسرا ہوتا ہے" [1]

موصوف کی اس شخصیت پرستی کے بعد اب آپ پیچھے پلٹ کر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی وہ (نام نہاد) احادیث پھر سے ایک مرتبہ پڑھ لیں جو ہم پیچھے لکھ آئے ہیں۔ پھر فیصلہ کیجئے کہ یہ قرآن کریم کی تشریح کرتی ہیں یا اس کی اہانت کرتی ہیں اور کیا ان سے قرآن کریم کے خلاف سازش کی بُو نہیں آتی۔

غور کیجئے کہ اوپر دیئے گئے موصوف کی کتابوں کے اقتباسات پہلی صدی ہجری ہی میں اسلام یعنی قرآن کریم کے خلاف سازش کا کیا نقشہ کھینچتے ہیں اب ذرا آگے دوسری صدی کے امام المحدثین و فقہ کی شہادت ملاحظہ کیجئے کہ دوسری اور تیسری صدیوں میں کیا کیا نئے عقیدے جنم لیتے ہیں اور قرآن کریم کے ساتھ دوسری چیزیں کس طرح شریک کی جاتی ہیں یہ حقیقت اصول فقہ و حدیث پر لکھی جانے والی سب سے پہلی تصنیف پڑھ کر ہی آشکارا ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے بھی ایک مقام پر لکھ آئے ہیں کہ اس کتاب کے مصنف نے شروع کتاب ہی میں "حمد و ستائش" کے باب میں بڑی اصولی بات لکھی ہے کہ:

"الغرض اللہ جل شانہٗ نے جو کچھ بھی اپنی کتاب میں نازل فرمایا وہ رحمت اور **حجت** ہے" [2]

قارئین غور کیجئے کہ کون سی کتاب نازل کی گئی؟ ظاہر ہے کہ قرآن کریم نازل کیا گیا تو صرف وہ **حجت** ہوا۔ مگر افسوس کہ پھر آگے جا کر یہی مصنف اپنے عقیدہ سے منحرف ہوگئے اور (نام نہاد احادیث جو کہ اللہ جل شانہٗ کی کتاب میں یا اس کے علاوہ نازل نہیں فرمائی گئی تھیں انہیں بطور حجت قبول کر لیا اور ان کے اصول پر اور فقہ کے اصول پر یہ کتاب لکھوا دی (یا ان کے نام سے لکھ دی گئی) [3] اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ "الْكِتٰبُ وَ الْحِكْمَةُ" کو جس کو اللہ تعالیٰ نے "وَ الْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ" فرمایا ہے (۳۶/۲) دو الگ الگ چیزیں قرار دے کر ایک اور نئے عقیدہ کی بنیاد رکھ دی۔

ملاحظہ ہو امام صاحب فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ کے وہ طریقے جن کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں، اور جو کچھ ہم نے اس کتاب میں درج کیا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے وہ احسانات جن کو اپنے بندوں پر کتاب و حکمت سکھا کر کئے ہیں اس امر کی دلیل ہیں

---

[1] "خلاصہ تلاش حق" از مسعود احمد امیر جماعت المسلمین، اشاعت چہارم ۱۹۸۷ء، ص ۱۹۰۔۱۹۱۔ [2] "کتاب الرسالہ" ص ۳۴۔ [3] مترجمین و ناشرین کے مطابق یہ کتاب درحقیقت امام شافعی کے تقریری نوٹس کا ایک مجموعہ ہے جو ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان نے تحریر کیا تھا (ص ۲۴) اور انہوں نے ۲۶۵ھ میں "کتاب الرسالہ" نسخہ کی تحریر کی اجازت دی تھی (ص ۳۴۸) (جبکہ امام شافعی کی وفات ۲۰۴ھ کی ہے) اس کے معنی کہ یہ کتاب تیسری صدی کے آخر نصف میں لکھی گئی! قارئین کتاب کی صحت کا صحیح اندازہ اس سے بخوبی کر سکتے ہیں کہ امام شافعی کی وفات کے ۶۱ سال بعد اس کتاب کی تحریر کی اجازت ان کے شاگرد نے دی (کیا اس وقت ان کے یہ شاگرد زندہ بھی تھے؟ اور ان کی عمر کتنی تھی؟

کہ حکمت سے مرادرسول اللہ ﷺ کی سنت ہے"[1]

ذرا ایمانداری سے غور کیجئے کہ رسول کے وہ طریقے جن کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں وہ حکمت کیسے ہو سکتے ہیں؟ اور وہ سنت کیسے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ:

"وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَىٰ فِي بُيُوتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ وَالْحِكْمَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَطِيفًا خَبِيرًا ﴿٣٤﴾

ترجمہ: اور (اے نبی کی گھر والیو) تمہارے گھروں میں اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں تلاوت کی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو، بے شک اللہ بڑا باریک بین اور (بہت) باخبر ہے (۳۴)"[2] الاحزاب (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔ ۷، ص ۱۰۶۰)

یہاں اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتادیا کہ اللہ کی آیات اور حکمت کی جو باتیں تمہارے گھروں میں تلاوت کی جاتی ہیں! تو تلاوت تو ظاہر ہے کہ ہمارے موصوف کے عقیدہ کے مطابق بھی صرف قرآن کریم ہی کی یعنی وحی متلو کی کی جاتی ہے تو ثابت ہوا کہ آیات اور حکمت قرآن کریم ہی میں ہیں اس سے باہر نہیں اس سے باہر کی چیز نہ حکمت ہے اور نہ سنت۔

لیکن امام صاحب کتُب وحکمت تلاوت کی جانے والی چند آیات اور آخر میں اوپر والی آیت پیش کر کے فرماتے ہیں:

"چنانچہ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ایک تو کتاب کا ذکر کیا، جو قرآن ہے، اور حکمت کا ذکر کیا، مجھ کو اطمینان ہے کہ حکمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

اور یہ تفسیر، فرمودۂ الٰہی سے زیادہ مشابہ ہے، واللہ اعلم،

کیونکہ قرآن مجید کے ذکر کے بعد حکمت کا ذکر کیا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذریعہ اپنی مخلوق پر اپنا احسان بیان فرمارہا ہے، لہٰذا یہاں سنتِ رسول اللہؐ کے سوا کسی چیز کو (واللہ اعلم) حکمت کہنا جائز نہیں"۔[3]

قارئین امام صاحب کی عبارت میں دو جگہ "واللہ اعلم" کے استعمال پر غور کیجئے جبکہ وہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ "مجھ کو اطمینان ہے کہ حکمت رسولؐ کی سنت ہے" مگر فوراً ہی ڈانواڈول ہو جاتے ہیں! اسی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ نیا عقیدہ ان کا اپنا اجتہاد یا استنباط یا ایجاد تھا اور قرآن کریم میں کہیں نہیں لکھا ہوا (یہاں یہ حقیقت نوٹ کر لیجئے کہ امام صاحب سنت یا (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ نہیں بتا رہے بلکہ صاف فرمارہے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے ایک تو کتاب کا ذکر کیا جو قرآن ہے اور حکمت کا ذکر کیا مجھ کو اطمینان ہے کہ حکمت رسولؐ کی سنت ہے" جبکہ ہمارے موصوف دونوں کو ملا کر کتاب اللہ بتاتے ہیں۔ اس کے معنی یہ عقیدہ موصوف ہی کا ہے ورنہ تیسری صدی ہجری کے بعد کا ہے)۔ چنانچہ ان کے نئے عقیدہ کی تصدیق اس طرح بھی ہو جاتی ہے کہ انہوں نے سُنت کی تین قسمیں کر دیں ان میں سے دو قسموں کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ ایسی ہیں جن پر تمام علما متفق ہیں:

"یہ دو صورتیں باہم ملتی بھی ہیں اور جدا جدا بھی ہیں، ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کے بارے میں نص

---

[1] "کتاب الرسالہ" باب پنجم۔ ص ۴۹۔۔۔ [2] اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے موصوف نے اپنے اسی ترجمہ کو لکھ دیا ہے اور خاموشی سے آگے بڑھ گئے ہیں یونکہ ان کا عقیدہ اس آیت کے بالکل خلاف ہے۔۔۔ [3] "کتاب الرسالہ" باب اس بات کا بیان کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے نبیؐ کی سنت کی پیروی فرض قرار دی ہے۔ ص ۸۲

کتاب اللہ ہے، اور رسول اللہؐ نے کتاب اللہ کے نص کے مطابق حکم بیان فرمادیا، دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں بطور اجمال بیان کیا، اور رسول اللہؐ نے اللہ کی طرف سے اس کے ان معانی کی وضاحت فرمادی جن کو اللہ تعالیٰ نے مراد لیا ہے، یہ ہیں سنت کی دو صورتیں جن میں علما کا کوئی اختلاف نہیں ہے"[1]

قارئین سنت کی اس دوسری قسم پر غور کیجئے۔ امام صاحب نے اس بات کی کوئی وضاحت نہیں کی کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے اللہ کی طرف سے اس کے معنیٰ کی وضاحت کس طرح فرمادی؟ کیا انہوں نے اپنی طرف سے وضاحت کی، تو پھر وہ اللہ کی طرف سے نہ ہوئی؟

کیا ان پر قرآن کے علاوہ بھی وحی آئی؟ (خیال رہے کہ امام صاحب یہاں بھی خود کتاب اللہ قرآن کریم ہی کو فرمارہے ہیں اسے (نام نہاد) احادیث کے ساتھ شریک نہیں کررہے) اگر دوسری وحی بھی آئی تو پھر تو وہ وضاحت اللہ کی طرف سے ہوگئی مگر اس وحی کے آنے کی نص صریح خود قرآن میں نہیں! اور اگر اس طرح کی کتابی وحی قرآن کے علاوہ بھی آئی تو پھر وہ بھی رسول اللہ سلامؑ علیہ کو لکھادینا چاہئے تھی۔ مگر وہ بھی ثابت نہیں ورنہ تو پھر قرآن ایک سے زائد ہوتے یا قرآن کے ساتھ وضاحت کا ضمیمہ الگ لگا ہوتا! دراصل یہ دوسری قسم ہی تو اختلافی ہے۔ جبکہ امام صاحب کے نزدیک تیسری قسم اختلافی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"تیسری صورت یہ ہے کہ رسول اللہؐ نے کسی معاملہ میں ایک حکم صادر فرمادیا اس کے بارے میں کتابُ اللہ میں کوئی نص موجود نہ ہو۔

تو (اس صورت میں اہل علم کا اختلاف ہے) ایک جماعت نے کہا ہے کہ اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اطاعت فرض کی ہے، اور اس کے علم سابق میں یہ بات موجود ہے کہ وہ آپؐ کو اپنی رضامندی کی توفیق بخشے گا، آپؐ کو اللہ کی طرف سے یہ اجازت ہے کہ آپؐ جس معاملہ میں کتاب اللہ کا کوئی منصوص حکم موجود نہ ہو اس کے متعلق اپنی سنت اور اپنا حکم صادر فرمادیں،

بعض کہتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے کوئی سنت ایسی نہیں جاری کی جس کی اصل کتاب اللہ میں موجود نہیں ہے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ سنت اللہ تعالیٰ کے پیغام کے ذریعہ آپؐ کے پاس آئی تھی۔ تو آپؐ کی سنت اللہ کے فرض کرنے پر ثابت ہوئی،

بعض دوسرے کہتے ہیں کہ ہر وہ سنت جس کو آپؐ نے جاری کیا وہ آپؐ کے قلب میں القاء ہوئی تھی، اور آپؐ کی سنت ہی وہ حکمت ہے جو خدا کی طرف سے آپؐ کے قلب پر القاء کی گئی، تو جو کچھ آپؐ کے قلب پر وارد ہوا وہی آپؐ کی سنت قرار پایا،

لہٰذا جو چیز حضور انورؐ کے قلب میں ڈالی گئی وہی آپؐ کی سنت ہے، اور وہی حکمت ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، اور جو وحی کتابی صورت میں آپؐ پر نازل ہوئی وہ کتاب اللہ ہے"[2]

قارئین اب ہم ان مختلف فیہ بیانات پر کیا تبصرہ کریں! ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے قلب پر صرف قرآن کریم اُتارا تھا کوئی اور کتاب نہیں (۲/۹۷)

---

[1] ایضاً۔ ص ۹۴ --- [2] ایضاً۔ ص ۹۴۔۹۵

بہر حال امام صاحب کی کتاب سے عبارات نقل کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ تیسری صدی کے آخر تک (نام نہاد) احادیث یا سنت کے مسئلہ پر علما و فقہا میں آپس میں اچھا خاصا اختلاف پیدا کیا جا چکا تھا اور نئے نئے عقائد جنم لے رہے تھے۔ اسی دَور میں قرآن کریم کی آیات کا ناسخ و منسوخ ہونے کا عقیدہ بنا۔ امام صاحب نے اپنی اسی کتاب میں اس پر بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ بہر حال اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے موصوف اور دیگر موجودہ اہل حدیث و اہل فقہ کا عقیدہ کہ (نام نہاد) احادیث قرآن پر قاضی و حاکم اور آیاتِ قرآن کی ناسخ ہیں اس وقت تک جڑ نہیں پکڑ سکا تھا یہ تیسری صدی ہی کے بعد بنایا گیا۔ امام صاحب کا قول ہے کہ:

"اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اس امر کو بھی واضح کر دیا کہ کتاب اللہ کے احکام کتاب اللہ ہی کے ذریعہ منسوخ ہو سکتے ہیں، سنت ان احکام کو منسوخ نہیں کر سکتی، بلکہ یہ کتاب اللہ کے تابع ہے"[1] "حالانکہ ہمیشہ ہر سنت کتاب کے موافق ہی ہوا کرتی ہے"[2] "اور کسی وقت میں کتاب اللہ کے خلاف نہیں ہوتی"[3] "اسی طرح سنتِ رسول صلعم کو سنت ہی منسوخ کر سکے گی"[4]

اختلافِ (نام نہاد) احادیث کو صحیح ثابت کرنے کے لئے اسی دَور میں یہ عقیدہ بنایا گیا کہ اختلافِ قرأت یا اختلاف الفاظ تو قرآن کریم میں بھی ہے (معاذ اللہ) اسی کو قرأت سبعہ کا نام دیا گیا۔ چنانچہ امام صاحب فرماتے ہیں کہ:

"جب اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر مہربانی کے پیش نظر اپنی کتاب کو سات طرز پر نازل فرمایا، (پڑھنے کی اجازت دی) یہ سمجھ کر کہ حفظ میں لغزش ہو جایا کرتی ہے، تا کہ اُن کے لئے اُس کا پڑھنا حلال رہے، **اگرچہ لفظ بغیر معنی کے مختلف ہو جائیں** تو وہ چیز جو کتاب اللہ سے کم درجے کی ہے اُس میں بطریقہ اَولیٰ یہ جائز ہوا کہ اگر معنیٰ مختلف نہ ہوں تو اختلافِ لفظ جائز ہے"[5]

قارئین امید ہے کہ امام صاحب کی تیسری صدی کی کتاب سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ کم از کم تیسری صدی کے آخر تک (جب اس کتاب کی تحریر کی اجازت دی گئی):

۱۔ کتاب اللہ کی عظمت بر قرار تھی گو کہ اس کے خلاف سازش جاری تھی

۲۔ کتاب اللہ صرف قرآن کریم ہی کو سمجھا جاتا تھا اور (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔

۳۔ کتاب اللہ ہی کو اصل حجت، قاضی، حاکم و فرقان سمجھا جاتا تھا اور سنت یا (نام نہاد) احادیث کو اس کے تابع سمجھا جاتا تھا۔

۴۔ کتاب اللہ کی آیات کو سنت یا (نام نہاد) احادیث منسوخ نہیں کر سکتی تھیں۔ مگر اس کے خلاف سازش کام کر رہی تھی۔

۵۔ جب ٹکسالوں میں ڈھالی گئی (نام نہاد) احادیث میں اختلافات سامنے آئے (جیسی کہ کچھ مثالیں ہم پیچھے پیش کر چکے) تو اختلافِ قرأتِ قرآن کا مسئلہ بھی گھڑ لیا گیا تا کہ اسے صحیح قرار دیا جا سکے۔

۶۔ جو وحی رسول اللہ سلامٌ علیہ پر کتابی صورت میں نازل ہوئی وہ کتاب اللہ سمجھی جاتی تھی۔ مگر سازش یہ ہو رہی تھی کہ یہ عقیدہ بن جائے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جو سنتیں جاری کیں یعنی جو (نام نہاد) احادیث سنائیں

[1] ایضاً۔ ص ۹۷۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۰۱۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۱۸۔۔ [4] ایضاً۔ ص ۹۹۔۔ [5] ایضاً۔ ص ۱۸۰

وہ بھی ان کے قلب پر القاء کی گئی تھیں۔ بہر حال اس وقت تک یہ اختلافی مسئلہ تھا اور کھل کر کوئی اس کو وحی خفی نہیں کہتا تھا۔ البتہ اس کو قرآن سے علیحدہ کر کے حکمت قرار دیدیا گیا تھا۔

۷۔ قرآن کریم ہی کو حجّت مانا جاتا تھا مگر (نام نہاد) احادیث کو شریک کرنے کی سازش کافی حد تک کامیاب ہو گئی تھی۔

۸۔ سنت کی تقسیم تین قسموں پر کر دی گئی تھی اور اختلاف بڑھ رہا تھا

۹۔ قرآن کریم کی اہمیت کم کرنے کے لئے فنونِ حدیث اور فنون فقہ ایجاد ہونے لگے تھے۔

۱۰۔ مگر پھر بھی یہ عقیدہ موجود تھا کہ نبی سلامٌ علیہ نے فرمایا تھا کہ:

"میری طرف سے جو قول تمہارے سامنے آئے اس کو کتاب اللہ پر پیش کرو، پس جو اس کے موافق ہو وہ میں نے کہا ہے، اور جو اس کے مخالف ہو (سمجھ لو) کہ میں نے نہیں کہا"[1]

لیکن اس ارشادِ رسول کی تاویلیں شروع ہو چکی تھیں اور اس کو غائب کرانے کی سازش ہو رہی تھی۔

۱۱۔ اسی دَور میں اللہ تعالیٰ کے حکم کہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (حکم صرف اللہ کا ہے۔ ۴۰/ ۱۲، ۶۷/ ۱۲) اور وَ لَا يُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا (اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔ ۲۶/ ۱۸) کے خلاف عقیدہ بنایا جانے لگا کہ حکم اللہ کے علاوہ رسول کا بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ اصولِ حدیث ایجاد کئے گئے اور باب اول "بیان کی صفت" میں بیان کی چار اصناف ایجاد کی گئیں۔ ملاحظہ ہو:

"شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بیان ایک اسم ہے جو ایسے چند معانی کو حاوی ہے جن کی اصل ایک اور فروع بے شمار ہیں،

ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے نصّ، یعنی قرآن پاک کے صریح الفاظ میں بیان کر دیا، جس میں کسی احتمال کی گنجائش نہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے جملہ فرض کئے ہوئے احکام نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ وغیرہ............. بیان کی دوسری صنف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرض کئے ہوئے حکم کو اپنی کتاب میں محکم طور پر بیان کر دیا، مگر اس کی کیفیت کی تشریح اپنے نبیؐ کے الفاظ میں کی، مثلاً نماز کی تعداد، زکوٰۃ کی تفصیل، دونوں کے وقت کا تعیّن.................

تیسری صنف میں وہ احکام آتے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قرآنی حکم نہیں، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اپنے رسولؐ کی اطاعت کو، نیز ان کے حکم کے مطابق عمل کرنے کو فرض قرار دیا ہے اس لئے جس کسی نے رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو قبول کیا اس نے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے فرض قرار دینے کی وجہ سے (ان کو) قبول کیا،...............

چوتھی صنف میں وہ احکام ہیں جن کے طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اجتہاد کو فرض قرار دیا..............."[2]

قارئین غور کیجئے کہ بیان کی یہ اصناف قرآن کریم کی کن آیات سے اخذ کی گئی ہیں یونکہ امام صاحب خود فرما چکے

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۵۷۔ (اس روایت پر ہم پیچھے بھی بحث کر چکے ہیں)۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۳۷۔۳۸

ہیں کہ "اللہ جل شانہٗ نے جو کچھ بھی اپنی کتاب میں نازل فرمایا وہ رحمت اور حجت ہے" تو پھر تیسری اور چوتھی اصنافِ بیان کہاں سے آ گئیں جبکہ ان کا بیان ہی قرآن کریم میں نہیں؟ تیسری صنف کے مطابق وہ احکام جن کو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بیان کیا مگر ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کوئی قرآنی حکم نہیں، تو پھر وہ احکامِ رسولؐ ہوئے۔ اس طرح دو احکام ہو گئے ایک اللہ تعالیٰ کے اور دوسرے رسول سلامٌ علیہ کے! جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حکم تو صرف انہی کا ہے۔ اور حق بھی یہی ہے کہ حکم دینا تو خالق و مالک ہی کا حق ہے مخلوق کا نہیں۔ اور نہ ہی مخلوق کا حکم ان کے حکم کے ساتھ شریک کیا جاسکتا ہے........... تو پھر یہ صنفِ بیان تو غیر قرآنی ہو گئی!

اسی طرح چوتھی صنف بیان پر غور کیجئے تو امام صاحب کے مطابق یہ وہ احکام ہیں جن کو طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقت پر اجتہاد کو فرض قرار دیا۔ یعنی صرف اماموں و مجتہدوں پر اجتہاد فرض نہیں بلکہ اس کی **مخلوق** پر فرض ہے۔ مگر تمام اہل حدیثوں و اہل فقہ نے مخلوق کا یہ حق یا فرض چھین کر اپنے اماموں اور مجتہدوں کو دیدیا ہے اور اب مخلوق سے ان کے اجتہادوں کی اطاعت کراتے ہیں! نیز امام صاحب اللہ تعالیٰ کی وہ آیت کریمہ نہ بتا سکے جس کے تحت اجتہاد امام، مجتہد یا مخلوق پر فرض ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ان کی بات بے دلیل ہے۔

الغرض اس طریقہ سے غیر اللہ کے احکام کی اطاعت اتباع کا راستہ ہموار کیا گیا اور پھر اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ غیر اللہ کے احکام حدیث و فقہ کے نام سے اسلام میں داخل کر دیئے گئے اور تقریباً ہزار سال سے اُن غیر اللہ کے احکام پر عمل ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام مہجور کر دیئے گئے ہیں۔

قارئین یہ تھی مختصر سی تاریخ قرآن کے خلاف سازش کی۔ اس سازش سے پہلی صدی ہجری کے مسلمین کی اکثریت محفوظ رہی لیکن اس کے بعد یہ عمل الٹا ہو گیا اور اکثریت اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ غیر اللہ کے احکام شریک کرنے لگی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں، جو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے بھی پوچھ لیتے تھے کہ یہ آپؐ کا حکم ہے یا وحیٔ الٰہی کا، فرمایا کہ چونکہ وہ صرف اللہ کے حکم سے راضی ہیں اس لئے اللہ بھی ان سے راضی ہو گیا ہے (۲۹ /۴۸ ، ۱۰۰ /۹ ، ۲۲ /۵۸) اور ان کے بعد والوں کے لئے فرمایا کہ ان کی اکثریت ایمان لانے کے باوجود شرک میں مبتلا ہے (۱۰۶ /۱۲ ، ۴۲ /۳۰ ، ۱۴ /۵۶) یونکہ وہ اللہ کے احکام پر تو قیل و قال کرتے ہیں اور غیر اللہ کے احکام پر اپنی جان بھی دے دیتے ہیں۔

غور کیجئے تو یہی ہے تاریخ منکرینِ حدیث کی کہ وہ قرنِ اوّل ہی سے پائے جاتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم اور غیر اللہ کے حکم میں تفریق کرتے تھے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ سے بھی پوچھ لیتے تھے کہ یہ وحی یعنی اللہ کا حکم ہے یا آپ اپنی طرف سے بتا رہے ہیں۔ مگر آج چونکہ اکثریت شرک کرنے والوں کی ہے (۱۰۶ /۱۲) اس لئے انہوں نے غیر شرک کرنے والوں کے لئے اسے مخصوص کر دیا ہے اور انہیں فَٹافَٹ منکرِ حدیث قرار دے کر کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں حالانکہ یہ کفر کا فتویٰ ہونا چاہیئے تھا ان کے لئے جنہوں نے فرقے بنائے ہوئے ہیں اور غیر اللہ کے احکام کی اطاعت کر کے شرک میں مبتلا ہیں۔ (۱۶۰ /۶ ، ۳۱۔ ۳۲ /۳۰)

## تیسری وچوتھی صدی کے اور بعد کے منکرین حدیث کا نقشہ

شروع کی صدیوں کا حال ہم آپ کو پیچھے دکھا چکے کہ صحابہؓ کبار اور تابعینؒ اور تبع تابعین کس طرح منکرِ حدیث رہے۔ ان کے بعد تیسری وچوتھی صدی ہجری کے بڑے بڑے منکرینِ حدیث کا حال بھی دیکھ لیجئے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔امام المحدثین محمد اسماعیل بخاری (متوفی ۲۵۶ھ) نے | چھ (۶) لاکھ احادیث میں سے | 5,97,238 کا انکار کیا اور صرف | 2,762 مانیں |
| ۲۔امام المحدثین مسلم (متوفی ۲۶۱ھ) نے | تین (۳) لاکھ احادیث میں سے | 2,95,652 کا انکار کیا اور صرف | 4,348 مانیں |
| ۳۔امام المحدثین ابن ماجہ (متوفی ۲۷۳ھ) نے | چار (۴) لاکھ احادیث میں سے | 3,96,000 کا انکار کیا اور صرف | 4,000 مانیں |
| ۴۔امام المحدثین ابوداؤد (متوفی ۲۷۵ھ) نے | پانچ (۵) لاکھ احادیث میں سے | 4,95,200 کا انکار کیا اور صرف | 4,800 مانیں |
| ۵۔امام المحدثین ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) نے | تین (۳) لاکھ احادیث میں سے | 2,96,885 کا انکار کیا اور صرف | 3,115 مانیں |
| ۶۔امام المحدثین نسائی (متوفی ۳۰۳ھ) نے | دو (۲) لاکھ احادیث میں سے | 1,95,679 کا انکار کیا اور صرف | 4,321 مانیں[۱] |
| اس طرح ان چھ اماموں نے | تئیس (۲۳) لاکھ احادیث میں سے | 22,76,654 کا انکار کیا اور صرف | 23,346 مانیں |

یعنی انہوں نے ۹۹ فیصد احادیث کا انکار کر کے صرف ایک فیصد مانیں۔ اور پھر بھی وہ کافر و منکر قرار نہیں دیئے گئے تو آج صرف ایک فیصد کا انکار کرنے والے کیسے منکر و کافر قرار دیئے جاسکتے ہیں؟ ایسا کرنا یقیناً دماغی عدم صحت ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔

ان اماموں سے پہلے دوسری صدی ہجری میں جب افتراق شروع ہوا تھا تو کئی فرقوں نے مثلاً خوارج، شیعہ، معتزلہ، جہمیہ مع اپنے اماموں کے نام نہاد احادیث سے انکار کر دیا تھا اور اپنی اپنی احادیث بنالی تھیں جن پر وہ آج بھی قائم ہیں۔

۱۔ اس کے حوالہ کے لئے ان کتابوں کو اُٹھا کر دیکھ لیجئے۔ ان کے سَر ورق ہی پر لکھا مل جائے گا کہ اتنے لاکھ میں سے اتنی احادیث منتخب کیں۔

چنانچہ اس حقیقت کو مانتے ہوئے پچھلی صدی ہجری کے شیخ الحدیث صاحب خود اپنی کتاب میں منکرینِ حدیث کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں:

| منکرین | کونسی حدیث کے؟ | کب؟ |
|---|---|---|
| ۱۔خوارج | جو اہل بیت کے فضائل میں تھیں | ۲۰۰ھ |
| ۲۔شیعہ | جو احادیث صحابہؓ کے فضائل میں تھیں | ۲۰۰ھ |
| ۳۔معتزلہ اور جہمیہ | احادیثِ صفاتِ الٰہی | |
| ۴۔قاضی عیسیٰ بن ابان اور ان کے اتباع | جو احادیث غیر فقیہ صحابہ سے مروی ہیں | ۲۲۱ھ |
| ۵۔متاخرین فقہا سے قاضی ابوزید دبوسی وغیرہ | ایضاً | ۲۲۱ھ |
| ۶۔ اس کے بعد معتزلہ اور متکلمین کے ساتھ متاخرین فقہاء کی ایک مختصر سی جماعت | اصول اور فروع دونوں میں ان حضرات نے خبر واحد سے اختلاف کیا۔ | ۴۰۰ھ کے بعد |
| ۷۔ یورپین تہذیب سے مرعوب گروہ مولوی | یہ حضرات فن سے قطعاً ناواقف تھے ان کی تحقیق میں | ۱۳۰۰ھ کے قریب |

| | | |
|---|---|---|
| چراغ علی، سرسید احمد خان وغیرہ | احادیث تاریخ کا ذخیرہ ہیں جو ان کی نیچر کے موافق ہوا قبول کر لیا اور جو مخالف ہوا ترک کر دیا | قریب |
| ۸۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی، مستری محمد رمضان گوجرانوالہ، مولوی حشمت علی لاہوری، مولوی رفیع الدین ملتانی | احادیث کا بالکلیہ انکار | ۱۳۰۰ھ کے بعد |
| ۹۔ مولوی احمد دین صاحب امرتسری، مسٹر غلام احمد پرویز، یہ حضرات سرسید سے متاثر ہیں لیکن جاہل اور غیر محتاط | ان کے نزدیک قرآن و حدیث اور پورا دین ایک کھیل ہے یا زیادہ سے زیادہ ایک سیاسی نظریہ جسے ہر وقت ہمیں بدلنے کا حق حاصل ہے۔ مولوی احمد دین بعض متواتر اعمال کو مستثنیٰ سمجھتے تھے۔ | ۱۴۰۰ھ |
| ۱۰۔ مولانا شبلی مرحوم، مولانا حمید الدین فراہی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی اور عام فرزندانِ ندوہ، باستثنائے حضرت سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ | یہ حضرات حدیث کے منکر نہیں لیکن ان کے اندازِ فکر سے حدیث کا استخفاف اور استحقار معلوم ہوتا ہے اور طریقہ گفتگو سے انکار کے لئے چور دروازے کھل سکتے ہیں | ۱۴۰۰ھ ۱۳۰۰ |

یہ جدول میرے ذاتی مطالعہ کا نتیجہ ہے، مجھے اس کے کسی حصہ پر اصرار نہیں۔ میں ممنون ہوں گا اگر مجھے میری لغزش سے آگاہ کیا جائے۔ میرے خیال میں تحریک انکارِ حدیث تدریجی ارتقا سے اس مقام تک پہنچی ہے[۱]

غور کیجئے کہ شیخ الحدیث صاحب نے ۲۰۰ھ سے منکرین حدیث کی تاریک گنوانی شروع کی۔ یعنی اس وقت سے جب سے یہ سازشی کارنامہ عام ہونا شروع ہوا۔ ورنہ اس سے پہلے تو قرن اول میں (نام نہاد) حدیث کا وجود ہی نہیں تھا۔ اور پھر اس کے بعد تیسری وچوتھی صدی ہجری کے برے بڑے منکرین حدیث کے نام ہم آپ کو اوپر بتا آئے کہ انہوں نے ننانوے فیصد کا انکار کر دیا۔ اور اسی طرح سے ان کے بعد پھر مسلسل انکار حدیث ہوتا رہا اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کے نازل کردہ "الحق" پر ہی قائم رہے (گو کہ اکثریت میں نہیں بلکہ اقلیت میں) اور (نام نہاد) احادیث کو انہوں نے "الحق" کے ساتھ شریک نہیں کیا۔ خود شیخ الحدیث صاحب نے فرمایا ہے کہ:

"میرے خیال میں تحریکِ انکارِ حدیث تدریجی ارتقا سے اس مقام تک پہنچی ہے"[۲]

قارئین! غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اگر تیسری چوتھی صدی کے محدثین اپنے خود بنائے ہوئے معیاروں پر (جن کا کوئی ثبوت نہیں یونکہ خود انہوں نے اپنی کتابوں میں پرکھنے کے خود ساختہ معیار نہیں لکھے) لاکھوں احادیث کو پرکھ کر ننانوے ۹۹٪ فیصد کو ردّ کر سکتے ہیں تو آج ہم اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ معیارِ حق وباطل "الفرقان" پر پرکھ کر ایک فیصد (نام نہاد) احادیث کو ردّ کیوں نہیں کر سکتے؟ اور وہ بھی ایک فیصد کون سی؟ وہ جو ہم آپ کو پیچھے نقل کر کے دکھا چکے۔ کیا وہ مثلِ قرآن ہیں؟ کیا وہ وحیِ الٰہی ہیں؟ کیا ایسی چیز وحی الٰہی ہو سکتی ہے جس میں سے ننانوے فیصد کو ردّ کر دیا

---

۱۔ "حجیّتِ حدیث" از شیخ الحدیث مولوی محمد اسماعیل السلفی صاحب۔ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور۔ طبع اوّل ۱۹۸۱ء، ص ۱۱۳۔ ۱۱۴

۲۔ ایضاً۔ ص ۱۱۴

جائے؟ بلکہ بقول ہمارے موصوف ہی کے "ان کے گھڑے ہوئے ہونے کے ثبوت کے لئے محض ان کا مکروہ ہونا ہی کافی ہے[1]۔ کیا یہ مکروہ (نام نہاد) احادیث جو کہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں وحی ہو سکتی ہیں؟

1۔ "خلاصہ تلاشِ حق" از مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)، اشاعت چہارم۔ ۱۹۸۷ء ص ۲۴

# نماز / صلوٰۃِ رسول بدلے جانے کی شہادت / سازش

پچھلے صفحات پر ہم آپ کو قرآن کریم کے خلاف سازش کی تصویر موصوف اور امام شافعی کی کتاب سے نقل کر کے دکھا چکے اب موصوف ہی کی کتاب سے بحوالہ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے صلوٰۃِ رسول کے خلاف سازش ملاحظہ کیجئے لیکن ذرا ٹھہریئے پہلے یہ غور کر لیجئے کہ اس کو ملاحظہ کرنے کی ضرورت کیا ہے؟

اس سازش کو ملاحظہ کرنے کی ضرورت اس لئے ہے کہ آپ جہاں کسی (نام نہاد) حدیث پر اعتراض کریں تو فوراً ہی آپ پر منکرِ حدیث یعنی کافر ہونے کا فتویٰ لگ جاتا ہے اور آپ سے سوال کیا جاتا ہے کہ اگر صرف قرآن کو مانو گے، صرف قرآن کی اتباع کرو گے تو نماز کیسے پڑھو گے؟ قرآن میں تو نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا نہیں گیا یہ تو (نام نہاد) احادیث میں بتایا گیا ہے[2]!

تو قارئین آپ یقین کر لیں کہ نماز پڑھنے کا پورا طریقہ (نام نہاد) احادیث میں بھی نہیں بتایا گیا۔ جو ایسا کہتا ہے کہ نماز پڑھنے کا طریقہ (نام نہاد) احادیث میں بتایا گیا ہے وہ سفید جھوٹ بولتا ہے اور دھوکہ دیتا ہے اور خود بھی دھوکہ میں مبتلا ہے۔ آپ اس سے بے دھڑک ہو کر پوچھئے کہ اچھا اگر نماز کا طریقہ (نام نہاد) احادیث میں ہے تو لاؤ دکھاؤ یا بتاؤ کس حدیث میں ہے اور کس کتاب میں ہے؟ یا اگر کسی ایک حدیث اور ایک کتاب میں نہیں تو دو کتابیں بتا دو؟ دو میں نہیں تو تین میں بتا دو؟ تین میں نہیں تو چار میں بتا دو؟ غرض اس طرح آپ کتابوں کی تعداد بڑھاتے جایئے، خود بخود یہ جھوٹ آپ پر کھل جائے گا۔ خود ہمارے موصوف نے مانا ہے کہ کوئی ایک حدیث ایسی نہیں جس سے پورا طریقۂ نماز معلوم ہو سکے، دیکھئے وہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ: "حنفیوں کا طریقۂ نماز بے شک غلط ہے، لیکن وہ حدیث جس کا ذکر آپ نے کیا ہے صحیح ہے۔ اس حدیث میں بہت سے امور کا ذکر نہیں ہے۔ اور عدم ذکر سے عدم شئے لازم نہیں آتا۔ کوئی ایک حدیث ایسی نہیں جس سے پورا طریقۂ نماز معلوم ہو سکے۔ صحابہؓ اجزاء کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے تھے۔۔ ابو حمید ساعدیؓ کی ایک بہت ہی طویل حدیث ہے لیکن پورا طریقہ اس میں بھی نہیں"[3]

نیز آپ یہ پوچھئے کہ اگر نماز کا طریقہ (نام نہاد) احادیث میں بتایا گیا ہے تو پھر تو وہ ایک ہی ہو گا، اور اصولی طور پر بھی ایک ہی ہونا چاہئے، تو پھر ہر فرقہ والا علیحدہ علیحدہ طریقے سے کیوں پڑھتا ہے؟ حتیٰ کہ تمام اہلحدیث فرقے بھی ایک طرح سے نہیں پڑھتے، نہ ہی اہل فقہ ایک طریقہ سے پڑھتے ہیں۔ آخر یہ کیا شرارت ہے کہ بنیادی عبادت تمام مسلمین ایک طریقہ سے نہیں کر رہے بلکہ اس میں بے انتہا اختلاف ہے اور اختلاف بھی اتنا زیادہ کہ غیر مسلموں تک کے سامنے

1۔ "خلاصہ تلاشِ حق" از مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)، اشاعت چہارم۔ ۱۹۸۷ء ص ۲۴۔۔ 2۔ ماخوذ از "صلوٰۃ کا طریقہ کہاں ملے گا" از "صلوٰۃ المسلمین"۔ ص ۴۴۔۔ 3۔ خلاصہ تلاش حق از مسعود احمد صاحب، زیر عنوان "عدم ذکر سے عدم شئے لازم نہیں آتا"۔ ص ۵۵۔۵۶ (خیال رہے یہ کوئی حدیث شریف نہیں بلکہ موصوف یا کسی اور اہلحدیث کا خود ساختہ فارمولا ہے۔ صدیق)

ان اختلافات پر سر پھٹّول ہوتی ہے، لڑائی جھگڑا اور فتویٰ بازی ہوتی ہے، مقدمہ بازی ہوتی ہے........... تو قارئین بات یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبارؓ تو صلوٰۃ قائم کرتے تھے اور بعثت سے پہلے بھی صلوٰۃ قائم کرتے تھے یونکہ وہ دینِ ابراہیمی کا حصہ تھی۔ بعثت کے بعد ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآنی آیات کی روشنی میں پرانی صلوٰۃ میں کوئی ترمیم و تصحیح کرلی ہو ورنہ تو وہی صلوٰۃ قائم رکھی گئی یونکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بعثت کے بعد بھی دین ابراہیم ہی پر قائم رہنے اور ملتِ ابراہیم کی اتباع کرنے کا حکم دیا گیا تھا (۹۵/۳ ، ۱۲۳/۱۶) چنانچہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبارؓ جس طریقہ سے صلوٰۃ قائم کرتے رہے وہ ایک ہی طریقہ رہا اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اسے اپنی منظوری (Approval) عطا فرمادی (۵۸/۵ ، ۹/۶۲ ، ۲۳۸ - ۲۳۹/۲ ، ۱۴/۲۰ ، ۲۰/۷۳) یہ بات سازشیوں کو پسند نہ آئی اور دوسری تیسری صدی میں انہوں نے اس بنیادی عبادت کے خلاف بھی سازش کرنے کیلئے (نام نہاد) احادیث گھڑ ڈالیں اور صحابہ کبارؓ ہی پر 'مختلف طریقوں' سے صلوٰۃ قائم کرنے کا الزام لگا دیا آیئے ہم آپ کو موصوف ہی سے شہادت دلوا دیتے ہیں۔ موصوف اپنی کتاب میں "تَرکِ رَفعِ یَدَین تاریخ کی روشنی میں" ہی کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

"حمیّت اور جہالت کی بنیاد پر سُنتوں کو چھوڑا جانے لگا۔ پورے اسلام کو کِس کِس طرح مسخ کیا گیا، یہ تو ایک طویل مضمون ہے۔ ہم صرف ترکِ رفع یدین پر روشنی ڈال رہے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم اصل مضمون کی ابتداء کریں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ترکِ سنن کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی اور **صلوٰۃ کو بحیثیت مجموعی کب اور کس طرح بدلا گیا**"۔[1]

پھر آگے موصوف (نام نہاد) احادیث سے اس کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ عَن انس قال ما اعرف شیئًا ممّا کان علیٰ عهد النبیّ صلی الله علیه و سلم قیل الصّلوٰة قال الیس صنعتم ما صنعتم فیها۔

ایک دن حضرت انسؓ نے لوگوں سے فرمایا جو چیزیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھیں اُن میں سے مجھے اب کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ لوگوں نے پوچھا "(کیا) صلوٰۃ (بھی اس طریقہ پر نہیں ہے)" حضرت انسؓ نے فرمایا "صلوٰۃ میں بھی تو تم لوگوں کیا کیا (تغیر و تبدل) کر دیا ہے"[2] (صحیح بخاری جلد ا، کتاب مواقیت صلوٰۃ، باب ۳۵۷ فی تضییع الصلوٰۃ عن وقتها، حدیث ۵۰۱، ص ۲۶۴)

۲۔ عن عثمان قال سمعت الزهری یقول دخلت علی انس بن مالك بدمشق و هو یبکی فقلت ما یبکیك؟ فقال ما اعرف شیئًا ممّا ادرکت اِلا هٰذه الصلوٰة و هٰذه الصلوٰة قد ضیّعت۔

حضرت عثمان کہتے میں نے امام زہری سے سنا وہ فرماتے تھے "میں (ایک دن) دمشق میں حضرت انسؓ سے ملنے گیا (میں نے دیکھا کہ) وہ رو رہے ہیں میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو رُلایا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا جو باتیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیکھی تھیں اُن میں سے اب کوئی بات مجھے نظر نہیں آتی سوائے صلوٰۃ کے، اور حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃ بھی ضائع کر دی گئی (یعنی وہ بھی اصلی حالت پر باقی نہیں

---

[1] "صلوٰۃ المسلمین" "ترکِ رفع یدین تاریخ کی روشنی میں"۔ ص ۴۱۷۔۴۱۸ (اشاعت اول ۱۹۷۸ء)۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۴۱۸

رہی)"[1] (صحیح بخاری، جلد۔۱۔کتاب مواقیت صلوٰۃ، باب ۳۵۷ فی تضییع الصلوٰۃ عن وقتھا ، حدیث ۵۰۲، ص ۲۶۴)

غور کیجئے کہ یہ حضرت انسؓ صحابیٔ رسول ہیں اور کیا شہادت دے رہے ہیں کہ جو باتیں انہوں نے رسول اللہ سلامؐ علیہ کے زمانہ میں دیکھی تھیں اُن میں سے اُس وقت دمشق میں کوئی بات انہیں نظر نہیں آئی سوائے صلوٰۃ کے اور حقیقت میں تو صلوٰۃ بھی ضائع کر دی گئی! اور یہ دمشق پرانی سلطنت فارس کا ایک شہر اور اسلامی حکومت میں عراق کا دار الحکومت تھا! کہئے کیا جو بات ہم نے پیچھے لکھی تھی کہ قرآن یعنی اسلام کے خلاف سازش فارس میں ہوئی، وہ غلط ہے؟

آگے موصوف بخاری کی ایک اور (نام نہاد) حدیث لکھتے ہیں:

۳۔ حضرت اُمِّ درداء کہتی ہیں:

**دخل علی ابو الدرداء و ھو مغضبٌ فقلت ما اغضبك ؟ فقال و اللہ ما اعرف من امّۃ محمد صلی اللہ علیہ و سلم شیئًا الّا انھم یصلّون جمیعًا۔**

(ایک دن) حضرت ابو درداءؓ غصہ کی حالت میں میرے پاس آئے، میں نے کہا کس چیز نے آپ کو غصہ دلایا ہے؟ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں محمد ﷺ کی امت میں کوئی بات (اصلی حالت پر) نہیں پاتا سوائے اس کے کہ یہ لوگ جماعت سے صلوٰۃ ادا کر لیتے ہیں"۔[2]

(صحیح بخاری، جلد۔۱، کتاب الاذان باب ۴۲۲، فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃٍ، حدیث ۶۱۸، ص ۲۹۸)

قارئین غور کیجئے حضرت ابو درداءؓ بھی صحابیٔ رسول ہیں اور وہ کیا شہادت دے رہے ہیں کہ امت میں کوئی بات اصلی حالت پر نہیں پاتے! اور یہ کونسا زمانہ ہے۔ ظاہر ہے کہ صحابہ ہی کا زمانہ ہے۔ پہلی صدی ہجری ہے۔ اور اسلام کے خلاف سازش اپنا کام کر رہی ہے کہ نہ صرف صلوٰۃ بلکہ اسلام ہی کو بدلا جا رہا ہے!

آگے موصوف مؤطاء امام مالک کی ایک (نام نہاد) حدیث پیش کرتے ہیں:

۴۔ حضرت مالکؒ فرماتے ہیں:

**ما اعرف شیئًا ممّا ادرکت علیہ الناس الا النداء بالصلوٰۃ۔**

میں نے لوگوں کو (یعنی صحابہ کرامؓ کو) جس حالت پر دیکھا تھا اُس میں سے میں اب کسی چیز کو نہیں دیکھتا سوائے اذان برائے صلوٰۃ کے (کہ وہ اپنی اصلی حالت پر موجود ہے)"[3]

(مؤطاء امام مالک، باب ما جآء فی النداء للصلوٰۃ۔ ص ۳۵ رواۃ ثقات (تقریب)

قارئین غور کیجئے کہ امام مالکؒ دوسری صدی ہجری (۹۳ھ سے ۱۷۹ھ) کے محدث ہیں اور ان کی اس کتاب "مؤطاء" کے مترجم مشہور اہلحدیث عالم علامہ وحید الزماں صاحب کے مطابق:

"**جب امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کیا اس وقت لوگوں کے پاس کوئی کتاب نہ تھی سوا کتاب اللہ کے۔** اور مؤطاء اس کا نام اس لئے ہوا کہ امام مالک نے اس کتاب کو ستر (۷۰) فقیہوں پر پیش کیا سب نے اس پر موافقت کی۔ امام شافعی نے فرمایا کہ آسمان کے نیچے بعد کتاب اللہ کے کوئی کتاب امام مالک کے

---

[1] ایضاً۔ ص ۴۱۹ ۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۴۲۰ ۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۴۲۱

موطا سے زیادہ صحیح نہیں ہے اور ابن عربی نے کہا کہ مؤطاء اصل اوّل ہے اور صحیح بخاری اصل ثانی"۔[1]

اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ (نام نہاد) احادیث پر لکھی جانے والی یہ پہلی کتاب بھی دوسری صدی ہجری کے آخر یا تیسری صدی میں امام مالک کی وفات کے بعد ان کے شاگردوں نے جمع کی ہو گی۔ (گو کہ علامہ صاحب کا یہ بیان کافی دلچسپ ہے کہ امام مالک نے اس کتاب کو اپنے وقت کے ستر (۷۰) فقیہوں پر پیش کیا تھا اور سب نے اس پر موافقت کی تھی! اب پتہ نہیں کون سی فوٹو اسٹیٹ کی مشین پر اس کی ستر (۷۰) کاپیاں بنائی گئی تھیں؟ اور ایک ہی جگہ ستر فقیہ ہونا بھی ماشاء اللہ!) بہر حال علامہ صاحب نے بھی مان لیا کہ اس وقت تک صرف کتاب اللہ ہی لوگوں کے پاس تھی۔ اب دوسری اور تیسری صدی ہجری میں کتاب اللہ کے مقابلہ پر غیر اللہ کی کتابیں لکھی جانا شروع ہوئیں گویا کہ قرآن کے خلاف سازش کامیاب ہو چکی تھی اور پھل دینا شروع کر دیا تھا!

آگے موصوف لکھتے ہیں:

"مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ عہدِ صحابہؓ و عہدِ تابعینؒ ہی میں عراق و شام وغیرہ ممالک کے اکثر لوگ سُنتوں کو ترک کرنے لگے تھے۔ سُنتوں کے ترک کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کو بہت افسوس و صدمہ ہوتا تھا"۔[2]

قارئین یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اوپر کی چاروں (نام نہاد) احادیث میں "سنت" کا لفظ ہی کہیں استعمال نہیں ہوا ہے نہ ہی امام صاحبان نے کوئی ایسا باب لگایا ہے۔ بہر حال یہ موصوف کا اپنا خود ساختہ عقیدہ ہے!

اس سے آگے موصوف "سُنتیں ترک کرانے کی کوشش" کا عنوان قائم کر کے لکھتے ہیں:

۵۔ "حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کوفہ کے گورنر حضرت سعدؓ سے فرمایا:

**لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلٰوۃ قال امّا انا فامدّ فی الاولیین و احذف فی الاخریین ولا ٰالو ما اقتدیت من صلاۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم قال صدقت ذاك ظنّی بك۔**

کوفہ والوں نے ہر معاملہ میں تمہاری شکایت کی ہے، حتیٰ کہ انہوں نے صلوٰۃ کے متعلق بھی تمہاری شکایت کی ہے (کہ تم صلوٰۃ سنت کے مطابق نہیں پڑھتے) حضرت سعدؓ نے فرمایا میں پہلی دو رکعتوں میں طول دیتا ہوں اور آخری دو میں تخفیف کرتا ہوں اور میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا، تمہارے متعلق میرا یہی گمان تھا۔ (صحیح بخاری۔ جلد۔ ۱۔ کتاب الاذان۔ باب ۴۹۴ **یطول فی الاولیین و یحذف فی الاخریین**، حدیث ۷۳۱، ص ۳۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوفہ والے نہ یہ کہ خود سنت[3] کے مطابق صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی مجبور کرتے تھے کہ وہ بھی سنت کے خلاف صلوٰۃ ادا کریں، حتیٰ کہ گورنر پر زور ڈالتے تھے کہ وہ بھی سنت کے طریقہ کو ترک کر کے اُن کا ہمنوا بن جائے۔

---

۱۔ "مؤطاء امام مالک" ترجمہ از فریدِ عصر حضرت علامہ وحید الزماں رحمۃ اللہ تعالیٰ، ناشران، اسلامی اکادمی، اردو بازار۔ لاہور سنہ ۱۳۹۹ھ، ص ۱۶ (عجیب اتفاق ہے کہ ایک اہلحدیث عالم ہی نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے آخری تک سوا کتاب اللہ کے کسی دوسری کتاب غیر اللہ کا وجود نہیں تھا۔ اس کے معنٰی یہ تیسری صدی کا سازشی کارنامہ ہے جب (نام نہاد) احادیث کی کتابیں کتاب اللہ کے مقابلہ پر گھڑی گئیں۔۔۔ ۲۔ "صلوٰۃ المسلمین" ص ۴۲۱۔۔ ۳۔ یہ سنت کے الفاظ موصوف کی طرف سے ہیں ورنہ روایت میں اس کا کوئی ذکر نہیں

نئے نئے مُلک فتح ہوتے چلے جارہے تھے، نو مسلمین کی تعداد بڑھتی چلی جارہی تھی مرکزِ اسلام، دارالہجرہ یعنی مدینۃ النبی سے دُوری کے باعث نو مسلمین کی اکثریت میں پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی، مختلف تخریبی تحریکوں کا شکار بھی یہی لوگ ہوتے تھے، مزید براں تنزّل ایک فطری چیز تھی، جتنا زمانہ گذرتا گیا اور نبوت سے بُعد ہوتا چلا گیا اتنا ہی تنزّل بڑھتا چلا گیا۔ جو جذبۂ ایمانی صحابہ کرامؓ میں تھا وہ تابعینؒ میں باقی نہیں رہا، اور جو جذبۂ ایمان تابعینؒ میں تھا وہ تبع تابعینؒ میں باقی نہیں رہا۔ یہ تنزّل تدریجی تھا لیکن فطرت کے عین مطابق تھا۔ صلوٰۃ کے طریقہ میں، بلکہ پورے دین کے معاملہ میں تدریجی طور پر تبدیلی آتی رہی۔ تنزّل کی اس تیز رفتاری سے صرف ایک شہر محفوظ تھا اور وہ تھا مدینہ منوّرہ۔ حضرت انسؓ دوسری جگہ لوگوں کی دینی حالت دیکھ کر روتے تھے۔ لیکن وہی حضرت انسؓ جب کافی عرصہ کے بعد مدینہ منورہ واپس آئے تو ان سے سوال کیا گیا:

۶۔ ما انکرت منذ یوم عهدت رسول الله صلی الله علیه و سلم قال ما انکرت شیئًا الّا انکم لا تقیمون الصفوف۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی روشنی میں آپ ہم میں کونسی بات بری دیکھتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا" میں کوئی بُری بات نہیں دیکھتا سِوائے اس کے کہ تم صفیں سیدھی نہیں کرتے" (صحیح بخاری، جلد۔۱۔ کتاب الاذان، باب ۴۶۶ اِثم من لم یتم الصفوف۔ حدیث ۴۸۵، ص ۳۲۲)

گویا مدینہ منورہ کے لوگ کافی عرصہ تک صحیح اسلام پر قائم رہے۔

مندرجہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے طریقہ میں تبدیلی آرہی تھی اور مسنون طریقہ آہستہ آہستہ متروک ہوتا چلا جارہا تھا"[۱]۔

ان (نام نہاد) احادیث کے بعد موصوف نے "رفع یدین پر متواتر عمل اور پھر اس کا ترک" کا عنوان قائم کرکے امام المحدثین کا ایک رسالہ بنام "جزء رفع الیدین" تقریباً پورا ہی نقل کر دیا ہے نیز چند ایک دیگر اماموں کے بھی حوالے دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے"[۲] اور "اہل علم کے نزدیک کوئی حدیث ثابت نہیں تھی جس میں یہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ نے یا کسی صحابی نے بھی رفع یدین نہ کیا ہو"[۳]۔ قارئین غور کریں کہ آج سنتِ رسول ادا کرنے کے دعویدار اور عاشقِ رسول ہونے کے کتنے دعویدار رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے ہیں؟ اور پھر بھی حدیثی نماز پڑھنے کے دعویدار ہیں! بلکہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بغیر (نام نہاد) حدیث کے نماز کیسے پڑھیں گے مگر ایک نے بھی آج تک نماز پڑھنے کے لئے کوئی (نام نہاد) حدیث کی کتاب کا مطالعہ نہیں کیا بلکہ صرف سُنی سُنائی ہی پر عمل کرتے ہیں۔

آگے موصوف لکھتے ہیں کہ:

"مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہوا کہ امام بخاریؒ کے زمانہ تک اہل کوفہ کے محدثین کے نزدیک بھی ترکِ رفع کی کوئی حدیث ثابت نہیں تھی؟ یعنی دو ۲۰۰ سو سال تک کسی اہل علم کے نزدیک کوئی حدیث ترکِ رفع کی ثابت نہیں ہوئی تھی"[۴]

۱۔ "صلوٰۃ المسلمین" ص ۴۲۱۔۴۲۵۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۲۵۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۴۳۶۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۴۳۷

آگے فرماتے ہیں کہ:

"الغرض صحابہ کرامؓ میں سے تو کسی ایک صحابی سے بھی ترکِ رفع ثابت نہیں اب ہم تابعین اور تبع تابعین کا حال بتاتے ہیں:

تابعین اور تبع تابعین کے دَور میں دو قسم کے لوگ ہیں (۱) اہل علم۔ (۲)۔ علم سے بے بہرہ۔ علم سے بے بہرہ لوگوں کی صلوٰۃ کا حال اُوپر بتایا گیا ہے کہ اُن میں سے اکثریت نے صلوٰۃ کے طریقہ میں بہت کچھ تبدیلی کرلی تھی۔ لیکن اہلِ علم اور اُن سے استفادہ کرنے والے تابعین اور تبع تابعین کی اکثریت سنت کے مطابق صلوٰۃ ادا کرتی تھی اور رفع یدین بھی کرتی تھی۔ آئندہ سطور میں ہم اہلِ علم تابعین سے رفع یدین کا ثبوت پیش کرتے ہیں" [۱]

آگے موصوف امام بخاری اور دیگر اماموں کی شہادتیں لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"مندرجہ بالا حقائق سے ثابت ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ رفع یدین کرتے تھے، تمام صحابہؓ رفع یدین کرتے تھے اور علماء تابعین و تبع تابعین بھی رفع یدین کرتے تھے۔ سوائے اہل کوفہ کے اس میں اور کسی کو اختلاف نہیں تھا" [۲]۔

اور قارئین یاد کیجئے کہ یہ اہل کوفہ کون ہیں اور کوفہ کہاں ہے۔ یہ اہل کوفہ وہی سازشی اور ان کے ساتھی ہیں جو چوتھے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجبور کرکے دار الخلافہ، مدینۃ الرسول سے تبدیل کرا کر کوفہ لے جاتے ہیں جو عراق یعنی پرانی سلطنت فارس کا ایک نیا بسایا گیا شہر ہے۔ جہاں (نام نہاد) احادیث ڈھالنے کی پہلی ٹکسال لگتی ہے اور بعد میں وہیں سے فقہی مذاہب جنم لیتے ہیں۔ سارے فتنے وہیں سے اُٹھتے ہیں! رفع یدین کرنے پر اُڑنے کا طعنہ دیا جاتا ہے، رفع یدین کرنے پر تعجب کا اظہار کیا جاتا ہے پھر متن حدیث میں الحاق کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں:

"رفع یدین کے ترک کرانے کی سازش تکمیل کے مراحل اسی وقت طے کر سکتی تھی جب اس کی تائید میں کوئی حدیث بھی ہو۔ لہٰذا اہل کوفہ نے حدیث کے متن میں تحریف کی کوشش کی" [۳]

پھر بھی کام نہ بنا تو حدیث کا غلط مطلب نکالا گیا۔ چنانچہ موصوف فرماتے ہیں:

"متن حدیث میں الحاق کرنے سے بھی جب کام نہیں چلا تو کسی صحیح حدیث کو غلط مفہوم پہنایا گیا۔ مثلاً

۷۔ حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں:

خرج علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم فقال مالی ارٰکم رافعیؔ ایدیکم کانہاؔ اذناب خیل شمس اِسکنوا فی الصلوٰۃ۔

رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا کیا بات ہے کہ میں تم کو اس طرح ہاتھ اٹھاتے دیکھتا ہوں گویا کہ وہ سرکش گھوڑوں کی دُمیں ہیں صلوٰۃ میں سکون اختیار کرو۔ (صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الصلوٰۃ، باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ......... ص ۵۰)

اس حدیث کا مطلب یہ لیا گیا کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے صلوٰۃ میں رفع یدین سے منع فرمادیا۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں:

۱۔ ایضاً۔ ص ۴۳۷۔۴۳۸۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۴۴۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۴۴۹

۸۔ولا یَحتجّ بھٰذا من لہٗ حظّ من العلم ھٰذا معروف مشھور لا اختلاف فیہ

جس شخص کو علم کا تھوڑا سا بھی حصّہ ملا ہے وہ اس حدیث سے ترکِ رفع یدین پر استدلال نہیں کرتا یہ معروف ومشہور ہے۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔(جزءرفع الیدین ص ۱۵)

حدیث بالا کا تعلق سلام کے وقت رفع یدین کرنے سے ہے جیسا کہ اگلی روایت میں صراحت ہے۔

حضرت جابر بن سمرۃؓ فرماتے ہیں:

۹۔قلنا السّلام علیکم ورحمۃ اللہ السّلام علیکم ورحمۃ اللہ واشار بیدیہ اِلیٰ جانبین

ہم السّلام علیکم ورحمۃ اللہ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے تھے (تو اس طرح کرتے تھے) پھر انہوں نے دونوں ہاتھوں سے دونوں طرف اشارہ کر کے بتایا۔(صحیح مسلم۔جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ ........ ص ۵۱)(خیال رہے کہ یہ "السّلام علیکم کے الفاظ غیر قرآنی ہیں اور ایک صحابی ایسا نہیں فرما سکتے تھے۔ صدیق)

الغرض اس حدیث میں سلام کے وقت دونوں ہاتھوں کو اُٹھانے کی ممانعت تھی، لوگوں نے اس کو دوسری طرف محمول کر لیا"[1]۔

اس سے آگے موصوف نے لکھا ہے کہ جب حدیث کا غلط مطلب نکالنے سے بھی کام نہ چلا تو پھر امام ابو حنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ (دوسری صدی ہجری) کے درمیان ایک مناظرہ وضع کیا گیا، پھر ظن و تخمین سے رفع یدین کا انکار کیا گیا، رفع یدین کے خلاف حدیثیں گھڑی گئیں، حتیٰ کہ رفع یدین کرنے پر مار پیٹ شروع کر دی گئی[2]

الغرض صلوٰۃِ رسول بدلے جانے کی سازش بھی قرآن کے خلاف سازش ہی کے ساتھ ساتھ پہلی سدی ہجری ہی میں شروع ہو گئی تھی (اور آج بھی جاری ہے مثلاً ابھی ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے پاکستان بننے کے بعد اذان سے پہلے یا بعد میں صلات وسلام پڑھنا ایک فرقہ کی طرف سے شروع کیا گیا اور اب پورے پاکستان میں یہ ہو رہا ہے!) اور جلد ہی پھل بھی دینے لگی۔اور اصل طریقہ کو بدل دیا گیا۔آج ہر فرقہ اپنے اپنے فرقہ بلکہ اس میں بھی اپنے اپنے مسلک کے مطابق نماز پڑھ رہا ہے! تو اہلحدیث اور اہل فقہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ اگر صرف قرآن کریم کو پکڑے رہیں گے اور (نام نہاد) حدیثوں کو چھوڑ دیں گے تو نماز کیسے پڑھیں گے؟ حالانکہ ان کی اپنی (نام نہاد) احادیث میں سب کا متفق علیہ کوئی طریقہ نہیں ہے! سنیوں کی اذانیں اور نماز مختلف شیعوں کی اذانیں اور نماز مختلف! اور خود اہلحدیثوں کی اذانوں اور نماز کے طریقے مختلف!

## (نام نہاد) احادیث کی نماز

قارئین پیچھے ہم آپ کو اسلام اور صلوٰۃ کے خلاف سازش کی ایک جھلک موصوف ہی کی کتاب سے بحوالہ مختلف (نام نہاد) کتابِ احادیث دکھا چکے۔اب ایک جھلک ان (نام نہاد) کتب احادیث کی نماز کی کیفیت کے بارے میں بھی دیکھتے چلئے جس کے لئے آپ سے اور ہم سے اصرار کیا جاتا ہے کہ بغیر (نام نہاد) احادیث مبارکہ کے نماز کیسے پڑھو گے؟

---

[1] ایضاً۔ص ۴۵۲۔۴۵۴۔۔[2] ایضاً۔ص ۴۶۸

**(ا)**۔ سب سے پہلے امام المحدثین بخاری اور امام المحدثین مسلم کی ایک (نام نہاد) حدیث مبارک ملاحظہ فرمائیے:

ا۔ "ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص (یعنی صحابیؓ) نے کسی غیر عورت کا بوسہ لے لیا، اس کے بعد وہ نبی ﷺ کے پاس حاضر ہوا، اور آپؐ سے بیان کیا، تو اللہ بزرگ و برتر نے نازل فرمایا وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ (ہود:۱۱۴) (دن کے دونوں اطراف میں اور کچھ رات کے وقت نماز کو قائم کرو۔ بیشک نیکیاں گناہوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے لئے یہ ایک نصیحت ہے)۔ وہ شخص بولا کہ یا رسول اللہ کیا یہ میرے ہی لئے ہے۔ آپؐ نے فرمایا میری تمام امت کے لئے ہے"[1]۔ (غور کیجئے رسول سلامٌ علیہ پر کتنا بڑا بہتان ہے! معاذ اللہ۔ صدیق)

قارئین اس (نام نہاد) حدیث مبارک کو امام المحدثین بخاری نے کم از کم دو مقامات پر لکھا ہے ایک تو کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں اور دوسری کتاب التفسیر سورہ ھود میں۔ البتہ امام المحدثین مسلم نے اس کو کتاب التوبہ۔ باب اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ میں لکھا ہے اور اسی کو مختلف انداز سے (بلکہ اس سے زیادہ بری حرکت کی اسے انہیں کی کتاب مسلم میں ملاحظہ کیجئے اور خوش ہوتے رہئے!) کُل سات (نام نہاد) احادیث پیش کی ہیں۔ انہوں نے اس کو سورہ ھود کی تفسیر کے قابل نہیں سمجھا مگر ہمارے موصوف نے سورہ ھود کی آیت ۱۱۴ کی تفسیر میں اس کو شان نزول کے طور پر پیش کیا ہے[2]۔ اور اپنی مایۂ ناز تاریخ میں بھی لکھا ہے[3]۔ پتہ نہیں انہیں شرم آئی کہ نہیں، ہمیں تو آرہی ہے مگر ہم مجبوراً اپنے قارئین کی آنکھیں کھولنے کے لئے اسے محتاط طریقہ پر نقل کر رہے ہیں (صحیح مسلم کی ان میں سے اس سے زیادہ بری حرکت والی نقل نہیں کر رہے)۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں موصوف نے اپنی جماعت میں ان (نام نہاد) احادیث مبارک پر سنت اور قرآن کی تفسیر سمجھ کر عمل نہ شروع کرا دیا ہو!

بہر حال یہ ہے نماز پڑھنے کی حدیثی ترغیب۔ کیا آپ اس پر عمل پسند کریں گے؟ غور کیجئے اس (نام نہاد) حدیث مبارک میں یہ کہیں نہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ان صاحب کی ذرا بھی سرزنش کی ہو کہ میاں آپ کیا کرتے پھر رہے ہو بلکہ اسے نماز پڑھ لینے پر صحیح مسلم کے حوالہ سے خوشخبری دے رہے ہیں کہ "تمہارا گناہ معاف ہو گیا"۔ ملاحظہ ہو موصوف کیا لکھتے ہیں:

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس شخص سے پوچھا "کیا تم نے ہمارے ساتھ نماز پڑھی" اُس نے کہا "ہاں" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "تمہارا گناہ معاف ہو گیا" اس شخص نے پوچھا "کیا یہ (رعایت) صرف میرے لئے ہے؟" رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "یہ (رعایت) میری اُمّت کے ہر شخص کے لئے ہے جو ایسا کرے"[4]

قارئین غور کیجئے! پوری امت کے ہر شخص کو کھلی چھٹی مل گئی کہ وہ فواحشات کرتا پھرے۔ بس نماز پڑھ لے تو اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے! معاذ اللہ۔ شاید اسی لئے ہمارے معاشرہ میں جس رفتار سے تبلیغی اور مذہبی جماعتوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اسی رفتار سے فواحشات عام ہوتے جا رہے ہیں اور شاید اسی لئے تبلیغی جماعتیں نمازیوں کی تعداد بڑھا رہی ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری، جلد ا، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب ۳۵۴ الصلوٰۃ کفارۃ، حدیث ۴۹۸، ص ۲۶۳۔۔ صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب التفسیر۔ باب ۷۲۳ قولہٖ و اقم الصلوٰۃ ...... حدیث ۱۷۹۸، ص ۸۱۵۔۔ صحیح مسلم، جلد۔۶، کتاب التوبہ، باب قولہٖ تعالیٰ ان الحسناتِ یذھبن السیاٰت، ص ۳۲۶۔۳۲۸۔۔۔ [2] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۵، ص ۳۵۲۔۔ [3] صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص ۲۵۰۔۔ [4] ایضاً۔

آپ کو دھوکہ دیا جائے گا کہ اس آیت کا شانِ نزول ہی یہ ہے اور اس کے معنیٰ یہی نکلتے ہیں، تو اس دھوکہ میں نہ آیئے گا۔ آیت کے یہ معنیٰ نہیں نکلتے کہ فواحشات کئے جاؤ اور نماز پڑھے جاؤ تو گناہ معاف ہوتے جائیں گے ! بلکہ آیت تو ایک اصولی بات کر رہی ہے کہ " بیشک نیکیاں (حَسَنٰت = حسن باتیں۔ اچھے کام۔ نیک عمل) برائیوں (سَیِّئٰت = برائیاں۔ نیکیوں کے مخالف) کو مٹا دیتی ہیں۔ یعنی نیک کاموں کی بہتات کے سامنے برے کام خود ہی دَب جاتے ہیں۔ مِٹ جاتے ہیں۔ اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ فواحشات کے گناہ نماز پڑھنے سے معاف ہو جائیں گے۔ کسی کی عزت سے کھیل لو اور نماز پڑھ لو تو یہ گناہ کیسے معاف ہو جائے گا؟ آیت میں تو گناہ اور معافی کا لفظ استعمال ہی نہیں ہوا ہے۔ اور نہ ہی آیت کا شانِ نزول یہ ہو سکتا ہے یونکہ نماز تو سینکڑوں سالوں سے پڑھی جا رہی تھی، نیز مُلّا جی کے مطابق نماز معراج کی رات فرض ہوئی جو کہ مدینہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تو نماز یعنی صلوٰۃ کے لئے دوسرا اصول دے چکے ہیں کہ صلوٰۃ تو فواحشات و منکرات سے روکتی ہے (۴۵ /۲۹) فواحشات سے روکنے والی عبادت اور فواحش کر کے معاف کرنے میں زمین آسمان کا فرق ہے نیز اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ فواحش کے تو قریب بھی نہ جاؤ (۱۵۲ /۶)۔ حقیقت میں تو یہ قرآن کریم اور قرآنی معاشرہ کے خلاف سازش ہے کہ اس طرح سے فوراً گناہ معاف ہو جانے کا جھانسہ دے کر فواحشات و منکرات اور گناہوں کو اسلامی معاشرہ میں پھیلا دو۔ دیکھئے اسی کے ساتھ اسی صحیح مسلم کی ایک اور (نام نہاد) حدیث کا ترجمہ:

۳۔ " ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم سے پہلے ایک شخص تھا جس نے ننانوے ۹۹ خون کئے تھے اس نے دریافت کیا کہ زمین کے لوگوں میں سب سے زیادہ عالم کون ہے۔ لوگوں نے ایک راہب کو بتایا۔ وہ بولا میں نے ننانوے ۹۹ خون کئے ہیں میری توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ راہب نے کہا تیری توبہ قبول نہ ہو گی، اس نے اس راہب کو بھی مار ڈالا اور سو ۱۰۰ خون پورے کر لئے۔ پھر اس نے لوگوں سے پوچھا سب سے زیادہ زمین میں کون عالم ہے۔ لوگوں نے ایک عالم کو بتایا وہ اس کے پاس گیا اور بولا میں نے سو ۱۰۰ خون کئے ہیں میری توبہ ہو سکتی ہے یا نہیں؟ وہ بولا ہاں ہو سکتی ہے اور توبہ کرنے سے کون سی چیز مانع ہے۔ تو فلاں ملک میں جا وہاں کچھ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں تو بھی جا کر ان کے ساتھ عبادت کر اور اپنے ملک میں مت جا وہ برا ملک ہے۔ پھر وہ چلا اس ملک کو۔ جب آدمی دور پہنچا تو اس کو موت آئی۔ اب عذاب کے فرشتوں اور رحمت کے فرشتوں میں جھگڑا ہوا۔ رحمت کے فرشتوں نے کہا یہ توبہ کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہو کر آ رہا تھا۔ عذاب کے فرشتوں نے کہا اس نے کوئی نیکی نہیں کی۔ آخر ایک فرشتہ آدمی کی صورت بن کر آیا اور انہوں نے اس کو مقرر کیا یہ جھگڑا فیصلہ کرنے کے لئے۔ اُسنے کہا دونوں ملکوں تک ناپو اور جس ملک کے قریب ہو وہ وہیں کا ہے۔ ناپا تو وہ اس ملک کے قریب تھا جہاں کا ارادہ رکھتا تھا۔ آخر رحمت کے فرشتے اس کو لے گئے۔ قتادہ نے کہا حسن نے کہا ہم سے بیان کیا لوگوں نے کہ جب وہ مرنے لگا تو اپنے سینہ کے بل بڑھا"[۱]

---

[۱] صحیح مسلم، جلد ۶۔ کتاب التوبہ۔ باب قُبول تَوبَۃ القاتِل ص ۳۲۸۔۳۲۹

قارئین غور کیجئے یہ نام نہاد حدیث تو پچھلی حدیث سے بھی آگے بڑھ گئی کہ فواحشات و منکرات تو شاید چھوٹی چیزیں تھیں مگر قتلِ انسان تو بہت ہی بڑی چیز ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا اس نے گویا تمام انسانوں (قُتل النَاس جمیعًا) کو قتل کیا (۵/۳۲) تو جس شخص نے سو ۱۰۰ اشخاص کا قتل کیا تو گویا کہ اُس نے تمام انسانوں کو سو ۱۰۰ مرتبہ قتل کیا تو اس کی معافی کا کیا سوال پید ہوتا ہے؟ اگر ایسا شخص بھی معاف کر کے رحمت کے خزانہ میں داخل کر دیا جائے تو پھر تو عدل و انصاف کا بھی خون ہو گیا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کا خون کرنے والے نہیں بیشک وہ الرحمٰن الرحیم ہیں مگر ظالم نہیں۔ اس لئے اس قسم کی (نام نہاد) احادیث یقیناً پارس و روم کی ٹکسالوں میں ڈھالی گئیں مگر ان کا حقیقت اور قانون الٰہی سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی (نام نہاد) حدیث کے الفاظ پر غور کیجئے: کہ فرشتے یوم حساب سے پہلے ہی اس کا حساب کتاب ہونے سے پہلے ہی آپس میں لڑ پڑے۔ گویا کہ وہ احکام الٰہی پر عمل پیرا نہیں تھے بلکہ خود عمل کر رہے تھے اس لئے انہیں اصلی پوزیشن معلوم ہی نہیں تھی! نیز یہ کتنی عجیب بات ہے کہ پھر فرشتوں میں آپس میں فیصلہ کرنے کیلئے ایک فرشتہ آدمی کی صورت بن کر آتا ہے اور وہ فرشتے اس آدمی کو فیصلہ کیلئے مقرر کرتے ہیں! پھر وہ آدمی فرشتوں سے فاصلہ نپواتا ہے اور فیصلہ کرتا ہے! کیا اس سے بڑا مذاق بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ نیز یہ بھی غور کیجئے کہ یہ فرشتے ہمارے پولیس والوں کی طرح آپس میں لڑ رہے تھے کہ نہیں یہ میرا علاقہ نہیں، تیرا علاقہ ہے!

مقصد یہ کہ فواحشات و منکرات کرو، قتل کرو حتیٰ کہ سو ۱۰۰ قتل کرو معافی مل جائے گی۔ اسی لئے تو آج کل تمام مذہبی فرقے، سیاسی فرقے، لسانی فرقے ایک دوسرے کے افراد قتل کرنے پر لگے ہوئے ہیں کہ ان کے مُلّا نے انہیں معافی کی یقین دہانی کرائی ہوئی ہے۔ اگر نماز سے نہیں تو مرنے سے پہلے توبہ سے، توبہ سے نہیں تو مرنے کے بعد چنے پڑھوا کر یا سوا لاکھ مرتبہ کلمہ پڑھوا کر اور قرآن شریف کی ناظرہ خوانی کرا کر بخشوا دیں گے خواہ کتنا ہی بڑا گناہ گار کیوں نہ ہو۔ اور دیکھئے اسی صحیح مسلم کی ایک اور (نام نہاد) حدیث کا ترجمہ:

۴۔ "ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے رب سے روایت کیا کہ ایک بندہ نے گناہ کیا اور کہا کہ یا اللہ میرا گناہ بخش دے۔ پروردگار نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مواخذہ کرتا ہے۔ پھر اس نے گناہ کیا اور کہا اے مالک میرا گناہ بخش دے۔ پروردگار نے فرمایا میرے بندہ نے ایک گناہ کیا اور وہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر مواخذہ کرتا ہے۔ پھر اس نے گناہ کیا اور کہا اے پالنے والے میرے میرا گناہ بخش دے۔ پروردگار نے فرمایا میرے بندہ نے گناہ کیا اور وہ یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک پروردگار ہے جو گناہ بخشتا ہے اور گناہ پر پکڑتا ہے اے بندے اب تو جو چاہے عمل کر میں نے تجھے بخش دیا۔ **عبد الاعلیٰ** نے کہا (جو راوی ہے اس حدیث کا) مجھے یاد نہیں تیسری بار یا چوتھی بار یہ فرمایا اب جو چاہے عمل کر"۔[1]

---

[1] صحیح مسلم، جلد ۶۔ کتاب التوبہ، باب قبول التوبة من الذنوب وإن تكرّرتِ الذنوب و التوبة (باب بار بار گناہ کرے اور بار بار توبہ، تو بھی قبول ہوگی۔ ص ۳۲۳۔ ۳۲۴

غور کیجئے کہ گناہ کیا اور کہا اللّٰھُمَّ اغْفِرلِی ذَنْبِی (یا اللہ میرا گناہ بخش دے) بس اللہ نے بخش دیا۔ پھر گناہ کیا اور پھر کہا اللّٰھُمَّ اغْفِرلِی ذَنْبِی ۔ پھر بخش دیا گیا اور پھر گناہ کیا اور کہا اللّٰھُمَّ اغْفِرلِی ذَنْبِی ، پھر بخش دیا گیا بلکہ تین مرتبہ کے بعد اللہ میاں نے آئندہ کا جھنجھٹ ہی ختم کر دیا۔ فرمادیا: اب جو چاہے عمل کر (جس کا چاہے بیڑہ غرق کر، جس کی چاہے عزت لوٹ، جس کا چاہے مال لوٹ، جس کو چاہے قتل کر، جتنا چاہے فساد فی الارض کر............) میں نے تجھے بخش دیا! (معاذ اللہ)

واقعی مالک بہت ہی رحیم و کریم ہیں، بہت ہی غفورٌ رحیم ہیں۔ مگر کیا یہ ہی عدل وانصاف ہے؟

قارئین غور کیجئے! اچھا یہ تو تھی (نام نہاد) حدیث شریف یعنی قرآن کریم کی تشریح و توضیح و تفسیر (یہ پتہ نہیں کس آیت کی؟) اب ذرا امامِ تشریح نووی سے اس تشریح و توضیح و تفسیرِ قرآن کی تشریح سنئے:

پہلے پچھلی والی (نام نہاد) حدیث شریف کی:

۵۔ ''نوویؒ نے کہا یہ مذہب ہے اہل علم کا اور اس پر اجماع ہے کہ عمداً خون کرنے والے کی توبہ قبول ہے اور اس میں کسی نے خلاف نہیں کیا سوا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اور بعض سلف سے جو منقول ہے کہ توبہ قبول نہ ہوگی تو یہ زجراً ہے تاکہ لوگ خون سے باز رہیں۔ اور قرآن میں جو آیا ہے فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا (تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلتا رہے گا۔ ۹۳/۴) اس سے توبہ کا بطلان نہیں نکلتا کیونکہ آیت کا مضمون یہ ہے کہ قتل عمد کی یہ سزا ہے۔ اب چاہے وہ سزا اللہ تعالیٰ دیوے چاہے معاف کر دیوے''[1] (اور اس طرح خود عدل وانصاف کا قتل کر دیوے! صدیق)

اب بعد والی (نام نہاد) حدیث شریف کی تشریح سنئے:

۶۔ ''نووی علیہ الرحمۃ نے کہا اس حدیث سے یہ نکلتا ہے کہ اگر سو بار گناہ کرے یا ہزار بار کرے تو اس کی توبہ قبول ہے اور گناہ معاف ہو جائے گا اور جو سب گناہوں کے بعد ایک توبہ کرے تو بھی صحیح ہے۔ اور یہ جو فرمایا اب تو جو چاہے عمل کر اس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تو گناہ کے بعد توبہ کرتا جاوے گا میں بخشتا جاؤں گا''[2]

قارئین کہئے اب تو شاید شرح کرنے کا راز آپ کو سمجھ آگیا ہوگا! کہ پہلے قرآن کریم کی آیت کی شرح کی جاتی ہے اس کی شان نزول مقرر کی جاتی ہے اور پھر اس شرح کی شرح کی جاتی ہے۔ اور پھر اس میں تطبیق دی جاتی ہے، اور تاویل کی جاتی ہے، استنباط کیا جاتا ہے، اجتہاد کیا جاتا ہے، قیاس کیا جاتا ہے، اجماع کیا جاتا ہے اور نئے معنیٰ اخذ کئے جاتے ہیں تو کیوں؟ محض گناہوں کو مسلم معاشرہ میں رائج اور عام کرنے کے لئے! اب آپ سو قتل کریں یا ہزار قتل کریں، بار بار گناہ کرتے رہیں بس اللّٰھُمَّ اغْفِرلِی ذَنْبِی پڑھ لیجئے یا نماز پڑھ لیجئے آپ بخش دیئے جائیں گے! آخر یہ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں لٹکائے جو لوگ پھولے نہیں سماتے اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ سو سو مرتبہ اللّٰھُمَّ اغْفِرلِی ذَنْبِی پڑھ لیتے ہیں یا اَسْتَغْفِرُ اللہ پڑھ لیتے ہیں پھر وہ بخشے بخشائے، پوتّر ہو جاتے ہیں اب جو چاہیں کریں (چاہے تو دھوکہ دہی کریں فراڈ کریں، قوم کی دولت لوٹیں، ملک کی دولت لوٹیں، ملاوٹ شدہ غذائیں فروخت کریں یا ملاوٹ شدہ اور ختم میعاد کی دوائیں فروخت کریں، پانی ملا ہوا دودھ فروخت کریں یا تابکاری شدہ خشک دودھ باہر سے امپورٹ کر کے

[1] صحیح مسلم، جلد ۶۔ حاشیہ بر صفحہ ۳۲۹۔۔۔ [2] صحیح مسلم۔ جلد ۶۔ حاشیہ بر صفحہ ۳۲۴۔

بچوں کو پلائیں، گھی کی جگہ گریس اور وائٹ آئل فروخت کریں، لوگوں کی گردنیں آپس میں کٹوائیں یاماورائے عدالت قتل کروائیں.................) اللہ نے تو انہیں بخش دیا ہے! (معاذ اللہ) آج کل لوگوں کے ہاتھوں میں تسبیح جو بڑھ رہی ہے اور مساجد میں نمازیوں کی تعداد جو بڑھ رہی ہے اور اسی رفتار سے جرائم و گناہ وسیاہ کاری و حرام کاری جو بڑھ رہی ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ غلط کام کرکے نماز پڑھ لیتے ہیں اور تسبیح پڑھ لیتے ہیں اور اس کی معافی کرالیتے ہیں پھر باہر نکل کر گناہ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی کیا کریں۔ انہیں مُلّانے اور (نام نہاد) احادیث شریف نے بتایا ہی یہی ہے اس لئے وہ ایسا ہی عمل صالح کرتے ہیں! (معاذ اللہ)

اس مسئلہ مغفرت پر سب سے اہم بات یہ کہ اللہ تعالیٰ تو صحابہ کرامؓ سے فرمارہا ہے کہ:

"(اے ایمان والو) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ جو لوگ تم سے پہلے گذر چکے ہیں ان لوگوں جیسی مصیبتیں (آزمائشیں) تمہیں ابھی پیش نہیں آئیں، ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب جھنجوڑے گئے یہاں تک کہ رسول اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے پکار اُٹھے ................. (۲/۲۱۴)، مزید دیکھئے ۳/۱۴۲، ۹/۱۶، ۲/۲۹"

مگر ہمارے موصوف اور پارسی مُلّا صرف دو نماز پڑھوا کر فواحشات و قتل جیسے گناہ بھی معاف کروادے رہے ہیں! غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم واصول کو کس خوبصورتی اور حسن تدبیر سے بدل کر پارسی ملاؤں کے خود ساختہ اصولوں کو اجاگر کرکے لوگوں کے دین وایمان کو بگاڑا جارہا ہے! یعنی دو حکم چل رہے ہیں ایک اللہ تعالیٰ کا اور دوسرا حدیث کے نام سے اس کے پارسی بندوں کا۔ جبکہ وہ فرماتا ہے کہ حکم تو صرف اسی کا ہے (۱۲/۴۰، ۱۲/۶۷ وغیرہم)

اب آگے بڑھنے سے پہلے اس آخری (نام نہاد) حدیث پر ایک نظر اور ڈال لیجئے۔ دیکھئے آخری سطروں میں آپ کو ایک راوی کا نام ملتا ہے **عبد الاعلیٰ**۔ یعنی اعلیٰ کا عبد (اعلیٰ کا بندہ) تو پہلے مسلمین "اعلیٰ" یعنی اللہ کے بندے ہی رہتے تھے اور یہی نام رکھتے تھے مگر ابھی حال ہی کی بات ہے کہ پچھلی صدی کا ایک ناکام سیاستدان **ابو الاعلیٰ** یعنی اعلیٰ کا باپ (نعوذ باللہ) گذرا ہے۔ تو یہ ان صدیون کا کارنامہ ہے کہ انسان اللہ کے بندے سے اللہ کا باپ نام رکھنے سے بھی نہیں ڈرتا! (اعوذ باللہ)۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا، اب ہم اپنے نفس مضمون کی طرف آتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث میں ہمیں کس طرح کی نماز ملتی ہے۔ پہلے دیکھئے اس سلسلہ میں موصوف اپنی کتاب کی "تصدیر" میں کیا شائع کر رہے ہیں:

۷۔ "اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سکھایا۔ جبرئیل نے ہر صلوٰۃ کو دو۲ دو۲ مرتبہ آکر پڑھوایا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ صلوٰۃ اس طرح پڑھو جس طرح تم لوگ مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے اس اہتمام وتاکید کے باوجود بھی صلوٰۃ کے طریقہ میں فرق پیدا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مدّت دراز تک صلوٰۃ اسی طریقہ پر پڑھی جاتی رہی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے **صحابہؓ کو تعلیم دی تھی**۔ عورتیں اور مرد ایک ہی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھتے تھے لیکن بعد میں صرف عورتوں اور مردوں کی صلوٰۃ کے طریقہ میں ہی فرق پیدا نہیں ہوا بلکہ مَردوں مَردوں کی صلوٰۃ کا طریقہ بھی مختلف ہو گیا۔ ہر فرقہ نے اپنے مقررہ طریقہ پر صلوٰۃ پڑھنی شروع کر دی حالانکہ صلوٰۃ صرف مسنون طریقہ پر ہی ادا کرنی چاہیئے تھی"[1]۔

---

[1] "صلوٰۃ المسلمین" تصدیر۔ ص ۱۹۔ ۲۰

غور کیجئے یہ صرف موصوف ہی کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ تمام اہلحدیثوں کا ہے کہ جبریل نے آکر رسول اللہ ﷺ کو ہر نماز دو ۲ دو ۲ مرتبہ پڑھوائی اور سکھائی۔ (جبکہ اہل فقہ کا یہ عقیدہ نہیں مگر اس کے باوجود وہ ہمیشہ یہی سوال کرتے ہیں کہ اگر (نام نہاد) احادیث کو نہ مانو گے تو نماز کیسے پڑھو گے ؟ اور خود انہی (نام نہاد) احادیث کے مطابق نماز نہیں پڑھتے بلکہ اپنے خود ساختہ اماموں کے مقرر کردہ طریقے کے مطاب پڑھتے ہیں۔ جس کا ثبوت اب ہم دیں گے۔ انشاء اللہ) پھر رسول اللہ سلامؑ علیہ نے منبر پر کھڑے ہو کر تمام صحابہؓ (ان میں صحابیاتؓ بھی شامل ہیں) کو سکھائی اور فرمایا کہ:

"صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ ............... صلوٰۃ اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے"[۱]

تو اس میں مرد وزن کی کوئی تفریق نہیں تھی اور نہ ہی فرقہ فرقہ کی تفریق کر کے دکھائی تھی کہ فلاں فرقہ اس طرح پڑھے اور فلاں فرقہ اس طرح پڑھے۔ مگر علما کرام اور امام صاحبان نے عورتوں اور مردوں کے طریقہ نماز کے ارکان میں کچھ نہ کچھ فرق کر دیا اور اسی طرح ہر فرقہ کی نماز علیحدہ کر دی۔ اور اس کے لئے (نام نہاد) احادیث بھی ڈھال لیں۔ جیسا کہ ہم اب آپ کو بتائیں گے۔

آگے بڑھنے سے پہلے اب ذرا اسی (نام نہاد) حدیث شریف کے الفاظ پر بھی غور کرتے چلئے کہ ان الفاظ میں صرف اس چیز کی (یعنی ارکان کی) نقل کرنے کا حکم ہے جو تم نے دیکھا ہے! اس میں کہیں وہ پڑھنے کا حکم نہیں جو پڑھتے سُنا ہو! اسی طرح کہیں کسی (نام نہاد) حدیث میں نماز پڑھنے کا پورا طریقہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے نہیں بتایا کہ تم اس طرح نماز پڑھا کرو! تقریباً چودہ ۱۴۰۰ سو سال بعد ۱۳۹۸ھ میں موصوف نے جو طریقہ صلوٰۃ اپنی کتاب میں جمع کیا ہے وہ رسول اللہ سلامؑ علیہ کی کسی (نام نہاد) حدیث پر مبنی نہیں ہے بلکہ مختلف لوگوں کی روایات جمع کر کے اور خود اس میں اپنی منطق و اجتہاد شامل کر کے یہ طریقہ مرتب کیا ہے اور اس کو مسنون صلوٰۃ یا رسول اللہ سلامؑ علیہ اور اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا طریقہ ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ بہر حال اس طریقہ پر خود ان کے اپنے تمام اہلحدیثوں کا عمل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اہل فقہ کا! بہر حال میں ایک ایک دو دو نمونے آپ کی معلومات اور غور و فکر کرنے کے لئے پیش کرتا ہوں۔

### (۲)۔ طہارت:

"قضائے حاجت یعنی پاخانہ یا پیشاب کرتے وقت قبلہ کی طرف نہ منہ کرے نہ پیٹھ"[۲]۔

لیکن اس حکمِ رسول کے باوجود (حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے گھر کی چھت پر چڑھے تو رسول اللہ سلامؑ علیہ کو (قضائے حاجت کیلئے) دو اینٹوں پر بیت المقدس کی طرف منہ کئے ہوئے دیکھا"[۳]۔

---

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ کتاب الاذان، باب ۴۰۹۔ الاذان للمسافر......... حدیث ۶۰۰۔ ص ۲۹۳ (غور کیجئے کہ موصوف نے جبریل کا نام بھی بدل دیا! جبکہ وہ اس بات کا پورے زور شور سے اصرار کرتے ہیں کہ نام (اسم خاص۔Proper Noun) تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ جیسا کہ وہ مسلم اور مسلمین نام پر زور دیتے ہیں۔ مگر جبریل کے قرآنی نام کو تبدیل کر کے جبرئیل کر دیا!)۔۔۔ ۲۔ "صلوٰۃ المسلمین"، قضائے حاجت اور استنجاء کرنے کا طریقہ، ص ۸۵ (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)۔۔۔ ۳۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ کتاب الوضوء، باب ۱۰۹ اَلتَّبَرُّزُ فِي الْبُيُوْتِ، حدیث ۱۴۸، ۱۴۹، ص ۱۴۸۔ و صحیح مسلم، جلد ۱۔ کتاب الطہارۃ، بَابُ الرُّخْصَةِ فِي ذٰلِكَ فِي الْاَبْنِيَةِ (یعنی امام مسلم نے اس سے گھروں میں اس امر سے رخصت کا مسئلہ بنا لیا! مگر ہمارا مولوی اس کو بھی نہیں مانتا)

قارئین غور کیجئے آپ کونسی (نام نہاد) حدیث پر عمل کریں گے ؟ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ارشاد کے مطابق یا اُن کے عمل یعنی سنت کے مطابق ؟ اگر ارشاد کے مطابق عمل کریں گے تو اس کے معنٰی ان کا عمل غلط تھا اور ان کے قول وفعل میں تضاد تھا۔ (نعوذ باللہ)۔ اور اگر اُن کے فعل یعنی سنت کے مطابق عمل کریں گے تو اس کے معنٰی اُن کا ارشاد غلط تھا۔ بہر حال دونوں ہی صورتوں میں دونوں (نام نہاد) احادیث مشتبہ یا مشکوک ہو جاتی ہیں!

## (۳)۔ اذان

۱۔ آج ہمارے دیکھتے دیکھتے اہل فقہ کے ایک فرقہ کے فرقہ یا مسلک نے مروجہ اذان کے ساتھ، پہلے یا آخر میں، صلوٰۃ وسلام کے الفاظ بڑھالئے ہیں۔ کیا یہ لوگ اللہ کے رسول اور اُن کے صحابہؓ سے زیادہ اسلام کو جاننے والے ہیں؟ کیا وہ عمل جو دین میں اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اور صحابہؓ نے نہ کیا ہو اسلام کا حصہ ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں! کوئی بھی نئی بات یعنی بدعت اسلام کا حصہ نہیں ہو سکتی۔ ہمارے موصوف نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ: "ایک شخص نے ظہر کی اذان میں **الصلوٰۃ خیر من النوم** کہہ دیا۔ تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا یہ بدعت ہے اور مع اپنے ساتھی کے چلے گئے۔ وہاں نماز نہیں پڑھی (ابو داؤد)"[۱]

۲۔ اسی طرح اہل فقہ کے ہاں جمعہ کی صلوٰۃ سے پہلے دو اذانیں ہوتی ہیں لیکن رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں ایک ہی اذان ہوتی تھی۔ کیا وہ کام جو دین میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نہ کیا ہو اسلام کا حصہ ہو سکتا ہے؟ خیال رہے حضرت عثمانؓ نے آبادی بڑھ جانے کے بعد مقام زَورآ پر صرف ایک ندا دلوانا شروع کیا تھا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ جمعہ کا وقت آگیا ہے۔ انہوں نے ایک اور اذان نہیں شروع کرائی تھی[۲]۔

۳۔ ایک (اہلحدیث وفقہ) فرقہ اپنی احادیث کے مطابق اذان میں ایک خلیفہ راشدؓ کے نام کا اضافہ کرتا ہے۔ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ اور خلفائے راشدین کے اپنے دَور میں اُن خلیفہ راشدؓ کا نام اذان میں شامل کیا جاتا تھا؟ کیا وہ عمل جو دین میں رسول اور خلفائے راشدین کے دَور میں نہ ہوا ہو اسلام کا حصہ ہو سکتا ہے؟

۴۔ "صبح صادق سے کچھ دیر پہلے بھی ایک اذان ہونی چاہئے تا کہ سونے والا متنبّہ ہو جائے اور تہجّد پڑھنے والا رجوع کرے"[۳]۔

کہئے کیا اس (نام نہاد) حدیث پر آپ کا عمل ہے؟

## (۴)۔ وضوء

۱۔ سیدھے ہاتھ میں ایک چُلّو پانی لے۔ آدھا پانی منہ میں لے اور کُلّی کر دے۔ پھر آدھے پانی کو ناک میں مبالغہ کے ساتھ چڑھائے......... ہر مرتبہ آدھے پانی سے کُلّی کرے اور آدھا پانی ناک میں چڑھائے"[۴]

کہئے آپ میں سے کتنوں کا عمل اس (نام نہاد) حدیث پر ہے؟ کیا اہلحدیثوں اور اہل فقہ ان تین چلوؤں پر متفق

---

۱۔ خلاصہ تلاشِ حق۔ زیر عنوان "کیا مقلد کی اقتداء میں نماز ہو سکتی ہے؟" ص ۱۰۸۔۔۔ ۲۔ صحیح بخاری، جلد ۱۔ کتاب الجمعہ، باب ۵۷۵ **الاذان یوم الجمعة**، حدیث ۸۶۳، ص ۳۷۹۔ (زَوْرَآءَ مدینہ کے بازار میں ایک مقام تھا)۔۔۔ ۳۔ صلوٰۃ المسلمین۔ اذان واقامت کے مسائل۔ ص ۱۱۵ (بحوالہ صحیح بخاری)۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ وضوء کا طریقہ، ص ۹۱ (بحوالہ صحیح بخاری، ابن خزیمہ، احمد، نسائی وابوداؤد وغیرہم)

ہیں یا تین اور چھ چلوؤں کے چکر میں مبتلا ہیں؟

لائیے (نام نہاد) حدیث کہ جبرئیل نے آکر وضوء کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہو؟

اسی طرح قرآن کریم میں جو وضوء کا طریقہ بتایا گیا ہے (۶/۵) اس میں سر کے مسح کرنے کا تو حکم ہے مگر اہل فقہ کے فرقے گردن کا مسح بھی لازم قرار دیتے ہیں جبکہ اس کا ذکر کسی صحیح (نام نہاد) حدیث میں نہیں! کیا اہل فقہ بتا سکتے ہیں کہ گردن سر کا حصہ ہے؟ ورنہ انہوں نے یہ عمل کہاں سے نکالا؟

۲۔ موصوف کے مطابق "وضوء میں پاؤں دھونے کے بعد ایک چُلّو پانی لے کر رومالی پر چھڑک لے"۔[۱]

کہئے قارئین آپ میں سے کتنے اہل حدیث اور اہل فقہ اس پر عمل کرتے ہیں؟ نیز قرآن کریم میں تو رومالی کا کوئی ذکر نہیں پھر یہ رومالی کہاں سے آگئی؟ کیا یہ منہ کا حصہ ہے یا پیروں کا؟

۳۔ اسی طرح سے "اونٹ کا گوشت کھانے سے" اور "ٹخنوں سے نیچے پاجامہ وغیرہ لٹکانے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے اس لئے دوبارہ وضوء کرنا چاہئے"۔[۲]

کہئے کیا قرآن کریم (۶/۵) میں ان دونوں اُمور کا ذکر ہے؟ کیا نعوذ باللہ قرآن کریم میں وضوء کے بارے میں احکام دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ بھول گئے تھے کہ گردن، رومالی، اونٹ کا گوشت اور نیچے پاجامہ لٹکانا بھی وضوء سے متعلق ہیں؟

آپ میں سے کتنوں کا ان (نام نہاد) احادیث پر عمل ہے؟

## (۵)۔ اوقاتِ الصلوٰۃ

۱۔ "عصر کا وقت اس وقت شروع ہو جاتا ہے جب کسی انسان کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے"[۳] (یعنی ایک مثل ہو جائے)

کیا اہل فقہ کے فرقوں و مسالک کا اس (نام نہاد) حدیث پر عمل ہے؟

۲۔ اسی (نام نہاد) حدیث کے مطابق "عصر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج زرد نہ ہو جائے"[۴]

مگر قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ اجازت دیتے ہیں (۱۳۰/۲۰، ۳۹/۵۰) کہ **قبل الغروب** پڑھو جس طرح فجر کی صلوٰۃ **قبل طلوع الشمس** ہے۔

کہئے کس کی بات مانیں گے؟ خالق بزرگ کی یا پارسی محدث کی؟

## (۶)۔ آداب المساجد

۱۔ "مسجدوں کو نہ بہت بلند بنائے، نہ اُن کو مزیّن کرے"[۵]

کہئے تمام فرقوں کا اس (نام نہاد) حدیث پر کتنا عمل ہے؟ کیا ایک سے ایک اونچی اور مزیّن مسجد بنانے کا آپس میں مقابلہ نہیں ہوتا ہے؟ اور جو فرقے مساجد نہیں بناتے بلکہ کسی اور نام سے عمارتیں بناتے ہیں کیا وہ سادگی کا نمونہ ہوتی

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۹۵۔ (بحوالہ احمد، ترمذی و عبد الرزاق)۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ "وہ امور جن کے وقوع کے بعد دوبارہ وضوء کرنا چاہئے"۔ ص ۹۶، ۹۷ (بحوالہ صحیح مسلم، ابو داؤد و احمد)۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ اوقات الصلوٰۃ۔ ص ۱۰۶ (بحوالہ صحیح مسلم)۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ اوقات الصلوٰۃ۔ ص ۱۰۶ (بحوالہ صحیح مسلم)۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ آداب المساجد۔ ص ۱۲۷ (بحوالہ ابو داؤد)

ہیں یا ایک سے ایک اونچی اور شاندار مقابلہ پر بنائی جاتی ہیں؟

۲۔ آج ہر مسجد میں امام کیلئے محراب علیحدہ سے نمایاں بنتا ہے۔ لایئے (نام نہاد) حدیث یا فعلِ رسول کہ مسجد میں امام کیلئے محراب بنے گا؟

## (۷)۔ امامت

۱۔ "امام اسے بنایا جائے جو کتاب اللہ کا سب سے بڑا قاری ہو۔ اگر اس میں سب برابر ہوں تو امام اسے بنایا جائے جو سنت کا سب سے زیادہ عالم ہو، اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو امام اسے بنایا جائے جو ہجرت میں سب سے مقدّم ہو۔ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں تو امام اسے بنایا جائے جو عمر میں سب سے بڑا ہو" [۱]

کہئے کیا تمام اہلحدیث فرقوں کا اس (نام نہاد) حدیث پر عمل ہے؟

کیا اہل فقہ کے فرقوں کا بھی اس (نام نہاد) حدیث پر عمل ہے یا وہ اس سے آگے بڑھ کر یہ دیکھتے ہیں کہ کس کا سر سب سے بڑا ہو اور ذَکَر سب سے چھوٹا ہو[۲]

کہئے کیا یہی (نام نہاد) حدیث پر عمل ہے؟ کیا اسی طرح سے حدیثی نماز پڑھی جاتی ہے؟

۲۔ "حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ امامت کیلئے آگے علیحدہ (صف کے آگے) نہیں کھڑے ہوتے تھے بلکہ اپنے دائیں بائیں بھی کھڑا کرتے تھے" [۳]

کہئے کیا آج آپ کا عمل اس (نام نہاد) حدیث پر ہے؟

## (۸)۔ لباس

۱۔ "جوتے پہن کر صلوٰۃ پڑھی جاسکتی ہے" [۴]

کہئے آج کتنے اہل حدیث و اہل فقہ جوتے پہن کر صلوٰۃ پڑھتے ہیں؟ حتیٰ کہ وہ تو نماز جنازہ میں بھی جوتے اتار دیتے ہیں!

۲۔ "اگر جوتے اُتار کر صلوٰۃ ادا نہ کرے تو انہیں اتار کر بائیں طرف رکھ لے، اگر بائیں طرف کوئی آدمی ہو تو دونوں پیروں کے درمیان رکھے" [۵]

کہئے کتنے لوگوں کا عمل اس (نام نہاد) حدیث پر ہے؟ عام طور پر لوگ جوتے اُتار کر سامنے رکھتے ہیں کہ سجدہ کرتے ہوئے سر اس میں لگتا ہے ورنہ تو نظر کے سامنے وہی جوتے ہوتے ہیں! کیا یہی حدیثی طریقہ ہے؟ جبکہ مزاروں پر جوتے مزار کے باہر ہی بحفاظت رکھنے کا اہتمام کیا جاتا ہے!

۳۔ "مرد ہو یا عورت صلوٰۃ پڑھتے وقت کامل اور زینت دینے والا لباس پہنے" [۶]

کہئے کیا آپ کامل زینت پہن کر نماز ادا کرتے ہیں یا کپڑوں کو گیلا کرکے اور وضوء کے بعد بغیر پوچھے پانی ٹپکاتے

---

۱۔ ایضاً۔ امامت۔ ص ۱۳۲ (بحوالہ صحیح مسلم)۔۔۔ ۲۔ بحوالہ خلاصہ تلاش حق۔ ص ۲۴، بحوالہ درِّ مختار۔۔۔ ۳۔ صلوٰۃ المسلمین۔ رفع یدین نہ کرنے کی دلیلیں۔ ص ۳۰۱ (بحوالہ صحیح مسلم جلد۔ ۲۔ کتاب المساجد، باب رکوع میں ہاتھوں کا گھٹنوں پر رکھنا۔ ص ۱۰۷)۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ لباس۔ ص ۱۳۶۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۳۶۔۔۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۱۳۶ (بحوالہ الاعراف۔ ۳۱)

ہوئے نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں؟ بلکہ اس وقت کسی نے آستین چڑھائی ہوتی ہے کسی نے پاجامہ اوپر اُڑس لیا ہوتا ہے۔ (اگر پتلون پہنے ہو تو اس کے پائنچے موڑ کر زینت خراب کر لی جاتی ہے) گھڑی اور چشمہ اُتار کر رکھ دیا جاتا ہے...... وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کہ زینت کو بے زینت کر دیا جاتا ہے۔ بعض اہل حدیث تو بنیائن اور تہبند ہی پہن کر نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کھڑے بھی اس طرح ہوتے ہیں کہ اللہ کے حضور میں نہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چیلنج دے کر کُشتی لڑنے کھڑے ہوئے ہیں!

## (۹)۔ صلوٰۃ

۱۔ "صبح کی سنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر سیدھی کروٹ لیٹ جائے"[۱]

کہئے کیا گھر یا مسجد میں آپ کا عمل اس (نام نہاد) حدیث کے مطابق ہے؟

صلوٰۃ شروع کرتے ہوئے جب تکبیر تحریمہ کہتے ہیں اس وقت ہر شخص کے ہاتھوں کی پوزیشن مختلف ہوتی ہے جبکہ (نام نہاد) حدیث کے مطابق تو:

۲۔ "دونوں ہاتھ اس طرح اُٹھائے کہ انگلیاں کانوں تک اور ہتھیلیاں کندھوں کے برابر آجائیں"[۲]

۳۔ "انگلیوں کو کھول دے، موڑے نہیں"[۳]

۴۔ "انگلیوں کو نہ بالکل ملالے اور نہ ان میں تفریق کرے"[۴] "پھر اللہ اکبر کہے"[۵]

غور کیجئے کیا آپ اسی طرح کرتے ہیں؟

۵۔ "پھر سیدھے ہاتھ سے اُلٹے ہاتھ کو اس طرح پکڑے کہ سیدھے ہاتھ کا کچھ حصہ اُلٹے ہاتھ کی پُشتِ کف پر ہو، کچھ پہنچے پر ہو اور کچھ کلائی پر[۶]۔ اس طرح کرنے کے بعد ہاتھوں کو سینہ پر رکھ لے"[۷]

غور کیجئے کیا آپ کا عمل ان (نام نہاد) احادیث پر ہے؟ کیا آپ اسی طرح اپنے ہاتھ سینہ پر رکھتے ہیں یا ناف پر یا زیرِ ناف؟ ہر شخص کی پوزیشن الگ الگ ہوتی ہے!

۶۔ "حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ اور ابو بکرؓ و عمرؓ نماز کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سے کرتے تھے"[۸]

قارئین غور کیجئے کہ اس (نام نہاد) حدیث کے مطابق نماز تکبیر تحریمہ کے فوراً بعد الحمد شریف سے شروع ہو جاتی ہے! لیکن ٹھہریئے۔ اس کے فوراً بعد امام بخاری ہی کی دوسری (نام نہاد) حدیث ملاحظہ کیجئے:

۷۔ "ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ تکبیر اور قرأت کے درمیان میں کچھ سکوت فرماتے تھے، تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ تکبیر اور قرأت کے مابین سکوت میں آپؐ کیا پڑھتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا میں پڑھتا ہوں: اللهم باعد بيني و بين خطاياى كما باعدت بين المشرق

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۴۲ (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم، ابوداؤد، ترمذی)۔۔۔ ۲، ۳، ۴، ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۵۹، ۱۶۰، (بحوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، نسائی، ابوداؤد، ترمذی، ابن خزیمہ)۔۔ ۶۔ ۷۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰۔ (بحوالہ صحیح بخاری، ابوداؤد واحمد وابن خزیمہ)۔۔۔ ۸۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۸۰، مَا يقرأ بعد التكبير۔ حدیث ۷۰۴، ص ۳۲۸۔

و المغرب اللھم نقنی من الخطایا کما یُنقی الثّوب الابیض من الدّنس اللھم اغسِل خطایای بِالمَآء و الثّلج و البرد۔''[1]

کہئے قارئین کچھ فرق محسوس ہوا؟ آپ کیا پڑھیں گے؟ نیز یہ بھی غور کیجئے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھنا ہے یہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے سب کو نہیں بتایا تھا۔ جب ابو ہریرہؓ نے دریافت کیا تو بتایا کہ میں تو یہ پڑھتا ہوں! گویا کہ آپؐ نے سب کو نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں بتایا تھا! اس کے معنی آپ نے وحی پوشیدہ سب تک نہیں پہنچائی تھی! کہئے ہے نا عجیب بات!

اب دیکھئے موصوف کیا پڑھنے کا فیصلہ کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ پھر تکبیر تحریمہ کے بعد یہ پڑھے:

۸۔ ''سبحانك اللھم و بحمدك و تبارك اسمك و تعالٰی جدّك وَلا اِلٰہ غیرك لَا الٰہ الا اللہ ، لَآ الٰہ الا اللہ ، لا اِلٰہ الا اللہ ، اللہ اکبر کبیرا ، اللہ اکبر کبیرا ، اللہ اکبر کبیرا ، اعوذ باللہ اسمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم من حمزہٖ و نفخہٖ و نفثہٖ''[2]

کیا آپ یہ پڑھتے ہیں؟

۹۔ ''عبادہ بن صامتؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے''[3]

کہئے کیا آپ سورہ فاتحہ پڑھتے ہیں؟ اگر پڑھتے ہیں تو کیسے؟

۱۰۔ اس کا حل موصوف نے اپنی کتاب میں دیا ہے کہ سورہ فاتحہ امام کے سکتات میں پڑھی جائے گی یونکہ رسول اللہ سلامؑ علیہ دو سکتے کیا کرتے تھے ایک تکبیر تحریمہ کے بعد اور دوسرا قرأت کے بعد تو صحابہ ان سکتات میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے''[4]

کہئے کیا آپ کے امام سکتات کرتے ہیں جن میں آپ سورہ فاتحہ پڑھ لیں؟

۱۱۔ ''ابو ہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ نے فرمایا ہے کہ جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد آمین کہے، تو تم بھی آمین کہو''[5] (ظاہر ہے کہ امام زور ہی سے آمین کہے گا جب ہی مقتدی سنیں گے۔ مسجد نبوی میں تو آمین سے آج بھی مسجد گونجتی ہے)

کہئے کیا آپ آمین زور سے کہتے ہیں؟

---

۱۔ ایضاً۔ حدیث ۱۵۰۷، ص ۳۲۸۔ (نیز صحیح مسلم، جزء ۲۔ کتاب المساجد، باب تکبیر تحریمہ اور قرأت کے بیچ میں کیا پڑھے ص ۱۵۴)۔۔ ۲۔ ''صلوٰۃ المسلمین''۔ صلوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ، پہلی رکعت۔ ص ۱۶۱ (بحوالہ ابو داؤد، نسائی، صححہ الحاکم وصححہ احمد محمد شاکر فی تعلیقانہ علی الترمذی، صحیح مسلم، دار قطنی، طبرانی)۔۔ ۳۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۸۶، و جوب القرآءۃ ........ حدیث ۷۱۷، ص ۳۳۲۔۔ ۴۔ صلوٰۃ المسلمین۔ مقتدی کی قراءت اور امام کے سکتات (بحوالہ جزء القراء للبخاری، ابو داؤد، ترمذی، دار قطنی وغیرہ) ص ۳۱۲۔ ۳۲۴۔۔ ۵۔ صحیح بخاری، کتاب الاذان باب ۵۰۲، امام کا بلند آواز سے آمین کہنا، حدیث ۷۴۱، ص ۳۴۰

۱۱۔ ”حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے رکوع اور سجود میں کہا کرتے تھے۔ سبحٰنَكَ اللهم ربنا و بحمدك اللهم اغفرلی “[۱]

کہئے کیا آپ بھی یہی پڑھتے ہیں؟ اور سنئے:

۱۲۔ ”حضرت عائشہؓ ہی روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے رکوع و سجود میں پڑھتے تھے سُبحانَكَ و بِحَمدِكَ لَآ اِلٰہَ اِلّا انتَ [۲] کہئے کیا آپ یہ پڑھتے ہیں؟

۱۳۔ ”حضرت عائشہؓ ہی روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے رکوع و سجود میں پڑھتے تھے سبُّوحٌ قُدوس رب الملئكة والروح “[۳]

کہئے آپ کیا پڑھتے ہیں؟

۱۴۔ ”حضرت عائشہؓ ہی روایت کرتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے رکوع و سجود میں پڑھتے تھے سُبّوحٌ قُدوسٌ رب الملئكة والرّوح “[۳]

کہئے آپ کیا پڑھتے ہیں؟

۱۵۔ ”ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ (رکوع سے اُٹھتے ہوئے) رسول اللہ ﷺ سمع الله لمن حمده اللهم ربنا لك الحمد کہتے اور تکبیر کہتے تھے “[۴]

کہئے آپ یہ پوری دعا پڑھتے ہیں یا ادھوری؟

۱۶۔ ”عبد اللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رکوع سے اپنی پیٹھ اُٹھاتے تو فرماتے:

سمع الله لمن حمدهٗ اللهم ربنا لك الحمد ، مِلأُ السمٰوٰت و مِلأَ الارض و ملأَ مَا شِئت من شئ بعد “[۵]۔

۱۷۔ ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت میں اس کے آگے ثناء کے یہ الفاظ بھی ہیں:

اَهل الثنآءِ و المجد احقّ ما قال العبد و كلّنا لك عبد ٍ اللهم لا مانع لمآ اعطيتَ ولا معطىَ لما منعت ولا ينفع ذَا الجدِّ منك الجدّ “[۶]

کہئے آپ ان (نام نہاد) احادیث میں سے کون سی حدیث پر عمل کر رہے ہیں؟ کیا آپ سنتِ رسول پر عمل کر رہے ہیں؟؟؟

---

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۵۱۴ الدّعآءِ فی الرکوع، حدیث ۷۷۵، ص ۳۴۴، و صحیح مسلم جلد ۲۔ کتاب الصلوٰۃ باب ما یُقال فی الرکوع و السجود۔ ص ۷۴۔۔۔ ۲۔ صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، بابُ مَا یُقال فی الرکوع و السجود۔ ص ۷۹۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۸۰ ۔۔۔ ۴۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، کتاب الاذان۔ باب ۵۱۵ ما یقول الامام و من خلفه ازا رفع رأسهٗ من الرکوع، حدیث ۷۵۶، ص ۳۴۵ ۔۔۵۔ صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب الاصلوٰۃ، باب ما یقول اذا رفع رأسهٗ من الرکوع۔ ص ۷۴۔۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۷۵

۱۸۔ ”عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مالک بن حویرث سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رکوع میں جھکتے وقت، رکوع سے سر اُٹھاتے ہوئے اور دو رکعتوں کے بعد تیسری کیلئے کھڑے ہوتے ہوئے تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے“[۱]

کہئے آپ اس پر عمل کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا یہ بخاری و مسلم کی (نام نہاد) حدیث نہیں؟ کیا آپ کے پاس اس رکن کے منسوخ ہونے کی کوئی روایت ہے؟

بعض لوگ رفع یدین کے منسوخ ہونے کی جو روایت پیش کرتے ہیں وہ تو یہ ہے:

”حضرت جابر بن سمرۃؓ کا بیان ہے ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے تو نماز کے ختم پر دائیں بائیں السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتے ہوئے ہاتھ سے اشارہ بھی کرتے تھے۔ یہ ملاحظہ فرما کر حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تم لوگ اپنے ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے ہو جیسے شریر گھوڑوں کی دُمیں ہلتی ہیں۔ تمہیں یہی کافی ہے کہ تم قعدہ میں اپنی رانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے دائیں اور بائیں منہ موڑ کر سلام کہا کرو“[۲]

قارئین غور کیجئے کہ اہل حدیثوں کا وہ دعویٰ کہاں گیا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صحابہؓ کو منبر پر کھڑے ہو کر نماز سکھائی؟ اگر انہوں نے نماز سکھائی تھی تو پھر صحابہؓ نے خود سے یہ رکن کیسے نکال لیا تھا کہ سلام کرتے ہوئے ہاتھوں کو اُٹھاتے تھے؟ اور پھر جب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کسی موقعہ پر یہ بات نوٹ کر لی تو سلام کرنے کا طریقہ بتایا! گویا کہ یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ ایسا نہیں کہ ممبر پر کھڑے ہو کر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے سب کو نماز پڑھنا سکھائی۔ ورنہ یہ نوبت نہ آتی! اور نہ ہی مختلف اوقات میں صحابہؓ آپ سے نماز کے ارکان کے بارے میں مختلف سوالات کرتے رہتے! نہ ہی نماز میں کبھی کچھ اور کبھی کچھ پڑھا جاتا رہا یا کبھی کوئی اور کبھی کوئی عمل ہوتا رہا۔ نہ اس میں ناسخ و منسوخ کا کھیل ہوتا رہا!

قارئین کہئے کیا اس روایت میں رفع یدین کرنے کی ممانعت آئی ہے؟

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل حدیث وفقہ کا ایک فرقہ آج بھی نماز کے اختتام پر سلام کرتے ہوئے ہاتھوں سے اشارہ کرتا ہے۔

۱۹۔ سجدہ سے اُٹھ کر جلسہ یا قعدہ میں بیٹھنے کیلئے طاؤس سے روایت ہے کہ

”ہم سے ابن عباسؓ نے کہا اقعاء[۳] کی بیٹھک میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے کہا یہ سنت ہے۔ ہم نے کہا ہم تو اس بیٹھک کو آدمی پر (یا پاؤں پر) ستم سمجھتے ہیں انہوں نے کہا واہ وہ تو سنت ہے تیرے نبی ﷺ کی“[۴]

کہئے کیا آپ یہ بیٹھک اختیار کرتے ہیں اور سنت پر عمل کرتے ہیں؟

اور سنئے کہ قرآن کی اس شرح (پتہ نہیں کس آیت کی!) کی شرح امامِ شرح نوویؒ نے کی ہے اور لکھا ہے کہ

---

۱۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۷۵، باب ۴۷۶، باب ۴۷۷ رفع الیدین ...... حدیث ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ص ۳۲۶، ۳۲۷ و صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب استحباب رفع الیدین......... ص ۱۷۔۱۸۔۔۔ ۲۔ صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ ا النھی عن الاشارۃ بالید و رفعھا عند السلام ......... ص ۵۱۔۔۔ ۳۔ ایڑیوں پر سرین رکھ کر بیٹھنے کو عربی میں اقعاء کہتے ہیں۔۔۔ ۴۔ صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ کتاب المساجد۔ باب جوازِ الاقعآءِ علی العقبین ۔ ص ۱۰۸

"علماء نے اختلاف کیا ہے اقعاء کے حکم اور اقعاء کی تفسیر میں"[1]۔ کیا امام شرح کی یہ شرح کافی نہیں یہ بتانے کیلئے کہ یہ تمام اختلافات علما ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں ورنہ دینِ اسلام بڑا سیدھا سادا دین ہے۔ اس میں کوئی ہیر پھیر نہیں۔

۲۰۔ لہسن پیاز وغیرہ کھا کر نماز کیلئے آنے کے بارے میں عبد العزیز بن صہیب سے روایت ہے کہ

"انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لہسن کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس درخت میں سے کھائے وہ ہمارے پاس نہ آئے اور نہ ہمارے ساتھ نماز پڑھے"[2]۔

کہئے کیا آپ کا اس حکم پر عمل ہے؟ کیا آپ کھانوں میں لہسن کا استعمال کرتے ہیں یا نہیں؟

۲۱ دو صلوٰتیں ملا کر (بغیر کسی عذر کے) پڑھنے کے بارے میں:

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ظہر اور عصر ملا کر پڑھی اور مغرب اور عشاء ملا کر پڑھی بغیر خوف اور بغیر سفر کے"[3]۔

کہئے آپ میں سے کتنے اس سنت پر عمل کرتے ہیں؟ (سوائے اہل حدیث وفقہ کے ایک فرقہ کے)

۲۲۔ ظہر اور عصر کی رکعتوں میں قرآن سے کچھ پڑھنے کے بارے میں روایت ہے کہ:

"ابو معمرؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے خبابؓ سے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ ظہر اور عصر (کی نماز) میں قرآن پڑھتے تھے، انہوں نے کہا ہاں، ہم نے کہا، کہ تم کس طرح پہچان لیتے تھے؟ وہ بولے کہ آپ ؐ کی داڑھی مبارک جُنبش کرتی تھی"[4]

قارئین غور کیجئے کہ یہاں پھر یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھنے کا پورا طریقہ بتایا ہی نہیں تھا جب ہی تو صحابہؓ ایک دوسرے سے دریافت کرتے تھے کہ فلاں رکن میں رسول اللہ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟

کہئے آپ بھی ظہر و عصر کی نمازوں میں قرآن پڑھتے ہیں؟

غور کیجئے کہ اس کے لئے کیا ترکیب استعمال کی گئی ہے کہ "آپ کی داڑھی مبارک جنبش کرتی تھی گویا نماز پڑھتے ہوئے صحابہؓ امام کے سامنے جا کر دیکھتے تھے کہ ان کی داڑھی مبارک جنبش کر رہی ہے یا نہیں!

۲۳۔ آخری دونوں رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھی جانے کے بارے میں حضرت ابو قتادہؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ ظہر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور دو سورتیں اور (اس کے ساتھ) پڑھتے تھے، اور پچھلی دونوں رکعت میں (صرف) سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔ اور ہم کو کوئی آیت (کبھی کبھی) سنائی دیتی تھی۔ اور پہلی رکعت میں اس قدر طول دیتے تھے کہ دوسری رکعت میں نہ دیتے تھے، اور عصر اور صبح میں بھی اسی طرح کرتے تھے"[5]۔

---

۱۔ ایضاً۔ حاشیہ ص ۱۰۸۔۔ ۲۔ ایضاً۔ باب نَہی من اکل ثوماً او بصلاً ...... ص ۱۲۶۔۔ ۳۔ ایضاً۔ کتاب صلوٰۃ المسافرین۔ باب جواز الجمع بین الصلوٰتین فی السفر ۔ ص ۲۲۴۔۔ ۴۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، کتاب الاذان، باب ۴۸۷، ۴۸۸، القِراۃ فی الظہر و العصر ۔ حدیث ۷۲۱، ۷۲۲، ص ۳۳۳، ۳۳۴۔۔ ۵۔ ایضاً۔ باب ۴۹۸ یَقرَاءُ فی الاخر بین بفاتحۃ الکتاب ، حدیث ۷۳۷، ص ۳۳۹

کہئے کیا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟ موصوف تو ایسا نہیں کرتے!

۲۴۔ ابوہریرہؓ اور انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے زمانہ میں نماز ظہر اور عشاء اور فجر و مغرب میں **سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ** کے بعد قنوت پڑھتے تھے''[1]۔

کہئے کیا سوائے ایک اہل حدیث وفقہ فرقہ کے اور کوئی اس پر عمل کرتا ہے؟

۲۵۔ سجدہ میں اپنے دونوں پہلو کھول دے اور پیٹ کو زانو سے جدا رکھنے کے بارے میں روایت ہے کہ عبد اللہ بن مالک بحینہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم جب نماز پڑھتے تھے تو (سجدہ کے دوران) اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان میں اس قدر کشادگی رکھتے تھے، کہ آپؐ کی بغلوں کی سپیدی ظاہر ہوتی تھی''[2]

کہئے کیا سجدہ میں آپ کے پہلو بھی اتنے ہی کشادہ رہتے ہیں؟ عورتوں کے پہلو کیوں چپکے رکھے جاتے ہیں؟ کیا ان کے لئے نماز کا طریقہ علیحدہ بتایا گیا ہے؟

۲۶۔ سجدہ کرتے ہوئے کہنیاں بچھانے کی ممانعت کے بارے میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''سجدوں میں اعتدال کرو، اور کوئی شخص اپنی دونوں کہنیاں (زمین پر) جس طرح کتّا بچھالیتا ہے نہ بچھائے''[3]۔

کہئے کیا آپ کا اس پر عمل ہے؟

۲۷۔ دو سجدوں کے درمیان بیٹھنے کے بارے میں حضرت عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، براء رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

''رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا سجود اور آپؐ کا رکوع، اور آپؐ کا بیٹھنا دونوں سجدوں کے درمیان میں (ٹھہرنا) تقریباً برابر ہی ہوتا تھا''[4]

کہئے آپ کا اس پر عمل ہے یا آپ یہ سارے ارکان تیزی سے ادا کرتے ہیں اور سجدے تو ایسے جیسے کوّا ٹھونگے مارتا ہے! جبکہ ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ کی روایات کے مطابق اس جلسہ میں (یعنی دو سجدوں کے دوران بیٹھے ہوئے) یہ دعا پڑھے:

''**اللّٰھم اغفرلی وارحمنی واجبرنی وعافنی واھدنی وارزقنی وارفعنی**'' (صلوٰۃ المسلمین ص ۱۷۷)

کہئے کیا آپ اس پر عمل کرتے ہیں؟

۲۸۔ جلسہ میں بیٹھنے کے بارے میں عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم داہنی ہتھیلی دائیں ران پر رکھتے اور سب انگلیوں کو بند کر لیتے اور اس انگلی سے اشارہ

---

[1] ایضاً۔ باب ۵۱۷، حدیث ۷۵۸، ۷۵۹، ص ۳۴۵۔۔ [2] ایضاً۔ باب ۵۲۱، یُبدِی ضبعیه و یحافی فی السجود۔ حدیث ۷۶۷، ص ۳۵۰۔۔ [3] صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۳۱، لا یفترش ذراعیه فی السجود۔ حدیث ۷۸۱، ص ۳۵۵۔۔ [4] ایضاً، باب ۵۳۰، المَکْثِ بَین السجدتین۔ حدیث ۷۷۹، ص ۳۵۴

کرتے جو انگوٹھے کے پاس ہے (یعنی کلمہ کی انگلی سے) اور بائیں ہتھیلی بائیں ران پر رکھتے"۔[1]

کہئے کیا آپ بھی تشہد میں کلمہ کی انگلی سے اسی طرح اشارہ کرتے ہیں یا صرف اشھد ان لآ اِلٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدًا عبدہٗ و رسولُہٗ کہتے ہوئے انگلی اُٹھا کر اشارہ کرتے ہیں؟ اُس کی (نام نہاد) حدیث کہاں ہے؟

۲۹۔ نماز کی طاق رکعت میں سیدھے بیٹھنے کے بارے میں مالک بن حویرثؓ لیثی روایت کرتے ہیں

"کہ انہوں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا، تو (کیا دیکھا کہ) جب آپؐ اپنی نماز کی طاق رکعت میں ہوتے تھے، تو جب تک سیدھے نہ بیٹھ جاتے تھے، کھڑے نہ ہوتے تھے"۔[2]

کہئے کیا آپ بھی یہ وقفہ کرتے ہیں؟

۳۰۔ قعدہ میں تشہد پڑھنے کے بارے میں عبد اللہ ابن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ

"انہوں نے کہا کہ جب ہم نبی ﷺ کے پیچھے نماز کے (قعدہ میں) یہ دعا پڑھا کرتے تھے، السلام علی جبریل و میکائیل السلام علی فلاں و فلاں، تو (ایک مرتبہ) رسول اللہ ﷺ نے ہماری طرف دیکھا اور فرمایا، کہ اللہ تو خود ہی سلام ہے (اس پر سلام بھیجنے کی کیا ضرورت) لہٰذا جب کوئی تم میں سے نماز پڑھے، تو کہے: التحیات للہ و الصلوات والطیبات السلام علیك ایھا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ السلام علینا و علی عباد اللہ الصالحین ، (کیونکہ جس وقت تم یہ کہہ دوگے تو (دعا) اللہ کے ہر نیک بندے کو پہنچ جائے گی، خواہ وہ آسمان میں ہو یا زمین میں) اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمدً عبدہٗ و رسولہٗ "[3] صحیح مسلم میں یہ الفاظ زائد ہیں "کہ تشہد پڑھنے کے بعد نمازی کو اختیار ہے کہ جو دعا چاہے کرے"۔[4]

قارئین غور کیجئے اس روایت سے پھر یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نماز پڑھنے کا پورا طریقہ نہیں بتایا تھا جب ہی تو صحابیؓ السلام علیٰ جبرئیل و میکائیل پڑھتے تھے (یا السلام علی اللہ)۔ پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ کو کیسے پتہ چلا؟ کہ آپ نے التحیات پڑھنے کیلئے بتائی تو صحابہؓ نے التحیات پڑھنا شروع کی۔

۳۱۔ یہی صحابی حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگے اسی تشہد کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"آپؐ اس وقت ہمارے درمیان موجود تھے۔ جب آپؐ کی وفات ہو گئی تو ہم لوگ السَّلامُ علی النبی[5] کہنے لگے"۔[6]

نیز امام مالک نے اپنی مَوطا میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو تشہد روایت کیا ہے اس میں بھی

---

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد ۲، کتاب المساجد، باب صفة الجلوس فی الصلوٰۃ ...... ص ۱۴۲۔ ۱۴۳۔۔ ۲۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۳۲، من استوٰی قاعدًا فی وترٍ من صلوٰتہٖ ثم نھص حدیث ۷۸۲، ص ۳۵۵۔۔ ۳۔ ایضاً، باب ۵۳۸، التشھد فی الاٰخرۃ ، حدیث ۷۹۰، ص ۳۵۷۔۔ ۴۔ صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب التشھد فی الصلوٰۃ ۔ ص ۲۹۔۔ ۵۔ یَا نَبی سلامٌ علیكَ پڑھنے والے صحابہؓ کے اس عمل سے عبرت حاصل کریں!۔۔ ۶۔ صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب الاستیذان، باب ۲۱۷، دونوں ہاتھ تھام لینا اور حماد بن زید نے ابن مبارک سے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا۔ حدیث ۱۱۹۴، ص ۴۵۰

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ ہی روایت کرتے ہیں[1]

ہماری مؤطاامام مالک کے مترجم "فرید عصر حضرت علّامہ وحید الزماں" صاحب اس روایت کے "فائدہ" (یعنی شرح) میں لکھتے ہیں کہ اسی تشہد کو:

"ابو عوانہؒ اور سراجؒ اور جوزقیؒ اور ابو نعیمؒ اصبہانی اور بیہقیؒ نے طریق متعددہ سے روایت کیا ہے اور سب میں یہ ہے کہ جب آپؐ کی وفات ہوئی تو ہم اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہنے لگے اور ایسا ہی روایت کیا اس کو ابو بکر بن شیبہ نے ابو نعیم سے۔ زرقانی نے کہا کہ یہ روایت ابن مسعودؓ سے بلاشک صحیح ہے اور میں نے اس کا ایک متابع قوی پایا ہے۔ ابن عبد الرزاق نے روایت کیا کہ کہا عطا نے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے جب آنحضرت ﷺ زندہ تھے اَلسَّلَامُ اَیُّھَا النَّبِیِّ۔ پھر جب آپؐ کی وفات ہوئی تو کہنے لگے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ اور یہ اسناد صحیح ہے................ نیز صحیح روایت ابن مسعودؓ سے وہی ہے جو بخاری نے بواسطہ ابو معمر کے روایت کیا اور اخراج کیا اس کا بہت ائمہ حدیث نے طرق متعدّدہ اور اسانید صحیحہ سے۔ پھر جب ثابت ہو گیا یہ امر عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ اور صحابہ کرامؓ سے کہ وہ بعد آپؐ کی وفات کے اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ کہتے تھے تو واجب ہے اتباع اس کا ہم پر[2] ان آثار سے یہ امر صاف ہو گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتقاد یہی تھا کہ بعد وفات کے آنحضرت ﷺ ہمارے سلام کو نہیں سنتے ہیں۔ پھر نِدا کرنا ناجائز ہو گا تو جب سلام پڑھنا ندا کے ساتھ مختلف فیہ ہوا پھر مطلق ندا کا کیا حال ہو گا وہ کیونکر درست ہو گی۔ اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں لیکن یہ زندگی دنیا کی سی زندگی نہیں ہے۔ بلکہ ایک قسم کی حیاتِ برزخی ہے۔ جس کا ادراک ہم لوگوں کو نہیں ہو سکتا اور جو شخص یہ سمجھے کہ رسول اللہ ﷺ ہر جگہ اور ہر مقام میں پکار پکارنے والے کی سُن لیتے ہیں اور اس کی حاجت روائی کرتے ہیں تو وہ مشرک ہے۔ کیونکہ یہ صفت اللہ جل جلالہٗ کی ہے کہ ہر جگہ اور ہر مکان سے سُنتا ہے اور ہر ایک کی حاجت اور مراد برلاتا ہے۔ سوائے اللہ جل جلالہٗ کے کسی نبی یا ولی میں یہ قدرت نہیں ہے"[3]

قارئین غور کیجئے کہ علّامہ کا یہ بیان بہت سوں کیلئے تازیانہ عبرت ہے۔ نیز یہ بھی سوچئے کہ کیا آپ بھی تشہد میں صحابہؓ کی طرح اَلسَّلَامُ عَلَی النَّبِیِّ پڑھتے ہیں یا مشرکانہ نِدا کرتے ہیں؟ ہمارے موصوف تو صحابہؓ کے عمل کو نہیں مانتے اور مشرکانہ ندا ہی پر اصرار کرتے ہیں! (اعوذ باللہ)

۳۲۔ تشہد کے بعد کیا پڑھا جانا چاہئے۔ اس بارے میں کعب بن عجرہؓ سے روایت ہے کہ

"ایک مرتبہ ہم نے رسول اکرم ﷺ سے کہا، یارسول اللہ آپ پر سلام پڑھنے کی ترکیب تو ہم نے معلوم کرلی ہے مگر یہ بتا دیجئے کہ آپؐ پر درود کس طرح پڑھیں؟ ارشاد ہوا کہو: اللّٰھم صلی علیٰ محمد و علیٰ اٰل محمد کما صلیت علیٰ اٰل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللھم بارک علیٰ محمد کما بارکت علیٰ اٰل

[1] موطأ امام مالک۔ کتاب الصلوٰۃ، باب التشھد فی الصلوٰۃ۔ ص ۸۰۔ [2] موصوف کے متبعین اور دیگر اہل سنت حضرات کیلئے علّامہ کی یہ تفصیل باعث عبرت ہونی چاہئے جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایک صحابیؓ کا عمل تھا یا صرف ایک صحابیؓ نے روایت کیا۔ جبکہ علّامہ نے یہاں کتنوں کی روایت کا خلاصہ دے دیا پھر محدثین و شارحین دونوں ہی کے حوالے دے دیئے۔ اب کیا شک رہ گیا کہ اپنی صلوٰۃ کو صحیح نہیں کرتے اور بقول علامہ ہی کے مشرکانہ نِدا کرتے ہیں۔ [3] موطا امام مالک۔ ص ۸۱۔ ۸۲

ابراھیم انک حمید مجید "[۱]

قارئین یہاں قابلِ غور حقیقت پھر وہی ہے :

(۱)۔ کہ اگر درود نماز کا حصہ ہے تو پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے پہلے کیوں نہیں بتایا تھا کہ نماز میں یہ بھی پڑھنا ہے؟ جب کہ یہاں پوچھنے پر بتارہے ہیں!

(۲)۔ اگر موصوف کا عقیدہ صحیح ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے منبر پر کھڑے ہو کر سب کو نماز پڑھنا سکھائی اور اُن کو جبریل نے سکھائی تو پھر رسول نے اس وقت درود پڑھنا کیوں نہیں سکھایا تھا جو بعد میں صحابہؓ کو پوچھنا پڑا؟

(۳)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تو یہ فرمایا ہوا تھا کہ "تشہد کے بعد جو دعا چاہے کرے" (جیسا کہ پیچھے تشہد والی روایت میں صحیح مسلم کے حوالہ سے گزر چکا) تو پھر اب یہ پارسی درود کہاں سے آ گیا؟

پس مطلب صاف ہے کہ اس قسم کی (نام نہاد) احادیث بعد میں ہی ٹکسالوں میں ڈھالی گئیں! ویسے بھی لفظ "درود" عربی کا لفظ نہیں ہے بلکہ پارسی کا لفظ ہے جس کے معنیٰ ہیں "جڑ سے کاٹنا"۔ اب پتہ نہیں یہاں اس کے معنیٰ **"صلّ"** کیسے ہو گئے جبکہ فارسی میں تو عربی لفظ "صلوٰۃ" کے معنیٰ "نماز" کئے جا چکے ہیں؟

۳۳۔ قارئین نماز کے اختتام پر گھوڑے کی دُموں کی طرح ہاتھ سے اشارہ کر کے سلام کرنے کی ممانعت اور سلام کا طریقہ دائیں بائیں سلامٌ علیکم کہہ کر کرنے کی روایت آپ پڑھ چکے، اب دیکھئے کہ سلام کے بعد کیا کرنا ہوتا ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں

"میں نبی کریم ﷺ کی نماز کا اختتام تکبیر سے معلوم کر لیا کرتا تھا"[۲] یعنی سلام پھیرنے کے بعد بھی اللہُ اَکْبَر بآوازِ بلند کہا جاتا تھا۔

کہئے کیا آپ کا عمل اس پر ہے؟

۳۴۔ اس کے علاوہ ثوبانؓ سے روایت ہے کہ

"رسول اللہ ﷺ جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو تین بار استغفار کرتے اور کہتے **اللھم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام** "[۳]

اس کے علاوہ اور بھی دعائیں یا ثنائیں اسی صحیح مسلم میں اسی باب میں لکھی ہوئی ہیں! کہئے کیا آپ کا ان پر عمل ہے؟

۳۵۔ تحیۃ المسجد پڑھنے کے بارے میں ابو قتادہؓ حکم سناتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی مسجد میں داخل ہو، تو اسے چاہئے کہ بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے"[۴]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ۔ باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ و سلم بعد التشھد، ص ۳۳۔۔۔ [۲] ایضاً۔ کتاب المساجد، باب الذکر بعد الصلوٰۃ، ص ۱۴۴، صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب ۵۴۵ الذکر بعد الصلوٰۃ، حدیث ۷۹۷، ۷۹۸، ص ۳۶۰، ۳۶۱۔۔۔ [۳] صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب المساجد۔ باب استحبَاب الذکر بعد الصلوٰۃ و بیان صفتہٖ، ص ۱۴۹۔۔۔ [۴] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۰۱، اذا دخل احدکم المسجد ...... حدیث ۴۲۸، ص ۲۳۸، اور صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب استحباب تحیۃ المسجد، ص ۲۳۰

کہئے کیا اس حکم رسول پر آپ کا عمل ہے؟

۳۶۔ نماز پڑھتے ہوئے اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرے تو اسے روکنے کے بارے میں ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"میں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی ایسی چیز کی طرف نماز پڑھ رہا ہو جو اسے لوگوں سے چھپالے (یعنی سُترہ) پھر کوئی شخص اس کے سامنے سے نکلنا چاہے، تو اسے چاہئے کہ اسے ہٹادے، اور اگر وہ نہ مانے، تو اس سے لڑے، اس لئے کہ وہ شیطان ہی ہے"[1]

کہئے کیا آپ اس پر عمل کرتے ہیں؟ یا عام طور پر لوگ نمازیوں کے سامنے سے گزرتے رہتے ہیں اور انہیں کوئی نہیں روکتا اور کوئی نمازی ان سے نہیں لڑتا۔ جبکہ نمازی کے آگے سے گزرنے والے کے گناہ کے بارے میں ابو جہیمؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا ہے کہ اگر نماز پڑھنے والے کے سامنے سے نکلنے والا یہ جان لیتا کہ اس پر کس قدر گناہ ہے تو اس کو نمازی کے سامنے نکلنے سے چالیس سال کھڑا رہنا پسند ہوتا۔ راوی (ابو النفر) کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ چالیس دن کہا یا چالیس مہینے یا چالیس سال"[2]

قارئین غور کیجئے کہ یہ صحیح بخاری میں اکلوتی روایت ہے اور اس کے راوی ابو لنفر صحیح مدت ہی بھول گئے! بچارے محدث نہیں تھے ورنہ ایک لاکھ روایتیں نہ بھولتے!

۳۷۔ صف میں شانہ سے شانہ اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونے کے بارے میں انسؓ روایت کرتے ہیں

"ہم میں سے ہر شخص اپنا شانہ اپنے پاس والے کے شانہ سے اور اپنا قدم اس کے قدم سے ملا کر کھڑا ہوتا تھا"[3]

کہئے کیا آپ بھی صف اسی طرح بناتے ہیں یا ڈھیلی ڈھالی، بد دلی اور بد نظمی سے بناتے ہیں؟

۳۸۔ سفر میں نماز قصر کر کے پڑھنے کے بارے میں عروہؒ حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ:

"انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے فرض کی نماز دو ۲ دو ۲ رکعت حضر میں بھی اور سفر میں بھی۔ پھر سفر کی نماز ویسی ہی رہی اور حضر کی بڑھادی گئی۔ زہری نے کہا میں نے عروہؒ سے پوچھا کہ پھر حضرت عائشہؓ سفر میں پوری نماز کیوں پڑھتی تھیں؟ تب انہوں نے کہا کہ حضرت عائشہؓ نے وہی تاویل کی جو تاویل حضرت عثمانؓ نے کی (یعنی وہ بھی پوری پڑھتے تھے)"[4]

کہئے قارئین آپ سفر میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں؟

---

۱۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۴۱۔ لیردّ المصلی من مر بین یدیہ، حدیث ۴۸۲، ص ۲۵۶، و صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، بابُ سترۃ المصلّی ......، ص ۸۹۔۔۔ ۲۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ۔ باب ۳۴۲، اثم المآرّ بین یدی المصلی۔ حدیث ۴۸۳، ص ۲۵۶۔۔۔ ۳۔ ایضاً، کتاب الاذان، باب ۴۶۷، الزاق المنکب بالمنکب والقدم بالقدم فی الصف، حدیث ۶۸۶، ص ۳۲۳۔۔۔ ۴۔ صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا۔ مسافر کی نماز کا بیان۔ ص ۲۱۲۔ ۲۱۳

یہاں یہ بھی غور کر لیں کہ اس روایت کی راوی بھی حضرت عائشہؓ ہی بتائی گئی ہیں کہ "سفر اور حضر کی دو ۲ دو ۲ رکعتیں ہی فرض ہوئی تھیں"۔ اور وہ خود اس پر عمل نہیں کر رہیں! گویا کہ وہ اور حضرت عثمانؓ فرض کے خلاف عمل کر رہے ہیں یہ دونوں کون ہیں جو کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے بہت قریب اور محبّین ہیں اور وہ عمل فرض کے خلاف کر رہے ہیں! کیوں؟ اس لئے کہ اصل میں ہر سفر میں قصر فرض ہی نہیں بلکہ قصر مشروط ہے خوف کے ساتھ۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

"وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ۝"

ترجمہ: اور اگر تم سفر میں ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کر لو **بشرطیکہ** تمہیں یہ **خوف** ہو کہ کافر (اچانک تم پر حملہ کر کے) تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے، بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں" (النساء:۱۰۱)[۱]

قارئین غور کیجئے یہ موصوف ہی کا ترجمہ ہے اور کتنا واضح ہے کہ سفر کی حالت میں اگر کفار کی طرف سے فتنہ کا خوف ہو تو نماز قصر کی جا سکتی ہے۔ مگر آفرین ہے ان بڑے دل والوں پر جنہوں نے قرآنی آیت کے بالکل خلاف اور قرآنی حکم سے زائد حکم کی (نام نہاد) احادیث ڈھالیں اور عام سفر میں بھی نماز قصر کرنے کی ترکیب نکال لی! کہئے کیا اس قسم کی روایات رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف سے ہو سکتی ہیں؟ کیا وہ قرآنی احکامات میں اپنی طرف سے کچھ رد و بدل کر سکتے تھے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"آپ کہہ دیجئے کہ مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اپنی طرف سے اس میں رَدّوبدل کر دوں"[۲] (۱۵/۱۰)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

"اور اگر یہ رسول کوئی بات (بنا کر) ہماری طرف منسوب کر دے ○ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے ○ اور ان کے دل کی رگ کاٹ ڈالتے ○ تو پھر تم میں سے کوئی بھی (ہم کو) اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا ○"[۳] (۶۹/۴۷-۴۴)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں کسی طرح کی رَدّوبدل یا گھٹانے بڑھانے پر کیسی سخت وعید ہے!

قارئین ہمیں یقین ہے کہ اس قسم کی روایات جو کہ قرآن کریم سے زائد اور اس کے حکم کے خلاف ہیں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی نہیں ہو سکتیں بلکہ یہ پارس یا روم کی کسی ٹکسال میں ڈھالی گئی ہیں۔ اسی طرح سے یہ بھی صحیح نہیں ہے کہ پہلے نماز دو ۲ دو ۲ رکعت فرض ہوئی تھی پھر سفر کی تو دو رکعت ہی رہی لیکن حضر کی بڑھا کر چار رکعت کر دی گئی (اور تین رکعت کا ذکر بکری کھا گئی!) ہمارے خیال میں کتابُ اللہ کے مطابق یہ تبدیلی اللہ کے قانون کے خلاف ہے یونکہ وہ خود فرماتے ہیں کہ:

"اور (اے رسول) آپ کے رب کا کلام حق و انصاف سے بھرپور ہے، **اس کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا،** وہ سننے والا اور علم والا ہے" (۶/۱۱۶)[۴]

---

۱۔ "تفسیر قرآن عزیز" جزء۔۳، سورہ النساء، آیت ۱۰۱۔ ص ۳۲۵۔۔۔۲۔ ایضاً۔ جزء۔۵۔ سورہ یونس آیت ۱۵، ص ۴۶،۔۔۔۳۔ ایضاً۔ جزء۔۱۰، سورہ الحاقۃ، آیت ۴۴-۴۷، ص ۲۹۔۔۔۴۔ ایضاً۔ جزء۔۴، سورہ الانعام۔ آیت ۱۱۶، ص ۱۹۴

ظاہر ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے دو ۲ دو ۲ رکعت فرض کی تھیں تو وہ حق وعدل پر مبنی تھیں اس لئے ان کے بدلے جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے غلطی نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ غلطیوں سے سیکھتا ہے (Principle of trial and error)۔ نیز قصر والی آیت کے الفاظ خود اس حقیقت کی گواہی دے رہے ہیں اور دو ۲ دو ۲ رکعت کی نماز فرض ہونے کی روایت کی نفی کر رہے ہیں۔ غور کیجئے:

"اور اگر تم سفر میں ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کر لو بشرطیکہ" ......... **قَصَرَ** کے معنٰی ہیں "کم کرنا"[1]۔ بات ہو رہی ہے سفر میں نماز کم کرنے کی تو اگر نمازِ سفر پہلے ہی دو رکعت تھی تو وہ تو کم کر کے ایک رہ جائے گی مگر روایات کی رُو سے سفر میں کم کر کے دو پڑھی جاتی ہیں (اور مغرب کی تین ہی رہتی ہیں) پس ثابت ہوا کہ نمازِ سفر دو رکعت نہیں تھی۔ بلکہ نماز چار رکعت سے کم کر کے دو رکعت پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ ظاہر ہے قصر یا کم کرنے کا لفظ جب ہی استعمال ہو گا جب کہ وہ چیز زیادہ ہو گی۔ ورنہ اگر وہ چیز پہلے ہی سے کم تھی یعنی صرف دو رکعت تھی تو پھر آیت کے الفاظ کچھ اور ہوتے اور ان میں کم کرنے کا ذکر نہیں ہوتا۔ افسوس کہ ہمارے علما کرام نہ تو لفظ "قصر" ہی پر غور کرتے ہیں اور نہ ہی الفاظ "اِن خِفۡتُمۡ" پر غور کرتے ہیں کہ یہ آیت عام سفر کیلئے نہیں بلکہ اس سفر کیلئے ہے جس میں خوف بھی ساتھ ساتھ ہو۔ اور جب علما کرام ہی غور و فکر نہیں کرتے (حالانکہ اللہ تعالیٰ غور و فکر کرنے کا بار بار حکم دیتے ہیں ۸۲/ ۴، ۲۱۹/ ۲، ۷۳/ ۲۵ وغیرہم) تو پھر علمائے پارس کی قرآن کریم کے خلاف سازش بنامِ حدیث کامیاب ہو جاتی ہے اور عوام النساس سفر کی نماز بغیر کسی خوف و خطر کی حالت کے قصر کر کے ہی پڑھتے ہیں اور قرآن کریم کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں (اعوذ باللہ) اس مقام پر آپ کو دھوکہ دیا جائے گا کہ سفر کی دو قسمیں ہیں۔ تو آپ دھوکہ میں نہ آیئے علما جتنی چاہیں جس چیز کی قسمیں بنالیتے ہیں۔ آپ ان سے سوال کیجئے کہ یہ دو قسمیں قرآن کریم میں دکھادو۔

دوسرا دھوکہ آپ کو یہ دیا جائے گا کہ اوپر کی (نام نہاد) حدیث میں یہ ذکر نہیں ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ یا صحابہؓ کبار سفر میں دو رکعت پڑھتے تھے تو لیجئے ہم آپ کو اسی صحیح مسلم سے اس کی روایات بھی دکھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

(۱)۔ عبد اللہ ابن عباسؓ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبان پر حضر میں چار رکعت مقرر کر دی اور سفر میں دو اور خوف میں ایک"[2]

............ کہئے یہاں تو بات اور واضح ہو گئی کہ تینوں موقعوں پر رکعتیں مختلف ہیں!

اور سنئے:

(۲)۔ موسیٰ بن سلمہؓ سے مروی ہے کہ میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا کہ جب میں مکّہ میں ہوں (یعنی سفر میں) اور امام کے ساتھ نماز نہ ہو تو کیسے نماز پڑھوں؟ انہوں نے فرمایا کہ دو ۲ رکعت ادا کرنی سنت ہے ابو القاسم ﷺ کی"[3]

.............. کہئے کیا اب کوئی شک رہ گیا کہ عام سفر میں مکہ جیسی جگہ میں بھی سفر کی دو رکعت پڑھی جاتی تھیں۔ غور کیجئے کہ مکہ سے زیادہ بھی کوئی جگہ امن کی ہو سکتی ہے؟ جہاں کسی خوف کا سوال ہی نہیں۔ وہاں بھی نماز دو

---

[1]۔ ایضاً۔ جزء۔ ۳، سورہ النسآء، آیت ۱۰۱ معانی و مصادر۔ ص ۳۲۵۔۔۔ [2]، [3]، صحیح مسلم۔ جلد ۲، کتاب صلٰوۃ المسافرین و قصرھا۔ مسافر کی نماز کا بیان۔ ص ۲۱۳، ۲۱۵

رکعت! اور سنئے:

(۳)۔ انس بن مالکؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ میں ظہر کی چار رکعتیں پڑھیں اور ذوالحلیفہ میں عصر کی دو رکعت"۔ [۱]

.............یعنی رسول اللہ سلامؑ علیہ نے مدینہ سے باہر نکلتے ہی صرف چھ یا سات میل کے فاصلہ پر ذوالحلیفہ میں قصر کر کے عصر کی صرف دو رکعت پڑھیں۔ اب تو کوئی شک نہیں رہا۔

۳۹۔ کتنے فاصلہ پر سفر شمار ہو گا کہ قصر کی جائے کے بارے میں یحییٰ بن یزیدؒ نے کہا کہ:

"میں نے انسؓ بن مالک سے نماز قصر کا حال پوچھا تو انہوں نے کہا کہ جب رسول اللہ ﷺ تین میل یا تین فرسخ نکلتے، شعبہ کو اس میں شک ہے، تو دو رکعت پڑھتے" [۲]

قارئین یہ صحیح مسلم کی روایت ہے۔ صحیح بخاری کے ابواب تقصیر الصلوٰۃ میں اس سلسلہ میں کوئی روایت نہیں حالانکہ امام بخاری نے باب لگایا ہے اور تعلیقاً فاصلہ بھی دیا ہے مگر کوئی روایت نہیں لکھ سکے۔ ان کا باب ملاحظہ ہو:

"باب کتنی مسافت میں نماز قصر کرے اور نبی ﷺ نے ایک دن اور ایک رات کو بھی سفر ہی کہا، اور ابن عمرؓ و ابن عباسؓ چار [۴] برید کی مسافت کے سفر میں قصر کرتے، اور افطار کرتے۔ اور چار برید سولہ فرسخ کے ہوتے ہیں" [۳]

اس باب کے تحت اس سے متعلقہ کوئی (نام نہاد) حدیث نہیں ہے بلکہ عورت کے بغیر محرم کے سفر کرنے کی (نام نہاد) احادیث دی گئی ہیں۔ اسی طرح کتاب بخاری میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جو غیر متعلقہ ہیں !

قارئین آپ کتنے میل یا فرسخ یا برید کی مسافت پر قصر کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس میں آپ میں اختلاف ہی ہے یونکہ بقول ہماری کتاب صحیح مسلم کے مترجم کے انہوں نے اس روایت کے نیچے حاشیہ میں لکھا ہے:

"ذوالحلیفہ مدینہ سے چھ میل ہے اور بعضوں نے کہا سات میل ہے، اور اہل ظاہر کا یہی مذہب ہے کہ سفر خواہ چھوٹا ہو خواہ بڑا قصر جائز ہے۔ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جب تک دو منزل کا سفر نہ ہو قصر رَوا نہیں، اور امام ابو حنیفہ کا اور ایک گروہ کا مذہب یہ ہے کہ تین منزل کا سفر ضروری ہے.........." [۴]

مقصد یہ کہ (نام نہاد) احادیث کی بہتات، یعنی شرح کے ہوتے ہوئے بھی اختلاف ختم نہیں ہوا۔ جبکہ ہمارے موصوف کے عقیدہ کے مطابق (نام نہاد) احادیث اختلاف ختم کر دیتی ہیں! کہئے ہے نا مضحکہ خیز عقیدہ!

آگے حاشیہ میں مترجم صاحب "تحقیق مقدار میل و فرسخ و گز" پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میل اونٹ کے چار ہزار (۴۰۰۰) قدم ہیں اور صاحب برہان نے لکھا ہے کہ میل چار ہزار گز ہے۔ اور ہر گز چھ مُٹھی کا ہے۔ اور صاحب سراج نے لکھا ہے کہ میل چار ہزار گز ہے اور ہر گز چوبیس [۲۴] اُنگل کا۔ اور فرسخ تین میل کو کہتے ہیں۔ اور مراد انسؓ کی یہ ہے کہ جب بستی سے تین میل دُور ہو جاتے تب قصر کرتے

---

[۱] صحیح مسلم۔ جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا۔ مسافر کی نماز کا بیان۔ ص ۲۱۳، ۲۱۵۔۔۔ [۲] ایضاً۔ ص ۲۱۵۔۔۔ [۳] صحیح بخاری جلد۔ ۱، ابواب تقصیر الصلوٰۃ، باب ۶۹۷، ص ۴۳۳۔۔۔ [۴] صحیح مسلم۔ جلد۔ ۲۱، حاشیہ بر ص ۲۱۵

مگر یہ روایات قرآن کے خلاف ہیں اس لئے کہ منطوقِ قرآن یہ ہے کہ جو مسافر ہو قصر کرے۔ اور جب آدمی بستی سے باہر ہوا مسافر کہلایا خواہ ایک میل بھی نہ گیا ہو پس اس کو قصر روا ہو گیا ہے "[1]

قارئین اس تحقیق سے آپ کو صحیح مسلم کے مترجم و محشّی کی علمی قابلیت اور قرآن فہمی کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ ان کا اندازِ تحقیق کیا ہے: کہ فلاں نے لکھا اور فلاں نے لکھا۔ مگر کوئی نتیجہ یا حتمی فاصلہ نہ پیش کر سکے! اسی طرح قرآن فہمی کا یہ عالم کہ فرماتے ہیں کہ "جو مسافر ہو قصر کرے"! بہر حال ایسا اس لئے ہے کہ ان کا تعلق بھی اہل حدیث فرقہ ہی سے تھا۔ اور (نام نہاد) احادیث ان کے دماغ پر چھائی ہوئی تھیں اس لئے وہ کوئی تحقیق سائنٹفک لائنز پر نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی قرآن کو سمجھ سکتے تھے کہ یہ سائنس کی طرح دوٹوک بات کرتا ہے اور اسی کو محکمات کہتے ہیں یعنی محکم، واضح بات، اور اسی کو ام الکتاب کہتے ہیں۔

اس سفر کی مسافت کے سلسلہ میں ہمارے موصوف کی تحقیق یہ ہے کہ:

"نو ہزار گز، پانچ (پاکستانی) میل یا آٹھ کلو میٹر سے کچھ زائد ہوتے ہیں"[2]

۴۰۔ "جو مسافر ہو (شروع سفر ہی سے) قصر کرے" کے بارے میں صحیح مسلم میں کوئی روایت نہیں سوائے مترجم صاحب کے اوپر کے قول کے۔ امام بخاری نے البتہ باب ضرور باندھا ہے اور تعلیقًا روایت بھی پیش کی ہے مگر اس باب کے تحت کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکے۔ ان کا باب و تعلیق ملاحظہ ہو:

"باب جب اپنے گھر سے نکلے تو قصر کرے۔ علیؓ بن ابی طالب گھر سے نکلے، تو نماز میں قصر کیا، اس حال میں کہ وہ گھروں کو دیکھ رہے تھے، جب وہ واپس ہوئے تو ان سے کہا گیا کہ یہ تو کوفہ ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں جب تک کہ ہم وہاں داخل نہ ہوں"[3]

اگر آپ اس مسئلہ پر عقل سلیم سے غور کریں تو یہ بالکل سیدھا سادھا معاملہ ہے کہ جب سفر کے ارادہ سے نکل پڑا تو پھر سفر شروع ہو گیا۔ خواہ کتنا ہی فاصلہ طے کیا ہو۔

کہئے آپ کیا کرتے ہیں؟

۴۱۔ کتنے دن تک سفر شمار کیا جاتا ہے اس سلسلہ میں حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ انیس دن ٹھہرے اور قصر کرتے رہے چنانچہ جب ہم بھی سفر کرتے تو انیس دن تک قصر کرتے اور اگر اس سے زیادہ ٹھہرتے تو پوری نماز پڑھتے تھے"[4]۔

قارئین غور کیجئے کہ یہ معاملہ بھی عقل سلیم کے مطابق ہی طے ہو گا کہ جتنے دن آدمی سفر میں رہے گا اتنے دن

---

۱۔ ایضاً۔ نوٹ: قارئین غور کریں کہ مترجم صاحب صحیح مسلم کی روایات کو قرآن کے خلاف قرار دے کر انکارِ حدیث کر رہے ہیں مگر ان کا شمار اہل حدیثوں کے جیّد علما میں ہوتا ہے اور وہ علامہ اور فرید عصر وغیرہ کے القاب سے یاد کئے جاتے ہیں کہئے ہے نا عجیب بات! اگر ہم ایسا کریں تو منکرِ حدیث قرار دیدیئے جاتے ہیں۔ آخر یہ دورُخی کیوں ہے؟ ۔۔۔ ۲۔ صلوٰۃ المسلمین۔ صلوٰۃ المسافر۔ نوٹ بر ص ۲۶۴ ۔۔۔ ۳۔ صحیح بخاری، جلد۔ ۱، ابواب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب ۶۹۸، ص ۴۳۳ ۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ باب ۶۹۴، ماجآء فی التقصیر و کم یقیم حتی یقصر۔ حدیث ۱۰۱۵، ص ۴۳۲

قصر کرے گا۔ اس میں دنوں کا تعین کیسے کیا جا سکتا ہے۔ کہئے آپ کیا کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس میں بھی اختلاف ہی ہے اور (نام نہاد) احادیث اپنے ہی پیدا کردہ مسئلہ کو آج تک حل نہ کر سکی ہیں! البتہ ہمارے موصوف نے اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے اور انہوں نے اوپر کی (نام نہاد) حدیث کا انکار یہ کہتے ہوئے کر دیا ہے کہ: "مسافر کے لئے قرآن وحدیث میں ایسی کوئی مدّت مقرر نہیں کہ اس مدت سے زیادہ کہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر نہ کرے"[1]۔ قارئین غور کیجئے کہ وہ صحیح بخاری کی اس (نام نہاد) حدیث کے انکار کے باوجود منکرِ حدیث نہیں ہوئے لیکن اگر ہم اس پر کوئی تبصرہ بھی کر دیں تو منکرِ حدیث اور کافر و گمراہ قرار دیدیئے جاتے ہیں!

۴۲۔ سفر میں سنتیں پڑھنے کے بارے میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں سفر میں رہا اور کبھی آپ کو سنت پڑھتے نہیں دیکھا۔ اگر مجھے سنت پڑھنی ہوتی تو میں فرض ہی پورے کرتا"[2]

قارئین! جو لوگ سفر میں بھی سنتیں پڑھتے ہیں وہ اس روایت پر غور کریں

۴۳۔ عشاء کی نماز کے بعد لوگ عام طور پر وتر کی تین ۳ رکعتیں پڑھتے ہیں مگر (نام نہاد) احادیث کے مطابق وتر ایک رکعت ہے۔ دیکھئے:

"عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے وتر ایک رکعت ہے آخر رات میں"[3]

جبکہ بخاری کی روایت میں ہے کہ

"وتر کو رات کی آخری نماز بناؤ"[4]

کہئے آپ تو وتر تین رکعتیں پڑھتے ہیں اور اس کو بھی سب سے آخر میں نہیں پڑھتے بلکہ اس کے بعد بھی دو نفل پڑھتے ہیں۔ حالانکہ وتر کے معنی ہی طاق بنانے کے ہیں۔ صحیح بخاری کی دوسری روایت میں ہے کہ:

"جب تو نماز سے فارغ ہونے کا ارادہ کرے تو ایک رکعت پڑھ لے جو تیری تمام نماز کو وتر بنا دے گا"[5]

کہئے کیا آپ اس (نام نہاد) حدیث پر عمل کرتے ہیں؟

۴۴۔ مسافر کو واپس آ کر پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت پڑھنا چاہیئے اس بارے میں مالک بن کعبؓ سے روایت ہے کہ:

"رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی جب سفر سے آتے پھر دن چڑھے داخل ہوتے (شہر میں) اور پہلے مسجد میں جاتے اور دو رکعت پڑھتے مسجد میں بیٹھتے"[6]

کہئے آج کتنے اہل حدیث و اہل فقہ اس پر عمل کرتے ہیں؟

---

۱۔ ایضاً۔ صلوٰۃ المسافر آخر میں نوٹ بر ص ۲۶۵ ۔۔۔ ۲۔ صحیح مسلم۔ جلد۔ ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین و قصرھا۔ مسافر کی نماز کا بیان۔ ص ۲۱۴ ۔۔۔ ۳۔ ایضاً، باب صلوٰۃ الیل وعدد رکعات النبی۔ ص ۲۵۱ ۔۔۔ ۴۔ صحیح بخاری جلد ۱۔ ابواب الوتر، باب ۶۳۱، لیجعل اٰخِرہ صلٰوتہٖ وترًا (وتر کو آخری نماز بنانا چاہئے) ص ۴۰۶ ۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۴۰۵ ۔۔۔ ۶۔ صحیح مسلم، جلد۔ ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب مسافر کو پہلے مسجد میں آکر دو رکعت پڑھنا چاہئے۔ ص ۲۳۱، و صحیح بخاری جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ، باب ۳۰۰ الصلوٰۃ اذا قدم من سفر و ... تعلیقاً۔ ص ۲۳۷

۴۵۔ مغرب کی نماز پڑھنے سے پہلے اذان کے بعد دو رکعت پڑھنے کے بارے میں حضرت انسؓ سے روایت ہے (نیز عبد اللہ مزنی سے بخاری میں روایت ہے) کہ

"ہم لوگوں کی عادت تھی کہ جب مؤذن مغرب کی اذان دیتا تھا سب لوگ ستونوں کی آڑ میں دَوڑ کر دو رکعت پڑھتے تھے یہاں تک کہ نیا آدمی اگر مسجد میں آتا تھا تو وہ سمجھتا تھا کہ نماز ہو چکی"[۱]۔

کہئے آپ میں سے کتنے اہل حدیث اور اہل فقہ یہ رکعتیں مغرب کی نماز سے پہلے پڑھتے ہیں؟

۴۶۔ رات کی نماز جس کو تہجد یا تراویح بھی کہتے ہیں کہ بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

"نبی ﷺ کی رات کی نماز سات، نو اور گیارہ رکعتیں فجر کی دو رکعتوں کے علاوہ ہوتی تھیں"[۲]

کہئے آپ میں سے تو اکثر بیس رکعتیں اور وتر ان کے علاوہ پڑھتے ہیں! کیا یہی سنتِ رسول ان (نام نہاد) احادیث کے مطابق ہے؟

۴۷۔ صبح کی نماز میں عورتوں کی شرکت کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ صبح کی نماز جب پڑھ چکتے تھے، تو عورتیں اپنی چادروں میں لپٹی ہوئی لوٹتی تھیں اور اندھیرے کے سبب پہچانی نہ جاتی تھیں"[۳]

۴۸۔ رات کی نماز میں عورتوں اور بچوں کی شرکت کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن عشاء کی نماز میں) تاخیر کر دی، یہاں تک کہ عمرؓ نے آپؐ کو آواز دی، کہ عورتیں اور بچے تو سو گئے، پس رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے......"[۴]

کہئے قارئین آپ میں سے کتنے حدیث کے ماننے والوں کا اس پر عمل ہے؟ کیا آپ کی عورتیں اور بچے بھی مساجد میں نمازوں میں شریک ہوتے ہیں؟ آپ کہیں گے کہ یہ تو صرف فجر اور عشاء کی نمازوں کا ذکر ہے! ہم کہتے ہیں کہ چلئے آپ ان ہی دو اوقات میں عورتوں اور بچوں کی نماز باجماعت میں شرکت دکھا دیجئے ورنہ پھر اس سوالِ دعویٰ سے دستبردار ہو جایئے کہ بغیر (نام نہاد) حدیث کے ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ اس سوالِ دعویٰ کے کرنے والوں کو شرم آنا چاہئے کہ انہوں نے اپنی پچاس فیصد آبادی (یعنی عورتوں) کو اس سعادت سے محروم کر رکھا ہے۔ نیز سنتِ رسول کی بات کرنے والے اور سنت سے عشق کرنے والے ذرا اپنی اداؤں پر غور کریں! کیا وہ سنتِ رسول پر عمل کر رہے ہیں؟ اس اعتراض پر یہ جواب دینا کہ عورتوں کا مسجدوں میں آنا ملاؤں اور اماموں نے بند کر دیا تھا ایک شیطانی جواب ہے! غور

---

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد ۲، کتاب فضائل القرآن، باب استحباب رکعتیں قبل صلوٰۃ المغرب، ص ۳۰۴ و صحیح بخاری، جلد۔۱، ابواب التہجد، باب ۷۴۸، حدیث ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ص ۴۵۹۔۔۔ ۲۔ صحیح بخاری۔ جلد ۱، ابواب تقصیر الصلوٰۃ۔ باب ۷۲۳، کیف کان صلوٰۃ النبی و کم کان النبی یصلی من الیل ۔ حدیث ۱۰۶۸، ص ۴۴۷ و صحیح مسلم ۔ جلد ۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین، باب صلوٰۃ الیل و عدد رکعات النبی فی اللیل ا ان الوتر رکعۃ ...... ص ۲۴۱، ۲۴۲ ۔۔۔ ۳۔ صحیح بخاری، جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ۔ باب ۵۵۲، خروج النساّء الی المساجد باللیل و الغلس (رات کے وقت اور اندھیرے میں عورتوں کا مسجد میں جانا)۔ حدیث ۸۲۲، ص ۳۶۸ و صحیح مسلم ، جلد ۲ ، کتاب المساجد ، باب استحباب التکبیر بالصبح ص ۱۸۰۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ حدیث ۸۱۹، ص ۳۶۷

کیجئے کیا یہ جواب اللہ ورسول کی منشاء کے مطابق ہے یا خلاف ہے؟ جس عمل کو اللہ ورسول نے منع نہیں فرمایا اسے ملّا یا امام کیسے منع کر سکتا ہے؟ اور اگر وہ منع کرتا ہے تو یقیناً اپنے کو اللہ ورسول سے بالاتر ثابت کرنا چاہتا ہے! عمل شیطان اور کس کو کہتے ہیں؟

۴۹۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا حکم حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ بتاتے ہیں کہ:

"آپ نے فرمایا کہ جب تم سے تمہاری عورتیں رات کو مسجد میں جانے کی اجازت مانگیں تو انہیں اجازت دے دو"[۱]

کہئے آپ اپنی عورتوں کو مسجد میں جانے کیلئے اجازت دیتے ہیں؟

۵۰۔ سالمؒ نے ابن عمرؓ کا اوپر کا بیان نقل کر کے کہا کہ:

"بلال بن عبد اللہؓ نے حضرت ابن عمرؓ کی زبانی یہ حدیث سننے کے بعد کہا۔ بخدا ہم ان خواتین کو باز رکھیں گے۔ جس پر حضرت عبد اللہؓ نے ان کو اتنی بُری گالی دی جو میں نے اب تک اُن سے سنی نہیں تھی۔ پھر اس کے بعد فرمایا میں تو رسول اللہ ﷺ کی حدیث تم کو بتلا رہا ہوں اور تم کہتے ہو کہ ہم خواتین کو باز رکھیں گے"[۲]۔

قارئین غور کیجئے کہ صحیح مسلم کی اس (نام نہاد) حدیث کو ہمارے موصوف حدیث کی اہمیت جتانے کے لئے اکثر ذکر کرتے ہیں مگر ان کی جماعت کا خود ان کی موجودگی میں اس پر عمل نہیں ہے۔ آپ کہیں گے کہ شاید عورتوں کا یہ کبھی کبھی کا عمل ہو تو ایسا نہیں یونکہ یہ روایات اور دیگر روایات بھی اس عمل کے دائمی عمل ہونے کی شاہد ہیں یونکہ قرآن کریم میں بھی عورتوں اور بچوں کو نماز جماعت سے کہیں استثناء نہیں دیا گیا ہے۔ دوسرے اوپر کی روایت سے صاف ظاہر ہے کہ چادر اوڑھنے کے احکام آنے کے بعد کا عمل بتایا جا رہا ہے کہ عورتیں چادریں اوڑھے یا لپیٹے ہوئے مسجد سے واپس ہوتی تھیں اور موصوف کے مطابق چادر اوڑھنے کے احکام ۴ سنہ ہجری میں نازل ہوئے تھے۔ اور یہ عمل رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد بھی اسی آن بان شان سے جاری رہا۔ دیکھئے اس کی شہادت بھی حضرت عائشہؓ دیتی ہیں کہ:

"اگر رسول اللہ ﷺ اس حالت کو معلوم کرتے (یعنی ادراک کر لیتے) جو عورتوں نے نکالی ہے تو بیشک انہیں مسجد جانے سے منع کر دیتے جس طرح بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کر دیا گیا تھا"[۳]۔

قارئین غور کیجئے کہ حضرت عائشہؓ کا دَور، خلافت راشدہ کا دَور ہے (وفات ۵۷ سنہ) اور اگر عورتوں نے واقعی کوئی حالت نکال لی تھی (جو کہ فارس اور روم کی فتح کے بعد فارسی اور رومی خواتین کے وہاں آ جانے سے عین ممکن ہے، یونکہ ان کے کلچر عرب کلچر اور پھر اسلامی کلچر سے یکسر مختلف تھے) تو اس پر نہ تو خلفائے راشدین جیسے جلیل القدر صحابہؓ کبار انہیں مسجد جانے سے روک سکے اور نہ ہی مومنین کی جلیل القدر ماں محترم ان کو روک سکیں، یونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مساجد میں جانے سے نہیں روکا، بلکہ اسلام ان کے لئے بھی ویسا ہی نازل کیا جیسا کہ مردوں کے لئے نازل کیا۔

---

[۱] ایضاً۔ حدیث ۸۲۰، ص ۳۶۷ و صحیح مسلم۔ جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ۔ باب خروج النساء الی المساجد۔ ص ۵۵۔۔۔ [۲] صحیح مسلم۔ جلد ۲، کتاب الصلوٰۃ، باب خروج النساء الی المساجد ......... ص ۵۴۔۔۔ [۳] صحیح بخاری۔ جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ۔ باب ۵۵۲ خروج النساء الی المساجد باللیل و الغلس۔ حدیث ۸۲۴، ص ۳۶۸

مگر افسوس کہ بعد میں فرقہ وارانہ علماکرام واماموں نے ان کو مساجد میں جانے سے روک کر اللہ اور رسول کی کھلی دشمنی کا ثبوت دیا اس کا نتیجہ ہے کہ آج مائیں اسامہ بن زید، محمد بن قاسم، جیسے سپوت پیدا کرنے اور تربیت دینے کی صلاحیت سے محروم ہیں۔ مسلمین کی پچاس فیصد آبادی کو مسجد سے روک کر نہ صرف اجتماعی عمل سے کاٹ دیا گیا بلکہ دینی تعلیم اور دینی معاملات اور اس کے فہم وادراک تک سے کاٹ دیا گیا۔ غور کیجئے تو یہ بھی قرآن کے خلاف سازش ہی کا حصہ تھا اور ہے۔ یونکہ ماں ہی بچے کی پہلی استاد اور تربیت کنندہ ہوتی ہے۔ اس کو جاہل کر دو تو اولاد بھی جاہل اور نیم جاہل ہو جائے گی۔ اسے بزدل کر دو تو اولاد بھی بزدل ہو جائے گی یونکہ رات کو وہی سچی جھوٹی کہانیاں سنا کر بچوں کو سلاتی ہے۔ اور انہیں بہادر جنگجوؤں اور جن و بھوت سے ڈراتی ہے!

قارئین یہاں ایک اور مذہبی داستان بھی صاف کرتے چلیئے۔ عام طور پر یہ مشہور کر دیا گیا ہے کہ عورتوں کو مساجد میں آنے کی ممانعت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دَورِ خلافت میں کر دی تھی! تو ان پر یہ سراسر الزام ہے یونکہ حضرت عائشہؓ کی وفات حضرت امیر معاویہؓ کے دَورِ خلافت میں ہوئی اور اوپر کی روایت کی وہی راوی ہیں اور وہ صرف یہ گمان ظاہر کرتی ہیں کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ عورتوں کی حالت کا ادراک کر لیتے تو وہ ممانعت کر دیتے۔ ان کا یہ گمان محض تنبیہی تو ہو سکتا ہے مگر حقیقی نہیں یونکہ جس چیز کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے نہیں کی (جبکہ وہ عالم الغیب ہیں اور ان کو عورتوں کی حالت کا پورا پورا ادراک تھا اور ہے) اس کی ممانعت رسول بھی نہیں کر سکتا چہ جائیکہ خلیفۂ رسول! خود حضرت عائشہؓ تمام مومنین اور امت کی ماں ہوتے ہوئے اس کی ممانعت نہ کر سکیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے بھی اس کی ممانعت نہیں کی ورنہ کسی روایت میں اس کا بھی ذکر ہوتا۔ جبکہ عورتوں کو مساجد میں جانے کی اجازت کے راوی خود حضرت عمرؓ کے بیٹے ہی ہیں (وفات ۷۳ھ) اور جب حضرت عمرؓ کے پوتے یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اپنی عورتوں کو مساجد جانے سے روک دیں گے تو حضرت عمرؓ کے بیٹے عبد اللہؓ اس پر ناراض ہو جاتے ہیں اور اپنے بیٹے کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ مقصد یہ کہ کوئی بھی اس عمل کو نہیں روک سکتا تھا۔ ہاں دَورِ صحابہؓ کے بعد سازشیوں نے شوشہ چھوڑ کر کہ دیکھو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ روک دیتے، رکوا دیا!

ظاہر ہے دین و دنیا میں سازش اسی طرح پروان چڑھتی ہے اور برائی یا غلط کام جلد ہی رواج پا جاتا ہے۔ اس کی زندہ مثالیں آپ کے چاروں طرف موجود ہیں۔ نظر دَوڑائیے۔ ابھی چند سال پہلے، پاکستان بننے کے بعد، ہمارے بچپن میں کسی ایک مُلّا نے اذان کے ساتھ صلات وسلام کے الفاظ بڑھا دیئے آج دیکھئے اکثر مساجد سے یہ بدعتی اذان سنائی دیتی ہے جو رسول اللہ اور صحابہؓ کے دَور میں نہیں ہوتی تھی۔ دوسری مثال لیجئے۔ غالباً ۱۹۶۴ء میں ایک سیاسی جماعت نے اپنی قوت کا اندازہ کرنے کیلئے ربیع الاول کے مہینے میں ”شوکت اسلام ڈے“ منانے کا اعلان کیا اور اس دن ایک بڑا جلوس شہر میں نکالا۔ آج دیکھئے وہ عید میلاد النبی کا جلوس بن کر پورے پاکستان کے ہر شہر میں رواج پا گیا ہے! کیا وہ کام جو صحابہؓ کبار نے اپنے تقریباً سو سالہ دَورِ اقتدار میں کبھی نہ کیا ہو، آج وہ بدعت کیا اسلامی رسم کہلا سکتی ہے؟

۵۱۔ عورتوں کی عید کی نماز میں شرکت اور امام کا ان کو نصیحت کرنے کے بارے میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ نے عید کے دن پہلے نماز پڑھی پھر خطبہ کہا۔ جب خطبہ سے فارغ ہوئے تو عورتوں کے پاس آئے اور انہیں نصیحت کی اس حال میں کہ آپؐ بلالؓ کے ہاتھ پر ٹیکا دیئے ہوئے تھے۔ اور بلالؓ اپنے کپڑے پھیلائے ہوئے تھے۔ جس میں عورتیں صدقہ ڈال رہی تھیں۔ میں نے عطاء سے پوچھا کہ صدقہ فطر دے رہی تھیں، تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ صدقہ کر رہی تھیں۔ اس وقت اگر ایک عورت اپنا چھلّا ڈالتی تو دوسری بھی ڈالتیں۔ میں نے عطاء سے پوچھا کہ کیا آپ کے خیال میں امام پر یہ واجب ہے کہ وہ عورتوں کو نصیحت کرے۔ انہوں نے کہا کہ بلاشبہ یہ واجب ہے۔ انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایسا نہیں کرتے" [1]

غور کیجئے آج فقہی و حدیثی نماز پڑھنے والوں کے ہاں عورتیں عید کی نماز میں کیوں شریک نہیں ہوتیں؟ آج امام صاحبان عورتوں کو وعظ و نصیحت کیوں نہیں کرتے؟ عورتوں سے یہ دشمنی کیوں کہ اچھے کاموں میں سے انہیں کاٹ کر گھروں میں قید کر دیا گیا ہے؟ کیا یہ سب سازش کے تحت نہیں ہو رہا ہے؟

۵۲۔ اور دیکھئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے دَور میں عورتیں کیا کیا کرتی تھیں اور عیدین کی نماز میں شرکت کرنے کے لئے انہیں حکم دیا جاتا تھا۔ دیکھئے حفصہؒ بنت سیرین روایت کرتی ہیں کہ:

"ہم لوگ اپنی لڑکیوں کو عید کے دن نکلنے سے روکتی تھیں، ایک عورت آئی اور قصر بنی خلف میں اُتری' میں اس کے پاس پہنچی تو اس نے بیان کیا کہ اس کی بہن کا شوہر نبی ﷺ کے ساتھ بارہ غزوات میں شریک ہوا تھا۔ تو اس کی بہن چھ غزوات میں اپنے شوہر کے ساتھ تھی اور اس نے بیان کیا کہ ہم لوگوں کا کام مریضوں کا علاج اور زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا تھا [2]۔ تو اس نے کہا کہ یارسول اللہ کیا ہم لوگوں میں سے کسی کے لئے اس باب میں کوئی مضائقہ ہے کہ وہ (عید کے دن) نہ نکلے، اگر اس کے پاس چادر نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کی ہمجولی اسے اپنی چادر اُڑھا دے اور چاہئے کہ وہ لوگ نیک کام میں شریک ہوں اور مومنین کی دعا میں حاضر، حفصہ نے کہا کہ جب ام عطیہؓ آئیں تو میں ان کے پاس پہنچی اور ان سے پوچھا کہ آپ نے اس کے متعلق کچھ سُنا ہے تو انہوں نے کہا ہاں، آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں، اور جب کبھی بھی وہ نبی ﷺ کا نام لیتیں تو یہ ضرور کہتیں کہ میرے ماں باپ اُنؐ پر فدا ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ پردے والی عورتیں باہر نکلیں، یا یہ فرمایا کہ پردے والی اور جوان عورتیں نکلیں، (ایوب کو شک ہوا) حائضہ عورتیں بھی نکلیں لیکن وہ نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں، اور نیک کام اور مومنین کی دعا میں شریک ہوں۔ حفصہ کا بیان ہے کہ میں نے ام عطیہؓ سے کہا کہ حائضہ عورتیں بھی نکلیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا حائضہ عرفات میں اور فلاں فلاں جگہ میں نہیں آتی ہیں" [3]

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ کتاب العیدین، باب ۶۲۰ موعظة الامام النساء یوم العید، حدیث ۹۲۵، ص ۴۰۰، اور صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ کتاب صلوٰۃ العیدین۔ عن جابرؓ ص ۳۳۴۔۔۔ [2] خواتین کے بارے میں کتنی اہم بات ہے۔ مگر مُلّا اس کو نہیں مانتے۔۔۔ [3] صحیح بخاری۔ جلد ۱، کتاب العیدین۔ باب ۶۲۱، اذا لم یکن لها جلباب فی العید۔ حدیث ۹۲۶، ص ۴۰۱، اور صحیح مسلم، جلد ۲، کتاب صلوٰۃ العیدین۔ ص ۳۳۷ (حجاب کا حکم نازل ہونے کے بعد بھی صحابیاتؓ جہاد میں شریک ہوتی رہیں۔ دیکھئے صحیح بخاری، جلد ۲، کتاب الجہاد والسیر میں باب ۱۰۹۔ عورتوں کا مردوں کے ساتھ مل کر جہاد کرنا۔ باب ۱۱۰، جہاد میں عورتوں کا مردوں کے پاس مشکیں بھر بھر کر لانا، باب ۱۱۱، میدان جہاد میں عورتوں کا زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا اور باب ۱۱۲۔ میدان جنگ میں عورتوں کا زخمیوں اور مقتولوں کو اُٹھا کر لیجانا۔ وغیرہم

قارئین غور کیجئے کہ اس روایت نے تو معاملہ ہی صاف کر دیا کہ عورتیں عیدین کی نماز میں بھی ضرور شریک ہوں، نیز جہادوں میں شریک ہوں۔ حج و عمرہ میں شریک ہوں غرضیکہ ہر نیک کام میں مومنین کے ساتھ شریک ہوں۔ مگر افسوس ہمارے علما نے ان کو کاٹ کر رکھ دیا ہے اور صرف بچے جننے کی مشین اور گھر کی چاکری کرنے کی خادمہ بنا دیا ہے!

کہیئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ (نام نہاد) حدیث کے بغیر نماز کیسے پڑھی جائے گی؟ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ پس صاف ظاہر ہے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور قرآن کے خلاف سازش کے زیرِ اثر ایسا کرتے اور کہتے ہیں۔

کہیئے! ہے کسی کے پاس کوئی آیت یا (نام نہاد) حدیث کہ اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے عورتوں کو نمازوں میں اور دیگر نیک کاموں میں مومنین کے ساتھ شریک رہنے سے منع کر دیا ہو؟؟

دراصل قرآن کریم یا اسلام کے خلاف سازش کا یہ بھی ایک حصہ تھا کہ مومنین کی تقریباً آدھی آبادی کو نیک کاموں، وعظ و نصیحت سے دُور کر دو۔ اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ عورت کو جو بلند مقام قرآن کریم نے بحیثیت انبیاء کرام کی ماں کے عطا کیا تھا اور ازواجِ رسول کو امت کی مائیں قرار دیکر کیا تھا اس کو اس مقام سے گرا یا جائے تو اسے حقیر بنا کر آسانی سے کاٹا جا سکے گا چنانچہ عورتوں کے خلاف (نام نہاد) احادیث ڈھالی جانے لگیں اور غلط باتیں پھیلائی جانے لگیں۔ چنانچہ یہ مشہور کر دیا گیا کہ عورت کے نمازی کے سامنے سے گزرنے سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ یہ شیطانی گپ کی خبر حضرت عائشہؓ تک پہنچ گئی۔ چنانچہ وہ فرماتی ہیں کہ:

"ان کے سامنے ان چیزوں کا ذکر کیا گیا جو نماز کو فاسد کر دیتی ہیں یعنی کتے کا، گدھے کا اور عورت کا۔ حضرت عائشہؓ نے کہا تم نے ہم لوگوں کو گدھوں اور کتوں کی مثل بنا دیا، واللہ میں نے نبی ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے اس حال میں کہ میں تخت پر آپؐ کے اور قبلہ کے درمیان میں لیٹی ہوتی تھی........" [1]

غور کیجئے عورت کا مقام کتنا بلند ہے کیونکہ وہ انبیاء کرام کی بھی ماں ہے، وہ تمام مومنین کی ماں ہے۔ اس لئے اس کی طرف حقارت نہ کیجئے اور اس کو اسلام سے اور قرآن سے کاٹنے کی کوشش نہ کیجئے

۵۳۔ ہمارے علما کرام سرخ کپڑے پہن کر مردوں کو نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں بلکہ ویسے عام طور پر بھی پہننے سے منع کرتے ہیں مگر دیکھئے حضرت ابو حجیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ:

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو چمڑے کے ایک سرخ خیمہ میں دیکھا۔ اور بلالؓ کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے لئے وضو کا پانی مہیا کیا........ پھر میں نے دیکھا کہ بلالؓ نے ایک عنزہ اٹھا کر گاڑ دیا۔ اور نبی ﷺ ایک سرخ پوشاک (حُلّہ میں) میں بر آمد ہوئے۔ اور غزہ کی طرف لوگوں کے ساتھ دو رکعت نماز پڑھی۔ میں نے لوگوں کو اور جانوروں کو دیکھا کہ وہ غزہ کے آگے سے نکلتے جا رہے تھے (اور حضورؐ بدستور نماز ادا فرماتے رہے)" [2]

غور کیجئے کبھی آپ میں سے آپ کے کسی امام یا امیر نے اس (نام نہاد) حدیث پر عمل کر کے حدیثی نماز پڑھی؟

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد۔۱، کتاب الصلوٰۃ۔ باب ۳۴۶ من قال لا یقطع الصلوٰۃ شیء۔ حدیث ۴۸۷، ص ۲۵۸۔۔۔[2] ایضاً باب ۲۵۸ الصلوٰۃ فی الثوب الاحمر، حدیث ۳۶۶، ص ۲۱۸

آپ تو بجائے سرخ جوڑے کے سیاہ یا سبز یا زرد یا کتھئی رنگ کے جوڑے پہنتے ہیں اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بھی کالی کملی والا بنا دیتے ہیں!

ہمارے موصوف نے بھی کبھی اس حدیث پر عمل نہیں کیا! کیوں؟

اور صرف یہی نہیں بلکہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی تو قبر اطہر میں بھی سرخ چادر ڈالی گئی تھی۔ ملاحظہ ہو:

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی قبر میں سرخ چادر ڈال دی گئی تھی"[1]

کہئے کیا سمجھ میں آیا!

۵۴۔ ہمارے ہاں مساجد میں جب امام جمعہ کا خطبہ دے رہا ہوتا ہے تو اگر کوئی نمازی کھڑا ہو کر دو رکعت پڑھنا چاہے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ لیکن دیکھئے حضرت جابرؓ بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ:

"ایک شخص آیا، اور نبی ﷺ لوگوں کو جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو آپؐ نے فرمایا، اے فلاں تم نے نماز پڑھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: کھڑا ہو جا اور دو رکعتیں پڑھ لے"[2]

کہئے کیا آپ اس پر عمل کرتے ہیں؟

۵۵۔ ہمارے ہاں عام طور پر جمعہ کے دو خطبے پڑھے جاتے ہیں جو عباسی سلاطین کے دَور میں قرآن کے خلاف سازش کے تحت بنائے گئے اور ان میں خلفاء وغیرہ کے نام تک شامل کر دیئے گئے۔ ظاہر ہے کہ وہ خطبے رسول اللہ سلامٌ علیہ تو نہیں پڑھتے تھے جن میں خلفاء وغیرہ کے نام ہوتے تھے۔ دیکھئے وہ جمعہ کے خطبہ میں کیا پڑھتے تھے؟ ام ہشام بنت حارثہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"اور نہیں سیکھا میں نے سورہ قٓ کو مگر رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے کہ آپؐ اس کو ہر جمعہ میں منبر پر پڑھتے تھے، جب لوگوں پر خطبہ پڑھتے"[3]

غور کیجئے کہ اس روایت کی راوی ایک صحابیہ ہیں جنہوں نے ہر جمعہ کے خطبہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کی زبان مبارک سے سن کر سورہ قٓ یاد کر لی تھی۔ اس روایت سے صرف یہی ثابت نہیں ہوتا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خطبۂ جمعہ میں سورہ قٓ ضرور پڑھتے تھے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ خواتین جمعہ کی نماز میں بھی موجود ہوتی تھیں۔ یہ تو شاید دوسری صدی ہجری میں قرآن کریم کے خلاف سازش کے تحت علما و ائمہ نے عورتوں کی شرکت نمازوں میں بند کر دی!

کہئے کیا آپ کے اہل حدیث اور اہل فقہ ائمہ بھی جمعہ کے خطبہ میں سورہ قٓ پڑھتے ہیں؟

۵۶۔ جمعہ کے خطبہ کے بارے میں حضرت جابرؓ بن سمرہ مزید وضاحت فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

"نبی ﷺ ہمیشہ دو خطبے پڑھا کرتے تھے اور ان کے بیچ میں بیٹھتے تھے اور خطبوں میں قرآن کریم پڑھتے اور لوگوں کو نصیحت کرتے"[4]

---

[1] صحیح مسلم، جلد۔۲، کتاب الجنائز، عن ابن عباس، ص۳۹۷۔۔۔ [2] صحیح بخاری، جلد ا، کتاب الجمعہ، باب ۵۸۷، من جآء و الامام یخطب صلی رکعتیں خفیفتین۔ حدیث ۸۸۲، ص۳۸۶۔۔۔ [3] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ کتاب الجمعہ، عن اُم ھشام بنت حارثہ۔ ص۳۲۷۔۔۔ [4] ایضاً۔ عن جابر بن سُمرہ۔ ص۳۲۱

کہئے کیا آپ کے ائمہ بھی خطبۂ جمعہ میں قرآن کریم ہی پڑھتے ہیں یا سلاطین عباسی کے دَور کے خطبے پڑھتے ہیں؟ اور کیا وہ لوگوں کو نصیحت کرتے ہیں یا کہانیاں قصے سناتے ہیں اور لوگوں کو فرقہ واریت پر اُبھارتے ہیں؟ یا سیاست لڑاتے ہیں؟

۵۷۔ جمعہ کی رکعات میں اور عیدین کی رکعات میں کیا پڑھا جائے کے بارے میں نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ عیدوں اور جمعہ میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور هَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَه پڑھا کرتے تھے۔ اور جب جمعہ اور عید دونوں ایک دن میں ہوتیں تب بھی انہی دونوں سورتوں کو دونوں نمازوں میں پڑھتے تھے" [1]

کہئے کیا آپ کے اہل حدیث واہل فقہ علماء وائمہ بھی یہی سورتیں پڑھتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر وہ نماز حدیث سے تو نہیں پڑھتے! ان سے پوچھئے وہ نماز کہاں سے پڑھتے ہیں؟

۵۸۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھی جائیں اس بارے میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ ﷺ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں الٓمٓ سجدہ اور هل اتٰى على الانسان حين من الدهر پڑھتے تھے اور نماز جمعہ میں سورہ جمعہ اور منافقون" [2]

کہئے کیا آپ کے علماء اور آئمہ بھی جمعہ کے دن فجر میں اور جمعہ کی نماز میں یہی سورتیں پڑھتے ہیں؟

قارئین! مختلف احادیث کی کتابوں سے جمع کر کے ہمارے موصوف نے "مسنون قرأت" کے نام سے ایک چارٹ بنایا ہے جو اپنی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" میں دیا ہے۔ آپ ہر نماز میں کیا قرأت کیا جائے" اس چارٹ سے دیکھ لیجئے اور پھر اپنے پیش امام سے پوچھئے کہ ان احادیث کے مطابق قرأت کیوں نہیں کرتے اور آپ سے بھی کیوں نہیں کراتے؟ اور پھر کس منہ سے پوچھتے ہیں کہ بغیر حدیث کے نماز کیسے پڑھیں گے؟

---

۱۔ ایضاً۔ عن نعمان بن بشیر اور عن عبد اللہ بن عباس۔ ص ۳۳۰۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ عن نعمان بن بشیر اور عن عبد اللہ بن عباس۔ ص ۳۳۰

## اہل حدیث علما کا صرف نماز میں پڑھنے والی دعاؤں کا ہی اختلاف ملاحظہ ہو:

| رکن | مسعود احمد صاحب کے مطابق | ناصر الدین البانی صاحب کے مطابق | صادق سیالکوٹی صاحب کے مطابق |
|---|---|---|---|
| ۱۔ تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھنا ہے | ایک دعا | ۱۲ دعاؤں میں سے کوئی | ۲ دعاؤں میں سے کوئی |
| ۲۔ رکوع میں کیا پڑھنا ہے | ایک دعا | ۷ دعاؤں میں سے کوئی | ۶ دعاؤں میں سے کوئی |
| ۳۔ قومہ میں کیا پڑھنا ہے | ایک دعا | ۵ دعاؤں میں سے کوئی | ۲ دعاؤں میں سے کوئی |
| ۴۔ سجدہ میں کیا پڑھنا ہے | ایک دعا | ۱۲ دعاؤں میں سے کوئی | ۱۰ دعاؤں میں سے کوئی |
| ۵۔ جلسہ میں کیا پڑھنا ہے | ایک دعا | ۲ دعاؤں میں سے کوئی | ۲ دعاؤں میں سے کوئی |
| ۶۔ تشہد میں التحیات پڑھنا | ایک دعا | ۵ دعاؤں میں سے کوئی | ۱ دعا |
| ۷۔ پہلے قعدہ میں درود پڑھنا | نہیں | ہاں | نہیں |
| ۸۔ آخری قعدہ میں التحیات کے بعد کلمات | ایک دعا | کوئی نہیں | کوئی نہیں |
| ۹۔ آخری قعدہ میں درود پڑھنا | ایک درود | ۷ درود | ایک درود |
| ۱۰۔ آخری قعدہ میں درود کے بعد دعا | ایک دعا | ۱۰ دعاؤں میں سے کوئی | ۵ دعاؤں میں سے کوئی |
| ۱۱۔ بعد نماز اذکار | چار اذکار | کوئی نہیں | ۱۳۔ اذکار |

نوٹ:۔ اسی طرح سے اگر نماز کے ارکان کا اور دیگر مسائل کا تقابلی جائزہ بنایا جائے تو اور بہت سے اختلافات سامنے آتے ہیں۔ پس جب اہل حدیث فرقے ہی آپس میں صرف نماز جیسی اہم چیز پر متفق نہیں تو پھر اہل فقہ کا کیا تقابل کیا جائے! وہاں تو ویسے ہی کم از کم پانچ فقہ ہیں اور پھر ہر ایک کی اپنی اپنی شاخیں یا مسالک ہیں! الغرض، نہ تو (نام نہاد) احادیث اور نہ ہی فقہ نماز پڑھنے کے ایک اور صحیح طریقہ پر متفق ہیں۔ تو پھر وہ کس منہ سے سوال کرتے ہیں کہ اگر (نام نہاد) احادیث کو چھوڑ دیں تو نماز کیسے پڑھیں گے؟

۵۹۔ ہمارے ہاں کے حدیثی اسلام میں عورتیں نماز جنازہ نہیں پڑھتیں یونکہ ہمارے علماء کرام نے انہیں اس سعادت سے روکا ہوا ہے۔ اسی طرح سے جنازہ کسی مسجد کے اندر رکھ کر نماز نہیں پڑھائی جاتی بلکہ مسجد سے باہر نماز جنازہ ہوتی ہے۔ مگر قرنِ اولیٰ میں یہ دونوں کام ہوتے تھے دیکھئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

"جب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال فرمایا تو رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہراتؓ نے کہلا بھیجا کہ ان کا جنازہ مسجد میں لے جاؤ کہ ہم لوگ بھی نماز پڑھ لیں۔ سو ایسا ہی کیا گیا اور ان کے حجروں کے آگے جنازہ ٹھہرا دیا کہ وہ نماز پڑھ لیں اور جنازہ کو باب الجنائز سے جو مقاعد کی طرف تھا وہاں سے باہر لے گئے اور لوگوں کو یہ خبر پہنچی تو عیب کرنے لگے اور کہا جنازہ کہیں مسجد میں لاتے ہیں؟ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ کہ لوگ کیا جلدی عیب کرنے لگے جو چیز نہیں جانتے۔ انہوں نے ہم پر عیب کیا کہ

جنازہ کو مسجد میں لائے اور بات یہ ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے بیضاء کے بیٹے سہیل پر نماز نہیں پڑھی مگر مسجد کے اندر"[1]۔

غور کیجیے کہ اگر روایت صحیح ہے، جیسا کہ امام مسلم کا دعویٰ ہے، تو پھر صحیح اسلامی طریقہ تو یہ ہوا جو مومنین کی ماؤںؓ نے اختیار کیا تھا یونکہ ان سے زیادہ اور صحیح اسلام کا جاننے والا اور کون ہو سکتا ہے؟ کیا ہمارے مُلّا ان محترم ہستیوں سے بہتر "اسلام" جانتے ہیں؟ وہ تو (نام نہاد) صحیح حدیث ہوتے ہوئے بھی اس پر عمل نہیں کرتے بلکہ اپنی مرضی سے مسئلہ مسائل بناتے ہیں۔ ہمارے موصوف بھی سب سے بڑے اہل حدیث ہونے کے باوجود صحیح مسلم کی ان احادیث پر عمل نہیں کرتے! کیوں؟ حالانکہ انہوں نے خود اپنی "تاریخ" میں اس روایت کو لکھا ہے[2]۔

۶۰۔ ہمارے ہاں نماز جنازہ اور اس کی تین پانچ صفوں پر بڑا زور ہوتا ہے گویا کہ اس کو بھی مرنے والے کی مغفرت سے متعلق گردانا جاتا ہے جس طرح بعد میں چنے پڑھنے اور قرآن کریم پڑھنے سے مردہ بخشوانے کا عقیدہ بنالیا گیا ہے۔ ذرا اپنے مُلّا اور عالم سے پوچھیے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کی نماز جنازہ باجماعت پڑھی گئی تھی؟ اس میں کتنی صفیں بنائی گئی تھیں؟ نماز جنازہ کس نے پڑھائی تھی؟ کیا نماز جنازہ کے بعد بھی ہاتھ اُٹھا کر دعا مانگی گئی تھی؟ بعد میں کیا چنے پڑھے گئے تھے یا چنے وہاں پیدا نہیں ہوتے تھے تو کھجور کی گٹھلیوں پر کلمہ پڑھا گیا تھا؟ اور کتنے قرآن کریم کے ختم پڑھے گئے تھے؟ کیا یہ عمل کسی صحابیؓ یا تابعیؒ وغیرہ کے انتقال کے بعد بھی کیا گیا تھا جو آج ہو رہا ہے؟ کیا صحابہؓ اسلام کو زیادہ جانتے تھے یا ہمارا مُلّا؟

۶۱۔ ہمارے معاشرہ میں نماز تراویح بھی رمضانوں کا ایک اہم مسئلہ ہے اور بڑے زور و شور سے اور مقابلتاً تین روزہ، چھ روزہ، دس روزہ، تراویح جماعت سے پڑھی جاتی ہیں اس سلسلہ میں ہمارے موصوف اپنی "تاریخ" میں "نماز تراویح جماعت سے" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ:

"ماہ رمضان میں ایک دفعہ آدھی رات کو رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم باہر تشریف لائے آپؐ نے مسجد میں نماز پڑھی۔ چند اور آدمیوں نے بھی آپؐ کے ساتھ نماز ادا کی۔ صبح کو لوگوں میں اس بات کا چرچا ہوا۔ دوسری رات کو پہلی رات سے زیادہ آدمی جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اُن لوگوں کو نماز پڑھائی۔ صبح کو پھر لوگوں میں چرچا ہوا۔ تیسری رات کو بہت آدمی مسجد میں جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان کو نماز پڑھائی۔ چوتھی رات کو اتنے آدمی جمع ہوئے کہ مسجد ناکافی ہو گئی۔ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بارہ تشریف نہیں لائے۔ نمازِ فجر کے بعد آپؐ نے تشہد کے بعد فرمایا رات کو تمہارا آنا مجھ پر مخفی نہیں تھا لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر لازم نہ ہو جائے پھر اس کی ادائیگی سے تم عاجز ہو جاؤ (اور گناہگار ہو) **یہ نماز تم گھر میں**

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد۔ ۲، کتاب الجنائز، عن عبادؓ و عن عائشہؓ و عن ابی سلمہ بن عبد الرحمٰن۔ ص۳۹۹، ۴۰۰۔۔۔ [2] صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ تاریخ الصحابہؓ، حالات حضرت سعد بن ابی وقاصؓ۔ ص ۹۱۲

**پڑھ لیا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ تمام نمازیں گھر میں بہتر ہیں"**[1]

کہئے اس حکمِ رسولؐ کے بعد گھروں سے باہر مساجد میں با جماعت یہ نفل نماز پڑھنے سے کونسی حدیث پر عمل کیا جاتا ہے؟ کیا یہ مُلّاؤں کی اپنی نکالی ہوئی رسم نہیں؟ ویسے اس کے علاوہ بھی حکمِ رسول ہے کہ کچھ نمازیں اپنے گھروں ہی میں پڑھو ملاحظہ ہو:

"عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اپنی نمازیں گھر میں ادا کیا کرو اور گھر کو قبرستان مت بناؤ"[2]

کہئے آپ تہجد یا تراویح (صلوٰۃ الیل) اور دیگر نوافل یا نمازیں اپنے گھروں میں پڑھتے ہیں یا اپنے گھروں کو قبرستان بنایا ہوا ہے؟

## خلاصہ

قارئین کرام! ہم نے مختصراً یہ چند حدیثی نمونے (نام نہاد) احادیث کی چوٹی کی دونوں کتابوں سے پیش کئے ہیں جن کے قطعی صحیح ہونے کا دعویٰ تمام اہلِ حدیث کرتے ہیں اور ہمارے موصوف تو انہیں قرآن یعنی کتاب اللہ ہی مانتے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ اس سے اہل حدیث و اہل فقہ کے اس دعویٰ کی قلعی کھل گئی ہو گی کہ "بغیر (نام نہاد) حدیث کے نماز کس طرح پڑھی جائے گی"! ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا دوسرا جھوٹ ہے (پہلا سب سے بڑا جھوٹ (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ اور وحی کہنا ہے جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر چکے ہیں) ہم نے کسی مائی کے لعل کو ان احادیث کے مطابق نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ حتیٰ کہ سب سے بڑے اہل حدیث اپنے موصوف کو بھی نہیں!

خلاصۃً ہم پھر واضح کر دیتے ہیں کہ ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیثوں کا عقیدہ دو ۲ (نام نہاد) احادیث میں مقید ہے جس نے ان کے قلوب اور دماغوں پر قفل لگا دیا ہے اور وہ حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ان دونوں (نام نہاد) احادیث پر مبنی عقیدہ وہ ان الفاظ میں قوم کے سامنے پیش کر کے بیوقوف بناتے ہیں کہ:

"اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کو جبریل کے ذریعہ سکھلایا۔ جبریل نے ہر صلوٰۃ کو دو ۲ دو ۲ مرتبہ آ کر پڑھوایا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ صلوٰۃ اس طرح پڑھو جس طرح تم لوگ مجھے پڑھتے دیکھتے ہو"[3]

قارئین یہ دونوں جملے دو ۲ مختلف (نام نہاد) احادیث کے ٹکڑے ہیں جنہیں ملا کر یہ عبارت بنائی گئی ہے۔ پہلے جملے کی حقیقت یہ (نام نہاد) حدیث ہے:

"ابن شہاب زہری سے روایت ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک دن نماز عصر میں کچھ دیر کی تو عروہؒ نے

---

[1] ایضاً۔ (حالات) ۲۰۰۶ء، نماز تراویح جماعت سے۔ ص ۳۸۷۔ ۳۸۸۔ بحوالہ صحیح بخاری، جلد ۔۱، کتاب الاذان، باب ۴۷۲ صلوٰۃ اللیل، (رات کی نماز) حدیث ۶۹۲، ص ۳۲۴، و صحیح مسلم، جلد ۔۲، کتاب صلوٰۃ المسافرین ، باب استحباب صلوٰۃ النافلۃ فی بیتہ۔ عن زید ابن ثابتؓ، ص ۲۷۰ (موصوف کی تحریر کردہ عبارت اور حوالہ میں پیش کی گئی دونوں روایات ایک سی نہیں بلکہ تحریف شدہ ہے!)۔۔۔ [2] صحیح مسلم میں اسی باب کی پہلی روایت ص ۲۶۹۔۔۔ [3] "صلوٰۃ المسلمین"۔ تصدیر۔ ص ۱۹

ان سے کہا کہ بیشک جبریل اُترے اور انہوں نے امام بن کر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو عمر بن عبد العزیزؒ نے کہا اے عروہؓ سمجھ کر کہو تم کیا کہتے ہو! انہوں نے کہا میں نے سنا ہے بشیر بن ابی مسعود سے وہ کہتے تھے میں نے سُنا ہے ابو مسعودؓ سے کہ کہتے تھے میں نے سنا ہے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے کہ فرماتے تھے کہ جبریل اترے اور میرے امام ہوئے اور میں نے اُن کے ساتھ نماز[1] پڑھی، اور پھر نماز[2] پڑھی اور پھر نماز[3] پڑھی، پھر نماز[4] پڑھی، پھر نماز[5] پڑھی ان کے ساتھ۔ حساب کرتے تھے پانچ نمازوں کا اپنی انگلیوں پر"[1]

غور کیجئے کہ صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں یہ (نام نہاد) حدیث اوقات پنجگانہ نماز کے باب میں درج کی گئی ہے۔ نہ تو ان میں اوقات ہی کی وضاحت ہے اور نہ ہی نماز کا طریقہ ذکر کیا گیا ہے۔ بہر حال چونکہ اس میں پانچ مرتبہ نماز پڑھنے کا ذکر ہے اس لئے یہ فرض کر لیا گیا کہ یہ اوقات کے بارے میں ہے۔ بہر حال جبریل کو یہاں کچھ بھی (طریقہ) بتاتے ہوئے ظاہر نہیں کیا گیا (البتہ انہیں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا امام ضرور بنا دیا گیا جس پر عمر بن عبد العزیزؒ کو بھی حیرت ہوئی۔ لیکن ہمارے موصوف اور دیگر اہل حدیثوں نے یہ مان لیا کہ، جبریل نے بغیر ذکر کئے ہوئے، طریقہ اور اوقات سب کچھ ہی سکھا دیا! یونکہ ہمارے موصوف کا اپنا بنایا ہوا ایک عقیدہ اور بھی ہے کہ "عدم ذکر سے عدم شئے لازم ہیں آتا"[2]۔ (یعنی اگر کسی روایت میں کوئی بات ذکر نہیں کی گئی ہے تو اس کے معنٰی یہ نہیں کہ اس کا وجود نہیں ہے۔ موصوف جو چاہیں قیاس کر لیں!) پھر بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جبریل نے نماز کا طریقہ صرف پانچ اوقات کی نماز پڑھ کر اور پڑھا کر بتا دیا تھا تو پھر وہ پانچ (نام نہاد) حدیثوں میں مل جانا چاہئے تھا مگر وہ تو پانچ کتابوں میں بھی نہیں ملتا! (ہمارے موصوف نے خود اپنی صلوٰۃ کی کتاب کم از کم پچاس احادیث اور ان کی شرح کی کتابوں سے مرتب کی ہے جبکہ محمد صادق سیالکوٹی صاحب نے بھی اپنی کتاب ان گنت کتابوں کی مدد سے مرتب کی تھی اور پھر علامہ ناصر الدین البانی نے اپنی کتاب نمازِ نبوی (ترجمہ محمد صادق خلیل صاحب، ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ و التالیف، رحمت آباد۔ فیصل آباد۔ ۱۴۰۹ھ، طبع دوم) کے آخر میں "المصادر و مراجع" کی لِسٹ میں ۱۶۳ کتابوں کے نام لکھے ہیں) یہاں ایک بہت بڑا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر جبریل نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی امامت کر کے ان کو نماز پڑھنا سکھایا تو جبریل کو کس نے امامت کر کے سکھایا تھا؟ غور کیجئے!

قارئین موصوف کی کتاب کی تصدیر کی عبارت کے دوسرے جملے کی حقیقت یہ (نام نہاد) حدیث کا ٹکڑا ہے:

"صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِي اُصَلِّي        صلوٰۃ اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے"[3]

---

[1] صحیح مسلم۔ جلد ۲۔ کتاب المساجد، باب اوقات الصلوٰۃ الخمس ، ص ۱۵۹۔ ۱۶۰۔ و صحیح بخاری، جلد ۱۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب ۳۵۱، مواقیت الصلوٰۃ و فضلها ........ حدیث ۴۹۴، ص ۲۶۱۔۔۔ [2] "صلوٰۃ المسلمین" ۔ رفع یدین نہ کرنے کی دلیلیں۔ ص ۲۹۸۔۔۔

[3] صحیح بخاری۔ جلد ۱۔ کتاب الاذان، باب ۴۰۹ الاذان للمسافر اذا کانوا جماعة و الاقامة ۔ حدیث ۶۰۰۔ عن مالک بن حویرثؓ، ص ۲۹۲

یہ بہت ہی مشہور الفاظ ہیں جو کہ ایک (نام نہاد) حدیث کا ٹکڑا ہیں اور وہ (نام نہاد) حدیث سوائے صحیح بخاری کے اور کسی کتاب میں نہیں۔ اس پوری روایت میں بھی نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں بتایا گیا۔ صرف کچھ لوگوں نے چند یوم تک رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ساتھ رہ کر نماز پڑھی تھی ان کو رخصت کرتے ہوئے آپ نے یہ الفاظ فرمائے تھے۔ اس لئے پوری امت کے لئے یہ الفاظ طریقہ کی سنت نہیں بن سکتے یونکہ ان میں طریقہ نہیں ذکر کیا گیا بلکہ یہی فرمایا گیا کہ "صلوٰۃ اس طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے"۔ اور اس سے آگے یہ الفاظ ہیں:

"اور جب نماز کا وقت آ جائے، تو تم میں سے کوئی ایک شخص اذان دے دے اور تم میں سے بڑا تمہارا امام بنے"[4]

غور کیجئے یہاں بھی بات صرف یہی ہوئی ہے کہ جس طرح تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے! یعنی سارا زور دیکھنے پر ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ جس طرح میں نے تم کو نماز پڑھنا سکھائی ہے۔ دونوں جملوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

یہاں یہ بھی غور کر لیجئے کہ امام المحدثین نے خود اس روایت کو ان معنٰی و مطالب میں نہیں لیا جو موصوف یا دیگر اہل حدیث لیتے ہیں بلکہ انہوں نے اس کو "مسافر کی اذان اور اقامت" کے باب میں لیا ہے! اگر اس سے نماز پڑھنے کے طریقہ کا کچھ پتہ چلتا ہوتا تو امام المحدثین ضرور اس کا بھی باب لگا دیتے (جبکہ وہ بغیر روایت کے بھی باب باندھ دیتے ہیں جیسا کہ ہم پیچھے بتا چکے ہیں)۔

نیز یہاں یہ بھی غور کر لیجئے کہ امامت کرنے کو اس کیلئے کہا جا رہا ہے جو تم میں بڑا ہو جبکہ ہم پیچھے امامت کی شرائط بتا چکے اس کے مطابق یہ شرط چوتھے نمبر پر آتی ہے!

الغرض ان دونوں (نام نہاد) حدیثوں میں نماز پڑھنے کا طریقہ نہ تو جبریل ہی نے بتایا ہے اور نہ ہی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے۔ البتہ دونوں میں صرف ارکان کی ادائیگی کا ذکر ہے، جس کا صرف **دیکھنے** سے تعلق ہے، لیکن ارکان کی ادائیگی کا طریقہ بھی نہیں بتایا گیا بلکہ صرف دیکھنے دکھانے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ یعنی صحابہؓ نے ارکان نماز کی ادائیگی دیکھ دیکھ کر سیکھی!

---

[4]۔ ایضاً۔

## وہ کتب جن سے جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب ''صلوٰۃ المسلمین'' مرتب کی:

١۔ قرآن مجید
٢۔ صحیح بخاری
٣۔ صحیح مسلم
٤۔ مؤطاامام مالک
٥۔ ابوداؤد
٦۔ ترمذی
٧۔ نسائی
٨۔ ابن ماجہ
٩۔ جزء رفع یدین للبخاری
١٠۔ مسند احمد
١١۔ مصنف عبدالرزاق
١٢۔ حاکم
١٣۔ ابن حبان
١٤۔ ابوحاتم
١٥۔ طبرانی الکبیر
١٦۔ طبرانی اوسط
١٧۔ طبرانی الصغیر
١٨۔ سنن بیہقی
١٩۔ کتاب القراۃ للبیہقی
٢٠۔ جزء القراۃ للبخاری
٢١۔ المقدسی
٢٢۔ ابوداؤد الطیالسی
٢٣۔ الطحاوی
٢٤۔ البزار
٢٥۔ صحیح ابن خزیمہ
٢٦۔ الدار قطنی
٢٧۔ مجمع الزوائد
٢٨۔ فتح الباری شرح بخاری
٢٩۔ مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ
٣٠۔ بلوغ الامانی شرح الفتح الربانی
٣١۔ نَیل الاوطار شرح منتقی الاخبار
٣٢۔ التعلیق المغنی شرح دار قطنی
٣٣۔ تسہیل القاری شرح بخاری
٣٤۔ البغوی فی شرح السنۃ
٣٥۔ احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام
٣٦۔ تقریب
٣٧۔ تعلیقات احمد محمد شاکر علی الترمذی
٣٨۔ نصب الرایہ
٣٩۔ منتقی الاخبار از امام شوکانی
٤٠۔ شرح ابن ماجہ للسّندی
٤١۔ جامع الاصول ابوالجوزاء
٤٢۔ الحواشی الجدیدہ علی النسائی
٤٣۔ بغیۃ الالمعی فی تخریج الزیلعی
٤٤۔ التحقیق الراسخ
٤٥۔ تلخیص الحبیر
٤٦۔ دراسات اللبیب
٤٧۔ کبیری
٤٨۔ التعلیق المجد
٤٩۔ الفوائد المجموعۃ
٥٠۔ الارشاد از حکیم ابویحییٰ محمد صاحب شاہجہانپوری
٥١۔ صفۃ صلوٰۃ النبی از محمد ناصر الدین البانی
٥٢۔ تذکرۃ الموضوعات
٥٣۔ ریاض الصالحین

★... علامہ ناصر الدین البانی صاحب نے اپنی کتاب ١٦٣ کتابوں سے مرتب کی ہے (دیکھئے ان کی کتاب کے آخر میں فہرست ''المصادر والمراجع''

★... صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب بھی پچاسیوں کتابوں سے مرتب کی گئی ہے۔ جس کی انہوں نے کوئی فہرست نہیں بنائی

.........................................................................................

قارئین اب ایک اور (نام نہاد) حدیث بھی ملاحظہ کرتے چلیئے تاکہ کوئی خلش باقی نہ رہے۔ یہ (نام نہاد) حدیث ہمارے موصوف نے غالباً اپنی صلوٰۃ کی کتاب میں تو بیان نہیں کی ہے البتہ اپنی مایۂ ناز صحیح تاریخ میں لکھی ہے[1]۔ یہ واقعہ موصوف نے اپنی تاریخ میں ۱۰۰۰ ہجری ہی کے واقعات میں "نماز کی تعلیم منبر پر" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ ایک خاتون نے اپنے بڑھئی غلام سے رسول اللہ سلامؐ علیہ کے لئے مقام غابہ کے جھاؤ کی لکڑی سے ایک منبر بنوا کر پیش کیا تھا جو مقام اقامت پر رکھ دیا گیا تھا۔ چنانچہ سہلؓ بن سعد ساعدی فرماتے ہیں

"پھر میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اس پر کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی۔ لوگوں نے بھی آپؐ کے پیچھے تکبیر کہی اور آپؐ منبر پر تھے۔ پھر آپؐ نے رکوع سے سر اُٹھایا اور اُلٹے پاؤں پیچھے اُترے یہاں تک کہ سجدہ کیا منبر کی جڑ میں۔ پھر لوٹے (منبر پر) یہاں تک کہ نماز سے فارغ ہوئے۔ اس کے بعد آپؐ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: کہ اے لوگو! میں نے یہ اس لئے کیا کہ تم میری پیروی کرو اور میری طرح نماز پڑھنا سیکھو"[2]۔

غور کیجئے کہ اس روایت میں بھی نہ تو نماز پڑھنے کی کیفیت' نہ ہی ترکیب یا طریقہ بتایا گیا ہے بلکہ صرف دکھا کر ارکان کی ادائیگی کا طریقہ سکھایا گیا[3]۔ نہ تو یہ بتایا گیا کہ کس رُکن میں کیا پڑھنا ہے، نہ ہی یہ بتایا گیا کہ کِس رکن کو کس طرح ادا کرنا ہے اور اس میں صحیح پوزیشن کیا ہونا چاہیئے۔ پس انہی روایات سے ثابت ہو جاتا ہے کہ بنیادی طور پر نماز وضو کرکے، اوقاتِ مقررہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے (قِيَامَ) کا جھکنے (رَكَعَ) کا اور اس ذات باری کے آگے سرِ تسلیم زمین پر ٹکا دینے (سَجَدَ) کا نام ہے۔ گویا کہ ہماری طرف سے اس کی اطاعت کی علامت ہے۔ اب اس میں جس سے جتنا ادب، خشوع و خضوع اور حُسن پیدا ہو جائے اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچنے (تقویٰ) کا جذبہ پیدا ہو جائے اتنی ہی قبولیت وہ حاصل کر لے گا۔ کس طرح کھڑا ہو جائے تو خود انسان جس طرح سے اپنے مالک کے حضور میں ادب و خلوص سے کھڑا ہو سکتا ہے ہو جائے۔ جو دعا مانگ سکتا ہے مانگ لے۔ (اور ظاہر ہے کہ سورہ الفاتحہ سے بہتر دعا اور کیا ہو سکتی ہے جس میں اس کی حمد و ثناء بھی ہے اور اس سے استغاثہ بھی ہے)۔ جتنا اظہار عبدیت کیلئے جھک سکتا ہے (رکوع) جھک جائے اور اظہارِ عبدیت کرے اور اسی طرح اظہارِ ندامت اور اظہارِ غلامی میں اگر اس کے قدم اطہر کا تصور کرکے ان پر ماتھا ٹکا سکتا ہے (سجدہ) تو ٹکا کر بھیک مانگ لے، مغفرت مانگ لے۔ اس کی رضا مانگ لے۔

کہئے اس میں کیا پریشانی ہے؟ یہ تو سارا معاملہ دل کا ہے۔ اس میں کوئی شرط عائد نہیں کی جا سکتی کہ کھڑے ہو تو یوں ہو، رکوع کرو تو ہاتھ کہاں ہوں اور پیٹھ کہاں ہو، سجدہ کرو تو سر کہاں ہو اور کہنیاں کہاں ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرف قرآن کریم میں آیت البِرّ (۲/۱۷۷) میں توجہ دلائی گئی ہے۔ شرط یہ ہے کہ کوئی خلوصِ دل سے قیام رکوع و سجود

---

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ ۱۰۰۰ ہجری، "نماز کی تعلیم منبر پر"۔ ص ۱۷۰۔۔۔[2] صحیح مسلم۔ جلد ۲ کتاب المساجد، باب جواز الخطوۃ و الخطوتین فی الصلوٰۃ و انه لا کراهة ........... ص ۱۱۸۔۱۱۹، و صحیح بخاری۔ جلد۔۱، کتاب الجمعہ، باب ۵۸۰، الخطبة علی المنبر ........ حدیث ۸۶۸، ص ۳۸۱۔۔۔[3] مگر ہمارے موصوف اپنے خود ساختہ عقیدہ کہ "عدم ذکر سے عدم وجود لازم نہیں آتا" کے تحت فوراً یہ قیاس کر لیتے ہیں کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ نے ان اشاروں میں پوری نماز کا طریقہ سکھا دیا۔ اگر اسی طرح مان لیا جائے تو پھر وہ حدیثی طریقہ نہیں ہوا بلکہ قیاسی اور فرضی طریقہ ہوا! پھر حدیثی نماز کی بات نہیں کرنی چاہیئے۔

کر کے تو دیکھے تو سب روایات بھول جائے گا۔

قارئین تو یہ ہے آپ کی حدیثی نماز۔ جس کے لئے اہل حدیث اور اہل فقہ بھی یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر (نام نہاد) احادیث نہیں مانو گے تو نماز کیسے پڑھو گے ؟ آپ نے دیکھ لیا کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا دوسرا جھوٹ ہے یونکہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق:

۱۔ نماز کا پورا طریقہ کسی ایک (نام نہاد) حدیث میں نہیں بتایا گیا۔

۲۔ نماز کا پورا طریقہ ایک، دو، تین...... دس...... بیس حدیثوں میں نہیں بتایا گیا۔

۳۔ نماز کا پورا طریقہ کسی بھی ایک (نام نہاد) حدیث کی کتاب میں نہیں حالانکہ ان کے "صحیح" ہونے کا بھی دعویٰ ہے اور ان کے "جامع" ہونے کا بھی دعویٰ ہے۔

۴۔ نماز کا پورا طریقہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق جبریل نے نہیں بتایا بلکہ صرف حرکت کر کے دکھایا۔ اور رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی صرف حرکت کر کے دکھایا۔

۵۔ نماز کا پورا طریقہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی نہیں بتایا بلکہ بعض اوقات کسی صحابیؓ کے پوچھنے پر کچھ بتا دیا۔ اسی لئے صحابہ کبارؓ مختلف اوقات میں مختلف طریقے سے نماز پڑھتے ہوئے ملتے ہیں۔

۶۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد ہی سے لوگوں نے نماز کے طریقہ میں ردّوبدل کا عمل شروع کر دیا تھا اور آج تک یہ جاری وساری ہے۔

۷۔ آج تک مختلف فرقے کسی ایک حدیثی طریقۂ نماز پر متفق نہیں۔ بلکہ وہ تو کسی ایک اذان، کسی ایک اقامت، کسی ایک وضوء کے طریقہ تک پر متفق نہیں۔ وہ تو اس پر بھی متفق نہیں کہ نماز کی نیت زبان سے (مخصوص نیت کرتا ہوں میں............) الفاظ ادا کر کے کرنا ہے، یا مخفی طور پر کرنا ہے یا صرف دل کا ارادہ / نیت ہی کافی ہے۔

۸۔ خود فرقۂ اہل حدیث کے لوگ حدیثی نماز نہیں پڑھتے اور نہ ہی کسی ایک طریقہ پر متفق ہیں

۹۔ خود فرقہ اہل فقہ کے لوگ حدیثی نماز نہیں پڑھتے بلکہ وہ تو اپنے اپنے اماموں کے مطابق پڑھتے ہیں۔

۱۰۔ خود ہمارے موصوف حدیثی نماز نہیں پڑھتے۔ اور انہوں نے ہزار سال سے زیادہ کے بعد جو طریقۂ نماز رائج کیا ہے اس میں خود وہ حدیثوں کے خلاف مشرکانہ نداء کرتے ہیں۔ اور بہت سے ارکان کے لئے ان کے پاس کوئی (نام نہاد) حدیث نہیں بلکہ وہ اپنے قیاس سے ادا کرتے ہیں۔

تو پھر اہل حدیث اور اہل فقہ یہ سوال کیسے کرتے ہیں کہ بغیر احادیث کے نماز کیسے پڑھو گے وہ تو خود آج تک متفق نہیں ہیں کہ (نام نہاد) احادیث کے مطابق نماز کیسے پڑھنا ہے:

۱۔ مختلف رائج وخود ساختہ طریقوں میں سے کون سی اذان دینا ہے ؟

۲۔ اذان کہاں کھڑے ہو کر دینا ہے، مسجد کے اندر سے یا باہر سے یا اونچائی سے۔

۳۔ اذان کے بعد کیا دعا بھی کرنا ہے ؟

۴۔ اذان سے پہلے یا بعد صلوٰۃ وسلام پڑھنا ہے
۵۔ وضوء کرتے ہوئے ناک کی صفائی اور کُلّی تین چلّوؤں سے کرنا ہے یا چھ سے ؟
۶۔ وضوء کرتے ہوئے ہاتھ پہلے دھونا ہیں یا پاؤں ؟
۷۔ وضوء کرتے ہوئے صرف سر کا مسح کرنا ہے یا گردن کا بھی ؟
۸۔ نماز کے لئے کون سی اقامت کہنا ہے، اکہری یا مروّجہ دوہری ؟
۹۔ نماز کی نیت زبان سے کرنا ہے یا صرف دل میں نیت ہونا کافی ہے ؟
۱۰۔ تکبیر تحریمہ میں ہاتھ کہاں تک اور کس طرح اُٹھانا ہے ؟
۱۱۔ ہاتھ کہاں باندھنا ہے اور کس طرح ؟ ہاتھ باندھنا بھی ہے یا نہیں ؟
۱۲۔ ثناء کون سی پڑھنا ہے ؟
۱۳۔ تعوذ کون سا پڑھنا ہے، حدیثی یا قرآنی ؟ (لوگوں کو کیا ملّاؤں کو بھی قرآنی تعوذ کا پتہ ہی نہیں !)
۱۴۔ بسم اللہ بالجہر پڑھنا ہے یا بالخفی ؟
۱۵۔ سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا ہے کہ نہیں ؟
۱۶۔ امام نے سکتات کرنا ہے یا نہیں ؟
۱۷۔ آمین بالجہر کہنا ہے یا نہیں ؟ (خیال رہے لفظ آمین قرآنی لفظ نہیں اور نہ ہی سورہ فاتحہ کا حصہ ہے )
۱۸۔ رکوع کیلئے رفع یدین کرنا ہے یا نہیں ؟
۱۹۔ رکوع سے کھڑے ہو کر قومہ میں پھر ہاتھ باندھنا ہے یا چھوڑے رکھنا ہیں ؟ (قیاسی مسئلہ )
۲۰۔ رکوع میں کیا پڑھنا ہے اور کتنی مرتبہ : ایک، تین یا دس مرتبہ ؟
۲۱۔ رکوع سے کھڑے ہوتے ہوئے کیا پڑھنا ہے ؟
۲۲۔ کیا صرف امام نے پڑھنا ہے یا مقتدیوں نے بھی ؟
۲۳۔ اکیلے نمازی نے کیا پڑھنا ہے۔
۲۴۔ رکوع سے کھڑے ہونے کے بعد کیا ثناء پڑھنی ہے یا نہیں ؟
۲۵۔ سجدہ میں جاتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے رفع یدین کرنا ہے یا نہیں ؟
۲۶۔ سجدہ میں کیا پڑھنا ہے اور کتنی مرتبہ ؟
۲۷۔ جلسہ میں اقعاء کرنا ہے یا تورّک یا مروّجہ طریقہ ؟
۲۸۔ انگشت شہادت کب اور کس طرح اُٹھانا ہے ؟
۲۹۔ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے ہوئے رفع یدین کرنا ہے یا نہیں ؟
۳۰۔ آخری رکعت کے قعدہ میں کسی طرح بیٹھنا ہے ؟ (یعنی تورّک کرنا ہے یا نہیں ؟ )
۳۱۔ جلسہ میں کیا کیا پڑھنا ہے ؟
۳۲۔ جلسہ میں کیا ندائیہ الفاظ پڑھنا ہیں یا نہیں ؟

۳۳۔ جلسہ میں کیا درود پڑھ کر رسول کی یا اپنے ایمان کی جڑ کاٹنا ہے یا نہیں؟

۳۴۔ تشہد کے بعد دعائیں مانگنا ہے یا سلام پھیرنے کے بعد؟

۳۵۔ سلام پھیرنے کے بعد تکبیر کہنا ہے کہ نہیں؟

۳۶۔ سلام پھیرنے کے بعد امام کا پلٹ کر بیٹھنا کہ کعبہ کی طرف بجائے منہ کے پیٹھ کر کے بیٹھنا ہے یا نہیں؟

۳۷۔ سلام پھیرنے کے بعد کچھ اور پڑھنا ہے کہ نہیں؟

۳۸۔ نماز کے بعد اجتماعی دعا کرنا ہے یا نہیں؟

۳۹۔ دعا میں ہاتھ اٹھانا ہے یا نہیں؟

۴۰۔ نماز کے لئے کیا ٹوپی پہننا ضروری ہے یا نہیں؟

۴۱۔ دعا کے بعد چہرہ پر ہاتھ پھیرنا ہے یا نہیں؟

۴۲۔ اکیلے نماز پڑھنے والے کو اقامت کہنا ہے یا نہیں؟

۴۳۔ تیمّم کرنے کے لئے دونوں ہاتھوں کو ایک مرتبہ پاک مٹی پر مارنا ہے یا دو مرتبہ؟

۴۴۔ جوتے پہن کر نماز پڑھنا ہے یا جوتے اُتار کر؟

۴۵۔ وتر پڑھتے ہوئے دعائے قنوت پڑھنے کے لئے دعا کی طرح ہاتھ اُٹھانا ہے یا صرف رفع یدین کرنا ہے؟

۴۶۔ وتر میں کون سی دعائے قنوت پڑھنا ہے؟

۴۷۔ وتر ایک پڑھنا ہے یا تین؟

۴۸۔ وتر کو آخری نماز بنانا ہے یا اس کے بعد بھی دو نفل پڑھنا ہے؟

۴۹۔ نیت باندھنے کے بعد اگر یاد آئے یا شبہ ہو کہ وضو نہیں ہے تو نیت کس طرح توڑے یا نہیں؟

۵۰۔ امام کو اگر نماز پڑھاتے ہوئے یاد آجائے کہ وضو نہیں تو وہ کیا عمل کرے؟

۵۱۔ تراویح آٹھ [۸] پڑھنا ہے، دس [۱۰] یا بیس [۲۰]؟ یا پڑھنا ہی نہیں، یونکہ یہ سنت تو ہے نہیں؟

۵۲۔ تراویح پڑھنے کے بعد تہجّد بھی پڑھنا ہے یا وہی تہجّد ہے؟

۵۳۔ عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے یا پوری رات؟

۵۴۔ آدھی رات کی شناخت کیا ہے؟

۵۵۔ نماز جمعہ کہاں کہاں فرض ہے، صرف شہروں میں یا دیہات و گاؤں میں بھی؟

۵۶۔ جمعہ کی نماز کون پڑھائے گا؟ ہر مُلّا، مجتہد، یا حاکم وقت؟

۵۷۔ جمعہ کی نماز کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا ہے یا نہیں؟

۵۸۔ عورتوں کو کیا جمعہ معاف ہے؟

۵۹۔ عورتیں جمعہ کے دن بھی جمعہ کے دو فرض پڑھیں یا ظہر کے چار فرض؟

۶۰۔ جمعہ کی نماز سے پہلے کون سا خطبہ پڑھا جائے: دورِ ملوکیت والا یا قرآن کریم؟

۶۱۔ جمعہ میں ایک اذان ہو گی یا دو؟

۶۲۔ جمعہ کی اذان جب امام منبر پر بیٹھ جائے جب ہو گی یا پہلے یا بعد؟

۶۳۔ عصر کی نماز ایک مثل سایہ پر پڑھنا ہے یا دو مثل سایہ پر؟

۶۴۔ کتنے عرصہ کے سفر یا کتنے فاصلہ پر نماز قصر کرنا ہے؟

۶۵۔ عیدین کی نماز میں کتنی زائد تکبیریں ہیں چھ[۶] یا بارہ[۱۲]؟

۶۶۔ عیدین کی نماز میں زائد تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ اُٹھا کر باندھنا ہے یا نیچے چھوڑ دینا ہے؟

۶۷۔ نماز جنازہ میں جوتے پہنے رہنا ہے یا اتار کر علیحدہ رکھنا ہے یا انہی پر کھڑا رہنا ہے؟

۶۸۔ نماز جنازہ میں کتنی تکبیریں ہیں؟

۶۹۔ نمازِ جنازہ کے بعد بھی میت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے یا نہیں؟

۷۰۔ نماز جنازہ میں درود بہ آواز بلند پڑھنا ہے یا نہیں؟

۷۱۔ غائبانہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے یا نہیں؟

۷۲۔ نماز جنازہ مسجد کے اندر پڑھنا ہے یا باہر؟

۷۳۔ نماز کسوف (چاند گرہن یا سورج گرہن) پڑھنا ہے کہ نہیں؟

۷۴۔ مساجد میں امام کے کھڑے ہونے کے لئے محراب بنایا جائے یا نہیں؟

۷۵۔ عورت نماز شروع کرنے سے پہلے اقامت کہے یا نہیں؟

۷۶۔ قرآن صلوٰۃ الخوف کا ایک طریقہ بتاتا ہے مگر (نام نہاد) حدیث کم از کم آٹھ۔ کونسا طریقہ اختیار کرنا ہے؟

۷۷۔ صلوٰۃ الوضوء، صلوٰۃ المسجد وغیرہ کا قرآن میں کوئی ذکر نہیں مگر (نام نہاد) حدیث پڑھوا رہی ہے۔ کون صحیح ہے؟

۷۸۔ تہجد کیلئے اُٹھ کر بیٹھنے کے بعد کیا آسمان کی طرف نظر کر کے سورہ آل عمران کی آخری گیارہ آیات پڑھنا ہیں یا نہیں؟

۷۹۔ تہجد کی نماز ختم کرنے کے لئے صبح صادق سے پہلے بھی کیا اذان دینا ہے یا نہیں؟

۸۰۔ فجر کی نماز کیلئے سنتیں پڑھ کر لیٹنا ہے یا نہیں؟

۸۱۔ تمام نمازوں کو سرّی پڑھنا ہے یا جہری یا پھر اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے طریقہ کے مطابق (۱۷/۱۱۰) درمیانی یا فطری آواز سے پڑھنا ہے؟ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے اس واضح حکم کے باوجود اہل حدیث و اہل فقہ وغیرہ سب ہی کچھ نمازیں سرّی پڑھتے ہیں اور کچھ جہری اور جہری میں بھی شروع کی صرف دو رکعتیں جہری پڑھتے ہیں باقی ایک دوسری۔ اور جہری ہوں یا سرّی سب میں رکوع، سجدہ، جلسہ میں سرّی ہی پڑھتے ہیں کیا اللہ کے حکم کی یہی قدر ہے؟

۸۲۔ کیا صلوٰۃ صرف دو دو رکعت ہے یا ۲، ۳، ۴، سب ہی ہے؟

۸۳۔ کیا بحالتِ اقامت، احادیث کے مطابق، دو صلاتوں کا جمع کرنا درست ہے یا نہیں؟

۸۴۔ کیا بحالتِ سفر عام، جبکہ جنگ یا دشمن کے حملہ کا خوف نہ ہو، صلوٰۃ قصر کی جائے گی یا نہیں؟

۸۵۔ وضو کرتے ہوئے پاؤں دھونا ہیں یا صرف مسح کرنا ہے؟

۸۶۔ کیا موزے اتارے بغیر موزوں پر مسح کرنا ہے یا نہیں
۸۷۔ نماز باجماعت میں صف بندی سیدھی اور کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملا کر کرنا ہے یا نہیں؟
۸۸۔ نماز ادا کرنے کے لئے اچھا لباس / زینت پہننا ہے یا نہیں؟
۸۹۔ چار فرض پڑھتے ہوئے، دو رکعت کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ باندھنے سے پہلے رفع یدین کرنا ہے یا نہیں؟
۹۰۔ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد، قرآن کریم میں سے جو چاہے پڑھے (مثلاً القصص وغیرہ) یا صرف قرآنی دعائیں پڑھے؟
۹۱۔ نماز قضا ہو جانے کا عام تصور: کہ جب نماز قضا ہو جائے تو بعد میں پڑھ لو، اور ساری عمر قضا نمازیں بھی پڑھتے رہو، کیا صحیح ہے؟
۹۲۔ دو مسجدوں کے درمیان کے جلسہ میں کیا کوئی دعائیں پڑھنا ہیں یا نہیں؟
۹۳۔ اقامت کیا چیز ہے جبکہ اذان تو ہو چکی ہوتی ہے تو پھر دوبارہ اذان چہ معنی دارد؟
۹۴۔ اذان کے بعد (جبکہ اذان وحی نہیں) درود شریف اور مضحکہ خیز دعا پڑھنے کے کیا معنٰی ہیں؟ خیال رہے کہ اذان لوگوں کو بلانے کی ندا ہے، صرف ندا۔ نماز کا حصہ نہیں۔
۹۵۔ جب ندا / اذان دی جائے تو سننے والے کو بھی وہی الفاظ دوہرانا ہے اور جب اذان میں حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ یا حی علی الفلاح پکارا جائے تو سننے والا لَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلّا بِاللّٰہ پڑھے۔ کہئے اس پر آپ کا عمل ہے؟
۹۶۔ جب مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جبکہ دو رکعت "تَحیۃ المسجد" نہ پڑھ لے۔ کہئے کیا اس پر آپ کا عمل ہے؟
۹۷۔ مسجد میں اگر بحالتِ صلوٰۃ تھوکے تو سامنے نہ تھوکے نہ دائیں بلکہ بائیں طرف تھوکے۔ کہئے کیا اس پر آپ کا عمل ہے؟ اگر نہیں تو ایک مرتبہ اس حدیث پر عمل کر کے دیکھئے اور پھر بتایئے کہ بائیں جانب والے نمازی کا کیا ردِّ عمل رہا؟
۹۸۔ مسجد کی دیوار پر تھوک دیکھے (شاید بائیں طرف کوئی نمازی نہیں ہو گا تو دیوار پر تھوک دیا!) تو اسے کھرچ کر اس جگہ خوشبو لگا دے۔
۹۹۔ عصر کی چار رکعتیں جو فرض سے پہلے پڑھی جائیں ان میں دو دو رکعت پر سلام پھیرنا چاہے۔ کہئے کیا اس پر آپ کا عمل ہے؟
۱۰۰۔ جب صبح کی صلوٰۃ کیلئے مسجد روانہ ہو تو دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَل فِی قَلبِی ...... اعطِنِی نورًا۔ کہئے کیا آپ یہ دعا پڑھتے ہیں؟
۱۰۱۔ کیا تمام صلوٰتوں میں آپ مسنون قراءت ہی کرتے ہیں یا اپنی مرضی سے آیات یا سورتیں پڑھتے ہیں؟
۱۰۲۔ کیا عیدین پر عورتیں اور بچے بھی صلوٰۃ العید میں شریک ہوتے ہیں یا نہیں؟

الغرض یہ اور اس قسم کے اور بہت سے فروعی سوالات ہیں جن پر یہ حدیثی لوگ متفق نہیں ہیں اور نہ ہی ان

فروعی مسائل پر ان کے پاس (نام نہاد) احادیث ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ بہت موٹا سا فروعی مسئلہ ہے کہ مرد اور عورت کے نماز پڑھنے کے طریقہ میں فرق کہاں سے آگیا؟ تو اہل فقہ کے پاس کوئی (نام نہاد) حدیث نہیں جو یہ فرق پیدا کرتی ہو۔ بلکہ ان کے خود ساختہ فقہی اماموں کے فیصلے ہیں جن کے تحت انہوں نے عورت کی نماز میں فرق پیدا کر لیا ہے! اسی طرح ان کے اماموں نے عورتوں کو نمازوں میں، خطبات و وعظ و نصیحت میں اور جہاد میں شریک ہونے سے روک دیا ہے لیکن جب حصول اقتدار کیلئے سیاسی ضرورت ہوتی ہے تو عورتوں کو سڑکوں پر لا کر جلوس نکلواتے ہیں اور نعرے لگواتے ہیں۔ مگر افسوس کہ انہیں شرم نہیں آتی! ہمارے ملک میں ایک سیاسی / مذہبی جماعت کا تو یہ جماعتی شعار ہی بن گیا ہے کہ ان کی عورتیں و لڑکیاں اکثر جلوس نکال رہی ہوتی ہیں یا کسی سڑک پر احتجاج کر رہی ہوتی ہیں۔ اور ان کے مرد عام طور پر نماز جمعہ کے بعد سڑکوں پر کوئی احتجاج کر رہے ہوتے ہیں یا جلوس نکال رہے ہوتے ہیں۔ دیگر مذہبی جماعتوں نے بھی نماز جمعہ کے بعد احتجاج اور جلوس و سیاسی ہنگامہ آرائی کو اپنا شعار بنالیا ہے جبکہ نماز جمعہ کے بعد یہ فعل انتہائی قبیح فعل ہے یونکہ اللہ تعالیٰ کا بڑا واضح حکم ہے کہ:

ترجمہ: "جب نماز پوری ہو جائے تو زمین میں پھیل[1] جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش[2] کرو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو[3] شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے (سورہ الجمعہ، آیت نمبر ۱۰، ترجمہ سید مودودی صاحب)

غور کیجئے یہاں تین باتیں یا تین کام بتائے گئے جو نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد کرنا ہیں:

۱۔ زمین میں پھیل جاؤ۔ (یعنی احتجاج کرنے یا جلوس نکالنے یا ہنگامہ آرائی کے لئے ایک جگہ اکٹھا نہ ہو جاؤ)

۲۔ اللہ کا فضل تلاش کرو (یعنی جمعہ کی اذان ہونے پر تم جو اپنے کاروبار، ملازمت یا خرید و فروخت چھوڑ آئے تھے وہ دوبارہ شروع کر کے معاشی طور پر اللہ کا فضل حاصل کرنے کی کوشش کرو)

۳۔ اللہ کو کثرت سے یاد کرتے رہو (یعنی احتجاجی نعرے، حکومت کے خلاف نعرے لگا لگا کر ہلڑ بازی نہ کرو بلکہ اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتے رہو اور یاد رکھو کہ فتنہ و فساد قتل سے بھی زیادہ بڑا جرم و گناہ ہے) (۲/۲۱۷ ، ۱۹۱ /۲ وغیرہم)

غرض اللہ تعالیٰ کی "ہدایت" کے مطابق، یہ سیاسی / مذہبی جماعتیں تینوں کام نہیں کرتیں اور دعویٰ یہ کرتی ہیں کہ وہ ملک میں اسلام نافذ کریں گی! کون سا اسلام؟؟ وہ اسلام جو ان کا خود ساختہ ہے! (معاذ اللہ)

اس مقام پر یہ بھی غور کرتے چلئے کہ جو حضرات کرام یہ فرماتے ہیں کہ تمام فرقوں کی نمازوں میں کوئی فرق نہیں یا کوئی اختلاف نہیں، سوائے تین چار باتوں کے، تو کیا اوپر کے صفحات پر تحریر کردہ اختلافات کے بعد بھی وہ یہی فرماتے رہیں گے؟؟ جبکہ حقیقت یہ ثابت ہوتی ہے کہ سوائے تین چار باتوں کے سب اختلاف ہی اختلاف ہے۔ وہ تین چار باتیں: قیام، رکوع، سجود اور قعدہ یا جلسہ ہیں۔ اس میں وہ یہ تو متفق ہیں کہ یہ چار ارکان نماز ہیں۔ مگر یہ کیسے ادا کرنا ہے؟ کیا پوزیشن بنانا ہے؟ ان میں کیا پڑھنا ہے؟ اس پر بھی متفق نہیں۔ اس سے یہی ثابت ہوا کہ وہ تقریباً سو فیصد ہی میں اختلاف / فرق ہے۔

## پھر نماز کیسے پڑھیں؟

...★ قارئین حدیثی نماز کی حالت آپ نے دیکھ لی۔ تو اب فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر نماز کس طرح پڑھی جائے گی؟ (خیال رہے کہ قرآنی اصطلاح صلوٰۃ ہے۔ نماز عجمی اصطلاح ہے)

ہمارا جواب یہ ہے کہ نماز اسی طرح پڑھی جائے گی جس طرح رسول اللہ سلامؑ علیہ اور ان کے صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے پڑھی تھی یا پڑھتے تھے۔

...★ رسول اللہ سلامؑ علیہ اور صحابہ کبارؓ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟

وہ اس طرح نماز پڑھتے تھے جس طرح حضرت ابراہیم سلامؑ علیہ نماز پڑھتے تھے۔ اور ان کے بعد دیگر انبیاء کرام اور ان پر ایمان لانے والے مسلمین نماز پڑھتے رہے۔

...★ رسول اللہ سلامؑ علیہ کو حضرت ابراہیم سلامؑ علیہ کا طریقۂ نماز کس طرح ملا تھا جبکہ ان کا زمانہ تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے کا تھا؟ کیا یہ طریقہ ان کی حدیثوں سے ملا تھا؟

حضرت ابراہیم سلامؑ علیہ کے زمانہ میں اور نہ ہی ان کے بعد ان کے نام سے حدیث کی کتابیں لکھی گئیں تھیں اور خود بھی موصوف یا دیگر اہل حدیث اور اہل فقہ اس قسم کا دعویٰ نہیں کرتے کہ حضرت ابراہیم سلامؑ علیہ کی بھی حدیثیں لکھی گئیں اور وہ رسول اللہ سلامؑ علیہ کو ملیں۔ بلکہ وہ تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں لکھنے کے لئے کاغذ وغیرہ مہیا ہی نہیں تھا جو کتابیں لکھی جاتیں اسی لئے قرآن کریم بھی پتوں، ہڈیوں، پتھروں کے ڈھیر پر لکھا گیا (نعوذ باللہ) اور کچھ صحابہؓ کی یادداشت یعنی حافظہ میں رہا یہ تو رسول اللہ سلامؑ علیہ کی وفات کے تقریباً فوراً بعد کاغذ مہیا ہو گیا تو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کریم لکھوا لیا اس لئے حضرت ابراہیم سلامؑ علیہ کی حدیثیں تو رسول اللہ سلامؑ علیہ کو نہیں ملیں البتہ صلوٰۃ دینی شعار اُن کا طریقۂ نماز تواتر عملی و قولی سے اُن تک ضرور پہنچا اور وہ ہی انہوں نے اپنایا۔

ذرا سوچئے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ آلِ ابراہیم ہی تھے ان کا خاندان خانہ کعبہ کا متولی وادی ام القریٰ کا رہائشی اور وہاں کے قبائل کا سردار چلا آ رہا تھا۔ دینِ ابراہیمی ان کے خون میں شامل تھا (یونکہ وہ حضرت اسمٰعیل سلامؑ علیہ کی نسل سے تھے جو حضرت ابراہیم سلامؑ علیہ کی بعثت کے بعد ہی پیدا ہوئے تھے) وہ، ان کے باپؒ، داداؒ سب مسلم تھے[1] اور کسی پر بھی بُت پرستی یا شرک کا الزام آج تک کسی اہل حدیث نے بھی نہیں لگایا بلکہ ان کے دادا حضرت عبد المطلبؒ کی ایمانی پختگی کا واقعہ تو انتہائی مشہور ہے کہ جب ابرہہ بادشاہ نے خانہ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا اور لوگوں نے آپؒ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی تو انہوںؒ نے بڑی شانِ بے نیازی سے جواب دیا کہ "جس کا وہ گھر ہے اس کی حفاظت وہ خود کرے گا"۔[2]

ایمان کے اس مضبوط داداؒ نے ہی اپنے پوتے محمد بن عبد اللہ کی پرورش پیدائش کے بعد ہی سے کی تھی۔ تو کیا انہوں نے اپنے دادا کی نماز اپنے پوتے کو نہیں سکھائی تھی جو سینہ بہ سینہ اور عملی و قولی تواتر سے مسلمین یعنی دین ابراہیم کے ماننے والے پڑھتے چلے آرہے تھے۔ یونکہ یہ وہ بنیادی عبادت ہے جو ایمان لانے کے بعد ہر مسلم پر اس طرح سے

---

۱؎ ان کے علاوہ اور لوگ بھی دین ابراہیم پر تھے مثلاً زید بن عمرو بن نُفَیل وغیرہ۔ دیکھئے صحیح بخاری جلد۔۲، ابواب المناقب۔ باب ۴۳۸ حدیث زید بن عمرو بن نُفَیل۔ ص۴۳۹۔ و صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ ص۵۔۔۔ ۲؎ دیکھئے کوئی بھی تاریخ، قبل از بعثتِ رسول عرب کی حالت"۔

لازم ہو جاتی ہے جس طرح سے زندہ رہنے کیلئے کھانا پینا۔ سوائے اس کے کہ مسلم اسلام چھوڑ کر بُت پرست ہو جائے (جس طرح عرب کے بہت سے قبائل بُت پرست ہو گئے تھے) یا کوئی اور مذہب اختیار کر لے۔ آج ابراہیم سلامٌ علیہ کے تقریباً چار ہزار سال بعد بھی دنیا میں مسلم اور غیر مسلم کی شناخت صرف نماز ہی ہے۔ جب کوئی مسلم دنیا کے کسی بھی حصہ میں یا خطّہ میں نماز پڑھنے کھڑا ہو جاتا ہے (خواہ مسجد کے علاوہ سرک یا میدان ہی میں) تو وہ دُور سے پہچان لیا جاتا ہے کہ مسلم ہے گویا کہ نماز / صلوٰۃ مسلمین کا شعار بن گئی (علاوہ فرضیت کے)۔ جبکہ دین ابراہیمی سے الگ ہو کر جن لوگوں نے اور مذاہب مختلف ناموں سے بنا لئے (مثلاً یہودیت، عیسائیت وغیرہ) انہوں نے اپنی اپنی نمازوں کے طریقے بھی جداگانہ کر لئے اس کے باوجود وہ لوگ مسلمین کی طرح ہر جگہ نماز ادا نہیں کرتے بلکہ مخصوص مقامات پر ہی ادا کرتے ہیں۔ اس لئے شکل صورت، وضع قطع، لباس و زبان وغیرہ کسی چیز سے مسلم اور غیر مسلم کی شناخت نہیں ہوتی یہ صرف اس کا دینی شعار ہے جس سے اس کی شناخت ہوتی ہے۔ تو ایسی اہم عبادت کا (نام نہاد) حدیثوں میں لکھا ہونا ضروری نہیں۔ ایک مسلم کے ہاں جب بچہ چند سالوں کا ہو جاتا ہے تو اس کو قرآن کریم (ناظرہ) پڑھنا اور نماز پڑھنا ضرور سکھایا جاتا ہے خواہ اس کے لئے مختصر سے مختصر قرآن کی سورتیں ہی سورہ فاتحہ کے علاوہ یاد کرا دی جائیں۔ نیز گھروں میں ہر شخص، عورت و مرد، سب نماز پڑھ رہے ہوتے ہیں۔ مسجدوں میں باقاعدگی سے نماز ہو رہی ہوتی ہے اور بچے بھی اس میں شریک کئے جاتے ہیں۔ جمعہ اور عیدین میں خصوصاً بچوں کو شریک کیا جاتا ہے[1]۔ اس لئے وہ سب وہی نماز پڑھتے ہیں جو اپنے باپ دادا سے، بزرگوں سے، اہل محلہ و اہل مسجد سے سیکھتے ہیں۔ اس لئے نماز پڑھنا تو سب کو آتی ہے۔ اس کے لئے (نام نہاد) احادیث کی ضرورت نہیں۔ پس یہ سوال کرنا ہی حماقت اور جہالت اور سازش پر مبنی ہے کہ بغیر حدیثوں کے نماز کیسے پڑھیں گے۔ حدیثوں میں نماز کی حالت و کیفیت تو آپ نے ملاحظہ کر ہی لی کہ ان پر عمل کر کے تو اور کنفیوژن ہی بڑھتا ہے بلکہ شر و فساد پھیلتا ہے اور آپس میں مسلمین میں جُوتم بیزار اور سر پھٹوّل ہوتی ہے۔ مقدمہ بازی ہوتی ہے غور کیجئے کہ جب شروع کی صدیوں میں یہ (نام نہاد) احادیث کی کتابیں نہیں لکھی گئی تھیں تو نماز کس طرح پڑھی جاتی تھی؟ اس وقت بھی نماز اسی طرح سے پڑھی جاتی تھی جس طرح اس کو بزرگوں نے سکھایا ہوتا تھا اور اس کے بعد بھی اسی طرح پڑھی جاتی رہی اور پڑھی جا رہی ہے۔ برصغیر ہندوستان میں مُلّاؤں کے پاس (نام نہاد) احادیث کی کتابیں کہاں تھیں؟ یہ تو سب سے پہلے شاہ ولی اللہ صاحب جب حج کر کے واپس آئے تو اپنے ساتھ لائے[2]۔ اس کے بعد برصغیر ہندوستان میں "اہل حدیث" فرقہ بنا اور انگریز بہادر جج کے فیصلہ کے بعد ان کا یہ نام مخصوص کیا گیا[3]۔ پھر (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے نماز کا طریقہ مرتب کیا جانا شروع ہوا۔ اگر یقین نہ آئے تو دیکھ لیجئے مشہور

---

[1]۔ یہ ماحول شروع اسلام سے گھروں اور محلوں میں اسی طرح سے چلا آ رہا تھا۔ حتیٰ کہ انگریز کی غلامی کے دَور میں بھی یہی تھا۔ لیکن اب انگریز سے (نام نہاد) آزادی ملنے کے بعد کے پچاس سالہ دَور میں جب سے ریڈیو، ٹی وی عام ہوا ہے آہستہ آہستہ یہ ماحول بدل رہا ہے اور مولوی پر انحصار بڑھ رہا ہے۔ اسی لئے پیشہ ور مولویوں کی بن آئی ہے!۔۔۔ [2]۔ یعنی یہ واقعہ اب سے تقریباً ڈھائی سو سال پہلے بارہویں صدی ہجری کا ہے۔۔۔ [3]۔ یہ واقعہ ۱۸۸۹ء میں ہوا۔ (ملاحظہ ہو چٹھی حکومت ہند بنام حکومت پنجاب نمبر ۱۷۵۸، مؤرخہ ۳۔ دسمبر ۱۸۸۹ء کہ فرقہ اہلحدیث کو سرکاری دفتروں میں وہابی لکھنے کی ممانعت کی گئی اور انہیں اہلحدیث کا نام دیا گیا۔ بحوالہ "اہل حدیث کا مذہب" مؤلفہ شیخ الاسلام ثناء اللہ امرتسری صاحب۔ اہل حدیث اکیڈمی کشمیری بازار لاہور۔ ۱۹۷۵ء، ص ۱۱۱

اہل حدیث عالم جناب صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب "صلوۃ الرسول" وہ کیا طریقہ بتاتے ہیں؟ (وہ بچارے خود اتنے کنفیوژڈ ہیں کہ تکبیر تحریمہ تک کے بعد کوئی ایک ثناء منتخب نہ کر سکے کہ یہ پڑھی جائے بلکہ دو ثنائیں لکھ دی ہیں جبکہ علامہ ناصر الدین البانی نے بارہ (۱۲) ثنائیں لکھی ہیں! اسی طرح دیگر ارکان میں کنفیوژن ہی کنفیوژن ہے۔) اور اب ہمارے موصوف کیا طریقہ بتاتے ہیں؟ الغرض برصغیر ہندوستان میں شاہ ولی اللہ صاحب کے (نام نہاد) احادیث کی کتابیں آنے سے پہلے بھی تو ہزار سال سے زیادہ سے نماز پڑھی جاتی تھی اور زیادہ پابندی اور اہتمام سے پڑھی جاتی تھی اور یقیناً یہی حال دیگر اسلامی و غیر اسلامی ممالک میں رہا ہو گا۔ تو اگر صدیوں، بغیر (نام نہاد) احادیث کے نماز پڑھی جاتی رہی ہے تو آج کیوں نہیں پڑھی جا سکتی!

...★ اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ کونسا طریقۂ نماز صحیح ہے جس طرح نماز پڑھی جائے؟

تو ہر طریقۂ نماز صحیح ہے یونکہ اب مسلمانوں کے ہر فرقہ کے پاس اپنی اپنی حدیثیں بھی ہیں اور اپنے اپنے آباؤ اجداد سے سیکھے ہوئے طریقے بھی۔ ہر شخص اپنے ہی فرقہ کے طریقہ پر خوش ہے اور اسی کو صحیح سمجھتا ہے۔ جب اہل حدیثوں کی نماز کی کتابیں اور ان کی (نام نہاد) احادیث آپس کا اختلاف ختم نہ کر سکیں تو پھر اب اس سوال کا جواز ہی نہیں رہ جاتا کہ کونسا طریقۂ نماز صحیح ہے؟ (نام نہاد) احادیث تو خود کوئی ایک طریقۂ نماز نہیں بتا رہی ہیں! نیز سب کے طریقۂ نمازیوں بھی صحیح ہیں کہ بنیادی ارکان (قیام، رکوع و سجود و جلسہ) سب فرقے ہی ادا کر رہے ہیں۔ اصل معاملہ دل و نیت اور عقائد کا ہے۔ اگر کسی فرقہ کا عقیدہ عین قرآنی ہے تو اس کی نماز بھی صحیح لیکن اگر کسی فرقہ کا عقیدہ غیر قرآنی یعنی مشرکانہ ہے تو اس کی نماز بھی مشرکانہ ہی ہو گی یونکہ وہ تو مشرکانہ نداء ہی دیتا ہو گا۔ یا مشرکانہ دعا کرتا ہو گا۔

...★ قارئین یہ تو تھا عقلی اور تاریخی جواب کہ نماز کس طرح پڑھیں۔ اب آ جایئے اصلیت کی طرف کہ نماز کس طرح پڑھیں۔ تو دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں؟

۱۔ قرآن کریم کے مطابق تاریخ انسانی کا پہلا دَور حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح سلامٌ علیہ تک[۱] ہے

۲۔ پھر طوفانِ نوح کے بعد دوسرا دَور حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ سے شروع ہوتا ہے اور ہمارا تعلق اسی دوسرے دَور سے ہے۔ اس دَور کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کو انسانیت کے لئے امام بنا دیا (قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ۔ ۲/۱۲۴)

۳۔ پھر ابراہیم سلامٌ علیہ اور لوط سلامٌ علیہ کو اس سرزمین کی طرف بھیج دیا جس میں اللہ رب العزت نے اہل عالم کیلئے برکتیں رکھیں ہیں۔ پھر انہیں (ابراہیم کو) اسحٰق اور یعقوب (پوتا) عطا کئے ان سب کو صالحین بنایا اور امام بنایا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے تھے اور اُن کو عملِ خیر کرنے، صلوٰۃ قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا تو ان لوگوں نے حقِ عبدیت ادا کر دیا (۷۱-۷۳/۲۱)

---

[۱] ہبوط آدم کے وقت اللہ تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ "جب میری طرف سے تمہارے پاس ہدایت پہنچے (تو اس کی پیروی کرنا) تو یقیناً ہدایت میں صلوٰۃ بھی شامل رہی ہو گی اس لئے اس کا ذکر علیحدہ سے نہیں کیا گیا۔ لیکن حضرت ابراہیم اور ان کے بعد انبیاء سے بار بار اس کا ذکر کیا ہے۔ ویسے بھی قرآن کریم اسی دوسری دَورِ تاریخ کو زیادہ تفصیل سے ذکر کرتا ہے۔

۴۔ پھر جب ابراہیم سلامٌ علیہ اور ان کے بیٹے اسمٰعیل سلامٌ علیہ نے کعبۃ اللہ بنالیا تو اللہ تعالیٰ نے اُس کو لوگوں کے جمع ہونے اور امن پانے کی جگہ مقرر کر دیا اور حکم دیا کہ اِس مقام ابراہیم پر پڑھی گئی (مُصلّٰی) صلوٰۃ کو لے لو، پکڑ لو (واتَّخِذُوْا)۔ پھر ابراہیم اور اسمٰعیل سے یہ عہد لیا (یعنی حکم دیا) کہ اس گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں یعنی صلوٰۃ ادا کرنے والوں کیلئے صاف ستھرا رکھیں۔ (۲/۱۲۵)

۵۔ پھر ابراہیم سلامٌ علیہ نے اس حکم پر عمل کیا اور اپنے بیٹے اسمٰعیل سلامٌ علیہ کو اسی غیر زرخیز سرزمین میں بسا دیا۔ تاکہ وہ (لِيُقِيمُوا الصَّلٰوۃ) صلوٰۃ قائم کریں (۱۴/۳۷)

۶۔ پھر وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زیادہ عمر میں مدد کیلئے اسمٰعیل اور اسحٰق عطا کئے اور دیگر خیر کی دعاؤں کے ساتھ یہ دعا بھی فرماتے تھے کہ "اے پروردگار مجھ کو (ایسی توفیق عنایت) کر کہ صلوٰۃ قائم رکھوں اور میری اولاد کو بھی (یہ توفیق بخش) اے پروردگار میری دعا قبول فرما" (۱۴/۴۰)

۷۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمالی۔ اور صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم قائم و دائم کر دیا چنانچہ ابراہیم کے بعد حضرت اسمٰعیل بھی اپنے اہل خانہ کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کا حکم کرتے رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگئے (۱۹/۵۵)

۸۔ پھر اسحٰق اور یعقوب بھی صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیتے رہے (۲۱/۷۳)

۹۔ اُن کے بعد اُن کی آل، آل یعقوب یا بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا کہ صلوٰۃ قائم کریں گے (۲/۸۳)، (۲/۴۳)

۱۰۔ شعیب سلامٌ علیہ بھی اپنی قوم مدین کو صلوٰۃ قائم کرنے کی تلقین کرتے رہے۔ (۱۱/۸۷)

۱۱۔ حتیٰ کہ موسیٰ سلامٌ علیہ کا زمانہ آ گیا تو انہیں اور ان کے بھائی کو بھی وحی کی گئی کہ صلوٰۃ قائم کریں (۱۰/۸۷، ۲۰/۱۴)

۱۲۔ زکریا سلامٌ علیہ بھی صلوٰۃ قائم کرتے رہے (۳/۳۹)

۱۳۔ حتیٰ کہ عیسیٰ سلامٌ علیہ کی بعثت ہوگئی اور انہیں بھی صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ (۱۹/۳۱-۳۰)

۱۴۔ عیسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد اور بعثت محمد سلامٌ علیہ سے پہلے کے لوگ بھی صلوٰۃ ادا کرتے رہے گو کہ اکثریت نے اسے بگاڑ کر شرکیہ و کفریہ بنالیا تھا جس کی حقیقت تالیاں بجانے یا سیٹیاں بجانے جیسی ہوگئی تھی (۸/۳۵) لیکن یقیناً بچے کھچے مسلمین اس سے مستثنیٰ تھے۔

۱۵۔ عیسیٰ سلامٌ علیہ کے بعد جب محمد رسول اللہ سلامٌ علی کی بعثت ہوئی تو انہیں بھی صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ (۱۱/۱۱۴، ۱۷/۷۸، ۱۷/۷۹، ۲۰/۱۳۰)

۱۶۔ پھر انہیں اپنے اہل خانہ کو صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ (۲۰/۱۳۲)

۱۷۔ پھر ایمان لانے والوں کو صلوٰۃ قائم کرنے کا حکم دیا گیا۔ (۲/۱۵۳، ۲/۱۷۷، ۲/۲۳۸، ۲/۲۷۷، ۴/۴۳، ۴/۱۰۱، ۴/۱۰۲، ۴/۱۰۳، ۵/۶، ۶/۷۲، ۶/۱۶۲، ۹/۱۱، ۹/۱۸، ۱۱/۱۱۴، ۱۴/۳۱، ۱۷/۱۱۰، ۲۲/۴۱، ۲۲/۷۸، ۲۳/۲، ۲۳/۹، ۲۴/۵۶، ۲۹/۴۵، ۳۰/۳۱، ۲۹/۳۵، ۳۸/۴۲، ۵۸/۱۳، ۹/۶۲، ۲۳-۲۲، ۷۰/۲۰، ۷۳/۲۰، ۹۸/۵، ۱۰۸/۲)

۱۸۔ پھر تلقین کی گئی کہ ابراہیم کے طریقہ یا مِلَّۃ (مِلَّۃَ اِبْرٰھِمَ)[۱] سے کون روگردانی کر سکتا ہے سوائے اس کے جو بہت ہی نادان ہو۔ (۲/۱۳۰)

---

۱۔ مِلَّۃَ کے معنٰی ہیں سنت، طریقہ۔ (لسان العرب)

۱۹۔ پھر حکم دیا گیا کہ آپ کہہ دیجئے کہ (ہم یہودی یا عیسائی نہیں ہونے کے، بلکہ) ہم تو مِلَّةِ ابراہیم اختیار کریں گے (جو کہ یہ ہے کہ وہ) ایک اللہ کے ہو رہے تھے اور کسی کو اس کا شریک نہیں ٹھہراتے تھے (۲/ ۱۳۵)، یعنی صلوٰۃ میں بھی شرکیہ ندا نہیں دیتے تھے۔

۲۰۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف وحی بھیجی کہ مِلَّة / طریقہ ابراہیمی کی اتباع کریں جو صرف اللہ کے ہو رہے تھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے۔ (۱۶/ ۱۲۳، ۳/ ۹۵، ۴/ ۱۲۵)

۲۱۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اعلان کر دیجئے کہ میرے ربّ نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کر دی ہے جو کہ دینِ استوار یعنی ابراہیم کا طریقہ ہے جو صرف اللہ ہی کے ہو رہے تھے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے تھے (۶/ ۱۶۲)

۲۲۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی تصدیق بھی فرمادی کہ ی نبی یعنی محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ اور وہ لوگ جو ایمان لے آئے ہیں (یعنی صحابہؓ) ابراہیم سے نزدیک تر ہیں اور ان ہی کی اتباع کرتے ہیں یعنی اُن کے طریقہ پر ہیں۔ (۳/ ۶۸)

پس اللہ تبارک و تعالیٰ کی تصدیق سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین ابراہیم سلامٌ علیہ ہی کے طریقہ کے مطابق ہی صلوٰۃ بھی قائم کرتے تھے۔ تو یقیناً وہ طریقہ صدیوں بلکہ ہزاروں سالوں سے انبیاء کرام اور ان کی امتوں کی وساطت سے چلا آ رہا تھا۔ (اگر اس میں کہیں کوئی غلطی ہو گئی تھی یا تبدیلی آ گئی تھی یا زبان کا فرق ہو گیا تھا، تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے آیاتِ قرآنی کی روشنی میں تصحیح فرمالی ہو گی[1]) اور آج تک چلا آ رہا ہے۔ کوئی بھی (نام نہاد) احادیث میں لکھی نماز نہیں پڑھ رہا ہے جیسا کہ ہم پیچھے آپ کو ملاحظہ کرا چکے، حتیٰ کہ اہل حدیث خود وہ نماز نہیں پڑھ رہے!

قارئین اگر آپ ذرا سا غور کریں تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ شب معراج میں (یعنی بعثتِ نبوی کے بارہ سال بعد) نماز فرض ہونے کی روایت محض افسانہ ہے اسی طرح سے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں جبریل کا آکر نماز پڑھ کر دکھلانا بھی افسانہ ہی ہے۔ صلوٰۃ تو رسول اللہ سلامٌ علیہ پر بچپن ہی سے فرض تھی یونکہ وہ تو مسلم ہی پیدا ہوئے تھے اور بچپن ہی سے صلوٰۃ قائم کر رہے تھے حتیٰ کہ جوانی کے دنوں میں تو خانہ کعبہ میں جا کر صلوٰۃ قائم کرتے تھے اور اعتکاف کرتے تھے لیکن جب وہاں بت پرستوں کی تعداد زیادہ ہو جاتی تھی تو آپ غارِ حراء میں جا کر اعتکاف کرتے تھے اور صلوٰۃ قائم کرتے تھے[2] اور دین کو پھر سے غالب کرنے کے بارے میں غور و فکر کرتے تھے، منصوبہ بندی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے حضور کامیابی کی دعائیں مانگتے تھے۔ پھر آپ کی نبی کی حیثیت سے بعثت ہو جانے پر بھی صلوٰۃ آپ پر اسی طرح فرض رہی اور آپ اس کو اکثر خانہ کعبہ ہی میں ادا کرتے رہے جہاں مشرکین روڑے اٹکاتے رہے حتیٰ کہ ابو جہل نے تو ایک مرتبہ اونٹ کی اوجھڑی تک آپ پر سجدہ کی حالت میں ڈال دی تھی[3]۔ تو اگر صلوٰۃ پہلے سے فرض نہیں تھی اور

---

[1] اہل فقہ میں تو اکثر فرقے اس بات کے قائل ہیں کہ نماز رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اجتہاد سے مقرر فرمائی اور کئی (نام نہاد) حدیثوں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً اذان کا طریقہ مقرر کرنا وغیرہ۔۔۔ [2] صحیح بخاری جلد ا۔ کتاب الوحی حدیث ۳۔ عن عائشہؓ۔ و دیگر کتب تاریخ۔۔۔ [3] صحیح مسلم۔ جلد ۵۔ کتاب الجہاد والسّیر، باب ما بقی النبی من اذی المشرکین و منافقین۔ ص ۲۷، و صحیح بخاری کتاب الجہاد وغیرہ

آپ نہیں پڑھ رہے تھے تو پھر اس قسم کے واقعات کیوں ہوتے تھے ؟ فسانۂ معراج میں تو یہاں تک ہے کہ معراج پر جاتے ہوئے بیت المقدس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صلوٰۃ قائم کی اور انبیاء کرام کی جماعت کی امامت کی ! کہیۓ اگر صلوٰۃ معراج سے پہلے فرض نہیں تھی تو آپ کیسے ادا کر رہے تھے ؟ بات یہ ہے کہ (نام نہاد) حدیثی افسانے حقیقت سے بہت دُور ہیں ہمارے موصوف نے تو اپنی "تاریخ" میں شروع ہی میں "آثارِ نبوت" کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ بعثت سے پہلے ہی ایک رات کو خواب میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو معراج ہوئی جس میں صلوٰۃ بھی فرض کر دی گئی اور باقی تمام واقعات تقریباً وہی لکھے ہیں جو معراج حالت بیداری میں بعثت سے دس بارہ سال بعد ہوئی جس میں صلوٰۃ فرض کی گئی ! دونوں خانہ کعبہ میں سوتی جاگتی حالت میں ہوئیں[1] ! بتایئے کونسی بات صحیح ہے ؟

الغرض، خلاصہ یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو بچپن ہی سے مسلم تھے اور مِلَّۃِ ابراہیم کے مطابق صلوٰۃ قائم کرتے تھے۔ ویسے ہی دیگر صحابہ کبارؓ صلوٰۃ قائم کرتے رہے اور خانہ کعبہ میں وہی صلوٰۃ قائم کی اور وہیں کی دیکھا دیکھی اور سینہ بہ سینہ صلوٰۃ مسلمین میں رواج پا گئی۔ یہاں یہ حقیقت بھی نوٹ کر لیجئے کہ خانہ کعبہ میں یا باہر جہاں کہیں بھی صلوٰۃ ادا کی جا رہی ہے تو وہ خانہ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے ادا کی جا رہی تھی، بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نہیں ! جن لوگوں نے دوسرے قبلہ کا افسانہ تراشا ہے وہ سب بکواس ہے ورنہ کوئی مائی کا لعل یہ ثابت کر دے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خانہ کعبہ میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر رہے تھے اس لئے ابوجہل نے اوجھڑی منگا کر آپ کی پیٹھ پر رکھ دی تھی۔ جو یہ کہتے ہیں کہ آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم ملا تھا تو لائیں وہ حکم کسی (نام نہاد) حدیث میں دکھائیں ؟ اس کا پورا طریقہ کہیں کسی ایک (نام نہاد) حدیث میں نہیں بیان کیا گیا، نہ ہی کسی ایک (نام نہاد) حدیث کی کتاب میں بیان کیا گیا۔ حد تو یہ ہے کہ کوئی ایسی بھی (نام نہاد) حدیث نہیں کہ فلاں صحابہؓ کے پاس "کتاب الصلوٰۃ" تھی یا فلاں کی تلوار کی نیام میں کتاب الصلوٰۃ ملی یا فلاں غار میں کتاب الصلوٰۃ ملی یا پارس کی فلاں لائبریری میں کتاب الصلوٰۃ ملی ! ہاں یہ ممکن ہے، بلکہ شاید ضرور، رسول اللہ سلامٌ علیہ نے پوری صلوٰۃ پڑھنے کا طریقہ ضرور ایک جگہ لکھوایا ہو گا (تاکہ کہیں غلطی نہ ہو جائے تو صلوٰۃ ہی نہ ہو !) مگر شاید کہ دوسری اور تیسری صدی کے منکرینِ حدیث نے اسے ضائع کر دیا ہو یونکہ ان بڑے بڑے لوگوں نے لاکھوں صحیح احادیث کا انکار کر کے انہیں رَدّ کر دیا تھا ! اس لئے آج صحیح اور پورا طریقۂ نماز کہیں حدیث میں نہیں ملتا۔ ہمارے موصوف نے جو کاوش عظیم کی کہ ہزار سال سے غائب طریقۂ نماز کو جمع کرنے کی کوشش کی (بقول شخصے موتی پرو پرو کر ہار بنایا) اس میں بھی وہ سب کو متفق کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور بہت سی باتوں کے لئے انہیں کوئی (نام نہاد) حدیث نہ ملی، جیسا کہ ہم پیچھے دکھا چکے۔ اس لئے بات وہیں پر ختم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ اسی طرح ادا کی جائے گی جس طرح ہمیں بچپن سے سکھائی جا رہی ہے اور اس کی اصلاح مقام ابراہیم پر پڑھی جانے والی صلوٰۃ کو دیکھ کر حکم الٰہی (۲/۱۲۵) کے مطابق کی جائے گی۔ یہ خیال رکھنا ہو گا کہ کوئی کلمہ مشرکانہ نہ ہو اور صرف سر و پیٹھ ہی نہ جھکے بلکہ پورے خلوص سے قلب اللہ کے حضور میں جھک جائے، ریاکاری نہ ہو بلکہ صرف اسی کی خوشنودی کے لئے ادا کی جائے، صرف اسی کی صلوٰۃ ادا کی جائے غیر اللہ کے نام کی نہ ادا کی جائے۔

قارئین امید ہے کہ یہ سازش تو آپ بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ سوال کرنے والے کہ بغیر (نام نہاد) حدیث

[1] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین"۔ ص ۶ اور ص ۱۳۳

کے نماز کیسے پڑھیں گے، خود بھی (نام نہاد) حدیث کے مطابق نماز نہیں پڑھتے بلکہ اس میں انہوں نے بدعات نکال لی ہیں اور مشرکانہ نداء دیتے ہیں۔ صحیح نماز کا ایک نقشہ اب آپ کے سامنے آ چکا۔ اس لئے اب آپ بے دھڑک ہو جایئے اور یہ یاد رکھئے کہ باطل کبھی بھی آزادانہ نہیں چھاجاتا بلکہ حق پرست ہمیشہ رہتے ہیں اور باطل کو، ہر بدعت کو، اصلیت سے انحراف کو فوراً ریکارڈ کا حصہ بنادیتے ہیں تاکہ آنے والی نسلیں باخبری میں اور باطل میں مبتلا نہ ہوں۔ (جیسا کہ اذان میں نئے الفاظ مثلِ خلیفہ راشد کا اسم گرامی، صلوٰۃ وسلام وغیرہ، کالے کپڑے پہننا، مذہب کے نام پر جلوس نکالنا، عیدین کے علاوہ عید منانا، وغیرہ وغیرہ سب کے بارے میں مل جاتا ہے کہ کب شروع کیا گیا۔ اب چھ سات سال پہلے کراچی کی ایک مسجد میں جو کہ ایک ناکام سیاست دان پیر و مولوی کے زیرِ اثر ہے نمازِ عصر کے بعد ختم درود شریف شروع کیا گیا ہے، جبکہ پاکستان بننے کے بعد سے اہل حدیث و اہل فقہ کے ہاں وقتاً فوقتاً ختم بخاری ہوتا رہتا ہے) کیا یہ ختم رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبارؓ کے عہد میں بھی ہوتے تھے؟ اگر نہیں تو پھر دین کا حصہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

قارئین اب یہ اعتراض کیا جائے گا کہ باپ دادا کی تقلید کرنے سے تو منع کیا جاتا ہے تو پھر باپ دادا کی سکھائی ہوئی صلوٰۃ کیسے ادا کریں؟

تو اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ باپ دادا کی اندھی تقلید یعنی بے دلیل عمل کرنے سے منع کیا جاتا ہے۔ یہ تو منع نہیں کیا جاتا کہ اگر تمہارے باپ دادا مسلم ہیں تو تم مسلم نہ بنو! آخر آپ مسلم کہاں سے ہو گئے؟ عام طور پر اس لئے مسلم ہیں کہ مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں۔ (اب دیکھنا یہ ہے کہ شرک تو نہیں کر رہے؟) پہلے جب لوگوں سے اسلام قبول کرنے کو کہا جاتا تھا تو وہ اعتراض کرتے تھے کہ واہ ہم اپنے باپ دادا کے طریقہ کو چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَوَ لَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ۝ (بھلا اگر ان کے باپ دادا نہ تو کچھ جانتے ہی ہوں اور نہ ہدایت پر ہوں) (۵/۱۰۵)۔ تو ایسے باپ دادا کی تقلید سے منع کیا گیا ہے۔ اور دیکھئے دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے فواحش کے کاموں میں باپ دادا کی تقلید سے منع کیا (۷/۲۸)، تیسری جگہ فرمادیا: کہ اگر تمہارے ماں باپ بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی نہ رکھو (۹/۲۳)۔ الغرض کفر و شرک و فواحشات یا بُرے کاموں میں ان کی تقلید سے منع کیا گیا لیکن صلوٰۃ یا معروف کاموں کو سیکھنے سے منع نہیں کیا گیا۔ غور کیجئے کہ جب شعیب سلامٌ علیہ نے اپنی قوم پر اسلام پیش کیا تو انہوں نے کیا جواب دیا:

"شعیب کیا تمہاری صلوٰۃ تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ جن کی عبادت ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں (یعنی آباء و اجداد کے غلط طریقے، بُت پرستی، قبر پرستی، شخصیت پرستی وغیرہ) ہم اُن کو ترک کر دیں........" (۱۱/۸۸)

پس آپ بھی اس سے سبق سیکھئے کہ اگر باپ دادا نماز میں کوئی شرکیہ فعل یا شرکیہ نداء سکھاتے ہیں تو اسے نہ اپنایئے اور اپنی عبادت کو خالص اللہ کے لئے بنایئے (۷/۲۰-۱۸) اس میں غیر اللہ کا نام نہیں آنا چاہئے (غور کیجئے کہ آپ جلسہ میں جو کچھ پڑھتے ہیں اس میں غیر اللہ کے نام ندائیہ طور پر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں!)

★ ... اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں معروف کاموں سے منع نہیں کیا گیا ہے بلکہ بعض مروّجہ چیزوں کو (جو کہ باپ دادا ہی کے ذریعہ ہم سے پہلوں تک پہنچیں اور پھر ہم تک پہنچیں) یونہی، جوں کا توں، قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (مثلاً حج کے مہینے معلوم ہیں (۲/۱۹۷)، حج، قربانی کرنے کے دن معلوم ہیں

(۲۸ /۲۲)، اپنے مال میں سے زکوۃ وصدقات کا حق معلوم ہے (۲۴ /۷۰) وغیرہ) اور معروف چیزوں کو بھی یونہی قبول کرنے کا حکم دیا گیا ہے (مثلاً فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ (۱۷۸ /۲)، دستور کے مطابق وصیت کرو (۱۸۰ /۲)، عورتوں کا حق مردوں پر ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق مردوں کا حق عورتوں پر ہے (۲۲۸ /۲)، اچھے کاموں کی طرف بلاؤ (۱۰۴ /۳)، شرک میں ان کا ساتھ نہ دینا لیکن دنیا کے کاموں میں ان کا معروف کے مطابق ساتھ دینا (۱۵ /۳۱)، طَاعَةٌ مَعْرُوفَةٌ (۵۳ /۲۴) اور طَاعَةٌ وَّ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ (۲۱ /۴۷) وغیرہ) تو کیا صلوٰۃ معروف کاموں میں نہیں آتی کہ اس کو باپ دادا سے سیکھ کر اپنایا جائے جبکہ وہ صدیوں سے سینہ بہ سینہ بلکہ تواتر قولی اور تواتر عملی سے ادا کی جارہی ہے اور بدیہی طور پر مسلم اور غیر مسلم میں شناخت کرنے والی ہے (جبکہ مخصوص وضع قطع، لباس وداڑھی وغیرہ سے یہ شناخت نہیں ہوتی یونکہ دنیا کے ہر مذہب والا داڑھی رکھتا ہے، ٹوپی پہنتا ہے بلکہ یہودی اور مجوسی تو اس معاملہ میں زیادہ کٹر ہیں!)

نماز کس طرح، صحیح طریقہ پر، پڑھی جائے (نماز یعنی پڑھ کر ادا کی جانے والی علامتی عبادت (فَصَلِّ) جبکہ "صلوٰۃ" بہت وسیع المطلب اور کثیر الجہت عبادت ہے جو قائم کی جاتی ہے (اَقِيمِ الصَّلٰوةَ)۔ اس تفصیل میں ہم اس وقت نہیں جانا چاہتے یونکہ وہ ہماری اس کتاب کا موضوع نہیں ہے۔ پس اس لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اسے اسی طرح سے ادا کیا جائے جس طرح سے باپ دادا سے یا امت سے سیکھا ہے ہاں، البتہ اس کی اصلاح کے لئے کہ کوئی خامی نہ رہے اور کہیں پر شرکیہ نداء نہ ہو، قرآن کریم کے اصولی احکام پر عمل کیا جائے اور مقام ابراہیم یعنی خانہ کعبہ کی طرف دیکھا جائے کہ وہاں پر کس طرح ادا کی جارہی ہے (۱۲۵ /۲) انشاء اللہ مقصد پورا ہو جائے گا بشرطیکہ حضوریٔ قلب بھی ہو اور اسی کے لئے ہمیں اللہ تعالیٰ نے اپنی الکتٰب میں حکم بھی دیا ہے کہ:

"اور جو شخص ہدایت کے ظاہر ہو جانے کے بعد رسول کے مطابق نہ چلے اور ایمان لانے والوں کے راستے (سَبِيلِ الْمُؤْمِنِيْنَ) کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے تو ہم اُسے اُدھر ہی جانے دیں گے جس طرف جانے کے لئے اُس نے رُخ پھیر لیا ہے، پھر ہم اُسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ بہت ہی بُری جگہ ہے" (۱۱۵ /۴)

تو ظاہر ہے کہ مِلَّةِ ابراہیمی یا ابراہیم سلامٌ علیہ کا نماز کا طریقہ (نام نہاد) احادیث میں نہیں لکھا ہوا ہے (بخاری، مسلم، موطاء وغیرہ میں بھی نہیں جیسا کہ ہم پیچھے بتا چکے اور نہ ہی صادق سیالکوٹی صاحب کی "صلوٰۃ الرسول" میں اور نہ ہی مسعود احمد صاحب کی "صلوٰۃ المسلمین" میں) وہ تو قولی تواتر اور عملی تواتر سے اُن پر ایمان لانے والوں کے ذریعہ چلا آ رہا ہے چنانچہ ہم اسی پر عمل کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلبگار ہیں۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سَبِيلِ الْمُفسِدِين سے (جو ہم پچھلے صفحات پر احادیث کے حوالے سے دیکھ آئے ہیں) بچائے رکھے یونکہ اس سے تفرقہ ہی پیدا ہوتا ہے اور دیکھئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنی اور اپنے متبعین کا راستہ (سَبِيل) کیا بتا رہے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ ہی نے ان کو حکم دیا کہ:

"کہہ دیجئے کہ یہ (قرآن ہی) میرا راستہ ہے کہ میں (اس کے ذریعہ) اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ میں اور میری پیروی کرنے والے سمجھ بوجھ (یعنی بصیرت کے ساتھ اس) پر (قائم) ہیں، اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں" (۱۰۸ /۱۲)

یعنی رسول اور اُن کے متبعین قرآنی راستہ پر علیٰ وجہ البصیرت قائم ہیں (کہ مِلَّةِ ابراہیمی کی اتباع کر رہے ہیں) اور کسی قسم کا شرک نہیں کر رہے، نہ ہی کوئی شرکیہ ندا دے رہے ہیں۔ اس لئے ہمیں بھی وہی راستہ اختیار کرنا چاہئے۔

اس مقام پر، میں ایک عظیم غلطی کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں کہ تمام ہی مترجمین و مفسرین نے سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۱۲۵ کے حصہ "وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى" میں لفظ "مُصَلًّى" کا ترجمہ صحیح نہیں کیا۔ مُصَلًّى کو انہوں نے مصلےٰ ، مُصَلّٰى / مُصَلًّا بنا دیا اور ترجمہ نماز کی جگہ کر دیا۔ جو کہ اس آیت کریمہ میں بالکل غلط ہے۔ یونکہ مُصَلّٰى / مُصَلًّا تو عربی قواعد کے مطابق اسم ظرف ہے تو اس کے معنیٰ تو نماز کی جگہ یا مقام یا وہ کپڑا جس پر کھڑے ہو کر نماز ادا کی جاتی ہے ہی ہوتے ہیں، جبکہ "مُصَلًّى" اسم ظرف نہیں بلکہ اسم مفعول ہے۔ اس لئے "مُصَلًّى" کے معنی نماز کی جگہ یا نماز کا مقام نہیں بلکہ "پڑھی ہوئی صلوٰۃ یا ادا شدہ صلوٰۃ / قائم شدہ صلوٰۃ ہوتے ہیں۔ اس کی مثال قرآنی لفظ "مُصَفًّى" ہے جو کہ سورہ حٰمٓ کی آیت نمبر ۱۵ میں استعمال ہوا ہے "وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى" یعنی "ایسی شہد کی نہریں ہیں جو صاف کیا گیا ہے"۔ (دیگر چند اور اسم مفعول کے الفاظ: مُرْسَلِیْن ۲۱ /۲۶ ، مُوْقِنِیْن ۲۴ /۲۶ ، مُصَوِّر ۲۴ /۵۹ ، مَغْرِب ۸۶ /۱۸ ، مَشْهَد ۳۷ /۱۹ اور مَسْنُوْن ۲۶ /۱۵ وغیرہ ہیں)

تمام مترجمین و مفسرین نے آیت کے اس حصہ کا ترجمہ کیا ہے کہ: "مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بناؤ"۔ یہ ترجمہ تو ویسے بھی آیت کریمہ میں مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ کہ (مروجہ / معروف) مقام ابراہیم پر تو ان کی طرف منسوب پاؤں کے نشان زدہ پتھر رکھا ہوا ہے اور اس پر جالی، شیشے وغیرہ کا فریم ایستادہ ہے تو اس مقام کو نماز کی جگہ کس طرح بنایا جاسکتا ہے؟

آیت کریمہ کے اس حصہ کے صحیح معنی ہوتے ہیں کہ: **"مقام ابراہیم پر ادا کی گئی صلوٰۃ کو پکڑ لو (اس سے اخذ کرو)**۔ اب یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ مقام ابراہیم یعنی "البَیت" یعنی "خانہ کعبہ" میں جو صلوٰۃ ادا کی جارہی ہے تو اس سے اخذ کرو، سیکھو، پڑھو، اس طریقہ سے ادا کرو۔ گویا کہ خانہ کعبہ اور وہاں ادا کی جارہی صلوٰۃ ہی سبیل المومنین ہوئی۔ جس کی ہمیں اقتدا کرنا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم میں ہمیں صلوٰۃ ادا کرنے کا پورا طریقہ، جس طرح تفصیل سے ہم چاہتے ہیں، نہیں ملتا۔ سوائے قیام، رکوع و سجود کے جو کہ صلوٰۃ کا بنیادی ڈھانچہ ہے کہ اللہ کے حضور میں کھڑے ہونا ہے، جھکنا ہے اور زمین پر سر رکھ کر پوری طرح سے سَرنڈر (Surrender) کر دینا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں تو یہ فرمایا ہے کہ "(اے رسول) ہم نے آپ پر ایسی الکتب نازل کر دی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں مسلمین کیلئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور بشارت ہے" (۱۶/ ۸۹) غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی لفظ الکتٰب استعمال ہوا ہے جو کہ کلمہ واحد ہے۔ اس لئے اس کے معنی صرف القرآن ہے اس کے ساتھ (نام نہاد) احادیث ہدایت، رحمت اور بشارت نہیں۔ نہ ہی مثلہٗ و معهٗ ۔ دوسری حقیقت یہ کہ یہ القرآن ہی "تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ" یعنی اس میں ہی ہر چیز کا بیان ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ یہی القرآن ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والی کتٰب ہے (یعنی اس قرآن کی تبین خود اس کے اندر موجود ہے) اور یہ تبین خود اللہ تعالیٰ ہی نے فرمائی ہے... (دیکھئے ۲/ ۱۱۸ ، ۲/ ۱۵۹ ، ۲/ ۱۸۷ ، ۲/ ۲۲۱ ، ۲/ ۲۴۲ ، ۵/ ۸۹ ، ۶/ ۳۸ ، ۶/ ۹۸ ، ۶/ ۱۲۶ ، ۶/ ۵۵ ، ۶/ ۵۹ ، ۶/ ۱۵۴ ، ۱۰/ ۶۱ ، ۱۲/ ۱۱۱ ، ۱۲/ ۱۷ ، ۱۸/ ۲۴ ، ۲۴/ ۵۸ ، ۲۴/ ۳۴ وغیرہم) جبکہ اسی القرآن کو اَلْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ فرمایا (۱۲/ ۱)، قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ فرمایا (۱۵/ ۱ ،

۶۹ /۳۶)، کِتَابٍ مُّبِینٍ فرمایا(۱ /۲۷ ، ۷۵ /۲۷ ، ۳ /۳۴وغیر ہم)۔ تو کیا اس **کتٰب مبین میں صلوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ** نہیں ہے ؟؟ اس سوال کا سیدھا سادھا جواب ہے کہ کتٰب مبین میں صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ موجود ہے (مگر اس طرح نہیں جس طرح ہم چاہتے ہیں کہ کتاب ''صلوٰۃ المسلمین'' یا ''کتاب الرسول'' یا ''صفۃ صلوٰۃ النبی'' کی طرح ایک ایک عنوان لگا کر علیحدہ علیحدہ بتایا جائے۔ کتٰب مبین نے صلوٰۃ کی ادئیگی کے طریقہ کو اصولی انداز میں علیحدہ علیحدہ کرکے، تصریف الایات کے طریقہ سے بالکل واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ ہر اس بات یا عمل یا رکنِ صلوٰۃ کو بیان کر دیا جس کی ضرورت تھی اور جس کی اہمیت نہیں تھی اسے یونہی رہنے دیا، یونکہ وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بعثت کے وقت بہت لوگوں کو پہلے ہی تواتر عملی کی وجہ سے معلوم تھی (قرآنی صلوٰۃ مختصراً آگے آرہی ہے)۔ اور پھر اپنی غلطیوں کی اصلاح کرنے کیلئے کوئی ممانعت نہیں فرمائی بلکہ اس کے بھی اصول دیدیئے۔ مثلاً کوئی شرکیہ ندا نہیں ہونا چاہئے، معروف کی اطاعت ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے خشوع وخضوع ہونا چاہئے۔ یہ خیال رہے کہ کیا رسول سلامٌ علیہ نے اس پر عمل کیا ہوگا یا اسے اس طرح سے پڑھا ہوگا۔ اس کی روح پر بھی عمل ہونا چاہئے کہ فواحشات سے بچتے ہوئے حضوری قلب ہونا چاہئے۔

## موجودہ اہلحدیثوں کی نماز کی کتابوں سے نماز

اب آپ ذرا ان تینوں چاروں کتابوں کی بتائی ہوئی نماز بھی دیکھ لیجئے:

(۱)۔ میری ناقص عقل کے مطابق یہ حدیثی نماز کا چکر ابھی تھوڑے ہی دن پہلے شروع ہوا، اغلباً پاکستان بننے کے بعد۔ ۱۹۴۹ء میں اہلحدیث عالم جناب محمد صادق سیالکوٹی صاحب نے ایک کتاب بنام صلوٰۃ الرسول لکھ کر مختلف اخبارات کو تبصرہ کیلئے پیش کر دی۔ چنانچہ مختلف اخبارات ۱۹۵۳ء تک اس پر تبصرے لکھتے رہے۔ مثلاً اخبار ''ڈان'' کی ۱۲ جولائی ۱۹۴۹ء کی اشاعت اور ''زمیندار'' لاہور کی ۲۴ نومبر کی اشاعت میں انہوں نے تبصرے کئے کہ اس کتاب میں ہر قسم کی نمازوں اور ان کے آداب وطریق کو مستند احادیث کی مدد سے نہایت شرح وبسط کے ساتھ جمع کیا ہے[1]۔ روزمانہ ''انقلاب'' لاہور نے تبصرہ کیا کہ اس کتاب میں ''احادیث کے سِوا اور کسی ذریعہ سے مدد نہیں لی''[2] گویا کہ موصوف نے قرآن الحکیم کا بالکل بائیکاٹ کر دیا اور دراصل یہی وہ مقام ہے جہاں سے اہلحدیث اور منکرینِ حدیث کی مخاصمت اور فتویٰ بازی شروع ہوتی ہے۔ اور اہل حدیث وتبلیغی جماعت والے چھوٹتے ہی یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر حدیثوں کو نہ مانا جائے تو پھر نماز کیسے پڑھیں گے ؟ لیکن جب ان سے پوچھا جائے کہ بھائی آپ کون سی حدیث کی کتاب سے دیکھ کر نماز پڑھتے ہیں تو پھر وہ بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ ان کے علم کا یہ عالم ہے کہ ماہنامہ ''صحیفہ'' کراچی، اپنی ماہ اکتوبر ۱۹۶۹ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''یہ (صلوٰۃ الرسول) نماز کی کتاب ہے۔ مولانا حکیم محمد صادق صاحب سیالکوٹی اس کے مصنف ہیں۔ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ نماز درست نکلی، تو باقی اعمال کو دیکھا جائے گا۔ ورنہ تمام اعمال برباد ہوں

---

[1] ''صلوٰۃ الرسول'' مصنفہ مولانا محمد صادق سیالکوتی، نعمانی کتب خانہ۔ اردو۔ لاہور فروری ۱۹۴۹ء (ص ۴۵) ص ۵،۹)۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۶۔

گے "[1] واللہ اعلم انہوں نے یہ غیر قرآنی وغیر اسلامی عقیدہ کہاں سے مستعار لیا؟ دراصل اہلحدیثوں کے اسی قسم کے خود ساختہ یا حدیث ساختہ عقائد ہوتے ہیں۔ وہ صرف نمازیں پڑھا کر فواحشات وجرائم / گناہ سب کچھ بخشوا دیتے ہیں اور آدمی کو سیدھا جنت میں پہنچا دیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: "اے ایمان والو!) کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تو اللہ نے یہ ظاہر نہیں کیا کہ تم میں سے کون جہاد کرنے والے ہیں اور کون ثابت قدم رہنے والے ہیں" (سورہ العمران آیت ۱۴۲)۔ "(اے ایمان والو) کیا تمہارا یہ گمان ہے کہ جنت میں یونہی داخل ہو جاؤ گے حالانکہ جو لوگ تم سے پہلے گذر چکے ہیں ان لوگوں جیسی مصیبتیں تمہیں ابھی پیش نہیں آئیں، ان کو بڑی بڑی سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں اور وہ خوب جھنجھوڑے گئے......... " (سورہ البقرہ آیت ۲۱۴)۔ خیال رہے کہ ان دونوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا وہ رسول کے ساتھ صحابہؓ سے خطاب تھا۔ غور کیجئے کہ کہاں صحابہؓ کا بلند مقام اور کہاں ہم! کیا ہم صرف نمازیں پڑھ کر ہی جنت میں چلے جائیں گے ؟؟

مزید غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے: "کیا یہ لوگ خیال کرتے ہیں کہ انہیں بس اتنا کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ "ہم ایمان لائے" اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی۔ ہم نے ان سے پہلے کے لوگوں کی بھی آزمائش کی تھی (ہم ان کی بھی آزمائش کریں گے) الغرض (اس طرح بھی) اللہ ظاہر کرے گا کہ کون (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں"۔ (سورہ العنکبوت آیات ۲۔۳) (مزید دیکھئے ۱۸۶ /۳ ، ۱۶ /۹، وغیر ہم) غرض یہ کہ جنت کا حصول اتنا آسان نہیں کہ نمازیں پڑھ پڑھ کر جنت میں چلا جانا ہے جہاں تک اعمال کے برباد ہونے کا تعلق ہے تو اس کا بھی نماز سے تعلق نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "......... جو شخص تم میں سے اپنے دین سے منحرف ہو جائے اور پھر وہ کفر کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے اعمال دنیا اور آخرت دونوں جگہ ضائع کر دیئے جائیں گے......... " (سورہ البقرہ، آیت ۲۱۷)۔ (مزید دیکھئے ۲۱۔ ۲۲ /۳ ، ۵۲۔ ۵۳ /۵ ، ۱۴۷ /۷ ، ۱۷ /۹، ۶۹ /۹ ، ۱۰۳۔ ۱۰۵ /۱۸ و غیر ہم۔)

پس ثابت ہوا کہ ماہنامہ "صحیفہ" کا حدیثی عقیدہ نہ صرف غیر قرآنی بلکہ خلافِ قرآن ہے اس لئے باطل ہے۔

(۲)۔ مولانا نور حسین صاحب گرجاکھی ارشاد فرماتے ہیں: "میں نے بھی ایک نماز صلوٰۃ النبی کے نام سے شائع کی تھی" (کب اور کہاں یہ کچھ نہیں بتایا) لیکن وہ بھی دوسری نمازوں کی طرح غیر مکمل تھی"[2]

(۳)۔ ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور نے لکھا کہ "مصنف نے یہ کتاب لکھ کر بہت بڑی ضرورت کو پورا کر دیا ہے"[3] اس بیان سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اس قسم کی حدیثی نماز کی کتاب اس سے پہلے موجود نہیں تھی۔

(۴)۔ ماہنامہ "فاران" کراچی لکھتا ہے کہ "اپنے موضوع پر اتنی جامع اور مدلل یہ پہلی کتاب نگاہ سے گزری"[4]۔

(۵)۔ مولانا محمد داؤد غزنوی صاحب ارشاد فرماتے ہیں کہ "اردو زبان میں نماز کے متعلق جملہ مسائل جس تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں، میری نظر میں ایسی کوئی کتاب اس سے پہلے نہیں گزری"[5]

غور کیجئے! کیا ان اقتباسات سے میرے خیال کی تائید نہیں ہوتی کہ یہ حدیثی نماز کا چکر ابھی حال ہی کی پیداوار ہے، یعنی تقسیم برصغیر ہند کے بعد کی۔ یونکہ اس سے پہلے تک، یعنی برصغیر ہند کی تقسیم تک، تمام لوگ تواتر عملی کے تحت، والدین ودیگر بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقہ ہی کے مطابق نماز پڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور کبھی کسی نے یہ

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۷۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۸۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۴۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۶

سوال نہیں کیا تھا کہ اگر حدیث نہیں مانو گے تو نماز کیسے پڑھو گے؟ محمد صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب اور اس میں شائع کردہ مختلف اخبارات و علما کے تبصروں سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ خود فرقۂ اہلحدیث والے بھی حدیثی نماز مکمل طور پر ادا نہیں کرتے تھے بلکہ وہ بھی تواتر عملی ہی کے تحت نمازیں پڑھتے تھے۔ نور حسین صاحب گرجاکھی یا صادق سیالکوٹی صاحب نے اپنے فرقہ کی توجہ حدیثی نماز کی طرف مبذول کرائی۔ جبکہ فرقہ حنفی والے تو، بقول فرقۂ اہلحدیث کے، ہمیشہ ہی سے غیر حدیثی نماز پڑھتے آئے ہیں۔ غالباً صادق سیالکوٹی صاحب سے کچھ آگے پیچھے انہوں نے بھی حنفی نماز کی کتابیں ترتیب دیں۔

(۶)۔ صادق سیالکوٹی صحب کے فوری بعد ۱۳۷۰ھ (بمطابق ۱۹۵۰ء) ہی میں علامہ ناصر الدین البانی صاحب کی کتاب "نماز نبوی۔ احادیث صحیحہ کی روشنی میں" مرتب کی گئی۔ اس کے بعد اس میں کچھ ترمیمات بھی کی گئیں (۱۳۸۱ھ تک) لیکن اس وقت تک نہ تو یہ کتاب پاکستان میں میسر تھی اور نہ ہی شاید یہاں کے اہلحدیث علما البانی صاحب سے واقف تھے۔ اس کے عربی ایڈیشن شائع ہوتے رہے حتیٰ کہ پاکستان میں جناب محمد صادق خلیل صاحب کو اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنے کا خیال آیا اور انہوں نے اس کے دسویں عربی ایڈیشن ۱۳۸۹ھ (بمطابق ۱۹۶۹ء) کا ترجمہ اردو میں کر کے ۱۴۰۹ھ (بمطابق ۱۹۸۸ء) شائع کروایا[۱]۔

(۷) جناب مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین کی کتاب "صلوٰۃ المسلمین" کا پہلا ایڈیشن ۱۳۹۸ھ (بمطابق ۱۹۷۸ء) میں اردو میں شائع ہوا۔ جو کہ پچھلی دونوں کتابوں سے زیدہ مفصّل ہے گو کہ کئی مقامات پر اختلاف بھی ہے۔ اس کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

(۸) اب حال ہی میں ادارہ "دار السلام"، لاہور نے ایک اور کتاب "نماز نبوی صحیح احادیث کی روشنی میں" ۱۴۲۳ھ (بمطابق ۲۰۰۲ء) شائع کی ہے جس کی ترتیب ڈاکٹر سید شفیق الرحمان صاحب نے کی ہے، تحقیق و تخریج ابو لطاہر حافظ زبیر علی زئی صاحب نے کی ہے۔ اور تصحیح و تنقیح الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف صاحب اور الشیخ عبد الصمد رفیقی صاحب نے کی ہے۔ گویا کہ یہ چار علما کی محنت شاقہ کی نتیجہ ہے۔

اب ذرا، ان چاروں معرکۃ الاراء حدیثی نماز کی کتابوں کے چند موٹے موٹے اختلافات ملاحظہ کرتے چلئے:

**ا۔** جناب **محمد صادق خلیل** صاحب، جناب علامہ **ناصر الدین البانی** صاحب کی کتاب "صلوٰۃ النبی" کے ترجمہ میں اپنی طرف سے ابتدائیہ میں "نماز کی فرضیت" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

(ا)۔ "کون نہیں جانتا کہ نماز اسلام کا ایسا عظیم رکن ہے جس کی فرضیت کا تحفہ عطا کرنے کے لئے رسول اکرم سلامؑ علیہ کو معراج کے اعزاز سے نوازا جاتا ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں آپ آسمانوں پر تشریف لے جاتے ہیں۔ ہر آسمان پر فرشتے اور انبیاء علیہم السلام آپ کا استقبال کرتے ہیں۔ ساتویں آسمان سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب آپ کو اللہ پاک کے ساتھ ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے اور پانچوں نمازیں آپ پر اور

---

[۱] صلوۃ النبی یعنی "نمازِ نبوی احادیث صحیحہ کی روشنی میں" تالیف علامہ ناصر الدین البانی صاحب، ترجمہ و تہذیب محمد صادق خلیل صاحب ناشر ضیاء لسنۃ ادارہ الترجمہ و التالیف۔ رحمت آباد۔ فیصل آباد۔ اشاعت ۱۴۰۹ھ۔ ص ۱۲

امت محمدیہ پر فرض ہوتی ہیں۔ واپسی پر آپ کو بیت المقدس میں تمام انبیاء سلامٌ علیہم کی امامت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور آپ کو امام الانبیاء کے خطاب سے نوازا جاتا ہے"[1]۔

غور کیجئے موصوف کچھ اس طرح لکھ رہے ہیں جیسے رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنی مرضی سے، اپنے آپ، جبریل کو معیت میں لے کر آسمانوں پر تشریف لیجاتے ہیں! اور پھر ساتوں آسمانوں سے گزر کر سدرۃ المنتہیٰ کے قریب (نامعلوم مقام پر) اللہ پاک کے ساتھ ہم کلام ہوتے ہیں! شکر ہے موصوف نے جپھی نہ پائی (بغلگیر نہیں کروایا) اور پانچ نمازوں کو فرض کروالیا۔ (بجائے پچاس نمازوں کے!)۔ واپسی پر آپ کو بیت المقدس میں تمام انبیاء سلامٌ علیہم کو آسمانوں سے اُتار کر امامت کا شرف حاصل ہوتا ہے اور آپ کو امام الانبیاء کے خطاب سے نوازا جاتا ہے۔ ہم بچپن سے سنتے اور پڑھتے آئے ہیں کہ آسمانوں پر جانے سے پہلے، بیت المقدس (جس کا اس وقت کوئی وجود نہیں تھا سوائے صخرہ کی چٹانی قربان گاہ کے) میں تمام انبیاء سلامٌ علیہم کا اجماع تھا تو وہاں جاتے ہوئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اُن کو نماز پڑھائی تھی۔ پھر آسمانوں پر جانے کے بعد نماز فرض کر دی گئی جو کہ صرف دو دو رکعت تھی۔ مگر صادق خلیل صاحب نے واپسی پر تمام انبیاء کی نماز کی امامت کرادی! شاید ان کے کسی محدث امام نے ایسا لکھا ہو گا۔ اور اس پر طرّہ کہ امام الانبیاء کا خطاب سے بھی نواز دیا گیا! کس نے نوازا؟ اللہ تعالیٰ نے تو پورے قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نازل نہیں فرمائی نہ ہی ایسا کوئی اشارہ دیا۔ بلکہ یہ فرمایا کہ کہو "لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ" (۲/۱۳۶، ۲/۲۸۵ اور ۳/۸۴) کہ ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے کہ کون امام اور کون مقتدی۔ مگر موصوف نے یا شاید ان کے کسی محدث امام نے رسولوں میں فرق کر کے امام الانبیاء کے خطاب سے نواز دیا! حدیثوں کا یہی فائدہ ہے کہ جب جو چاہو غیر قرآنی یا خلافِ قرآن عقیدہ بنالو۔ بہر حال اپنے حدیثی ذہن پرستی کے وہ خود جواب دہ ہوں گے۔

(۲)۔ البانی صاحب نے بڑی مہربانی کی ہے کہ اپنے کتاب کے آخر میں "المصادر والمراجع" بھی دیدیئے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی کتاب ۱۶۳ کتابوں کی مدد سے تالیف کی ہے، اور اس پر بھی یہ صفت ہے کہ وہ خاتمہ سے پہلے "نماز سے نکلنے کیلئے السلام علیکم کہنا فرض ہے" کی سرخی کے نیچے لکھتے ہیں: "رسول اکرم ﷺ کی نماز کی کیفیت تکبیر تحریمہ سے لیکر سلام پھیرنے تک جس قدر معلوم ہو سکی ہے اسے جمع کر دیا ہے"[2]۔ غور کیجئے یہ الفاظ اس دَور کے سب سے بڑے محدث جانے جانے والے حضرت کے ہیں! یعنی انہیں (نام نہاد) احادیث کی پندرہ سو کتابوں سے ، تقریباً چودہ سو سال میں بھی مکمل اور صحیح نماز نبوی معلوم نہ ہو سکی بلکہ جس قدر معلوم ہو سکی اتنی ہی جمع کر دی۔ تو پھر منکرین حدیث کو کیا حدیثی نماز پڑھائیں گے؟؟ یعنی جس قدر معلوم ہو سکی! تو اس قدر نماز تو سب ہی کو تواتر عملی اور بزرگوں سے معلوم ہے پھر حدیث سے نماز کی کتاب لکھنے کا کیا فائدہ؟ کیا یہ بیوقوف بنانا نہیں؟

یہاں موصوف کی سرخی پر بھی نظر کرم کرتے چلئے: موصوف لکھتے ہیں "نماز سے نکلنے کیلئے السلام علیکم کہنا فرض ہے"۔ قارئین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں ایسا حکم نہیں دیا۔ یہ لوگ جس بات کو چاہیں فرض قرار دیدیتے ہیں اور جس کو چاہتے ہیں سنت یا نفل وغیرہ قرار دیدیتے ہیں! نیز یہ "السلام علیکم"، ویسے بھی غیر قرآنی سلام

[1] "صلوٰۃ النبی" یعنی "نماز نبوی" احادیث صحیحہ کی روشنی میں۔ از علامہ ناصر الدین البانی صاحب، ترجمہ و تہذیب محمد صادق خلیل صاحب۔ ضیاء السنۃ ادارۃ الترجمہ والتالیف، فیصل آباد تاریخ اشاعت صفر ۱۴۰۹ھ۔ ص ۹۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۹۵

ہے! قرآنی سلام جو اللہ تعالیٰ نے بتایا "سَلامٌ عَلَیکُم" ہے...... دیکھئے..... ۶/۵۴ ، ۷/۴۶ ، ۱۳/۲۴ ، ۱۶/۳۲ ، ۲۸/۵۵ ، ۳۹/۷۳ وغیر ہم۔

(۳)۔ موصوف نے یقیناً کتاب تو بہت محنت سے تیار کی ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ آج بھی فاضل مصنف یہی فرماتے ہیں کہ "جس قدر معلوم ہو سکی"۔ افسوس کہ آج تک کسی اہل حدیث کو نماز پڑھنے کا پورا اور صحیح طریقہ معلوم نہ ہو سکا اور جو کچھ معلوم ہوا اس پر سب متفق بھی نہیں! نہ ہی کسی محدث کی کتاب یا کتابوں میں پورا طریقۂ نماز ریکارڈ کیا گیا!

فاضل مصنف نے جگہ جگہ ائمہ اربعہ یا دیگر علما کے اقوال بھی بطور شہادت پیش کئے ہیں جبکہ وہ خود تقلید کے خلاف ہیں۔ نیز یہ کہ (نام نہاد) احادیث کی مشہور کتابوں کے علاوہ دیگر بہت سی غیر مشہور کتابوں سے بھی روایات نقل کی ہیں۔ اس لئے پھر وہی بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی محدث کو نماز کا پورا اور صحیح طریقہ نہ پہنچ سکا تو پھر وہ کس طرح نماز پڑھتے تھے؟ یا پھر یہ محض سازش تھی کہ اصل طریقۂ نماز کو مہجور کر دیا جائے!

اس کتاب کی خاص بات یہ بھی ہے کہ اس میں نماز میں مختلف مقامات پر پڑھنے کیلئے کوئی مستحکم کلمات نہیں بلکہ بہت سے کلمات یا صورتیں لکھ دیئے ہیں، جو چاہو پڑھو، اسی طرح کئی ارکان کی ہیئت میں بھی کیا ہے کہ کبھی کیسے کر لو اور کبھی کیسے! عام تاثر یہ ہے کہ نماز کا طریقہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اجتہاد یا استنباط تھا!

(۴)۔ فاضل مصنف کٹّر قسم کے اہلحدیث یا روایت پرست، منکرِ قرآن ہیں اور **مثلهٗ و معهٗ** والی روایت کے بھی قائل ہیں۔ قرآن الحکیم کو سنت کا محتاج بتاتے ہیں[۱] جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سنت تو قرآن الحکیم پر عمل کرنے ہی سے وجود میں آئے گی تو پھر قرآن الحکیم اس کا محتاج کیسے ہو سکتا ہے؟ ہاں سنت قرآن الحکیم کی محتاج ہے کہ بغیر اس کے نہ تو رسول ہو سکتا ہے اور نہ ہی سنتِ رسول وجود میں آسکتی ہے۔ اگر قرآن الحکیم نہ ہوتا تو سنت کہاں سے وجود میں آتی۔ پس ثابت ہوا کہ موصوف کا **مثلهٗ و معهٗ** والا عقیدہ اور یہ عقیدہ دونوں ہی باطل ہیں۔

(۵)۔ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد جو حقیقت سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ فرقۂ اہلحدیث خود بھی نماز کے کسی ایک طریقہ پر متفق نہیں! مثلاً فاضل مصنف البانی صاحب ایک سرخی لگاتے ہیں "جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے کا حکم"[۲] اس میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قراءت کا حکم نہیں دیا"۔ اس پر فاضل ترجمہ نگار حاشیہ لگاتے ہیں:

"شیخ البانی کا رجحان درست نہیں کہ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے مقتدیوں کے لئے قراءت منسوخ ہے اس لئے کہ اوّلاً تو حدیث کا وہ جملہ جس سے شیخ صاحب نے نسخ پر استدلال کیا ہے حدیث میں مدرج ہے۔ زہری کے تلامذہ نے فانتھی الناس الخ جملہ زہری کا قرار دیا ہے........................." آگے وہ پورے دو صفحات پر البانی صاحب پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "اب فیصلہ قارئین کرام فرمالیں کہ کس طرح شیخ البانی سے سہو ہوا ہے اور کلام میں تضاد ہے۔ اس کو بھی ہم شیخ البانی کے شذوذ سے شمار کریں گے"[۳]۔

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۷۲۔ ۲۔ ایضاً ص ۱۰۱۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۰۱۔۱۰۳

(۶)۔ شیخ البانی صاحب اپنی ایک سرخی "ایک اہم مبحث" کے تحت لکھتے ہیں کہ رکوع کے بعد قیام میں اطمینان کا واجب ہونا تو ثابت ہے لیکن اہل حجاز سے بعض قابل احترام اہل علم کا اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے اس قیام میں ہاتھ باندھنے کو ثابت کرنا نہایت مشکل اور بعید از امکان ہے بلکہ اس کا اثبات باطل ہے اس لئے کہ کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ اس قیام میں ہاتھ باندھے جائیں۔ چنانچہ مجھے قطعاً شک نہیں کہ اس قیام میں ہاتھ باندھنے ایسی بدعت ہے جو گمراہی سے ہمکنار ہے۔ کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ اگر اس کا کچھ بھی ثبوت ہوتا تو کہیں اس کا ذکر ہوتا۔ مزید اس سے بھی تائید ہو رہی ہے کہ سلف صالحین میں سے کسی سے بھی یہ ثابت نہیں اور نہ اس کا ذکر ائمہ حدیث میں سے کسی نے کیا ہے۔ واللہ اعلم"[1]

رکوع کے بعد قیام میں ہاتھ باندھنے کے سلسلہ میں فاضل مترجم نے شیخ البانی پر پھر تنقید کی ہے جس سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ فرقۂ اہلحدیث خود بھی کسی ایک طریقۂ نماز پر متفق نہیں اور ان کے ہاں اہل علم جو چاہتے ہیں وہ بغیر کسی ثبوت یا دلیل کے شامل کر دیتے ہیں گویا کہ وہ شریعت ساز ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ شیخ البانی نے اسے بدعت و گمراہی قرار دیا ہے!

(۷)۔ شیخ البانی صاحب "جوتے پہن کر نماز ادا کرنا اور اس کا حکم دینا" کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

"کبھی آپؐ نماز میں ننگے پاؤں کھڑے ہوتے اور کبھی آپؐ نے جوتا پہن رکھا ہوتا (ابوداؤد، ابن ماجہ بقول طحاوی حدیث متواتر ہے)"

"امت کو اس کی اجازت عطا کرتے ہوئے فرمایا جب تمہارا ایک نماز ادا کرنے کا ارادہ کرے تو وہ اپنا جوتا پہن لے یا اسے کھول کر اپنے پاؤں کے درمیان رکھ لے۔ کسی کو ان سے ایذا نہ پہنچے۔ ایک روایت میں آپؐ نے لوگوں کو جوتوں میں نماز ادا کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا یہودیوں کی مخالفت کرو وہ جوتے اور موزے پہن کر نماز ادا نہیں کرتے (ابوداؤد، البزاز (۵۳ سے زوائدہ۔ حاکم وذہبی نے صحیح کہا)

"اور کبھی آپؐ نماز میں جوتوں کو اتار دیتے پھر اسی حالت میں نماز مکمل فرماتے۔ حضرت ابوسعید خدریؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک روز ہمیں نماز پڑھائی۔ دوران نماز آپ نے پاؤں سے جوتے اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لئے۔ مقتدیوں نے بھی آپؐ کی اقتدا کرتے ہوئے جوتے اتار دیئے۔ آپؐ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپؐ نے فرمایا تم نے کس لئے جوتے اُتارے۔ انہوں نے جواب دیا جب ہم نے دیکھا کہ آپؐ نے جوتے اُتار دیئے ہیں تو ہم نے بھی جوتے اتار دیئے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ میں نے تو اس لئے جوتے اتارے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ میرے جوتوں کے نچلے حصے میں نجاست ہے۔ اس پر میں نے انہیں اُتار دیا.......... (ابوداؤد، ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی، نووی نے صحیح کہا)

جب آپؐ نماز میں جوتا اُتارتے تو بائیں جانب رکھتے (ابوداؤد، نسائی، ابن خزیمہ (۱/ ۱۱۰/ ۲ سند صحیح ہے) اور فرماتے جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو جوتے کو نہ دائیں نہ بائیں کسی جانب نہ رکھو بلکہ پاؤں کے درمیان رکھو۔ (ابوداؤد، ابن خزیمہ، حاکم، ذہبی، نووی نے صحیح کہا)"[2]

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۴۰۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۸۱۔ ۸۲

قارئین ذرا غور کیجئے کہ آپ میں سے حدیثی نماز پڑھنے والے اور سنتوں کے عاشقوں میں سے کتنے لوگ اس سنت اور حکم پر عمل کرتے ہیں؟؟ ہاں کراچی شہر میں اہلحدیثوں کا ایک چھوٹا سا فرقہ ایسا تھا جو جوتے پہن کر مسجد میں داخل ہوتا تھا اور جوتے پہن کر نماز پڑھتا تھا۔ (واللہ اعلم اب ہے یا نہیں)

(۸)۔ آگے ایک اور جگہ شیخ البانی صاحب ''وسوسہ ختم کرنے کے لئے اعوذ باللہ پڑھنا اور تھوکنا'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ عثمان بن ابی العاص نے رسول اکرم ﷺ سے دریافت کیا یارسول اللہ شیطان میرے اور میری نماز اور قراءت کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ وہ قراءت میں التباس پیدا کرتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا اس شیطان کا نام خزَب ہے۔ جب تجھے اس طرح کا خیال آئے تو **اَعُوذُ بِاللّٰہ** کے کلمات پڑھو اور بائیں جانب تین بار تھوکو۔ اس کا بیان ہے کہ ایسا کرنے سے شیطان کا التباس میں ڈالنا ختم ہو گیا۔ (مسلم، احمد)''[۱]

میری اہلحدیث حضرات اور عاشقان سنت سے گزارش ہے کہ جب کبھی ان کو شیطانی التباس ہو تو اس حدیث پاک پر عمل کریں۔ اگر تین بار بائیں جانب تھوکنے والا نمازی آپ کو الٹا ہاتھ مار دے تو ان سے لڑنا نہ شروع کر دیجئے گا بلکہ البانی صاحب کی طرف رجوع کیجئے گا!

(۹)۔ آگے ایک جگہ شیخ البانی صاحب ''زمین اور چٹائی پر سجدہ کرنا'' کا عنوان قائم کرکے تحریر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ عام طور پر زمین پر سجدہ کرتے تھے......... (مسلم، ابو عوانہ)

کہئے آپ میں سے کتنے اہلحدیث اور عاشق سنت زمین پر سجدہ کرتے ہیں؟ ہاں آپ کے بھائی شیعہ حضرات، سب کے سب، زمین یا مٹی کی ٹکیہ پر سجدہ کرتے ہیں!

(۱۰)۔ شیخ البانی کی اس کتاب میں نماز تہجد کا ذکر یا پڑھنے کا طریقہ مجھے نہیں ملا! جبکہ اہلحدیث حضرات اس پر بہت زور دیتے ہیں! شاید البانی صاحب قرآنی عقیدہ کو مانتے ہوں گے کہ تہجد کی نماز، کوئی نماز نہیں بلکہ یہ تو نیند سے جاگ کر قرآن کریم سے شغل کرنے کو حکم ہے اور وہ بھی صرف رسول اللہ سلامٌ علیہ کے لئے (۱۷/۷۹)، جبکہ اہلحدیثوں نے اسے ایک مستقل نماز بنا دیا ہے اور جناب مسعود احمد صاحب نے تو اس میں کیا کیا پڑھنے کو بتایا ہے یہ جان کر آپ حیران رہ جائیں گے۔ آیئے اب ان کی کتاب دیکھتے ہیں:

**۲۔** جناب **مسعود احمد** صاحب (۱) ''تہجدّ، قیام اللیل، تراویح اور وتر'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

- ★... جب تہجدّ کیلئے اُٹھے تو بیٹھنے کے بعد آسمان کی طرف نظر کرکے سورہ آل عمران کو، آخری گیارہ آیات پڑھے (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم عن ابن عباسؓ)
- ★... تہجدّ یا تراویح کی عموماً گیارہ رکعت یا تیرہ رکعت پڑھے (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم عن عائشہؓ)
- ★... اگر چاہے تو کبھی گیارہ سے کم بھی پڑھ سکتا ہے۔ (بحوالہ صحیح بخاری عن ابن عمرؓ)
- ★... حتیٰ کہ اگر ایک رکعت پڑھنا چاہے تو ایک ہی رکعت پڑھ لے (بحوالہ صحیح بخاری)
- ★... جب تہجدّ یا تراویح شروع کرے تو پہلے دو ہلکی رکعتیں پڑھے۔ پھر دو طویل رکعتیں پڑھے، پھر ان دو سے ہلکی دو

---

[۱]۔ ایضاً۔ ص ۱۲۹

طویل رکعتیں پڑھے، پھر ان سے ہلکی دو طویل رکعتیں پڑھے، اسی طرح ہر دو رکعت اپنے ما قبل دو رکعت سے ہلکی ہوں پھر وتر پڑھے۔(بحوالہ صحیح مسلم عن ابن عباسؓ)

★... ہر دو رکعت پر سَلام پھیر تا ہے اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھے (بحوالہ صحیح مسلم عن عائشہؓ)

★... رات کی صلوٰۃ میں وِتر بالکل آخر میں ہونا چاہئے، وتر کے بعد کوئی صلوٰۃ نہیں پڑھنا چاہئے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

★... تہجّد کا سب سے بہتر وقت یہ ہے کہ آدھی رات تک سوئے، پھر اُٹھ کر تہائی رات قیام کرے، پھر رات کا چھٹا حصہ سو جائے۔(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

★... اگر تہجد یا تہجد کا کچھ حصہ نیند کی وجہ سے فوت ہو جائے تو فجر اور ظہر کے مابین پورا کرے۔(صحیح مسلم)

★... وتر کا وقت صلوٰۃ العشاء کے بعد سے طلوعِ صبح صادق تک رہتا ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

★... عشاء کے بعد بھی وِتر ایک رکعت پڑھا جا سکتا ہے (النسائی)

★... وِتر کی آخری رکعت میں یہ دعا پڑھنا چاہئے:

**اَللّٰھُم اھدِنی فیمن ھَدیتَ و عافنی فیمن عافیت و تولَّنِی فیمن تولّیت و بارك لی فیما اعطَیتَ وَقِنِی شرَّ ما قضیت فانك تقضی ولا یقضٰی علیك انهٗ لا یذِلُّ من وَالَیتَ وَلا یعِزُّ مِن عادیت تبارکت ربنا و تعالیت** (ترمذی وابو داؤد)

★... مذکورہ بالا دعا خواہ رکوع سے پہلے پڑھے، خواہ رکوع کے بعد (ابن ماجہ و احمد، الحاکم)

★... وِتر کا سلام پھیرنے کے بعد تین دفعہ پڑھے:

**سُبحان المَلِكِ القُدوس۔** اور تیسری مرتبہ آواز کو بلند کرے اور کھینچے (نسائی)

★... اگر وتر پڑھنا بھول جائے یا وتر کا وقت سوتے میں نکل جائے تو جب یاد آئے (یا جب جاگے) پڑھ لے (الحاکم)

★... تین رکعت وِتر ایک سلام سے نہ پڑھے۔(دار قطنی، نیل)

★... اگر تین رکعت وِتر پڑھنے ہوں تو اس طرح پڑھے کہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرے پھر ایک رکعت وتر پڑھے (الطحاوی، نیل الاوطار، البخاری)

★... ان دو رکعتوں میں جو وِتر سے پہلے پڑھے، سورہ **سَبِّحِ اسمَ ربكَ الاعلیٰ** اور سورہ **قُل یٰاَیھا الکٰفرون** کی تلاوت کرے اور وِتر میں سورہ **قل ھو اللّٰہ احد** ، سورہ **قُل اعوذ برب الفلق** اور سورہ **اعوذ برب الناس** پڑھے یا وتر میں سورہ نساء کی سو آیتیں تلاوت کرے (دار قطنی، ابن حبان، الحاکم)[1]

قارئین بتائیے، آپ میں سے کتنے حدیثی نماز پڑھنے کے قائل اور سنتوں کے عاشق اس طریقہ پر تہجد، قیام اللیل، تراویح اور وتر پڑھتے ہیں؟ آپ میں سے کتنے ان چاروں عوامل کو ایک ہی سمجھتے ہیں یا الگ الگ عمل / نماز جانتے ہیں؟

(۲)۔ جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں آخر میں مصادر و مراجع کی فہرست تو نہیں دی، البتہ ان کے فُٹ نوٹس (Foot Notes) سے اگر محتاط طریقہ پر فہرست تیار کریں تو کتابوں کا پتہ لگتا ہے۔ وہ فہرست میں پیچھے صفحہ 630 پر نقل کر چکا ہوں۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ صلوٰۃ رسول کسی ایک حدیث، یا حدیث کی

---

[1] صلوٰۃ المسلمین، جماعت المسلمین (از مسعود احمد صاحب) اشاعت اول ۱۹۷۸ء، ص ۲۴۷-۲۵۴) ۲/۵۹۱۔ منصورہ، کراچی نمبر ۳۸۰۳

ایک کتاب میں بھی مکمل طور پر نہیں ملتی بلکہ اسے معلوم کرنے کیلئے درجنوں کتابوں سے نکال کر سیکھا جاتا ہے! کیا حدیثی نماز پڑھنے کے قائل حضرات اس کو درجنوں کتابوں سے نکال کر سیکھ کر نماز پڑھتے ہیں یا والدین وبڑوں اور ملاؤں کے بتائے ہوئے طریقہ سے سیکھ کر نماز پڑھتے ہیں؟

(۳)۔ نماز کی کتاب لکھنے کے تمام ہی مصنفین صرف ایک روایت کا حوالہ ضرور دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِىْ أُصَلِّي (صحیح بخاری) صلوٰۃ اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے "[۱]۔ ہمارے موصوف فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت وحدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس طریقہ سے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صلوٰۃ ادا کی ہے وہ طریقہ فرض ہے۔ اس طریقہ میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کی تقسیم فرضی ہے۔ تمام ایمان والوں کو صرف اسی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھنی چاہیئے جس طریقہ سے رسول اللہ سلامٌ علیہ پڑھتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کئی طریقے سے صلوٰۃ پڑھتے تھے۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر بہتان ہے (ہم موصوف سے سو فیصد متفق ہیں۔ پہلے بھی کہیں لکھ چکے ہیں کہ اللہ کے رسول دنیا کے سب سے پُر وقار ہستی تھے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ کئی طریقوں سے نماز پڑھتے تھے۔ صدیق) رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھی ہے اور وہی طریقہ فرض ہے "[۲]۔ بالکل صحیح

یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اوپر کی جو حدیث تمام مصنفین پیش کرتے ہیں کہ "صلوٰۃ اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے" میں صلوٰۃ کی ادائیگی کے طریقہ کا دیکھنے سے تعلق ہے پڑھنے سے نہیں! یعنی دیکھ کر قیام، رکوع، سجود، قعدہ / جلسہ وغیرہ تو سیکھا جاسکتا تھا مگر ان میں کیا پڑھنا تھا یہ ان حرکات و سکنات کو دیکھ کر نہیں معلوم کیا جاسکتا تھا۔ کیا صلوٰۃ صرف ان حرکات وسکنات کی ادائیگی کا نام تھا؟ اسی غیر متعلقہ یا ادھوری حدیث کا نتیجہ ہے کہ اکثر صحابہؓ دریافت کرتے ہوتے تھے کہ فلاں رکن میں آپ کیا پڑھتے ہیں یا کیا پڑھنا ہے؟ یعنی صحابہ کو بھی سوائے حرکات وسکنات کے نماز پڑھنا نہیں آتی تھی! کہئے ہے نا مضحکہ خیز لطیفہ! نتیجہ صاف اور واضح ہے کہ (نام نہاد) احادیث صلوٰۃ نہیں سکھاتیں نہ ان میں بتائے ہوئے مختلف طریقوں سے کوئی صلوٰۃ سیکھ سکتا ہے۔ یہ صرف اصل اسلام کے خلاف سازش ہے!

(۴)۔ قارئین! اور دیکھئے کہ جناب مسعود احمد صاحب "آدابُ الصّلوٰۃ" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں: ایک شخص نے بحالتِ صلوٰۃ چھینک کے جواب میں يَرْحَمُكَ اللهُ کہا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ صلوٰۃ ہے، اِس میں لوگوں کی بات چیت کی قسم سے کوئی چیز جائز نہیں (بحوالہ صحیح مسلم)"[۳]

غور کیجئے کہ اس حدیث میں یہ "ایک شخص" کون ہے؟ ظاہر ہے کہ رسول سلامٌ علیہ کے ساتھ صحابی ہی ہے۔ تو انہوں نے چھینک کے جواب میں يَرْحَمُكَ اللهُ کے الفاظ کیوں کہے؟ کیا انہوں نے اپنی طرف سے گھڑ کر کہے یا انہیں کسی نے سکھایا تھا؟ آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب "منہاج المسلمین" میں "چھینکنا" کے عنوان کے تحت تحریر فرمایا ہے:

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۴۴۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۴۔۴۵۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۵۸

"جب چھینک آئے تو اَلحمدُ لِلّٰہ کہے، پھر ہر وہ شخص جو اَلحمدُ لِلّٰہ کی آواز سنے یَر حمُكَ الله کہے، پھر چھینکنے والا یہ دعا پڑھے:

یَھدِیکُمُ اللہ و یُصلِحُ بَالَکُم ۔(بحوالہ۔ صحیح بخاری)

چھینکنے والا بجائے الحمد للہ کے الحمد للہ رب العالمین بھی کہہ سکتا ہے لیکن جواب دینے والا یر حمك الله ہی کہے، پھر چھینکنے والا یہ دعا پڑھے: یَغفِرَ اللہُ لِی وَلَکُمْ (بحوالہ ترمذی، ابوداؤد)"[1]

غور کیجئے کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے خود یہ حکم دیا تھا تو پھر ایک شخص کے یَر حمُكَ الله کہنے کو کیوں منع کیا ؟ آپ کہیں گے کہ اس شخص نے بحالتِ صلوٰۃ یہ الفاظ کہے تھے اس لئے منع کیا گیا۔ تو اب آگے جانیے کہ جناب مسعود احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے:

"اس حدیث سے اور ابوداؤد کی ایک اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ میں چھینک کر اَلْحَمدُ لِلّٰہِ کہنا تو جائز ہے لیکن اس کا جواب دینا جائز نہیں (ابوداؤد)"[2] (لیجئے مسئلہ بنادیا! صدیق)

"رفاعہؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صلوٰۃ پڑھ رہا تھا "فَعَطَسْتُ فَقُلْتُ" مجھے چھینک آئی تو میں نے کہا: "الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیّبًا مبارکًا فیه مبارکًا علیه کما یحب ربنا و یرضٰی" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تیس ۳۰ سے زیادہ فرشتے جلدی کر رہے تھے کہ کون ان میں سے اس کو لے کر (آسمان کی طرف) چڑھ جائے (نسائی)[3]

یہ بھی صلوٰۃ ہی کا واقعہ ہے اور رسول اللہ ﷺ ہی کا فرمان مبارک ہے۔ اب، قارئین ان احادیث صحیحہ سے آپ جو مطلب سمجھیں اور جو عمل کریں اس کے جوابدہ آپ ہی ہوں گے۔

(۵)۔ "صلوٰۃ میں سلام کا جواب نہ دے" کے عنوان کے تحت جناب استاذی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ "ہم نے کہا اے اللہ کے رسول! آپ ہمارے سلام کا جواب دیا کرتے تھے (اب کیوں نہیں دیتے)" آپ نے فرمایا: بے شک صلوٰۃ میں (اللہ تعالیٰ کی طرف) مشغولیت ہوتی ہے (بخاری و مسلم)"[4]

قارئین اور کمال دیکھئے کہ اسی عنوان کے تحت، آگے موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو ازار لٹکائے ہوئے صلوٰۃ پڑھتے دیکھا تو فرمایا جاؤ اور وضوء کرو......... پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ ازار لٹکانے والے کی صلوٰۃ کو قبول نہیں فرماتا (ابوداؤد و احمد)"[5]

غور کیجئے کہ قرآن کریم میں جہاں جہاں وضوء اور تیمم کا یا صلوٰۃ ادا کرنے کا ذکر ہے تو کیا ازار لٹکانے کا بھی ذکر ہے؟ بالکل نہیں۔ بلکہ قرآن الحکیم تو یہ حکم دیتا ہے: ہر صلوٰۃ کے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لو (۳۱/۷)۔ تو کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن مخالف یہ حکم دیں گے کہ ہر صلوٰۃ کے وقت اپنی زینتیں خراب کر لو۔ تہبند اونچا کر لو، شلوار کے پائنچے اونچے کر کے پنڈلیاں کھول لو، پتلون کے پائنچے اوپر بل دیکر اپنی حلیہ بنالو جیسے پانی یا کیچڑ میں چلا جاتا ہے! غور کیجئے کہ یہ خلافِ قرآن روایت کیا سکھارہی ہے کہ اللہ کے حضور میں جب جاؤ تو مضحکہ خیز حلیہ بنا کر جاؤ!

---

۱۔ "منہاج المسلمین" از جماعت المسلمین۔ اشاعت اول ۱۹۸۳ء، ص۲۱۷۔۔۔ ۲۔ صلوٰۃ المسلمین۔ ص۵۹۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص۵۹۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص۶۰۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص۶۷

(٦)۔ آگے "پاکی اور ناپاکی کے مسائل" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"بلی کا جھوٹا پانی پاک ہوتا ہے، اس سے وضوء وغیرہ کیا جاسکتا ہے" (مالک، احمد، ابوداؤد والنسائی)[١] "اگر کتا کسی برتن میں پانی پئے تو پانی کو بہادے اور اس برتن کو سات مرتبہ پانی سے دھو کر آٹھویں مرتبہ مٹی سے مانجھے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)"[٢] یہاں موصوف شاید، یہ تحریر کرنا بھول گئے کہ اگر بلی یا کتا کسی برتن پر پیشاب کر دے تو کیا کیا جائے؟ خیر۔ آگے وہ انسان کیلئے تحریر فرماتے ہیں: "اگر مسجد کے صحن میں کوئی پیشاب کر دے تو اُس پر ایک ڈول پانی بہادے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)" [٣] یہاں موصوف، شاید، یہ بھول گئے کہ اگر مسجد کے صحن کے علاوہ اندر کے اصل مسجد کے کمرے یا ہال میں کوئی پیشاب کر دے یا ناک تھوک، کھکار دے تو پھر کیا کیا جائے؟ آگے فرماتے ہیں : "اگر کپڑے پر عورتوں کی اذیت ماہانہ کا خون لگ جائے تو اسے کھُرچ دے، پھر پانی سے رگڑے، پھر پانی اور بیری سے دھوئے (یعنی بیری کے پتے پانی میں بھگو کر یا جوش دیکر اس پانی سے دھوئے) (صحیح بخاری)" [٤]

آگے فرماتے ہیں:

"اگر کپڑے پر مَنی لگ جائے تو اس حصہ کو جہاں منی لگی ہے دھوڈالے۔ اگر منی خشک ہو تو کسی چیز سے اسے کھرچ ڈالے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)" [٥]۔ گویا کہ خشک منی کو کھرچنے کے بعد دھونے کی ضرورت نہیں رہی! کہئے اس حدیث کے طفیل کتنا اچھا نسخہ ہاتھ آیا! اب اہلحدیث وسنت کے عاشق فوراً اس پر عمل شروع کر دیں۔ آگے دیکھئے:

"اگر شیر خوار لڑکا جو کھانا نہ کھاتا ہو کپڑے پر پیشاب کر دے تو اس پر پانی چھڑک دے، دھونا ضروری نہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)" [٦]

"اگر شیر خوار لڑکی کپڑے پر پیشاب کر دے تو اسے دھونا چاہئے (ابوداؤد وابن خزیمہ)" [٧]

قارئین غور کیجئے کہ یہاں کہیں بھی (پیشاب کے علاوہ) پاخانہ یا کسی اور گندگی کا ذکر نہیں! پھر لڑکا اور لڑکی میں فرق بھی قابلِ غور ہے!

یہاں ایک بہت اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ اہلحدیث حضرات فرماتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کی شرح ہیں۔ تو یہ احادیث، قرآن کریم کی کن آیات کی شرح ہیں؟؟ یہ سب جھوٹ ہی بول رہے ہوتے ہیں! ان کے قول کی کوئی حقیقت نہیں۔

(٧)۔ "آگے وضوء کا طریقہ" کے عنوان کے تحت وضوء کا طریقہ تحریر کیا۔ جس کی دو خاص باتیں یہ ہیں:

"سیدھے ہاتھ میں ایک چُلّو پانی لے۔ آدھا پانی منہ میں لے اور کُلی کر دے۔ پھر باقی آدھے پانی کو ناک میں مبالغہ کے ساتھ چڑھائے۔ اگر روزہ دار ہو تو پانی چڑھانے میں مبالغہ نہ کرے، پھر الٹے ہاتھ سے ناک سنکے، اگر مسواک نہ کی ہو تو منہ کو انگلیوں سے صاف کرے۔ اس طرح تین دفعہ کرے۔ ہر مرتبہ آدھے پانی سے کُلّی کرے اور آدھا پانی ناک میں چڑھائے۔ (صحیح بخاری)[٨]

---

١۔ ایضاً۔ ص ٨١۔۔۔ ٢۔ ایضاً۔ ص ٨١۔۔۔ ٣۔ ایضاً۔ ص ٨٢۔۔۔ ٤۔ ایضاً۔ ص ٨٢۔۔۔ ٥۔ ایضاً۔ ص ٨٢۔ ٨٣۔۔۔ ٦۔ ایضاً۔ ص ٨٣۔۔۔ ٧۔ ایضاً۔ ص ٨٣۔۔۔ ٨۔ ایضاً۔ ص ٩١

"پیر دھونے کے بعد "ایک چلّو پانی لے کر رومالی پر چھڑک لے (احمد، ترمذی، عبد الرزاق ابن ماجہ)"[1]
غور کیجئے کہ قرآن کریم میں وضوء کا طریقہ بتاتے ہوئے اللہ تعالیٰ یہ دونوں باتیں بھول گئے تھے! (معاذ اللہ)
(۸)۔ آگے "متفرق مسائل" کے عنوان کے تحت، لکھتے ہیں:
"صبح کی سُنتیں پڑھ کر تھوڑی دیر سیدھی کروٹ لیٹ جائے (صحیح بخاری و صحیح مسلم"[2]
"جب صبح کی صلوٰۃ کے لئے مسجد روانہ ہو تو یہ دعا پڑھے:
"اللّٰھُم اجعل فی قلبی نورًا و فی لسانی نورًا و فی بصری نورًا و فی سمعی نورا و فی عصبی نورا و فی دمی نورا و فی شعری نورا و فی بشری نورا و عن یمینی نورا و عن یساری نورا و فوقی نورا و تحتی نورا و امامی نورا و خلفی نورا و اجعل لی نورا و اجعل فی نفسی نورا و اعظم لی نورا اللھم اعطنی نورا" (صحیح مسلم)[3]
قارئین غور کیجئے کہ جو اہلحدیث و تبلیغی جماعت والے وغیرہ یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر حدیث کو نہ مانو گے تو نماز کیسے پڑھو گے تو کیا وہ ان باتوں پر عمل پیرا ہیں؟ میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ عمل کرنا تو بہت دُور کی بات ہے انہیں تو نا صرف یہ دعا یاد بھی نہ ہوگی بلکہ ان میں سے اکثر باتوں سے تو وہ بالکل نا علم ہی ہوں گے! تو پھر وہ کس منہ سے سوال کرتے ہیں؟
(۹)۔ "وہ اوقات جن میں صلوٰۃ پڑھنا منع ہے" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:
"طلوعِ آفتاب کے وقت اور غروب آفتاب کے وقت" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)
"نصف النہار کے وقت (صحیح مسلم) سوائے جمعہ کے (البیہقی)!
"صلوٰۃ فجر کے بعد جب تک سورج بلند اور سفید نہ ہو جائے (صحیح بخاری)
"صلوٰۃ عصر کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے (صحیح بخاری)
"طلوعِ آفتاب اور غروبِ آفتاب کے وقت صلوٰۃ اس لئے منع ہے کہ ان اوقات میں کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں (صحیح مسلم)
"اور نصف النہار کے وقت اس لئے منع ہے کہ اس وقت جہنم کو دہکایا جاتا ہے (صحیح مسلم)"[4]
غور کیجئے کہ طلوعِ آفتاب، غروب آفتاب اور نصف النہار کے اوقات مستقل اور مسلسل عمل ہیں کہ ہر لمحہ یا ہر منٹ پر یہ آسمانی نشانیاں دنیا میں ایک سے دوسری جگہ عمل پذیر ہو رہی ہیں۔ تو پھر تو ہر وقت ہی صلوٰۃ یا سجودِ الٰہی ممنوع قرار پاتے ہیں! نصف النہار کا وقت ہر لمحہ یا ہر دو چار منٹ بعد کہیں نہ کہیں ہو جاتا ہے تو پھر تو ہر لمحہ ہی یعنی چوبیس گھنٹے ہی جہنم کو دہکایا جا رہا ہے! تو پھر صلوٰۃ قائم نہ کرو! مگر صلوٰۃ الجمعہ قائم کی جا سکتی ہے تو کیا وہ اتنی گھٹیا صلوٰۃ ہے کہ نصف النہار کے وقت قائم کی جا سکتی ہے! کہئے لطیفہ کیسا رہا!
(۱۰)۔ صف بندی کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:
"تمام مقتدیوں کو چاہئے کہ اتنا مل کر کھڑے ہوں کہ جیسے سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوتی ہے۔ مقتدیوں کی گردنیں، سینے اور کندھے بالکل سیدھ میں رہیں۔ مقتدی ایک دوسرے سے اپنے کندھے، ٹخنے اور قدم چمٹا

[1] ایضاً۔ ص ۹۵ --- [2] ایضاً۔ ص ۱۴۲ --- [3] ایضاً۔ ص ۱۴۴ --- [4] ایضاً۔ ص ۱۵۲

لیں( صحیح بخاری و صحیح مسلم اور ابو داؤد)"[۱]۔ کہئے اس پر کون عمل کرتا ہے؟

"امام کو چاہئے کہ خود صفوں کو سیدھا کرے اور مبالغہ کے ساتھ سیدھا کرے( صحیح مسلم)"[۲]

کتنے امام اس پر عمل کرتے ہیں؟

"مردوں کی صفیں آگے ہوں اور عورتوں کی صفیں پیچھے( صحیح مسلم)"[۳]۔

غور کیجئے کہ آپ کے ہاں تو تقریباً تمام مساجد ہی میں عورتوں کو صلوٰۃ ادا کرنے کی اجازت نہیں تو پھر ان کی صف بندی کا کیا سوال! اگر کہیں کسی مسجد میں عورتوں کو جانے کی اجازت ہے تو وہاں ان کے لئے علیحدہ کمرہ بنایا جاتا ہے۔ یہ کونسی حدیث کے مطابق ہوتا ہے؟ کیا سنت یہی ہے؟ اہلحدیث حضرات اور سنتوں کے عاشق جواب دیں!

(۱۱)۔ "آداب المساجد" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

★۔ "جب مسجد میں داخل ہو تو اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک دو رکعت (تحیۃ المسجد) نہ پڑھ لے۔ (صحیح مسلم)"[۴]۔ کہئے کتنے لوگ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں؟

★۔ مَرد اور عورت کی صلوٰۃ میں فرق" کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"مَرد اور عورت کی صلوٰۃ میں کوئی فرق نہیں ہے"[۵]

کہئے کتنے اہلحدیث حضرات اور سنتوں کے عاشق اپنی عورتوں کو مَردوں ہی کی طرح صلوٰۃ پڑھنے کی تربیت دیتے ہیں؟

★۔ "صلوٰۃ الجمعۃ" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"جب امام منبر پر آکر بیٹھ جائے تو مؤذن مسجد کے دروازہ پر امام کے سامنے کھڑے ہو کر اذان دے( صحیح بخاری ،ابو داؤد)۔ نوٹ: اس اذان سے پہلے کوئی اور اذان مسنون نہیں"۔[۶]

کہئے کیا اہلحدیث حضرات و سنتوں کے عاشق، اذان مسجد کے دروازہ پر امام کے سامنے کھڑے ہو کر جب وہ منبر پر آکر بیٹھ جاتا ہے، دیتے ہیں؟

کیا ان کے ہاں دو اذانیں نہیں ہوتیں؟ یہ کونسی حدیث میں یا سنت میں لکھا ہوا ہے؟؟ بعض کتابوں (بخاری) میں لکھا ہوا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے، اپنے دَورِ خلافت میں، مدینہ منورہ کی آبادی بڑھ جانے کے باعث زَوراء کے بازار میں نداء دلوانا شروع کی تھی اذان نہیں۔ آج تو اس کی ضرورت نہیں رہی یونکہ اذانیں لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں اور دوسری تیسری مسجد کی اذانوں سے آواز ٹکراتی ہوتی ہے!

کیا اب اذانوں کی ضرورت رہ گئی ہے جبکہ ہر شخص کے ہاتھ پر گھڑی بندھی ہے اور اکثریت کے ہاتھ یا جیب میں موبائل فون بھی ہے۔ جماعت کا وقت ہر مسجد کا مقرر ہے اور اوقات جماعت کا بورڈ بھی مساجد میں آویزاں ہوتا ہے۔ تو ہر شخص کو صلوٰۃ کا وقت معلوم ہے: وقت مقررہ پر خود مسجد پہنچ جانا چاہئے!

(۱۲)۔ صلوٰۃ الخوف کے عنوان کے تحت استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے آٹھ صورتیں لکھی ہیں جو کہ زائد از قرآن اور مختلف از قرآن ہیں۔ قرآن کریم صرف ایک صورت بتاتا ہے (۱۰۱ ۔ ۱۰۲ /۴) لیکن موصوف نے اس کا ذکر تک نہیں کیا! انہوں نے زائد از قرآن اور مختلف از قرآن تحریر کیا ہے (جبکہ قرآن کریم صرف ایک

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۲۱۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۲۱۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۲۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۱۲۶۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۰۲۔۔۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۰۹

رکعت پڑھنے کا بتا رہا ہے):

★۔ "صلوٰۃ الخوف کی دو رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہے"[1] (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

★۔ صلوٰۃ الخوف سے پہلے اذان دی جائے"[2] (صحیح مسلم) تاکہ دشمن باخبر ہو جائے اور حملہ آور ہو جائے!

★۔ امام جب سلام پھیر دے۔ "پھر ہر ایک مجاہد ایک رکعت اور تنہا ادا کر لے" (صحیح بخاری[3]) یہ بات اللہ تعالیٰ قرآن مبین میں صلوٰۃ الخوف کے ذکر میں بتانا بھول گئے، (نعوذ باللہ) نیز جب مجاہد دوسری رکعت بغیر امام کے خود پڑھ رہا ہے تو پھر تقصیرِ صلوٰۃ کہاں ہوئی! یہ ہے کمال (نام نہاد) حدیث کا!

(۱۳)۔ "صلوٰۃ العیدین" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

★۔ "صلوٰۃ العید میں عورتوں کو بھی شریک ہونا ضروری ہے۔ اگر بعض عورتیں اذیت ماہانہ کی وجہ سے صلوٰۃ نہ پڑھ سکیں تو علیحدہ بیٹھ جائیں اور لوگوں کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتی رہیں، ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگتی رہیں اور عید کے دن کی خیر و برکت اور طہارت (و پاکیزگی) کی امیدوار رہیں۔ اگر کسی عورت کے پاس چادر نہ ہو تو کسی ساتھ والی عورت کو چاہیئے کہ اپنی چادر میں اسے بھی چھپا لے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)"[4]۔ کہیئے ہمارے ہاں حدیث ماننے والے اور عاشقینِ سنت کے کن فرقوں میں اس پر عمل ہو رہا ہے؟

★۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے عید کی صلوٰۃ کبھی مسجد میں نہیں پڑھی، بارش کی وجہ سے صلوٰۃ العید مسجد میں پڑھنے کی حدیث منکر ہے، اس کا ایک راوی مجہول ہے (مرعاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح[5]) غور کیجئے مسجد میں صلوٰۃ العید پڑھنے کی حدیث منکر ہے! اگر ہم کسی حدیث کو منکر کہیں تو ہم پر منکرِ حدیث / کافر ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے!

مزید غور کیجئے کہ یہ حدیثِ پاک، قرآن کی شرح مشکوٰۃ المصابیح میں ہے۔ اس کی بھی شرح مرعاۃ المفاتیح میں ہے۔ ہو سکتا ہے اب اس کی بھی کوئی اور شرح لکھ دی گئی ہو! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث شریف قرآن مبین کی کس غیر مبین / مجمل آیت کی شرح ہے؟ پھر اس غیر مبین آیت کی شرح (نعوذ باللہ) رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی غیر مبین ہی کی کہ پھر شارح جناب علامہ ابو الحسن عبید اللہ مبارکپوری صاحب کو صدیوں بعد کرنا پڑی۔ تو پھر آیت کو سمجھانے کیلئے کون زیادہ قابل ہوا، رسول یا شارح؟ تو پھر آپ رسول کو شارح کیوں کہتے ہیں حالانکہ شارح تو خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس حقیقت کو موصوف استاذی نے سورہ الزمر کے ترجمہ میں خود تحریر کیا ہے۔ تیسری آیت کے شروع کے الفاظ کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

"خبردار ہو جاؤ اللہ کا تو خالص دین ہے (وہی اس کا واحد شارح ہے)" ...... (۳۹/۳)

غور کیجئے قرآن کریم کا یعنی دین کا **واحد شارح اللہ تعالیٰ** ہے۔ مگر موصوف اپنی کتابوں میں رسول کو شارح بتاتے رہے ہیں اور اب تو علامہ مبارکپوری کو بھی شارح بنا دیا جس طرح علامہ ابن حجر عسقلانی کو شارح بنایا ہوا ہے! یہ ہے حدیث ماننے والوں کا کمال اور عقیدہ! مزید غور کیجئے آج ہمارے ہاں تو سارے ہی فرقے، سنتوں کے عاشق، حدیثوں کے عاشق، پیروں، فقیروں کے عاشق، مقلد و غیر مقلد، اماموں کے عاشق و ناصبی وغیرہ ہم سب ہی صلوٰۃ العید مسجدوں میں ادا کر رہے ہیں سوائے چند عید گاہوں کے! سنت یا حدیث کی پیروی کس طرح ہو رہی ہے؟

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۱۲ ۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۱۲ ۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۱۳ ۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۲۴۔۲۲۵ ۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۱۳

(۱۴)۔"صلوٰۃ الوضوء" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"صلوٰۃ الوضوء کو عام طور پر تحیۃ الوضوء کہتے ہیں۔ صلوٰۃ الوضوء وہ صلوٰۃ ہے جو ہر وضوء کے بعد وضوء کرتے ہی پڑھی جائے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)"[1]

کہئے کتنے حضرات صلوٰۃ الوضوء پڑھتے ہیں اور پھر تحیۃ المسجد پڑھتے ہیں پھر اپنی نمازِ موٴقت؟

(۱۵)۔"صلوٰۃ السّفر" جب سفر سے واپس آئے تو گھر جانے سے پہلے مسجد میں جاکر دو رکعت صلوٰۃ ادا کرے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)"[2]

کہئے کون کون سا فرقہ اس حدیث پاک پر عمل کرتا ہے؟

(۱۶)۔"صلوٰۃ المسافر" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"سفر میں چار رکعت فرض کے بجائے دو رکعت پڑھے، لیکن مغرب کی صلوٰۃ تین ہی رکعت پڑھی جائے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)"[3]

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو قصر صلوٰۃ کی اجازت کو مشروط کر رہے ہیں اس سفر (بالقصد جہاد یا غزوہ) سے جس میں دشمن کے اچانک حملہ کا خوف و خطرہ ہو۔ دیکھئے سورہ النساء کی آیت نمبر ۱۰۱ جو عام طور پر صلوٰۃ الخوف ہی کہی جاتی ہے:

"اگر تم سفر میں ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم نماز میں قصر کرلو **بشرطیکہ** تمہیں یہ خوف ہو کہ کافر (اچانک تم پر حملہ کرکے) تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دیں گے بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں"۔(۴/۱۰۱)(ترجمہ مسعود احمد صاحب)

گو کہ یہ تحت اللفظ ترجمہ ہے، مگر پھر بھی یہ حقیقت واضح ہے کہ سفر منجانب محاذ جنگ یا محاذ جنگ ہی کے موقعہ کا ہے جہاں پر صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے یہ خوف و خطر وارد ہو کہ دشمن اچانک حملہ کرکے فتنہ میں مبتلا کر سکتا ہے، یعنی یہ عام یا روز مرہ درپیش آنے والا سفر نہیں کہ اس میں بھی صلوٰۃ ادا کرنے میں قصر کیا جائے۔ یعنی کمی کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ بھی، ساتھ ہی ساتھ، اگلی ہی آیت مبین میں بتاتا ہے:

" اور (اے رسول) جب آپ ان (مجاہدین کے لشکر میں موجود ہوں اور ان کو نماز پڑھائیں تو مجاہدین کی ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جائے (اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلہ کے لئے کھڑی رہے) نماز میں شامل ہونے والوں کو چاہئے کہ اپنے ہتھیار پہنے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہو جائیں اور دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی آپ کے ساتھ نماز پڑھے، انہیں بھی چاہئے کہ اپنے دفاع کا سامان اور ہتھیار پہنے رہیں۔ (اے ایمان والو!) کافر تو یہ چاہتے ہیں اگر تم اپنے ہتھیار اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو تم پر یکبارگی حملہ کر دیں اور (اے ایمان والو!) اگر بارش کی وجہ سے تمہیں تکلیف ہو یا تم مریض ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم (نماز میں) اپنے ہتھیار اتار کر رکھ دو لیکن دفاعی سامان پھر بھی پہنے رہو (اللہ کافروں سے خوب واقف ہے اُس) نے کافروں کے لئے ذلّت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے"۔(۴/۱۰۲) ترجمہ مسعود احمد صاحب)

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۵۶۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۶۶۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۶۲۔ ۲۶۱

قارئین ذرا غور کیجئے، تدبر کیجئے، تفکر کیجئے کہ یہ دونوں آیات کتنی واضح المطالب ہیں اور کتنی وضاحت سے صرف سفر الخوف میں صلوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ بتارہی ہیں (جس کا ذکر موصوف نے صلوٰۃ الخوف میں نہیں کیا بلکہ حدیثی سات آٹھ صورتیں لکھ دی ہیں) اس میں یہ کہیں نہیں کہ عام سفر میں صلوٰۃ قصر کر کے اس طرح پڑھی جائے گی اور امام کے پیچھے ایک رکعت پڑھنے کے بعد ایک اور رکعت تنہا ادا کرے۔ تو پھر قصر کہاں ہوئی؟

اگر آپ واقعی غور و فکر و تدبر کریں تو اس آیت مبین سے تو صلوٰۃِ مؤقت دو، دو رکعت ہی ثابت ہوتی ہے۔ بجائے تین اور چار رکعت کے۔ مگر موصوف اور جامعین بخاری و مسلم فرماتے ہیں "لیکن مغرب کی صلوٰۃ تین ہی رکعت پڑھی جائے"۔!

مزید فرماتے ہیں:

"سفر میں وِتر اور صبح کی دو سنتوں کا پڑھنا بہتر ہے۔ دوسری سنتوں کو بھی اگر چاہے تو پڑھ لے" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)[1]۔ تو پھر قصر کہاں ہوا؟

"سفر میں اگر کہیں مقیم ہو جائے تو بھی چار رکعت فرض کے بجائے دو رکعت ہی پڑھے" (صحیح بخاری)[2]

"سفر میں چار رکعت کے بجائے دو رکعت ہی فرض ہیں" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)[3]

لیکن موصوف اس حقیقت کو ٹال گئے کہ قصر صلوٰۃ خوف سے مشروط ہے۔ عام سفر میں قصر نہیں! عام سفر میں قصر صلوٰۃ کی اجازت آیت مبین (۱۰۱/۴) میں نہیں یہ خود ساختہ ہے۔

"چار رکعت نہ پڑھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں کبھی چار رکعت نہیں پڑھیں" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)[4]۔ آپ نے شاید چار رکعت سفر میں اس لئے نہیں پڑھیں کہ فرض ہی دو دو رکعت تھیں! آگے تحریر فرماتے ہیں:

"سفر میں "ظہر اور عصر" اور "مغرب اور عشاء" کو ملا کر پڑھ سکتے ہیں" (صحیح بخاری)[5]

"سفر میں اگر کہیں مقیم ہو جائے تب بھی ان صلاتوں کو جمع کیا جا سکتا ہے"[6]

"ظہر اور عصر کو جمع کرنا ہو تو ظہر کے وقت ظہر اور عصر دونوں ملا کر پڑھ لی جائیں" (مسلم و بخاری)

"یا عصر کے وقت ظہر اور عصر دونوں ملا کر پڑھ لی جائیں، اسی طرح مغرب اور عشاء کو جمع کیا جا سکتا ہے"[7]

"نوٹ: اگر پہلی صلوٰۃ کے وقت دوسری صلوٰۃ کو جمع کیا جائے تو اسے جمع تقدیم کہتے ہیں اور اگر دوسری صلوٰۃ کے وقت پہلی کو جمع کیا جائے تو اسے جمع تاخیر کہتے ہیں"[8]

غور کیجئے کہ جمع تقدیم و جمع تاخیر کا ذکر اوپر تحریر کردہ دونوں آیات میں نہیں، بلکہ پورے قرآن میں نہیں۔ یہ عجمیوں کی خود ساختہ سہولت ہے۔ جس کو حدیث ماننے والوں نے نہ صرف نارمل سفر بلکہ بحالت اقامت بھی اپنا لیا ہے۔ اس پر موصوف نے علیحدہ بحث کی ہے اور اسے غلط قرار دیا ہے[9]

مزید غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں:

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۶۲۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۶۲۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۶۲۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳۔۔۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳۔۔۔ ۷۔ ایضاً۔ ص ۲۶۳۔۲۶۴۔۔۔ ۸۔ ایضاً۔ ص ۱۰۴۔۔۔ ۹۔ ایضاً، عنوان "بحالت اقامت دو صلاتوں کا جمع کرنا" ص ۴۰۱۔۴۱۵

"........ بے شک مومنین پر نماز کا مقررہ وقت پر پڑھنا فرض کر دیا گیا ہے" (۴/۱۰۳) ترجمہ مسعود احمد صاحب

اور یہ بات اتنی مشہور ہے کہ غیر عربی دان بھی صلوٰۃِ موقت، صلوٰۃ موقت کی رَٹ لگاتے ہیں مگر عجمی جامعین اور محدثین نے نماز کے مقررہ اوقات کا مذاق بنا دیا کہ پانچ اوقات کے بجائے تین اوقات میں پڑھ لو! تو پھر صلوٰۃ موقت کہاں رہی!

حدیث ماننے والے فرقۂ شیعہ نے تو تین اوقات کو ہی عادت بنالیا ہے اور سڑکوں پر بھی کھڑے ہو کر دو دو نمازیں ایک ساتھ پڑھ رہے ہوتے ہیں!

آگے موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"جب سفر کی مسافت تین (عربی) میل (یعنی نو ہزار گز) ہو تو قصر کرنا چاہئے" (صحیح مسلم)[۱]

"نوٹ: نو ہزار گز پانچ (پاکستانی) میل یا آٹھ کلومیٹر سے کچھ زائد ہوتے ہیں"[۲]

غور کیجئے کہ کراچی جیسے بڑے شہر میں جب آپ گھومنے پھرنے یا کسی کام سے نکلیں تو عام طور پر فاصلے آٹھ کلو میٹر سے زیادہ ہی ہوتے ہیں تو پھر آپ کو صلوٰۃ قصر کرنے کی اور عجمیوں کے مطابق دو نمازیں جمع کرنے کی بھی اجازت ہے! اسی طرح جب آپ راولپنڈی سے اسلام آباد جائیں تو عام طور پر فاصلہ آٹھ کلومیٹر سے زیادہ ہوتا ہے تو آپ کو صلوٰۃ قصر کرنا چاہئے (گو کہ آپ کو دشمن کا کوئی خوف نہیں ہوتا) اور دو نمازیں جمع کرنا چاہئے!

"نوٹ: مسافر کے لئے قرآن و حدیث میں ایسی کوئی مدّت مقرر نہیں کہ اس مدّت سے زیادہ کہیں ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو قصر نہ کرے"[۳]۔ مگر عام طور پر مُلاّؤں نے کچھ نہ کچھ مدت مقرر کی ہوئی ہے!

(۱۷)۔ اب ذرا صلوٰۃ کے پیچیدہ مسائل بھی دیکھ لیجئے:

"عمامہ اور موزوں پر مسح کرنا" کے زیرِ عنوان، استاذی جناب مسعود احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"اگر سر پر عمامہ ہو یا کوئی اور کپڑا ہو تو وضوء کرتے وقت عمامہ پر یا اس کپڑے پر مسح کر سکتے ہیں۔ سَر کھول کر مسح کرنا ضروری نہیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)"[۴]

"اگر موزے ایسی حالت میں پہنے کہ پیر پاک ہوں تو وضوء کرتے وقت موزوں پر مسح کر سکتا ہے، پیر دھونے کی ضرورت نہیں (صحیح بخاری)"[۵]

"مسافر تین دن، تین رات اور مقیم ایک دن ایک رات موزوں پر مسح کر سکتا ہے (ابوداؤد، نیل الاوطار)"[۶]

غور کیجئے کہ سورہ المائدہ میں اللہ تعالیٰ نے وضوء کا جو طریقہ بتایا ہے کہ "اے ایمان والو، جب تم نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوا کرو تو (پہلے) اپنے چہروں کو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھوں کو دھو لیا کرو، اپنے سَروں پر مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پیر بھی دھو لیا کرو...... " (۵/۶) (ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

اس طریقۂ وضوء میں سَر کے علاوہ کہیں بھی مسح کرنے کا حکم نہیں۔ اور سر کے معنیٰ سر ہیں عمامہ یا موزے نہیں اور اس میں کسی مدت کا بھی ذکر نہیں۔ قرآن کریم کے علاوہ یعنی اللہ رب العزت کے فرمان کے علاوہ یہ سب خود ساختہ عجمی تحریف ہے!

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۶۴ ---۲۔ ایضاً۔ ص ۲۶۴ ---۳۔ ایضاً۔ ص ۲۶۵ ---۴۔ ایضاً۔ ص ۱۰۴ ---۵۔ ایضاً۔ ص ۱۰۴ ---۶۔ ایضاً۔ ص ۱۰۴

(۱۸)۔اَوْقَاتُ الصَّلَوَات کے زیرِ عنوان تحریر فرماتے ہیں:

"ظہر کا وقت زوال آفتاب کے بعد شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک عصر کا وقت نہ آ جائے، یعنی ظہر کا وقت اس وقت تک رہتا ہے جب تک کسی انسان کا سایہ اس کے قد کے برابر نہ ہو جائے (صحیح مسلم)"[۱] سایہ کی پیمائش کرتے وقت وہ سایہ نکال دیا جائے جو زوال کے وقت ہوتا ہے۔(نسائی)"[۲]

یہ سایہ کا چکر تو عام طور پر لوگوں کو معلوم ہی نہیں اور جن کو معلوم ہے وہ عجمیوں کی یہ بات نہیں مانتے بلکہ جب سایہ دو مثل سے زیادہ ہو جاتا ہے تو ان کے ہاں عصر کا وقت شروع ہوتا ہے! غور کیجئے منکرِ حدیث کون ہوا؟

"ظہر کا وقت ختم ہوتے ہی عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی جب کسی انسان کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک سورج زرد نہ ہو جائے (صحیح مسلم"[۳]۔

مگر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

" اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّیْلِ۔(اے رسول) سورج ڈھلنے کے وقت سے اوّل رات کی تاریکی تک نماز قائم کیجئے" (۷۸/۱۷)(ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

یعنی دوپہر سے رات تک نماز قائم کیجئے، درمیان میں سورج زرد یا پیلا یا لال ہونے کی کوئی شرط یا شق نہیں! مگر عجمی جامعین و محدثین نے تحریف فرمادی!

اور دیکھئے سورہ طٰہٰ کے آیت نمبر ۱۳۰ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

" تو (اے رسول) جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے اور طلوعِ آفتاب اور غروب آفتاب سے پہلے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح پڑھا کیجئے............" (۲۰/۱۳۰)(ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

مزید سورہ ق کی آیت نمبر ۳۹۔۴۰ میں اللہ تعالیٰ اسی بات کو دوہرا رہا ہے (تصریف الآیات):

"تو (اے رسول) جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں اس پر آپ صبر کیجئے اور سورج کے طلوع ہونے سے پہلے اور غروب ہونے سے پہلے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح پڑھا کیجئے" ۔"اور رات میں بھی کچھ دیر اس کی تسبیح پڑھا کیجئے اور نماز کے بعد بھی" (۵۰/۴۰۔۳۹)(ترجمہ: جناب مسعود صاحب)

غور کیجئے ان دونوں مقامات پر بھی سورج کے غروب ہونے سے پہلے میں کہیں بھی زرد، پیلا یا لال ہونے کی شرط نہیں، مگر عجمیوں نے یہ شرط لگادی!" (معاذ اللہ)

(۱۹)۔"اذان اور اقامت کے مسائل" کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں:

"جو شخص اذان دے وہی اقامت کہے (ابو داؤد، مرعاۃ)"[۴]

"جب مؤذن اذان دے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہی الفاظ دوہرائے جو مؤذن کہہ رہا ہے (صحیح مسلم)"[۵]

"جب مؤذن حیَّ علی الصلوٰۃ یا حیّ علی الفلاح کہے تو سننے والا لَا حَولَ ولا قُوَّۃَ اِلا بِاللّٰہِ پڑھے (صحیح مسلم)"[۶]

غور کیجئے کہ حدیث ماننے والے کس کس فرقہ کو یہ باتیں معلوم ہیں اور وہ اس پر عمل کرتے ہیں؟

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۰۵۔۔۔۲۔ ایضاً۔ ص ۱۰۵۔۱۰۶۔۔۔۳۔ ایضاً۔ ص ۱۰۶۔۔۔۴،۵،۶ ایضاً۔ ص ۱۱۰

"اذان کی آواز سُن کر یہ کلمات پڑھے:

"اَشھدُ ان لا الٰہ الا اللہُ وَحدَہٗ لا شریکَ لہٗ و انَّ محمدً عبدہٗ و رسولہٗ رضیت باللہِ رَبًّا وَّ بِمُحمَّدٍ رسولا و بالاسلام دینًا (صحیح مسلم)"[1]

(ان کلمات کے پڑھنے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں)۔ پھر وہی غیر قرآنی عقیدہ کہ اتنی آسانی سے صرف ان کلمات کے پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں (صحیح مسلم) جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کو آزمایا جائے گا۔ مگر عجمی جامعین و محدثین صرف ان کلمات کے پڑھنے پر گناہ معاف کرا دیتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھنے پر فواحشات معاف کرا دیتے ہیں (حوالے پیچھے گزر گئے)

"جب اذان ختم ہو جائے تو درود شریف پڑھے۔[2] (صحیح مسلم) پھر یہ دعا پڑھے:
ترجمہ: اے اللہ، اے اذانِ کامل اور صلوٰۃِ قائمہ کے ربّ، محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت عطاء فرما اور اُن کو مقام محمود پر جس کا تو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے مبعوث فرما"۔ جو شخص یہ دعا پڑھے اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حلال ہو جاتی ہے"[3]

غور کیجئے یہ درود شریف کیا ہے؟؟ یہ بھی عجمیوں کی ایجاد ہے! درود کا لفظ عربی کا لفظ ہی نہیں اور نہ ہی قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے اور نہ ہی (نام نہاد) حدیث شریف میں استعمال ہوا ہے لیکن عجمیوں نے اسے درود بنا دیا ہوا ہے۔ درود، دُرودِن، یہ پارسی (فارسی) زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی کسی چیز کو کاٹنا، جڑ سے کاٹنا، قطع کرنا وغیرہ ہیں۔ جبکہ قرآن کریم کی جس آیت کے ترجمہ میں، عجمی اور عجمی زدہ مترجمین و مفسرین، یہ لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ **یُصَلُّوْنَ** عَلَی النَّبِیِّ ؕ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا **صَلُّوْا** عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ﴿۵۶﴾ (۵۶/ ۳۳) اس میں لفظ **یُصَلُّوْنَ** اور **صَلُّوْا** ہے۔

صَلُّو کے معنیٰ (درود یا درودن نہیں) بلکہ پہنچنا، ملنا، جُڑ جانا، شامل ہونا وغیرہ ہیں۔ دیکھئے سورہ الحاقہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ﴿۳۱﴾ (۶۹/ ۳۱) ترجمہ: پھر اس کو دوخ میں داخل کر دو" (ترجمہ: جناب مسعود احمد صاحب)۔ اس طرح صَلُّو کے معنی مدد کرنا، نصرت کرنا بھی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس آیت کے معنیٰ وہ زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں جو جناب کریم بخش سکھانی صاحب نے اپنے چھوٹے سے کتابچہ "نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ" کے ص ۲۳ پر کئے ہیں، ملاحظہ ہوں۔

"اللہ اور اس کے فرشتے تائید اور نصرت میں رسول کے شاملِ حال ہیں۔ اے جماعت مومنین تم بھی اپنے عمل سے ان کی تقویت کا باعث بنو اور ان کے دست و بازو بن جاؤ، اور انہیں اس طرح تسلیم کرو جو تسلیم کرنے کا حق ہے"

اس کی مزید وضاحت آیت کریمہ سے ہوتی ہے کہ اُولٰٓئِکَ عَلَیْہِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّہِمْ وَ رَحْمَۃٌ ۟ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ (۲/ ۱۵۷) ترجمہ: یہی وہ لوگ ہیں جن پر اپنے رب کی طرف سے عنایات ہیں اور مستحق مبارکباد ہیں اور یہی اس کی رحمت کے حقدار ہیں، اور اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں"۔ (ترجمہ جناب کریم بخش سکھانی صاحب)

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۱۱۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۱۲۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۱۳

موصوف کے آیت ۵۸/۳۳ کے ترجمہ کو ہم یوں بھی کر سکتے ہیں کہ

"اللہ تعالیٰ اپنے ملائکہ کے ذریعہ رسول کی مدد و نصرت کرتا ہے، اے ایمان لانے والو! تم بھی (اپنے عمل سے) پوری دلجمعی کیساتھ اس (دائمی حق) سے جُڑ جاؤ (یعنی ان کے مشن کی تکمیل کے لئے ان کے ساتھ مل کر ہر ممکن تعاون کرو۔ ان کے مشن میں لگ جاؤ، جُت جاؤ) اور اس حق کے آگے سر تسلیم خم کر دو (Surrender کر دو جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے"۔

خیال رہے کہ سَلَّمَ کے معنٰی سر تسلیم خم کر دینا۔ جھک جانا، Surrender کرنا ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی بے چوں وچرا، پورے خلوص سے، اطاعت و فرمانبرداری، تابعداری، غلامی کرنا۔ اسی کو عبدیت بھی کہتے ہیں۔ کہ اللہ کا عبد بن، بندہ بن، غلام و فرمانبردار بن۔ کسی غیر اللہ کا عبد یا بندہ نہ بن۔

اب دیکھئے ہمارے موصوف جناب مسعود احمد صاحب اس آیت کریمہ کا کیا ترجمہ کرتے ہیں۔ انہوں نے یہاں لفظ "**درود**" استعمال نہیں کیا جبکہ دوسرے مقامات پر وہ یہ لفظ استعمال کرتے ہیں (جیسے نماز میں)

"اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں، اے ایمان والو! تم نبی کے لئے دعائے رحمت کیا کرو اور ان پر سلام بھیجا کرو"۔ (۵۶/۳۳) (ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

غور کیجئے کہ نبی کو رحمت کی ضرورت تھی یا مدد و نصرت کی؟ نیز یہ کہ (اس وقت) نبی کو صحابہ کی دعاؤں کی ضرورت تھی یا ان کے مشن...... بلاغِ حق میں تن من دھن و خلوص سے شمولیت جُڑ جانے، ساتھ دینے کی ضرورت تھی؟ نیز یہ کہ اگر صحابہ ان پر سلام بھیجتے رہتے تو ان کو کیا فائدہ تھا؟ کیا سلام سے نبی کے مشن کی تائید ہوتی تھی۔ ظاہر ہے کہ نہیں۔ ضرورت تو حق کے لئے پوری طرح سے Surrender کر دینے کی تھی۔ انہی کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:

"بے شک اللہ نے مومنین سے جنت کے عوض ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں (اس لئے) وہ اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، قتل کرتے ہیں اور قتل بھی ہو جاتے ہیں........" (۹/۱۱۱) (ترجمہ: جناب مسعود احمد صاحب) یہ ہے **سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا**۔

اب غور کیجئے کہ اسی سورہ احزاب میں **هُوَ الَّذِيْ يُصَلِّيْ عَلَيْكُمْ وَ مَلٰٓئِكَتُهٗ** ........... کا ترجمہ کیا کیا ہے: ترجمہ "وہی ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی رحمت بھیجتے ہیں)........ ۳۳/۴۳ (ترجمہ: مسعود احمد صاحب) یعنی ہمارے موصوف نے یہاں بھی يُصَلِّيْ کا ترجمہ درود بھیجنا نہیں کیا ہے۔ خیال رہے کہ یہ آیت مومنین سے مخاطب ہے اور برصغیر ہندو پاک کے سب سے پہلے اردو کے ترجمہ نگاروں: شاہ عبد القادر صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب نے اپنے اپنے ترجموں میں لفظ يُصَلِّيْ کا ترجمہ رحمت بھیجنا ہی کیا ہے۔ چنانچہ ان کے بعد والوں میں سے اکثر مترجمین نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے۔ شاہ صاحب کا ترجمہ ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب[۱] کے مطابق ۱۲۴۵ھ بمطابق ۱۸۲۹ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ جبکہ ڈاکٹر محمد سلیم خالد صاحب[۲] کے مطابق ۱۲۰۵ھ بمطابق ۱۷۹۰ء میں منصّۂ شہود پر آیا۔ (اتنا زیادہ فرق کیوں ہے یہ واضح نہ ہو سکا)۔

---

۱۔ ۲۔ شاہ عبد القادر کے اردو ترجمہ قرآن کا تحقیقی و لسانی مطالعہ از ڈاکٹر محمد سلیم صاحب۔ ادارۂ یادگار غالب۔ کراچی۔ اشاعت اول ۲۰۱۶ ص ۱۷، ۴۷

قارئین! میں پورے وثوق سے اور پورے خلوص سے عرض کرتا ہوں کہ اوپر کی دونوں آیات میں، یُصَلُّوۡنَ ، صَلُّوۡا اور یُصَلِّیۡ کا ترجمہ رحمت اور دعائے رحمت بالکل بھی نہیں ہوتا۔ آیت میں کہیں لفظ "دعا" یا "دعا کرنا" استعمال ہی نہیں ہوا ہے۔ نیز یہ لفظ "رحمت" خود قرآن مبین ہی کا لفظ ہے اور وہ ان معنوں میں لفظ رحمت ہی استعمال ہوا ہے۔ "اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر رحمت بھیجتے رہتے ہیں" گویا کہ یہ ایک مسلسل و مستقل عمل ہے۔ تو اس کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام میں فرمایا ہوا ہے

★۔ کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ؕ اللہ نے اپنے نفس پر رحم (وکرم) کو لازم کر لیا ہے (۱۲ ، ۵۴ /۶)

★۔ اللہ کی رحمت تو ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔(۱۵۶ /۷)

★۔(یعنی میں اپنی رحمت ان لوگوں کے لئے لکھوں گا) جو رسول نبی اُمّی کی پیروی کریں گے............ الغرض جو لوگ ان پر ایمان لائے، ان کا احترام کیا، ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو ان پر نازل کیا گیا ہے وہ لوگ فلاح پانے والے ہیں (۱۵۷ /۷)۔ غور کیجئے یہاں رسول کی پیروی، احترام، مدد اور نور کی پیروی کی بات واضح طور پر آگئی۔

★۔ تمام انبیاء اس کی رحمت میں داخل تھے (۸۶ /۲۱) تو کیا محمد رسول اللہ کو اللہ کی رحمت میں داخل کرانے کے لئے، ان سے درجہ میں کم تر اور ہم جیسے گھٹیا لوگ ان کے لئے دعائے رحمت کریں گے؟ یا فرشتے دعا کریں گے جبکہ فرشتے تو ان لوگوں کے لئے جو ایمان لے آئے ہیں اس طرح دعا کرتے ہیں: اے ہمارے رب، تو (اپنی) رحمت اور (اپنے) علم کے ساتھ وسعت والا ہے، تو (اے ہمارے رب) ان لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کر لی اور تیرے راستہ کی پیروی کرتے رہے اور (ہمارے رب) ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لے۔(۷ /۴۰) تو یہاں بھی فرشتوں کی یہ دعا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے لئے نہیں بلکہ دیگر ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔

★۔ تمام انبیاء اللہ کی رحمت میں داخل تھے۔(۸۶ /۲۱)

★۔ اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ، وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوگنا اجر دے گا اور تمہارے لئے ایسا نور پیدا کر دے گا کہ اس (کی روشنی) میں تم چلو گے (اور منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے) اور تمہاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ (تو) بڑا معاف کرنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے (۲۸ /۵۷)

★۔ حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ کیلئے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَ رَحۡمَةً مِّنَّا ہم اپنی طرف سے اسے رحمت بنائیں (۲۱ /۱۹)

★۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے "اور تم میں جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کے لئے تو وہ رحمت (مجسم) ہیں۔(۶۱ /۹)

★۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ کو تو تمام (اقوام) عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (۱۰۷ /۲۱)

........... غور کیجئے جو خود رحمتِ (مجسم) ہو، رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ہو اس کے لئے آپ اور میں رحمت کی کیا دعا کریں گے؟ اس لئے: ع.................. ایں... خیال... است... مُحال... اَست... جنوں

★۔ جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں اللہ ان پر رحم فرمائے گا (۷۱ /۹)

★۔(جو) صلوٰۃ قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے اور رسول کی اطاعت کریں گے ان پر رحم کیا جائے گا (۵۶ /۲۴) تو وہ رسول کے لئے رحمت کی کیا دعا کریں گے؟ وہ تو خود اپنے اعمال سے مشروط ہیں!

★۔ اللہ کی بذریعہ رسول اطاعت کرنے والوں پر رحم کیا جائے گا (۳/۱۳۲)
★۔ اور اگر ہم چاہیں تو انہیں غرق کر دیں پھر نہ تو ان کا کوئی فریادرس ہو اور نہ ان کو (اس مصیبت سے) نجات مل سکے۔ مگر یہ ہماری رحمت ہے (کہ انہیں غرق نہیں کرتے) اور ایک مدت تک (ان کو دنیوی ساز و سامان کا) فائدہ پہنچاتے ہیں (۳۶/۴۴، ۴۳)
★۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے (۲/۱۰۵) اس کو اس چیز کی ضرورت نہیں کہ آپ دعا کریں کہ وہ اپنے رسول پر رحمت کرے۔ وہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر لیتا ہے (۷۶/۳۱، ۴۲/۸)

اور یہ رحمت کس پر ہوتی ہے:

★۔ اور اس کتٰب کو بھی ہم ہی نے نازل کیا ہے، یہ بڑی بابرکت کتٰب ہے لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم (تُرْحَمُونَ) کیا جائے (۶/۱۵۵)۔ یعنی پیروی یا اتباع اللہ کی کتٰب کی کرنا ہے (نام نہاد) احادیث کی، عجمیوں کی لکھی کتابوں کی پیروی نہیں کرنی۔ وہ ایک کتاب ہے اور یہ پندرہ سو کتابیں۔ خود سوچئے کس کی اتباع کی جائے؟
★۔ یہ آپ سلامٌ علیہ کے رب کی رحمت (ہی) ہے کہ وہ اس کتاب کو آپ کے دل میں محفوظ کئے ہوئے ہے) بے شک آپ پر اس کا بڑا فضل ہے (۱۷/۸۷)
★۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگنے سے رحم کیا جاتا ہے (۲۷/۴۶)
★۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس سے پچھلے (گزرے ہوئے) واقعات کی خبر بھی اپنے رسول کو دی (۲۸/۴۶)
★۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے آپ سلامٌ علیہ پر الکتٰب اُتاری جس کی آپ کو توقع بھی نہ تھی (۲۸/۸۶)[1]

ان تمام آیات سے یہ حقیقت بالکل واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ہر شئے کو محیط ہے یونکہ اس رحمٰن ور حیم مالک نے اپنے (نفس) پر رحم کو لازم کر لیا ہوا ہے۔ نیز تمام رسولوں پر اس کی رحمت ہے تو پھر ہم جیسے گناہ گاروں کی دعائے رحمت سے کیا ہو گا!

نیز یہ کہ لفظ "رحمت" اور یُصَلُّونَ، صَلُّوا اور یُصَلّی بھی قرآنی الفاظ ہیں مگر ان کے مادے اور مشتقات اور معنٰی الگ الگ ہیں۔ اس لئے ان کو ان کے مقام ہی پر رہنے دیجئے اور ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی یا پہلوں کے معنوں ہی کو تسلیم نہ کر لیجئے۔ خود بھی کچھ تفکر کریں۔ (تَتَفَكَّرُوا، تَتَفَكَّرُوْن.. ۴۶/۳۴، ۲/۲۱۹، ۲/۲۶۶، ۲۱/۵۹، ۴۴/۱۶، ۶/۵۰)، کچھ عقل استعمال کریں ورنہ اللہ تعالیٰ آپ پر (کفر و شرک کی) گندگی ڈال دے گا (۱۰/۱۰۰) جو سنتے اور عقل سے کام نہیں لیتے وہ چوپایوں (ڈھور ڈنگر) کی مانند ہیں (۴۴/۲۵، ۸/۲۲)، بلکہ وہ ربّ کی آیات سے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور آیات پر بھی اندھے اور بہرے بن کر نہیں گرتے (۲۵/۷۳) جبکہ، افسوس ہمارا مُلاّ کہتا ہے کہ دین یا کتاب میں عقل نہ استعمال کرو۔ مُلاّ جو کہے بس وہ بغیر سوچے سمجھے مان لو۔ پس آیات کریمہ کی روشنی میں عقل استعمال کر کے آیت کریمہ (۳۳/۵۶) کا مطلب یہی سمجھ میں آتا ہے کہ رسول کے لائے ہوئے حق کے آگے پوری دلجمعی و خلوص سے سر نڈر

[1] اوپر درج شدہ آیات کا ترجمہ یا مفہوم جناب مسعود احمد صاحب کے ترجمہ قرآن ہی سے لیا گیا ہے۔

(Surrender) کر کے رسول کے مشن میں لگ جانا ہے۔ اس وقت صحابہؓ رسول کے مشن میں لگے اور اس کو آگے بڑھایا اور آج ہماری اوّلین ذمہ داری، ایمان لانے کے بعد، رسول کے مشن میں لگ کر حق کو آگے پھیلانا ہے۔ خیال رہے کہ حق صرف القرآن ہے الفرقان ہے، القرآن الحکیم ہے، عجمیوں کی جمع کردہ وتیار کردہ روایات کی تقریباً پندرہ سو کتابیں نہیں ہیں۔ اس لئے درود شریف پڑھنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا نہ ہی وہ پڑھنے سے رسول کا مشن آگے بڑھتا ہے۔ اس درود کی کہانی بھی بڑی عجیب ہے اور کس طرح یہ عجمی لفظ تراجم قرآن وتفاسیر میں شامل ہوا اس کے لئے میں کچھ معلومات پیش کرتا ہوں:

## درود کی معلومات

پیچھے میں بتا چکا ہوں کہ برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلا اردو ترجمہ جناب شاہ عبد القادر صاحب مرحوم نے اٹھارویں صدی عیسوی میں کیا تھا مگر انہوں نے سورہ الاحزاب کی آیت کریمہ (۵۶/۳۳) میں الفاظ یُصَلُّونَ اور صَلُّوْا کا ترجمہ "رحمت" کیا تھا اور وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا کا ترجمہ "اور سلام بھیجو سلام کہہ کر" کیا تھا۔ جو کہ دونوں ہی صحیح نہیں تھے (جیسا کہ میں اوپر واضح کر چکا ہوں)۔ شاید ان کے ترجمہ کے بعد ہی' برصغیر کے مسلمانوں میں اللھم صلی علی محمد اور "یانبی سلام علیک" پڑھنے کا رواج پڑ گیا! یونکہ انہوں نے اپنی تفسیر "موضح القرآن" میں اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے "یہ حکم ادا ہوتا ہے نماز میں السلام علیک ایھا النبی اللھم صل علی محمد ، اللہ سے رحمت مانگنی اپنے پیغمبر پر اور ان کے گھرانے پر بڑی قبولیت رکھتی ہے، ان پر ان کے لائق رحمت اترتی ہے اور دس رحمتیں اترتی ہیں مانگنے والے پر جتّا چاہے اتّا حاصل کرے ۱۲ منہ[1]" (یہ ۱۲ منہ[1] کیا چیز ہے؟ نہیں معلوم۔ یہ بھی شاید شاہ صاحب ہی کی ایجاد ہے۔ جس طرح لقب "شاہ" ان کے نام کے ساتھ معلوم نہیں کس کی ایجاد ہے؟ یونکہ ڈاکٹر محمد سلیم خالد صاحب نے تو ان کو فاروقی النسل لکھا ہے، وہ بھی شاہ ولی اللہ صاحب کے اپنے بتائے ہوئے شجرہ کے مطابق[2])

شاہ عبد القادر صاحب کے بھائی شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی نے بھی اپنے بھائی کے ترجمہ سے پہلے ہی ۱۲۰۰ھ میں قرآن کریم کا ترجمہ تحت اللفظ کیا تھا۔ اس میں اس آیت کریمہ (۵۶/۳۳) کا ترجمہ وہ یوں کرتے ہیں: "تحقیق اللہ اور فرشتے اس کے درود بھیجتے ہیں۔ اوپر نبی۔ اے لو گو جو ایمان لائے ہو درود بھیجو اوپر اس کے اور سلام بھیجو سلام بھیجنا"۔

شاہ رفیع الدین صاحب کے اس تحت اللفظ ترجمہ سے معلوم ہوا کہ اردو ترجمہ میں سب سے پہلے عجمی لفظ یا عجمی اصطلاح "درود" سب سے پہلے انہوں نے داخل کی اور اس کے اصطلاحی معنیٰ شاہ عبد القادر صاحب نے اپنی تفسیر موضح القرآن میں بتائے۔ ہو سکتا ہے ان سے پہلے یعنی اردو ترجمہ و تفسیر (اٹھارویں صدی) سے پہلے یہ عجمی / فارسی میں مستعمل رہی ہو۔

شاہ عبد القادر صاحب کے تقریباً ایک صدی بعد، لکھنؤ سے ۱۳۳۱ھ بمطابق ۱۹۱۲ء میں شیعہ عالم جناب حکیم سید مقبول احمد صاحب دہلوی کا مشہور ومقبول ترجمہ قرآن مع چار سو صفحات کے ضمیمہ کے (جبکہ ۹۳۷ صفحات کے قرآنی

---

[1] خیال رہے کہ یہ تفسیر اب نئے ایڈیشن، مطبوعہ پاک کمپنی رجسٹرڈ۔ لاہور۔ ایڈیشن ۲۰۰۵ء میں حاشیہ پر نہیں دی گئی ہے!۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۴۸

حصہ پر حواشی اس کے علاوہ ہیں) شائع ہوا۔ اس کے مطابق آیت کریمہ کا ترجمہ مقبول صاحب نے یہ کیا ہے:

"بالتحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ (یعنی محمد و آل محمدؐ) پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان لانے والو! تم بھی ان پر درود بھیجو اور (ان کی فضیلتوں کو) ایسا تسلیم کرو جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے" (۵۶/۳۳، ص ۵۱۰)

غور کیجئے کہ تقریباً ایک صدی میں بات رسول سے آلِ رسول اور ان کی فضیلتوں تک پہنچ گئی! یعنی اللہ تعالیٰ نے تو یُصَلُّونَ عَلَى النَّبِي کہا مگر بندوں نے اس میں نبی کی آل کو بھی بڑھا دیا۔ کیا اللہ تعالیٰ کے حکم میں یہ زیادتی، شرک فی الحکم نہیں؟

دوسری بات غور کیجئے کہ "بالتحقیق اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ (یعنی محمد و آل محمد) پر درود بھیجتے رہتے ہیں" کے کیا معنٰی ہوئے؟ اس کے معنٰی یہ ہوئے کہ اللہ اور اس کے فرشتے درود شریف پڑھتے رہتے ہیں! اب یہ پتہ نہیں کہ جو درود شریف وہ بھیجتے رہتے ہیں، وہ رسول تک لے کر کون جاتا ہے۔ اللہ اور فرشتے تو اسی میں مصروف ہوتے ہیں تو شاید جن یا اس قسم کی مخلوق وہ لے جا کر پہنچاتی ہو گی۔ کہئے ہے نا اچھوتا خیال!

اب ذرا یہ دیکھئے کہ انہی جناب مقبول صاحب نے دوسری آیت کریمہ (۴۳/۳۳) کا ترجمہ کیا کیا ہے، فرماتے ہیں "وہ وُہی ہے جو خود اور اس کے فرشتے تم پر صلوٰت بھیجتے ہیں تا کہ وہ تم کو......... " (ص ۵۰۷)

غور کیجئے یہاں انہوں نے لفظ یا اصطلاح یُصَلِّي کا ترجمہ صلوٰت کر دیا! درود کیوں نہیں کیا؟؟ مزید دیکھئے کہ سید مقبول احمد صاحب دہلوی ہی کے ہم عصر سید فرمان علی صاحب بہاری، تقریباً ۱۳۲۸ھ بمطابق ۱۹۱۰ء میں اپنے ترجمہ و تفسیر "القرآن الحکیم" میں ان دونوں آیات کریمات کا کیا ترجمہ کرتے ہیں۔ (خیال رہے کہ سید فرمان علی صاحب کے اس ترجمہ و تفسیر کا نظر ثانی شدہ ایڈیشن سید نجم الحسن کراروی صاحب نے پشاور سے ۱۳۹۰ھ بمطابق ۱۹۷۰ء شائع کروایا ہے): چنانچہ حاشیہ کی سرخی "مومنین پر بھی خدا اور فرشتے درود بھیجتے ہیں" ۔ لگا کر انہوں نے آیت کا ترجمہ کیا ہے:

"وہ وہی ہے جو خود تم پر درود (رحمت) بھیجتا ہے اور اس کے فرشتے (بھی) تا کہ تم کو (کفر کی) تاریکیوں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لے جائے۔ اور خدا تو ایمانداروں پر بڑا مہربان (رَحِيمًا) ہے (۴۳/۳۳)

غور کیجئے کہ درود کے عجمی لفظ کا سلسلہ اس طرح جاری ہے!

دوسری آیت کریمہ کا ترجمہ حاشیہ کی سرخی "درود کا حکم" لگا کر کیا ہے؟

"اس میں شک نہیں کہ خدا اور اس کے فرشتے پیغمبر اور ان کی آل پر درود بھیجتے ہیں۔ تو اے ایماندارو! تم بھی درود بھیجتے رہو اور برابر سلام کرتے رہو" (۵۶/۳۳)

غور کیجئے کہ اللہ اور اس کے فرشتے پیغمبر اور ان کی آل پر درود بھیجتے ہیں جبکہ اللہ اور فرشتوں کو خود نہیں معلوم کہ وہ آل پر بھی درود بھیج رہے ہوتے ہیں! تفصیل اس لطیفہ کی یہ ہے کہ موصوف نے اپنی تفسیر میں (حاشیہ پر) خود لکھا ہے: "میں نے ترجمہ میں لفظ آل بڑھا دیا ہے اس میں چند وجہیں ہیں:

(۱)۔ امام رازی نے اس کا اقرار کیا ہے کہ حضرت کے اہل بیت پانچ چیزوں میں آپؐ کے برابر ہیں منجملہ ان کے تشہد میں درود بھیجنا۔ (۲)۔ اک روایت میں ہے کہ شجرِ اسلام کی شادابی کے قبل ملائکہ نے حضرت علیؓ پر مدتوں درود بھیجا۔ (۳)۔ مناقب مرتضوی میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ میں نے حضرت رسول سے سنا کہ آپ فرماتے تھے

مجھ پر اور علی پر ملائکہ نے سات بار درود بھیجا(مقام غور ہے کہ پہلی روایت میں حضرت علیؑ پر مدتوں درود بھیجا گیا جبکہ اس روایت میں صرف سات بار درود بھیجا گیا۔ تحقیق کیجئے کہ یہ روایات کن کی ہیں یا کہاں سے آئیں یونکہ موصوف نے کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا! ہو سکتا ہے یہ محض موصوف کا لطیفہ ہی ہو۔ صدیق)(۴)۔ سنن ابی داؤد میں ابن ابی شیبہ سے روایت ہے اور اس کی تصحیح ترمذی حاکم ابو القاسم ابن خزیمہ اور ابن مسعود بدری نے کی ہے کہ لوگوں نے حضرت رسول سے پوچھا آپ کو سلام کرنا تو ہم جانتے ہیں مگر ہم آپ پر درود کیونکر بھیجیں۔ آپ نے فرمایا یوں کہو: اللّٰھم صل علٰی محمدٍ و علٰی آل محمد کما صلیت علٰی ابراھیم و علٰی آل ابراھیم ۔(غور کیجئے کہ لوگوں یعنی صحابہؓ کو یہ معلوم ہی نہیں تھا، یا نہیں بتایا گیا ہی نہیں تھا کہ نماز میں یہ درود شریف بھی پڑھنا ہے۔ ان کو رسول سے پوچھنے پر پتہ چلا! پتہ نہیں کتنے عرصہ تک وہ بغیر درود شریف کے نماز پڑھتے رہے! صدیق)(۵)۔ مواہب لدنیہ[1] میں ہے کہ حضرت رسول نماز میں یوں فرماتے تھے اللّٰھم صلی علٰی محمدٍ و علٰی آل محمد کما صلیت علٰی ابراھیم و علٰی آل ابراھیم ۔ (۶)۔ صواعق محرقہ[1] میں ہے کہ حضرت رسول نے فرمایا: لا تصلوا علی الصلٰوۃ البترا الخ مجھ پر ناقص درود نہ بھیجا کرو لوگوں نے عرض کی ناقص درود کیا ہے۔ فرمایا اللھم صلی علٰی محمد کہہ کر نہ رہ جاؤ۔ یہ ناقص ہے بلکہ یوں کہو اللّٰھم صل علٰی محمد و علٰی اٰل محمد۔ (میرے نزدیک یہ روایت ہی ناقص اور بے سند ہے۔ صدیق)۔ (۷)۔ ان سب سے قطع نظر کر کے خود قرآن میں سلامٌ علٰی آلِ یٰسین موجود ہے۔ اور یہ واضح ہے کہ یٰسین حضرت رسول کا خطاب ہے تو جیسے آلِ یٰسین ویسے آلِ محمد۔ (خیال رہے کہ یہ دنیا کے سب سے بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے کہ قرآن میں "سلامٌ علٰی آلِ یٰسین" موجود ہے۔ قرآن میں سورہ الصّٰفّٰت میں سَلٰمٌ علٰی اِلْ یَاسِین (۱۳۰/۳۷) ہے آلِ یٰسین نہیں۔ خود اس قرآن کریم میں جس کا ترجمہ و تفسیر موصوف نے کی ہے سورہ الصّٰفّٰت میں سَلٰمٌ علٰی اِل یاسین ہی کتابت کیا ہوا ہے۔ البتہ آیت کے معنٰی میں تحریف لفظی و معنوی دونوں کی گئی ہیں کہ اِل یاسین کو آل یاسین بنا کر عجمی عقیدہ کی بنیاد ڈالی گئی ہے۔ موصوف نے ترجمہ کیا ہے: "کہ (ہر طرف سے) آلِ یاسین پر سلام (ہی سلام) ہے۔ (۱۳۰/۳۷) اور حاشیہ میں تفسیر لکھی ہے: اس آیت کی طرف میں نے آیت تطہیر کی بحث میں اشارہ کیا تھا۔ اس کو امام رازی نے بھی مان لیا ہے اور کلبی اور فضل بن روزبہان نے بھی کہ اس سے آل محمد مراد ہیں۔ کیونکہ یٰسین آنحضرت ﷺ کا نام نامی ہے اور قراء سبعہ میں سے ابن عامر نافع و یعقوب کی قرأت بھی آل یٰسین ہے۔ اور اسی کی مؤید وہ روایت ہے جسے ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے ابن عبّاس سے روایت کی ہے کہ آلِ یٰسین آلِ محمد ہیں۔ دیکھو تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۲۸۶، سر ۳۶، سطر ۳۶، مطبوعہ مصر۔ ۱۲"۔ (غور کیجئے کتنی دیدہ دلیری سے یہ تحریف لفظی و معنوی کی گئی ہے اور یہ عقدہ بھی کھول دیا گیا کہ اس تحریف میں قراء بھی شریک ہیں اور امام رازی اور ابن عباس اور صاحب در منثور بھی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔ صدیق")

(۸)۔ بمفاد آیۂ گزشتہ اور حسب قول علامہ زمخشری "جب عام مومنین پر درود بھیجنا چاہئے تو حضرات اہل بیت ان سے زیادہ اولیٰ ہیں۔

(۹)۔ امام شافعی نے کیا خوب فرمایا ہے: یَا اھل بیت رسول اللہ حبّکم ، فرض من اللہ فی القرآن

[1] خیال رہے کہ مواہب لدینہ اور صواعق محرقہ دونوں ہی حدیث کی کتابیں نہیں ہیں

انزله کفاکم من عظیم القدر انکم ، من لم یصل علیکم لا صلٰوۃ له"۔ اے اہل بیت رسولؐ۔ اللہ نے تمہاری محبت قرآن میں فرض کر دی ہے، تمہارے مرتبہ کی بزرگی میں اس قدر کافی ہے کہ نماز میں جو شخص تم پر درود نہ بھیجے اس کی نماز ہی صحیح نہیں۔ دیکھو تفسیر در منثور جلد ۵ ص ۲۱۶ مطبوعہ مصر وغیرہ۔ ۱۲"

یہاں اس تفسیر سے یہ عقدہ بھی کھل گیا کہ دراصل اس لطیفہ کے موجد امام شافعی ہیں یونکہ وہ ہی ان سب میں سینئر ہیں۔ (سب سے پرانے، سلف ہیں) دوسری قابل غور حقیقت موصوف کا اپنے حاشیہ میں یہ اقرار ہے کہ "میں نے ترجمہ میں لفظ آل بڑھا دیا ہے" جب کہ ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ (۴۹/۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو، اللہ سے ڈرتے رہو (یعنی اس کے احکامات کی خلاف ورزی سے بچتے رہو۔ صدیق)، بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے"۔ (ترجمہ مسعود احمد صاحب) غور کیجئے موصوف خود اپنے اقرار کے مطابق اللہ کے حکم "صَلُّوْا عَلَيْهِ" میں لفظ آل بڑھانے کی وجہ سے اللہ اور رسول سے آگے بڑھ گئے ............... گویا کہ انہوں نے خود اِلٰہ ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہی کام قرّاء نے کیا کہ الفاظ میں تحریف کر دی۔ اور جنہوں نے اس کی تحریف شدہ بات مانی انہوں نے اپنے احبار و رہبان (علماء و مشائخ کو الٰہ بنا لیا (۹/۳۱) اور یہ کام کرنے والے یہودیوں میں تحریف لفظی و معنوی کرنے کی عادت راسخ ہو چکی تھی (۵/۴۱، ۲/۷۹، ۷۷۔۷۸، ۳/۴۶، ۴، وغیرہم)

جہاں تک امام شافعی کے فرمان کا تعلق ہے تو وہ بھی دنیا کے سب سے بڑے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے کہ اللہ نے اہل بیت رسول کی محبت قرآن میں فرض کر دی ہے۔ یہ بالکل بے سند تفسیری روایت ہے۔ قارئین کو معلوم ہونا چاہئے کہ اہل بیت تو الگ رہے خود رسول کی محبت بھی اللہ نے قرآن میں فرض نہیں کی۔ ہاں ان کی اتباع یعنی رسالت (قرآن) کی اتباع فرض کی ہے اور اپنی محبت۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ (۲۸/۸۵) "بالتحقیق اللہ نے تم پر قرآن کو فرض کیا ہے" اور "(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو۔ ......" (۳/۳۱)۔ مزید فرمایا: "اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کے علاوہ (دوسروں کو اللہ کا) شریک بناتے ہیں یعنی ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہئے، حالانکہ ایمان والوں کو تو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے........(۲/۱۶۵)" موصوف اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے اس طرح کی کوئی آیت بغیر تاویل و تحریف معنوی کے پیش کریں۔ بہر حال امام شافعی کے قول کے مطابق قرآن کریم میں ایسی کوئی آیت نہیں! ان کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کے رَدوبدل یا گھٹانے بڑھانے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

۱)۔ "اللہ کے مکرم بندے اس سے آگے بڑھ کر بول نہیں سکتے بلکہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں (۲۱/۲۷)

۲)۔ لوگوں کی فرمائش اور ڈیمانڈ پر بھی، اللہ کے رسول بھی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے، بلکہ ان کو اس کا اختیار ہی نہیں وہ تو بس وحی شدہ قرآن ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ (وہ صَلُّوا عَلَيه کے وحی شدہ حکم میں لفظ آل نہیں بڑھا سکتے) بلکہ نافرمانیٔ الٰہی پر اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ (۱۰/۱۵) یونکہ اللہ تعالیٰ نے نافرمانی پر رسول کو بھی بہت سخت وعید سنائی ہے:

"(اور یہ کلام رسول کا خود ساختہ نہیں ہے بلکہ یہ کلام) رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ اور اگر یہ

رسول کوئی بات (بنا کر، اپنی طرف سے) ہماری طرف منسوب کر دے۔ تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے اور ان کی دل کی رگ کاٹ ڈالتے۔ تو پھر تم میں سے کوئی بھی (ہم کو) اس کام سے روکنے والا نہیں ہوتا"۔ (۴۳۔۴۷/۴۹)

غور کیجئے کہ جب رسول کے لئے یہ وعید ہے تو پھر جن لوگوں نے غیر قرآنی یا غیر وحی شدہ الفاظ بڑھائے یا گھٹائے ان کا کیا حشر ہو گا! کیا آپ ان کی تقلید / پیروی کریں گے ؟

آگے دیکھئے کہ سید فرمان علی صاحب کے اصل ترجمہ و تفسیر (۱۹۱۰ء) کے تقریباً پچاس سال بعد ایس وی میر احمد علی صاحب کا ترجمہ و تفسیر، اہلبیت کے مطابق، انگریزی زبان میں ۱۹۶۴ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ جس میں بعض آیات کی تفسیر / نوٹس جناب آیت اللہ آغا حاجی مرزا مہدی پویایزدی صاحب کے بھی شامل ہیں۔ اس انگریزی ترجمہ میں تو درود کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ (Blessings) رحمت کا لفظ استعمال کیا مگر پھر تفسیری نوٹس (Notes) میں تقریباً وہی ترجمہ "درود" اور جو روایات سید فرمان علی صاحب نے لکھا تھا لکھ دیا گیا۔

مزید آگے، کراچی سے فضل ربّی فاؤنڈیشن نے جناب ابو منصور صاحب کا ترجمہ شائع کیا۔ اس کا گیارہواں ایڈیشن ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ (پتہ نہیں کہ پہلا ایڈیشن کب آیا تھا۔ بہر حال اس وقت اس کا شمار حالیہ تراجم میں ہوتا ہے)۔ اس ترجمہ میں ۴۳/۳۳ کا ترجمہ تو رحمتیں بھیجنا کیا ہے مگر ۵۶/۳۳ کا ترجمہ وہی **درود** کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود (رحمتیں) بھیجتے رہتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم بھی اس پر درود بھیجو۔ اور اس طرح اس کے آگے سر تسلیم خم کر دو جس طرح کہ سر تسلیم خم کرنے کا حق ہے"

غور کیجئے کہ لفظ درود کے بعد قوسین میں لفظ "رحمتیں" لکھنے کا کیا مقصد ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ آیت ۴۳/۳۳ میں بھی وہ درود ہی لکھنا چاہتے تھے، مگر شاید سیاسی طور پر رحمتیں لکھ گئے۔ نیچے حاشیہ میں تفسیری نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

"آیت نمبر ۵۶: **سلموا تسلیما**۔ آیت کریمہ بتلا رہی ہے کہ خدا اور اس کے فرشتے نبی پر **درود** بھیجتے رہتے ہیں۔ اور صاحبان ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ بھی اس عمل میں اللہ اور اس کے فرشتوں کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ سبحان اللہ کیا مقام ہے اس عمل کا جس میں انسان کو اللہ اور فرشتوں کے ساتھ شامل ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ حکم ہوتا ہے کہ نبی کی اطاعت میں اس طرح سر تسلیم خم کر دو جس طرح کہ سر تسلیم خم کر دینے کا حق ہے۔ اور یہی دینِ اسلام ہے۔ ہر غور کرنے والے کے لئے اس میں دعوتِ فکر ہے کہ کہاں ہے وہ نبی جس کے حضور سر تسلیم خم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔" (ص ۵۲۱)

اب ذرا اس تفسیری نوٹ اور آیت کے ترجمہ کے معنی مقدر دیکھئے / غور کیجئے، کیا ہوتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے رہتے ہیں یعنی وہ درود شریف، شاید مل کر لَے میں لِے ملا کر، ترنم سے پڑھ رہے ہوتے ہیں: "**اَللّٰھم صل علیٰ محمد و علیٰ آل محمد کما صلیت علیٰ ابراھیم و علیٰ آل ابراھیم**"

ایک اور فرقہ یا مسلک یا مذہب کے تحت تو شاید اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے، باادب کھڑے ہو کر، ہاتھ باندھ کر، لَے سے لَے ملا کر، ترنم سے پڑھ رہے ہوتے ہیں **اَللّٰھُمَّ صل** ...... اور اگر یہ درود شریف نہیں تو کم از کم دونوں کھڑے ہو کر، باادب ہاتھ باندھ کر، لَے سے لَے ملا کر، خوشنما ترنم سے، پورے خلوص سے پڑھ رہے ہوتے ہیں: **یا نبی سلام علیك** ......

اب ذرا اس درود شریف کے معنیٰ بھی دیکھ لیجئے:

ترجمہ درود شریف: "اے اللہ! محمدؐ اور آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما، جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آل ابراہیم پر ...........نازل فرمائی تھی" (ترجمہ جناب مسعود احمد صاحب)

کہئے، بلکہ اچھی طرح غور فرمایئے کہ یہ دعا کس سے کی جارہی ہے؟؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ سے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے یہ دعا کرتے ہیں تو یقیناً وہ بھی (نعوذ باللہ) اپنے اوپر اللہ سے کر رہے ہوتے ہیں۔ تو وہ، اوپر، دوسرا اللہ کون ہے؟؟ اب اگر میں یہ نتیجہ نکالوں کہ یقیناً یہ دو خداؤں (اہرمن ویزداں) کے ماننے والوں کی کارستان ہے، تو بُرا نہ مانئے گا۔ مجھ پر فتویٰ نہ صادر کیجئے گا۔ ورنہ میں تو کہیں کا نہ رہوں گا!

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو آپ کو حکم دے رہا ہے کہ اے ایمان والو! تم بھی رسول پر درود بھیجو۔ مگر آپ الٹا اللہ تعالیٰ ہی سے کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ تو درود بھیج (اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی محمد) محمد پر اور آلِ محمد پر، جس طرح تو نے ابراہیمؑ اور آلِ ابراہیم پر بھیجی تھی۔ جبکہ اپنی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نہ تو آلِ محمد کو شامل کیا اور نہ ہی ابراہیم و آلِ ابراہیم کو۔ اور پورے قرآن کریم میں یہ کہیں بھی نہیں بتایا کہ ان پر (پہلے) درود کسے بھیجتا رہا ہے! کہئے ہے نا مزیدار لطیفہ کہ اللہ آپ سے کہے اور آپ اللہ سے کہیں کہ تو ہی درود بھیج لے جیسے (پہلے) بھیجتا رہا ہے۔ خیر!

قارئین! اوپر کے چند صفحات میں آپ نے اصلی / اوّلین (Original) اہل حدیثوں کا عقیدہ درود شریف کے بارے میں دیکھ لیا۔ اب ذرا نقلی یا سرکارِ انگلشیہ کے خطاب یافتہ اور ان سے متأثر / منسلک اہل حدیثوں کی تقلیدی ذہن پرستی پر بھی ایک طائرانہ نظر ڈال لیجئے۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر پاک وہند میں فارسی زبان کا سرکاری کنٹرول شاید کئی صدیوں چلا۔ مگر پھر تیرھویں صدی ہجری (یعنی انیسویں صدی عیسوی) سے، آہستہ آہستہ، اردو کا رواج شروع ہوگیا۔ چنانچہ سب سے پہلے شاہ رفیع الدین صاحب نے ۱۲۰۰ھ بمطابق ۱۷۸۵ء میں قرآن کریم کا تحت اللفظ ترجمہ اردو میں کیا، جس میں آیت کریمہ ۳۳/۵۶ کا ترجمہ کیا:

"تحقیق اللہ اور فرشتے اس کے **درود** بھیجتے ہیں اوپر نبی۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو **درود** بھیجو اوپر اس کے اور سلام بھیجو سلام بھیجنا"

شاہ صاحب چونکہ فارسی زدہ ہی تھے اس لئے لفظ یُصَلُّوْنَ اور لفظ صَلُّوْا کا ترجمہ بالترتیب "درود بھیجتے ہیں" اور "درود بھیجو" کر گئے جس کی وجہ سے (پیچھے بیان کردہ) نقشہ ذہن میں آتا ہے کہ اللہ اور اس کے فرشتے صف بستہ کھڑے درود و سلام بھیج رہے ہیں! (معاذ اللہ)

شاہ صاحب کے بعد چند مترجمین کے اسمائے گرامی معہ تاریخ اشاعتِ اردو ترجمہ، کچھ یوں میسر آئے ہیں:

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | ڈپٹی نذیر احمد صاحب | ۱۳۱۴ھ | بمطابق | ۱۸۹۶ء |
| ۲۔ | فتح محمد خان صاحب جالندھری | ۱۳۱۸ھ | بمطابق | ۱۹۰۰ء (۱۳۳۵ھ) |
| ۳۔ | احمد رضا خان صاحب | ۱۳۳۰ھ | بمطابق | ۱۹۱۱ء |
| ۴۔ | محمد علی صاحب (قادیانی لاہوری گروپ) | ۱۳۴۰ھ | بمطابق | ۱۹۲۱ء |

۵۔ محمد جونا گڑھی صاحب ۱۳۴۶ھ بمطابق ۱۹۲۷ء

۶۔ ابو الاعلیٰ مودودی صاحب ۱۳۹۱ھ بمطابق ۱۹۷۱ء

۷۔ امین احسن اصلاحی صاحب ۱۳۹۸ھ بمطابق ۱۹۷۷ء

۸۔ ڈاکٹر محمد عثمان صاحب ۱۴۰۵ھ بمطابق ۱۹۸۴ء

۹۔ سید محمد رفاعی صاحب عرب ۱۳۸۰ھ بمطابق ۱۹۶۰ء؟

۱۰۔ سید شبیر احمد صاحب (قرآن آسان تحریک لاہور) ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۹۳ء

۱۱۔ انگریزی ترجمہ دار السلام۔ ریاض ۱۴۱۴ھ بمطابق ۱۹۸۵ء
ڈاکٹر محمد تقی الدین الہلالی صاحب
اور ڈاکٹر محمد محسن خان صاحب

۱۲۔ عبد الکریم اثری صاحب ۱۴۲۰ھ بمطابق ۱۹۹۹ء

ان سب چودھویں و پندرھویں صدی ہجری کے حضرات نے درود والا ہی ترجمہ کیا ہے اس سے ان کا تقلیدی مذہب وذہن پرستی ہی عیاں ہوتی ہے یا پھر اندھا عشق کہ نافرمانئ الٰہی اور اہانتِ رسول تک کا خیال نہیں! ان چند حضرات کے علاوہ دیگر جن حضرات نے ترجمہ کیا وہ رحمت اور دعائے رحمت پر اکتفا کر گئے مگر اصل کی طرف نہ آئے کہ رسول کے مشنِ حق سے جُڑ جائیں اور اسے آگے بڑھائیں۔

اذان کے بعد درود پڑھنے کی بات کچھ لمبی ہو گئی۔ اب واپس اذان کی طرف آجایئے کہ اذان ختم ہو جانے پر درود پڑھے، پھر یہ دعا پڑھے:

ترجمہ: اے اللہ، اے اذانِ کامل اور صلوٰۃ قائمہ کے ربّ، محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور فضیلت عطا فرما اور ان کو مقام محمود پر جس کا تونے ان سے وعدہ فرمایا ہے مبعوث فرما" (صحیح مسلم و صحیح بخاری)

غور فرمایئے کہ یہ کتنی مضحکہ خیز دعا ہے جو امتی اللہ کے رسول کے لئے کر رہا ہے۔ کیا رسول امتیوں کی دعاؤں کا محتاج ہے؟ کیا انہیں وسیلہ و فضیلت عطا نہیں ہوا تھا؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اب سے تقریباً چودہ سو سال پہلے ہی ان کو وسیلہ و فضیلت عطا فرما کر ان کے ذکر کو بھی بلند کر دیا تھا۔ وَ رَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (۴/۹۴)۔ اسی طرح سے ان کو مقام محمود عطا کر دیا کہ بغیر جنگ کے مکہ فتح کرا کر چارسُو ان کی تعریفیں و ستائش شروع ہو گئی حتیٰ کہ بیسویں صدی عیسوی میں ایک لا مذہب دانشور مائیکل ھارٹ نے جب دنیا کے انتہائی اثر انگیز شخصیات، انتہائی مقبول اور باوقار شخصیت کے بارے میں ایک فہرست تیار کر کے کتاب لکھنے کا ارادہ کیا تو اس کی فہرست یعنی کتاب: "سو عظیم آدمی" میں محمد (رسول اللہ سلامٌ علیہ) کو سب سے اوپر / اوّل رکھا۔ یعنی کہ لا مذہبوں نے بھی ان کے مقام محمود کو پہچان لیا۔ مقام محمود تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا ہی میں عطا کر دیا۔ یونکہ اس نے فرمایا تھا کہ "ضرور ایسا ہو گا کہ آپ کا ربّ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے ○ (پس) آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب مجھے اچھی طرح (ہجرت گاہ میں) داخل کرنا اور اچھی طرح (اس) بستی سے نکالنا اور اپنے پاس سے قوت و غلبہ کو میرا مددگار بنانا ○ اور (اے رسول آپ یہ بھی) کہہ دیجئے کہ حق آگیا اور باطل مِٹ گیا اور باطل تو (حق کے مقابلہ میں) مِٹ ہی جایا کرتا ہے" ○ (۷۹۔۸۱/۱۷) (ترجمہ: مسعود احمد صاحب)

غور کیجئے کہ اصلی اور نقلی دونوں اہلحدیث حضرات ابھی انتظار کر رہے ہیں اور دعائیں کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا وعدہ پورا کرے (شاید انہیں خدشہ ہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ وعدہ پورا کرنا بھول نہ جائے۔ نعوذ باللہ) حدیث شریف کی کتاب میں بیہقی کی روایت میں اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ بھی ہے۔ یعنی بے شک تو اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ گویا کہ دعا کرنے والا اہل حدیث اللہ تعالیٰ کو جتلا رہا ہے کہ کہیں اپنے وعدہ کے خلاف نہ کرنا کہ وسیلہ اور مقام محمود نہ عطا کرنا! (معاذ اللہ) انہیں یہ حقیقت معلوم ہی نہیں کہ اللہ تعالیٰ جب ارادہ فرماتا ہے تو وہ کام ہو جاتا ہے۔ (کُن فَيَكُون ۷۳/ ۶ ، ۴۰/ ۱۶ ، ۳۵/ ۱۹ ، ۸۲/ ۳۶ ، ۶۸/ ۴۰) خیال کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ "ضرور ایسا ہو گا کہ آپ کا ربّ آپ کو مقام محمود میں کھڑا کرے" تو کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ ابھی تک پورا نہیں ہوا؟ یہاں بھی عجمیوں نے چکر چلا دیا کہ یہ وعدہ تو قیامت میں پورا ہو گا۔ (حالانکہ آیت کریمہ میں قیامت کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ قرآن کریم دنیا میں دنیا کے معاملات کیلئے، ہدایت ربّانی، کے مطابق عمل کرنے کیلئے نازل کیا گیا نا کہ قیامت تک انتظار کرنے کیلئے) چنانچہ کچھ مترجمین و مفسرین حضرات نے بھی اپنے ترجمہ و تفسیر میں قیامت کا ذکر کیا ہے، تاکہ عجمیوں کی پالیسی کے مطابق قوم بس درود شریف پڑھتی رہے اور یہ دعا مانگتی رہے اور محمد کو محمود نہ مانے!

آگے اسی اذان کے سلسلہ ہی میں موصوف فرماتے ہیں:

"مؤذّن کو اذان دینے کی کوئی اُجرت نہ دے، نہ مؤذّن کو اُجرت لینی چاہئے"[1] (احمد و ابو داؤد و النسائی)

کہئے اس حدیث پر کون کون سا فرقہ عمل کر رہا ہے؟ بلکہ انہوں نے تو یہ جواز پیدا کر لیا ہے کہ ہم مؤذّن کو اجرت اذان کی نہیں دیتے بلکہ اس کے وقت و پابندی کی دیتے ہیں۔ یہاں غور طلب بات یہ ہے کہ اس قسم کی شرط امام یا امامت کے لئے نہیں لگائی گئی! اسی لئے آج کل ہر فرقہ کی مساجد میں امام کو اُجرت دی جاتی ہے اور بعض جگہ تو اور مراعات بھی دی جاتی ہیں! کتنا اچھا اور سود مند پیشہ ہے!

آگے فرماتے ہیں، مغرب کی اذان کے وقت یہ دعاء بھی پڑھے:

"اَللّٰهُمَّ اِنَّ هٰذَا اِقْبَالُ لَيْلِكَ وَ اِدْبَارُ نَهَارِكَ وَ اَصْوَاتُ دُعَاتِكَ فَاغْفِرْ لِي"[2] (ابو داؤد)

کہئے آپ میں سے اس دعاء کا علم کتنے لوگوں کو ہے، کتنے اسے پڑھتے ہیں؟

آگے فرماتے ہیں:

"صبح صادق سے کچھ دیر پہلے بھی ایک اذان ہونی چاہئے تاکہ سونے والا متنبہ ہو جائے اور تہجد پڑھنے والا رجوع کرے" (صحیح بخاری)[3]۔ کہئے آپ کی کتنی مساجد میں اس پر عمل ہوتا ہے اور کتنے لوگوں کو یہ معلوم ہے، آپ کو کیا معلوم ہے کہ اذانیں بھی کئی طرح کی ہیں؟ (اگر ہر فرقہ کی اذان یا اذانیں لکھوں تو یہ صرف کاغذ اور وقت کا ضیاع ہو گا)۔ اور اذان دینے کے طریقے بھی الگ الگ ہیں۔ مثلاً ایک تو مروجہ دوسرا ترجیع سے۔ اگر کسی کو ترجیع کا طریقہ معلوم ہے تو کسی دن (بطور آزمائش) لاؤڈ سپیکر پر دے کر دیکھ لے۔ سارا محلہ مارنے کے لئے جمع ہو جائے گا! اسی طرح سے لوگ مساجد میں مروجہ کی جگہ اکہری اقامت کہہ دینے پر لڑ رہے ہوتے ہیں۔ تو یہ حال ہے حدیثی اذان کا!

جبکہ ہمارے موصوف کے مطابق مروجہ اذان کے بعد اقامت اکہری کہی جائے گی (احمد و ابو داؤد، صحیح بخاری و

---

[1] صلوٰۃ المسلمین۔ از جناب مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ ص ۱۱۳۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۱۴۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۱۵

صحیح مسلم)[1] اور ترجیع والی اذان کے ساتھ مروجہ اقامت کہی جائے گی(احمد وابوداؤد والترمذی)[2]۔ جب اقامت ہو جائے تو صف بندی اس وقت تک نہ کرے جب تک امام صلوٰۃ پڑھانے کے ارادہ سے آتا ہوا دکھائی نہ دے۔ جب امام دکھائی دے توصف بندی کرے۔ اقامت کہنے کے لئے امام کے مصلّے پر آنے کا انتظار نہ کرے!(صحیح بخاری و صحیح مسلم)[3]

جب مؤذّن اذان دے تو سننے والے کو چاہئے کہ وہی الفاظ دوہرائے جو مؤذّن کہہ رہا ہے۔ سوائے اس کے کہ جب مؤذّن حَیَ علی الصلوٰۃ یا حَیَ علی الفلاح کہے تو سننے والا لَا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھے (صحیح مسلم)[4]۔ ہمارے ہاں تمام اہل حدیث حضرات شیطان بھگانے کے لئے لَا حَول ........ پڑھتے ہیں۔ افسوس! کہئے ہمارے ہاں کے کتنے اہل حدیثوں کو یہ بات معلوم ہے کہ اذان کے الفاظ سننے کے بعد دوہرانا ہے؟ کتنے اس پر عامل ہیں؟

اذان کے بارے میں آپ نے بہت کچھ پڑھ لیا، مگر صرف ایک ہی شخصیت یعنی جناب مسعود احمد صاحب امیر جموعت المسلمین کی جمع کردہ کتاب صلوٰۃ المسلمین سے ' انہوں نے یہ نہیں لکھا کہ اذان کی ابتدا کیسے ہوئی۔ اس کے لئے ہم آپ کو بڑے بڑے محدثین کی کتابوں سے کچھ نقل کرکے بتاتے ہیں:

(۱)۔ سب سے پہلے ہم جامعین میں سے واحد عرب محدث جناب امام مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر اصبحی (۹۰ھ۔۱۷۹ھ) کی کتاب **مَوطأ** سے نقل کریں گے۔ اس کے ترجمہ نگار ہیں برصغیر کے مشہور اہل حدیث عالم، جناب وحید الزماں صاحب جنہوں نے اس کا اردو ترجمہ، اسانید وذکر رواہ حذف کرکے، تقریباً ۱۲۹۵ھ میں نواب سید محمد صدیق حسن خان بہادر کی فرمائش پر کیا تھا۔ اس نسخہ کے شروع ہی میں ناشر نے عرض ناشر میں ایک حقیقت لکھ دی ہے کہ جس زمانہ میں امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کیا اس وقت لوگوں کے پاس کوئی کتاب حدیث کی نہ تھی۔

اس کے شروع ہی میں ذکر مؤلف موطا" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"جب امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کیا اس وقت لوگوں کے پاس کوئی کتاب نہ تھی سوا کتاب اللہ کے اور موطأ اس کا نام اس لئے ہوا کہ امام مالک نے اس کتاب کو ستر فقیہوں پر پیش کیا سب نے اس پر موافقت کی۔ امام شافعی نے فرمایا کہ آسمان کے نیچے بعد کتاب اللہ کے کوئی کتاب امام مالک کے موطا سے زیادہ صحیح نہیں۔ اور ابن عربی نے کہا کہ موطا اصل اوّل اور صحیح بخاری اصل ثانی اور ہزار آدمیوں نے اس کتاب کو امام مالک سے روایت کیا۔ اب یہ جو نسخہ رائج ہے یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت سے ہے۔ جس سال امام مالک کی وفات ہوئی اس سال یحییٰ بن یحییٰ نے موطا کو امام مالک سے حاصل کیا"۔[5] اور ان کی وفات ۱۷۹ھ کی ہے۔ اسی میں علامہ صاحب مزید لکھتے ہیں:

"(امام مالک نے) اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ حدیث لکھی"[6] جبکہ کتاب کے سرِ ورق پر پبلشر نے لکھا ہے "حضرت امام مالک کا مرتّب کردہ احادیثِ نبوی کا سب سے قدیم و بیش بہا مجموعہ مَوطأ امام مالک جسے امام مالک (المتوفی ۱۷۹ھ) نے سالہا سال ہر کسوٹی پر پرکھ کر اپنی دس ہزار احادیث سے منتخب کیا تھا"[7]۔ آگے علامہ صاحب لکھتے ہیں:

"سب احادیث اور آثار موطأ کے ایک ہزار ۱۰۲۷ ستائیس ہیں۔ ان میں سے چھ سو حدیثیں مسند اور دو ۲۲۲ سو

ا۔ ایضاً۔ ص ۱۱۵۔۱۱۷۔۔۔۲۔ ایضاً۔ ص ۱۱۷۔۱۱۹۔۔۔۳۔ ایضاً۔ ص ۱۲۰۔۔۔۴۔ ایضاً۔ ص ۱۱۰۔۔۔۵۔ مَوطأ امام مالک۔ ترجمہ علامہ وحید الزماں صاحب۔ اسلامی اکادمی۔ اردو بازار لاہور۔ اشاعت ۱۳۹۹ھ، ص ۱۶۔۔۔۶۔ ایضاً۔ ص ۱۶۔۔۔۷۔ ایضاً۔ ص سرَورق

بائیس مرسل اور چھ ۶۱۳ سو تیرہ موقوف اور دو سو پچاسی تابعین کے اقوال ہیں"۔[1] (یہاں ٹوٹل لکھنے یا کرنے میں شاید کاتب کی غلطی ہے۔ کل تعداد (۶۰۰ + ۲۲۲ + ۶۱۳ + ۲۸۵ = ) ۱۷۲۰ ہوتی ہے۔

پبلشر کے مطابق امام مالک نے انہیں دس ہزار احادیث سے منتخب کیا تھا یعنی تقریباً ۱۷ فیصد لے لیں اور ۸۳ فیصد رَد کر دیں۔ مگر افسوس کہ پھر بھی منکر حدیث نہیں کہلاتے !۔ اور اگر ہم علامہ صاحب کی بات مان لیں کہ امام صاحب نے اپنے ہاتھ سے ایک لاکھ احادیث لکھیں تو ایک لاکھ کی ۱۷۲۰ صرف پونے دو فیصد ہوئیں یعنی اٹھانویں ۹۸ فیصد سے زیادہ رد کر دیں اور صرف پونے دو فیصد لے لیں۔ مگر افسوس کہ پھر بھی منکرِ حدیث نہیں کہلاتے !اب یہ آپ سوچئے اور فیصلہ کیجئے کہ ان دونوں میں سے کس کی بات صحیح ہے اور کون سچا اور کون جھوٹا ہے۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اس کتاب میں درج ۱۷۲۰ روایات، سب کی سب (نام نہاد) احادیث بھی نہیں۔ ان میں مرسل و موقوف کے علاوہ ۲۸۵ تو تابعین کے اقوال ہیں۔ اس طرح اگر آپ مرسل و موقوف اور اقوال نکال دیں تو صرف چھ ۶۰۰ سو حدیثیں بچتی ہیں جو کہ دس ہزار کی صرف چھ فیصد اور ایک لاکھ کی اعشاریہ چھ فیصد (۶. فیصد) ہوئیں۔ تو کیا اتنی کم احادیث ماننے پر اور اتنی زیادہ یعنی ۹۹ فیصد رَد کر دینے کے باوجود ایک امام منکر حدیث نہیں ہوتا ! اور اگر ہم صرف ۶. فیصد کو نہ مانیں تو منکر حدیث ہو جاتے ہیں۔ ہے نا مزیدار لطیفہ !

قابلِ غور اور سب سے اہم حقیقت یہ ہے کہ جب امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کیا (تو وہ خلیفہ ابو منصور عباسی المتوفی ۱۵۷ھ اور اس کے بیٹے محمد المہدی کا دَور تھا۔ علامہ ابن حزم کے مطابق موطأ کی تالیف یحییٰ بن سعید الانصاری المتوفی ۱۴۳ھ کی وفات کے بعد ہوئی[2]) تو اس وقت وہ اپنی موت کے بہت قریب تھے۔ جس سال ان کی وفات ہوئی (۱۷۹ھ) اسی سال یحییٰ بن یحییٰ نے موطا کو امام مالک سے حاصل کیا۔ مگر اب نہ تو امام مالک ہی کا نسخہ یا مسودہ دنیا میں کہیں ہے اور نہ ہی یحییٰ بن یحیی مصمودی کا۔ ان چھ سو (نام نہاد) احادیث میں بھی کتنی تحریفات ہوئیں یا گھڑی گئیں۔ نہیں معلوم! یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کے بعد یہ کب اور کس نے مرتب کیا یا مدوّن کیا نہیں معلوم !یوں بھی مختلف شاگردان امام مالک کے نام سے مختلف نسخے شائع ہو چکے ہیں۔ بہر حال اصل بات وہی ہے کہ جو کہ امام شافعی کی طرف منسوب ہے کہ آسمان کے نیچے بعد کتاب اللہ کے کوئی کتاب امام مالک کے موطأ سے زیادہ صحیح نہیں۔ اس وقت تو امام شافعی کی یہ بات سو فیصد صحیح ہو سکتی تھی مگر آج یہ صرف آدھا سچ ہے۔ یعنی آسمان کے نیچے صرف ایک ہی صحیح / سچ / حق کتاب ہے اور وہ کتاب اللہ یعنی القرآن الحکیم ہے اور انسانوں کی لکھی ہوئی کوئی کتاب سو فی صد صحیح نہیں ہو سکتی اور وہ بھی جب، جب کہ کتابوں میں عجمیوں کا پورا پورا عمل دخل ہو چکا تھا۔

دوسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ امام شافعی کے دَور (۱۵۰ھ۔ ۲۰۴ھ) تک، بالفاظ دیگر دوسری صدی ہجری کے اختتام تک عجمیوں کی جمع کردہ / مدوّن کردہ / مرتّب کردہ (نام نہاد) احادیث کی کوئی کتاب سوائے امام مالک کی کتاب موطأ کے موجود نہیں تھی۔ جبکہ اس حقیقت کے برخلاف اہل حدیث حضرات بڑا زور لگا کر مختلف نام لیتے رہتے ہیں کہ فلاں کا صحیفہ اور فلاں کا صحیفہ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ جمع کیا گیا / مدوّن کیا گیا یا ترتیب دیا گیا وہ تیسری صدی ہجری ہی کا کارنامہ ہے۔ گو کہ ان کے بھی اصل کتابیں یا نسخے یا مسودے کہیں موجود نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اب

[1] ایضاً ص ۱۶۔۔۔ [2] محدثین عظام از تقی الدین ندوی مظاہری صاحب۔ ص ۹۷۔۹۸

آئندہ کوئی نسخہ یا مسودہ، مثل صحیفہ امام ابن منبہ، ترتیب دے کر فرانس کی کسی لائبریری سے برآمد کرا دیا جائے!

تیسری قابلِ غور بات یہ ہے کہ ابن عربی کے قول (موطا اصل اوّل ہے اور صحیح بخاری اصل ثانی) کے برخلاف، عجمیوں نے موطا کو صحاح ستہ ہی سے خارج کر دیا، یا صحاح میں شامل ہی نہیں کیا! صحاح کے نام سے صرف عجمیوں ہی کی کتابیں باقی رکھیں۔

چوتھی بات قابلِ غور یہ ہے کہ موطا کو ہزار آدمیوں نے روایت کیا۔ تو ان کے ہزار نسخے یا مسودے کہاں ہیں؟ کیا وہ سب ایک ہی تھے یا مختلف؟ کیا کبھی کسی نے ان کا موازنہ کیا تھا؟ یا یہ محض ایک لطیفہ ہی ہے جس طرح صحیح بخاری شریف کے لئے کہا جاتا ہے کہ امام بخاری سے نوّے ۹۰ ہزار شاگردوں نے سنا تھا۔ مگر اسے لکھنے والے ان کے اپنے پڑوسی امام فربری ہی تھے! (خیال رہے کہ فربری کا قصبہ، بخارا ہی کا حصہ تھا)۔ خیر

بات ہو رہی تھی کہ اذان کی ابتدا کیسے ہوئی؟ لیکن درمیان میں یہ جملے معترضہ آ گئے، تو اب ہم اسی طرف پلٹتے ہیں۔ چنانچہ (نام نہاد) حدیث کی پہلی کتاب، اصل اول، مَوطأ امام مالک میں، شروع ہی میں، کتاب الصلوٰۃ کے باب مَا جَآءَ فِی النِّدَآءِ لِلصَّلٰوۃِ (اذان کے بیان میں) روایت ہے:

ترجمہ: "یحییٰ بن سعید انصاری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قصد کیا دو لکڑیاں بنانے کا اس لئے جب اُن کو ماریں تو آواز پہنچے لوگوں کو اور جمع ہوں لوگ نماز کے لئے پس دکھائے گئے عبد اللہ بن زید دو لکڑیاں اور کہا کہ یہ لکڑیاں تو ایسی ہیں جیسی رسول اللہ ﷺ چاہتے ہیں۔ پھر کہا گیا ان سے خواب میں کہ تم اذان کیوں نہیں دیتے نماز کے لئے۔ تو جب جاگے آئے رسول اللہ ﷺ کے پاس اور بیان کیا ان سے خواب پس حکم دیا آپ نے اذان کا"[1]

غور کیجئے کہ باب کا عنوان ہے مَا جَآءَ فِی النِّدَآءِ لِلصَّلٰوۃ، یعنی لفظ ندآء استعمال ہوا ہے مگر روایت میں نداء کو اذان کر دیا گیا! کس نے کیا؟؟ خیال رہے کہ قرآن کریم میں بھی لفظ نِدآء ہی استعمال ہوا ہے (۵۸/۵، ۹/۶۲) صلوٰۃ کے ساتھ لفظ ندا بمعنی پُکار ہے۔ جبکہ اذان کا لفظ بمعنی اعلان ۹/۳ میں استعمال ہوا ہے۔ قرآنی لفظ نِدا کب بدلا گیا یہ تحقیق نہیں ہو سکا۔ خیر اب آپ تحقیق کر لیجئے گا۔ فی الحال تو ہم اذان کی کہانی یا تاریخ پر نظر ڈال رہے تھے۔ تو قابلِ غور مقام یہ ہے کہ اللہ کے رسول قصد فرماتے ہیں کہ دو لکڑیاں بنالی جائیں کہ جب ایک سے دوسرے کو ماریں تو آواز پیدا ہو تو لوگ صلوٰۃ کے لئے جمع ہو جائیں! کہئے دو لکڑیوں کی آواز کتنی دُور تک جا سکتی ہے؟ ہاں اگر ڈھول پر ماری جائے تو شاید، لکڑیوں کے مقابلہ میں، زیادہ دُور تک جا سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ راوی سے یا کاتب سے کچھ الفاظ رہ گئے ہوں! اس لئے............ کتنی عجیب بات ہے کہ اذان کی بابت رسول کو کوئی وحی نہیں آئی۔ شاید جبریل کہیں اور مصروف رہا ہو گا! بہر حال وحی خواب کی صورت میں، رسول پر تو نہیں، ایک صحابیؓ پر آ گئی کہ "تم اذان کیوں نہیں دیتے"؟ مگر یہ بھی عجیب وحی تھی کہ اذان کے الفاظ اب بھی نہیں بتائے گئے! صحابیؓ نے رسول سے اپنا خواب بیان کیا اور بغیر پوچھے یا بغیر بتائے رسول نے اذان کا حکم دے دیا۔ یہ بات ادھوری ادھوری سی ہے! یا محض کہانی ہے! یا محض ادھوری وحی ہے............ مگر اس کی اہمیت و تقدس کتنا بڑھا دیا گیا کہ جمع ہونے کے لئے ایک نِدا سے ہی جنت میں پہنچا دیا جاتا ہے! اب ذرا اس کی اہمیت و

[1] مَوطأ امام مالک، اسلامی اکادمی، اردو بازار لاہور۔ اشاعت ۱۳۹۹ھ، ص ۶۰

تقدس کا موازنہ صلوٰۃ سے کر لیجئے کہ کیا چیز زیادہ اہمیت والی اور تقدس والی ہے۔ چنانچہ اسی کتاب موطا امام مالک میں اسی اذان والی روایت کے بعد ایک حدیث شریف کی روایت ہے:

ترجمہ: "ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب اذان ہوتی ہے نماز کے لئے شیطان پیٹھ موڑ کر پادتا ہوا بھاگتا ہے تاکہ نہ سُنے اذان کو، پھر جب اذان ہو چکتی ہے چلا آتا ہے۔ پھر جب تکبیر ہوتی ہے بھاگ جاتا ہے پیٹھ موڑ کر، پھر جب تکبیر ہو چکتی ہے چلا آتا ہے یہاں تک کہ وسوسہ ڈالتا ہے نمازی کے دل میں اور کہتا ہے اُس سے خیال کر فلاں چیز کا خیال کر جس کا خیال نمازی کو اول بھی نہ تھا۔ یہاں تک کہ رہ جاتا ہے نمازی اور خبر نہیں ہوتی اس کو کہ کتنی رکعتیں پڑھیں" اس کے بعد والی روایت بھی پڑھ لیجئے پھر غور کیجئے گا:

ترجمہ: سہل بن سعید الساعدی سے روایت ہے، کہا انہوں نے دو وقت کھل جاتے ہیں دروازے آسمان کے، اور کم ہوتا ہے ایسا دعا کرنے والا کہ نہ قبول ہو دعا اس کی، ایک جس وقت اذان ہو نماز کی دوسری جس وقت صف باندھی جائے جہاد کے لئے"[1]

غور کیجئے کہ ان دونوں حدیث شریفوں کے بعد کیا نتیجہ بر آمد ہوا؟ یہی نا کہ صلوٰۃ کی نہ تو اہمیت ہے اور نہ ہی تقدس، کہ شیطان صلوٰۃ میں تو وسوسہ ڈالتا ہے، نمازی کے دل میں۔ لیکن اذان سنتے ہی پادتا ہوا بھاگ جاتا ہے! یہ بھی کتنا دلچسپ و عجیب انکشاف ہے، اور کیوں نہ ہو جبکہ وحی ہے (رحمانی یا شیطانی؟ یہ فیصلہ آپ خود کریں) کہ شیطان کو بھی گیسٹرک ٹرابل (Gastric trouble) ہے!............ آگے دیکھئے کہ قبولیت کے آسمانی دروازے اس وقت کھلتے ہیں جب اذان ہوتی ہے (جبکہ صلوٰۃ کے وقت بند ہوتے ہیں، اسی لئے صلوٰۃ کے ساتھ یا صلوٰۃ میں مانگی گئی ہماری دعائیں قبول نہیں ہوتیں)۔(معاذ اللہ)

اب موطا اصل اوّل کے بعد اصل ثانی صحیح بخاری و صحیح مسلم پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ صحیح بخاری باب کتاب الاذان اور صحیح مسلم بَابُ بَدءِ الاَذَانِ میں تقریباً ایک ہی روایت ہے:

ترجمہ: "ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ مسلمان جب مدینہ آئے تھے تو نماز کے لئے نماز کے وقت کا اندازہ کر کے جمع ہو جاتے تھے، اس وقت تک نماز کے لئے اعلان نہ ہوتا تھا۔ ایک دن مسلمانوں نے اس بارے میں گفتگو کی (کہ کوئی اعلان ضرور ہونا چاہئے) بعض نے کہا کہ نصاریٰ کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، اور بعض نے کہا نہیں، بلکہ یہود کی طرح کے سنکھ کی طرح ایک سنکھ بنالو، عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے کہ وہ الصلوٰۃ (الصلوٰۃ) پکار دیا کرے، پس رسول خدا ﷺ نے فرمایا کہ اے بلال اُٹھو، اور نماز کی اطلاع کر دو"۔ (صحیح بخاری، کتاب الاذان۔ باب بد الاذان۔ حدیث ۵۷۴، اور صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب بدءِ الاذان کی پہلی حدیث)

ان دونوں روایتوں میں اذان کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ ندا، یُنَادی بالصلوٰۃ، قُم فَنَادِ بالصلوٰۃ کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جبکہ عجمی محدثین کرام نے جو باب باندھا ہے اس میں لفظ اذان لکھا ہے! مقصد صاف ہے کہ نِدا بالصلوٰۃ کو اذان سے بدل دیا گیا اور اس کی اہمیت وفضیلت صلوٰۃ سے بھی بڑھا دی گئی!

---

[1] ایضاً۔ ص ۶۲

اسی صحیح مسلم میں ایک روایت انس بن مالکؓ سے بھی ہے:

ترجمہ: "ان بن مالکؓ کا بیان ہے صحابہ نے باہمی طور پر تذکرہ کیا کہ لوگوں کو نماز کا وقت بتانے کے لئے کسی چیز کا تعین ہونا چاہیئے، جس پر بعض لوگوں نے کہا اس کے لئے آگ روشن کی جائے یا ناقوس بجایا جائے ........ " صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب اذان کے کلمات دو دو مرتبہ۔ جلد دوم ص ۱۱)

سُنن ابوداؤد شریف کی کتاب الصلوٰۃ کے باب ۱۷۶ اذان کیونکر شروع ہوئی، حدیث ۴۹۵ میں روایت ہے:

ترجمہ: "عَبَّاد بن موسیٰ الخُتَّلِی، اور زیاد بن ایوب (عباد کی حدیث مکمل ہے) ھُشَیم، ابو بشر، ابو عمیر بن انس سے روایت ہے کہ انہوں نے سُنا اپنے چچا سے کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اہتمام کیا نماز کا یعنی اس بات کا کہ نماز کے واسطے کیونکر لوگوں کو جمع کیا کریں۔ لوگوں نے کہا ایک جھنڈا بلند کر دیا کیجئے نماز کے وقت اس کو دیکھ کر ایک دوسرے کو خبر کر دے گا لیکن رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو یہ رائے پسند نہ آئی........ پھر کسی شخص نے کہا یہودیوں کی طرح ایک نرسنگا بنا لیجئے۔ آپ کو یہ تجویز پسند نہ آئی (اس وجہ سے کہ اس میں یہود کی مشابہت تھی اور آپ عبادات میں اہل کتاب سے مشابہت پسند نہیں فرماتے تھے........... پھر کسی نے ذکر کیا ناقوس کا، آپ نے فرمایا یہ تو نصاریٰ کا کام ہے..........."

ان روایات سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سامنے کئی تجاویز عرض کی گئیں:

(۱)۔ ایک جھنڈا بلند کر دیا جائے۔

(۲)۔ آگ روشن کی جائے۔

(۳)۔ نرسنگا (سنکھ) بنا لیا جائے۔

(۴)۔ ناقوس بنا لیا جائے۔

(۵)۔ دو لکڑیاں بنالی جائیں۔

(۶)۔ عمرؓ نے کہا کہ کیوں نہیں ایک آدمی کو مقرر کر دیتے کہ وہ الصلوٰۃ (الصلوٰۃ) پکار دیا کرے۔ (یُنَادِی بِالصَّلٰوۃ) پس رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا کہ اُٹھو اے بلال اور الصلوٰۃ پکارو۔ پس یہی بات زیادہ معقول نظر آتی ہے کہ الصَّلٰوۃ ، الصّلٰوۃ ، الصّلٰوۃ یاالصَّلٰوۃ الجامعۃ ، الصَّلٰوۃ الجامعۃ پکارا جانے لگا[۱]۔ جبکہ علامہ وحید الزماں صاحب (مترجم سنن ابوداؤد شریف) کے مطابق مروجہ اذان کا اہتمام ۲ سنہ ہجری میں ہوا۔ قبل اس کے بغیر اذان کے نماز ہوا کرتی تھی اور لوگ خود بخود ایک وقت معین پر جمع ہو جایا کرتے تھے۔ (ف، حدیث عبَّاد بن موسیٰ الخُتَّلِیؒ۔ ص ۲۱۳)

غور کیجئے کہ نرسنگا (سنکھ) بنانے کی تجویز آپ کو پسند نہ آئی، اس وجہ سے کہ اس میں یہود کی مشابہت تھی اور آپ عبادات میں اہل کتاب سے مشابہت پسند نہیں فرماتے تھے! کتنی خوبصورتی سے، یہ عجمی خیال، مترجم صاحب (نام نہاد) حدیث شریف کے ترجمہ میں لکھ گئے اور یہ نہ سوچا کہ یہود و نصاریٰ اور مسلمین کی ساری عبادات ایک ہی تھیں۔ اور ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ان میں تحریفات کر دی گئیں اور آج کسی کے بھی عبادات کے طریقے سو فیصد اصل طریقہ

---

۱۔ صحیح مسلم، صحیح بخاری و دارمی شریف۔

پر نہیں رہے! زندہ مثال آپ کے سامنے اذان کی ہے کہ نِدا سے اذان بنادی گئی اور اس کی اہمیت وفضیلت صلوٰۃ سے بھی بڑھادی گئی، پھر اس میں کئی طریقوں کی اذانیں بنادی گئیں اور پھر وقت بے وقت ان میں اپنی مرضی وعقیدہ کے مطابق کلمات گھٹائے بڑھائے جاتے رہے۔ زندہ مثال ہے کہ اہل حدیثوں کی اذان سن لیجئے، بریلویوں کی اذان سن لیجئے، شیعوں کی اذان سن لیجئے! فرق / تحریف واضح ہو جائے گی۔ یقینی بات ہے کہ یہ فرق / تحریفات، وقت اور سیاسی حالات کے تحت صدیوں میں اور صدیوں بعد عجمیوں کے کارنامے ہیں! یہ اذانیں رسول اللہ کی سنت نہیں ہیں۔ اس وقت کی ضرورت (کہ لوگوں کو کس طرح جمع کیا جائے) کے تحت جو فیصلہ "ندا" کا کیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ تذکرۃً ہی ذکر کیا کہ "وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ" جب تم صلوٰۃ کے لئے ندا دیتے ہو (۵۸/۵) " پھر یوم جمعہ کی صلوٰۃ کے لئے بھی یہی لفظ استعمال ہوا " إِذَا نُودِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ۔ اے ایمان والو جمعہ کے دن جب نِدا دی جائے یا نِدا کی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف جلدی سے آجایا کرو اور خرید وفروخت چھوڑ دیا کرو (۶۲/۹)" ان دونوں آیات کریمہ میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ ندا کی جگہ اذان ہم نے رسول کے علاوہ صحابہؓ پر وحی کر دی ہے وہ اپنالو۔ غور کیجئے کہ حدیث شریف میں حضرت عمرؓ کا اسم گرامی کیوں ڈالا گیا؟ محض اس لئے کہ تحریف کا الزام ان پر آئے۔ یہ ہے عجمی دشمنی!

ایک اور خاص بات کہ ہمیں بچپن سے سکھایا جاتا رہا ہے کہ جیسے ہی اذان سنو تو فوراً جَلّ جَلَالُهُ کہو۔ ان صلوٰۃ کی کتابوں میں تو یہ نہیں لکھا ہوا! پھر یہ کہاں سے آیا؟ شاید تواتر عملی سے! اب تحقیق آپ کیجئے۔

(۲۰)۔ نماز کی نیت و بسم اللہ کا کوئی عنوان استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں قائم نہیں کیا۔ شاید اس لئے کہ ایک مسلم کا صلوٰۃ ادا کرنے کا دلی ارادہ ہی اس کی نیت ہے۔ اس لئے زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں۔ حالانکہ بعض حضرات اس پر بہت زور دیتے ہیں!

تمام مسلمین میں ایک عقیدہ راسخ کیا جاتا ہے کہ ہر کام اللہ کے نام سے یعنی بسم اللہ سے شروع کرنا چاہیے۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ صلوٰۃ جو کہ دین اسلام کی سب سے اہم عبادت مانی جاتی ہے، جو کہ مستقل طور پر دن رات ادا کی جاتی ہے اور قائم کی جاتی ہے، اسے ادا کرنے کے لئے شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنے سے نہ صرف سب خاموش ہیں بلکہ کہیں اشارۃً بھی ذکر نہیں! ہاں البتہ ہاتھ باندھنے کے بعد سُبحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھنے کے بعد غیر قرآنی تعوذ پڑھ کر بسم اللہ پڑھی جاتی ہے اور اس پر بھی جھگڑا ہوتا ہے کہ جہری یا سرّی پڑھی جائے!

اب یہاں یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ حدیثی اذان میں حَيّ عَلَى الصَّلٰوة اور حَيّ عَلَى الفَلَاح پکارا جاتا ہے جس کے معنی کئے جاتے ہیں کہ آؤ تم نماز کے لئے، آؤ تم نجات پانے کے لئے (ترجمہ از صادق سیالکوٹی صاحب۔ ص ۱۵۳)۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ عربی لفظ حَيَّ کے معنی آؤ کیسے ہو گئے؟؟ میرے خیال میں تو یہ لفظ بھی عجمیوں نے بدل دیا۔ جبکہ قرآن الحکیم میں وہ متبادل الفاظ استعمال کرنے کا کہتے ہیں (سبعہ قراءات)۔ کیا خیال ہے کہ اگر اذان میں حَيَّ کی جگہ تَعَالَ استعمال کر کے پکاریں: تَعَالَ عَلَى الصَّلٰوة اور تَعَالَ عَلَى الفَلَاح؟ یقیناً یہ انہیں قابلِ قبول نہیں ہوگا یونکہ یہ قرآن نہیں جس کے ساتھ وہ کھلواڑ کرتے ہیں!

(۲۱)۔ "قیام" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"جب صلوٰۃ ادا کرنے کھڑا ہو تو اپنی زینت کی چیزیں پہن لے، یعنی اچھا صاف ستھرا کامل لباس پہن لے"۔
یہاں اتفاق سے قرآن کریم کی سورہ الاعراف کی آیت نمبر ۳۱ کا حوالہ دیا ہے کہ "خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ"
مگر اس آیت کریمہ پر عمل بہت ہی کم ہوتا ہے بلکہ عجمی زدہ مُلّا صلوٰۃ کی ادائیگی کے لئے آنے والوں کو سب سے پہلے بتاتا ہے کہ اپنی شلوار یا پاجامہ کے پائنچے اوپر پنڈلیوں پر چڑھالو ورنہ دوزخ میں جاؤ گے اور آگ تمہیں نیچے پائنچوں سے لگائی جائے گی۔ یہ بات اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں، دوزخ میں جانے کی وجوہات بتاتے ہوئے بھول گیا تھا۔ (نعوذ باللہ)۔ حد تو یہ ہے کہ پتلون پہننے والوں کے پائنچے بھی مڑوا کر پنڈلیوں پر کرا دیا جاتا ہے! کیا یہ زینت ہوتی ہے؟ کیا یہ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری ہو رہی ہے؟ اسی طرح سے اگر کسی شخص نے ٹوپی نہیں پہنی ہوتی تو مُلّا اس کے سر پر چٹائی کی بنی ٹوپی رکھوا دیتا ہے کہ وہ پہن کر سیدھا جنت میں جائے گا! یہ بھی غور کیجئے کہ اہل حدیثوں کا ایک فرقہ ایسا بھی ہے جو چشمہ اور گھڑی بھی اُتار دینے کا عمل کرواتا ہے۔ ایک فرقہ کے ہاں بہت لوگ صرف تہبند و بنیائن اور ننگے سر ہی نماز پڑھتے ہیں۔ کچھ کے ہاں سر پر ٹوپی یا صافحہ یا پگڑی یا رومال باندھنا ضروری ہوتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو زینت یا نماز کا حصہ نہیں بنایا ہوا ہے۔ زینت تو دراصل وہ معروف چیز ہے جو معاشرہ کو بھی اچھی لگی اور خود انسان کو بھی اچھی لگی۔ میں سمجھتا ہوں کہ زینت کا معیار یہ ہو سکتا ہے کہ آپ اپنے معاشرہ کے بڑے مثلاً سردار، حاکم، گورنر، کمشنر وغیرہ سے ملنے کیلئے کس لباس یا زینت کے ساتھ جانا پسند کرتے ہیں۔ کیا ان کے سامنے تہبند و بنیائن اور چٹائی کی ٹوپی پہن کر جانا پسند کریں گے؟ اگر نہیں، تو پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑے ہونے کے لئے بے زینت ہو کر جانا کیوں پسند ہے کہ پتلون کے پائنچے موڑ موڑ کر چڑھائے ہوئے ہوں اور قمیض پتلون کے باہر نکال دی گئی ہو..............

حد تو یہ ہے کہ ہمارے موصوف نے تو ٹخنوں سے نیچے پاجامہ وغیرہ لٹکانے پر دوبارہ وضوء کرنے کا حکم صادر کیا ہوا ہے (بحوالہ ابوداؤد و احمد)[1] جس طرح شرمگاہ کو ہاتھ لگانے (بحوالہ ابوداؤد، ترمذی)[2] اور اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد بھی دوبارہ وضو کرنے کا حکم صادر کیا ہوا ہے (بحوالہ صحیح مسلم)[3] (یہ باتیں بتانا شاید اللہ تعالیٰ بھول گیا تھا! معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ اونٹ حلال جانور ہے اور عرب میں چونکہ اس کی بہتات تھی اس لئے وہ کھایا بھی زیادہ جاتا تھا مگر عجم میں اس کی بہتات نہ تھی اور غالباً یہودی اونٹ کھانا پسند نہیں کرتے تھے، اس لئے اس کے کھانے کے بعد، عجمیوں نے، دوبارہ وضوء کرنے کی پابندی لگادی! شکر ہے اسے حرام قرار نہیں دیا۔

قیام صلوٰۃ کے لئے عام طور پر، سوائے اہل حدیثوں کے دو فرقوں کے، سب ہی اللہ اکبر کہہ کر رفع یدین کرتے ہوئے ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ لیکن اس میں بھی کہ ہاتھ کس طرح باندھے جائیں اور کہاں باندھے جائیں اختلاف پیدا کر دیا گیا! چنانچہ ہمارے موصوف کے مطابق ہاتھ اس طرح باندھے جائیں گے، جبکہ دوسروں کے طریقے ان کے اپنے اپنے مقام پر آئیں گے:

"پھر سیدھے ہاتھ سے الٹے ہاتھ کو اس طرح پکڑے کہ سیدھے ہاتھ کا کچھ حصہ الٹے ہاتھ کی پُشتِ کف پر ہو، کچھ پہنچے پر ہو اور کچھ کلائی پر (بحوالہ ابوداؤد و احمد، ابن خزیمہ و صحیح بخاری)[4] اس طرح کرنے کے بعد ہاتھوں کو سینہ پر رکھ لے (بحوالہ احمد)[5]"

---

۱۔ صلوٰۃ المسلمین۔ از مسعود احمد صاحب۔ زیرِ عنوان: "وہ امور جن کے وقوع کے بعد دوبارہ وضوء کرنا چاہئے" ص ۹۷۔۔۔ ۲، ۳۔ ایضاً۔ ص ۹۶۔۔۔ ۴، ۵۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰

اگر اس طرح ہاتھ سینے پر رکھ لئے جائیں تو پھر ایک تو وہ اس حالت میں قائم نہیں رہتے دوسرے کچھ عجیب سی، بھونچکی سی، حلیہ بن جاتی ہے۔ اور صلوٰۃ کی خوبصورتی اور وقار ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر ہاتھ، اس طرح باندھ کر، سینہ اور پیٹ کے سنگم پر رکھ لئے جائیں تو زیادہ پُر وقار لگتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ادب بھی قائم رہتا ہے۔ پھر یہ پڑھے:

"سُبحَانَكَ اللّٰهم و بحمدك و تبارَكَ اسمُكَ و تَعالىٰ جَدُّك وَلا اِلٰهَ غَيرُك لَا الٰه الا الله ، لا اِلٰه الا الله ، لا اِلٰه الا الله ، اَللّٰهُ اكبر كبيرًا ، اَللّٰهُ اكبر كبيرًا ، اَللّٰهُ اكبر كبيرًا ، اَعُوذ بالله السميع العليم من اشيطٰن الرَّجيم من هَمزِهٖ و نَفخِهٖ و نَفْثِهٖ (بحوالہ ابوداؤد و نسائی)" [1]

غور کیجئے کتنے لوگ اس ثنا کو جانتے ہیں؟ اور کون سے فرقے اس کو ہاتھ باندھنے کے بعد پڑھتے ہیں؟ دوسری بات یہ غور کیجئے کہ ثنا کے ساتھ تعوذ بھی ملا دیا گیا ہے! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآنی تعوّذ کے ہوتے ہوئے یہ عجمی تعوّذ کس نے اس کی جگہ لگا دیا؟؟ مشکل یہ ہے کہ (نام نہاد) علما بھی قرآنی تعوّذ سے ناواقف ہیں! تو لیجئے قرآنی تعوّذ پڑھیئے:

رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۙ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ○

اے میرے ربّ، میں شیطانوں کے وسوسوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور میں اس بات سے بھی تیری پناہ طلب کرتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں"۔ (سورہ مؤمنون۔۹۷۔۹۸)

"پھر جہری رکعتوں میں پست آواز سے اور سرّی رکعتوں میں خفیہ آواز سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھے۔ (بحوالہ الحاکم.........)" [2]

غور کیجئے کہ یہاں بھی عجمیوں نے تحریف (بلکہ خلافِ قرآن یعنی خلافِ حکم الٰہی ہی) کر دی۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

ترجمہ: "(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو، تم جس (اچھے) نام سے (چاہو) اسے پکارو اس کے سب نام اچھے ہی ہیں۔ اور (اے رسول) صلوٰۃ نہ تو بہت بلند آواز سے (پڑھیئے / ادا کیجئے) اور نہ بالکل پوشیدہ آواز سے بلکہ ان دونوں کے مابین راستہ اختیار کیجئے" (۱۷/۱۱۰)

یعنی صلوٰۃ آواز ہی سے پڑھنا ہے، یہ آیت بالکل واضح (مُبِین) ہے مگر عجمیوں نے اس میں بھی تحریف کر دی کہ کچھ رکعتیں جہری یعنی با آواز کر دیں اور کچھ سرّی (پوشیدہ) کر دیں۔ شاید یونکہ وہ پوشیدہ وحی کے قائل تھے اور ہیں مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ جہری رکعتوں میں ثنا بھی جہر سے پڑھنا ہے یا سرّی ہی پڑھنا ہے جیسا کہ رواج بنا لیا ہوا ہے!

آگے لکھتے ہیں:

"پھر سورہ فاتحہ پڑھے۔ جہری رکعتوں میں جہر سے اور سرّی رکعتوں میں خفیہ آواز سے، یعنی صبح کے فرض کی دونوں رکعتوں میں اور مغرب و عشاء کے فرض کی پہلی دو رکعتوں میں جہر سے قراءت کرے۔ ان رکعات کے علاوہ فرض صلوٰۃ کی تمام رکعتوں میں خفیہ آواز سے قراءت کرے" [3]

غور کیجئے کہ قرآن مبین اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی دشمنی میں / خلاف ورزی میں، فرض صلوٰۃ کی رکعتیں بھی پوری جہری نہ چھوڑیں بلکہ ان میں بھی بندر بانٹ کر دی! معاذ اللہ۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۶۱۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۶۲۔ ۱۶۳۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۶۳ (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

آپ کو شاید یہ جان کر حیرت ہو کہ اصلی اہل حدیث، کم از کم ان کا پیش نماز، اللہ کے حکم "کہ صلوٰۃ معتدل آواز سے ادا کرو" کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔ بلکہ وہ پوری نماز جہر سے پڑھتا ہے۔ جس کسی کو شک ہو تو ٹی وی پر Hadi TV دیکھ لے کہ نماز کے اوقات میں کربلا سے نماز ٹیلی کاسٹ ہوتی ہے۔ جب کہ نقلی اہل حدیث کھلم کھلا قرآن کی خلاف ورزی میں کسی ایک وقت کی صلوٰۃ کو بھی قرآنی حکم کے مطابق نہیں پڑھتے۔ معاذ اللہ۔

آگے فرماتے ہیں:

"سورہ فاتحہ کے بعد جہری رکعتوں میں جہر سے اور سرّی رکعتوں میں خفیہ آواز سے آمین کہے" (بحوالہ ابو داؤد)[1]

یہ آمین کا غیر قرآنی لفظ بھی ہماری مساجد میں وجہ نزاع بنا رہا ہے اور زور سے آمین کہنے پر لڑائیاں جھگڑے ہوتے رہے ہیں۔ جبکہ عجمیوں نے اس لفظ کی شان اور فضیلت میں بھی بہت سی روایتیں گھڑی ہوئی ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا اتنا ہی ضروری اور فضیلت والا تھا تو اللہ تعالیٰ نے کیوں نہیں بتایا؟؟ یہ قرآن کریم میں کیوں نہیں لکھا گیا؟ البتہ آج ہمارے ملک میں جو سورہ فاتحہ کے طُغرے بنتے ہیں، ان پر عام طور پر آمین بھی لکھا جاتا ہے۔ نتیجتاً عام آدمی اس عجمی لفظ کو قرآن کریم ہی کا یعنی سورہ فاتحہ ہی کا حصہ سمجھتے ہیں اور ان کی سورہ فاتحہ بغیر آمین کے پوری نہیں ہوتی۔ اسی طرح دعاؤں کے بعد بھی آمین کہا جانے لگا ہے، اور زور سے آمین کہنے پر ہی زور ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآن الحکیم یہ بتا رہا ہے کہ حضرات ابراہیم و اسمٰعیل جب قبلہ اوّل، بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے تو یہ دعا کر رہے تھے:

" رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○(۲/۱۲۷)اور

" رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ (۱۴/۴۰)۔ مگر عجمی ہمیں بجائے قرآنی دعاؤں کے عجمی لفظ آمین یا نصاریٰ کی طرح آمِن (Amen) سکھا رہے ہیں، بلکہ سکھا چکے ہیں! آگے لکھتے ہیں:

"پھر جہری رکعتوں میں آہستہ آواز سے اور سرّی رکعتوں میں خفیہ آواز سے بسم للہ الرحمٰن الرحیم پڑھے" بحوالہ صحیح مسلم[2]

"پھر کوئی دوسری سورت پڑھے۔ جہری رکعتوں میں جہر سے اور سرّی رکعتوں میں خفیہ آواز سے" (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)[3]

غور کیجئے کہ ایک ہی وقت کی تین یا چار رکعتوں میں سے صرف دو رکعتوں میں وہ بھی صرف اقامت میں سورہ فاتحہ اور کوئی سورت جہر سے پڑھنے کی اجازت ہے باقی تمام دعائیں مع بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے سرّی پڑھنا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ پوری صلوٰۃ جہر سے ادا کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ اللہ کے اس حکم کو کس کس طرح بدلا گیا، تحریف کی گئی، بالکل ہی بدل دیا، یہ ہے اصل سازش! اس قسم کی سازش صرف عجمی ہی کر سکتے تھے، انہوں نے کی اور شاید انہوں نے صلوٰۃ کی پوری ہیئت ہی بدل دی۔ جبکہ رسول بھی قرآن میں یا قرآنی حکم میں کوئی ردّ و بدل نہیں کر سکتے تھے (۱۵/۱۰، ۴۳-۴۷/۶۹)

رکوع کر کے رفع یدین کرتا ہوا سر اٹھائے تو قومہ میں کافی دیر اطمینان سے کھڑا رہے اور یہ ثناء پڑھے:

[1] ایضاً۔ ص ۱۶۴۔۔۔[2] ایضاً۔ ص ۱۶۴۔۔۔[3] ایضاً۔ ص ۱۶۴

"مِلْءَ السمٰوٰتِ وَالارضِ وَ مِلءَ مَا شِئتَ من شيءٍ بَعدُ، اَهل الثَّنَآءِ وَالمجد احق ما قال العبد و كُلّنا لك عبد اللّٰهم لا مانع لما اعطيت ولا معطي لِما منعت ولا ينفع ذا الجد منك الجدُّ" (بحوالہ صحیح مسلم)[1]

کہئے آپ میں سے کتنے قومہ میں پڑھی جانے والی اس ثنا سے واقف ہیں؟ اور کتنے اسے پڑھتے ہیں؟

جلسہ میں بیٹھ کر:

"سیدھے ہاتھ کی کہنی کو تنا ہوا رکھے۔ سیدھے ہاتھ کے انگوٹھے کو بیچ کی انگلی پر اس طرح رکھے کہ انگوٹھا انگشت شہادت کی جڑ کے قریب ہو۔ اور انگوٹھے اور بیچ کی انگلی سے حلقہ بن جائے، انگشت شہادت کو بلند کر کے (توحید کا) اشارہ کرے، بیچ کی انگلی، چھوٹی انگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو موڑ لے۔ انگشت شہادت میں خفیف سا خم دے اور اس کا رُخ قبلہ کی طرف رکھے۔ اور دعا کے وقت اسے ہلاتا رہے"۔[2] (بحوالہ، بالترتیب: ابوداؤد، صحیح مسلم، النسائی، ابن خزیمہ اور احمد والنسائی)

اس جلسہ میں یہ دعا پڑھے:

"اَللّٰهُم اغْفِرلِي وَارحَمني واجبُرنِي و عافني واهدِني وارْزقني وارفعني" (بحوالہ ابو داؤد، والترمذی وابن ماجہ)[3]

دوسری رکعت: "اس رکعت میں کھڑے ہوتے ہی سورہ فاتحہ شروع کر دے" (بحوالہ ابی عوانہ)[4]

یعنی دوسری رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہ پڑھے!

قعدۂ اخیرہ: "جب چوتھی رکعت کے دونوں سجدے کر چکے تو بطور تورّک کے سیدھا بیٹھ جائے۔ یعنی بایاں کولہا زمین پر ٹکائے، الٹے پیر کو باہر نکال کر دونوں پیروں کو ایک طرف کر لے، سیدھے پیر کو کھڑا رکھے" (بحوالہ ابوداؤد، صحیح بخاری)[5]

کہئے آپ میں سے کتنے لوگ تورّک سے واقف ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں؟

پھر التّحیّات پڑھے۔ پھر یہ پڑھے:

"احسن الكلام كلام الله و احسن الحدى هدىُ محمدٍ صلى الله عليه و سلَّم (بحوالہ نسائی)"[6]

کہئے آپ میں سے کتنے لوگ یہ پڑھتے ہیں یا اس سے واقف ہیں؟

ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے سامنے یہ الفاظ: "صلی اللہ علیہ وسلم" ایجاد ہو چکے تھے؟ یا وحی ہو چکے تھے؟ یا کیا رسول ان کو خود پڑھتے تھے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ بعد کی ایجاد ہیں! اور انہیں صلوٰۃ کا حصہ بنا دیا گیا! یہ کس کا کارنامہ ہے؟

پھر درود شریف پڑھے۔ (بحوالہ صحیح بخاری وابن خزیمہ)[7] (اس پر تبصرہ پہلے گزر چکا ہے)

---

[1] ایضاً۔ ص ۱۷۰۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۷۵۔۱۷۶۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۷۷۔۔۔ [4] ایضاً۔ ص ۱۷۹۔۔۔ [5] ایضاً۔ ص ۱۸۴۔ ۱۸۵۔۔۔ [6] ایضاً۔ ص ۱۸۶۔۔۔ [7] ایضاً۔ ص ۱۸۶۔ ۱۸۷

پھر یہ دعا پڑھے:

"اللّٰھم اِنی اعوذبکَ من عذاب جھَنم و من عذاب القبرِ و من فتنة المحیَا و المماتِ و من شرِّ فِتنةِ المسیح الدّجّال" (بحوالہ صحیح مسلم واحمد)[1]

کہئے آپ میں سے کتنے اس دعا سے واقف ہیں اور کتنے یہ دعا کرتے ہیں؟ مگر اصل غور طلب بات یہ ہے کہ عذاب قبر اور دجّال کا فتنہ کہاں سے آ گیا؟ ان دونوں کا ذکر قرآنِ مبین میں نہیں ہے تو پھر یہ کہاں سے آ گئے؟ ظاہر ہے کہ بعد کی عجمیوں کی پیداوار ہیں اور انہیں صلوٰۃ کا حصہ بنا دیا گیا ہے!

یہاں صلوٰۃ مکمل ہو گئی اس کے بعد صلوٰۃ کے بعد پڑھنے کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ اسے ہم فی الحال چھوڑتے ہیں یونکہ وہ تو بہت ہیں اور ہر ایک کی اپنی پسند و مرضی پر منحصر ہیں۔ جو چاہیں پڑھیں۔ موصوف کی مرتب کردہ صلوٰۃ کی ادائیگی کی خاص بات یہ ہے:

۱۔ یہ پڑھنے کی چیز ہے۔

۲۔ صلوٰۃ کہیں پر، ایک رکعت ہی میں، جہری پڑھنا ہے اور کہیں سرّی۔

۳۔ بسم اللہ ہر جگہ سرّی پڑھنا ہے۔

۴۔ آمین پر بہت زُور ہے کہ جہری یا سرّی کہنا ہے۔

۵۔ رفع یدین پر بہت زور ہے۔ اس کے لئے تو علیحدہ سے بھی عنوان یا باب بھی قائم کئے ہیں۔

۶۔ مختلف اوقات کی صلوٰۃ میں کس رکعت میں کیا قرآن کریم سے قراءت کرنا ہے (اس نقطہ پر ہم نے اوپر کوئی ذکر یا تبصرہ نہیں کیا ہے۔ انشاءاللہ آگے کہیں کریں گے۔

**۳۔** جناب محمد صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب صلوٰۃُ الرَّسُول' جو کہ شاید پاکستان میں حدیثی صلوٰۃ پر پہلی کتاب تھی' کا تعارف پیچھے دے چکا ہوں۔ اب ذرا ان کی کتاب کے چیدہ چیدہ مقامات ملاحظہ کرتے چلئے:

(ا)۔ پیشاب سے بچنے کی سخت تاکید کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عَباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسولؐ اللہ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا۔ ان دونوں قبروں والوں کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور باعثِ عذاب کوئی بڑی چیز نہیں۔ پھر دونوں میں سے ایک کے متعلق فرمایا لا یستَتِرُ مِنَ البَول۔ کہ وہ پیشاب سے نہیں بچتا تھا" ۔(بحوالہ بخاری)[2]

غور کیجئے کہ رسولؐ اللہ دو قبروں والوں کے لئے فرماتے ہیں کہ عذاب ہو رہا ہے۔ مگر عذاب ہونے کی وجہ صرف ایک کی بتاتے ہیں!

دوسری بات غور کرنے کی یہ ہے کہ رسولؐ اللہ کو قبروں کے پاس سے گزرنے پر یہ کیسے معلوم ہوا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے؟ کیا جبریل یا میکال نے آ کر بتایا تھا جیسا کہ اکثر وہ راستہ چلتے کہیں بھی آ جاتے تھے؟ یا پھر آپ کو علم غیب تھا جیسا کہ ایک دو اہل حدیث فرقوں کا عقیدہ ہے؟ یہاں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صادق سیالکوٹی صاحب خود ان کے

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۸۸۔۔۔ ۲۔ صلوٰۃُ الرَّسُول از محمد صادق سیالکوٹی صاحب۔ مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ۔ اشاعت غالباً ۱۹۴۹ء ہے۔ ص ۵۸

فرقۂ اہل حدیث اور ان کے امام وسلف بخاری صاحب کا بھی یہی عقیدہ تھا اور ہے!

سب سے اہم بات یہ کہ عذابِ قبر کا عقیدہ غیر قرآنی ہے۔ اس کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہیں کہ قبر میں بھی عذاب ہوگا۔ بلکہ عذاب وثواب جو کچھ ملے گا وہ یوم قیامت میں دوسری زندگی ملنے کے بعد ملے گا۔ اس سے پہلے نہیں۔ زندگیاں صرف دو ہیں (۲۸/ ۲، ۱۱/ ۴۰، ۱۵۔۱۶/ ۲۳، ۵۶/ ۴۴، ۲۶/ ۴۵، ۲۵/ ۷، ۶۶/ ۲۲، ۴۰/ ۳۰) دراصل حقیقت وہی ہے کہ عجمی حضرات، آہستہ آہستہ، وقت بے وقت، غیر قرآنی عقاید ذہنوں میں بٹھاتے رہے۔ اسی کو ذہن پرستی اور سلف پرستی کہتے ہیں!

آگے صادق سیالکوٹی صاحب فرماتے ہیں کہ ایک دوسری حدیث میں حضور انورؐ فرماتے ہیں:

"اِستَنزِهُوا من البَول فاِنَّ عَامة عذاب القبرِ منهُ

یعنی پاکی حاصل کرو پیشاب سے کیونکہ اکثر عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے" (کوئی حوالہ نہیں دیا کہ یہ کس عجمی نے اپنی کتاب میں لکھا!)

(۲)۔ آگے غسلِ جنابت کے عنوان کے تحت ایک اور عنوان "غسلِ جنابت میں مبالغہ درکار ہے" لگا کر تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ترجمہ: "جس نے غسل جنابت سے بال برابر جگہ دھوئے بغیر چھوڑ دی (یعنی بال برابر جگہ بھی خشک رہ گئی) تو اس کو ایسا اور ایسا عذاب کیا جائے گا۔ (بحوالہ ابوداؤد۔ دارمی)[1]

آگے "انتباہ" کے تحت لکھتے ہیں کہ، اس لئے جنبی کو چاہئے کہ وہ غسل کرنے میں مبالغہ یعنی بہت کوشش سے کام لے، اور بدن کو خوب مَل کر نہائے کہ ذرہ برابر جگہ خشک نہ رہے۔ ایک اور حدیث میں سیدنا ابوہریرہؓ کی روایت سے حضور انورؐ فرماتے ہیں:

"(جنبی کے) ہر بال کے نیچے جنابت ہے (اس لئے) بالوں کو (خوب دھوؤ) اور بدن کو (اچھی طرح) پاک کرو" (بحوالہ ترمذی، ابن ماجہ)[2]

اب غور کیجئے کہ "جنبی عورت کے بالوں کا مسئلہ" کے عنوان کے تحت اگلے ہی صفحہ پر کیا فرماتے ہیں:

ترجمہ ام سلمہؓ روایت کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسولؐ! میں عورت ہوں، کہ اپنے سر کے بال خوب مضبوط گوندھتی ہوں۔ کیا میں انہیں غسل جنابت کے وقت کھول لیا کروں؟ حضور نے فرمایا: (ان کا کھولنا تجھے لازم) نہیں۔ تیرے لئے یہی کافی ہے کہ تین لپّیں پانی تو اپنے سر پر ڈال لے (اور) پھر اپنے (سارے بدن کے) اوپر پانی بہادے۔ پس تو پاک ہو جائے گی (بحوالہ مسلم)"[3]

آگے "ملاحظہ" کے تحت لکھتے ہیں یہ حکم صرف عورتوں کے سر کے بالوں سے متعلق ہے۔ مرد ایسا نہیں کر سکتے۔ حضرت علیؓ سر کے بالوں کی جڑوں کے خشک رہ جانے کے خوف سے فرماتے ہیں فَمِنْ ثَمّ عَادَيتُ رَأسِي (دارمی) میں نے اس کے سبب اپنے سر (کے بالوں) سے دشمنی کرلی" یعنی آپ ہمیشہ بالوں کو منڈا ڈالتے تھے کہ غسل جنابت میں کوئی جڑ بال کی خشک نہ رہ جائے"[4]

---

[1]۔ ص ٦٦---[2]۔ ایضاً۔ ص ٦٦---[3]۔ ایضاً۔ ص ٦٧---[4]۔ ایضاً۔ ص ٦٦٧۔٦٨

غور کیجئے کہ محمد رسول تھے یا علیؓ؟ کہ وہ رسول سے آگے بڑھ کر حکم لگارہے ہیں! نیز یہ کہ اگر وہ گنجے رہتے تھے تو ہم نے تو ان کا کوئی فوٹو گنجے پن کی حالت میں نہیں دیکھا!

اب ان روایات کے اختلاف و انتشار میں تطبیق دے کر زمین و آسمان کے قلابے آپ خود ملاتے رہئے میں کچھ تبصرہ نہیں کرتا۔ البتہ یہ غور کر لیجئے کہ موصوف نے "ملاحظہ" کے تحت یہ خود تحریر فرمایا ہے کہ یہ حکم صرف عورتوں کے سر کے بالوں سے متعلق ہے۔ مرد ایسا نہیں کر سکتے۔ تو عورتوں اور مردوں کے غسل جنابت میں تفریق کر دی گئی۔ اس طرح کا حکم نہ قرآن کریم میں ہے اور نہ ہی (نام نہاد) حدیث شریف میں ہے۔ یہ موصوف کا اپنا فرمان ہے اور اسی کو شریعت سازی کہتے ہیں! اس طرح نہ صرف عجمی حضرات شریعت سازی کرتے رہے بلکہ ان کے مقلدین و متبعین بھی شریعت سازی کرتے رہے جبکہ یہ کام صرف شریعت دینے والے رب کریم کا ہے۔ (۱۳/ ۴۲، ۴۸/ ۵، ۶۷/ ۲۲، ۲۱/ ۴۲، ۱۸/ ۴۵) عجمی اور عجمی زدہ پاکستانی بندوں کا نہیں۔

دارمی کے حوالہ سے حضرت علیؓ کے بارے میں جو لکھا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے بالوں کو منڈا ڈالتے تھے، یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی یونکہ اگر سر کا بال خشک رہ سکتا ہے تو داڑھی موچھ کا بال بھی خشک رہ سکتا ہے۔ بغل اور زیر ناف بھی کوئی بال خشک رہ سکتا ہے تو کیا وہ اپنی داڑھی موچھ وغیرہ بھی منڈ اڈالتے تھے؟ دوسری بات یہ کہ کہا جاتا ہے سر منڈانا خوارج کا شیوہ تھا بلکہ شناخت تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ اپنی شکل وصورت خوارج کی سی نہیں بنا سکتے تھے جبکہ وہ تو ان سے جنگیں لڑتے رہے اور انہیں قتل کراتے رہے۔ تیسری حقیقت یہ کہ اگر غسل میں کوئی بال خشک رہ جانے کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ تو پھر ہر صحابی کو ہوتا ہوگا تو پھر صرف حضرت علیؓ ہی کیوں سر منڈاتے تھے۔ ثابت ہوا کہ یہ گھڑنت ہے!

(۳)۔ جنبی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ صدیقہ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنّی لَا اُحِلُّ المسجد لحائض وَلا جُنُبٍ (بحوالہ بلوغ المرام) میں (خدا کے حکم سے) حائضہ عورت اور جنبی کا مسجد میں آنا حلال نہیں کرتا ہوں"[۱]

دوسرے یہ کہ اس قسم کی روایت صحیح نہیں ہو سکتی یونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ تو جنبی کو اور نہ ہی حائضہ کو مسجد میں آنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ ہاں اس نے حالتِ سُکر اور حالت جنب میں صلوٰۃ کے قریب جانے سے منع ضرور کیا ہے جب تک تم اس چیز کو جس کو تم کہو سمجھنے نہ لگو اور غسل نہ کر لو (۴۳/ ۴) اسی طرح سے حیض کے بارے میں قرآن کریم میں جو آیت ہے اس میں حائضہ کو ایسی کسی بات سے منع نہیں کیا گیا ہے۔ خود پڑھ لیجئے (۲۲۲/ ۲)۔ یہ ساری شریعت سازی عجمی و عجم زدہ حضرات کی کارستانی ہے کہ وہ خود ایک چیز یا عقیدہ بناتے ہیں اور اس کو منسوب کسی صحابی اور رسول یا اللہ کی طرف کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کو جو افترا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ظالم کہا ہے (۲۱/ ۶، ۱۴۴/ ۶، ۱۷/ ۱۰، ۶۹/ ۱۰، ۳۲/ ۳۹) نیز اللہ تعالیٰ نے کسی کو حلال یا حرام ٹھہرانے کی اجازت نہیں دی ہے۔ یہ بھی اللہ کا کام ہے (۵۹/ ۱۰، ۱۱۶/ ۱۶)

(۴)۔ جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا جب تک غسل کی حاجت والے نہ ہوتے۔ ہمیں قرآن پڑھاتے تھے (بلوغ المرام) اس لئے معلوم ہوا کہ جنبی کو بحالتِ جنابت قرآن کی تلاوت نہ کرنی چاہئے۔ ہاں قرآن سُن سکتا ہے"[۲]

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۶۹ ۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۶۹

غور کیجئے کہ روایت کیا ہے اور اس سے کیا مسئلہ اخذ کر لیا گیا اور اس طرح جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت کر دی۔ اسی کو کہتے ہیں بندہ کی شریعت سازی۔ قرآن کریم میں اس قسم کی کوئی ممانعت نہیں کی گئی بلکہ قرآن مبین / قرآن الحکیم کو تو تمام انسانوں کیلئے ہدایت بنایا گیا۔ وہ صرف مسلمین کی کتاب نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ اگر دنیا کے انسانوں میں سے کوئی غیر مسلم اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھنا چاہتا ہے تو کیا وہ پہلے غسل جنابت کرے گا (پھر ایمان لائے گا) پھر اس قابل ہو گا کہ کتاب اللہ پڑھے! کچھ تو عقل سے کام لو اور عجمیوں کی اندھی تقلید و اتباع چھوڑ دو۔ اللہ تمہیں ہدایت دے گا۔

(۵)۔ اسی طرح "حائضہ کو قرآن پڑھنے کی ممانعت" کے تحت لکھتے ہیں:

"ابن عمرؓ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ حیض والی عورت اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے (رواۃ ترمذی)"[۱]

غور کیجئے کہ جس چیز کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمائی تو کیا رسولؐ اللہ سے آگے بڑھ کر، اس کی ممانعت کر سکتے ہیں؟؟ جب کہ حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے (۴۰/۱۲ وغیرہ)۔ اگر رسولؐ بھی ممانعت کر سکتے ہیں تو پھر تو دو حکم ہو گئے تو (نعوذ باللہ) عجمی پارسیوں کی طرح دو خدا ہو گئے! تو پھر جب آپ ہی کی طرح کا ایک اہل حدیث فرقہ رسول کو عرش پر بٹھا دیتا ہے اور دوسرا حضرت علیؓ کو! تو پھر کیوں برا لگتا ہے اور ان پر بدعت و کفر کا فتویٰ کیوں صادر کر دیا جاتا ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ پھر اقتدار کی جنگ میں انہی بدعتیوں اور کافرین کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اسٹیج پر کھڑے ہو کر فوٹو کھنچوایا جاتا ہے اور اتحاد بین الفرق کا تاثر دیکر عوام کو بیوقوف بنایا جاتا ہے حالانکہ دلوں کی کدورت و منافقت اپنی جگہ موجود رہتی ہے۔ اسٹیج تو محض تقیہ ہوتی ہے۔

کچھ تو رب کی خشیت ہونا چاہئے کہ رسول کو یا عجمیوں کو اللہ کے برابر کر دیا! غور کیجئے کہ حائضہ اور جنبی قرآن سے کچھ نہ پڑھے اور بغیر کلمہ پڑھے اگر مر جائے تو کس کے ساتھ حشر نشر ہو گا؟ آپ کو نہیں معلوم تو جان لیجئے کلمہ بھی تو قرآن ہی کا حصہ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (۳۵/۳۷، ۴۷/۱۹) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (۴۸/۲۹) دونوں ہی قرآنی الفاظ ہیں۔ آپ نے عورتوں کو یہ پڑھنے سے روک دیا! کیا آپ یہود و نصاریٰ، ملحد و بے دین یا سیکولر یا سوشلسٹ و کمیونسٹ کو قرآن ہاتھ میں لینے اور پڑھنے سے روک سکتے ہیں؟ اگر روک سکتے ہیں تو پھر اعلان کر دیجئے کہ قرآن تمام انسانیت کے لئے نہیں بلکہ صرف برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لئے ہے!

(۶)۔ آگے "حائضہ کو نماز، روزہ کی ممانعت" کے تحت لکھتے ہیں:

"ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: کیا نہیں ہے (یہ بات) کہ جب عورت حیض سے ہوتی ہے تو (**بحکم شرع**) نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے (متفق علیہ)"[۲]

غور کیجئے! یہاں بھی وہی اصول سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن حکیم میں منع نہیں فرمایا تو پھر یہ بحکم شرع، کونسی شرع کے مطابق ممنوع ہو گیا؟

آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ جب یہ شرع الٰہی (۴۲/۱۳) کے حکم سے ممنوع قرار نہیں دیا گیا اور رسول، اللہ

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۷۴۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۷۵

سے آگے بڑھ کر (۱/ ۴۹ ، ۲۷/ ۲۱) اس کو ممنوع قرار نہیں دے سکتے تھے تو پھر کس کی شرع نے اسے ممنوع قرار دیا؟ معلوم ہوا کہ موصوف کے نزدیک وہ صاحب بلوغ المرام، شیخ الاسلام حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی صاحب (متوفی ۸۵۲ھ) ہیں۔ چنانچہ وہ اسی کے آگے 'نفاس کا حکم'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''بچے کی پیدائش پر جو خون آتا ہے اسے نفاس کہتے ہیں۔ اس کی اکثر مدت **بلوغ المرام** میں چالیس روز ہے۔ یعنی اگر چالیس روز تک جاری رہے تو اس کا بھی خونِ حیض کی طرح ہی حکم ہے۔ یعنی نفاس والی عورت کو نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، جماع، مسجد کے اندر جانا، کعبہ کا طواف کرنا، قرآن پڑھنا، اور قرآن کا چھونا حرام ہے۔ پاک ہو کر روزہ کی قضا کرے، اور نماز معاف ہے اگر چالیس روز سے خون زیادہ جاری رہے تو وہ استحاضہ ہو گا، جو مانع نماز، روزہ، جماع وغیرہ نہیں ہے''[1]

غور کیجئے یہ ممانعت کس نے کی؟ ایک عجمی شیخ الاسلام صاحب نے! اور دیگر چیزوں کے ساتھ قرآن کا چھونا بھی حرام قرار دیدیا! کہئے یہ حلال و حرام قرار دینے کا کام کس کا ہے؟ (۵۹/ ۱۰ ، ۱۱۶/ ۱۶) یہاں مزید غور کر لیجئے کہ قرآن تو بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (۵۲/ ۱۴) اور اس کے نزول کا مقصد الناس کو گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا ہے (۱/ ۱۴) تو جبکہ عجمی مُلّا نے نفاس والی عورت ہی کو اسے چھونے تک سے منع کر دیا تو پھر غیر مسلم عورت اس کو کیونکر چھو سکتی ہے؟ تو پھر بَلٰغ تو بند ہو گیا، قرآن کے نزول کا مقصد فوت ہو گیا۔ ہاں البتہ عجمی مُلّا کا مقصد پورا ہو گیا! (معاذ اللہ) یہ ہے انسانوں کی بنائی ہوئی شرع یا شریعت! نام ہو رہا ہے شریعت الٰہی کا! اس طرح (شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ۔ ۱۳/ ۴۲) اللہ نے تمہارے لئے شرع (دین کا واضح راستہ) مقرر کیا۔ یہی شریعت الٰہی ہے۔ اس کو کون بدل سکتا ہے؟ اس میں تبدیلی یا کمی بیشی کون کر سکتا ہے؟ اس میں حلال و حرام کون مقرر کر سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ کام آپ کے سلف عجمیوں اور ان کے ایجنٹوں نے کیا۔ (اس کی تفصیل انشاء اللہ کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔ یہاں صرف ان چند زندہ مثالوں ہی پر اکتفا کیجئے) اور اس کو منسوب اِلی اللہ و رسول کر دیا۔ آج انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کو شریعت الٰہی بتایا جاتا ہے۔ اور اِس شریعت کو الکُتب کہا جاتا ہے جیسا کہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے بعض مقامات پر ترجمہ میں کیا ہے (۲/۱۷۴ وغیرہ)۔

آگے موصوف محمد صادق سیالکوٹی صاحب مسواک و وضوء کے ذکر کے بعد ''خصالِ فطرت'' کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فطرت پانچ چیزیں ہیں۔ ۱۔ ختنہ کرنا، ۲۔ زیرِ ناف کے بال مونڈنا، ۳۔ ناخن کاٹنا، ۴۔ بغل کے بال اکھیڑنا اور ۵۔ مونچھ کترانا۔ (صحیح مسلم)''[2] مذکورہ باتیں دین کی ہیں اور سب پیغمبروں کی سنت ہیں۔ اسی لئے حضور انورؐ نے ان پر عمل کرنے کو فرمایا ہے۔ یہ سب باتیں طہارت، صفائی اور ستھرائی کی ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہم کو حکم ہوا مونچھوں کو میٹ دینے کا اور داڑھی کو چھوڑ دینے کا'' (صحیح مسلم)[3]

اب کسی تبصرہ سے پہلے لفظ یا اصطلاح ''فطرت'' پر غور کر لیجئے کہ فطرت یا اَلْفِطْرَةُ کے کیا معنٰی ہوتے ہیں۔ تو

۱۔ ایضاً۔ ص ۷۶۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۸۳۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۸۳۔ ۸۴

لغاتِ عرب کے مطابق اَلفِطرَۃُ کے معنیٰ ہیں: "وہ پیدائشی حالت یا صفت و کیفیت جس پر ہر موجود کا وجود ابتداء سے قائم ہوتا ہے۔ فطرت، نیچر، فطری حالت، فطرت سلیمہ جس میں کوئی عیب داخل نہ ہو۔ قرآن پاک میں ہے: فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا ؕ لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ ؕ (۳۰/۳۰)[1] یعنی اللہ نے انسان کو ایک فطرت پر پیدا کیا اور اس کی تخلیق میں تبدیلی نہیں ہوتی (یہی سیدھا دین ہے)۔ پس فطرت یا نیچر وہ حالت یا کیفیت ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے تو انسان تو بغیر ختنہ کیا ہوا پیدا ہوتا ہے۔ اس کا ختنہ کرانا غیر فطری ہوا۔ دنیا کے کروڑوں انسان غیر مختون پیدا ہوتے ہیں اور ویسے ہی مر جاتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ختنہ کرانے سے صفائی ستھرائی بہتر ہو سکتی ہے۔ مگر یہ صرف مسلمانوں کی شناخت نہیں۔ کروڑوں انسان، یہود و نصاریٰ و لامذہب بھی صفائی کی خاطر اپنے بچوں کا ختنہ کرادیتے ہیں۔ یہ صرف برصغیر پاک و ہند ہی کی خصوصیت تھی کہ ختنہ مسلمانوں کی شناخت تھا۔ حالانکہ یہ بالکل غیر فطری عمل تھا۔

عجمیوں نے تو اتنا ظلم کیا کہ حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ کو بڑھاپے کی اسّی ۸۰ سال کی عمر میں ان کے اپنے بسولہ (بڑھئیوں کا ایک اوزار) سے ختنہ کرادیا[2]! غور کیجئے کہ اگر یہ بات، بقول روایت کے، دین کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے دوست کو یہ بات بچپن یا جوانی میں کیوں نہیں بتائی کہ ان کو بڑھاپے میں اتنی تکلیف اٹھانی پڑی!

نیز اگر ختنہ بھی دین کی بات ہے اور سب پیغمبروں کی سنت ہے اسی لئے حضور انور نے اس پر عمل کرنے کا فرمایا۔ اگر حضور نے ایسا کیا تو پھر تو آپ کی بعثت کے بعد تیئیس ۲۳ سالوں میں کوئی مثال ایسی بتا دیجئے کہ رسول انور نے اسلام قبول کرنے کے بعد کسی صحابی سے ختنہ کرانے کا فرمایا ہو؟ اگر آپ ایسا فرماتے تو آپ کی تبلیغ کے آخری ایام میں جب لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہو رہے تھے (۱۱۰/۲) تو فوج در فوج یا صف بہ صف ختنہ کرا کر لیٹے ہوئے نظر آتے! کہئے آپ کی عقل شریف میں کچھ آیا کہ یہ فطری بات نہیں۔ اور تو اور ظالموں نے، مسلمان عورتوں کا بھی ختنہ کرانا شروع کیا ہوا ہے حالانکہ وہاں مردوں کی طرح غیر ضروری کھال بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے زیرِ ناف بال مونڈنا بھی غیر فطری عمل ہے یونکہ انسان تو بغیر ان کے ہی پیدا ہوتا ہے دنیا کے کروڑوں انسان پوری زندگی گزار کر، بغیر زیرِ ناف بال صاف کئے دنیا سے چلے جاتے ہیں۔ وہ ایک فطرت کے بعد دوسری فطرت کو بھی برحق مانتے ہیں یعنی پہلی فطرت کے بغیر زیرِ ناف بال کے پیدا ہوتے ہیں اور دوسری فطرت کہ جوانی میں زیرِ ناف بال اُگ آتے ہیں۔ بلکہ ایک مذہب والے تو اپنے جسم کے کہیں کے بھی بال نہیں کٹواتے یونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ قدرتی امر یا فطرت ہے ہاں ناخن کاٹنا یا ترشوانا تو محض حفظانِ صحت و صفائی کے لئے کیا جاتا ہے۔

بغل کے بال اکھیڑنا۔ یہ ایک تکلیف دہ عمل ہے۔ اس لئے کوئی اہل حدیث بھی شاید ایسا کرتا ہو ورنہ تو سب ہی بغل کے بال مونڈتے ہیں۔ یہ بھی غیر فطری عمل ہے یونکہ انسان بغیر ان غیر ضروری بالوں کے پیدا ہوتا ہے تو پھر جب یہ اُگ آئیں تو ان کا اُگنا بھی تو ایک فطری عمل ہے تو ان کو اکھیڑنا سوائے حفظانِ صحت و صفائی کے کیوں کر ضروری ہو سکتا ہے۔ پھر اس پر بھی غور کیجئے کہ بغل کے بال اکھیڑے جائیں تو سر یا زیرِ ناف وغیرہ کے بال مونڈے جائیں یا ترشوائے جائیں تو یہ تفریق کیوں کہ ایک تکلیف دہ عمل بغل کے لئے اپنایا جائے!

---

[1] القاموس الوحید۔ تالیف وحید الزماں قاسمی صاحب کیرانوی۔ ادارہ اسلامیات لاہور۔ کراچی۔ اشاعت اول جون ۲۰۰۱ زیر لفظ ف۔ ص ۱۲۴۲۔۔۔[2] بخاری شریف

اسی طرح مونچھ کتروانا یامنڈوانا بھی غیر فطری عمل ہے یونکہ انسان بغیر ان کے پیدا ہوتا ہے۔ پھر یہ بات فطری ہے کہ مونچھیں جوانی میں اُگ آتی ہیں تو اب اس فطرت کا قتل کیوں؟

لیکن اس سے زیادہ اہم بات یہ کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب روایت کے مطابق مونچھوں کو میٹ دینے یعنی مونڈ دینے کا حکم ہوا اور داڑھی کو چھوڑ دینے کا!

غور کیجئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کے مطابق مونچھیں صرف کترانا ہیں اور حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت کے مطابق مونچھیں منڈانا ہے۔ تو پھر دونوں میں سے کون صحیح ہے؟؟ جبکہ دونوں ہی غیر فطری عمل ہیں!

اب غور کیجئے داڑھی چھوڑ دینے کا معاملہ، تو یہ بھی غیر فطری عمل ہے یونکہ انسان تو بغیر داڑھی مونچھ کے پیدا ہوتا ہے۔ صرف سر پر بال ہوتے ہیں۔ تو پھر انسان کو اسی فطری حالت میں رہنا چاہیئے کہ داڑھی مونچھ دونوں ہی صاف رکھے جس طرح بغل اور زیر ناف بال صاف رکھتا ہے اس میں زیادہ حفظان صحت اور صفائی ستھرائی رہتی ہے۔ مگر اہل حدیث کے نزدیک ایسا نہیں وہ داڑھی چھوڑے رہنے پر بہت زور دیتے ہیں یعنی وہ اسے خوبصورت بنانے کے بھی قائل نہیں بلکہ قدرتی طور پر، بے ہنگم بڑھتے رہنے کے قائل ہیں جبکہ دوسری طرف ان کے ہمنوا یہود و سکھ ہیں، جو پھر بھی اسے گوندھ کر، کنگھی کرکے، یا باندھ کر خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ Wild growth نہ لگے۔

یہ بڑھی ہوئی داڑھی کا ایک اور فائدہ بھی ہے کہ لڑائی جھگڑے کے دوران داڑھی پکڑ کر لپّاڈگی شروع ہو جاتی ہے۔ آخر کو یہ بھی تو دو پیغمبروں کی سنت ہے۔ (۲۰/۹۴) اسی لئے تو عجمیوں نے مسلمانوں کے لئے داڑھی کو سنت مؤکدہ، واجب اور فرض قرار دے دیا!

غور کیجئے کہ اگر داڑھی رسولوں کی سنت ہے (یعنی فرض کے بعد کا درجہ) یا فرض ہے، تو پھر دو پیغمبروں کی داڑھی کی کھینچا تانی پر تو اللہ تعالیٰ کو بہت ناراض ہو جانا چاہیئے تھا اور ان کی بہت سختی سے سرزنش کرنا چاہیئے تھا کہ او ہو تم لوگوں نے اس تقدس کو پامال کر دیا! اور دوسروں کے لئے ایک اور نئی سنت بنا دی کہ جب ناراض ہوں تو ایک دوسرے کی داڑھی پکڑ کر لپّاڈگی شروع کر دیں! یہ کیا کیا؟ مگر اللہ تعالیٰ نے اس طرف ذرا بھی اشارہ تک نہیں کیا! کیوں؟ محض اس لئے کہ یہ بھی فطرت ہے کہ اکثر انسانوں کی جوانی میں داڑھی مونچھ آ جاتی ہے اب یہ ان پر منحصر ہے کہ وہ رکھیں یا مونڈیں۔ یہ اپنی اپنی طبیعت اور معاشرہ کے ماحول کی بات ہے۔ آخر دنیا میں کچھ ایسے خطے بھی ہیں کہ وہاں کے کروڑوں انسانوں کے داڑھی مونچھ آتی ہی نہیں! اب بتایئے وہ اہل حدیثوں کی سنت کیسے پوری کریں؟ یہ تو بس عجمیوں کا چلایا ہوا چکر ہے کہ انہوں نے سارا اسلام صرف داڑھی اور شلوار یا پتلون کے پانچوں میں رکھ دیا ہے! اب ذرا اس بات پر بھی غور کر لیجئے کہ فطرت کی بات اللہ تعالیٰ نے کی، اس کے رسول نے کی............ حتیٰ کہ کسی نہ کسی طرح عجمیوں نے بھی کی۔ مگر برصغیر میں جب سرسید احمد خان صاحب نے فطرت کی بات کی تو ان کو نیچری کے القاب سے اور کفر والحاد کے فتوؤں سے نوازا گیا! یہ ہے عجمیوں کا کھیل!

پیچھے آپ جناب صادق سیالکوٹی صاحب کا تحریر کردہ مسئلہ پڑھ چکے کہ (۱)۔ جنبی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا اور حائضہ عورت کا مسجد میں داخلہ حرام ہے۔ اور (۲)۔ جنبی کو قرآن پڑھنے کی ممانعت ہے۔ اب ذرا ان کے مخالف مسئلوں پر بھی نظر ڈال لیجئے۔ چنانچہ "جنابت کی حالت میں تیمم" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”عمرانؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم رسولِ خدا کے ساتھ سفر میں تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے پھرے، تو اچانک آپؐ کی نظر ایک آدمی پر پڑی (یعنی صحابیؓ پر نظر پڑی۔ کسی اہل حدیث آدمی پر نہیں۔ صدیق) جو لوگوں سے الگ بیٹھا ہوا تھا اور اس نے لوگوں (یعنی صحابہؓ کے ساتھ نماز (بھی) نہ پڑھی تھی۔ رسولؐ خدا نے (اس کو) فرمایا۔ اے فلاں! لوگوں کے ساتھ نماز پڑھنے میں تجھے کس چیز نے روکا؟ اس نے کہا۔ مجھے جنابت پہنچی اور پانی نہ مل سکا۔ فرمایا حضور ﷺ نے، لازم ہے تجھ پر مٹی (تیمم کے لئے) پس وہ تیرے لئے کافی ہے (بخاری۔ مسلم)“[1]

غور کیجئے، پیچھے ”جنبی مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا“ والی روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے یہی کہا تھا کہ اس قسم کی روایت صحیح نہیں ہو سکتی یونکہ اللہ تعالیٰ نے نہ ہی جنبی کو اور نہ ہی حائضہ کو مسجد میں آنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ اور یہ بات اس روایت میں ثابت ہو گئی کہ کسی وجہ سے غسل یا وضوء نہ کر سکنے کی صورت میں تیمم کر کے (نہ صرف مسجد میں جایا جا سکتا ہے بلکہ) نماز بھی پڑھی جا سکتی ہے اور جماعت میں بھی شریک ہوا جا سکتا ہے۔ کہئے عجمیوں کے کمال کا کچھ اندازہ ہوا!

اس روایت کے فُٹ نوٹ میں موصوف فرماتے ہیں: ”رسولؐ اللہ فرماتے ہیں: پاک مٹی مسلمان کا وضو ہے اگرچہ دس برس پانی نہ پائے“ (ترمذی)[2] غور کیجئے!

آگے موصوف ایک لمبی سی روایت تحریر فرماتے ہیں:

ترجمہ: ”حضرت جابرؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم سفر میں نکلے تو ہم میں سے ایک شخص (یعنی صحابیؓ۔ صدیق) کو پتھر لگا اور اس کے سر میں زخم کر ڈالا۔ پھر اس کو احتلام ہو گیا (جس سے حاجت نہانے کی ہوئی)۔ اس نے اپنے رفقاء سے دریافت کیا، کہ کیا آپ میرے لئے شریعت میں تیمم کی رخصت پاتے ہیں؟ انہوں نے کہا ہم تیرے لئے کوئی رخصت نہیں پاتے کیونکہ تو پانی پر قادر ہے (یعنی پانی موجود ہے، پھر تیمم کیسا؟ پھر وہ زخمی نہایا اور مر گیا۔ پھر جب ہم لوٹ کر رسولِ خدا کے پاس آئے تو حضور اس امر سے مطلع ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا۔ مارا اس کو لوگوں نے، مارے اللہ ان کو، کیوں نہ پوچھا انہوں نے (مسئلہ) جب خود نہ جانتے تھے۔ سوائے اس کے نہیں کہ (مرض) نادانی کی شفا پوچھنا ہے۔ یقیناً کفایت کرتا (مرنے والے کو) یہ کہ تیمم کرتا۔ اور اپنے زخم پر پٹی باندھتا، پھر اس پر مسح کرتا اور اپنا (باقی بدن دھو ڈالتا۔ (ابوداؤد)[3]

اسی تسلسل میں آگے موصوف لکھتے ہیں:

”اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کمزور یا بیمار آدمی کو احتلام ہو جائے۔ اور غسل کرنا (خاص کر سردیوں میں) اس کے لئے موجبِ مرض یا باعث ازیاد مرض دکھائی دے تو اسے تیمم کر کے نماز پڑھ لینی چاہئے، نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ زخموں اور پھوڑوں وغیرہ کی پٹی پر مسح کر لینا درست ہے۔ اور محتلم، حائض اور نفاس والی عورتیں بھی بوقتِ ضرورت تیمم کر کے نماز وغیرہ پڑھ سکتی ہیں۔ اس لئے کہ تیمم عذر کی حالت میں وضو اور غسل دونوں کے قائم مقام ہے“[4]

---

[1] صلوٰۃ الرسول از صادق سیالکوٹی صاحب۔ ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔۔۔ [2] ایضاً ص ۱۱۲۔۔۔ [3] ایضاً ص ۱۱۳۔ ۱۱۴۔۔۔ [4] ایضاً ص ۱۱۴

اب ذرا غور کیجئے کہ اس روایت جابرؓ نے کیا کیا عقدے کھول دیئے:

(۱)۔ صحابہؓ کو غسل و تیمم کا مسئلہ معلوم نہیں تھا۔ یہ ہے عجمیوں کا کمال کہ ان کو حدیث یعنی وحی پہنچی ہی نہیں!

(۲)۔ عجمیوں کا دوسرا کمال دیکھئے کہ، چونکہ غسل کرنے سے ان زخمی و محتلم صحابی کا انتقال ہو گیا، وہی بات انہوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ سے بھی کہلوا دی! کہ "باقی بدن دھوڈالتا"۔ تو پھر تیمم کا کیا فائدہ؟

(۳)۔ موصوف اب خود یہ بات مان رہے ہیں کہ اگر کسی کمزور یا بیمار کو احتلام ہو جائے اور غسل کرنا (خاص کر سردیوں میں) اس کے لئے موجبِ مرض یا باعثِ ازدیاد مرض دکھائی دے تو اسے تیمم کرکے نماز پڑھ لینی چاہئے۔ یعنی تیمم کرکے محتلم یا جنبی نماز پڑھ سکتا ہے۔

(۴)۔ محتلم، حائض اور نفاس والی عورتیں بھی بوقتِ ضرورت تیمم کرکے نماز وغیرہ پڑھ سکتی ہیں۔ یعنی پیچھے والی روایت محض گھڑنت تھی یونکہ جب اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا تو رسولؐ بھی منع نہیں کر سکتے تھے۔

(۵)۔ جب جنبی یا حائضہ تیمم کرکے نماز پڑھ سکتی ہے تو کیا نماز میں قرآن نہیں پڑھا جائے گا یا صرف غیر قرآنی لفظ آمین، آمین پڑھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ نماز میں قرآن ہی پڑھا جائے گا تو پھر جنبی یا حائضہ کو قرآن پڑھنے کی ممانعت کہاں ہوئی؟ ثابت ہوا کہ موصوف کا عقیدہ غلط ہے۔

ثابت ہوا کہ پیچھے کی روایتیں عجمیوں کی گھڑنت تھیں اور اس طرح ایک (نام نہاد) حدیث سے دوسری (نام نہاد) حدیث کی تردید ہو گئی۔ جبکہ ہم تو اس کی تردید قرآن کریم سے کرتے ہیں کہ قرآن کریم نے اس طرح کی ممانعتیں نہیں کی بلکہ یہ عجمیوں کا کمال ہے کہ اس طرح انہوں نے قرآن کریم، نماز، روزہ سب ہی سے روک دیا!

صلوٰۃ سے پہلے کے متفرقات تو موصوف نے بہت تفصیل سے لکھ دیئے، جو میں سارے کے سارے نقل نہیں کر سکتا یونکہ میں کوئی ان کا جواب یا رد نہیں لکھ رہا، بلکہ میں تو خاص مقامات کی طرف اپنے قارئین کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ موصوف نے بھی اذان کے مسائل بیان کئے ہیں ان میں دلچسپ چیز یہ ہے کہ اذان کے بعد کی دعائیں انہوں نے بھی وہی دو لکھی ہیں جو استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے لکھی ہیں: پہلی درود شریف (جس پر تبصرہ پیچھے صلوٰۃ المسلمین کے ذکر میں گزر چکا ہے) اور دوسری رسول کو وسیلہ اور مقام محمود عطا کرنے کی دعا۔ لیکن انہوں نے "وسیلہ کی تشریح" اور "مقام محمود" کی سرخیاں بھی لگائی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

**وسیلہ کی تشریح:** "وسیلہ کے متعلق خود حضورِ انورؐ فرماتے ہیں:

ترجمہ: پس تحقیق وسیلہ ایک درجہ ہے بہشت میں۔ نہیں لائق۔ مگر واسطے ایک بندہ کے بندگانِ خدا سے۔ اور امید رکھتا ہوں میں کہ ہوں میں وہ بندہ۔ پس جس نے مانگا (خدا سے) میرے لئے وسیلہ (بذریعہ دعائے اذان) واجب ہوئی اس کے لئے شفاعت۔

حضورؐ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ بہشت کے ایک بلند و بالا درجہ کا نام وسیلہ ہے، اور وہ صرف ایک ہی بندہ کو ملنا ہے۔ حضور انورؐ اپنی امت کو فرماتے ہیں۔ سَلُوا اللّٰہَ لِیَ الْوَسِیلَةَ (مسلم شریف)۔ کہ تم اللہ سے میرے لئے مانگو (وہ) وسیلہ!"[1] (مسلم شریف)

---

[1] ایضاً ص ۱۶۳۔۱۶۴

غور کیجئے کہ وسیلہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی کہ یہ ایک درجہ ہے بہشت میں، بلکہ شاید یہ بات عجمیوں نے گھڑ کر رسولؐ کی طرف منسوب کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے وسیلہ کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ: مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب تلاش کرو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تمہارا بھلا ہو" (۵/۳۵) " (ترجمہ: جناب محمد جوناگڑھی صاحب)

۲۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾

ترجمہ: جنہیں یہ لوگ پکارتے ہیں خود وہ اپنے رب کے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون زیادہ نزدیک ہو جائے وہ خود اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے خوفزدہ رہتے ہیں (بات بھی یہی ہے) کہ تیرے رب کا عذاب ڈرنے کی چیز ہی ہے" (۱۷/۵۷) (ترجمہ جناب محمد جوناگڑھی صاحب)

غور کیجئے! دونوں آیات میں لفظ الوسیلہ کا ترجمہ قُرب یا تقرب کیا گیا ہے۔ یہ کہیں بھی بہشت کا درجہ یا مقام نہیں بتایا گیا۔ اور قرآن کریم میں یہ لفظ الوسیلہ صرف انہی دو آیات میں استعمال ہوا ہے۔ آپ کے خیال یا عقیدہ میں کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کریم نہیں پڑھا تھا اور ان کو اس لفظ الوسیلہ کے معنیٰ نہیں معلوم تھے (نعوذ باللہ) جو وہ ایسی بات کرتے کہ یہ بہشت میں ایک درجہ ہے؟ ظاہر ہے کہ قرآن کے مخالف وزائد از قرآن ان کا بیان نہیں ہو سکتا۔ یہ عجم کی ہی گھڑنت ہو سکتا ہے، انہی لوگوں کی جو اللہ کے علاوہ غیر اللہ اور اس کے ان بندوں کو (مدد کے لئے) پکارتے ہیں جو اس دنیا میں نہیں رہے یعنی اماموں، پیروں، فقیروں (خود ساختہ) ولیوں کو۔ وہ تو خود اللہ کے محتاج تھے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے جستجو میں رہتے تھے، جد وجہد کرتے رہتے تھے۔ ان میں سے کس کس نے اللہ کا قرب حاصل کیا یہ تو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتا ہے۔ ہم کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے سوائے صحابہؓ کے جن سے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کا سرٹیفکٹ قرآن کریم میں نازل کیا ہوا ہے (۵/۱۱۹ ، ۹/۱۰۰ ، ۴۸/۱۸ ، ۵۸/۲۲ ، ۹۸/۸) لیکن انہیں بھی (مدد کے لئے) پکارا نہیں جا سکتا۔

آگے "مقامِ محمود" کی سرخی کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"مُقام محمود مقام شفاعت کا نام ہے۔ جب حضورؐ خدا کے اذن سے اس مقام پر کھڑے ہوں گے تو تمام نبیوں، رسولوں اور خلق کی زبان پر حضور سید البشر ﷺ کی تعریف و ستائش ہو گی اسی لئے اس مقام کو مقام محمود کہا جاتا ہے"[۱]۔

غور کیجئے کہ موصوف اس دنیا میں **محمد کو مقامِ محمود** پر نہیں مان رہے! وہ اس انتظار میں ہیں کہ نعوذ اللہ محمد ابھی کسی کمتر مقام پر ہیں وہ اہل حدیثوں کی دعاؤں (بالخصوص دعاء اذان) کے طفیل مقام محمود پر پہنچائے جائیں گے! اللہ تعالیٰ ایسے گھٹیا عقیدہ سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے۔

آگے "مسجد میں باوضو جانا حج کو جانا ہے" کی سرخی کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۶۴

ترجمہ: "ابی امامہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو شخص نکلتا ہے اپنے گھر سے باوضو ہو کر قصد کرنے والا طرف مسجد کے، نماز فرض ادا کرنے کے لئے، پس ثواب اس کا مانند ثواب حج کرنے والے احرام باندھنے والے کے ہے" (ابو داؤد)[1]

غور کیجئے! صرف وضوء کر کے گھر سے مسجد کا قصد کیجئے اور نماز فرض ادا کیجئے، اب آپ کو حج کرنے کی ضرورت نہ رہی!

مگر ٹھہریئے! اب موصوف کی تنبیہ بھی پڑھتے چلئے:

تنبیہ: "جن پر بیت اللہ کا حج فرض ہو چکا ہے۔ جب تک وہ وہاں جا کر حج نہ کریں، ان سے فرضیت ساقط نہ ہو گی۔ خواہ وہ پوری عمر باوضو ہو کر پانچوں نمازیں مسجد میں جا کر پڑھتے رہیں۔ اس لئے خدا کی بخشش اور اجر و ثواب کی فراوانی سے کسی قسم کی غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیئے"[2]

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ارشاد مبارک، حدیث شریف کو موصوف نے کس خوش اسلوبی سے تنبیہ لکھ کر ردّ کر دیا۔ کہاں اللہ کا رسول اور کہاں ایک عجم زدہ، مقلد وذہن پرست اہل حدیث؟ چہ نسبت!

کہئے یہ عجمی لطیفہ کیسا رہا!

صلوٰۃ سے پہلے کے متفرقات کے بعد اب صلوٰۃ کی بات کرتے ہیں۔ چنانچہ موصوف اپنے پیش رس ہی میں "جبرائیل کی امامت نماز" کا عنوان قائم کر کے تحریر فرماتے ہیں:

"ابو داؤد اور ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

**اَمَّنِی جِبرائیل عِندَ البَیتِ**۔ خانہ کعبہ کے پاس جبرائیل علیہ السلام نے میری امامت (نماز) کی۔ حضور آگے فرماتے ہیں۔ **فَصَلّٰی بِیَ الظُّھر**، پس نماز پڑھائی مجھ کو ظہر کی......... **وَصَلّٰی بِیَ العَصر**، اور نماز پڑھائی مجھ کو عصر کی......... **فَصَلّٰی بِیَ المَغرب**، اور نماز پڑھائی مجھ کو مغرب کی......... **وَصَلّٰی بِیَ العِشَاءَ**، اور نماز پڑھائی مجھ کو عشاء کی......... **وَصَلّٰی بِیَ الفجر**، اور نماز پڑھائی مجھ کو فجر کی"[3]۔

غور کیجئے کہ ایک خادم کو صلوٰۃ کا امام بنا دیا! یہ وہ خادم ہے جس نے حضرت آدم سلامٌ علیہ کے سامنے سجدۂ خدمت کیا۔ جس سے اس کی سرتابی نہیں۔ اب اس کا درجہ بلند ہو گیا کہ وہ نبیٔ آخر الزماں، خاتم النبیین سلامٌ علیہ کا (پیش) امام ہو گیا! اس کا قرآنی نام جبریل تبدیل ہو گیا (جبکہ گرامر کے مطابق کسی کا بھی نام تبدیل نہیں ہو سکتا یونکہ وہ اسم خاص ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ کا اسم خاص واسم ذات تبدیل نہیں ہو سکتا۔ اللہ کا ترجمہ خدا کرنا صحیح نہیں۔ یونکہ یہ عجمی لفظ ہی نہیں بلکہ عجمی پارسیوں کا عقیدۂ دو خدا تھا۔ جو لوگ خدا کہنے اور لکھنے پر بحث کرتے ہیں وہ یقیناً عجم زدہ یا عجمی ذہن پرستی میں مبتلا ہیں!) کہ اب اسے جبرئیل لکھا جانے لگا اور پکارا جانے لگا نیز اس کے نام کے ساتھ علیہ السلام بھی لکھا اور بولا جانے لگا! جو کہ رسل / انبیاء کے اسمہائے گرامی کے ساتھ مخصوص طور پر لکھا اور بولا جاتا ہے۔ تو اس خادم رُسل کو یہ مقام کس نے دیا کہ انبیاء ورُسل کے برابر کر دیا اور خاتم النبیین کا امام صلوٰۃ بنا دیا؟ غور کیجئے آگے صلوٰۃ کے بارے میں "نماز کے اوصاف اور قواعد کا بیان" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

[1] ایضاً۔ ص ۱۷۳۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۷۳، ۱۷۴۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۳۱

"حضور ﷺ نے فرمایا:

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ (بخاری)

نماز پڑھو (اس طرح) جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

پس ثابت ہوا کہ نماز حضورؐ انور کے طریقے اور نمونے کے مطابق ہونی چاہئے۔ ہم جس قدر نماز کو زیادہ سنوار کر بڑے اطمینان اور آرام سے خاص محبت اور پیار سے، حضور اکرم کی تمام سنتوں سے مزیّن اور آراستہ کر کے پڑھیں گے اتنی ہی زیادہ مقبول و منظور ہو گی۔ اور خدا کو اتنا ہی زیادہ خوش کرے گی خود خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَمَا آتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ۔ پ ۲۸

اور (تمہارے عمل کے لئے) جو (طریقہ دے تم کو رسولؐ (اپنے قول و فعل سے) پس اختیار کرو اس کو"[۱]۔

اب ذرا موصوف کی عبارت پر غور کر لیجئے:

(۱)۔ تقریباً، تمام مؤلف یا مصنف صلوٰۃ رسول کی حدیث کے اس ٹکڑے ہی کو پیش کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے معرکہ مار لیا اور رسول سے پوری صلوٰۃ نقل کر دی۔ حالانکہ، میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ، حدیث شریف کا یہ ٹکڑا صرف دیکھنے تک محدود ہے کہ جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے **دیکھتے ہو**۔ اس میں کہیں یہ نہیں کہ صلوٰۃ میں کیا پڑھنا ہے صرف دیکھ لو کہ قیام، رکوع، سجود، جلسہ وغیرہ کس طرح کرنا ہے۔ تو صرف دیکھ لینے سے صلوٰۃ پڑھنا نہیں آتی۔ اس لئے موصوف بلکہ تمام مؤلفین و مصنفینِ صلوٰۃ کی یہ دلیل کارگر نہیں ہوتی۔ ادھوری رہتی ہے اور رسولی صلوٰۃ نہیں سکھاتی۔ اور یہ سوال کہ حدیث کے بغیر صلوٰۃ کیسے پڑھو گے بیکار بلکہ احمقانہ ہو جاتا ہے۔

(۲)۔ آگے موصوف نے اپنے آپ کو حق ثابت کرنے کے لئے ایک آیت کے ٹکڑے کا سہارا لیا ہے جس طرح اوپر (نام نہاد) حدیث کے ٹکرے کا سہارا لیا تھا! اور آیت کے اس ٹکڑے میں تحریف معنوی کر کے انہوں نے مسلمانوں کو بیوقوف بنانے کا کام کیا ہے۔ پہلے دیکھئے کہ آیت کریمہ کیا ہے اور کس چیز کے متعلق ہے لیکن اسے سمجھنے کیلئے پہلے منافقین کا رویّہ جو سورہ التوبہ میں بیان ہوا ہے وہ پڑھ لیجئے:

ترجمہ: "اور (اے رسول) ان میں بعض ایسے بھی لوگ ہیں جو (تقسیم) صدقات (کے سلسلہ) میں آپ پر (ناانصافی کا) الزام لگاتے ہیں، اگر صدقات میں سے انہیں (ان کی مرضی کے مطابق) مل جائے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر (ان کی مرضی کے مطابق) ان کو نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں ○ اگر وہ اتنے ہی مال سے راضی ہو جاتے جو ان کو اللہ اور اس کے رسول نے دیا تھا اور (اس طرح) کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول پھر کبھی ہمیں اور دے دیں گے، ہم تو اللہ ہی سے امید لگائے بیٹھے ہیں (تو ان کے لئے بہتر ہوتا) ○ (۵۸۔۵۹/۹)

اب پڑھئے سورہ الحشر کی کم از کم تین آیات جن میں سے ٹکڑا دیگر موصوف نے معنوی تحریف کی ہے:

ترجمہ: " اور (اے ایمان والو) جو مال اللہ نے اپنے رسول کو (بغیر لڑائی کے) دلوایا ہے (اس میں تمہارا کوئی

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۷۹۔۱۸۰

حق نہیں، اس لئے کہ) تم نے اس کے لئے نہ گھوڑے دَوڑائے اور نہ اونٹ۔ اللہ جن لوگوں پر چاہتا ہے اپنے رسولوں کو (بغیر لڑائی) کے تسلط دے دیا کرتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ⑥

ان بستی والوں سے جو مال اللہ نے اپنے رسول کو (بغیر لڑائی کے) دلوا دیا ہے وہ اللہ کا، رسول کا، قرابت داروں کا، یتیموں کا، مسکینوں کا اور مسافروں کا (حق) ہے (یہ حکم اس لئے دیا جارہا ہے) تاکہ یہ (مال و متاع تم میں جو مالدار ہیں انہی کے درمیان نہ گھومتا رہے اور (اے ایمان والو!) جو کچھ رسول تمہیں دیا کریں وہ لے لیا کرو اور جن چیزوں سے روک دیا کریں (ان سے) رُک جایا کرو، اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ (بہت) سخت عذاب دینے والا ہے ⑦

(اور اے ایمان والو! یہ مال) ان محتاج مہاجرین کا بھی حق ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے، جو (ہمہ اوقات) اللہ کے فضل اور (اس کی) رضاء کے متلاشی رہتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مدد بھی کرتے رہتے ہیں، یہی لوگ سچے ہیں ⑧" (۶، ۷، ۸/۵۹)[1]

اگلی دو آیات بھی یہی مال کے بارے میں بتارہی ہیں کہ یہ مال فئے انصار اور ان سے بعد میں ایمان لانے والے مسلمین کے لئے بھی ہے۔ (۹۔۱۰/۵۹)

غور کیجئے کہ سورہ التوبہ کی آیات، صدقات ان کے مرضی کے مطابق نہ ملنے پر منافقین رسول سلامٌ علیہ پر ناانصافی سے تقسیم کا الزام لگاتے تھے۔

اور یہ سورہ الحشر کی آیات مال فئے (یعنی جو مال و متاع بغیر لڑائی کئے ہوئے قبضہ میں آجائے) کی تقسیم پر منافقین کے اعتراضات کی طرف واضح اشارہ کررہی ہیں کہ جن کو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس مال فئے میں سے نہیں دیا وہ ناراض ہوگئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بتادیا کہ یہ مال فئے میں سے کس کس کا حق ہے، اور اسی لئے یہ حکم دیا کہ رسول تمہیں جو کچھ مال دے دیا کریں وہ راضی خوشی لے لیا کرو اور جس مال کو دینے سے منع کردیں اس پر بھی راضی خوشی رہا کرو۔ ضد بحث نہ کرو کہ یہ بھی ہمیں ہی ملنا چاہئے۔ لیکن یہ کس کو ملنا چاہئے یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

بہر حال، آیت کریمہ کے ٹکڑے کا وہ ترجمہ جو موصوف نے بگاڑ کر کیا ہے ہر گز نہیں بنتا۔ بلکہ وہ واضح طور پر معنوی تحریف ہے! آیت کریمہ صرف اور صرف مال فئے کی تقسیم سے متعلق ہے یہ نہ تو (نام نہاد) احادیث دینے سے متعلق ہے اور نہ ہی عمل کے لئے کوئی طریقہ اپنے قول و فعل سے دینے کے متعلق ہے۔ اس لئے اس کا صلوٰۃ کی ادائیگی سے بھی کوئی تعلق نہیں۔ موصوف یا تو قرآن کریم سے بالکل ناواقف تھے یا پھر بہت ہوشیار کہ آیت کے ٹکڑے کی تحریف معنوی کرکے اپنے عجمی یا عجم زدہ مؤقف کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس طرح نہ جانے کتنے لاعلم لوگوں کو گمراہ کیا ہے! استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے اپنے اہل حدیث عقیدہ، کہ رسول نے قرآن کی تشریح یا تفسیر کی تھی، کے مطابق صدی کی یا صدیوں کی لاجواب کوشش کرکے تفسیر قرآن عزیز تالیف کی تھی جو یقیناً ایک معرکتہ الارا کاوش ہے۔ مگر اس میں بھی وہ سورہ الحشر کی ان آیات میں اس قسم کی کوئی (نام نہاد) حدیث شریف نہ لکھ سکے جس سے یہ ثابت ہو کہ آیات (نام نہاد) احادیث دینے سے متعلق ہیں یا صلوٰۃ کی ادائیگی سے متعلق ہیں۔ جبکہ عام طور پر ہمارے

---

[1] اوپر کی پانچوں آیات کے تراجم جناب مسعود احمد صاحب کے ہیں۔

نام نہاد علما و مفسرین آیت کو اس ٹکڑے سے یہی دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ ٹکڑا احادیث دینے کے بارے میں ہے!

اوپر کی درج شدہ تحریف معنوی کے بعد موصوف "رسول اللہ ﷺ کی نماز کا طریقہ" کے عنوان کے تحت نماز کی نیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"اور نیت چونکہ دل سے تعلق رکھتی ہے، اس لئے زبان سے ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور نیت کا زبان سے ادا کرنا نہ ہی رسولؐ پاک کی سنت سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے"[1]۔

اس کے بعد سرخی لگا کر لکھتے ہیں:

"نماز رسولؐ کے اس طریقہ پر گیارہ صحابیوں کی شہادت"

ترجمہ: حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے دس صحابہؓ (کی جماعت) میں کہا کہ میں تم (سب) سے رسول اللہ ﷺ کی نماز کے طریقے کو خوب جانتا ہوں۔ کہا صحابہ رضی اللہ عنہم نے پھر بیان کیجئے (ہمارے رُوبرو نمازِ رسولؐ کو) ابو حمید نے کہا (سنو) کہ جب رسولِ خدا ﷺ نماز کی طرف کھڑے ہوتے تھے، (تو) اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاتے یہاں تک کہ ان کو مونڈھوں کے برابر کرتے۔ پھر تکبیر کہتے۔ پھر قرآن پڑھتے پھر تکبیر کہتے، (رکوع کے لئے) اور اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ ان کو اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ پھر رکوع کرتے اور رکھتے دونوں ہتھیلیاں اپنی اپنے گھٹنوں پر پھر سیدھی کرتے کمر، پس نہ جھکاتے سر اپنا اور نہ بلند کرتے۔ (یعنی پیٹھ اور سر ہموار رکھتے) اور پھر اُٹھاتے سر اپنا (رکوع سے) پس کہتے (سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ) پھر اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ ان کو اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ درحالیکہ سیدھے کھڑے ہوتے (قومہ میں) پھر کہتے اللہ اکبر۔ پھر جھکتے زمین کی طرف سجدے کے لئے۔ پس دُور رکھتے اپنے دونوں ہاتھ اپنے دونوں پہلوؤں سے، اور اپنے دونوں پاؤں کی انگلیاں کھولتے (کہ انگلیوں کے سر قبلہ رُخ ہوتے) پھر اپنے سر سجدہ سے اُٹھاتے اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا (یعنی بچھا لیتے) پھر اس پر بیٹھتے، پھر سیدھے ہوتے یہاں تک کہ پھرتی ہر ہڈی طرف اپنے ٹھکانے کے، درحالیکہ برابر ہوتی (یعنی بڑے اطمینان سے جلسہ میں بیٹھتے) پھر سجدہ کرتے (دوسرا) پھر کہتے اللہ اکبر۔ اور اُٹھتے اور موڑتے بایاں پاؤں اپنا۔ پھر بیٹھتے اس پر (جلسہ استراحت کرتے) پھر اعتدال کرتے دلجمعی سے، یہاں تک کہ پھر آتی ہر ہڈی اپنے ٹھکانے پر، پھر کھڑے ہوتے، پھر اسی کی مانند دوسری رکعت میں کرتے۔ پھر جب کھڑے ہوتے دو رکعت پڑھ کر (یعنی بعد تشہد کے) اللہ اکبر کہتے اور اُٹھاتے دونوں ہاتھ اپنے یہاں تک کہ انہیں اپنے مونڈھوں کے برابر کرتے۔ جیسے کہ تکبیر کہتے تھے نزدیک شروع کرنے نماز کے (یعنی تکبیر اولیٰ کے وقت) پھر کرتے اسی طرح اپنی باقی نماز میں۔ یہاں تک کہ جب ہوتا وہ سجدہ کہ جس کے پیچھے سلام ہے (یعنی آخری رکعت کا دوسرا سجدہ جس کے بعد بیٹھ کر تشہد، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیرتے ہیں) نکالتے بایاں پاؤں اپنا اور بیٹھتے کولہے پر بائیں جانب، پھر سلام پھیرتے۔ (یہ سن کر) ان دس صحابہؓ نے کہا سچ کہا تو نے (اے ابی حمید ساعدی) اسی طرح رسولِ خدا ﷺ نماز پڑھتے تھے"۔ (ابو داؤد،

[1] ایضاً۔ ص ۱۸۲

دارمی)۔ اور روایت کئے ترمذی اور ابن ماجہ نے معنے اس کے، اور کہا ترمذی نے یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اور ابو داؤد کی ایک روایت میں ابو حمید کی حدیث میں یہ بھی ہے کہ، ترجمہ: (پھر آخری رکعت کے قعدہ میں) اور رکھا اپنا دایاں ہاتھ اپنے دائیں گھٹنے پر اور اپنا بایاں ہاتھ اپنے بائیں گھٹنے پر اور اشارہ کیا اپنی انگلی کے ساتھ، یعنی سبابہ کے"[1]

غور کیجئے کہ ابو داؤد کی اس حدیث شریف میں کیا رسول اللہ ﷺ کی پڑھی ہوئی یا ادا کی ہوئی صلوٰۃ بیان کی گئی ہے یا بقول موصوف ہی کے: "رسولِ خدا کی نماز کی ہیئت بیان کی گئی ہے اور حضور انور سلامؑ علیہ کے دس صحابہ نے اس کی تصدیق اور تائید کی۔ گویا نمازِ رسول کی یہ شکل وصورت گیارہ صحابہؓ کی مصدقہ ہوئی"[2]۔ ٹھیک ہے۔ لیکن اس شکل و صورت والی نماز میں یہ کہیں نہیں بتایا گیا کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے قیام، رکوع، قومہ، سجود، جلسہ یا قعدہ وغیرہ میں کیا پڑھا اور کیا پڑھنے کی تاکید کی؟ گویا کہ یہ حدیث شریف اس حدیث شریف کی تائید ہے جس میں کہا گیا کہ "نماز پڑھو (اس طرح) جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو" (بخاری) تو یہ دونوں احادیث صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں کہ نماز کی ہیئت یا شکل وصورت کیا ہوگی!

دوسری اہم چیز جو اس حدیث شریف میں سامنے آتی ہے وہ بار بار رفع یدین کرنا ہے۔ سارا زور رفع یدین کرنے پر ہے گویا کہ یہ حدیث رفع یدین کے عمل کو ثابت کرنے کے لئے ہے یہ نمازِ رسول نہیں بتاتی! اور غالباً حضرت ابی حمیدؓ ساعدی کی یہ حدیث شریف سب سے طویل ہے جس میں صلوٰۃ کے تمام ارکان: قیام، رکوع، قومہ، سجود، جلسہ، سلام کی ہیئت اور رفع یدین کرنے کا ذکر ہے مگر ان ارکان میں کیا پڑھنا ہے اس کا ذکر نہیں۔ اس لئے میرا یہ کہنا کہ کسی بھی حدیث میں پوری نماز یا صلوٰۃ کا ذکر نہیں، درست ہے۔ اس لئے کچھ مُلّاؤں کا یہ سوال کرنا کہ اگر حدیث نہیں مانیں گے تو نماز کیسے پڑھیں گے، سراسر باطل ہے۔ یہ کچھ مُلّا خود حدیثی نماز نہیں پڑھتے بلکہ اپنے بڑے ملّاؤں کے بتائے ہوئے طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں۔

اس مقام پر ایک اور حدیث شریف کا ذکر کرنا مناسب ہوگا جو کہ ہمارے استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں آداب الصلوٰۃ کے عنوان کے تحت ص۲۵ پر تحریر کی ہے؛

ترجمہ: " ایک شخص نے صلوٰۃ پڑھی، پھر آکر رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا۔ آپؐ نے سلام کا جواب دیا اور فرمایا: واپس جا کر پھر صلوٰۃ پڑھو تم نے صلوٰۃ نہیں پڑھی۔ اُس نے دوبارہ صلوٰۃ پڑھی۔ آپؐ نے پھر وہی فرمایا۔ اُس نے تیسری مرتبہ صلوٰۃ پڑھی، آپؐ نے پھر وہی فرمایا۔ اب اس نے کہا یا رسول اللہ مجھے سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا:

جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو پورا وضوء کرو، پھر قبلہ کی طرف منہ کرو، پھر اللہُ اکبر کہو، پھر قرآن میں سے جو آسانی سے پڑھ سکو پڑھو، پھر رکوع کرو یہاں تک کہ رکوع میں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر سر اٹھاؤ یہاں تک کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر سر اُٹھاؤ یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر سجدہ کرو یہاں تک کہ سجدہ میں اطمینان حاصل ہو جائے، پھر

[1] ایضاً۔ ص۱۸۳۔۱۸۵۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص۱۸۵۔۱۸۶

اٹھو، یہاں تک کہ اطمینان سے بیٹھ جاؤ، پھر اٹھو حتیٰ کہ سیدھے کھڑے ہو جاؤ پھر ساری صلوٰۃ میں اسی طرح کرو(صحیح بخاری و صحیح مسلم عن ابو ہریرہؓ)"[1]

غور کیجئے، رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب یہ بھی ایک طویل حدیث شریف ہے مگر اس میں صرف شروع میں اللہ اکبر کہنے پھر قرآن میں سے جو آسانی سے پڑھ سکو پڑھو کے علاوہ کوئی ذکر نہیں کہ ثناء پڑھنا ہے یا نہیں، سورہ فاتحہ پڑھنا ہے یا نہیں، رکوع، قومہ، سجود و جلسوں میں کیا پڑھنا ہے وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں۔ یہ بھی محض ہیئت صلوٰۃ تک محدود رکھی گئی ہے! غرض یہ کہ یہ احادیث شریف نماز کا پورا طریقہ نہیں بتارہیں اور میری بات صحیح ہو رہی ہے کہ کسی ایک حدیث میں، رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نماز پڑھنے کا طریقہ نہیں بتایا!

## نماز کی ترکیب

اب ذرا مسنون نماز کی مفصل ترکیب، جناب محمد صادق سیالکوٹی صاحب کے مطابق ملاحظہ کر لیجئے:

"(۱)۔ نیت کے ساتھ باوضو قبلہ کی جانب منہ کر کے اللہ اکبر کہتے ہوئے رفع الیدین کریں۔ یعنی دونوں ہاتھوں کو اُٹھائیں۔(بخاری)

(۲)۔ ہاتھ اُٹھاتے وقت ہتھیلیاں قبلہ کی طرف ہوں۔(مجمع الزوائد)

(۳)۔ ہاتھ اُٹھاتے وقت انگلیاں کشادہ اور کھلی رکھیں۔(ترمذی)

(۴)۔ دونوں ہاتھ مونڈھوں تک اُٹھائیں یا کانوں تک۔(بخاری، مسلم)

(۵)۔ پھر بائیں ہاتھ پر دایاں ہاتھ رکھ کر سینے پر باندھ لیں۔(بلوغ المرام بحوالہ ابن خزیمہ)

(۶)۔ حضرت وائل بن حجرؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ تو آپ نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر ہاتھ باندھے۔(صحیح ابن خزیمہ)

حضرت طاؤس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنا دایاں ہاتھ نماز میں اپنے بائیں پر رکھ کر اپنے سینہ پر باندھا کرتے تھے۔(مراسیل ابوداؤد) گو یہ حدیث مرسل ہے لیکن دوسری مستند احادیث سے مل کر قوی ہو گئی ہے۔

ہلبؓ صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے دیکھا۔(مسند احمد)

طبرانی کی حدیث میں حضرت وائلؓ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر سینے پر رکھا۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی میں حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: ضَعْ يَدَكَ الْيُمْنٰى عَلَى الشِّمَالِ عِنْدَ النَّحَرِ۔ یعنی دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر سینے پر باندھ"[2]۔ یہاں النَّحَر کے معنیٰ قابلِ غور ہیں کہ نَحَر کے معنی قربانی کرنا نہیں جیسا کہ ہمارے قابلِ احترام مترجمین حضرات فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (۲/۱۰۸) کا ترجمہ "نماز پڑھ اور قربانی کر، کرتے ہیں! نَحَر کا مطلب سِینہ یا سینہ تان کر مقابلہ کرنا بھی ہیں، نحر کا معنیٰ گلے میں چوٹ لگانا بھی ہیں، اونٹ کے گلے پر برچھی ماری جاتی ہے اسے بھی نحر کہتے ہیں۔ تَنَاحَرَ الْقَوم کے معنیٰ جھگڑا کرنا، گلے میں زخم لگانا ہوتے

[1] صلوٰۃ المسلمین۔ از جناب مسعود احمد صاحب۔ ص ۷۷۔۷۹۔۔۔ [2] صلوٰۃ الرسول از جناب محمد صادق سیالکوٹی صاحب۔ ص ۱۸۷۔۱۸۹

ہیں۔نَحَرَ الْمُصَلیٰ فِی الصلوٰۃ کے معنیٰ نمازی کا سینہ نکال کر کھڑا رہنا بھی ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ آیت کریمہ میں اَنْحَر کے معنیٰ قربانی کرنا نہیں ہوتے بلکہ صلوٰۃ قائم رکھ اور سینہ تان کر دشمن کا مقابلہ کر۔ جب ہی تو تیرا دشمن ابتر ہو جائے گا۔ دشمن آپ کی قربانی کرنے سے ابتر نہیں ہو گا! یہاں سینہ پر ہاتھ باندھنے کی جو بات ہو رہی ہے تو اس سلسلہ میں صحیح مسلم شریف کا ایک باب شریف زیادہ مناسب اور پُر وقار اور بادب لگتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"بَابُ وَضْعِ یَدِہٖ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی بَعْدَ تَکْبِیرَۃِ الاِحْرَام تَحتَ صَدْرِہٖ فَوقَ سُرَّتِہٖ وَ وَضْعِھِمَا فِی السُّجوْدِ عَلی الارض حَذْوَ مَنْکِبَیْہِ۔

باب: تکبیر تحریمہ کے بعد سیدھا ہاتھ اُلٹے ہاتھ پر سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر باندھنے اور سجدوں میں مونڈھوں کے برابر ہاتھ رکھنے کا بیان۔(صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ)"

اسی طرح سے صحیح بخاری شریف کی سَھْل بن سعد کی روایت کردہ حدیث شریف، صحیح مسلم کے باب سے زیادہ مناسب اور پُر وقار اور با ادب لگتی ہے جو کہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب میں قیام کے عنوان کے تحت دی ہے اور سیالکوٹی صاحب نے بھی آگے دی ہے ملاحظہ ہو:

"باب۴۷۸ وَضْعِ الْیُمْنٰی عَلَی الْیُسْرٰی فِی الصلوٰۃ

نماز میں داہنے ہاتھ کا بائیں ہاتھ پر رکھنا۔

سھل بن سعد روایت کرتے ہیں کہ لوگوں کو یہ حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں (ذِرَاعِہٖ) کلائی پر رکھیں اور ابو حازم نے کہا ہے کہ میں جانتا ہوں کہ یہ حکم نبی ﷺ کی طرف منسوب ہے۔(صحیح بخاری کتاب الاذان، حدیث نمبر ۷۰۱)"

خیال رہے کہ ذراع یا ذرع کہنی سے درمیانی انگلی کے سرے تک کو کہتے ہیں۔ تو غور کیجئے کہ داہنے ہاتھ یعنی ذراع کو بائیں ذراع پر رکھا تو کیا زیادہ مؤدب نہ ہو گیا پھر ان کی جگہ، سیدھے رکھتے ہوئے سینہ کے نیچے اور ناف کے اوپر ہی رکھ کر باادب کھڑا ہونا کہی جاسکتی ہے۔

آگے دیکھئے کہ موصوف محمد صادق سیالکوٹی صاحب نے ملاحظہ کی سرخی کے تحت لکھا ہے:

"مُلاحَظہ: ہم نے سینے پر ہاتھ باندھنے کے متعلق یہ احادیث اس لئے تحریر کی ہیں کہ جو بھائی سینے پر ہاتھ باندھنے والوں کو روکتے ٹوکتے ہیں وہ آئندہ روکیں ٹوکیں نہیں۔ اور اس فعل کو برا نہ مانیں اور غور کریں کہ وہ ایسا کرنے میں رسول پاک ﷺ کی سنت اور حضورؐ کے فعل پر معترض ہوتے ہیں۔ بلکہ ناف کے نیچے[1] ہاتھ باندھنے والوں کو چاہئے کہ وہ سینہ پر ہاتھ باندھنے والوں کو محبت بھری نظر سے دیکھیں کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مذکورہ حدیثوں پر عمل کرتے ہیں۔ صحیح حدیث اور سنتِ رسولؐ پر تو مسلمان کو جان چھڑکنی

---

[1] یہ حضرت علیؓ کی طرف منسوب روایت ہے کہ سنت یہ ہے کہ ہتھیلی کو ہتھیلی پر زیرِ ناف رکھا جائے (ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوٰۃ۔ حدیث) اسے امام بیہقی اور حافظ ابن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام نووی فرماتے ہیں کہ اس کے ضعف پر سب کا اتفاق ہے [2]۔ ویسے بھی دیکھنے میں زیرِ ناف ہاتھ پکڑے ہوئے بہت عجیب یا مضحکہ خیز لگتا ہے اس پر امام ابو یوسف کا بہت عمدہ لطیفہ بھی ہے۔(میرے نسخہ ابو داؤد میں یہ روایت درج نہیں)۔۔۔[2] نماز نبوی از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب۔ ص ۱۴۵

چاہئے کہ یہی محبت رسولؐ کی سنت ہے۔ آپ سب مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی پیاری ذات آپ سب کو یکساں محبوب اور واجب الاطاعت ہے، پھر حضورؐ کی صحیح سند سے ثابت شدہ حدیثیں سب کو سر آنکھوں پر رکھنی چاہئیں۔ تعصب اور ضد کی بناپر جھگڑے پیدا کر کے قوم میں تفریق اور پھوٹ ڈالنا بہت بُری بات ہے۔ آپس میں محبت کرو سنت کی فضا میں شیر وشکر ہو کر رہو۔ رحمتِ عالمؐ کی احادیث کو جان سے زیادہ عزیز رکھو اور سنت کے اتباع میں سب سینے "پر ہاتھ باندھو "[۱] آگے تحریر فرماتے ہیں:

(۷)۔ عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں۔

(۸)۔ عورت عورتوں کی امامت کرا سکتی ہے۔

(۹)۔ سینے پر ہاتھ باندھ کر یہ دعا پڑھیں:

"حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ چپ رہتے درمیان تکبیر (اولیٰ کے اور قرأت کے۔ تھوڑا سا۔ پس کہا میں نے، میرا باپ اور ماں آپ پر قربان، اے اللہ کے رسولؐ تکبیر اور قرأت کے درمیان آپ خاموش رہ کر کیا پڑھتے ہیں۔ فرمایا میں یہ پڑھتا ہوں:

اللّٰھم باعِد بَینی و بینَ خَطایای کما باعدتَّ بَین المشرق و المغرب، ۔ اللّٰھم نَقِّنِی مِن الخطَایَا کما یُنقّی الثَوبُ الابیض من الدَّنَس۔ اللّٰھُم اغسِل خطایای بالماء والثَّلجِ و البرد۔ (بخاری۔ مسلم)"[۲]

غور کیجئے کہ پوچھنے سے پہلے رسول سلامٌ علیہ نے یہ بتایا ہی نہیں تھا!!

(۱۰)۔ یا یہ دعا پڑھیں:

"سُبحٰنَکَ اَللّٰھُمَّ وَ بِحَمدِکَ و تبارك اسمُكَ و تعالٰی جدُّك وَلآ اِلٰہَ غَیرك ۔(مسلم بسند منقطع)"[۳]

غور کیجئے موصوف صحیح مسلم کی اس حدیث شریف کو منقطع قرار دے رہے ہیں پھر بھی لکھا ہے کہ "یا یہ دعا پڑھیں"۔ جبکہ دیگر بزرگوں نے بھی یہ دعا لکھی ہے مگر کسی نے اس پر اس قسم کا تبصرہ نہیں کیا۔ ویسے بھی' امت میں' شاید اکثریت یہی دعا پڑھتی ہے!

(۱۱)۔ "پھر یہ پڑھیں:

اَعُوذ بِاللّٰہِ من الشیطٰن الرجیم (ابن ماجہ)"[۴]

اس غیر قرآنی تعوذ پر میں پیچھے بھی تبصرہ کر چکا ہوں کہ قرآنی تعوذ کے ہوتے ہوئے غیر قرآنی تعوذ کیوں پڑھا جائے؟ قرآنی تعوذ سورہ مومنون کی آیات ۹۷۔۹۸ میں بتایا گیا ہے۔

(۱۲)۔ اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔ یہاں بھی فٹ نوٹ میں سرّی و جہری کا ذکر کر کے لکھا ہے کہ دونوں طرح پڑھنے کے لئے صحیح حدیثیں ہیں اس لئے دونوں طرح پڑھنا جائز ہے۔ یہ ہے عجمی کمال کہ قرآن کریم کا کوئی لحاظ نہیں!

---

۱۔ صلوٰۃ الرسول از محمد صادق سیالکوٹی صاحب۔ ص ۱۸۹۔ ۱۹۰۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۹۰۔ ۱۹۳۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۹۰۔ ۱۹۳۔۔۔
۴۔ ایضاً۔ ص ۱۹۳

(۱۳)۔ پھر سورہ الفاتحہ پڑھیں (مسلم) پھر آمین کہیں (بخاری)[۱]

(آمین کے غیر قرآنی لفظ پر تبصرہ پیچھے گزر چکا ہے)

(۱۴)۔ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنا لازمی ہے (مسلم، جزء القرأۃ للبخاری، الطبرانی فی الکبیر، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، النسائی)"[۲]

(۱۵)۔ آمین کہہ کر تھوڑی سی دیر ٹھہریں (ترمذی) پھر قرآن مجید میں سے جو کچھ یاد ہو اس میں سے کچھ پڑھیں۔ (بخاری)۔ جن لوگوں کو صرف قُل شریف ہی آتا ہو وہ قل شریف سے ہی نماز پڑھ لیا کریں۔ اللہ کے نزدیک بلاشبہ مقبول ہے[۳] (یہ صادق سیالکوٹی صاحب کا قول ہے)

(۱۶)۔ اب آپ قرأت سے فارغ ہو کر رکوع کریں۔ رکوع کی دعائیں یہ ہیں:

★۔ سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیم (ابو داؤد، ابن ماجہ)

★۔ سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ربنا و بحمدِك اَللّٰهم اغفِرلِي (بخاری، مسلم)

★۔ سُبُّوحٌ قُدّوسٌ رَبّ المَلَائِكَةِ و الرُّوحِ (بخاری، مسلم)

★۔ سُبحَانَ ذِي الْجَبرُوتِ وَ المَلَكُوتِ والكِبرياء والعظمَةِ (بخاری، مسلم)

★۔ اٰمَنَ بِكَ فُؤَادي اَبُوۡءُ بِنِعمَتِكَ عَلَيَّ هٰذِهٖ عَدَايَ وما جَنَيتُ عَلٰى نَفسِي (حصن حصین)

★۔ اللّٰهم لك ركَعتُ و بكَ اٰمنتُ و لك اَسلَمتُ خَشَعَ لك سمعِي و بَصَري وَ مُخِّي و عظمِي و عصبِي (مسلم)[۴]

(۱۷)۔ رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے رفع الیدین کرتے ہوئے سیدھے کھڑے ہو جائیں (بخاری، مسلم)

★۔ سَمِعَ اللّٰهُ لمن حمِدَهٗ (بخاری)۔ مقتدی یہ کہیں:

رَبَّنا و لكَ الحمدُ حمدًا كثيرًا طيّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ (بخاری)

★۔ اللّٰهُمَّ لكَ الْحمدُ مِلأَ السَّمٰوٰتِ وَ ملأَ الاَرضِ وَ مِلأَ مَا شِئتَ مِنْ شَيءٍ بَعْدُ (مسلم)

★۔ اللّٰهُمَّ لكَ الْحمدُ مِلأَ السَّمٰوٰتِ وَ ملأَ الاَرضِ وَ مِلأَ مَا شِئتَ مِنْ شَيءٍ بَعْدُ اَهْلَ الثَّنَاءِ و الْمَجْدِ اَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ وَكُلُّنَا لكَ عَبْدٌ ۔ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ ولا مُعطِيَ لِما منَعتَ وَلا ينفعُ ذَالجَدِّ مِنكَ الْجَدُّ (مسلم)[۵]

غور کیجئے کیا آپ کو یہ سب دعائیں معلوم ہیں اور کون کون قومہ میں کونسی دعا پڑھتا ہے؟

(۱۸)۔ اس کے بعد رفع الیدین کی پھر ضِد ہی کی ہے۔ جیسے کہ رفع الیدین ہی صرف صلوٰۃ ہے۔ (ابو داؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ، بخاری، مسلم اور تلخیص الحبیر للعسقلانی)[۶]

(۱۹)۔ سجدہ اس طرح کرنا ہے:

"وائل بن حجرؓ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپؐ سجدہ کرتے

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۹۴۔ ۱۹۵۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۰۰۔ ۲۰۴۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۰۶۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۱۷۔ ۲۲۰۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۲۲۲۔ ۲۲۶۔۔۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۲۲۹۔ ۲۳۳

تو دونوں گھٹنے ہاتھوں سے پہلے زمین پر رکھتے۔ اور جب سجدہ سے اُٹھتے تو دونوں ہاتھ گھٹنوں سے پہلے اُٹھاتے"
(ابو داؤد، نسائی)۔ جبکہ:

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی تم میں سے سجدہ کرے تو اونٹ کی طرح نہ بیٹھے بلکہ اپنے ہاتھ گھٹنوں سے پہلے رکھے" (ابو داؤد)[1]

غور کیجئے کہ دونوں احادیث شریف ایک دوسرے کی مخالف ہیں! اب آپ کس کو صحیح مانتے ہیں اور کس پر عمل کرتے ہیں؟

★۔ سجدہ میں پیشانی اور ناک زمین پر ٹکائیں (بخاری شریف)
★۔ سجدہ میں دونوں ہاتھوں کو کندھوں کے برابر رکھیں (ترمذی)
★۔ سجدہ میں دونوں ہاتھوں کا کانوں کے برابر رکھنا بھی آیا ہے (مسلم)
★۔ سجدہ میں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسری سے ملا کر رکھیں (حاکم)
★۔ سجدہ میں دونوں ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے خوب زمین پر ٹکائیں۔
★۔ پاؤں کی انگلیوں کے سِرے قبلہ کی طرف مڑے ہوئے رکھیں اور قدم بھی دونوں کھڑے رہیں (بخاری)
★۔ ایڑیوں کو مِلا کر رکھیں (بیہقی)
★۔ سجدہ میں سینہ، پیٹ اور رانیں زمین سے اونچی رکھیں، پیٹ کو رانوں سے، اور رانوں کو پنڈلیوں سے جُدا رکھیں، اور دونوں رانیں بھی ایک دوسرے سے الگ الگ رکھیں (ابو داؤد)
★۔ سجدہ میں کہنیوں کو نہ تو زمین پر ٹکائیں نہ کروٹوں سے ملائیں۔ بلکہ زمین سے اونچی کروٹوں سے الگ کشادہ رکھیں۔ (بخاری شریف)
★۔ عورتیں بازو نہ بچھائیں، پیٹ کو رانوں سے نہ ملائیں اور دونوں قدموں کو بھی کھڑا رکھیں۔ اور سینہ زمین سے اونچا ہو۔ (مسلم)

سجدہ کیلئے موصوف نے دس دعائیں لکھی ہیں جن میں بعض لمبی لمبی ہیں۔ (ترمذی، بخاری م مسلم، حسن حصین)"[2]

عام طور پر لوگوں کو ایک ہی یا دو دعاؤں کا علم ہے، باقی سے وہ لاعلم ہیں اس لئے عمل کا تو سوال ہی نہیں۔

(۲۰)۔ جلسہ میں پڑھنے کی مسنون دعائیں:

★۔ اَللّٰھم اغفِر لی وَارحمنی واھْدِنِی وَ عَافِنی وَارْزُقنِی (ابو داؤد، ترمذی)

استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے بھی جلسہ کی دعا ابو داؤد اور ترمذی ہی کے حوالہ سے لکھی ہے مگر اس میں کچھ الفاظ اور ترتیب میں فرق ہے۔ ملاحظہ ہو:

" اَللّٰھم اغفِر لی وَارحمنی وَاجْبُرنی وَ عَافِنی واھْدِنِی وَارْزُقنِی وَارفَعنِی " (ابو داؤد، الترمذی و ابن ماجہ)[3]

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۴۴۔۲۴۵۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۴۶۔۲۴۷، ۲۵۲۔۲۵۹۔۔ ۳۔ صلوٰۃ المسلمین از مسعود احمد صاحب۔ جماعت المسلمین۔ ص ۱۷۷

غور کیجئے کہ الفاظ میں کمی بیشی اور ترتیب کا فرق کیوں ہے ؟؟

★۔رَبِّ اغْفِرلِی (نسائی، دارمی، ابن ماجہ اور غنیۃ الطالبین)[1]

خیال رہے کہ مقلدین سجدوں کے درمیان یہ دعا نہیں پڑھتے !

(۲۱)۔ دوسرا سجدہ کرنے کے بعد بایاں پاؤں موڑ کر بیٹھ جائے۔ اس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ پھر دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔ (ابوداؤد، دارمی، ترمذی، ابن ماجہ)

(۲۲)۔ دوسری رکعت اسی طرح پوری کر کے قعدہ میں بیٹھا جائے اس میں بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھ جائیں اور دایاں پاؤں کھڑا رکھیں۔ اور دائیں ہاتھ کو اپنے دائیں گھٹنے پر رکھیں، اور بائیں ہاتھ کو اپنے بائیں گھٹنے پر رکھیں (بلوغ المرام) اور عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت کے اندر صحیح مسلم میں ہے کہ دایاں ہاتھ اپنی دائیں ران پر رکھے اور بایاں ہاتھ اپنی بائیں ران پر رکھے پھر تشہد یعنی التحیات پڑھے۔ (متفق علیہ)

یہاں یہ بات اہم ہے کہ سب ہی التحیات میں اَلسلامُ علیكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ پڑھتے ہیں اور انہیں یہی پڑھنے کو بتایا جاتا ہے یونکہ تقریباً تمام احادیث کی کتابوں میں یہی لکھا ہوا ہے جو کہ عربی کا صیغہ حاضر ہے مگر ایک کتاب ایسی بھی ہے جو تقریباً تیسری صدی تک اکیلی روئے ارض پر قرآن الحکیم کے بعد سب سے صحیح مانی جاتی تھی یونکہ اس وقت تک عجمیوں کی کتابیں منصۂ شہود پر نہیں آئی تھیں۔ اس کا نام ہے "موطأ امام مالک" ۔ اس کی کتاب الصلوٰۃ میں اَلتَّشَھَّدُ فی الصلٰوۃ کے عنوان کے تحت نافع سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عمرؓ تشہد میں اَلسلامُ علیكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ نہیں پڑھتے تھے بلکہ " اَلسلامُ علَی النَّبِیِ " پڑھتے تھے۔ یوں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات ہو چکی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا اعتقاد تھا کہ بعد وفات کے رسول اللہ سلامٌ علیہ ان کے سلام کو نہیں سنتے تھے پھر ندا کرنا جائز کیسے ہو سکتا تھا!

★۔ یہ بھی خیال رہے کہ جو التحیات آپ پڑھتے ہیں صرف وہی اکیلی التحیات نہیں بلکہ الفاظ زائد سے اور بھی التحیات ہیں۔ لیکن جو آپ پڑھتے ہیں وہ بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ اسی لئے موطا کی عبداللہ بن عمرؓ والی التحیات سے مختلف ہے اور اسے ہی، جس میں ندا ہے، تمام اہل حدیثوں نے اختیار کیا ہوا ہے!

★۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں میں صحیح کون سی ہے اور نماز کا حصہ کون سی ہے؟

★۔ دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ التحیات، جو کہ غیر قرآنی عبارت ہے، کیا سنتِ رسول ہے؟ کیا رسول اللہ اسے، ہر نماز میں، پڑھا کرتے تھے ؟ اگر وہ یہ پڑھتے تھے تو پھر کس نبی پر سلام بھیجتے تھے ؟ کون سے نبی اس وقت ان کے سامنے موجود یا زندہ تھے جن کو وہ اَلسلامُ علیكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کہتے تھے ؟؟

(۲۳)۔ قعدۂ تشہد میں بیٹھتے ہی (رَفعِ سبابہ) شہادت کی انگلی اُٹھانا ہے اس طرح کہ دائیں انگوٹھے کو درمیان کی انگلی کی جڑ میں رکھ کر باقی انگلیاں بند کر کے انگشت شہادت کو کھڑی کر دیں، اس طرح کہ ہلکا سا خم رہے اور دعا کرتے ہوئے اسے ہلاتا رہے پھر جب التحیات پڑھ لیں تو انگلی گرا لیں (مسلم، ابوداؤد، النسائی، ابن خزیمہ)۔ خیال رہے موصوف نے جلسہ میں انگلی اُٹھانے کا ذکر نہیں کیا جبکہ مسعود احمد صاحب نے کیا ہے۔

رفع سبابہ کی کیفیت مختلف فیہ ہے۔ اہل حدیث التحیات کے شروع سے سلام پھیرنے تک انگشت شہادت

---

[1] صلوٰۃ الرسول۔ ص ۲۶۳

اُٹھائے رکھتے ہیں۔ جبکہ دیگر مقلدین التحیات پڑھتے ہوئے صرف شہادت پر اُٹھاتے ہیں۔ اب فیصلہ آپ خود کر لیجئے کون صحیح ہے؟

(۲۴)۔ آخری رکعت کے قعدہ میں التحیات پڑھ کر درود شریف (درود ابراہیمی) پڑھیں۔ یہ درود شریف صحابہؓ کے پوچھنے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا تھا۔ جو عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ کی روایت سے صحیح بخاری میں موجود ہے۔ (بخاری)[۱]

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر درود شریف نماز کا حصہ ہے، تو نماز کا عملی نمونہ (Practical demonstration) یعنی صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی ۔(بخاری) دیتے ہوئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کیوں نہیں بتایا تھا؟ پھر کافی عرصہ بعد تک بھی نہیں بتایا۔ حتیٰ کہ جب صحابہؓ نے خود پوچھا تو بتایا! اس دَوران درود شریف نہ پڑھنے کا ذمہ دار کون ہوا؟

دوسرا اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ، خود کیلئے، یہ درود شریف پڑھتے تھے؟؟ (اس پر تبصرہ یا بحث پیچھے گزر چکی ہے)

(۲۵)۔ درود شریف کے بعد پڑھنے کے لئے، "حضرت ابو بکر صدیقؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں، کہ میں نے کہا۔ اے رسولؐ خدا نماز میں دعا مانگنے کے لئے مجھے (کوئی) دُعا سکھایئے (کہ میں اسے التحیات اور درود کے بعد پڑھا کروں) تو حضور انورؐ نے فرمایا:

**اللهم انی ظلمت نفسی ظلماً کثیراً ولا یغفر الذنوب الا انت فاغفر لی مغفرة من عندك وارحمنی انك انت الغفور الرحیم** (بخاری مسلم)"[۲]

اسکے علاوہ موصوف نے چار اور دعائیں بخاری و مسلم، مسلم، نسائی اور حسن حصین کے حوالوں سے تحریر کی ہیں۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ قعدہ میں التحیات، درود شریف اور یہ دعائیں سب ہی غیر قرآنی ہیں! کمال ہے کہ اہل حدیث عالم نے ایک بھی قرآنی دعا نہیں لکھی! کیا نماز زیادہ تر غیر قرآنی دعاؤں و اوراد پر مشتمل ہے؟

(۲۶)۔ ان دعاؤں کے بعد سلام پھیرا جاتا ہے کہ **اَلسَّلام علیکم و رحمة الله** (ابو داوٗد)[۳]

خیال رہے کہ یہ سلام بھی غیر قرآنی ہے (جیسا کہ پیچھے بتایا جا چکا ہے)۔

اس کے بعد اذکار بعد نماز کا ذکر ہے وہ بھی متعدّد یا مختلف فیہ ہیں۔ فی الحال ہم ان کو چھوڑتے ہیں اور کوئی تبصرہ نہیں کرتے یونکہ ان میں بھی زیادہ تر غیر قرآنی بنائی ہوئی، دعائیں ہیں۔ اس اعتراض سے بچنے کے لئے معوذتین اور آیۃ الکرسی کو بھی شامل کر لیا ہوا ہے!

(۲۷)۔ سلام پھیرتے ہی اونچی آواز سے **الله اکبر** کہے (بخاری و مسلم) پھر تین مرتبہ **اَستغفر الله** کہے (مسلم) پھر یہ پڑھے:

**اللھم انت السلام و منك السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام** (مسلم)[۴]

غور کیجئے، کون کون اس پر عمل کرتا ہے اور ان حدیثوں کو مانتا ہے؟

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۷۴۔ ۲۷۵ ـــ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۷۶۔ ۲۷۷ ـــ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۹۰ ـــ ۴۔ ایضاً۔ ص ۲۹۲

اس مقام پر موصوف نے "دعائے رسولؐ میں زیادتی" کے عنوان کے تحت دلچسپ تبصرہ کیا ہے:

دلچسپ تبصرہ: "جس طرح دعائے اذان میں لوگوں نے اضافہ کر رکھا ہے، اسی طرح اس دعا میں بھی لوگوں نے زیادتی کی ہوئی ہے۔ وہ زیادتی ملاحظہ ہو: اللهم انت السلام و منك السلام الفاظ رسولؐ کے ہیں آگے یہ زیادتی ہے و اليك يرجع السلام حينا ربنا بالسلام و ادخلنا دار السلام پھر تبارکت فرمودہ رسولؐ کے آگے ربنا و تعليت اضافہ ہے۔ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ شروع اور اخیر میں رسولؐ خدا کے الفاظ اور درمیان میں خود اپنی طرف سے دعائیہ جملے بڑھا کر حدیثِ رسولؐ میں زیادتی کی ہوئی ہے۔ کیا معاذ اللہ حضورؐ یہ جملے بھول گئے تھے یا دعا ناقص چھوڑ گئے تھے؟ جس کی تکمیل امتیوں نے کی۔ (غالباً موصوف نے اس پر غور ہی نہیں کیا ورنہ انہیں سمجھ آجاتی کہ یہ کن امتیوں نے کیا ہے ۔ ہم تو پہلے سے عرض کر رہے ہیں کہ یہ عجمی امتیوں کے کارنامے ہیں۔ صدیق)۔ اگر کوئی کہے کہ ان بڑھائے ہوئے جملوں میں کیا خرابی ہے ان کا ترجمہ بہت اچھا ہے، یہ بھی تو آخر دعا ہی ہے اور خدا ہی کے آگے ہے۔ (خیال رہے کہ خدا تو عجمیوں ہی کے ہاں ہوتے تھے اور ہیں۔ صدیق) گزارش ہے کہ انسان اپنی مادری زبان میں، یا عربی زبان وغیرہ میں جو دعا چاہے اپنے مالک کے آگے کرے، جون سے جملے چاہے دعا میں استعمال کرے۔ کوئی حرج نہیں۔ خدا ارشاد فرماتا ہے: اُدْعُوْنِي۔ پکارو مجھے۔ لیکن جس طرح قرآن مجید کی آیت میں اپنی طرف سے کچھ الفاظ بڑھانا منع ہے اسی طرح حدیث رسولؐ میں بھی اپنی طرف سے الفاظ یا جملے زیادہ کرنے ناجائز ہیں ۔ ایسا کرنے سے دین کی اصل صورت قائم نہیں رہتی........ "[1]

غور کیجئے کہ موصوف کی ذہن پرستی کیا ہے، کیسی ہے کہ انہیں دعائے اذان میں تو اضافہ نظر آ گیا، (جو کہ بذاتِ خود مضحکہ خیز دعا ہے اور یقیناً عجمیوں کی گھڑنت ہے) مگر انہیں قرآن کریم میں قرآت کے نام سے کئے ہوئے حک و اضافے اور تبدیلیاں نظر نہیں آئیں! کیا یہی منطق، انہوں نے کبھی قراءت کے بارے میں بھی کہی؟ کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ بدل دو، آگے پیچھے کر دو۔ اعراب بدل دو مگر یہ نہ کہو کہ اللہ رب العزت کے الفاظ میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا اور کوئی بھی خواہ وہ عربی ہو یا عجمی ہو ایسا نہیں کر سکتا۔ اسی طرح قرآن کریم کے احکام میں کچھ گھٹایا بڑھایا نہیں جا سکتا یونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ، جتنا کچھ بتانا چاہتا تھا وہ اس الکتابِ مبین میں واضح طور پر بیان فرما دیا۔ وہ نہ تو جملے بھولا اور نہ ہی کوئی حکم ناقص چھوڑا کہ اس کو رسولؐ یا امتی یا عجمی پورا کرے گا! ایسا کرنے سے تو دین، جو کہ صرف القرآن الحکیم ہے، کی اصل باقی نہیں رہتی۔

غور کیجئے کہ پچھلے صفحات میں صلوٰۃ میں جو کچھ پڑھنے کو بتایا گیا ہے اس میں سوائے سورہ الفاتحہ کے، آمین سے لے کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ تک سب ہی غیر قرآنی ہے!

(۲۸)۔ اس کے بعد 'اذکار بعد نماز' کا ذکر ہے وہ بھی متعدّد یا مختلف فیہ غیر قرآنی دعائیں ہیں سوائے معوذتین اور آیۃ الکرسی کے!

(۲۹)۔ 'فجر کی سنتوں کے بعد" کے عنوان کے تحت تحریر کرتے ہیں:

[1] ایضاً۔ ص ۲۹۳۔ ۲۹۴

"رسول اللہ ﷺ فجر کی سنتیں ادا کر کے تین بار یہ دعا پڑھتے تھے:
اللّٰھُم رب جِبریل و میکائیل و اسرافیل و محمد النبی صلی اللہ علیہ و سلم اعوذ بك من النار (حصن حصین)"[1]

غور کیجئے کہ یہ حصن حصین کس کی اور کس صدی کی کتاب ہے؟ اس میں مَلِک مِیۡکٰىل کا قرآنی نام بدل کر میکائیل کر دیا گیا ہوا ہے! اسرافیل غیر قرآنی وزائد از قرآن نام ہے وہ جبریل و مِیۡکٰىل کے ساتھ شامل کر دیا ہوا ہے! مُحَمدٍ النَّبِیّ کے ساتھ غیر قرآنی وزائد از قرآن الفاظ صلی اللہ علیہ و سلم شامل کر دیئے گئے ہیں! اگر یہ دعا رسول اللہ سلامٌ علیہ فجر کی سنتوں کے بعد پڑھتے تھے تو کیا انہوں نے مِیۡکٰىل کا نام بدلا اور اسرافیل کا نام شامل کیا؟ کیا وہ خود اپنے اسم گرامی کے ساتھ صلی اللہ علیہ و سلم بھی پڑھتے تھے؟ کیا یہ الفاظ رسول کی اپنی ایجاد تھے یا ان کے بعد کسی نے ایجاد کئے تھے؟

موصوف محمد صادق سیالکوٹی صاحب کو اپنے اوپر کے دلچسپ تبصرہ ہی کے مطابق اس حدیث شریف پر غور و فکر کر لینا چاہئے تھا؟ اگر وہ غور و فکر کرتے تو یقیناً اس نتیجہ پر پہنچتے کہ یہ عجمیوں کی ایجاد ہے یونکہ کوئی اور یہ تبدیلیاں کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا! اب آپ بتایئے کہ آپ میں سے کتنے اس حدیث شریف سے واقف ہیں اور کتنے فجر کی سنتوں کے بعد اس کو تین مرتبہ پڑھتے بھی ہیں؟ یونکہ یہ سنت رسول ہے اور عاشقین سنت و عاشقین رسول ضرور یہ سنت ادا کرتے ہوں گے!

(۳۰)۔ نماز وتر کے بیان میں پانچ، تین اور ایک رکعت پڑھنے کی اجازت ہے لیکن یہ ایک ہی مرتبہ ایک ہی تشہد سے پڑھا جائے گا یعنی صرف آخری رکعت میں بیٹھیں، درمیان میں کوئی تشہد نہیں[2] (متفق علیہ)۔ جبکہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب کے مطابق ہر دو رکعت پر سلام پھیرے اور آخر میں ایک رکعت پڑھے (مسلم)[3]

★۔ تین وتروں کی قرأت میں، پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری میں قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْن اور تیسری میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے۔ (دارمی)[4]

★۔ جبکہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب کے مطابق وتر کی رکعت میں معوذتین پڑھے یا سورہ النساء کی سو۱۰۰ آیتیں تلاوت کرے (دارقطنی، ابن حبان، الحاکم)[5]

آخری رکعت میں بعد رکوع دعاءِ قنوت پڑھے۔ جو کہ تین عدد دی ہوئی ہیں (حصن حصین)[6]

میں یقین کرتا ہوں کہ عام طور پر مسلمانوں کو یہ دعائیں و تفصیل معلوم ہی نہیں اور نہ وہ اس پر عامل ہیں۔ مزید یہ کہ یہ فیصلہ آپ کریں کہ ان جامعین صلوٰۃ میں سے صحیح کون ہے؟

(۳۱)۔ "نماز تہجّد کا بیان" کے عنوان کے تحت 'تحریض بر تہجّد' میں تحریر فرماتے ہیں:

"ابی امامہؓ روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عَلَیکُم بِقِیَامِ اللّیل۔ تہجّد ضرور پڑھا کرو۔ فَاِنَّهٗ دَابُ الصَّالِحِین قبلکُم کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کی روش ہے۔ وَ هُوَ قُربَةٌ

[1] ایضاً۔ ص ۳۵۰۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۳۵۶۔۳۵۷۔۔۔ [3] صلوٰۃ المسلمین۔ ص ۲۴۸۔۔۔ [4] ایضاً۔ ص ۳۵۸۔۔۔ [5] صلوٰۃ المسلمین۔ ص ۳۵۴۔۔۔ [6] صلوٰۃ الرسول ص ۳۵۹۔۳۶۵

لَّكُمْ اِلٰى رَبِّكُمْ اور تمہارے لئے قربِ خدا کا سبب ہے (عجمی ذہن پرستی کا عالم دیکھئے کہ ربّ کا ترجمہ خدا کر دیا ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ کا ترجمہ خدا کیا جاتا ہے۔ صدیق) وَ مُكْفِرَةٌ لِلسَّيِّاٰتُ اور گناہوں کے دور ہونے کا ذریعہ ہے وَ مَنهَاةٌ عَنِ الاِثْمِ۔ اور (یہ رات کا قیام) گناہوں سے باز رکھنے والا ہے۔ (ترمذی)"[1]

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ یہ آپ کے لئے زائد ہے مگر ملّا جی نے سب کیلئے کر دیا۔

"وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ، عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (۱۷/۷۹)

ترجمہ: اور (اے رسول) رات کے وقت بھی کچھ دیر کے لئے اس کے ساتھ (یعنی قرآن کے ساتھ) شب بیداری کیا کیجئے۔ یہ آپ کے لئے زائد ہے۔ ضرور ایسا ہو گا کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود میں کھڑا کرے گا" (۱۷/۷۹)

دوسرے یہ کہ یہ ہدایت صرف رسول کے لئے نفل یعنی زائد تھی کہ وہ رات کو نیند سے اُٹھ کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کریں، غور و فکر کیا کریں۔ اس کی تبلیغ کی راہیں متعین کیا کریں۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ سے پہلے کے الفاظ ہیں وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ (۱۷/۷۸) ترجمہ: "اور (قائم کیجئے) فجر کا قرآن۔ بیشک فجر کا قرآن وہ ہے گواہی دیا گیا"۔ اس لئے تہجد نماز نہیں، بلکہ رات کو سوتے میں سے اُٹھنا ہے اور "بِهٖ" کی ضمیر قراٰن الفجر کی طرف جا رہی ہے۔ دیکھئے اس آیت کریمہ کے تفسیری حاشیہ میں اہلحدیث عالم صلاح الدین یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"بعض نے اس کے معنیٰ کئے ہیں یہ ایک زائد فرض ہے جو آپ کے لئے خاص ہے، اس طرح وہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ پر تہجد بھی اس طرح فرض تھی، جس طرح پانچ نمازیں فرض تھیں۔ البتہ امت کے لئے تہجد کی نماز فرض نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نَافِلَةً (زائد) کا مطلب یہ ہے کہ یہ تہجد کی نماز آپؐ کے رفع درجات کے لئے زائد چیز ہے، کیونکہ آپؐ تو مغفور الذنب ہیں، جبکہ امتیوں کے لئے یہ اور دیگر اعمال خیر کفارہ سیئات ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ نَافِلَةً نافلہ ہی ہے یعنی نہ آپؐ پر فرض تھی نہ آپؐ کی امت پر۔ یہ ایک زائد عبادت ہے جس کی فضیلت یقیناً بہت ہے اور اس وقت اللہ اپنی عبادت سے بڑا خوش ہوتا ہے، تاہم یہ نماز فرض و واجب نہ نبی ﷺ پر تھی اور نہ آپؐ کی امت پر ہی فرض ہے"۔[2]

غور کیجئے کہ اس تفسیری نوٹ میں تین جگہ لفظ "بعض" (کہتے ہیں) استعمال کیا گیا ہے۔ اس 'بعض' سے آپ کیا سمجھے جو شاید صلاح الدین یوسف صاحب کو نہیں معلوم یا جان بوجھ کر ان کے اسم گرامی چھپائے گئے ہیں! ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ 'بعض' ہی تو عجمی حضرات ہیں جنہوں نے امت کو قرآن کریم (قراٰن الفجر) سے ہٹانے کیلئے فَتَهَجَّدْ بِهٖ کو تہجد کی نماز بنا دیا! اور اس سلسلہ میں روایت بھی گھڑ کر رسول کی طرف منسوب کر دی! غور کیجئے اس روایت میں (جو اوپر تحریر کی گئی) رسولؐ سے کہلوا دیا کہ تہجد ضرور پڑھا کرو۔ اور اس کو قيام الليل یا رات کی نماز قرار دیکر، اتنا مشکل بنا دیا کہ ان کی بتائی ہوئی دعائیں وغیرہ تو خود اہلحدیثوں اور دوسرے عالموں کو بھی یاد نہیں اور بہت سوں

[1] ایضاً۔ ص ۳۶۵۔۔۔ [2] قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر۔ ترجمہ مولانا محمد جونا گڑھی صاحب اور تفسیری حواشی مولانا صلاح الدین یوسف صاحب، شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس۔ مدینہ منورہ ۱۴۱۷ھ، ص ۷۸۹ نوٹ ۲

کو تو معلوم بھی نہیں تو پھر انہیں کون پڑھے گا۔ کون ان پر عمل کرے گا؟

نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو ایک (نافلہ) زائد کام کرنے کو کہا، یقیناً اللہ تعالیٰ کا کہا ہوا حکم ہی ہوا اور فرض ہی ہوا، مگر جناب صلاح الدین یوسف صاحب فرما رہے ہیں کہ "یہ نماز فرض و واجب نہ نبی ﷺ پر تھی اور نہ آپ کی امت پر ہی فرض ہے" سوچئے اللہ کچھ کہے اور اس کا بندہ کچھ کہے! کیا یہ عجم زدہ ذہن پرستی و اہلحدیثیت نہیں ہے؟ اور کیا یہ ترکیب قرآن کریم سے دُوری پیدا کرنے کے لئے نہیں؟ اللہ تو کہے کہ اس کے ساتھ (بِہٖ) یعنی قرآن کے ساتھ رات کو جاگ کر محنت کرو، تلاوت کرو، غور و فکر کرو............... مگر بندہ کہے کہ نماز پڑھو! یہ زائد حکم صرف رسولؐ کے لئے مگر اس کو امت پر بھی لاگو کر دیا جائے! اور امت کو جو حکم ہوا کہ فجر میں قرآن پڑھو، تلاوت کرو اس کو بھی بدلنے کی کامیاب کوشش کی گئی کہ فجر کی نماز میں تلاوت کر لیا کرو۔ چلو اب نماز کے علاوہ قرآن پڑھنے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ بس پیش امام یا پیش نماز کی تلاوت ہی، بغیر سمجھے بوجھے، سُن لی وہی کافی ہو گئی۔ ثواب مل گیا!

مسلمانو کچھ تو سوچو کہ یہ قرآن کے ساتھ ہاتھ کون کر گیا!

★۔ ہمارے موصوف جناب محمد صادق سیالکوٹی صاحب "رسولؐ خدا کی تہجد کی کیفیت" کے عنوان کے تحت، آخر میں فرماتے ہیں:

"اگر امت کی مغفرت کے خیال سے نبی اکرمؐ نے ایک ہی آیت کو تہجد میں پڑھتے ہوئے صبح کر دی (نسائی) تو آپ سورہ اخلاص کو ہی نہایت اخلاص سے دس، پچیس، پچاس یا سو بار حسبِ طاقت ہر ہر رکعت میں پڑھ کر اپنے اللہ کو راضی کریں۔ غور کیجئے کہ سورہ اخلاص کیا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ایک ہے ① وہ بے پرواہ ہے ② نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے ③ اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے ④ (ترجمہ از مسعود احمد صاحب) (۱۱۲)

آپ کو معلوم ہے کہ کلام اللہ یعنی القرآن مبین کا مخاطبِ اول رسول اللہ ﷺ تھے پھر امتی۔ اسی لئے اس سورہ کے ترجمہ میں بھی مترجم صاحب نے (اے رسول) لکھا ہے۔ پھر سورۃ شروع ہو رہی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم "قُلْ" سے کہ اے رسول آپ اعلان کر دیجئے کہ اللہ ایک ہے۔ غور کیجئے کہ رسول کہاں اور کس سے یا کن سے اعلان کرتے تھے؟ یقیناً وہ مشرکین مکہ اور ایک سے زائد اِلٰہَ (دو خداؤں) کے ماننے والوں میں (پہاڑی پر) کھڑے ہو کر اعلان فرماتے تھے کہ "اللہ ایک ہے، وہ بے پرواہ ہے، نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے"۔ آپؐ کی موجودگی ہی میں اور پھر غیر موجودگی میں اس اعلانِ وحدت یا توحید کی ذمہ داری صحابہؓ پر آ گئی اور پھر نسل در نسل ہوتی ہوئی یہ ذمہ داری آج امت پر یعنی آپ پر آ گئی۔ اب یہ اعلانِ وحدت آپ نے اپنے ارد گرد مشرکین یعنی شرک کرنے والوں، غیر اللہ کو پکارنے والوں اور ایک سے زائد الٰہ ماننے والوں میں کرنا ہے نا کہ، الٹا اللہ ہی کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے کہنا ہے کہ آپ اعلان کر دیجئے۔ اور وہ بھی ایک بار نہیں دس، بیس، پچاس یا سو بار حسبِ طاقت ہر رکعت میں پڑھ کر اپنے اللہ کو راضی کریں کہ ہم تو یہ اعلان نہیں کر سکتے، یونکہ یہ مشرکین نہیں مانتے، اس لئے اب آپ ہی کریئے۔ (نعوذ باللہ) غور کیجئے کہ جب آپ اللہ کے حضور میں مؤدب کھڑے ہو کر کہیں گے "قُلْ" تو اس کے کیا

معنٰی ہوں گے ؟ یہی نا کہ حضور اب تو آپ ہی یہ اعلان کریئے کہ اللہ ایک ہے!

یہ بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح سے آپ درود شریف میں کرتے ہیں (آپ ہی کے ترجمہ کے مطابق) کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کہے صَلُّوا۔ اور آپ کہیں اَللّٰھُمَّ صَلِّ ۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ ہی درود بھیجئے! کہئے کچھ عقل شریف میں آیا کہ یہ عجمی اور عجم زدہ علما کرام آپ کے ساتھ کیا کرتے رہے ہیں! یاد رکھئے یہ اعلان توحید: ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ۔ (اللہ ایک ہے) آپ نے اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر نہیں کرنا بلکہ اپنے ارد گرد نظر دوڑایئے جہاں چاروں طرف غیر اللہ یعنی اللہ کے بندوں ہی کو پکارنے والے، دو خداؤں اور تین خداؤں کے ماننے والے اپنے آپ کو اللہ کا بیٹا کہنے والوں یا انبیاء میں سے بعض کو اللہ کا بیٹا کہنے والے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ انہیں مخاطب کرنا ہے۔ انہیں سمجھانا ہے۔ ان میں تبلیغ کرنا ہے۔

★۔ تہجد کی دعائے افتتاح کے عنوان کے تحت موصوف حضرت ابن عباسؓ سے ایک غیر قرآنی دعا نقل کرتے ہیں (بخاری و مسلم) جو کہ ان کی کتاب کے تقریباً چار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے[1] اسے میں یہاں نقل نہیں کرتا یونکہ مجھے اچھی طرح سے اندازہ ہے کہ (نام نہاد) احادیث ماننے والوں کی اکثریت کو نہ تو وہ یاد ہے، نہ ہی اس کو پڑھتے ہیں اور نہ ہی انہیں معلوم ہے۔

جبکہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ جب تہجّد کے لئے اٹھے تو بیٹھنے کے بعد آسمان کی طرف نظر کر کے سورہ آل عمران کی آخری گیارہ آیات پڑھے۔ (بخاری و مسلم)[2] کس کس کو یہ معلوم ہے اور کون کون اس پر عمل کرتا ہے؟؟

(۳۲)۔ "نماز تراویح کا بیان" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

> "نماز تراویح اور تہجد (رات کی نماز) دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ رات کی نماز غیر رمضان میں جب سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جائے تو تہجد کہلاتی ہے۔ اور اگر رمضان میں سونے سے قبل عشاء کے ساتھ پڑھ لی جائے تو اس کو تراویح کہتے ہیں"۔[3]

قارئین کو معلوم ہونا چاہئے کہ لفظ یا اصطلاح 'تراویح' نہ تو قرآن مبین میں استعمال ہوا ہے اور نہ ہی احادیث شریف میں۔ یہ تفریق یا تقسیم یا تعریف موصوف کی اپنی من پسند ہے۔ اگر ایسا نہیں تو پھر موصوف نے خود اپنی اس کتاب میں 'نماز وتر'، 'نماز تہجد' اور 'نماز تراویح' کے علیحدہ علیحدہ باب یا عنوانات کیوں قائم کئے ہیں؟ اور ہر ایک کے لئے الگ الگ تفصیل کے علیحدہ علیحدہ باب یا عنوانات کیوں قام کئے ہیں؟ اور ہر ایک کے لئے الگ الگ تفصیل سے لکھا ہے۔ اوپر کے غلط بیان کے بعد ایک اور غلط یا من پسند یا خود ساختہ عجم زدہ سرخی لگاتے ہیں کہ "رسولؐ خدا نے تین رات تراویح پڑھائی" فرماتے ہیں:

> "حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں کہ ہم نے رسولِؐ خدا کے ساتھ روزے رکھے (حضرت ابو ذرؓ نے یقیناً رسولِؐ خدا نہیں کہا ہو گا بلکہ رسول اللہ کہا ہو گا۔ صدیق)۔ پس (شروع میں) آپؐ نے ہمارے ساتھ مہینے میں سے کچھ بھی قیام نہ کیا۔ حَتّٰی بَقِیَ سَبْعٌ فَقَامَ بِنَا۔ یہاں تک کہ تیئیسویں رات کو حضورؐ نے ہمیں نماز تراویح

---

[1] صلوٰۃ الرسول۔ ص ۳۷۳-۳۷۷۔۔۔ [2] صلوٰۃ المسلمین۔ ص ۲۴۷۔۔۔ [3] صلوٰۃ الرسول۔ ص ۳۷۸

پڑھائی (یہ لفظ تراویح حدیث شریف میں نہیں ہے یہ موصوف کے اپنے عجم زدہ ذہن کی پیداوار ہے۔ صدیق)۔ فَلما کانتِ السّادسة لَم یَقُم بِنا فَلَمّا کانتِ الخامسةُ قَامَ بِنَا۔ پھر آپؐ نے چوبیسویں رات چھوڑ کر پچیسویں رات کو ہمیں تراویح پڑھائی (یہ لفظ تراویح حدیث شریف میں نہیں ہے۔ صدیق)۔ فلما کانتِ الرابعة لم یَقُم بِنا فلما کانت الثالثة جمع اهلهٗ و نساءهٗ والناسَ فَقَامَ بِنا۔ پھر آپؐ نے چھبیسویں رات چھوڑ کر ستائیسویں شب کو اپنے گھر کے آدمیوں کو، اپنی عورتوں کو، اور سب لوگوں کو جمع کر کے ہمیں نماز تروایح پڑھائی (یہ لفظ تراویح حدیث شریف میں نہیں ہے۔ بلکہ سب جگہ الفاظ قَام، یَقُم، فَقَامَ، یَقُم استعمال ہوئے ہیں جس کے معنیٰ کھڑے ہونا یعنی نماز کے لئے کھڑے ہونا ہے۔ صدیق)[1] (دیکھئے ابو داؤد شریف۔ کتاب الصلوٰۃ میں ابواب صلوٰۃ السفر۔ حدیث نمبر ۱۳۶۱)

موصوف کا یہ بیان کہ "رسولِ خدا نے تین رات تراویح پڑھائی" کذب بیانی پر منحصر ہے نیز اس کو انہوں نے شب قدر سے بھی ملا دیا۔ اس کے فوراً بعد موصوف تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت زیدؓ بن ثابت کہتے ہیں: (حضورؐ نے تین رات تراویح پڑھانے کے بعد) فرمایا۔ میں نے دیکھا کہ تمہارا معمول (تراویح) برابر قائم ہے تو مجھے ڈر ہوا کہ عنقریب تم پر فرض کر دیا جائے گا (اس لئے باہر تراویح پڑھانے نہ نکلا) پس تم اپنے گھروں میں نماز (تراویح) پڑھو۔ (مسلم، بخاری) ناظرین آپ کو معلوم ہو گیا کہ رسولؐ اللہ نے صرف تین رات تراویح پڑھائی۔ اور پھر اس خیال سے کہ کہیں یہ نماز با جماعت ادا کرنے پر فرض نہ ہو جائے۔ اور پھر امت اس کے ترک پر بہت گنہگار ہو گی۔ حضورؐ نے اسے جماعت سے پڑھانا ترک کر دیا اور لوگوں کو گھروں میں پڑھ لینے کا حکم دیا"[2]۔

غور کیجئے اوپر جو کچھ دو حدیث شریفوں کے حوالہ سے بیان کیا گیا وہ نہ صرف کذب بیانی بلکہ تحریف حدیث بھی ہے۔ دونوں حدیث شریفوں میں تراویح کا لفظ بالکل بھی استعمال نہ ہوا، نہ ہی عجمی محدثین نے یہ لفظ ان روایتوں میں استعمال کیا۔ یہ موصوف ہی کے عجم زدہ ذہن کی ترکیب ہے کہ کون اصل کتابوں سے چیک کرے گا! جو چاہو لکھ دو۔ دوم یہ کہ ان دونوں روایتوں کی جو اصل روایت ہے وہ یوں ہے:

"حضرت عائشہؓ نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی، تو آپؐ کے ساتھ لوگوں نے بھی پڑھی، پھر دوسری رات میں آپؐ نے نماز پڑھی تو لوگوں کی تعداد زیادہ ہو گئی، پھر تیسری یا چوتھی رات کو لوگ جمع ہوئے تو رسول اللہ ﷺ ان کے پاس نہیں آئے۔ جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا، کہ میں نے اس چیز کو دیکھا جو تم نے کیا، اور مجھے باہر آنے سے کسی چیز نے نہیں روکا، بجز اس خوف کے کہ کہیں تم پر فرض نہ ہو جائے، اور یہ رمضان کا واقعہ تھا"۔ (صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، اَبوابُ تَقصِیرُ الصَّلوٰة، باب ۷۱۸، تحریض النبی علی صلوٰةِ اللّیل و النوافِل من غیرِ ایجاب ........... حدیث نمبر ۱۰۵۷، و صحیح مسلم، کتاب صلوٰة المسافرین، بابُ الترغیب فی قیامِ رمضان وھو التراویحُ، حدیثِ عائشہؓ)

غور کیجئے، اتفاق سے یہ واقعہ رمضان کے مہینہ کی رات میں پیش آیا۔ مگر اس میں اس صلوٰۃ کو صلوٰۃ التراویح

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۷۸۔۳۷۹۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۳۷۹

نہیں کہا گیا اور نہ ہی صلوٰۃ الیل کہا گیا۔ بلکہ صحابہؓ نے صلوٰۃ یا اجر کی حرص میں ایسا کیا تھا کہ رسول کی امامت میں ان کے ساتھ صلوٰۃ میں شریک ہو گئے تھے۔ روایت میں یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ اس کا پہلے سے اعلان ہوا تھا۔ یا رسول نے ان کو جماعت کے لئے بلایا تھا۔ نہ ہی یہ بتایا گیا کہ یہ کس وقت کا واقعہ ہے؟ کیا صلوٰۃ العشاء کے فوراً بعد، یا آدھی رات کو یا کس وقت؟ پھر پہلی رات میں صحابہؓ کو کیسے معلوم ہوا؟ یا بقول آپ کے اگر یہ تہجد کی نماز تھی تو وہ تو تھی ہی صرف رسول کے لئے تو اس میں صحابہؓ کے شریک ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر یہ تراویح کی نماز تھی تو پھر یہ نئی نماز تھی تو اس کا اعلان ہونا چاہیئے تھا، مگر ایسا نہیں ہوا!

مزید غور کیجئے کہ آپ تو مروجہ نمازِ تراویح میں، مہینہ میں، پورا قرآن کریم پڑھتے ہیں یہاں وہ بھی پڑھے جانے کا ذکر نہیں! آخر یہ کونسی نماز تھی جسے تراویح کہا جا رہا ہے جس میں قرآن کریم نہیں پڑھا جا رہا اور جس کا ذکر یا اشارہ تک قرآن مبین میں نہیں۔ بقول موصوف ہی[1] کے کیا اللہ تعالیٰ اس نماز کی طرف اشارہ کرنا بھول گئے تھے (معاذ اللہ) ............. صاف ظاہر ہے کہ یہ عجمی ذہن اور ان کی تقلید کی اختراع ہے! یونکہ نماز میں پورا قرآن کریم پڑھنے کا حکم کہیں نہیں ہے جبکہ تراویح میں پورا قرآن کریم بغیر سمجھے پڑھا جاتا ہے۔ البتہ اس کا فائدہ حفاظ کرام کو ضرور پہنچتا ہے کہ سال میں (کم از کم رمضانوں میں) رَٹ رَٹا کر، محنت کر کے، بھولے ہوئے کو پھر سے یاد کر لیتے ہیں اور بے سمجھے بوجھے اسے نماز میں پڑھ کر، نا سمجھنے والوں ہی کو سنا دیتے ہیں۔ اس طرح سے قرآن کریم کی حفظ رکھنے کی حفاظت ہو جاتی ہے اور حافظ صاحبان کا کچھ معاشی طور پر فائدہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ آپ اہلحدیثوں میں سے بہت سے اس نماز تراویح کو نہیں مانتے اور نہ پڑھتے ہیں!

(۳۳)۔ "**جمع بَین الصَّلوٰتین در حضر**" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

"سفر میں دو نمازوں کو کسی وجہ سے جمع کر کے پڑھ لینے کا مسئلہ تو آپ ملاحظہ کر چکے ہیں، خدا کے پیارے رسولؐ نے ہماری جانیں اور ماں باپ آپؐ پر قربان، امت کی آسانی کے لئے ضرورت کے وقت سفر کے علاوہ حضر میں بھی جمع بین الصّلوٰتین کی اجازت دے دی ہے"[2]۔ (غور کیجئے یہاں موصوف اہلحدیث، توحیدی ہونے کے دعویدار، نے رسول کو اللہ کے برابر بٹھا دیا کہ انہوں نے حضر میں بھی جمع بین الصلوٰتین کی اجازت دیدی! گویا کہ صلوٰۃ اللہ کی طرف سے نہیں بلکہ رسول کی طرف سے ہے! یا پھر دو حکم ہو گئے (یعنی حکم دینے والے دو ہو گئے)۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ حکم صرف اسی کا ہے۔(۶/۵۷، ۶/۶۲، ۷/۵۴، ۱۲/۴۰، ۱۲/۶۷، ۲۸/۷۰، ۲۸/۸۸، ۱۲/۴۰ وغیرہم) مگر موصوف توحیدی صاحب اللہ کے علاوہ اس کے بندہ کا حکم بھی اس کے ساتھ شریک کر رہے ہیں! جبکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا(۱۸/۲۶، ۱۲/۴۰، ۴۲/۲۱، ۷/۲۸ وغیرہم)

موصوف نے اس کے لئے مسلم کی دو حدیثیں بھی لکھ دی ہیں۔ جس کے صاف معنیٰ یہ ہوئے کہ نعوذ باللہ، رسولؐ، اللہ کے حکم کے خلاف عمل کرنے کو جائز قرار دے دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ........... "بے شک مومنین پر نماز کا مقررہ وقت پر پڑھنا فرض کر دیا گیا ہے" (۴/۱۰۳) مگر رسول فرما رہے ہیں کہ وقت کے علاوہ دو، دو

---

[1]۔ ایضاً "دعائے رسولؐ میں زیادتی"۔ ص ۲۹۳۔۔۔[2]۔ ایضاً۔ ص ۴۰۱

صلوٰتیں جمع کر کے پڑھ لیا کرو۔ (معاذ اللہ) تو پھر تو مُلّا جی کے مزے آ گئے کہ پانچ اوقات کے بجائے تین اوقات ہی میں نماز پڑھنا پڑھانا ہو گی! یہ کام رسول کا نہیں، بلکہ عجمیوں کا ہے کہ انہوں نے خلافِ قرآن روایت بنالی!

میں تو سیدھی سیدھی بات قرآن مبین کی کرتا ہوں۔ جس کو حدیثی اور منطقی جواب چاہئے ہو وہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب کی کتاب صلوٰۃ المسلمین میں عنوان "بحالتِ اقامت دو صلاتوں کا جمع کرنا" پڑھ لیں۔ انہوں نے بھی اس کو نہیں مانا ہے۔ اب آپ کی مرضی آپ حدیث کو مانیں یا قرآن مبین کو (۴/۱۰۳)

(۳۴)۔ " نماز کی مسنون قراءت " کے عنوان کے تحت موصوف نے سات آٹھ صفحات سیاہ کئے ہیں اور ان میں یہ بتایا ہے کہ کس نماز میں اور اس کی کس رکعت میں قرآن کریم کی کونسی سورۃ، رسول اللہ سلامٌ علیہ پڑھتے تھے۔ اسی طرح سے دیگر حضرات نے بھی مسنون قراءات دی ہیں۔ وہ اگر یہاں لکھی جائیں تو بات کافی لمبی ہو جائے گی اس لئے میں انہیں یہاں نقل نہیں کر رہا۔ ان میں بھی کچھ نہ کچھ اختلافات ہیں۔ مگر اصل بات یہ کہ کتنے حدیث کے ماننے والوں یا حدیثی نماز پڑھنے والوں کو اور ان کے پیش اماموں کو یہ قراءات معلوم ہیں اور یاد ہیں اور کون کون ان سنتوں پر عمل کرتا ہے؟؟

**۴۔** اس وقت جو حالیہ یا تازہ ترین کتاب "دار السلام" والوں نے بڑے اہتمام سے **۲۰۰۲ء** میں شائع کی ہے وہ جناب ڈاکٹر سید شفیق الرحمان صاحب کی کتاب "نماز نبوی" صحیح احادیث کی روشنی میں ہے۔ جس پر تحقیق و تخریج جناب ابو الطاہر حافظ زبیر علی زئی صاحب نے کی ہے اور تصحیح و تنقیح جناب حافظ صلاح الدین یوسف صاحب، جناب عبد الصمد رفیقی صاحب جناب عبد الرشید صاحب، جناب اللہ یار صاحب، جناب عبد الجبار صاحب، اور جناب صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب جیسے گرامی قدر علمانے کی ہے۔ جناب عبد المالک مجاہد صاحب اس کتاب کے ناشر ہیں چنانچہ وہ شروع کتاب، "عرض ناشر" میں فرماتے ہیں:

"بلا شبہ نماز ایک مکمل عبادت ہے جو بدنی، قولی اور قلبی عبادات کا حسین امتزاج ہے۔ لیکن اس کی قبولیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کیا جائے۔ نماز سے متعلق ہر کتاب کی پیشانی پر یہ حدیث نبوی (صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ نماز اس طرح پڑھو جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے) ضرور لکھی جاتی ہے، لیکن ان کتابوں کے مطالعہ سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ مسنون طریقہ پر نہیں لکھی گئیں بلکہ سنت نبوی کے بجائے اپنے اپنے مسلک کا پرچار کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ کتاب و سنت کی بجائے اپنے مسلک کے دفاع کے عمل کے دَوران احادیث کے انتخاب میں نہ صرف محدثین کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے بلکہ نفس امارہ کی تسکین کے لئے احادیث کی غلط تاویل کرنے اور انہیں ضعیف قرار دینے کی بھی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے (اعاذنا اللہ منه) چنانچہ جب قاری سنت نبوی کو کتب صحیحہ کے ہوتے ہوئے سطحی قسم کی عامیانہ کتابوں میں تلاش کرتا ہے تو وہ نماز نبوی کے طریقے سے دُور ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ نماز کو سنت کے مطابق ادا کرنے کا صحیح طریقہ حدیث نبوی کی مستند کتب سے براہِ راست مرتب کیا

جائے۔ الحمد للہ! اللہ تعالیٰ نے دار السلام کو ایک ایسی ہی کتاب 'نماز نبوی' کے نام سے شائع کرنے کی سعادت نصیب فرمائی۔ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے"[1]

ناشر صاحب نے بڑی اچھی بات لکھی کہ بدنی، قولی اور قلبی عبادات کا حسین امتزاج نماز کی قبولیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ادا کیا جائے۔ مگر ناشر صاحب یہ لکھنا بھول گئے کہ پھر سنتِ رسول ایک یعنی متفق علیہ ہونا چاہئے۔ مگر افسوس کہ ایسا نہیں۔ اس سلسلہ میں سب سے بہترین تحریر استاذی جناب مسعود احمد صاحب کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"صلوٰۃ کا طریقہ فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ فرض کی تو اس کے ادا کرنے کے طریقہ کو مسلمین کے صوابدید پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے طریقہ کو بھی فرض کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۖ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٩﴾ (بقرہ:۲۳۹)

جب تم (بحالتِ جنگ دشمن سے) خطرہ محسوس کرو تو صلوٰۃ کو چلتے پھرتے یا سواری پر پڑھ لو۔ اور جب امن ہو جائے تو صلوٰۃ کو اسی طریقہ سے ادا کرو جس طریقہ سے اللہ نے تم کو سکھائی ہے اور جس طریقہ سے تم (پہلے) ناواقف تھے

صلوٰۃ کا طریقہ کہاں ملے گا۔ جب طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ فرض کی ہے وہ طریقہ قرآن مجید میں تو نہیں ملتا (کسی نے تلاش ہی نہیں کیا! صدیق) ظاہر ہے کہ پھر وہ طریقہ رسول ﷺ کی احادیث میں ملے گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي (صحیح بخاری) صلوٰۃ اسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے

مذکورہ بالا آیت و حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ نے صلوٰۃ ادا کی ہے وہ طریقہ فرض ہے اس طریقہ میں فرض، واجب، سنت اور مستحب کی تقسیم فرضی ہے (یعنی خود ساختہ ہے! کس کی خود ساختہ؟ صدیق) تمام ایمان والوں کو صرف اُسی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھنی چاہئے جس طریقہ سے رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کئی طریقے سے صلوٰۃ پڑھتے تھے، رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھی ہے اور وہی طریقہ فرض ہے۔ صحیح احادیث سے اس طریقہ کو تلاش کر کے اس طریقہ کے مطابق صلوٰۃ پڑھنی چاہئے۔ صلوٰۃ کے فرقہ وارانہ طریقوں سے کُلیتًا اجتناب کرنا چاہئے۔"[2]

غور کیجئے کہ یہ کتنا منطقی اور حقیقی استدلال ہے کہ رسول اللہ سلام علیہ کی ادائیگی صلوٰۃ کا ایک ہی طریقہ تھا

---

[1] "نماز نبوی" صحیح احادیث کی روشنی میں۔ ترتیب: ڈاکٹر شفیق الرحمٰن۔ دار السلام۔ ریاض، جدہ، شارجہ، لاہور، لندن، ہیوسٹن، نیویارک، جون ۲۰۰۲ء ایڈیشن۔ ص ۱۱۔ ۱۲۔ [2] صلوٰۃ المسلمین۔ از جناب مسعود احمد صاحب۔ جماعت المسلمین۔ ص ۴۳۔ ۴۵

جو کہ اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا تھا (یعنی قیام، رکوع و سجود) اور اسی طرف رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا کہ ''صلوٰۃ اس طرح ادا کرو جس طرح تم نے مجھے ادا کرتے ہوئے دیکھا ہے'' خیال رہے کہ اس (نام نہاد) حدیث کے ٹکڑے میں (یہ ایک حدیث نہیں بلکہ کسی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جسے عجمیوں نے اپنے مطلب کے لئے اس طرح پیش کیا ہے جیسے یہ مکمل ایک ہی حدیث ہو) لفظ پڑھنا کہیں بھی استعمال نہیں ہوا ہے بلکہ یہ مترجمین کا کمال ہے۔ ہاں البتہ اس میں لفظ دیکھنا ضرور استعمال ہوا ہے۔ کہ جس طرح مجھے (ادا) کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لئے اس کو رسولی صلوٰۃ نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ تو صرف' بقول ناشر صاحب کے، ''بدنی'' حصہ عبادت ہے اس میں قولی اور قلبی حصہ صلوٰۃ شامل نہیں۔ اور یہی وہ (نام نہاد) حدیث ہے جو نماز سے متعلق ہر کتاب کی پیشانی پر' بغیر سوچے سمجھے' ضرور لکھی جاتی ہے۔ یعنی یہ بدنی حرکات کا عملی مظاہرہ ہے

آگے بڑھنے سے پہلے ذرا اس حدیث شریف پر نظر ڈالتے چلئے جس کا ایک جملہ ہر نماز کی کتاب کی پیشانی پر لکھا ہوتا ہے۔ آپ کو یہ حقیقت جان کر شاید حیرت ہو کہ یہ صرف ایک ہی محدث نے روایت کیا ہے یعنی امام بخاری نے اور وہ بھی باب ۴۰۹ ''مسافر کی اذان اور اقامت جب جماعت ہو'' میں:

> ''حدیث نمبر ۶۰۰، محمد بن مثنیٰ، اعبد الوہاب، ایوب، ابو قلابہ، مالک (بن حویرث) کہتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کے پاس آئے اور ہم چند (تقریباً) برابر عمر کے جوان تھے۔ بیس شب و روز ہم آپ کی خدمت میں رہے۔ رسول ﷺ نرم دل مہربان تھے۔ جب آپؐ نے خیال کیا ہم کو اپنے گھر والوں کے پاس (پہنچنے کا) اشتیاق ستا رہا ہے، تو ہم سے ان کا حال پوچھا جن کو اپنے پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ ہم نے آپؐ کو سب کچھ بتایا، پس آپؐ نے فرمایا کہ واپس لوٹ جاؤ، اور ان ہی لوگوں میں رہو اور ان کو تعلیم دو، اور (اچھی باتوں کا) حکم دو، اور چند باتیں آپؐ نے بیان فرمائیں۔ (جن کی نسبت مالک نے کہا کہ مجھے یاد ہیں' یا' یہ کہا کہ یاد نہیں رہیں) اور جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ اسی طرح نماز پڑھا کرو' اور جب نماز کا وقت آجائے تو تم میں سے کوئی ایک شخص اذان دے دے، اور تم سے بڑا تمہارا امام بنے''

(۱)۔ غور کیجئے کہ یہ (نام نہاد) حدیث شریف کس بارے میں ہے؟ (باب ملاحظہ ہو!) باب کے مطابق یہ مسافر کے لئے ہے!

(۲)۔ نوجوان رسول سلامٌ علیہ کی خدمت میں رہ کر اُکتا گئے اور گھر واپس جانے کے لئے بے چین ہو گئے! کیا یہ عجیب بات نہیں؟

(۳)۔ حدیث شریف میں شروع سے نماز کا ذکر خیر نہیں! اور کتنی عجیب بات ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے جو چند باتیں بیان فرمائیں وہ نوجوان صحابی کو یاد رہیں' یا' یاد نہیں رہیں! محدث صاحب کو اور ان کے عجمی راویوں کو کچھ پتہ نہیں!

(۴)۔ البتہ انہوں نے یہ الفاظ یقیناً بڑھا دیئے۔ چونکہ بالکل یہی روایت صحیح مسلم شریف میں باب: ''امامت کا مستحق کون ہے'' میں موجود ہے مگر اس میں ''صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّي'' کے الفاظ نہیں ہیں! چنانچہ یہ روایت غیر محفوظ ہو گئی۔ اس کا محفوظ متن صرف وہ ہو سکتا ہے جو کہ دونوں کتابوں میں مشترک ہو۔ باقی زائد حصہ یقیناً

کسی کا منسلکہ ہے۔

(۵)۔ دوسرے، (نام نہاد) احادیث ہی کے مطابق قابل اعتراض بات یہ ہے کہ اس روایت میں آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ نماز کے وقت "تم میں سے بڑا تمہارا امام بنے" جبکہ مسلم شریف کی' اس سے پہلے کی دو تین روایات میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ امامت وہ کرے جو قرآن زیادہ جانتا ہو' اگر قرآن میں برابر ہوں تو جو سنت زیادہ جانتا ہو۔ اگر سنت میں برابر ہوں تو جس نے پہلے' ہجرت کی ہو۔ اگر ہجرت میں بھی برابر ہوں تو جو اسلام پہلے لایا ہو۔ اگر اس میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑا ہو۔ گویا کہ عمر کی بڑائی کا درجہ امامت نماز کے لئے سب سے آخر میں آتا۔ مگر صحیح بخاری شریف کی روایت میں ڈائریکٹ اسی آخری شرط یا درجہ کا کہا جارہا ہے۔ ظاہر ہے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ اپنی ہی کہی ہوئی بات کو اُلٹ نہیں کہہ سکتے۔ اس لئے آپ اس روایت کو جو چاہیں مقام دے لیں مگر میرے نزدیک تو یہ عجمیوں کی اکلوتی نشانی ہے، کہ میری طرح سے' قیام' رکوع' سجود کر لو۔ ان ارکان نماز میں کیا کچھ پڑھنا ہے یا نہیں' اس کا کوئی ذکر نہیں۔ بس ٹکریں مار مار کر ماتھے اور گھٹنوں پر ڈھٹے بنالو مگر ربّ کے آگے کیا عرض کرنا ہے اور پھر اس کی روح یعنی فواحشات سے کیونکر رُک جانا ہے اس بارے میں عجمیوں نے امت محمدی کو محروم ہی رکھا ہے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے کچھ نہیں تبایا! ہاں کبھی کسی کے دریافت کرنے پر کچھ بتادیا کہ یہ پڑھ لیا کرو! اسی لئے میں کہتا ہوں کہ نماز ادا کرنے کا پورا طریقہ کسی ایک روایت' بلکہ روایت کی کسی ایک کتاب میں بھی نہیں ملے گا!

یہاں یہ حقیقت بھی ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے الفاظ و کلمات، سنت یا طور طریقے نہیں بدلتا اسی طرح اس کا رسول جو دنیا کا سب سے پروقار انسان ہے اپنے الفاظ و اقوال یا ارشادات اور طور طریقے یا سنت نہیں بدلتا۔ اس لئے صلوٰۃ بھی ایک ہی ہے۔ مگر بقول ناشر صاحب کے نماز کی کتابوں سے یہ تلخ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ مسنون طریقہ (یعنی ایک طریقہ پر۔ صدیق) نہیں لکھی گئیں بلکہ سنت نبوی کے بجائے اپنے اپنے مسلک کا پرچار کرنے کے لئے لکھی گئی ہیں۔ پیچھے ہم نے جن تین کتابوں کا ذکر خصوصی طور پر کیا ہے (کہ وہ بھی صحیح احادیث کے مطابق لکھی جانے کی دعویدار ہیں اور جن کے لکھنے والے پکے و مخلص اہل حدیث حضرات ہیں) کے متعلق ناشر صاحب کیا فرمائیں گے؟ کیا جناب محمد صادق سیالکوٹی صاحب، جناب ناصر الدین البانی صاحب اور جناب مسعود احمد صاحب نے اپنے اپنے مسلک کے پرچار کے لئے کتابیں لکھیں؟ کتاب و سنت کی بجائے اپنے اپنے مسلک کے دفاع کے عمل کے دوران' ان حضرات نے بھی' "احادیث کے انتخاب میں نہ صرف محدثین کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز کر دیا بلکہ نفس امارہ کی تسکین کے لئے احادیث کی غلط تاویلات کیں اور انہیں ضعیف قرار دینے کی بھی ہر ممکن کوشش کی"۔ اس مقام پر ناشر صاحب یہ بھول گئے کہ ہر محدث نے اصول مرتب نہیں کئے۔ بلکہ ان کو یہ حقیقت معلوم ہی نہیں کہ ان کے امام المحدثین صاحب یعنی صحاح ستہ بنانے کے سرخیل امام نے (نام نہاد) احادیث پرکھنے کے کوئی بھی اصول' اپنی کسی بھی کتاب شریف میں تحریر نہیں فرمائے! خیر، ناشر صاحب نے ان کمزوریوں کو دور کرتے ہوئے، نماز کو سنت کے مطابق ادا کرنے کے صحیح طریقے پر مبنی کتاب "نماز نبوی' مرتب کروا کر شائع کر دی ہے۔ آیئے اب اسے دیکھتے ہیں:

عرضِ ناشر کے بعد مرتب کا ابتدائیہ ہے جس میں وہ تحریر کرتے ہیں:

''اللہ کی حمد و ثنا کے بعد رسول اللہ ﷺ پر' درود و سلام ہو' جنہیں اللہ تعالیٰ نے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ (النحل،۴۴/۱۶)

اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) اتارا ہے تاکہ جو (ارشادات) لوگوں کے لئے نازل کئے گئے ہیں آپ ان کی توضیح و تشریح کر دیں۔

چنانچہ آپ اللہ کے حکم کی تعمیل میں کمربستہ ہو گئے (یعنی جُت گئے، جی جان سے اس میں لگ گئے۔ اور یہی معنی ہوتے ہیں عربی لفظ صَلّٰوا کے۔ صدیق) اور جو شریعت آپ پر نازل ہوئی (وہ تو صرف قرآن مبین تھا۔ اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ۔ ۶/۱۹، ۱۲/۳۔ صدیق) آپ نے اسے بالعموم پوری وضاحت کے ساتھ (وہ تو پہلے ہی مبین تھا یعنی پوری طرح وضاحت شدہ۔ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ ۱/۱۵، ۶۹/۳۶، وَ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۱/۲۷) لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ تاہم نماز کی اہمیت کے پیش نظر اسے نسبتاً زیادہ واضح شکل میں پیش کیا۔ اور اپنے قول و عمل سے اس کا عام پرچار کیا یہاں تک کہ ایک بار نبی ﷺ نے منبر پر نماز کی امامت فرمائی' قیام ور کوع منبر پر کیا' (نیچے اتر کر سجدہ کیا پھر منبر پر چڑھ گئے اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا:

اِنَّمَا صنعتُ هٰذَا لِتَاْتَمُّوا بِی وَلِتَعَلَّمُوا صَلاتِی۔

میں نے یہ کام اس لئے کیا ہے تاکہ تم نماز ادا کرنے میں میری اقتدا کر سکو اور میری نماز کی کیفیت معلوم کر سکو (صحیح بخاری' الجمعہ' باب الخطبہ علی المنبر۔ حدیث ۹۱۷ و صحیح مسلم' المساجد باب الخطوۃ والخطوتین فی الصلاۃ۔ حدیث ۵۴۴)

نیز اس سے بھی زیادہ زور دار الفاظ میں اپنی اقتدا کو واجب قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''صَلُّوْا كَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو''[1]

غور کیجئے کہ جناب ڈاکٹر صاحب نے اپنا اوپر کا بیان ''درود' یعنی عجمی کارستانی یا عقیدہ ہی سے شروع کیا ہے۔ خیر یہ تو اپنے اپنے عقیدہ کی بات ہے وہ کسی بھی فرقہ کا عقیدہ رکھ سکتے ہیں! ہم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں۔ لیکن وہ کم از کم قرآن مبین کے ساتھ کھلواڑ نہ کریں تو مہربانی ہو گی۔ انہوں نے سورہ النحل کی آیت مبین لکھ کر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ قرآن مبین، نعوذ باللہ، غیر مبین ہے، مجمل ہے، اور اس کی توضیح و تشریح اللہ کے رسول کریں گے۔ گویا کہ وہ اللہ سے زیادہ قابل ہیں۔ (معاذ اللہ) وہ خالق بزرگ و مالک کو بندہ کے مقام پر لے آئے کہ خالق و مالک کے ارشادات (یہ لفظ بھی انہوں نے غلط استعمال کیا ہے، یہ لفظ رسول کے لئے تو استعمال ہو سکتا ہے۔ مگر اللہ رب العزت کے لئے مناسب لفظ احکام یا احکامات ہونا چاہئے) کی وضاحت اور تشریح اس کا بندہ کرے گا۔ تو ظاہر ہے وہ بندہ مالک سے زیادہ جاننے والا، قابل ہوا۔ یا پھر جو اس نے، صحیح یا غلط، سمجھا۔ آپ اپنی دنیا کی مثال لے لیجئے۔ آپ کی کتاب کی شرح یا تشریح کون کرتا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ آپ ہی کا ہم جنس (انسان) اور ہم پیشہ ہوتا ہے

[1] 'نمازِ نبوی' از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب۔ ص ۱۳۔ ۱۴

جب کہ رسول نہ تو اللہ کا ہم جنس ہے اور نہ ہی اس کا ہم پیشہ۔ وہ تو صرف ایک عبد بندہ غلام، خادم، اور پیغامبر ہے۔ اس کا کام صرف بلاغ ہے یعنی من و عن پیغام کا پہنچا دینا۔ اپنی طرف سے کچھ گھٹانا بڑھانا یا وضاحت و شرح کرنا نہیں۔ ہاں دیگر بندوں کے مقابلہ میں اس کی رفعت اور خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اسے اپنا پیغامبر چُن لیا اور اس کے قلب پر وحی کر کے اپنا پیغام بسم اللہ کی ب سے والناس کی س تک نازل فرمایا اور حکم دیا کہ اس کو من و عن بیان کر دو' پہنچا دو۔ وہ تو پہلے ہی تصریف الآیات کے ذریعہ وضاحت شدہ ہے۔(۶/۴۶ ، ۶/۶۵ ، ۱۷/۸۹ و غیر ہم) **مبین** کے معنٰی ہی بیان شدہ، وضاحت شدہ یا جو کھول کھول کر بیان کر دیا گیا ہو، ہیں۔ اسے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ جسے سمجھ نہ آئے تو تصریف الآیات کے ذریعہ سمجھنے کی کوشش کرے' فکر کرے(۴۶/۳۴) تدبر کرے(۴/۸۲ ، ۴۷/۲۴) تو انشاءاللہ سب آسان ہو جائے گا۔ (۱۷ ، ۲۲ ، ۵۴/۳۲)

مزید یہ کہ موصوف کا ابتدائیہ پڑھ کر کچھ ایسا تاثر بنتا ہے، جیسے یہ آیت کریمہ، شاید سب سے پہلے نازل ہوئی ہو۔ اور رسولؐ کو قرآن مبین کی شرح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ بات یہ بھی ان کے فرقہ کے عقیدہ کی ہے۔ کہ (نام نہاد) احادیث، قرآن کی شرح یا تفسیر ہیں! خیر وہ جو چاہیں عقیدہ رکھیں، ممگر ان کو اور میرے قارئین کو یہ حقیقت معلوم ہونا چاہیے کہ قرآن کریم کا یعنی دین کا واحد **شارح** صرف اللہ تعالیٰ ہے (۳/۳۹ ، ۲۳ ، ۲۵/۲۵) اور شریعت عطا کرنے والا یا بنانے والا **شارع** بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے (۴۲/۱۳ ، ۵/۴۸ ، ۱۸ ، ۴۵/۱۸ ، ۲۲/۶۷) جب کہ عام طور پر ہمارے ملاؤں کا عقیدہ' ان قرآنی فرمودات کے بالکل خلاف' عجمیوں کا بنایا ہوا عقیدہ ہے کہ شارع بھی رسول اور شارح بھی رسول ہے۔ اگر وہ یہ عقیدہ نہ بنائیں اور نہ منوائیں تو پھر ان کی خود ساختہ شریعت و دین کون مانے گا!

الغرض قرآن مبین کے اس فیصلہ کے بعد کہ قرآن خود اپنی شرح کرتا ہے۔ اور وہی شریعت عطا کرتا ہے کس کی مجال ہے کہ شریعت بنائے اور تفسیر کرے؟ یہ تو اللہ کے رسول نے بھی نہیں کیا۔ انہوں نے تو اللہ تعالیٰ کا پیغام من و عن بیان کر دیا' پہنچا دیا اور اپنے اصحابؓ کو اسی ہی کو (خواہ ایک آیت ہی ہو) آگے پہنچانے کی ہدایت کر دی۔ ان کے اصحابؓ نے بھی نہ تو قرآن کے علاوہ کوئی شریعت بنائی اور نہ ہی قرآن کی کوئی تفسیر لکھی[1]۔ یہ دونوں کام تو بعد میں عجمیوں کے کارنامے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو مسلمین و مومنین میں تفرقہ کیسے پیدا کرتے، ان کو ایک مرکز' قرآن مبین' سے جدا کیسے کرتے، اسلام کے نام پر نئے نئے مذاہب اور نئے نئے فرقے و مسالک کیسے بناتے۔ ہر ہر فرقہ و مسلک کے ارکان مختلف کیسے کرتے، ہر ایک کی حدیث و فقہ الگ الگ کیونکر بناتے! میں تو چیلنج کرتا ہوں کہ آپ مختلف فرقوں کی (نام نہاد) احادیث کی کتابیں اور فقہ کی کتابیں اور ان کے علما کے فتاویٰ یا کتابیں دریا برد کر دیجیے، دیکھئے فوراً ہی تمام فرقے و مسالک دھڑام سے زمین بوس ہو جائیں گے اور صرف قرآن کریم کو، صحابہؓ کی طرح مان کر آگے بڑھیں گے اور پھر سے ایک ہی اسلامی حکومت یا خلافت کے تحت دنیا پر چھا جائیں گے۔ اور جو لوگ قرآن مبین کے علاوہ شریعت بنائیں گے یا اس کی شرح کریں گے یا علیحدہ سے تفسیر لکھیں گے، گویا کہ وہ اللہ ہونے کا دعویٰ کریں گے یا اس کی ہمسری و برابری کریں گے۔ جس کی زندہ مثال، کہ پچھلی صدیوں میں، انہوں نے اپنے

[1] تفسیر ابن عباس بھی ان کی لکھی ہوئی نہیں ہے بلکہ یہ چودھویں صدی میں' عجمیوں کی کاوشوں سے ان کی طرف منسوب کر کے شائع کی گئی ہے۔ اس لئے آپ غلط فہمی میں مبتلا نہ ہوں۔

آپ کو مولانا، مولوی، آیت اللہ، علمائے دین شرح متین، رئیس المحدثین و المفسرین، شیخ الہند و شیخ الاسلام، مفتی و مفتیٔ اعظم، آقا و محی وغیرہ۔ اور نہ جانے کیا کیا القاب دے ڈالے اور اسی سے پکارے جانے لگے، حتیٰ کہ ایک صاحب تو اعلیٰ کے بھی باپ بن گئے (اَعُوذُ بِاللّٰہ)۔ کیا، اللہ تعالیٰ کی ہمسری، شرک ظلمِ عظیم نہیں؟

اب آپ ذرا اس حدیث پر غور کر لیجئے جو موصوف نے بخاری و مسلم کے حوالے سے تحریر کی ہے ایک بار رسول اللہ ﷺ نے منبر پر نماز کی امامت فرمائی، قیام ور کوع منبر پر کیا، نیچے اتر کر سجدہ کیا پھر منبر پر چڑھ گئے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر فرمایا میں نے یہ کام اس لئے کیا ہے تا کہ تم نماز ادا کرنے میں میری اقتدا کر سکو اور میری نماز کی کیفیت معلوم کر سکو۔

اس روایت کو اگر اسی طرح بھی، مان لیا جائے، تو پھر یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس کا تعلق بھی محض بدنی کیفیت سے ہے۔ کس رکن میں کیا پڑھا؟ اس بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا! اس لئے یہ روایت بھی اسی درجہ میں آگئی جس درجہ میں صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی کے الفاظ ہیں۔

دوسرے یہ کہ اس روایت میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کو حرکت کرتے ہوئے یعنی منبر سے اترتے ہوئے، پیچھے ایک دو قدم الٹے چلتے ہوئے، پھر سجدہ کرنے کے بعد ایک دو قدم آگے چل کر منبر پر چڑھتے ہوئے (پھر دوسری رکعت میں بھی یہی چلنا پھرنا یا حرکت کرنا) دکھایا گیا ہے۔ (بس کسی سے بات کرنا یا سلام کرنا یا انگوٹھی اتار کر فقیر کو دروازہ پر جا کر عطا کر دینا وغیرہ نہیں دکھایا گیا!) تو پھر نماز اللہ کے حضور میں قیام تو نہ رہی۔ خود آپ ہی کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اُسْکُنُوا فِی الصَّلٰوۃِ۔ (صلوٰۃ میں ساکن رہو۔ کوئی حرکت نہ کرو حتیٰ کہ آسمان کی طرف بھی نہ دیکھو۔ سلام کے لئے ہاتھوں کو اوپر نیچے نہ ہلاؤ اور کوئی حرکت نہ کرو بالکل سکون سے باادب حضوری کرو) (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، بَابُ الْاَمرِ بِالسُّکُونِ فِی الصَّلٰوۃ، عن جابرؓ) اور پھر خود ہی اس کی خلاف کر کے دکھلا رہے ہیں۔ (معاذ اللہ) یہ عجمی حضرات رسول کا کیا نقشہ کھینچنا چاہتے ہیں کہ ان کے قول و فعل میں تضاد تھا! غور کیجئے کہ اس تضادِ عمل کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی جبکہ دیکھنے دکھانے والی روایت صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّی موجود تھی۔ ظاہر ہے کہ دونوں ہی میں صرف عمل کی بدنی کیفیت ہی دکھائی گئی ہے۔ قولی و روحانی کیفیت غائب کر دی گئی ہے یہ ہے عجمی ذہن کا کمال! اور اسی کو پوری نماز تصور کر لینا ہے عجمی ذہن پر ستون کا کمال! خیال رہے کہ یہ روایت بتا رہی ہے کہ ایک صحابیہؓ نے اپنے بڑھئی سے جھاء کے درخت کی لکڑی سے ایک منبر بنوا کر رسول اللہ سلامٌ علیہ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس پر کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھی! اس قسم کے الفاظ بھی یقیناً آپ نے اس پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا ہو گا لیکن 'بعد میں' کسی عجمی نے وہ الفاظ بدل کر لکھ دیئے کہ 'میں نے یہ کام اس لے کیا تا کہ تم نماز ادا کرنے میں میری اقتدار کر سکو اور میری نماز کی کیفیت معلوم کر سکو'! امام بخاری صاحب نے اپنی کتاب میں اسے باب الخطبۃ علی منبر ہی کے تحت روایت کیا ہے مگر امام مسلم صاحب نے اسے اپنی کتاب میں باب 'نماز میں ضرورت سے دو ایک قدم چلنا درست ہے' میں روایت کیا ہے یہاں دونوں محدثین نے ایک ہی باب کے تحت کیوں نہیں لکھا؟ غور کیجئے!

اہم بات یہ کہ دونوں محدثین ہی نے یہ نہیں لکھا کہ یہ کب کا واقعہ ہے؟ کیا جب نماز فرض ہوئی تھی اس کے

فوراً بعد یا کچھ عرصہ بعد یا بالکل آخر میں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ اگر یہ بات وہ لکھ جاتے تو شاید شکوک و شبہات ختم ہو جاتے یا جنم ہی نہ لیتے!

روایت کے مطابق یہ کتنی عجیب بات ہے کہ رسول کا سارا زور (دوسری روایت کے مطابق بھی) نماز کی کیفیت دکھانے پر ہے۔ اس میں کیا پڑھنا ہے اس کا ذکر خیر ہی نہیں! پھر نماز میں غیر معمولی حرکات، چلنا، چڑھنا، اترنا، وغیرہ تو خود حدیث شریف ''اُسکُنوا فی الصلوٰۃ'' [۱] کے خلاف ہے اور قرآن مبین کے بھی خلاف ہے یونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہوا ہے وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (۲/۲۳۸) اور نماز میں اللہ کے سامنے (فرمانبرداری کرتے ہوئے) ادب سے کھڑے رہا کرو۔ تو جو بات قرآن مبین کے خلاف ہو کیا وہ حدیثِ رسول ہو سکتی ہے؟ جو بات خود روایتی لحاظ سے مضطرب و غیر محفوظ ہو کیا وہ حدیثِ رسول یا عملِ رسول ہو سکتی ہے؟ غور کرتے رہیئے۔

آگے موصوف تحریر فرماتے ہیں:

''نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام کے بعد اہل بیت اور صحابہ کرامؓ پر بھی صلوٰۃ و سلام ہو' جو نیکوکار اور پرہیزگار تھے۔ جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کی عبادت، نماز، اقوال اور افعال کو نقل کر کے امت تک پہنچایا اور صرف آپ کے اقوال و افعال کو ہی دین اور قابل اطاعت قرار دیا۔ نیز ان نیک انسانوں پر صلوٰۃ و سلام ہو جو ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور چلتے رہیں گے''[۲]۔

مقامِ غور ہے کہ انہی حضرات کے ترجمہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اے ایمان والو تم نبی پر درود و سلام بھیجا کرو'' (۳۳/۵۶) مگر یہاں موصوف سید و ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے، اللہ سے دو قدم آگے بڑھ کر رسول کے ساتھ اہل بیت اور صحابہ پر بھی درود و سلام بھیجنا شروع کر دیا بلکہ ان نیک انسانوں پر بھی جو ان کے نقش قدم پر چلتے رہے اور چلتے رہیں گے۔ یعنی تین قدم آگے بڑھ گئے! جب کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے ایمان والو، اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو'' (۴۹/۱)

قارئین اب آپ غور کیجئے کہ اس طرح کے دشمن قرآن یا مخالفِ قرآن سے آپ کیا توقع رکھتے ہیں! اپنے اس ''ابتدائیہ'' کے اختتام پر وہی گھسا پٹا جملہ تحریر فرماتے ہیں کہ ''الحمدللہ اس کتاب کی ترتیب میں کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحیحہ سے مدد لی جائے''[۱] پچھلے چند صفحات پر آپ نے ان کی صحیح احادیث کے دو نمونے قرآنی آیت کے معنوں میں تحریف اور خلافِ قرآن تحریر دیکھ لی! یعنی عجمی ذہن پرستی کی زندہ مثال۔

اس ''ابتدائیہ'' کے بعد 'مقدمۃ التحقیق'' ہے جس میں جناب ابو طاہر حافظ زبیر' علی زئی محمدی صاحب نے اپنی تحقیق و تخریج پیش کی ہے۔ اس میں شروع ہی میں وہ تحریر فرماتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا اور انہیں حکم دیا'' صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ۔ تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو''[۳]۔

غور کیجئے کہ محقق صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے صحابہ کرام کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا! مگر وہ طریقہ کیا تھا نہیں بتایا! وہ کونسی حدیث شریف ہے یا وہ کونسی صحیح شریف ہے جس میں یہ لکھا ہو کہ رسولؐ نے

---

۱۔ صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الامر بالسکون فی الصلوٰۃ۔ حدیث عن جابرؓ۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۴۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۷

نماز پڑھنے کا یہ طریقہ سکھایا تھا؟خود محقق صاحب کنفیوژڈ ہیں کہ کیا طریقۂ نماز لکھیں چنانچہ یہ لکھنے کے فوراًبعد، کہ رسولؐ نے صحابہؓ کرام کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھایا، یہ لکھ کر اپنی جان چھڑالی کہ، اور انہیں حکم دیا۔ کہ "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو۔" سیدھی سی بات ہے کہ اگر صحابہؓ کو نماز پڑھنے کا طریقہ سکھادیا تو پھر یہ کہنے کی یا عمل کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی کہ "تم اس طرح نماز پڑھو جس طرح مجھے نماز ادا کرتے ہوئے دیکھتے ہو"؟ جبکہ یہ تو صرف عملی مظاہرہ تھا(Demonstration) جس سے اقامت، رکوع و سجود وغیرہ ارکان کی ہیئت یا کیفیت معلوم ہوئی، لیکن کہاں پر کیا پڑھا نہیں معلوم ہو سکا۔ چنانچہ آگے فرماتے ہیں:

"نماز کی اسی اہمیت کے پیش نظر بہت سے ائمہ مسلمین نے نماز کے موضوع پر متعدد کتابیں لکھی ہیں ............. لیکن ان میں سے اکثر کتابیں اکاذیب' موضوع احادیث، ضعیف و مردود روایات، ضعیف روایات اور تضادات اور علمی مغالطوں پر مشتمل ہیں"[1]۔ آگے انہوں نے اکاذیب، موضوع احادیث، ضعیف رعایات اور تناقضات کی مثالیں بھی پیش کی ہیں اور بہت سے ائمہ مسلمین پر سخت تنقید کی ہے جن میں مفتی جمیل احمد نذیری صاحب، جناب مسعود احمد صاحب، جناب عبدالرؤف صاحب، علی جناب محمد حقانی صاحب، محدث شام شیخ ناصر الدین البانی صاحب، جناب خواجہ محمد قاسم صاحب، جناب محمد صادق صاحب سیالکوٹی اور جناب خالد گرجاکھی صاحب وغیرہم شامل ہیں۔ گویا کہ ان حضرات کی نماز کی کتابوں پر "اندھا دھند اعتماد صحیح نہیں ہے بلکہ ایسی متعدد کتابوں نے عوام کو شکوک و شبہات میں مبتلا کیا ہے"[2]۔

غور کیجئے کہ محقق صاحب کی تحقیق کے بعد اب کیا بچا؟ لے دے کے یہ کتاب 'نماز نبوی' از ڈاکٹر سید شفیق الرحمٰن صاحب ہی بچی جس پر انہوں نے اپنا یہ 'مقدمۃ التحقیق' لکھا ہے۔ جس میں انہوں نے پرانی بہت سے حدیث کی کتابوں اور موجودہ ائمہ مسلمین پر تنقید فرمائی ہے۔ چنانچہ آخر میں فرماتے ہیں:

"جناب ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب نے عوام و خواص کے لئے عام فہم اردو میں "نماز نبوی" کے نام سے کتاب مرتب کی ہے۔ جس میں انہوں نے کوشش کی ہے کہ کوئی ضعیف حدیث شامل نہ ہونے پائے۔ راقم نے بھی تحقیق و تخریج کے دوران اس بات کی بھرپور سعی کی ہے کہ اس میں کوئی ضعیف روایت نہیں ہے"[3]۔

آیئے' اب اس کتاب کی روایات پر اُچٹتی ہوئی نظر ڈال لیتے ہیں۔

قارئین، پیچھے ہم آپ کو ڈاکٹر شفیق صاحب کی کتاب کے ابتدائیہ کی دو روایات کی کیفیت دکھا چکے کہ وہ قابل اعتماد نہیں بلکہ گلہائے عجم میں سے ہیں۔ اب دیکھئے موصوف اپنی کتاب "کتاب و سنت کی اتباع کا حکم" کے عنوان سے شروع کرتے ہیں مگر اس عنوان کی تائید میں کوئی فرمان الٰہی نہ مل سکا تو دین کے تکملہ کی آیت کریمہ (۵/۳) ہی تحریر فرمادی پھر تحریر کیا:

"یہ آیت ۹ ذوالحجۃ ۱۰ ہجری میں میدان عرفات میں نازل ہوئی۔ اس کے نازل ہونے کے تین ماہ بعد رسول اللہ ﷺ یہ کامل اور اکمل دین امت کو سونپ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملے اور امت کو وصیت فرما

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۸۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۳۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۳

گئے: ”تَرَکتُ فیکم امرَین لَن تَضِلُّوا مَاتمسَّکتُم بِھِمَا کِتابَ اللہ وَ سُنَّۃَ نَبِیّہٖ“
میں تمہارے اندر ایسی دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں کہ جب تک تم انہیں مضبوطی سے پکڑے رہو گے ہر گز گمراہ نہیں ہوگے، یعنی اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت“ (بیہقی، موطا امام مالک (۸۹۹/۲) القدر، باب النھی عن القول بالقدر، حاکم (۹۳/۱) اور ابن خزم نے اسے صحیح کہا ہے)“ [۱]

غور کیجئے کہ موصوف کیا فرما رہے ہیں کہ یہ آیت ۹ ذوالحجۃ ۱۰ ہجری میں میدان عرفات میں نازل ہوئی۔ اس کے نازل ہونے کے بعد تین ماہ تک آپ امت کے ساتھ رہے تو پھر کس وقت یا کس دن آپ نے امت کو وصیّت فرمائی کہ وہ دو چیزیں چھوڑے جا رہے ہیں؟ موصوف اس باب کو خوش اسلوبی سے ٹال گئے! آیئے ہم آپ کو اصل بات بتا دیتے ہیں۔ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس طرح کی کوئی وصیت خاص طور پر نہیں فرمائی بلکہ یہ اسی دن ۹ ذوالحجہ کا واقعہ ہے کہ آپ نے جو تاریخی خطبۂ حج دیا، جو کہ انسانی برابری و بھائی چارہ کا عالمی منشور ہے، اس میں ہی آیت کریمہ کے نازل ہونے کا اعلان الٰہی فرمایا اور امت کو وصیت نہیں ہدایت کی کہ اسی نازل شدہ کامل و اکمل دینِ الٰہی یعنی قرآن مبین کو مضبوطی سے پکڑے رہنا، اسی سے تمسک کرنا، اسی کی اتباع کرنا، اسی کے پیچھے پیچھے چلنا اسی پر عمل کرنا، اسی کی قدر کرنا، اسے مہجور نہ ہونے دینا ورنہ پھر میں یوم الحشر اللہ کے حضور یہی شکایت کروں گا کہ یا الٰہی میری امت نے تیرے فرمان، قرآن کو مہجور کر دیا تھا۔ (اب تو جو چاہے سلوک ان کے ساتھ کر) (۲۵/۳۰)

خیال رہے کہ کتاب اللہ کے الفاظ تو رسول کے تھے مگر سُنَّۃَ نَبِیّہٖ کے الفاظ اللہ سے دو قدم آگے بڑھ کر رسولؐ نہیں فرما سکتے تھے۔ یونکہ قرآن مبین میں سنت رسول کے الفاظ تو استعمال ہی نہیں ہوئے۔ یہ یقیناً عجمی کارستانی ہے۔ اور اسے ہمارے پاکستانی (نام نہاد) علما و اسکالرز پھیلا رہے ہیں۔ بغیر سوچے سمجھے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسرے مسلمانوں کو بھی گمراہ کر کے ان کا اجر بھی اپنے ذمہ لے رہے ہیں۔ وہ اس طرح کی سنت کے نام پر مختلف النوع چیزیں اور اختلافی باتیں پھیلائی جاتی ہیں اور ان پر امت سے عمل کروایا جاتا ہے۔ اسی (نام نہاد) حدیث کے آخری الفاظ مختلف فرقوں میں مختلف ہیں۔ مثلاً کسی کے ہاں الفاظ سُنَّۃَ نَبِیّہٖ حدیث میں نہیں۔ کسی کے ہاں ہیں اور کسی کے ہاں ثقلین' وغیرہ کے الفاظ ہیں غرض یہ کہ ہر فرقہ کی سنت ہی مختلف النوع ہے۔

اب ذرا اعتبار یا ثقاہت کے لحاظ سے بھی محترم موصوف کی استادی ملاحظہ ہو کہ موصوف نے اس روایت کا حوالہ بیہقی (پانچویں صدی) موطا امام مالک (دوسری صدی) حاکم (چوتھی / پانچویں صدی) کے حوالوں سے دیا ہے اور ابن خزم (پانچویں صدی) نے اسے صحیح کہا ہے۔ ان حوالوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ روایت صحاح ستہ کی کتابوں میں نہیں۔ اور عام طور پر یہی سمجھا جاتا ہے۔ مگر یہ خیال یا نظریہ صحیح نہیں۔ صحاح ستہ کی کم از کم تین کتابوں میں تو ہم آپ کو دکھا سکتے ہیں۔ مگر موصوف نے ان سے احتراز کیا اس لئے کہ وہ ان کی عجمی ذہن پرستی کے مطابق نہیں ہیں۔ وہ صرف قرآن مبین کو پکڑے رہنے کی بات کرتی ہیں جبکہ موصوف عجمیوں کی مرتب کردہ سنتوں کی بات کرتے ہیں اور ان کے اولین اہل حدیث بھائی عترت رسول کی بات کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ تک کو اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو نہ پکارنے کا حکم دیا ہے اور اپنے قریب کے رشتہ داروں کو ڈرانے کا حکم دیا ہے (کہ وہ بھی

---

[۱] ایضاً۔ ص ۲۵

صرف اللہ کو مانیں اور غیر اللہ کو نہ پکاریں) ملاحظہ ہو:

فَلَا تَدۡعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتَكُوۡنَ مِنَ الۡمُعَذَّبِيۡنَ ۚ وَاَنۡذِرۡ عَشِيۡرَتَكَ الۡاَقۡرَبِيۡنَ ۙ (۲۱۳-۲۱۴/۲۶)

پس اللہ کے سوا کسی اور معبود کو نہ پکارو ورنہ تم بھی اُن لوگوں میں سے ہو جاؤ گے جن کو عذاب دیا جائے گا۔ اور اپنے بہت قریب کے کنبہ والوں کو ڈراؤ۔ (ترجمہ جناب سید مقبول احمد صاحب دہلوی) (۱۳۳۱ھ)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس صاف صاف تحذیر کے باوجود فرقے والے، یا محمدؐ، یا رسول اللہ، یا علیؓ، یا حسینؓ، یا عباسؓ، یا زینب، یا غوث یا پیر مہر علی شاہ وغیرہ کو پکار رہے ہوتے ہیں۔ اور بعض پیر ڈیول شریف وغیرہ کو پکار رہے ہوتے ہیں! کیا یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں؟ کیا یہ عجمیوں کی ایجاد نہیں؟ ہر صورت میں صرف ربّ ہی کو پکارنا ہے ورنہ پھر ربّ کو بھی ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کی تکذیب کی ہے تو عنقریب چمٹنے والا عذاب (ان پر) نازل ہو گا۔ (۲۵/۷۷)۔ اعوذ باللہ

سب سے پہلے موطا امام مالک کی روایت ملاحظہ ہو:

"عن مالك انهٗ بلغهٗ ان رسول الله صلى الله عليه و سلم قال تركتُ فيكم امرين لن تضِلّوا ما تمسّكتم بهما كتابُ الله و سنّةُ نبيّهٖ

ترجمہ: امام مالک کو پہنچا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والِہٖ وسلم نے کہ چھوڑے جاتا ہوں میں تم میں دو چیزوں کو نہیں گمراہ ہو گے جب تک پکڑے رہو گے ان کو، کتاب اللہ کو اور اس کے رسول کی سنت کو۔[1]

غور کیجئے! یہ حدیث ہی نہیں بلکہ مالک کے عنعنہ سے روایت ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام مالک کو پہنچا، کس سے پہنچا؟ اس کا کوئی نام پتہ نہیں۔ پھر اس روایت شریف کا باب سے کیا تعلق ہے جو اس باب کے تحت دی گئی ہے؟ صاف ظاہر ہے کہ یہ امام مالک کی لکھی ہوئی یا لکھوائی ہوئی روایت نہیں بلکہ یہ ان کے چودہ یا سولہ شاگردوں یا پھر کسی اور عجمی نے، جب کہیں اور موقعہ نہ ملا' تو اپنے عقیدہ کی خاطر، قدر کے باب میں ٹانک دیا! تاکہ لوگوں کو قرآن سے ہٹا سکیں۔ اب ذرا یہ بھی غور کر لیجئے کہ اردو کے مترجم صاحب، گرامی قدر، نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ترجمہ میں و آلہ وسلم کے الفاظ بڑھا دیئے۔ یہی ہے عجمی ذہن پرستی۔ اسی طرح کسی عجمی نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے الفاظ میں ہلکا سا ردوبدل کر کے، صرف اپنے مطلب کے اس جملہ کو' بغیر کسی موقعہ محل یا سیاق و سباق کے، ٹانک دیا۔ تاکہ وہ اللہ کے حکم کے خلاف کہ 'اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو' اللہ کی کتاب کے ساتھ سنت کو شریک کر دیا جبکہ سنت اس طریقہ سے ہم تک نہیں پہنچ رہی جس طریقہ پر سو فیصد صحیح حالت میں قرآن کریم پہنچ رہا ہے کہ اس کا کوئی لفظ یا آیت یا اعراب تک اپنی جگہ سے نہیں ہٹایا جا سکا (ان کو بدلنے کی کوششیں اب لاہور کے پاکستانی اہل حدیث و دیوبندیوں نے پندرھویں صدی ہجری میں قراءات کے نام سے کی ہے۔ اس کی تفصیل یہاں نہیں دے سکتا یونکہ اس کے لئے ایک اور کتاب درکار ہے جو ۱۹۱۸ء میں منصّہ شہود پر آ چکی ہے)

اب ذرا مزید ارباب بھی دیکھتے چلئے، کہ پاکستان میں موطا امام مالک کے (تقریباً بارہ سو سال بعد) مشہور شارح

---

[1] موطا امام مالک، کتاب الجامع، باب اَلنَّهيُ عَنِ القَولِ فِي القدرِ (تقدیر میں گفتگو کرنے کی ممانعت) عَن مالِكٍ۔ (باب میں تیسری روایت)

جناب امین احسن اصلاحی صاحب نے بھی اس روایت کی شرح میں کوئی وضاحت نہیں کی کہ یہ حدیث شریف نہیں بلکہ موطا میں امام مالک کے عنعنہ سے روایت ہے۔ بلکہ اصلاحی صاحب نے اس میں تحریف کر کے "حَدَّثَنِي" عَن مَالِكٍ کر کے اس کو حدیث شریف بنانے کی کوشش کی ہے[1]۔ موصوف یہ بھی نہیں بتا سکے کہ کن راویوں کے ذریعہ امام مالک کو یہ حدیث شریف پہنچی؟ اور انہوں نے اس کو تقدیر کے باب میں کیوں ڈالا؟ شاید شارح صاحب کی نظر اس طرف نہیں گئی! نہ ہی وہ یہ بتا سکے کہ یہ حدیث شریف قرآن حکیم کی کس آیت کی شرح، تشریح یا تفسیر ہے؟ جب کہ دعویٰ یہ ہے کہ حدیث تو قرآن کی شرح، تشریح یا تفسیر ہے۔ پھر مزے کی بات یہ کہ اس شرح، تشریح یا تفسیر کی شرح، شارح جناب امین احسن اصلاحی صاحب کر رہے ہیں۔ اب شاید اس کی بھی شرح ان کے کوئی اور شاگرد کریں گے (معاذ اللہ) غور کیجئے! کیا یہ عقیدہ صحیح ہے کہ (نام نہاد) حدیث قرآن کی شرح ہے؟ کیا اس سے بڑا دھوکہ بھی کوئی ہو سکتا ہے؟

آیئے اب ہم آپ کو امام مالک کے عنعنہ کی حقیقت بتاتے ہیں۔ صحیح مسلم، کتاب الحج میں ایک باب ہے " بَاب حَجةِ النبی "، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم یعنی نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے حج کا بیان"۔ اس میں جعفر بن محمد سے جابرؓ بن عبد اللہ کی روایت میں نبی سلامٌ علیہ کے حج کا تفصیلی بیان ہے۔ یہ روایت بہت لمبی، تقریباً آٹھ صفحات پر ہے۔ اس میں حج کے دوران عرفات کے مقام نمرہ میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے خطبۂ حج الوداع کا ذکر ہے۔ اس خطبہ مبارک کو اسلامی تاریخ میں اہم مقام اور حیثیت حاصل ہے یونکہ یہ انسانی مساوات اور انسانی حقوق کا سب سے پہلا اور بڑا منشور ہے۔ اس لئے یہ خطبہ عجمیوں کو، جو کہ انسانی مساوات کے مخالف شہنشائیت، ملوکیت، سرداریت، امامیت اور اساوریت کے قائل تھے یہ نیا عقیدۂ مساوات ہضم نہ ہو سکا۔ چنانچہ تقریباً سب ہی عجمی محدثین نے اس کا بائیکاٹ کیا۔ امام مالک نے بھی اس طرف شاید اشارہ تک نہ کیا۔ البتہ ان کی کتاب میں، بعد میں کسی نے موقعہ پا کر غیر متعلقہ باب میں ' اس خطبۂ رسول کا ایک جملہ ' تحریف کر کے ٹانک دیا۔ عجمیوں کے سرخیل امام بخاری نے اپنی کتاب میں اصل خطبہ کا مکمل بائیکاٹ کیا۔ البتہ کتاب المناسک میں باب ۱۰۹۳ الخُطبة ايّامَ مِنٰى (ایام منیٰ میں خطبہ دینا) کے تحت احادیث ۱۶۲۳ سے ۱۶۲۶ تک چار روایتوں میں مختصراً صرف دو ہی باتوں کا ذکر کیا ہے:

"آپؐ نے فرمایا (۱) تمہارا خون، تمہارے مال اور تمہاری آبرو تم پر حرام ہیں جس طرح آج کا یہ دن تمہارے اس شہر میں اور تمہارے اس مہینہ میں حرام ہے۔ آپؐ نے یہ کلمات چند بار فرمائے، پھر اپنا سر آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے میرے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا۔ کیا میں نے پہنچا دیا۔ ابن عباسؓ نے فرمایا، اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضہ میں میری جان ہے آپؐ نے اپنی امت کو یہی وصیت فرمائی تھی کہ جو لوگ حاضر ہیں وہ ان لوگوں تک پہنچا دیں' جو یہاں موجود نہیں ہیں (۲)۔ میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ اک دوسرے کی گردن مارنے لگ جاؤ"۔

---

[1] تدبر حدیث، شرح موطا امام مالک، جلد اول، از امین احسن اصلاحی صاحب ترتیب و تدوین، خالد مسعود۔ سعید احمد ادارہ تدبیر قرآن و حدیث۔ لاہور۔ بار اول ۲۰۰۰ء، کتاب الجامع، باب النهی عن القول بالقدر۔ تیسری روایت ص ۳۳۴۔۳۳۵۔ (جن کو شوق ہو وہ دیکھ لے کہ عن مالک سے پہلے حدثنی کا لفظ بڑھا کر قارئین کو دھوکہ دیا گیا ہے!)

تین روایتوں میں تقریباً ایک ہی سے الفاظ ہیں۔ البتہ چوتھی روایت میں یہ الفاظ زیادہ ہیں:

"اور ہشام بن غاز نے بیان کیا کہ مجھ سے نافع نے انہوں نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قربانی کے دن جمرات کے بیچ میں کھڑے ہوئے۔ جس سال آپؐ نے حج کیا تھا۔ اور اس وقت آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ حج اکبر کا دن ہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کلام ارشاد فرمایا اے اللہ گواہ رہ۔ اور لوگوں کو رخصت کیا، تو لوگوں نے اس حج کا نام حجۃ الوداع رکھا"[1]۔

غور کیجئے کہ آج مسلمانوں کی کیا حالت ہے۔ کیا رسولؐ کے بعد، (عجمیوں کی لکھی تاریخ کے مطابق) حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے دور ہی سے ایک دوسرے کی گردنیں نہیں مار رہے' پورے عباسی دور میں بنو امیہ کی گردنیں ماری جاتی رہیں' مصر میں فاطمیوں کے دور میں غیر فاطمیوں کی گردنیں ماری جاتی رہیں"۔۔۔۔ اور آج بھی مختلف نام رکھ رکھ کر (نام نہاد) مسلمانوں کو مسلمان ہی مار رہے ہیں۔ اسی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا! یعنی ایک دوسرے کی گردنیں مارنے کا عمل بھی کفر ہے۔

جو صاحب رسول اللہ سلامٌ علیہ کے حج کا احوال مع خطبہ حجۃ الوداع پڑھنا چاہتے ہیں وہ صحیح مسلم کتاب الحج میں باب حَجَّةِ النَّبِي نکال کر غور سے پڑھ لیں۔ اس میں اصل بات اس طرح سے تحریر کردہ ملے گی اور خطبہ کے تقریباً اختتام پر:

"وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ كِتَابَ اللهِ

اور تمہارے درمیان چھوڑے جاتا ہوں ایسی چیز کہ اگر تم اس مضبوط پکڑے رہو تو کبھی گمراہ نہ ہو، اللہ کی کتاب[2]۔

غور کیجئے کہ خطبہ حجۃ الوداع کے مطابق تو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے تو صرف ایک چیز یعنی کتاب اللہ چھوڑنے کی وصیت فرمائی تھی۔ مگر عجمیوں نے اور عجم زدوں نے اسے اپنی اپنی مطلب کی دو چیزیں بنالیا۔ کیا یہ تحریف کی زندہ مثال نہیں؟

سنن ابن داؤد میں کتاب المناسک کے باب ۳۸ صِفَةِ النَّبِي صلى الله عليه و سلم میں تقریباً سات آٹھ صفحات پر عبد اللہ بن محمد النفیلی سے صحیح مسلم والی پوری روایت موجود ہے اور اس میں بھی صرف ایک ہی چیز یعنی کتاب اللہ چھوڑے جانے کا واضح بیان انہی الفاظ میں ہے[3]۔

اب ذرا مترجم جناب علامہ وحید الزماں صاحب کی زبانی، ان کے تحریر کردہ فوائد میں' صرف کتاب اللہ چھوڑے جانے کے بارے میں لطیفہ (ف ۱۷) ملاحظہ ہو:

**"ف۱۷:** قرآن شریف پکڑنے سے یہ مراد ہے کہ اس کو اول سے آخر تک سمجھ سمجھ کر پڑھے جن باتوں کا حکم ہے

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد اول، کتاب المناسک، باب ۱۰۹۳، ایام منیٰ میں خطبہ دینا۔ احادیث۔ ۱۶۲۳۔۱۶۲۶۔۔۔ [2] صحیح مسلم، کتاب **الحج**، باب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کا بیان۔ روایت جعفر بن محمد۔ جابرؓ بن عبد اللہ۔ ترجمہ: علامہ وحید الزمان صاحب۔ ناشر خالد احسان پبلشرز لاہور۔ ۱۹۸۱ء، بار اول۔ جلد سوم۔ ص ۲۵۰۔۔۔ [3] سنن ابو داؤد شریف، ترجمہ و فوائد از علامہ وحید الزمان صاحب۔ ناشر: اسلامی اکادمی۔ ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔ ۱۹۸۳ء کتاب المناسک، باب رسول اللہ کے حج کا حال۔ ص ۷۷۔ (جلد دوم)۔

اس پر عمل کرے۔ جن سے منع کیا ہے ان سے پرہیز رکھے۔ قرآن شریف سے زیادہ معتبر اور پکی کتاب دین اسلام میں کوئی نہیں ہے۔ جو مضمون اس میں موجود ہے اس کے واسطے پھر کسی اور کتاب یا عالم کی حاجت نہیں ہے۔ اگر اس میں نہ ملے تو حدیث کی معتبر کتابوں میں تلاش کرے۔ جیسے صحیحین، موطا، سنن ابوداؤد وغیرہ۔ اگر ان میں بھی نہ ملے تو کسی عالم دین دار سے تحقیق کرے یا اگلے کسی مجتہد کے قول پر عمل کرے۔''[1] (یہاں کسی کا نام نہیں لکھا!)

غور کیجئے کہ علامہ صاحب ان تین چار جملوں ہی میں دو متضاد باتیں / ہدایات دے گئے! مقصد یہ کہ عجمی ذہن پرستی کے نتیجہ میں قرآن کریم کے ساتھ (نام نہاد) احادیث ضرور شریک کرنا ہیں! معاذ اللہ اور دیکھئے کہ سنن ابن ماجہ شریف میں ''ابوابُ المناسک'' میں باب ''آنحضرت ﷺ کے حج کا حال مفصل طور سے درج ہے مترجم کے مطابق یہ حدیث جو ابن ماجہ نے اس باب میں بیان کی طویل حدیث ہے۔ اتنی لمبی حدیث اس کتاب میں کوئی نہیں ہے۔ اس کو جابر کی طویل حدیث کہتے ہیں۔ یہ وہی طویل حدیث ہے جس کا حوالہ میں نے اوپر صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد میں دیا ہے۔ اس میں بھی صرف ایک ہی چیز یعنی کتاب اللہ ہی کو چھوڑنے جانے کی وصیت ہے[2]۔

قارئین ایک اور لطیفہ سے محظوظ ہوئے کہ اس کتاب کے پاکستانی ناشر نے اپنی کتاب پر سال اشاعت شاید دانستہ طور پر نہیں دیا۔ البتہ کتاب کے سرورق پر' بالکل ہی اوپر' بجائے بسم اللہ تحریر کرنے کے انہوں نے وہی عجمی روایت عربی میں تحریر کروادی ہے:

''تَرَکتُ فیکم امرَین لَن تَضِلُّوا مَا تمسَّکتُم بِهِمَا کِتابَ اللّٰہ وَ سُنَّةَ نَبِیّہِ''

اور نہ تو اس کا اردو ترجمہ دیا ہے اور نہ ہی حوالہ کہ ان کا علم کا اندازہ ہو سکے! اس کا ترجمہ وہی ہے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے فرمایا: میں تم میں دو امر چھوڑے جا رہا ہوں، کتاب اللہ اور میری سنت۔ اب آپ اپنا سر دھنتے رہتے۔ ہم آپ کو صحیح بخاری کی' اس عجمی روایت کے رد میں' روایت پڑھواتے ہیں' چنانچہ باب ۱۱۷۱ ''حَرَمِ المَدِینَہ'' میں حدیث ۱۷۴۲ میں تحریر ہے:

**۱۔** ''محمد بن بشار' عبدالرحمٰن' سفیان' اعمش' ابراہیم یتمی اپنے والد سے، وہ حضرت علیؓ سے روایت کرتے ہیں' انہوں نے کہا میرے پاس **اللہ کی کتاب** اور نبی صلعم کا یہ صحیفہ ہے (جس میں لکھا ہے) ورینہ عائر سے لے کر فلاں فلاں مقامات تک حرم ہے۔ جو شخص اس جگہ میں کوئی نئی بات نکالے یا کسی بدعتی کو پناہ دے، تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہے اور انہ نفل..................[3]

قارئین غور کیجئے کہ عجمی امام صاحب اتنی زبردست باتیں معلوم نہیں کس کیفیت یا حالت میں لکھ گئے!

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۸۰۔۔۔ ۲۔ سنن ابن ماجہ شریف۔ ترجمہ و فوائد علامہ وحید الزماں خان صاحب۔ اہل حدیث اکادمی، کشمیری بازار لاہور۔ جلد دوم۔ ص ۴۹۴۔ (تاریخ اشاعت تحریر نہیں) ناشر: خالد گرجاکھی۔ گوجرانوالہ۔۔۔ ۳۔ صحیح بخاری شریف، ترجمہ حافظ قاری محمد عادل خان نقشبندی و قاری محمد فاضل قریشی مجددی۔ قمر سعید پبلشرز، لاہور۔ کتاب المناسک۔ **ابواب العُمرَة**، باب ۱۱۷۱، حدیث ۱۷۴۲، جلد ۱۔ بار دوم ۱۹۷۹ء۔

(۱)۔رسول اللہ سلامٌ علیہ صرف کتاب اللہ چھوڑ کر گئے۔یعنی دو چیزیں نہیں بلکہ صرف ایک چیز۔
(۲)۔مدینہ کے حرم کی حدود متعین کیں۔
(۳)۔اسلامی بنیادی عقیدہ کی بات کی کہ جو شخص اس حرم میں کوئی نئی بات نکالے،(یعنی جو رسول نے نہ کی ہو یا صحابہؓ نے نہ کی ہو۔نہ اس کا ذکر قرآن مبین میں ہو۔یعنی جو کوئی بدعت نکالے۔صدیق) یا کسی بدعتی کو پناہ دے (یعنی بدعتی یا بدعتیوں کو وہاں رہنے بھی نہ دے کہ وہ وہاں لڑ کر کوئی غیر اسلامی' غیر قرآنی عمل یعنی بدعت کریں۔صدیق) تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، نہ اس کی فرض عبادت مقبول ہے اور نہ نفل۔

اس وعید کے بعد تو وہاں کی حکومت پر لازم ہے کہ وہ غیر قرآنی عقائد رکھنے والے بدعتیوں کو وہاں جانے کی اجازت نہ دے اور اگر کوئی دھوکہ سے پہنچ جائے تو اس پر لعنت کر کے باہر نکال دے۔اس سلسلہ میں اسی صحیح بخاری شریف کی ایک اور روایت پیش کرتا ہوں کہ کتاب الجنائز میں باب ۸۴۴، "قبروں پر مسجدیں بنانے کی کراہت، اور جب حسن بن حسن بن علی نے انتقال کیا، تو ان کی بیوی ان کی قبر پر ایک سال تک ایک خیمہ نصب کئے رہیں، پھر خیمہ اٹھا کر چلی گئیں۔تو لوگوں نے ایک آواز دینے والے کو کہتے ہوئے سنا، کہ کیا ان لوگوں نے جو چیز گم کی تھی، اسے پالیا؟ تو دوسرے نے جواب دیا، بلکہ مایوس ہو کر واپس لوٹے۔" حدیث ۱۲۴۳۔[۱]

"عبید اللہ بن موسیٰ شیبان، بلال بن وزان، عروہ، عائشہ رضی اللہ عنہا، نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے جس مرض میں وفات پائی اس میں فرمایا کہ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔حضرت عائشہؓ نے بیان کیا، کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپؐ کی قبر ظاہر کر دی جاتی' مگر مجھے ڈر ہے کہ کہیں مسجد نہ بنالی جائے۔"

خیال رہے کہ مسجد کے معنیٰ سجدہ گاہ بھی ہیں اور عبادت گاہ بھی۔تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی قبر اطہر کو کھلا نہیں رکھا گیا بلکہ شروع میں تو وہ حجرہ عائشہ ہی رہا یعنی کھلا رہا مگر پھر آہستہ آہستہ حجرہ کو بند کر دیا گیا.............. اور پھر کہانی یہاں تک کہ تینوں قبروں کے چاروں طرف (زیر زمین) سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنادی گئی۔(واللہ اعلم) اس طرح حجرہ کے اندر سجدہ کرنا ناممکن ہو گیا۔مگر یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ چونکہ حجرہ مبارک مسجد نبوی کی دیوار ہی کے ساتھ تھا، اس طرح کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ حجرہ عائشہؓ سے اندرونی دروازہ ہی سے' جب چاہتے مسجد میں تشریف لے آتے تھے، تو وہ اب بھی مسجد نبوی کی دیوار یا پرانی باؤنڈری ہی کے ساتھ ہے اس لئے وہ ایک طرح سے مسجد ہی کا حصہ بن گیا ہے۔کہتے ہیں کہ کچھ عرصہ پہلے، مسجد نبوی کے توسیع کے دوران جناب ناصر الدین البانی صاحب نے اس نکتہ پر اعتراض اٹھایا تھا کہ دونوں کی باؤنڈری الگ الگ کر دی جائے، مگر اسے درخور اعتناء نہ سمجھا گیا نتیجہ یہ کہ حجرہ مبارک اب مسجد ہی میں بائیں طرف ہے اور وہاں صرف حجرہ کی دیوار ہے۔اور وہاں مسجد ہی میں، بائیں جانب، روضۂ رسول کے بالکل پیچھے اصحاب صُفّہ کے نام سے موسوم چبوترہ صُفّہ ہے۔وہاں لوگ نوافل پڑھ رہے ہوتے ہیں تو ظاہر ہے کہ ان کا منہ روضۂ اقدس کی طرف ہوتا ہے۔یہ بھی نامناسب ہے اور حکومت کو اس طرف توجہ دینا چاہئے۔ویسے حقیقت میں تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ جگہ چبوترہ صُفّہ ہے ہی نہیں! اس مقام پر تو دوسرا تیسرا حجرہ رہا ہوگا

[۱]۔ایضاً۔کتاب الجنائز، باب ۸۴۴، حدیث ۱۲۴۳

اور چبوترہ وہاں سے پرے ہی ہو گا۔ بہر حال یہ مسئلہ بھی تحقیق طلب ہے۔ لیکن اس کا حل بہت آسان ہے کہ روضۂ اطہر کے بائیں جانب، یعنی پیچھے کی طرف جہاں چبوترہ بنایا ہوا ہے داخلی راستہ بنا دیا جائے کہ لوگ ادھر سے داخل ہو کر گھومتے ہوئے موجودہ اخراج کے راستہ ہی سے باہر نکل جائیں مسجد نبوی اور روضۂ نبوی کے درمیان کم از کم تین چار فٹ اونچا جنگلہ بنا دیا جائے تا کہ مسجد اور ریاض الجنہ کے لوگوں کا ٹکراؤ زائرین روضۂ رسول سے نہ ہو۔ چبوترہ اخراج سے نکلنے کے بعد باہر بنا دیا جائے (وہ وہیں رہا ہو گا) پھر وہاں نوافل پڑھتے ہوئے منہ روضۂ رسولؐ کی طرف نہیں ہو گا بلکہ کعبتہ اللہ کی طرف ہو گا۔ اور قابل اعتراض بات ختم ہو جائے گی۔

اس سال حج کے موقعہ پر ایک نیا شوشہ چھوڑا گیا ہے کہ ایران کے روحانی پیشوا آیت اللہ علی خامنہ ای صاحب نے ایک مرتبہ پھر سعودی عرب کو حج کے انتظامات کے حوالے سے شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے انہوں نے فرمایا ہے کہ "مسلم اُمہ حج پر سعودی عرب کا اختیار ختم کرنے کا سوچے"[1]۔ اس بیان پر شدید رد عمل آنے کی امید تھی مگر ایسا نہیں ہوا۔ جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ مسلم اُمّہ ڈیمانڈ کرتی کہ ایران، عراق، شام وغیرہ کے وہ تمام مقامات جنہیں مقدس کہا جاتا ہے' وہاں کی زیارت اور سیاحت کا سارا انتظام اجتماعی طور پر مسلم امہ یا او آئی سی (OIC) کے پاس ہونا چاہیے۔ مگر افسوس کہ نام نہاد مسلم اُمّہ خوابِ غفلت اور خوابِ رواداری و اخوت میں مبتلا ہے۔ جب کوئی بڑا جھٹکا لگے گا تو یہ خواب سے بیدار ہوں گے مگر اس وقت تک اسرائیل کا کانا دجال .................... خیال رہے کہ امسال ایرانی حضرات حج میں شریک نہیں تھے تو حج انتہائی پر سکون اور پر امن ماحول میں ادا کیا گیا۔ کوئی ناخوشگوار واقعہ نہیں ہوا۔ ورنہ ۱۹۷۹ء سے، جبکہ امام مہدی نے بیت اللہ پر قبضہ کرنا چاہا تھا، ہر سال ہی کوئی نہ کوئی ناخوشگوار واقعہ ضرور پیش آتا تھا تا کہ سعودی حکومت کو مطعون کیا جا سکے۔ یہ تو ایک جملہ معترضہ تھا اب ہم آپ کے سامنے ایک اور حدیث بخاری پیش کرتے ہیں کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ نے ' بین الدفتین' صرف قرآن مبین چھوڑا اور دوسری کوئی چیز نہیں:

**۲-** حدیث: "قتیبہ بن سعید، سفیان کہتے ہیں کہ عبد العزیز بن رفیع کا بیان ہے کہ میں اور شداد بن معقل ابن عباسؓ کے پاس گئے، ان سے شداد بن معقل نے پوچھا، کیا نبی ﷺ نے کوئی چیز چھوڑی ہے؟ وہ بولے (دو) دفتین (یعنی دفتیوں) کے درمیان (جو کلام الٰہی ہے) صرف وہی چھوڑا ہے۔ پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے پوچھا، تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ قرآن کی جلد کے درمیان جو کچھ ہے۔ اس کے علاوہ آپؐ نے اور کچھ نہیں چھوڑا"[2]

قارئین غور کیجئے کہ خود ان کی مقدس ترین کتاب کی یہ دونوں روایتیں ہیں جو کہ ثابت کر رہی ہیں کہ رسول نے صرف ایک چیز بین الدفتین چھوڑی، مگر یہ عجم زدہ حضرات، مُلّا و مشائخ، دو چیزیں چھوڑے جانے پر مُصر ہیں۔ اور کتاب کے سرِ ورق پر بھی عجمی روایت ہی لکھتے ہیں اور اپنی نماز کی، صحیح ترین حدیث والی، کتاب میں بھی اسی عجمی گھڑنت کو پیش کر کے نماز کی کتاب صحیح ترین ہونے کے دعویدار ہیں۔ کہئے کیا اب ان کی کتاب آگے پڑھنے کی ہمت ہے! جبکہ ان کی

[1] روزنامہ ایکسپریس کراچی، مورخہ ۶ ستمبر ۲۰۱۶ء ص اول۔۔۔ [2] صحیح بخاری شریف، (جلد ۳) کتاب التفسیر، باب ۸، جس نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی جلد کے درمیان (اِلَّا مَا بَیْنَ الدُّفَتَیْنِ) جو کچھ ہے' کے علاوہ اور کچھ نہ چھوڑا۔ حدیث نمبر ۱۱۔

تحقیق کی جھلک آپ نے دیکھ ہی لی۔

آگے اسی باب کے تحت ایک اور معرکتہ الآرا (نام نہاد) حدیث تحریر فرمائی ہے:

حدیث: "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یاد رکھو مجھے قرآن مجید اور اس کے ساتھ اس جیسی ایک اور چیز (حدیث) دی گئی ہے" [1] (ابو داؤد، السنۃ' باب فی لزوم السنہ، حدیث ۴۶۰۴، ابن حبان (حدیث ۹۷) اسے صحیح کہا ہے)

غور کیجئے! کہ صحاح ستہ میں سے صرف سنن ابو داؤد میں اس (نام نہاد) حدیث کو روایت کیا گیا ہے۔ خیال رہے کہ یہ پوری روایت نہیں۔ ان الفاظ کے آگے کے الفاظ دوسرے راوی سے روایت ہوئے ہیں وہ بھی اسی باب میں روایت ہوئے ہیں۔ مگر اس عقیدہ کے غالباً بانی یا شروع کے راوی امام شافعی صاحب ہیں۔ ان کی کتاب، "کتاب الرّسالہ" کے باب "رسول اللہ کا اتباع وحی میں" سیریل نمبر ۲۹۵ میں اس روایت کو لکھا ہے مگر اگلے سیریل نمبر ۲۹۶ ہی میں اس روایت کو مرسل قرار دیا ہے! جبکہ موصوف ڈاکٹر شفیق صاحب کے مطابق ابن حبان (چوتھی صدی ہجری) نے اسے صحیح قرار دیا ہے! [2] ! اب فیصلہ آپ خود کرلیں کہ یہ روایت مرسل ہے یا صحیح ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کے غیر قرآنی چٹکلے شاید امام شافعی کی طرف منسوب کتاب ہی کے چھوڑے ہوئے ہیں۔ اس روایت کو سہارا دینے کے لئے بھی وہ قرآنی آیت نہ پیش کر سکے۔ اور پیش کر بھی کیسے سکتے تھے جب کہ اللہ تعالیٰ نے صرف اور صرف قرآن مبین ہی نازل فرمایا، اتارا، عطا کیا، دیا۔ نام نہاد حدیث دینے کا تو قرآن مبین میں شائبہ تک نہیں۔ (اس مسئلہ پر تفصیلی بحث پیچھے کہیں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لیجئے) اگر پھر بھی موصوف ڈاکٹر صاحب یا کوئی اور صاحب اس حقیقت کو نہیں مانتے تو پھر وہ قرآن جیسے دوسری چیز قرآن کی طرح محفوظ حالت میں دکھادیں' تو ہم بھی مان لیں گے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ مثیل قرآن سے پڑھ پڑھ کر (نام نہاد احادیث سناتے تھے (معاذ اللہ)۔ ڈاکٹر صاحب اللہ کے لئے کچھ تو عقل سلیم سے بھی کام لیجئے۔ آپ تو ڈاکٹر ہیں (واللہ اعلم' کس مضمون کے؟) بہر حال جب اتنا پڑھا لکھا ہے تو پھر ذرا تفکر بھی کیجئے، تدبر بھی کیجئے ورنہ۔۔۔۔۔۔۔اب ہم موصوف کی کتاب میں نماز کی کیفیت و طریقے کی طرف توجہ کرتے ہیں تو ہمیں وہی کچھ ملتا ہے جو دیگر تین کتابوں میں ہے بالخصوص استادی جناب مسعود احمد صاحب مرحوم کی کتاب کتاب صلوٰۃ المسلمین میں' سوائے رومالی اور پائنچوں کے! (یعنی وضو کے بعد رومالی پر پانی چھڑکنا اور شلوار یا پتلون کا پائنچہ ٹخنوں سے نیچے ہو جانے پر وضو ٹوٹ جانا اور دوبارہ کرنا)۔ اس لئے اب ان کی کتاب پر کسی قسم کا تبصرہ کرنا محض اپنا وقت ضائع کرنا ہے۔ پچھلے تبصرے کافی ہیں۔

جو لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ بغیر حدیث کے نماز کیسے پڑھو گے اور غسل جنابت کیسے کرو گے؟ اب' میں ان سے سوال کرتا ہوں کہ:

(۱)۔ جب ان کی بڑی بڑی نماز کی کتابیں کوئی ایک حدیث یا ایک (نام نہاد) حدیث کی کتاب سے یہ ثابت نہ کر سکیں

[1] نماز نبوی از ڈاکٹر شفیق الرحمٰن صاحب۔ ص ۲۷۔۔۔ [2] کتاب الرّسالہ' از امام محمد بن ادریس شافعی۔ ترجمہ از مفتی امجد العلی صاحب، سابق استاد الحدیث مطلع العلوم۔ رامپور۔ ادارہ تحقیقات اسلامی بسرپرستی حکومت پاکستان۔ ناشر محمد سعید اینڈ سنز، ناشران و تاجران کتب، قرآن محل۔ مقابل مولوی مسافر خانہ، کراچی۔ ۱۹۶۸ء، باب رسول اللہ کا اتباع وحی۔ ص ۹۳

کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کیا نماز سکھائی تھی، (سوائے ہیئت نماز یعنی قیام، رکوع و سجود وغیرہ) تو پھر آپ ان کثیر کتابوں کے مجموعوں میں سے کس کے طریقہ پر نماز پڑھیں گے؟

(۲)۔ یہ بتایئے کہ حدیث کے مطابق کوئی مریض یا تکلیف میں مبتلا معذور شخص یا ضعیف العمر شخص بیٹھ کر یا لیٹ کر کس طرح نماز ادا کرے گا؟

(۳)۔ سواری پر بیٹھے ہوئے یا موٹر سائیکل، کار یا ہوائی جہاز میں وہ کیونکر اور کس طرح نماز پڑھے گا؟

(۴)۔ حدیث تبایئے، کہ شمالی سخت برفانی اور سردی والے علاقوں میں جہاں دن تقریباً دن ورات کے برابر ہوتا ہے، پانچ نمازیں کیسے پڑھے گا؟

(۵)۔ نو مسلم یا جاہل آدمی یا بہرا گونگا آدمی نماز کس طرح پڑھے گا؟

(۶)۔ جہاں فانی میں جہاں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے وہاں نماز کیسے اور کن اوقات میں پڑھے گا جبکہ نماز تو اپنے اپنے اوقات ہی میں پڑھنا ہے؟

(۷)۔ آپ کی تمام (نام نہاد) احادیث (مع شیعوں کی احادیث کے) یہ فیصلہ تک نہیں کر سکیں کہ ہاتھ کہاں رکھے جائیں گے؟ (سینہ، ناف، زیر ناف یا کھلے رکھے جائیں گے)۔ اگر کوئی صحیح حدیث شریف ہے تو بتایئے محض قیاس آرائی نہ فرمایئے! کہ چونکہ چنانچہ ایسا نہیں تو ایسا!

(۸)۔ آپ کی بڑی بڑی (نام نہاد) احادیث شریف یہ نہ بتا سکیں کہ جبکہ جبریل نے نماز پڑھنے کا طریقہ رسول کی امامت کر کے بتایا تھا تو نماز میں کیا کچھ پڑھنے کو بھی بتایا تھا یا صرف خالی خولی قیام، رکوع اور سجود کی حرکات کرنے کو بتایا تھا؟ ہو سکتا ہے کہ نماز صرف یہی اُٹھک بیٹھک کا نام ہو۔ یونکہ کوئی بھی (نام نہاد) حدیث شریف ایسی نہیں ملتی کہ جبریل (خادم رسول) نے فلاں فلاں سورتیں یا قرآنی دعائیں نماز میں پڑھنے کو تبایا اور پھر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے وہ کچھ صحابہؓ کو سکھایا۔ آپ کی مقدس کتابوں کے مطابق تو صحابہؓ، رسول سے پوچھ پوچھ کر ہی پڑھتے رہے کہ آپؐ تکبیر تحریمہ کے بعد جو خاموش رہتے ہیں تو کیا پڑھتے ہیں، اور آپ سورہ فاتحہ کے بعد کیا پڑھتے ہیں، اور آپ رکوع میں کیا پڑھتے ہیں اور آپ سجود میں کیا پڑھتے ہیں اور آپ تشہد میں یا جلسہ میں کیا پڑھتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ! تو ظاہر ہے کہ ان کتابوں کے مطابق تو رسولؐ نے نماز میں پڑھنے کو کچھ سکھایا ہی نہیں، صرف منبر پر کھڑے ہو کر قیام، رکوع وسجود کا عملی مظاہرہ (Demonstration) کر کے دکا دیا۔ بس اللہ اللہ خیر صلا۔

(۹)۔ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ اذان کے بعد کی دعا، التحیات، درود شریف وغیرہ خود بھی پڑھتے تھے؟ ظاہر ہے کہ وہ خود نہیں پڑھتے تھے، تو پھر یہ پڑھنا سنتِ رسولؐ تو نہ ہوا!

(۱۰)۔ کیا نماز میں رسول اللہ سلامٌ علیہ خود اور صحابہؓ رکوع وسجود میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کے ساتھ درود شریف پڑھتے تھے؟ یا پھر یہ عجمیوں کی ایجاد کردہ ہے جس پر آج شیعہ حلقوں میں عمل ہو رہا ہے! گو کہ تمام شیعہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ یعنی اس طرح سے انہیں بھی دو حصوں میں بانٹ دیا گیا۔

(۱۱)۔ عام طور پر شیعہ، سنی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور اسی طرح سنی شیعہ کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے! وجہ فرقہ وارانہ عقائد کا فرق ہے اور نماز کے طریقوں کا بھی فرق ہے! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ سب مسلمان ہیں،

ایک اللہ کے ماننے والے ہیں، ایک رسول اور ایک کتاب الٰہی کے ماننے والے اور ایک قبلہ کے ماننے والے مومن ہیں تو پھر' نماز جیسی بنیادی عبادت یا اہم ستون کے ساتھ یہ سلوک کیوں ہے؟ یہ محض عجمیوں کی کارستانی ہے کہ انہوں نے اپنے مکر، دجل و فریب سے کتاب الٰہی کے شیل' متبادل یا متوازی (نام نہاد) کتبِ حدیث بنا دیں اور مسلمین و مومنین کو ایک مرکز' ایک ملت' ایک امت' اک جماعت سے منتشر کر دیا، ان کا شیرازہ بکھیر دیا، ان کو فرقہ فرقہ کر کے ایک دوسرے سے لڑوا دیا، مروا دیا، قتل کرا دیا، ذبح کرا دیا! اس طرح ساری دنیا میں ذلیل و خوار کرا دیا!

(۱۲)۔ عام طور پر صرف شیعہ سنی ہی نہیں، بلکہ ان میں بھی آپس ہی میں مختلف فرقہ در فرقہ بانٹ دیا کہ خود سنی کہلانے والے بھی آپس میں ایک دوسرے فرقہ یا مسلک کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے' حتیٰ کہ امام کعبۃ اللہ اور امام مسجد نبوی کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے!

(۱۳)۔ اسی طرح سے شیعوں کو بھی بانٹ دیا کہ خود شیعوں کا ایک فرقہ یا مسلک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ قطع نظر ان کے جو کہ سرے ہی سے نماز (اُٹھک بیٹھک والی) نہیں پڑھتے بلکہ اپنے بستر پر ہی کوئی جنتر منتر پڑھ لیتے ہیں۔ اور کچھ ایسے کہ اپنی مسجد کے علاوہ دوسروں کی مسجد میں انفرادی نماز بھی نہیں پڑھتے۔

(۱۴)۔ یہ عجیب عقیدہ ہے کہ شیعوں میں مرد تو ہاتھ باندھنے کے قائل نہیں مگر عورتوں کو نماز کے قیام میں سینہ پر ہاتھ رکھواتے ہیں! یعنی عورت مرد کی نماز میں فرق پیدا کر دیا گیا! رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کیا یہ فرق پیدا کیا تھا؟؟

(۱۵)۔ ''شیعوں میں نمازِ جمعہ کی حیثیت بھی ہمیشہ متنازع رہی ہے۔ ان میں دو طاقتور گروہ اصولئین (مجتہدین) اور اخبارئین (مخالفین اجتہاد) ہمیشہ ایک دوسرے سے برسرپیکار رہے ہیں۔ مگر ان دونوں مذہبی گروہوں کے اندر بھی نماز جمعہ کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے اور اس نماز کو واجب عینی بھی کہا جاتا رہا اور غیبت کبریٰ میں حرام بھی کہا جاتا رہا ہے''[1]۔ کہیے کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآنی مستقل نماز جمعہ کو' امام کے غائب کر دیئے جانے کی صورت میں' حرام قرار دیا تھا؟ پھر یہ تفریق کیونکر!

قارئین! کہیے اب آپ کونسی نماز پڑھیں گے (نام نہاد) حدیثوں کے مطابق تو جبریل اور رسول نے نماز میں کیا پڑھنا ہے بتایا ہی نہیں! جو کچھ (نام نہاد) حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے وہ تو رسول سے یا صحابہؓ سے پوچھ پوچھ کر لکھا ہے۔ اور اس میں بھی عجمیوں کے کمالات شامل تحریر ہیں۔ حتیٰ کہ نماز کی ادائیگی کی عملی ہیئت بھی پوری اور ایک نہیں۔ نتیجتاً کتنے بہت سے اور مختلف طریقہائے نماز عجمیوں کی کتابوں میں محفوظ کر دیئے گئے تاکہ اصل حقیقت یا اصل طریقہ سامنے ہی نہ آنے پائے۔ یہ کس طرح ہوا اس پر بھی ہم آگے روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱۶)۔ اوپر کے دو سوالوں میں سے دوسرے سوال کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ (نام نہاد) حدیث کی کتابوں سے جناب رسولؐ کا بتایا ہوا طریقہ جنابت (یا جبریل کا سکھایا ہوا طریقہ۔ آخر تو وہ بھی اس نے سکھایا ہو گا۔ نعوذ باللہ)

---

[1] ''نماز جمعہ اور خطبہ''۔ مصنف سید برکت حسین رضوی۔ شہادۃ العالمیہ فی علوم العربیہ والاسلامیہ، ایم اے (سوشولوجی)، ایم اے (اسلامی ثقافت)، ایم اے (انٹرنیشنل ریلیشنز)، ایل ایل بی، ڈی پی ایچ (بیروت لبنان) الاحمد پبلشرز، ملیر، کراچی۔ اشاعت اول ۲۰۰۴ء ص ۱۴ (مقدمہ)۔ تفصیل کے لئے پوری کتاب توجہ سے پڑھئے۔

بتائیے۔ پھر سوال کیجئے کہ غسل جنابت کیسے کریں گے؟ پھر ہم جواب دیدیں گے۔

## نماز کی اہمیت

فی الحال تو ہم اوپر مختلف فرقوں، مذاہب یا مسالک کی نماز میں عام طور پر ایک دوسرے سے مخالفت کے بارے میں کچھ اختلافات دکھانے کے بعد، نماز کی اہمیت کی طرف آپ کی توجہ دلاتے ہیں چنانچہ اس سلسلہ میں ہم استاذی جناب مسعود احمد صاحب کی کتاب کے آغاز جناب محمد نعیم الدین مرزا صاحب کی تحریر کردہ خوبصورت اور بامقصد تصدیر کے اقتباس نقل کرتے ہیں:

### تصدیر:

صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا فریضہ ہے جس کی ادائیگی سفر و حضر، صحت و بیماری، امن و جنگ کسی بھی حالت میں معاف نہیں۔ ایمان لانے کے بعد اولین اہمیت اسی رُکن کی ہے اور آخرت میں بھی سب سے اول اسی کی پرسش ہوگی جس وقت سے صلوٰۃ فرض ہوتی ہے اُس وقت سے لے کر تاحیات اس کی ادائیگی سے مفر نہیں۔

اَشْهدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه کے چند کلمات زبان سے ادا کرتے ہی صلوٰۃ کی طرف دعوت دی جاتی ہے۔

یہی سب سے پہلا حکم ہے جس کی اطاعت کرنی ہوتی ہے، اگر کسی نے اس پہلے ہی حکم سے انکار کر دیا تو گویا وہ ایمان لایا ہی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:-

اِنَّ بَینَ الرَّجُلِ و بینَ الشّرك و الكُفرِ تركُ الصَّلٰوة (صحیح مسلم جلد اول ص۴۹)

بے شک (مومن) آدمی اور شرک و کفر کے درمیان ترکِ صلوٰۃ (ہی کا فرق) ہے۔

معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کوئی ایسی چیز ہے جس کے ترک سے آدمی کا شمار اسی گروہ کے ساتھ ہوتا ہے جس گروہ میں وہ اسلام لانے سے قبل تھا۔ یعنی اُس کا ایمان لانا بے معنیٰ ہو جاتا ہی جب اُس نے اپنے آقا کے پہلے ہی حکم کی اطاعت سے روگردانی کی تو پھر اُس نے اپنے آقا کو آقا تسلیم ہی نہیں کیا بلکہ اُس نے اپنے نفس اور خواہش کو اللہ کے حکم کے درمیان حائل کر کے نفس کی اطاعت کی، گویا وہ نفس کا بندہ ہو گیا، اللہ کا بندہ نہیں رہا، اور یہی وجہ ہے کہ ترکِ صلوٰۃ کو شرک کہا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا ارشاد کے مطابق ترک صلوٰۃ سے کفر و شرک لازم آتا ہے۔ اس بات سے صلوٰۃ کی اہمیّت کا اندازہ ہوتا ہے کہ یقیناً اس میں کوئی ایسا راز مضمر ہے، اس کا کوئی ایسا فلسفہ ہے، اس میں ایسی کوئی قوت ہے اور یہ کوئی ایسا تربیتی نظام ہے جو دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کے لئے لابدی ہے، اس کے بغیر نہ کوئی دنیا میں صحیح معنیٰ میں امن و سکون سے زندگی بسر کر سکتا ہے، نہ آخرت میں جنّت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ اسلام اور صلوٰۃ کا پابند ہو۔

ایمان اور عملِ صالح ہی آخرت میں ذریعۂ نجات ہوں گے صلوٰۃ بذاتِ خود ایمان بھی ہے اور عمل صالح بھی۔ اگر صلوٰۃ کو اُم الصّالحات کہا جائے تو بہت مناسب ہو گا کیونکہ سب سے پہلا عمل صالح یہی ہے اور زندگی بھر یہ عملِ صالح جاری رہتا ہے۔ اصلاح فرد و معاشرہ کے لئے اس سے بہتر، کم خرچ بلکہ بلا خرچ کوئی تعلیمی و تربیتی نظام نہیں ہے۔ اگر ہم صلوٰۃ کا مقام اس کی اہمیت و افادیت کو سمجھ لیں تو ہماری پوری زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ سنور جائے، پھر ہم زندگی اس طرح گذاریں جس طرح گذارنے کا حق ہے۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْکَرِ ط (عنکبوت:۴۵)

یقیناً صلوٰۃ روکتی ہے فحش اور بُری باتوں سے۔

معلوم ہوا کہ صلوٰۃ کا مقصد بندہ کو ایسی تربیت دینا ہے کہ اس سے بے ادبی، بد تہذیبی، بد ہیئتی، بد اخلاقی سب دور ہو جائے۔ تمام برائیاں دور ہو جائیں اور وہ باادب' بااخلاق' شائستہ و مہذّب بن جائے۔ اس کے نفس اور اس کی ذات میں نکھار آجائے۔ صلوٰۃ کا منکرات سے روکنے کا فلسفہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ دنیا میں بے شمار منکرات ہیں، ہر ایک کو نہ کرنے کی تعلیم و تربیت دینا کسی کے بس کی بات نہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کے نظام تربیت میں ایسا فلسفہ رکھا ہے کہ بندہ خود بخود منکرات سے بچتا چلا جاتا ہے۔ صلوٰۃ میں تمام جائز کام ناجائز ہو جاتے ہیں۔ ذہن و خیال کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ نگاہ بے بس ہو جاتی ہے۔ زبان کسی سے کلام نہیں کر سکتی۔ ہاتھ پیر صلوٰۃ کی حرکات کے علاوہ کوئی حرکت نہیں کر سکتے۔ کھانا پینا سب بند ہو جاتا ہے۔ غرض کہ دن میں کئی مرتبہ جائز کاموں کے ترک و پرہیز کی تربیت دی جاتی ہے، اس کی مشق کرائی جاتی ہے جب انسان کے اعضاء، اُس کا ذہن و فکر جائز کاموں کے ترک کی تربیت پا جاتے ہیں تو ذہن و شعور میں ایک ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے لئے منکرات سے بچنا آسان ہو جاتا ہے، مزید بر آں قرآن کی تلاوت صلوٰۃ میں کی جاتی ہے، اس سے مصلّی کو بہت سے منکرات کا علم ہو جاتا ہے اور اس طرح منکرات کی بار بار یاد دہانی اور ارتکاب پر ترہیب منکرات سے بچنے کا سبب بن جاتی ہے۔

صلوٰۃ صرف آخرت میں ہی نجات کا ذریعہ نہیں بلکہ دُنیوی زندگی کو صحیح طور پر گذارنے کے لئے بھی اشد ضروری ہے۔ یہ صحیح آدابِ معاشرت، انفرادی اور اجتماعی تعلقات اور فرائض و حقوق کی تعلیم و تربیت دیتی ہے۔ اللہ کا بندہ ہونے کا شعور ہر وقت تازہ اور زندہ رکھتی ہے۔ انفرادی کردار کو سُدھارنے اور سنوارنے کا اہم ذریعہ ہے۔ افراد کو صلاح و فلاح کی طرف رغبت کرنے کی تربیت دیتی ہے۔ جس وقت مؤذّن کی آواز کانوں میں صلوٰۃ و فلاح کی آتی ہے تو مسجد کی طرف رغبت و شوق سے قدم اُٹھتے ہیں اور یہ اس بات کی دعوت و تربیت ہے کہ جب کبھی بھی صلاح و فلاح کے لئے بلایا جائے تو سب کام چھوڑ کر جمع ہو جایا کرو۔ صلوٰۃ کے لئے طہارت، مسواک اور وضو، جسمانی طور پر پاک صاف رہنے کا ذریعہ ہیں۔ پاکی و صفائی، صحت و تندرستی کے لئے لازمی ہے، اس طرح صلوٰۃ صحت و تندرستی کی ضامن ہے۔ صلوٰۃ باجماعت ادا کرنے کی تعلیم و تربیت ہماری اجتماعی زندگی کی اساس ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ محلّہ کے افراد جمع ہوتے ہیں، جمع ہونے والے ایک ہی نظریہ کے حامل ہوتے ہیں۔ اُن کا اللہ ایک، رسول ایک،

کتاب ایک، قبلہ ایک پھر سب کا مقصد بھی ایک، یہ وحدتِ تصوّر، وحدتِ صوری کی دعوت وتربیت دیتی ہے۔ بلا تفریق چھوٹے، بڑے، امیر، غریب، سرمایہ دار، مزدور، حاکم و محکوم ایک ہی صف میں کندھے سے کندھا، قدم سے قدم ملائے کھڑے ہوتے ہیں جس طرح سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو۔ نہ یہاں کسی کی جگہ محفوظ ہوتی ہے نہ مخصوص، اور نہ کسی کو اُس کی جگہ سے ہٹایا جا سکتا ہے۔ نہ حاکم محکوم کے ساتھ کھڑا ہونے میں عار محسوس کرتا ہے۔ محمود و ایاز ایک ہی صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہوتے ہیں۔ ہر شخص کا غرور و تکبّر دن میں پانچ مرتبہ پامال ہو جاتا ہے۔ غرض یہ کہ اتفاق، اتحاد اور ایک دوسرے سے انتہائی قربت کا تقاضا ہے کہ وہ یہ سوچیں کہ ہم سب ایک ہی برادری سے تعلّق رکھتے ہیں، ایک دوسرے کے بھائی اور رفیق ہیں۔ ہمارے تمام اغراض و مقاصد ہمارے فوائد و نقصانات سب مشترک ہیں۔ غور کیجئے کہ اگر ان احساسات کے ساتھ ہم محلّہ کے افراد صلٰوۃ ادا کریں تو ہماری زندگی، ہمارے روز و شب کیسے ہوں گے۔ پھر احساس ہوگا کہ یہ نظام صلٰوۃ ہماری زندگی کے لئے کتنا ضروری ہے۔

کوئی معاشرہ اُس وقت تک فلاح نہیں پا سکتا جب تک افراد میں سمع و طاعت کا جذبہ نہ ہو۔ صلٰوۃ باجماعت سمع و طاعت کی تعلیم و تربیت دیتی ہے۔ اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ اپنے امام، اپنے قائد، اپنے سے بڑے کی عزت و احترام کا درس دیتی ہے۔ امام کی غلطی پر اس کو برملا ٹوکا نہیں جاتا، یہ بڑوں اور بزرگوں کے ساتھ بے ادبی و گستاخی ہے۔ امام کے مقام کی عظمت و احترام کا تقاضا ہے کہ بڑے حُسن و خوبی کے ساتھ اس کی غلطی کی نشاندہی کی جائے۔ اگر قرأت میں غلطی ہوئی ہو تو صحیح آیت پڑھ دی جائے۔ کوئی اور غلطی ہو جائے تو صرف سُبْحَانَ اللّٰهِ کہہ کر اشارہ کیا جائے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہر قسم کی غلطیوں سے پاک ہے، انسان سے غلطی ہو سکتی ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ اپنے رہنما، اپنے قائد، اپنے بزرگوں کی اصلاح کے لئے کتنے اچھے، خوبصورت اور باادب طریقہ کی تعلیم و تربیت دی گئی۔ اگر امام اپنی غلطی کو غلطی سمجھ کر تصحیح نہیں کرتا تو اجازت نہیں ہے کہ جماعت سے علیٰحدگی اختیار کی جائے۔ صلٰوۃ ختم ہونے کے بعد شریعت کے طریقہ کے مطابق غلطی کی تلافی کر دی جاتی ہے۔ اس طرح نظام صلٰوۃ باجماعت میں فساد برپا ہونے نہیں دیا جاتا۔ ہماری معاشرتی زندگی میں یہ تربیت اصولی اختلاف اور غلطیوں سے پیدا ہونے والے تنازعات و فسادات کا سدِباب کرتی ہے۔

غرض کہ صلٰوۃ ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سدھارتی اور سنوارتی ہے۔ انفرادی، اجتماعی اور تربیتی ادارہ کا کام انجام دیتی ہے۔ بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے۔ عملی مساوات کا درس دیتی ہے۔ محبّت، ہمدردی، یکجہتی، تعاون، ایثار، فرض شناسی جیسی صفات پیدا کرتی ہے۔ آرام طلبی سے بچاتی ہے۔ ضبطِ نفس کی مشق کراتی ہے۔ مستعدی اور باقاعدگی پیدا کرتی ہے۔ سمع و طاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ انفرادی و اجتماعی فرائض کی تعلیم اور ان کی بجا آوری کی تربیت دیتی ہے۔ غرض یہ کہ مصلّی کا ذہن و فکر، اس کا نفس، سب کے سب ایسے نظم و ضبط کے ساتھ تربیت پا جاتے ہیں کہ پھر وہ اپنی پوری زندگی اللہ کی اطاعت و بندگی میں صرف کرتا ہے۔ اگر خطائیں اور لغزشیں ہوتی ہیں تو

چونکہ یہ نظام تربیت زندگی بھر جاری رہتا ہے لہٰذا اصلاح ہوتی رہتی ہے اور معاشرہ میں بگاڑ مستقل طور پر وجود میں نہیں رہتا۔

متذکرہ بالا تفصیل سے اس بات کا علم ہو گیا ہو گا کہ صلوٰۃ آخرت کی نجات کے علاوہ دنیوی زندگی کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ لیکن یہ تمام فوائد دُنیا کی بھلائیاں اور آخرت میں کامرانی اُسی وقت نصیب ہو سکتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے تعلیم کردہ طریقہ پر صلوٰۃ ادا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا طریقہ رسول اللہ ﷺ کو جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سکھلایا۔ جبرئیلؑ نے ہر صلوٰۃ کو دو دو مرتبہ آکر پڑھوایا۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ صلوٰۃ اس طرح پڑھو جس طرح تم لوگ مجھے پڑھتے دیکھتے ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کے اس اہتمام و تاکید کے باوجود بھی صلوٰۃ کے طریقہ میں فرق پیدا ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد مُدت دراز تک صلوٰۃ اُسی طریقہ پر پڑھی جاتی رہی جس طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو تعلیم دی تھی۔ عورتیں اور مرد ایک ہی طریقہ سی صلوٰۃ پڑھتے تھے لیکن بعد میں صرف عورتوں اور مردوں کی صلوٰۃ کے طریقہ میں ہی فرق پیدا نہیں ہوا بلکہ مردوں مردوں کی صلوٰۃ کا طریقہ بھی مختلف ہو گیا۔ ہر فرقہ نے اپنے مقررہ طریقہ پر صلوٰۃ پڑھنی شروع کر دی حالانکہ صلوٰۃ صرف مسنون طریقہ پر ہی ادا کرنی چاہیے تھی۔

سوال یہ ہے کہ صلوٰۃ کا مسنون طریقہ کیا ہے؟ اس کے جواب کے لئے کتابِ ہذا پیشِ خدمت ہے۔

جناب سید مسعود احمد صاحب بی۔ایس سی امیر جماعت المسلمین نے جب صحیح بخاری کی کتاب الصلوٰۃ اپنے درس میں ختم کی تو ان سے استدعا کی گئی کہ انہوں نے درس کے سلسلہ میں جو نوٹ اور یادداشتیں تیار کی ہیں اُن کی مدد سے ایک ایسی کتاب لکھی جائے جس میں ہر فعل اور ہر حرکت کا ثبوت سُنّتِ رسول اللہ ﷺ سے مل سکے۔ الحمد اللہ کہ یہ کتاب انہیں صفات کی حامل ہے[1]"

غور کیجئے کہ اس تصدیر کو سمجھ کر پڑھنے والا کیا کسی منکرات و فواحشات سے وابستہ ہو سکتا ہے؟ منکرین صلوٰۃ، جو کہ مسلمان ہونے کے بھی دعویدار ہیں' اکثر یہ کہتے ہوئے پائے جاتے ہیں کہ نماز کا کیا فائدہ ہے۔ ہم تو اس کا کوئی اثر یا ثمرہ نہیں پاتے۔ اس سے ہمیں کیا ملتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ ان سے میں عرض کرتا ہوں کہ آپ اس "تصدیر" کو غور سے پڑھیں پھر غور کریں کیا آپ نماز اس کی روح کے مطابق پڑھتے ہیں یعنی کیا نماز (اصل صلوٰۃ) آپ کی فواحش و منکرات سے روک رہی ہے یا نہیں۔(۲۹/۴۵) اگر آپ نماز کی ادائیگی کے باوجود فواحش و منکرات میں ملوث ہیں تو صاف ظاہر ہے کہ آپ نماز نہیں پڑھ رہے بلکہ صرف دکھاوا کر رہے ہیں۔ صرف اٹھک بیٹھک کر رہے ہیں۔ صرف ٹکریں لگا کر پیشانی پر نشان ڈال رہے ہیں اور اس کی آڑ میں لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ لیکن اگر آپ ان چیزوں میں ملوث نہیں تو یقیناً آپ کو نماز نے بُرے کاموں سے روکا ہوا ہے اور آپ کے اچھے اعمال ہی آپ کا بہترین اجر و ثمر ہے۔ بلکہ اگر آپ یہ خیال کر کے کہ آپ اللہ کے حضور کھڑے ہوتے ہیں اور وہ آپ کو دیکھ رہا ہے، نماز ادا کر کے اپنے آپ کو فواحش و منکرات سے بچانے کی کوشش بھی کرتے ہیں تو وہ بھی یقیناً آپ کا اجر یا

---

[1] صلوٰۃ المسلمین از سید مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین۔ اشاعت اول ۱۹۷۸ء زیر عنوان تصدیر ص ۹۔۲۱

ثمر ہے۔ صلہ، صالح اور تقویٰ والی زندگی ہے۔ اور اسی میں اللہ کی خوشنودی ہے کہ آپ خلوص دل سے، اللہ تعالیٰ کی عظمت کے حضور میں سر تسلیم خم کر دیں، سجدہ ریز ہو جائیں صحیح معنوں میں عبد بن جائیں، صرف اللہ ہی کی بندگی و غلامی کریں، کسی اور بڑے سے بڑے انسان یا ہستی یا صنم کی بندگی و فرمانبرداری نہ کریں، نہ کسی کو اس کی ذات، صفات اور حکم میں شریک کریں۔ پھر آپ کو نماز (صلوٰۃ) کا کیا اثر یا ثمر چاہیئے؟ یہ کیا کم ہے کہ آپ صحیح معنوں میں انسان بن جائیں جو کثیر مخلوق سے بہتر ہے (۷۰/۱۷) اور یہی فلاح کی زندگی ہے۔

اوپر بیان کردہ اختلافات کو دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکم اقیموا الصلوٰۃ کا انکار نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس پر غور و فکر و تحقیق کرنا چاہیئے کہ اصل نماز (صلوٰۃ) کیا تھی اور کیا ہے؟ اس کی روح کی تلاش کرنا چاہیئے نہ کہ مختلف قسم کے علامتی اظہار پر تنازع کھڑا کر دینا چاہیئے یا نماز ہی کا ترک یا انکار کر دینا چاہیئے۔ دراصل عجمیوں کی سازش ہی یہ تھی کہ کسی نہ کسی طریقہ سے اسلام کے بنیادی رکن سے اسلام قبول کرنے والوں کو ہٹا دیا جائے اس لئے انہوں نے صرف نماز ہی نہیں ہر اسلامی رکن اور ہر اسلامی عمل میں کچھ نہ کچھ انتشار یا الجھن (Confusion) پیدا کر دیا اور مسلمین و مومنین و صالحین و متقین کو راہ ہدایت سے ہٹا کر اپنی ہدایت پر لگا دیا۔ اس کی تفصیل مختصراً ہم آگے مسعود احمد صاحب ہی کی زبانی دیں گے۔ فی الحال ہم آپ کو مروجہ مصلیّن کی حالت دکھاتے ہیں جو حدیثی نمازیں پڑھنے کے دعویدار ہیں۔ چنانچہ استاذی جناب مسعود احمد صاحب اپنی کتاب میں آداب الصلوٰۃ کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

## آداب الصلوٰۃ:[۱]

"بعض لوگ جب صلوٰۃ پڑھنے کھڑے ہوتے ہیں تو اس بات کا مطلق خیال نہیں کرتے کہ کس کے سامنے کھڑے ہو رہے ہیں اور اس کے سامنے کھڑے ہونے کے لئے کس قدر آداب و احترام کی ضرورت ہے۔ بے ادبی اور بد تہذیبی کے ساتھ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں اور بعض تو ایسے کام کر گذرتے ہیں کہ دیکھنے والے کو کراہت آتی ہے۔ سکون و اطمینان کا نام و نشان تک نہیں ہوتا۔ بعض لوگ اگرچہ ہر رُکن کو اطمینان سے ادا کرتے ہیں لیکن سکون اُن کی صلوٰۃ میں بھی ناپید ہوتا ہے۔ جسم متحرّک رہتا ہے۔ کبھی ایک پیر پر زور دیتے ہیں اور کبھی دوسرے پر۔ کبھی جُھک جُھک کر پیروں کو دیکھتے ہیں اور کبھی کپڑوں کو۔ نظریں اِدھر اُدھر اور اُوپر کو اُٹھتی ہیں۔ کبھی میل اُتارتے ہیں۔ اکثر ڈاڑھی سے کھیلتے رہتے ہیں۔ بغیر کسی خاص ضرورت کے کھجاتے رہتے ہیں۔ جماہی آتی ہے تو نہ اُس کو روکتے ہیں نہ مُنہ پر ہاتھ رکھتے ہیں۔ رفع یدین کرتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا مکھی اُڑا رہے ہیں بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ہاتھ پھینک رہے ہیں۔ ہاتھوں میں اُوپر اُٹھانے کے بعد سکون پیدا بھی نہیں ہونے پاتا کہ فوراً لاپرواہی سے اُن کو نیچے لے آتے ہیں بعض لوگ صرف ناف تک ہاتھ اُٹھاتے ہیں۔ بعض لوگوں کا رفع یدین رکوع سے سے اُٹھتے ہی ختم ہو جاتا ہے، جب سیدھے کھڑے ہوتے ہیں تو ہاتھ نیچے جا چکتے ہیں۔ بعض لوگ اُنگلیوں کو ذرا سی جنبش دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ رفع یدین ہو گیا۔ جب وضو کر کے آتے ہیں تو آستینیں چڑھی ہوتی ہیں اسی حالت میں صلوٰۃ شروع کر دیتے ہیں۔ پھر یا تو صلوٰۃ میں آستینیں اُتارتے ہیں

یاصلوٰۃ کے بعد۔ گویاصلوٰۃ اُسی حالت میں پڑھ لیتے ہیں۔ بعض لوگ تو شیروانی اور کوٹ وغیرہ کی آستینیں چڑھا کر وضو کرتے ہیں اور پھر بغیر آستینیں اُتارے صلوٰۃ پڑھتے ہیں (یہاں موصوف نے شلوار یا پتلون کے پائنچے چڑھانے والوں پر کوئی اعتراض نہیں کیا کہ اپنی زینت خراب کر کے اللہ کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں۔ صدیق)۔ خم ٹھونک کر ٹانگیں چیر کر کھڑے ہوتے ہیں۔ بجائے کلائی کے کہنی یا بازو کو پکڑتے ہیں۔ عاجزی وفروتنی مفقود ہوتی ہے۔ بعض لوگ ایسا بھی کرتے ہیں کہ جلدی جلدی وضو کر کے آئے اور آخر رکوع میں مِل گئے، پھر زمین سے تولیہ اُٹھا کر عین رکوع کی حالت میں تولیہ سے مُنہ پونچھتے ہیں۔ بعض رکوع سے کھڑے ہو کر اپنے سر پر دونوں ہاتھوں سے رومال وغیرہ باندھتے ہیں، دیکھنے والا یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ صلوٰۃ پڑھ رہے ہیں پہلے مسواک یا اور کوئی سامان سجدہ کی جگہ رکھ دیتے ہیں، پھر جب سجدہ کرنے لگتے ہیں تو ایک ہاتھ سے اور بعض اوقات دونوں ہاتھوں سے اُس کو اُٹھا کر سجدہ کے مقام سے علیٰحدہ رکھ دیتے ہیں۔ بعض لوگ جب بیٹھتے ہیں تو دونوں ہاتھوں سے قمیص کے دامن کو اپنی گود میں پھیلا لیتے ہے، اس کی سلوٹیں دور کرتے ہی۔ کھڑے ہوتے ہی قمیص کے پیچھے کے دامن کو ٹھیک کرتے ہیں۔ سجدہ میں جانے سے پہلے بار بار مصلّے کو دونوں ہاتھوں سے صاف کرتے ہیں اور پھر دونوں ہاتھوں کو دیکھتے ہیں کہ کہیں ہاتھوں پر کچھ لگ تو نہیں گیا۔ بعض لوگ بے ضرورت ننگے سر صلوٰۃ پڑھتے ہیں۔ ٹوپی یا صافہ اُن کے پاس رکھا ہوتا ہے اُسے نہیں پہنتے حالانکہ ویسے ہر وقت پہنے رہتے ہیں، صلوٰۃ پڑھنے کھڑے ہوئے تو ٹوپی وغیرہ اُتار دی اور جُوں ہی صلوٰۃ پڑھ کر واپس ہوئے تو پہن لی۔ قمیص ہوتے ہوئے صرف بنیان پہن کر عجیب وغریب ہئیتِ مکروہہ کے ساتھ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ لوگوں کے لئے زینت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے زینت اتار پھینکتے ہیں۔ ان تمام مذکورہ بالا باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لااُبالیت اور بے ادبی کا مکمّل ترین مظاہرہ کر رہے ہیں۔ یہی لوگ دُنیوی حکمرانوں کے سامنے ایسا نہیں کرتے لیکن دربارِ الٰہی میں سب کچھ جائز سمجھتے ہیں۔

غرض یہ کہ ان کی صلوٰۃ ادب واحترام سے معرّیٰ اور بد تہذیبی اور بدہیئتی کا مُرقّع ہوتی ہے"[1]۔

بعض مروجہ مصلّین، ملاؤں اور عجمیوں کی تعلیم کے باعث یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یوں بھی نماز پڑھی اور یوں بھی پڑھی۔ گویا کہ مختلف طریقہائے نماز کے وہ خود موجد تھے (نعوذ باللہ) اسی طرح وہ دیگر علامتی اعمال کے لئے بھی یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ تو اس طرح کے عقیدہ کے عامل لوگوں کے لئے، جناب استاذی اپنی کتاب میں "صلوٰۃ کا طریقہ کہاں ملے گا" کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

"بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ رسول اللہ ﷺ کئی طریقے سے صلوٰۃ پڑھتے تھے، رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی طریقہ سے صلوٰۃ پڑھی ہے اور وہی طریقہ فرض ہے"[2] (یہ سنتِ رسول ہوا۔ صدیق)

میں تو اسی حقیقت کو یوں عرض کرتا ہوں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نہ صرف اللہ رب العزت کے معزز اور

[1] ایضاً۔ ص ۴۷۔۵۱۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۴۵

چنیدہ رسول ہیں بلکہ آپ دنیا کے سب سے پر وقار ہستی تھے اس لئے ممکن ہی نہیں کہ کبھی وہ ایسے کرلیں یا کہہ دیں اور کبھی ویسے کہہ دیں یا کرلیں۔ چونکہ اللہ رب العزت، احکم الحاکمین کا قول' سنت بدلا نہیں کرتی اس لئے اس کے رسولؐ کا قول و عمل (سنت) میں بدلا نہیں کرتا۔ یوں اوروں کا چکر عجمیوں کا چلایا ہوا ہے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

اسی سلسلہ میں جناب استاذی عنوان "تین رکعت وتر جائز نہیں" میں ایک سرخی لگاتے ہیں کہ "قول و فعل میں تضاد ہو تو کیا کیا جائے۔" (گویا کہ انہوں نے بھی مان لیا کہ رسول کے قول و فعل میں تضاد تھا۔ معاذ اللہ، یہ عقیدہ بذات خود انتہائی گھناؤنا اور گمراہ کن ہے۔ ان کو یہ لکھنا نہیں چاہئے تھا۔ بلکہ یہ لکھنا چاہئے تھا کہ عجمی محدثین کی گھڑنت کی وجہ سے جو قول و فعل کا تضاد ملتا ہے تو اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہئے)، تحریر فرماتے ہیں:

## قول و فعل میں تضاد ہو تو کیا کیا جائے

"اگر رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل میں تضاد ہو تو کیا کرنا چاہئے؟ بعض لوگوں کا کہنا تو یہ ہے کہ ایسی صورت میں دونوں عمل جائز ہوں گے۔ یعنی اگر تین سے منع کیا ہے اور کوئی شخص اس پر عمل کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ اور اگر رسول اللہ ﷺ نے تین پڑھے ہیں تو جو شخص اس پر عمل کرتا ہے تو وہ بھی کوئی بُرا کام نہیں کرتا، اس کا عمل بھی سُنّت کے مطابق ہے۔ ان لوگوں کا یہ اصول اس مفروضہ پر قائم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی کام سے منع کرنے کے بعد پھر خود ہی اُس کو کرلیا کرتے تھے اور آپؐ کے عمل کرنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ اس کام کو کرلینا بھی جائز ہے اگرچہ ممانعت کی وجہ سے نہ کرے تو بہتر ہے۔

یہ اصول کتنا قبیح ہے۔ اس کی قباحت کا اندازہ ہر شخص لگا سکتا ہے۔ اگر کسی شخص کے قول و فعل میں تضاد ہو تو اُس کو شریف آدمی کہنا بھی صحیح نہیں، چہ جائیکہ اُسے نبی کہا جائے۔ یہ اصول کہ رسول اللہ ﷺ جس کام کا حکم دوسروں کو دیتے تھے وہ کام خود نہیں کرتے تھے، یا جس کام سے دوسروں کو منع کرتے تھے خود وہی کام کرتے رہتے تھے بالکل خلافِ قرآن ہے اور شانِ نبوّت کے سراسر منافی ہے۔ حیرت ہے کہ اصول کہاں سے نکلا، کس آیت یا حدیث پر اس کی بنیاد ہے۔ قرآن میں جو کچھ ملتا ہے وہ اس کے خلاف ہے۔ مزید برآں اس اصول کی خاطر ہر جگہ یہ بات فرض کرلی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا فعل، جو آپؐ کے قول کے خلاف واقع ہوا ہے اُس قول کے بعد واقع ہوا ہے۔ اگرچہ اس قول کی بات کے لئے دلیل کی ضرورت تھی کہ واقعی وہ کام رسول اللہ ﷺ نے بعد میں کیا ہے، لیکن اس جگہ بے دلیل ہی ایک چیز کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی روشنی میں اصول یہ ہونا چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی اپنے قول کے خلاف نہیں کرسکتے۔ اور اگر کوئی ایسا فعل ہمیں مل جاتا ہے تو وہ قول کے بعد کا نہیں ہوسکتا بلکہ قول سے پہلے کا ہوگا۔"[1]

غور کیجئے کہ جس شخص کے قول و فعل میں تضاد ہو اور کسی چیز میں وقار و استقامت نہ ہو اسے تو شریف آدمی بھی نہیں کہا جاسکتا۔ وہ تو پاکستان کا مُلّا یا سیاستدان ہوگیا!

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۹۵۔۳۹۷

اب دیکھئے اور سمجھئے کہ اسلامی اعمال پر عجمیت کی چھاپ کس طرح لگ گئی اس سلسلہ میں استاذی جناب مسعود احمد صاحب نے اپنی کتاب کے عنوان ''ترکِ رفع عیدین تاریخ کی روشنی میں''۔ بہت مختصراً، دبی زبان سے، تحریر فرمایاہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:

''صحابہ کرامؓ کے دور ہی میں بعض مخالفِ اسلام تحریکوں نے جنم لیا، جن میں خارجی اور سبائی تحریکیں سر فہرست ہیں۔ ان تحریکوں نے اسلامی سیاست کو پارہ پارہ کرنے کی ہی کوشش نہ کی بلکہ سب سے پہلا مسلم معاشرہ جس کی تربیت اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں رسول اللہ ﷺ نے کی تھی اُس کو بھی بدنام کرنے میں اُنہوں نے کوئی دقیقہ فرد گذاشت نہیں کیا۔ اسلام کالبادہ اوڑھ کر اسلام کی بیخ کنی میں بھرپور کوشش کرتے رہے۔ قرآن وحدیث کو بے محل استعمال کرنا، قرآن وحدیث کے مقابلہ میں آرائے رجال کو پیش کرنا، متشابہات کی تاویلیں کرنا اور عقائد کو خراب کرنا ان لوگوں کا خاص مشغلہ تھا، انہوں نے اسلامی عبادات اور قوانین میں بھی تبدیلی کی کوشش کی، حتیٰ کہ صلوٰۃ جو دن میں پانچ مرتبہ ادا کی جاتی ہے اُس کو بھی انہوں نے بگاڑنے میں بھرپور زور لگایا۔ اکثر نو مسلم ان کے فریب میں آ گئے۔ **فرقہ بندی کی ابتداء ہوئی اور اس طرح ایک اسلام کے کئی اسلام بن گئے۔**

فرقہ بندی نے شخص عقیدت کو پیدا کیا، شخصی عقیدت نے شخصیت پرستی کو جنم دیا۔ شخصیت پرستی نے تقلیدِ شخصی اور جمود کے لئے راہ ہموار کی۔ فرقہ وارانہ مسائل کی حمایت میں حق پوشی ہونے لگی اور اس کے بعد حق کا انکار ہونے لگا، حتّٰی کہ یہ حمایت ترقّی کرتے کرتے حمیّتِ جاہلیت تک پہنچ گئی۔

حمیّت اور جہالت کی بنیاد پر سُنّتوں کو چھوڑا جانے لگا۔ پورے اسلام کو کس کس طرح مسخ کیا گیا، یہ تو ایک طویل مضمون ہے۔ ہم صرف ترک رفع یدین پر روشنی ڈال رہے ہیں، اس سے پہلے کہ ہم اصل مضمون کی ابتداء کریں یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ ترکِ سُنن کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی اور صلوٰۃ کو بحیثیتِ مجموعی کب اور کس طرح بدلا گیا۔

## سنتوں کا ترک

عن انس قال ما احرف شیئاً مما کان علیٰ عھد النبی صلی اللہ علیہ و سلم قیل الصلوٰۃ قال الیس صنعتم ما صنعتم فیھا (صحیح بخاری کتاب المواقیت۔ باب تضیع الصلوٰۃ عن وقتھا)

(ایک دن) حضرت انسؓ نے لوگوں سے فرمایا جو چیزیں رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھیں اُن میں سے مجھے اب کوئی چیز نظر نہیں آتی، لوگوں نے پُوچھا ''(کیا) صلوٰۃ (بھی اس طریقہ پر نہیں ہے)'' حضرت انسؓ نے فرمایا ''صلوٰۃ میں بھی تو تم لوگوں نے کیا کیا (تغیّر و تبدّل) کر دیا۔''

عن عثمان قال سمعت الزھری یقول دخلت علی انس بن مالك بدمشق و ھو یبکی فقلت ما یبکیك ؟ فقال ما اعرف شیئاً مما ادرکت الا ھٰذہ الصلوٰۃ و ھٰذہ الصلوٰۃ قد ضیّعت (صحیح بخاری کتابُ المواقیت باب تضیع الصلوٰۃ عن وقتہا)

حضرت عثمان کہتے ہیں میں نے امام زہری سے سُنا وہ فرماتے تھے "میں (ایک دن) دمشق میں حضرت انسؓ سے ملنے گیا (میں نے دیکھا کہ) وہ رو رہے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ کس چیز نے آپ کو رُلایا؟ حضرت انسؓ نے فرمایا جو باتیں میں نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیکھی تھیں اُن میں سے اب کوئی بات مجھے نظر نہیں آتی سوائے صلوٰۃ کے، اور حقیقت یہ ہے کہ صلوٰۃ بھی ضائع کر دی گئی (یعنی وہ بھی اصلی حالت پر باقی نہیں رہی")

حضرت اُمّ درداءؓ کہتی ہیں:-

**دخل علی ابو الدرداء وهو مغضبٌ فقلت ما اغضبك ؟ فقال والله ما اعرف من امّة محمّد صلی الله علیه و سلم شیئًا الّا انهم یُصلّون جمیعًا۔** (صحیح بخاری کتابُ الاذان باب فضل صلاۃ الفجر فی جماعۃٍ)

(ایک دن) حضرت ابو درداءؓ غصّہ کی حالت میں میرے پاس آئے، میں نے کہا کس چیز نے آپ کو غصّہ دلایا ہے؟ حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا اللہ کی قسم میں محمّد ﷺ کی اُمّت میں کوئی بات (اصلی حالت پر) نہیں پاتا سوائے اس کے کہ یہ لوگ جماعت سے صلوٰۃ ادا کر لیتے ہیں۔

حضرت مالکؒ کہتے ہیں:-

**ما اعرف شیئًا مما ادرکت علیه الناس الا النّداء بالصلوٰۃ۔** (مؤطاء امام مالکؒ باب ما جآء فی النداء للصلوٰۃ ص ۲۵ رواۃ ثقات (تقریب)

میں نے لوگوں کو (یعنی صحابہ کرامؓ کو) جس حالت پر دیکھا تھا اُس میں سے میں اب کسی چیز کو نہیں دیکھتا سوائے اذان برائے صلوٰۃ کے (کہ وہ اپنی اصلی حالت پر موجود ہے)

مندرجہ بالا روایات سے ثابت ہوا کہ عہدِ صحابہؓ و عہدِ تابعینؒ ہی میں عراق و شام وغیرہ ممالک کے اکثر لوگ سُنّتوں کو ترک کرنے لگے تھے۔ سُنّتوں کے ترک کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کو بہت افسوس و صدمہ ہوتا تھا۔

**سُنّتیں ترک کرانے کی کوشش:** حضرت جابر بن سمرۃؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے کوفہ کے گورنر حضرت سعدؓ سے فرمایا:-

**لقد شکوك فی کل شیء حتی الصّلوٰۃ قال امّا انا فامدّ فی الاولیین و احذف فی الاخریین ولا آلو ما اقتدیت من صلاۃ رسول الله صلی الله علیه و سلم قال صدقت ذاك ظنّی بك:** (صحیح بخاری باب یطول فی الاولیین)

کوفہ والوں نے ہر معاملہ میں تمہاری شکایت کی ہے، حتّٰی کہ اُنہوں نے صلوٰۃ کے متعلّق بھی تمہاری شکایت کی ہے (کہ تم صلوٰۃ سنّت کے مُطابق نہیں پڑھتے) حضرت سعدؓ نے فرمایا میں پہلی دو رکعتوں میں طول دیتا ہوں اور آخری دو میں تخفیف کرتا ہوں اور میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا تم نے سچ کہا، تمہارے متعلّق میرا یہی گمان تھا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوفہ والے نہ یہ کہ خود سُنّت کے مطابق صلوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے بلکہ صحابہ کرامؓ کو بھی مجبور کرتے تھے کہ وہ بھی سنّت کے خلاف صلوٰۃ ادا کریں، حتّٰی کہ گورنر پر زور ڈالتے تھے کہ وہ بھی سُنّت کے طریقہ کو ترک کر کے اُن کا ہمنوا بن جائے۔

نئے نئے ملک فتح ہوتے چلے جا رہے تھے، نو مسلمین کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی تھی، مرکز اسلام، دارالہجرۃ یعنی مدینۃ النّبی سے دوری کے باعث نو مسلمین کی اکثریت میں پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی، مختلف تخریبی تحریکوں کا شکار بھی یہی لوگ ہوتے تھے، مزید بر آں تنزّل ایک فطری چیز تھی، جتنا زمانہ گذرتا گیا اور نبوت سے بُعد ہوتا چلا گیا اُتنا ہی تنزّل بڑھتا چلا گیا۔ جو جذبہ ایمانی صحابہ کرامؓ میں تھا وہ تابعین میں باقی نہیں رہا، اور جو جذبہ ایمانی تابعینؒ میں تھا وہ تبع تابعین میں باقی نہیں رہا۔ یہ تنزّل تدریجی تھا لیکن فطرت کے عین مطابق تھا۔ صلوٰۃ کے طریقہ میں، بلکہ پورے دین کے معاملہ میں تدریجی طور پر تبدیلی آتی رہی۔ تنزّل کی اس تیز رفتاری سے صرف ایک شہر محفوظ تھا اور وہ تھا مدینہ منوّرہ۔ حضرت انسؓ دوسری جگہ لوگوں کی دینی حالت دیکھ کر روتے تھے۔ لیکن وہی حضرت انسؓ جب کافی عرصہ کے بعد مدینہ منوّرہ واپس آئے تو ان سے سوال کیا گیا:۔

ما انکرت منذ یوم عهدت رسول الله صلّى الله عليه و سلم قال ما انكرت شيئًا الّا انكم لا تقيمون الصفوف (صحیح بخاری باب اثم من لم یتم الصفوف)

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک کی روشنی میں آپ ہم میں کونسی بات بُری دیکھتے ہیں؟ حضرت انسؓ نے فرمایا "میں کوئی بُری بات نہیں دیکھتا سوائے اس کے کہ تم صفیں سیدھی نہیں کرتے"۔

گویا مدینہ منورہ کے لوگ کافی عرصہ تک صحیح اسلام پر قائم رہے۔ مندرجہ بالا احادیث و آثار سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کے طرقہ میں تبدیلی آ رہی تھی اور مسنون طریقہ آہستہ آہستہ متروک ہوتا چلا جا رہا تھا۔"[1]

غور کیجئے کہ موصوف نے یہ ہلکا سا ایک نقشہ صرف صلوٰۃ، بسلسلہ ترک رفع یدین، کی تبدیلی کے بارے میں کھینچا ہے۔ اس میں یہ بات تو حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ تاریخ کے مطابق، سبائی اور خارجی تحریکیں تو صحابہ کرامؓ ہی کے دور میں شروع ہو گئی تھیں اور یہود و مجوس یعنی عجمی تحریک اپنی "مقتدرہ" کی سربراہی میں پوری طرح فعال ہو گئی تھی اور اپنا پہلا ہدف تین خلفاءِ راشدین کو شہید کرنے میں بھی کامیاب ہو گئی تھیں مگر دینی عقائد پر فوراً ضرب نہ لگا سکی تھیں، البتہ شیعانِ علیؓ کے نام سے عقائدی نقب لگانے میں بھی کامیاب ہو گئی تھیں۔ مگر چونکہ پہلی صدی ہجری میں خلفائے راشدین کے بعد جو صحابہ و تابعین حکمران ہوئے وہ عقائد کی حفاظت میں بھی سخت رہے، ویسے تو انہیں سخت گیر حکمراں ہی مشہور کیا گیا۔ لیکن تاریخ کے مطابق پہلی صدی ہجری کے آخر سالوں میں خلیفہ عمر بن عبد العزیز پر عقائدی کمزوری دکھانے کا الزام ہے کہ انہوں نے (نام نہاد) احادیث لکھوانا چاہیں۔ مگر یہ الزام بھی ثابت نہیں ہوتا یونکہ اس زمانہ کا کوئی حدیثی مجموعہ موجود نہیں۔ صحابہ کرام پر یہ محض الزام ہے جو کہ موصوف نے

[1] ایضاً۔ ص ۴۱۶۔ ۴۲۵

(نام نہاد) احادیث پیش کر کے لگایا ہے کہ صلوٰۃ ان کے زمانہ میں بدلنا شروع ہو گئی تھی۔ یہ سب عجمی گھڑ نت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تاریخ کے مطابق پہلی صدی کا کوئی لٹریچر یا کسی قسم کا سرکاری یا غیر سرکاری ریکارڈ موجود نہیں، نہ ہی (نام نہاد) احادیث موجود ہیں یونکہ اس صدی میں تو اللہ اور رسولؐ کے حکم پر عمل ہوتا تھا کہ کوئی چیز غیر قرآن نہیں لکھنا۔ یہ ساری کاروائی دوسری اور تیسری صدی ہجری، یعنی بنو عباس کے دور کی ہے جس کا آغاز ہی لاتعداد تابعین و تبع تابعین کے بے رحمانہ قتال سے ہوتا ہے جس کی وجہ سے پہلا خلیفہ بنو عباس ہی سفاح کے نام سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ اس کا اصلی نام کوئی نہیں جانتا۔ بنو عباس کو حکومت پر قابض ہونے میں چونکہ عجمیوں کا خاص الخاص کردار و شرکت تھی، اس لئے اس دور میں آہستہ آہستہ وہ حکومت کے ہر سیاہ و سفید میں شریک ہو گئے تھے، یہ سب ان کے کارنامے ہیں کہ انہوں نے پہلی مسلم حکومتوں بالخصوص بنو امیہ کو بدنام کیا اور اس کی آڑ میں (نام نہاد) احادیث، تفسیر، فقہ، فتاویٰ ایجاد کر کے اسلام کو ہر ممکن طور پر بدلنے کی کوشش کر ڈالی۔ آج ہمارے سامنے اصلی اسلام کی بجائے عجمی اسلام پیش کیا جاتا ہے۔ (اس کی تفصیل انشاء اللہ اگلے حصہ میں کروں گا)۔ اسی طرح سے حدیثیں گھڑ گھڑ کر نماز (صلوٰۃ) کو تبدیل کر دیا گیا اور ہر فرقہ، ہر مسلک کی نماز جداگانہ ہو گئی۔ اب فیصلہ آپ کو خود کرنا ہے کہ صلوٰۃ کیسے ادا کریں۔ میں آگے، قرآن کریم کے مطابق صلوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ مختصراً تحریر کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ صلوٰۃ اسی طرح سے ادا کرنا ہے جس طرح سے بچپن سے سیکھتے اور پڑھتے آئے ہیں اور جس طرح سے سب ادا کر رہے ہیں۔ کوئی بھی عجمی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کے مطابق ادا نہیں کر رہا۔ اکثر تو نہ ان کتابوں کو جانتے پہچانتے ہیں اور نہ ہی ان کے نام جانتے ہیں۔ مروّجہ صلوٰۃ کی تصدیق مسجد الحرام اور مسجد نبوی میں ادا کی جانے والی نماز سے بھی ہو رہی ہے جو کہ تواتر عملی کا بہترین نمونہ اور ایک مسلم اور غیر مسلم کے درمیان امتیاز و شناخت ہے۔

## قرآنی صلوٰۃ (اصول)

جماعت المسلمین و دیگر اہلحدیث اور تبلیغی جماعت کے حضرات یہ سوال کرتے ہیں کہ اگر (نام نہاد) احادیث نہیں مانیں گے تو نماز (صلوٰۃ) کیسے پڑھیں گے جبکہ قرآن مجید میں تو نماز نہیں ملتی! تو اس کا سیدھا سا جواب میں عرض کرتا ہوں کہ نماز (صلوٰۃ) کا حکم تو قرآن مبین ہی دے رہا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے نماز (صلوٰۃ) کے لئے راہنمائی نہیں کی ہو جبکہ وہ مفصّل بھی ہے اور مبین بھی ہے۔ ان حضرات کی خود یہ کیفیت ہے کہ یہ آپس میں خود حدیثی نماز پر متفق نہیں ہیں۔ وہ ایسی کوئی (نام نہاد) حدیث، کوئی ایک کتاب پیش نہیں کر سکتے جس میں پوری نماز بتائی گئی ہو! وہ جو (نام نہاد) احادیث پیش کرتے ہیں ان میں صرف نماز کی ہیئت کا ذکر ہے، کیا پڑھنا ہے اس کا ذکر نہیں! ان کے اماموں یا مُلّاؤں نے جو نماز کی کتابیں لکھی ہیں ان میں انہوں نے درجنوں کتابوں میں سے نکال نکال کر جمع کیا ہے، مثلاً جماعت المسلمین ہی کی جو کتاب لکھی گئی ہے وہ کم از کم ۵۰ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں سے لکھی گئی ہے۔ (پیچھے میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں) اگر اتنی ہی محنت وہ قرآن مبین سے صلوٰۃ اخذ کرنے کے لئے کرتے تو یقیناً صلوٰۃ ان کو وہاں سے بھی مل جاتی

پھر انہیں عجمیوں کی کتابیں دیکھنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ آیئے اب ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ صلوٰۃ کے لئے قرآن مبین ہمیں کیاہدایت دیتاہے۔خیال رہے یہ کتابِ ہدایت ہے کسی مُلّا کی جمع کردہ کتاب نہیں۔

۱)۔ سب سے پہلی ہدایت یہ ہے کہ صلوٰۃ صرف پڑھے جانے کی عبادت نہیں ہے۔ پڑھنے کا لفظ قرآن مبین میں صلوٰۃ کے لئے کہیں نہیں استعمال ہوا۔ بلکہ قائم (اقیموا الصلوٰۃ ) کرنے کا لفظ استعمال ہوا ہے (۴۳/۲، ۱۱۰/۲، ۲۲/۲۹،۱۳/۳۵، ۷۸/۲۲، ۵۶/۲۴، ۳۱/۳۰، ۲۰/۷۳ وغیرہم) جس کے معنیٰ پورے آداب واہتمام اور پابندی سے ادا کرنا ہوتے ہیں۔ یہ صرف خانہ پُری نہیں بلکہ اپنے اپنے وقتِ مقررہ پر ادا کرنا ہوتی ہے (غیر قرآنی اوقات میں نہیں) (۱۰۳/۴) اسی طرح اس کی حفاظت ہوتی ہے یعنی قائم رہتی ہے (۲۳۸/۲) یعنی گنڈے دار مصلی نہیں بننا بلکہ پابند صلوٰۃ ہونا ہے۔

۲)۔ اللہ تعالیٰ نے اب سے چودہ سو پچاس سال پہلے کوئی نیا دین نہیں نازل فرمایا بلکہ یہ تو اسی دین کا تسلسل ہے جو حضرت آدم سلامٌ علیہ پر نازل ہوا تھا پھر نوح سلامٌ علیہ پر.............................. پھر ابراہیم سلامٌ علیہ پر (۳۸/۲، ۱۳۶/۲، ۴۸/۵، ۱۳/۴۲ وغیرہم) چنانچہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو مِلّۃِ ابراھیم کی اتباع / پیروی کا حکم دیا گیا (۹۵/۳، ۱۲۵/۴، ۱۲۳/۱۶ وغیرہم) یقیناً رسول اور ان پر ایمان لانے والے صحابہ مِلّۃِ ابراھیم کی اتباع / پیروی کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دوست بنالیا (۶۸/۳) (یہاں اتباع کے معنیٰ بھی واضح ہوگئے کہ شخصیت کی نہیں بلکہ وہ جو پیغام (القرآن) لایا اس کی اتباع کرنا ہے) یقیناً اس طرح سے رسول سلامٌ علیہ اور صحابہؓ مِلّۃِ ابراھیم کی ادا کی گئی صلوٰۃ ادا کرتے رہے۔ (جو کہ تمام انبیاء اور امتیں ادا کرتی رہیں تھیں جو کہ یقیناً عربی زبان میں تھی یا اسمٰعیل سلامٌ علیہ کی وجہ سے عربی میں ہوگئی تھیں۔

★۔ حکم ہوا کہ اللہ کا ذکر یعنی صلوٰۃ اس طرح ادا کرو جس طرح تمہیں سکھایا ہے (۲۳۹/۲) تو یقیناً یہ سکھایا ہوا وہی ہوا جو حضرت ابراہیم سلامٌ علیہ اور حضرت اسمٰعیل سلامٌ علیہ سے چلا آرہا تھا اور اُس کو تصریف الآیات کے ذریعہ قرآن مبین میں بھی جگہ جگہ بیان کر دیا گیا۔ پس صلوٰۃ اسی طریقہ سے ادا کی جائے گی جس طرح سے رسول سلامٌ علیہ اور صحابہؓ نے ادا کی پھر ان کے بعد وہ تسلسل سے چلی آرہی ہے اور وہی طریقہ ہمارے والدین وبزرگوں نے سکھایا، اور امت کے ہر فرقہ کا عمل اسی طرح سے ہے جو کہ تواتر عملی سے چلا آرہا ہے۔ اور صلوٰۃ کی ہئیت (اقامہ، رکوع، سجود، جلسہ) پر سب متفق ہیں۔ البتہ کہاں پر کیا پڑھنا ہے اس میں جگہ جگہ اختلاف ہے جبکہ سورۂ فاتحہ / سبع المثانی (۸۷/۱۵) پڑھنے پر بھی سب متفق ہیں۔ اللہ اکبر کہنے پر بھی سب متفق ہیں، سَمِعَ اللّٰہُ لِمَن حَمِدہ کہنے پر بھی سب متفق ہیں۔ (خیال رہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں آج بھی ایسے لوگ موجود ہیں جن کے آباؤ اجداد رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ساتھ صلوٰۃ ادا کیا کرتے تھے اور صلوٰۃ و قرآن الحکیم کی تلاوت کرنا انہی سے سیکھا تھا اور وہی تسلسل عملی سے ان کی اولاد میں چلا آرہا ہے۔ چنانچہ پوری دنیا سے مسلمانوں کے بچے قرآن الحکیم حفظ کرنے کے بعد ان کو جا کر سنا کر اصلاح کرواتے ہیں اور دستار / اسناد حاصل کرتے ہیں) میرے خیال میں یہی دو خاص عمل ہیں جو ہمیں تواتر عملی سے ملتے ہیں ایک قرآن الحکیم کی تلاوت یا ناظرہ خوانی اور دوسری صلوٰۃِ مؤقت۔

★۔اس طرح صلوٰۃ ادا کرنے کی تصدیق ہم کو خانہ کعبہ میں ادا کی جانے والی صلوٰۃ سے بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِمَ مُصَلًّى ؕ (۱۲۵/ ۲) کہ مقام ابراہیم پر ادا کی گئی صلوٰۃ کو پکڑ لو (**مصلًّی** کی بحث پیچھے گذر چکی ہے) جو کہ رسول سلامٌ علیہ، ان کے صحابہؓ اور آل اسمٰعیل ادا کرتے تھے اور اب بھی کر رہے ہیں۔ وہاں ہر رنگ و نسل و ہر فرقہ کا مسلم، سوائے جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کے، امام کعبہ کے پیچھے صلوٰۃ ادا کر رہا ہوتا ہے۔ ان سے کوئی نہیں پوچھتا کہ تم نے عجمیوں کی (نام نہاد) احادیث کے مطابق ادائیگی کیوں نہیں کی؟

★۔(خیال رہے کہ آج کل مقامِ ابراہیم پر جو صلوٰۃ ادا کی جا رہی ہے اس میں بھی غلطی ہو سکتی ہے کہ کوئی عمل قرآن الحکیم کے مطابق نہ ہو، مثلاً کچھ صلوٰۃ آواز سے اور کچھ خاموشی سے، لیکن آپ نے قرآنی حکم پر عمل کرنا ہے اسلئے اپنی اپنی صلوٰۃ کو قرآنی صلوٰۃ بنایئے۔ وہاں غلطی کا سبب یہ ہے کہ وہاں بھی (نام نہاد) عجمی احادیث کا اثر ہے جو تقریباً ایک صدی سے تو ہو رہا ہو گا یونکہ وہاں اہلحدیثوں کی حکومت قائم ہے اس لئے قرآنی احکام کو مہجور کر دیا گیا ہے)

★۔قرآن کریم عام طور پر '**المعروف**' کے مطابق عمل کرنے / ماننے کو کہتا ہے (۱۷۸/ ۲ ، ۱۸۰/ ۲ ، ۲۲۸/ ۲ ، ۲۲۹/ ۲ ، ۱۳۱/ ۲ ، ۱۰۴/ ۳ ، ۱۱۰/ ۳ ، ۶/ ۴ ، ۲۵/ ۴ ، ۱۱۴/ ۴ ، ۱۵۷/ ۷ ، ۷۱/ ۹ ، ۱۱۲/ ۹ ، ۴۱/ ۲۲ ، ۱۷/ ۳۱ ، ۲۱/ ۴۷ ، ۱۲/ ۶۰ ، ۲/ ۶۵ ، ۵۳/ ۲۴ وغیرہم) تو صلوٰۃ بھی جو رسول سلامٌ علیہ سے تواترِ عملی کی وجہ سے '**المعروف**' ہے اسی کی اطاعت ہو گئی (**طاعة معروفه**) (۵۳/ ۲۴)

★۔(نام نہاد) احادیث کو اللہ رب العزت نے نازل نہیں فرمایا۔ اس نے صاف صاف فرما دیا کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا (۲۳/ ۷۶) (اے رسول) ہم نے القرآن کو آپ پر نازل کیا ہے۔ بات بالکل واضح ہے کہ عجمیوں کی (نام نہاد) احادیث نازل نہیں کی۔

★۔جب کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا قول مبارک ہے (یعنی احسن الحدیث ہے، عجمیوں کی (نام نہاد) حدیث شریف نہیں) ''کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور حکم تلاش کروں۔ حالانکہ وہ عظیم الشان ذات ہے جس نے تمہاری طرف اپنا حکمنامہ ایک مفصل کتاب کی صورت میں نازل فرمادیا ہے'' (۱۱۴/ ۶) تو کیا اس مفصل کتاب میں صلوٰۃ کی ادائیگی کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں؟

★۔یقیناً قرآن مبین میں، ہم جو صلوٰۃ تواترِ عملی اور خانہ کعبہ میں ادا کی جانے والی صلوٰۃ (**مصلًّی**) کے مطابق ادا کر رہے ہیں، اس کی تصدیق موجود ہے۔ اب آپ خود زحمت کر کے قرآن مبین اُٹھا کر (قطع نظر ترجمہ میں بعض مُلّاؤں کے اختلافات کے) کم از کم مندرجہ ذیل آیات ہی کا مطالعہ کر لیجئے، ساری حقیقت کھل جائے گی کہ اہلحدیث / منکرین قرآن محض دھوکہ دیتے ہیں کہ صلوٰۃ قرآن مبین میں نہیں ہے بلکہ عجمیوں کے جمع کردہ (نام نہاد) احادیث میں ہے (معاذ اللہ)۔... (۲۴۳/ ۲ ، ۶/ ۵ ، ۱۱۱/ ۲ ، ۲۲/ ۱۳ ، ۲۹/ ۳۵ ، ۷۸/ ۲۲ ، ۵۶/ ۲۴ ، ۳۱/ ۳۰ ، ۲۰/ ۷۳ ، ۲۳۸/ ۲ ، ۲۳۹/ ۲ ، ۱۱۴/ ۱۱ ، ۷۸/ ۱۷ ، ۱۰۳/ ۴ ، ۱۰۱/ ۴ ، ۱۰۲/ ۴ ، ۱۳۰/ ۲۰ ، ۹/ ۶۲ ، ۱۱،۱۰/ ۶۲)

★۔اصل بات یہ ہے کہ صلوٰۃ اللہ رب العزت کا حکم ہے اس میں قیام، رکوع و سجود سب ہی بندگی / عبدیت کی علامات ہیں۔ اس لئے بندہ صرف بندگی / غلامی کے اظہار کے لئے صلوٰۃ ادا کرتا ہے۔ اس میں اس کو خلوصِ نیت، خشوع و خضوع اور ارتکاز توجہ اور پابندئِ اوقات قائم رکھنا ہوتا ہے۔ یہ خیال رہنا چاہئے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے کے

حضور میں کھڑا ہے، جھک رہا ہے اور انتہائی عاجزی کی علامت کے طور پر ماتھا زمین پر رکھ رہا ہے، جہان سے اس کو دنیا جہاں کی نعمتیں اور رزق مل رہا ہے۔ تو وہ اس کی حمد بیان کرے، اس کی بڑائی بیان کرے اور اسی کو پکارے، دعا کرے، بھیک مانگے اور سورج، چاند، ستارے، بُت اور مزاروں، پیروں فقیروں، جوگیوں مجذوبوں اور پاگلوں کو کوئی اہمیت نہ دے (۲۱۳۔۲۱۴/۲۶ ، ۲۵/۷۶) بلکہ ان کے پیدا کرنے والے خالق کو سجدہ کرے (۳۷/۴۱) اور یہی صلوٰۃ ہے کہ اللہ کے حضور میں پوری طرح سے سرنڈر (Surrender) کر کے اس کے احکامات کے پیچھے پیچھے چلنا ہے، ان پر عمل کرنا ہے۔ اور ہر وقت یہ خیال رکھنا ہے کہ کہیں اس کے احکامات کی خلاف ورزی نہ ہو جائے۔ نیز صلوٰۃ کے معنی دعا بھی ہیں جیسا کہ سورہ الفاتحہ میں بتا دیا گیا ہوا ہے) یعنی صرف اسی سے بھیک مانگنا ہے، کسی غیر اللہ، زندہ یا مردہ، سے نہیں۔ مزید آیات ملاحظہ کیجئے: (۵۸/۱۹ ، ۱۵/۳۲ ، ۱۰۷/۱۷ ، ۱۰۹/۱۷ ، ۱۰۲/۴ ، ۹۸/۱۵ ، ۶۴/۲۵ ، ۶۵/۲۵ ، ۱۸۵/۲ ، ۱۱۱/۱۷ ، ۳/۷۴ ، ۲۶/۲۲ ، ۴۳/۲ ، ۳۳/۲۲ ، ۷۷/۲۲ ، ۵۵/۵ ، ۳۹ ، ۴۰ـ۵۰/۹ ، ۳۹/۹ ، ۱۱۲/۹ ، ۲۶/۷۶ ، ۱۹/۹۶ وغیرہم)

★۔ بندہ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں و ظلم کیلئے توبہ کر کے معافی مانگتا رہے، مِغفَر طلب کرتا رہے۔ ۳/۱۱۰ ، ۱۶/۲۸ ، ۲۳/۷ ، ۴۷/۱۱ ، ۱۳۵/۳ ، ۲۸۶/۲ ، ۱۶/۳ ، ۱۴۷/۳ ، ۱۹۳/۳ ، ۱۵۵/۷ ، ۴۱/۱۴ ، ۱۰۹/۲۳ ، ۱۱۸/۲۳ ، ۱۶/۲۸ ، ۱۰/۵۹ ، ۵/۶۰ ، ۸/۶۶ ، ۲۸/۷۱ ، ۱۰۶/۴ ، ۵۵/۴۰ ، ۱۹/۴۷ ، ۱۲/۶۰ ، ۱۹۹/۲ ، ۳/۱۱ ، ۵۲/۱۱ ، ۹۰/۱۱ ، ۱۰/۷۱ ، ۲۰/۷۳ ، ۶/۴۱ وغیرہم)

★۔ ایک اور اہم بات یہ کہ جہاں اپنے قرآن مبین میں اللہ تعالیٰ نے عباد الرحمٰن (رحمٰن کے بندے) کی صفات گنوائی ہیں (۶۳۔۷۴/۲۵) وہیں پر آخر میں اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ ان کی ایک اور صفت یہ ہے کہ ”وہ لوگ جب انہیں رب کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کی جائے تو اس پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے، (بلکہ غور سے سنتے ہیں) (۷۳/۲۵)“۔ نیز اللہ تعالیٰ کی آیات یعنی القرآن الحکیم پر تدبّر بھی کرنے کا حکم ہے (۲۹/۳۸ ، ۶۸/۲۳ ، ۸۲/۴ ، ۲۴/۴۷)۔ اور سنی سنائی باتوں (نام نہاد احادیث) کی تحقیق بھی کر لینے کا حکم ہے۔ (۸۳/۴ ، ۹۴/۴ ، ۶/۴۹)۔ تو ان آیات کریمات کے حکم کے تحت ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم یہ بھی غور کر لیں کہ ہم جو کچھ صلوٰۃ ادا کر رہے ہیں اس میں کہیں کسی قرآنی حکم کی خلاف ورزی تو نہیں ہو رہی۔ (جو کہ مرور زمانہ اور عجمی ملائیت کی وجہ سے بہت ممکن ہے) مثلاً کیا ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کہ ”صلوٰۃ نہ تو بہت بلند آواز ہو اور نہ بالکل پوشیدہ، بلکہ ان دونوں کے مابین (درمیانہ) راستہ اختیار کیجئے“ (۱۱۰/۱۷) پر عمل کر رہے ہیں؟ یقیناً نہیں، بلکہ ہم تو عجمی ملّاؤں کی طرف سے لفظ ”کچھ“ پر عمل کر رہے ہیں کہ کچھ آواز سے اور کچھ خفیہ ادا کرتے ہیں! کیا انفرادی صلوٰۃ میں بھی اللہ کے حکم پر عمل نہیں کیا جا سکتا؟ ظاہر ہے کہ اصلاح ہمیں خود کرنا ہو گی۔

★۔ اسی طرح سے ہماری صلوٰۃ میں کوئی شرکیہ ندا نہیں ہونا چاہئے۔ مثلاً یَا اَیُّھَا النَّبِی وغیرہ۔

★۔ نیز ہمیں یہ بھی غور کر لینا چاہئے کہ کیا کسی مستعمل دعا کو رسول سلامؑ علیہ نے پڑھا ہو گا یا پڑھتے تھے؟ (جبکہ صحیح و غلط کا معیار وہی ہیں۔ اسلام کو بالکل صحیح طور پر سمجھنے والے وہی ہیں پھر صحابہؓ ہیں) مثلاً التحیات، درود وغیرہ۔

★۔ نیز ایک بہت ہی عجیب بات یہ ہے کہ ہم قرآن الحکیم کی بعض سورتوں کو یا دعاؤں کو یا آیات کو بغیر سوچے سمجھے پڑھ رہے ہوتے ہیں مثلاً اگر ہم سورۃ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ ہی سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ آپ اعلان فرما دیجئے! حالانکہ وہ تو ہم سے فرما رہا ہے کہ اعلان کر دو کہ اللہ ایک ہے۔ اس لئے اس کی احدیت و

عظمت کیلئے ہم کو "قُلْ" کا لفظ نہیں پڑھنا چاہئے۔

اسی طرح سے جب ہم قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ پڑھتے ہیں تو ہم اللہ تعالیٰ ہی سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ آپ رب کی پناہ طلب کریں۔ (نعوذ باللہ) تو ان دونوں سورتوں کو بھی بغیر قُلْ کے پڑھئے تو پھر یہ دعا بن جائے گی کہ "میں رب کی پناہ طلب کرتا ہوں.......................... اسی طرح قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ جب پڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی سے کہتے ہیں کہ آپ فرما دیجئے / آپ اعلان کر دیجئے۔ (ویسے یہ سورۃ دعائیہ بھی نہیں یونکہ یہ تو کافرین کے لئے ایک تازیانہ ہے تو اسے پڑھ کر آپ کس کو سُنا رہے ہیں یا بتا رہے ہیں؟ (اسی طرح سے اور سورتیں ہیں) یہ تو بالکل وہی حال ہو گیا جو آپ لوگوں نے (نام نہاد) درود شریف کے ساتھ کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (۵۶/۳۳) اے ایمان والو، تم نبی کے لئے دعائے رحمت کیا کرو اور ان پر سلام بھیجا کرو"[1] آپ کہتے ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰۤى اٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اے اللہ محمد اور اٰلِ محمد پر دعائے رحمت نازل فرما یعنی اللہ تعالیٰ تو آپ سے فرما رہا ہے اور آپ اُلٹا اسی سے عرض کر رہے ہیں کہ (نہیں ہم تو دعائے رحمت نہیں کر سکتے) آپ خود ہی دعائے رحمت فرمایئے۔ کہئے یہ کیسا مذاق ہے! پھر اللہ تعالیٰ تو صرف رسول پر صَلِّ کہنے کا فرما رہا ہے مگر آپ نے اللہ سے آگے بڑھ کر (۴۹/۱) ان کی اٰل اولاد کو بھی شامل کر لیا! کہئے کیا اللہ وہ ہے یا آپ ہیں جو اپنی مرضی سے گھٹا بڑھا دیتے ہیں! (معاذ اللہ) اسی لئے کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات پر بھی اندھے بہرے ہو کر نہیں گرنا ہے (۲۵/۷۳)۔ بلکہ سوچ سمجھ کر پڑھنا ہے۔ اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر قِصص یا احکامات یا سوال و جواب (مثلاً حیض کیا ہے؟) وغیرہ نہیں پڑھنا چاہئے بلکہ صرف دعائیہ آیات یعنی دعائیں ہی کرنا چاہئے ورنہ صلوٰۃ کا مقصد فوت ہو سکتا ہے۔ غور کیجئے کہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں ہم کو کیا سکھایا ہے۔ پہلے اس کی حمد، پھر اس کی ربوبیت عالمینی اور رحمٰن و رحیم صفات کی ثناء۔ ہر دن کا حساب لینے کا اعتراف پھر اس سے بھیک یعنی صراط مستقیم پر چلانے کی دعا۔ تو ہمیں سورہ فاتحہ کے بعد قرآنی دعائیں ہی پڑھنا چاہئے یا پھر اس کی بڑائی و عظمت کی حمد یا ثنا والی آیات پڑھنا چاہئے۔ بہر حال یہ عام مُلاّ کا کام نہیں!

★۔ اب ایک اور اہم مسئلہ ہے کہ بعض لوگ یہ اعتراض اُٹھاتے ہیں کہ صلوٰۃ میں اللہ اکبر نہیں کہنا چاہئے۔ یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ شاید وہ اللہ کو سب سے بڑا نہیں مانتے اس لئے عجمیوں کی ساختہ عربی گرامر کے حوالہ سے بات کرتے ہیں کہ اکبر تفضیلی صیغہ ہے، یعنی اسم تفضیل ہے، تو اس طرح اس کے معنیٰ ہوئے اللہ اپنے ہم جنس دیگر الٰہوں سے بڑا ہے (نعوذ باللہ) غور کیجئے کہ کیا کبھی آپ نے بھی یہ خیال دل میں رکھ کر اللہ اکبر کہا ہے؟ یا ہمیشہ دل میں یہ خیال رکھ کر ہی اللہ اکبر کہا ہے کہ اللہ دنیا میں ہر چیز ہی سے بڑا ہے (ہاں اس میں کوئی شک نہیں آپ نے جو عجمیوں کو، زندہ و مردہ پیروں فقیروں کو خدا بنایا ہوا ہے اللہ ان سب سے بھی بڑا ہے۔)

یہ حضرات عجمی گرامر کے علاوہ یہ بہانہ بھی تلاش کر کے کہتے ہیں کہ اللہ اکبر قرآن میں نہیں آیا! ہم کہتے ہیں کہ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم میں اللہ اکبر (اس طرح ملا کر) نہیں استعمال ہوا ہے۔ تو اس کے یہ معنیٰ تو نہ ہوئے کہ ان دونوں اللہ اور اکبر کو ملا کر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ آخر کو آپ کا بنیادی عقیدہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی تو قرآن میں ایک جگہ پر نہیں آیا تو کیا وہ بھی غلط ہو گیا؟ دیکھئے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ قرآن

کریم میں صرف دو جگہ آیا ہے (۳۵/ ۳۷ اور ۱۹/ ۴۷) جبکہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صرف ایک جگہ (۲۹/ ۴۸) آیا ہے۔ اب ان دونوں کو مِلا کر کس نے آپ کا بنیادی کلمہ بنا دیا۔ یہ کام شاید خود محمد رسول اللہ نے کیا یونکہ وہ عربی دان تھے، تو تسلسل و تواتر سے یہ آپ کا کلمہ چلا آ رہا ہے اور صحیح ہے۔ لیکن اگر یہ کام آپ کے عجمی ملاؤں نے کیا ہے تو پھر........... آپ خود غور کر لیجئے!

قرآن کریم میں کلمہ اکبر کئی مقامات پر آیا ہے (۱۹/ ۶، ۷۸/ ۶، ۳/ ۹، ۱۰۳/ ۲۱، ۲۱/ ۳۲، ۵۷/ ۴۰) مگر کہیں بھی اسم تفضیل کی حیثیت سے نہیں کہ سب سے بڑا۔ بلکہ صرف (دوسری چیز سے) بڑا ہی کے معنٰی میں استعمال ہوا ہے۔ زحمت کیجئے اور اپنے ترجمہ قرآن کو اُٹھا کر دیکھ لیجئے اور سوچئے۔ تَتَفَكَّرُوْا (۴۶/ ۳۴)

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ قرآن کریم میں ایک مقام پر آیا ہے "وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ" (۴۵/ ۲۹) یعنی اللہ کا ذکر یقیناً سب سے بڑی چیز ہے۔ تو پھر کیا اللہ تعالیٰ سب چیزوں سے بڑا نہیں!

★۔ کیا سبب ہے کہ آپ اپنی صلوٰۃ یا غیر صلوٰۃ میں بھی بجائے عجمیوں کی بنائی ہوئی درود کے اللہ تعالیٰ کا بتایا ہوا اسلام اور اس کی ثناء بیان نہیں کرتے: "(اے رسول) آپ کا رب یعنی رب العزت ان باتوں سے جو یہ لوگ اس کے متعلق بیان کرتے ہیں پاک و منزّہ ہے۔ رسولوں پر سلام ہو۔ اور ہر قسم کی (اچھی) تعریف تو اللہ رب العالمین کے لئے ہی ہے"۔ (۱۸۰۔ ۱۸۲/ ۳۷)

★۔ کیا سبب ہے کہ آپ اپنی صلوٰۃ میں قرآنی تعوذ نہیں پڑھتے ؟ یعنی وَ قُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ۝۹۷ وَ اَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ۝۹۸ (۹۷۔ ۹۸/ ۲۳) بلکہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ اور اس میں بھی کچھ نہ کچھ آگے بڑھا کر پڑھتے ہیں۔

★۔ کیا سبب کہ آپ اپنی صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق آواز سے نہیں پڑھتے (۱۱۰/ ۱۷)

خیال رہے کہ آپ اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہیں بڑھ سکتے (۱/ ۴۹، ۲۷/ ۲۱) کہ خود سے دین میں کچھ ایجاد کر لیں۔

غور کیجئے! یہ حضرات حنفی (بریلوی) طریقہ پر صف بنا کر نماز ادا نہیں کر رہے، بلکہ یہ جرمنی کے شہر اسٹٹ گارٹ میں آرمی چیف جنرل راحیل شریف کا کمانڈر یو ایس سینٹ کام اور دیگر آرمی چیفس کے ساتھ گروپ فوٹو سیشن ہے۔(روزنامہ ایکسپریس کراچی 27.9.2016)

## (نام نہاد) حدیث کی حیثیت

اب، جبکہ پچھلے ابواب میں یہ حقیقت آشکار ہو چکی کہ اصل کتاب تو صرف قرآن کریم ہی ہے، وہی کتٰب اللہ ہے، وہی **اُمّ الکتٰب** ہے، وہی حاکم ہے وہی **مُهَيۡمِنُ** یعنی نگہبان ہے، وہی الفرقان یعنی کسوٹی ہے اور صرف وہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب ہے یعنی صرف وہی کتابی وحی ہے تو پھر (نام نہاد) احادیث کی دین میں کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ قرنِ اولیٰ میں ان کا وجود ہی نہیں تھا تیسری چوتھی صدی ہجری میں گھڑے جانے کے بعد ہزار سال تک وہ عام مسلم کی پہنچ سے بہت دور تھیں لیکن آج وہ ہی سارا دین یا شریعت مانی جاتی ہیں اور انہی کو کتٰب اللہ پر بھی فوقیت و حاکمیت دی جاتی ہے بلکہ ہمارے موصوف کے نزدیک تو وہ بھی کتٰب اللہ ہی ہیں۔ (معاذ اللہ)

جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں اس غلطی یا غیر اسلامی عقیدہ کے پھیلاؤ کا سبب بنیادی طور پر تو وہی پارسی سازش ہی ہے جس میں یہودی و نصاریٰ بھی شامل ہو گئے تھے اور تاریخ نے اسے سبائی سازش کا نام دیا تھا۔۔۔۔۔۔۔ لیکن شاید اس سازش میں، بنیادی عقائد کے خراب ہو جانے کے بعد، ہمارے علما و فضلاء بھی غیر ارادی طور پر شامل ہو گئے۔ شامل تو غیر ارادی طور پر ہوئے تھے، مگر پھر اس سازش یا تحریک کی کامیابی کی ساری ذمہ داری انہی کے مضبوط کاندھوں نے سنبھال لی۔ چونکہ سازش شروع ہی میں یہ کامیابی حاصل کر چکی تھی کہ دین و سیاست کو علیحدہ علیحدہ کر کے ملوکیت و مذہبیت کی عمارتیں الگ الگ کھڑی کر دی تھیں اس لئے مذہبی پیشوائیت کے لئے عوام الناس کے مذہبی عقائد پر اثر انداز ہونا بہت ہی آسان ہو گیا تھا۔ چنانچہ ہماری مذہبی پیشوائیت یا پاپائیت نے عوام الناس کے عقائد بڑے آرام سے بگاڑ دیئے خواہ اس کے لئے انہیں قرآن کی معنوی تحریف ہی کیوں نہ کرنا پڑی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے معاشرہ میں بہت سے علما سازشیوں کے ہی تیار کئے ہوئے آتے رہے ان کی اولادیں اور آج تک یہ سلسلہ جاری و ساری ہے[1]۔

## جاوید احمد غامدی صاحب کا ذکر

اس غلطی یا غیر اسلامی عقیدہ کے پھیلاؤ کا ثانوی سبب ہماری پاپائیت کی کم علمی یا حقیقت سے لاعلمی اور اس پر ہٹ دھرمی ہے۔ وہ اس طرح کے سازشیوں نے درس نظامی کے نام سے علما تیار کرنے کے لئے جو نصاب بنوایا اس میں قرآن کریم کی تعلیم کو صرف ناظرہ خوانی یا حفظ و قرأت تک محدود کر کے اس کے فہم و ذکا سے روک دیا اور جہاں تک تدبر کا سوال ہے تو اس سے تو عام طور پر طلبا کی اکثریت ویسے ہی کمتر درجہ پر ہوتی ہے[2] اس لئے وہ اس سے بے حس ہی رہتی ہے اور قرآن کریم اُن سے مہجور ہی رہتا ہے۔ یہ بات میں نہیں کہہ رہا بلکہ اس دور کے ایک بڑے عالم جناب جاوید

---

[1]۔ موجودہ دور میں اس کی تفصیل کے لئے صدیقی ٹرسٹ کراچی کے شائع کردہ کتابچے ملاحظہ کیجئے (۱) "عیسائیت کی خفیہ سرنگ از محمد آصف دہلوی سہانپوری۔ سلسلہ ۶۹۴ اضمیمہ نمبر ا اور (۲) اسلامیات کا یہودی پروفیسر از پروفیسر احمد الدین مارہروی سلسلہ ۱۳۲۲ (ضمیمہ نمبر ۲)

[2]۔ اس حقیقت کا ادراک آپ اس وقت کر سکتے ہیں جب آپ غور کریں کہ کس قسم کے بچے بارہ چودہ سالوں کے لئے مذہبی مدارس میں داخل کئے جاتے رہے ہیں۔ کیا وہ ذہین بچے ہوتے ہیں (Higher IQ والے) یا عام عقل (Average IQ والے) یا کم ذہین، غبی اور کند ذہن (Low IQ والے) نیز وہ کس ماحول یا گھرانے سے وہاں بھیجے جاتے ہیں؟ ان کا آبائی پس منظر کیا ہوتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

احمد غامدی صاحب، جنہوں نے کہ لاہور میں ایک نئے مذہبی مدرسہ "المورد" کی بنیاد رکھی ہے اپنے مدرسہ کے تعارف میں کہتے ہیں۔ انہی کی زبانی سنئے:

**"المورد"**........ یہ اس درس گاہ کا نام ہے جس کو اس زمین پر قائم کر دینے کا خواب میں برسوں سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کا تخیّل میرے ذہن میں اس احساس کی بنا پر پیدا ہوا کہ تفقہ فی الدین کا عمل اس امت میں صحیح نہج پر قائم نہیں رہا۔ اور مذہبی مدارس میں علوم دینیہ کی تعلیم جس اسلوب پر ہو رہی ہے، وہ قطعی ناقص اور ہر لحاظ سے بے نتیجہ ہے۔ ان مدارس کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ **تقلید**[1]عین کے اصول پر قائم ہوئے ہیں۔ ان میں یہ بات پہلے دن ہی سے طے کر دی جاتی ہے کہ حنفی ہمیشہ حنفی رہے گا، اور اہل حدیث کو بہر حال اہل حدیث ہی رہنا ہے۔ اپنے دائرے سے باہر کے کسی صاحب علم کی کسی تحقیق اور رائے کے بارے میں یہ تصور بھی ان کے ہاں ممنوعات میں سے ہے کہ وہ صحیح ہو سکتی ہے۔ مذہب ابو حنیفہ کا کوئی پیرو ائمہ محدثین کے کسی مسلک کو، اور ائمہ محدثین کے طریقے پر عمل کرنے والا کوئی شخص مذہب ابو حنیفہ کے کسی نقطۂ نظر کو کبھی ترجیح دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا ہر جماعت مُصر ہے کہ اس کا مذہب ہی ہر اعتبار سے اوفق بالقرآن والسنّتہ ہے، اور اس پر اب کسی نظر ثانی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی شخص ان مدارس میں، یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتا کہ اس کے اکابر کی کوئی رائے اور تحقیق بھی کسی مسئلہ کے بارے میں غلط ہو سکتی ہے۔

اس اصول پر ان مدارس سے پڑھ کر نکلنے والوں کی استقامت سے جو بگاڑ ہمارے معاشرے میں پیدا ہوا ہے، وہ کسی صاحب نظر سے چھپا ہوا نہیں ہے۔۔۔۔۔

ان میں سے جو کچھ وسعتِ نظر کے مدّعی ہیں، ان کا حال بھی یہ ہے کہ وہ اگر شخص واحد کی تقلید[2] پر اصرار نہیں کرتے، تو اس بات پر بہر حال مُصر ہیں کہ قرآن و سنت پر براہ راست غور و تدبر کا دروازہ چوتھی صدی ہجری کے بعد بند ہو چکا ہے۔ ان کے نزدیک، اب قیامت تک کسی شخص کو اسے کھولنے کی جسارت نہیں کرنی چاہئے۔ علم، ان کی رائے

---

[1] تقلید کے بارے میں ہمارے موصوف مسعود احمد صاحب نے تحریر کیا ہے کہ:

"ہاں تو ۱۲۰ھ تک قطعاً سب غیر مقلد تھے بلکہ بقول شاہ ولی اللہ صاحب چوتھی صدی کے قبل تقلید خالص پر لوگ مجتمع نہیں ہوئے تھے (حجتہ اللہ البالغہ) تو گویا تین سو سال تک تقلید شخصی کا وجود نہیں تھا۔ الّا ماشآءاللہ۔ چوتھی صدی سے تقلید نے زور پکڑنا شروع کیا اور تقریباً ایک ہزار سال تک اس کا زور رہا" (خلاصہ تلاش حق ص ۳۸۔۳۹) آگے لکھتے ہیں کہ:

"چھٹی صدی میں افریقہ میں عاملین بالحدیث کی حکومت تھی (تاریخ اسلام ذہبیؒ) اس حکومت میں سرکاری قانون تھا کہ کوئی کسی امام کی تقلید نہ کرے (تاریخ ابن خلکان) یہاں سے بھاگے ہوئے لوگوں نے تقلیدی مذہب نہایت تشدد سے جاری کیا اور یہ قانون بنایا کہ مذاہب اربعہ کی تقلید واجب ہے اور ان سے خروج حرام ہے (مقریزی جلد ۲) ساتویں صدی میں شاہ ظاہر نے چاروں مذاہب کے مدرسے اور قاضی الگ الگ کر دیئے (مغریزی) نویں صدی میں شاہ ناصر فرج نے چار مصلّے قائم کر دیئے۔ (البدر الطالع جلد ۲) (خلاصہ تلاش حق۔ ۳۹۔۴۰)

[2] ہمارے خیال میں وہ خود بلکہ ان کا پورا فرقہ، ابھی تک اسی غلطی میں مبتلا ہے۔ آگے انشاء اللہ اس کی مثال آجائے گی

میں جمع اقوال ہی کا نام ہے، اور تحقیق یہ اسے ہی کہتے ہیں کہ کسی مدّعا کو ثابت کرنے کے لئے، اگلوں میں سے دس بیس کی آراء بطورِ حوالہ نقل کر دی جائیں۔ کسی آیت کی تاویل اور کسی حدیث کی شرح میں کوئی نئی تحقیق، اگر کوئی شخص پیش کر دے، تو اسے مردود قرار دینے میں لمحے بھر کا توقف بھی گوارا نہیں کرتے۔ بڑی سے بڑی غلطی پر بھی یہ محض اس وجہ سے مُصر ہو جاتے ہیں کہ پہلوں میں سے کسی کو اس سے کوئی اختلاف نہیں رہا۔ یہ چیز ان کے ہاں کوئی معمولی اہمیت نہیں رکھتی۔ یہ اسے ایمان وعقیدہ ہی کے طور پر اختیار کئے ہوئے ہیں[1]"۔

غور کیجئے، غامدی صاحب نے بڑی صفائی سے حقیقت حال کہہ دی ہے ان کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ ہمارے علما کی تعلیم و تربیت تقلیدی ذہن پرستی کے لئے ہوتی ہے چنانچہ ان کے اکابر کے علاوہ کسی دوسرے کی بات صحیح ہو ہی نہیں سکتی![2]

۲۔ قرآن وسنت پر براہ راست غور و تدبر کا دروازہ (سبائی سازش کی کامیابی کے بعد) چوتھی صدی ہجری میں (جب قرآن کریم کے مقابلہ پر نام نہاد احادیث و فقہ کی کتابیں مرتب و مدّون کر دی گئیں تب) بند ہو چکا اس لئے اب کسی کو اصل کی طرف لوٹنے کے لئے دروازہ نہیں کھولا جاسکتا (مبادا کہ حق پھر وا ہو جائے اور لوگ پھر قرنِ اولیٰ کی طرح قرآن کریم کو پکڑ لیں)

۳۔ علم ان کی رائے میں پہلوں کے اقوال جمع کر دینے کا نام ہے (یعنی غیر اللہ کے اقوال جمع کرو۔ مگر اللہ کے اقوال جو بذریعہ رسول ملے وہ نہ پڑھو)

۴۔ تحقیق بھی ان کے نزدیک پہلوں کی آراء جمع کر دینے کا نام ہے (یعنی ام الکتٰب سے دلیل نہیں لانا ہے بلکہ غیر اللہ کی آراء پر عمل کرنا ہے)

۵۔ کسی آیت کی تاویل اگر کوئی ان کی رائے کے خلاف کر دے تو وہ مردود ہے۔

۶۔ کسی حدیث کی شرح میں کوئی نئی تحقیق، اگر کوئی شخص پیش کر دے، تو وہ مردود ہے (یہاں یہ غور کر لیجئے کہ غامدی صاحب حدیث یعنی قرآن کی شرح کی شرح میں کوئی نئی تحقیق پیش کرنے کے قائل ہیں! تو پھر (نام نہاد) حدیث، قرآن کی شرح تو نہیں ہوئی نا!۔۔۔ پس ثابت ہوا کہ یہ عقیدہ کہ نام نہاد حدیث قرآن کی شرح ہے، ایک دھوکہ ہے!)

آگے غامدی صاحب فرماتے ہیں:

"اپنے اس نقطۂ کے جو دلائل یہ حضرات بالعموم پیش فرماتے ہیں، وہ عقل و نقل دونوں کی رُو سے بالکل بے بنیاد ہیں۔ ان مین سے ہر شخص اس حقیقت سے واقف ہے کہ اس دین کا سب سے پہلا ماخذ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید کے بارے میں یہ بات محتاج بیان نہیں کہ یہ جس طرح اگلوں کے پاس تھا، بالکل اسی

---

۱۔ تعارف "المورد" از جاوید احمد غامدی صاحب (فروری ۱۹۹۱ء)

۲۔ تقلید کے بارے میں ہمارے موصوف مسعود احمد ساحب فرماتے ہیں کہ:

"تقلید یقینا! بدعت ہے کیونکہ خیر القرون میں اس کا وجود نہیں تھا۔ لہٰذا مقلد کی نماز ہی قبول نہیں ہوتی۔ اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا وال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" (خلاصہ تلاش حق ۱۰۸)

صورت میں، ہمارے پاس بھی موجود ہے۔۔۔۔دوسری بڑی خرابی ان مدارس کے نظام میں یہ ہے کہ یہ اگرچہ دینی مدارس ہیں، لیکن دین میں جو حیثیت قرآن مجید کو حاصل ہے، وہ ان میں اسے کبھی حاصل نہیں ہو سکی۔ دین میں وہ اس زمین پر اللہ کی اتاری ہوئی میزان، اور حق و باطل کے لئے فرقان ہے۔ اس کی اس حیثیت کا ناگزیر تقاضا تھا کہ اُن مدارس کے نظام میں محور و مرکز کا مقام اسے ہی حاصل ہوتا اس کی ابتدا اس سے کی جاتی، اور اس کی انتہا بھی وہی قرار پاتا۔ علم و فن کی ہر وادی میں طلبہ اسے ہاتھ میں لے کر نکلتے، اور ہر منزل اسی کی رہنمائی میں طے کی جاتی۔ جو کچھ پڑھا جاتا، وہ اسی کو سمجھنے اور اسی کے مدعا کو پانے کے لئے پڑھایا جاتا۔ نحو و ادب فلسفہ و کلام اور فقہ و حدیث کے لئے اسے معیار مانا جاتا اور ہر چیز کے ردّ و قبول کا فیصلہ اس کی آیات بینات ہی کی روشنی میں ہوتا۔ ایمان و عقیدہ کی ہر بحث اس سے شروع ہوتی اور اسی پر ختم کر دی جاتی[1]۔ طلبہ اس کے ہر لفظ پر مراقبہ کرتے اور اس کی ہر آیت پر ڈیرے ڈالتے۔ انہیں بتایا جاتا کہ بو حنیفہ و شافعی، بخاری و مسلم اشعری و ماتریدی اور جنید و شبلی، سب پر اسی کی حکومت قائم ہے۔ اور اس کے خلاف ان میں سے کسی کی کوئی چیز بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔

دین میں قرآن مجید کی حیثیت یہی ہے، اور یہی حیثیت اسے ان مدارس کے نظام میں حاصل ہونی چاہئے تھی۔ لیکن ہر صاحب علم اس حقیقت سے واقف ہے کہ پہلے مرحلے میں، ان مدارس کے طلبہ، محض حفظ و قرأت کے لئے اس کی طرف رجوع کرتے اور آخری مرحلے میں جلالین و بیضاوی کے صفحات میں اس کی کچھ زیارت کر لیتے ہیں۔ اس سے زیادہ کوئی مقام ان مدارس میں اسے کبھی نہیں دیا گیا۔۔۔۔ان مدارس کے نظام میں تیسری بڑی خرابی یہ ہے کہ ان کا نصاب نہایت فرسودہ اور ہماری علمی اور دینی ضرورتوں کے لئے بالکل بے حاصل ہے۔ یہ نصاب، جیسا کہ عام خیال ہے، ملّا نظام الدین نے مرتب کیا یا پھلواری شریف کے سجادہ نشین شاہ سلیمان کی رائے کے مطابق، اس کا بیج ابتدا میں ملّا فتح اللہ شیرازی[2] نے بکھیرا اور پھر یہ خودرَو پودوں کی طرح آپ سے آپ اس صورت میں نمودار ہو گیا۔ بہر حال ہمارے اُس دور کی پیداوار ہے، جب علم کے اصل ماخذوں سے ہم بے تعلق ہو چکے تھے قرآن مجید کو جو مقام اس نصاب میں دیا گیا ہے وہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ حدیث اگرچہ شامل نصاب ہے، لیکن اس کے لئے دورہ کا جو طریقہ اختیار کیا گیا، اس

---

۱۔ ہمیں افسوس سے لکھنا پڑ رہا ہے کہ غالباً موصوف خود ورنہ ان کے استاد محترم امام امین احسن اصلاحی صاحب اس قول پر قائم نہیں ہیں بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے "الا' انی اُوتیت القراٰنَ و مثلَہٗ معہٗ" (آگاہ رہو کہ میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) گویا کہ نبی سلامٌ علیہ پر صرف ایک کتاب قرآن ہی نازل نہیں ہوا بلکہ ایک اور کتاب حدیث کی بھی نازل ہوئی۔ (معاذ اللہ) جبکہ اس عقیدہ کی بنیاد قرآن میں نہیں ہے۔ (دیکھئے امام صاحب کی کتاب "مبادیٔ تدبّر حدیث" ص ۲۶ وہ اپنے اس عقیدہ کی دلیل ظنّ ہی سے لائے ہیں حالانکہ انہیں عقیدہ بنانے کے لئے یا اپنے سے پہلوں کا عقیدہ سچ ماننے کے لئے حتمی کتاب سے آیت پیش کرنا چاہئے تھی کہ اللہ نے قرآن کے ساتھ اس کی مثل (نام نہاد) احادیث و سنت بھی اتاریں کاش انہوں نے علامہ تمنا عمادی صاحب کی کتاب ہی پڑھ لی ہوتی تو شاید اس ٹکسالی حدیث کے ٹکسال کی حقیقت ان پر واضح ہو جاتی!)

۲۔ ملّا نظام الدین طوسی اور ملّا فتح اللہ شیرازی دونوں پارسی النسل ہیں۔

سے تدبر حدیث کا کوئی ذوق پڑھنے اور پڑھانے والوں میں کبھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ جاہلی ادب[1] کی اہمیت اس نصاب میں کبھی مانی نہیں گئی۔ چنانچہ قرآن مجید کی زبان اور اس کے اسالیب کی ندرتوں سے اس کے طلبہ کم ہی کبھی واقف ہوئے ہیں۔ نحو وبلاغت کی جو کتابیں اس میں شامل ہیں، ان میں چونکہ منطق زیادہ اور نطق کی رعایت بہت کم ملحوظ رکھی گئی ہے، اس وجہ سے ان فنون کے اعلیٰ مباحث کے سمجھنے کا ذوق اگر طالب علم میں ہو بھی تو ان کتابوں کے پڑھنے کے بعد باقی نہیں رہتا منطق وفلسفہ اور علم کلام کے لئے جو کچھ اس نصاب میں رکھا گیا ہے، اس کا ضرر، اس کی منفعت سے زیادہ ہے۔ فقہ احناف ہی کی پڑھائی جاتی ہے۔ فقہ اسلام کی تدریس کا کوئی تصور اس کے بنانے والوں کے ذہن میں کبھی نہیں رہا۔ اصول کا فن ہم مسلمانوں کے لئے مایۂ افتخار ہے۔ لیکن اس کے لئے بھی کوئی ایسی کتاب اس میں شامل نہیں کی گئی۔ جو اجتہادی بصیرت پیدا کرنے والی ہو۔ دو صدیاں اس نصاب پر گزر گئیں، لیکن دنیوی علوم میں بھی یہ کسی ترقی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ فلسفہ، نفسیات، علم الاقتصاد، علم الافلاک، طبیعیات، علم السیاستہ، اور اس طرح کے دوسرے فنون میں جو تحقیقات اس دوران میں ہوئی ہیں، وہ ابھی تک اس میں بار نہیں پا سکیں۔ اسے حسن عقیدت ہی کا کرشمہ سمجھنا چاہئے کہ صدرا ہ میبذی کو بھی اس میں حیات ابدی حاصل ہو گئی ہے۔ ہمارے بزرگ اسے اس قدر مقدس سمجھتے ہیں کہ اس کی ان کتابوں مین بھی کوئی تبدیلی ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ نئے علم دنیا پر حکومت کر رہے ہیں، لیکن اس نصاب کے پڑھنے والے ابھی تک ان کے وجود پر بھی مطلع نہیں ہوئے دنیا نے ان دو صدیوں میں بہت کچھ مانا اور ماننے کے بعد پھر انکار کر دیا۔ لیکن یہ نہ اس ماننے سے واقف ہوئے، اور نہ اس انکار کی کوئی خبر انہیں ابھی تک پہنچی ہے[2]"۔

## پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کا ذکر

دیکھئے کہ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب اس بارے میں کیا لکھتے ہیں:

"۱۹۲۲ء میں میرے استاد مولونا آزاد سبحانی مرحوم نے پریڈ گراؤنڈ کانپور میں ایک تاریخی تقریر کی

---

۱۔ یہ "جاہلی ادب" کی موصوف کے ہاں بہت زیادہ اہمیت ہے۔ واللہ اعلم اس کے صحیح ہونے کی سند ان کے پاس کیا ہے؟ جبکہ اس کے بعد کا ذخیرہ (نام نہاد) احادیث ہی ظنّی ہے۔ نیز یہ کہ موصوف کے استاد تو قرآن کریم کو بھی ایک عرصہ تک (یعنی رسول کے بعد تک) کھجور کے پتوں، ہڈیوں اور تختیوں پر ہی لکھا ہوا مانتے ہیں (دیکھئے ان کی کتاب "مبادئ تدبّر قرآن، ص ۲۰۵) تو جاہلی ادب کاغذ پر اور کتابوں میں کیسے آگیا؟ کیا اسے بھی محدثین کرام نے جمع کیا اور مرتب کیا؟ کیا اس کی اسناد پرکھنے کے لئے بھی کوئی اسماء الرجال کا فن بنایا گیا؟ کیا یہ جاہلی ادب فحش کلام پر مبنی نہیں ہے؟ کیا یہی فحش کلام ہمارے علما کرام کو درس نظامی میں عربی سکھاتے ہوئے نہیں پڑھایا جاتا؟ کیا اس جاہلی ادب کی طرف قرآن کریم میں کوئی اشارہ ملتا ہے کہ اسے سیکھو ورنہ قرآن نہیں سمجھ سکتے؟ کیا قرآن کو دور جاہلی کے مقابلہ میں آج نئے دور کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے کی ضرورت نہیں؟ کیا آج بھی الخیل (۸/۶۰) کے معنی گھوڑے ہوں گے یا خود کار توپ وٹینک و بکتر بند ہوں گے؟ کیا آج بھی رَمِی (۸/۱۷) کے معنی تیر اندازی لئے جائیں گے یا گائیڈڈ میزائل سے نشانہ لینا ہوں گے؟ موصوف کو یہ سوچنا چاہئے کہ قرآن کریم اب ہمارے اور ہمارے بعد والے ترقی پذیر لوگوں کے لئے بھی ہے اس لئے اس کو نئے زمانہ کے تقاضوں کے مطابق سمجھنا ہو گا اور دور جاہلی کو خیر باد کہنا ہو گا۔۔۔۔ ۲۔ تعارف "المورد" از جاوید احمد غامدی صاحب۔ (فروری ۱۹۹۱ء)

تھی اس میں انہوں نے کہا تھا شدھی کی تحریک کا مؤثر مقابلہ کرنے کے لئے مسلمانوں کو قرآن سے (Living Contact)(جیتا جاگتہ رابطہ) پیدا کرنا ہے اور علما قرآن کو درس نظامی میں داخل کریں۔ تاریخ گواہ ہے کہ علمانے ابھی تک پورے قرآن کو داخل نصاب نہیں کیا۔ بطور تبرک دورۂ حدیث کے بعد ڈھائی پارے بیضاوی کی مدد سے بعجلت تمام پڑھادیئے جاتے ہیں۔ یعنی قرآن عوام تو کیا خواص کی زندگی میں بھی داخل نہیں ہے

خوار از مہجوری قرآن شدی　　　شکوہ سنج گردش دوراں شدی"[1]

## امام المتکلمین و محققین حافظ محمد ایوب صاحب کا ذکر

قارئین! تو یہ تھی ثانوی وجہہ اس غلطی اور غیر اسلامی عقیدہ کی کہ ہمارے علما کو اصل کتاب یعنی قرآن کریم سے دور اور لاعلم ہی رکھا گیا۔ اور (نام نہاد) احادیث و فقہ کو اس پر حاکم بنادیا گیا۔ انہوں نے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اگر قرآن کریم کو پڑھا بھی تو وہی حدیثی و فقہی ذہن پرستی کے ساتھ اور قرآن کریم کی آیات کا غلط مطلب لیتے رہے یا تاویل کرتے رہے۔ دیکھئے پچھلی صدی ہجری کے ایک اہل حدیث عالم (جو کہ متکلمین و محققین کے امام تھے) اپنی ایک کتاب میں کلام کرتے ہوئے یہ مان لیتے ہیں کہ "وہ رسول اور فرشتہ جو بہ اذن الٰہی وحی کرتا ہے وہ صرف قرآن ہے" لیکن یہی بات اگر ہم کہیں کہ رسول اور فرشتہ نے جو بہ اذن الٰہی وحی کیا تھا وہ صرف قرآن تھا (نام نہاد) حدیث نہیں تو تمام اہل حدیث و اہل فقہ ناراض ہوجاتے ہیں چلئے ہم آپ کو امام متکلمین و محققین کی پوری عبارت ہی پڑھوادیتے ہیں۔ جو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بشر سے کلام کرنے کے تین طریقوں کے بارے میں سورہ شوریٰ کی آیت ۵۱ پیش کرکے لکھتے ہیں:

"ہم کو یہ سمجھنا ہے کہ قرآن شریف جبریل روح الامین لے کر آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْاَمِيْنَ" قرآن کو روح الامین لے کر آئے ہیں "فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ" جبرئیل نے تیرے دل پر قرآن اتارا۔ اس سے صاف واضح ہوگیا کہ "يُرْسِلَ رَسُوْلًا" میں جس وحی کی طرف اشارہ ہے وہ قرآن مجید ہے۔ وہ رسول اور فرشتہ جو بہ اذن الٰہی وحی کرتا ہے وہ صرف قرآن ہے"[2]

مگر افسوس کہ امام متکلمین صاحب یہ ماننے کے باوجود کہ فرشتہ روح الامین یا جبرئیل جو بہ اذن الٰہی وحی کرتا ہے وہ صرف قرآن ہے اپنے اس قول یا نتیجہ سے پھر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ بھی وحی ہوتی تھی۔ ہم مؤدبانہ عرض کرتے ہیں کہ قرآن کے علاوہ دو اور طریقۂ وحی میں سے ایک طریقہ (مِن وَّرَآءِ حِجَابٍ) پردے کے پیچھے سے رسول اللہ سلامٌ علیہ سے کلام کرنے کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں (صرف موسیٰ سلامٌ علیہ سے اس طرح سے کلام کرنے کا ذکر ہے) اور جہاں تک پہلے طریقہ کلام کا تعلق ہے یعنی وَحْيًا) تو وہ نبی یا رسول ہی کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اس طریقے سے تو غیر نبی یا غیر رسول پر بھی وحی ہونے کا (بلکہ غیر بشر تک پر) ذکر کئی مقامات پر قرآن کریم میں

---

[1] مقالہ "اقبال اور وحدۃ الوجود" از پروفیسر یوسف سلیم چشتی "مختصر روداد و مقالات' پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس"، منعقدہ آئی۔ بی۔ اے ھال کراچی ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء زیر اہتمام "مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور"۔۔۔ [2] کتاب، "فتنہ انکار حدیث" مولفہ امام المتکلمین و محققین علامہ حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی، ناشر مکتبہ رازی ۱۵ا۔ شہاب مینشن، محمد بن قاسم روڈ کراچی۔ ا۔ ص ۹

موجود ہے (اس کو تفصیل سے ہم پیچھے لکھ آئے ہیں) اسلئے وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی خصوصیت نہیں اور نہ ہی امت پر فرض ہے۔ امت پر تو صرف قلب رسول پر نازل شدہ (۹۷/ ۲) کتابی وحی قرآن مبین فرض کی گئی (۸۵/ ۲۸) (نام نہاد) حدیث نہ فرض کی گئی نہ اسکے نازل ہونے یا وحی ہونے کا کوئی ثبوت قرآن کریم میں ہے، نہ ہی اس کا وجود قرنِ اولیٰ میں تھا اور نہ ہی دین میں اس کی کوئی حیثیت ہے۔ (مگر ہمارے موصوف جناب مسعود احمد صاحب تو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جبریل کا تو آنا جانا لگا ہی رہتا تھا اور وہ قرآن کریم کے علاوہ وحی یعنی (نام نہاد) احادیث لاتے رہتے تھے۔ اور اسکی بھی کتاب بنتی رہتی تھی) (معاذ اللہ) اسی لیے وہ صرف ایک کتاب اللہ کے معتقد نہیں بلکہ کم از کم تین کے یا زائد کے معتقد ہیں!

قارئین اب آپ کہیں گے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ ایک اتنا بڑا عالم اتنی بڑی حقیقت ماننے کے بعد بھی کہ جبریل نے صرف قرآن وحی کیا، دوسری کتابوں کو بھی وحی کہتا ہے؟ تو اس کا جواب سیدھا سادا ہے کہ یہ کلامی لوگوں کی یا کلام یعنی مناظرہ کے فن کی خصوصیت ہے کہ چِت بھی میری اور پَٹ بھی میری۔ یعنی صرف میری ہی دلیل چلے گی چاہے صحیح ہو یا غلط اور اس کی وجہ وہی (ثانوی وجہ) ہے کہ ہماری پاپائیت صرف ڈھائی پارہ پڑھ کر قرآن سے لاعلم ہی رہتی ہے اور مناظرہ بازی کر کے فن کلام کے جوہر دکھاتی ہے! اب دیکھئے یہی امام المتکلمین صاحب اسی صفحہ پر قرآن کے علاوہ وحی کی دو اور قسمیں بتانے کے باوجود فرماتے ہیں کہ:

"الغرض اللہ تعالیٰ کا بشر سے کلام کرنا وحی ہے اور جس پر وحی ہو وہ نبی ہے۔ کیونکہ فرق نبی اور غیر نبی کا صرف وحی ہے[۱]"

غور کیجئے کہ قرآن کریم تو یہ بتا رہا ہے کہ وحی تو غیر نبی یا کسی بھی بشر پر ہو سکتی ہے حتیٰ کہ غیر بشر (مکھی جیسی چیز) پر بھی ہوتی ہے۔ مگر امام المتکلمین صاحب اسے نبی اور غیر نبی کا فرق مانتے ہیں! اس کے معنی موسیٰ سلامٌ علیہ کی والدہ، عیسیٰ سلامٌ علیہ کی والدہ، ابراہیم سلامٌ علیہ کی زوجہ، موسیٰ سلامٌ علیہ کے حواری اور ۔۔۔۔ (حتیٰ کہ شہد کی مکھی بھی) سب نبی تھے! کہئے کیسا رہا یہ علمِ کلام؟

اور دیکھئے جوش کلام میں یہی امام المتکلمین صاحب اس سے پہلے صفحہ پر یہ بھی فرما گئے کہ:

"ہر نبی صاحب کتاب نہیں ہے مگر صاحب وحی ہے۔ یعنی نبی وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا اور کتاب کے بغیر نبی ہو سکتا ہے۔ اب اگر وحی کتاب کے ساتھ مختص ہو گی تو ہر نبی کو صاحب کتاب ہونا چاہئے۔ حالانکہ اس بات پر اجماع ہے کہ ہر نبی صاحبِ کتاب نہیں ہے اور صاحب وحی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (فمن اظلم ، حٰمٓ. السجدہ) کہہ دے کہ میں تمہارے جیسا آدمی ہوں۔ یعنی بشریت میں تم جیسا ہوں۔ فرق یہ ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے"[۲]

اب ذرا اس آیت کریمہ کو ان آیات کے ساتھ پڑھئے جن میں غیر نبی پر وحی ہونے کا ذکر ہے تو بات واضح ہو جاتی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ "مجھ میں تم میں کتابی وحی کا فرق ہے"۔ کہ مجھ پر کتاب وحی کی جاتی ہے اور تم پر غیر کتابی وحی آسکتی ہے جیسی کہ دوسرے بشر (غیر انبیاء) پر آتی رہی (۱۵/ ۴۰) یا شہد کی مکھی کو ہوئی (۶۸/ ۱۶) ہمیں افسوس ہے کہ ہم اب موصوف سے یہ نہیں پوچھ سکتے کہ یہ "اجماع" کب اور کہاں منعقد ہوا تھا جس میں یہ مانا گیا کہ ہر

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۹ ۔۔۔ ۲۔ ایضا۔ ص ۸

نبی صاحب کتاب نہیں ہے! اگر ہر نبی صاحب کتاب نہیں تو پھر اس میں اور غیر نبی میں فرق ہی کیا رہ گیا؟ یہ عجیب جاہلانہ اجماع ہے کہ نبیوں کو بے کتاب کے نبی مان لیا! ہاں اگر یہ کہتے کہ ہر نبی پر نئی کتاب نہیں اُتری بلکہ ایک ہی کتاب کئی کئی نبیوں کو تسلسل سے ملتی رہی تو بھی کچھ بات بن جاتی یونکہ (۴۲/۱۳) میں بھی اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ پھر سب سے بڑی شہادت تو قرآن کریم میں خود موجود ہے کہ ہر نبی ور سول صاحب کتاب ہوا ہے، دیکھئے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ

ترجمہ: اور (اے لوگو) ہم نے اپنے (تمام) رسولوں کو کھلی نشانیاں دے کر بھیجا تھا اور ہم ان کے ساتھ الکتاب یعنی المیزان (عدل) کو نازل کیا تھا تا کہ لوگ انصاف پر قائم رہیں" (سورہ حدید۔ آیت ۲۵، تفسیر قرآن عزیز جلد ۹ ص ۴۸۳)

(یہاں یہ ثابت ہو گیا کہ امام المتکلمین نے قرآن کریم تو پڑھا ہی نہیں جیسا اس کے پڑھنے کا حق ہے۔ وہ صرف ڈھائی پارہ پڑھ کر ہی امام بن گئے!)

کہئے قارئین کیا نبی ور سول بھیجنے والے سے زیادہ کسی کی شہادت ہو سکتی ہے۔ لیکن اب بھی اگر آپ کسی اہل حدیث کو یہ آیت سنائیں تو وہ کوئی نہ کوئی نیا "کلام" نکال لے گا مثلاً وہ نبی اور رسول میں فرق پیدا کر دے گا کہ نبی کو کتاب نہیں ملتی اور رسول کو کتاب ملتی ہے تو اس کا جواب بھی نبی اور رسول بھیجنے والے ہی سے سُن لیجئے۔ اُوپر کی آیت سے اگلی آیت ہی میں اس کا جواب موجود ہے۔ کوئی قرآن پر غور تو کرے:

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَ جَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَ الْكِتٰبَ

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے نوح اور ابراہیم کو رسول بنا کر بھیجا اور ان کی اولاد میں نبوت اور (نزول) کتاب کو (جاری) رکھا۔" (سورہ حدید آیت ۲۶، ایضاً)

قارئین غور کیجئے رسولوں کی اولاد میں **نبوت** اور **کتاب** دونوں ساتھ ساتھ چل رہی ہیں اس لئے کلامیوں کا کلام باطل ہو گیا۔ مزید دیکھئے ایک ہی آیت میں حضرت موسیٰ کو رسول و نبی کہا گیا

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰى ۫ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) اس کتاب میں موسیٰ کا بھی ذکر کیجئے، وہ ہمارے پسندیدہ (بندے) اور رسول اور نبی تھے آگے خود دیکھئے آیت نمبر ۵۴ میں حضرت اسمٰعیل کو رسولاً نبیاً کہا گیا ہے (سورہ مریم آیت ۵۱) حضرت عیسیٰ کو نبی بنایا گیا اور الکتٰب عنایت کی گئی تھی۔ دیکھئے اسی سورہ مریم کی آیت نمبر ۳۰

اٹھارہ انبیاء کرام کے اسمہائے گرامی لینے کے بعد کہا کہ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے الکتٰب، حکم اور نبوت عنایت فرمائی۔ (سورہ الانعام آیات ۸۴۔۸۹)

آگے یہی امام المتکلمین صاحب وحی کی اس بحث کے بعد فرماتے ہیں کہ:

"خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کسی بشر سے کلام کرنا ہی وحی ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں۔ اور کتاب اس کی ایک قسم "اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا" میں مشتمل ہے۔ وحی عین کتاب نہیں ہے۔ وحی کبھی کتاب ہو گی

کبھی "مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ" ہوگی کبھی خالص وحی ہوگی "[1]

قارئین کہئے کیا سمجھے! یہ خالص وحی کیا چیز ہے؟ کیا وحی کی باقی دو قسمیں غیر خالص ہیں؟ (نعوذ باللہ)۔ یہ ہے کمال علم کلام کا اور اہل حدیث و اہل فقہ کی ذہن پرستی کا کہ لفظ میں لفظ، اصطلاح میں اصطلاح اور اس کی قسمیں بناتے چلے جاتے ہیں جیسے یہاں وحی ہی کو خالص اور غیر خالص قرار دے دیا۔ دوسرے مقامات پر بدعت کو بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سئیہ دو طرح کا قرار دے دیا جبکہ ساتھ ساتھ یہ حدیث شریف بھی سناتے جاتے ہیں کہ "کُلِّ بِدعَةٌ ضِلاَلَةٌ" کہ تمام بدعتیں گمراہی ہیں۔ مگر جب بات کریں تو وہ بدعت حسنہ کو واجب قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ) نتیجتاً موصوف نے اپنی منطقی کلامی کے جوش میں اس حقیقت ہی سے انکار کر دیا کہ سارا کا سارا دین قرآن میں ہے۔ بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"حاصل یہ ہے کہ اس وقت جو متفق علیہ دین ہے وہ کُل کا کُل صرف قرآن سے ثابت نہیں ہے بلکہ کچھ حدیث یعنی قولِ رسولؐ سے ثابت ہے اور کچھ اجماع سے ثابت ہے" [2]

قارئین غور کیجئے کہ یہ کس "دین" کی بات ہو رہی ہے۔ یہ اللہ کے "دینِ اسلام" کی بات نہیں کر رہے بلکہ اس "متفق علیہ دین" کی بات کر رہے ہیں جس پر انہوں نے یعنی اہل حدیث اور اہل فقہ نے اتفاق کیا ہے اور اسے قرآن، احادیث اور اجماع سے اخذ کر کے بنایا ہے تو ہمیں تو یہ خود ساختہ دین منظور نہیں ہے۔ "لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ" تمہارے لئے تمہارا دین' میرے لئے میرا (اللہ تعالیٰ کا قرآن کریم میں عطا کردہ) دین۔ (۱۰۹/۶)

قارئین اور دیکھئے کہ امام المتکلمین صاحب نے اپنے خود ساختہ دین کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کیسے کیسے منطقی کلام کئے ہیں۔ خود اپنی کتاب میں وہ باب لگاتے ہیں کہ "حدیثِ رسول فی نفسہٖ دین میں حُجّت ہے یا نہیں؟" پھر سوال کرتے ہیں اور خود ہی جواب دیتے ہیں، ملاحظہ ہو:-

"سوال: حدیثِ نبی اور نبی کا قول حجّت ہے یا نہیں؟

جواب: نبی کا قول حجت ہے۔"[3]

غور کیجئے کہ حدیث نبی اور نبی کا قول ہے کیا؟ جس کے حجت ہونے کا سوال کیا جا رہا ہے؟ تو ہمارے نزدیک تو "حدیثِ نبی" کا لفظ قرآن کریم میں استعمال ہی نہیں ہوا اس لئے وہ حجت ہو ہی نہیں سکتا یونکہ وہ ظنّی ہے اور ظن دین و عقائد یا ایمان میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ ہاں البتہ، "نبی کا قول" کے لئے قرآن نے دو جگہ الفاظ اِنَّهٗ لَقَوۡلُ رَسُوۡلٍ كَرِيۡمٍ ۞ (۸۱/۱۹ اور ۶۹/۴۰) استعمال کر کے واضح کر دیا ہے کہ "بیشک یہ قرآن ہی رسول کریم کا قول ہے" (جبکہ ۴۴/۱۷ میں موسیٰ سلامٌ علیہ کو رسول کریم کہا ہے فرشتہ کو نہیں)۔ تو یہ قولِ رسول یقیناً حجّت ہے یونکہ یہ ظنّی نہیں بلکہ حقیقی اور یقینی ہے۔ اس عنوان کے تحت موصوف کی ساری بحث سوائے کلامی منطق کے اور کچھ نہیں اور اس کی قرآن کریم سے کوئی مطابقت نہیں۔

---

۱۔ "فتنہ انکارِ حدیث" ص ۱۲۔۱۳۔۔۔۲۔ ایضاً۔ ص ۲۳۔۲۴۔۔۔۳۔ ایضاً۔ ص ۲۰

## عقیدہ کی بنیاد یقین ہے ظن نہیں

آگے موصوف ایک اور باب لگاتے ہیں کہ "حدیث کا جو معتبر مجموعہ ہمارے پاس ہے وہ یقینی ہے یا نہیں؟ پھر سوال کرتے ہیں اور خود ہی جواب دیتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"سوال: کیا احادیث رسول کا جو معتبر مجموعہ ہمارے پاس ہے وہ یقینی ہے یا ظنّی؟

جواب: وہ ظنّی ہے۔ بخاری، مسلم وغیرہ میں جو احادیث ہیں وہ ظنّی ہیں"۔[1]

قارئین اس سے بڑی اور کیا شہادت چاہئے کہ ایک اہل حدیث عالم و امام المتکلمین کی زبان سے حق نکل گیا اور خود وہ اس حقیقت کو مان گئے کہ (نام نہاد) احادیث بخاری مسلم کا مجموعہ ظنّی ہے۔ لیکن پھر بھی اپنے عقیدہ کو بچانے کے لئے ہٹ دھرمی سے کلام منطق سے سہارا لینے کو کوشش کرتے ہوئے فوراً بعد سوال اٹھایا ہے اور خود ہی جواب دیا ہے، ملاحظہ ہو:

"سوال: کیا ظن شرعاً حجّت ہے یا نہیں؟

جواب: ظن شرعاً بھی حجّت ہے اور عقلاً بھی حجت ہے۔ ظن کے حجت ہونے کے یہ معنی ہیں کہ ظن عمل کو واجب کر دیتا ہے۔ یعنی ظن موجب عمل ہے موجب ایمان نہیں۔"[2]

غور کیجئے، ہم موصوف کے منطقی کلام پر کوئی تبصرہ کئے بغیر آپ کو ظن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا کلام سنا دیتے ہیں، دیکھئے وہ کیا فرماتے ہیں:

۱۔ "وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۱۱۶"

ترجمہ: اور اکثر لوگ جو زمین پر آباد ہیں (گمراہ ہیں) اگر تم ان کا کہا مان لو گے تو وہ تمہیں اللہ کے راستہ سے گمراہ کر دیں گے۔ یہ محض ظن کی اتباع کرتے ہیں اور محض اندازے سے باتیں بناتے رہتے ہیں" (یعنی منطقی کلامی باتیں بناتے رہتے ہیں) (سورہ الانعام آیت ص ۱۱۷)

۲۔ " وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ۭ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۭ ........"

ترجمہ: اور ان میں کے اکثر صرف ظن کی اتباع کرتے ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ ظن حق کے مقابلہ میں کچھ بھی کار آمد نہیں ہو سکتا۔" (سورہ یونس۔ آیت نمبر ۳۲)

۳۔ "وَمَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ۚ وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـــًٔا ۝۲۸ۚ"

ترجمہ: اور (اے رسول) انہیں اس سلسلہ میں کوئی علم نہیں۔ وہ صرف ظنّ کی اتباع کرتے ہیں اور حق کے مقابلہ میں ظن کچھ کام نہیں آتا۔" (سورہ نجم۔ آیت نمبر ۲۸)

قارئین دیکھا آپ نے کہ قرآن کریم کے مطابق تو ظن کی اتباع نہیں کرنا۔ ظن پر عمل نہیں کرنا مگر امام المتکلمین کی منطق کے مطابق "ظن عمل کو واجب کر دیتا ہے"! یہ لوگ ہمیشہ قرآن کریم کے مخالف ہی چلتے ہیں! قرآن

[1] ایضاً۔ ص ۳۷۔۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۳۷

کریم کے مطابق حق کے مقابلہ پر ظن کار آمد نہیں مگر امام المتکلمین کی منطق کے مطابق ظن شرعاً اور عقلاً بھی حجت ہے! کیا اس میں عقل کی کوئی بات ہے؟

۴۔ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ٘ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ......"

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت گمان (ظن) کرنے سے بچا کرو اس لئے کہ بعض گمان (ظن) گناہ ہوتے ہیں" (سورہ حجرات: آیت ۱۲)

غور کیجئے اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کو حکم دے رہا ہے (اجْتَنِبُوْا) کہ ظن سے بچو، مگر حافظ صاحب ظن پر عمل کرنے کو واجب قرار دے رہے ہیں۔ شاید انہوں نے قرآن الحکیم پڑھا ہی نہیں! اسی کو قرآن دشمنی اور منکر قرآن کہا جاتا ہے۔

آگے اعمال شرعیہ کی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"نکاح کا دارومدار دو آدمیوں کی شہادت پر ہے۔ اور دو آدمیوں کی شہادت ظنی ہے"[۱]

غور کیجئے کہ آپ کے نکاح کے گواہان نے ظنی شہادت دی تھی یا حقیقی؟ پھر آگے فرماتے ہیں (اور جلی حروف میں لکھا ہے) کہ:

**"عقیدہ کی بنیاد یقین ہے ظنّ سے یقین نہیں ہوتا اس لئے ظنّ کو برا کہا ہے"**

خلاصہ یہ ہے کہ ظن صرف موجب عمل ہے۔ موجب ایمان نہیں ہے۔ لہٰذا مسائل ایمانیہ میں ظن حجت نہیں ہو گا اور مسائل عملیہ میں ظن حجت ہو گا۔"[۲]

غور کیجئے کہ موصوف مان بھی رہے ہیں کہ ظن کو برا کہا ہے یونکہ ظن سے یقین نہیں ہوتا مگر پھر بھی مسائل عملیہ میں ظن ہی کی اتباع کرنے کو فرما رہے ہیں۔ پھر یہ عقیدہ بنا کہ نہیں؟ اور خود کہہ رہے ہیں کہ عقیدہ کی بنیاد یقین پر ہوتی ہے۔ تو پھر یہ عقیدہ ہٹ دھرمی ہے کہ نہیں جبکہ قرآن کریم ظن کی اتباع سے منع کر رہا ہے۔

آگے امام المتکلمین صاحب "احادیث مُسلّمہ واجب العمل ہیں یا نہیں؟ کا باب لگا کر سوال کرتے ہیں اور خود ہی جواب دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو کہ:

"سوال: کیا خبر واحد حجت ہے۔ یعنی موجب عمل ہے یا نہیں؟ یعنی مجموعہ احادیث جو اس وقت بخاری و مسلم وغیرہ میں موجود ہے یہ احادیث حجت ہیں یا نہیں؟

جواب: ہاں خبر واحد حجت ہے اور موجب عمل ہے"[۳]

غور کر لیجئے! ہم ان کی منطقی دلیلوں کی طرف نہیں جاتے، ہمارا تو سیدھا سادا عقائدی جواب ہے کہ قرآن کریم میں تو بخاری و مسلم کے مجموعہ احادیث کا اشارتاً بھی ذکر نہیں ہے اور نہ ہی کہیں (نام نہاد) احادیث پر عمل کرنے کو واجب قرار دیا گیا ہے۔ اور جب ان کا قرآن کریم میں شائبہ تک نہیں تو پھر ان کے حجت ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے اور قرآن کریم نے تو ظن پر عمل کرنے کو منع کیا ہے (جیسا کہ ہم اوپر آیات کے ذریعہ بتا چکے) اس لئے ان پر عمل بھی نہیں ہو گا ورنہ گمراہ ہو جائیں گے۔

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۴۱۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۴۵۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۴۷

غور کیجئے کہ اہل حدیث کہتے ہیں کہ (نام نہاد) حدیث سنتے ہی سر جھکالو اور 'اٰمَنَّا صَدَّقْنَا' کہہ دو یونکہ صحابہ کبارؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔ یہ کتنا بڑا دھوکا ہے! کہاں صحابہ کبار کا زمانہ کہ وہاں شک و شبہ یا ظن کی گنجائش ہی نہیں تھی رسول وہاں بذات خود ان کے درمیان موجود تھے۔ وہاں جب کوئی حدیث بیان کرتا تھا تو تین ہی طرح کی حدیث ہو سکتی تھی:

۱۔ ایک تو اَحْسَنُ الحَدِیث یعنی قرآن کریم کی کوئی آیت کوئی حکم۔

۲۔ دوسرے رسول کی طرف سے حکومتی معاملات کا کوئی حکم مثلاً جہاد کی تیاری کرو، صدقات لاؤ تا کہ جنگ کی تیاری کی جاسکے، یا فلاں صحابی فلاں جگہ فلاں کام سے چلا جائے وغیرہ وغیرہ

۳۔ تیسرے دنیاوی معاملات میں کوئی بات بتانا (مثلاً تم پودوں میں پیوند کاری نہ کرو تو کیا حرج ہے) اس قسم کی حدیث کے لئے تو خود رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بقول مسلم فرمایا:

"میں تو آدمی ہوں، جب میں کوئی دین کی بات تم کو بتلاؤں" تو اس پر چلو اور جب کوئی بات میں اپنی رائے سے کہوں تو آخر میں آدمی ہوں"[۱]

یعنی بات کتنی واضح ہے کہ "جب میں کوئی دین کی بات تم کو بتلاؤں" (دین کیا ......... قرآن...... تو جب قرآن کی آیت بتاؤں تو اس پر چلو۔ اور جب کوئی بات اپنی رائے سے یا ظن سے کہوں تو میں آدمی ہوں یعنی غلطی کا بھی امکان ہے اس لئے اس کے بارے میں خود سوچ سمجھ لو۔ اسی باب کی دوسری روایت میں آپ سلامٌ علیہ کی طرف یہ الفاظ بھی منسوب ہیں کہ " مَا اَظُنُّ یُغْنِی ذٰلِكَ شیئًا" (میرا ظن ہے کہ اس سے کوئی فائدہ ہوتا ہو گا) نیز یہ کہ "فَاِنِّی اِنَّمَا ظَنَنْتُ ظَنًّا فَلَا تُؤَاخِذُونِی بِالظَّنِّ" (میں نے صرف گمان کیا تھا، محض ظن پر تم میری بات پر عمل مت کیا کرو پکڑا نہ کرو)۔ یعنی رسول کے **ظن** پر بھی عمل نہ کرو۔ مگر اس کے باوجود موصوف ظن پر عمل کرنے کو کہہ رہے ہیں۔ بلکہ واجب قرار دے رہے ہیں (معاذ اللہ) اسی طرح حکومتی معاملات میں یا حکومت کی طرف سے فیصلہ کرنے کے بارے میں بخاری کے مطابق فرمایا:

"میں تو صرف انسان ہوں۔ تم میرے پاس مقدمہ لے کر آتے ہو۔ بہت ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح البیان ہو، اور میں اس کے حق میں اس کی بات سن کر فیصلہ کر دوں اس لئے میں جس کے موافق اس کے بھائی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کروں تو وہ نہ لے، کہ میں نے اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا الگ کر دیا ہے"[۲]

دوسرے یہ کہ جب صحابہ کبارؓ میں آپس میں کوئی احسن الحدیث یعنی آیت بیان کی جاتی تھی تو اس کے الفاظ ہی بتادیتے تھے کہ یہ انسانی الفاظ نہیں ہیں اس لئے وحی ہیں، حق ہیں۔ نیز کوئی کسی صحابیؓ کے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر چونکہ رسول اللہ ﷺ موجود تھے تو اس کی تصدیق بھی ہاتھ کے ہاتھ ہو جاتی تھی۔ مگر رسول اللہ ﷺ کے بعد ہی، خبر واحد پر کم از کم دوسری شہادت طلب کی جانے لگی اور دوسری اور تیسری قسم کی (نام نہاد) احادیث کا بیان

---

۱۔ صحیح مسلم۔ جلد ۶۔ کتاب الفضائل۔ باب ۲، آپ جو شرع کا حکم دیں اس پر چلنا واجب ہے۔ اور جو بات دنیا کی معاش کی نسبت اپنی رائے سے فرمادیں اس پر چلنا واجب نہیں۔ حدیث عن طلحہؓ و رافع بن خدیجؓ و انسؓ۔ ص ۵۹۔۔۔ ۲۔ صحیح بخاری جلد ۳۔ کتاب الحیل۔ باب ۱۰۵۴ (بغیر عنوان کے) حدیث ۱۸۵۵ عن ام سلمہؓ۔ ص ۶۹۳ (نیز تفسیر قرآن عزیز جزء۔ ا۔ ص ۶۵۳)

ہی فطری طور پر محدود ہو گیا۔ وہ تو محض روایتاً یا واقعہ بتانے کی حد تک رہ گیا کہ فلاں واقعہ اس طرح ہوا، یا فلاں معاملہ میں یہ حکم دیا گیا تھا۔ یا فلاں کے مقدمہ میں یہ فیصلہ ہوا تھا۔ شاید اسی لئے امام المحدثین بخاری نے اپنی کتاب کا نام "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللّٰہ و ایّامہ" رکھا تھا۔ ملاؤں نے اسے حدیث رسول کا درجہ دے دیا اور سب سے صحیح کتاب مان لیا!

پھر اس کے بعد جب عجمی / سبائیوں کی (نام نہاد) احادیث کی ٹکسالیں لگنے لگیں اور فساد ہونا شروع ہوا تو صحابہ کبارؓ نے وہ واقعات روایتاً سنانا بھی بند کر دیئے بس سارا انحصار احسن الحدیث پر رہ گیا۔

اس دورِ صحابہ کبارؓ کے مقابلہ میں آج جب کوئی (نام نہاد) حدیث سناتا ہے تو یہ یقین ہی نہیں ہوتا کہ وہ صحیح ہے یا کسی ٹکسال کی ڈھالی ہوئی۔ یونکہ صحیح وغلط سب خلط ملط ہو گئیں۔ نیز وہ خلاف واقعہ، خلافِ عقل، خلافِ فطرت اور خلافِ قرآن بھی ہوتی ہیں۔ کسی نے اس کو صحیح کہا ہوتا ہے، کسی نے ضعیف، تو پھر ان حالات میں ایک ظنی اور غیر یقینی اور غیر حق چیز کو اٰمَنَّا صَدَّقْنَا کیسے کہا جا سکتا ہے!

## جاوید احمد غامدی صاحب کا ذکر

قارئین آیئے ہم پھر دور حاضر کے ایک باغی عالم[1] اور ان کے جدید مکتبہ فکر کی طرف پلٹتے ہیں جن کا ذکر ہم پیچھے نئی درسگاہ کے سلسلہ میں کر آئے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ (نام نہاد) حیث کی حیثیت ان کے مکتبہ فکر میں کیا ہے۔ خیال رہے کہ اس نئے مکتبہ فکر کی بنیادیں بھی پچھلی صدی ہجری میں ملتی ہیں کہ جناب سر سید احمد خان صاحب مرحوم کے ایک خوشہ چین نے اعظم گڑھ (یوپی) بھارت میں مدرسۃ الاصلاح کی بنیاد رکھی اور ۱۹۳۶ء میں "الاصلاح" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کیا جو کہ ان کا ترجمان تھا۔ ان کے ایک شاگرد رشید نے قیام پاکستان کے بعد جماعت اسلامی کو خیر باد کہہ کر اس مکتبہ فکر کی بنیاد لاہور میں رکھی اور اپنے طرز فکر کو کافی چھانا پھٹکا۔۔۔۔ نتیجتاً ایک نتھری ہوئی اہل حدیث فکر رونما ہوئی جس کو جاوید احمد غامدی صاحب آگے بڑھا رہے ہیں چنانچہ وہ اپنے "منشور" نامی کتابچہ (۱۹۹۳ء) کا آغاز یوں کرتے ہیں:

> "ہمارا یہ منشور، در حقیقت، ایک اعلان جنگ ہے، دورِ حاضر کے خلاف۔ اس کے ذریعے ہم چاہتے ہیں کہ حق اپنی ضربِ کلیمی کے ساتھ نمودار ہو اور ائمہ مغرب نے سیاست، معیشت، معاشرت، اصول و عقائد اور علم و تحقیق میں حکمتِ فرعونی کے جو پیکر اس زمانے میں تخلیق کئے ہیں، وہ سب بالکل پاش پاش کر دیئے جائیں۔ اپنے اس مقصد کی تفصیل ہم اس طرح کرتے ہیں:
>
> ### سیاسی سطح پر

۱۔ اس ملک کے دستور میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ بیان کر دی جائے کہ ریاست کا قانونِ بالاتر صرف اللہ کی کتاب قرآن مجید[2] اور اس کے رسول محمد ﷺ کی سنت ہی ہو گی۔ آئین اور پارلیمان سب اس کتاب اور اس پیغمبر کے سامنے ہمیشہ سرنگوں رہیں گے۔

---

[1] انہیں باغی عالم کہنے کی وجہ آپ کو آگے ان کا "اعلان جنگ" پڑھ کر سمجھ آجائے گی۔

[2] خیال رہے کہ وہ کتاب اللہ قرآن مجید ہی کو مان رہے ہیں (نام نہاد) احادیث اس میں شریک نہیں کر رہے

۲۔ قرآن و سنت کے تعبیر کے معاملے میں پارلیمنٹ کی رہنمائی کے لئے دینی علوم کے ماہرین کی ایک ایسی مجلس قائم کی جائے جس کا انتخاب ارکان پارلیمنٹ نے براہ راست اپنے ووٹوں سے کیا ہو[1]

اس مجلس کے اساسی ضوابط میں یہ اصول واضح طور پر بیان کر دیا جائے کہ دین صرف وہی ہے جس کی سند قرآن مجید یا نبی ﷺ کی سنت میں موجود ہے۔ دین کے ماخذ صرف یہ دو ہیں۔"[2]

قارئین اب ذرا یہاں ٹھہر جائیے اور موصوف کے آخری جملے پر غور کر لیجئے کہ: "دین صرف وہی ہے جس کی سند قرآن مجید یا نبی سلامٌ علیہ کی سنت میں موجود ہے۔ دین کے ماخذ صرف یہ دو ہیں۔" اسی جملے کی وجہ سے ہم نے انہیں نتھری ہوئی فکر اہلِ حدیث والا کہا تھا۔ یونکہ کم از کم انہوں نے دوسرے جعلی ماخذ دین مثلاً فقہ، اجماع، قیاس و فتاویٰ وغیرہ تو چھان کر باہر نکال دیئے اور صرف دو ماخذوں پر آ گئے۔ دین کے پہلے ماخذ پر تو ہم ان سے متفق ہیں یونکہ ہم قرآن مجید پر ایمان لائے ہیں اور ہمارا ایمان ہے کہ ہم پر صرف وہی فرض کیا گیا ہے (۸۵ /۲۸) اور صرف اسی میں ہمارے لئے دین کو مکمل کر دیا گیا ہے (۳ /۵) جہاں تک دوسرے ماخذ کا سوال ہے تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کی سنت یا "سنتِ رسول" کا لفظ ہم کو قرآن مجید میں کہیں نہیں ملا اس لئے اس کو ہم دین کا ماخذ نہیں مانتے۔ اور ماخذ ہم اصولی طور پر یوں بھی نہیں مانتے کہ **دین تو پورا کا پورا قرآن کریم میں نازل ہو چکا اس کو اب اخذ نہیں کرنا**۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دین اب اخذ کیا جائے گا (نعوذ باللہ) وہ بصد شوق جو چاہیں دین کے ماخذ مانتے رہیں۔ جہاں تک سوال ہے سنتِ رسولؐ کا تو وہ قرآن کریم میں بتا دیا گیا کہ وہ کیا عمل کرتے تھے۔ البتہ مولوی کی استنجاء کرنے کی سنت وضو اور غسل جنابت کرنے کی سنت دین نہیں یہ فطری اور عملی معاملات ہیں جو فطری طریقہ پر تواتر عملی سے چلے آ رہے ہیں (گو کہ وہ بھی اختلافات سے بھرپور ہو چکے ہیں) ہم نے آج تک کسی اہل قرآن یا منکر حدیث و سنت کو وضو کرنے کے لئے سب سے پہلے چہرہ کو پانی کے تالاب میں ڈبو کر غوطہ دیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ نہ ہی اس کو سب سے پہلے چہرہ کو نل کے نیچے کر کے دھوتے ہوئے دیکھا بلکہ وہ بھی پہلے ہاتھ ہی دھوتا ہے پھر منہ اور پھر چہرہ[3] یہ فطری طریقہ ہے اور تواتر کا عمل ہے۔ اگر اس میں ترتیب خراب بھی ہو جائے تو نہ تو دین ہی پر کوئی فرق پڑے گا اور نہ ہی ایمان پر۔ اور اگر ایسا ہوتا تو سینکڑوں فرقوں اور مکتبہ فکر کے اختلافات سے پڑ چکا ہوتا بلکہ فساد تو پڑ ہی چکا ہے!

قارئین، دیکھئے کہ ۱۹۹۳ء میں مندرجہ بالا منشور میں دین کے دو ماخذ مقرر کرنے کے بعد غامدی صاحب اگلے سال ہی لکھتے ہیں کہ:

"محمد ﷺ سے یہ دین ہمیں تین صورتوں میں ملا ہے:

---

۱۔ ہمارے مدرسوں سے دینی علم کے جو ماہرین پیدا ہو رہے ہیں ان کا حال تو آپ غامدی صاحب ہی کی زبانی پچھلے صفحات پر پڑھ آئے ہیں۔ نیز جو لوگ انہیں اپنے ووٹوں سے منتخب کریں گے وہ تو خود دینی طور پر ان سے بھی گئے گزرے بلکہ بچہ کی پیدائش سے لے کر مرنے تک انہی کے محتاج ہوں گے۔ پتہ نہیں غامدی صاحب ان سے کیا توقع رکھتے ہیں؟ ان کے اس ارادہ کا دوسرا رخ بھی غور کر لیجئے کیا اس طرح پایائیت اور مضبوط نہ ہو جائے گی اور دین و سیاست علیحدہ علیحدہ ہی رہیں گے جو کہ پہلے ہی سازش کے طور پر کر دیئے گئے ہوئے ہیں!

۲۔ "منشور" تالیف جاوید احمد غامدی، المورد۔ ادارۂ علم و تحقیق۔ طبع اول ۱۹۹۳ء طبع دوم ۱۹۹۵ء ص ۵۔۔۔ ۳۔ غیر مسلم بھی جب صبح اٹھ کر منہ دھوتا ہے تو پہلے ہاتھ ہی دھوتا ہے، پھر دانت، منہ و ناک صاف کرتا ہے پھر چہرہ دھوتا ہے۔ یہ فطری طریقہ ہے۔

۱۔ قرآن مجید،

۲۔ سنت ثابتہ،

۳۔ حدیث۔

(قرآن مجید کے متعلق عقیدہ وہی ہے جو ہم پیچھے المورد کی تفصیل میں نقل کر چکے)

سنت ثابتہ سے ہماری مراد نبی ﷺ کا وہ عمل متواتر ہے جو صحابہ کے اجماع یا ان کے تواتر عملی کے ذریعے سے، بحیثیت دین، اس امت کو منتقل ہوا ہے۔ اس کے متعلق ہمارا نقطہ نظر یہ ہے کہ ثبوت کے اعتبار سے، اس میں اور قرآن مجید مین کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جس طرح قولی تواتر سے ثابت ہوا ہے، یہ اسی طرح عملی تواتر سے ثابت ہے۔ چنانچہ اس کے بارے میں اب کسی بحث و نزاع کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حدیث، ہمارے نزدیک، رسول اللہ ﷺ کے قول و فعل اور تقریر و تصویب کی وہ روایت ہے جو زیادہ تر اخبار آحاد کے طریقے سے ہم کو ملی ہے۔ اس کے متعلق ہماری رائے یہ ہے کہ یہ اگر قرآن مجید، سنت ثابتہ اور عقل و فطرت کی اساس پر قائم اور کسی پہلو سے ان کے منافی نہ ہو، اور قابل اعتماد ذرائع سے ہم تک پہنچے، تو اس کی حجّیت بھی ایک مسلّم حقیقت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔"[۱]

قارئین، دوسے تین کا فرق آپ نے محسوس کر ہی لیا ہو گا اس لئے ہم مزید تبصرہ نہیں کرتے۔ البتہ آپ نے یہ بھی محسوس کر لیا ہو گا کہ ہم نے انہیں اہل حدیثوں میں کیوں شمار کیا ہے۔ آخر ہمارے موصوف مسعود احمد صاحب کا بھی تو اسی سے ملتا جلتا مؤقف ہے یعنی وہ بھی (نام نہاد) حدیث کو حجت مان رہے ہیں اور غامدی صاحب اور ان کا مکتبہ فکر بھی۔ حالانکہ اوپر قرآن اور سنت ثابتہ کی بات کر رہے تھے۔ ذرا دونوں کے الفاظ پر غور کر لیجئے۔

## امین احسن اصلاحی صاحب کا ذکر

قارئین آیئے اب دیکھتے ہیں کہ غامدی صاحب کے استاد جناب امام امین احسن اصلاحی صاحب اس سلسلہ سنت اور حدیث میں کیا فرماتے ہیں۔ تو ان کی مایہ ناز کتاب کا آغاز ہی باب ا۔ "حدیث اور سنت میں فرق" کے عنوان سے ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ:

"حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حدیث اور سنت میں آسمان اور زمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے۔ ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ فہم حدیث کے نقطۂ نظر سے دونوں کے فرق کو واضح طور پر سمجھنا ضروری ہے۔

**حدیث:**

حدیث نبی ﷺ کے کسی قول یا فعل یا آپؐ کی کسی تصویب کی روایت کو کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ ثابت شدہ ہو یا اس کا ثابت ہونا محل نزاع ہو۔ محدثین تصویب کے لئے 'تقریر' کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ نبی ﷺ کے سامنے کسی مسلمان نے کوئی کام کیا اور آپؐ نے اس کو دیکھا، لیکن

---

۱۔ ماہنامہ "اشراق" المورد لاہور۔ جلد ۶ شمارہ ا، جنوری ۱۹۹۴ء۔ زیر عنوان شذرات ص ۷

اس پر کوئی نکیر نہیں کی اور اس طرح آپؐ کی تصویب اسے حاصل ہوگئی۔ محدثین حدیث کو 'خبر' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور 'خبر' کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ 'الخبر یحتمل الصّدق و الکذب' (خبر صدق و کذب، دونوں کا احتمال رکھتی ہے) یعنی علمائے فن کے نزدیک خبر میں صدق و کذب دونوں کا احتمال پایا جاتا ہے۔ اسی بنیاد پر احادیث کو ظنّی بھی کہتے ہیں۔ گویا ایک حدیث میں صحیح، حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب، سب کچھ ہوسکنے کا امکان پایا جاتا ہے"[1]

قارئین، کہئیے کیا آپ کے لے یہ بات باعث حیرت نہیں کہ حدیث اور سنت ہم معنی نہیں؟ اب حدیث کی جو تعریف امام صاحب نے فرمائی ہے اس پر غور کیجئے کہ "حدیث نبی سلامٌ علیہ کے کسی قول یا فعل یا آپؐ کی کسی تصویب کی روایت کو کہتے ہیں" تو قارئین ہمارے نزدیک تو یہ تینوں عوامل قرآن کریم میں ملتے ہیں اور اس آن بان شان سے ملتے ہیں کہ وہ حقیقی اور ثابت شدہ ہوتے ہیں۔ روایت بخاری و مسلم وغیرہ کی طرح ان کا ثابت ہونا محل نزاع نہیں ہوتا۔ قرآن کریم میں درج شدہ 'خبر' یعنی حدیث، احسن الحدیث ہوتی ہے اور وہ صدق ہی صدق ہوتی ہے۔ جبکہ بخاری و مسلم وغیرہ کی روایت میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے۔ قرآن میں درج حدیث عین حق ہوتی ہے اس پر ظنّ کا شائبہ تک نہیں ہوتا جبکہ بخاری و مسلم وغیرہ مین درج روایت ظنّی ہوتی ہے۔ قرآن کریم مین درج حدیث بالکل صحیح ہوتی ہے اور صحیح کا معیار ہوتی ہے اور اس میں حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب ہونے کا شائبہ تک نہیں ہوتا جبکہ بخاری مسلم وغیرہ کی روایت میں حسن، ضعیف، موضوع اور مقلوب، سب کچھ ہونے کا امکان پایا جاتا ہے۔

کہئے آپ کو قرآن مجید کی حدیث پسند آئی یا بخاری و مسلم وغیرہ کی (نام نہاد) حدیث؟ بہر حال ہمیں تو قرآن کریم کی حدیث پسند آئی یونکہ قرآن کریم کے مطابق آیات قرآنی ہی کو حدیث کہا گیا ہے (۱۱۱ /۱۲ ، ۶ /۱۸ ، ۳۳ /۳۹ ، ۶ /۴۵ ، ۳۴ /۵۲ ، ۸۱ /۵۶ ، ۴۴ /۶۸ ، ۵۰ /۷۷ وغیرہم) اور ایسی سینکڑوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کردہ حکم کو رسول اللہ سلامٌ علیہ سے "قُلْ" کہہ کر حکم دیا گیا کہ دوسروں تک پہنچا دیجئے۔ تو وہ ہی حدیث ہوا۔ وہ گو کہ کلام الٰہی ہے مگر چونکہ اس کو ادا رسول کی زبان سے کرایا جارہا ہے تو وہ قولِ رسول ہوا، اس لئے قرآن نے اس کو اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ کہا (۱۹ /۸۱ ، ۴۰ /۶۹) پس وہی حدیث رسول ہے مثلاً بنیادی عقیدہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ﴿۴﴾

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے وہ بے پرواہ ہے (نہ اسے کسی چیز کی پرواہ ہے اور نہ کسی چیز کی ضرورت نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کوئی اس کا ہمسر ہے۔ (تفسیر قرآن عزیز سورہ اخلاص آیت ۱۔۴ جزء ۱۰ ص ۵۸۲)

توجب " قُلْ " ملا کر پڑھا جائے تو یہ سورت ہوگی۔ لیکن جب "قُلْ" ہٹا کر صرف پیغام دیا جائے تو یہ حدیثِ

---

[1] "مبادئ تدبر حدیث" از امین احسن اصلاحی صاحب، ترتیب ماجد خاور، فاران فاؤنڈیشن لاہور۔ طبع دوم مارچ ۱۹۹۴ء، باب ۱، ص ۱۹۔۲۰

رسولؐ، قولِ رسولؐ ہو جائے گی۔[1]

قولِ رسول کی دوسری قسم وہ ہے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اپنی زبان مبارک سے بغیر وحی آئے ہوئے ادا فرمائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو قرآن کریم مین درج کرواکر ہمیشہ کے لئے امر کرادیا اور احسن الحدیث قرار دے دیا اور ہمارے لئے وہ بھی وحی شدہ الفاظ قرار دے دیئے مثلاً ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنے ساتھی، اپنے یارِ غار، اپنے بعد مسلمین و مومنین کے سب سے بڑے محسن کو تسلی دے رہے تھے کہ "حزن نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے" تو اللہ تعالیٰ نے اس قولِ رسول کو قرآن کریم میں درج کرادیا۔ دیکھئے:-

اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ

"اس وقت انہوں نے اپنے ساتھی کو تسلی اور ان سے کہا ڈرو نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔" (تفسیر قرآن عزیز سورہ التوبہ۔ آیت ۴۰) جزء ۴، ص ۹۷۰

اب رسول اللہ سلامٌ علیہ کے کہے ہوئے یہ غیر وحی شدہ الفاظ، ہمارے لئے وحی الٰہی بن گئے۔ قارئین ہم نے نبی سلامٌ علیہ کے دونوں طرح کے اقوال کی ایک ایک مثال قرآن کریم سے آپ کو اوپر دکھادی۔ اب دیکھئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کا فعل بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ اور وہ ہی فعل حدیث ہے۔ دیکھئے رسول کا سب سے پہلا فعل کیا ہے اور صرف رسول ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ تمام صحابہ کبارؓ کا پہلا فعل کیا تھا؟ ان کا سب سے پہلا فعل تھا کہ:

۱۔ اٰمَنَ الرَّسُوۡلُ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِ مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓـئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوۡا سَمِعۡنَا وَاَطَعۡنَا ۖ غُفۡرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيۡكَ الۡمَصِيۡرُ ﴿۲۸۵﴾

(اللہ کا) رسول اور تمام مومنین اس چیز پر (یعنی قرآن) ایمان لاتے ہیں جو رسول پر اس کے ربّ کی طرف سے نازل کی گئی ہے، (اور یہ) سب (۱) اللہ پر، (۲) اس کے فرشتوں پر، (۳) اس کی کتابوں پر اور (۴) اس کے رسولوں پر بھی ایمان لاتے ہیں اور ان میں (کسی قسم کی) تفریق نہیں کرتے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ (اے ہمارے ربّ) ہم نے (آپ کے احکام کو سنا اور ہم (ان کی) اطاعت کریں گے اور اے ہمارے رب ہم تیری مغفرت طلب کرتے ہیں اور ہم (۵) آپ کی طرف لوٹ کر جانے (آخرت) پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ (سورہ البقرہ، آیت ۲۸۵)

قارئین، غور کیجئے کہ اللہ کے رسول سلامٌ علیہ اور ان کے ساتھ مومنین صحابہ کا اولین فعل یہ تھا کہ وہ بنیادی طور پر پانچ ہی چیزوں پر ایمان لائے تھے، ان میں (نام نہاد) حدیث کا کہیں ذکر یا شائبہ تک نہیں تھا۔ اور دیکھئے وہ کیا کرتے تھے:

۲۔ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوۡحٰٓى اِلَىَّ ؕ

میں تو صرف اس کی اتباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے" (سورہ الانعام، آیت ۵۰)

[1] قرآن کریم میں ایسی سینکڑوں احادیث ہیں جن میں قل کا لفظ آیا ہے۔ لیکن ایسی بھی سینکڑوں ہیں جن میں قل محذوف ہے۔ نیز دوسری قسم کی احادیث جو کہ الفاظ رسول ہیں وہ بہت ہیں۔ اب آپ خود تلاش کرکے جمع کیجئے۔

اور آپ ابھی پیچھے امام المتکلمین کا اعتراف پڑھ چکے ہیں کہ ان پر صرف قرآن وحی ہوتا تھا۔ (باقی دو طرح کی وحیوں کا کوئی ذکر نہیں)۔ تو آپ قرآنی احکام وہدایت ہی کی اتباع کرتے اور کراتے تھے۔ اور دیکھئے آپ کیا فعل کرتے تھے:

۳۔ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾

میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العلمین ہی کے لئے ہے۔ (سورہ الانعام۔ آیت ۱۶۳)

یعنی ان کا ہر فعل اللہ رب العلمین کے لئے ہوتا اسی کی راہ میں ہوتا تھا۔ جبکہ اہل حدیث واہل فقہ کے اکثر افعال یا تو رسول کے لئے ہوتے ہیں، یا ان کے نواسے کے لئے ہوتے ہیں یا ان کے نواسے کے نواسوں کے لئے ہوتے ہیں، یا پیر صاحب کے لئے ہوتے ہیں۔۔۔ اور دیکھئے آپ کیا فعل کرتے تھے:

۴۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ؔ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ؕ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

میرا راستہ (میری سنت) تو یہ ہے کہ میں اور میرے متبعین (صحابہؓ) علیٰ وجہ البصیرت اللہ کی طرف بلاتے ہیں جو (ہر طرح کی کمزوری سے) پاک ہے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں'' سورہ یوسف، آیت ۱۰۸)

یعنی رسول اللہ سلامؑ علیہ اور صحابہ کبارؓ صرف اللہ کی طرف دعوت دیتے تھے یہی ان کی سنت تھی۔ (وہ عشق رسول کی دعوت نہیں دیتے تھے، نہ رسول کو اللہ کا ہمسر بنانے کی دعوت دیتے تھے) اور ایسا وہ اللہ کی وحی۔ قرآن کریم کو اچھی طرح سے سمجھنے کے بعد کرتے تھے۔ اسی لئے صرف اللہ کی پاکی بولتے تھے (رسول پاک اور غوث پاک نہیں بولتے تھے) اور اللہ کے ساتھ کسی طرح کا شرک کرنے والے نہ تھے، نہ ہی اس کی ذات میں، نہ صفات میں نہ احکام میں (وہ صرف ایک حکم مانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا، اس کے ساتھ رسول کے حکم کو بھی شریک نہیں کرتے تھے۔ نہ وہ اللہ کی کتاب کے مقابلہ پر اپنی کتابیں لکھ کر لاتے تھے) اور یہ دعوت الی اللہ، یعنی دین کی دعوت وہ کس طرح دیتے تھے؟ دیکھئے:

۵۔ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

وہ ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر (نام نہاد احادیث نہیں) سناتے اور پاک کرتے تھے اور الکتٰب یعنی الحکمت کی تعلیم دیتے تھے۔ (سورہ اٰل عمران آیت ۱۶۴)

قارئین غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ کے فعل کی شہادت اللہ تعالیٰ خود دے رہے ہیں کہ وہ آیات الٰہی پڑھ پڑھ کر لوگوں کو سنا کر ان کا تزکیہ نفس کرتے تھے۔ یعنی ان کو (نام نہاد) حدیث نہیں سناتے تھے۔ اور اس فعل کا ذکر قرآن کریم میں کئی مرتبہ دہرایا گیا ہے۔ جس کے معنی کہ اور کسی چیز کے سنائے جانے کا شائبہ تک نہیں ہو (کسی بات کو بار بار دہرانے کا مطلب اس کی اہمیت ہی واضح کرنا ہوتا ہے)۔ اسی طرح سے آپ قرآن کریم پڑھتے جایئے اس میں آپ کو رسول اللہ سلامؑ علیہ کے بارے میں فعلی احادیث ملتی جائیں گی کہ وہ انسان بشر کی طرح فطری طریقے پر رہتے تھے، کھاتے پیتے تھے (فٹو فقیر نہیں تھے جیسا کہ مُلّا بتاتا ہے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے (یعنی کاروبار کرتے تھے۔ صدقات وتحائف پر گزارہ نہیں کرتے تھے جیسا کہ مُلّا بتاتا ہے) شادی بیاہ کرتے تھے، بیوی بچے پالتے تھے، حکمرانی

کرتے تھے، فیصلے کرتے تھے، جنگیں لڑتے تھے اور اس میں سختی پر ان کے پایہ استقلال واستقامت میں ذرا لغزش نہیں آتی تھی۔ ان کی اسی استقامت کو اپنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں دیا کہ "لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ "(بے شک (اس موقعہ پر) تمہارے لئے رسول اللہ کی (استقامت و استقلال) کی پیروی اچھی تھی)۔ مگر افسوس کہ اس آیت کے معنی ہمارے مُلّانے کچھ کے کچھ کر دیئے اور حقیقت سے بدل دیا)۔ الغرض کہ قرآن کریم رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ہر طرح کے افعال کے بارے میں فعلی احادیث ملتی ہیں کہ آپ سلامٌ علیہ وحی کی اتباع کرتے تھے، اپنے حکمرانی کے معاملات میں اپنے اصحاب سے مشاورت کرتے تھے، اپنی تبلیغی سعی پر کوئی معاوضہ نہیں لیتے تھے، لوگوں کو اور عالمین کو ان کا حق دیتے تھے، ضرورت کے تحت ہجرت کراتے تھے اور کرتے بھی تھے، جنگیں بھی لڑتے تھے اور تبلیغ دین بھی کرتے تھے، حج کے فرائض عدل سے انجام دیتے تھے، لوگوں کے رزق اور اس کے حصول و تقسیم کا انتظام کرتے تھے، ان کے اپنے گھر میں لنگر چلتا رہتا تھا اور ہر غریب و مسکین کے لئے بنیادی ضروریات کا انتظام کرتے تھے، جنگوں میں سختی پر استقامت دکھاتے تھے، وغیرہ وغیرہ جو ان کی تمام زندگی و سیرت کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ ہاں البتہ اس میں استنجا کرنے، غسل جنابت کرنے، داڑھی بڑھانے اور پائنچے اوپر اڑس کر اپنی زینت خراب کر لینے کے بارے میں فعلی احادیث نہیں ملتیں۔ اس کے صاف معنی کہ اس قسم کی (نام نہاد) احادیث پارسی و یہودی ٹکسالوں میں ڈھالی گئیں اور صحیح سیر النبی سے توجہ ہٹا کر غیر دینی شعار کی طرف ڈال دی گئی!

قارئین اب آجایئے حدیث کی تیسری قسم تقریر یا تصویبِ رسول کی طرف تو یہ بھی قرآن کریم میں ملتی ہے۔ مثلاً جب لوگوں کو نماز (صلوٰۃ) کے لئے جمع کرنے کے لئے بطور ندا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اذان دلوانا شروع کی (ظاہر ہے کہ اذان پہلے نہیں ہوتی تھی یونکہ مکی زندگی تو کفار و مشرکین کے گھیرے میں تھی۔ مدنی زندگی میں اس کی ابتداء ہوئی اور صحابہؓ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اجتہاد سے اس کے الفاظ مقرر کئے گئے) تو مدینہ کے یہود و نصاریٰ نے اسے مذاق بنانا چاہا تو اللہ تعالیٰ نے اس ندا یا اذان کی تصویب ان الفاظ میں فرما دی:

"وَاِذَا نَادَیْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ اتَّخَذُوْھَا ھُزُوًا وَّ لَعِبًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْقِلُوْنَ ۝۵۸

اور جب تم صلوٰۃ کے لئے ندا دیتے ہو تو یہ اسے بھی ہنسی اور کھیل بناتے ہیں۔ یہ اس لئے کہ عقل نہیں رکھتے" (سورہ المائدہ، آیت ۵۸)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اذان کی ندا پر نکیر نہیں کی۔ یہاں یہ خیال رہے کہ دین میں تصویب اللہ ہی کی طرف سے ہوتی ہے۔ رسول تو خود اللہ کے احکام کی اتباع کرتے ہیں اور صحابہ بھی اللہ ہی کے احکام کی اتباع کرتے ہیں۔ تو پھر تصویب تو اللہ کی طرف سے ہو گی نا کہ رسول کی طرف سے! رسول کی طرف سے تو تصویب صرف یہی ہے کہ جو کام وہ کرتے ہیں وہی صحابہ اور مومنین کرتے ہیں۔ مثلاً

اِنَّمَا وَلِیُّکُمُ اللّٰہُ وَ رَسُوْلُہٗ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ یُؤْتُوْنَ الزَّکٰوۃَ وَ ھُمْ رٰکِعُوْنَ ۝۵۵

تمہارا دوست تو اللہ، اس کا رسول ایمان والے ہیں جو صلوٰۃ قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔" (سورہ المائدہ آیت ۵۵)

اور چونکہ مومنین وہی کام کر رہے ہیں جو اللہ کا حکم ہے اور جو رسول بھی کر رہا ہے اسی لئے مومنین کے راستہ (سَبِیلِ الْمُؤْمِنِینَ) پر چلنے کا حکم دیا گیا (۴/ ۱۱۵) اور یہی مومنین کے راستہ کی تصویب ہے۔ اللہ کی طرف سے۔

قارئین امید ہے کہ (نام نہاد) حدیث کے بارے میں اب آپ کا ذہن کچھ کھُل گیا ہو گا ہو سکتا ہے اس کی حیثیت کے بارے میں کچھ اور مواد آگے بھی آجائے۔ فی الحال ہم اب آگے دیکھتے ہیں کہ اصلاحی صاحب سنت کے بارے میں کیا بتاتے ہیں:

## "سنت

سنت کے لغوی معنی ہیں: واضح راستہ، مصروف راستہ، چلتا ہوا راستہ، پٹا ہوا راستہ اور ہموار راستہ۔

قوموں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ کیا ہے، اور جو سب کے لئے یکساں ہے، اس کو قرآن مجید میں سنت اللہ کہا گیا ہے۔ مثلاً فرمایا:-

سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرَۨا ﴿٣٨﴾ (الاحزاب۔ ۳۳: ۳۸)

یہی اللہ کی سنت رہی ہے ان لوگوں کے معاملے میں بھی جو پہلے گزرے ہیں اور اللہ کے فیصلہ کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ۚ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا ﴿٤٣﴾ (فاطر۔ ۳۵: ۴۳)

پس یہ نہیں انتظار کر رہے ہین مگر اسی سنت الٰہی کا جو اگلوں کے باب میں ظاہر ہوئی۔ تو تم سنت الٰہی مین نہ کوئی تبدیلی پاؤ گے اور نہ تم سنتِ الٰہی کو ٹلتے ہی ہوئے پاؤ گے۔

ہمارے زیر بحث اس وقت سنت نبوی سلامٌ علیہ ہے۔ یعنی وہ طریقہ جو آپ نے بحیثیت معلّم شریعت اور بحیثیت کامل نمونہ کے، احکام و مناسک کے ادا کرنے، اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا۔ یہ فریضہ آپ کی منصبی حیثیت کا تقاضا تھا،"[1]۔

غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب بات تو "سنت نبی" کی کر رہے ہیں لیکن قرآن کریم سے آیت "سنت اللہ" کی پیش کر رہے ہیں۔ یاد کیجئے ہم نے کیا کہا تھا؟ کہ قرآن کریم میں سنتِ نبی یا سنتِ رسول کے الفاظ استعمال ہی نہیں ہوئے ہیں! یہ تو مولویوں کی ایجاد ہے، اس لئے وہ بچارے اپنے عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے آیت کہاں سے لائیں! ظاہر ہے کہ پھر غیر قرآن ہی سے سہارا لیں گے۔ جہاں تک اصول کا تعلق ہے تو کوئی اصول بناتے ہوئے یا عقیدہ بناتے ہوئے چاہئے تو یہ کہ قرآن کریم کی کوئی آیت پیش کی جائے ورنہ پھر حق بات کی جائے کہ قرآن کریم اس سلسلہ میں کچھ نہیں بتاتا۔ البتہ علما و فقہا و محدثین نے جو چاہا اسے سنت نبی قرار دیا۔ جو کہ قرآن کریم کے علاوہ سب ظنّ ہے۔ دیکھئے ان کی اگلی سرخی کیا ہے اور اس میں کیا فرماتے ہیں:

## "سنت کی ضرورت

اللہ تعالیٰ نے جو دین قرآن کے ذریعہ سے دیا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی

---

[1] "مبادیٔ تدبر حدیث" باب ۱، ص ۲۴

باتیں بیان ہوئی ہیں، جزئیات اور تفصیلات اس میں نہیں بیان ہوئی ہیں۔ ان کی تعلیم اس نے تمام تر معلم قرآن یعنی پیغمبر ﷺ پر چھوڑ دی ہے۔ دین کا پورا اور مکمل ڈھانچہ سنت رسول سے کھڑا ہوتا ہے، مثلاً نماز، روزہ، حج زکوٰۃ اور دوسرے احکام و مناسک کا بنیادی حکم تو قرآن مجید میں دیا گیا ہے لیکن ان میں سے کسی چیز کی جزئیات و تفصیلات نہیں بتائی گئیں۔۔۔۔''[1]

غور کیجئے کہ موصوف یہ مان رہے ہیں کہ دین کی تمام اصولی باتیں قرآن مجید میں بتادی گئی ہیں اس کے معنی صاف یہ ہیں کہ ہم ان ہی اصولی باتوں کے مکلّف ہیں یونکہ وہ ہم پر فرض کی گئی ہیں(۸۵/ ۲۸) اور جو باتیں اس میں نہیں بتائی گئیں ان میں کسی کمی یا کوتاہی یا غلطی پر ہماری گرفت نہیں ہو گی۔ یونکہ حتمی طور پر صحیح اور ایک تو وہ کہیں بھی نہیں ملتیں نہ ہی (نام نہاد) حدیث میں اور نہ سنت میں! البتہ کچھ جزئیات و تفصیلات تو قرآن کریم میں بتادی گئی ہیں، اور جو نہیں بتائی گئی ہیں تو وہ تواتر عملی سے (مع اختلافات کے) چلی آرہی ہیں اور پوری امت مسلمہ اسی پر عمل کر رہی ہے۔ جیسا کہ ہم پیچھے ''پھر نماز کیسے پڑھیں'' کے زیر عنوان تفصیل سے لکھ آئے ہیں۔ آگے اسی عنوان کے تحت موصوف فرماتے ہیں:

''اب اگر سنت کو نکال دیں تو اگرچہ ہم دین کی اصولی باتوں سے واقف ہوں گے، لیکن ان کی عملی شکل سے اس طرح بے خبر ہوں گے جس طرح دور جاہلیت میں دین حنیفی کے پیروکار تھے۔ وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ 'اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں، ورنہ اسی طرح سے کرتے۔' اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت ہی سے واضح ہوتا ہے۔ اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا ہے: اَلَا' انی اوتیت القراٰنَ و مثلہٗ معہٗ[2] (آگاہ رہو، میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) پس جس طریقہ سے قرآن واجب ہے اسی طریقہ سے سنت بھی واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو اسی لئے بھیجا کہ قرآن مجید مبہم نہ رہے، بلکہ مجسم اور کامل شکل میں لوگوں کے سامنے آجائے اور آپ نے عملاً ایسا کر دیا۔

اس سے واضح ہوا کہ قرآن اور سنت میں تعلق روح اور قالب کا ہے۔۔۔۔''[3]

قارئین غور کیجئے۔ موصوف کا یہ پیراگراف بہت اہم ہے۔ انہوں نے دور جاہلیت میں دین حنیفی کے پیروکار (یعنی مِلَّۃ ابراھیم) کی مثال واللہ عالم کہاں سے، بغیر کسی حوالہ کے لکھ دی ہے کہ ''وہ خانہ کعبہ کی دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ ''اے ربّ! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں، ورنہ اسی طرح سے کرتے'' اگر ان کی مراد دین حنیف سے دین ابراہیم کی ہے تو یہ بات بالکل غلط ہے یونکہ دین ابراہیم کی پیروکار خود رسول اللہ ﷺ تھے اور وہ غار حرا میں جاکر عبادت کرتے تھے۔ بعثت کے بعد مکہ میں کعبہ میں اور کعبہ کے باہر بھی صلوٰۃ قائم کرتے تھے۔ اس لئے وہ تو دین حنیفی کے عبادت کے طریقے جانتے تھے۔ نیز یہ کہ جب انہیں حکم دیا گیا کہ ملتِ ابراہیمی ہی کی اتباع کرتے رہو (۹۵/ ۳) اور وہ طریقے نئے سرے سے نہیں بتائے گئے تو اس کے معنی انہیں وہ طریقے پہلے ہی سے معلوم تھے۔ اور اگر ان کی مراد دین حنیفی سے ملتِ ابراہیمی کے بگڑے ہوئے مشرکین سے ہے تو بھی یہ بات سراسر غلط ہے

[1] ایضاً۔ ص۲۶۔۔۔[2] سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب ۶۔۔۔[3] ''مبادئ تدبر حدیث'' باب ۱۔ ص۲۶۔۲۷

یونکہ وہ لوگ ایسا نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ یہ بتا رہے ہیں کہ: "اُن کی صلوٰۃ بیت اللہ کے پاس سیٹیاں اور تالیاں بجانے کے سوا اور کچھ نہیں" (۸/۳۵) تھی۔ چلئے چھوڑیئے اس کو، یہ تو ویسے ہی انہوں نے بے حوالہ بات لکھی ہے۔ ان کے اگلے جملہ پر غور کیجئے، فرماتے ہیں:

"اس سے معلوم ہوا کہ قرآن سنت ہی سے واضح ہوتا ہے۔"

غور کیجئے! کس سے معلوم ہوا؟ دینِ حنیفی والوں کے بیٹھ جانے سے! معاذ اللہ۔ قرآن کی وضاحت کی اس سے کیا نسبت!

"قرآن سنت ہی سے واضح ہوتا ہے" گویا کہ بغیر سنت کے وہ غیر واضح ہے! تو کیا اللہ تعالیٰ نے اسے **کِتٰبٍ مُّبِین** (۱/۱۲، ۱/۲۷، ۵۹/۶، ۶۱/۱۰) اور **قرآنِ مبین** کہہ کر (۱/۱۵، ۶۹/۳۶) غلط بیانی کی ہے (معاذ اللہ)۔ اسی بات کو دوسرے اہل حدیث و اہل فقہ یوں کہتے ہیں کہ قرآن تو حدیث سے واضح ہوتا ہے یا حدیث قرآن کی شرح و وضاحت کرتی ہے! پھر اصلاحی صاحب کے عقیدہ میں اور ان میں کیا فرق رہ گیا؟

آگے موصوف فرماتے ہیں کہ "اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا:" **الا' انی اوتیت القراٰن و مثلہٗ معہٗ** (آگاہ رہو' میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی)" یہ بات اصلاحی صاحب نے سنن ابو داؤد یعنی (نام نہاد) حدیث کی کتاب سے ایک خبر واحد، ظنّی خبر کے طور پر دی ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ (جیسا کہ وہ خود اوپر لکھ چکے ہیں کہ قرآن کریم میں "صرف اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں") وہ اپنے اس عقیدہ کے لئے جو کہ ایک اصولی بات ہے قرآن کریم سے آیت پیش کرتے مگر انہوں نے ظنی خبر واحد پیش کی ہے! اور وہ ظنّی خبر واحد بھی مبہم ہی ہے۔ کہ قرآن کے ساتھ اسی کے مانند اس کے ساتھ کیا دیا گیا؟ کوئی اور کتاب یا سنت؟ اس ظنی بات کو اگر سچ مان لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کریم کے علاوہ اس کے مثل کوئی اور کتاب بھی وحی ہوئی! لایئے پھر وہ کہاں ہے؟ اور اگر اس کو سنت مان لیا جائے، مثل قرآن، تو وہ بھی وحی ہوئی! تو پھر اصلاحی صاحب کے اور مسعود احمد صاحب کے عقائد میں تو سر مو فرق نہ ہوا۔ وہ بھی تو یہی عقیدہ رکھتے ہیں۔ بلکہ وہ اپنے عقیدہ کا اظہار کھل کر کر رہے ہیں کہ "(نام نہاد) حدیث بھی کتاب اللہ ہے" بلکہ اصلاحی صاحب اپنے عقیدہ کا اظہار کھل کر نہیں کر رہے! یہ اس طرح کس کو دھوکہ دے رہے ہیں، کم پڑھے لکھے اور ان پڑھ عوام کو، یا اللہ تعالیٰ کو، یا اپنے آپ کو؟ اللہ تعالیٰ تو فرماتے ہیں کہ اس قرآن کے مثل تو کوئی لا ہی نہیں سکتا (۲۳/۲، ۳۸/۱۰، ۱۳/۱۱، ۸۸/۱۷، ۳۴/۵۲) مگر اصلاحی صاحب اس کے مثل لانے پر مُصر ہیں (معاذ اللہ) آگے فرماتے ہیں کہ "پس جس طریقہ سے قرآن واجب ہے اسی طریقہ سے سنت بھی واجب ہے۔" اس کو ثابت کرنے کے لئے آپ کوئی آیت الٰہی کیوں نہیں پیش کرتے؟ جبکہ ہم تو صرف قرآن کریم کے وجوب کے لئے آیت الٰہی پیش کرتے ہیں (۸۵/۲۸) آپ یہ ظنّ کے تیر کیوں چلا رہے ہیں۔ حق کی طرف کیوں نہیں آتے؟ آگے فرماتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو اسی لئے بھیجا کہ قرآن مجید مبہم نہ رہے" گویا کہ وہ مبہم ہے! یہی عقیدہ تو مسعود احمد صاحب اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ کا ہے کہ نعوذ باللہ قرآن کریم مبہم و مجمل ہے اور نام نہاد حدیث اس کی شرح و توضیح کرتی ہے۔ تو پھر آپ میں اور دیگر اہل حدیثوں میں کیا فرق رہ گیا؟

آگے فرماتے ہیں کہ "قرآن اور سنت میں تعلق روح اور قالب کا ہے" گویا کہ اگر قالب نہ ہو تو روح یعنی قرآن بیکار ہو جائے گا! اصلاحی صاحب سوچ لیجئے آپ کیا فرما رہے ہیں؟ کیا اس قسم کی کوئی آیت قرآن کریم میں ہے جو

کہ آپ ہی کے بقول دین کی اصلی بنیاد ہے [1] نیز "کسی بات کے عقیدہ قرار پانے کے لئے قرآن مجید کے اندر اس کی بنیاد ہونی ضروری ہے" [2] تو پھر یہ نئے نئے غیر قرآنی عقیدے اور **مثلہٗ و معہٗ** ظنی روایت کے عقیدے کہاں سے آ گئے! "قرآن جیسی قطعی الدلالۃ الکتب [3] کو چھوڑ کر ظنی کتابوں سے کیوں دلیل لا رہے ہیں؟

آگے اصلاحی صاحب نئی سرخی لگا کر لکھتے ہیں:

**"قرآن و سنت کا باہمی نظام عین فطرت ہے:**

اللہ تعالیٰ نے قرآن و سنت کا یہ باہمی ربط جو قائم فرمایا تو......... نعوذ باللہ......... یہ کسی سہل انگاری پر مبنی نہیں ہے، بلکہ یہی عقل و فطرت کے مطابق ہے۔" [4]

قارئین! غور کیجئے کہ "سنت" کے معنی اگر وہی مان لئے جائیں جو کہ اصلاحی صاحب نے بتائے ہیں (یعنی وہ طریقہ جو آپ نے بحیثیت معلم شریعت کامل نمونہ کے، احکام و مناسک کے ادا کرنے، اور زندگی کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے سانچہ میں ڈھالنے کے لئے عملاً اور قولاً لوگوں کو بتایا اور سکھایا [5]) جو کہ ہمارے موصوف مسعود احمد صاحب کی تعریف سے ملتے جلتے ہیں (فرائض کی ادائیگی کے طریقہ کا نام سنت رسول ہے [6]) تو بھی تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ ہمیشہ بالکل ایک سے رہ جائیں۔ یونکہ یہ بھی تو فطری حقیقت ہے کہ جب تک کوئی بات لکھی ہوئی نہ ہو اور لکھوانے والے نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہ لی ہو۔ وہ چیز اپنی صحیح حالت پر قائم نہیں رہتی۔ زندہ مثال ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی وہ کتابیں جن کی حفاظت کی اس نے ذمہ داری نہیں لی تھی وہ اپنی اصلی حالت پر برقرار نہیں رہیں (حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے آخری کتاب معہ حفاظت کے وعدہ کے نازل فرمائی) تو بخاری و مسلم ابوداؤد وغیرہ کی کتابیں کیسے اصلی اور صحیح ہو سکتی ہیں؟ کیا ان کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے لی ہے؟ اگر لی ہے تو پھر آیت دکھایئے! آیت نہیں تو چلئے (نام نہاد) حدیث ہی دکھلا دیجئے!

میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس کو "سنت" کہا جا رہا ہے، ضروری نہیں کہ وہ ظنّی کتابوں سے، (جو بعثت نبوی کے صدیوں سال بعد لکھی گئیں اور پھر عامۃ المسلمین تک ہزار سال بعد پہنچیں) صحیح مل جائے یونکہ وہ کتابیں، ان کا طریقہ ترتیب و تالیف اور خود ان میں جو مواد ہے وہ سب ہمیشہ ہی ظنّی ہونے کی وجہ سے زیر بحث رہی ہیں (Disputed) اور قرآن کریم کی طرح نہ تو قطعی الصحت ہیں اور نہ قطعی الدلالت ہیں نہ ہی حاکم و قاضی ہیں نہ ہی میزان و فرقان ہیں۔ بلکہ وہ تو خود اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے قرآن کریم کی محتاج ہیں۔ دیکھ لیجئے ان میں نماز تک پڑھنے کا پورا طریقہ یکجا نہیں ملتا اور یکجا تو کجا پورا طریقہ تمام کتابوں میں بھی نہیں ملتا کہ پچاسیوں سوال پیدا ہوتے ہیں کہ فلاں رکن کیسے ادا کیا جائے گا؟ یا فلاں موقعہ پر کیا کرنا ہے؟ (جیسا کہ ہم پیچھے اس قسم کے سوالات اٹھا چکے ہیں)۔ اور یہ صرف نماز ہی نہیں بلکہ ہر عمل کے لیے جو کچھ کتابوں میں ملے گا وہ تشنہ اور اختلافی ہو گا۔ اسی لئے تو ہر فرقہ کا طریقۂ عمل دوسرے سے مختلف ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس فرقہ کی روایتیں اور عمل سب سے صحیح ہے؟ کسی حد تک یہی کمزوری عملی تواتر کے ذریعہ پہنچنے والی سنت میں بھی موجود ہے یونکہ وہ بھی انسانی دست برد اور فرقہ وارانہ عقائد کی بھرمار سے کہیں نہ کہیں تبدیل ہو چکی ہوئی ہے مگر چونکہ بنیادی ڈھانچہ یا اصول تبدیل نہیں ہوئے اس لئے ان پر عمل جاری

---

[1] "مبادئ تدبر قرآن" ص ۶۷، ص ۱۶۷۔۔۔ [2] "مبادئ تدبر حدیث" ص ۱۱۱۔۔۔ [3] ایضاً، ص ۴۰۔۔ [4] ایضاً ص ۲۷۔۔ [5] ایضاً۔ ص ۲۴۔۔ [6] پمفلٹ "ترک سنت گناہ ہے" از مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین۔ سلسلہ اشاعت ۵۶

رہتا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی ان چیزوں کو اہمیت نہیں دی اسلئے ہمیں بھی انہیں اہمیت نہیں دینا چاہئے بلکہ اصل کی طرف اور عبادت کی روح و مقصد کی طرف ساری توجہ مبذول رکھنا چاہئے۔ اور اصل مقصد اور ہر وہ چیز جو دین میں ضروری ہے اور جس کے ہم مکلّف ہیں وہ سب قرآن کریم میں ملتا ہے (۳۸/۶ ، ۵۹/۶ ، ۶۱/۱۰ ، ۸۹/۱۶ ، ۳/۳۴)[۱]

آگے اصلاحی صاحب فرماتے ہیں:

"انسانی زندگی کے امور اتنے کثیر ہیں کہ وہ کسی ایک کتاب میں نہیں سما سکتے تھے، ان کے لئے دفاتر کی ضرورت تھی۔"

یعنی اصلاحی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ زندگی کے امور اتنے کثیر ہیں کہ وہ کسی ایک کتاب میں یعنی قرآن کریم میں۔۔ نہیں سما سکتے تھے! اس لئے انہیں (نام نہاد) حدیث کی کتابوں میں سمایا گیا! گویا کہ اس طرح قرآن ایک نامکمل کتاب ہی رہا! (معاذ اللہ) اور حدیثوں نے اسے مکمل کر دیا۔ ہم نہایت ادب سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا انسانی زندگی کے تمام امور ان (نام نہاد) حدیث کی کتابوں میں سما گئے ہیں؟؟ کیا ان میں ہر سوال کا جواب مل جاتا ہے؟ کیا ان میں نماز ادا کرنے کا پورا طریقہ بھی مل جاتا ہے؟ اگر مل جاتا ہے تو پھر براہ کرم پیچھے اٹھائے ہوئے ہمارے سوالات کا جواب دے دیجئے تا کہ ہماری غلطی کی تصحیح ہو جائے۔ اور زندگی کے دیگر امور میں سوالات اٹھانے سے ہم باز رہیں کہ وہ (نام نہاد) احادیث یا سنت میں ملتے ہیں یا نہیں؟

آگے بہر حال اصلاحی صاحب نے ایک بہت ہی معقول بات لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"دوسرے یہ کہ بہت سی چیزیں صرف بتانے کی نہیں، بلکہ عملاً کر کے دکھانے کی ہوتی ہیں اس کے بغیر ان کی تعلیم نافع نہیں ہو سکتی۔ جو چیزیں کر کے دکھانے کی ہوں وہ بتائی جا بھی نہیں سکتیں۔ اس کام کے اوپر نبی ﷺ اور آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ اور ان کے بعد امت میں آنے والے شہداء اللہ فی الارض مامور ہوئے"[۲]

ہم اصلاحی صاحب کی اس بات سے بالکل متفق ہیں۔ چنانچہ ہم پہلے بھی "پھر نماز کیسے پڑھیں" کے زیر عنوان لکھ آئے ہیں کہ نماز تو ہم اپنے بزرگوں ہی سے سیکھ کر پڑھتے ہوتے ہیں اور کسی (نام نہاد) حدیث کی کتاب سے نہیں سیکھتے۔ (خود اہل حدیث و اہل فقہ بھی اپنے بزرگوں ہی سے سیکھتے رہے ہیں) ظاہر ہے کہ یہ کام عملی طور پر تواتر سے رسول اللہ سلامؑ علیہ سے یونہی چلا آ رہا ہے یونکہ ان کے بعد ہر آنے والی نسل دوسری آنے والی نسل پر شہداء اللہ فی الارض رہی ہے۔ نہ تو رسول اللہ سلامؑ علیہ نے ہی نماز صحابہؓ کو ابراہیم سلامؑ علیہ کی احادیث کی کتابوں کے ذریعہ سکھائی تھی، نہ صحابہؓ نے تابعینؒ کو نماز (نام نہاد) حدیث کے ذریعہ سکھائی تھی (اور نہ ہی پچاسیوں حدیث کی کتابیں اس وقت ان کے پاس تھیں) نہ ہی تابعینؒ نے نماز تبع تابعینؒ کو (نام نہاد) حدیث کی کتابوں سے سکھائی تھی غرض اسی طرح نسلاً بعد نسلاً ہمارے بزرگوں نے ہمیں نماز سکھائی۔ اور صرف نماز ہی پر کیا منحصر ہے تمام فرائض کی ادائیگی کے طریقے اسی طرح تواتر عملی سے ہم تک پہنچے ہیں اور سب انہی پر عمل کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ (کچھ نہ کچھ فرقہ وارانہ اختلافات کے ساتھ) یہ سوال صرف آج کی شیطانی پیداوار ہے کہ بغیر (نام نہاد) حدیث کے نماز کیسے ادا کریں گے یا

۱۔ ان آیات کی تفصیل ہم پہلے باب میں دے چکے ہیں۔ وہاں پھر دیکھ لیجئے تا کہ ذہن صاف رہے۔۔۔ ۲۔ مبادئ تدبر حدیث۔ ص ۲۷

غسل جنابت کیسے کریں گے؟ جب ہزار بارہ سو سال تک برصغیر ہندوپاک میں (نام نہاد) حدیث کی کتابیں نہیں آئیں تھیں (شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ تک) اس وقت تک کبھی کسی نے یہ سوال نہیں کیا اور نہ ہی شاید (نام نہاد) حدیث جیسی کسی چیز کو جانا!

آگے اصلاحی صاحب سنت کا دائرہ کار متعین کرتے ہوئے معقول بات لکھتے ہیں:

**"سنت کا دائرہ:**

یہاں یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ سنت کا تمام تر تعلق عملی زندگی سے ہے، یعنی ان چیزوں سے جو کرنے کی ہیں۔ وہ چیزیں اس کے دائرہ سے الگ ہیں جو محض عقائدی اور علمی نوعیّت کی ہیں۔ مثلاً ایمانیات، تاریخ اور شانِ نزول وغیرہ کی قسم کی چیزوں کو سنت سے کوئی تعلق نہیں ہے"[1]

قارئین! غور کر لیجئے اور اس عبارت کو پھر پڑھ لیجئے۔ یہاں پھر یہ بات واضح کی گئی ہے کہ سنت اس کو کہا گیا ہے جو چیزیں کرنے کی ہیں، یعنی عمل۔ یعنی فرائض کی ادائیگی کس طرح کی جائے۔

مگر سنت کا تعلق ان چیزوں سے نہیں ہے جو عقائدی اور عملی نوعیت کی ہیں مطلب صاف ہے کہ اصلاحی صاحب نے سنن ابی داوٗد کی ظنّی روایت جو پیچھے دی تھی (**الا انی اوتیت القراٰن و مثلہٗ معہٗ** ۔ آگاہ رہو' میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) اور اس پر سنت کے (اللہ کی طرف سے عطا کئے جانے کی وجہ سے) واجب ہونے کا عقیدہ بنایا تھا اس کا خود سنت سے کوئی تعلق نہیں یا وہ سنت کے دائرہ سے، ان کے اپنے ہی بقول، الگ ہیں یونکہ یہ عقائدی چیز ہے۔

کہئے کیا سمجھے؟ ع ہم تو کچھ کہیں گے تو شکایت ہو گی

بہر حال اصلاحی صاحب کی عبارت یا منطق کا نتیجہ یہ ہے کہ:

۱۔ سنت کا تعلق فرائض کی ادائیگی کے عملی طریقہ کار سے ہے۔

۲۔ عقائدی و عملی چیزیں سنت کے دائرہ میں نہیں آتیں۔

آگے اصلاحی صاحب مزید وضاحت فرماتے ہیں:

**"سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں، بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے:**

سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، جن میں صدق و کذب، دونوں کا احتمال ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے۔

جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے۔ مثلاً ہم نے نماز اور حج وغیرہ کی تمام تفصیلات اس وجہ سے نہیں اختیار کیں کہ ان کو چند راویوں نے بیان کیا بلکہ یہ چیزیں نبی ﷺ نے اختیار فرمائیں۔ آپ سے صحابہ کرامؓ نے، ان سے تابعینؒ پھر تبع تابعینؒ نے سیکھا۔ اسی طرح بعد والے اپنے اگلوں سے سیکھتے چلے آئے۔ اگر روایات کے ریکارڈ میں ان کی تائید موجود ہے تو یہ اس کی مزید شہادت ہے۔ اگر وہ عملی تواتر کے مطابق ہے۔ تو فبہا اور اگر دونوں میں فرق ہے تو ترجیح بہر حال

---

[1] ایضاً۔ ص ۲۸

امت کے عملی تواتر کو حاصل ہو گی.......................... یہاں اس امر کو بھی ذہن نشین رکھئے کہ امت کے عملی تواتر سے مراد نبی ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدینؓ اور صحابہؓ کا عمل ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے: "**فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین**[1] (تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی واجب ہے) دین کا مرکز یہی گروہ ہے"[2]

غور کیجئے کہ فرائض کی ادائیگی کے لئے ہم بھی پیچھے سے یہی بات کہتے آرہے ہیں۔ اور جہاں تک اصلاحی صاحب کی آخری بات کا تعلق ہے (کہ تم پر میری اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی واجب ہے) تو اس سلسلہ میں ہم قرآن کریم کی آیت سبیل المومنین (۴/ ۱۱۵) کے حوالہ سے بات کر آئے ہیں کہ رسول کے ساتھ صحابہ کرامؓ کے راستہ پر ہی چلنا ہے۔ اس طرح ہمارے اور اصلاحی صاحب کے خیالات تقریباً ہم آہنگ ہو گئے۔ فرق صرف وہی ہے کہ وہ بات ظنّی چیز کے حوالہ سے کرتے ہیں اور ہم حقیقی اور قطعی الدلالت چیز پیش کرتے ہیں آگے دیکھئے سنت کے حوالہ سے وہ ایک انتہائی غلط عقیدہ پیش کرتے ہیں:

"**ایک ہی معاملے میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے:**

اسی طرح لوگ اس حقیقت سے بھی ناواقف ہیں کہ ایک ہی معاملے میں سُنّت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ اس ناواقفیت کے سبب سے خود اہل سنت کے درمیان مختلف فرقے بن گئے۔ اور وہ آپس میں ایک دوسرے کو مخالفِ سنت کا ملزم ٹھہراتے ہیں۔ حالانکہ اگر وہ انصاف سے کام لیں تو یہ سمجھنا کچھ مشکل نہیں کہ ایک ہی معاملہ میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے"[3]

ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اصلاحی صاحب اپنے اس عقیدہ کی تائید میں پھر کوئی قطعی الدلالت دلیل یعنی قرآنی دلیل نہ پیش کر سکے بلکہ راویات پیش کی ہیں۔ ان کا سارا مقصد اختلافِ سنت (جو کہ نماز، حج وغیرہ کے ارکان کی ادائیگی میں پایا جاتا ہے کہ ہر فرقہ اپنے طریقے سے ادا کر رہا ہوتا ہے اور اسے ہی صحیح اور سنت بتاتا ہے) کو صحیح ثابت کرنا ہے شاید وہ اس ظنی روایت کے بھی قائل ہوں گے کہ "اختلاف اُمّتی رحمتی" (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) اسی لئے اس اختلاف سنت کو صحیح ثابت کر رہے ہیں یا پھر وہ ان تمام ظنّی روایات کا انکار نہیں کر پا رہے جن میں رسول اللہ سلامؑ علیہ کو ایک ہی معاملہ میں مختلف کام کرتے یا ان کی تصویب کرتے بتایا گیا ہے یا پھر ایک کام خود کرتے ہوئے دکھایا گیا ہے جبکہ دوسری روایت میں اسی کام کرنے کو آپ دوسروں کو منع کرتے ہیں!

قارئین یہ تو بڑی موٹی سی بات ہے اور ہر "عقل سلیم" اور "فہم و فراست" (Common Sense) رکھنے والا بھی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ ایک نبی و رسول کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ان کا رویہ، ایک ہی سے، دو مواقع پر مختلف ہو سکتا ہے یونکہ وہ دنیا کی سب سے سمجھدار اور پر وقار ہستی ہوتے ہیں۔ نبی اور رسول تو بہت ہی بڑی ہستی ہے اگر کوئی معمولی سا حاکم بھی اسی قسم کی حرکات کرے تو لوگ اسے بھی حقیر سمجھتے ہیں۔ دوسرے دیکھئے قرآن کریم اس سلسلہ میں کیا دلیل پیش کرتا ہے:

۱۔ جب ابراہیم سلامؑ علیہ اور اسمٰعیل سلامؑ علیہ بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے تو اور دعاؤں کے ساتھ یہ

---

[1] (بحوالہ) سنن ابن ماجہ، مقدمہ، باب ۶۔۔۔ [2] مبادئ تدبر حدیث۔ ص ۲۸۔۲۹۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۳۰

دعا بھی فرما رہے تھے کہ ہمارے رب ہمیں ہمارے مناسک (طریق عبادت یا فرائض کی ادائیگی کے طریقے) بتا" (۱۲۷۔۱۲۸ / ۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کر کے تمام امت کے لئے مناسک مقرر فرما دیئے (۳۴ / ۲۲ ، ۶۷ / ۲۲)

۳۔ اور حکم دے دیا کہ ملۃ ابراہیم کی اتباع کرتے رہو (۶۸ / ۳ ، ۹۵ / ۳ ، ۱۲۵ / ۴)

۴۔ پھر تصدیق بھی فرما دی کہ آخری نبی ورسول سلامٌ علیہ اور ان کے صحابہؓ سب ملۃ ابراہیم ہی کی اتباع کر رہے ہیں۔ (۶۸ / ۳) (تو کیا رسول مختلف طریقے اختیار کرتے تھے؟)

۵۔ پھر تمام امت کو انہی کے طریقے یعنی "سبیل المومنین" اختیار کرنے کا حکم دے دیا اور جو اس سے پھرے یا اختلاف کرے اسے جہنم میں داخل کرنے کی وعید دے دی۔ (۱۱۵ / ۴)

۶۔ پھر اللہ کی رسی یعنی اس کے بتائے ہوئے طریقوں کو ہی مضبوطی سے پکڑے رہنے کا حکم دے دیا (۱۰۳ / ۳)

۷۔ اور جو کوئی اس میں فرق ڈالے اور اختلاف کرے اسے عذاب عظیم کی خبر دے دی۔ (۱۰۵ / ۳)

قارئین! میں سمجھتا ہوں کہ کسی بھی عقل سلیم رکھنے والے کے لئے اوپر کے حقیقی دلائل کافی ہیں (ورنہ تو قرآن کریم اختلاف کے خلاف بھرا ہوا ہے) کہ وہ اختلافی روایات کا انکار کر کے حقیقی حدیث / احسن الحدیث کو پکڑ لے اور یہ مان لے کہ سنت رسول (اگر یہ اصطلاح استعمال کی جا سکتی ہے) میں ایک ہی معاملے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا۔ یونکہ سنت اللہ میں بھی نہ تو کوئی اختلاف ہوتا ہے اور نہ ہی وہ بدلا کرتی ہے (یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ اس کا قانون بننے کے بعد بدل جائے، مثلاً: کوئی بھی بچہ ماں باپ کے اختلاط ہی سے پیدا ہوگا، ایک دم سے کوئی بچہ بغیر باپ کے پیدا ہو جائے! اس کے معنی اس کی سنت بدل گئی اور اس کا دعویٰ کہ اس کی سنت نہیں بدلا کرتی) ۴۳ / ۳۵) غلط ہو گیا۔ نعوذ باللہ) اور رسول سنت اللہ کے موافق ہی کام کرتا اور اپنے ربّ ہی کے احکام بجالاتا ہے (۲۰ / ۳ ، ۱۵ / ۱۰ ، ۵۰ / ۶) اس لئے اس کے طور طریقوں یا سنت میں بھی اختلاف نہیں ہوتا۔ یونکہ اس کو شریعت مقررہ پر قائم کر دیا جاتا ہے۔ (۱۳ / ۴۲، ۱۸ / ۴۵)

اب جہاں تک اس حقیقت کا تعلق ہے کہ ہم تک تواتر عملی سے فرائض کی ادائیگی کے جو طریقے پہنچے ہیں ان میں اختلاف کیوں ہے؟ تو اس کا جواب ایک تو یہ ہے کہ یہ اختلاف تو (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ سازش سے پیدا کیا گیا اگر ایسا نہیں اور اصلاحی صاحب کا غیر قرآنی عقیدہ مان لیا جائے تو پھر اس کے معنی ہوئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ خود اختلاف پیدا کر کے گئے۔ (معاذ اللہ)۔ ایسا ممکن نہیں یونکہ قرآن کریم کے مطابق تو رسول کا کام اختلاف ختم کرنا ہوتا ہے (۲۱۳ / ۲ ، ۵۹ / ۴ ، ۶۴ / ۱۶ ، ۱۰۵ / ۴) نہ کو اختلاف پیدا کرنا۔ اس لئے اصلاحی صاحب کا عقیدہ بالکل غلط ہے، باطل ہے، گمراہ کن ہے۔

اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ چھوٹے موٹے اختلافات پیدا ہو جانا، وقت کے ساتھ ساتھ، فطری حقیقت ہے کہ ہزار سال کے سفر کے بعد ہلکی پھلکی تبدیلیاں یا کمی پیدا ہو جانا کوئی خاص بات نہیں اور نہ ہی اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف گرفت کی کوئی وعید ہے۔ جو بزرگوں نے بتا دیا اس پر عمل شروع ہو گیا۔ اور چونکہ ادائیگی اتنا اہم نہیں جتنا تمہارا حضوریٔ قلب، خشوع وخضوع ہے اور پابندی ہے۔ تو طریقہ کو مضبوطی سے نہیں پکڑا جاتا تھا یونکہ بنیادی ارکان میں فرق کسی بھی فرقے میں آج تک نہیں یونکہ وہ ارکان کا متفق علیہ حصہ ہوتے ہیں (مثلاً قیام، رکوع وسجود) البتہ فرعی ارکان میں

اختلاف فرقہ وارانہ اور گروہی مسالک کی وجہ سے ہے اور یونہی چل رہا ہے۔ آج تک ایسی کوئی (نام نہاد) حدیث نہیں ڈھالی گئی جس سے یہ فرقہ وارانہ اختلاف ختم ہو جاتے۔ (ہاں البتہ خانہ کعبہ میں چار علیحدہ مُصلّے ضرور ختم کرکے صرف ایک کر دیا گیا۔ مگر اس پیش امام کے پیچھے بھی فروعی ارکان مختلف طریقے ہی سے ادا کئے جا رہے ہیں) البتہ جب سے برصغیر میں (نام نہاد) حدیثیں آئیں جب سے فرقہ وارانہ اور مسلکی اختلافات اور بڑھ گئے اور صرف بڑھ ہی نہیں گئے بلکہ ان میں انتہا پسندی اور تشدد کی آمیزش ہو گئی اور بجائے ایک ہونے کے فساد فی المساجد اور بڑھ گیا اور ہر فرقہ اور ہر مسلک کی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بننے لگی اور اوپر اس کا مسلک بھی نمایاں طور پر لکھا جانے لگا! اس کا نتیجہ یہ ہوا (اور مولوی نے بھی اپنے اپنے محتاج لوگوں کو یہی بتایا) کہ لوگ یہ سمجھنے لگے اور یہ اصرار کہنے لگے کہ سنت یہ بھی ہے اور سنت وہ بھی ہے! کبھی رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ایسا کیا اور کبھی ایسا! معاذ اللہ ان کو دنیا کی سب سے زیادہ پروقار ہستی سے نہ جانے کیا بنا دیا! اصلاحی صاحب بھی اسی غیر قرآنی عقیدہ کے پرچارک ہیں۔ شاید اس وجہ سے کہ وہ بھی (نام نہاد) حدیثی خول سے باہر نہیں نکل سکے اور ابھی تک سحر زدہ ہیں۔ دیکھئے اس کا زندہ ثبوت کہ انہوں نے اپنی کتاب کے پہلے باب کی ابتداء ان الفاظ سے کی تھی کہ:

> ''حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ حدیث اور سنت میں آسمان و زمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے۔ ان کو ہم معنی سمجھنے سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں''[1]

اس کے آگے فرمایا تھا کہ:

> ''سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، جن میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہوتا ہے، جیسا کہ اوپر معلوم ہوا، بلکہ امت کے عملی تواتر پر ہے''[2]

لیکن اب دوسرے باب کی ابتدا (غالباً اپنے پہلے الفاظ کو بھول کر) وہ یوں فرماتے ہیں کہ:

> ''قرآن اور حدیث و سنت میں نہایت گہرا باہمی تعلق ہے۔ ان کا معنوی تعلق روح اور قالب کا اور ظاہری تعلق اجمال و تفصیل کا ہے۔ دونوں دین کے قیام کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ ہم ایک کو دوسرے سے الگ نہیں کر سکتے۔ دونوں کا اتباع اور احترام یکساں واجب ہے[3]

قارئین غور کیجئے کہ کہاں ''حدیث اور سنت میں آسمان و زمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے'' اور کہاں ان دونوں کو ایک بنا دیا!

(۱) قرآن

(۲) حدیث و سنت

اور اب حدیث اور سنت ایک ہو گئی یعنی 'و' تفسیری لگ کر ''حدیث و سنت'' بن گئی اور دین کے قیام کے لئے اس کو قرآن کریم کی طرح ضروری قرار دے دیا! نیز یہ حکم بھی صادر فرما دیا کہ ''قرآن'' اور ''حدیث و سنت''

---

۱۔ ایضاً۔ باب ا۔ ''حدیث اور سنت میں فرق'' ص۱۹۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص۲۸۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ باب ۲۔ قرآن اور حدیث و سنت کا باہمی تعلق۔ ص۳۳

کو ایک دوسری سے الگ نہیں کر سکتے! کہاں تو حدیث اور سنت دونوں ہی الگ الگ تھیں اور کہاں اب ایک ہو گئیں اور ان کو قرآن کریم کا شریک بھی ٹھہرا دیا گیا! اور ان کا اتباع اور احترام بھی قرآن کریم کی طرح واجب قرار دے دیا گیا! یہ سحر زدگی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور دیکھئے اسی دوسرے باب میں آگے کیا فرماتے ہیں کہ:

"شریعت کے احکام کو آپ قرآن کے فریم میں سمجھ سکتے ہیں، لیکن اس خاکے میں رنگ بھرنا سنت کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ مفرد احکام کی نوعیت قدرے مختلف ہے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہر حکم کے فہم کے لئے سنت کی ضرورت ہے۔ لیکن یہ بات واضح ہے کہ اگر کسی پہلو سے ایک حکم کی توضیح کی ضرورت پڑے گی تو حدیث و سنت بھی مدد و معاون بنیں گی"۔[1]

اس مقام پر اصلاحی صاحب نے کچھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کیا ہے۔ مگر ان کے یہ الفاظ قابل غور ہیں کہ "یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہر حکم کے فہم کے لئے سنت کی ضرورت ہے"۔ مگر آگے دیکھئے انہوں نے کس طرح سنت کو قرآن کریم سے شریک کر دیا۔ فرماتے ہیں کہ

"اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ سنت مثل قرآن ہے۔ سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایۂ قرآن ہے۔ اسلئے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے۔ ہم ان دونوں کو مقدم و مؤخر نہیں کر سکتے اور کسی کو ادنیٰ و اعلیٰ نہیں قرار دے سکتے۔ دونوں دین کے قیام کیلئے یکساں ضروری ہیں"۔[2]

قارئین! غور کیجئے کہ ابھی چند سطریں پہلے ہی حدیث و سنت کو ایک قرار دے چکے ہیں اور پھر صرف سنت کا لفظ استعمال کر رہے ہیں! کہئے کیا سمجھے؟

اور سنت کو مثل قرآن قرار دے رہے ہیں!

دونوں کو مقدم و مؤخر نہیں کر سکتے!

کسی کو ادنیٰ و اعلیٰ نہیں قرار دے سکتے!

دونوں دین کے قیام کے لئے یکساں ضروری ہیں!

کہئے قارئین یہ کتنے قرآن بن گئے۔ کیا قرآن ایک رہ گیا؟ کیا یہ اللہ کی کتاب کے ساتھ شریک کرنا نہیں؟ کیا اللہ کی کتاب مقدم نہیں؟ کیا اللہ کی کتاب اعلیٰ نہیں؟ کیا رسول، اللہ کا بندہ اور اللہ کی کتاب کا محتاج نہیں؟ پھر اس قسم کا عقیدہ کیوں؟ کیا اس عقیدہ کے لئے کسی کے پاس کوئی قرآنی نص صریح ہے؟ آگے خود فرماتے ہیں کہ:

"سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن نہ ہو تو سنت کیا کرے گی؟ اس کی عمارت کس چیز پر استوار ہو گی؟ سنت کی اساس تو بہر حال قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے بغیر سنت کھڑی نہیں ہو سکتی"۔[3]

قارئین غور کیجئے کہ جب قرآن کے بغیر سنت بیکار ہے اور کھڑی نہیں ہو سکتی ہے تو پھر مقدم اور اعلیٰ کیا چیز ہوئی؟ ظاہر ہے کہ پھر مقدم و اعلیٰ قرآن ہی ٹھہرا۔ تو پھر مؤخر و ادنیٰ چیز "مثل" کیسے ہو سکتی ہے؟ کیا آپ اصلاحی صاحب کے اوپر کے سوالات الفاظ بدل کر، قرآن کی جگہ سنت اور سنت کی جگہ قرآن رکھ کر یوں کہہ سکتے ہیں کہ:

"سوچنے کی بات ہے کہ اگر سنت نہ ہو تو قرآن کیا کرے گا؟ اس کی عمارت کس چیز پر استوار ہو گی؟

---

[1] ایضاً۔ ص ۳۴۔۔۔ [2] ایضا۔ ص ۳۵۔۔۔ [3] ایضا۔ ص ۳۸

قرآن کی اساس تو بہر حال سنت ہی ہے۔ اس کے بغیر قرآن کھڑا نہیں ہو سکتا۔" (معاذ اللہ)

قارئین کہئے کیا آپ اس عبارت سے متفق ہیں؟ اگر سنت مثل قرآن ہے تو پھر اس عبارت کو بھی صحیح ہونا چاہئے۔ (نعوذ باللہ)۔ ورنہ پھر اس غیر قرآنی عقیدہ کو باطل مان لیجئے۔ دراصل بات وہی ہے کہ اصلاحی صاحب بھی حدیثی طور پر سحر زدہ ہیں اور کنفیوژ ہو کر اس قسم کے متضاد خیالات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اب دیکھئے اپنی کتاب کے تیسرے باب میں ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

"قرآن مجید میں دین و شریعت کے اصول بیان ہوئے ہیں جن کی حیثیت اساسات کی ہے اور حدیث ان کی شرح کرتی ہے"[1]

جبکہ اس سے پہلے صفحہ پر "قرآن مجید ہی امتیاز کی کسوٹی ہے" کے زیر عنوان وہ لکھ چکے ہیں کہ:

"قرآن مجید جس طرح ہماری زندگی کے ہر گوشہ میں حق و باطل میں امتیاز کے لئے کسوٹی ہے اسی طرح حدیث کے معاملے میں بھی اصلاً وہی امتیاز کی کسوٹی ہے"[2]

تو پھر فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر حدیث قرآن کی شرح ہے تو اس کو کسوٹی پر کس طرح پرکھا جا سکتا ہے؟ وہ تو خود کسوٹی ہوئی۔ معاذ اللہ (نیز یہاں پر یہ مان لیا کہ قرآن مجید میں دین و شریعت کے اصول بیان ہوئے ہیں۔ یعنی اصل دین و شریعت قرآن کریم ہی ہے۔ تو پھر دین و شریعت قرآن کریم کے باہر تو نہیں ہو سکتے! اگر (نام نہاد) حدیث کو شرح مان بھی لیا جائے تو بھی تو وہ شرح ہو گی اصل تو نہیں۔ اصل دین و شریعت تو قرآن کریم ہی میں ہے۔ آگے بھی سورہ المائدہ کی آیت ۴۸ کے تحت قرآن کریم کو "**مُهَيمِن**" یعنی کسوٹی مانتے ہوئے وہ فرماتے ہیں کہ:

"دین و شریعت کی ہر چیز کو قرآن مجید کی ترازو میں تولنا اور اس کسوٹی پر پرکھنا ہو گا یہ ایک عام کلیہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی حدیث کے باب میں بھی تردّد ہو گا تو وہ بھی اسی ترازو میں تولی جائے گی۔ اس کے لئے کوئی الگ کسوٹی نہیں ہے۔ قرآن بہر حال ہر چیز پر حاکم ہے"[3]

غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب کا بیان کیا ہے؟ وہ دین و شریعت کی ہر چیز کو بھی قرآن مجید کی ترازو میں تول رہے ہیں اور اس کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں! گویا کہ دین و شریعت ان کے نزدیک قرآن نہیں ہے بلکہ غیر قرآن ہے یعنی ظنّی چیز ہے۔ (نعوذ باللہ)۔ اور ان کے غیر قرآنی عقیدہ کا منہ بولتا ثبوت ان کا یہ جملہ ہے جو انہوں نے اسی تیسرے باب کے خلاصہ بحث میں لکھا ہے کہ:

"احادیث رسول کو دین کا درجہ حاصل ہے"[4]

تو قارئین جب عقیدہ ہی یہ ہو گا کہ دین و شریعت قرآن کے علاوہ ہے تو پھر ہر طرح کی پیچیدگی پیدا ہو گی اور ہر چیز کو کسوٹی پر پرکھنا ہو گا۔ کیا ان کے پاس کوئی قطعی الدلالت دلیل قرآن کریم سے ہے کہ "احادیث رسول کو دین کا درجہ حاصل ہے" اور دین قرآن میں مکمل نہیں ہوا ہے۔ دراصل امت مسلمہ میں ہر طرح کے افتراق کا سبب ہی یہ غیر قرآنی عقیدہ ہے کہ دین و شریعت قرآن کریم میں مکمل نہیں ہوا بلکہ سنت اور حدیث اور فقہ اور

[1] ایضاً۔ باب ۳۔ تدبر حدیث کے بنیادی اصول۔ ص ۴۸۔۔۔ [2] ایضا۔ ص ۴۷۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۴۹۔۔۔ [4] ایضاً۔ ص ۵۶

اجتہاد اور اجماع میں مکمل ہوا یا ان ذرائع سے اخذ کر کے مکمل کیا جائے گا۔ (نعوذ باللہ)۔ اگر (نام نہاد) احادیث رسول کو دین کا درجہ دے دیا جائے تو پھر تو دین ایک نہیں رہے گا بلکہ درجنوں یا سینکڑوں دین ن جائیں گے یونکہ ہر فرقہ اور ہر مسلک کی (نام نہاد) احادیث الگ الگ ہیں۔ ہم اس قسم کے غیر قرآنی عقیدہ سے اظہار برأت کرتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت دین ہی کا حصہ ہے اور دین اس کی الکتٰب ہی میں مکمل ہو گیا ہے اس کے باہر کچھ نہیں۔ (نام نہاد) احادیث ظنّی باتیں ہیں جو قرن اولیٰ کے بعد سازشی طور پر ڈھالی گئیں اور ان کو دین کا حصہ بنانے کی کوشش کی گئی۔ اگر ان میں کچھ صحیح احادیث تھیں بھی تو وہ بھی غلط اور موضوع کے ڈھیر میں مل گئیں

اب اصلاحی صاحب ہی کے فرمان کے مطابق "کہ دین و شریعت کی ہر چیز کو قرآن مجید کی ترازو میں تولنا اور اس کسوٹی پر پرکھنا ہوگا" ان کے عقیدہ کی روایت "**مثلهٗ و معهٗ**" ہی کو قرآن پر پرکھ لیجئے۔ کیا وہ قرآن کریم کی کسوٹی پر پوری اترتی ہے؟ کیا اس عقیدہ کے لئے قرآن مجید میں اس کی کوئی بنیاد ملتی ہے؟ یونکہ خود اصلاحی صاحب کے مطابق:

"کسی بات کے عقیدہ قرار پانے کے لئے قرآن مجید کے اندر اس کی بنیاد ہونی ضروری ہے"[1]

مثلِ قرآن اور اس کے ساتھ معہ کی بنیاد قرآن کریم میں کہاں ہے؟ کیا مثلِ قرآن بھی قرآن ہی ہے یا کتٰب اللہ ہے؟ کیا وہ بھی وحی ہے؟ کیا اسے بھی قرآن کی کسوٹی پر پرکھنا ہے؟ غرض یہ اور اس قسم کے اور سوالات ابھرنا فطری بات ہے۔ کیا ہے کسی کے پاس ان سوالات کا جواب؟

جی ہاں، قرآن کریم اس کا جواب دیتا ہے کہ قرآن کا مثل ہو ہی نہیں سکتا (۲۳۔ ۲/۲۴، ۱۷/۸۸) تو پھر یہ مثل کہاں سے آ گیا؟

غور کیجئے اوپر اصلاحی صاحب یہ فرما چکے ہیں کہ "احادیث رسول کو دین کا درجہ حاصل ہے" اب آگے ساتویں باب میں "روایت بالمعنیٰ اور اس کے بعض مضمرات" لکھتے ہوئے وہ یہ حقیقت تسلیم کرتے ہیں کہ اس (غیر قرآنی) دین کا بہت بڑا حصہ روایت بالمعنیٰ ہی کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے۔ دیکھئے ان کے الفاظ ہیں:

"ذخیرۂ احادیث کا بہت بڑا حصہ انہی روایات پر مشتمل ہے جو روایت باللفظ کے بجائے روایت بالمعنیٰ ہی کے ذریعے سے ہم تک پہنچی ہیں۔"[2]

گویا کہ ان کی روایت میں جہاں کہیں غلط معنیٰ سمجھے گئے ان میں دروغ برگردنِ راوی ہو گیا! نیز یہ روایت جب بالمعنیٰ ہو گئی اور باللفظ نہ رہی تو خود روایت، بالمثل نہ رہی! نہ کہ اس کو قرآنِ عظیم کے مثل قرار دے دیا گیا! کیا اس سے بڑا ظلم اور کوئی ہو سکتا ہے؟

آگے چند سطروں کے بعد خود موصوف ہی اس حقیقت کو مان لیتے ہیں کہ:

"قرآن و حدیث کے کام کی نوعیت میں بڑا فرق تھا۔ دین کے دونوں کے مقام اور حیثیت میں بھی بڑا فرق ہے"[3]

تو پھر دونوں ایک دوسرے کی مثل کیسے ہو گئیں؟ اس گتھی کو تو شاید کوئی کلامی ہی سلجھائے گا۔ آگے نویں

[1] ایضاً۔ باب ۷، ص ۱۱۱۔ [2] ایضاً، باب ۷، روایت بالمعنی اور اس کے بعض مضمرات ص ۱۰۰۔ [3] ایضاً، ص ۱۰۱

باب کے خلاصہ میں وہ اس بے حیثیت حدیث کو سنت کا ریکارڈ بھی قرار دے دیتے ہیں، دیکھئے ان کے الفاظ ہیں:

"سنت رسول کے جاننے کے ذرائع میں حدیث کی روایت خاص اہمیت رکھتی ہے حدیث کی حیثیت سنت کے ریکارڈ کی ہے"[1]

جبکہ وہ اپنی کتاب کے آغاز میں یہ فرما چکے ہیں کہ:

"سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے جن میں صدق و کذب، دونوں کا احتمال ہوتا ہے"[2]

کہیئے اب ان کے کس عقیدہ کو آپ صحیح مانتے ہیں؟ اس کو جس میں صدق و کذب دونوں کا احتمال ہے یا اس کو جو قطعی الدلالۃ چیز ہے۔ آپ ہمیں جواب نہ دیں، نہ ہی آپ کا جواب ہم تک پہنچے گا۔ آپ تو اسے جواب دیں جس نے قطعی الدلالۃ چیز نازل کی اور صرف وہی آپ پر فرض واجب کی۔ (۲۸/۸۵)

قارئین اصلاحی صاحب کے عقائدی تضادات کچھ طول کھینچ گئے، جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں مگر آگے بڑھنے سے پہلے ہم ان کے چیدہ چیدہ عقائدی جملے یکجا کر کے آپ کے سامنے پیش کر دیتے ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ وہ بھی (نام نہاد) حدیث ہی کے سحر زدہ ہیں اور اصل میں اہل حدیث ہی ہیں اور (نام نہاد) احادیث ہی کا دفاع گھما پھرا کر کر رہے ہیں۔ (گو کہ چند احادیث کا انکار بھی کر دیا ہے)۔ ان کے یہ جملے کسی سیاق و سباق کے بغیر بھی پُر معنی ہیں، گویا کہ انہوں نے کوزہ میں دریا بند کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

★۔ حدیث اور سنت کو لوگ عام طور پر بالکل ہم معنی سمجھتے ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ (ص۱۹)[3]

★۔ حدیث اور سنت میں آسمان و زمین کا فرق اور دین میں دونوں کا مرتبہ و مقام الگ الگ ہے (ص۱۹)

★۔ احادیث رسولؐ کو دین کا درجہ حاصل ہے (ص۵۶)

★۔ سنت کا تمام تر تعلق عملی زندگی سے ہے، یعنی ان چیزوں سے جو کرنے کی ہیں۔ وہ چیزیں اس کے دائرہ سے الگ ہیں جو محض عقائدی اور علمی نوعیت کی ہیں (ص۲۸)

★۔ سنت مثل قرآن ہیں۔ سنت اپنے ثبوت میں بھی ہم پایۂ قرآن ہے۔ اس لئے کہ قرآن امت کے قولی تواتر سے ثابت ہے اور سنت عملی تواتر سے۔ ہم ان دونوں کو مقدم مؤخر نہیں کر سکتے اور کسی کو ادنیٰ و اعلیٰ نہیں قرار دے سکتے (ص۳۵)

★۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر قرآن نہ ہو تو سنت کیا کرے گی؟ اس کی عمارت کس چیز پر استوار ہو گی؟ سنت کی اساس تو بہر حال قرآن مجید ہی ہے۔ اس کے بغیر سنت کھڑی نہیں ہو سکتی۔ (ص۳۸)

★۔ جس طرح قرآن قولی تواتر سے ثابت ہے اسی طرح سنت امت کے عملی تواتر سے ثابت ہے (ص۲۸)

★۔ ایک ہی معاملے میں سنت مختلف بھی ہو سکتی ہے۔ (ص۳۰)

★۔ یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ہر حکم کے فہم کے لئے سنت کی ضرورت ہے (ص۳۴)

★۔ سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں ہے، جن میں صدق و کذب، دونوں کا احتمال ہوتا ہے (ص۲۸)

[1] ایضاً باب ۹۔ وضع حدیث کے محرکات خلاصہ بحث ص۱۴۲۔۔ [2] ایضاً۔ باب ۱۔ حدیث اور سنت میں فرق۔ سنت کی بنیاد احادیث پر نہیں۔ ص۲۸۔۔۔ [3] یہ حوالجات ان کی کتاب "مبادی تدبر حدیث" کے ہیں

★۔ احادیث رسولؐ کو دین کا درجہ حاصل ہے (ص ۵۶)

★۔ سنت رسولؐ کے جاننے کے ذرائع میں حدیث کی روایت خاص اہمیت رکھتی ہے۔ حدیث کی حیثیت سنت کے ریکارڈ کی ہے (ص ۱۴۲)

★۔ جہاں تک حدیث کا تعلق ہے اس میں ضعف کے اتنے پہلو موجود ہیں کہ اس کا قرآن جیسی قطعی الدلالۃ چیز کو منسوخ کر دینا بالکل خلاف عقل ہے (ص ۴۰)

★۔ ذخیرہ احادیث کا بہت بڑا حصہ انہی روایات پر مشتمل ہے جو روایت باللفظ کے بجائے روایت بالمعنی ہی کے ذریعہ سے ہم تک پہنچی ہیں (ص ۱۰۰)

★۔ قرآن و حدیث کے کام کی نوعیت میں بڑا فرق تھا۔ دین میں دونوں کے مقام اور حیثیت میں بھی بڑا فرق ہے (ص ۱۰۱)

★★۔ قرآن سنت ہی سے واضح ہوتا ہے اسی لئے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اِنِی اوتیت القراٰن و مثلَهٗ مَعَهٗ'' (آگاہ رہو' میں قرآن دیا گیا ہوں اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی) پس جس طریقہ سے قرآن واجب ہے اسی طریقہ سے سنت بھی واجب ہے (ص ۲۶)

★★۔ احادیث رسولؐ کو دین کا درجہ حاصل ہے (ص ۵۲)

★★۔ کسی بات کے عقیدہ قرار پانے کے لئے قرآن مجید کے اندر اس کے بنیاد ہونی ضروری ہے (ص ۱۱۱)

★★★۔ قرآن مجید جس طرح ہماری زندگی کے ہر گوشہ میں حق و باطل میں امتیاز کے لئے کسوٹی ہے اسی طرح حدیث کے معاملے میں بھی اصلاً وہی امتیاز کی کسوٹی ہے (ص ۴۷)

★★★۔ قرآن مجید میں دین و شریعت کے اصول بیان ہوئے ہیں جن کی حیثیت اساسات کی ہے اور حدیث ان کی شرح کرتی ہے (ص ۴۸)

★★★۔ دین و شریعت کی ہر چیز کو قرآن مجید کی ترازو میں تولنا اور اس کسوٹی پر پرکھنا ہو گا۔ یہ ایک عام کلیہ ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی حدیث کے باب میں بھی تردّد ہو گا تو وہ بھی اسی ترازو میں تولی جائے گی۔ اس کے لئے کوئی الگ کسوٹی نہیں ہے۔ قرآن بہرحال ہر چیز پر حاکم ہے۔ (ص ۴۹)

اصلاحی صاحب اپنی دوسری کتاب ''مبادئ تدبّر قرآن'' میں فرماتے ہیں:

●۔ حدیث سر تا سر فہم قرآن ہے (ص ۱۶۷)

●۔ تاہم حدیث کی حیثیت اصل کی نہیں، فرع کی ہے، اصل قرآن مجید ہی ہے۔ وہ جس طرح تمام کتبِ سابقہ کے لئے کسوٹی ہے اسی طرح تمام کتبِ مابعد کے لئے بھی کسوٹی ہے۔ اگر کسی روایت اور آیت میں تعارض ہو گا تو آیت کی تاویل نہیں کی جائے گی، روایت کی تاویل کی جائے گی، آیت اپنی جگہ پر بدستور قائم رہے گی۔ (ص ۱۶۷)

یہ تمام مختلف النوع باتیں اور عقائد، اصلاحی صاحب کے جب ہیں، جبکہ وہ قرآن مجید کو محل تدبّر مانتے ہوئے موّطا کی ایک روایت (ان عبد الله بن عمر مكث علىٰ سورة البقرة ثمانى سنين تيعلمها عبد الله

بن عمرؓ مسلسل آٹھ برس تک سورۂ بقرہ پر تدبر فرماتے رہے)[1] پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ مانتے ہیں کہ عبد اللہ بن عمرؓ نے اتنا تدبر جب کیا جبکہ:

''اس آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب تھی جس کا علم و عمل اور جس کا درس و مطالعہ ان کی تمام زندگی اور زندگی کے تمام ولولوں اور حوصلوں کا مرکز تھا۔ تاہم آپ نے دیکھا کہ وہ قرآن مجید کی ایک ایک سورہ پر آٹھ آٹھ برس تدبر فرماتے تھے''۔[2]

گویا کہ اس طرح سے، اصلاحی صاحب نے یہ حقیقت، بادل نخواستہ، مان لی کہ اس وقت یعنی قرنِ اولیٰ میں آسمان کے نیچے صرف ایک ہی کتاب تھی یعنی صرف قرآن کریم ہی تھا اور (نام نہاد) حدیث و فقہ کی کتابوں کا کوئی وجود نہیں تھا۔ تو پھر یہ سوال فطری طور پر ابھرتا ہے کہ جب اللہ کے رسول سلامٌ علیہ نے سوائے ایک کتاب اللہ کے کچھ نہیں دیا اور نہ ہی صحابہ کبارؓ نے کچھ دیا تو پھر (نام نہاد) احادیث کی کتابیں کہاں سے آ گئیں جنہیں اصلاحی صاحب دین کا درجہ دے رہے ہیں۔ (معاذ اللہ)

پس ثابت ہوا کہ دین و شریعت تو صرف ایک ہی کتاب یعنی قرآن مبین میں تھا اور ہے اس کے ساتھ دوسری کتابیں شریک نہیں کی جا سکتیں۔ جس طرح اللہ کے حکم کے ساتھ کسی کا حکم شریک نہیں کیا جا سکتا اسی طرح اللہ کی کتاب کے ساتھ کسی کی کتاب (یا اس کا حصہ) شریک نہیں کیا جا سکتا۔ اللہ کی کتاب اس کا کلام ہے اور اس کا کلام اس کی صفت ہے۔ اور کلام اللہ کے ساتھ کلام غیر اللہ شریک نہیں کیا جا سکتا یونکہ یہ اس کا معجزہ ہے، یعنی دوسرے اس جیسی کتاب بنانے سے عاجز ہیں، تو اس کی صفت میں بھی کوئی شریک نہیں ہو سکتا ورنہ یہ شرک فی الصفت ہوگا اور شریک کرنے والا مشرک۔ اور مشرک کے لئے جہنم ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اور اس کی کتاب کو سہارے کی ضرورت نہیں کہ اس حدیث و فقہ کی بیساکھیوں پر چلایا جائے۔ اللہ کی کتاب ''مُبِین'' ہے اسے کسی اور بیان (شرح و توضیح) کی ضرورت نہیں ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن مبین بغیر حدیث و فقہ کے سمجھ نہیں آ سکتا وہ غلطی پر ہیں بلکہ وہ غیر قرآنی عقیدہ رکھتے ہیں۔ قرآن کو خود اس کے نازل کرنے والے نے ''مُبِین'' بنایا ہے (۱/۱۵)۔ اس لئے اسے سمجھنے کے لئے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں۔ پڑھنے والے کو خود غور کرنا پڑے گا، فکر و تدبر کرنا پڑے گا (۲۴/۴۷)۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو (نام نہاد) حدیث صرف تائید میں پیش کرتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں اور غیر قرآنی عقیدہ رکھتے ہیں یونکہ تائید میں قطعی الدلالۃ چیز کی جاتی ہے نا کہ ظنّی! رویّہ یہ ہونا چاہئے کہ اگر کوئی (نام نہاد) حدیث پیش کرے تو اس سے کہا جائے کہ هَاتُوا بُرهَانَكُم (۲۴/۲۱) لاؤ تائید میں اللہ کا فرمان پیش کرو۔ ورنہ اس کی بات ردّ کر دی جائے اور اسے قابل اعتبار نہ سمجھا جائے یونکہ وہ اللہ کے دین کے ساتھ خیانت کرتا ہے اور رسول پر بہتان لگاتا ہے کہ انہوں نے قرآنی احسن الحدیث کے علاوہ بھی حدیث پیش کی! جہاں تک دین یعنی قرآن کے علاوہ ان کے حاکم وقت کی حیثیت سے فیصلوں کا تعلق ہے، یا ایک شوہر کی حیثیت سے ازواج مطہرات سے رویّہ کا تعلق ہے، یا ایک باپ کی حیثیت سے اولاد سے رویّہ کا تعلق ہے یا انسانی معاشرہ کے ایک فرد کی حیثیت سے دیگر کام انجام دینے اور رویّہ کا تعلق ہے تو وہ

[1] ''موطا امام مالک''۔ مَا جَآءَ فِی القرآن ۔۔۔ [2] ''مبادئ تدبر قرآن''، باب ۳ تیسیر قرآن، ص ۱۲۳

معاملاتی نظائر ہیں، بالخصوص اس وقت، اس ماحول و معاشرہ کے مطابق۔ آج بھی اگر ویسے حالات ہوں تو اسی طرح عمل کیا جاسکتا ہے۔ مگر وہ دین و شریعت نہیں۔ دین و شریعت تو صرف قرآن مبین ہے اور وہ خود اس پر عمل کرتے تھے۔ جہاں تک فرائض پر عمل کرنے کا تعلق ہے تو وہ ہم تک تواتر عمل سے پہنچ رہا ہے۔ اس لئے اب کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ ہمیں صرف قرآن ہی کافی ہے (۲۹/۵۱) (حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ)

تاریخی اعتبار سے معاملات میں رسول اللہ ﷺ کے جو نظائر ملتے ہیں ان میں اگر اختلاف نہ بھی ہو تب بھی انہیں پرکھنا تو پڑے گا اور انہیں پرکھنے کے لئے اصلاحی صاحب نے چھ بنیادی اصول دیئے ہیں:

"۱۔ "کوئی روایت جس کو اہلِ ایمان اور اصحاب معرفت کا ذوق قبول کرنے سے اباء کرتا ہے وہ قبول نہیں کی جائے گی۔

۲۔ جو شاذ روایت عملِ معروف کے خلاف ہو گی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔

۳۔ کوئی روایت جو کسی پہلو سے قرآن مجید کے خلاف ہو گی قبول نہیں کی جائے گی۔

۴۔ جو روایت سنت معلومہ کے خلاف ہو گی وہ قبول نہیں کی جائے گی

۵۔ جو روایت عقل کلّی کے فیصلوں کے خلاف ہو گی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔

۶۔ جو روایت دلیل قطعی کے خلاف ہو گی وہ قبول نہیں کی جائے گی۔"[۱]

اصلاحی صاحب نے یہ کسوٹیاں اپنے سلف خطیب بغدادی کی اصولِ حدیث پر لکھی گئی کتاب "الکفایة فی علم الروایة" سے مستنبط کی ہیں۔ یونکہ ان کے نزدیک یہ کتاب امہاتِ فن میں شامل ہے اور اصول حدیث میں سب سے اہم کتاب یہی ہے۔ یونکہ غالباً پہلے کے ائمہ فنِ حدیث نے اس قسم کی کتابیں نہیں لکھیں تھیں۔ حد تو یہ ہے کہ امام المحدثین بخاری کی روایات کو جانچنے اور پرکھنے کی کیا کسوٹیاں تھیں یہ انہوں نے خود اپنی کسی کتاب میں نہیں لکھا البتہ لاکھوں (نام نہاد) احادیث کا انکار کر کے انہیں ردّ کر دیا! اس بات کا کیسے یقین ہو کہ انہوں نے جو (تقریباً) چھ لاکھ (نام نہاد) احادیث ردّ کر دی تھیں ان میں کوئی بھی صحیح نہیں تھیں؟

بہر حال یہ چھ کی چھ کسوٹیاں بہت عمدہ ہیں۔ ہم ان سے متفق ہیں سوائے اس کے کہ قرآن سے پرکھنے کی کسوٹی کو بجائے نمبر تین کے نمبر ایک پر ہونا چاہئے۔ یونکہ اصل میں تو قرآن مجید ہی امتیاز کی کسوٹی ہے اور وہی حاکم ہے، وہی امام ہے۔ مگر افسوس کہ اصلاحی صاحب قرآن کو امتیاز کی کسوٹی ماننے کے باوجود اس پر عمل پیرا نہیں ہیں۔ بلکہ وہ (نام نہاد) احادیث کے معاملے میں سحر زدہ ہی ہیں مثلاً "روایت بالمعنیٰ میں غلطی کا احتمال" کے زیر عنوان انہوں نے صحیح بخاری شریف کی ایک (نام نہاد) حدیث (جو کہ سونے کے وقت کی مشہور دعا بتار ہی ہے) پیش کی ہے اس کے شروع کے الفاظ ہیں:

"حضرت براء بن عازبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم اپنی خواب گاہ میں جانے کا ارادہ کرو تو وضو کرو جس طرح نماز کے لئے وضو کرتے ہو پھر اپنے دائیں پہلو پر لیٹ جاؤ اور یہ دعا کرو ......"[۲] (صحیح البخاری، کتاب الدعوات، باب اذا بات طاہراً)

---

[۱]۔ "مبادئ تدبّر حدیث" باب ۴ حدیث کے غثّ و سمین میں امتیاز کیلئے اساسی کسوٹیاں۔ ص ۷۵۔ [۲]۔ ایضاً۔ باب ۷۔ ص ۱۰۶۔۱۰۷

جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرمارہے ہیں کہ:

"اے ایمان لانے والو جب تم صلوٰۃ کے لئے کھڑے ہو تو (وضو کر لیا کرو)" (۵/۶)

قارئین غور کیجئے کہ قرآن کریم تو صرف صلوٰۃ کے لئے وضو کرنے کا حکم دے رہا ہے مگر رسولؐ خواب گاہ میں جانے کے لئے بھی وضو کا حکم دے رہے ہیں تو کیا یہ (نام نہاد) حدیث قرآن کے مطابق ہوئی یا اس سے سبقت لے گئی! کیا نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ صلوٰۃ کے لئے وضو کرنے کا بتاتے ہوئے خواب گاہ کا کہنا بھول گئے تھے؟ (اور اسی طریقے سے قرآن کریم کے علاوہ بھی احکام ڈھالے گئے اور پھر قرآن کو نامکمل اور مجمل قرار دیا گیا اور دین و شریعت کو قرآن کے علاوہ (نام نہاد) حدیث میں بھی موجود قرار دیا گیا اور اس طرح دین الٰہی کے بجائے ایک ماخذ، قرآن، کے دو ماخذ قرار دیئے گئے۔ معاذ اللہ یہ تھی عجمی و پارسی سازش)

خود اصلاحی صاحب "**حدیث و سنت قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتیں**" کے زیر عنوان قرآن کریم ہی کے حوالہ سے مانتے ہیں کہ:

"پیغمبر ﷺ کو یہ حق سرے سے حاصل ہی نہیں تھا کہ آپ قرآن کے کسی حکم میں سرِ مُو تبدیلی کر سکیں۔ چنانچہ قریش نے جب یہ مطالبہ کیا کہ جب تک آپ قرآن میں تبدیلی نہیں کریں گے اس وقت تک وہ اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ان کو آپ کی زبانی یہ جواب دلوایا گیا:

قُلْ مَا يَكُونُ لِيٓ أَنْ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلْقَآئِ نَفْسِيٓ ۚ

کہہ دو، مجھے کیا حق ہے کہ میں اس میں اپنے جی سے ترمیم کر دوں (یونس۔ آیت ۱۵)"[۱]

مگر افسوس کہ اصلاحی صاحب نے یہاں رسول اللہ سلامؐ علیہ کی ترمیم، حکم الٰہی میں، مان لی۔ اعوذ باللہ، اسی لئے ہم انہیں اہل حدیث ہی مانتے ہیں۔ اور وہ بھی سحر زدہ کہ خود اپنے ہی لکھے کے خلاف کرتے ہیں!

اوپر بیان کردہ چھ امتیازی کسوٹیوں کے بعد، روایت کی سند کو بھی اہمیت دی جاتی ہے اس سلسلہ میں اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ:

## "روایت کی جانچ کے لئے سند صرف ایک کسوٹی ہے:

سند کو کسی حدیث کے صدق و کذب کے فیصلہ میں ایک اہم، بلکہ اوّلین عامل کی حیثیت حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی حدیث کی تحقیق کے لئے سب سے پہلے اس کی سند پر نظر پڑے گی اور اس کے متن پر غور کرنے سے پہلے اس کی جانچ کرنا پڑے گی۔ اس جائزے کی روشنی میں اس روایت کا درجہ متعین کیا جائے گا۔

سند کی اس اہمیت سے انکار کی کسی کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن حدیث کے بعض غالی حامیوں کا یہ خیال ہے کہ کسی حدیث کی صحت کے ثبوت کے لئے مجرّد اس کی سند کا علم اصول کے معیار پر پورا ہونا کافی ہے۔ یعنی ان کے نزدیک صحتِ حدیث کے لئے صرف سند کی صحت اور اس کا قابل اعتماد ہونا فیصلہ کُن امر ہے۔ ہمارے نزدیک ان کا یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ یہ غلو پر مبنی اور محض حسن ظن ہے............

---

[۱] ایضاً۔ باب ۲۔ ص ۴۰

سند کے تمام محاسن، لطائف، عظمت، اہمیت اور اس کے مطابق معیار ہونے کے باوجود اس میں بعض ایسے فطری خلارہ جاتے ہیں جن کی تلافی کے لئے ضروری ہے کہ حدیث کی صحت کو جانچنے کے لئے سند کے سوا بعض دوسرے طریقے بھی اختیار کئے جائیں۔ مجرد سند پر اعتبار کر کے کسی روایت کی صحت اور حسن وقبح کے متعلق پوری طرح سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا"[1]۔

جب کہ ہمارے موصوف (مسعود احمد صاحب) سند کو پرکھنے اور راوی کی ثقاہت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"سند یا اسناد کے پرکھنے سے مراد یہ ہے کہ حدیث کے سلسلۂ سند میں جو راوی ہیں ان کو دیکھا جائے کہ وہ معتبر ہیں یا غیر معتبر، ہر راوی اپنے استاد سے ملا ہے یا نہیں[2]۔ اگر خلا ہے تو کیا اس سے براہ راست حدیث سنی ہے یا نہیں۔

معتبر راوی کو ثقہ یا عادل کہتے ہیں

غیر معتبر راوی کو ضعیف کہتے ہیں

راوی کی ثقاہت کے سلسلہ میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ سچّا ہے یا جھوٹا، اگر سچا ہے تو قوی الحافظہ ہے یا ضعیف الحافظہ، اگر قوی الحافظہ ہے تو کیا ساری عمر وہ قوی الحافظہ ہی رہا یا بعد میں اس کا حافظہ خراب ہو گیا، اگر بعد میں حافظہ خراب ہو گیا تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اُس نے حدیث زیر مطالعہ کو حافظہ خراب ہونے سے پہلے بیان کیا تھا یا بعد میں، مجہول الحال تھا یا معروف الحال، اپنے استاد سے اُس کی ملاقات ہوئی تھی یا نہیں، اس کے عقائد خالصتاً اسلامی تھے یا غیر اسلامی، اس کا تعلق کسی خاص فرقے سے تھا یا نہیں، وہ کسی بدعت کا موجد تو نہیں تھا، وہ کسی بدعت پر عمل کرتا تھا یا نہیں، وہ با عمل تھا یا نہیں، اس کے اعمال سنت کے مطابق تھے یا نہیں، غرض یہ کہ اگر اس میں تمام خوبیاں موجود ہوں تو وہ ثقہ ہو گا۔ اگر اس میں تمام خوبیاں موجود نہ ہوں تو وہ ضعیف ہو گا۔

سلسلہ سند کے اگر تمام راوی ثقہ ہوں اور ہر راوی نے اپنے استاد سے سن کر حدیث روایت کی ہو تو ان کی بیان کردہ حدیث صحیح ہو گی۔ اگر سلسلۂ سند میں ایک راوی بھی ضعیف ہو تو اس کی بنیاد کردہ حدیث ضعیف ہو گی۔"[3]

غور کیجئے کہ یہ اس راوی بلکہ راویوں کے بارے میں معلومات حاصل کی جارہی ہیں جنہیں مرے ہوئے بھی عرصہ ہو چکا ہوتا تھا۔ تو کیا یہ تمام معلومات مل جانا ممکن ہوتا تھا؟ ہم تو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ زندوں کے لئے بھی یہ معلومات حاصل ہو جانا ممکن نہیں جب تک آپ کا ان سے سابقہ نہ پڑے، کوئی معاملہ نہ ہو۔ چہ جائیکہ مرے ہوئے کے بارے میں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ صد فی صد صحیح معلومات مل جائے۔ دور کیوں جاتے ہیں ابھی حال ہی کی بات ہے کہ بانی پاکستان محمد علی جناح (وفات ۱۹۴۸ء) کی جائے پیدائش کے بارے میں لوگ متفق نہیں کہ وہ کراچی میں

---

۱۔ ایضاً۔ باب ٦۔ سند کی عظمت اور اس کے بعض کمزور پہلو۔ ص ۹۱۔ ۹۲۔۔ ۲۔ قارئین غور کریں کہ استاد سے بغیر ملے بھی استادی۔ شاگردی ہو جاتی تھی! اور پھر (نام نہاد) حدیث آگے بڑھتی تھی! کہئے ہے نا عجیب فَن!۔۔۔ ۳۔ رسالہ "اصولِ حدیث" مرتبہ مسعود احمد صاحب بی ایس سی، امیر جماعت المسلمین۔ اشاعت اول ۱۹۹۳ء ص ۷

پیدا ہوئے تھے یا سندھ کے قصبہ جھرک ٹھٹہ میں! اسی طرح سے کچھ لوگ ان کی زندگی کے کسی پہلو کے بارے میں ایک بات کرتے ہیں جبکہ کچھ دوسرے لوگ اس سے بالکل متضاد یا اختلافی بات کرتے ہیں۔ اب کیسے معلوم ہو کہ کون سچ کہہ رہا ہے جبکہ دونوں ہی ہر لحاظ سے معتبر ہیں۔ آج تک یہی صحیح پتہ نہ چل سکا کہ ان کا تعلق فرقہ شیعہ خوجہ اثناء عشری سے تھا یا فرقہ دیوبند سے (یونکہ پاکستان بننے کے بعد عید کی نماز پڑھتے ہوئے فوٹو میں وہ جناب شبیر احمد عثمانی دیوبندی کے پیچھے ہاتھ باندھے نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ ان کی بہن کہتی تھیں وہ آغا خانی سے اثناء عشری ہو گئے تھے)! یہی حال اس زمانے کے راویوں کا تھا جو کہ خود اصلاحی صاحب نے خطیب بغدادی کی کتاب "الکفایۃ فی علم الروایۃ" سے (بغیر کسی مزید حوالے کے) نقل کیا ہے

(۱) "مدینہ کے شیوخ مین سے ابو سلیمان، ربیعہ بن ابو عبد الرحمان سے روایت کرتے ہیں کہ:

ہمارے بھائیوں میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ہم مستجاب الدعوات سمجھتے ہیں لیکن ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کسی معمولی معاملے میں بھی گواہی دیں توان کی گواہی قابل اعتماد نہیں "[۱]۔

(۲) "یحییٰ بن سعید کا ارشاد ہے کہ:

میں نے صالحین کو درباب حدیث جتنے شدید فتنہ کا سبب پایا ہے اتنا کسی دوسری چیز میں نہیں پایا۔ "[۲]

(۳) "مشہور محدث یحییٰ بن سعید القطان کا ارشاد ہے:

ایسے لوگ بھی ہیں جن پر ایک لاکھ (درہم) کے معاملے میں تو اعتماد کر سکتا ہوں، لیکن ایک حدیث کے معاملے میں بھی ان پر اعتماد نہیں کرتا "[۳]

(۴) "ابن ابی الزناد اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ:

میں نے مدینہ میں سو آدمی ایسے پائے ہیں جو یوں تو ہر پہلو سے قابلِ اطمینان ہیں، لیکن ان سے روایت نہیں لی جاتی کہ وہ روایت حدیث کے اہل نہیں "[۴]۔

(۵) "امام مالکؒ کا ارشاد ہے کہ:

میں ان ستونوں (مسجد نبوی کے ستونوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے پاس ستر آدمیوں سے ملا ہوں جو نبی ﷺ سے منسوب کر کے روایت کرتے تھے۔ لیکن میں نے ان میں سے کسی سے روایت نہیں لی۔ اگرچہ ان میں ایسے لوگ تھے کہ اگر وہ بیت المال کے امین بنائے جاتے تو وہ اس کے اہل ثابت ہوتے لیکن وہ روایت حدیث کے اہل نہیں تھے "[۵]۔

(۶) "امام مسلمؒ نے بھی اپنی صحیح کے مقدمہ میں اہل مدینہ کے ایسے صالحین[۶] کا ذکر کیا ہے جن کے متعلق ان کا ارشاد ہے کہ: جری الکذب علی السِنتھم '(جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری ہو گیا ہے[۷]۔

---

۱۔ مبادئ تدبر حدیث، باب ۹۔ وضع حدیث کے محرکات۔ ص ۱۳۲ ۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۳۳ ۔۔۔ ۳۔ ایضاً، ص ۱۳۳ ۔۔۔ ۴۔ ایضاً، ص ۱۳۳ ۔۔ ۵۔ ایضاً، ص ۱۳۴ ۔۔۔ ۶۔ اس زمانے کے صالحین کا یہ حال تھا! اور آج ایک جماعت کے صالحین کا حال دیکھ لیجئے، روز اخبارات ان کے لیڈروں کے جھوٹے سچے فسادی بیانات سے بھرا ہوتا ہے۔ اور کہیں نہ کہیں کسی نہ کسی شہر میں سڑک پر وہ کوئی احتجاج کر رہے ہوتے ہیں! ۔۔۔ ۷۔ ایضاً، ص ۱۳۴

غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب نے کس خوبصورتی سے اس زمانے کے رواۃِ حدیث کی اصلیت صرف چند مثالیں دے کر، بے نقاب کر دی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے سند کے اور خلا کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر اس سے زیادہ اہم بات وہ یہ لکھ گئے ہیں کہ:

''یہاں یہ نکتہ نہایت اہم اور قابل توجہ ہے کہ اس زمانہ میں حدیث کے طالب علموں کو جملہ رواۃِ حدیث کے بارے میں جرح و تعدیل کے لئے بہر حال سلف کی تحقیقات پر ہی قناعت کرنی پڑے گی اور مجرّد انہی کی تحقیقات کی کسوٹی پر کسی سند کے راویوں کا درجہ متعین کیا جائے گا۔ چنانچہ اب کسی حدیث کی سند کو متقدمین کی فراہم کردہ انہی معلومات کی روشنی میں جانچا پرکھا جائے گا۔ اس لئے کہ ذرائع تحقیق مرورِ زمانہ سے، اب معدوم ہو چکے ہیں''[1]۔

قارئین غور کیجئے، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اصلاحی صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اہل فقہ کی طرح چوتھی صدی کے بعد جس طرح فقہی اجتہاد کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے اسی طرح اہل حدیث کے ہاں چوتھی صدی کے بعد سے حدیثی جرح و تعدیل میں تحقیق کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو گئے ہیں چنانچہ جو سلف محدثین فیصلہ کر گئے ہیں بس وہی ماننا ہے اور مزید کوئی تحقیق نہیں کرنا ہے! مگر ہم اس سے متفق نہیں ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ نہ تو فقہی اجتہاد کے دروازے بند ہوئے ہیں اور نہ ہی حدیثی تحقیق کے دروازے بند ہوئے ہیں آپ آج بھی کسی (نام نہاد) حدیث کو قرآن مبین کے خلاف پا کر فوراً رد کر سکتے ہیں مثلاً اصلاحی صاحب نے ''ذخیرۂ روایات کے غالب حصہ کو بالمعنیٰ روایت پر مبنی''[2] ماننے کے باوجود اس کو صحیح قرار دینے کی کوشش میں ایک انتہائی غلط روایت بحوالہ **الكفاية فى علم الرواية** ۔ از خطیب بغدادی لکھ دی ہے، ملاحظہ ہو:

''ابو سعید سے روایت ہے کہ:

**كنا نجلس الى النبى صلى الله عليه و سلم عسٰى ان تكون عشرة نفر نسمع الحديث فما منّا اثنان يؤديانه غير ان المعنى واحد۔**

ہم نبی ﷺ کی خدمت میں حدیث سننے کے لئے بیٹھتے تھے۔ بسا اوقات دس دس حدیث سنتے تھے، لیکن دو بھی ایسے نہیں ہوتے تھے جو حدیث کو بعینہ انہی الفاظ میں نقل کر سکیں البتہ سب کی روایت کا مفہوم ایک جیسا ہوتا تھا''[3]۔

قارئین غور کیجئے! اس روایت کو ہم سنتے کے ساتھ ہی بکواس کہہ کر ردّ کر دیتے ہیں یونکہ یہ قرآن مبین کے سراسر خلاف ہے اس طرح سے کہ قرآن مبین تو ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ تو آیاتِ الٰہی سناتے تھے (**يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ** ۔ ۲/ ۱۲۹ ، ۱۵۱ / ۲ ، ۱۶۴ / ۳ ، ۵۹ / ۲۸) قرآن کریم نے ایک جگہ بھی کہیں اشارتاً بھی نہیں کہا کہ وہ آیات کے علاوہ یا آیات کے ساتھ (نام نہاد) احادیث سناتے تھے۔ اس لئے یہ روایت سراسر جھوٹ، بہتان عظیم اور بکواس ہے۔ اس کا راوی کوئی جھوٹا، سازشی ہے اور اس روایت کو صحیح ماننے والے اور لکھنے والے کی عقل پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ یا تو وہ سحر زدہ تھا یا سازشیوں کا شکار! کیا کبھی کسی نے یہ سوچا کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ درس

---

[1] ایضاً باب ۲۔ ص ۹۱ --- [2] ایضاً۔ باب ۷۔ ص ۱۰۲ --- [3] ایضاً۔ ص ۱۰۴

بخاری و مسلم دیتے تھے کہ حدیثیں سنائیں؟ کیا ان کے پاس ساری احادیث کا خزانہ موجود تھا؟ کیا وہ بھی بخاری و مسلم وغیرہ کی طرح فقہی ابواب گھڑ گھڑ کر حدیثیں سناتے تھے؟ کیا وہ ایک ہی حکم کے تحت مختلف سنتیں سناتے تھے؟ کیا ان کے پاس اتنا وقت ہوتا تھا کہ قرآن کریم کی آیات سنانے کے علاوہ وہ (نام نہاد) احادیث بھی سنائیں اور حکمرانی بھی کریں، جنگیں بھی لڑیں اور دیگر دنیاوی امور بھی نمٹائیں، فیصلے بھی کریں، خاندانی حقوق بھی ادا کریں..................
اسی کو کہتے ہیں اہل حدیث ذہن پرستی کہ سلف نے جو کچھ لکھ دیا وہ اصلاحی صاحب نے بھی صحیح مانتے ہوئے نقل کر دیا! حالانکہ وہ خود "مبتدعین کی طرف سے تخریبِ دین کی کوشش" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"وضع حدیث کے فتنہ سے سب سے زیادہ فائدہ ان گمراہ فرقوں نے اٹھایا جو مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ مثلاً خوارج، شیعہ اور مرجئہ وغیرہ۔ ان کے مقاصد سیاسی بھی تھے جن کی وجہ سے بعض شخصیات کے حق میں یا ان کے خلاف ان کو پروپیگنڈے کے لئے مواد درکار تھا اور یہ عامۃ المسلمین سے کئی معاملات مین عقائدی اختلاف بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے جب اپنی ضلالتوں کو دین بنانا چاہا تو ان کے پاس کوئی آسان راستہ نہیں تھا۔ لہٰذا انہوں نے بے تحاشا روایتیں گھڑیں اور پھیلائیں تاکہ اپنی ضلالت کو دین ثابت کریں۔ براہ راست قرآن مجید سے اپنی بدعتوں کو دین ثابت کرنا تو ان کے لئے ممکن نہیں تھا، اس وجہ سے انہوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ جس بات کو رائج کرنا چاہا اس کو ایک حدیث کی شکل دے دی۔ اور وہ بڑی آسانی سے زبانوں پر چڑھ گئی، اس لئے کہ حدیث کے نام سے کسی گمراہی کو پھیلانا آسان تھا۔"[1]

غور کیجئے کہ ہم آپ کو پہلے سے بتاتے چلے آرہے ہیں کہ عجمیوں، پارسیوں اور مجوسیوں نے قرآن کریم کے خلاف (نام نہاد) احادیث کے ذریعہ سازش کی اور اب وہی بات اصلاحی صاحب نے فرقوں پر ڈال کر کہہ دی۔ حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ فرقے تو مسلمین میں بنے ہی اس سازش اور (نام نہاد) احادیث کی وجہ سے پھر دانستہ یا نادانستہ طور پر وہ جڑیں پکڑتے گئے اور (نام نہاد) احادیث سے فائدہ اٹھاتے رہے اور گمراہی پھیلاتے رہے۔ اور مزید فرقے بناتے رہے!
آگے اصلاحی صاحب اس حقیقت کو "مبتدعین کے مقابل میں ائمۂ فن کی روش" کے زیر عنوان اس طرح مانتے ہیں کہ:

"یہاں ہمیں یہ بات نہایت افسوس کے ساتھ کہنی پڑتی ہے کہ ہمارے محدثین نے جس طرح صالحین کی روایاتِ ترغیب و ترہیب کے مقابل میں کمزور مؤقف اختیار کیا اسی طرح ان مبتدعین کے مقابل میں اتنا منفعلانہ اور ضعیف رویہ اختیار کیا کہ ان کے فتنہ کو روکنا تو درکنار اگر ہم یہ کہیں تو شاید بے جانہ ہوگا کہ ان کے رویہ سے اس فتنہ کو شہ ملی۔

امام مالکؒ نے بے شک ان کے مقابل میں مضبوط مؤقف اختیار کیا۔ ان کے نزدیک اس طرح کے ضالّین و مضلّین سے روایت لینا بالکل ناجائز ہے وہ تو اس معاملے میں اس قدر متشدد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے روایت بالمعنیٰ تک کی اجازت نہیں دیتے۔ ان کے نزدیک یہ روایت باللفظ ہی ہو سکتی ہے[2] ..................... جہاں

[1] ایضاً۔ باب ۹۔ ص ۱۳۶۔۱۳۷۔۔۔ [2] اگر امام مالک ایسے ہی متشدد تھے تو پھر تو ان کی مؤطا میں سب روایات باللفظ ہی ہونا چاہئے اور پھر سب صحیح ہی! تو کیا اصلاحی صاحب اس کتاب کو اسی طرح صحیح مانتے ہیں؟ پھر اس کے بعد دیگر کتابوں کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے

تک دوسرے ائمہ مثلاً امام شافعیؒ۔ امام احمد بن حنبلؒ، امام ابو حنیفہؒ اور قاضی ابو یوسف وغیرہ کا تعلق ہے تو ان کا مسلک نہایت ضعیف ہے۔ ان تمام لوگوں نے مختلف تاویلوں سے ان مبتدعین کی روایتوں کو قبول کر لیا ہے.................... یہ منفعلانہ ذہنیت آہستہ آہستہ لوگوں پر اس طرح غالب آگئی کہ ائمۂ فن تک نے مبتدعین سے روایت لینے کو مجبوری بنالیا جس کے نتیجے میں ان کے مرتب کردہ نسخوں میں بکثرت روایات اہلِ بدعت سے آگئیں اور اس وقت ان کی تحقیق نہایت دقّت طلب ہو چکی ہے۔ **الكفاية فى علم الرواية** میں علی بن المدینی کا ارشاد نقل ہوا ہے کہ:

**لو تركت اهل البصرة لحال القدر ' ولو تركت اهل الكوفة لذٰلك الرئ يعنى التشيع خربت الكتب**

اگر میں اہل بصرہ کو مسئلہ قدر کی بنا پر اور اہل کوفہ کو تشیع کی بنا پر چھوڑ دوں تو حدیث کی کتابیں ویران ہو کر رہ جائیں"[1]۔

قارئین غور کیجئے یہ ہے معیار آپ کی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کا! کہ وہ قدریوں اور شیعوں کی روایات سے بھری پڑی ہے۔ اور دیکھئے آگے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اسی ذیل میں محمد بن نعیم الضبی فرماتے ہیں کہ ابو عبداللہ محمد بن یعقوب سے فضل بن محمد الشعرانی کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے کہا کہ:

**صدوق فى الرواية الا انه كان من الغالين فى التشيع ۔ قيل له: فقد حدثت عنه فى الصحيح فقال: لان كتاب استاذى ملاں من حديث الشيعة**

وہ روایت میں نہایت راست باز ہیں لیکن ہیں غالی شیعوں میں سے۔ اس پر ان سے کہا گیا کہ آپ نے تو ان سے صحیح میں روایت لی ہے۔ اس پر انہوں نے جواب دیا: یہ اس لئے کہ میرے استاد کی کتاب شیعوں کی روایت سے بھری ہوئی ہے۔

'استاد' سے یہاں مراد امام مسلمؒ اور استاد کی کتاب سے ان کی مراد صحیح مسلم ہے۔

شیعوں وغیرہ سے روایت لینے کے جو نتائج ہوئے ہیں ان کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ہے، لیکن اتنا یاد رکھئے کہ جو لوگ گہر اور پشیز میں امتیاز سے محروم ہوتے ہیں وہ نہایت معصومیت سے ان کے دیے ہوئے زہر کو تریاق سمجھ کر نگل جاتے ہیں"[2]۔

کہئے، اصلاحی صاحب نے آپ کے خزانہ کی ایک مایۂ ناز کتاب "صحیح مسلم" کی پول کھول دی کہ وہ "شیعوں کی روایات سے بھری ہوئی ہے"۔ اب پتہ نہیں اصلاحی صاحب خود گہر اور پشیز میں امتیاز کر پائے یا نہیں! اس مقام پر تو وہ

---

[1] ایضاً۔ باب ۹۔ ص ۱۳۸۔ ۱۴۱۔۔۔ [2] ایضاً۔ باب ۹۔ ص ۱۴۱۔ ۱۴۲

صحیح بخاری کو بچا گئے[1]۔ لیکن آگے چل کر "صحیح امام مسلم کی امتیازی خصوصیات" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

"امام مسلمؒ کے متعلق یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہئے کہ وہ اصحابِ بدعت سے روایت لینے میں متہّم ہیں اور ایسا کم تر درجے میں امام بخاریؒ کے متعلق بھی ہے"[2]۔

قارئین لیجئے اب آپ کے ذخیرہ کی دوسری مایۂ ناز کتاب صحیح بخاری کی پول بھی کھل گئی کہ اس میں بھی اصحاب بدعت کی روایات بھری ہوئی ہیں! اور اہل بدعت ہی کی روایات کیا، عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے تو صرف بندریا کو سنگسار کرنے والی روایت ہی کافی ہے کہ اسی سے کتاب کے معیار کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس میں تو عقل کے اندھوں تک کی روایات بھری گئی ہیں! مگر افسوس کہ اصلاحی صاحب پھر بھی گہر اور پشیز میں امتیاز نہ کر سکے اور اپنی کتاب کے آخری باب کے خلاصہ بحث میں لکھتے ہیں کہ:

"لیکن دین کی تشریح کے معاملہ میں آپ ان سے باہر کی کسی چیز کے بہت بڑی حد تک محتاج نہیں رہیں گے۔ دین کے نظام سمجھنے کے لئے قرآن مجید کے ساتھ مل کر یہ چیزیں ان شاء اللہ کافی ہوں گی۔ حدیث کی کوئی دوسری کتاب ان کی قائم مقام نہیں ہو سکتی"[3]۔

یہاں اصلاحی صاحب کھلم کھلم قرآن کریم کے ساتھ اس قسم کی (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو ملانے یعنی شریک کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ کیا اللہ کی کتاب کے ساتھ غیر اللہ (بخاری و مسلم وغیرہ) کی کتابیں شریک کرنا شرک فی الصفت نہیں؟ اصلاحی صاحب نے صرف اسی پر بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے ایک اور ستم بھی ڈھایا ہے۔ وہ "تدبر حدیث کے لئے امّہاتِ فن کا انتخاب کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

"ملت اسلامیہ کا یہ بے مثل کارنامہ ہے کہ اس کے عظیم محدثین نے صدر اول میں رسول اللہ ﷺ کے حقیقی اور صحیح علم کو ممکنہ حد تک غلّ و غش سے پاک کر کے قابل اعتماد ذخیرہ احادیث کی شکل میں مامون و محفوظ کیا"[4]۔

غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب عظیم محدثین کسے کہہ رہے ہیں غالباً، انہیں کو جن کا ذکر پیچھے ہم آپ کو دکھا چکے کہ جن کی کتابیں اہل بدعت اور عقل کے اندھوں کی روایات سے بھی پڑی ہیں! خیر یہ تو جملہ معترضہ تھا، اس سے اہم بات یہ ہے کہ "رسول اللہ سلامٌ علیہ کے حقیقی اور صحیح علم کو ممکنہ حد تک غلّ و غش سے پاک کر کے قابل اعتماد ذخیرۂ احادیث

---

[1] امام بخاری اور (نام نہاد) حدیثوں کو بچانے کا کارنامہ اصلاحی صاحب نے اپنے لٹریچر میں اور جگہ بھی انجام دیا ہے مثلاً جب انہوں نے اپنے استاذ امام حمید الدین فراہی صاحب کی نامکمل تفسیر نظام القرآن کا اردو ترجمہ مجموعہ تفاسیر فراہی کے نام سے شائع کیا تو ان کے تحریر کردہ سترہ ۱۷ مقدمات میں سے آخری ستروا ں ۱۷ مقدمہ جان کر شائع نہیں کیا یونکہ اس میں فراہی صاحب نے (نام نہاد) احادیث اور امام بخاری پر اچھا تبصرہ کیا تھا۔ اس طرح انہوں نے اردو میں مجموعۂ تفاسیر پڑھنے والوں کو یہ جاننے ہی سے محروم کر دیا کہ فراہی صاحب نے سترہ مقدمات تحریر کئے تھے اور سترہویں ۱۷ مقدمہ میں اہم بات لکھی تھی! کہئے یہ کونسا رویّہ ہے؟۔۔۔ [2] ایضاً۔ باب ۱۰۔ ص ۱۵۶۔۔۔ [3] ایضاً۔ باب ۱۰۔ ص ۱۵۷۔۔۔ [4] ایضاً۔ باب ۱۰۔ ص ۱۴۳

کی شکل میں مامون و محفوظ کیا" تو کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کا حقیقی اور صحیح علم قرآن حکیم نہیں تھا؟؟ اللہ تعالیٰ تو رسول کو قرآن کا علم تعلیم کر رہا ہے (عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۲ /۵۵) اور اسی قرآن کو حکمت بھی بتا رہا ہے (۳۶/۲)۔ تو پھر رسول کا حقیقی اور صحیح علم قرآن حکیم ہوا یا (نام نہاد) احادیث جنہیں خود اصلاحی صاحب ظنّی مانتے ہیں۔ حقیقی علم تو ہر طرح کے غلّ و غش اور شک شبہ اور اختلاف سے پہلے ہی پاک صاف تھا اور مامون و محفوظ بھی۔ اصلاحی صاحب! حقیقی علم، ظنّی نہیں ہو سکتا! اور محدثین کا ظنّی علم حقیقی علم نہیں ہو سکتا! یہ دورخی پالیسی نہیں چلے گی۔ ہاں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ محدثین نے (نام نہاد) احادیث کے ظنّی علم بلکہ فنون کو ایجاد کیا، محفوظ کیا! اور اس کا وقت آپ نے آگے یہ کہہ کر خود ہی متعین کر دیا کہ

"احادیث کی جمع تدوین کا یہ عظیم کام، ائمہ فنِ حدیث کے مقرر کردہ بے لاگ اصولوں کی روشنی میں دوسری صدی ہجری کے وسط سے لے کر تیسری صدی ہجری کے وسط کے درمیانی عرصہ میں انجام پایا۔ اس زمانے کو عصر روایت کے شباب کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں حدیث کا قابل قدر سرمایہ تحریری شکل میں مختلف مجموعوں کی صورت میں محفوظ ہو گیا اور یوں عصرِ روایت کا اختتام ہو گیا۔ اپنی صفات و خصوصیات کی بنا پر ان مجموعوں کو قبولیتِ خواص و عوام اور شہرتِ دوام حاصل ہوئی"[۱]۔

غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب نے سبائی سازش (جس کا ذکر ہم پیچھے سے کرتے چلے آرہے ہیں) کے شباب پر پہنچ کر بار آور ہونے کے وقت کا تعیّن کر دیا کہ اس سازش نے اپنے پھل کو دوسری صدی ہجری کے وسط سے تیسری صدی ہجری کے وسط کے درمیانی سو ۱۰۰ سال میں تحریری شکل میں مختلف مجموعوں میں محفوظ کرا دیا۔ اسی دور میں سیاسی و مذہبی فرقے بھی، جو بنائے تھے، انہیں بھی پختگی اور دوام میسر آگیا۔ اب سازشیوں کا کام ختم ہو چکا تھا۔ زہر سرائیت کر چکا تھا۔ اب خود فرقوں نے اور ان کے جید علما نے یہ کام سنبھال لینا تھا۔ اور ہوا بھی یہی کہ خود ہمارے علما نے ظن پھیلانے اور حق دبانے کا کام سنبھال لیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس آیت کے مصداق ہو گئے کہ:

"اے ایمان والو! یقیناً اکثر عالم اور پیر لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں............" (۹/۳۴)۔

اصلاحی صاحب کے مطابق اس طرح "عصر روایت کا اختتام ہو گیا۔ اپنی صفات و خصوصیات کی بنا پر ان مجموعوں کو قبولیت خواص و عوام اور شہرتِ دوام حاصل ہوئی" تو پھر سوال ابھرتا ہے کہ اس تیسری صدی کے بعد جو اور مجموعے بنائے گئے ان کی کیا حیثیت ہوئی؟ وہ تو یقیناً سراسر بکواس ہی ہوئے!

قارئین! بات ہو رہی تھی (نام نہاد) احادیث کی سند کے بارے میں کہ وہ صرف ایک کسوٹی ہے اسی سند کے سلسلہ میں ایک فن، جسے محدثین نے ایجاد کیا، فنِ تدلیس کہلاتا ہے مگر ہمارے موصوف مسعود احمد صاحب نے اس فن ہی کو رد کر دیا۔ دیکھئے انہی کی زبانی سنئے:

"تدلیس

تدلیس کے معنی ہیں "اپنے سامان کے عیب کو چھپانا۔" اپنے سامان کا عیب چھپا کر بیچنا یقیناً خریدار کو دھوکا

---

[۱] ایضاً۔ باب ۱۰۔ ص ۱۴۳

دینا ہے اور یہ بہت بڑا گناہ ہے۔

اصولِ حدیث میں حدیث کے عیب کو چھپانا تدلیس کہلاتا ہے۔ اگر کوئی راوی حدیث کی روایت کرتے وقت اپنے استاد کا نام نہ لے بلکہ اُس سے اوپر کے راوہ یعنی استاد کے استاد کا نام لے اور لفظ ایسا اختیار کرے جس سے استاد کے استاد سے اُس حدیث کے سننے کا احتمال ہو تو یہ فعل تدلیس کہلاتا ہے۔ مدلس وہ راوی ہے جو حدیث کو بیان کر کے یہ تاثر دے کہ اُس نے اُس راوی سے جس کا اس نے نام لیا ہے سنا ہے حالانکہ سنا نہ ہو۔

تدلیس کے دو ہی سبب ہو سکتے ہیں: (۱) فریب دینا اور (۲) لاپرواہی

اگر کوئی راوی اپنے استاد کے نام کو اس لئے چھپاتا ہے کہ وہ کذّاب یا نا قابل اعتبار ہے تو یہ بہت بڑا جرم ہے اور یہ سامان فروش کا اپنے سامان کے عیب کو چھپا کر بیچنے سے زیادہ قبیح ہے اس لئے کہ سامان فروش اپنے سامان کے عیب کو چھپا کر صرف خریدار کو دھوکا دیتا ہے لیکن اگر کوئی راوی کسی حدیث کے عیب کو چھپاتا ہے تو وہ پوری امت کو دھوکا دیتا ہے۔ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فرماتے ہیں:

مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا (صحیح مسلم) جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں

جب سامانِ تجارت کو فروخت کرنے کے سلسلہ میں اگر کوئی شخص دھوکا دیتا ہے تو حدیث مذکورۂ بالا کی رو سے وہ جماعت المسلمین سے خارج ہو جاتا ہے تو جو شخص دین کے معاملہ میں پوری امت کو دھوکا دے وہ کتنا بڑا مجرم ہو گا۔ ایسا شخص ہر گز امام یا محدّث نہیں ہو گا بلکہ بہت بڑا دھوکے باز ہو گا اور حدیث مذکورہ بالا کی روشنی میں جماعت المسلمین سے خارج سمجھا جائے گا۔ مدلس راوی نے خواہ وہ امام یا محدث ہی کیوں نہ کہلاتا ہو اپنے استاد کا نام چھپا کر اتنا بڑا جرم کیا ہے کہ الامان الحفیظ۔ اب وہ حدیث اس استاد کی وجہ سے جس کا نام چھپایا گیا ہے ضعیف نہیں ہو گی بلکہ اُس نام نہاد امام یا محدث کی وجہ سے ضعیف ہو گی اُس نام نہاد امام یا محدث کو دھوکے باز کذّاب کہا جائے گا۔ **علماء اب تک اُس راوی کی وجہ سے جس کا نام چھپایا گیا مدلس کی روایت کو ضعیف سمجھتے رہے لیکن اس دھوکے باز کذّاب کو امام محدث ہی کہتے رہے۔** انہوں نے کبھی یہ سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں یا ان سے کیا کہلوایا جا رہا ہے۔ افسوس تقلید نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچادیا"[۱]۔

غور کیجئے! پیچھے اصلاحی صاحب کے بیان میں آپ دیکھ چکے کہ استاد سے بغیر ملے بھی استادی۔ شاگردی ہو جاتی تھی۔ اور اب آپ نے مسعود احمد صاحب کے بیان میں دیکھ لیا کہ عیب دار راوی کا نام اس کا شاگرد چھپا کر روایت آگے بڑھا دیتا تھا حالانکہ وہ جانتا ہوتا تھا کہ جس سے اس نے روایت لی ہے وہ عیب دار ہے! تو صاف ظاہر ہے کہ وہ دھوکہ دہی کرتا تھا، جھوٹ بولتا تھا مگر حدیثی کاروبار آگے بڑھاتا رہتا تھا۔ اور علما اس کو محدث بھی مانتے تھے اور امام بھی مانتے تھے۔ غرض یہ کہ (نام نہاد) حدیثیں ایسے ہی اماموں کے ذریعے آگے پھیلیں۔ دیکھئے آگے ہمارے موصوف کیا فرماتے ہیں:

"حقیقت یہ ہے کہ تدلیس جھوٹ سے بھی بدتر ہے۔ اگر مدلّس راوی نے کسی کذّاب کے نام کو چھپایا تو گویا اس نے موضوع حدیث کو صحیح باور کرایا۔ یعنی جو چیز شریعت اسلامیہ میں نہیں تھی اس کو دھوکا دے کر

[۱] رسالہ۔ "اصول حدیث" مرتبہ مسعود احمد صاحب۔ ص ۱۳۔ ۱۴

شریعت اسلامیہ میں داخل کر دیا گویا اُس راوی نے دین سازی کی شریعت سازی کی اور شریعت سازی کیونکہ بہت بڑا شرک ہے لہٰذا وہ مدلّس ایک بہت بڑے شرک کا مرتکب ہوا۔ اُس نے شرک فی التشریع، شرک فی الشریعت یا شرک فی الدّین کا ارتکاب کیا"[1]۔ (تو کیا اللہ کی کتاب میں یا اسکے ساتھ (نام نہاد) عجمی ساختہ احادیث شامل کرنے سے شرک فی التشریع، شرک فی الشریعت یا شرک فی الدّین کا ارتقاب نہیں ہوتا؟ (صدیق)

غور کیجئے کہ یہ شرک فی الدین صدیوں سے ہوتا چلا آرہا ہے اور سب اہل حدیث و اہل فقہ اسے دین ہی سمجھ کر اپنائے ہوئے ہیں۔ اب ذرا یہاں موصوف کی اوپر کی عبارت پر غور کیجئے اور سوچئے کہ جو چیز اللہ کی کتاب یعنی شریعت میں رسول سلامٌ علیہ کے سامنے نہیں تھی تو وہ ڈھائی سو سال بعد شریعت میں شامل کر دی جائے اور اس کو رسول اور صحابہؓ کی طرف منسوب کر دیا جائے کہ انہوں نے ایسا فرمایا تو کیا یہ دین سازی نہ ہو گی؟ کیا یہ شریعت سازی نہ ہو گی؟ کیا یہ شرک فی التشریع، شرک فی الشریعت یا شرک فی الدین کا ارتکاب نہیں ہو گا؟ سوچئے اور ایمانداری سے فیصلہ کیجئے! آپ کا فیصلہ ہی موصوف کو جواب بن جائے گا۔ آگے موصوف فرماتے ہیں کہ:

"علماء پر تعجب ہے کہ ایسے دھوکے باز مشرک کو امام مانتے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ ایک شخص جو حدیث میں فریب دہی کا مجرم ہو، شریعت سازی کا مجرم ہو، پھر بھی وہ امام ہو۔ ایک ہی شخص جو بہ یک وقت چور بھی ہو اور امام بھی ضرور حیرت انگیز ہے۔ ایسا ہونا تو نہیں چاہئے تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسا ہوا ہے۔ جو شخص چور ہے وہ امام نہیں ہو سکتا اور جو شخص امام ہے وہ چور نہیں ہو سکتا"[2]۔

دیکھا آپ نے کہ علما نے چوروں، کذّابوں کو امام بنایا ہوتا تھا اور ایسا یوں ممکن ہوا کہ انہیں امام بنانے والے بھی ان کے اپنے ہی جیسے لوگ تھے! انہیں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا امام نہیں بنایا تھا۔ بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو امام بناتے رہتے تھے اور عقل کے اندھے انہیں امام مان لیتے تھے۔ اور آج بھی دیکھئے یہی کچھ ہو رہا ہے کہ دھڑا دھڑ امام بن رہے ہیں۔ اب دیکھئے ان خود ساختہ فریبی اماموں کی امامت بچانے کے لئے موصوف کیا فرماتے ہیں:

"اماموں پر چوری، فریب دہی یعنی تدلیس کا الزام محض الزام ہے اور دشمنانِ اسلام کی سازش ہے کہ وہ ایک محدث کی طرف دوسرے محدث کے متعلق تدلیس وغیرہ کے الزام کو منسوب کرتے ہیں۔ گویا کسی امام یا محدث کو دشمنانِ اسلام خود چور یعنی مدلس نہیں کہتے بلکہ اس کی تدلیس، چوری فریب دہی کے الزام کو کسی امام کی طرف منسوب کر کے فنّ حدیث کا بیڑا غرق کرنا چاہتے ہیں اور انکارِ حدیث کے لئے میدان ہموار کر کے دین کو بدلنا چاہتے ہیں۔ فنِ حدیث اور محدثین کے خلاف یہ سازش بہت پرانی ہے۔ افسوس ہے کہ اکثر دھوکے میں آگئے اور ائمہ اور محدثین کی نسبت تدلیس کے الزام کو تسلیم کرتے رہے"[3]۔

قارئین! موصوف کی چوروں کو بچانے کی کوشش پر غور کریں نیز ان کے الفاظ پر بھی غور کریں کہ تدلیس مان لینے سے انکارِ حدیث کی راہ ہموار کر کے دین کو بدلنا ہے۔ گویا کہ موصوف کا دین ان تدلیس شدہ احادیث میں ہے! معاذ اللہ۔ آگے کے الفاظ میں انہوں نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ فن حدیث اور محدثین یعنی چور اماموں کے خلاف یہ سازش بہت پرانی ہے۔ شکر ہے، ورنہ تو وہ منکرین حدیث پر الزام لگاتے کہ یہ سازش یا الزام انہوں نے لگائے تھے۔ حالانکہ ان

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۴۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۴۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۱۴

کے مطابق پہلے منکرین حدیث کا وجود ہی نہیں تھا وہ تو چودھویں صدی ہجری کے غلام احمد پرویز صاحب کو منکرین حدیث کا سربراہ مانتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کی کوئی تاریخ نہیں پورے تیرہ سو سال بعد یہ وجود میں آئے۔ اگر منکرین حدیث کے پاس ان کی کوئی تاریخ ہے تو پیش کریں۔ وہ ہمیں بتائیں کہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں وہ کہاں چھپے بیٹھے تھے؟ ان میں کون کون سے ائمہ دین پیدا ہوئے[1] ........... ہمارے خیال میں منکرین حدیث اچھے رہے کہ چور اہل حدیث ائمہ کی تاریخ کے مقابلہ میں اُن کی چوری کی کوئی تاریخ نہیں اور اُن کے ائمہ چور و فریبی و کذّاب اور مشرک یعنی دین ساز نہیں۔ آگے موصوف ان چور اماموں کی مزید صفائی پید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اگر یہ کہا جائے کہ ائمہ یا محدثین چوری کی نیت سے تدلیس نہیں کرتے بلکہ لاپرواہی سے ایسا کرتے ہیں تو یہ بھی صحیح نہیں۔ ایسے معاملہ میں لاپرواہی کرنا، جس معاملہ میں لاپرواہی کرنے سے شریعت بدل جائے یا شریعت میں کمی بیشی ہو جائے بہت ہی بڑا جرم ہے۔ لاپرواہی خصوصاً ایسے معاملہ میں وہی کر سکتا ہے جو شریعت سازی کو کوئی اہمیّت نہ دیتا ہو اور اس چیز کی کسی امام یا محدّث سے توقع نہیں کی جا سکتی۔

مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہوا کہ جو شخص امام ہو گا وہ مدلّس ہرگز نہیں ہو گا۔ علامہ حماد بن محمد الانصاری لکھتے ہیں:۔

ثَانِيًا: من احْتَمَلَ الائمّةُ تدلِيسَهٗ و خرَّجوا لهٗ فِي الصَحيح وإن لَم يُصَرِّحْ بِالسماعِ و ذٰلك لِواحدٍ مِن اَسْبَابٍ ثَلاثَةٍ۔

۱۔ اِمَّا لِإمامتِهٖ

(التدلیس والمدلسون مطبوعہ مع کتاب طبقات المدلسین ص۱۹)

ترجمہ: دوسرے طبقہ کے مدلّس وہ لوگ ہیں جن کی تدلیس کو ائمہ نے اٹھا دیا ہے اور ان سے (اپنی) صحیح میں حدیثیں روایت کی ہیں اگرچہ انہوں نے (استاد سے) سننے کی تصریح نہیں کی ہے اور اس کی وجہ تین وجوہ میں سے ایک ہو سکتی ہے:

۱۔ اس کی امامت کی وجہ سے۔

علامہ حماد بن محمد کے بیان سے ظاہر ہوا کہ اگر کوئی شخص امام ہے اور اس پر تدلیس کا شبہ یا الزام ہے تو اس کی تدلیس اس کی امامت کی وجہ سے کالعدم سمجھی جائے گی۔ یعنی امام کے متعلق یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ وہ امام ہو کر تدلیس یعنی چوری کرے"[2]۔

غور کیجئے کہ اپنے خود ساختہ امام کو چوری کے الزام سے کس طرح بچایا جا رہا ہے اور ایک دوسرے کا دفاع کس طرح کیا جا رہا ہے کہ امام کی تدلیس کو ردّ کر کے اسے 'صحیح' میں جگہ دی جا رہی ہے گویا کہ وہ مثل ہے: "من تُرا حاجی بگویم تو مرا مُلّا بگو"۔ یعنی ان کے امام بھی معصوم عن الخطا ہیں! ہم پھر پوچھتے ہیں کہ کیا اُن چور محدثین کو امام اللہ تعالیٰ نے

---

[1] دیکھئے "برہان المسلمین" از مسعود احمد صاحب۔ باب ششم ص۱۹۱ اور باب چہارم ص ۱۱۲ (ہمیں اگر موقعہ ملا تو انشاء اللہ تاریخ منکرین حدیث مختصراً آگے مناسب جگہ پر بتائیں گے) (اللہ کا شکر ہے کہ تاریخ منکرینِ حدیث اور تاریخ اہلحدیث دونوں ہی ہم نے اس کتاب کے دوسرے حصہ میں تحریر کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہاں دیکھ لیجئے)۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۴۔۱۵

بنایا تھا جو وہ معصوم عن الخطا تھے اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے امام نہیں تھے تو پھر تو چور بھی ہو سکتے تھے اور تدلیس بھی کر سکتے تھے اور شرک بھی کر سکتے تھے۔ اور ان کی گھڑی ہوئی (نام نہاد) حدیثوں نے جب صحابہ و مجاہدینؓ تک کو دوزخی قرار دے دیا (جیسا کہ ہم پیچھے موصوف کی تاریخ کی کتاب سے حوالے دے چکے ہیں) تو کیا وہ چور نہیں ہو سکتے تھے

موصوف کو صحابہؓ کو چور اور دوزخی لکھتے ہوئے شرم نہ آئی مگر اپنے خود ساختہ اماموں کو چور لکھتے ہوئے شرم آ رہی ہے اور اپنے اماموں ہی کے خود ساختہ فنؓ کو رد کر رہے ہیں۔ وہ اپنے اماموں کے لئے تو تدلیس یعنی چوری کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر صحابہؓ کو کس ڈھیٹ پن سے چور اور دوزخی ثابت کیا ہے! وائے افسوس ایسی (نام نہاد) احادیث پر اور ایسے فنون پر جو انسانوں کی عقل ختم کر دے!

آگے موصوف لکھتے ہیں کہ:

"مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہوا کہ فنِ تدلیس بے حقیقت فن۔ مزید بر آں اگر کسی راوی کو مدلّس کہنے والا اس راوی کا ہمعصر نہ ہو تو یہ چیز اس فن کو مزید بے حقیقت بنا دیتی ہے۔ کسی راوی کو مدلس کہنے والا اُس راوہ کے انتقال کے صدیوں بعد پیدا ہوتا ہے تو آخر وہ کس بنیاد پر اس کو مدلس کہتا ہے۔ کیا وہ کوئی سند پیش کرتا ہے۔ اگر وہ سند پیش کرتا ہے تو کیا اس نے تحقیق کی کہ سند کے آخری راوی نے اپنے استاد یا ہم عصر راوی کی چوری کو کیسے پکڑا۔ ظاہر ہے کہ چوری کرنے والا اپنی بدنیّتی کو خود کبھی ظاہر نہیں کر سکتا حتیٰ کہ اپنی لاپرواہی اور غفلت بھی کبھی ظاہر نہیں کرے گا اس لئے کہ اس صورت میں بھی وہ محدثین کے نزدیک ثقہ نہین رہے گا اور یہ کوئی راوی نہیں چاہتا کہ اُسے ضعیف یا ناقابل اعتبار سمجھا جائے۔ جب فریب دینے والا اپنے فریب کو ظاہر نہیں کرتا یا لاپرواہی کرنے والا اپنی لاپرواہی کو ظاہر نہیں کرتا تو دوسرے کو خواہ وہ اس کا شاگرد یا ہم عصر ہی کیوں نہ ہو کیسے معلوم ہوا کہ شیخ کی یا راوی کی نیت اچھی نہیں ہے۔ یہ سراسر غیب کا معاملہ ہے اور غیب کا علم سوائے اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے کسی کو نہیں لہٰذا تدلیس کا فن کچھ نہیں بالکل بے حقیقت ہے"[1]۔ (بالکل یہی ڈائیلاگ فنِ اسماء الرجال پر فِٹ بیٹھتے ہیں کہ سو دو سو سال پہلے مَرے ہوئے کے صحیح حالات کیسے صحیح طور پر معلوم ہو سکتے ہیں۔ صدیق)

## اسماء الرجال ممکن ہی نہیں

غور کیجئے کہ "فنِ تدلیس" اصولِ حدیث کے ایجاد کردہ فنون میں سے ایک فن ہے۔ اور ان فنون کی ایجاد ہی کے لئے موصوف و دیگر اہل حدیث و اہل فقہ محدثین کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے مگر اب بادل نخواستہ موصوف نے اسے ردّ کر دیا محض اس لئے کہ وہ اپنے ذہن پرستی کے ہاتھوں مجبور ہیں! بہر حال انہوں نے اس کے لئے جو اوپر کے پیرا گراف میں اعتراضات اٹھائے ہیں انہی اعتراضات کو ذرا (نام نہاد) حدیث کی روایت ہی پر رکھ کر دیکھ لیجئے۔ کیا صدیوں بعد حدیث کی روایت ان ہی ذرائع سے ممکن تھی؟ کیا اسی طرح فن اسماء الرجال ممکن تھا کہ کسی راوی کے مرنے کے صدیوں سال بعد آپ اس کے حالات و کردار معلوم کریں؟ اگر صدیوں سال بعد موصوف فن تدلیس کو ردّ کر سکتے

[1] رسالہ۔ "اصول حدیث" ص ۱۵

ہیں تو کیا انہی دلائل کی بنا پر ہم فن اسماء الرجال کو ردّ نہیں کر سکتے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ مرنے کے صدیوں بعد راویوں کا کیر کٹر معلوم ہو جائے۔ کہ وہ ایماندار تھے یا خائن وہ امین تھے یا چور وہ سچے تھے یا جھوٹے، وہ کھرے تھے یا فریبی، وہ رسول اللہ ﷺ سے بغیر سنے کوئی بات صحیح بتا رہے تھے یا گھڑ گھڑ کر اُن کی طرف منسوب کر رہے تھے کہ وہ قرآن کریم کو آیات کے علاوہ (نام نہاد) احادیث بھی سناتے تھے ............... اور ہم صرف موصوف ہی کی دلیل پر فن اسماء الرجال کو رد نہیں کر رہے بلکہ موصوف کے اماموں کے مطابق اصلاحی صاحب نے لکھا ہے کہ:

## آدمی کے کردار و اخلاق کو جانچنے کا طریقہ

"آدمی کے کردار و اخلاق کا معاملہ میں قابل اطمینان رائے اسی صورت میں قائم کی جاسکتی ہے جب معاملات میں اس سے عملاً سابقہ پڑا ہو۔ حضرت عمرؓ جیسے صاحب علم و فراست کی رائے یہی ہے۔ ان کی نسبت مشہور ہے کہ ایک صاحب نے ان کے سامنے کسی دوسرے شخص کی تعریف کی تو انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیا تمہارا اس کے ساتھ کبھی پڑوس رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ تب انہوں نے پوچھا کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی تجارتی سفر کیا ہے انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تب تمہیں اس کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تک آدمی کسی کے ساتھ کوئی معاملہ نہ کرے، اس کے ساتھ کسی کاروبار یا تجارت میں شریک نہ رہا ہو، اس کے ساتھ سفر نہ کیا ہو اس کا پڑوس نہ رہا ہو، مسجد میں ایک دوسرے سے میل ملاپ نہ رہا ہو تو اس کے بارے میں واقعہ یہ ہے کہ آسانی کے ساتھ رائے نہیں قائم کی جاسکتی۔ ان حالات میں بعض اوقات ایک ذہین و فطین آدمی بھی دھوکا کھا سکتا ہے"[1]۔

کیا اصلاحی صاحب کی اس دلیل بحوالہ عمرؓ کے مطابق حال تو حال ہے، ماضی میں مرے ہوئے لوگوں کے بارے میں کوئی صحیح رائے قائم کی جاسکتی ہے اور وہ بھی صدیوں پہلے مرے ہوؤں کے لئے؟ ہر گز نہیں۔ خیر یہ تو تھے ظنّی دلائل، اب قطعی الدلالت دلیل کی طرف آجایئے دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتے ہیں:

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ اپنے رسولؐ سے فرما رہے ہیں کہ:

۱۔ وَ اِذَا رَاَیۡتَہُمۡ تُعۡجِبُكَ اَجۡسَامُہُمۡ ؕ وَ اِنۡ یَّقُوۡلُوۡا تَسۡمَعۡ لِقَوۡلِہِمۡ ؕ کَاَنَّہُمۡ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ ؕ یَحۡسَبُوۡنَ کُلَّ صَیۡحَۃٍ عَلَیۡہِمۡ ؕ ہُمُ الۡعَدُوُّ فَاحۡذَرۡہُمۡ ؕ قٰتَلَہُمُ اللّٰہُ ۫ اَنّٰی یُؤۡفَکُوۡنَ ۝

اور (اے رسول) جب آپ ان کو دیکھیں تو ان کے جسم آپ کو اچھے معلوم ہوں گے اور جب یہ بات کریں تو آپ ان کی بات سُنیں گے (لیکن بڑے نکمے اور بے ہمت لوگ ہیں) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے کھڑی ہیں۔ ہر زور دار آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان پر (مصیبت) آئی۔ (اے رسول) یہ (آپ کے) دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہیے۔ اللہ انہیں تباہ و برباد کرے گا، یہ کہاں بہکے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔"
(سورہ المنافقون۔ آیت ۴۔ تفسیر قرآن عزیز۔ جز ۹۔ ص ۶۹۳)

غور کیجئے کہ جو لوگ ملنے میں، اپنے طور طریقوں شکل و صورت اور بات چیت میں بہت اچھے معلوم ہوتے

---

[1]۔ مبادئ تدبر حدیث، باب ۶۔ ص ۹۳۔ ۹۴

تھے، رسول اللہ سلامٌ علیہ انہیں نہیں پہچان پاتے تھے تو اللہ تعالیٰ آپؐ کو بتارہے ہیں کہ یہ لوگ آپ کے دشمن ہیں۔ ان سے ہوشیار رہیئے۔

یعنی زمانہ حال میں عام میل جول میں آدمی کی شناخت نہیں ہو پاتی تو زمانہ ماضی کے آدمی کی شناخت کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو دوسروں کی زبانی سنی سنائی یعنی ظنّی بات ہوگی۔ اور دیکھئے ایک دوسرے مقام پر اہل کتب سے اللہ تعالیٰ مخاطب ہیں کہ:

۲۔ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ ھٰٓاَنْتُمْ ھٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

اے اہل کتاب، تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو، توریت اور انجیل تو ان کے بعد اتری ہیں (پھر وہ یہودی یا عیسائی کیسے ہو سکتے ہیں) کیا تم میں اتنی بھی عقل نہیں۔ دیکھو (اب تک) تم اُن باتوں میں تو جھگڑتے ہی رہے ہو جن کا تمہیں (تھوڑا بہت) علم تھا لیکن ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں مطلقاً) علم نہیں، اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے۔ (سورہ آل عمران، آیت ۶۵۔ ۶۶، تفسیر عزیز قرآن، جز۔ ۲۔ ص۱۱۹)"

یعنی یہاں یہ بات صاف طور پر بتائی جارہی ہے کہ کئی سو سال پہلے کے نبیؑ کے حالات تم اس طرح نہیں جان سکتے جس طرح تم اپنے زمانہ کی کتابوں یا صاحب کتاب کے حالات جانتے ہو۔ اس لئے جس چیز کو تم نہیں جان سکتے اس بارے میں مت لڑو۔ کیا یہی حقیقت اسماء الرجال کے فن پر لاگو نہیں ہوتی کہ اپنے سے پہلوں کے حالات و کردار معلوم کئے جارہے ہیں تو وہ صحیح کیسے ہو سکتے ہیں؟

اور دیکھئے ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ:

۳۔ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ۝

(اے رسول) اللہ آپ کو معاف کرے آپ نے ان (منافقین) کو لڑائی پر نہ جانے کی) اجازت کیوں دے دی (اگر آپ اس وقت تک اجازت کو مؤخر کر دیتے) جب تک سچے آپ پر ظاہر نہ ہو جاتے اور جھوٹوں سے آپ واقف نہ ہو جاتے (تو کتنا اچھا ہوتا)۔ (سورہ التوبہ، آیت ۴۳، تفسیر عزیز قرآن۔ جز۔ ۴، ص۹۸۶)"

غور کیجئے کہ ساتھ رہنے والے منافقین میں سے سچے اور جھوٹے رسول اللہ سلامٌ علیہ تک پر ظاہر نہیں تھے، اُن کی شناخت نہیں ہوتی تھی، تو کیا صدیوں سال بعد والے ان کو شناخت کر سکتے تھے کہ انہوں نے جو (نام نہاد) حدیث سنائی تھی وہ صحیح یا وہ سچے تھے! ظاہر ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد منافقین ہی سازشیوں سے مل گئے تھے اور (نام نہاد) احادیث گھڑنے اور پھیلانے کا ٹھیکہ ان ہی لوگوں نے لے لیا تھا یونکہ وہ سب کے سب منافق ظاہر نہیں ہوئے تھے۔

اور دیکھئے اسی سورہ التوبہ میں اللہ تعالیٰ نے پھر اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا کہ:

۴۔ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۭ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ڀ مَرَدُوْا عَلَي النِّفَاقِ ۣ لَا تَعْلَمُهُمْ ۭ

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۚ﴿۱۰۱﴾

اور (اے ایمان والو) تمہارے گردونواح کے بعض دیہاتی منافق ہیں اور مدینہ والوں میں سے بعض لوگ (منافق) ہیں۔ یہ لوگ نفاق پر (قائم ہیں اور) سرکشی میں مبتلا ہیں۔ (اے رسول) آپ ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں، ہم ان کو دوہرا عذاب دیں گے پھر (قیامت کے دن) ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹا دیں گے۔" (سورہ التوبہ، آیت ۱۰۱ تفسیر قرآن عزیز۔ جز۔۴۔ ص ۱۰۹۴)

غور کیجئے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل مدینہ اور گردونواح ہی میں منافقین کی موجودگی کی خبر کس شان سے دی ہے اور ساتھ یہ اعلان بھی فرمایا ہے کہ "تم ان کو نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں"۔ کیا اس سے بڑی گواہی بھی کوئی ہو سکتی ہے کہ وہی منافقین جھوٹے، فریبی تھے اور ہر طرح کی سازشوں میں شریک کار تھے دیکھئے ان کی سازش کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ گواہی دیتے ہیں کہ

۵۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾

اور (اے رسول) یہ (کافر) تو (اس کوشش میں) لگے ہوئے ہیں کہ جو وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے اس سے آپ کو بھٹکا دیں تاکہ آپ اس (وحی کے ذریعہ نازل شدہ بات) کے علاوہ کوئی اور بات اپنی طرف سے بنا کر ہماری طرف منسوب کر دیں اور (جب آپ ایسا کر دیں تو) اس صورت میں یہ آپ کو (اپنا) دوست بنالیں (لیکن ایسا ہو نہیں سکتا اس لئے کہ آپ کو تو ثابت قدم ہم رکھے ہوئے ہیں)۔" (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۷۳ تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۶۔ ص ۱۵۱)

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی وحی کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ قرآن ہے (اُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ ۔۶/۱۹) تو اس سے بھٹکا دینے کی سازش ہو رہی تھی۔ (نام نہاد) احادیث سے بھٹکانے کی نہیں۔ اس نازل شدہ بات یعنی قرآن کے علاوہ کوئی اور بات اپنی طرف سے بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیں، کیا؟ ظاہر ہے کہ وہ (نام نہاد) احادیث ہیں کہ وہ قرآن کے علاوہ پوشیدہ طریقے سے گھڑ گھڑا کر، وحی پوشیدہ کے نام سے پھیلائی گئیں۔ **مثلہٗ و معہٗ** قرار دیا گیا!

اس طرح کفار و منافقین و عجمیوں کی سازشی کوششوں کے نتیجہ میں (نام نہاد) احادیث وجود میں آئیں تو کیا اس زمانے کے منافقین سچے لوگ تھے کہ اسماء الرجال والے برسوں اور صدیوں بعد ان کے صحیح حالات معلوم کر سکیں؟ جبکہ زمانہ حال میں بھی یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کے بارے میں دوسرے تمام افراد کی رائے ایک سی نہیں ہوتی بلکہ ہر کوئی اپنے اپنے تجربہ و علم کی بناء پر بتاتا ہے کہ وہ شخص اچھا ہے یا برا، سچا ہے یا جھوٹا، امانت دار ہے یا خیانت دار، تقیہ باز ہے یا توریہ باز، دین دار ہے یا منافق، مُسلم ہے یا کسی کا ایجنٹ۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں۔ یہی کچھ اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ ایک راوی کے بارے میں کوئی اسے سچا کہہ رہا ہے اور کوئی جھوٹا۔ کوئی کچھ اور برائی کر رہا ہے .............. غرض یہ کہ ایسی بات حق کیسے ہو سکتی ہے اور اس پر دین کا دارومدار کیسے رکھا جا سکتا ہے؟ پس ان قرآنی آیات سے ثابت ہوا کہ اسماء الرجال ممکن ہی نہیں تھا۔ جب رسولؐ خود جھوٹے، سچے کو شناخت نہ کر سکے (الا ماشاء اللہ) تو ان صدیوں بعد والے محدثین ان کو کیسے شناخت کر سکتے تھے۔

اور جب فن اسماء الرجال ہی غلط اور ناممکن ثابت ہو گیا تو پھر (نام نہاد) احادیث میں صرف متن بچا اور وہ ہم

آپ کو اصلاحی صاحب کے حوالے سے پہلے بتا چکے کہ متن بھی اصلی نہیں بلکہ بالمعنیٰ ہے۔یعنی اگر واقعی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی کوئی بات، دین کے علاوہ معاملات وغیرہ کے بارے میں روایت بھی ہوئی تھی تو وہ بھی روایت باللفظ نہیں تھی بلکہ روایت بالمعنی تھی! مگر اس کی کیا ضمانت کہ راوی نے صحیح معنیٰ سمجھے ہوں اور صحیح مطلب ہی بیان کیا ہو آخر ہر شخص اپنی اپنی تاویل و تعبیر کرتا ہے یہ بھی تو منافقین و سازشیوں کا فریب ہو سکتا ہے! غرض یہ کہ سند اور متن دونوں کے غلط ثابت ہونے کے بعد (نام نہاد) احادیث کی عمارت دھڑام سے نیچے آگری۔اب کیا بچا سوائے ظن اور ہٹ دھرمی کے۔

۶۔مزید دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے کہ:

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ

(اور اے بنی اسرائیل) جب یعقوب کو موت آئی تو کیا تم اس وقت (ان کے پاس) موجود تھے (البقرہ آیت ۱۳۳)

گویا کہ اللہ تعالیٰ چیلنج فرما رہا ہے کہ یعقوبؑ کے وقتِ موت تم لوگ موجود نہیں تھے اس لئے تم کو کچھ نہیں معلوم کہ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کیا پوچھا (بلکہ ہم بتاتے ہیں)۔۔۔

۷۔مزید دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے:

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى

اور کیا تم دعویٰ کرتے ہو کہ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحٰق، یعقوب اور (ان کی) اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ (البقرہ آیت ۱۴۰)

یہاں بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ جب تم ان انبیاء کرام سے ملے ہی نہیں تو تم ان کے بارے میں کیا دعویٰ کر سکتے ہو۔اس کی مزید وضاحت اگلی ہی آیت میں کر دی کہ:

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

(ان انبیاء کی) یہ جماعت تھی جو گذر گئی، جو عمل انہوں نے کئے وہ ان کے لئے ہیں اور جو عمل تم کر رہے ہو وہ تمہارے لئے ہیں اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق سوال نہیں کیا جائے گا (البقرہ آیت ۱۴۱)

یعنی یہ قول فیصل ہے کہ تم سے پہلوں کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے؟ کیسے تھے؟ امین تھے یا خائن؟ سچے تھے یا کذاب؟ کیرکٹر کیسا تھا؟ وغیرہ وغیرہ کہئے اس قول فیصل کے ہوتے ہوئے کیا آپ پچھلی صدیوں میں مرے ہوئے رجال کے بارے میں معلومات حاصل کر سکتے ہیں کہ انہوں نے سن سنا کر یا گھڑ گھڑا کر جو کچھ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی طرف منسوب کر دیا تھا وہ سچ تھا یا جھوٹ؟

۸۔اور دیکھئے سورہ اٰل عمران کی آیت ۴۴

"ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: (اے رسول) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں ورنہ آپ تو ان لوگوں

کے پاس اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ مریم کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کر رہے تھے اور نہ اس وقت موجود تھے جب (کفالت کے لئے) وہ جھگڑا کر رہے تھے (ایسی صورت میں آپ کو ان چیزوں کا علم کیسے ہو سکتا تھا، یہ تو ہمارا فضل ہے کہ ہم نے بذریعہ وحی آپ کو بتا دیا ہے) (۳/۴۴)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلام علیہ کو بھی (مستقبل کے علم الغیب کی طرح) ماضی کے واقعات و حالات کا علم نہیں تھا سوائے وحی کے، تو پھر محدثین کو پچھلے واقعات و حالات یا احوال الرجال کس طرح معلوم ہو سکتا تھا؟ کیا ان کے پاس بھی وحی آتی تھی؟ ظاہر ہے کہ یہ سب ڈھکوسلہ ہے! اسماء الرجال یا احوال الرجال ممکن ہی نہیں۔

مزید دیکھئے: ۱۱۷/ ۵ ، ۱۴۴/ ۶ ، ۱۰۱/ ۹ ، ۱۰۲/ ۱۲ ، ۲۶/ ۱۸ ، ۴۴/ ۲۸، ۱۵۰/ ۳۷ ، ۲۱/ ۳۸ ، ۷۰-۶۹/ ۳۸ ، ۷۸/ ۴۰ ، . . . ۱۹/ ۴۳، دیگر اور بہت سی آیات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پیچھے کا علم بھی صرف اللہ واحد کو ہے سوائے اس کے جو کچھ وہ وحی کے ذریعہ اپنے مخصوص و معزز بندوں کو بتا دے۔

## بخاری کی کتاب صحیح نام و حیثیت

قارئین اب آپ خود (نام نہاد) احادیث کی حیثیت متعین کر لیجئے۔ ہمارے نزدیک تو اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ تاریخ کی رہ جاتی ہے اور وہ بھی ظنّی اور خود امام المحدثین بخاری نے اور امام (دارمی نے) اپنی کتاب کا نام حدیث یا سنت رسول نہیں رکھا تھا بلکہ اس کے ساتھ "اَیَّامَہٗ" بھی لگایا تھا یعنی اس زمانہ کے حالات۔ ان کی کتاب کا پورا نام تھا: **اَلجَامِعُ الصَحِیحُ المُسنَدُ المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و اَیَّامِہٖ**" [۱] یعنی انہوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ کے حالات یا تاریخ لکھی تھی مگر کمال ہوشیاری یہ کر گئے کہ اس کتاب کو مختلف کتابوں اور فقہی ابواب میں بانٹ گئے اور ساتھ ساتھ قرآن کریم کے مماثل کرنے کے لئے اس کے تیس پارے بھی کر دیئے [۲]۔ وہ فقہی ابواب پہلے سوچتے تھے اور پھر اس کے نیچے (نام نہاد) حدیث یا روایت لکھتے تھے (خواہ وہ اس سے غیر متعلق ہی کیوں نہ ہو!) گویا اس طرح استنباط مسائل کرتے تھے۔ بعض مقام پر باب کا کوئی نام نہ متعین کر سکے تو خالی لفظ 'باب' لکھ کر چھوڑ دیا اور نیچے کوئی (نام نہاد) حدیث یا روایت لکھ دی!

(نام نہاد) احادیث کی چند اور کتابوں کے اصل نام یہ ہیں۔ مگر کسی جامع نے بھی اپنی کتاب کو حدیث کی کتاب نہیں لکھا! مُسند، مستدرک، صحیح وغیرہ اصطلاحیں خود ساختہ ہیں، اللہ یا رسول نے نہیں دیں

(۲)۔ صحیح ابن خزیمہ کا اصل نام: **مختصر المختصر من المسند الصحیح عن النبی** (بحوالہ تذکرۃ المحدثین از کامران اعظم سوہدروی (ص ۱۳۵)

(۳)۔ صحیح مسلم کا اصل نام: امام مسلم نے **اَلمُسنَدُ الصحیح** رکھا تھا۔

---

[۱] "تدوین حدیث" از علامہ سید مناظر احسن گیلانی مکتبہ العلم۔ ۱۸۔ اردو بازار۔ لاہور۔ ص ۶۵ اور ص ۴۸۰...... اور دیکھئے ...... "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" مولفہ مولوی تقی الدین صاحب ندی مظاہری، طالع و ناشر فضل ربی ندوی، مجلس نشریاتِ اسلام، ا۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد (مینشن، ناظم آباد ا۔ کراچی ۱۸۔ ۱۹۸۲ء، ص ۱۴۹ ۔۔۔ [۲] یا ان کے بعد والوں نے کر دیئے۔ مگر خیال رہے کہ پارہ یا سپارہ پارسی لفظ ہے عربی نہیں۔ اس لئے صحیح بخاری کے تیس پارے کسی پارسی ہی نے کئے!

(۴)۔ صحیح ابن حبان کانام: **المسند الصحیح علی التقاسیم و الانواع مِن غیر قطع فی سندھا و لا ثبوت جرح فی نا قلیھا** رکھا تھا۔
(۵)۔ مستدرک حاکم کانام: **المستدرک علی الصحیحین** رکھا تھا۔

کہتے ہیں کہ: "اس تصنیف میں امام بخاری نے سولہ[۱] سال صرف کئے، اور اس کو انہوں نے تین بار تصنیف کیا، فرماتے ہیں: **قد صنفت کتبی ثلاث مرّات**۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں "**کانه اراد بالتکریر التنقیح**" یعنی تنقیح وتہذیب تین بار فرمائی، علامہ عینی فرماتے ہیں ابن طاہر نے کہا کہ امام بخاری نے صحیح بخاری کو بخارا یعنی پارس میں تصنیف کیا، ابن بجیر فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ بصرہ میں، اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں تصنیف ہوئی۔ لیکن خود امام بخاری کا بیان ہے کہ میں نے "**الجامع الصحیح**" کو مسجد حرام میں تصنیف کیا .................
مقام تصنیف کے بارے میں جو متعدد مقامات بیان کئے جاتے ہیں، ان میں حافظ ابن حجر (یہ حافظ ابن حجر بخاری شریف کے شارح ہیں یعنی قرآن کریم کی شرح کرنے والے! پس ان کی قابلیت کا اندازہ کرلیجئے) نے یہ تطبیق دی ہے کہ تصنیف کا ابتدائی خاکہ اور ترتیب و ابواب تو مسجد حرام میں لکھ لئے تھے، اور مختلف مقامات پر احادیث کی تخریج فرماتے رہے تراجم ابواب کے مسودہ کو مزار مبارک اور **ممبر** شریف کے درمیان بیضہ میں تبدیل فرمایا"[۱]۔ اب آپ خود فیصلہ کرلیجئے کہ کیابات صحیح ہے۔ غور کیجئے کہ اوپر کی مختلف باتوں میں حافظ صاحب نے جو تطبیق دی ہے وہ اپنے امام (متوفی ۲۵۶ء) کے مرنے کے تقریباً چھ سو سال بعد دی ہے (حافظ صاحب متوفی ۸۵۲ھ) اس لئے فن اسماء الرجال کے مطابق کیاوہ زیادہ صحیح ہوگی؟

اس کتاب کی تصنیف کے بارے میں "متعین طور سے تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ امام موصوف نے اس کتاب کی تصنیف کا آغاز کس سنہ سے کیا، اور کب اس سے فارغ ہوئے، لیکن اتنا معلوم ہے کہ تصنیف کرنے کے بعد اس کو اپنے شیوخ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ابن المدینی ۲۳۴ھ اور ابن معین ۲۳۳ھ کے سامنے پیش کیا تھا۔ ابن معین کا سنہ وفات ۲۳۳ھ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سنہ میں بخاری تصنیف سے فارغ ہوچکے تھے، البتہ اس میں کچھ بعد میں اضافے بھی کرتے رہے۔ یہ کتاب امام صاحب نے سولہ سال میں مکمل کی، خود فرماتے ہیں: صنفت کتابی الصحیح فی ست عشرۃ سنۃ، اس لئے اس کا آغاز ۲۱۷ھ میں ہوگا، جب کہ آپ کی عمر شریف ۲۳ سال کی تھی"![۲]

دوسرے مقام پر یہی مصنف فرماتے ہیں کہ "امام موصوف نے حج سے فراغت کے بعد دوسال مکہ معظمہ میں قیام فرمایا، پھر اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کارخ کیا، اور وہاں نبی کریم سلامٌ علیہ کو قبر مبارک کے پاس چاندنی راتوں میں " **قضایا الصحابہ و التابعین** اور "التاریخ الکبیر" تصنیف کی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام صاحب کے سفر کا آغاز ۲۱۰ھ سے ہوا۔ انہوں نے سماع حدیث کے لئے دور دراز کا سفر کیا، شام، مصر اور جزیرہ میں دوبار تشریف لے گئے اور حجاز مقدس میں چھ سال قیام فرمایا، کوفہ وبغداد جو علما کا مرکز تھا، بار بار گئے، اور بصرہ میں چار مرتبہ جاناہوا، اور بعض دفعہ پانچ پانچ سال تک قیام کیا، ایام حج میں مکہ معظمہ چلے جایا کرتے تھے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ امام موصوف آٹھ مرتبہ بغداد آئے اور ہر مرتبہ امام احمد بن حنبل بغداد کے قیام پر اصرار کرتے تھے"[۳]۔

---

۱۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے، از مولوی تقی الدین صاحب ندوی مظاہری ص ۱۴۹۔۱۵۰---۲۔ ایضاً ص ۱۴۸---۳۔ ایضاً۔ ص ۱۳۷۔۱۳۸

قارئین! اسماء الرجال کی اس تحقیق کے بعد آپ خود فیصلہ کرلیں کہ حجاز مقدس میں امام موصوف صرف چھ سال رہے تو مسجد حرام میں بیٹھ کر سولہ سال میں کتاب کیسے تصنیف ہوگئی؟ نیز وہ صحیح بخاری تھی یا مسجد نبوی میں بیٹھ کر لکھی گئی "قضایا الصحابہ والتابعین" اور "التاریخ الکبیر" بہرحال اسی کو اہل حدیث و اہل فقہ کے ہاں تحقیق اور اسماء الرجال کا فن کہتے ہیں! اور اس سے کس طرح دھوکہ دیا جاتا ہے اس کی زندہ مثال ہمارے موصوف کا دھوکہ ہے جو انہوں نے اپنی مایہ ناز کتاب میں برق صاحب کے اعتراض کی صحیح بخاری وغیرہ ڈھائی سو سال بعد لکھی گئی کے جواب میں دیا ہے۔ ملاحظہ ہو، لکھتے ہیں کہ:

"امام بخاری کی یہ تصنیف بھی ڈھائی سو سال بعد کی تصنیف نہیں ہے۔ امام بخاری کا انتقال ۲۵۶ھ میں ہوا، یعنی آنحضرت ﷺ کے انتقال کے ۲۴۶ سال بعد۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ صحیح بخاری دو سو پچاس سال بعد تصنیف ہوئی ہو، امام بخاری کی زندگی میں یہ کتاب ان سے لاکھوں طلباء نے نقل کی، اور اس کام کے لئے کم از کم مدت اگر ہم ۴۰ سال فرض کرلیں، تو صحیح بخاری کی تصنیف کا زمانہ آنحضرت ﷺ کے انتقال کے ۲۴۶-۴۰ = ۲۰۶ سال بعد قرار پاتا ہے، ۲۰۶ کو ۲۵۰ بنادینا تحقیق کے یکسر منافی ہے"[1]۔

قارئین غور کیجئے اس دھوکہ پر کہ ہمارے موصوف صحیح بخاری کو ۲۱۶ھ کی تصنیف بتا رہے ہیں جبکہ اس وقت امام بخاری کی عمر ۲۱۶-۱۹۴ = ۲۲ سال تھی۔ گویا کہ (اگر یہ بات صحیح مان لی جائے کہ اس تصنیف میں امام بخاری نے سولہ سال صرف کئے) انہوں نے چھ سال کی عمر میں ہی، جبکہ وہ نابینا تھے[2] کتاب لکھنا شروع کردیا تھا۔

ہمارے موصوف کے دوسرے دھوکہ پر بھی غور کیجئے کہ "امام بخاری کی زندگی میں یہ کتاب ان سے لاکھوں طلباء نے نقل کی"! تو اس حساب سے تو صحیح بخاری کے لاکھوں نسخہ ہونے چاہئے تھے۔ کیا کسی نے ان میں سے بھی کوئی نسخہ دیکھا ہے؟ یا کسی کے پاس ہے؟ کیا حاضری کے لئے کوئی رجسٹر رکھا جاتا تھا جس کی شہادت سے لاکھوں کی تعداد معلوم ہوئی یا پھر رائے ونڈ کے اجتماع کی طرح دس لاکھ افراد کا اجتماع کی خبر شائع کردی گئی! یا کربلا کے اجتماع کی خبر شائع کردی گئی کہ وہاں بیس لاکھ افراد کا اجتماع ہوتا ہے !

خیال رہے کہ کسی بھی کتاب کے بارے میں اس کی تاریخ تصنیف وہی مانی جاتی ہے جو کہ خود مصنف نے لکھی ہو۔ ورنہ پھر عام طور پر مصنف کے انتقال کا سال ہی اس کتاب کی تصنیف کا سال مان لیا جاتا ہے۔ سوائے اس کے کہ اس کے بعد والے کہیں یہ کتاب انہوں نے شائع کی۔ (اسی لئے صحیح بخاری کا سال تصنیف ۲۵۶ھ مانا جاتا ہے)۔ حالانکہ یہ اصول یا رواج پرانی کتابوں کے لئے صحیح نہیں یونکہ پرانی بہت سی کتابیں اُن کے مصنفین کی شائع کردہ نہیں ہیں بلکہ ان کے بعد ان کی اولاد یا شاگردوں نے شائع کی تھیں۔ اور بخاری نے خود اپنی کتاب شائع نہیں کی تھی۔ ان کے بعد ان کے شاگرد فبروری نے اسے آگے بڑھایا۔ اب یہ کہا جاتا ہے کہ موجودہ اشاعت انہی کے نسخہ سے ہوئی ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کا تحریر کردہ نسخہ کہاں ہے؟

---

[1] "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" باب ۶۔ ص ۲۰۸۔۔۔ [2] تقی الدین صاحب ندوی مظاہری ہی نے اپنی اسی کتاب "محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے" کے ص ۱۳۷ پر لکھا ہے کہ وہ "بچپن میں نابینا تھے" اور یہ بات انہوں نے شارح بخاری کی حافظ ابن حجر کی شرح فتح الباری کے مقدمہ (۴۵۸) سے نقل کی ہے

قارئین اور دیکھئے کہ بات کیا سے کیا ہو جاتی ہے اور پچھلوں کے بارے میں تحقیق میں کس طرح دھوکہ ہو جاتا ہے یا دھوکہ دیا جاتا ہے۔ اس کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو کہ ڈاکٹر غلام جیلانی برق صاحب نے مؤطا پر اعتراض کیا تھا کہ:

"پونے دو سو برس کا عرصہ گذر چکا تھا۔ احادیث بڑھتے بڑھتے اور بگڑتے بگڑتے کیا سے کیا بن چکی تھیں اس ذخیرہ میں سے قول رسول تلاش کرنا اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور تھا"[1]

تو اعتراض کا (جس کا مقصد یہ تھا کہ رسول اللہ سلامؐ علیہ کی وفات کے تقریباً پونے دو سو سال بعد مؤطا تالیف کی گئی جو کہ دشوار کام تھا) جواب دیتے ہوئے ہمارے موصوف فرماتے ہیں کہ:

"ازالہ: امام مالکؒ کی ولادت ۹۳ھ میں ہوئی اور یہی سنہ پیدائش برق صاحب نے بھی ص ۱۶۲ پر نقل فرمایا ہے گویا امام مالکؒ، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے صرف ۸۳ سال بعد پیدا ہوئے، تقریباً سترہ سال کی عمر میں وہ فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ گویا مؤطا کی تصنیف کے وقت صرف سو سال گذرے تھے، نہ کہ پونے دو سو برس"[2]

یعنی موصوف کے مطابق امام مالک نے فارغ التحصیل ہوتے ہی مؤطا کی تصنیف کر لی تھی جبکہ اس وقت ان کی عمر صرف سترہ سال تھی! کہئے یہ لطیفہ کیسا ہے؟

اب دیکھئے کہ تقی الدین ندوی مظاہری صاحب کیا فرماتے ہیں:

"تالیف کا صحیح زمانہ معلوم نہیں ہو سکا صرف قرائن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، محدث قاضی عیاض نے مدارک میں امام مالکؒ کے شاگرد خاص ابو مصعب کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ مؤطا کی تالیف خلیفہ ابو منصور عباسی کی فرمائش پر خود اسی کے عہد میں شروع ہوئی تھی،[3] لیکن پایہ تکمیل کو اس کی وفات کے بعد پہنچی۔[4] منصور نے ۶ ذی الحجہ ۱۵۷ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدی مسند خلافت پر متمکن ہوا اور اس کی خلافت کے ابتدائی دور میں اس کی تالیف پوری ہوئی۔

ابتدائے تالیف کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ ابن حزم نے صراحت کی ہی کہ امام مالکؒ نے مؤطا کی تالیف یحیٰی بن سعید الانصاری (المتوفی ۱۴۳ھ) کی وفات کے بعد کی ہے"[5]

جبکہ اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"انہوں نے اس کتاب کی ترتیب میں چالیس سال کا عرصہ صرف فرمایا"[6]۔

قارئین اب آپ ہمارے موصوف کی حساب کی قابلیت کا اندازہ لگا لیں اور یہ کہ اس اسماء الرجال کے فن کے ذریعہ کس طرح فریب دیا جاتا رہا اور کتابیں لکھنے والوں کو آسمان پر چڑھایا جاتا رہا! اور اس کا نام حسن ظن رکھا گیا اور اس کا نام فنِ حدیث اور فنِ اسماء الرجال!

---

۱۔ کتاب "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام" باب ۷ ص ۲۱۶۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۱۶۔۔۔ ۳۔ بحوالہ تزئین الممالک للسیوطی ص ۴۳۔۔۔ ۴۔ بحوالہ مقدمہ اوجز ص ۲۰۔۔۔ ۵۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ ص ۹۷۔۹۸۔۔ ۶۔ "مبادئ تدبر حدیث" موطا امام مالک کی امتیازی خصوصیات۔ ص ۱۴۸

## اجماع یا اجماع امت

اور دیکھئے کہ ہمارے موصوف اپنی ایک کتاب میں "صحیح بخاری و صحیح مسلم کی صحت پر امّت کا اتفاق" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ "اہل سنت کے ہر فرقہ کا اس کی صحت پر اجماع ہے"[1]۔ آگے لکھتے ہیں:

(۱)"امام نسائیؒ فرماتے ہیں: أجمعت الأمّة علىٰ صحة هندين الكتابين، یعنی بخاری و مسلم کی صحت پر امت کا اجماع ہے"[2] (نصرۃ الباری)

(۲) "امام الحرمین لکھتے ہیں: لا جماع علماء المسلمين علىٰ صحتها (نصرۃ الباری) یعنی علمائے مسلمین کا ان دونوں کی صحت پر اجماع ہے"[3]۔

(۳)"شبیر احمد عثمانی تحریر فرماتے ہیں: انّ ما نفرد به البخاری و مسلم مندرج فی قبیل ما یقطع بصحة لتلقی الأمة كل واحد من كتابهما بالقبول ۔ یعنی بخاری و مسلم کی منفرد روایتیں بھی قطعی الصحت ہیں اس لئے کہ امت نے ان کی ہر حدیث کو تسلیم کیا ہے!"[4] (فتح الملہم شرح صحیح مسلم) (کتنی بڑی جرأت ہے یہ بیان دینے کی! یعنی اب صحیح یا حق کا معیار امت ہو گئی! اور وہ کون سی امت؟؟۔۔ عجمی زدہ ملاؤں کی امت! صدیق)

(۴) "یعنی امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے لئے ان ہی احادیث کو قابل اعتماد سمجھا، جن کی صحت پر اجماع تھا۔ پھر امام مسلمؒ کے متعلق بھی انہوں نے یہی بات تحریر فرمائی"[5]۔ (مقدمہ تاریخ ابن خلدون)

قارئین غور کیجئے کیا اجماع امت ہو گیا؟ جب ابھی امت پوری ہوئی ہی نہیں تو اجماع امت کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا اس سے بڑا جھوٹ اور کوئی ہو سکتا ہے؟

خود موصوف ایک موقعہ پر "اجماعِ امت" پر اعتراض کرتے ہوئے اپنی اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

"اجماع امت سے مراد یہ ہے کہ صحابہ سے لے کر قیامت تک سب مسلم اس پر اتفاق کر لیں، تو یہ واقع نہیں ہوا۔ لہٰذا ان کا یہ لکھنا کہ اس پر اجماع ہے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟"[6]۔

موصوف خود اس جھوٹ کو صحیح نہیں مانتے چنانچہ لکھتے ہیں کہ:

"الغرض امام بخاری و امام مسلم نے اُن احادیث کو ان کتابوں میں جمع کیا جن کی صحت پر اس وقت تک کے تمام علماء کا اتفاق تھا"[7]۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس قسم کا اجماع کسی ایک وقت میں ایک جگہ ممکن تھا؟ کیا چند ہمعصر یا ناقلین کا ایک روایت کو صحیح کہہ دینا حجت شرعی ہے؟ اگر چند ہمعصر علما کا اتفاق "اجماع" کہلا سکتا ہے تو پھر تو مقلد فرقوں کا استدلال برائے "اجماع" بھی ماننا پڑے گا اور وہ موصوف مانتے نہیں۔ بلکہ وہ تو یہ بھی نہیں مانتے کہ علما حق کا معیار ہیں[8]

اسی طرح سے ہمارے موصوف مؤطا امام مالک کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

---

۱۔ کتاب "خلاصہ تلاش حق" از مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین۔ ص ۳۲۔۔۔۲۔ ایضاً۔ ص ۳۳۔۔۔۳۔ ایضاً۔ ص ۳۳۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۳۴۔۔۔۵۔ ایضاً۔ ص ۳۷۔۔۔۶۔ ایضاً۔ ص ۱۰۷۔۔۔۷۔ ایضاً۔ ۳۷۔۔۔۸۔ ایضاً 'علماء حق کا معیار نہیں ہیں'۔ ص ۶۴-۶۵

''امام مالک نے مؤطا کو تمام ائمہ کے سامنے پیش فرمایا تھا اور سب نے موافقت کی تھی۔ اس لئے اس کا نام مؤطا رکھا گیا۔ اگر یہ ائمہ دین امام مالک کی حدیث کو قابل اعتماد نہ سمجھتے، تو پھر یہ مؤطا کی صحت کی تائید بھی نہ کرتے''[1]۔

ہمارے خیال میں تو موصوف کا یہ قول بالکل اس گھڑی ہوئی حکایت کی طرح ہے جس میں یہ سنایا جاتا ہے کہ ''امام مالک نے مؤطا لکھنے کے بعد پانی کے حوض میں ڈال دی تھی تو اس کا کوئی لفظ بھی گیلا نہیں ہوا تھا''۔ (معاذ اللہ)۔ ایسا غیر فطری عمل تو قرآن کریم کے ساتھ بھی نہیں ہو سکتا!

کیا ضروری ہے کہ ہمعصر ناقلین اتنی استطاعت رکھتے ہوں کہ وہ ان کی تصحیح کر سکتے ہوں؟ نیز وہ کون کون سے امام تھے جن کے سامنے امام مالک نے مؤطا کو پیش کیا تھا؟ کیا یہ ممکن العمل تھا کہ انہوں نے مؤطا کی اتنی کاپیاں فوٹو اسٹیٹ کرالی ہوں کہ سب کو پیش کر سکیں؟ پھر اگر ان اماموں نے اتنی نقلیں تیار کروالی تھیں تو پھر کم از کم ایک ایک نسخہ تو محفوظ رہنا چاہئے تھا، وہ کہاں ہے؟

قارئین اب اس اجماع کا حال بھی دیکھ لیجئے۔ تقی الدین صاحب ندوی مظاہری ان اماموں کے بارے میں اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ:

★۔ ''امام مالکؒ فرماتے ہیں، اس کتاب کو لکھ کر میں نے فقہاء مدینہ میں ستر فقیہوں کے سامنے پیش کیا سب ہی نے مجھ سے اتفاق کیا اس لئے میں نے اس کا نام مؤطا رکھا ہے''[2]۔

★۔ ''امام بخاری نے اپنی کتاب تصنیف کرنے کے بعد اس کو اپنے شیوخ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ابن المدینی ۲۵۴ھ اور ابن معین ۲۳۳ھ کے سامنے پیش کیا تھا''[3]۔

★۔ ''علامہ بلقینی نے اس سلسلہ میں، امام احمد بن حنبل، یحیٰی بن معین، عثمان بن ابی شیبہ، امام سعید بن منصور خراسانی، ان چار ائمہ کے نام گنا کر لکھا کہ امام مسلم کی مراد اجماع سے ان چار حضرات کا اجماع ہے۔ جب کتاب مکمل ہو گئی تو ابو زرعہ امام الجرح و التعدیل کے سامنے پیش کیا۔ جس روایت میں کسی علت کی طرف اشارہ کیا اس کو کتاب سے خارج کر دیا''[4]۔

قارئین! نوٹ کر لیجئے کہ تین، چار اور ستر افراد یا علماو فقہا یا محدثین کے سامنے پیش کرنے کو اجماع، اجماع امت، علمائے مسلمین کا اجماع، امت نے ہر حدیث کو تسلیم کیا ہے (یعنی اجماع امت ہو گیا)، اس وقت تک کے تمام علما کا اتفاق، تمام ائمہ (ہمعصر) کی موافقت وغیرہ کہا اور لکھا جا رہا ہے! کیا یہی حق ہے؟

## شرحِ قرآن کی شرح:

ان (نام نہاد) احادیث کی کتابوں کو قرآن کریم کی شرح کہا جاتا ہے۔ اگر یہ شرح تھیں تو پھر ان کی شرح کا کیا سوال پیدا ہوتا تھا؟ مگر چونکہ یہ عقیدہ باطل تھا اس لئے اس کے پھیلانے والے سازشیوں ہی نے ان کتابوں کی بھی بے

---

[1]۔ کتاب ''تفہیم اسلام بجواب دو اسلام''۔ باب۔ ۴۔ ص ۱۵۳۔۔۔ [2]۔ محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ ص ۹۸ (بحوالہ مقدمہ اوجز ص ۲۲)۔۔۔ [3]۔ ایضاً۔ ص ۱۴۸۔۔۔ [4]۔ ایضاً۔ ص ۱۷۶

حساب شرحیں لکھوادیں اور اس طرح قرآن کی شرح کی شرحوں کا کبھی نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو گیا۔ قارئین غور کیجئے کہ کیا شرح کی بھی شرح ہوتی ہے؟ اب دیکھئے کہ خود یہ علماکرام ان شروع کے بارے میں کیا گواہی دیتے ہیں:

★۔"مؤطا کی مقبولیت وہر دل عزیزی کا یہ عالم ہے کہ اس کو شارحین و معلقین و محشین کی ایک بڑی جماعت ہاتھ آئی ہے،............... ، قاضی عیاض نے اپنی معلومات کے مطابق ان کی تعداد ۹۹ بتائی ہے، ان کے بعد بھی اس میں ہر زمانہ میں اضافہ ہی ہوتا رہا[1]۔

حد تو یہ ہے کہ برصغیر ہندوپاک میں بھی شاہ ولی اللہ سے (جنہوں نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں اس کی شرح لکھی) لے کر اب تک اس کی شرحیں لکھی جارہی ہیں (غالباً اس وقت نئی شرح جناب امین احسن اصلاحی صاحب ہی کی ہے جس کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب "مبادیٔ تدبرِ حدیث" کے پیش لفظ میں ص۱۶ پر کیا ہے)

★۔"جامع صحیح (بخاری) کی اہمیت و مقبولیت کی بنا پر ہر دور کے علماء نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں۔ لامع میں ایک سو سے زائد شروح وحواشی اور متعلقات بخاری کا تذکرہ ہے"[2]۔

★۔"صحیح مسلم پر بہت سی شروح وحواشی اور مستخرجات لکھے گئے ہیں۔ صاحب کشف الظنون نے ان کا مفصل تذکرہ کیا ہے"[3]۔

فاضل مصنف صحیح مسلم کی شروح کی تعداد نہ لکھ سکے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آج بھی بخاری و مسلم دونوں ہی کی اور شرحیں کی جارہی ہیں۔ **<u>اسی سے ثابت ہو جاتا ہے کہ وہ رسول سلام علیہ کی کی ہوئی قرآن کی شرحیں نہیں ہیں ورنہ انہیں مزید شرح کی ضرورت نہ پڑتی۔</u>**

## استشہاد

کہتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث خبر کی بنیاد پر نہیں بلکہ استشہاد کی بنیاد پر جمع کی گئی تھیں اس لئے صحیح ہیں۔

فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شہادت کا شرعی طریقہ، آپ ہی کے مطابق، یہی ہے کہ پچھلے دوڈھائی سو سال کے پانچ سات راویوں کی شہادت غائبانہ لے لو، اور اصل شاہد جس نے دیکھا یا سنا اس تک رسائی یا حاضری نہ ہو؟ کیا شہادت کے اس طریقہ پر قتل یا چوری وغیرہ کے ملزم پر شرعی حد نافذ کی جاسکتی ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں، تو پھر پچھلوں سے غائبانہ شہادت برائے (نام نہاد) احادیث بھی بے وزن ہو گئی!

نیز اگر یہ استدلال پیش کیا جائے کہ دوسری اور تیسری صدیوں کے محدثین نے شہادت کی بنیاد پر پہلوں کی کتاب سے نقل کیا تھا تو یہ سراسر جھوٹ ہے یونکہ انہوں نے کسی کی کتاب سے شاذونادر ہی نقل کیا ہوگا (حد تو یہ ہے کہ صحابہؓ کبار تک کی لکھی ہوئی کتابیں محدثین نے اس شبہ پر رد کر دی تھیں کہ کیا پتہ یہ ان کی لکھی ہوئی ہیں یا کوئی دھوکہ دے رہا ہے یا کسی نے ان میں تحریف نہ کی ہو) سب سنی سنائی روایتا تھیں اور لاکھوں کے حساب سے تھیں۔ دیکھئے اصلاحی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"(امام مالک نے) ایک لاکھ احادیث سے صحیح حدیثیں منتخب کر کے اپنی مؤطا کو ترتیب دیا تھا جو کم وبیش

---

۱۔ ایضاً۔ ص۱۰۹۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص۱۶۲۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص۱۸۶

ایک ہزار روایات پر مشتمل ہے۔۔۔۔۔۔

امام مالک سے ایک ہزار سے زائد تلامذہ نے یہ کتاب روایت کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے نسخوں میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ اس کے تمام نسخوں کی تعداد تیس ہے، جن میں سے بیس زیادہ مشہور ہیں۔۔۔۔

یہاں اس امر کا بیان بھی ضروری ہے کہ مؤطا میں چور دروازے سے آنے والی بعض روایتوں کی نوعیت بہر حال استثنائی ہے۔۔"[1]

قارئین! یہاں اصلاحی صاحب کے بیان پر غور کریں کہ ایک لاکھ (نام نہاد) احادیث میں سے امام مالک کو صرف ایک ہزار کے قریب صحیح روایتیں ملیں۔ (اور باقی کو انہوں نے ردّ کر دیا مگر پھر بھی منکر حدیث نہیں کہلاتے۔ اگر ہم بھی اسی تناسب سے یعنی ۱۰۰:۱ کے تناسب سے ان ایک ہزار میں سے ۹۹۰ رد کر دیں تو منکر حدیث و کافر سب کچھ بنا دیئے جائیں گے!)

دوسری بات اصلاحی صاحب کا اس حقیقت کا اظہار ہے کہ ان کے نسخوں میں اختلاف ہے!۔ یہ حقیقت وہ جان کر دوسری کتابوں کے لئے نہیں لکھیں گے!

تیسری بات بھی اصلاحی صاحب دوسری کتابوں کے لئے نہیں لکھیں گے کہ ان کتابوں میں چور دروازے سے بھی روایات داخل کی گئیں۔ چنانچہ

اب دیکھئے وہ صحیح بخاری کے بارے میں کیا بتاتے ہیں کہ:

"انہوں نے اسے تقریباً پانچ لاکھ حدیثوں کے انبار سے مدّون کیا۔۔۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک ہزار سے زیادہ شیوخ حدیث سے استفادہ کیا۔ ستر ہزار طلبہ نے امام بخاری سے ان کی صحیح کا درس لیا"[2]۔ جبکہ

"علامہ نووی و شیخ ابن صلاح کے نزدیک تکرار کے ساتھ بخاری کی روایات کی تعداد ۷۲۷۵ ہے اور عدم تکرار کے ساتھ ۴۰۰۰"[3]۔

قارئین غور کیجئے کہ پانچ لاکھ (نام نہاد) احادیث میں سے صرف چار ہزار روایات قبول کیں باقی رد کر دیں! تو تناسب مؤطا سے بھی کم ہو گیا۔ (مگر پھر بھی منکر حدیث نہیں کہلاتے!) قابل غور بات یہ ہے کہ انہوں نے ایک ہزار سے زائد شیوخ حدیث سے استفادہ کیا اور پانچ لاکھ (نام نہاد) احادیث جمع کیں جن میں تقریباً سب موضوع تھیں، سوائے چار ہزار کے، تو پھر اندازہ کر لیجئے کہ وہ شیوخ حدیث کتنے اچھے اور سچے لوگ ہوں گے ظاہر ہے وہی شیوخ امام بھی ہوں گے! (خود ساختہ امام)۔ وہی مدلّس یا چور یا فریبی بھی ہوں گے مزید یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام صاحب سے ستر ہزار طلبہ نے ان کی صحیح کا درس لیا تھا اس کے معنیٰ ان کے راوی یا کتاب کو پھیلانے والے اتنے زیادہ تھے تو پھر اختلاف ہونا اور چور دروازے سے روایات شامل ہونا بھی یقینی بات ہے جبکہ مؤطا کے ساتھ یہ کچھ ہو چکا تھا۔

اب دیکھئے امام مسلم کی صحیح مسلم کے بارے میں کہ:

"انہوں نے تین لاکھ احادیث سن کر ان میں سے اس کو مرتب فرمایا تھا"[4]۔

---

[1] مبادئ تدبر حدیث۔ باب ۱۰۔ ص ۱۴۸۔۱۴۹۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۵۳۔۔۔ [3] محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ ص ۱۵۵

[4] مبادئ تدبر حدیث۔ ص ۱۵۵

"علامہ طاہر جزائری کے نزدیک مکررات کے حذف کے بعد صحیح مسلم کی تعداد روایات چار ہزار ہے"[1]۔

قارئین اب آپ خود حساب لگالیجئے کہ (نام نہاد) صحیح احادیث کا تناسب کیا بنا۔ (مگر تقریباً تین لاکھ (نام نہاد) احادیث کورد کرنے کے باوجود انہیں منکر حدیث نہیں کہا جاتا) یہی حال دیگر محدثین کا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ

"امام احمد بن حنبل کو ساتھ لاکھ سے زائد قابل اعتماد حدیثوں کا حصہ محفوظ تھا، حافظ ابو زرعہ رازی کی حدیثوں کی تعداد ساتھ لاکھ بتائی گئی ہے، امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ایک لاکھ صحیح اور دو لاکھ غیر صحیح حدیثیں یاد ہیں، امام مسلم کا دعویٰ ہے کہ میں نے اپنی جامع صحیح کو تین لاکھ حدیثوں سے منتخب کیا ہے"[2]۔

غور کیجئے یہ کس قسم کی شہادت تھی کہ لاکھوں لوگ جو شیخ اور امام تھے شہادت دیتے تھے مگر ان میں سے صرف چند سو یا ہزار کی شہادت قبول کی جاتی تھی! یہ دوسری اور تیسری صدی کے مسلمین تھے یا چودھویں صدی کے مسلمان! (خیال رہے اس زمانہ میں مسلمان نہیں ہوتے تھے وہ سب اپنے کو مسلم یا مومن ہی کہتے تھے) مزید یہ غور کیجئے کہ (نام نہاد) احادیث یاد ہونے، ان میں سے رد کر کے قبول کرنے میں کس قدر اضطراب پایا جاتا ہے۔ کوئی کچھ کہہ رہا ہے اور کوئی کچھ! جب (نام نہاد) احادیث کی تعداد کی صحیح معلومات ہی نہیں معلوم کر کے لکھ سکے تو کیا صدیوں پہلے مرے ہوؤں کے کردار کے بارے میں صحیح معلومات جمع کر سکتے تھے؟ اسی طرح اسماء الرجال کی کتابوں میں راویوں کے بارے میں اختلافات ہیں کوئی کچھ کہتا ہے اور کوئی کچھ اور تو کیا ایسا علم یا فن قابل اعتبار ہو سکتا ہے؟؟ غور کیجئے!

دوسرا اہم نکتہ استشہاد کے بارے میں یہ ہے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں خود لکھا ہے کہ:

"حدیث بیان کرنے اور گواہی دینے میں اگرچہ کچھ فرق ہے مگر وہ دونوں شریک ہیں ایک بڑے مطلب میں"[3]۔

جبکہ ہمارے علما کہتے ہیں کہ تمام (نام نہاد) احادیث شہادت کی بنیاد پر جمع کی گئیں تو یہ کس قسم کی شہادت تھی جبکہ شہادت کا نصاب عام (جو مروّجہ ہے) وہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہے لیکن اکثر روایات ایک ہی مرد یا ایک ہی عورت کی روایت کردہ ہیں تو پھر وہ شہادت کیسے ہو گئیں؟

تیسرا اہم نکتہ استشہاد کے بارے میں یہ ہے کہ شاہد کو عینی شاہد ہونا چاہئے اور خود حاضر ہو کر شہادت دینا ہوتی ہے۔ حتّٰی کہ رویت ہلال کے سلسلہ میں بھی شاہد، عینی شاہد ہوتا ہے کہ خود امیر (یا اس کے مقرر کردہ عمال) کے پاس حاضر ہو کر شہادت دیتا ہے، لیکن قول و فعل رسول سلامٌ علیہ کی شہادت کے لئے یہ شرط، شرعی شہادت کی شرائط میں سے کیوں کر نکالی جا سکتی ہے؟ کہ پچھلے برسوں و صدیوں پہلے مرے ہوؤں کی شہادت لی جا رہی ہے۔ کیا کسی اور شرعی مسئلہ میں ایسا ممکن ہے کہ کوئی شخص آ کر شہادت دے کہ اس کے باپ یا بھائی یا شیخ نے فلاں جرم فلاں کو کرتے دیکھا تھا۔ تو کیا اس پر فردِ جرم عائد ہو جائے گی اور اس پر حد لگ جائیگی؟

آپ یقیناً یہی جواب دیں گے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو پھر قول و فعل رسول سلامٌ علیہ کے لئے اس قسم کی مُردہ، ظنّی شہادت کو کیوں قبول کرتے ہیں۔ جبکہ شہادت دینے والوں کا حال یہ ہے کہ وہ مدلّس تھے، چور تھے، فریبی تھے،

---

[1] محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ ص ۱۷۴۔۔۔[2] ایضاً۔ ص ۵۳۔۔۔[3] صحیح مسلم، مقدمہ، باب وُجوِ الرِّوَایَہ عن الثقات و ترکِ الکاذبین۔ ص ۲۵

سازشی تھے۔ دیکھئے ہمارے موصوف خود ان کی کتنی بڑی تعداد بتاتے ہیں۔

"جن اماموں پر تدلیس کا الزام لگایا گیا ہے ان کے نام درج ذیل ہیں:

امام حسن بصریؒ، امام الولید بن مسلمؒ، امام سلیمان الاعمش، امام ثقیان ثوری، امام سفیان بن عینیہ امام قتادہ، امام مکحول، امام جریر بن حازم، امام حفص بن غیاث، امام طاؤس، امام عبداللہ بن زیدؒ، امام عبداللہ بن وہب، امام علی بن عمر الدارقطنی، امام مالک، امام ہشام بن عروہ، امام موسیٰ بن عقبہ، امام یحییٰ بن سعید، امام یزید بن ہارون، امام ابراہیم نخعی، امام الحکم بن عتیبہ، امام حماد بن اسامہ، امام سعیب بن ابی عروبہ، امام سالم بن ابی الجعد، امام سلیمان بن طرخان، امام شریک بن عبداللہ، امام محمد بن اسحاق بن یسار، امام شعیب بن محمد، امام عبدالرزاق، امام عمرو بن شعیب، امام محمد بن حازم، امام یحییٰ بن ابی کثیر، امام حمید الطویل، امام عبدالملک بن جریج، امام طلحہ بن نافع وغیرہ وغیرہ۔

یہ فہرست بہت طویل ہے۔ کہاں تک لکھی جائے۔ تقریباً تمام اماموں کو مدلس بنا کر حدیث اور فنِ حدیث کو بڑا نقصان پہنچایا گیا۔۔"[1]۔

قارئین! غور کیجے کہ جب تقریباً تمام اماموں کو مدلس بنا کر حدیث اور فن حدیث کو بڑا نقصان پہنچایا گیا تو پھر اہل حدیث اور ہمارے موصوف کس منہ سے کہتے ہیں کہ حدیثیں۔ صحیح ہیں؟ جبکہ محدثین خود صحیح حدیثوں کو رد کرتے رہے، ان کا انکار کرتے رہے، دیکھئے موصوف خود کیا لکھتے ہیں:

"امام بخاری فرماتے ہیں: یعنی میں نے اپنی جامع میں کوئی ایسی حدیث نقل نہیں کی جو صحیح نہ ہو۔ اور بہت سی صحیح احادیث کو کتاب کی طوالت کے خوف سے چھوڑ دیا۔" (مقدمہ ابن صلاح) اس قول سے معلوم ہوا، کہ جو احادیث امام بخاری نے چھوڑ دیں، ان میں بھی بہت سی حدیثیں صحیح تھیں، امام بخاری فرماتے ہیں:

"یعنی مجھے ایک لاکھ صحیح احادیث یاد ہیں۔" (مقد ابن صلاح)

علامہ عینی لکھتے ہیں:

"یعنی امام بخاری نے ایک کتاب ایسی بھی لکھی تھی جس میں ایک لاکھ صحیح حدیثیں تھیں"[2]۔ (نصرۃ البخاری) (صفحہ۔ ۷۰۔ بحوالہ عمدۃ القاری)

قارئین! غور کیجئے کہ موصوف کے مطابق امام المحدثین نے کم از کم ایک لاکھ احادیث رڈ کر دیں۔ ان کا انکار کر دیا! یا پھر دشمنان اسلام سازشیوں نے وہ صحیح احادیث غائب کر دیں! کہئے سب سے بڑا منکر حدیث کون ہوا کہ جانتے بوجھتے صحیح احادیث کا انکار کر دیا وہ ایک لاکھ صحیح احادیث والی کتاب کہاں گئی جو اب چار ہزار والی پر امت کو بیوقوف بنایا جا رہا ہے؟ یہ سارا کارنامہ کس کا ہے؟

قارئین! آپ ان سوالات کا جواب تلاش کرتے رہئے، ہم تو اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ قرآن کریم کے خلاف سازشی، پوری طرح سے اپنی سازش میں کامیاب ہو گئے اور جیسا کہ علامہ تمنا عمادی صاحب نے لکھا ہے، اور بالکل صحیح لکھا ہے کہ:

---

[1] رسالہ "اصول حدیث" مرتبہ مسعود احمد صاحب۔ ص ۱۶۔۱۷۔۔ [2] کتاب "تفہیم اسلام: بجواب دو اسلام"۔ پہلا باب، ص ۸۶

"شعبہ بن الحجاج نے سفیان ثوری سے کہا تھا **کلما تقدمتم فی الحدیثِ تأخرتم عن القرآن** (جتنا تم لوگ حدیثوں میں آگے بڑھتے گئے، اس قدر تم قرآن کریم سے پیچھے ہٹتے چلے گئے)۔ **اصل قانونِ دین قرآن مبین ہے۔** احادیث کی حیثیت نظائر کی ہے۔ مگر افسوس کہ محدثین و فقہا نے قرآں کو بطور بدرقہ ساتھ رکھ لیا ہے مگر وہ دین کا منبع صرف احادیث ہی کو سمجھے ہیں اور پھر حدیثوں کے ساتھ ان کو اتنا غلو ہوا کہ متقدمین نے تو بقول ابن حجر: **کلّما سمعوا شیئًا علقوہُ** (پرانے محدثین جو کچھ بھی اور صحیح و غلط جیسی بھی روایت سنتے تھے اسے ٹانک لیتے تھے) جو جس سے ملا لے لیا بعد والوں نے چھان بین شروع کی تو فرقہ بندی کے جذبے کے ماتحت اپنے مسلک کے مطابق ہر حدیث صحیح اور مخالف ہر حدیث غلط۔ جہاں غلط نہ کہہ سکے وہاں اس کی تاویل اٹکل پچّو کر دی"[1]۔

اور ہمارے تجربہ کے مطابق تو قرآن و حدیث کے دیگر زبانوں میں تراجم تک متعصبانہ طریقہ پر اپنے اپنے مذہب یا مسلک کے مطابق لکھے جانے لگے۔ مثلاً ہمارے پاس جو بخاری کا ترجمہ ہے اس میں مترجمین یا ناشرین نے "ماخذ و مصادر" کی فہرست سے پہلے شاید غلطی سے اس حقیقت کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"بخاری شریف کے اس ترجمے میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ تشریح اہل سنت الجماعت کے عقائد کے مطابق ہو۔۔۔"[2]۔

## ابو حنیفہ کا فقہ الاکبر کے نام سے کتابچہ کا ذکر

قارئین! اس سے بھی بڑی بات یہ کہ امام فقہ ابو حنیفہ کی کوئی کتاب "حدیث" کی نہیں تھی (ویسے تو اُن کی کوئی کتاب کسی بھی فن پر موجود نہیں۔ ان سے منسوب جو کتاب فقہ الاکبر کے نام سے مشہور ہے وہ عقائد کے بارے میں ایک چھوٹا سا صرف چند صفحوں کا مقالہ ہے۔ جس کی شرح لکھ کر اس کو شرح فقہ اکبر کے نام سے کتاب بنا دی گئی ہے) تو محدث خوارزمی (المتوفی ۶۶۵ھ) کی مذہبی حمیت نے انہیں امام صاحب کے نام سے حدیث پر کتاب لکھنے کو مجبور کیا چنانچہ انہوں نے چند مسانید جمع کر کے ان کے نام موسوم کر دیں۔ (پہلے تو وہ مسند خوارزمی ہی کہلاتی تھی مگر اب فرقہ حنفی کے علما نے اسے "مسند امام اعظم" کے نام سے چھاپنا شروع کر دیا ہے) مگر غلطی سے اس کے شروع میں "مختصر سیرت امام ابو حنیفہ" لکھتے ہوئے اُن کی تصنیفات کے زیرِ عنوان یہ حقیقت یوں بے نقاب ہو گئی ہے کہ:

"اس وقت تک دنیا میں مسند امام اعظم کے متعدد نسخے ہیں۔ ان نسخوں کے جامع ابو المؤیّد محمد بن محمود الخوارزمی متوفی ۶۶۵ھ ہیں۔ ابو المؤید اس مرتّبہ نسخے کے دیباچہ میں لکھتے ہیں: بلاد شام مین بعض جاہلوں کو میں نے یہ کہتے سنا کہ امام ابو حنیفہ کو فن حدیث میں چنداں دخل نہ تھا۔ اور اسی وجہ سے حدیث میں ان کی کوئی کتاب نہیں ہے۔ اس پر مجھ کو **حمیت مذہبی کا جوش** ہوا اور میں نے چاہا کہ ان تمام مسندوں کو

---

[1]۔ مذاکرہ مابین علامہ تمنا عمادی صاحب اور شیخ الحدیث ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب۔ سلسلہ اشاعت نمبر ۲۰۔ اشاعت اول ۱۹۹۱ء۔ ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) ناظم آباد کراچی۔ ص ۱۲۱۔۔۔ [2]۔ "صحیح بخاری شریف" اردو ترجمہ مع عربی متن۔ ترجمہ و مفہوم اور ضروری تشریحات کے ساتھ، از حافظ قاری محمد عادل خان نقشبندی و قاری محمد فاضل قریشی مجددی، قمر سعید پبلشرز لاہور۔ جلد اول ص ۳۳

یکجا کر دوں جو علماء نے امام ابو حنیفہ کی حدیثوں سے مرتب کئے ہیں"[1]۔ (اس کے بعد انہوں نے ۱۵ مسندوں کے نام لکھے ہیں جو مختلف علما کی تھیں اور ان سب کو ملا کر جو مسند امام اعظم بنی اس میں کل (نام نہاد) احادیث کی تعداد صرف ۵۲۳ ہے۔

مزے کی بات یہ کہ اس مسند کے ناشرین نے جو "مختصر سیرت امام ابو حنیفہ اس کتاب کے آغاز میں شائع کی ہے اسی میں ابو حنیفہ کے حدیث میں چنداں دخل نہ ہونے کی ایک بہت ہی معقول وجہ لکھی ہے کہ:

"ابو حنیفہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔۔۔۔۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ۹۳ھ میں ہوئی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کا انتقال ۹۱ھ میں ہوا، اور ابو طفیل عامرؓ بن واثلہ ایک صد ہجری تک حیات تھے۔ امام ابو حنیفہ نے ان بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی روایت نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ امام ابو حنیفہ اس وقت امام ابو حنیفہ نہیں تھے بلکہ ایک عام تاجر زادے تھے"[2]۔

اس مسند کے آغاز میں "مختصر سیرت امام ابو حنیفہ" لکھتے ہوئے "تدوین فقہ" کے زیر عنوان ایک بہت عمدہ بات لکھی ہے کہ:

"فقہ کے ماخذ: علما نے فقہ کے چار ماخذ بیان کئے ہیں:

۱۔ کتاب اللہ

۲۔ سنت رسول اللہ ﷺ

۳۔ اجماعِ صحابہ وائمہ مجتہدین

۴۔ قیاس"[3]۔

غور کیجئے کہ یہ فقہ کے ماخذ ہیں جو (نام نہاد علما نے بیان کئے یا بنائے ہیں اللہ وہ رسول نے نہیں بیان کئے نہ بنائے اور یہ کم اور زیادہ بھی ہو سکتے ہیں یونکہ ہر شخص کی فقہ (جس کے لغوی معنی "سمجھ" کے ہیں اور اصطلاحی معنی فروعی مسائل کے ہیں) مختلف ہوتی ہے۔ ہر شخص کی سمجھ بوجھ مختلف ہوتی ہے۔ ہماری درخواست ہے کہ ان چار یا پانچ یا دس ماخذوں کو دین یا شریعت کا ماخذ نہ قرار دیجئے جیسا کہ اہل حدیث حضرات کرتے ہیں۔ دین و شریعت کا منبع صرف ایک ہے اور ایک ہی کا دیا ہوا واحد "قرآن مبین" ہے اور وہی دین ہے اور وہی رسول اللہ سلامؐ علیہ کا راستہ "سَبِیْل" (۱۲/۱۰۸) ہے آپ اس کو سنتِ رسول کہہ لیں! مگر ہمارے نزدیک تو سنت کا لفظ قرآن کریم میں رسول کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کیا ہے۔ ہاں رسول کے لئے لفظ مِلّۃ استعمال کیا ہے۔ اس لئے **مِلّۃ ابراہیمی مِلّۃ محمدی** ہے اور وہ سب قرآن کریم میں بتا دیا گیا ہے اس کے علاوہ ہم پر کچھ اور فرض نہیں کیا گیا۔

---

[1] "مسند امام اعظم" اردو ترجمہ مع تشریح از دوست محمد شاکر صاحب۔ حامد اینڈ کمپنی۔ مدینہ منزل۔ اردو بازار۔ لاہور۔ ص ۳۱ (اس حقیقت کا اظہار تقی الدین صاحب ندوی مظاہری نے بھی اپنی کتاب محدثین عظام اور ان کے کارنامے کے ص ۸۴ پر کیا ہے)

[2] ایضاً۔ ص ۱۵۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۲۴

## حیثیتِ حدیث

الغرض اوپر کی تمام بحث کے بعد یہ حقیقت ثابت ہو جاتی ہے کہ (نام نہاد) احادیث انتہائی اختلافی اور ظنّی نوعیت کی کتابوں پر مشتمل ہیں جن کی کوئی دینی حیثیت نہیں ہے۔ دین صرف "قرآن مبین" ہے۔ البتہ اگر ان (نام نہاد) احادیث پر مزید محنت کی جائے تو ان کی زیادہ سے زیادہ حیثیت نظائر یا تاریخ کی ہو سکتی ہے۔ جبکہ تاریخ کے نام سے لکھی گئی کتابوں میں زیادہ تر بکواس یا جھوٹے واقعات ہی لکھے گئے ہیں اسی لئے ہمارے موصوف نے بھی عام تاریخ کی بڑی بڑی کتابوں تک کو رد کر دیا ہے۔ دیکھئے وہ "کتب تاریخ کی حیثیت" کے زیر عنوان کیا لکھتے ہیں:

"اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض مؤرخین نے اگرچہ ہر واقعہ کو یا اکثر واقعات کو سند کے ساتھ اپنی کتاب میں تحریر کیا مثلاً محمد بن اسحٰق، ابن جریر طبری، ابن سعد وغیرہ نے سند کے ساتھ واقعات تحریر کئے لیکن سند کی تحقیق کسی نے نہیں کی اکثر مؤرخین اپنی کتابوں میں تاریخی واقعات کو بے سند ہی لکھتے رہے۔ جو سنا لکھ لیا، جو پڑھا اس کو سچ سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمنانِ اسلام خصوصاً یہودیوں اور رافضیوں کو سلف صالحین خصوصاً صحابہ کرام کے کردار کو داغدار کرنے کا اچھا موقع ملا[1]۔ وہ گھڑتے گئے، مورخین لکھتے گئے۔ مثلاً علاّمہ ابن کثیر جو ایک بہت بڑے **محدّث** ہیں انہوں نے اصول محدثین ہی کو بالائے طاق نہیں رکھا بلکہ اصول توحید کا بھی کوئی لحاظ نہیں کیا اور ایک ایسی بات لکھ گئے جس کے جھوٹ ہونے پر اللہ کی قسم کھائی جا سکتی ہے واقعہ حرّہ کے متعلق لکھتے ہیں:

و قعوا على النسآء حتى قيل انه حبلت الف امرأة في تلك الايام من غير زوج فالله اعلم ۔ قال المدائنى عن ابى قرة قال قال هشام بن حسان ولدت الف امرأة من اهل المدينة بعد وقعة الحرّة من غير زوج (البداية و النهاية جزء ٨ ص ٢٢١)

شامی فوج نے عورتوں سے زناکاری کی، کہتے ہیں کہ ان ایّام میں خاوند کے بغیر ایک ہزار عورتوں کو حمل ہو گیا واللہ اعلم۔ المدائنی نے بحوالہ ابی قرہ بیان کیا ہے کہ ہشام بن حسان نے بیان کیا کہ معرکہ حرّہ کے بعد اہل مدینہ کی ایک ہزار عورتوں نے خاوند کے بغیر بچوں کو جنم دیا۔ (البدایہ والنہایہ اردو، ترجمہ فتح پوری جلد ۸ ص ۴۳)

مندرجہ بالا اقتباس کا خلاصہ یہ ہے کہ امیر یزید کی فوج نے اہل مدینہ کی عورتوں یعنی صحابہ کرام کی بیٹیوں اور پوتیوں سے زنا کیا اور ایک ہزار عورتیں حاملہ ہوئیں۔ عورتوں کا حاملہ اور ایک ہزار کی گنتی یہ ایسی باتیں ہیں کہ سوائے اللہ جل جلالہ کے دوسرے کو ان کا علم نہیں ہو سکتا۔ یہ علم غیب کا معاملہ ہے اور علم غیب اللہ عزوجل کے علاوہ کوئی نہیں جانتا۔ یہ توحید کا مسئلہ ہے اور محض اسی بنیاد پر اس افتراء پردازی کا پردہ چاک کیا جا سکتا ہے لیکن نہ المدائنی کو جن کو بہت معتبر مؤرخ سمجھا جاتا ہے یہ لکھتے ہوئے غیرت آئی نہ ابن کثیر کو جو ایک بہت بڑے محدّث تھے۔ ابن کثیر کو تو اصولِ توحید کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بیان کو مسترد کر دینا چاہئے تھا لیکن افسوس ایسا نہیں ہوا"[2]۔

---

[1] صحابہ کبار اور رسول اللہ ﷺ کے کردار کو داغدار کرنے کی چند مثالیں ہم پیچھے (نام نہاد) صحیح احادیث سے پیش کر چکے ہیں۔

[2] "صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین" (مطوّل) از مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین۔ جلد ا۔ ص ۱۷۔۱۸

قارئین! غور فرمایئے یہ کارنامہ ہے ایک بہت بڑے محدّث کا، جو مؤرخ بھی تھا اور مفسر بھی اور امام بھی! اور یہ تو موصوف نے صرف ایک مثال دی ہے ورنہ ان کی اور ان کے اماموں کی کتابیں اسی قسم کی غیر اسلامی باتوں سے بھری پڑی ہیں اور آج ہمارے علما ان کو فخر سے اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور وعظوں میں سناتے ہیں اور مناظرے کرتے ہیں۔ غرض اس طرح سے لوگوں کا ایمان خراب کرتے ہیں۔

غور کیجئے! کیا اس قسم کے محدثین و مفسرین کی کتابیں قابل اعتبار ہو سکتی ہیں؟

آگے دیکھئے موصوف مشہور مؤرخ ابن خلدون کے بارے میں کیا لکھتے ہیں:

"علامہ ابن خلدون جو فن تاریخ کے موجد ہیں جنہوں نے تاریخی واقعات کو جانچنے اور پرکھنے کے اصول و قوائد بنائے وہ بھی بغیر کسی تحقیق و محاکمہ کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً وہ لکھتے ہیں:

اس خطبہ کو (یعنی امیر معاویہؓ کے خطبہ کو) زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ بیمار ہو گئے اور مرض میں یوماً فیوماً زیادتی پیدا ہونے لگی۔ اپنے لڑکے یزید کو بلا کر فرمایا میرے بیٹے! میں نے کل امور متنازعہ کو طے کر کے تمہارے لئے کافی سرمایہ مہیّا کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔ (تاریخ ابن خلدون اردو مترجمہ حکیم احمد حسن الہ آبادی حصہ دوم ص ۵۹)

اس وصیت کا مضمون ختم کرنے کے بعد ابن خلدون لکھتے ہیں:

طبری نے بروایت ہاشم ایسا ہی بیان کیا اور طبری نے ہاشم ہی سے اس طرح بھی روایت کیا ہے کہ جب ۶۰ھ میں امیر معاویہؓ کا زمانہ وفات قریب آ گیا اور اس وقت یزید موجود نہ تھا تو امیر معاویہؓ نے ضحاک بن قیس فہری (اپنے افسر پولیس) اور مسلم بن عتبتہ المزنی کو بلا کر کہا: میری یہ وصیت یزید تک پہنچا دینا۔ اہل حجاز کے ساتھ یہ شفقت و الطاف پیش آنا وغیرہ وغیرہ۔۔۔ (حوالہ مذکور۔ ص ۶۰)

ان دونوں وصیتوں کا راوی ایک ہی شخص ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یزید موجود تھے، دوسری روایت میں ہے کہ یزید موجود نہیں تھے۔ علامہ ابن خلدون نے کوئی محاکمہ نہیں کیا۔ دونوں متضاد روایتوں کو نقل کر کے خاموش ہو گئے"[1]۔

قارئین! غور کیجئے کہ مؤرخ ابن خلدون کے اس واقع (اور اس قسم کے دیگر واقعات) نے امام طبری، جو کہ بہت بڑے محدث و مفسر ہیں کی بھی پول کھول دی کہ وہ بھی آنکھیں بند کر کے اور عقل کو بالائے طاق رکھ کر ہی روایت کرتے گئے ہیں آگے موصوف کا فیصلہ سنئے، فرماتے ہیں کہ:

"الغرض اہل اسلام کی لکھی ہوئی یہ کتب تواریخ ایسے افسانے اور خود تراشیدہ واقعات سے مملو ہیں کہ جن کو پڑھ کر نام نہاد علماء کی گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔ انہیں یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ تاریخ کی ان کتابوں کے اکثر مندرجات جعلی ہیں جن کو ہمارے سادہ اور نادان دوست مؤرخین نے بے سوچے سمجھے نقل کر دیا ہے"[2]۔

قارئین! موصوف کے فیصلہ پر غور کیجئے۔ ہمارے لحاظ سے تو یہی فیصلہ (نام نہاد) احادیث کی کتابوں پر بھی

[1] ایضاً۔ ص ۱۸۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۱۸

بعینہٖ لاگو ہوتا ہے۔ جب ایک ہی شخص تاریخی واقعہ لکھ رہا ہے اور وہی شخص (نام نہاد) احادیث لکھ رہا ہے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ (نام نہاد) احادیث لکھتے ہوئے اس کی آنکھیں کھلی رہی ہوں گی اور اس عقل سے بھی کام لیا ہو گا؟ ہم اس کی عقل بالائے طاق رکھی ہونے کی متعدد مثالیں پیچھے دے چکے ہیں۔ دشمنان اسلام کی سازش کو کامیاب و پائیدار بنانے میں ان کا بہت بڑا کردار ہے یونکہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے رطب یابس تاریخ اور تفسیر (تقریباً سب سے پہلے اور سب سے ضخیم) لکھ کر ریکارڈ میں ڈال دی اور وہی ہی آگے چلتی رہی۔ اگر ان کے لئے حُسنِ ظن کی منافقت بھی کی جائے تو انہیں سازشی نہیں بلکہ سازش زدہ تو قرار دیا جا سکتا ہے[1]۔ اسی لئے ہم محدثین اور مؤرخین کی باسند لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث کو زیادہ سے زیادہ تاریخ کی حیثیت دینے کو تو تیار ہیں بشرط یہ کہ ان کی اسناد اور متن کو مزید جانچ پرکھ لیا جائے اور پھر قرآن کریم کی میزان کی کسوٹی پر رگڑ کر اس کی حقیقت دیکھ لی جائے۔ خود ہمارے موصوف تاریخی واقعات کو اسی کسوٹی پر پرکھنے کے لئے تیار ہیں۔ دیکھئے وہ اپنی ''صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین (مطوّل) کے مقدمہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

''ہم اس کتاب میں ضعیف روایت شامل نہیں کریں گے سوائے اس صورت کے کہ خارجی قرائن یا کثرت طرق سے اس کے ضعف کا ازالہ ہو جائے[2]۔ ہم ہر واقعہ کو **قرآن مجید** اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں بھی پرکھیں گے۔ اگر کوئی واقعہ **قرآن مجید** یا صحیح حدیث کے خلاف ہو گا تو اسے مسترد کر دیں گے''[3]۔

یہاں موصوف نے قرآن مجید کو میزان یا کسوٹی مان لیا اور اس کے خلاف کو مسترد کر دینے کا فیصلہ دے دیا۔ اب انہوں نے قرآن مجید کے ساتھ (نام نہاد) صحیح حدیث کو بھی قرآن مجید کی طرح میزان یا کسوٹی بنانے کا شرک کیا ہے۔ اس کے وہ خود جواب دہ ہیں۔ ہم تو سیدھی سی بات جانتے ہیں کہ **جو چیز خود کسوٹی پر پرکھی جاتی ہے وہ کسوٹی نہیں ہو سکتی**۔ اس لئے ہم اس شرک سے اظہار برأت کرتے ہیں۔ اور یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ کیسی بھی (نام نہاد) حدیث، قرآن مجید کے برابر ہو سکتی ہے، نہ ہی خود کسوٹی بن سکتی ہے، نہ ہی وہ دین یا دین کا حصہ بن سکتی ہے۔ وہ قرآن مجید کے تابع ہی رہے گی اور اس کی حیثیت تاریخی نظائر سے زیادہ نہیں ہو گی۔

اہل فقہ کے پچھلی صدی ہجری کے ایک مشہور امام اہل سنت مولوی محمد عبد الشکور لکھنوی صاحب[4] نے بھی اپنی مایۂ ناز کتاب میں قرآن شریف کو حجتِ قطعی مانا ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ

''حضرت بہترین انبیا جناب محمد مصطفےٰ ﷺ خاتم الانبیاء ہیں، آپؐ کی شریعت قیامت تک روئے زمین پر باقی رہنے والی ہے مگر جس قدر شریعت کی چیزیں آپؐ سے منقول ہیں **اُن سب میں قطعی اور یقینی چیز قرآن شریف ہے اسی پر دین اسلام کی بنیاد ہے اور وہی ایک حجت قطعی ہے جو خدا کی طرف سے خدا کے بندوں پر قائم ہے۔ قرآن شریف کی یہ شان ہے کہ جو شخص اس میں کسی قسم کا شبہ کرے یا اس کے ایک طرف کا**

---

[1] آج گوئبلز اور ہماری سیاسی پارٹیوں کی بھی یہی فلاسفی ہے کہ جھوٹ اس کثرت سے بولو کہ اس کے سچ ہونے کا یقین ہو جائے!

[2] ایضاً۔ ص۱۹۔۔۔[3] امام طبری کی اصلیت جاننے کے لئے علامہ تمنا عمادی صاحب کی کتاب ''امام زہری و امام طبری'' پڑھئے۔

[4] ''تحفۂ اہل سنت'' از امام اہل سنت مولوی محمد عبد الشکور لکھنوی صاحب۔ مقدمہ تفسیر آیات خلافت

**بھی انکار کر دے وہ باتفاق جمیع کلمہ گویانِ اسلام کافر ہے احادیث چاہے کیسی ہی اعلیٰ سے اعلیٰ ہوں ان کے انکار سے کافر نہیں ہوتا۔** آج تک کسی سنی نے کسی شیعہ کو اس بنا پر کافر نہیں کہا کہ شیعہ صحیح بخاری کی احادیث کو نہیں مانتے۔ علیٰ ھٰذا کسی شیعہ نے بھی کسی سنی کو اس بنا پر کافر نہیں قرار دیا کہ سنی ''کافی'' کی روایات کو نہیں مانتے **اسلام وکفر کا دارومدار فقط قرآن شریف کے اقرار وانکار پر ہے''**

آگے قرآن شریف ہی کو کسوٹی مانتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ:

''الحاصل قرآن شریف ایک حجت قطعی ہے اور کسی بات کا اگر قطعی فیصلہ ہو سکتا ہے تو قرآن شریف ہی سے ہو سکتا ہے''[1]۔

آگے بڑھ کر امامِ اہل سنت ایک نئی سرخی لگا کر لکھتے ہیں کہ:

## ''روایتِ حدیث کا شریعت وعقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے؟

فن حدیث ایک بڑا عظیم الشان علم ہے، اس علم کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ علمائے مسلمین نے کیسی سعی مشکور اس علم میں کی ہے۔ روایات حدیث کا متفرق ومنتشر مقامات سے لے کر جمع کرنا پھر ان کی تنقید کرنا، ان کے مدارج کا جانچنا آسان کام نہ تھا۔ اس علم کی تکمیل کے لئے پینسٹھ (۶۵) فن مدون کئے گئے تقریباً ایک لاکھ راویوں کے حالات قلمبند ہوئے جرح وتعدیل کے قوانین بنائے گئے ...... ... ... ... ... ... ...

... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... ... باایں ہمہ حدیث کے اعتبار قرآن شریف کے برابر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ نہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف کلام خدا ہے اور حدیث کلام رسول ہے بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف متواتر ہے قطعی ویقینی ہے اور احادیث اکثر وبیشتر اخبار احاد ہیں ظنی ہیں ..................''[2]۔

قارئین غور کیجئے کہ امام صاحب یہ حقیقت آشکار کر رہے ہیں کہ فن حدیث اور اس سے متعلقہ فنون اللہ یا رسول سلامٌ علیہ کی طرف سے عطا کردہ نہیں بلکہ انسانوں کے بنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے، سوائے اس کے جو بات تجربہ سے ثابت ہو جائے، ان میں غلطیوں کے امکانات ہیں اور جہاں تک راویوں کے حالات قلمبند کرنے کا تعلق ہے تو اس کی صحت تو غیر یقینی ہم قرآن کریم سے بھی ثابت کر چکے۔ جب اسماء الرجال ہی غیر یقینی ہو گیا تو پھر جرح وتعدیل کس طرح صحیح اور یقینی ہو سکتی ہے؟

آگے امام اہل سنت فرماتے ہیں کہ:

''حدیث کے باعتبار اس کی سند یعنی راویوں کے کئی طرح سے تقسیم کیا گیا ہے منجملہ اُن کے دو یہاں ذکر کی جاتی ہیں:

تقسیم اوّل باعتبار تعداد رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں چار قسمیں ہیں اولاً دو قسمیں کی گئی ہیں: متواتر اور احاد۔ متواتر وہ روایت ہے جس کے راوی ہر طبقہ میں اس کثرت سے ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کو عقل انسانی عادۃً محال سمجھے۔ احاد وہ روایت ہے جس کے راوی اس کثرت سے نہ ہوں۔ احاد کی پھر تین قسمیں ہیں: مشہور[1]۔ جس کے راوی کسی طبقہ میں تین سے کم نہ ہوں۔ عزیز[2]۔ جس کے راوی کسی طبقہ

[1]۔ ایضاً۔ ص ۳۱۔۔۔ [2]۔ ایضاً۔ ص ۳۹۔۴۰

میں دو سے کم نہ ہوں۔ غریب[۳]۔ جس کے راوی دو سے بھی کم ہوں یعنی کسی طبقہ میں یا کل طبقات میں ایک ہی ایک راوی ہو۔

تقسیم دوم باعتبار اوصاف رواۃ کے ہے۔ اس تقسیم میں بھی چار قسمیں ہیں: صحیح[۱] حسن[۲] ضعیف[۳] موضوع[۴]، ان سب اقسام میں اعلیٰ ترین قسم متواتر ہے اور وہ بلاشبہ یقینی چیز ہے مگر اس کا وجود کم اور بہت کم ہے۔ حافظ ابن الصلاح محدث اپنی کتاب مقدمۃ الحدیث میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص متواتر حدیث کو تلاش کرے تو وہ تھک جائے گا۔ بعض محدثین جو بعض بعض روایات کو متواتر کہہ دیتے ہیں اور بعض نے مستقل تالیفات میں متواتر روایات کو جمع کیا ہے ان میں اکثر روایات متواتر حقیقی نہیں بلکہ اخبار احاد ہیں۔ اسانید ان کی کچھ زیادہ ہوگئی ہیں اس وجہ سے ان کو مجازاً متواتر کہہ دیا گیا ہے اصطلاح محدثین میں اسی کو متواتر معنوی کہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ جن حدیثوں کو وہ متواتر کہتے ہیں اُن کے منکر کو کافر نہیں کہتے حالانکہ اگر متواتر حقیقی ہوتیں تو ان کے منکر کا کفر قطعی ہوتا۔...... ........................................ **آمدم بر سر مطلب۔ غیر متواتر روایات بعد ان سب تحقیقات اور تنقیحات کے کیسے ہی اعلیٰ پایہ کی ہوں ظنّی ہیں۔ عقائد کی بنیاد اُن پر رکھنا عقلاً و نقلاً کسی طرح جائز نہیں۔ البتہ جو حدیثیں اس تحقیقات میں صحیح یا حسن کے رتبہ تک پہنچ جائیں ان سے اعمال کے مسائل استنباط کئے جاتے ہیں بشرطیہ کہ وہ سب شرائط بھی پائے جائیں جو اصول فقہ و اصول حدیث میں مذکور ہیں۔**

..................................................................

غیر متواتر روایات کے ظنّی ہونے کا اصلی سبب یہ ہے کہ صاحب شریعت ﷺ سے اس کا صدور یقینی نہیں ہے اس لئے کہ غیر متواتر روایات کی بنیاد معدودے چند راویوں کے بیان پر ہے ممکن ہے کہ جن معدودے چند اشخاص کو قواعد سے جانچ کر معتبر مانا گیا ہے اس جانچ میں غلطی ہوگئی ہو۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک شخص کو اچھا اور سچا سمجھتے ہیں اور واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے غیب کا حال دلوں کی کیفیت ضمائر کی اصلیت سوا خدا کے اور کون جان سکتا ہے"[۱]

غور کیجئے کہ امام اہل سنت نے مختصر الفاظ میں (نام نہاد) احادیث کی قسمیں بھی بتا دیں اور فنِ اسماء الرجال کی خامیاں بھی بتا دیں۔ اس صورت حال میں مرے ہوؤں کے دل کا، ضمیر کا حال اور ان کا سچ اور جھوٹ کون پہچان سکتا ہے سوائے عالم الغیب کے۔ بہر حال یہاں جو سب سے اہم بات امام اہل سنت نے سنت کے عاشقوں کے لئے بتائی ہے وہ یہ ہے کہ (نام نہاد) احادیث جو کہ ظنّی ہیں ان سے کوئی اسلامی عقیدہ نہیں بنایا جا سکتا۔ عقائد کی بنیاد قرآن کریم ہی ہے۔ قرآن کے علاوہ جو عقیدہ بھی بنایا جائے گا وہ غیر قرآنی اور غیر اسلامی ہوگا۔

آگے اسی تسلسل میں امامِ اہلسنت فرماتے ہیں کہ:

حضرت ابو بکر صدیقؓ جیسے فریس صاحبِ قوتِ قدسیہ نے ایک مجموعہ احادیث کا اپنے زمانۂ خلافت میں جمع کیا لیکن پھر ایک روز اس مجموعہ کو آگ میں جلا دیا۔ پوچھا گیا کہ ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ:

---

[۱] ایضاً۔ ص ۴۰۔ ۴۱

**خشیت ان اموت وھی عندی فیکون فیھا احادیث عن رجل قد ائتمنۃ و وثقۃ ولم یکن کما حدثنی فاکون قد نقلت دلك فھذا لا یصح (تذکرۃ الحفاظ)**

مجھے اندیشہ اس بات کا پیدا ہوا کہ میں مر جاؤں اور یہ مجموعہ میرے پاس سے نکلے شاید اس میں حدیثیں ایسے شخص سے منقول ہوں جس کو میں نے امین اور معتبر سمجھا تھا مگر اس کی حدیث واقع کے مطابق نہ ہو پس ایسی حدیث کو میں نقل کروں یہ ٹھیک نہیں۔

روایت میں غلطی صرف راوی کے کاذب ہونے سے نہیں ہوئی بلکہ بسا اوقات غلط فہمی سے بھی ہو جاتی ہے، سہو و نسیان کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے۔

تنقید وغیرہ کی وجہ سے اور طرق روایت کو جمع کرنے سے اور دوسرے قرائن سے یہ احتمالات کمزور ضرور ہو جاتے ہیں مگر کلیۃً فنا نہیں ہوتے اور ان احتمالات کا جب تک سایہ بھی باقی ہے روایت ظنی ہی رہے گی یقینی نہیں ہو سکتی۔

یہی وجہ ہے کہ باوجود حدیث کی صحت مسلّم ہو جانے کے بھی اُن پر عمل کرنے میں علما کا اختلاف ہو جاتا ہے، حتیٰ کہ صحیح بخاری جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب اور اس کی بعض احادیث حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہیں۔ احادیث کی یہ کیفیت ہے کہ محدث خود ہی ایک روایت کرتا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیتا ہے مگر اُس پر عمل نہیں کرتا..............................."[1]

قارئین غور کیجئے کہ:

(۱)۔ "تذکرۃ الحفاظ" جو کہ اسماء الرجال کی کتاب ہے کے مطابق ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے، جو کہ مسلمین کے سب سے بڑے محسن ہیں،[2] اپنا جمع شدہ مجموعہ احادیث جلا دیا تھا۔ کیا اس سے یہ حقیقت ثابت نہیں ہوتی کہ اگر (نام نہاد) احادیث وحی پوشیدہ ہوتیں تو وہ اُن کو اس طرح ضائع نہیں کر سکتے تھے؟ دوسری حقیقت اس سے یہ بھی واضح ہو گئی کہ وہ سب سے بڑے منکر حدیث تھے کہ اگر کہیں غلطی سے بھی قرآن کریم کے علاوہ کچھ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لکھ لیا گیا تھا تو اس کو مٹا دیا تھا بلکہ صفحہ ہستی سے نام و نشان مٹا دیا گیا تھا۔ مگر ظالم سازشیوں نے ان کے کچھ عرصہ بعد یہ فتنہ پیدا کیا۔

(۲)۔ چونکہ مختلف قسم کے احتمالات کبھی ختم نہیں ہو سکتے اس لئے روایت ظنّی ہی رہے گی کبھی بھی یقینی نہیں ہو سکتی۔ (ہمارے خیال میں صرف دو ہی طریقے ہیں جن سے کوئی غیر اللہ روایت صحیح یا یقینی ہو سکتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ قرآن کریم کے مطابق ہو، اور دوسرے یہ کہ رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے ہم خود کچھ غیر کلام اللہ سن لیں تو یقین آجائے کہ وہ قرآن کریم کے علاوہ بھی مثلہ ومعہ سناتے تھے! صدیق)

(۳)۔ یہ حقیقت بھی واضح ہو گئی کہ اہل فقہ و اہل سنت کے نزدیک صحیح بخاری جیسی اعلیٰ پایہ کی کتاب کی بھی بعض احادیث متروک العمل ہیں۔ اس کے معنیٰ صاف ہیں کہ وہ غیر صحیح ہیں ورنہ پھر ان پر عمل کیسے متروک العمل ہے۔ اس کے معنیٰ صاف ہیں کہ وہ غیر صحیح ہیں ورنہ پھر ان پر عمل کیسے متروک ہو سکتا ہے آخر اہل فقہ کے نزدیک بھی تو

[1] ایضاً۔ ص ۴۲۔۔۔[2] تفصیل کے لئے پڑھئے محمد حسین ہیکل مصری کی مایہ ناز کتاب "ابو بکر صدیقؓ"

وہ وحی پوشیدہ ہی ہیں! اس کے معنیٰ کہ اہل فقہ بھی وحی پر عمل نہیں کرتے!

(۴)۔ خود محدثین اپنی ہی لکھی ہوئی روایات پر عمل نہیں کرتے حالانکہ وہ ان کو صحیح بھی قرار دیتے ہیں! کیا اس سے بڑا بھی کوئی ثبوت ہو سکتا ہے کہ خود محدثین (نام نہاد) احادیث کو وحی الٰہی نہیں مانتے تھے۔

آگے دیکھئے کہ امام اہلسنت نے (نام نہاد) احادیث اور محدثین کی حیثیت مزید واضح کر دی ہے چنانچہ اسی تسلسل میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک خاص بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ اہل بدعت سے روایت لے لی جائے بچند شرائط اول یہ کہ ان کی بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ دوم یہ کہ ان کا صدق معلوم ہو گیا ہو یعنی کسی محدث نے ان پر کذب کی جرح نہ کی ہو۔ سوم یہ کہ وہ روایت ان کی بدعت کو موید نہ ہو۔ اسی اصول کی بنا پر امام بخاری جیسے عالی مرتبہ محدث نے بعض شیعوں سے روایت لے لی ہے اور صحیح بخاری میں درج فرمائی مثل یونس بن حبان کے جس کا تشیع تبرّائیت کی حد تک پہنچا تھا حالانکہ ہمارے علمائے سابقین کو پوری حقیقت مذہب شیعہ کی معلوم ہی نہ تھی اور معلوم کیوں کر ہو سکتی تھی اس مذہب کے لوگ ہی بہت کم تھے اور جو تھے بھی تو وہ اپنے مذہب کے چھپانے میں بے حد اہتمام کرتے تھے۔ مذہب کا ظاہر کرنا ان کے ہاں بڑا مذہبی جرم تھا۔ لہٰذا ہمارے علما اس امر کا فیصلہ کر ہی نہ سکے کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہنچتی ہے یا نہیں۔ ہمارے علما کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے مذہب میں جھوٹ بولنا عبادت ہے ورنہ کبھی کسی شیعہ کی بابت یہ خیال بھی نہ کرتے کہ وہ صادق ہو سکتا ہے۔ پھر جب مذہب شیعہ کی پوری حقیقت معلوم ہی نہ تھی تو فیصلہ کیوں کر کیا جا سکتا تھا کہ یہ روایت اُن کے بدعت کی موید ہے یا نہیں۔

یہ حال تو اُن شیعوں کی روایات کا ہے جن کا شیعہ ہونا معلوم تھا اور جن شیعوں نے تقیہ کر کے سُنّی بن کر ہمارے محدثین کو دھوکے دیئے ان میں سے جن کا حال تنقید کے بعد ظاہر ہو گیا وہ ظاہر ہو گیا اور جن کا حال نہ ظاہر ہوا ہو ان کا علم سوا عالم الغیب کے کس کو ہو سکتا ہے"[۱]۔

غور کیجئے کہ بقول امام اہلسنت کے ہمارے محدثین کتنے بڑے لوگ تھے کہ انہوں نے اہل بدعت سے بھی روایات لے لینے کو روا رکھا بچند شرائط۔ لیکن علمی طور پر وہ اتنے کمزور لوگ تھے کہ خود اپنی ہی بنائی ہوئی شرائط کے مطابق روایات لینے میں غلطی کرتے رہے کیا ایسی روایات قابل یقین ہو سکتی ہیں؟ کیا یہ صحیح ہو سکتی ہیں؟ سوچ لیجئے۔ پھر نہ کہئے گا کہ ہمیں خبر نہیں ہوئی تھی۔

یہاں امام اہلسنت نے پھر واضح کر دیا کہ تمام راویوں کا حال ضروری نہیں کہ ظاہر ہو گیا ہو بلکہ وہ عالم الغیب ہی کو معلوم ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اسماء الرجال ممکن ہی نہیں آگے اسی تسلسل میں امام اہلسنت لکھتے ہیں کہ:

"ان وجوہ سے جو روایتیں اعمال سے تعلق نہیں رکھتیں محققین کے نزدیک وہ بہت عمیق تحقیق اور شدید تنقید کی محتاج ہیں۔ البتہ اعمال کی روایات ہیں جن کی تصدیق تعامل سے ہو جاتی ہے ان سے اشتباہ دور ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی سخت تاکید رہتی تھی کہ جو روایتیں اعمال سے تعلق رکھتی ہیں انہیں کی

[۱]۔ ایضاً۔ ص ۴۲۔ ۴۳

روایت کی جائے دوسری روایات نہ بیان کی جائیں۔ مصنف عبد الرزاق میں ہے:

قال ابوهريره لما ولی عمر قال اقلو الرواية عن رسول الله صلى الله عليه و سلم الا فیما یعمل بہ۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے خلافت میں فرمایا رسول اللہ ﷺ سے روایت کم کرو مگر اعمال کے متعلق۔

**المختصر روایات احاد کا بیان عقائد میں نا قابل التفات ہونا بالکل ظاہر ہے۔**

علمائے شیعہ نے بھی اپنی روایات کی بابت ایسی ہی تصریحات[1] کی ہیں اور صاف لکھا ہے **کہ روایت پر بنیاد اعتقاد نہیں ہو سکتی بلکہ ہر حدیث چاہے کیسی ہی صحیح ہو عمل کے کام میں بھی نہیں آسکتی۔**"[2]

غور کیجئے کہ امام اہلسنت کے اس بیان کے بعد کیا یہ بات واضح نہیں ہو گئی کہ (نام نہاد) احادیث ابھی محققین کے نزدیک عمیق تحقیق اور شدید تنقید کی محتاج ہیں۔ تو کیا ایسی محتاج چیز پر بھروسہ کیا جاسکتا ہے جو خود ابھی تحقیق کی محتاج ہو؟[3] رہ گئیں اعمال کی روایات جن کی تصدیق اعمال سے بھی نہیں ہوتی مثلاً ہم پیچھے نماز ہی کے سلسلہ میں کتنے پردے اتار چکے ہیں۔ لائیے تصدیق کہ؟ کس موقعہ پر کیا عمل کریں گے؟

نیز یہ بھی غور کیجئے کہ امام اہلسنت اور امام اہلحدیث (مصنف عبد الرزاق کے محدث) دونوں ہی یہ مان رہے ہیں کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ سلامٌ علیہ سے کم روایت کرنے کو اجازت دی سوائے اعمال کے متعلق! کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی پہلے منکرین حدیث ہی میں سے تھے کہ انہوں نے روایات روایت کرنے سے روک دیا یا کم کر دیا؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ روایات وحی نہیں تھیں ورنہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسا کبھی نہ کرتے؟ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُس وقت صرف روایت ہوتی تھی، یعنی زیادہ سے زیادہ یہ بتادیا جاتا تھا کہ فلاں عمل، مثلاً جنگ کی تیاری کے لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے ایسا کیا تھا کہ سب کو صدقہ کرنے کی تلقین کی۔ اس وقت اس کو (نام نہاد) حدیث بنا کر تقدس نہیں دیا جاتا تھا، نہ ہی اس کو باوضو ہو کر پڑھا جاتا تھا اور نہ ہی ختمِ حدیث شریف ہوتا تھا۔ کیا سُنّی اور شیعہ دونوں علما نے یہ حقیقت تسلیم نہیں کرلی کہ:

★۔۔۔ "اکثر حدیثوں میں جعلی ہونے کا احتمال موجود ہے"[4]۔

★۔۔۔ "ہر حدیث واجب العمل نہیں ہو سکتی"[5]۔

★۔۔۔ "حدیث پر بنیادِ اعتقاد نہیں ہو سکتی"[6]۔

ہمارے موصوف خود صحاح ستہ کو وحی سمجھنے کے اعتراض کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

"صحاح ستہ میں چھ کتابیں ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم کو چھوڑ کر باقی کتابوں میں چند ضعیف احادیث بھی

---

[1]۔ دیکھئے: علامہ علی طہرانی کی کتاب توضیح المقال، مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ کی کتاب حسام" اور مولوی حامد حسین امام المناظرین شیعہ کی کتاب "استقصاء الافحام" وغیر ہم۔۔۔[2]۔ ایضاً۔ ص ۴۳۔ ۴۴۔۔۔[3]۔ غور کیجئے کہ آج کے دور میں بھی علامہ ناصر الدین البانی تحقیق کر کر صحیح اور ضعیف (نام نہاد) احادیث کے مجموعے مرتب کر رہے ہیں!۔۔۔[4]، [5]، [6]۔ ایضاً ص ۴۴، حوالہ "توضیح المقال" از علامہ علی طہرانی۔ ص ۴ "حسام" از مولوی دلدار علی مجتہد اعظم۔ اور "استقصاء الافحام" از مولوی حامد حسین امام المناظرین۔

ہیں، پھر ان تمام کتابوں میں صحابہ اور ائمہ دین کے اقوال بھی ہیں، **لہٰذا یہ کہنا کہ جو کچھ صحاح ستہ میں ہے وحی ہے، صحیح نہیں۔** گویا اس صورت میں ہمیں آپ سے اتفاق ہے، لیکن ان کتابوں میں جو صحیح احادیث ہیں، ان کے متعلق ہم بلاخوف و جھجک بغیر کسی پس و پیش و احساس کمتری کے اعلان کرتے ہیں، کہ بیشک ان کا مفہوم و منشاوحی الٰہی ہے اور ان پر ہمارا اسی طرح ایمان ہے، جس طرح قرآن پر[1]، وہ اسی طرح واجب التعمیل ہیں، جس طرح قرآن، ہماری موجودہ اصطلاح میں اس کا نام وحی خفی ہے"[2]۔

غور کیجئے کہ موصوف ایک ہی سانس میں کیا کچھ متضاد باتیں لکھ گئے اور اپنا عقیدہ بھی لکھ دیا:

۱۔ صحاح ستہ میں صحیح بخاری و صحیح مسلم کو چھوڑ کر باقی کتابوں میں چند ضعیف احادیث بھی ہیں اور صحابہ و ائمہ دین کے اقوال بھی شریک ہیں۔

۲۔ لہٰذا یہ کہنا کہ جو کچھ صحاح ستہ میں ہے وحی ہے۔ صحیح نہیں۔ مگر افسوس کہ وہ اپنی اس بات پر قائم نہیں رہتے اور فوراً ہی لکھتے ہیں کہ:

۳۔ لیکن ان کتابوں میں جو صحیح احادیث ہیں، بے شک ان کا مفہوم و منشاوحی الٰہی ہے۔

قارئین غور کیجئے کہ کسی بات کو وحی کہنا اور اس کے مفہوم و منشاء کو وحی کہنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔۔ آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ فلاں بات کا مفہوم و منشاء وحی الٰہی ہے؟

۴۔ ان پر ہمارا اسی طرح ایمان ہے، جس طرح قرآن پر۔

غور کیجئے کہ موصوف کا عقیدہ کہ اللہ کی کتاب قرآن مبین کے ساتھ بخاری مسلم وغیرہ کی غیر اللہ کتابوں پر بھی ایمان رکھنا، بغیر حکم الٰہی کے، شرک ہے یا نہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی غیر اللہ کتابوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے ساتھ شرک فی الکلام نہیں؟ جبکہ موصوف اپنے پیروکاروں اور ہمدردوں سب سے (نام نہاد) احادیث پر بھی ایمان لانے پر اصرار کرتے ہیں

۵۔ وہ (کتابیں) اسی طرح واجب التعمیل ہیں، جس طرح قرآن۔

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ تو صرف اپنی "ھُدًی" یعنی ہدایت کی اتباع کا حکم دے رہے ہیں (۲/۳۸) مگر موصوف غیر اللہ کی کتابوں یا ان میں لکھی ہوئی (نام نہاد) احادیث کو بھی قرآن ہی کی طرح واجب التعمیل مان رہے ہیں۔ کیا یہ شرک فی الحکم نہیں؟ جبکہ موصوف خود ایک مقام پر فرما چکے ہیں کہ: "پھر یہ لازم ہی کب ہے کہ ہر حدیث پر عمل کیا جائے تو نجات ہو گی۔۔۔ مثلاً رسول اللہ سلامؑ علیہ قرض لیا کرتے تھے۔ اب اگر کوئی شخص ساری عمر قرض نہ لے تو وہ کیا وہ گنہگار ہے؟ یا پچھنے نہ لگوائے تو وہ مجرم ہے۔ یالو کی کھانے کا اسے اتفاق نہ ہو تو اس کا اسلام ناقص ہے"[3]

قارئین یہاں یہ بھی نوٹ کر لیں کہ اس اظہارِ حقیقت کے بعد کہ حدیث پر عمل نجات کی شرط نہیں اور سنت پر عمل نہ کرنے سے گنہگار نہیں موصوف کا اس کے برخلاف یہ عقیدہ بھی ہے کہ "ترک سُنت گناہ ہے" اور

---

[1] اسی لئے موصوف ہم سے بھی قرآن کریم کے علاوہ (نام نہاد) احادیث پر ایمان لانے کا مطالبہ / اصرار کرتے رہے کتب احادیث کے پانچ طبقات:۔۔۔[2] "تفہیم اسلام بجواب دو اسلام"۔ ص۱۸۔۔۔[3] "خلاصہ تلاشِ حق" زیر عنوان "بہت سے علما کو مقلدین نے مقلد مشہور کر دیا ہے۔ ص۱۴۶

اس نام سے انہوں نے ایک پمفلٹ بھی شائع کیا ہوا ہے! یہ ہے، مجموعہ اضداد!

۶۔ موجودہ اصطلاح میں اس کا نام وحی خفی ہے

گویا کہ موصوف مان رہے ہیں کہ یہ اصطلاح غیر قرآنی ہے اور اس خود ساختہ اصطلاح کی رو سے (نام نہاد) احادیث کو وحی خفی کہا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ وحی ہیں ہی نہیں۔

اب ذرا اس وحی خفی کے بارے میں انہی موصوف کے کچھ اور خیالات پڑھ لیجئے۔ فرماتے ہیں کہ:

## کتب احادیث کے پانچ طبقات

"کتب احادیث کے پانچ طبقات ہیں پہلا طبقہ بخاری، مسلم اور مؤطا مالک پر مشتمل ہے۔ ان میں جتنی مسند حدیثیں ہیں سب بالکل صحیح ہیں۔ دوسرے طبقہ میں ابو داؤد، نسائی اور ترمذی شامل ہیں۔ اس طبقہ میں صحیح احادیث کی کثرت ہے اور کچھ حدیثیں ضعیف بھی ہیں۔ تیسرا طبقہ میں مسند احمد، دار قطنی، بیہقی، طحاوی[۱] وغیرہا شامل ہیں۔ ان میں بہت سی احادیث صحیح ہیں۔ اکثر ضعیف ہیں اور بعض موضوع بھی ہیں۔ چوتھا طبقہ دیلمی، ابن عدی، شاہین وغیرہ پر مشتمل ہے اس طبقہ میں شاید ہی کوئی حدیث صحیح ہو۔ بعض ضعیف اور اکثر موضوع ہوتی ہیں۔ پانچواں طبقہ خرافات کا پلندہ ہے جن میں ایک بھی حدیث صحیح نہیں۔ ان میں شاعرانہ لن ترانیاں، صوفیا کے بیانات، میلاد خوانوں کی گپیں ہوتی ہیں"[۲]۔

غور کیجئے کہ موصوف نے اپنی وحی خفی کی کتابوں کے مندرجہ بالا پانچ طبقات قائم کئے ہیں جن میں سے ایک طبقہ کو خرافات کا پلندہ بھی مان رہے ہیں! کیا آپ کے خیال میں وحی خرافات کا پلندہ بھی ہو سکتی ہے؟ کیا وحی الٰہی کے ساتھ ساتھ ضعیف و موضوع آیات بھی ہو سکتی ہیں (آیات اس لئے کہ کتابی وحی میں تو آیات ہی ہوتی ہیں روایات نہیں)؟ (نعوذ باللہ)۔ کیا وحی الٰہی کے بھی طبقات ہوتے ہیں؟

آپ یقیناً یہی کہیں گے کہ وحی الٰہی کے طبقات نہیں ہوتے وہ تو ایک ہی ہوتی ہے بالکل صحیح، خالص اور کھری۔ اور نہ ہی اُس میں ضعیف و موضوع آیات ہوتی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ دین اسلام میں (نام نہاد) احادیث کی کوئی حیثیت نہیں۔ اصل میں یہ قرآن کریم کے خلاف سازش کے تحت عجمی ٹکسالوں میں ڈھالی گئیں اور مسلمین میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کے نام نامی اسم گرامی سے موسوم کر کے پھیلائی گئیں۔ یہ حربہ بہت ہی کارگر رہا اور اکثر مسلمین نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کا نام نامی اسم گرامی آنے کی وجہ سے ان کو بغیر سوچے سمجھے ماننا شروع کر دیا تو اہل عقل کو ہوش آیا اور انہوں نے پھر صحیح اقوال و اعمال و سیرت رسول سلامٌ علیہ کی تلاش شروع کی۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ کافی وقت گزر چکا تھا۔ اور گوئبلز کی فلاسفی اپنا کام کر چکی تھی۔ بہر حال اہل عقل اپنی کوشش میں لگے رہے اور بہت کچھ جمع کیا۔ یعنی رطب و یابس جمع کر لیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شکر اور نمک ملا کر ایک ڈبہ میں ڈال دے اب شکر اور نمک کے دانے الگ الگ کیجئے! کیا یہ ممکن ہے؟ کوشش کیجئے۔

ہاں یہ ممکن ہے بشرطیکہ ہم اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتیں (سَمَعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُوادَ) (۱۷/۳۶) آنکھ کان اور

---

[۱] یہاں موصوف ابن ماجہ کا نام شامل کرنا بھول گئے ہیں۔۔۔ [۲] "خلاصہ تلاش حق" ص ۱۸۹

عقل استعمال کریں جیسا کہ ان کو استعمال کرنے کا حق ہے۔ اور اس چیز کو کسوٹی بنائیں جس نے یہ حق دیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جسے کسوٹی بنایا ہے یعنی "الفرقان"۔ قرآن کریم۔ اگر ہم دانہ کو اٹھا کر اس کسوٹی پر پرکھ لیں تو شکر کی شکر اور نمک کا نمک الگ ہو جائے گا۔ اور یہ بات ہم کوئی نئی نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ صحابہ کبارؓ کے زمانہ سے ہی اس پر عمل ہوتا آرہا ہے اور یہی اصول ہے

دیکھئے خود جناب عبدالصمد صارم الازھری صاحب لکھتے ہیں کہ:

## اصول:

"امام شافعی نے فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا استنباط آیات قرآنی سے کیا ہے۔

ابن جرجانی کا قول ہے کہ جس قدر صحیح حدیثیں ہیں ان کی اصلیت قرآن میں بجنسہ یا قریب قریب موجود ہے۔

اسی وجہ سے اکثر صحابہ کا یہ طرز تھا کہ جب کوئی حدیث بیان کرتے تو اس کی تصدیق و توثیق کے لئے آیت پڑھتے۔ مثلاً

ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جس کو ایک لقمہ یا دو لقمے دیئے جاتے ہیں، مسکین وہ ہے جو سوال نہ کرے اس کی شہادت میں یہ آیت پڑھو: لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (۲/۲۷۳) (بخاری و احمد) ابوہریرہؓ نے کہا کہ رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بندوں کے لئے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی قلب میں اس کا خطرہ گزرا۔ اس کی تصدیق میں یہ آیت پڑھو: فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (۳۲/۱۷) (بخاری و احمد)

ابوہریرہؓ نے کہا رسول اللہ نے فرمایا: میں دنیا و آخرت میں ہر مومن کی اخوت کے واسطے سب سے بہتر ہوں۔ اس کی تصدیق کے لئے یہ آیت پڑھو: اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ ............ "[1] (۳۳/۶) (بخاری و احمد)

غور کیجئے کہ بات کتنی واضح ہو گئی کہ جو بھی استنباط رسول ہو گا یا ارشاد رسول ہو گا اس کی اصلیت قرآن میں موجود ہو گی۔ یعنی وہ قرآن کریم کی کسی آیت ہی سے ہو گا یعنی اس کی تصدیق و شہادت یا تائید قرآن کریم کی آیت سے ہو گی ورنہ وہ استنباط رسول یا ارشاد رسول نہیں ہو گا۔ اور یہ بات ہے بھی انتہائی قرینہ و سمجھ داری کی کہ چھوٹی چیز کی تصدیق یا تائید بڑی چیز سے ہوتی ہے یعنی (نام نہاد) حدیث کی تائید قرآن سے ہونا چاہئے۔ جبکہ ہمارے ہاں مروّجہ طریقہ یہ ہے کہ قرآنی آیت کی تائید میں (نام نہاد) حدیث پیش کی جاتی ہے! جو کہ جہالت اور سازش پر مبنی ہے یونکہ اگر قرآنی آیت کی تائید میں کوئی (نام نہاد) حدیث نہ پیش کر سکو تو وہ قرآنی آیت کی تاویل کر کے یا تو اسے غلط معنی دے دیتے ہیں یا اسے (کسی بھی قسم کا) منسوخ قرار دے دیتے ہیں۔ یہ ظالمانہ فعل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جہاں کے خالق کے کلام اور احکام کی تائید کے لئے بندہ کا کلام پیش کیا جائے! بندہ کا کلام تو خود خالق کی تائید کا محتاج ہے۔ اور یہی اصول خالق کائنات نے خود دیا ہے کہ اگر تم سچے ہو تو تائید میں اللہ کی کتاب سے شہادت پیش کرو۔ (هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ

[1] تاریخ التفسیر از عبدالصمد صارم الازھری۔ ص ۱۹۔ ۲۰

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۱۱۱/۲، ۲۴/۲۱، ۶۴/۲۷)

پس ثابت ہوا کہ حق اور باطل کے پرکھنے کا اصول یہ ہے کہ ہر بات یا (نام نہاد) حدیث یا روایت قرآن کریم پر پیش کی جائے گی اگر وہ مطابقت رکھتی ہے تو صحیح ہو گی اور اگر مطابقت نہیں رکھتی تو گھڑی ہوئی ہو گی اور مسترد کر دی جائے گی۔ اسی طرح کسی بات یا (نام نہاد) حدیث یا روایت کی تائید و شہادت یا تصدیق کے لئے قرآنی آیت پیش کی جائے گی۔ اگر آیت اس کی تائید کرے گی تو وہ صحیح ہو گی ورنہ مسترد کر دی جائے گی۔

اب رہ گیا سوال کہ (نام نہاد) احادیث کی تاریخ کے لحاظ سے کیا حیثیت ہے؟ تو اس سلسلہ میں بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ جو واقعات و افسانے قرآن کریم کے خلاف ہوں گے وہ مسترد کر دیئے جائیں گے[1]۔ جو روایت بھی قرآن کریم سے مطابقت رکھتی ہو گی اس کو تاریخ یا واقعہ یا نظیر کی حیثیت سے قبول کیا جا سکتا ہے نیز جو ارشادات رسول ہوں گے انہیں ارشاد رسول کی حیثیت سے بھی قبول کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ انہیں قرآن کریم کے ساتھ شریک نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں قرآن کریم پر فوقیت دی جائے۔ یونکہ خالقِ رسول کے احکام و آیات برتر ہی رہیں گے، دونوں برابر نہیں ہو سکتے سوائے ان ارشادات کے جو قرآن کریم میں آکر آیت اور احسن الحدیث بن گئے ہیں۔ اور محفوظ و غیر متبدّل ہو گئے ہیں۔

## فنِ تفسیر

ہم پیچھے یہ ثابت کر چکے کہ اہل حدیث و اہل فقہ کا یہ دنیا کا سب سے بڑا جھوٹ ہے کہ: (نام نہاد) حدیث، قرآنِ مبین کی شرح ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر قرآن ''مبین'' ہے تو پھر اس کی شرح نہیں ہو سکتی اور نہ ہی شرح کی شرح صدیوں تک ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح سے اہل حدیث و اہل فقہ دنیا میں ایک اور بہت بڑا (تیسرا) جھوٹ یہ بول کر دھوکہ دیتے ہیں کہ: ''رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآنِ مبین کی تفسیر فرمائی تھی!'' ہم یہ کھلا چیلنج کرتے ہیں کہ اگر یہ جھوٹ اور دھوکہ دہی نہیں تو لاؤ وہ رسولی تفسیر، کہاں ہے؟؟

اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآنِ مبین کی تفسیر کی تھی، تو یقیناً وہ ہی صحیح ہو سکتی ہے، کسی دوسرے کی تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی یونکہ کتابی وحی کسی اور پر نہیں آتی (سوائے نبی و رسول کے) تو پھر دوسری تیسری صدی ہجری ہی سے آج تک روزانہ نئی نئی تفسیریں کیوں لکھی جا رہی ہیں؟؟ خیال رہے کہ (نام نہاد) حدیث کی کوئی ایک بھی کتاب یا کوئی ایک بھی تفسیر جو رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یا کسی صحابیؓ نے لکھی ہو آج تک کوئی امام یا محدث یا مفسر یا فقیہ پیش نہیں کر سکا! حد تو یہ ہے کہ وہ خود ساختہ امام و مفسر و محدث جو زمانۂ رسول کے قریب کے ہیں وہ بھی رسولی تفسیر، یا اس کے مطابق، نہ لکھ سکے کہ اب پندرھویں صدی ہجری میں ہمارے موصوف اور اصلاحی صاحب و مودودی صاحب وغیرہ سب کو ایک ایک علیحدہ علیحدہ تفسیر لکھنا پڑی! کیا اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کی تفسیر لکھائی تھی یا تفسیر کی تھی؟ اور کمال دیکھئے کہ وہ بڑے بڑے خود ساختہ امام و محدث، جن کے اسلام کی اور حدیث کی بڑی خدمت کرنے کی دعوے ہیں ان میں سے کوئی ایک بھی (اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی تفسیر کی تھی) تمام تفسیری روایات کو یکجا تک نہ کر سکا! کیا یہی خدمت اسلام تھی؟ کہ اب تفسیر لکھنے کے لئے بے چارے ہمارے موصوف

[1] ہمارے موصوف بھی اس اصول کو اپنے مقدمہ، تاریخ الاسلام والمسلمین (مطوّل) ص ۱۹ پر مان چکے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے نقل کر آئے ہیں

کو سینکڑوں کتابیں کھنگالنا پڑتی ہیں! ہو سکتا ہے کہ امام المحدثین بخاری کی ایک لاکھ حدیثوں والی کتاب جو کہ انہوں نے خود ردّ کر دی تھی، اس میں وہ تمام تفاسیری احادیث یا تفسیر رہی ہو! اور یہ بھی ممکن ہے کہ آئندہ صدیوں میں وہ یورپ کی کسی لائبریری یا غار سے مل جائے! مزے کی بات یہ کہ امام بخاری نے بھی ایک تفسیر اپنے مجموعہ (نام نہاد) احادیث کے علاوہ لکھی تھی[1]۔ اگر (نام نہاد) حدیث ہی قرآن کی شرح یا تفسیر تھی تو پھر علیحدہ سے ایک اور تفسیر لکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ صاف ظاہر ہے کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کی شرح یا تفسیر نہیں! پھر وہ امام بخاری کی لکھی ہوئی تفسیر کہاں گئی؟ دیکھئے پچھلی صدی کے اہل فقہ کے ایک بہت بڑے عالم بھی یہی فرما رہے ہیں کہ

"تفسیر میں گمراہی کا اصل سبب اس بنیادی حقیقت کو بھول جانا ہے کہ قرآن کے مطالب وہی ہیں، جو اس کے مخاطبِ اوّل نے سمجھے اور سمجھائے ہیں۔ قرآن محمد ﷺ پر نازل ہوا، اور قرآن بس وہی ہے جو محمد ﷺ نے سمجھا اور سمجھایا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے، یا تو علمی، روحانی نکتے ہیں، جو قلب مومن پر القاہوں اور یا پھر اقوال و آراء ہیں۔ اٹکل پچّو باتیں ہیں۔۔۔۔۔ لیکن اس سب کے بعد بھی تفسیر صحیح نہیں ہو سکتی جب تک رسولِ خدا ﷺ کی جناب سے حاصل نہ کی جائے، کیونکہ قرآن کے تنہا شارح اور مفسر رسولِ خدا ہی ہیں۔ کوئی دوسرا نہیں"[2]۔

قارئین غور کیجئے کہ پچھلی صدی ہجری کے یہ فقہی عالم رسول اللہ سلامٌ علیہ کو ہی "قرآن کا تنہا شارح اور مفسّر" بتا رہے ہیں، تو پھر فطری طور پر فوراً یہ سوال ابھرتا ہے کہ دیگر فقہی علما کیسے شارح اور مفسّر ہو گئے؟؟ مزید غور کیجئے، قرآن کا شارح اور مفسر، یہ دونوں القاب تو قرآن مبین نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو دیئے ہی نہیں۔ اور ویسے بھی یہ عقل عام کی بات ہے کہ کسی دوسرے کی کتاب کی شرح، میں یا آپ، کیسے کر سکتے ہیں؟ اس کے لئے ضروری ہے کہ کتاب والا خود بتائے کہ اس کا مافی الضمیر یا مطلب کیا ہے اور وہ کتاب سے کیا بتانا چاہتا ہے۔ چہ جائیکہ جب کتاب والا، خالقِ کل ہو اور شرح کرنے والا ایک مخلوق یعنی بندہ!

## اصول

**تو اصول یہی ہوا کہ کتاب والا خود ہی اپنی کتاب کی شرح یا مطالب بتاتا ہے،**

اس حقیقت کو تفسیر کی تعریف لکھتے ہوئے، جناب عبد الصمد صارم الازہری صاحب نے بھی مانا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر کے معنی بیان کرنا یا کھولنا یا کسی تحریر کے مطالب کو سامعین کے قریبِ فہم کر دینا ہے۔ جو شخص جن اصولوں کو پیش کرتا ہے ان کی تشریح کرنا بھی اسی کا کام ہے"[3]۔

قارئین غور کیجئے یہ اصول ہمارا بنایا ہوا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ سورہ القیامہ میں جہاں قرآن کریم کے نزول، اس کو جمع کرنے اور پڑھوانے کا ذکر ہو رہا ہے وہیں پر اللہ تعالیٰ نے اس کے "بیان" کر دینے کا بھی ذمہ لیا ہے:

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿١٩﴾

---

[1] "تاریخ التفسیر" از عبد الصمد صارم الازہری۔ مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور۔ باب چہارم ۱۹۷۹ء تصانیف قرنِ ثالث۔ ص ۵۷۔

[2] اُصولِ تفسیر اردو۔ از شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ۔ ترجم از مولوی عبد الرزاق ملیح آبادی مرحوم۔ دیباچہ از مترجم ص ۱۰۔۱۱ المکتبہ السلفیہ، شیش محل روڈ۔ لاہور۔ طبع سوم۔ ۱۹۷۰ء۔۔۔ [3] تاریخ التفسیر، باب اول: تفسیر کی ضرورت ص ۱۱

پھر اس کی تشریح کرا دینا بھی ہمارا ذمہ ہے" (سورہ القیامہ، آیت ص۱۹، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۱۰۔ ص ۱۸۷)
اور یہ تشریح یا بیان اللہ تعالیٰ نے جبکہ قرآن مبین نازل ہو رہا تھا، ساتھ ہی ساتھ اسی قرآن مبین میں جگہ جگہ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ۔ (۶/ ۴۶، ۶/ ۶۵، ۶/ ۱۰۶ وغیرہم) کے ذریعہ کر دی (جس کی تفصیل ہم کتاب کے پہلے باب میں پیش کر چکے ہیں) اور اسی کو اَحْسَنَ تَفْسِیْرًا (۲۵/ ۳۳) قرار دے دیا اور اسی لئے قرآن کو قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ (۱۵/ ۱، ۳۶/ ۶۹) قرار دے دیا۔ کیا اس کے بعد بھی کسی اور تشریح کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ ہی قرآن کے شارح اور مفسر ہوئے یا رسول اللہ سلامٌ علیہ؟

قارئین غور کیجئے کہ اوپر سورہ القیامہ کی جو آیت کریمہ پیش کی گئی ہے اس میں لفظ "بَیَانَهٗ" بیان سے ہے جو ہم عام بول چال میں بھی بولتے ہیں۔ موصوف نے اس کا ترجمہ خاص طور پر "تشریح کرا دینا" کیا ہے۔ (اس پر بحث پہلے گذر چکی ہے) بہر حال ہم اسے بھی مان لیتے ہیں مگر موصوف سے ایک سوال کرتے ہیں کہ اگر وہ اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کی تشریح قرآن کے علاوہ سے کی تو پھر لایئے کوئی آیت اس کو ثابت کرنے کے لئے؟ آیت تو پھر آیت ہے موصوف تو سورہ القیامہ کی تفسیر لکھتے ہوئے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں کوئی (نام نہاد) حدیث تک نہ پیش کر سکے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا ہو کہ وہ قرآن کی تفسیر قرآن کے علاوہ سے کرتے ہیں یا ان پر قرآن کے علاوہ تفسیر پوشیدہ وحی سے نازل ہوئی ہے لایئے وہ تفسیر رسول کہاں ہے؟ پھر آپ ایک تفسیر اور کیوں لکھ رہے ہیں؟ اس کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے! پس ثابت ہوا کہ ان کا بنایا ہوا عقیدہ جھوٹا ہے اور شاید یہ ان کا اپنا بنایا ہوا عقیدہ نہیں بلکہ ان سے پہلے کے اہل حدیث علماء فضلاء اور اماموں کا ہے، جن کے وہ مقلد یا متبع ہیں۔ حالانکہ ان کو متبع صرف اللہ کی کتاب ہدایت کا ہونا چاہئے تھا (۲/ ۳۸) دیکھئے ان سے پہلے آٹھویں صدی ہجری کے "نامور مجدد اسلام شیخ الاسلام امام احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ" اپنی کتاب "اُصول تفسیر"[۱] کی پہلی ہی فصل کی ابتدا کس طرح کرتے ہیں:

"آنحضرت سلامٌ علیہ نے تفسیر بھی سکھائی

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے اصحاب کو جس طرح قرآن کے لفظ بتائے، اُسی طرح قرآن کے معانی بھی بتائے ہیں، کیونکہ آیت لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل:۴۴) کے حکم میں یہ دونوں باتیں داخل ہیں۔

ابو عبد الرحمٰن سلمی[۲] کا قول ہے کہ جن لوگوں نے ہمیں قرآن پڑھایا مثلاً عثمان بن عفانؓ اور عبد اللہ بن

---

۱۔ خیال رہے کہ اس کتاب کے بارے میں اہل حدیث عالم جناب محمد عطاء اللہ حنیف اثری بھوجیانی صاحب لکھتے ہیں کہ "اس رسالے کے مختلف اجزاء متفرق طور پر کتابوں میں ملتے تھے، لیکن مستقل تالیف کا پتہ نا چلتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے دمشق کے ایک حنبلی عالم استاد محمد جمیل کو ۱۲ءھ کا لکھا ہوا ایک مخطوطہ ملا جسے انہوں نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کر دیا"۔ تقریب کتاب "اصول تفسیر ص ۶-۷

نوٹ: بھوجیانی صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ تقریباً ساڑھے چھ سو سال کے بعد یہ مخطوطہ کس لائبریری یا غار سے ملا؟ بہر حال اس سے یہ اندازہ کر لیجئے کہ جب شیخ الاسلام صاحب کی آٹھویں صدی کی کتاب کے ساتھ یہ سلوک ہوا تھا (کیا ثبوت ہے کہ یہ انہی کا رسالہ یا کتاب ہے؟) تو پھر دوسری تیسری چوتھی صدی کی کتابیں کیا ضروری ہیں کہ صحیح ہوں؟

۲۔ ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن حبیب السّلمی الکوفی، مشہور تابعی ۴۰ سال تک مسجد میں بیٹھ کر قرآن پڑھایا کئے۔ ثقہ ہیں تہذیب ص ۱۸۴ جلد ۵)۔ (قارئین غور کیجئے تابعی ۴۰ سال تک قرآن ہی پڑھا رہے ہیں۔ (نام نہاد) حدیث نہیں!) (ص ۱۷)

مسعودؓ وغیرہ نے، وہ ہم سے کہتے تھے کہ "جب ہم نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے دس آیتوں کی تعلیم حاصل کر چکتے تھے، تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے، جب تک اُن آیتوں کا علم و عمل مکمل نہ کر لیں۔ اس طرح ہم نے علم و عمل دونوں کی تعلیم حاصل کی[1] یہی وجہ ہے کہ ایک ایک سورت کے حفظ میں ان بزرگوں کو ایک مدت لگ جایا کرتی تھی حضرت انس بن مالکؓ فرمایا کرتے تھے 'ہمارا کوئی آدمی جب سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا تھا، تو ہماری نگاہوں میں بڑا بن جاتا تھا۔' (مسند احمد) اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو سورہ بقرہ کے حفظ میں کئی سال لگ گئے تھے۔ امام مالکؒ کے مؤطا میں ہے کہ آٹھ سال لگے تھے۔

نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا صحابہؓ کو معانی قرآن کی تعلیم دینا ان آیات سے بھی ثابت ہے:

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ (ص۔ ۲۹/ ۳۸)

یہ کتاب ہے مبارک جسے ہم نے تمہاری طرف اتارا ہے تا کہ یہ لوگ اس کی آیات کو سوچیں۔

اور

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ (محمد۔ ۲۴/ ۴۷)

یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے؟

اور

اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ (مومنون۔ ۶۸/ ۲۳)

کیا انہوں نے بات پر غور نہیں کیا؟

اور ظاہر ہے کہ فہم و تدبر ممکن ہی نہیں جب تک بات کی معنیٰ نہ سمجھ جائیں۔

اسی طرح فرمایا:

اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۳ (الزخرف۔ ۳/ ۴۳)

ہم نے یہ قرآن عربی زبان میں نازل کیا ہے تا کہ تم لوگ سمجھو۔

اور بات عقل میں کیسے آسکتی ہے جب تک سمجھی نہ جائے!

پھر معلوم ہے کہ وہ گفتگو اسی لئے ہوتی ہے کہ اس کے معنیٰ سمجھے جائیں نہ کہ محض لفظ سُن لئے جائیں اور قرآن کا معاملہ تو بدرجۂ اولیٰ فہم و تدبر کا متقاضی ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ لوگ کسی فن کی کتاب پڑھیں مثلاً طب کی یا حساب کی اور اسے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ جب عام کتابوں کا یہ حال ہے تو کتاب اللہ کا فہم کس قدر ضروری ٹھہرتا ہے۔ وہ کتاب اللہ جو مسلمانوں کے لئے اصلی بچاؤ ہے، جس میں ان کی نجات و سعادت ہے۔ جس سے اُن کے دین و دنیا کا قیام ہے"[2]۔

غور کیجئے کہ امام صاحب نے جو آیات پیش کی ہیں کیا ان سے یہی مطلب نکلتا ہے کہ رسول اللہ سلامؑ علیہ صحابہؓ کو معانی قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے؟ یا ان آیات سے یہ مطلب نکلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں غور و فکر کرنے کا فرمارہے ہیں؟

---

[1] بحوالہ تفسیر ابن جریر ص ۳۶ ج ۱۔ طبع مصطفیٰ البابی مصر۔ ۱۳۷۳ھ ۱۹۵۴ء۔ (ص ۱۸)۔۔۔ [2] اصول تفسیر اردو۔ فصل (۱)۔ ص ۱۷۔ ۱۹

بہرحال ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ عقیدہ کہ رسول سلامٌ علیہ نے قرآن کی تفسیر کی، امام صاحب نے بھی نہیں بنایا تھا بلکہ یہ ان سے پہلوں کا کارنامہ ہے۔ یعنی اگر آپ اور اوپر چلتے چلے جائیں تو سازشیوں تک پہنچ جائیں گے کہ اس قسم کے غیر قرآنی عقائد سازشیوں نے بنائے تھے اور اُس جھوٹ کو اس قدر پھیلا دیا کہ لوگ اس کو سچ سمجھنے لگے یونکہ اس میں رسول اللہ سلامٌ علیہ کا نام نامی اسمِ گرامی آ گیا تھا۔

اسی طرح سے ہمارے موصوف اپنے اسلاف کے عقیدہ کے مطابق ایک جگہ پر فرماتے ہیں کہ:

"دراصل بات یہ ہے کہ قرآنی آیت کا ترجمہ ہی وہ ہوگا جو حدیث میں مذکور ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کی تشریح قرآن مجید تو حجّت نہ ہوا اور بعد کے کسی ایک فرد کی تشریح حجّت ہو"[1]۔

ہم موصوف کی اس بات سے متفق ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی تشریح قرآن مجید حجّت ہے بشر طیکہ انہوں نے کوئی تشریح کی ہو! اس لئے فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کہاں ہے وہ رسولی تشریح؟ لائیے پیش کیجئے! کہاں ہے رسول اللہ سلامٌ علیہ کا بتایا ہوا قرآنی آیات کا ترجمہ؟ قرآنی آیات تو بہت بڑی چیز ہیں، لائیے صرف لفظ "بَيَانَهُ" ہی کا رسولی ترجمہ بتا دیجئے، جو کہ اوپر کی آیت میں استعمال ہوا ہے؟ کہاں ہے وہ رسولی لغت؟ اگر رسول نے کوئی لغت دی تھی تو پھر یہودِ عرب اور دیگر، لغتیں کیوں لکھتے رہے؟ اگر رسول نے کوئی تشریح قرآن مجید کی تھی تو کہاں ہے وہ جو آج آپ خود ایک نئی تفسیر لکھ رہے ہیں؟؟

گوئبلز کے اس جھوٹ سے توبہ کیجئے اور اللہ سے مِغْفَر طلب کیجئے۔

اپنے غلط عقیدہ سے (کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کی تشریح کی یا اس کی تفسیر کی) لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔ یونکہ آپ کیا آپ کے سلف صالحین بھی کبھی رسول کی تفسیر پیش نہ کر سکے۔

## قرن اوّل میں کوئی تفسیر نہیں تھی

پچھلی ہی صدی کے ایک عالم سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند ایم اے پرنسپل مدرسہ عالیہ کلکتہ "تاریخ التفسیر" کے مقدمہ میں مانتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے زمانہ میں کوئی تفسیر نہیں مدون ہوئی تھی، نہیں لکھی گئی تھی۔ بلکہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں؛

"جب تک آنحضرت ﷺ اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ قرآن مجید کے معانی و مطالب کو مدون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی، اوّل تو صحابہ کرامؓ خود اہل لسان تھے۔ اور اس بنا پر آیات قرآنی کا صحیح مفہوم و مصداق تعین کرنے میں اور اس کی فصاحت و بلاغت کی حقیقت اور گہرائی دریافت کرنے میں کسی علم و فن کی دستگیری کے محتاج نہ تھے۔۔۔"[2]

غور کیجئے کہ جناب سعید احمد صاحب اکبر آبادی نے کتنی گہری اور کتنی سچی بات کی ہے کہ صحابہ کرامؓ آیات قرآنی کا صحیح مفہوم و مصداق متعین کرنے میں۔۔۔ کسی علم و فن (یعنی فن تفسیر) کی دستگیری کے محتاج نہ تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ قرآن کو قرآن ہی سے سمجھتے تھے یونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو "مُبِین" بنایا تھا کہ ہر ضرورت کی بات بیان

[1] برہان المسلمین۔ باب پنجم کا آخر۔ ص ۱۹۰۔۔۔ [2] تاریخ التفسیر از عبد الصمد صارم الازھری۔ مقدمہ ص ۸

کر دی تھی۔ اس لئے کسی اور تفسیر یا فن تفسیر کی محتاجی نہیں تھی۔ پھر یہ فن کیسے وجود میں آ گیا؟ اس کی تفصیل اکبر آبادی صاحب اس طرح کرتے ہیں کہ:

"صحابہ کرامؓ کے بعد تابعین کا دور آیا اور وہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کی تحقیق، ناسخ و منسوخ کی پہچان، مجمل و مشکل کی توضیح میں صحابہ کرامؓ کی طرف رجوع کر لیتے تھے۔ یہ ضرورت نہ تھی کہ قرآن مجید کے علوم کا باقاعدہ مدون کیا جائے۔

لیکن جب اسلام کی روشنی عرب سے عجم اور عربی نہ جاننے والی قوموں میں پھیلنے لگی تو اب گمراہی سے بچانے کے لئے ضروری ہوا کہ قرآن مجید کے مطالب کو مدون کیا جائے، اور اس کے متعلقہ علوم و فنون کی بھی تدوین کر دی جائے، اسی سلسلہ میں علم التفسیر کی بنیاد پڑی، اور اس کی تکمیل کے لئے مختلف اسکول قائم ہو گئے"[1]۔

غور کیجئے کہ ایک فقہی عالم کے قلم سے بھی، پچھلے پیراگراف میں، ایک حق بات نکل گئی اور یہاں بھی انہوں نے یہ حق بات بتا دی کہ فنِ تفسیر تابعین کے دور تک مدون نہیں ہوا تھا۔ مگر اس کے بعد تبع تابعین یا اور بعد میں یعنی دوسری یا تیسری صدی میں مدون ہوا (یعنی نام نہاد احادیث ڈھالنے کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی ہوتا رہا۔ کیسے؟ اس کی وضاحت بھی ابھی ہو جائے گی)۔ مگر یہاں وہ اس کے مدون کئے جانے کی صحیح وجہ کی نشاندہی نہیں کر سکے یا پھر تقیہ کر گئے!

غور کیجئے کہ اگر اکبر آبادی صاحب کی وجہ صحیح مان لی جائے کہ "جب اسلام کی روشنی عرب سے عجم اور عربی نہ جاننے والی قوموں میں پھیلنے لگی تو اب گمراہی سے بچانے کے لئے ضروری ہوا کہ قرآن مجید کے مطالب کو مدون کیا جائے" تو پھر فطری طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اس صورت میں تو قرآن مجید کے مطالب یا تفسیر کو عجمی زبانوں میں مدون کیا جانا چاہئے تھا! مگر ایسا نہیں ہوا، بلکہ پہلی تفسیر بھی عربی زبان ہی میں لکھی گئی اور اس کے متعلقہ علوم و فنون کی کتابیں بھی عربی زبان ہی میں تقریباً دسویں صدی تک مدون ہوتی رہیں[2]۔ تو جو علوم و فنون دسویں صدی ہجری تک مدون ہوتے رہے اور جو تفاسیر آج پندرھویں صدی ہجری میں بھی لکھی جا رہی ہیں وہ رسولی علوم یا تفاسیر نہیں ہو سکتیں۔ ہاں البتہ وہ قرن اولیٰ کے بعد سازشی دور کی، پیداوار ہیں۔ اس لئے علم التفسیر ایجاد کرنے کی اصل وجہ ہمارے نزدیک وہ نہیں جو اکبر آبادی صاحب نے لکھی ہے بلکہ انہی کے الفاظ میں ہلکی سی تبدیلی کر کے یوں ہے کہ:

جب اسلام کی روشنی عرب سے عجم اور عربی نہ جاننے والی قوموں میں پھیلنے لگی تو اب لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ قرآن مجید کے مطالب کو اس کی صحیح مطالب سے ہٹا کر (یا غلط مطالب کی آمیزش کر کے) مدون کیا جائے اور اس کے متعلقہ علوم و فنون بھی بنا دیئے جائیں۔ اس طریقہ سے علم التفسیر کی ایجاد ہوئی اور اس کو پھیلانے کے لئے مختلف اسکول (یعنی ٹکسالیں) قائم ہو گئے۔

قرآن کریم کے مطالب میں آمیزش یا تحریف کا کام بھی عجمی سازشیوں نے عربی ہی میں کیا تا کہ لوگوں کو عربی عجمی زبانوں کے چکر میں پھنسا رکھا جائے اور ان کو عربی مواد اور اس کے اصل سے دور ہی رکھا جائے۔ چنانچہ آج بھی ہمارے مولوی یہی کہتے ہیں کہ تم عربی کیا جانو! تم قرآن کیا جانو! اور اس طرح سے قرآن

---

[1] ایضاً۔ مقدمہ۔ ص۸۔۔۔ [2] اس بارے میں دیکھئے عبد الصمد صارم الازہری صاحب کی تاریخ التفسیر اور تاریخ القرآن وغیرہ

مبین کو مہجور کر دیا گیا۔

آگے دیکھئے، بجائے اس کے کہ کوئی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بتائی ہوئی یا لکھائی ہوئی تفسیر قرآن پیش کر سکتا، کتاب مذکور کے فقہی عالم و مصنف جناب عبد الصمد صارم الازہری صاحب بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کو پہلا مفسر قرآن مان رہے ہیں مگر ان کی تفسیر پیش کرنے سے قاصر ہیں! دیکھئے وہ "تفسیر کی ضرورت"[1] کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"اس لئے پہلی تفسیر قرآن مجید کی حدیث، اور قرآن کے پہلے مفسر رسول اکرم ﷺ ہیں لیکن جس طرح قرآن میں عبارۃ النص، دلالت النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص سے معنی و مطالب نکلتے ہیں اور اس میں ناسخ و منسوخ آیات ہیں، یہی صورتیں حدیث میں بھی ہیں۔ جس طرح قرآن میں الفاظ، معانی موضوع لہ اور غیر موضوع لہ میں مستعمل ہیں اسی طرح حدیث میں بھی ہیں"[2]۔

غور کیجئے کہ فاضل مصنف (نام نہاد) حدیث کو قرآن کی تفسیر بتا رہے ہیں! اگر وہ پہلی تفسیر ہے تو پھر دوسری، تیسری اور ہزاروں تفسیریں کیوں لکھی جارہی ہیں؟ رسولؐ کی بتائی ہوئی تفسیر کیا ناکافی تھی یا غلط تھی جو طبری نے .............. مسعود احمد صاحب نے .............. تفسیریں لکھیں؟ نیز یہ بھی غور کیجئے کہ فاضل مصنف نے یہاں (نام نہاد) حدیث کو، جو کہ ظنّی چیز ہیں، قرآن کریم کے برابر قرار دے دیا بلکہ اس کے مثل کر دیا کہ "جس طرح قرآن سے معنی و مطالب نکلتے ہیں .............. یہی صورتیں حدیث میں بھی ہیں" معاذ اللہ۔ کہاں کلام اللہ اور کہاں کلام بخاری مسلم وغیرہ آگے موصوف لکھتے ہیں کہ:

"اس کے علاوہ حدیث ایک ایسا وسیع علم ہے جس پر عبور حاصل کرنے کے لئے ایک عمر چاہئے۔ اور علوم وفنون میں کافی دستگاہ چاہئے۔ یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے"[3]۔

قارئین غور کیجئے! اچھا ہوا موصوف نے یہ فتویٰ دے دیا۔ ورنہ اگر ہم تو کچھ کہتے تو شکایت ہوتی۔ یہ حال ہے شرح کا! تو پھر قرآن کیا سمجھ میں آئے گا جب اس کی شرح ہی سمجھنے میں عمر ناتواں لگ جائے گی؟ معاذ اللہ۔ اس طرح قرآن سے دور رکھا گیا کہ پہلے (نام نہاد) حدیث سمجھنے میں تو عمر لگا لو پھر اگلی دنیا میں قرآن پڑھ لینا!

آگے لکھتے ہیں کہ:

"اخرج ابن ابی حاتم عن طریق مالك بن انس عن ربیعة قال ان الله تبارك و تعالیٰ انزل الیك الکتٰب مفصلاً و ترك فیه موضعاً للسنّة و منَّ رسول الله صلی الله علیه و سلم و ترك فیها موضعا للرآی۔ (یعنی اللہ پاک نے کتاب مفصل نازل فرمائی مگر حدیث کے لئے جگہ باقی رکھی اور رسول اکرم ﷺ نے حدیث بیان فرمائی مگر رائے کے لئے جگہ باقی رکھی")[4]۔ (درِ منثور)

قارئین موصوف کے عقیدہ پر غور کیجئے۔ معاذ اللہ، اللہ کا کام بھی ادھورا اور رسول کا کام بھی ادھورا، بعد میں سازشی اسے پورے کر رہے ہیں! یہ ہے جواز (نام نہاد) حدیث اور فقہ ایجاد کرنے کا کہ وہ چھوڑی ہوئی جگہ یعنی خلا کو پُر کریں گی!

---

۱۔ آگے ص۱۹ پر انہوں نے "مفسر اول اور پہلی تفسیر" کا عنوان لگا کر بھی تقریباً یہی بات لکھی ہے۔ مگر پہلی تفسیر پیش نہ کر سکے ۲۔ تاریخ التفسیر، باب اول۔ ص۱۵، ۱۳۔۔۔۳۔ ایضاً۔ ص۱۵۔۔۔۴۔ ایضا۔ ص۱۵

مزید موصوف کے اس جملہ پر بھی غور کر لیجئے کہ "رسول اکرم ﷺ نے حدیث بیان فرمائی"۔ جبکہ اللہ تعالیٰ تو گواہی دیتے ہیں کہ وہ آیات تلاوت کرتے تھے۔ یعنی قرآن مبین بیان فرماتے تھے نہ کہ (نام نہاد) حدیث! (۶۲/۲)

آگے دیکھئے، آخر موصوف کی زبان پر حق آہی گیا، فرماتے ہیں کہ:

"ان تمام امور پر نظر کر کے ائمہ امت مرحومہ نے قرآن مجید کی تفسیریں مرتب کیں، کیونکہ ہر شخص سے اس قدر تبحر علمی حاصل کرنے کی امید نہیں ہو سکتی"[۱]۔

قارئین دیکھا آپ نے کہ موصوف رسول اللہ سلامٌ علیہ کو پہلا مفسر قرآن بھی بتا رہے ہیں اور ان کی کوئی تفسیر پیش بھی نہیں کر پا رہے بلکہ یہ مان رہے ہیں کہ ان کی امت مرحومہ کے اماموں نے قرآن مبین کی تفسیریں مرتب کیں اور یہ ثابت کر دیا کہ قرآن "مبین" نہیں تھا بلکہ اسے مزید بیان کی ضرورت تھی جو ضرورت اماموں نے پوری کی اس لئے وہ بھی قرآن نازل کرنے والے کے شریک ہو گئے۔ معاذ اللہ کیا یہ شرک فی الصفت نہیں؟؟

آگے فرماتے ہیں کہ:

"فروعات کی کوئی حد و نہایت نہیں، ہمیشہ نئی نئی ضرورتیں پیش آتی رہتی ہیں، زمانہ رنگ بدلتا رہتا ہے۔ نئے نئے علوم و فنون ایجاد ہوتے رہتے ہیں، ایسی کوئی کتاب نہیں جو تمام فروعات پر حاوی ہو، اس لئے ضرورت ہے کہ متبحر، زمانہ شناس علما حدیث فقہ و تفسیر کی خدمت میں مشغول رہیں اور متراجم و تفاسیر کا سلسلہ جاری رہے تا کہ خدا اور رسول کے احکام اہل زمانہ کی فہم سے قریب ہوتے رہیں اور پیش آمدہ ضروریات کا آسانی سے حل ہوتا رہے"[۲]۔

قارئین! غور کیجئے کہ موصوف نے نئے تراجم و تفاسیر کے سلسلہ کو جاری رکھنے کا کتنا اچھا جواز ڈھونڈا ہے لیکن اگر ہم یہ بات کہتے تو شکایت ہوتی کہ قرآن مبین دورِ ماضی کی کتاب نہیں بلکہ وہ دورِ حال اور دور مستقبل کے لئے بھی ہے۔ اب ہمارے لئے اور ہمارے بعد والوں کے لئے بھی ہے۔ اس لئے ترجمہ و تعبیر کرتے ہوئے آج کے دور کا خیال رکھنا ہو گا کہ "ضَامِرٍ" مفہوم دبلا پتلا اونٹ نہیں بلکہ "سبک ٹینک یا تیز رفتار سواریاں اور "رَمِی" کا مفہوم "تیر" نہیں بلکہ "دور مار میزائل" کرنا ہوں گے۔ اور قرآن مبین کی ہدایات کو قرآن مبین ہی کے اندر سے (باہر ظنّی روایات سے نہیں) سمجھنا ہو گا۔

بہر حال آگے، صارم الازہری صاحب نے "روایت و کتابت حدیث" کے زیر عنوان، صاف الفاظ میں یہ مان لیا کہ:

"باقی تفسیر کے نام سے کوئی کتاب آپؐ کے عہد میں مرتب نہیں ہوئی"[۳]۔

رسول اللہ سلامٌ علیہ کی وفات کے بعد کے لئے کہا جاتا ہے کہ ابی بن کعبؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ نے تفسیر لکھی۔ مگر آج تک کوئی ثابت نہ کر سکا کہ انہوں نے واقعی تفسیرِ قرآن لکھی تھیں اور اگر لکھی تھیں تو پھر وہ کہاں گئیں؟

ان کے بعد کے لئے صارم الازہری صاحب لکھتے ہیں کہ:

"خلیفہ عبد الملک بن مروان نے حضرت سعید بن جبیر تابعی سے قرآن کی تفسیر لکھائی۔ یہ خزانہ شاہی

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۵۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۵۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۵ (نیز یہ حقیقت انہوں نے اپنی کتاب تاریخ القرآن کے ص ۱۳۵ پر بھی مانی ہے)

میں محفوظ رہی، کچھ عرصہ بعد عطاء بن دینار کے ہاتھ آگئی اور انہیں کے نام سے مشہور ہوئی"۔[1]

ذرا اس بیان پر غور کیجئے کہ خلیفہ عبد الملک بن مروان نے ایک تابعی سے تفسیر قرآن لکھا کر خزانہ شاہی میں محفوظ کر لی! مگر پھر وہ کس طرح خزانہ شاہی سے عطاء بن دینار تبع تابعی کے ہاتھ لگی؟ جبکہ خلافت بنی امیہ ابھی بہت مضبوط چل رہی تھی اور خزانہ شاہی سے کسی چیز کا معاشرہ میں نکل جانا آسان کام نہیں تھا! پھر کیا تبع تابعی عطاء بن دینار اتنے بے ایمان وخائن تھے کہ انہوں نے اس کو ہتھیا لیا اور پھر اپنے نام سے جاری کر دیا؟ یہ بیان ہی بتا رہا ہے کہ یہ گوئبلز کی چھوڑی ہوئی گپ ہے!

آگے فرماتے ہیں کہ:

"مجاہد تابعی ۱۲۳ھ نے تفسیر لکھی، یہ کتاب خانہ خدیویہ مصر میں موجود ہے"۔[2]

اگر مجاہد تابعی کی تفسیر موجود ہے تو پھر بعد میں اور تفسیریں کیوں لکھی جاتی رہیں؟ کیا وہ صحیح نہیں تھی؟ یا سازشیوں کا مقصد اس سے پورا نہیں ہوتا تھا؟

آگے فرماتے ہیں کہ:

"امام حسن بصری، عطاء ابی رباح، محمد بن کعب قرظی نے تفسیریں لکھیں"۔[3]

موصوف نے یہ کچھ نہیں لکھا کہ پھر وہ تفسیریں کہاں گئیں؟ البتہ انہوں نے امام حسن بصری کی تعریف میں، آگے جا کر یوں لکھا ہے:

"امام المفسرین امام حسن بصری نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ وہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ علاوہ دیگر اصحاب و تابعین کے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہا کے بھی شاگرد تھے۔ صوفیہ نے ان کو حضرت علیؓ کا شاگرد لکھا ہے۔۔۔"۔[4]

قارئین غور کیجئے! کہ امام المفسرین نے ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا دودھ پیا تھا۔ اس کے کیا معنی ہیں؟ یہ ان کی بڑائی کے لئے لکھا گیا ہے۔ مگر آنکھیں اور عقل بند کر کے لکھا ہے یونکہ اگلا جملہ خود ہی یہ لکھا ہے کہ وہ "حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے" اس لئے اب کسی تحقیق کی ضرورت ہی نہ رہی۔ نہ ان کی تاریخ پیدائش دیکھنے کی ضرورت نہ ام المومنینؓ کی تاریخ وفات تلاش کرنے کی ضرورت، نہ کوئی اسماء الرجال کی کتاب دیکھنی نہ کسی تاریخ کی کتاب کی ضرورت یونکہ معاملہ عقل سلیم کا ہے کہ عہدِ عمرؓ یقیناً رسول اللہ ﷺ کی وفات سے کئی سال بعد کا زمانہ ہے اور اس وقت ام المومنین ام سلمہؓ دوسری مرتبہ بیوہ ہو کر بیٹھی تھیں اور یقیناً بوڑھی ہو چکی تھیں اور اس وقت ان کی گود میں کوئی شیر خوار بچہ بھی نہیں تھا تو امام المفسرین صاحب کو دودھ پلانے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟؟

یہ ہے کرشمہ تقلید کا کہ صارم الازہری صاحب نے کسی امام کی کتاب میں یہ پڑھ لیا ہو گا اور اس پر یقین کر لیا، یا پھر جامعہ الازہر میں انہیں کسی نے بتایا ہو گا، یا پھر کسی پیر نے انہیں یہ کرشمہ سنایا ہو گا کہ امام صاحب نے اپنی پیدائش سے دسیوں سال پہلے (جب سلمہؓ شیر خوار تھیں تو) ام سلمہؓ کا دودھ پیا تھا۔ انہوں نے عقیدت اور حسن ظن میں اس کرشمہ پر یقین کر لیا! قارئین غور کیجئے یہ سب کمال ہے اسماء الرجال کے فن کا کہ اس میں ایک دوسرے کو اسی طرح

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۷۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۲۷۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۲۷۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۳۳

چڑھایا جاتا رہا۔ اور اصلیت غتر بود ہو گئی۔

خیر یہ تو جملہ معترضہ آ گیا تھا۔ آگے بھی صارم الازھری صاحب نے ہر قرن میں سینکڑوں تفاسیر لکھی جانے کی تاریخ بتائی ہے (جسے یہاں نقل کرنا محض وقت کا ضیاع ہے)۔ ہمارا بنیادی سوال اب بھی وہی رہتا ہے کہ اگر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن کریم کی پہلی تفسیر کی تھی یا لکھائی تھی تو پھر وہ کہاں گئی جو دوسروں کو اتنی تفاسیر کرنے کی ضرورت پیش آتی رہی؟ اگر کسی صحابی یا تابعی نے تفسیر کی تھی تو پھر دوسرے اتنی بہت سی تفسیریں کس مقصد سے کرتے رہے؟ کیا ان کا مقصد انتشار و اختلاف پیدا کرنا نہیں تھا؟ ورنہ تو ایک رسولی تفسیر کافی تھی۔ پس ثابت یہی ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کو "مُبِین" ہی سمجھتے تھے اور انہوں نے اس کی کوئی تفسیر علیحدہ سے نہیں کی نہ لکھوائی۔ نہ ہی قرن اولیٰ میں کسی صحابی یا تابعی نے کوئی تفسیر لکھی۔ ان کے بعد سازشیوں نے قرآن کریم کے مطالب میں آمیزش کرنے کی غرض سے فن تفسیر ایجاد کیا اور اس کی ٹکسالیں لگائیں جہاں سینکڑوں کے حساب سے ایک دوسرے سے مختلف، اسرائیلیات و لغویات وہ فحشیات و تصوف سے بھرپور تفسیریں لکھ لکھ کر لوگوں میں پھیلائی گئیں اور عقائدی اعتبار سے ان کو گمراہ کر کے انہیں قرآن مبین سے دور کر دیا گیا۔ اور اور اگر کسی نے اس پر اعتراض کیا یا تنقید کی تو اس کو مطعون کر کے اس کے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کیا گیا کہ اس کی صحیح بات لوگوں نے غلط مان لی۔ مثلاً! خود صارم الازھری صاحب نے شیخ ابوالفرج جوزی (م ۵۹۷ھ) کے بارے میں لکھا ہے کہ:

> "عبد الرحمٰن بن علی جوزی نام، مشہور محدث تھے۔ علمِ حدیث کی تصانیف میں انہوں نے یہ جدت کی کہ موضوعات کو علیحدہ جمع کر دیا، مگر اس میں اس قدر تشدد کیا کہ بڑے بڑوں پر ہاتھ صاف کر گئے۔ اس لئے بعض علماء نے ان کی تردید بھی کی"[1]۔

غور کیجئے کہ اس شخص نے کتنا اچھا کام کیا تھا کہ موضوع و گھڑی گھڑائی روایتوں کو علیحدہ جمع کر دیا تھا۔ مگر چونکہ اس میں بڑے بڑے (سازشیوں) پر ہاتھ صاف ہو گیا تھا یعنی ان کی پول کھل رہی تھی تو بعض علما کو یہ بات پسند نہیں آئی اور انہوں نے جوزی صاحب کی تردید بڑے بڑے (سازشیوں) کے حق میں کی۔ اب سوچ لیجئے کہ کیا یہ علما خود سازشی نہ تھے؟۔۔ غرض اس طرح سے غلط اور موضوع روایات ہی مشہور ہوتی رہیں یونکہ یہ بڑے بڑے صالحین نے اللہ اور رسول کے نام سے منسوب کر کے، گویا کہ شکر میں لگا کر گولیاں (Sugar Coated Pills) کھلائیں تھیں۔

## تفسیر قرآن یا حدیث یا شرح

پیچھے آپ پڑھتے آئے ہیں کہ عام طور پر اہل حدیث و اہل فقہ علمانے، کس کس طرح سے (نام نہاد) احادیث کو قرآن مبین کی شرح و توضیح و تفسیر قرار دینے کی کوششیں کی ہیں، مگر آج تک اس شرح کو نہ تو ثابت کر سکے اور نہ ہی مکمل کر سکے بلکہ شرح کی شرح اب بھی ہو رہی ہے۔ دنیا کا سب سے بڑا مذاق یہ ہے کہ اللہ کی کتاب مبین کی شرح یا تفسیریں ہزاروں کی تعداد میں لکھی گئیں اور پھر ان تفسیروں کی بھی شرحین و تعلیقات لکھی گئیں اور اب بھی لکھی جا رہی ہیں۔ مثلاً "انوار التنزیل" معروف بہ تفسیر بیضاوی، مصنفہ قاضی ابی سعید ناصر الدین عبد اللہ بن عمر بیضاوی شافعی

[1] ایضاً۔ ص ۱۱۱

متوفی ۶۸۵ھ ہی پر بیسیوں تعلیقات، حواشی، مختصرات اور شروح کے نام صارم الازھری صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب میں دیئے ہیں (ص ۷۱-۷۴) اور یہ حال تب ہے جبکہ صارم الازھری صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ "تصانیف عہد رسالت" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

"حضور علیہ السلام آیات قرآنی کو تشریح و تفصیل کے ساتھ سمجھاتے تھے اس لئے قرآن کے سب سے پہلے مفسّر حضور اکرم ﷺ ہیں، اور قرآن کی سب سے پہلی تفسیر احادیث رسول اکرم ﷺ ہیں، احادیث کا زیادہ تعلق قرآن سے ہے اس لئے **حدیث کا ہر مجموعہ قرآن کی تفسیر ہے**"[1]۔ اور انہی کی مطابق کتب احادیث کی تعداد اٹھارویں صدع عیسوی تک ۱۴۶۵ بیان کی جاتی ہے[2]۔ تو اسطرح سے قرآن مبین کی کم از کم پندرہ سو تفسیریں پڑھئے! کیا آپ پڑھ سکتے ہیں؟ کتنا عمدہ دھوکہ ہے!

قارئین، موصوف کے بیان اور ذہنی حالت پر غور کیجئے کہ وہ سب سے پہلی تفسیر حدیث کے ہر مجموعہ کو بتا رہے ہیں! تو پھر دیگر ہزاروں تفسیریں جو لکھی گئی ہیں انہیں جلا دیجئے یا سمندر میں غرق کر دیجئے اور حدیثوں کے جو سینکڑوں یا ہزاروں مجموعے ہیں انہیں پڑھنا شروع کر دیجئے۔ پھر ان کی شرحیں پڑھئے، پھر ان شروح کی شرحیں پڑھئے..............................

اور جب قرآن مبین کی تفسیر سمجھ میں آجائے تو ہمیں بھی آکر بتا دیجئے گا!

جہاں تک کسی تفسیر کی ضرورت یا قرآن مبین کے آسان ہونے کا تعلق ہے تو صارم الازھری صاحب خود یہ عقیدہ بھی رکھتے ہیں کہ قرآن تو بذات خود آسان ہے۔ دیکھئے وہ لکھتے ہیں کہ:

"قرآن کا طرزِ استدلال مطالب پر ایسا سہل الماخذ ہے کہ جس کو ایک بڑے سے بڑا حکیم اور ایک جاہل دونوں سمجھ سکتے ہیں اور ہر ایک اپنے فہم و مذاق کے موجب اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔ بیان احکام میں ایسا سہل اور مؤثر طریق اختیار کیا ہے کہ جس سے بندوں کے دلوں پر اثر ہو اور وہ تعمیل کے لئے آمادہ ہو جائیں"[3]۔

قارئین غور کیجئے کہ جب قرآن کا طرز استدلال اور بیانِ احکام سہل ہے جس کو بڑے سے بڑا حکیم اور ایک جاہل دونوں ہی بخوبی سمجھ سکتے ہیں تو پھر کسی (غیر قرآنی) تفسیر کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟

## اختلافی ذخیرہ

کیا آپ نے دیکھا کہ صارم الازھری صاحب کس قدر ذہنی انتشار و اختلاف کا شکار ہیں کہ وہ یہ فیصلہ ہی نہیں کر پا رہے کہ (نام نہاد) حدیث کے مجموعے تفسیرِ قرآن ہیں یا دیگر ہزاروں لکھی گئی تفسیریں۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ صرف وہ ہی اختلاف کا شکار نہیں ہیں بلکہ یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ان تمام تفاسیر اور (نام نہاد) احادیث کا ذخیرہ ہی اختلافات سے پُر ہے۔ اور یہ حقیقت صرف ہم ہی نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ آج کے ایک بڑے عالم وحید الدین خان

[1] ایضاً۔ ص ۵۲۔۔۔ [2] تاریخ القرآن از پروفیسر عبد الصمد صارم الازھری (باب پنجم ۱۹۷۷ء) زیر عنوان حدیث۔ ص ۱۹۴

[3] تاریخ التفسیر از پروفیسر عبد الصمد صارم الازھری۔ ص ۱۳

صاحب بھی ”اختلاف میں رحمت“ کے زیر عنوان لکھ رہے ہیں، ملاحظہ ہو:

”مگر دوسری ناقابل انکار حقیقت یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کا پورا ذخیرہ جو ہمارے پاس موجود ہے، اس میں خود علمائے امت نے بے شمار اختلافات کئے ہیں۔ قرآن کی تفسیریں اختلافات سے بھری ہوئی ہیں، اس طرح احادیث کی شرحوں کا یہ حال ہے کہ شاید کوئی بھی حدیث ایسی نہیں جس کی تشریح میں اختلاف موجود نہ ہو۔ ..........................................

آج ہمارے سامنے یہ سوال نہیں کہ اختلاف کیا جائے یا نہ کیا جائے، اختلاف تو ہر وقت ہی ہر سطح پر اور ہر دینی معاملہ میں موجود ہے، بلکہ اصل سوال یہ ہے کہ دین میں روز اول سے آج تک جو بے شمار اختلافات پائے جا رہے ہیں ان کی توجیہہ کیا کی جائے۔ گویا مسئلہ موجودگی کی توجیہہ کا ہے نہ کہ اس کو باقی رکھنے کا یا باقی نہ رکھنے کا۔

مثلاً آپ قرآن کا مطالعہ شروع کریں اور اس کے لئے کوئی مستند تفسیر لیں۔ مثلاً القرطبی کی الجامع لاحکام القرآن۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر شروع ہوتے ہی آپ کو یہ فقرہ لکھا ہوا ملے گا: **فیھا سبع و عشرون مسئلة** (اس میں ۲۷ مسئلے ہیں) گویا چار لفظ کے ایک جملہ میں دو درجن سے زیادہ اختلافی مسائل۔ اسی طرح سورہ فاتحہ میں اتنے زیادہ مسائل ہیں کہ چند سطر کی ایک سورہ کے مباحث پورے ۴۳ صفحہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔

اسی طرح ۲۰ جلدوں کی یہ تفسیر آپ اس طرح پڑھیں گے کہ شاید اس کا کوئی بھی صفحہ اختلافی رایوں اور اختلافی اقوال سے خالی نہ ہو گا۔ یہاں تک کہ آپ معوذتین تک پہنچیں گے تو اس کی تفسیر میں دوسرے بہت سے اختلافات کے ساتھ یہ انتہائی نوعیت کا اختلاف آپ کو پڑھنے کیلئے ملے گا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے خیال کے مطابق، یہ دونوں آخری صورتیں دراصل دعا ہیں وہ قرآن کا حصہ نہیں۔ (القرطبی ۲۰/۲۵۱)

یہی معاملہ مزید اضافہ کے ساتھ حدیث کا ہے۔ آپ اس کی کوئی بھی شرح لیں، مثلاً صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کو لیجئے۔ آپ اس کو کھولیں تو پہلی حدیث یہ ملے گی کہ انما الاعمال بالنیات یعنی عمل کا دارومدار نیت پر ہے۔ یہ ایک متواتر حدیث ہے اور نہایت مستند ہے۔ مگر اس کی تقریباً نو صفحہ کی تشریح میں چھ بار **اختلف** اور **اختلفوا** جیسے الفاظ آئے ہیں۔ تیرہ جلدوں پر مشتمل پوری فتح الباری اسی طرح اختلافی تشریحات سے بھری ہوئی ہے۔

اس کے بعد اگر آپ فقہ اور عقائد کی کتابیں دیکھیں تو بظاہر ایسا معلوم ہو گا کہ وہ اختلافات کا ایک لامتناہی جنگل ہے۔ یہاں شاید کوئی ایک معاملہ بھی آپ کو ایسا نہیں ملے گا جو اختلافی رایوں سے خالی ہو“[1]۔

غور کیجئے کہ ہم بھی تو یہی حقیقت بتاتے چلے آ رہے ہیں کہ یہ (نام نہاد) احادیث اور تفاسیر اختلاف کی جڑ ہیں۔ یہ لکھی ہی اسی لئے گئی ہیں کہ ان کو پھیلا کر اختلافات پھیلاؤ اور ایمان لانے والوں کو گمراہ کرو۔

---

[1] ”الرسالہ“ ماہنامہ تذکیر۔ لاہور۔ زیر سرپرستی مولانا وحید الدین خان صاحب، صدر اسلامی مرکز دارالتذکیر۔ رحمان مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ۔ اردو بازار لاہور۔ اگست ۱۹۹۶ء۔ ”حریت فکر“ ص ۸-۹

یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آج پندرھویں صدی ہجری کے ایک جدید عالم نے بھی یہ حقیقت مان لی ہے مگر ہمیں یہ لکھتے ہوئے افسوس ہو رہا ہے کہ وہ "حریت فکر" جیسا رسالہ اور "فکر اسلامی" جیسی کتاب لکھنے کے باوجود ان اختلافی احادیث و تفاسیر و فقہ کے پنجوں سے اپنے ذہن کو آزاد نہ کرا سکے اور ایک غیر مستند نام نہاد حدیث " اختَلافِ اُمَّتِی رَحْمَۃ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) کو صحیح مانتے ہوئے، اپنی اوپر کی عبارت کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

"یہ اختلافات کوئی برائی نہیں، بلکہ وہ فکری میمیز ہیں۔ وہ لوگوں کو سوچ پر ابھارتے ہیں وہ ذہنوں کو متحرک کر کے انہیں ارتقاء کی طرف لے جاتے ہیں"[1]۔

غور کیجئے! کیا آپ نے ان اختلافات کے ذریعہ کسی عالم یا عامی کا ذہن متحرک ہوتے اور ارتقاء کی طرف جاتے ہوئے دیکھا؟ یا روز ایک نیا فرقہ یا مسلک بنتے دیکھا!

آگے یہی خان صاحب "اختلافات کی توجیہہ" کے زیر عنوان لکھتے ہیں کہ:

"قرآن میں ارشاد ہوا ہے۔۔ کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس کے اندر بہت اختلاف پاتے (النساء: ۸۲)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ نے جو دین اسلام بھیجا ہے وہ ایک ایسا دین ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ یہی بات حدیث میں اس طرح کہی گئی ہے کہ میں نے تم کو ایک روشن دین پر چھوڑا ہے، اس کی راتیں بھی اس کے دنوں کی طرح ہیں (لقد ترکتکم علی مثل البیضاء لیلھا کنھارھا۔ ابن ماجہ، مقدمہ)

مگر ایک شخص جب قرآن کی تفسیروں اور حدیث کی شرحوں کو پڑھتا ہے۔ جب وہ فقہ اور عقائد کی کتابوں کو دیکھتا ہے تو بظاہر بالکل برعکس تصویر دکھائی دیتی ہے۔ یہاں وہ اتنے زیادہ اختلافات دیکھتا ہے کہ شاید اسلام کی کوئی ایک تعلیم بھی نہیں جس میں علماء کے درمیان کثرت سے اختلاف نہ پایا جاتا ہو۔ یہاں دین اسلام بظاہر دینِ اختلاف معلوم ہونے لگتا ہے۔ ایک دارالعلوم کے شیخ الحدیث نے کہا کہ شوال کے مہینہ میں حدیث کے اسباق کی بسم اللہ ہوتی ہے اور رجب میں اس کی تمت ہوتی ہے۔ ان دس مہینوں میں اسباق کا کوئی دن بھی ایسا نہیں گزرتا جس میں کم از کم بیس مرتبہ یہ نہ کہنا پڑتا ہو کہ اس مسئلہ میں فلاں امام کا یہ مذہب ہے اور فلاں کا یہ مختلف مذہب ہے۔ صحابہ کا یہ مذہب تھا، تابعین میں یہ اختلاف ہے اور یہ کہ رأینا صواب و رأی غیرنا خطأ (ہماری رائے درست ہے اور دوسروں کی رائے خطا ہے)

ایک بے اختلاف دین با اختلاف دین کیوں بن گیا۔ اور اس معاملہ کی اطمینان بخش توجیہہ کیا ہے۔ اس پر پچھلے ہزار برس کے دوران بہت لکھا گیا ہے اور بہت کچھ کہا گیا ہے۔ آج بھی اس کے بارے میں کثرت سے مضامین اور تابیں شائع کی جا رہی ہیں۔

یہ سوال ابتدائی طور پر صحابہ کے زمانہ ہی میں موجود تھا۔ تاہم باقاعدہ صورت میں وہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں نمایاں ہوا۔ جب حدیثیں اکٹھا کی گئیں تو معلوم ہوا کہ خود روایات میں کثرت سے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اب لوگوں نے یہ سوال کرنا شروع کیا کہ کس روایت کی پیروی کریں اور کس روایت کی

---

[1] ایضاً۔ ص ۸۔۹

پیروی نہ کریں“[1]۔

قارئین! خان صاحب کے بیان پر غور کیجئے اس سے یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو دین اسلام بھیجا ہے اس میں کائی اختلاف نہیں بلکہ اختلاف تو حدیثوں کے اکٹھا کئے جانے کے بعد پیدا ہوا یونکہ ”روایات میں کثرت سے اختلافات پائے جاتے ہیں“۔ خان صاحب کا یہ فتویٰ درست نہیں کہ اختلاف کے بارے میں ”سوال ابتدائی طور پر صحابہ کے دور میں موجود تھا۔ تاہم باقاعدہ صورت میں وہ تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں نمایاں ہوا“ اگر صحابہ کے دور ہی میں اختلاف رونما ہو چکا تھا تو اس کے معنی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کی ساری تعلیم و تربیت، تزکیہ سب بیکار ہو گیا تھا۔ اور ایسا عقیدہ یقیناً کسی مسلم کا نہیں ہو سکتا بلکہ یہ دشمنانِ اسلام، سازشیوں کا پروپیگنڈہ ہے، جس کو ذہنی طور پر غیر ارتقاء یافتہ مسلم علما نے بھی صحیح مان لیا۔ غور کیجئے کہ اگر صحابہ میں بھی اختلافات تھے (خیال رہے کہ تابعین اور بہت سے تبع تابعین بھی صحابہ ہی کے زمانہ کے لوگ تھے) تو پھر اللہ تعالیٰ نے کیسے ”سبیل المومنین“ کی اتباع کا حکم دیا (۴/۱۱۵)؟ اور اگر نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ ہی نے اختلافی راہ اختیار کرنے کو کہا تو پھر لَا تَفَرَّقُوا (۳/۱۰۳) کا حکم کیوں دیا؟

ہمارے نزدیک اس سوال کا (ایک بے اختلاف دین با اختلاف دین کیوں بن گیا اور اس معاملہ کی اطمینان بخش توجیہہ کیا ہے؟) کھرا جواب یہ ہے کہ یہ سب دشمنان اسلام یعنی دشمنان قرآن کی سازش سے ہوا کہ انہوں نے مسلمین کو اُم الکتاب سے (نام نہاد) احادیث، تفاسیر و فقہ کی طرف موڑ دیا اور قرآن مبین کو مھجور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا حبل اللہ کو پکڑنے کا اور اختلاف نہ کرنے کا، تفرقہ نہ ڈالنے کا (۳/۱۰۳) مگر سازشیوں نے اپنی سازش کے ذریعہ حبل اللہ چھڑوا دی اور اس کی شرح پکڑوا دی اور پھر شرح بھی نہیں بلکہ شرح کی شرح .................. حد تو یہ ہے کہ خان صاحب کے اوپر کے دونوں پیراگراف پڑھ جایئے ان میں بھی شرح کی شرح (فتح الباری وغیرہ) ہی پڑھنے کا ذکر ہے۔ ہمارے موصوف کی بغل میں بھی فتح الباری ہی دبی رہتی ہے! معاذ اللہ ان لوگوں کے لئے اصل کتاب ہی وہ ہے۔

قارئین تفاسیر کے اس اختلافی ذخیرہ کی وسعت کا اندازہ اس سے لگایئے کہ یہ تفاسیر کتنی تعداد میں لکھی گئیں![2] ان میں سے آپ کتنی پڑھ کر قرآن مبین کو سمجھ سکتے ہیں؟ صرف چند کا نمونہ ملاحظہ ہو:

★۔ تفسیر ابن جریر۔ تیس ہزار ورق پر لکھی تھی۔ اس کا خلاصہ تین ہزار ورق پر کیا[3]۔

★۔ تفسیر اصفہانی۔ (امام ابو القاسم اسماعیل بن محمد فضل تیمی متوفی ۵۳۵ھ) کی چار تفسیریں ہیں[4]۔

ایک کا نام جامع ہے ۳۰ جلد، دوسری کا نام معتمد ہے ۱۰ جلد

تیسری کا نام ایضاح ہے ۴ جلد، اور چوتھی کا نام موضح ہے ۳ جلد۔

★۔ مفاتیح الغیب۔ (امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی متوفی ۶۰۶ھ)۔ یہ تفسیر، تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۰ جلد۔ ان کی ایک اور تفسیر بھی ہے اس کا نام مفاتیح العلوم ہے[5]۔

---

[1]۔ ایضاً۔ اختلافات کی توجیہہ۔ ص ۱۴۱۔۔۔ [2]۔ پروفیسر عبد الصمد صارم الازھری صاحب اپنی کتاب ”تاریخ القرآن“ کے ص ۹۲ پر لکھتے ہیں کہ ”میری قلیل معلومات کے مطابق تیرھویں صدی کے وسط تک ۱۱۶۱ مکمل تفسیریں لکھی گئیں۔ ان میں سو سو اور ہزار ہزار جلد کی تفسیریں بھی ہیں۔ اور غیر مکمل تفاسیر کا کوئی شمار نہیں“۔۔۔ [3]۔ تاریخ التفسیر۔ از عبد الصمد صارم الازھری۔ ص ۵۷۔۔۔ [4]۔ ایضاً۔ ص ۶۵۔۔۔ [5]۔ ایضاً۔ ص ۶۷

★۔ تفسیر ابن کثیر۔ (امام ابو الفداء اسمٰعیل بن عمر دمشقی۔ متوفی ۷۷۴ھ) ۱۰ جلد[1]۔

★۔ استغناء (شیخ ابو بکر محمد بن علی بن احمد ادفوی متوفی ۸۰۸ھ) ۱۰۰ جلد[2]۔

★۔ احکام البیان (حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ) ان کی کئی تفسیریں ہیں۔ ایک کا نام الاتقان بھی ہے[3]

★۔ الدر المنثور (امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ) ان کی کئی اور تفسیریں ہیں[4]۔

★۔ تفسیر غزی (شیخ بدر الدین محمد بن رضی الدین محمد عامری، متوفی ۹۸۴ھ) ان کی تین تفسیریں ہیں دو نثر، ایک نظم، اس میں ایک لاکھ اسی ہزار اشعار ہیں![5]۔

★۔ روح المعانی (علامہ محمود آلوسی بغدادی) ۳۰ جلد[6]۔

★۔ تفسیر الجواہر (علامہ طنطاوی مصری) ۳۰ جلد[7]۔

★۔ بیان القرآن (اشرف علی تھانوی) ۱۲ جلد[8]۔

★۔ انوار الفجر (قاضی ابو بکر محمد بن عبد اللہ معروف بہ ابن العربی، متوفی ۵۴۳ھ) ۸۰ جلد[9]۔

★۔ تفسیر ابن الجوزی ۷۲ جلدوں میں ہے[10]۔

★۔ تفسیر الاصبہانی ۳۰ جلدوں میں ہے[11]۔

★۔ کتاب الجامع فی التفسیر۔ ۳۰ جلدوں میں ہے[12]۔

★۔ تفسیر ابن النقیب۔ کچھ اوپر پچاس جلدوں میں ہے[13]۔

★۔ کتاب التحریر والتحبیر، اس کی پچاس سے زائد جلدیں ہیں[14]۔

★۔ تفسیر الادفوی، (علامہ ادفوی، روم کے شہرۂ آفاق عالم تھے) اس کی ۱۲۰ جلدیں ہیں[15]۔

★۔ تفسیر القزوینی، تین سو جلدوں میں ہے[16]۔

★۔ تفسیر حدائق ذات بہجہ، پانچ ۵۰۰ سو جلدوں میں ہے[17]۔

★۔ تفسیر علائی شیخ محمد بن عبد الرحمٰن بخاری (۵۴۶ھ) ۱۰۰۰ جلد[18]۔

★۔ تفسیر الاستغناء شیخ ابو بکر محمد (۸۰۸ھ) ۱۰۰۰ جلد[19]۔

★۔ تفسیر الشیرازی شیخ ابو محمد عبد الوہاب (۵۰۰ھ) ایک لاکھ اشعار[20]۔

★۔ تفسیر از علامہ طنطاوی جوہری ۱۳۵۸ھ ۲۵ جلد[21]۔

قارئین غور کیجئے کہ ایک ہی مفسر نے کئی تفسیریں کیوں لکھیں؟

کیا یہ تمام مجموعہ تفاسیر، جن میں ایک ایک تفسیر پانچ ۵۰۰ جلدوں تک کی ہے، رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بتائی ہوئی قرآن مبین کی تفسیر ہے؟؟

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۷۶۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۷۷۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۷۸۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص ۸۰۔۔۔ ۵۔ ایضاً۔ ص ۸۱،۔۔۔ ۶۔ ایضاً۔ ص ۸۵۔۔۔ ۷۔ ایضاً۔ ص ۸۶۔۔۔ ۸۔ ایضاً۔ ص ۸۶۔۔۔ ۹۔ ایضاً۔ ص ۱۱۱۔۔۔ ۱۰ سے ۱۷۔ "مقدمہ الخلافۃ الکبری" تالیف خواجہ عبد الحی فاروقی صاحب تفاسیر پر ایک نظر۔ وسعت بیان ص ۲۔۔۔ ۱۸ سے ۲۱۔ "تاریخ القرآن" از پروفیسر عبد الصمد صارم الازہری۔ ناشر مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور، بار پنجم ۱۹۷۷ء زیر عنوان "تفاسیر قرآن" ص ۱۳۵

کیا کوئی مائی کا لعل، عالم فاضل، علامہ یا امام ایسا ہے جس نے یہ تمام تفاسیر پڑھ کر قرآن کو سمجھا ہو؟

کیا قرآن جو کہ مُبین (۱/۱۵، ۲۹/۳۶) ہے اور ذکر کے لئے آسان ہے (۱۷، ۲۲، ۳۲، ۴۰/۵۴) اس کا سمجھنا اتنا مشکل کام تھا کہ اسے سمجھنے کے لئے پانچ سو(۵۰۰) جلدوں کی تفسیر چاہئے تھی؟ اور اگر پانچ سو جلدوں کی تفسیر چاہئے تھی تو پھر جنہوں نے دو، چار، پانچ، دس لکھی ہیں وہ تو بکواس ہی ہوئیں!

ہمیں یقین ہے کہ اگر نیک نیتی سے قرآن کی خدمت کرنے کے لئے یہ تمام ہزاروں تفاسیر لکھی گئیں (زیادہ تر عربی زبان ہی میں لکھی گئیں) ہوتیں تو یہ ضرور باقی رہتیں۔ مگر شاید یہ قرآن کے خلاف سازش ہی کے تحت لکھی گئی تھیں ورنہ کم از کم سازش زدہ لوگوں نے لکھیں اور سازش زدہ مواد ہی آگے بڑھتا رہا۔ ہمارے اس تاثر کی تائید، جناب عبدالحی فاروقی صاحب کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے جو وہ اپنے "مقدمہ" میں مابعد کی تفسیریں" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

"جس قدر زمانہ بڑھتا گیا، اور عہد نبوت سے بعد و ہجر ہوتا گیا، تفسیر کی صورت بھی نمایاں تبدیلیاں اختیار کرتی گئی، اور اور نجام کار ایسا انقلاب عظیم پیدا ہوا کہ جن مطالب اور روایات کے حق میں محکمہ تحقیق کا یہ فیصلہ تھا کہ وہ قابل قبول نہیں ہیں، وہی زیادہ مشہور ہو گئیں، اور عام طبائع نے ان کو شرف اجابت بخشا، ہر بات میں پیچیدگی، مشکل پسندی اور عجائب پرستی کا طومار بھر گیا، حکمت و فلسفہ کی نکتہ آفرینیاں دکھائی دینے لگیں، معانی و بیان کے حقائق بیان کئے جانے لگے اور ہئیت و نجوم کے مطابق قرآن حکیم کی تفسیر ہونے لگی، مگر جس قدر ان چیزوں میں زیادتی ہوتی گئی، اتنی ہی **قرآن سے دوری ہوتی گئی، اور منشائے قرآن کی خصوصیت میں فرق آتا گیا**"[۱]۔

قارئین! فاروقی صاحب کے جملوں پر غور کیجئے، یہ بہت گہرے معنی رکھتے ہیں۔ (اسی لئے ملاؤں نے انہیں مطعون کیا تھا):

★۔ ناقابل قبول روایات ہی مشہور ہوئیں۔ (اس کی ایک مثال پیچھے وحید الدین خان صاحب کے حوالہ سے آچکی ہے کہ مشہور روایت ہے کہ: میری امت کا اختلاف رحمت ہے۔ معاذ اللہ)

★۔ پیچیدگی، مشکل پسندی، عجائب پرستی کے طومار سے قرآن سمجھنا اور مشکل بنا دیا گیا، اور نتیجہ کیا ہوا کہ:

★۔ قرآن سے دوری ہوتی گئی

اور سازشیوں کا یہی مقصد تھا جو بَر آیا۔

## تفسیر کے مختلف دور اور ان کی خصوصیات

قارئین اب آپ کو پیچھے بتائے ہوئے اختلافی ذخیرہ میں سے چنیدہ بہترین تفسیروں کا حال بتاتے ہیں، وہ بھی اپنی زبانی نہیں مبادا کہ آپ شک کریں، بلکہ دور جدید کے مفسر و امام جناب اصلاحی صاحب کی زبانی، چنانچہ وہ اوپر کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ:

"یہ حقیقت بلا اختلاف مسلّم ہے کہ تفسیر قرآن کا سب سے زیادہ مبارک دور ہماری تاریخ کا ابتدائی دور

---

۱۔ "مقدمہ الخلافۃ الکبری"، "مابعد کی تفسیریں"۔ ص ۱۱

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے تعلیم و تعلّم کے تمام ضروری شرائط و حالات اس عہد مبارک میں بدرجہ کمال موجود تھے۔ پھر دور نبوت کے بعد، اسلامی تعلیمات کے زوال، عجمیّت اور عجمی علوم کے اختلاط، مذاق زبان کے بگاڑ نے بدعتوں کا فتنہ اٹھایا اور **چونکہ دین کی اصلی بنیاد قرآن مجید تھا**، اس وجہ سے قدرتی طور پر، اہل بدعت کے تیشے سب سے پہلے اسی پر پڑے۔ اس فتنہ کے سدّباب کے لئے اہل سنت اور اہل حق نے یہ مذہب اختیار کیا کہ تفسیر کے باب ہیں، تمام قیل و قال سے علیحدہ ہو کر حتی الامکان صرف رسول اللہ ﷺ اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار پر اعتماد کیا جائے تا کہ اصحاب بدعت کو کتابِ الٰہی میں در اندازی کا کوئی راستہ نہ ملے"[1]۔

آگے بڑھنے سے پہلے اصلاحی صاحب کی بتائی ہوئی حقیقت پر غور کرتے چلئے کہ وہ یہ مان رہے ہیں کہ **دین کی اصلی بنیاد قرآن مجید تھا** (مگر بعد میں سازشیوں نے اس میں (نام نہاد) حدیث، فقہ اور اجماع کا اضافہ کر دیا تا کہ اصل بنیاد سے ہٹایا جا سکے)۔ اس لئے اہل بدعت (یعنی سازشیوں) کے تیشے سب سے پہلے اسی پر پڑے! ہم یہ حقیقت شروع ہی سے آپ کو تفصیل سے بتاتے آرہے ہیں۔ کاش کہ اب آپ یقین کر لیں۔

"اس فتنہ کے سدباب کے لئے اہل سنت اور اہل حق نے یہ مذہب اختیار کیا" گویا کہ فرقہ اہل سنت اور فرقہ اہل حق وجود میں آگئے تھے اور ان کا علیحدہ مذہب بھی بن گیا تھا اور آگے انہی کی کاروائیاں یا کارستانیاں ہیں۔ مسلمین اور مؤمنین کی نہیں!

آگے ایک ہی جملہ میں متضاد بات کہہ گئے کہ "(ان فرقوں نے) تفسیر قرآن کے باب میں، تمام قیل و قال سے علیحدہ ہو کر حتی الامکان صرف رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کے اقوال و آثار پر اعتماد کیا جائے تا کہ۔۔" یعنی ایک طرف تو یہ کہہ رہے ہیں کہ "تمام قیل و قال سے علیحدہ ہو کر" اور ساتھ ہی میں رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہؓ اور تابعین کے اقوال و آثار کی بات کر رہے ہیں۔ فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اقوال تفسیر کے سلسلہ میں کافی نہیں تھے جو ان کے ساتھ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال اور آثار بھی شامل کئے جا رہے ہیں؟ اس کے صاف معنی یہی ہوئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی تفسیر قرآن نہیں کی تھی اور نہ ہی آپ نے کوئی تفسیر قرآن لکھائی تھی۔ نہ ہی آپ کے بعد کسی صحابیؓ نے تفسیر قرآن کی تھی ورنہ اصلاحی صاحب تابعین کے اقوال و آثار کی بات نہ کرتے۔ اس کے بعد شاید کسی تابعی سے کسی خلیفہ نے تفسیر لکھوائی تھی، جیسا کہ صارم الازھری صاحب نے اپنی کتاب تاریخ التفسیر میں ذکر کیا ہے، (جس کا ذکر ہم پیچھے کر چکے ہیں) مگر اس کی بھی نہ تو کوئی سند یا تصدیق ہے نہ ہی آج اس کا وجود ہے! پھر یقیناً تبع تابعین کے دور سے فنِ تفسیر ایجاد ہونا شروع ہو گئے اور تفسیریں لکھی جانے لگیں۔ خیر آگے چلتے ہیں۔ آگے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"یہ حقیقت میں ایک فتنہ کے سدّباب کے لئے اک وقتی تدبیر اور ایک بیماری کی مناسب وقت دوا تھی۔ اور اس کا مقصد یہ تھا کہ جو جماعت اپنی بدعات کی حمایت و تائید میں قرآن کو ساتھ لینا چاہتی ہے اس کے لئے یہ راہ مسدود ہو جائے"[2]۔

---

1۔ "مبادیٔ تدبر قرآن" باب ۳، تیسرِ قرآن۔ ص۷۵۔۷۶۔۔۔ 2۔ ایضاً ص۷۶

قارئین! غور کیجئے کہ کیا یہ حقیقت میں ایک فتنہ کے سدّباب کے لئے ایک وقتی تدبیر اور ایک بیماری کی مناسب وقت دوا تھی؟ یا یہ ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا تھا کہ ایسی بیماری لگے جس کی دوا آج بھی نئی نئی تفسیر کی شکل میں لکھی جارہی ہے۔ اور شاید آئندہ بھی اس فتنہ یا بیماری کا سدباب نہیں ہو سکے گا۔ سیدھی سی بات جو چیز رسول اللہ سلامٌ علیہ نے نہیں دی، نہیں بتائی، نہیں لکھائی اس کو وجود میں لانے کی کوشش اسلام دوستی ہو گی یا اسلام دشمنی؟ یہ کوئی رحمت ہو گی یا بدعت؟ اہل بدعت تو وہی ہیں جنہوں نے ایک بے وجود چیز کی بناء اسلامی معاشرہ میں ڈالی۔ قرآن مبین کی تفسیر خود قرآن نازل کرنے والے نے اسی قرآن میں نازل کر دی ہوئی تھی اسی لئے اسے قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ (۱/۱۵ ، ۶۹/۳۶) اور الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ (۲/۴۴) کہا بلکہ اس کی قسم تک کھائی۔ لیکن اہل بدعت نے یہ بدعت نکالی کہ قرآن مبین کی تفسیر علیحدہ لکھنا شروع کر دی اور وہ بھی اپنی اپنی رائے سے اور غیر اللہ کے اقوال و آثار سے۔ اصلاحی صاحب خود مانتے ہیں کہ "فہم قرآن کی کلید خود قرآن ہی ہے۔ وہ اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے۔ وہ اپنے مفہوم و معنی کی تعین، اپنے مقاصد و مطالب کی تفسیر اور اپنے نکات و حقائق کی تشریح کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے[۱]"۔ دیکھئے اتنا کچھ صاف صاف لکھنے کے باوجود انہوں نے بھی ایک تفسیر نو جلدوں میں لکھ ڈالی اور اس کی خوب پبلسٹی کروائی۔ مگر اس میں بھی انہوں نے غیر اللہ کی کتابوں یا تفاسیر سے استفادہ کیا ہے جبکہ دعویٰ یہ کیا کہ قرآن اپنی تشریح کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں!

تفسیر کی خصوصیات کے بارے میں آگے کیا فرماتے ہیں:

"اس اصولِ تفسیر کی جو سب سے زیادہ جامع اور عظیم الشان کتاب تالیف ہوئی وہ علامہ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ہے۔ اس میں وہ سب کچھ یکجا جمع ہے جو سلف سے بطریق روایت منقول ہے ان کا طریقہ یہ ہے کہ ہر آیت کے تحت سلف کے تمام اقوال، بغیر کسی جرح و نقد کے، جمع کر دیتے ہیں اور جو قول ان کے نزدیک ترجیح کے قابل ہوتا ہے۔ اخیر میں اس کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔ حتیٰ الامکان اس قول کو ترجیح دیتے ہیں جو دوسرے تمام اقوال کو اپنے اندر جمع کر لے، جابجا لغت و نحو سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ لیکن نہ تو اس میں روایات کی تنقید ہے نہ قرآن پر قرآن یا تاریخ یا عقل وغیرہ کے پہلو سے کوئی بحث کی گئی ہے۔ اس سب سے اس میں جو جواہر ریزے ہیں وہ **منکر اور ضعیف روایات کے انبار میں گم ہیں[۲]**"۔

غور کیجئے کہ بقول اصلاحی صاحب کے اہل بدعت کے فتنہ کے سدّباب کے لئے جو سب سے زیادہ جامع اور عظیم الشان تفسیر تالیف ہوئی وہ "تفسیر ابن جریر" ہے جو کہ **غیر اللہ کے اقوال** کا مجموعہ ہے اور اس کے جواہر ریزے منکر اور ضعیف روایات کے انبار میں گم ہیں! کیا وہ تفسیر قرآن ہو سکتی ہے؟ کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے یہی تفسیر کی تھی کہ وہ تیسری صدی ہجری ہی میں منکر اور ضعیف روایات میں گم ہو گئی؟ (معاذ اللہ) ہمارا عقیدہ ہے کہ اگر رسول نے قرآن کی کوئی تفسیر کی ہوتی تو وہ قرآن ہی کی طرح لکھوا بھی جاتے اور وہ محفوظ بھی رہتی، ضعیف اور منکر روایات میں گم نہ ہو جاتی۔ غور کیجئے کہ ابن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) کا وہ زمانہ ہے جب کہ بقول اہل حدیث و اہل فقہ علما کے بخاری و مسلم جیسے (نام نہاد) احادیث کے امام صحیح احادیث جمع کر کے سب علما پر پیش کر چکے تھے اور بخاری تو خود بھی ایک کتاب جس میں ایک لاکھ صحیح احادیث تھیں لکھ چکے تھے اور ایک تفسیر بھی لکھ چکے تھے، پھر تفسیر ابن جریر میں منکر اور ضعیف

۱۔ ایضاً۔ باب ۲، قرآن کی تفسیر خود قرآن سے۔ ص ۶۰۔۔۔۲۔ ایضا۔ باب ۳۔ ص ۷۶

روایات اور غیر اللہ کے دیگر اقوال بھرنے کا کیا مقصد تھا؟ آگے دیکھئے اصلاحی صاحب کیا فرماتے ہیں کہ:

"اس کے بعد سب سے زیادہ مشہور و مقبول تفسیر علامہ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کی ہے (متوفی ۷۷۴ھ) لیکن یہ حقیقت میں تفسیر ابن جریر کا خلاصہ ہے۔ صرف اتنی بات اس میں نئی ہے کہ محدثانہ طریق پر اس میں روایات کی تنقید کی گئی ہے۔ اس کے سوا قرآن مجید کے فہم و تدبّر کے دوسرے اصولوں سے اس میں بھی کوئی تعرّض نہیں کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ صرف اس قدر تبدیلی کچھ زیادہ مفید مقصد نہیں ہے"[1]۔

غور کیجئے کہ تفسیر ابن جریر کا خلاصہ، جس کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے، کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ تفسیر ابن جریر خود غیر اللہ کے اقوال اور منکر اور ضعیف روایات کا مجموعہ تھی؟ اس سے آگے اصلاحی صاحب تیسری اہم تفسیر کا ذکر کرتے ہیں کہ:

"تفسیر کی تیسری اہم کتاب امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ہے (متوفی ۶۰۶ھ) یہ تفسیر متکلّمانہ نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہے اور اس میں شبہ نہیں ہے کہ اس اعتبار سے یہ لاجواب کتاب ہے۔ لیکن یہ کلامی بحثیں اس پر اس قدر حاوی ہو گئی ہیں اور اشعریت کی حمایت کے لئے امام صاحب نے اس میں قرآن مجید کو اس بے دردی کے ساتھ استعمال کیا ہے کہ فہم قرآن کے لئے یہ کتاب نہ صرف یہ کہ کچھ مفید نہیں رہ گئی، بلکہ نہایت مضر بن گئی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص متکلمانہ قیل و قال اور اشعریت و اعتزال کے معرکوں سے دلچسپی رکھتا ہو یا یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ متکلمین نے قرآن کو کس طرح سمجھا ہے تو اس کے لئے یہ بہترین کتاب ہے"[2]۔

قارئین خیال رہے کہ امام رازی کی تفسیر کو علما نے "تفسیر کبیر" کا نام دیا ہوا ہے۔ ان کے بارے میں خواجہ عبدالحی فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر کبیر ہی کو اٹھا کر دیکھ لیجئے، اس میں بطلیموسی ہیئت و نجوم اور فلسفۂ یونان کے سوا کیا دھرا ہے، مخالفین کے شبہات بیان کریں گے، اور اپنا تمام زورِ استدلال ان کی تقویت میں صرف کر دیں گے، لیکن جواب کے وقت اس درجہ ضعف و کمزوری کا اظہار کریں گے کہ پڑھنے والے کے دل میں وہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جائے گا، بعض ارباب نظر و بصیرت کو خود **امام فخر الدین رازی کے اسلام ہی میں تردّد ہے،** مگر یہ خیال تو درست نہیں البتہ اتنا ضرور ماننا پڑے گا کہ اس میں دنیا جہاں کی باتیں ہیں مگر تفسیر نہیں، جو اس کا اصلی موضوع و مقصد تھا"[3]۔

غور کیجئے کہ ہم شروع سے کیا کہتے چلے آرہے ہیں کہ دشمنان اسلام نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر اسلام یعنی قرآن کریم کے خلاف سازش کی۔ اور اب آپ نے خو یہ پڑھ لیا کہ "بعض ارباب نظر و بصیرت کو خود امام فخر الدین رازی کے اسلام ہی میں تردّد ہے۔" ایک طرف ان کو امام بنایا ہوا ہے تو دوسری طرف ان کے اسلام ہی میں تردّد ہے"۔ تو تیسری طرف ان کی تفسیر کو کہا جا رہا ہے کہ "امام رازی کی تفسیر میں سب کچھ ہے مگر تفسیر نہیں"۔ اور یہ جملہ فاروقی صاحب کا نہیں بلکہ انہوں نے اس کو صاحب کشف الظنون کے حوالہ سے لکھا ہے (کشف الظنون، ج ۲) جبکہ ان کی تفسیر کو تفسیر کبیر بھی قرار دیا ہوا ہے۔ اب غور کیجئے کہ کیا امام مدلّس یعنی چور نہیں ہو سکتا؟ جبکہ ہمارے موصوف

ا۔ ایضاً۔ باب ۳۔ ص ۷۷۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ باب ۳۔ ص ۷۷۔۔۔ ۳۔ مقدمہ الخلافۃ الکبریٰ، از عبدالحیٔ فاروقی صاحب۔ ص ۱۱۔ ۱۲

مدلّسین کا دفاع کر کے اپنے غیر القرآن عقائد کو بچانا چاہتے ہیں۔
آگے اصلاحی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر کی چوتھی کتاب علامہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۵۲۸ھ) کی تفسیر کشاف ہے۔ اس کا طریقہ مذکورہ کتابوں سے بالکل الگ ہے۔ علامہ زمخشری کی نظر کا محور عموماً عبارت قرآن ہوتی ہے۔ یہ پہلے لغت، اعراب اور ربطِ کلام سے بحث کرتے ہیں پھر احتیاط کے ساتھ روایات بھی لاتے ہیں۔ ان کی ایک خصوصیت نہایت قابل قدر ہے کہ وہ لغت واعراب میں عموماً صحیح مذہب اختیار کرتے ہیں۔ اس چیز میں امام رازیؒ بھی ان کا لوہا مانتے ہیں، یہاں تک کہ باوجود ان کے ساتھ حریفانہ کاوش کے، ان کے لغوی و نحوی تحقیقات کو امام رازیؒ اکثر اپنی کتاب میں، بلا تکلف، بغیر کسی تغیّر و تصرّف کے نقل کر دیتے ہیں۔ ان اعتبارات سے یہ کتاب قرآن مجید کے طالب علموں کے لئے مفید ہے۔ لیکن امام رازیؒ جس طرح اشعریت کے علم بردار ہیں، اسی طرح علامہ زمخشریؒ مذہب اعتزال کے وکیل ہیں۔ اور کتابِ الٰہی کے ساتھ سب سے بڑی ناانصافی یہی ہے کہ اس کے پیچھے چلنے کے بجائے آدمی اس بات کی کوشش کرے کہ اس کو خود اپنے کسی فکر وخیال کے پیچھے چلائے[1]"۔

غور کیجئے کہ علامہ زمخشری کی تفسیر، معتزلی ثابت ہوگئی۔ جبکہ امام رازی کی تفسیر، اشعری تھی، اس سے پہلے کی امام طبری اور امام ابن کثیر کی تفسیریں منکر وضعیف روایات کے انبار میں گم ہیں۔ کیا کہیں رسولی تفسیر بھی ہے؟؟ اور یہ چاروں تفسیریں جناب اصلاحی صاحب نے بڑی چھان پھٹک کے بعد منتخب کر کے نکالی ہیں[2]۔ چنانچہ وہ ان کے بارے میں آگے فرماتے ہیں

"تفسیر کی مرکزی کتابیں یہی ہیں جو عام طور پر اہل علم کے پیش نظر رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ جو کتابیں ہیں وہ در حقیقت انہی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔ بعض تفسیریں تصوف کے رنگ میں بھی لکھی گئی ہیں۔ لیکن ان کے نہج استدلال اور طریقِ بحث منظر میں ایک مخصوص ذوقی رنگ غالب ہے جس کو وہ لوگ نہیں قبول کر سکتے جو قرآن مجید کو روایات یا الفاظ ولغات کی روشنی میں سمجھنا چاہتے ہیں ............ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دورِ اولِ کے بعد تفسیر قرآن کی راہ میں جو پہلا ہی **قدم اٹھایا گیا وہی غلط تھا**۔ اس کا محرک اگرچہ ایک اچھا خیال تھا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے نتائج خاطر خواہ نہیں نکلے، بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس فتنہ کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی گئی اور ساتھ ہی ایک دوسرے فتنہ کا دروازہ کھول دیا گیا۔ اہل بدعت اور اصحابِ باطل کی مطلق العنانیوں اور فتنہ آرائیوں سے بچنے کے لئے روایات و آثار کو اہمیت دی گئی، لیکن پھر روایات میں اس

---

[1] مبادی تدبر قرآن۔ باب ۳۔ تیسّر قرآن ص ۸۷۔۔۔ [2] ان چاروں تفاسیر کے علاوہ ساتویں صدی کی مشہور تفسیر، تفسیر بیضاوی ہے جس کا ابتدائی حصہ ہمارے ہاں عربی مدارس میں بھی پڑھایا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں عبد الحی فاروقی صاحب لکھتے ہیں کہ: "تفسیر کی کیفیت یہ ہے کہ معانی، بدیع، اور بلاغت میں جو کچھ لکھتے ہیں جاء اللہ زمخشری کی تفسیر کشاف سے لیتے ہیں، اور بغیر حریت رائے واجتہاد کے اس کی تقلید کرتے ہیں، فلسفہ وکلام کے مسائل کی نوبت آتی ہے تو فخر الدین رازی سے طالب اعانت ہوتے ہیں، جب مفردات الفاظ اور اشتقاق کے مباحث سامنے آتے ہیں تو امام راغب اصفہانی کی جانب رجوع کرتے ہیں۔" (مقدمہ الخلافۃ الکبریٰ۔ ص ۱۵)۔ اس بیان سے یہ واضح ہو گیا کہ اصلاحی صاحب نے اس کو اپنی فہرست میں کیوں شامل نہیں کیا۔ یہی حال بعد کی تفاسیر کا ہے کہ وہ کسی نہ کسی کی نقل یا مختصر یا اختلاف کا ملغوبہ ہے اس لئے انہوں نے اب خود نئی تفسیر نو جلدوں میں لکھی ہے!

درجہ انہماک بڑھ گیا کہ ان کے بارہ میں نقد و تمیز کی آنکھیں بند ہو گئیں اور آہستہ آہستہ صحیح روایات کے ساتھ قصوں اور اسرائیلیات کا ایک بڑا حصہ بھی تفسیر کی کتابوں میں داخل کر دیا گیا۔

جرح و نقد سے بے پروائی کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ ہوا کہ ہر آیت کے متعلق صحیح اور غلط اقوال کا ایک ایسا انبار جمع ہو گیا کہ کسی آیت کی صحیح تاویل معلوم کرنا نہایت مشکل ہو گیا اور لوگ بجائے اس کے کہ صحیح اور غلط میں امتیاز کر کے اس مشکل کو آسان کرنے کی کوشش کرتے وہ ہر آیت کے بارہ میں بہت سے اقوال کو نقل کر دینا ہی کمالِ قرآن سمجھنے لگے۔ حالانکہ **یہ موٹی سی بات ہر عقل سمجھ سکتی ہے کہ ایک آیت کے متعلق صحیح بات صرف ایک ہی ہو سکتی ہے**......... ظاہر ہے کہ تفسیر میں صرف روایات ہی پر پورا پورا اعتماد کر لینا قرآن مجید کی قطعیّت کو نقصان پہنچانا ہے۔ اس صورت میں خود قرآن مجید کے الفاظ کا فیصلہ باطل ہو جاتا ہے۔ اور تمام دارومدار صرف روایات پر رہ جاتا ہے۔ اور روایات بھی تفسیر کی روایات جن کے متعلق ناقدین روایت کا یہ فیصلہ معلوم ہے کہ ان میں روایت کے عام اصولوں کی پرواہ بہت کم کی گئی ہے[۱]"۔

الغرض وقت کے ساتھ ساتھ یہ الجھاؤ بڑھتا رہا اور سازشیوں نے جو فتنہ پھیلانا تھا وہ کامیاب ہوتا رہا۔ اور ہمارے اس بیان کی تصدیق جناب اصلاحی صاحب کے اوپر کے بیان سے بھی ہو رہی ہے۔ اب ذرا اصلاحی صاحب کے آخری جملہ پر بھی غور کر لیجئے کہ وہ تفسیری روایات کے بارے میں کیا فرما رہے ہیں، یعنی اس کے بارے میں جسے قرآن مبین کی شرح و تفسیر کہا جاتا ہے (نعوذ باللہ)، کہ ناقدین روایت کے فیصلہ کے مطابق "ان میں روایت کے عام اصولوں کی پرواہ بہت کم کی گئی ہے"۔ چنانچہ ایک اور مقام پر اصلاحی صاحب ہی **امام احمد بن حنبل**ؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

"**تین قسم کی کتابیں ایسی ہیں جن کی کوئی اصل نہیں ہے: مغازی، ملاحم اور تفسیر**"[۲]۔

تو پھر اب تفسیر کے لئے صحیح روایات کہاں سے لائیے گا؟

جب تفسیری روایات کی کتابیں بے اصل ثابت ہو گئیں تو پھر تفسیر کیسے کی جائے گی؟

جب شرح نہ ہو گی تو پھر قرآن کس طرح سمجھا جائے گا، اس کا فہم کس طرح حاصل ہو گا؟

اس سلسلہ میں جناب اصلاحی صاحب کا نقطۂ نظر ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے نزدیک یہ طریقہ صحیح نہیں ہے قرآن مجید کے مطالعہ میں تفسیروں کو مقدم رکھا جائے اس راہ میں طرح طرح کے خطرے ہیں۔۔۔

ہمارے پاس جو تفسیریں ہیں وہ دو ہی قسم کی ہیں، یا تو وہ کسی خاص سکول کی ترجمانی کر رہی ہیں یا وہ روایات اور اقوال سلف کے تمام رطب و یابس کا مجموعہ ہیں۔ ایک حقیقی طالب کی راہ میں یہ دونوں چیزیں روک ہو سکتی ہیں۔ طالبِ قرآن جب ان کے چکر میں پھنس جاتا ہے تو اس کی جستجو اور تحقیق کی رو طبعی نہیں رہ جاتی، مصنوعی اور غیر طبعی ہو جاتی ہے۔ وہ اس راہ پر پڑ جانے کے بعد قرآن کے لفظوں کی رہنمائی سے محروم اور اس کا مذاق آہستہ آہستہ دوسروں کے خیالات و افکار سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ پس صحیح راہ یہی ہے کہ آدمی

---

۱۔ "مبادئ تدبر قرآن" باب ۳۔ تیسیر قرآن۔ ص ۷۸۔ ۸۰۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۶۶ (بحوالہ الاتقان فی علوم القرآن از علامہ سیوطی۔ ج ۲، ص ۱۷۸)

ان چیزوں میں سے کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے، صرف قرآن کو اپنی تمام توجہ کا مرکز بنائے۔ اس کی ایک ایک آیت بلکہ ایک ایک لفظ پر تدبّر کرے، ٹھیک مفہوم متعین کرے، طبیعت میں جو سوال پیدا ہو اس پر بار بار غور کرے، جو بات سمجھ میں آئے اس کی نظائر و شواہد تلاش کرے، سیاق و سباق سے اس کی مطابقت معلوم کرے، نظم کے اعتبار سے اس کا موقع و محل دیکھے، عمودِ کلام کے پہلو سے اس کی مناسبت کو جانچے، پھر اس پر خود اپنی طرف سے شکوک و شبہات وارد کرے اور جب دیکھ لے کہ اس نے جو بات سمجھی ہے بالکل پکی ہے، اس میں کسی پہلو سے کوئی خامی نہیں ہے، تب تفسیروں میں اس کو دیکھے اور ہمیشہ صحیح روایات پر نگاہ رکھے۔ **ضعیف اور کمزور روایات کو، جن سے کتبِ تفسیر بھری ہوئی ہیں،** کبھی ہاتھ نہ لگائے ........"[1]

قارئین! غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب نے تو کتبِ تفسیر کو شجر ممنوعہ قرار دے دیا اور ہاتھ بھی لگانے سے منع فرما دیا یونکہ ایک حقیق طالب قرآن کی راہ میں یہ تفسیریں روک ہو سکتی ہیں اور اس کو گمراہی کی طرف لے جاتی ہیں۔

تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کا مطالعہ کیسے کیا جائے؟ اس کا جواب بھی اصلاحی صاحب ہی کی زبانی سنئے: فرماتے ہیں کہ:

## قرآن کی تفسیر خود قرآن سے

"قرآن مجید کے فہم تدبر کے لئے اصلی چیز خود قرآن مجید ہی ہے۔ اس لئے قرآن کے طالب کو چاہئے کہ وہ تمام مشکلات میں پہلے قرآن مجید ہی کی رہنمائی ڈھونڈے۔ سلف کا مذہب بالاتفاق یہ رہا ہے کہ "**القراٰن یفسّر بعضه بعضًا**" (قرآن کا ایک حصہ اس کے دوسرے حصہ کی خود تفسیر کرتا ہے) اور قرآن نے خود اپنی صفت 'كِتَابًا مُتَشَابِهًا' بیان کی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر حصہ دوسرے حصہ سے ملتا جلتا ہے نیز بعض مواقع پر اس امر کی بھی تشریح ہے کہ جس طرح قرآن کا نزول اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسی طرح اس کے اجمالات کی تفصیل کرنے کی ذمہ داری بھی اسی پر ہے اصولی حیثیت سے یہ بات اگرچہ ہر دور میں ارباب تاویل کے پیش نظر رہی ہے، لیکن اس معاملہ کی صحیح نوعیت تفصیل و وضاحت کے ساتھ لوگوں کے سامنے کبھی نہیں آئی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عموماً اربابِ تفسیر کو یہ راہ نہایت دشوار نظر آئی اور وہ بعض ایسی وادیوں میں نکل گئے جو فہم قرآن سے نہایت دور کرنے والی تھیں، حالانکہ فہم قرآن کی کلید خود قرآن ہی ہے۔ وہ اپنے تمام اجمالات کی خود تشریح کرتا ہے۔ وہ اپنے مفہوم و معنی کی تعین، اپنے مقاصد و مطالب کی تفسیر اور اپنے نکات و حقائق کی تشریح کے لئے کسی چیز کا محتاج نہیں ہے بلکہ قرآنی بلاغت کا یہ ایک عجیب اعجاز ہے۔۔ اور یقیناً اس آسمان کے نیچے صرف اسی کتابِ عزیز کی یہ خصوصیت ہے۔۔ کہ وہ اپنے اکثر مشکل الفاظ اور دقیق اسالیب کے حل کے لئے بھی اپنے اندر مثالوں اور نظائر کا ایک قیمتی ذخیرہ رکھتی ہے۔ افسوس ہے کہ یہاں تفصیل میں پڑنے کی گنجائش نہیں ہے، ورنہ ہم دکھاتے کہ کس طرح قرآن مجید عام بول چال کے اندر سے ایک معمولی لفظ اٹھا لیتا ہے اور اس کو اس کے معروف استعمال

---

[1] ایضاً۔ باب ۲۔ عنوان۔ تفسیروں کی نوعیت۔ ص ۶۱۔ ۶۲

سے کہیں زیادہ بلند معنی میں استعمال کرتا ہے اور پھر اپنے طریقِ استعمال کے تنوّع سے اس کے لئے ایک ایسا مخصوص ماحول پیدا کر دیتا ہے کہ لسان العرب اور صحاح جوہری کی رہنمائی کے بغیر قرآن کا ایک طالب اس لفظ کے پورے مالہ وماعلیہ کو اس طرح سمجھ لیتا ہے کہ کوئی چیز بھی اس کے یقین کو جھٹلا نہیں سکتی۔

مفرد الفاظ کے علاوہ اسالیبِ کلام اور نحوی تالیف کے باب میں بھی قرآن مجید کا یہی حال ہے۔ اربابِ نحو قرآن مجید کی جن ترکیبوں میں نہایت الجھے ہیں اور کسی طرح ان کو نہیں سلجھا سکے ہیں خود قرآن مجید میں ان کی مثالیں ڈھونڈیئے تو ایک سے زیادہ مل جائیں گی اور پیش وعقب کے ایسے دلائل وقرائن کے ساتھ مل جائیں گی کہ ان کے بارہ میں ہمارے اطمینان کو کوئی چیز مجروح نہیں کر سکتی۔ باقی رہی قرآن مجید کی تعلیمات، اس کے تاریخی اشارات، اس کی مخفی تلمیحات تو یہ تو ایسی چیزیں ہیں جن کے باب میں ہر گروہ نے 'القراٰن یفسّر بعضہ بعضًا' کے اصول کو تسلیم کیا ہے۔ اس باب میں لوگوں سے جو کوتاہی ہوئی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ پوری دیدہ ریزی سے کام نہیں لیا گیا، جتنا اگلوں نے کر دیا لوگ اسی پر قانع ہو گئے۔ حالانکہ اس میں بہت وسعت ہے۔ اور قرآن مجید کے شواہد اس قدر مختلف شکلوں میں اور اس قدر کثرت کے ساتھ موجود ہیں کہ ہر بات کو واضح کر دینے کے لئے بالکل کافی ہیں۔ پس جو لوگ قرآن مجید پر تدبّر کرنا چاہیں ان کو چاہیئے کہ وہ قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑیں اور اس کی مشکل کو خود اسی کی مدد سے حل کرنے کی کوشش کریں"[1]۔

غور کیجئے کہ اصلاحی صاحب نے قرآن مبین کے مبین ہونے کی حقیقت کس خوش اسلوبی سے مان لی ہے اور صرف قرآن مجید ہی کو مضبوط پکڑنے کی تلقین کی ہے گویا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک (اللہ کی رسی یعنی قرآن کو مضبوطی سے پکڑے رہو۔ ۱۰۳ /۳) ہی کو دوھرایا ہے۔ اور پھر آگے چل کر تفسیر کرنے کے انہوں نے چار اصول بنائے ہیں:

۱۔ تفسیر کا اول ماخذ اس زبان کو بنایا جائے جس زبان میں قرآن مجید اترا ہے[2]۔

۲۔ تفسیر کرتے ہوئے قرآن مجید میں کلام کے نظم کا اہتمام ناگزیر ہے[3]۔

۳۔ تفسیر کا تیسرا قطعی اصول یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کی جائے۔ قرآن مجید نے خود اپنی تعریف کتاباً متشابہاً کے الفاظ سے فرمائی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ہر حصہ ایک دوسرے سے ملتا جلتا ہوا ہے۔۔۔ اس وجہ سے قرآن کی تفسیر کا سب سے زیادہ معتبر ماخذ خود قرآن مجید ہے .................. **اور چونکہ قرآن مجید کا ہر حصہ یکساں طور پر قطعی ہے** اس وجہ سے اس کے ایک حصہ کی تفسیر اس کے دوسرے حصہ کی مدد سے، **قطعی کی تفسیر قطعی کے ذریعے سے ہے**، اس وجہ سے اس پر کسی بڑے سے بڑے منکر کو بھی حرف رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی"[4]۔

۴۔ تفسیر کا چوتھا قطعی ماخذ سنتِ متواترہ ومشہورہ ہے۔ جہاں تک قرآن مجید کی اصطلاحات کا تعلق ہے، مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، صوم، حج، قربانی، مسجد حرام، صفا، مروہ، سعی، طواف وغیرہ ان سب کی تفسیر سنتِ متواترہ کی روشنی میں کرنی

[1] ایضاً۔ باب ۲۔ عنوان: قرآن کی تفسیر خود قرآن سے۔ ص ۵۹۔ ۶۱۔۔۔ [2] ایضاً۔ باب ۴۔ تفسیر کے اصول۔ ص ۱۹۱ ۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۱۹۴۔۔۔ [4] ایضاً۔ ص ۲۱۵

چاہئے۔ اس لئے کہ قرآن مجید اور شریعت کی اصطلاحات کے معنی بیان کرنے کا حق آنحضرت ﷺ کے سوا کسی اور کو حاصل نہیں ہے۔ اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے ان اصطلاحات کا یہ مطلب بتایا ہے۔ سو اس چیز کی ضمانت یہ ہے کہ ان ساری اصطلاحات کا حقیقی مفہوم بالکل عملی شکل میں سنت متواترہ کے اندر محفوظ کر دیا گیا ہے[۱]"۔

قارئین! دیکھا آپ نے کہ اصلاحی صاحب نے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنے کو قطعی اصولِ تفسیر کی حیثیت سے مان لیا اور (نام نہاد) احادیث و روایات، آثار و اقوال کو مسترد کر دیا (گو کہ عملی طور پر انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی تفسیر میں بھی روایات لائے ہیں) یونکہ:

**"تفسیر میں آنحضرت ﷺ سے بطریق مرفوع بہت کم منقول ہے۔ اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی تفسیر کے سلسلہ میں کچھ زیادہ منقول نہیں ہے۔ یہ ہماری تفسیر کی کتابیں زیادہ تر بعد کے اہل تاویل کے اقوال سے معمور ہیں"[۲]۔**

قارئین! غور کیجئے کہ جب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کی کوئی تشریح یا تفسیر کی ہی نہیں بلکہ وہ ہر موقعہ محل کے لحاظ سے آیات الٰہی ہی سناتے رہے تو سمجھنے والے صحابہؓ سب سمجھ گئے اور اس پر عمل بھی کر گئے اور بغیر کسی (نام نہاد) حدیث کی کتاب یا تفسیر کی کتاب کے، صرف کتاب اللہ ہی کو پکڑ کر لاکھوں مربع میل کے علاقے پر چھا گئے۔ اور اس وقت ہی سے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے سمجھی جاتی رہی۔ دیکھئے اس کی تصدیق آٹھویں صدی کے بہت بڑے عالم جناب ابن تیمیہؒ نے بھی اپنی کتاب "اصول تفسیر" میں "تفسیر کا صحیح طریقہ کے عنوان کے تحت کر دی ہے۔ فرماتے ہیں:

"اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر تفسیر کا سب سے بہتر طریقہ کیا ہے؟

تو جواب اس کا یہ ہے، کہ تفسیر کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ: قرآن کی تفسیر، خود قرآن سے کی جائے۔ قرآن میں جو مضمون ایک جگہ مجمل ہے دوسری جگہ مفصل ملے گا، اور جہاں اختصار سے کام لیا گیا ہے، دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی،.........."[۳]۔

غور کیجئے کہ اتنے بڑے عالم نے بھی "قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے" کا اصول مان لیا اور اصلاحی صاحب بھی مانتے ہیں۔ بلکہ ان کے مطابق تو "چونکہ قرآن مجید کا ہر حصہ یکساں طور پر قطعی ہے اس وجہ سے اس کے ایک حصہ کی تفسیر اس کے دوسرے حصہ کی مدد سے، قطعی کی تفسیر قطعی کے ذریعے سے ہے، اس وجہ سے اس پر کسی بڑے سے بڑے منکر کو بھی حرف رکھنے کی گنجائش نہیں ہوتی"۔ مگر افسوس کہ ہمارے موصوف مسعود احمد صاحب اس کے منکر ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی مخصوص ذہن پرستی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ:

"یہ اصول ہر حالت میں صحیح نہیں کہ قرآن مجید اپنی تفسیر آپ کرتا ہے، بلکہ اس اصول کو اگر سو فیصدی صحیح مان لیا جائے تو شدید قسم کی گمراہی پھیل سکتی ہے۔"[۴]۔

قارئین! دیکھا آپ نے کہ ہمارے موصوف قرآن کے "مُبین" ہونے ہی کے منکر ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اس

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۲۱۵۔۲۱۶۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۸۷۔۔۔ ۳۔ "اصولِ تفسیر اردو" از شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔ فصل ۶۔ تفسیر کا صحیح طریقہ۔ ص ۸۷۔۔۔ ۴۔ "برہان المسلمین" از مسعود احمد صاحب۔ ص ۹۵

کے "کِتٰبِ مُّبِین" ہونے کی قسم کھاتے ہیں (وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۲/۴۴)۔ یہ ہے اہل حدیث ذہن پرستی کا شاخسانہ! اور یہ حال جب ہے جبکہ اپنی تفسیر کے مقدّمہ میں رمضان اور روزوں سے متعلق سورہ بقرہ کی آیات ۱۸۳، ۱۸۴اور ۱۸۵ لکھنے کے بعد یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ:

"یہ دونوں آیات اس بات کی واضح مثال ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید میں ہوتی ہے"[۱]۔

مگر یہ فیصلہ لکھنے کے بعد موصوف فوراً ہی (نام نہاد) احادیث کو اس کا شریک بنادیتے ہیں کہ:

"اگر قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید میں نہیں ہوتی تو حدیث میں ہوتی ہے"[۲] (معاذ اللہ)

گویا کہ اس طرح سے وہ یہ مانتے ہیں کہ قرآن کی کچھ تفسیر قرآن میں ہے اور کچھ (نام نہاد) حدیث میں۔ جبکہ آپ اصلاحی صاحب کا بیان پڑھ چکے کہ "تفسیر کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے بطریق مرفوع بہت کم منقول ہے"۔ تو دونوں ہی کے بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ پورے قرآن کی تشریح یا تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بھی نہیں کی!

آگے یہ بھی مانتے ہیں کہ:

"صحابہ کرامؓ کے دور میں علوم کے یہ ذخائر اور یہ ضخیم تفاسیر کہاں تھیں لیکن بایں ہمہ وہ قرآن مجید کا عملی پیکر تھے"[۳]۔

مزید آگے اپنی لکھی ہوئی تفسیر کے امتیازی اوصاف بیان کرتے ہوئے تیسرے وصف کے تحت لکھتے ہیں

" ہم نے اس تفسیر میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ صرف صحیح حدیث بیان کی جائے۔ یہ تفسیر ضعیف حدیث تو کجا حسن حدیث سے بھی معرّا ہے، اس تفسیر کو پڑھ کر ہر شخص ایک سکون محسوس کرے گا کہ وہ جو کچھ پڑھ رہا ہے یقیناً صحیح ہے، اس میں کسی قسم کے شبہ کی ادنیٰ سی بھی گنجائش نہیں، اس لحاظ سے یہ قرآن مجید کی صحیح ترین تفسیر ہے"[۴]۔

قارئین! ہمارے موصوف اپنی اس صحیح ترین تفسیرِ قرآن عزیز لکھنے سے پہلے تفسیر کے بارے میں ایک سوال کا کیا جواب دے چکے ہیں ذرا وہ بھی ملاحظہ کرتے چلیئے:

"سوال: تفسیرِ قرآن سے کیا مراد ہے۔ ترجمہ پر بھروسہ کیا جائے یا تفسیر پر۔ تفسیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے کیا اسے صحیح مان لیا جائے؟

جواب: اصل چیز تو ترجمہ ہی ہے۔ اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ تفسیر اس ترجمہ کی وضاحت ہوتی ہے۔ اس کی مدد سے آیات کے معانی اچھی طرح ذہن نشین ہو جاتے ہیں۔ بعض لفظی ترجمے سمجھ میں نہیں آتے تو ان کی وضاحت کے لئے دوسری آیات' احادیث' شانِ نزول وغیرہ لکھے جاتے ہیں اور اس طرح اس آیت کا صحیح مفہوم سامنے آجاتا ہے اور یہی اصل تفسیر ہے۔ باقی لن ترانیاں، فقہی موشگافیاں لغو اور گمراہ کن ہوتی ہیں۔ کتب تفسیر کی ہر بات صحیح نہیں ہوتی۔ بلکہ تفسیروں میں بعض احادیث موضوع بھی ہیں۔ اس وقت

---

۱۔ تفسیر قرآن عزیز از مسعود احمد صاحب، جزء اول۔ مقدمہ۔ ص۹۔۔۔ ۲۔ تفسیر قرآن عزیز از مسعود احمد صاحب، جزء اول۔ مقدمہ۔ ص۹۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص۱۰۔۔۔ ۴۔ ایضاً۔ ص۱۰

سب سے اچھی تفسیر نواب صدیق حسن خان کی تفسیر ہے یا پھر تفسیر احسن التفاسیر"[1]۔

قارئین! موصوف کے ایک ایک جملہ پر غور کیجئے مثلاً اصل چیز تو ترجمہ ہی ہے اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے"۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ تفسیریں کیوں لکھی جاتی رہیں؟ جب "اصل چیز تو ترجمہ ہی ہے" تو پھر کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کی تفسیر بھی کی تھی؟ موصوف کو تفسیر لکھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی صرف ترجمہ ہی اپنے عقیدہ کے مطابق کر دیتے؟ نواب صدیق حسن خان کی سب سے اچھی تفسیر اور احسن التفاسیر کی موجودگی میں موصوف کو ایک اور تفسیر کا اضافہ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وغیرہ وغیرہ۔

قارئین موصوف کے ان خیالات کو ذہن میں رکھتے ہوئے آیئے اب ان کی صحیح ترین تفسیر کو دیکھتے ہیں:

## موصوف کی صحیح ترین تفسیر کا نمونہ

قارئین ہمارے موصوف کی صحیح تفسیر کے اوصاف یہ ہیں:

۱۔ یہ پندرھویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے۔ یعنی رسول اللہ سلامٌ علیہ کی لکھائی ہوئی نہیں۔

۲۔ اس کی پہلی جلد کی ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۶ء میں کتابت ہو گئی تھی مگر طباعت کچھ عرصہ بعد ہوئی۔

۳۔ اس کی آخری جلد ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء میں طبع ہو کر سال کے تقریباً آخر میں مارکیٹ میں آسکی۔

۴۔ آخری جلدوں کی طباعت میں تاخیر کی وجہ حکومت کے محکمہ اوقاف کی طرف سے اعتراض تھا کہ آیات کے درمیان مروّجہ رموز واوقاف نہیں لگائے گئے بلکہ انگریزی انداز کے کاما (Comma) لگائے گئے۔ (ہو سکتا ہے موصوف کے نزدیک وہ سنت ہوں، اس لئے انہوں نے اس سنت کو زندہ کیا!)

۵۔ یہ تفسیر بھی دس ۱۰ جلدوں میں تقریباً ساڑھے نو ہزار (۹۳۸۵) صفحات پر پھیلی ہوئی ہے (تا کہ کوئی اتنی ضخیم جلدیں نہ پڑھے!)

۶۔ اب پندرھویں صدی میں ایک اور تفسیر لکھنا اس حقیقت کا اعتراف کرنا ہے کہ پندرہ صدیوں میں کوئی بھی "صحیح" تفسیر نہ لکھ سکا! تو پھر رسولی تفسیر کہاں غائب ہو گئی؟

۷۔ پہلی جلد میں اُن کتابوں کے پندرہ ناموں کی ایک فہرست بھی دی گئی ہے جن سے استفادہ کیا گیا (مگر اور جلدوں میں ایسی کوئی فہرست نہیں دی گئی) ان میں (نام نہاد) احادیث کی کتابیں اور اس شرحِ قرآن کی شرحیں و تعلیقات شامل ہیں۔ مگر کسی پرانی تفسیر (رسول کی تفسیر، صحابی کی تفسیر، تابعی کی تفسیر، تبع تابعی کی تفسیر یا بعد کے کسی امام المفسرین کی تفسیر) کا نام نہیں! اس سے ہی ثابت ہو جاتا ہے کہ قرنِ اول میں کوئی رسولی تفسیر نہیں لکھی گئی تھی۔ اس لئے لوگوں کے دعوے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآنِ مبین کی تفسیر کی تھی غلط ثابت ہو گئے۔ اور موصوف کا دعویٰ بھی جھوٹ ثابت ہو گیا۔

---

[1] خلاصہ تلاشِ حق۔ ص ۱۹۰ (اس عبارت کے لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ۱۹۶۲ء کی تحریر ہے جب کہ موصوف اہل حدیث فرقہ کے ایک رکن تھے۔ تو عرض یہ ہے کہ اس کتاب کی اشاعت تو بعد میں ہوتی رہی۔ اور میرے پاس جو نسخہ ہے یہ ۱۹۸۷ء کا اشاعت چہارم کا ہے لیکن اس میں کوئی فٹ نوٹ ایسا نہیں دیا گیا کہ موصوف نے تفسیر کے بارے میں اپنا موقف تبدیل کر لیا ہو!)

۸۔ آیات کا اپنے عقیدہ کے مطابق سلیس اردو میں ترجمہ کیا ہے گو کہ بعض مقامات پر بہت زیادہ قوسین لگا کر ترجمہ کرنا پڑا ہے۔

۹۔ ترجمہ کے بعد مشکل الفاظ کے معانی و مصادر دیئے ہیں۔ مگر وہ رسولی لغت سے نہیں، اسی سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی لغت مرتب نہیں کروائی تھی۔ اور موصوف کا دعویٰ کہ "قرآنی آیت کا ترجمہ ہی وہ ہو گا جو حدیث میں مذکور ہے"[1]۔ غلط ثابت ہو گیا یونکہ آیت کے ترجمہ میں بھی وہ کوئی (نام نہاد) حدیث نہیں بتا سکے! نہ ہی موصوف بعد کی کسی لغت کا حوالہ دے سکے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ الفاظ کے معنی و مصادر انہوں نے کوشش کر کے اپنے عقیدہ کے مطابق ہی لکھے ہیں۔

۱۰۔ معانی و مصادر کے بعد تفسیر لکھی ہے جس میں پہلے کوشش کر کے متعلقہ تفسیری آیات ہی لکھی ہیں۔ اس کے بعد زبردستی کوئی (نام نہاد) حدیث بھی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔

۱۱۔ لیکن سینکڑوں وہزاروں آیات میں وہ کوئی (نام نہاد) حدیث پیش نہ کر سکے۔ کیوں؟ اس لئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کوئی تفسیر نہیں کی تھی یہ سب ان کے بعد کی اختراع بلکہ ابتداع ہے۔

۱۲۔ بہت سی آیات میں وہ (نام نہاد) احادیث سے "شانِ نزول" بھی نقل کرتے ہیں خواہ وہ متعلقہ ہو یا نہ ہو!

۱۳۔ بہت سی آیات میں (نام نہاد) احادیث سے "وقتِ نزول" یا "زمانۂ نزول" بھی نقل کر جاتے ہیں حالانکہ پھر بھی وہ قیاسی ہی رہتا ہے۔ اور وقت کا صحیح تعین نہیں ہوتا۔

۱۴۔ بہت سی آیات یا سورتوں سے پہلے وہ "فضیلت" بھی نقل کرتے ہیں۔

۱۵۔ آخر میں "عمل" کے عنوان سے آیت پر عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ جو کہ ایک اچھی کاوش ہے، گو کہ اس میں بھی وہ اپنی ذہن پرستی کا شکار ہیں۔

اب ہم آپ کو موصوف کی تفسیر کا ایک آدھ نمونہ بھی دکھا دیتے ہیں۔ ملاحظہ ہو، افتتاحِ قرآن کے بعد پہلے لفظ "الٓمّٓ" (جو کہ پہلی آیت ہے) کی تفسیر:

الٓمّٓ ①

۱)۔ تفسیر: الٓمّٓ میں تین حروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

مَن قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فله به حسنَةٌ وَّ الحَسَنَةُ بِعَشْرِ فمثالها لا اَقُولُ الٓمّٓ حرفٌ و لكن الفُ حرفٌ و لامٌ حرفٌ و ميمٌ حرفٌ۔ (رواہ الترمذی فی ابواب فضائل القراٰن باب ما جاء فی من قرا حرفا من القراٰن مالهٗ من الاجر و صححه جلد ۲، ص۳۰۹)

جو شخص اللہ کی کتاب میں سے ایک حرف پڑھے تو اس کے لئے ایک نیکی (لکھی جاتی) ہے اور ہر نیکی کا اجر اس کا دس گنا ہوتا ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الٓمّٓ ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے"[2]۔

---

[1]۔ برہان المسلمین۔ از مسعود احمد صاحب۔ ص ۱۹۰۔۔۔ [2]۔ "تفسیر قرآن عزیز" جزء اول۔ ص ۹۱

قارئین! غور کیجئے کہ اس (نام نہاد) حدیث کے مطابق الٓمٓ تین حروف ہیں اور ان کو پڑھنے پر ہر حروف کا اجر دس گنا ہوتا ہے۔ کیا یہی تشریح رسول ہے؟ اس میں کیا تشریح ہوئی یا کیا تفسیر ہوئی؟ اس (نام نہاد) حدیث سے الٓمٓ کے کیا معنی سمجھ میں آئے؟ اس سے ایک لفظ پڑھنے کی فضیلت تو شاید معلوم ہو گئی مگر معنٰی سمجھ میں نہیں آئے! اس کو تو سُن کر الف، لام، میم، اندھا بھی یہی کہے گا کہ یہ تین حروف ہیں! تو اس میں رسولی تشریح کیا ہوئی؟ جہاں تک اجر کی بات کا تعلق ہے تو وہ تو فضائل کی بات ہے اور خود محدث نے اسے فضائل القرآن کے باب میں لکھا ہے۔ فضائل کا تشریح یا تفسیر یا معانی و مطالب سے کیا تعلق؟ موصوف اسے زبردستی تفسیر میں ڈال رہے ہیں جو کہ ایک قابل اعتراض بات ہے۔ وہ فضیلت آیت کے عنوان کے تحت ہونا چاہئے تھی۔

قارئین! غور کیجئے کہ اس (نام نہاد) حدیث میں ایک اور بہت اہم حقیقت بیان ہوئی ہے، جس کے ہمارے موصوف انکاری ہیں، اور وہ یہ کہ ''کتابِ اللہ'' قرآن مبین ہی کو کہا گیا ہے (نام نہاد) احادیث کو نہیں۔ اس لئے موصوف کا عقیدہ جھوٹا اور غلط ہے کہ ''احادیث بھی کتاب اللہ ہیں''۔

آگے دیکھئے تفسیر میں موصوف اور کیا لکھتے ہیں:

''بعض سورتوں کے شروع میں اس قسم کے حروف آتے ہیں، ان حروف کو حروف مقطعات کہتے ہیں۔
مقطعات کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حروف عام عبارت سے قطع کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ان حروف کی کل تعداد جو مقطعات کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۱۴ ہے۔ وہ حروف یہ ہیں:
ا، ح، ر، س، ص، ط، ع، ق، ک، ل، م، ن، ہ، ی۔
ان میں سے بعض حروف ایک ہی مرتبہ آئے ہیں بعض حروف ایک مرتبہ سے زیادہ استعمال ہوئے ہیں۔
حروف مقطعات کے معانی و مقاصد کا علم صرف اللہ علام الغیوب کو ہے''[۱]۔

قارئین! کہئے کیا الٓمٓ کے معنی یا تفسیر کچھ سمجھ میں آئے؟ یہ کیسی رسولی اور صحیح ترین تفسیر ہے کہ پہلے لفظ ہی کے معنٰی یا تفسیر نہیں سمجھا سکتی؟ بلکہ موصوف کا قیاس ہے یا رائے ہے کہ یہ حروفِ مقطعات ہیں یونکہ یہ عام عبارت ہی سے قطع کئے ہوئے ہیں! اگر ہم اپنا قیاس یا رائے یا فہم قرآن استعمال کرتے ہوئے یہ کہیں کہ یہ حروف مخففات (Abbreviation) ہیں جو کہ مختلف صفاتی ناموں کے عموماً پہلے حروف یا مخفف ہیں تو موصوف کو اعتراض ہو گا! اور اگر ہم مزید یہ کہیں کہ سورۃ شروع ہونے سے پہلے یہ خطابی القاب ہیں ''یا محمد'' یا ''اے محمد'' کے لئے تو موصوف کو اور زیادہ اعتراض ہو گا۔ حالانکہ خود تمام اہل حدیث و اہل فقہ نے سورہ یٰسٓ میں لفظ ''یٰسٓ'' کو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ننانوے نام نامی اسم گرامی میں شامل کیا ہوا ہے!

موصوف کا خیال ہے کہ حروف مقطعات کے معانی و مقاصد کا علم صرف علام الغیوب کو ہے تو کیا اس نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کو بھی پوشیدہ وحی کے ذریعہ ان کے معانی و مقاصد نہیں بتائے؟ پھر تو موصوف کا دعویٰ غلط ہو گیا کہ قرآن کی تشریح اللہ تعالیٰ نے رسول کو بذریعہ وحیِ پوشیدہ بتائی! (نعوذ باللہ)

نیز یہ جو کچھ قیاس آرائی موصوف نے کی یا جو کچھ حروف مقطعات کے بارے میں موصوف نے لکھا کیا یہ

[۱] ایضاً۔ ص ۹۱

سب رسول اللہ سلامٌ علیہ نے موصوف کو خواب میں بتایا؟ یونکہ یہ انہوں نے بغیر کسی حوالہ کے لکھا ہے! صاف ظاہر ہے کہ اپنی طرف سے لکھا ہے۔ اور جب وہ تفسیر اپنی طرف سے لکھ سکتے ہیں تو ایک تو وہ رسولی تفسیر نہیں ہوئی، دوسرے یہ کہ پھر کوئی دوسرا اپنی طرف سے کیوں نہیں لکھ سکتا؟

کہئے، الٓمّٓ کے معنی یا تفسیر رسول اللہ سلامٌ علیہ نے کیا بتائے؟ ورنہ پھر تدبر قرآن کے تحت یہ معنی مان لیجئے کہ وہ حروف رسول اللہ سلامٌ علیہ کو، نزول۔ قرآن کے وقت، خطابِ مخفف ہیں۔(Abbreviated Address)۔ اور یہ قطع کئے ہوئے الفاظ بھی نہیں یونکہ یہ قرآنی آیات ہی کے ساتھ ہیں۔ بعض مقامات پر ایک علیحدہ آیت کے طور پر اور بعض مقامات پر آیت ہی کے حصہ کے طور پر آئے ہیں (مثلاً۔ الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ۝ ۱۰/۱) کہئے کیا یہاں پر الٓرٰ آیت سے قطع کیا ہوا ہے؟ کاش کہ موصوف اپنے سلف کی بات پر اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل سلیم سے سوچ لیتے تو یہ پردہ بھی ہٹ جاتا اور نہ ایمان بالعقل ہوتا اور نہ ایمان بالسلف!

آگے دیکھئے تفسیر میں موصوف لکھتے ہیں کہ:

> "ان حروف سے ایمان بالرّسول کی جانچ ہوتی ہے۔ جو شخص ایمان لاتا ہے کہ یہ حروف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں وہی درحقیقت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لاتا ہے۔ اور جو شخص ان کے معانی و مقاصد کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اُن کا انکار کرتا ہے وہ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کا انکار کرتا ہے۔ ایمان بالرّسول کا تقاضا یہ ہے کہ رسولؐ کی بات ہر حال میں مانی جائے خواہ اس کے معانی و مقاصد سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، اگر کوئی شخص معانی و مقاصد سمجھنے کے بعد رسول کی بات مانے تو پھر اس شخص کے ایمان کو ایمان بالعقل تو کہہ سکتے ہیں ایمان بالرّسول نہیں کہہ سکتے، جو شخص رسول اللہ ﷺ کی بات اس وقت مانے کہ اس کی عقل میں آجائے تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے"[1]۔

قارئین! غور کیجئے کہ کیا یہ منطقی پیراگراف اور کفر کا فتویٰ، رسولی تفسیر ہیں یا موصوف کی اپنی رائے؟ یہ فتویٰ موصوف نے صادر فرمایا ہے یا اس کے رسول نے؟؟

موصوف سے پوچھئے، کہ وہ کوئی ایسا شخص یا فرقہ یا مسلک بتادیں جو قرآن پر تو ایمان لاتا ہو لیکن ان حروف مقطعات پر ایمان نہ لاتا ہو؟ نہ تو کسی ایسے شخص کا قرآن کریم میں ذکر ہے اور نہ ہی حدیثی تاریخ میں اور شاید نہ ہی شاہی تاریخ میں! تو پھر موصوف یہ منطق کیوں بگھار رہے ہیں اور ساتھ ہیں کفر کا فتویٰ بھی لگا رہے ہیں؟؟

جہاں تک ایمان بالعقل کا سوال ہے تو یہ بھی رسولی تفسیر یا قولِ رسول نہیں ہے بلکہ موصوف کی اپنی منطق ہے یونکہ اللہ تعالیٰ تو عقل استعمال کرنے کے لئے بار بار فرماتے ہیں حتیٰ کہ قرآنی آیات پر بھی بغیر عقل استعمال کئے گر پڑنے سے منع فرماتے ہیں (۲۵/۷۳) مگر افسوس موصوف عقل کے استعمال کو ایمان بالعقل بتا رہے ہیں۔ حالانکہ عقل والے ہی فلاح پاتے ہیں یونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ کی خلاف ورزی سے بچتے ہیں۔ تقویٰ شعار بنتے ہیں (۵/۱۰۰) اور جو عقل سے کام نہیں لیتے اُن پر اللہ (کفر و ذلت) کی نجاست ڈالتا ہے (۱۰/۱۰۰) اور اس میں شک نہیں کہ اللہ کے نزدیک تمام جانداروں سے بدتر (وہ) بہرے گونگے ہیں جو کچھ عقل سے کام نہیں لیتے۔ (۸/۲۲) وغیرہ۔

---

[1] ایضاً۔ ص ۹۱۔ ۹۲

قارئین ان آیات سے واضح ہو جاتا ہے کہ موصوف کا یہ کہنا کہ "اگر کوئی شخص معانی و مقاصد سمجھنے کے بعد رسول کی بات مانے تو پھر اس شخص کے ایمان کو ایمان بالعقل تو کہہ سکتے ہیں ایمان بالرسول نہیں کہہ سکتے، جو شخص رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بات اس وقت مانے کہ اس کی عقل میں آجائے تو ایسا شخص یقیناً کافر ہے" خود بے عقلی اور بے ایمانی کی بات ہے، ان سے پوچھئے کہ عرب کے ظلمت کدے میں پتھروں و لکڑیوں کے سینکڑوں بت پوجنے والے رسول اللہ سلامٌ علیہ پر کیا بغیر عقل کے ایمان لائے تھے؟ یا جب انہیں یہ عقلی بات سمجھ میں آگئی تھی کہ پتھروں و لکڑی کے بُت کچھ طاقت نہیں رکھتے اس لئے اُن کی عبادت جہالت و بیوقوفی ہے تو اُن سے منہ پھیر کہ اللہ واحد پر ایمان لے آئے تھے اور عقل و فطرت کی بات بتانے والے کو اللہ کا رسول مان لیا تھا۔ جب اس رسول نے اللہ کی کتاب پیش کی تو اس کو بھی انہوں نے ایسے نہیں مانا بلکہ جب ان آیات کو سمجھ لیا اور تجربہ کر لیا کہ کوئی بڑے سے بڑا ادیب و شاعر بھی ایسا کلام نہیں بنا سکتا تو اس پر بھی ایمان لے آئے۔

ہمارے موصوف پتہ نہیں کن احمقوں کی جنت میں رہ رہے ہیں۔ شاید تقلید سلف نے ان کی سَمْعَ ، بَصَرَ اور اَفْئِدَہ پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ اتنی موٹی سی بات بھی سمجھنے کو تیار نہیں۔ بہر حال آپ نے ان کی پہلی آیت الٓمّٓ کی تفسیر دیکھ لی۔ یہ تھی کل تفسیر جو انہوں نے اپنے رائے اور عقیدہ سے لکھی جسے میں کوئی اور آیت تک نہ پیش کی اور جو روایت رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب کر کے لکھی وہ فضیلت سے متعلق ہے، تشریح، توضیح، معنی و مطالب یا تفسیر نہیں ہے۔ باقی انہوں نے اپنے عقیدہ کی منطق بگھاری ہے مگر لفظ الٓمّٓ کی کوئی تشریح یا تفسیر نہیں فرما سکے

ہماری اس پکڑ پر موصوف کے متبعین یہ سوال کریں گے کہ اچھا پھر قرآن سے قرآن کی تفسیر کے اصول کے تحت اس آیت "الٓمّٓ" کی تفسیر کیا ہو گی؟ تو پھر سنئے ہمارا جواب:

۱۔ قرآن کی تفسیر با قاعدہ کرنا اور لکھنا کسی پر بھی فرض نہیں کیا گیا، نہ ہی ہم پر نہ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر۔ بلکہ ہم پر اور ان پر بھی، سب پر قرآن ہی فرض کیا گیا ہے (۸۵/۲۸)۔

(جہاں تک سورہ النحل کی آیت ۴۴ کا تعلق ہے تو اس کا ترجمہ موصوف اور بہت سے مترجم غلط کر کے یہ تاثر دیتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے قرآن مبین کو بجائے بیان کرنے کے کھول کھول کر تشریح و توضیح و تفسیر کی تو یہ بالکل غلط عقیدہ ہے اور ہم ہر قدم پر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ انہوں نے کوئی تفسیر نہیں لکھوائی۔ ورنہ وہ تفسیر رسول آج بھی موجود ہوتی۔ ہاں انہوں نے یقیناً مشکل مقامات پر صحابہ کرامؓ کو کچھ نہ کچھ ضرور سمجھانے کی کوشش کی ہو گی۔ مگر بعد میں سازشیوں نے حدیث و تفسیر کے نام پر اس کو محفوظ نہیں رہنے دیا)۔

۲۔ جب تفسیر کرنا، تفسیر پڑھنا فرض نہیں تو پھر تفسیر کی کوئی ضرورت بھی نہیں۔

۳۔ نہ ہی کوئی اپنی تفسیر کسی دوسرے پر ٹھونس سکتا ہے اور نہ یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کی تفسیر صحیح یا صحیح ترین ہے۔

۴۔ اب رہ گیا سوال قرآن کریم کی آیات کو سمجھنے کا، یعنی صرف ان مقامات پر جہاں واضح طور پر سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری ہو رہی ہو تو، ہر پڑھنے والے کو یہ آزادی ہے (اگر قرآن کریم نے خود سمجھنے پر کوئی پابندی لگائی ہے تو پیش کیجئے! ورنہ ہم آگے قرآن کی عطا کردہ سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کی آزادی یا حریت فکر پیش کریں گے) کہ:

ا۔ سب سے پہلے غور کرے کہ آیت محکم ہے یا متشابہ یونکہ قرآن کریم نے اس میں دو ہی طرح کی آیات بتائی

ہیں(۷/۳) اور اس میں بھی صرف محکم آیات کو اُمُّ الْکِتٰب یعنی اصل کتاب کہا ہے۔ اس لئے اگر آیت محکم ہے تو اس کے معنی مطالب سمجھنا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ لیکن اگر آیت متشابہ ہے اور معنی مطالب سمجھ نہیں آرہے تو انہیں ویسا ہی رہنے دیں یونکہ ان پر عمل کرنا ہی نہیں ہے۔

۲۔ قرآن کریم میں صاف اور محکم حکم ہے کہ "اس چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں (۱۷/۳۶) یعنی جو تجھے سمجھ نہ آئے اس کے پیچھے نہ پڑ یونکہ علم تو وہ شے ہے جو یقینی ہو جائے اور سمجھ میں آئے۔

۳۔ قرآن کریم میں یہ بھی ڈراوا ہے کہ "متشابہات کا اتباع تو وہ لوگ کرتے ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے تا کہ فتنہ برپا کریں" (۷/۳) اس لئے متشابہات جب تک سمجھ نہ آئیں انہیں چھوڑا جا سکتا ہے۔

۴۔ قرآن کریم کے مطابق اللہ تعالیٰ اپنی آیات کو لَوٹ لَوٹ کر، علیحدہ علیحدہ بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ واضح طور پر سمجھ سکیں۔ نُصَرِّفُ الاٰیٰت (۶/۴۶، ۶/۶۵، ۶/۹۸، ۶/۱۰۶، ۷/۵۸، وغیرہم)

۵۔ تو پھر متعلقہ آیات کی تلاش کرنا چاہئے کہ قرآن کریم میں اور کہاں کہاں آئی ہیں۔ تو معنی و مطالب واضح ہو جائیں گے۔ (۴/۸۲، ۲۹/۳۸، ۶/۶۵ وغیرہم)

۶۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کہ غور و فکر کرو تدبر کرو (۴/۸۲، ۶/۶۵، ۹/۱۲۷، ۴۷/۲۴، ۱۶/۴۴، ۳۸/۲۹، ۱۷، ۲۲، ۳۲، ۵۴/۴۰، ۵۹/۲۱ وغیرہم) کے مطابق ان تمام آیات کو سامنے رکھ کر معنی و مطالب متعین کے جاسکتے ہیں۔

۷۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ بھی ایک ہی نصیحت کرتے ہیں کہ "تَتَفَكَّرُوْا" (۳۴/۴۶)

۵۔ مندرجہ بالا قرآنی اصولوں کے مطابق، آیت "الٓمّٓ" کی تفسیر، قرآن کریم ہی سے یہ کی جاسکتی ہے کہ:

یہ آیت یالفظ، قرآن کریم کے پہلے مخاطب یعنی رسول اللہ سلامٌ علیہ کے لئے، خطاب مخفّف ہیں یونکہ یہ بہت سی سورتوں کے شروع ہی میں آئے ہیں۔ اور بعض جگہ تقریباً یونہی یا تھوڑی سی ردّوبدل کے بعد دہرائے گئے ہیں۔ مثلاً

- ... الٓمّٓ (۲/۱)، (۳/۱، ۲۹/۱، ۳۰/۱، ۳۱/۱، ۳۲/۱)
- ... ان میں ایک اور حرف کا اضافہ کر کے "الٓمّٓصٓ" (۷/۱) کا خطاب کیا گیا۔
- ... الٓمّٓ کا مٓ ہٹا کر رٰ لگا کر "الٓرٰ" (۱۰/۱) کا خطاب کیا گیا۔ (۱۱/۱، ۱۲/۱، ۱۴/۱، ۱۵/۱)
- ... الٓمّٓ ہی میں ایک حرف کا اضافہ کر کے "الٓمّٓرٰ" (۱۳/۱) کا خطاب کیا گیا۔
- ... بالکل نئے حروف استعمال کر کے "کٓھٰیٰعٓصٓ" (۱۹/۱) کا خطاب کیا گیا۔
- ... دوسرے نئے حروف استعمال کر کے "طٰهٰ" (۲۰/۱) کا خطاب کیا گیا۔ اس لفظ طٰهٰ کو تو سب رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ننانوے ناموں میں شمار کرتے ہیں۔
- ... طٰهٰ میں سے ہٰ گرا کر دو نئے حروف کا اضافہ کر کے "طٰسٓمّٓ" (۲۶/۱) کا خطاب کیا گیا (۲۸/۱)
- ... طٰسٓمّٓ میں سے آخری حرف گرا کر "طٰسٓ" (۲۷/۱) کا خطاب کیا گیا۔ اس لفظ طٰسٓ کو بھی سب رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ننانوے ناموں میں شمار کرتے ہیں۔
- ... بالکل نئے حروف استعمال کر کے "یٰسٓ" (۳۶/۱) کا خطاب کیا گیا۔ اس لفظ یٰسٓ کو سب رسول اللہ سلامٌ علیہ کے ننانوے ناموں میں شمار کرتے ہیں۔

- ... بالکل نیا حرف استعمال کرکے حرف "صٓ" (۳۸/۱) کا خطاب کیا گیا۔
- ... بالکل نئے حروف استعمال کرکے "حٰمٓ" (۴۰/۱) کا خطاب کیا گیا۔ (۴۱/۱، ۴۳/۱، ۴۴/۱، ۴۵/۱، ۴۶/۱) اس لفظ حٰمٓ کو بھی رسول اللہ سلامٌ علیہ کے نانوے ناموں میں شمار کرتے ہیں۔
- ... آگے دو مخفف ایک ساتھ خطاب کئے گئے۔ حٰمٓ ○ عٓسٓقٓ ○ (۱، ۴۲/۲)
- ... بالکل نئے حرف سے خطاب کیا گیا "قٓ" (۵۰/۱)
- ... بالکل نئے حرف سے خطاب کیا گیا۔ "نٓ" (۶۸/۱)

ان الفاظ کو خطابی مخففات اس لئے مانا جاسکتا ہے کہ چند دوسری سورتوں کے شروع میں پورے القاب کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔ مثلاً

- ... یَاَیُّهَا النَّبِیُّ (۳۳/۱) سے خطاب کیا گیا۔ (۶۵/۱، ۶۶/۱)
- ... یَاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ (۷۳/۱) سے خطاب کیا گیا۔
- ... یَاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ (۷۴/۱) سے خطاب کیا گیا۔

جبکہ عام انسانوں اور ایمان والوں سے یوں خطاب کیا گیا:

- ... یَاَیُّهَا النَّاسُ (۴/۱) سے خطاب کیا گیا۔
- ... یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ (۵/۱) سے خطاب کیا گیا۔

اس طرح یہ قطعی دلیل (دلالت النص) ہو گئی کہ یہ الفاظ خطابی ہیں۔ اب اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ انگریزی میں تو مخففات بناتے ہوئے ہر لفظ یا ہر نام کا پہلا حرف لیا جاتا ہے جبکہ یہاں شاید ایسا نہیں، تو ہم عرض کریں گے کہ وہ انگریزی زبان کا قاعدہ ہے۔ کیا ضروری ہے عربی زبان میں وہی قاعدہ رہا ہو۔ عربی زیادہ پرانی زبان ہے۔ پھر قرآنی زبان کی قواعد انسانوں کی بنائی ہوئی قواعد کی محتاج یا تابع نہیں ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنے مخاطب کو خطاب کرے۔ موسیٰ سلامٌ علیہ کو "یٰمُوْسٰی" کہہ کر خطاب کیا۔

نیز یہ کہ جب طٰهٰ ، یٰسٓ ، طٰسٓ ، حٰمٓ کو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اسماء مانا جاتا ہے تو پھر الٓمٓ ، الٓمٓرٰ وغیرہ کو تخاطب رسول ماننے میں کیا قباحت ہے؟

یہاں یہ حقیقت بھی خیال میں رہے کہ نزولِ قرآن کے وقت جب یہ مخففات یا مقطعات نازل ہوئے تو صحابہؓ نے سُن کر ان کو سمجھ لیا اور مان لیا اور کوئی سوال نہیں کیا کہ اس کے کیا معنیٰ یا مطلب ہیں؟ پس ثابت ہوا کہ نزولِ قرآن کے وقت عربی دان صحابہؓ رسول سلامٌ علیہ ان کے معنیٰ جانتے تھے، لیکن بعد میں عجمی ساز شیوں نے انہیں غتر بود کر دیا! اور اگر ایسا نہیں تو پھر لائیے کہیں قرآن یا (نام نہاد) احادیث میں صحابہؓ کا سوال دکھا دیجئے کہ انہوں نے رسول سلامٌ علیہ سے سوال کیا ہو کہ اس کے کیا معنیٰ یا مطلب ہیں؟

بہر حال یہ تفہیم، قرآنی اصولوں کے مطابق، ہماری تفہیم ہے۔ ضروری نہیں کہ یہ صحیح ہو اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر کوئی اسے مانے، یونکہ یہ نہ ایمانی مسئلہ ہے، نہ عقائدی اور نہ ہی عملی۔ اگر ان الفاظ سے آپ کو کچھ بھی سمجھ نہیں آتا، تو ان کو اسی طرح چھوڑ دیجئے، کسی بھی چیز پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ یونکہ آپ کا یہ ایمان تو برقرار ہے کہ یہ

اللہ تعالیٰ کے قرآن کریم کے الفاظ ہیں جن پر آپ ایمان لائے ہیں۔

الغرض، یہ سب کچھ لکھنے کا ہمارا مقصد تو صرف یہ تھا کہ ان الفاظ یا القاب کی تفسیر لکھنے کا موصوف کا مقصد صرف بیوقوف بنانا تھا، اس سے نہ تو صحیح معنی و مطالب ہی پتہ لگے اور نہ ہی اور کوئی مسئلہ حل ہوا۔ الٓمّٓ اپنی جگہ الٓمّٓ ہی رہا۔ جاننا چاہیئے کہ عربی میں بعض حروف کے مفرد شکل میں بھی معنیٰ ہوا کرتے ہیں۔ اور اس کلمہ کے معنی دوسرے حرف کے ملے بغیر بھی سمجھ میں آتے ہیں۔ مثلاً الف حرف ندا بھی ہے اور حرف استفہام بھی اور اس استفہام کی بھی کئی قسمیں ہیں۔ بعض حروف ضمیر کے طور پر بھی استعمال ہوتے ہیں وغیرہم........

قارئین افتتاحِ قرآنِ کریم کے بعد پہلی ہی آیت کریمہ "الٓمّٓ" کی موصوف کی لکھی ہوئی پوری تفسیر ہم نے آپ کو دکھادی۔ اس سے پہلے ہم موصوف ہی کی تفسیر سے شرح کی شرح کے متعدد نمونے دکھا چکے ہیں۔ مزید پورے یا ادھورے نمونے دکھانے سے محض وقت ہی خراب ہو گا مگر شاید یہ ضروری ہے بس ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ موصوف کی تفسیر بھی، ان کی اپنی رائے کے مطابق نام نہاد احادیث یا وہی عام قصے کہانیوں سے بھرپور شاہکار ہے جس سے قرآنی آیات کے سمجھنے میں مدد نہیں ملتی بلکہ الٹا کنفیوژن پیدا ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ ابراہیم کی آیات ۳۵ تا ۴۱ کی تفسیر لکھنے کے بعد باقاعدہ عنوان لگا کر "ابراہیم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے حالات" ۱۵ صفحات پر لکھے ہیں۔ ان میں چھوٹے چھوٹے عنوانات ہیں: تبلیغ کی ابتداء، تبلیغ میں شدت، باپ سے علیحدگی، لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایمان لانا، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی ہجرت، سفر ہجرت کا ایک واقعہ، ختنہ کرنا۔۔۔ اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ:

۲) **تفسیر:** جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسّلام اس جگہ پہنچے جسے قدوم[1] کہتے ہیں تو انہوں نے اسّی ۸۰ سال کی عمر میں اپنی ختنہ کی"[2]۔

یہ خبر انہوں نے صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء (جلد دوئم) باب ۳۱۲ " اللہ تعالیٰ کا قول: اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا اور۔۔۔"[3] سے دی ہے۔ گویا کہ بخاری صاحب شاید یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اسّی ۸۰ سال کی عمر میں ختنہ کرنے کی وجہ سے اللہ نے انہیں اپنا دوست بنالیا تھا۔ (معاذ اللہ)

جبکہ موصوف اور نہ ہی ان کے امام بخاری یا مسلم اس عمر میں ختنہ کرنے اور کروانے کا کوئی سبب بنا سکے، کہ کیا ان کو اسّی ۸۰ سال کی عمر میں ختنہ کرانے کا حکم اللہ نے دیا تھا؟؟ قرآن کریم میں تو ایسا کوئی حکم نہیں ہے۔ (نام نہاد) احادیث میں بھی کوئی ایسا حکم نہیں ہے۔ البتہ بخاری و مسلم دونوں نے صرف ایک یہ روایت دی ہے کہ:

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فطرت پانچ ہیں، یا پانچ چیزیں فطرت میں سے ہیں، ختنہ کرنا اور زیر ناف کے بال مونڈنا، اور ناخن کاٹنا اور بغل کے بال اکھیڑنا اور مونچھ کترانا"[4]۔

---

[1]۔ یہ موصوف کا اپنا ترجمہ ہے کہ انہوں نے "قدوم" مقام کا نام کر دیا ہے۔ لیکن اور مترجمین نے لکھا ہے کہ بسولہ سے ختنہ کیا، خود 'اَلْقَدُوْم' کلہاڑے یا بسولہ کو کہتے ہیں۔ اور بِالْقَدُّوْم کے معنی بسولہ سے یا بسولہ کے ساتھ ہوں گے۔ موصوف کا ترجمہ غلط ہے کسی مولوی سے پوچھ لیجئے۔۔۔ [2]۔ تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۵۔ ص۷۰۹۔۔۔ [3]۔ صحیح بخاری، جلد ۲۔ کتاب الانبیاء، باب ۳۱۲، اللہ تعالیٰ کا قول: اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا، حدیث ۵۸۱، ص ۲۶۶۔۔۔ [4]۔ صحیح بخاری، جلد ۳، کتاب اللباس، باب ۵۱۷، ناخن کٹوانا۔ حدیث ۸۳۵، ص ۳۳۴۔ اور صحیح مسلم، جلد ۱۔ کتاب الطہارت، باب خصال الفطرت عن ابوہریرہؓ ص ۳۸۷

قارئین! غور کیجئے کیا یہ پانچ چیزیں واقعی فطرت میں سے ہیں؟ کیا صرف یہی پانچ چیزیں فطرت ہیں؟ تو پھر سر کے بال کیوں کٹوائے جاتے ہیں جبکہ وہ فطرت میں سے نہیں ہیں؟ آپ میں سے کتنے بغل کے بال بجائے مونڈنے کے اکھیڑتے ہیں؟ کیا آپ حدیث پر عمل کر رہے ہیں؟ اسی طرح دوسری فطری باتوں پر غور کر لیجئے! اور پھر اس شرح قرآن (یونکہ بقول اہل حدیث و اہل فقہ کے نام نہاد احادیث تو قرآن کی شرح ہیں) کی شرح ملاحظہ کیجئے جو امام شرح بالشرح نووی نے کی ہے:

"نوویؒ نے کہا فطرت سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں علما نے اختلاف کیا ہے۔ ابو سلیمان خطابیؒ نے کہا اکثر علما نے فطرت کے معنے سنت کے لئے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں پیغمبروں کی سنت ہیں اور بعضوں نے کہا فطرت سے دین مراد ہے پھر ان میں سے اکثر چیزیں واجب نہیں ہیں اور بعض چیزوں کے وجوب میں اختلاف ہے جیسے ختنہ اور کلّی اور ناک میں پانی ڈالنا"[1]۔

قارئین! غور کیجئے کہ یہ کس آیت کریمہ یا احکامِ الٰہی کی شرح کی شرح ہے؟ پھر کیا وجہ کہ شرح ہونے کے بعد بھی علما کا اختلاف قائم ہی رہا۔ ختم نہ ہوا؟ کیا رسول اللہ سلام علیہ ہی یہ الفاظ نہیں کہہ سکتے تھے کہ یہ پیغمبروں کی سنت ہیں"؟

اور آگے دیکھئے امام نووی کیا فرماتے ہیں:

"ختنہ کرنا امام شافعیؒ اور بہت علماء کے نزدیک واجب ہے اور امام مالکؒ اور اکثر علماء کے نزدیک سنت ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ختنہ مرد اور عورت دونوں پر واجب ہے ..........................................
اور اگر کوئی آدمی بن ختنہ مر جائے تو اس میں تین قول ہیں: صحیح اور مشہور یہ ہے کہ ختنہ نہ کریں خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ دوسرا یہ کہ ختنہ کریں۔ تیسرا یہ کہ بڑا ہو تو کریں چھوٹا ہو تو نہ کریں۔"[2]

قارئین غور کیجئے کہ شرح کی شرح کا کمال کہ عورت اور مُردے کا بھی ختنہ کرایا جارہا ہے! (اعوذ باللہ) کہئے کیا آپ ان سنتوں یا (نام نہاد) احادیث پر عمل کر رہے ہیں؟ جبکہ اسی صحیح بخاری میں یہ روایت بھی ہے اور وہ بھی اوپر والی روایت سے صرف چند روایت پہلے ہی کہ:

"ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمہارا حشر برہنہ پا، ننگے بدن اور بغیر ختنہ کے ہو گا۔ پھر آپؐ نے یہ آیت پڑھی: ہم نے ابتداء جس طرح پیدا کیا تھا اسی طرح ہم دوبارہ لوٹائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہمارے ذمہ ہے اور ہم اسے ضرور پورا کریں گے۔"[3]

غور کیجئے کہ یہ اسی باب کی پہلی روایت ہے اور یہ صحیح ہو سکتی ہے یونکہ اس میں "الفرقان" کی آیت کریمہ فوراً اس کی تصدیق و شہادت کے لئے پیش کر دی گئی ہے۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود شارحین و محدثین و مفسرین علما کا اختلاف برقرار ہے اور ختنہ کرانے کو کوئی فرض یا واجب کہتا ہے، کوئی سنت رسول کہتا ہے اور کوئی کچھ۔۔ بہر حال ملاؤں نے اس کا نام ہی "سنت" رکھ دیا ہے اور مسلم و غیر مسلم کی پہچان بنالی ہے۔ غور کیجئے اگر ختنہ کرانا اتنا ہی ضروری ہوتا تو

---

[1] صحیح مسلم، جلد ا۔ حاشیہ پر ص ۳۸۷۔۔۔ [2] صحیح مسلم، جلد ا۔ حاشیہ پر ص ۳۸۷۔۔۔ [3] صحیح بخاری۔ جلد ۲، کتاب الانبیاء۔ باب ۳۱۲ اللہ تعالیٰ کا قول اور اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا دوست بنایا، حدیث ۵۷۴، ص ۲۶۳، آیت نمبر ۱۰۴ سورہ الانبیاء۔ (كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ؕ وَعْدًا عَلَيْنَا ؕ اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾)

جو لوگ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر ایمان لاتے تھے آپ ان کو فوراً ختنہ کرانے کا حکم دیتے! اور اس حکم کے نتیجہ میں جب فوج در فوج لوگ اسلام قبول کر رہے تھے۔ تو ہر طرف فوج در فوج لوگ ختنہ کرا کر بستروں پر لیٹے ہوتے اور یہ تاریخ کا انتہائی نمایاں باب ہوتا لیکن تاریخ میں کہیں ایسا شائبہ تک نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کے بارے میں بھی یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

آگے موصوف اپنے تفسیری قصص میں ایک اور چھوٹا عنوان لگاتے ہیں کہ "اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک زبردست آزمائش" اور اس کے تحت وہ ابراہیم سلامٌ علیہ کی ہجرت مکہ کا حال لکھتے ہیں کہ وہ اپنے شیر خوار بچے اور بیوی کہ مکہ معظمہ کی غیر آباد وادی میں چھوڑ جاتے ہیں جہاں کہ:

"صفا اور مروہ پہاڑیوں کی اس بے آب و گیاہ وادی میں نہ پانی تھا اور نہ کھیتی۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام کا وہ بچہ پیاسا ہوا تو ان کی والدہ نے صفا اور مروہ کے مابین پانی کی تلاش میں دوڑ دوڑ کر سات چکر لگائے۔ لیکن پانی کہیں دکھائی نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے وہیں زمزم کے مقام پر پانی نکال دیا۔ بچہ کی والدہ نے پانی کو روکنے کے لئے ایک منڈیر بنادی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ان پر رحم کرے اگر وہ منڈیر نہ بناتیں تو وہ پانی کا ایک چشمہ جاری بن جاتا۔"[1]

قارئین! اس کہانی پر غور کیجئے کہ یہ کیسے معلوم ہوا کے کہ بچہ کی والدہ نے صفہ اور مروہ کے مابین پانی کی تلاش میں دوڑ دوڑ کر سات چکر لگائے؟ انہوں نے آٹھ چکر کیوں نہیں لگائے؟ ان چکروں کو کون دیکھ رہا تھا اور گن رہا تھا جس نے بعد میں روایت آگے کی؟ جبکہ اصل راوی بخاری کے مطابق: "وہ اپنا دامن اٹھا کے ایسے دوڑیں جیسے کوئی مصیبت زدہ آدمی دوڑتا ہے" اور یقیناً وہ انتہائی پریشانی اور مصیبت میں تھیں تو کیا وہ خود اپنے چکر گن سکتیں تھیں؟ اور کس لئے گن گن کر چکر لگاتیں؟ خیر کہانی بنانے میں اس قسم کا جھول تو آہی جاتا ہے۔ اس سے زیادہ اہم بات جو موصوف کے اوپر کے پیراگراف میں ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا کہ اگر بچہ کی والدہ پانی کو روکنے کے لئے منڈیر نہ بناتیں تو وہ پانی کا ایک چشمہٗ جاری بن جاتا!

قارئین! غور کیجئے کیا رسول اللہ سلامٌ علیہ ایسی بات کہہ سکتے تھے جب کہ پچھلے تقریباً ڈھائی ہزار سالوں سے بہتا ہوا زمزم کا چشمہ ان کے زمانہ میں بھی جاری تھا۔ اور اب مزید ڈیڑھ ہزار سال گزرنے کے باوجود جاری ہے جبکہ اس کے پانی کا خرچ اب پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو چکا ہے۔ اور یہ اوٹ پٹانگ روایت بخاری نے ایک سے زائد مرتبہ، بغیر سوچے سمجھے لکھی ہے اور کس باب کے تحت: یَزِفُّونَ۔ یعنی رفتار میں تیزی کرنا کرنا۔ غور کیجئے یہ کیسی منطق ہے؟ کیسی فقہ ہے؟ کیسا استنباط ہے؟

آگے چل کر موصوف "حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ

لم یکذب ابراهیمُ الّا ثلاثاً۔ (صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالیٰ اتخذ اللہ ابراھیم خلیلا)

ابراہیم علیہ السلام نے کبھی توریہ نہیں کیا سوا تین مرتبہ کے"[2]

---

[1] صحیح بخاری، جلد۔ ۲۔ کتاب الانبیاء، باب ۳۱۳ یَزِفُّونَ ۔ النَّسَلَانُ فِی الْمَشْیِ (یزفون۔ یعنی رفتار میں تیزی کرنا)، حدیث ۵۸۹، ص ۲۶۸۔۔۔ [2] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۵۔ ص ۱۴۷

قارئین! غور کیجئے "کذب" کے معنی جھوٹ بولنا ہوتے ہیں۔ موصوف نے اتنی مہربانی کی کہ لفظ جھوٹ ترجمہ میں نہیں لکھا اس کو "توریہ" قرار دے دیا (یونکہ موصوف کے اہلحدیث مذہب میں توریہ کرنا جائز ہے)[1] جب کہ دیگر مترجمین بخاری کی اس روایت کا ترجمہ "جھوٹ" ہی کرتے ہیں۔ اب بخاری کا باب بھی ملاحظہ کریں۔ تو اس باب اور روایت سے شاید بخاری یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کے نعوذ باللہ تین مرتبہ جھوٹ بولنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا خلیل یعنی دوست بنالیا! اسی لئے اہلحدیثوں نے "کذب" کے معنی "توریہ" کر کے اس کو جائز قرار دے لیا۔ اس طرح سے (نام نہاد) احادیث اور تفاسیر نے صحیح اسلام سے ہٹا کر گمراہی پھیلائی! دیکھئے موصوف اس مشن کو کیسے پورا کر رہے ہیں، سورہ الانبیاء آیات ۵۱ تا ۷۳ کی تفسیر میں "فلسفہ اخلاق اور جھوٹ" کی چھوٹی سرخی لگا کر لکھتے ہیں کہ:

" قتل انسانی بہت ہی مذموم فعل ہے۔ لیکن یہی قتل جہاد اور قصاص میں محمود ہی نہیں بلکہ فرض ہے۔ لہذا قتل کی دو قسمیں ہوئیں: قتل محمود اور قتل مذموم بالکل اسی طرح جھوٹ کی بھی دو قسمیں ہیں: کِذب محمود اور کذبِ مذموم [2]۔

غور کیجئے کہ موصوف نے امت کے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ کیا ہے! قتل محمود اور قتل مذموم تو حکم الٰہی یعنی قرآن مبین سے ثابت ہیں یونکہ جہاد میں اور قصاص میں انسان کو قتل کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ نہیں۔ لیکن وہ اپنے کذب محمود اور کذبِ مذموم کے لئے کوئی ایسا قرآنی حوالہ نہ پیش کر سے! حتیٰ کہ پوشیدہ وحی کا بھی کوئی حوالہ نہ پیش کر سکے کہ اللہ تعالیٰ نے پوشیدہ وحی کے ذریعہ کذب مذموم کی بھی اجازت دے دی ہے! معاذ اللہ۔ یہ اہلحدیثوں کی اپنی شرارت وشیطنت ہے کہ انہوں نے ابراہیم سلامٌ علیہ پر تین مرتبہ کذب کا الزام لگایا ہے۔ اور اس کو منسوب محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف کر دیا ہے (صحیح بخاری)۔ معاذ اللہ۔ ہمارا ایمان ہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ ابراہیم سلامٌ علیہ پر، جن کی اتباع وہ کرتے تھے، ایسا الزام یا اتہام نہیں لگا سکتے۔ یہ سب دشمنان اسلام سازشیوں کی کارستانی ہے جسے موصوف صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں بغیر کسی قرآنی دلیل کے۔ جبکہ قرآن کریم گواہی دے رہا ہے کہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿٤١﴾ (۱۹/۴۱)۔ (اور (اے رسول) اس کتاب میں ابراہیم کا بھی ذکر کیجئے وہ بہت ہی سچ بولنے والے) اور (اللہ) کے نبی تھے ابراہیم سلامٌ علیہ تو انتہائی سچے نبی تھے۔ مگر افسوس کہ ہمارا مولوی قرآن کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے اور پھر بھی جنتی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے! (تفسیر قرآن عزیز، ص ۳۹۲، جزء ۶، آیت ۴۱، سورہ مریم)

آگے دیکھئے سورہ الصّٰفّٰت کی تفسیر لکھتے ہوئے موصوف "حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ذکرِ جمیل" کے عنوان کے تحت ان کے وہاں سکونت اختیار کرنے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"حضرت ہاجرہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دودھ پلاتی تھیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان دونوں کو مسجد کی بلند جگہ میں ایک بڑے درخت کے نیچے بٹھا دیا جو اس مقام پر تھا جہاں اب چاہ زمزم ہے۔ اس وقت مکہ میں آدمی کا نشان نہ تھا۔ نہ وہاں پانی کا وجود تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں کو وہاں چھوڑ کر چلے گئے اور ایک تھیلہ کھجور کا اور ایک مشکیزہ پانی کا دے گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام چلنے لگے تو حضرت ہاجرہ ان کے پیچھے چلیں اور کہنے لگیں اے ابراہیم تم ہمیں اس جنگل میں تنہا چھوڑ کر جہاں

[1] ایک فرقہ اہل حدیث فقہ کے ہاں تقیہ کرنا بھی جائز ہے بلکہ وہ فعل محمود ہے۔۔۔ [2] ایضاً۔ جزء ۶۔ ص ۶۳۷

انسان کا نام ونشان نہیں کہاں جارہے ہو۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔۔۔"[1]

قارئین! غور کیجئے کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کے کردار کا کتنا بھیانک نقشہ کھینچا گیا ہے اس افسانہ میں (جو کہ صحیح بخاری شریف سے لیا گیا ہے) کہ وہ شیر خوار بچہ اور ان کی ماں کو صرف ایک تھیلہ کھجور اور ایک مشکیزہ پانی کا دے کر چھوڑ گئے، ایسے بیابان میں جہاں آدمی کا نام ونشان تک نہیں تھا' اور پھر پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا! کہئے کیا یہی کردار ہوتا ہے ایک ایسے جلیل القدر نبی کا جس کی اتباع تقریباً تمام رسولوں اور انسانیت پر فرض کر دی گئی ہے؟ کیا یہ شیر خوار بچہ اور ان کی ماں سے دشمنی تھی یا محبت وکرم؟

اب دیکھئے کہ قرآن کریم اس بارے میں کیا حقیقت بتاتا ہے، ابراہیم سلامٌ علیہ فرماتے ہیں کہ

"اے ہمارے رب، میں نے اپنی اولاد کو تیرے محترم گھر کے قریب ایک ایسی وادی میں لاکر آباد کیا ہے جہاں کھیتی نہیں ہوتی، اے ہمارے رب یہ کام اس لئے کیا ہے کہ یہ لوگ یہاں نماز قائم کریں (اور اے ہمارے رب میری تجھ سے یہ بھی درخواست ہے کہ) لوگوں کے دلوں کو (ایسا) کردے کہ وہ ان کی طرف جھکتے رہیں اور ان کو پھلوں کا رزق عطاء فرماتا کہ وہ (تیرا) شکر کرتے رہیں"۔ سورہ ابراہیم۔ آیت ۳۷ (تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۵۔ ص۶۹۴)

قارئین دیکھا آپ نے کہ ابراہیم سلامٌ علیہ فرمارہے ہیں "اِنِّیۡۤ اَسۡکَنۡتُ" تحقیق یا یقیناً سکونت اختیار کی ہے، یا آباد کیا ہے۔ یعنی انہوں نے وہاں کی سکونت اختیار کر لی تھی۔ یعنی مع اپنی ذریّت (آل اولاد) کے وہاں ہجرت کر کے آباد ہو گئے تھے[2]۔ اور خود موصوف نے اپنے ترجمہ میں "آباد کیا ہے" کے الفاظ لکھے ہیں مگر جب اپنے امام کی نقل کرتے ہیں تو قرآنی الفاظ بھول جاتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ شیر خوار بچہ اور ان کی ماں کو وہاں چھوڑ گئے۔ تنہا۔ جہاں نہ آدم نہ آدم کی ذات تھی! معاذ اللہ۔ یہ ہے تقلید شخصی کی ذہن پرستی کا شاخسانہ۔

قرآن کریم میں کہیں ذکر نہیں کہ ابراہیم سلامٌ علیہ اُن کو اکیلا چھوڑ گئے تھے۔ بلکہ قرآن کریم تو گواہی دے رہا ہے کہ وہ اپنی ذریت کو لے جا کر وہاں آباد ہو گئے تھے۔

قرآن کریم میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ وہاں کوئی اور آدمی نہیں بستا تھا۔ بلکہ آیت کا انداز تو یہی بتارہا ہے کہ یقیناً وہاں بستی تھی جس میں جا کر ابراہیم سلامٌ علیہ آباد ہوئے تھے اسی لئے انہوں نے رب کریم سے دعا کی تھی کہ "لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ وہ ان کی طرف جھکتے رہیں" یعنی نئے آکر سکونت اختیار کرنے والوں کو تنگ نہ کریں۔ یونکہ وہاں کھیتی باڑی نہ ہو سکنے کی وجہ سے غلہ کی تنگی رہتی ہوگی۔ لیکن یقیناً وہاں پھل ہوتے تھے اسی لئے ابراہیم سلامٌ علیہ نے یہ دعا بھی کی کہ "ان کو پھلوں کا رزق عطاء فرماتا رہ تا کہ وہ شکر کرتے رہیں۔" خود موصوف نے بخاری کے افسانہ سے یہ نقل کیا ہے کہ "ان دونوں کو مسجد کی بلند جگہ میں ایک بڑے درخت کے نیچے بٹھا دیا" تو خود مان لیا کہ وہاں بڑا درخت تو تھا۔ تو اور درخت بھی ہوں گے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہ پھلوں ہی کے درخت ہوں۔ (مگر مسجد کہاں سے آگئی؟)

اس آیت کریمہ میں ایک اور انتہائی اہم بات ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ابراہیم سلامٌ علیہ ہجرت کر کے وہاں کیوں

---

[1] ایضاً۔ جز۔۸۔ ص۲۸۸۔۲۸۹۔۔۔ [2] قارئین غور کیجئے کہ شام وعراق وغیرہ کے سرسبز وشاداب علاقوں کو چھوڑ کر آکر اس وَادی غیر ذِی زَرۡع' میں آباد ہو جانا، کتنی عظیم قربانی تھی۔ یعنی ہجرتِ ابراہیمی "ذِبۡحٍ عَظِیۡمٍ" تھی۔ دُنبہ کاٹنا نہیں!

آباد ہوئے تھے؟ کیا مقصد تھا؟ تو وہ مقصد "**لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ**" کے الفاظ سے بیان کیا ہے کہ صلوٰۃ قائم کریں۔ یعنی صرف نمازیں نہیں پڑھنا ہے بلکہ صلوٰۃ یا نظام صلوٰۃ قائم کرنا ہے جس میں لوگوں کے دل ایک دوسرے کی طرف مائل رہیں، وہ ایک دوسرے کی ضروریات زندگی میں شریک رہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ کی فطری قوانین کی پیروی کرتے رہیں (شکر گزاری کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ قوانین الٰہی پر چلا جائے اس سے صلوٰۃ کے وسیع المعنیٰ ہونے کا صاف اندازہ ہو جاتا ہے) آگے، ایک آیت بعد، یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کے دوسرے بیٹے بھی یا تو ساتھ ہی آئے تھے یا وہیں پیدا ہوئے تھے یونکہ وہ اسی تسلسل ہی میں اللہ تعالیٰ کا شکر دونوں بیٹوں کے لئے ادا کرتے ہیں۔ دیکھئے:

"سب تعریف اللہ ہی کے لئے ہے جس نے مجھے بڑھاپے میں (دو بیٹے) اسمٰعیل اور اسحٰق عطاء فرمائے۔ بے شک میرا رب دعاء سننے والا ہے۔" (سورہ ابراہیم۔ آیت ۳۹۔ تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۵۔ ص۶۹۴)

(مزید دیکھئے سورہ مریم کی آیت ۴۹)

آگے موصوف اپنے افسانہ میں لکھتے ہیں کہ:

"حضرت ہاجرہ نے ایک مدت اسی طرح گزاری۔ کچھ عرصہ کے بعد جرہم قبیلے کے کچھ لوگ جو کداء کے راستے سے آرہے تھے ادھر سے گذرے۔ وہ مکہ کے نشیب میں اترے۔ انہوں نے ایک پرندہ دیکھا جو فضا میں چکر لگا رہا تھا۔ انہوں نے گمان کیا کہ یہ پرندہ جو چکر لگا رہا ہے تو معلوم ہوتا ہے یہاں کہیں پانی ہے۔

انہوں نے کہا ہم تو اس میدان سے واقف ہیں ہم نے یہاں کبھی پانی نہیں دیکھا۔ الغرض انہوں نے ایک یا دو آدمیوں کو خبر حاصل کرنے کے لئے بھیجا۔ وہ آئے انہوں نے دیکھا کہ پانی ہے۔ پھر وہ اپنے لوگوں کے پاس واپس چلے گئے اور انہیں پانی کی اطلاع دی۔ وہ بھی وہاں آئے نبی ﷺ نے فرمایا حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ وہیں بیٹھی تھیں۔ ان لوگوں نے حضرت اسمٰعیل کی والدہ سے وہاں پڑاؤ ڈالنے کی اجازت مانگی۔ انہوں نے اجازت دیدی۔ اس شرط کے ساتھ کہ پانی پر تمہارا کوئی حق نہیں ہوگا۔ ان لوگوں نے قبول کر لیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا قافلہ والوں نے وہاں رہنے کی ایسے وقت میں اجازت مانگی جب خود حضرت اسمٰعیل کی والدہ یہ چاہتی تھیں کہ یہاں بستی ہو۔ جرہم کے لوگوں نے وہاں پڑاؤ ڈال دیا اور اپنے بال بچوں کو بھی وہاں بلا لیا اور وہ بھی وہاں آگئے (صحیح بخاری کتاب بدء الخلق۔ **باب یزفون۔ النسلان فی المشی**۔ جزء۔۲۔ ص۲۶۸)"[1]

قارئین! غور کیجئے کہ "حضرت ہاجرہ نے ایک مدت اسی طرح گزاری"۔ یعنی وہ تن تنہا شیر خوار بچے کے ساتھ کھجور کھا کر اور پانی پی کر گزارہ کرتی رہیں! ایک تھیلا کھجور کتنے دن چلا ہو گا؟

جرہم قبیلہ کے لوگ وہاں آکر آباد ہو گئے! اگر وہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا اور کوئی اور وہاں نہیں رہتا تھا تو وہ اپنی اصلی بستی سے یہاں کیوں آکر آباد ہو گئے؟ ظاہر ہے کہ وہ آباد ہونے کے قابل جگہ تھی۔ پانی وہاں تھا۔ پھل وہاں تھے۔ اور انسان وہاں بستے تھے اس لئے یہ لوگ بھی وہاں آکر آباد ہو گئے قرآن کریم کے مطابق وہاں صرف زراعت نہیں ہوتی تھی۔ بس۔ وادیٔ غیر ذی ذرع (۱۴/۳۷) خیر، آگے چلئے دیکھئے افسانہ کا مزید حصہ:

[1] ایضاً۔ جزء۸۔ ص۲۹۰

"جب اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جوان ہوئے تو انہوں نے قبیلہ جرہم میں عربی سیکھ لی۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے لئے بہت اچھے ثابت ہوئے۔ جرہم کے لوگ ان سے محبت کرنے لگے اور اپنے خاندان کی ایک لڑکی سے ان کی شادی کر دی۔ اس عرصہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی خبر گیری کے لئے آئے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت گھر میں نہیں تھے انہوں نے ان کی بیوی سے پوچھا اسمٰعیل کہاں ہیں؟ اس نے کہا روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ السلام نے پوچھا تمہاری گذر اوقات کیسی ہوتی ہے اور معاش کا کیا حال ہے۔ اس نے کہا بڑی تنگی سے گزارہ ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا جب تمہارے شوہر آئیں تو میری طرف سے ان کو سلام کہنا اور یہ کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کہہ کر وہاں سے چلے گئے۔ جب اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں آئے تو اپنے والد کی خوشبو کو محسوس کیا اور بیوی سے پوچھا کوئی آیا تھا۔ اس نے کہاں ہاں ایک بوڑھا ایسی ایسی شکل کا آیا تھا اس نے تمہارے بارے میں پوچھا میں نے کہہ دیا روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ پھر انہوں نے مجھ سے پوچھا تمہاری گذر اوقات کیسی ہے۔ میں نے کہا بڑی تنگی سے گزارہ ہوتا ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا اور بھی کچھ کہا ہے؟ اس نے کہا ہاں تم کو سلام کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا وہ میرے والد تھے انہوں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں چھوڑ دوں اب تم اپنے گھر والوں میں چلی جاؤ۔ حضرت اسمٰعیل نے اسے طلاق دے دی۔ اور جرہم کی ایک دوسری لڑکی سے نکال کر لیا۔"[1]

قارئین اب ذرا اس افسانہ کے یہاں تک کے حصہ پر پہلے غور کر لیجئے۔ پھر آگے کا سنائیں گے!

۱۔ اسمٰعیل سلامٌ علیہ اپنے والد بزرگوار کی غیر موجودگی میں جوان ہو گئے ہیں۔ اور اس دوران ان کی والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا ہے (غور کیجئے کہ کتنا طویل عرصہ گزر گیا)

۲۔ اسمٰعیل سلامٌ علیہ نے قبیلہ جرہم سے عربی سیکھ لی۔ اس کے معنٰی عربی ان کی مادری یا پدری زبان نہیں تھی (یہ نہ لکھا کہ عربی سیکھنے سے پہلے روزمرہ زندگی کا کام کیسے چلتا تھا؟)

۳۔ اس دوران ان کی شادی بھی ہو گئی اور وہ صاحب خاندان ہو گئے۔

۴۔ ابراہیم سلامٌ علیہ دوسرے ملک سے (یعنی اپنے سابقہ مستقر سے) سینکڑوں ہزاروں میل کا سفر مہینوں میں کر کے بیوی اور بچہ کی خبر گیری کے لئے آتے ہیں مگر بیٹے کو گھر پر نہ پا کر، اپنی بیوی کے لئے پوچھتے تک نہیں، بہو سے اس کے گزارہ کے بارے میں پوچھنے کے فوراً بعد ہی واپس اپنے ملک کو لوٹ جاتے ہیں! قارئین غور کیجئے ایسا تو کوئی ایک شہر ہی میں رہنے والا بھی نہیں کرتا جو کہ صرف چند میل کا فاصلہ طے کر کے کسی کے گھر جاتا ہے! نہ کہ سینکڑوں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے ہفتوں یا مہینوں میں پہنچنے والا!

۵۔ پھر ان کو اپنی بہو سے اپنی شناخت کرانے میں کیا چیز مانع تھی؟

---

[1] ایضاً۔ جزء۔۸۔ ص۲۹۰۔۲۹۱

۶۔ انہوں نے اپنی بہو سے جو کہ عربی بولنے والی خاتون تھیں کس زبان میں بات کی تھی؟ کیا ان کو عربی آتی تھی؟ اسمٰعیل سلامٌ علیہ نے تو قبیلہ جُرہم سے عربی سیکھی تھی انہوں ننے کس سے سیکھی تھی؟ یا ساتھ کوئی مترجم لائے تھے؟

۷۔ انہوں نے اپنی بہو کو کس جرم کی سزا دی کہ انہیں طلاق دلوادی؟ کیا انبیاء کرام کا یہ عمل ہوتا ہے؟ نہ کہ انسانیت سے محبت!

۸۔ اسمٰعیل سلامٌ علیہ جب گھر آئے تو انہوں نے والد کی خوشبو محسوس کی! والد گھر میں داخل ہوئے نہیں اور ان کی خوشبو آ گئی! یہ کس قسم کی یا کونسی خوشبو تھی جو سفر کرتے ہوئے بھی برقرار رہی؟ اور وہ پھر بھی والد کی تلاش میں باہر نہ نکلے کہ ابھی تو دور نہیں گئے ہوں گے، یوں کہ ہوائی جہاز اس زمانہ میں ایجاد نہیں ہوا تھا!

۹۔ اسمٰعیل سلامٌ علیہ نے کھڑے کھڑے (تین طلاقیں دے کر، جیسا کہ مُلّا آج کراتا ہے) اپنی بیوی کو طلاق دے کر اس کے والدین کے گھر بھیج دیا!

۱۰۔ گویا کہ عورت پر ظلم اس وقت ہی سے ہو رہا ہے۔ چوکھٹ کیا، پاؤں کی جوتی کی طرح جب چاہا اتار پھینکی اور دوسری پہن لی!

۱۱۔ کیا انبیاء کرام کا کردار یہی ہوتا ہے؟

قارئین! اب آگے دیکھئے موصوف کا افسانہ فرماتے ہیں کہ:

"پھر اللہ تعالیٰ کو جتنے دن رہنا منظور تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ملک میں رہے اس کے بعد پھر آئے تو پھر حضرت اسمٰعیل گھر میں نہیں ملے وہ ان کی بیوی کے پاس گئے اور پوچھا اسمٰعیل کہاں ہیں۔ انہوں نے کہا روزی کی تلاش میں گئے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے کہا تمہارا کیا حال ہے تمہارا گذارہ کیسے ہوتا ہے۔ اس نے کہا اللہ کا شکر ہے ہم بہت خوش حالی کے ساتھ اپنی گذر اوقات کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا تم کیا کھاتے ہو۔ اس نے کہا گوشت۔ انہوں نے پوچھا پیتے کیا ہو اس نے کہا پانی۔ پھر انہوں نے دعا کی اے اللہ ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطاء فرما۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا جب تمہارے شوہر آئیں تو میری طرف سے ان کو سلام کہنا اور یہ کہنا کہ یہ چوکھٹ بہت عمدہ ہے اس کو حفاظت سے رکھو (یہ کہہ کر وہ چلے گئے)۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر میں آئے تو اپنی بیوی سے پوچھا کوئی آیا تھا۔ انہوں نے کہا ہاں ایک بوڑھے خوبصورت آدمی آئے تھے۔ پھر انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بہت تعریف کی اور کہا وہ تم کو پوچھتے تھے۔ میں نے کہا وہ باہر گئے ہیں۔ انہوں نے پوچھا تمہاری گذر اوقات کیسے ہوتی ہے۔ میں نے کہا بہت اچھی ہوتی ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوچھا انہوں نے اور بھی کچھ کہا تھا۔ ان کی بیوی نے کہا ہاں آپ کو سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ عمدہ ہے اس کو حفاظت سے رکھنا۔ حضرت اسمٰعیل الصلوٰۃ والسلام نے کہا وہ میرے والد تھے اور انہوں نے یہ حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اپنے پاس رکھوں۔ پھر جب تک اللہ کو منظور تھا حضرت ابراہیم اپنے ملک میں رہے اس کے بعد جب وہ (تیسری مرتبہ) آئے تو حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام موجود تھے"[1] (اس کے آگے پھر خانہ کعبہ تعمیر کرنے کا ذکر ہے)

---

۱۔ ایضاً۔ جزء۔ ۸۔ ص ۲۹۱۔ ۲۹۲

غور کیجئے کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کا ایک ملک سے دوسرے ملک تک کا سفر کر کے جانا اور پھر بغیر کچھ کئے فوراً ہی واپس ہو جانا، افسانہ نگار نے ایسا بنا دیا جیسے کوئی صدر سے بندر روڈ جا کر واپس آ جائے! غور کرنے کی بات یہ ہے کہ اتنے لمبے لمبے سفر کس مقصد کے لئے کئے جا رہے ہیں؟ جب کوئی کام نہیں کیا جا رہا، نہ بیٹے سے ملاقات ہو رہی ہے تو پھر یہ وقت جو کہ شاید مہینوں پر محیط ہو گا کس لئے ضائع کیا جا رہا ہے؟ کیا انبیاء اسی طرح اپنا قیمتی وقت ضائع کرتے تھے؟ کیا انبیاء بغیر کسی مقصد کے اپنے مستقر سے باہر کا سفر کرتے تھے یا ان کو حکم الٰہی ہوتا تھا تو سفر کرتے تھے؟ افسانہ نگاروں کا متبع یہ کہے گا کہ وہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے حکم کو بجالانے کے لئے جاتے تھے تو یہ بات قابل یقین نہیں یونکہ پھر اس صورت میں وہ حکم کی تعمیل کئے بغیر واپس نہیں جا سکتے تھے۔

قارئین یہ کئی صفحات پر پھیلا ہوا افسانہ ہمارے موصوف نے اپنے امام صاحب کی کتاب صحیح بخاری شریف (کی جلد۔ ۲۔ کتاب الانبیاء، باب ۳۱۳ يزِفُّوْنَ ۔ النَّسَلَانِ فِى الْمَشِي ، یعنی رفتار میں تیزی کرنا، حدیث ۵۸۹، ص ۲۶۸۔ ۲۷۲) سے نقل کیا ہے اس افسانہ کی خوبیاں یہ ہیں کہ:

ا۔ یہ ایک ہی سانس میں کئی صفحات پر پھیلی ہوئی ایک ہی کہانی یا (نام نہاد) حدیث ہے۔

۲۔ اس افسانہ کے مطابق ابراہیم سلامٌ علیہ شیر خوار بچہ کو ان کی ماں کے ساتھ تنہا چھوڑ کر (تیز تیز چل کر) چلے گئے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب وہ بچہ جوان ہو گیا اور شادی بھی ہو گئی تب اُن کی خبر گیری کے لئے آئے اور پھر بھی بغیر ملے واپس ہو گئے جبکہ قرآن کریم یہ بتاتا ہے کہ وہ بچہ یعنی اُن کا بیٹا جب اس قابل ہو گیا کہ وہ ان کی سعی میں مدد کر سکے یا شریک کار ہو سکے تو انہوں نے سوتے میں ایک خواب دیکھا کہ گویا وہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں تو انہوں نے بیٹے کو خواب بتا کر اُن کی رائے معلوم کی تو بیٹے نے کہا کہ آپ کو جو حکم ملا ہے آپ اس کی تعمیل کیجئے۔ پھر جب دونوں نے اللہ کی مرضی کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور حضرت ابراہیم نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا تا کہ ذبح کر سکیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو پکارا کہ اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک یہ ایک کھلی آزمائش تھی۔ غور کیجئے یہاں اللہ تعالیٰ نے کوئی دنبہ ذبح کرنے کو نہیں بھیجا اور نہ ہی انہوں نے ذبح کیا حالانکہ مولوی صبح شام یہی کہانی سناتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنبہ لٹا دیا اور ابراہیم نے اسے ذبح کیا۔ اس لئے یہ سنت ابراہیمی ہے سب لوگ دنبہ بکرا ذبح کر کے قربانی دیا کریں!

اس نکتہ کو حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کو دونوں ہی سمجھ گئے اور اسلام کی تبلیغ شروع کر دی تو اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کو کامیابی عطا فرمائی بلکہ ان کو بلندی و رفعتِ درجات عطا فرمائے اور ہم کلامی کا شرف بھی بخشا اور مبارکباد دی کہ انہوں نے خواب کو اپنی سعی مسلسل سے سچ کر دکھایا اور آزمائش میں پورے اتر کر جزاء کے مستحق ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنی عظیم جان ذبح کرنے سے بچالیا اور اس سعی کو اس کا فدیہ بنا دیا۔ اور آنے والوں کے لئے اسے مثال بنا دیا۔ (۳۷/ ۱۰۲۔ ۱۰۸)

قارئین! دیکھا آپ نے؟ کہ ذاکر یا افسانہ نگار نے کہانی بناتے ہوئے اس قرآنی واقعہ کا خیال ہی نہیں رکھا کہ اس دوران میں یہ بھی ہوا تھا۔ اور وہ بھی کم عمری ہی میں جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچے تھے۔ جوانی، شادی پھر دوسری شادی وغیرہ کا وقت نہیں آیا تھا۔ دراصل اس کا تو مقصد ہی قرآن کے حقائق سے ہٹا کر افسانوی جھوٹ میں الجھانا

تھا۔ مگر افسوس کہ امام المحدثین بخاری نے بھی بغیر سوچے سمجھے اس افسانہ کو صحیح قرار دے کر اپنی کتاب میں لکھ دیا۔ ان سے اچھے تو ہمارے موصوف رہے کہ کم از کم انہوں نے اپنی عقل استعمال کی (پتہ نہیں کہ ایمان بالعقل ہوا یا نہیں!) اور تفسیر میں یہ افسانہ لکھتے ہوئے بیچ میں بیٹے کو ذبح کرنے والا خواب بھی گھسیٹ دیا۔ بہر حال انہوں نے اتنی مہربانی کی کہ ابراہیم سلامٌ علیہ کے ہاتھ میں چھُری نہیں پکڑائی اور نہ ہی دُنبہ ذبح کروایا۔ جیسا کہ عام طور پر ہمارے ذاکرین اور واعظین حضرات گا گا کر کراتے ہیں! دراصل یہ سارا کمال ہی ذاکرین اور واعظین اور وضاعین کا ہے کہ انہوں نے قرآنی دین کو افسانوی مذہب میں بدلنے کی پوری پوری کوشش کی اور ان لوگوں کو جو عقل نہیں رکھتے اپنی سازش میں پھانس لیا ورنہ افسانوی مذہب کا قرآنی دین سے کوئی تعلق نہیں۔

ہمارے موصوف نے گو کہ اپنی تفسیر میں ابراہیم سلامٌ علیہ سے دُنبہ ذبح نہیں کروایا مگر وہ پھر بھی بطور سنت ابراہیمی دنبہ وغیرہ ذبح کرنے کے قائل ہیں اور وہ بھی گھر گھر، سڑکوں، گلیوں میں، جبکہ قرآن کریم ان کے ذبح ہونے کی جگہ بیتِ قدیم کے پاس یعنی خانہ کعبہ کے پاس منیٰ کے مقام پر مقرر کر رہا ہے دیکھئے:

(۳)۔ "(اور اے لوگو) ان (قربانی کے جانوروں) میں تمہارے لئے ایک وقت مقررہ تک کے لئے فائدے ہیں پھر ان کو بیت قدیم کے پاس پہنچ کر حلال ہونا ہے (۳۳) اور (اے رسول) ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کی جگہ مقرر کی تھی تا کہ جو جانور اللہ نے ان کو مویشی چوپایوں میں سے دئے تھے ان (کو اس مقام) پر (لے جا کر ذبح کریں اور ذبح کرتے وقت) اللہ کا نام لیں۔۔۔(۳۴)" (سورہ الحج۔ آیا ۳۳۔۳۴، تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۶۔ ص ۷۵۹)

**کہئے کیا ان دونوں آیات میں مقامِ قربانی مقرر ہونے کے بعد برصغیر ہندو پاک یا دنیا بھر میں، گھر گھر، گلی گلی، ہر سڑک پر اور ہر میدان میں قربانی ہو سکتی ہے؟؟ کیا پورے قرآن کریم میں کہیں حاجیوں کے علاوہ بھی، حج کے بعد جانور قربان کرنے کا حکم ہے؟؟**

قرآن کریم تو اُمّ الکتٰب ہے، موصوف تو (نام نہاد) حدیث میں بھی کہیں کوئی ایسا حکم رسول نہیں دکھا سکے کہ ہر جگہ، ہر شخص کو قربانی کرنی ہے۔ بلکہ سورہ الحج کی انہی آیات میں لفظ "بُدنٌ" کے معانی و مصادر اس طرح لکھے ہیں:

"بُدنٌ = بَدَنَۃٌ کی جمع، اونٹنی، قربانی جو حرم میں لے کر ذبح کی جائے"[۱]

ذرا سوچئے کہ جب اونٹنی حرم میں ذبح کی جائے گی تو پھر برنس روڈ پر کیسے اور کیونکر ذبح کی جا رہی ہے؟ کیا یہ قرآنی حکم ہے یا زائد از قرآن؟ زائد از قرآن حکم کس نے دیا ہے اور کون اس کی سرپرستی کر رہا ہے؟

حد تو یہ ہے کہ موصوف کی تفسیر کا نقطہ عروج اور حدیث پرستی کا شاخسانہ یہ ہے کہ سورہ الحج کی آیات ۲۶ تا ۳۷ کی تفسیر لکھتے ہوئے انہوں نے جہاں "قربانی کے جملہ مسائل" لکھے ہیں وہاں آخری' سب سے اہم مسئلہ یہ لکھا ہے کہ:

"اگر کسی شخص کو قربانی کی وسعت نہ ہو تو وہ (نماز عید کے بعد) بال کترے، ناخن کترے، مونچھیں کترے اور ناف کے نیچے کے بال مونڈے تو اسے بھی قربانی کا ثواب مل جائے گا۔"[۲]

---

۱۔ تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۶۔ سورہ الحج۔ ص ۷۶۱۔۔۔ ۲۔ ابوداؤد۔ کتاب الضحایا باب ماجاء فی ایجاب الاضاحی، جزء ۲، ص ۲۹، سندہ صحیح۔ مرعاۃ ۳/۳۶۸ (معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ موصوف نے یہ مسئلہ صرف نام نہاد شرح سے نہیں لکھا بلکہ شرح کی شرح سے اس کے صحیح ہونے کی سند بھی مرحمت فرمادی ہے۔ کہئے کوئی شرم آئی؟ جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ:

"اور اگر کسی کو قربانی کا جانور نہ مل سکے تو (اس کے بدلے) تین روزے ایام حج میں رکھ لے اور سات روزے جب تم واپس لوٹو (تو گھر پہنچ کر) رکھ لے۔ یہ پورے دس (روزے) ہوئے (جو قربانی نہ کرنے کے فدیہ میں رکھے جائیں)۔" (سورہ البقرہ، آیت ۱۹۶ تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ا۔ ص ۶۸۵)

غور کیجئے، کیا یہ مقام عبرت نہیں کہ قرآن کریم صرف حاجیوں سے جانور ذبح کرنے کو کہہ رہا ہے اور جو نہ کر سکے اس کو بطور فدیہ وہیں پر تین روزے رکھنے اور گھر واپس پہنچ کر سات اور روزے رکھنے کا حکم دے رہا ہے۔ مگر ہمارے موصوف اس کے زیر ناف کے بال مونڈوا رہے ہیں اور رسول اللہ سلامٌ علیہ پر ایسی بات کہنے کا اتہام لگا رہے ہیں! کیا رسول الہ سلامٌ علیہ قرآن کے خلاف حکم دے سکتے تھے؟ کیا وہ زائد از قرآن حکم دے سکتے تھے؟ اور وہ بھی شرمناک حکم اللہ کے لئے قربانی نہ کر سکنے کے فدیہ کے طور پر! معاذ اللہ۔ یہ ہے کارنامہ ہماری (نام نہاد) احادیث و تفاسیر کا!

قارئین! یہ باب ختم کرنے سے پہلے ایک اور تفسیری کارنامہ ملاحظہ کرتے چلئے جس نے سب سے زیادہ گمراہی پھیلائی ہے کہ **"ختم نبوت"** کے عقیدہ کا انکار کر دیا ہے اور اکثریت نے کر دیا ہے۔ ملاحظہ ہو کہ موصوف سورہ النساء کی آیات ۱۵۵ تا ۱۶۲ کی تفسیر میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:

(۴)۔ "الغرض آیات زیر تفسیر اور مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نہ تو قتل ہوئے نہ انہیں پھانسی دی گئی بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں صحیح و سالم اپنی طرف زندہ اٹھالیا۔ وہ زندہ ہیں، قیامت کے قریب اتریں گے اور منجملہ اور فرائض کی ادائیگی کے دجال کو قتل کریں گے۔

جب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اتریں گے تو تمام اہل کتاب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے[1] اور پھر وہ قیامت کے دن ان کے ایمان کی گواہی دیں گے۔"[2]

غور کیجئے کہ "انہیں صحیح و سالم اپنی طرف زندہ اٹھالیا" یہ قرآنی الفاظ نہیں ہیں۔ "وہ زندہ ہیں، قیامت کے قریب اتریں گے۔۔۔" یہ بھی قرآنی الفاظ نہیں ہیں۔ موصوف نے اپنا اسرائیلی عقیدہ ثابت کرنے کے لئے قرآنی آیات کے معنیٰ تو توڑ مروڑ کر پیش کئے ہی ہیں، ہم اس وقت اس بحث میں نہیں الجھنا چاہتے، ہم تو آپ کو وہ (نام نہاد) احادیث دکھانا چاہتے ہیں جن کی بناء پر اس قسم کے گمراہ کن عقائد پھیلائے گئے۔ چنانچہ اپنی تفسیر میں موصوف رسول اللہ سلامٌ علیہ پر اتہام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

"قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے عنقریب تم میں ابن مریم عادل حکمران کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔۔۔"[3] (بحوالہ صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام۔ و صحیح مسلم کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ بن مریم۔ جزء اول)

غور کیجئے اس روایت میں کہا جا رہا ہے کہ وہ "عادل حکمران" کی حیثیت سے نازل ہوں گے اسکے کیا معنیٰ ہوئے؟

---

[1]۔ گویا کہ اہل کتاب آج عیسیٰ سلامٌ علیہ پر ایمان نہیں لاتے! تو پھر کس پر ایمان لاتے ہیں؟۔۔۔ [2]۔ تفسیر قرآن عزیز۔ جزء ۳۔ ص ۴۷۳ ۔۔۔ [3]۔ ایضاً۔ ص ۴۶۹

بقول موصوف کے وہ تو زندہ ہیں تو پھر نبی ورسول بھی ہیں۔ تو اب قیامت کے قریب صرف عادل حکمران کی حیثیت سے کیوں نازل ہوں گے؟ کیا ان کی نبوت ختم ہو گئی؟ کیا وہ نبوت سے معطل کر دیئے گئے یا معزول کر دیئے گئے کہ اب نبی کی حیثیت سے نہیں بلکہ حکمران کی حیثیت سے نازل ہوں گے؟ (معاذ اللہ)

آگے موصوف ایک اور روایت پیش کرتے ہوئے پھر رسول اللہ سلامؑ علیہ پر اتہام لگاتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"میری امت کی ایک جماعت (کے لوگ) ہمیشہ حق پر جنگ کرتے رہیں گے اور قیامت تک غالب رہیں گے۔ پھر عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے ان کا امیر کہے گا: آیئے ہمیں نماز پڑھایئے۔ وہ کہیں گے نہیں۔ اللہ کی طرف سے یہ اس امت کا شرف ہے کہ تم میں سے بعض بعض پر امیر[1] ہوں"[2]۔ (بحوالہ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نزول عیسیٰ ابن مریم۔ جزء اول)

قارئین! غور کیجئے کہ عیسیٰ سلامؑ علیہ نازل ہونے کے بعد نماز کی امامت سے انکار کر دیں گے یہ کتنی عجیب بات ہے یونکہ نبی یا رسول تو پیدا ہی امامت کے لئے ہوتے ہیں۔ اصل میں تو امام وہی ہوتے ہیں نہ کہ خود ساختہ امام! اب اگر وہ رسول ہیں تو امامت نماز سے انکار نہیں کر سکتے یونکہ رسول اللہ سلامؑ علیہ کو بھی یہی حکم تھا کہ جب آپ ان کے درمیان ہوں (یعنی لوگوں کے درمیان) تو آپ ان کی امامت کیجئے (۱۰۲/۴) اور آپ ہی ان کی امامت کرتے تھے (۱۱/۶۲) مگر ظالموں نے انہیں امامت سے محروم کر دیا! اس کے معنیٰ تو یہی ہوئے کہ ان کی نبوت سے معزولی ہو گئی! (معاذ اللہ)

قارئین! اور آگے چلئے تو موصوف ایک اور لمبی سی روایت نقل کرتے ہیں اور رسول اللہ سلامؑ علیہ ہی پر اتہام لگاتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ:

"قیامت قائم نہیں ہو گی یہاں تک کہ رومی اعماق یا بدابق میں نہ اتریں۔۔۔ الغرض جب وہ شام پہنچیں گے تو اس وقت دجّال خروج کرے گا۔ پھر اس اثناء میں کہ وہ جنگ کی تیاری میں ہوں گے کہ نماز کی اقامت ہو گی اور عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے اور وہ مسلمین (کے اصرار پر مسلمین) کی امامت کریں گے۔۔۔"[3] (بحوالہ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب فتح قسطنطنیہ۔ جزء ۶)

قارئین! غور کیجئے کہ اس روایت کے مطابق عیسیٰ سلامؑ علیہ نزول کے فوراً بعد نماز کی امامت کریں گے! یہاں موصوف نے پچھلی روایت کی وجہ سے شرم کر کے قوسین میں (کے اصرار پر مسلمین کے) الفاظ بڑھا دیئے یونکہ دونوں ہی روایتیں صحیح مسلم کی ہیں! اب غور کیجئے ان دونوں میں سے کونسی بات صحیح ہے؟

اور آگے دیکھئے کہ موصوف ایک اور روایت لکھتے ہیں اور اسے بھی رسول اللہ سلامؑ پر اتہام لگاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انہوں نے دجّال کا ذکر فرمایا پھر فرمایا:

---

[1] خیال رہے کہ ابھی پیچھے روایت میں کہا کہ حضرت عیسیٰ سلامؑ علیہ بطور عادل حکمران نازل ہوں گے۔ اور اس روایت میں حاکمیت یعنی امارت وہ اس امت کا شرف بتا رہے ہیں! کہئے ہے نا مضحکہ خیز با! مزید غور کیجئے کہ جب وہ نازل ہوں گے تو کیا ان کا اس امت سے تعلق نہیں ہو گا؟ جس امت میں نازل ہوں گے اس سے تعلق نہیں ہو گا بلکہ وہ اس پر حکمرانی کریں گے! جیسے کہ ان کے امتی پچھلی صدیوں میں مسلمانوں پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔۔۔ [2] ایضاً۔ ص ۴۶۹۔۔۔ [3] ایضاً۔ ص ۴۷۰۔ ۴۷۱

"دجال اسی حال میں ہو گا کہ اللہ مسیح ابن مریم کو مبعوث فرمائے گا۔۔۔" [1] (بحوالہ صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال جزء ۲)

قارئین! غور کیجئے کہ اس روایت میں لفظ بعثت استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ انبیاء کرام کے لئے مخصوص ہے۔ اس کے معنیٰ عیسیٰ بن مریم سلامٌ علیہ نبی ہی کی حیثیت سے پھر بعثت فرمائیں گے۔

تو مسئلہ بالکل صاف ہو گیا کہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر ختم نبوت نہیں ہوئی (نعوذ باللہ) اور ابھی ایک نبی اور آنا ہے جن کا نام عیسیٰ بن مریم ہو گا (معاذ اللہ) جبکہ قرآن کریم محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کو خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (۳۳/۴۰) بتا رہا ہے۔ یعنی نبوت کو بند کرنے والے، ختم کرنے والے۔ ہاں البتہ پچھلی امتوں کا یہ عقیدہ تھا کہ ابھی ختم نبوت نہیں ہوئی اس لئے نبی اور آئیں گے۔ اس لئے شاید انبیاء کرام اپنے بعد میں آنے والوں کی بشارت دیتے رہے۔ حتیٰ کہ ختم نبوت سے پہلے آنے والے نبی عیسیٰ سلامٌ علیہ بھی یہ بشارت دے گئے کہ میرے بعد ایک نبی اور آئیں گے جن کا اسم مبارک اَحْمَدُ (۶۱/۶) ہو گا۔ اور پھر جب ان کے تقریباً چھ سو سال بعد ایک نبی اور تشریف لائے جن کا اسم مبارک اَحْمَدُ تھا تو انہوں نے یہ اعلان فرمایا کہ وہ نبوت ختم کرنے والے ہیں (۳۳/۴۰) اس لئے اب ان کے بعد کسی نبی کے (خواہ معطل یا معزول شدہ) آنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ ورنہ پھر پچھلی بشارت عیسیٰ کی طرح بشارت محمد بھی قرآن کریم میں ضرور ہوتی۔ اور خود اہلحدیثوں اور اہل فقہ کے ہاں مشہور روایت ہے کہ "لَا نبی بعدی" (کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں) تو پھر ایک اور نبی آنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟ دراصل سازشیوں نے بدمعاشی یہ کی کہ بشارتِ عیسیٰ کو اُلٹا کر کے پھیلا دیا یعنی یہ کہ عیسیٰ سلامٌ علیہ نے احمد سلامٌ علیہ کے آنے کی بشارت دی تھی جو قرآن میں بتائی گئی ہے (۶۱/۶) مگر ان بدمعاشوں نے اسے اُلٹا کر دیا کہ احمد سلامٌ علیہ نے عیسیٰ سلامٌ علیہ کے آنے کی بشارت دی! افسوس کہ یہ سیدھی سی "حدیث معکوس" ہمارے علما فضلاء محدثین و مفسرین و اماموں کی سمجھ میں نہیں آئی۔ یونکہ گوئبلز کی فلاسفی کام کر رہی تھی کہ جھوٹ بڑے بڑے صالحین کے منہ سے بلواؤ اور اتنا بلواؤ کہ ہر کوئی یقین کر لے کہ یہ سچ ہے۔ (معاذ اللہ) سیدھی سی بات ہے کہ اگر احمد سلامٌ علیہ کے بعد بھی کوئی نبی آنے والا ہوتا تو قرآن کریم ضرور ان کا نام بتا دیتا۔ لیکن ایسا نہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ اسرائیلی روایات ہیں جن کو صحیح بخاری و صحیح مسلم جیسی کتابوں کے ذریعہ مسلمین میں رواج دیا گیا اور آج اکثریت کو ختم نبوت کے عقیدہ سے بڑے پُر اسرار طریقہ پر منکر بنا دیا۔

اوپر بیان کردہ پہلی روایت میں ایک اور قابل غور حقیقت ہے کہ "میری امت کی ایک جماعت (کے لوگ) ہمیشہ حق پر جنگ کرتے رہیں گے اور قیامت تک غالب رہیں گے۔ کہئے کیا سمجھے؟ یعنی دنیا حق پرستوں سے خالی نہیں رہے گی دشمن چاہے جتنا بھی (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ پھیلاتا رہے مگر حق یعنی قرآن کی حکمرانی ماننے والے قیامت تک باقی رہیں گے اور دشمنانِ اسلام و منکرین قرآن کا مقابلہ کرتے رہیں گے (انشاء اللہ)۔

آگے موصوف کا ایک اور تفسیری نمونہ ملاحظہ ہو کہ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۳۱ میں وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"الغرض جب اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو خلیفہ بنانا چاہا اور حضرت آدم علیہ السلام کو اس مقصد کے لئے

[1] ایضاً۔ ص ۴۷۱

پیدا کیا تو ان کو اس کا اہل بھی بنایا، ان کو وہ علم عطاء فرمایا جو خلافت ارضی کے لئے ضروری تھا اور جس سے فرشتے محروم تھے۔ وہ علم کل اشیاء کے ناموں کا علم تھا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

۵۔ یجتمع المومنون یوم القیٰمۃِ فَیقولون لو استشفعنا الیٰ ربنا فیأتُون آدم فیقولون انت ابُو الناس، خلقك الله بیدہٖ و اسجد لك ملآئکتہٗ وعلمك اسمآء کل شَیٍٔ فاشفع لنا عند ربك (صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورہ البقرہ)

قیامت کے دن مومنین جمع ہوں گے اور آپس میں **کہیں گے کہ کاش ہم کسی کو اپنے ربّ کے ہاں سفارشی بناتے** (یہ کہہ کر) وہ آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے "آپ (تمام) لوگوں کے باپ ہیں، اللہ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے بنایا، فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا، اور آپ کو کل اشیاء کے نام سکھائے، **آپ ہمارے لئے اپنے ربّ کے پاس (جاکر) سفارش کیجئے۔**"[1]

قارئین! غور کیجئے کہ اس نام نہاد تفسیری حدیث سے آپ کو کیا تفسیر سمجھ میں آئی؟ کون سا عُقدہ کھلا؟ کیا معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کن کن چیزوں کے نام حضرت آدم کو سکھائے تھے؟ اس سے آیت کے الفاظ کی تشریح وتوضیح ہوئی؟ (جبکہ آیت کا لفظی ترجمہ بھی یہی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھا دیئے")۔ غرض یہ اور اسی قسم کے اور سوالات ذہن میں آتے ہیں کہ یہ کس قسم کی تشریح یا تفسیر ہے جس میں آیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا جارہا ہے!۔۔ بات دراصل یہ ہے کہ آیت تو بالکل صاف اور واضح ہے مگر موصوف نے اپنی تفسیر میں کچھ نہ کچھ تو لکھنا ہی تھا تو انہوں نے وہی لکھا جو ان کے امام نے اپنی کتاب میں اس آیت کی تفسیر کے زیر تفسیر عنوان لکھا تھا آخر کو ہوئے نا امام کے مقلد و متبع! البتہ موصوف نے اس (نام نہاد) حدیث کو اپنی صحیح ترین تفسیر میں نقل کرتے ہوئے ایک بہت بڑی بد دیانتی کی ہے کہ انہوں نے پوری (نام نہاد) حدیث نقل نہیں کی۔ اور اس کی وجہ (نام نہاد) حدیث کے آخری الفاظ ہیں۔

موصوف نے اوپر (نام نہاد) حدیث کے صرف شروع کے الفاظ لکھے ہیں۔ اس کے بعد راوی صاحبان نے لوگوں کو کئی نبیوں کے پاس پھرایا۔ مگر ہر ایک نے کوئی نہ کوئی عذر پیش کر دیا یا دوسرے نبی کی طرف ٹال دیا (اس میں تقریباً ہر نبی ہی کو کچھ نہ کچھ گناہگار یا خطاکار قرار دے دیا گیا ہے) آخر میں لوگ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کے پاس جائیں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں سجدہ میں گر جائیں گے حتیٰ کہ ایک گروہ کو بہشت میں داخل کرالیں گے۔ پھر سجدہ میں گر پڑیں گے اور ایک اور گروہ کو بہشت میں داخل کرالیں گے۔ پھر تیسری مرتبہ بھی داخل کرالیں گے پھر چوتھی مرتبہ بھی سفارش کریں گے۔ پھر اپنے رب سے عرض کریں گے:

الا من جلسه القرٰان و وجبَ علیه الخلودُ

اب تو وہی باقی رہ گئے ہیں جنہیں قرآن نے روک لیا ہے اور وہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہنے والے ہیں"[2]

---

[1] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء اول۔ ص ۲۰۱۔ ۲۰۲۔۔۔ [2] صحیح بخاری۔ جلد دوم۔ کتاب التفسیر۔ سورہ البقرہ، باب ۵۵۹۔ قَولِہٖ و علّم اٰدم الاسمآءَ کُلّھا۔ حدیث ۱۵۹۳، ص ۷۰۹۔ ۷۱۱

قارئین! غور کیجئے کہ جن لوگوں کو قرآن روک لے گا (یا جن کو قرآن کریم مہجور کر دینے کی وجہ سے روک لیا جائے گا) وہ بہشت میں داخل نہ ہو سکیں گے اور نہ ان کے لئے رسول کی سفارش کام آئے گی۔ بلکہ وہ ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ یہ کون لوگ ہوں گے؟ یہ وہی لوگ ہوں گے۔ جنہوں نے قرآن کریم کو مہجور کر کے (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاویٰ کی کتابوں کو پکڑ لیا تھا اور جن کے خلاف خود رسول شکایت کریں گے (۲۵/۳۰) اسی لئے ہمارے موصوف نے شرمساری میں پوری روایت نقل نہ کی بلکہ ادھوری نقل کر کے کام چلایا یونکہ قرآن کی عظمت ان سے برداشت نہیں ہوتی! بہرحال قطع نظر اس کے کہ (نام نہاد) حدیث صحیح ہے یا غلط، اس میں آخر میں (شاید غلطی سے) صرف قرآن ہی کی عظمت کا پہلو آ گیا ہے جو کہ یہ ثابت کر رہا ہے کہ **قرآن کو چھوڑنے والے جہنم میں رہیں گے (نام نہاد) حدیث کے چھوڑنے والے نہیں۔**

آگے موصوف کا ایک اور تفسیری نمونہ ملاحظہ ہو کہ سورہ المائدہ کی آیت نمبر ۸۷۔۸۸ کی تفسیر کیا کرتے ہیں:

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۸۷﴾ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَیِّبًا ۪ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو، جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں انہیں حرام نہ کیا کرو اور (حدود شرعی) سے تجاوز نہ کیا کرو، اللہ تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا (۸۷) جو حلال پاکیزہ چیزیں اللہ نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان سے کھاؤ (پیو) اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان لائے ہو (۸۸)

تفسیر: اللہ فرماتا ہے (یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ) اے ایمان والو، جو پاکیزہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کے حدود سے تجاوز نہ کرو (اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ) اللہ تعالیٰ زیادتی اور تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے حرام کر دی ہیں بس وہی حرام ہیں ان کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ ایمان والوں کا یہ کام نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کی حرمت کا فیصلہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر یہ کام حرام کر دیا۔ حرام کرنے یا حلال کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کسی دوسرے کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ (النحل:۱۱۶)

اور (اے لوگو) (اپنی طرف سے) یونہی جھوٹ جو تمہاری زبان پر آجائے یہ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ چیز حلال ہے اور یہ چیز حرام ہے تاکہ (اس طرح) تم اللہ پر جھوٹ بہتان باندھنے لگے جاؤ، بے شک جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاسکتے۔

لَا یُفْلِحُوْنَ گویا اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ کا نتیجہ ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدوں سے تجاوز کرتے ہیں وہ فلاح نہیں پاسکتے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:

کُنا نغزو مع النبی صلی اللہ علیہ و سلم و لیس معنا نسآء فقلنا الا نختصی فنھانا عن ذٰلك فرخص لنا ان نتزوج المراۃ بالثوب ثم قرأ یا یھا الذین اٰمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ( صحیح بخاری کتاب التفسیر۔ابواب تفسیر سورہ المائدہ)

ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ عورتیں نہیں تھیں۔ ہم نے کہا، ہم خصّی نہ ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا، بعد میں ہمیں اجازت دی کہ (محض) کپڑے ہی کو مہر میں دے کر کسی عورت سے نکاح کر لیں پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ اے ایمان والو پاکیزہ چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہیں انہیں حرام نہ کرو۔"[1]

قارئین! غور کیجئے کہ آیت کتنی واضح المطلب ہے اور اسے کسی تفسیر یا مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔ اور خود موصوف مان رہے ہیں کہ "آیت کا مطلب بالکل واضح ہے" مگر اس کے باوجود وہ اس کی تفسیر لکھنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس پر طُرّہ یہ کہ ایک (نام نہاد) حدیث بھی لکھ دی۔ یونکہ ان کے امام صاحب نے بھی اس (نام نہاد) حدیث کو کتابُ التفسیر میں اسی آیت کی تفسیر کے طور پر لکھا تھا غور کیجئے کہ یہ (نام نہاد) حدیث صحابہ کرامؓ کی شہوانیت کی کیا تصویر پیش کر رہی ہے کہ جہاد کے دوران بھی ان کو عورتیں چاہئے ہوتی تھیں (معاذ اللہ)۔ یہ تو آج کے شیطانی معاشرے کے مسلمانوں کی جنگ کے دوران بھی ایسا نہیں ہوتا! چہ جائیکہ اس زمانہ میں؟

مزید غور کیجئے کہ محدث صاحب اور کیا فرمارہے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے محض کپڑے ہی کو مہر میں دے کر کسی عورت سے نکاح کر لینے کی اجازت دے دی تھی!

سوال پیدا ہوتا ہے کہ مہر کے لئے زنانے کپڑے دینا ہوتے تھے یا مردانے ہی سے گزارا ہو جاتا تھا؟

یہ کپڑے مجاہدین کے پاس دوران جہاد کہاں سے آتے تھے؟

محض کپڑا مہر میں لے کر نکاح کرنے کے لئے کون سی عورتیں ملتی تھیں؟

کیا وہ نکاح مستقل ہوتا تھا یا عارضی؟ جبکہ عارضی نکاح کو تو قرآن کریم میں منع کر دیا گیا ہے (۴/۲۴)

قارئین! مزید غور یہ کیجئے کہ اس (نام نہاد) حدیث نے ایک واضح آیت کی کیا مزید وضاحت کی؟ اس (نام نہاد) حدیث کا اوپر کی سورہ المائدہ کی آیت سے کیا تعلق ہے؟ کیا آپ کو کوئی تعلق نظر آتا ہے؟..........

موصوف تو دراصل اس تعلق کو دبا گئے البتہ صحیح بخاری کے ہمارے نسخہ کے مترجمین نے اس تعلق کو (نام نہاد) حدیث کے ترجمہ ہی میں شرح کر کے واضح کر دیا ہے ان کا ترجمہ و تشریح ملاحظہ ہو:

"ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ جہاد پر گئے اور ہمارے ہمراہ عورتیں نہیں تھیں، ہم نے اپنی حرارت اور خواہش سے مجبور ہو کر عرض کیا کہ کیا ہم خصّی نہ جائیں۔ آپؐ نے فرمایا، ایسا مت کرو اور فرمایا کہ تھوڑے یا کم دن کے لئے جس پر عورت راضی ہو جائے، نکاح کر لو، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا......الخ"[2]

---

[1] تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۳۔ ص ۴۷۷۔ ۴۷۷۔۔۔ [2] بخاری جلد دوم۔ کتاب التفسیر۔ سورہ المائدہ۔ باب ۲۶۸ قولہٖ لَا تحرموا طیبٰتِ ما احل اللہ لکم حدیث ۱۷۲۸

قارئین دیکھا آپ نے کہ صحیح بخاری کے مترجمین صاحبان نے کیسا اچھا ترجمہ کیا کہ جو الفاظ عربی عبارت میں نہیں ہیں انہوں نے ترجمہ میں وہ بھی لکھ دیئے۔ اور اس طرح واضح کر دیا کہ قرآن کے بالکل خلاف، عارضی نکاح یعنی متعہ کی اجازت دے دی گئی! اور یہ مترجمین اہل حدیث نہیں ہیں بلکہ یہ اہل فقہ ہیں اور کتاب کا ترجمہ کرنے سے پہلے لکھ چکے ہیں کہ:

"کوشش کی گئی ہے کہ تشریح اہل سنت والجماعت کے عقائد کے مطابق ہو"[1]

تو یہ تھا وہ تفسیری راز جس کے ذریعہ سے مسلم معاشرہ میں فحاشی پھیلانے کی کوشش کی گئی۔

## اہل فقہ کی تفاسیر کا نمونہ

قارئین! ہم آپ کو اہلحدیث عالم کی صحیح ترین تفسیر کے چند نمونے دکھا چکے اب اہل فقہ کے بھی چند مختصر سے نمونے دیکھ لیجئے۔ اصلاحی صاحب کی تفسیر کو تو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگتا ہے یونکہ وہ بھی نو(۹) ضخیم جلدوں پر ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے تو اس کی داستانیں بھی یقیناً ہمارے موصوف کے افسانوں کی طرح طول طویل ہوں گی۔ اس لئے ہم مختصر تفاسیر لیتے ہیں جو قرآن کریم کے حاشیوں ہی پر لکھی گئی ہیں۔ مثلاً **خَزائنُ العِرفان فی تفسیر القراٰن** اور تفسیر عثمانی۔

قارئین یہ پہلا ترجمہ قرآن ہے: "**کنزُ الایمان فی ترجمۃ القراٰن**" (یعنی ترجمۂ قرآن میں ایمان کا خزانہ) از جناب اعلیٰ حضرت مفتی شاہ محمد احمد رضا خان صاحب بریلوی[2] مع تفسیر **خَزائنُ العِرفان فی تفسیر القراٰن** (یعنی تفسیر قرآن میں عرفان یا معرفت کا خزانہ) از صدر الافاضل سید محمد نعیم الدین صاحب (مراد آبادی)۔ پہلے ایک آیت کے ترجمہ کا کمال دیکھئے:-

" اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ﴿۱﴾ لِّيَغۡفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنۡ ذَنۡۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكَ وَيَهۡدِيَكَ صِرَاطًا مُّسۡتَقِيۡمًا ۙ﴿۲﴾ وَّيَنۡصُرَكَ اللّٰهُ نَصۡرًا عَزِيۡزًا ﴿۳﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے تمہارے لئے روشن فتح فرمادی (۱) تا کہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے، اور اپنی نعمتیں تم پر تمام کر دے، اور تمہیں سیدھی راہ دکھا دے (۲) اور اللہ تمہاری زبردست مدد فرمائے (۳)۔ (سورہ الفتح۔ آیات ۱۔۳۔ ص۷۰۶)

غور کیجئے کہ پہلی آیت کتنی واضح طور پر فتح مبین ہونے کی بشارت دے رہی ہے پھر دوسری اور تیسری آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ آپ پر (غالباً صلح حدیبیہ کرنے کی وجہ سے) جو الزامات لگائے گئے ہیں وہ سب ختم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ

---

[1] صحیح بخاری۔ جلد اول۔ ص ۳۳، زیر عنوان ماخذ و مصادر ........ مترجمین حافظ قاری محمد عادل نقشبندی اور قاری محمد فاضل قریشی مجددی۔ قمر سعید پبلشرز۔ لاہور۔ بار دوم۔ ۱۹۷۹۔۔۔ [2] خیال رہے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور صحابہ کبارؓ کے لئے تو لوگ عام طور پر لفظ "حضرت" لکھتے ہیں مگر خان صاحب کے لئے اعلیٰ حضرت لکھا جاتا ہے! سوچئے کہ بڑا کون ہوا حضرت یا اعلیٰ حضرت؟ ویسے بھی اعلیٰ حضرت کے معنیٰ ہوتے ہیں "بڑے حضرت" تو گویا کہ خاں صاحب بڑے حضرت تھے! اس قسم کے القاب استعمال کرنے سے پہلے سوچ لینا چاہئے کہ کیا کہا جا رہا ہے اور اگر رسول کی شان پر حرف آئے تو ایسے لقب کو چھوڑ دینا چاہئے۔

اپنی تمام نعمتیں عطا فرمادیں گے اور صراط مستقیم پر گامزن رکھنے میں زبردست مدد و نصرت فرماتے رہیں گے۔ مگر فاضل ترجمہ نگار نے اس کا ترجمہ کر دیا کہ "اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے" اگر یہ ترجمہ صحیح مان لیا جائے تو رسول اللہ سلامٌ علیہ کے اگلے یعنی ان سے پہلے کے تمام انسان اور ان کے پچھلے یعنی تمام بعد میں آنے والے انسان بخش دیئے گئے! یا اگر اگلوں اور پچھلوں کو صرف امت محمدی میں بھی محدود کر دیں تو اس کے معنٰی ہوئے کہ امت محمدی کے تمام گناہ بخش دیئے گئے۔ یعنی یہ بخشی بخشائی امت ہے۔ تو پھر اب ایمان کے ساتھ عمل کی کیا ضرورت رہ گئی؟ وہ تو شکر ہے کہ خانصاحب نے صرف ترجمہ پر ہی بس کر دی ورنہ اگر کہیں وہ تفسیر بھی لکھ دیتے تو پتہ نہیں کیا ستم ڈھاتے! (ویسے پروفیسر عبدالصمد صارم الازھری صاحب کے مطابق خان صاحب نے تفسیر بھی لکھی ہے۔ واللہ عالم وہ کہاں ہے؟ بہر حال یہ ان کی لاعلمی ہے یا غلط فہمی!)

اس ترجمہ کے ساتھ جو حاشیہ پر تفسیر ہے اس میں لکھا ہے "اور تمہاری بدولت امت کی مغفرت فرمائے (بحوالہ خازن و روح البیان)۔ گویا کہ صاحب خازن اور صاحب روح البیان کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ امت کی بخشش تو ہو چکی مغفرت ہو چکی! اب ڈر کا ہے کا۔ جو چاہو کرو۔

قارئین اگر آپ ذرا سا غور کریں تو آپ کو یاد آ جائے گا کہ یہی عقیدہ تو نصارٰی یا عیسائیوں کا بھی ہے کہ اللہ تعالٰی نے اپنے بیٹے کی قربانی دے کر فدیہ میں پوری امت کو بخش دیا۔ (نعوذ باللہ) اس لئے عیسائیوں کے ہاں کھلی چھٹی ہے کہ جو چاہو کرتے پھرو۔ صرف پادری کے پاس جا کر اعترافِ گناہ کر کے اسے اپنا راز بتا دو۔ تو بخشے بخشائے رہو گے!

قارئین اب ایمانداری سے بتایئے کہ ہمارے تفسیری ترجمہ اور عیسائیوں کے عقیدہ میں کوئی فرق ہے؟؟

اگر سمجھ نہ آئے تو پھر اسی سورہ الفتح کی اگلی آیات پڑھیئے تو بات واضح ہو جائے گی کہ ان تینوں آیات کے باوجود اللہ تعالٰی تو وہی فرما رہے ہیں کہ جنت میں تو صرف ایمان والے ہی جائیں گے اور منافق و مشرک کو عذاب دیا جائے گا اور اللہ تعالٰی ان پر غضب ناک ہوا، انہیں لعنت کی اور ان کے لئے جہنم تیار فرمایا ہے۔ (الفتح، آیت ۴۔۶) تو پھر مغفرت کہاں ہوئی سب کی؟

پھر دیکھئے احتساب والی آیات ( اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ = ۲/۲۱۴ ، ۳/۱۴۲ ، ۹/۱۶ ، وغیر ہم )

جن میں جنت میں جانے کو اتنا آسان نہیں بتایا گیا۔ نیز وہ آیات دیکھئے جن میں بار بار ایمان کے ساتھ عمل صالح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اٰمَنَ باللہ ...... و عمل صالحًا = ( ۲/۶۲ ، ۵/۶۹ ، ۱۸/۸۸ ، ۱۹/۶۰ ، ۲۰/۸۲ ، ۲۵/۷۰ ، ۲۸/۶۷ )وغیر ہم کیا یہ تمام آیات، خان صاحب کا ترجمہ غلط ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں؟ کہ بخشش نہیں ہو چکی بلکہ بخشش کے لئے ایمان کو شرک سے پاک رکھنا ہو گا اور اعمالِ صالح کرنے ہوں گے تو بخشش ہو گی۔ عام فہم بات ہے کہ اگر امت کی بخشش ہو چکی تو مرنے کے بعد کیوں دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں اور دیگر رسومات کرتے رہتے ہیں۔ کیا بغیر ایمان اور عمل صالح کے مرنے کے بعد، دعاؤں اور قُل شریفوں سے مغفرت ممکن ہے؟ کیا دوسروں کی دعائیں اور قُل شریف مرنے والے کے ایمان اور عمل کا بدل ہو سکتے ہیں؟

آگے ایک اور تفسیری نمونہ دیکھئے کہ سورہ الطلاق کی پہلی آیت کی تفسیر میں صدر الافاضل سید نعیم الدین صاحب (مراد آبادی) لکھتے ہیں کہ:

"شان نزول: یہ آیت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی انہوں نے اپنی بی بی کو عورتوں کے ایام مخصوصہ مین طلاق دی تھی۔ سید عالم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ رجعت کریں پھر اگر طلاق دینا چاہیں تو طہر یعنی پاکی کے زمانہ میں طلاق دیں۔۔۔۔۔۔۔ طلاق حسن غیر موطوءَ عورت یعنی جس سے شوہر نے قربت نہ کی ہی کو ایک طلاق دینا طلاق حسن ہے خواہ یہ طلاق حیض میں ہو۔ اور موطوءَ عورت اگر صاحب حیض ہو تو اسے تین طلاقیں ایسے تین طہروں میں دینا جن میں اس سے قربت نہ کی ہو طلاق حسن ہے۔ اور اگر موطوءَ صاحب حیض نہ ہو تو اس کو تین طلاقیں تین مہینوں میں دینا طلاق حسن ہے۔ **طلاقِ بدعی** حالت حیض میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس مین قربت کی گئی ہو۔ طلاق بدعی ہے۔ ایسے ہی ایک طہر مین تین یا دو طلاقیں یکبار گی یا دو مرتبہ میں دینا طلاق بدعی ہے۔"[1]

قارئین! غور کیجئے کہ اس آیت کا شان نزول کیا بتایا جارہا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا حکم کیا بتایا جارہا ہے مگر کیا عاشقینِ سُنت اور عاشقینِ رسول کا یہی طرز عمل ہے؟ ایک وہ مفتی صاحب بھی ہیں جو جمعہ کے جمعہ اخبار وغیرہ میں لکھتے ہیں اور رسول اللہ سلامٌ علیہ کے حکم کے خلاف لاکھوں طلاقیں کرا کے لاکھوں خاندان تباہ کر چکے ہیں!

دوسری بات یہ غور کیجئے کہ کیا آیت کریمہ دو طرح کی طلاقیں بتا رہی ہے ایک طلاق حسن اور دوسری طلاقِ بدعی؟ اللہ تعالیٰ تو طلاق دینے کا ایک ہی طریقہ بتا رہے ہیں مگر مفسر صاحب، بغیر کسی حوالہ کے، دو طریقے بتا رہے ہیں! اسی طرح لوگوں نے بدعت کے بھی دو طریقے ایجاد کر لئے ہیں ایک بدعت حسنہ اور دوسری بدعت سیئہ۔ پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا: كُلِّ بِدعَةٌ ضَلَالَةٌ۔ کہ کُل بدعتیں ضلالت یعنی گمراہی ہیں۔ تو کیا حسنہ اور سیئہ دونوں گمراہی نہیں ہوئیں؟ کیا طلاق بدعی گمراہی نہیں ہوئی؟ کیا یہ تفسیریں گمراہی نہیں پھیلا رہی ہیں؟

قارئین اسی سورہ الطلاق میں آگے چھٹی آیت کی تفسیر کا ایک نمونہ ایک اور اہل فقہ، عاشق سنت و حدیث کا ملاحظہ فرمائیے۔ یہ ہیں جناب شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب (دیوبندی) جن کی تفسیر رئیس المحدثین والمفسرین شیخ الہند محمود حسن صاحب کے ترجمہ قرآن کے ساتھ حاشیہ میں چھپی ہوئی ہے اور تفسیر عثمانی کے نام سے مشہور ہے اور سعودی عرب سے بھی چھاپ چھاپ کر مفت بانٹی جاتی ہے۔ کمال یہ ہے کہ رئیس المفسرین صاحب نے تفسیر نہیں لکھی مگر ان کو یہ لقب مل گیا!

جب عورت کو طلاق دے دی جائے گی تو اس کو فوراً گھر سے نہیں نکالا جائے گا بلکہ دورانِ عدت کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

" اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ .........

(مطلقہ) عورتوں کو (ایام عِدت میں) اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں خود رہتے ہو۔۔"

(سورہ الطلاق۔ آیت ۶)

اب ذرا تفسیر عثمانی ملاحظہ کیجئے، فرماتے ہیں کہ:

"مرد کے ذمہ ضروری ہے کہ مطلقہ کو عدت تک رہنے کے لئے مکان دے (اس کو سکنیٰ کہتے ہیں) اور

---

[1] تفسیر خزائن العرفان فی تفسیر القرآن از سید محمد نعیم الدین صاحب۔ سورہ الطلاق۔ آیت ا۔ ص ۶۶۴ (حاشیہ)

جب سکنٰی واجب ہے تو نفقہ بھی اُس کے ذمہ ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عورت اتنے دنوں تک اُسی کی وجہ سے مکان میں مقید و محبوس رہے گی۔ قرآن کریم کے الفاظ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ ...... میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے، کہ اُس کو اپنے مقدور اور حیثیت کے موافق اپنے گھر میں رکھو۔ ظاہر ہے کہ مقدور کے موافق رکھنا اس کو بھی متضمن ہے کہ اُس کے کھانے کپڑے کا مناسب بندوبست کرے۔ چنانچہ مصحف ابنِ مسعود میں یہ آیت اس طرح تھی: اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ وَ اَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حکم سکنٰی اور نفقہ کا ہر قسم کی مطلقہ کو عام ہے۔ رجعیہ کی قید نہیں۔ کیونکہ پہلے سے جو بیان چلا آتا ہے مثلاً آئسہ۔ صغیرہ اور حاملہ کی عدت کا مسئلہ اس میں کوئی تخصیص نہیں تھی۔ پھر اس میں بلا وجہ کیوں تخصیص کی جائے۔ رہی فاطمہ بنت قیس کی حدیث جس میں وہ کہتی ہیں کہ میرے زوج نے تین طلاقیں دے دی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سکنیٰ اور نفقہ نہیں دلایا۔ اول تو اس حدیث میں فاروق اعظمؓ، عائشہ صدیقہؓ اور دوسرے صحابہؓ و تابعین نے انکار فرمایا۔ بلکہ فاروق اعظم نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے۔ ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اُس نے یاد رکھا۔ معلوم ہوا کہ فاروق اعظم کتاب اللہ سے یہ ہی سمجھے ہوئے تھے کہ مطلقہ ثلاث کے لئے نفقہ و سکنٰی واجب ہے"[1]

قارئین غور کیجئے کہ شیخ الاسلام صاحب کی تفسیر کتنی دلچسپ ہے، دیکھئے:

۱۔ یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یہ رسولی تفسیر نہیں ہے۔ بلکہ آیت کے معنٰی بالکل صاف اور واضح ہیں

۲۔ "عورت مکان میں مقید و محبوس رہے گی" یہ نہ تو قرآنی الفاظ ہیں اور نہ ہی قرآنی منشا ہے بلکہ قید و حبس میں رکھنا صریح ظلم ہے۔ اور شیخ الاسلام صاحب کی اپنی پیداوار ہے۔ قرآن کے خلاف کام یہی لوگ ایجاد کرتے ہیں! قرآن کریم میں لفظ "اَسۡكِنُوۡ" اور "سَكَنۡتُمۡ" استعمال ہوئے ہیں جن کے معنٰی سکونت کے ہیں کہ عورت جس طرح اپنے شوہر کے گھر میں اس کے ساتھ سکونت رکھتی تھی اسی طرح اب بھی رہے گی۔ اس میں نان و نفقہ وغیرہ سب کچھ آگیا۔

۳۔ مصحفِ ابنِ مسعود میں آیت مختلف انداز میں تھی یعنی اس میں وَ اَنۡفِقُوۡا عَلَيۡهِنَّ کے الفاظ بڑھے ہوئے تھے۔ نعوذ باللہ قرآن ایک سے زائد تھے، کسی میں کچھ لکھا ہوا تھا اور کسی میں کچھ! اب شیخ الاسلام صاحب کو جو مصحف عثمانی ملا وہ نامکمل یا تحریف شدہ مصحف ہے کہ اس میں آیات کے الفاظ ہی پورے نہیں!(معاذ اللہ)

قارئین ذرا سوچئے جب شیخ الاسلام صاحب کے ایمان کی یہ حالت ہو کہ ان کا مصحف تحریف شدہ ہو تو پھر ان کے متّبعین کا کیا ایمان ہو گا؟

دراصل یہی وہ نقطۂ عروج ہے کہ ایمان لانے والوں کا ایمان اس مصحف پر ڈانواڈول کر دو۔ پھر ایمان کی ساری عمارت خود بخود نیچے آجائے گی۔ اور (نام نہاد) احادیث اور تفاسیر نے قرآن کریم کے خلاف اس طرح گمراہی پھیلائی کہ آیات کو گھٹانے بڑھانے، بدلنے، بھولنے، منسوخ ہونے کے، بکری کے کھا جانے کے اور پتہ نہیں کیا کیا چکر

[1] تفسیر عثمانی از شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب۔ سورہ الطلاق۔ آیت ۶۔ ص ۷۲۵ (حاشیہ)

چلائے۔ آخر کہیں نہ کہیں تو پانی مریگا اور قرآن پر ایمان متزلزل ہو جائے گا۔ اسی کو کہتے ہیں قرآن کریم کے خلاف سازش۔ اور یہ اس طرح ہوئی کہ ایک (نام نہاد) حدیث گھڑی گئی کہ قرآن سات الفاظ پر اترا تھا اور پھر آیات میں گھٹا بڑھا کر لکھا کہ ابن مسعودؓ کے مصحف میں یوں تھا اور ابن عباسؓ کے مصحف میں یوں تھا۔ پھر ایک تفسیر ہی ابن عباسؓ کے نام سے لکھ دی گئی اور اس میں بہت جگہ یہی کوشش کی گئی کہ قرآنی آیات کو تحریف کر کے پیش کرو۔ جب سازشیوں کا اس سے کام نہ ہوا اور بھانڈا پھوٹ گیا تو انہوں نے یہ پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ قرآن ہی تحریف شدہ ہے اور اس کے کچھ حصے تو بکری کھا گئی تھی اس لئے یہ نامکمل بھی ہے۔ نعوذ باللہ۔ الغرض اس طرح دیوبند کے شیخ الاسلام صاحب بھی قرآن کے خلاف سازش کا شکار ہو گئے حالانکہ وہ چودھویں صدی، جو کہ روشن خیالات کی صدی تھی، کے عالم تھے مگر چونکہ شاید وہ بھی ایمان بالعقل کے قائل تھے اس لئے انہوں نے عقل کو بھی دیو کے ساتھ بند کر دیا تاکہ خرچ نہ ہو اور محفوظ رہے!

۴۔ فاطمہ بنت قیس کی حدیث کو فاروق اعظمؓ، عائشہ صدیقہؓ، اور دوسرے صحابہؓ و تابعین نے نہیں مانا۔ اس سے انکار کیا۔ یعنی کہ وہ پہلے منکرینِ حدیث میں سے تھے۔ اب مُلّا جی لگائیں ان پر فتویٰ!۔

۵۔ انہوں نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث اس لئے نہیں مانی کہ وہ قرآن کریم کی آیت زیرِ بحث کے خلاف تھی۔ اور یہی اصول ہم بھی مانتے ہیں کہ جو بات یا حدیث بھی قرآنی آیات کے خلاف ہو گی وہ غلط ہو گی اور مسترد کر دی جائے گی۔

۶۔ فاروق اعظمؓ اور عائشہ صدیقہؓ سے سازشیوں کو دشمنی اسی وجہ سے تو ہے کہ وہ لوگ صرف قرآن کریم ہی پر ایمان رکھتے تھے اور اسی پر عمل کرتے تھے (نام نہاد) احادیث پر نہ تو ایمان رکھتے تھے نہ ہی عمل کرتے تھے اور نہ ہی نام نہاد احادیث اس زمانے میں تھیں۔

۷۔ فاروق اعظمؓ دشمنی ہی میں یہ ان کے منہ سے کہلوایا جا رہا ہے کہ: "ہم ایک عورت کے کہنے سے اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کی سنت کو نہیں چھوڑ سکتے، ہم کو معلوم نہیں کہ وہ عورت بھول گئی یا اُس نے یاد رکھا۔" ہمارے خیال میں انہوں نے ایسا ہرگز نہیں کہا ہو گا یونکہ وہ خواہ مخواہ میں عورت دشمنی نہیں کرتے تھے اور نہ عورتوں کو کمتر سمجھتے تھے یونکہ وہ رسول اللہ سلامٌ علیہ کے تربیت کردہ تھے اور قرآن کریم کے عالم تھے۔ اور انتہائی فہم و فراست کے حامل تھے اس لئے وہ ایسی احمقانہ بات سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ جس عورت کو طلاق ہوئی تھی وہ یہ بھول جائے گی کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ نے اس کو نان نفقہ دلایا تھا یا نہیں۔ پہلی حقیقت تو یہ کہ اتنی بڑی بات کوئی بھی نہیں بھول سکتا اور دوسری ناقابل تردید حقیقت یہ کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ قرآن کریم کے حکم کے خلاف کبھی بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی لئے ان کے تربیت کردہ شاہکار نے بھی قرآنی حکم کے خلاف حدیث ماننے سے انکار کر کے چوتھے منکر حدیث ہونے کا شرف حاصل کر لیا۔ (خیال رہے کہ پہلے منکرِ حدیث صدیق اعظم، ابو بکرؓ تھے جنہوں نے رسول اللہ سلامٌ علیہ کی بات ان کی موجودگی ہی میں، ان کے سامنے ہی نہیں مانی تھی مگر پھر بھی ان پر کوئی فتویٰ نہیں لگا تھا دوسرے منکر حدیث زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور تیسری منکر حدیث خولہ بن ثعلبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں)

۸۔ شیخ الاسلام صاحب نے جو کچھ بھی لکھا ہے اس میں کسی بھی بات کے لئے کسی اور کتاب کا حوالہ تک نہیں دیا ہے۔ گویا

کہ انہیں یقین ہے کہ جو تفسیر انہوں نے لکھی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اور گمراہی پھیلانے کے لئے نہایت موزوں اسی لئے مشہور کی جارہی ہے۔

۹۔ اب ایک اور چھوٹا سا نمونہ اور دیکھتے چلئے۔ قرآن کریم کی سورہ البلد کی دسویں آیت ہے "وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ" ترجمہ ہے کہ "(یہ چیزیں بھی دیں اور اس کو خیر و شر کے) دونوں راستے بھی دکھا دیئے" اب اس کی تفسیر موضح القرآن از شاہ عبد القادر صاحب ملاحظہ ہو: "یعنی کفر اور ایمان یا دودھ کے پستان" کہئے کیا سمجھ آیا؟

قارئین غور کیجئے یہ افسانہ کہ ابھی ایک ہدایت دینے والا (بعضوں نے اسے مہدی کہا اور بعضوں نے نبی) اور آئے گا، یا وہ افسانہ جو ابراہیم سلامٌ علیہ کا اپنے شیر خوار بچے اور بیوی اور بہو وغیرہ پر ظلم کرنا، یا جھوٹ بولنا، یا اَسّی (۸۰) سال کی عمر میں آپ اپنا ختنہ کرنا یا بکری کا قرآن کریم کا کچھ حصہ کھا جانا یا قرآن کریم کا سات الفاظ یا قرأتوں پر اترنا، یا آیات کا منسوخ ہونا یا بھول جانا وغیرہ وغیرہ سب اس قسم کے افسانے ہیں جو پہلے ذاکرین اور قصہ گویان مجمع لگا کر سُنایا کرتے تھے پھر یہ قصے گھروں میں بوڑھی نانیاں، دادیاں بچوں کو سلاتے وقت سناتی تھیں۔ ان کو قرآن کریم یا دین اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ انہیں قصوں کی وجہ سے بہت سے نامراد، امام یا نبی یا ظلّی نبی ہونے کا دعویٰ کرتے رہے ہیں یا مہدی ہونے کا دعویٰ کرتے رہے ہیں۔ چودھویں صدی میں بھی دورِ غلامی میں برصغیر ہندوپاک میں بھی ایک شخص نے نبی ہونے کا دعویٰ کیا، اور صدی کے آخری سال خانہ کعبہ میں ایک شخص نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا، مگر دونوں ہی کو اللہ تعالیٰ نے نیست و نابود کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرح کی (نام نہاد) احادیث و تفاسیر کی گمراہی سے مغفرعطا فرمائے۔

اہل حدیث و اہل فقہ عام طور پر یہ بات کرتے ہیں کہ (نام نہاد) احادیث قرآن کریم کی شرح ہیں چنانچہ قرآن کریم کا مطلب بغیر اُن کے ملائے ہوئے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہتے ہیں کہ بغیر (نام نہاد) احادیث کے آیت کا اگر کوئی مطلب بیان کیا جائے گا تو وہ تفسیر بالرائے ہو گی، اور ایمان بالعقل ہو جائے گا۔ اور تفسیر بالرائے سب کے یہاں ممنوع ہے۔ تو اس احمقانہ عقیدہ کا جواب دیتے ہوئے امامِ اہلسنت لکھتے ہیں کہ:

وضاحت: "مآل اس قول کا بھی وہی ہے کہ قرآن معمےٰ و چیستاں ہے۔ جب تک روایات اس کے ساتھ نہ ملائی جائیں اس کا مطلب کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ عجیب بات ہے کہ بندوں کے کلام تو اپنے مقصود کے اظہار میں کسی دوسرے کلام کے ملانے کے محتاج نہ ہوں۔ اور کلام الٰہی اپنے مقصود کے اظہار میں ایک خارجی ضمیمہ کا محتاج ہو۔

قرآن ایک قطعی و یقینی چیز ہے اور اخبار و روایات اگر صحیح بھی ہوں تو ظنّی ہیں۔ قطعی چیز کو جب ظنّی چیز کا پابند کر دیا جائے گا اور قطعی کے ساتھ ظنّی کو ملا کر کوئی نتیجہ نکالا جائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ بھی ظنّی ہو جائے گا۔ لیجئے پورا قرآن ظنّی ہو گیا۔ حجت قطعی نہ رہا۔"[۱]

قارئین غور کیجئے کہ قرآن کریم کے خلاف سازش کا مقصد بھی یہی ہے کہ قرآن حجت قطعی نہ رہے اور لوگ سازشیوں کے لٹریچر پر بھروسہ کرنے لگیں اور گمراہ ہو جائیں۔

الغرض یہاں بھی یہ ثابت ہو گیا کہ (نام نہاد) احادیث نہ تو قرآن کریم کی شرح ہیں اور نہ ہی تفسیر۔ نہ ہی رسول

۱۔ "تحفہ اہل سنت" از مولوی محمد عبد الشکور لکھنوی صاحب، مقدمہ تفسیر آیات خلافت۔ ص ۳۴

اللہ سلامٌ علیہ نے علیحدہ سے کوئی تفسیر قرآن بتائی یا لکھائی۔ اور اگر انہوں نے کوئی تفسیر بتائی یا لکھائی تھی تو وہ محفوظ نہیں رکھی جا سکی بلکہ دشمنِ قرآن اور دوستِ قرآن دونوں ہی ڈھیر ساری تفسیریں لکھتے رہے جو کہ قرآنی اصول تفسیر قرآن بالقرآن، کے خلاف لکھی گئیں اور اس قدر زیادہ اور ضخیم لکھی گئیں کہ لوگ بجائے راہ راست پر آنے کے ان کو پڑھ پڑھ کر اور گمراہ ہوگئے اور قرآنِ کریم ان سے مھجور ہو گیا اور وہ تفسیری افسانوں میں کھو گئے۔

یہ بھی ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تفسیری افسانوں اور (نام نہاد) احادیث کی ضرورت نہیں بلکہ اگر قرآن کریم کو سمجھنا ہے تو وہ صرف اور صرف قرآن کو بار بار پڑھنے اور ایک ہی مضمون کی متعلقہ آیات کو (جو نُصّرِفُ الآیات کے اصول کے تحت جگہ جگہ دہرائی گئی ہیں (۶/۴۶ ، ۶/۶۵ ، ۶/۱۰۶ وغیرہم) سمجھنے، تفکر کرنے سے اور قرآن کریم کی محکم آیات کے خلاف ہر بات اور ہر خیال کو جھٹک دینے سے ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص نے قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے لکھنے کی کوشش کی ہے تو اسے بھی انتہائی احتیاط اور تدبر سے پڑھنے کی ضرورت ہے یونکہ ہر انسان سے غلطی ہونے کا امکان ہے۔

## (نام نہاد) احادیث کو کتُب اللہ ماننا شرک فی الکتُب ہے

اس سے پیشتر کہ ہم (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ ماننے کو شرک ثابت کریں پہلے یہ دیکھ لیں کہ ”توحید“ اور ”شرک“ ہے کیا؟ اس سلسلہ میں ہمارے موصوف نے خود باقاعدہ ایک کتاب ”توحید المسلمین“ تالیف کی ہے (اس کے علاوہ انہوں نے اپنی کتاب ”منہاجُ المسلمین“ میں پہلا باب ہی توحید پر لکھا ہے۔ نیز اپنی لکھی ہوئی ”تفسیر قرآن عزیز“ میں بھی جگہ جگہ توحید اور شرک پر لکھا ہے) ہم اسی کے اقتباسات نقل کرتے ہیں:

### توحید اور اس کے معنٰی

”اسلام کے مختلف شعبے ہیں، ان شعبوں میں سب سے اہم شعبہ توحید ہے۔ توحید کا مادّہ ”وحد“ ہے۔۔۔۔۔

”توحید“ اسی مادّہ ”وحد“ سے ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل میں مصدر ہے[1]۔

”توحید“ کے معنٰی ہیں: ”ایک کرنا، ایک بنانا، ایک کہنا، ایک جاننا“

اصطلاحِ شرع میں ”توحید“ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات، صفات اور حقوق میں ایک منفرد اور یکتا مانا جائے، نہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک کیا جائے، نہ اس کی صفات میں کسی کو شریک کیا جائے اور نہ اس کے حقوق میں کسی کو شریک کیا جائے، اللہ تعالیٰ ایک ہے، یکتا ہے، اکیلا ہے اور نرالا ہے، بے نظیر اور بے مثل ہے[2]“۔

---

[1]۔ خیال رہے کہ یہ بات نہ تو اللہ تعالیٰ ہی نے بتائی ہے اور نہ اسکے رسولؐ نے بلکہ یہ قواعد یا گرامر سب انسانوں کی (رسول کے بعد کی) ایجاد ہے جس طرح سے کہ (نام نہاد) حدیث و فقہ و تفسیر وغیرہ۔۔۔ [2]۔ ”توحید المسلمین“ از جماعت المسلمین۔ اشاعت ثانی ۱۹۸۵ء، ”تمہید“ ص ۹۔۱۰

## شرک کے معنیٰ

"شِرْكَةٌ" کے معنی "شریک ہونے" اور "اِشْرَاكٌ" کے معنیٰ "شریک کرنے" کے ہیں۔ ان دونوں مصادر سے "شرک" ایک اسم ہے جو شریک ہونے یا شریک کرنے کے فعل اور اس کی کیفیت کو ظاہر کرتا ہے۔

اصطلاحِ شرع میں "شرک" اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کرنے کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں شرک، توحید کی ضد ہے"[1]۔

## توحید کی اہمیت

"توحید تمام اعمال صالحہ کی اصل اور ایمان و اسلام کی روح ہے، اگر توحید نہیں تو ایمان و اسلام بھی نہیں، بغیر توحید کے تمام اعمالِ صالحہ بیکار ہیں، توحید آخرت میں نجات کے لئے شرط ہے، شرک کی موجودگی میں نجات ناممکن ہے"[2]

## بعض کلمہ گو بھی مُشرک ہوتے ہیں

"گذشتہ عنوان سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ ایمان میں شرک کی ملاوٹ ہو سکتی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ کلمہ گو بھی مشرک ہو سکتے ہیں۔ ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ (یوسف:۱۰۶)

ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان لانے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ بہت سے لوگ ایمان لانے اور کلمہ پڑھنے کے بعد کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس آیت میں ان لوگوں کے لئے تنبیہ ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کلمہ گو ہیں لہذا ہم مشرک نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ خالص توحید چاہتا ہے، توحید میں شرک کی ملاوٹ کو پسند نہیں کرتا۔ توحید میں شرک کی آمیزش کرنے والا مشرک ہو جاتا ہے اور مشرک کی بخشش نہیں۔ ایمان والوں کو چاہئے کہ شرک سے بہت محتاط رہیں"[3]۔

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے مطابق بعض کلمہ گو نہیں بلکہ اکثر یعنی اکثریت مشرک ہوتے ہیں۔

## توحید کی قسمیں

"توحید کی تین بڑی قسمیں ہیں:

(۱) توحید فی الذّات،

(۲) توحید فی الصّفات اور

---

۱۔ ایضاً۔ ص ۱۰۔۔۔ ۲۔ ایضاً۔ ص ۱۰۔۔۔ ۳۔ ایضاً۔ ص ۳۵

(۳)توحید فی الحقوق

توحید کی طرح شرک کی بھی تین قسمیں ہیں:

(۱)شرک فی الذّات،

(۲)شرک فی الصّفات اور

(۳)شرک فی الحقوق

اللہ تعالیٰ کو اس کی ذات میں یکتا، اکیلا اور منفرد ماننا توحید فی الذّات ہے اور اس کی ذات میں کسی کو شریک کرنا شرک فی الذّات ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس کی صفات میں یکتا، اکیلا اور بے مثل ماننا توحید فی الصّفات ہے اور اس کی صفات میں کسی کو شریک کرنا یا اس جیسی صفات کا کسی کو حامل سمجھنا شرک فی الصّفات ہے۔

اللہ تعالیٰ کو اس کے حقوق میں یکتا اور منفرد ماننا توحید فی الحقوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کرنا یا شریک سمجھنا شرک فی الحقوق ہے"[۱]۔

## توحید فی الذّات

"اللہ تعالیٰ کے نہ اولاد ہے اور نہ ماں باپ اور نہ اللہ تعالیٰ کے کوئی بیوی ہے"[۲]۔

اس لئے اس کی ذات سے کسی کو شریک کرنے یا کسی کو اس کا ماں باپ قرار دینے یا بیوی قرار دینے یا بیٹا بیٹی قرار دینے سے شرک فی الذّات ہو جاتا ہے اور شرک معاف نہیں کیا جائے گا (۴/۴۸)، یونکہ ان کے اعمالِ صالحہ ضائع ہو جاتے ہیں (۶/۸۹ ، ۳۹/۶۵) اور وہ مشرک نجس ہو جاتے ہیں (۹/۲۸) ان سے نکاح تک حرام ہے (۲/۲۲۱) اورر ان پر جنّت بھی حرام ہو جاتی ہے (۵/۷۲)

اسی طرح سے اگر اس کی ذات کے علاوہ کسی اور کو بھی الٰہ مان لیا تو بھی شرک فی الذات ہو گیا یونکہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے احد اور یکتا ہے۔

## توحید فی الصّفات

"اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یکتا اور لاشریک ہے، صفات میں نہ کوئی اس کا مثیل ہے نہ کوئی ہمسر"۔[۳]

پس اگر کوئی اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت میں بھی شریک کر دے تو وہ مشرک ہو گیا۔ اس توحید فی الصفات یا شرک فی الصفات کی موصوف نے کم از کم انتالیس (۳۹) قسمیں لکھی ہیں۔ ملاحظہ ہو:

۱۔ توحید فی العلم یعنی ہر چیز کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اس کے علاوہ ہر شخص کا علم ناقص، محدود اور عارضی ہے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے۔(ص ۴۵)[۴]

۲۔ توحید فی الحضور والشہود یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی حاضر وناظر ہے۔(ص ۴۷)

---

[۱] ایضاً۔ ص ۳۶۔۔۔[۲] ایضاً۔ ص ۳۷۔۔۔[۳] ایضاً۔ ص ۴۵۔۔۔[۴] یہ قوسین میں کتاب "توحید المسلمین" کے صفحہ کا نمبر دیا ہے۔ جو صاحب تفصیل دیکھنا چاہیں وہاں دیکھ لیں۔

۳۔ توحید فی الاختیار یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی مختار ہے۔ (ص ۷۸)

۴۔ توحید فی الحکم یعنی حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے، حکم صرف اللہ تعالیٰ کا چلتا ہے (ص ۸۱)

۵۔ توحید فی الکمال الدائم یعنی صرف اللہ تعالیٰ لازوال ہے۔ (ص ۸۴)

۶۔ توحید فی البقاء یعنی اللہ اکیلا ہی باقی رہنے والا، ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے۔ (ص ۸۵)

۷۔ توحید فی المُلک یعنی کائنات کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۸۶)

۸۔ توحید فی مملکتہ یوم الدّین یعنی مالک یوم الدّین صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (ص ۹۴)

۹۔ توحید فی الحمد یعنی تمام تعریفوں کا حقدار صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (ص ۱۰۰)

۱۰۔ توحید فی الھدایۃ یعنی ہادی یعنی صحیح راستہ پر لگا دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (ص ۱۰۳)

۱۱۔ توحید فی الشفاعۃ یعنی قیامت کے روز شفاعت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۱۰۷)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو شفاعت کرنے والا مانتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے۔

(موصوف خود بھی غیر اللہ کی شفاعت کے قائل ہیں!)

۱۲۔ توحید فی الولایۃ یعنی کارساز یعنی کام بنانے والا اور بگڑی بنانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۱۱۲)

جو لوگ غیر اللہ کو یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کو بگڑی بنانے والا مانتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے۔

۱۳۔ توحید فی القدرۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے۔ (ص ۱۱۸)

۱۴۔ توحید فی النَّفع والضَّرّ یعنی نفع، نقصان پہچانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (ص ۱۲۲)

جو لوگ غیر اللہ کو نفع نقصان پہنچانے والا سمجھ کر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے پیچھے لگے رہتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے۔

۱۵۔ توحید فی الدعاء یعنی دُعاء یعنی دُعاء پکار کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہی دعاء و پکار کو سنتا ہے (ص ۱۳۰)

جو لوگ غیر اللہ کو پکارتے ہیں وہ یہ جان لیں کہ پکار کا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے کسی دوسرے کو پکارنا شرک فی الصفت ہے۔

۱۶۔ توحید فی القُوَّۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہی قوی ہے، وہی تمام قوتوں کا مالک ہے (ص ۱۴۳)

جو لوگ غیر اللہ کو بھی قوتوں کا مالک جانتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے،

۱۷۔ توحید فی النُّصرَۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہی مدد کر سکتا ہے، وہی ناصر و مددگار ہے (ص ۱۴۵)

جو لوگ غیر اللہ یعنی اللہ کے بندوں کو ان کی غیر حاضری میں مدد کے لئے پکارتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے۔

۱۸۔ توحید فی اعطاء الملک یعنی بادشاہت دینا صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ (ص ۱۴۸)

۱۹۔ توحید فی العظمۃ و الکبریاء والعُلُوّ یعنی ہر قسم کی عزت و رفعت، عظمت اور کبریائی صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ (ص ۱۵۰)

۲۰۔ توحید فی اِعطاء الرِّزق والمعیشۃ یعنی معاش اور رزق دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۵۳)

۲۱۔ توحید فی السَّعَۃِ والْاِحاطَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر طرف موجود ہے (ص ۶۱)

۲۲۔ توحید فی تدبیر الامور یعنی تمام کاموں کی تدبیر کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۱۶۲)

۲۳۔ توحید فی کشف السُّوْٓء یعنی مشکل کُشا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ (ص ۱۶۴)

۲۴۔ توحید فی التَّنَزُّہ یعنی صرف اللہ تعالیٰ تمام کمزوریوں اور عیوب سے پاک اور منزّہ ہے (ص ۱۷۴)

۲۵۔ توحید فی السَّماعۃ یعنی اللہ ہی ہے جو ہر جگہ سے اور ہر وقت سن سکتا ہے (ص ۱۷۶)

جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ غیر اللہ یعنی اللہ کے بندے بھی غیر حاضری میں یا مرنے کے بعد سُن سکتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے

۲۶۔ توحید فی الاسماع یعنی زندہ ہو یا مردہ، جاندار ہو یا بے جان اللہ تعالیٰ ہی سب کو سنا سکتا ہے (ص ۱۷۹)

حتیٰ کہ رسول بھی مُردوں کو نہیں سنا سکتے (۲۷/۸۰ ، ۳۰/۵۲ ، ۳۵/۲۲) جو لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ پیر دلی یا بزرگ یا رسول قبروں میں ان کی پکار سنتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا ماننا شرک فی الصفت ہے

۲۷۔ توحید فی المثل یعنی اللہ تعالیٰ ہی بے نظیر اور بے مثل ہے۔ اس کے مثل کوئی نہیں ہو سکتا (ص ۱۸۱)

۲۸۔ توحید فی الکلام یعنی بے مثل اور لاثانی کلام صرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔ (ص ۱۸۴)

۲۹۔ توحید فی الْمَشِیْئۃ یعنی جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے۔ (ص ۱۸۷)

دوسروں کے یعنی غیر اللہ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مشیّت نہ ہو۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مشیّت کسی دوسرے کی چاہت کی محتاج نہیں۔

۳۰۔ توحید فی ہَدایۃ السبیل فی البّر و البحر یعنی خشکی و تری میں رہنمائی کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (۱۸۹)

۳۱۔ توحید فی الاعزاز و الاذلال یعنی عزت و ذلت دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۱۹۱)

۳۲۔ توحید فی الْاِحیاءِ وَ الاِمَاتَۃِ یعنی اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ (ص ۱۹۵)

۳۳۔ توحید فی التوفیق یعنی کسی کام کی توفیق دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے (ص ۱۹۸)

۳۴۔ توحید فی الخلق یعنی پیدا کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۲۰۳)

۳۵۔ توحید فی الرُّبُوبِیَّۃ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ربّ ہے، وہی پالنے والا ہے۔ (ص ۲۱۳)

۳۶۔ توحید فی انتظام الکائنات یعنی نظام کائنات چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۲۱۷)

۳۷۔ توحید فی الْاَوَّلِیت وَ الاٰخِرِیَّت یعنی اللہ تعالیٰ ہی اوّل و آخر، سب سے زیادہ ظاہر اور سب سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ (ص ۲۲۸)

۳۸۔ توحید فی شفاء الامراض یعنی بیماری سے شفاء دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۲۲۹)

۳۹۔ توحید فی القضآء یعنی فیصلہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ (ص ۲۳۰)

## توحید فی الحقوق

اللہ تعالیٰ کو اس حقوق میں یکتا اور منفرد ماننا توحید فی الحقوق ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں کسی دوسرے کو شریک کرنا یا شریک سمجھنا شرک فی الحقوق ہے۔ پس اگر کوئی اس کے حقوق میں، کسی ایک حق میں بھی، اس کے بندہ کو شریک سمجھتا ہے تو وہ مشرک ہو گیا۔ اس توحید فی الحقوق یا شرک فی الحقوق کی موصوف نے کم از کم چودہ (۱۴) قسمیں لکھی ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

۱۔ توحید فی العبادۃ یعنی عبادت وعبدیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (ص ۲۳۱)

۲۔ توحید فی الاطاعۃ یعنی اطاعت وفرماں برداری صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ (ص ۲۳۹)

۳۔ توحید فی الرضاء یعنی نیک کام صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کئے جائیں (ص ۲۴۵)

۴۔ توحید الخَشْیَۃ یعنی صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے (ص ۲۵۰)

۵۔ توحید فی التوکّل یعنی بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر کرنا چاہیئے (ص ۲۵۲)

۶۔ توحید فی الاعتکاف یعنی اعتکاف صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ (ص ۲۵۶)

یونکہ سب اللہ اکیلے کے محتاج ہیں (۲۴/۲۸، ۱۵/۳۵، ۳۸/۴۷، ۲۹/۵۵)

۷۔ توحید فی جعل الامام یعنی لوگوں کے لئے امام بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے (ص ۲۵۹)

جو لوگ خود سے امام بنالیتے ہیں اور پھر ان کو اللہ کا فرستادہ مانتے ہیں وہ جان لیں کہ یہ شرک فی جعل الامام ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے (۲/۱۲۴، ۲۱/۷۳، ۳۲/۲۴) اور اللہ تعالیٰ صرف نبیوں ہی کو امام بناتے رہے ہیں۔

۸۔ توحید فی الْحُبّ یعنی شدید ترین محبت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہیئے اور دوسروں سے محبت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہونے چاہیئے (ص ۲۶۳)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ شدید ترین محبت (جس کو بہت سے لوگ عشق بھی کہتے ہیں گو کہ وہ ایک بیہودہ لفظ ہے) اللہ کے کسی بندے یا رسول سے کرتے ہیں وہ جان لیں کہ غیر اللہ سے اللہ تعالیٰ کے برابر محبت کرنا شرک فی الحب ہے (۲/۱۶۵)

۹۔ توحید فی النذر یعنی نذر صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے (ص ۲۶۶)

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیر اللہ کے لئے نذر نیاز کرتے ہیں وہ جان لیں کہ ایسا کرنا شرک فی النذر ہے (۲/۱۷۳، ۱۱۸۔ ۱۱۹/۴، ۵/۳، ۵/۱۰۳، ۶/۱۳۷، ۶/۱۳۶، ۷/۱۹۰، ۱۶/۱۱۵، ۱۶/۵۶)

۱۰۔ توحید فی التشریع یعنی شریعت سازیا قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے (ص ۲۷۱)

یعنی "شریعت صرف اللہ تعالیٰ بناتا ہے اور اُسی شریعت کو انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل کر کے انہیں اس کو قائم کرنے کا حکم دیتا ہے، شریعت سازی انبیاء علیہم السلام بھی نہیں کرتے بلکہ وہ نازل شدہ شریعت کو قائم کرتے ہیں" (ص ۲۷۷)

"انبیاء علیہ السلام بھی اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں کر سکتے" (ص ۲۷۹)

قارئین! غور کیجئے کہ اس مقام پر موصوف ''توحید فی التشریح'' کے بارے میں لکھنا بھول گئے کہ اللہ کی نازل کردہ شریعت کر تشریح کرنا بھی سورہ القیمہ کی آیت ۱۹ کی رُو سے اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ (جبکہ دوسرے مقامات پر اس بات کو مانا ہے)[۱]

۱۱۔ توحید فی الدین یعنی دین صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، اس میں کمی بیشی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے (ص ۲۸۱)

''توحید کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں اللہ تعالیٰ ہی کی بات مانے، دوسرے کی بات ہر گز نہ مانے ورنہ شرک فی الدین لازم آئے گا'' (ص ۲۸۹)

نیز ۳/۷ اور ۴۴/۵ کے مطابق جو کوئی اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ دین یعنی قرآن مبین کے علاوہ کسی اور چیز مثلاً (نام نہاد) احادیثِ بخاری و مسلم وغیرہم، یا فقہ و فتاویٰ کی پیروی کرے یا اس کے مطابق حکم کرے تو وہ کافر ہے۔ اس لئے جو لوگ قرآن کریم میں جو کچھ بتایا گیا ہے کے علاوہ کچھ اور عمل شامل کرتے ہیں وہ شرک فی الدین کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جو عمل قرآن کریم میں نہیں بتایا آپ اپنی طرف سے شروع کر کے اسے دین کا درجہ دے دیتے ہیں تو آپ شرک فی الدین کے مرتکب ہیں۔

۱۲۔ شرک فی التسمیة یعنی نام میں عبدیّت اور بخشنے کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف کرے (ص ۲۹۲)

''عبد ہم صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں، کسی اور کے نہیں، کسی دوسرے کا عبد بننا یہ مسلم کا کام نہیں بلکہ کفر کا کام ہے، جو شخص ایسا کام کرے گا وہ مسلم نہیں رہے گا کافر ہو جائے گا۔

اس آیت سے (۳/۸۰) معلوم ہوا کہ عبد الرسول، عبد النبی، عبد الحسین عبد العلی وغیرہ نام رکھنا کفر و شرک ہے'' (ص ۲۹۳)

''جو لوگ اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے وہ تو بالکل بے بس ہوئے لہذا وہ کسی کو بچّہ کیا دیں گے، بچّہ تو وہ دے سکتا ہے جو پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہو، لیکن جو پیدا کرنے کی قوت نہ رکھتا ہو اس کچھ بھی نہ پیدا کر سکتا ہو وہ بچّہ کیسے پیدا کر سکتا ہے، ان کی بے بسی کا تو یہ عالم ہے کہ دوسرے کو بچہ دینا تو کجا یہ تو اپنی پیدائش میں بھی دوسرے کے محتاج ہیں۔ (۱۸۹۔۱۹۲/۷)

اللہ تعالیٰ اکیلا ہی خالق ہے، وہی بچہ پیدا کر سکتا ہے اور بچہ دے سکتا ہے، لہذا بچہ کی بخشش کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا چاہئے نہ کہ کسی اور کی طرف۔ مثلاً اللہ بخش، اللہ داد وغیرہ نام رکھے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر حسین بخش، علی بخش وغیرہ نام رکھے تو شرک ہو گا'' (ص ۲۹۴)

۱۳۔ توحید فی الاستعانة یعنی مدد صرف اللہ تعالیٰ سے مانگنی چاہئے (ص ۲۹۵)

جو لوگ غیر اللہ سے اور قبروں سے مدد مانگتے ہیں وہ جان لیں کہ ان کا عمل شرک ہے۔

۱۴۔ توحید فی الحلف یعنی قسم صرف اللہ تعالیٰ کی کھانی چاہئے (ص ۲۹۷)

---

[۱] اپنی تفسیر کے مقدمہ میں شروع ہی میں انہوں نے سورہ القیمہ کی آیت ۱۹ لکھ کر ترجمہ لکھا ہے کہ: ''اس کی تفسیر بھی یقیناً ہمارے ذمہ ہے'' اور پھر اگلے صفحہ پر لکھا ہے کہ: یہ دونوں آیات اس بات کی واضح مثال ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر قرآن مجید میں ہوتی ہے'' (ص ۹)

ہم نے قارئین کی اطلاع کے لئے توحید اور شرک کی تقریباً تمام قسمیں اپنے موصوف کی کتاب سے نقل کر دی ہیں۔ اب ہم آتے ہیں اپنے اصل مضمون کی طرف یعنی کیا (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ ماننا شرک فی الکتاب ہے؟ اس کی وضاحت کے لئے ہم موصوف ہی کی کتاب "توحید المسلمین" میں سے "توحید فی الصفات" کے زیر عنوان توحید فی الکلام نقل کرتے ہیں

## توحید فی الکلام

"بے مثل اور لاثانی کلام صرف اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

۱۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۠ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٢٣﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٤﴾ (بقرہ:۲۳،۲۴)

اور (اے لوگو) اگر تمہیں اس کلام (کے) جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا گیا ہے (کلام الٰہی ہونے) میں کچھ شک ہے تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنالاؤ اور اللہ کے علاوہ جن جن کو تم حاضر و ناظر سمجھتے ہو انہیں بھی (مدد کے لئے) بلالو، اگر تم سچے ہو (تو یہ کام کر دکھاؤ)، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔

۲۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٣﴾ (ہود:۱۳)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن مجید کو رسول نے خود ہی بنالیا ہے، (اے رسول آپ ان سے) کہہ دیجئے (کہ اگر یہ میرا یعنی انسانی کلام ہے) تو پھر اس جیسی دس سورتیں تم بھی بنالاؤ اور اللہ کے علاوہ جس جس کو بلا سکتے ہو (اپنی مدد کے لئے) بلالو، اگر تم (اس کے انسانی کلام کہنے میں) سچے ہو (تو تم یہ کام کر دکھاؤ)

۳۔ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ﴿٨٨﴾ (اسراء:۸۸)

(اے رسول آپ) کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات سب مل کر اس بات کی کوشش کریں کہ اس قرآن جیسی کوئی کتاب لے آئیں تو وہ اس اس کے مثل کوئی کتاب نہ لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کی مدد ہی کیوں نہ کریں۔

۴۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ (الانعام:۹۳)

اور اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا (۱) جو اللہ پر جھوٹ افتراء کرے (۲) جو یہ کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اس کی طرف کچھ بھی وحی نہ کی گئی ہو اور (۳) جو یہ کہے کہ جس طرح کا کلام اللہ نے نازل فرمایا

ہے اسی طرح کا کلام میں بھی (اپنے دماغ سے) اتار سکتا ہوں۔

۵۔ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ تَقَوَّلَہٗ ۚ بَلۡ لَّا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۳۳﴾ فَلۡیَاۡتُوۡا بِحَدِیۡثٍ مِّثۡلِہٖۤ اِنۡ کَانُوۡا صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۴﴾ (طور:۳۳،۳۴)

کیا کفار یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن رسول نے خود بنالیا ہے، نہیں بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ یہ اس پر ایمان نہیں لاتے (نہ ایمان لانے کا ارادہ کرتے ہیں اس لئے طرح طرح کی باتیں بناتے ہیں) اگر یہ سچے ہیں تو اس جیسا کلام خود بنا کر لے آئیں۔

۶۔ اَمۡ یَقُوۡلُوۡنَ افۡتَرٰىہُ ؕ قُلۡ فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَۃٍ مِّثۡلِہٖ وَ ادۡعُوۡا مَنِ اسۡتَطَعۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ صٰدِقِیۡنَ ﴿۳۸﴾ (یونس:۳۸)

کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو رسول نے خود بنالیا ہے (اے رسول آپ) کہہ دیجئے کہ اگر تم اس (دعوے میں) سچے ہو تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنالاؤ اور جن جن کو تم اللہ کے علاوہ (اپنی مدد کے لئے) بلاسکتے ہو بلالو۔

مندرجہ بالا آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام بے نظیر ہوتا ہے، مخلوقات میں سے کسی میں یہ قوت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے مثل کوئی کلام پیش کر سکے۔ اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہوگا اور وہ بہت بڑا ظالم ٹھہرے گا۔"[1]

قارئین غور کیجئے کہ موصوف نے جو آیات "توحید فی الکلام" جو کہ "توحید فی الصفات" کی ایک قسم ہے کے بارے میں پیش کی ہیں ان سے کیا سبق ملتا ہے:

۱۔ "اور (اے لوگو) اگر تمہیں اس کلام کے جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے (کلام الٰہی، ہونے) میں کچھ شک ہے"۔ (آیت نمبر۱)

★۔ یہ کونسا کلام ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ قرآن مجید ہے جس کے شروع ہی میں ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۛ فِیۡہِ ۚۛ (۲/۲) کہہ کر ہر طرح کا شک ختم کر دیا گیا۔ یہ (نام نہاد) حدیث نہیں۔ نہ ہی اس کے لئے یہ اعلان کیا گیا۔ خود موصوف نے اسے قوسین میں کلام الٰہی لکھا ہے۔

★۔ نازل کون سا کلام کیا؟ ظاہر ہے کہ یہی قرآن کریم نازل کیا جس میں کوئی شک نہیں (نام نہاد) حدیث نازل نہیں ہوئی۔ نہ ہی اس کے لئے کوئی اس طرح کی آیت ہے۔

★۔ یہ کلام کس پر نازل ہوا؟ ظاہر ہے کہ یہ کلام یعنی قرآن کریم محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہوا، کسی اور پر نہیں۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث میں ہر حدیث رسول اللہ سلامٌ علیہ کی طرف منسوب تک نہیں بلکہ دوسروں کی طرف بھی منسوب ہیں مگر حدیث کہلاتی ہیں۔ تو کیا ایسا کلام بھی کلام اللہ یا کتاب اللہ ہو سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔ کیا (نام نہاد) احادیث کو کلام اللہ کہا جاسکتا ہے؟ اگر نہیں تو پھر وہ کتاب اللہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

۲۔ "تو اس کے مثل ایک سورت تم بھی بنالاؤ" (آیت نمبر۱)

★۔ یہ سورت کہاں ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ کلام اللہ یعنی قرآن کریم ہی میں ہوتی ہے (نام نہاد) حدیث کی کتابوں

---

[1] ایضاً ص ۱۸۴۔۱۸۶

میں نہیں۔

★۔ کیا بنا کر لانے کا چیلنج ہو رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ کتب اللہ کی ایک سورۃ جیسی / مثل بنا کر لانے کا چیلنج ہو رہا ہے (نام نہاد) حدیث بنا کر لانے کا چیلنج نہیں۔ وہ تو دشمنانِ قرآن نے لاکھوں کے حساب سے بنا کر پھیلائیں اور مسلمین کو گمراہ کیا۔ ان کا بنانا کیا مشکل ہے۔ پس اگر (نام نہاد) احادیث بھی کلام اللہ یا کتاب اللہ ہوتیں تو وہ گھڑی نہ جا سکتیں جبکہ (نام نہاد) احادیث لاکھوں گھڑی گئیں۔ اور اب بھی گھڑلی جاتیں ہیں!

۳۔ "اور اللہ کے علاوہ جن جن کو تم حاضر وناظر سمجھتے ہو انہیں بھی (مدد کے لئے) بلالو" (آیت نمبر ۱)

★۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کس کس کو لوگ حاضر وناظر سمجھتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ لوگ رسول کو، اپنے خود ساختہ اماموں و پیروں وغیرہ کو حاضر وناظر سمجھتے ہیں۔ تو اگر انہیں بھی مدد کے لئے بلالیا جائے تو وہ بھی کلام الٰہی کا مثل کلام نہیں بنا سکتے۔ اور نہ ہی ان حضرات میں سے کسی نے کلام الٰہی کے مثل کلام بنام حدیث بنانے کا دعویٰ کیا۔

۴۔ "اگر تم سچے ہو (تو یہ کام کر دکھاؤ)، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور ہر گز نہ کر سکو گے تو پھر اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں" (آیت نمبر ۱)

★۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی بتا دیا کہ کلام الٰہی جیسا نزول دوسرے لوگ خواہ وہ رسول، امام پیر ولی کوئی بھی ہوں، نہیں بنا سکتے (یونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ کا تصور بھی نہیں کر سکتے یہ تو صرف دشمنانِ قرآن ہی ہیں جو اس قسم کی شرارت کریں گے جن کے لئے آگ تیار کی گئی ہے اور وہ اس کا ایندھن ہوں گے)

۵۔ دوسری آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشرکین قرآن مجید پر اعتراض کرتے تھے کہ رسول نے خود بنالیا ہے اس لئے انہیں چیلنج کیا گیا کہ اگر کوئی انسان ایسا کلام الٰہی بنا سکتا ہے تو تم سب مل کر اس کے مثل دس سورتیں بنالاؤ۔ (ہود:۱۳)

حقیقت واضح ہوگئی کہ صرف قرآن کریم ہی نازل ہو رہا تھا اور رسول صرف آیات اور سورتیں ہی پڑھ پڑھ کر سناتے تھے۔ اور صرف اسی کو وحی الٰہی کہتے تھے اس لئے مشرکین اس پر اعتراض کرتے تھے۔ اگر وہ (نام نہاد) حدیث بھی سنا رہے ہوتے اور کہتے کہ یہ بھی نازل شدہ اور وحی ہیں تو پھر یقیناً مشرکین اس پر بھی اعتراض کرتے۔ اور (نام نہاد) احادیث پر یہ اعتراض ہوتا بھی حقیقت، یونکہ ازکالب ولہجہ وانداز وہ نہیں جو کلام الٰہی کا ہے بلکہ وہ خالص انسانی کلام ہیں۔ مگر اس قسم کا کوئی اعتراض اور اس کا جواب قرآن کریم میں نہ ہونے سے یہ ثابت ہو گیا کہ:

(نام نہاد) احادیث نہ تو نازل شدہ وحی ہیں اور نہ ہی اس وقت ان کا وجود تھا ورنہ ان پر بھی ضرور مشرکین اعتراض کرتے۔

۶۔ تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر یہ اعلان کر دیا کہ انس وجن آپس میں مل کر بھی اس کتاب اللہ یا کلام اللہ یعنی قرآن کریم کے مثل کتاب نہیں لا سکتے۔ تو پھر فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ (نام نہاد) احادیث بھی کتاب اللہ یا اس کے مثل کیسے ہو سکتی ہیں؟ جو کہ لاکھوں کے حساب سے بنائی گئیں۔

پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ کہنا شیطانی عقیدہ ہے اس کا کلام الٰہی سے کوئی تعلق نہیں۔ کلام الٰہی تو خود منفرد ویکتا بے نظیر ہوتا ہے۔

۷۔ چوتھی آیت سے یہ حقیقت ثابت ہو گئی کہ (نام نہاد) احادیث کو مثلِ قرآن یعنی کتاب اللہ قرار دینا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ افتراء کرنا ہے (یونکہ رسول سلامٌ علیہ نے نہ تو یہ دعویٰ کیا کہ یہ نام نہاد احادیث اُن پر وحی کی گئیں اور نہ ہی یہ دعویٰ کیا کہ اللہ کے کلام کے مقابلہ پر یا اس کے موافق وہ بھی کلام بنا سکتے ہیں۔ نہ ہی انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ قرآن مبین کی شرح مجھ پر قرآن کے علاوہ نازل ہوتی ہے بطور وحیٔ پوشیدہ! (اگر کسی کے پاس رسول کا اس قسم کا دعویٰ ہے تو پیش کرے!) پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ یا کلام اللہ قرار دینا سب سے بڑا (اَظْلَمُ) ظلم ہے یعنی سب سے بڑا شرک ہے۔

۸۔ پانچویں آیت میں کلام الٰہی (کتاب اللہ یعنی قرآن کریم) ہی کو "**حدیث**" کہا گیا اور مشرکین کو جو کلام الٰہی کو کلامِ رسول قرار دیتے تھے چیلنج کیا گیا کہ اگر وہ سچے ہیں تو اس کلام الٰہی کے مثل حدیث خود بنا کر لے آئیں۔
پس ثابت ہوا کہ اس زمانہ میں (نام نہاد) حدیث کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔

۹۔ چھٹی آیت میں بھی پہلی آیت والا چیلنج دہرایا گیا ہے کہ کتاب اللہ کے مثل ایک سورۃ بنا لاؤ۔ اگر (نام نہاد) احادیث بھی کتاب اللہ ہوتیں تو پھر تو اللہ تعالیٰ کا یہ چیلنج بیکار ہو جاتا! صاف ظاہر ہے کہ اس گھڑے گھڑائے مواد کا کتاب اللہ کی سورہ سے کیا مماثلت ہو سکتی ہے!

۱۰۔ ان آیات کے بعد موصوف کا خلاصہ ایک بار پھر پڑھیئے اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام (یعنی کتاب اللہ جو نازل ہوئی ہے) بے نظیر اور بے مثل ہوتا ہے اور کسی میں بھی یہ قوت نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کے مثل کوئی کلام پیش کر سکے۔ تو پھر موصوف کیسے کلام بخاری، کلامِ مسلم، کلام ابنِ حجر کو کلام الٰہی یا کتاب اللہ قرار دے رہے ہیں؟؟

انہی کے اپنے "خلاصہ" کے الفاظ میں:

"اور جو شخص ایسا دعویٰ کرے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہو گا اور وہ بہت بڑا ظالم ٹھہرے گا"

قارئین! پھر یاد کر لیجئے کہ شرک کی تین بڑی قسمیں ہیں۔ (۱) شرک فی الذّات (۲) شرک فی الصّفات اور (۳) شرک فی الحقوق۔

کتاب اللہ یا کلام الٰہی منفرد، یکتا، بے نظیر اور بے مثل ہوتا ہے اس لئے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ اس لئے جو کوئی کلام انسانی کو، جو کہ بالمعنیٰ اور ظنّی ہو، کلام الٰہی سے شریک یا اسے کلام الٰہی قرار دے وہ شرک فی الکُتب یا شرک فی الکلام کا مرتکب ہوا۔ دوسرے لفظوں میں وہ شرک فی الصّفات کا مرتکب ہوا۔

پس ثابت ہوا کہ (نام نہاد) احادیث کو کتاب اللہ قرار دینا شرک ہے۔ یونکہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ کلام میں بندوں کے کلام کو شامل کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں شرک کی تمام اقسام سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

## اَطِیعُوا الرَّسُول۔ (اطیعوا محمد یا اطیعوا الحدیث نہیں کہا گیا)

قارئین اتنے بہت سے عقلی و نقلی دلائل اور سینکڑوں آیات الٰہی پڑھنے کے بعد بھی آپ سے یہ سوال کیا جائے گا کہ اگر (نام نہاد) احادیث کو نہ مانیں تو پھر "اطیعوا الرسول" پر عمل کیسے کریں گے جبکہ رسول کی اطاعت تو ان کی سنت یعنی (نام نہاد) حدیث پر عمل کر کے ہی ہو سکتی ہے۔

اس سوال کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ پہلے تو حکم "اطیعوا اللہ" کا ہے تو پھر اس پر کیسے عمل کریں گے؟ اللہ کی سنت کیسے معلوم ہو گی؟

سیدھی سی حقیقت ہے کہ اللہ کی اطاعت اس کے احکام پر عمل کرنا ہے اور خود رسول بھی اللہ ہی کے احکام یعنی قرآن کریم کی اطاعت کرتے تھے۔ شروع ہی میں اللہ تعالیٰ نے (بنی) آدم سے فرما دیا تھا کہ:

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

"تم سب یہاں سے اتر کر (زمین پر چلے) جاؤ، پھر جب کبھی تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو (اس کی پیروی کرنا)، جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے انہیں روز محشر نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے" (تفسیر قرآن عزیز، جزء اول، سورہ البقرہ آیت ۳۸، ص ۲۱۱) (مزید دیکھئے ۲۰/۱۲۳)

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ھُدیً یا ہدایت کیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ خود ہی بتاتے ہیں کہ یہ "الکتٰب" ہے:

" وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾

اور (اے رسول) ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کر دی ہے جس میں ہر چیز کا بیان ہے (اسی بیان کی بنیاد پر آپ ان گواہوں کی تائید کریں گے) اور (اے رسول) یہ کتاب ایسی ہے کہ اس میں مسلمین کے لئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور بشارت ہے" (تفسیر قرآن عزیز، جزء ۵۔ سورہ النحل آیت ۸۹، ص ۹۴۵) مزید دیکھئے ۷/۵۲، ۶/۱۵۸، ۱۲/۱۱۱)

غور کیجئے کہ اس الکتٰب میں ہر چیز کا بیان ہے اور موصوف خود یہ ترجمہ کر رہے ہیں۔ اور اس الکتٰب ہی میں مسلمین کے لئے ہدایت ہے، رحمت ہے اور بشارت ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ رسول بھی اسی ہدایت یعنی الکتٰب کی اتباع کرتے تھے۔ تو اللہ تعالیٰ خود ہی بتاتے ہیں کہ:

(۱)۔ " وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اور اس کتاب کو بھی ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ بڑی بابرکت کتاب ہے (اس میں بھی وہ احکام موجود ہیں جو تم کو پڑھ کو سنائے جا چکے ہیں) لہٰذا تم اس کتاب کی پیروی کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے" (تفسیر قرآن عزیز، جزء ۴۔ سورہ الانعام آیت ص ۱۵۶، ص ۲۸۴)

(۲)۔ آگے اسی سورہ الانعام ہی میں اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ (۱۸) انبیاء کرام کا ذکر کیا ہے (آیات ۸۴ سے ۹۰) پھر فرمایا:

" أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ط۔

یہ انبیاء تو وہ تھے کہ جن کو اللہ نے ہدایت دی تھی، (اے رسول) آپ بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کیجئے"
(تفسیر قرآن عزیز، جزء ۴۔ سورہ الانعام، آیت نمبر ۹۱، ص ۱۴۸)

غور کیجئے کہ ان اٹھارہ انبیاء کرام کی ہدایت (نام نہاد) احادیث میں نہیں تھی بلکہ اسی الکتٰب میں ہے جو رسول اللہ سلامٌ علیہ پر نازل ہوئی۔ (اسی لئے ان تمام آیات میں الکتٰب یا کتٰب صیغۂ واحد میں استعمال ہوا ہے جمع میں نہیں)۔ آگے اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ سلامٌ علیہ ہی کی زبان مبارک سے کہلوا دیا کہ:

" وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ط قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِنْ رَبِّي ج هَٰذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۝۲۰۳

اور (اے رسول) جب آپ ان کو کوئی آیت نہیں سناتے تو (آپ سے) کہتے ہیں کہ آپ خود ہی کوئی بات منتخب کر کے ہمیں کیوں نہیں سنا دیتے، آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اس چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے (اور جو باتیں مجھ پر وحی کی جا رہی ہیں) یہ تمہارے رب کی طرف سے (تمہارے لئے بڑی) بصیرت آفریں ہیں اور ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہیں۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء ۴۔ سورہ الاعراف آیت نمبر ۲۰۳، ص ۶۵۶)

غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بات شروع ہوئی ہے "آیت نہ سنانے سے"۔ اور آیت صرف "الکتٰب" یعنی قرآن کریم ہی میں ہوتی ہے (نام نہاد) احادیث میں نہیں۔ اس لئے ثابت ہوا کہ صرف قرآن کریم ہی بطور ھُدًی یعنی ہدایت نازل ہوا اور رسول اللہ سلامٌ علیہ خود اس ہی کی پیروی کرتے تھے۔ اور موصوف نے بھی اس پیروی کئے جانے والی ہدایت کو بطور قرآن مجید مان لیا ہے چنانچہ وہ اسی آیت کی اپنی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

"تفسیر: اس آیت میں کافروں کو اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ ان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئے تو قرآن مجید کی باتیں انہیں بھی راہ راست پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچا دیں گی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن جائیں گے" (ص ۶۵۷)

غور کیجئے کہ ان آیات کریمات میں موصوف نے خود صرف قرآن کریم ہی کو نازل شدہ، ہدایت وہ رحمت اور ہر چیز کا بیان رکھنے والی کتاب مان لیا تو کیا اب کسی اور کتاب کی بطور شرح ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟ نیز موصوف یہ بھی مان رہے ہیں کہ رسول بھی اسی "الکتٰب" کی پیروی کرتے تھے۔ تو پھر وہ کیوں چاہتے ہیں کہ اب مسلمین اس "الکتٰب" کے علاوہ غیر اللہ کی کتابوں کی پیروی کریں؟؟؟؟

ان آیات کریمات سے موصوف اور دیگر اہلحدیث و اہل فقہ کا یہ استدلال بھی باطل ہو جاتا ہے کہ: "قرآن تک تو ہم حدیثِ رسول کے ذریعہ سے پہنچے ہیں۔" جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم تو رسول تک بھی اسی قرآن کریم کے ذریعہ سے ہدایت پانے کے بعد پہنچے ہیں۔ اسی قرآن کریم نے ان کو محمد رسول اللہ، نذیر، بشیر، نبی، رؤف رحیم، رحمۃ اللعالمین سب ہی کچھ بنا دیا ورنہ تو انہیں کوئی محمد بن عبد اللہ کی حیثیت سے بھی نہ جانتا ہوتا۔ اسی قرآن کریم کی اتباع نے انہیں

عرب و عجم کا بادشاہ بنا دیا ورنہ آج دنیا کے سو عظیم آدمیوں میں ان کا نام نامی اسم گرامی سب سے اوپر نہ ہوتا[1]۔ اگر اس "الکتٰب" کو "الناس" تک پہنچانا نہ ہوتا تو ان کو نبی یا رسول نہ بنایا جاتا۔ چونکہ اس "الکتٰب" کی رسالت کا کام لینا تھا اس لئے ان کو رسول بنایا گیا اور اسی لئے "الناس" کو حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں، یوم آخرت کے ساتھ ان پر اور دیگر رسولوں پر بھی ایمان لاؤ۔ اور ان کی لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرو۔

(۱) **اطیعوا محمد یا اطیعوا الحدیث" نہیں کہا گیا بلکہ اطیعوا الرسول کہا گیا** اور اس کی وضاحت "تَبِعَ هُدَایَ" (۲/۳۸) فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (۶/۹۱) وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ (۶/۱۵۶) کہہ کر کی گئی۔ یعنی ہر قیمت پر اتباع، پیروی صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رسالت کی یعنی اس کے احکام کی کرنا ہے اور رسول کا کام تو رسالت یعنی اللہ کے احکام و ہدایت پہنچانا تھا۔ اور اس کو خود موصوف نے سورہ یونس کی تفسیر میں مانا ہے۔

> تفسیر: "الغرض پیروی صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرنی چاہئے۔ انسانوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو محتاج رہتا ہے۔ اُس کی بھیجی ہوائی ہدایت پر عمل کر کے ہی وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو بجائے اُس شخص کے احکام کے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایت کی پیروی کرنے والے ہی نجات پاتے ہیں۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۵۔ سورہ یونس، آیت نمبر ۳۵، ص۹۸)

کہئے قارئین! اب بات واضح ہو گئی کہ "اطیعو اللہ و اطیعو الرسول" کے کیا معنی ہیں کہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی یا اتباع کی جائے گی یعنی اس ہدایت کی اتباع کی جائے گی جو رسول پیغام / رسالت لے کے آئے اور اسی کو اطاعت رسول کہا گیا ہے۔ بات بالکل سیدھی سی ہے کہ اطاعت تو صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے یہ حق کسی اور کو نہیں دیا جا سکتا خواہ وہ نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہو۔ یونکہ وہ خود سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتا ہے۔ اور ہمارے موصوف نے بھی یہ حقیقت سورہ الحج کی اپنی صحیح ترین تفسیر میں مانی ہے کہ:

> تفسیر: "اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، دوسروں کو یہ حق نہ دو" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۶، سورہ الحج، آیت نمبر ۳۴، ص۱۸۷، نیز آیت ۱۷۷، سورہ البقرہ، جزء۱۔ ص ۵۸۴)

رسول اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرتا ہے اور "الناس" کو اسی کی طرف دعوت دیتا ہے وہ اپنی طرف سے کوئی نئے احکام نہیں دیتا اور نہ ہی کوئی نئی کتاب بناتا یا لکھتا ہے۔ ورنہ تو پھر دو احکام ہو گئے: ایک اللہ کا حکم اور ایک رسول کا حکم (نعوذ باللہ) (جیسا کہ عام طور پر اہل حدیثوں اور اہل فقہ کا عقیدہ ہے)۔ لیکن ایسا ہو نہیں ہو سکتا یونکہ حکم صرف ایک ہی ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

(۱)۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (۶/۵۷، ۱۲/۴۰، ۱۲/۶۷) حکم کسی کا نہیں چلتا سوائے اللہ کے

(۲)۔ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ (۶/۶۲)۔ خبر دار ہو جاؤ حکم اسی (مالک حقیقی) کا چلتا ہے

(۳)۔ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ (۳/۱۵۴)۔ (اے رسول) آپ کہہ دیجئے تمام معاملات اللہ ہی کے اختیار میں ہیں۔

(۴)۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ (۷/۵۴)۔ خبر دار ہو جاؤ مخلوق اسی کی ہے لہٰذا اس کی مخلوق میں حکم بھی اسی کا چلتا ہے)

[1] دیکھئے مشہور زمانہ، ایک غیر مسلم کی لکھی ہوئی، کتاب "سو عظیم آدمی" از مائیکل ھارٹ۔ ترجمہ عاصم بٹ، ادارہ تخلیقات لاہور۔

اور اس کے حکم کے ساتھ کسی کا حکم شریک نہیں کیا جا سکتا:

(۱)۔ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا (۱۸/۲۶)۔ (اور وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا)

(۲)۔ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (۶/۲۲)۔ (تمہارا الٰہ تو جس ایک الٰہ ہے)

(۳)۔ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (۴۷/۱۹)۔ (تو (اے رسول اچھی طرح) سمجھ لیجئے اللہ کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں)

پس ثابت ہوا کہ اطیعوا الرسول کے معنی رسول کی طرف منسوب (نام نہاد) احادیث کی اطاعت کرنا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کے احکام یعنی قرآن مجید کی اطاعت کرنا ہے۔ دو یا اس سے زائد حکم نہیں ہو سکتے۔ کائنات کا خالق و ربّ اور **احکم الحاکمین** صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہے۔ اور بات تو بہت سیدھی سی ہے کہ "**الناس**" کو تخلیق ہی اس لئے کیا کہ اسی ربّ و خالق کی محکومیت کی جائے، اطاعت کی جائے۔ بندگی کی جائے۔ عبدیت کی جائے۔ جیسا کہ اس نے خود فرمادیا کہ:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

اور (اے لوگو) ہم نے جنوں اور انسانوں کو (کسی اور مقصد کے لئے) پیدا نہیں کیا سوائے اس کے کہ وہ میری عبادت کریں۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۹، سورہ الذاریٰت، آیت نمبر ۵۶، ص۲۴۹)

بات واضح ہو گئی کہ بندگی و اطاعت یا محکومیت صرف اللہ کی ہوگی۔ رسول بھی بندگی و اطاعت و محکومیت صرف اللہ ہی کی کرے گا اور اپنی محکومیت اطاعت و بندگی نہیں کرا سکتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

" مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: کسی بشر کو یہ زیبا نہیں کہ جب اللہ اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے تو پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ اللہ کے علاوہ میرے بھی بندے بن جاؤ بلکہ (وہ تو یہی کہے گا) کہ تم خالص اللہ کے (بندے) بنو اس وجہ سے کہ تم (اللہ کی) کتاب کو پڑھاتے بھی رہتے ہو اور پڑھتے بھی رہتے ہو (تو وہ اللہ کی کتاب کے خلاف تم کو اپنا بندہ بننے کے لئے کیسے کہہ سکتا ہے) (۷۹) اور نہ اس کو یہ زیبا ہے کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنانے کا حکم دے، کیا تمہارے مسلم ہو جانے کے بعد وہ تم کو کفر کا حکم دے گا (ہر گز نہیں) (۸۰)"
(تفسیر قرآن عزیز، جزء۲، سورہ آلِ عمران، آیات نمبر ۷۹۔۸۰، ص۱۴۸۔۱۴۹)

ان آیات کریمات سے ظاہر ہو گیا کہ رسول اپنی یا فرشتوں اور نبیوں کے بندگی یعنی محکومی نہیں کرا سکتا اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب وہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کروائے اور اپنے کوئی احکام، اللہ تعالیٰ کے احکام کے ساتھ شریک نہ کرے۔ بلکہ وہ صرف اللہ کی کتاب کی جو اسے عطا کی گئی ہے اطاعت کروائے۔ اس کی مزید وضاحت وہاں کر دی گئی جب رسول کی بعثت کا مقصد صرف "بلاغ" یعنی اللہ کے احکام پہنچا دینا بتا دیا گیا:

"فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

رسولوں کی ذمہ داری تو بس اتنی ہوتی ہے کہ وہ (احکام الٰہی کو) صاف صاف پہنچا دیں"

(تفسیر قرآن عزیز، جز۵۔ سورہ النحل، آیت نمبر ۳۵، ص۸۷۸)...(مزید دیکھئے ۲۰/ ۳، ۹۹/ ۵، ۹۲/ ۵، ۶۷/ ۵، ۴۰/ ۱۳، ۸۲/ ۱۶، ۵۴/ ۲۴، ۱۸/ ۲۹، ۱۷/ ۳۶، ۴۸/ ۴۲، ۱۲/ ۶۴، ۲۳/ ۷۲، ۲۸/ ۷۲)

اور اس حقیقت کو " اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ " کے الفاظ کے ساتھ بھی لگا کر بالکل واضح کر دیا کہ:

" وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور (اے لوگو) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم (اطاعت رسول سے) منہ موڑو تو ہمارے رسول کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔ ۹۔ سورہ تغابن، آیت نمبر ۱۲، ص۲۲۷)

قارئین اس آیت کریمہ نے بات کتنی واضح کر دی کہ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کیا ہے؟ وہ جو صاف صاف بغیر کسی ملاوٹ یا شراکت کے پہنچا رہا ہے۔ اور وہ کیا پہنچا رہا ہے؟ اسے بھی اسی سورہ تغابن ہی میں شروع ہی میں آیت نمبر ۸ میں بتا دیا گیا کہ:

"فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا ؕ

اللہ پر، اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے نازل کیا ہے ایمان لے آؤ۔" (ص۱۴۷)

اور یہ "نور" کیا ہے جس پر ایمان لانا ہے تو اس کی وضاحت بھی یہ کہہ کر کر دی کہ:

"قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

بے شک اللہ کی طرف سے تمہارے پاس نور (ہدایت) اور روشن کتاب آچکی ہے۔"

(تفسیر قرآن عزیز، جزء۔ ۳۔ سورہ المائدہ، آیت نمبر ۱۵، ص۶۰۵)

آگے ہمارے موصوف اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"اس آیت میں "نور" سے مراد اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے" (ص۶۰۶) (مزید دیکھئے ۱۷۵/ ۴، ۴۶/ ۵، ۵۲/ ۴۲)

بس بات کتنی واضح ہو گئی کہ "اطیعوا الرسول" اطیعوا اللہ ہے اور اطیعوا اللہ اس کے کتاب یعنی قرآن مبین میں دیئے گئے احکام کی اطاعت بذریعہ رسول کرنا ہے۔ (نام نہاد) احادیث کی اطاعت کرنا نہیں۔

قارئین تو یہ ہیں "اطیعوا الرسول" کے معنی، رسول کے نبی و رسول کی حیثیت سے، کہ ان کی ذمہ داری صرف اللہ کی کتاب یعنی اس کے احکام پہنچا دینا ہے۔ اب چونکہ ان کی ایک بشری حیثیت بطور امیر سلطنت / سربراہ حکومت / سپریم کمانڈر، قاضی القضاء بھی ہے تو اس حیثیت میں یقیناً ان کی اطاعت ان کے غیر قرآن احکام کی بھی کی جائے گی مثلاً اگر وہ یہ کہتے ہیں کہ فلاں طغیان کے خلاف جنگ کی تیاری کرو تو وہ کرنا ہو گی، اگر وہ کہتے ہیں کہ فلاں درّہ پر تیر انداز اس وقت تک ڈٹے رہیں گے جب تک ان کو وہاں سے ہٹنے کا حکم نہ دیا جائے تو اس حکم کی اطاعت کرنی ہو گی۔ اگر وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں مقام پر عامل بن کر جائے اور زکوٰۃ جمع کر کے لائے تو اس حکم کی اطاعت کرنی ہو گی اگر وہ کسی قضیہ کا فیصلہ کرتے ہیں تو وہ ماننا پڑے گا وغیرہ وغیرہ ........... مگر ان تمام دنیاوی و انتظامی معاملات کے احکام کے سلسلہ میں (جہاں قرآن کریم میں کوئی حکم نہیں یا اس کی جزئیات نہیں) اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ:

" وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ

اور (انتظامی) امور میں ان سے مشورہ لے لیا کریں، پھر جب آپ کسی کام کا عزم کر لیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیں (اور اس کام کو کر گزریں)۔۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۳۔ سورہ آل عمران، آیت نمبر ۱۵۹ ص ۳۱۶)

غور کیجئے یہاں یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ امورِ دنیاوی میں رسول پر کوئی وحی پوشیدہ طور پر نہیں آتی تھی ورنہ پھر آپس میں مشورہ کرنے کا حکم نہ ہوتا۔ اور اس طرح یہی آیت اُن کی رسول کے علاوہ سربراہ حکومت وغیرہ کی حیثیت متعین کر دیتی ہے۔

قارئین! غور کیجئے کہ یہاں اطیعوالرسول کے کیا معنیٰ ہوئے۔ بات بالکل صاف ہے کہ کتاب الٰہی کے احکامات کے علاوہ میں 'رسول کی اطاعت صرف ان کی زندگی تک محدود تھی یونکہ اس وقت کی مشاورت اس وقت کے حالات کے مطابق اس وقت کے لوگوں سے تھی اور پھر جو عزم کیا تھا اس پر عملی جامہ بھی پہنا دیا تھا جس کے نتیجہ میں ان ہی کے سامنے اللہ کا پیغام اور نئے نبی کی بعثت، تقریباً اس وقت کی معلوم ساری دنیا میں پھیل گئی تھی اور اس وقت کی دونوں بڑی طاقتیں (Empires) سلطنت پارس اور سلطنت روما، مدمقابل آگئی تھیں اور اسلامی حکومت کا پھریرا جزیرہ نمائے حجاز و عرب سے باہر تک لہرا دیا گیا تھا۔ اور پھر ان کی زندگی کے بعد اللہ تعالیٰ کے احکام ہی کے مطابق ان کے ساتھیوں نے جو اللہ تعالیٰ کی اسی کتاب پر ایمان لائے تھے جس پر رسول ایمان لائے تھے اور اسی کی اتباع کرتے تھے جس کی رسول اتباع کرتے تھے، دنیا کی معلوم دونوں طاقتوں کو سرنگوں کر کے لاکھوں مربع میل کے علاقے میں اسلامی حکومت کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ کس طرح؟ اس طرح کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی کتاب کی اتباع میں اسی کے احکام کی پیروی کرتے رہے اور دنیاوی امور میں اسی کے حکم کے مطابق مشاورت کرتے رہے (دیکھئے (۴۲/۳۸) میں ان لوگوں کی کیا صفات بتائی ہیں جو اللہ پر ایمان لائے تھے اور اسی پر بھروسہ کرتے تھے)۔ اور کامیابیاں نامرادیوں و شکستوں میں بدلنے لگیں۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول کی زندگی کے بعد وہ کس کی اطاعت کر کے کامیاب رہے تھے تو قرآن کریم نے ہمیں اس کا جواب بھی عطا کیا ہوا ہے جبکہ " اَطِيْعُوااللّٰهَ وَ اَطِيْعُواالرَّسُوْلَ " کی تفسیر قرآن نے اس طرح کی کہ:

" يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوااللّٰهَ وَ اَطِيْعُواالرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۵۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے امیر ہوں (ان کی اطاعت کرو) پھر اگر کسی معاملہ میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس معاملہ کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹاؤ، یہ بہت اچھی بات ہے اور انجام کے لحاظ سے بھی احسن ہے (۵۹)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۳۔ سورہ النساء۔ آیت نمبر ۵۹، ص ۲۰۳)

یہاں اس آیت کریمہ کی قرآنی تفسیر نے یہ بات ابھار کر واضح کر دی کہ " اَطِيْعُوااللّٰهَ وَ اَطِيْعُواالرَّسُوْلَ " قرآنی محاورہ ہے جس کے معنیٰ اللہ ہی کی اطاعت کرنے کے ہیں یعنی اس کے احکامات کی اطاعت کرنا بذریعہ رسول۔ اور اس کے احکامات کہاں ملیں گے؟ وہ (بذریعہ رسول) اس کی کتاب القرآن العظیم میں ملیں گے۔ جب اولی الامر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو گا تو اللہ اور رسول کی طرف لوٹایا جائے گا۔ لیکن رسول کی طرف کیسے لوٹایا جائے گا جبکہ وہ تو اب ہمارے درمیان نہیں۔ اور نہ ہی ان کے احکامات کی کوئی کتاب خود ان کی اپنی لکھائی ہوئی سوائے قرآن مجید کے ہمارے

پاس ہے تو ظاہر ہے قرآن مجید ہی کی طرف لوٹایا جائے گا یوں کہ وہی ایسی کتاب ہے جو کہ اللہ کے احکام پر مشتمل ہے اور رسول کریم کی زبان مبارک سے نکلنے کے بعد لکھی گئی ہے اور وہ خود انہوں نے لکھوائی اور امّت کو دی اور کوئی کتاب لکھوا کر نہیں دی۔ پس ثابت ہوا کہ اللہ اور رسول کے احکام کی وہی کتاب ہے۔

مزید یہ کہ یہاں یہ بات بھی واضح ہو گئی کہ جب رسول نہیں تو "اولی الامر" یعنی امیر کی اطاعت کی جائے گی۔ تو آج امیر کی یعنی خلیفۃ المسلمین کی اطاعت ہو گی یونکہ رسول کے بعد وہی احکام الٰہی یا نظام اسلام کا نافذ کرنے والا ہے اور وہی بلاغ کا بھی ذمہ دار ہے مگر پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس کے احکام کی اطاعت اللہ کے احکام کی طرح ہو گی یا اس کے احکام کی اطاعت دنیاوی و انتظامی معاملات میں ہو گی اور اس میں مشاورت کے باوجود اختلاف ہونے یا اختلاف کرنے کی اجازت ہو گی اور اختلاف کی صورت میں اللہ کے احکام کی طرف یعنی قرآن مجید کی طرف لوٹنا ہو گا۔ یہ اولی الامر یا امیر کوئی معمولی آدمی نہیں ہو گا بلکہ یہ وہ اعلیٰ شخص ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے رسول کی "بلاغ" کی ذمہ داری بھی سنبھالے گا۔ ساتھ میں امارت یا حکومت بھی سنبھالے گا۔ (جیسا کہ پہلی صدی ہجری میں بارہ (۱۲) امیر المومنین نے کیا کہ بلاغ بھی کرتے رہے اور نظام حکومت بھی سنبھالتے رہے ساتھ میں حکومت کی حدود بھی وسیع کرتے رہے) یہ کوئی پاپائیت کا ادارہ نہیں ہو گا (جیسا کہ دوسری صدی ہجری اور اس کے بعد عباسی و فاطمی خلیفوں نے کیا کہ اسلامی احکام کے بلاغ کو اور نفاذ کو نظام حکومت سے علیحدہ کر کے فتنہ و فساد پھیلا دیا اور نیک علما کو تکالیف پہنچاتے رہے اور ان کو اپنے تحت کرنے کے حربے آزماتے رہے)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہمارے موصوف لکھتے ہیں کہ

"اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتوں کا حکم دیا ہے:

(۱)۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت

(۲)۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت، اور

(۳)۔ امیر کی اطاعت

پہلی دو اطاعتوں کے ساتھ "اَطِیْعُوا" کا لفظ استعمال کیا، تیسری اطاعت کے ساتھ "اَطِیْعُوا" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ گویا پہلی دو اطاعتیں مستقل اطاعتیں ہیں، دائمی اطاعتیں ہیں، تیسری اطاعت نہ مستقل بالذات ہے اور نہ دائمی ہے" (تفسیر قرآن عزیز جزء۔۳، سورہ النسآء، آیت نمبر ۵۹، ص ۲۰۴)

قارئین! غور کیجئے کہ اصل غلطی یہیں ہوئی ہے کہ موصوف (نام نہاد) احادیث کو صحیح اور مثل قرآن قرار دینے کے زعم میں اللہ تعالیٰ کے یہ ارشادات بھول گئے کہ قرآن کے مثل نہیں ہو سکتا (۲۳-۲۴/ ۲، ۸۸/ ۱۷) اور حکم صرف ایک ہی کا یعنی اللہ کا ہے (۵۷/ ۶، ۴۰/ ۱۲، ۶۷/ ۱۲، ۶۲/ ۶، ۱۵۴/ ۳، ۵۴/ ۷) اور اس کے حکم کے ساتھ کسی کا حکم شریک نہیں کیا جا سکتا (۲۶/ ۱۸، ۲۲/ ۱۶، ۱۹/ ۴۷) جیسا کہ ہم نے پیچھے بتایا کہ موصوف نے توحید فی الصفات میں نمبر ۴ توحید فی الحکم میں لکھا ہے کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے، حکم صرف اللہ کا چلتا ہے تو پھر یہاں تین اطاعتیں کیسے ہو گئیں؟ اس کے معنی کہ حکم بھی تین ہو گئے! اور یہ ناممکن ہے۔ حکم صرف ایک ہی ہے یعنی اللہ کا حکم تو رسول بھی اسی حکم کی اطاعت کرتا ہے اور اولی الامر منکم بھی اسی واحد حکم کی اطاعت کرتا ہے۔ ان دونوں کے احکام اللہ تعالیٰ کے احکام

کے علاوہ نہیں ہو سکتے ورنہ وہ تو شرک ہو جائے گا۔ ہاں روز مرہ کے بشری یا انتظامی و معاشرتی معاملات میں (مشورہ کر کے) وہ دونوں بھی حکم دے سکتے ہیں اور اس کی بھی اطاعت مومنین کریں گے۔ اور اگر اولی الامر منکم سے کسی معاملہ میں تنازع ہو جائے گا تو جو سپریم اتھارٹی خلیفۃ الرسول ہو گا وہ احکام قرآنی کے تحت فیصلہ کرے گا۔ اور وہ آخری فیصلہ ہو گا۔

غور کیجئے کہ اگر اطاعتیں دو مستقل و دائمی ہو گئیں تو پھر حکم بھی دو ہو گئے! یا اگر اطاعتیں تین ہو گئیں تو حکم بھی تین ہو گئے۔ اور یہ ناممکن ہے۔ حکم صرف ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا۔ اس لئے اطاعت بھی صرف اسی حکم کی ہو گی جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا باقی اطاعتیں مستقل و دائمی نہیں بلکہ عارضی اور وقتی ہوں گی۔ یعنی جب رسول تھے تو وہ جو اللہ کے احکامات بتاتے تھے یا دنیاوی معاملات میں احکامات صادر فرماتے تھے ان کی اطاعت کرنا تھی اور اس وقت کے لوگوں نے کی۔ اب خلیفۃ الرسول یا اولی الامر جو اللہ کا حکم بتائے گا اور دنیاوی معاملات میں احکام دے گا اس کی اطاعت ہو گی۔ مگر اس شرط کے ساتھ ہو گی کہ وہ اللہ کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔ (جب کہ یہ شرط رسول کی اطاعت میں نہیں تھی یوں کہ وہ کوئی بھی حکم اللہ کے حکم کے خلاف نہیں دیتے تھے اور نہ دے سکتے تھے۔ (نام نہاد) احادیث میں جو ایسے احکام ملتے ہیں وہ سب گھڑے ہوئے ہیں۔ اور رسول کی طرف بد دیانتی سے، قرآن کے خلاف سازش کے تحت، منسوب کئے گئے ہیں)

آگے تفسیر میں موصوف کے قلم سے پھر حق نکل ہی گیا ہے فرماتے ہیں کہ:

"اللہ کی اطاعت اس کے خالق اور مالک ہونے کی حیثیت سے اسی کا حق ہے۔

**(۲) کسی دوسرے کو اپنی اطاعت کرانے کا کوئی حق نہیں**

رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرض ہے یعنی جس کا حق ہے وہی حکم دے رہا ہے کہ میرے رسول کی اطاعت کرو لہٰذا یہاں نہ حق تلفی کا سوال پیدا ہوتا ہے اور نہ شرک فی الاطاعت کا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ (النسآء۔۶۴)

اور (اے رسول) ہم نے جو رسول بھی بھیجا وہ اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔" (ص ۲۰۴)

جب یہ حقیقت مان لی کہ "کسی دوسرے کو اپنی اطاعت کرانے کا کوئی حق نہیں" تو بات واضح ہو گئی کہ رسول کی اطاعت ان کے اپنے احکام کی اطاعت نہیں بلکہ وہ تو اللہ ہی کے احکام سناتے تھے (يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ۲/۶۲، ۲/۱۵۱، ۳/۱۶۴، ۶۵/۱۱، ۹۸/۲) وہ (نام نہاد) احادیث سنا کر ان کی اطاعت نہیں کرواتے تھے۔ اور جہاں کہیں بھی کسی معاملہ میں صحابہؓ کبار کو شک گزرا کہ آپ نے اللہ کا حکم نہیں سنایا تو یا تو انہوں نے وضاحت چاہ لی یا اس کی اطاعت سے انکار کر دیا (اس کی بہت سے مثالیں ہم پیچھے دے چکے ہیں)۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ خود رسول کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ (نام نہاد) احادیث کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے؟ ہر گز نہیں یونکہ رسول کی اطاعت اور ان کی طرف منسوب (نام

نہاد) احادیث کی اطاعت میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ یونکہ اول الذکر تو ایک زندہ ہستی کی اطاعت تھی جب کہ وحی الٰہی کا سلسلہ بھی جاری تھا (اگر کوئی غلطی ہو جاتی تو اس کی اصلاح فوراً وحی سے ہو جاتی تھی) جبکہ ثانی الذکر تو رسول کی زندگی کے بہت بعد اُن کی طرف منسوب بالمعنی روایات ہیں جن میں راوی خود مشکوک رہتے تھے اور ہر روایت کے ساتھ "اَو کما قَالَ" (آپ نے اس قسم کے الفاظ فرمائے تھے) کہا کرتے تھے۔ اور نہ ہی وہ وحی شدہ روایات ہیں جن کی اطاعت کی جائے، حد تو یہ ہے کہ فیصلے تک کرنے میں رسول کے پاس وحی نہیں آتی تھی بلکہ ان کی وہ ذمہ داری بشری و انتظامی تھی۔ خود امام المحدثین بخاری ان کی طرف ایک روایت منسوب کرتے ہیں کہ:

"محمد بن کثیر، سفیان، ہشام، عروہ، زینب بنت ام سلمہ، ام سلمہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا، کہ میں تو صرف انسان ہوں، تم میرے پاس مقدمہ لے کر آتے ہو بہت ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص دلیل پیش کرنے میں دوسرے سے زیادہ فصیح البیان ہو اور میں اس کے حق میں اس کی بات سن کر فیصلہ کر دوں اس لئے میں جس کے موافق اس کے بھائی کے حق میں کسی چیز کا فیصلہ کروں تو وہ نہ لے، کہ میں نے اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا الگ کر دیا ہے"[1]

غور کیجئے کہ یہ کتنی اچھی اور صحیح بات ہے۔ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی مقدمہ کا فیصلہ کرنے جیسے اہم معاملہ میں بھی رسول کے پاس کوئی پوشیدہ وحی نہیں آتی تھی۔ اس طرح سے موصوف کا یہ عقیدہ باطل ہو جاتا ہے کہ رسول کے پاس ہر موقعہ بے موقعہ وحی خفی آتی رہتی تھی اور تمام (نام نہاد) احادیث وحی خفی ہیں۔ ہم ایک اور مثال کی طرف صرف اشارہ ہی کرنے پر اکتفا کرتے ہیں کہ **رویت ہلال** جیسے اہم مسئلہ پر بھی رسول کے پاس وحی پوشیدہ نہیں آتی تھی۔ جس کے نتیجہ میں سب نے عید کے دن بھی روزہ رکھ لیا۔ مگر جب عید کے دن پچھلی رات ہی کو مدینہ سے باہر چاند ہو جانے کی خبر قافلہ والوں نے دی تو آپ نے روزہ افطار کرنے کا حکم دیا اور اگلے روز صبح نماز عید کے لئے نکلنے کا فرمایا[2] خیر یہ تو تاریخی دلائل تھے ہماری اصل دلیل تو قرآن کریم ہی سے ہوتی ہے۔ دیکھئے فیصلے کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ رسول کو کیا حکم دیتے ہیں:

(۳)۔ اللہ تعالیٰ نے اختلاف دور کرنے کے لئے القرآن الحکیم نازل فرمایا:

وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور (اے رسول) ہم نے جو یہ کتاب آپ پر نازل کی ہے تو اس لئے کہ جس بات میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں اس بات کی آپ وضاحت کر دیں (اور ان کا اختلاف دور کر دیں) اور (یہ کتاب) ایمان والوں کے لئے (موجب) ہدایت اور سراسر رحمت ہے"

---

۱۔ صحیح بخاری، جلد سوم۔ کتاب الحیل۔ باب ۱۰۵۴ (بخاری اس باب کا کوئی نام نہ دے سکے) حدیث نمبر ۱۸۵۵، ص ۶۹۳۔۔۔ ۲۔ سنن ابو داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ابواب العیدین، باب ۴۰۶ اذا لم یخرج الامام للعید من یومه یخرم من الغد حدیث نمبر ۱۱۴۴، ص ۴۳۴، اس روایت کا حوالہ موصوف نے اپنی کتاب "صوم المسلمین میں بھی "رمضان کی ابتداء وانتہاء اور رویت ہلال" کے عنوان کے تحت ص ۷ اپر دیا ہے۔

تفسیر: گذشتہ آیات میں کفار مکہ کی افتراء پر دازیوں کا بیان تھا۔ اسی قسم کی افتراء پر دازیوں میں اہل کتاب بھی مبتلا تھے۔ ان افتراء پر دازیوں کی وجہ سے ہر گروہ عقائد و اعمال میں ایک دوسرے سے مختلف تھا۔ **اللہ تعالیٰ نے ان کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے قرآن مجید نازل فرمایا۔**" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۵۔ سورہ النحل، آیت نمبر ۶۴، ص ۹۱۱) (مزید دیکھئے البقرہ آیت ۲۱۳، النساء آیت ۵۹، الحجرات آیت ۹ وغیرہ)

قارئین غور کیجئے کہ کفار و اہل کتاب کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے قرآن مجید نازل کیا گیا۔ تو کیا یہ امت مسلمہ کے اختلاف دور کرنے کے لئے نہیں ہے؟ ظاہر ہے کہ رسول کو اسی کتاب کے ذریعہ سے اختلاف ختم کرنے کا حکم دیا گیا (نام نہاد) احادیث سے نہیں اور اسی سے مسلمین کے آپس کے اختلاف ختم کئے جائیں گے۔ (خواہ وہ مسلم۔ مسلم میں ہوں، خواہ فرقوں۔ فرقوں میں ہوں۔ خواہ اولی الامر اور مسلمین کے درمیان ہوں) دیکھئے اسی آیت کریمہ کی تفسیر کے بعد "عمل" میں ہمارے موصوف نے بھی اس حقیقت کو مان لیا:

**"عمل: اے لوگو، قرآن مجید کے نزول کے بعد اپنے اختلاف کو دور کر دیجئے۔ جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے بس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے اب ہدایت ملے گی تو قرآن مجید سے ملے گی"**[1]۔ (ایضاً۔ ص ۹۱۲)

قارئین موصوف کے ان الفاظ پر اچھی طرح سے غور کر لیجئے اور پھر اس پر عمل کرتے ہوئے قرآن مجید کے علاوہ تمام (نام نہاد) احادیث و فقہ و فتاوٰی و اقوال کو مسترد کر دیجئے۔ صراط مستقیم پا جائیں گے۔ آگے دیکھئے اللہ تعالیٰ پھر اس کی تشریح و تفسیر خود فرماتے ہیں:

"وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ ؕ

ترجمہ: اور (اے لوگو) تم جس بات میں اختلاف کر رہے ہو تو اس کا فیصلہ اللہ ہی کرے گا"
(تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۸۔ سورہ شوریٰ، آیت نمبر ۱۰، ص ۷۲۹)

غور کیجئے کہ اختلاف کی صورت میں فیصلہ " إِلَى اللَّهِ " اللہ کی طرف سے ہو گا یعنی اس کے احکام کے مطابق یعنی قرآن مجید کے مطابق ہو گا جس کا نزول ہی اختلاف ختم کرنے کے لئے کیا گیا تھا۔ (۱۶/۶۴، ۴/۱۰۵) یہاں بات واضح کر دی کہ فیصلہ رسول اپنی طرف سے نہیں کریں گے بلکہ اللہ کی کتاب سے کریں گے۔ اسی لئے رسول اللہ سلامٌ علیہ نے فرمایا۔ اب آپ احسن الحدیث ملاحظہ فرمائیں:

"أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ؕ

ترجمہ: (اے رسول، آپ ان سے پوچھئے) کیا میں اللہ کے علاوہ کوئی اور حَکَم تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہاری طرف (ایسی) کتاب نازل فرما دی ہے جس میں (ہر حکم) علیحدہ علیحدہ بیان (کر دیا گیا) ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی دِقت پیش نہ آئے)۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۴۔ سورہ الانعام۔ آیت نمبر ۱۱۵، ص ۱۹۴)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنی طرف سے بزبان (نام نہاد) احادیث فیصلہ نہیں کر رہے بلکہ وہ تو پوچھ رہے

---

[1] مگر افسوس اور صد افسوس کہ موصوف خود اپنے لکھے پر قائم نہ رہ سکے بلکہ قرآن مجید کے ساتھ بخاری و مسلم و ابن حجر وغیرہ کی کتابوں کو شریک کرتے رہے بلکہ اسے ایمانی مسئلہ بنا دیا! (اعوذ باللہ)

ہیں کہ کیا اللہ کے علاوہ کوئی اور حکم یعنی فیصلہ کرنے والا / حکم دینے والا تلاش کروں؟ مزید وہ یہ بھی جتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تو تمہاری طرف قرآن مجید جیسی واضح کتاب ( كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ۔ ۵/ ۱۵ ، ۵۹/ ۶ ، ۶۱/ ۱۰، ۶/ ۱۱ ، ۱/ ۱۲ ، ۲/ ۲۶ ، ۱/ ۲۷ ، ۷۵/ ۲۷ ، ۲/ ۲۸ ، ۳/ ۳۴ ، ۲/ ۴۴ اور قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ ۱/ ۱۵، ۶۹/ ۳۶) نازل فرمادیا ہے جس میں ہر حکم کی علیحدہ علیحدہ یعنی واضح کر کے تفسیر بیان کر دی ہے تاکہ سمجھنے میں کوئی دِقّت پیش نہ آئے۔ کہئے قارئین! کیا اس آیت کریمہ کے بعد بھی کسی غیر اللہ وضاحت، تشریح یا تفسیر کی ضرورت رہ جاتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر یہ کہنا چھوڑ دیجئے کہ (نام نہاد) احادیث قرآن مبین کی شرح ہیں! جو خود اپنی شرح و تفسیر کر رہا ہے اس کی شرح و تفسیر کون کرے گا؟ نیز خالق کے کلام کی تفسیر بندہ کیسے کرے گا؟

آگے دیکھئے اختلاف کی صورت میں فیصلہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مزید تفسیر فرمائی کہ:

" وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَ اَقْسِطُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

ترجمہ: اور (اے ایمان والو) اگر مومنین کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دیا کرو، پھر اگر ان دونوں میں سے ایک جماعت دوسری جماعت پر زیادتی کرے تو تم اس سے لڑو جو زیادتی کرے یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ پھر اگر وہ (اللہ کے حکم کی طرف) لوٹ آئے تو ان دونوں میں انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور (دیکھو ہر حال میں) انصاف ہی کیا کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۹۔ سورہ حجرات، آیت نمبر ۹، ص ۱۳۷)

غور کیجئے کہ بات کتنی واضح ہوگئی کہ ہر حال میں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ ان آیات میں رسول کی بات نہیں کی گئی صرف اللہ کی بات کی۔ اور اللہ کی طرف لوٹنے کے معنی اس کی کتاب قرآن مجید ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اور اسی میں دیئے گئے احکامات کی اتباع و اطاعت کرنی ہے۔ دیکھئے اسی حقیقت کی مزید وضاحت اس طرح کی گئی کہ:

" فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَ اسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَ اَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ مَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۱۶ اِنْ تُقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا يُّضٰعِفْهُ لَكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ شَكُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۷

ترجمہ: (اے ایمان والو) جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، (احکام الٰہی کو) سنو اور اطاعت کرو اور (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرتے رہو، (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور جو شخص نفس کے بخل سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (۱۶) (اے ایمان والو) اگر تم اللہ کو قرض حسنہ دو گے تو اللہ اس کو تمہارے لئے کئی گنا کر دے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ بڑا قدر دان اور بردبار ہے (۱۷) " (تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۹۔ سورہ تغابن، آیت نمبر ۱۶، ۱۷، ص ۷۲۹)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں کتنی وضاحت سے حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی نافرمانی سے بچو بلکہ احکام الٰہی ہی سنو اور اُن ہی کی اطاعت کرو،............. اور اطاعتِ احکام الٰہی کا طریقہ یعنی اطیعوا الرسول" یہ بتایا

جارہا ہے کہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے رہو (جس طرح رسول خرچ کرتے تھے) اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو (جیسے رسول دیتے تھے)۔

قارئین! اس مقام پر یہ بات اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیجئے کہ رسول کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکام یعنی القرآن المجید کا " بَلِّغْ" کرنا ہے (جیسا کہ ابھی پیچھے بتایا گیا) اس کا کام لوگوں کو وضو کرانا، استنجاء کرانا، غسل کرانا، پاجامہ اونچا کرانا، رومالی پر پانی چھڑکوانا، زیر ناف بال مونڈوانا، ختنہ کرانا، داڑھی بڑھوانا، عمامہ پہنوانا یا چادر اوڑھوانا نہیں۔ یہ چھوٹی چھوٹی فروعی باتیں اس کی شان کے خلاف ہیں۔ اس کی شان تو بڑا کام ہے یعنی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا اور اس کے احکام پہنچانا اور دیکھئے یہی بات احسن الحدیث میں کہی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

" قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰي بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؁

ترجمہ: (اے رسول) کہہ دیجئے کہ میرا راستہ تو یہ ہے کہ میں اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں میں اور میری پیروی کرنے والے سمجھ بوجھ (کے ساتھ اس) پر (قائم) ہیں، اللہ (شرک سے) پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں (۱۰۸)" (تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۵ سورہ یوسف، آیت نمبر ۱۰۸، ص ۴۷۸)

غور کیجئے کہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اپنا راستہ، اپنی سُنت کیا بتا رہے ہیں (اگر لفظ سنت رسول کے ساتھ بولا جا سکتا ہے تو) کہ وہ اللہ کی طرف دعوت دیتے ہیں، اللہ کی وحدانیت اور عبدیت محکومی و غلامی کی طرف بلاتے ہیں۔ اللہ کو پہچنواتے ہیں............. مگر افسوس کہ ہمارا اہل حدیث و اہل فقہ مولوی کہتا ہے کہ غسل و استنجاء کا طریقہ سنت ہے داڑھی بڑھانا اور عمامہ پہننا سنت ہے۔ (معاذ اللہ)

غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں دوسری اہم حقیقت کیا بتائی گئی ہے؟ کہ صرف رسول ہی نہیں بلکہ ان کی اطاعت کرنے والے، ان کی اتباع کرنے والے بھی پوری طرح سے سمجھ بوجھ کے ساتھ اسی راستہ، اسی سُنت پر قائم ہیں اور صرف اللہ ہی کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے ہیں، اسی خالقِ کائنات کو پہچنوا رہے ہیں اسی کی عبدیت یعنی محکومیت کر رہے اور کروا رہے ہیں، اس کے کسی بندے یا رسول کی بندگی یا محکومی نہیں کروا رہے۔ (رسول کو تو اللہ کی وجہ سے جانا پہچانا جاتا ہے اور یہ ایمان لایا جاتا ہے کہ وہ رسول یعنی پیغامبر ہوتے ہوئے بھی ایک بشر ہے اور بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی معاملہ میں شریک نہیں بلکہ وہ تو خود، اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے والا سب سے پہلا بشر ہوتا ہے)

چنانچہ اسی آیت کریمہ میں تیسری اہم حقیقت یہی بتائی گئی کہ رسول کسی بھی معاملہ میں اللہ کا شریک نہیں ہوتا (اگر وہ شریک کرے تو مشرک ہو جائے اور رسول نہ رہے) خواہ اس کی ذات کا معاملہ ہو، صفات کا معاملہ ہو یا حقوق کا معاملہ ہو۔

اسی آیت کریمہ میں چوتھی حقیقت یہ بتائی کہ رسول کی اتباع / پیروی کرنے والے، سمجھ بوجھ یعنی بصیرت کے ساتھ، رسول کی سنت یعنی اللہ کی طرف دعوت دینے پر قائم ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے احکامِ قرآن ہی کی دعوت دیتے ہیں، اسی کا بلاغ کرتے ہیں، اسی سے فیصلے کرتے ہیں۔ وہ (نام نہاد) احادیث کی نہ تو دعوت دیتے ہیں، نہ ہی ان کا

بلاغ کرتے ہیں، اور نہ ہی ان سے مسئلہ مسائل بنا کر اللہ کے احکام سے شریک کرتے ہیں۔

اور دیکھئے رسول کے راستہ یا سُنت اور اُن کے متبعین کے راستہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت فرمائی کہ:

" وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَ سَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: اور جو شخص ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مؤمنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے تو ہم اسے اُدھر ہی جانے دیں گے جس طرف جانے کے لئے اس نے رُخ پھیر لیا ہے پھر ہم اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ بہت بری جگہ ہے (۱۱۵)" (تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۳۔ سورہ النساء، آیت نمبر ۱۱۵۔ ص ۳۲۸)

غور کیجئے کہ یہ واضح ہو جانے کے بعد کہ رسول کا راستہ کیا ہے اور اس کے متبعین کس سُنت پر عمل کر رہے ہیں (اس کو سبیل المومنین یعنی مومنین کا راستہ بتایا گیا ہے اور اسی کی پیروی کرنا ہے) اگر کوئی اس کی مخالفت کرے (کہ اللہ کی طرف دعوت دینا سنتِ رسول نہیں ہے بلکہ داڑھی بڑھانا اور پائنچہ اونچا کرنا ............ سنت ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے خود ساختہ سنتوں کے راستہ ہی پر چلتے رہنے دیتا ہے اور پھر اس کو دوزخ میں داخل کر دے گا۔ جہاں:

" وَ يَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کھائے گا اور کہے گا اے کاش میں نے رسول کے ساتھ (سیدھا) راستہ اختیار کیا ہوتا (۲۷)" (تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۷، سورہ الفرقان۔ آیت نمبر ۲۷، ص ۲۴۱)

اور اسی دن رسول بھی یہی شہادت دیں گے کہ:

" وَ قَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِى اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: (اس دن) رسول (ﷺ) کہیں گے اے میرے رب میری قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا (۳۰)" (ایضاً۔ ص ۲۴۱)

قارئین! امید ہے کہ اب تک یہ بات آپ کے دل و دماغ میں واضح ہو گئی ہو گی کہ سبیل الرسول اور سبیل المومنین کیا ہے اور اتباع و اطاعت کس چیز کی کرنی ہے۔ جسے "اطیعوا الرسول" کہا گیا ہے۔

یہاں یہ بھی واضح ہو گیا ہو گا کہ رسول کا اور اس کے متبعین کا اصل کام اللہ کی طرف دعوت دینا ہے۔ جب لوگ دعوت قبول کر کے اللہ پر ایمان لے آئے تو دیکھئے رسول انہیں کیا بنیادی احکام بتاتا ہے:

" قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَ لَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ ۚ وَ لَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ۚ وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ وَ الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَ اِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَ لَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ

لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿١٥٢﴾ وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَ لَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٥٣﴾

ترجمہ: (اے رسول) آپ (ان سے) کہئے آؤ میں تمہیں ان چیزوں کے نام پڑھ کر سناؤں جو تمہارے رب نے تم پر حرام کی ہیں[1] (۱) وہ یہ کہ اللہ کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کرنا (شرک کرنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے) (۲)۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا (والدین کے ساتھ بد سلوکی کو اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے) (۳)۔ مفلسی (کے ڈر) سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا (اللہ نے اولاد کو قتل کرنا تم پر حرام کر دیا ہے)، (اللہ فرماتا ہے کہ) ہم تمہیں بھی کھلاتے ہیں انہیں بھی کھلائیں گے، (۴)۔ ظاہر اور پوشیدہ جتنے بھی بے حیائی کے کام ہیں ان کے قریب بھی نہ جانا (بے حیائی کے کاموں کو اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے) (۵)۔ اور جس جان کا قتل کرنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے اسے قتل نہ کرنا مگر ہاں حق کے ساتھ (ناحق قتل کرنا اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے، یہ ہیں وہ باتیں جن کا حکم اللہ تم کو دے رہا ہے تاکہ تم سمجھ بوجھ سے کام لو (اور آئندہ ان ممنوعات کے قریب بھی نہ جاؤ (۱۵۱)۔ (۶) یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ مگر ایسے طریقہ سے جو (بہت) مستحسن ہو یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے (اللہ نے یتیم کا مال ناحق کھانا تم پر حرام کر دیا ہے)۔ (۷)۔ اور ناپ تول کو انصاف کے ساتھ پورا کیا کرو (ناپ اور تول میں کمی کرنا بھی تم پر حرام کر دیا گیا ہے) اللہ فرماتا ہے کہ) (۸)۔ ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق مطلب یہ کہ تم اپنی استطاعت بھر ان حرام کاموں سے بچو اور احکام الٰہی پر عمل کرو۔ (۹)۔ اور جب تم کوئی بات کہو تو انصاف کی بات کہو خواہ وہ شخص (جس کو انصاف کی بات کہنے سے نقصان پہنچ رہا ہے) تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو (نا انصافی کی بات منہ سے نکالنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے)۔ (۱۰)۔ اور اللہ کے (ساتھ جو) عہد (تم کر چکے ہو اس) کو پورا کرو (عہد کا پورا نہ کرنا بھی اللہ نے تم پر حرام کر دیا ہے) یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم اللہ (تعالیٰ) (قرآن مجید کے ذریعہ) تم کو دے رہا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (۱۵۲)۔ اور (اللہ یہ بھی فرماتا ہے) کہ میرا سیدھا راستہ تو یہی ہے، بس اس کی پیروی کرو اور (دوسرے) راستوں پر نہ چلنا ورنہ وہ راستے تم کو اللہ کے راستہ سے علیحدہ کر دیں گے، اللہ (قرآن مجید کے ذریعہ) تم کو ان باتوں کا حکم دے رہا ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ (۱۵۳)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء ۴۔ سورہ الانعام، آیت نمبر ۱۵۲۔ ۱۵۴، ص ۲۶۸۔ ۲۶۹)...(مزید دیکھئے ۷/۳۳، ۲۲، ۳۹/۱۷)

قارئین! غور کیجئے کہ یہ دس "بنیادی احکام ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید کے ذریعہ دیا ہے موصوف نے بھی اپنے اس ترجمہ میں دو مرتبہ قوسین لگا کر اس حقیقت کو مانا ہے کہ یہ احکام قرآن مجید ہی میں دیئے گئے ہیں (بخاری و مسلم وغیرہ میں نہیں) اور ان احکام ہی کو صراط مستقیم قرار دیا ہے (وہ صراطِ مستقیم جو آپ نماز کی ہر رکعت میں مانگ رہے ہوتے ہیں۔ مگر اس کے معنوں سے ناواقف رہتے ہوئے ہی " اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٥﴾ (۱/۵) " اور اسی کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا ہے اور دوسروں (مثل بخاری و مسلم وغیرہ) کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے سے منع فرما

[1] قوسین میں یہ نمبر میں نے ڈال دیئے ہیں تاکہ دس احکام گننے میں آسانی رہے)

دیا ہے ورنہ وہ دوسروں کے راستے تم کو اللہ کے راستہ سے علیحدہ کر دیں گے (یوں کہ ایک اسلام کے کئی اسلام بن جائیں گے۔ جیسا کہ ہوا بھی ہے کہ بخاری و مسلم کا اسلام ایک ہے اور ابو حنیفہ کا اسلام ان سے مختلف۔ جب کہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ کا اسلام ان سب نام نہاد محدثین و فقہاء و ائمہ سے مختلف ہے۔ وہ جو کچھ اسلام بتاتے تھے تو قرآنی آیات پڑھ کر سناتے تھے (۱۵۱/ ۲ ، ۱۶۴/ ۳ ، ۲/ ۶۲ ، ۱۱/ ۶۵ ، ۲/ ۹۸ ، ۳۰/ ۱۳ ، ۵۹/ ۲۸) مگر دوسرے، غیر اللہ کی ظنّی کتابوں سے پڑھ کر سناتے رہے۔ اور آج بھی بریلویوں کا اسلام دیوبندیوں سے مختلف ہے، شیعوں کا اسلام سنیوں سے مختلف ہے حد تو یہ ہے کہ اہل حدیثوں کے مختلف فرقوں یا مسلکوں کا اسلام ایک دوسرے سے مختلف ہے جیسا کہ ہمارے موصوف کے اہل حدیثوں کی پرانی جماعتوں سے علیحدہ ہو کر نئی جماعت بنانے سے ثابت ہو چکا ہے اور وہ سب کو مسلم سمجھتے بھی نہیں) اور قرآن مجید ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان باتوں کا حکم دے رہے ہیں تا کہ تم متقی بن جاؤ۔ (متقی بننے کے طریقے جاننے کے لئے قرآن کریم کھولئے اور شروع سے غور کرتے ہوئے پڑھنا شروع کیجئے۔ آپ کو سینکڑوں آیات مل جائیں گی۔ اسی طرح مومن کی صفات بتانے والی یا مومن بننے کے طریقے بتانے والی سینکڑوں آیات ملیں گی۔ پڑھئے تو سہی۔ ڈھونڈیئے تو سہی)۔ یہاں یہ حقیقت پھر واضح ہو گئی کہ اسی قرآن کریم میں وحی کردہ احکام کے لئے رسول نے فرمایا کہ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ۔ کہ (اوپر بیان کردہ دس ۱۰ احکام) "میرا سیدھا راستہ تو یہی ہے، بس اس کی پیروی / اتباع کرو"۔ ان آیات کے علاوہ اسی سورہ الانعام میں بھی فرمایا کہ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ۔ کہ جو تمہارے رب کی طرف سے وحی کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو (۶/۱۰۷) اور ربّ کی طرف سے کیا وحی کیا گیا ہے؟ تو رسول نے اس کا جواب دیا: اُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ کہ یہ "القرآن" ہی میری طرف وحی کیا گیا (۶/۱۹)۔ پس ثابت ہو گیا کہ پیروی، اطاعت یا اتباع صرف اللہ کی وحی / ہدایت "القرآن" کی کرنی ہے اور یہی اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے معنی ہیں۔ یہ کہیں نہیں کہا گیا کہ القرآن کے علاوہ (نام نہاد) حدیث کی بھی اتباع کرو جبکہ وہ کوئی چیز ہیں ہی نہیں سوائے سنی سنائی باتوں کے!

آیئے اب دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاں کہیں " اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ' فرمایا وہاں اس کی کیا وضاحت فرمائی۔ پورے قرآن کریم میں صرف بارہ مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں۔

**۱۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾**

ترجمہ: (اے رسول) آپ (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ اللہ کی اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر وہ اطاعت سے منہ موڑیں تو (وہ لوگ کافر ہیں) اور اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتا (۳۲)" (تفسیر قرآن عزیز جزء ۲۔ سورۃ آل عمران۔ آیت نمبر ۳۲، ص ۵۸)

قارئین! یہ آیت کریمہ جس آیت کریمہ کے ساتھ آئی ہے ذرا اسے بھی ملاحظہ کر لیجئے تو مطلب واضح ہو جائے گا:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

ترجمہ: (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو، (اگر تم میری پیروی کرو گے تو) اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا، تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا کیونکہ اللہ بڑا بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے (۳۱)" (ایضاً۔ ص ۵۸)

غور کیجئے کہ یہاں گناہوں کی مغفرت کا فارمولا بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرو (اس کے احکام پر عمل پیرا ہو، اس کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے بچتے ہوئے) اس طرح سے جس طرح سے رسول، اللہ سے محبت کرتا ہے۔ یعنی اتباع و اطاعت اللہ سے محبت کرنے میں ہے۔ اور اللہ سے محبت اس کے احکام کا بجالانا ہی، اس کی نازل کردہ ہدایت پر عمل کرنا ہی ہے جیسا کہ فرمایا "فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّي هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ (جب تمہارے پاس میری طرف سے ہدایت پہنچے تو جس نے اس کی اتباع کی)(۲/۳۸)، دونوں آیات میں لفظ تَبِعَ ، تَبِعُوْنِيْ استعمال ہوا ہے۔

غور کیجئے یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہو تو پہلے رسول سے محبت کرو یا عشق کرو (نعوذ باللہ) اور نہ ہی یہ کہا جارہا ہے کہ (نام نہاد) سُنتِ رسول جو بعد والوں نے گھڑ گھڑا لی اس پر عمل کرو۔ لفظ "سُنت" تو پورے قرآن کریم میں رسول کے ساتھ استعمال ہی نہیں ہوا ہے۔ پھر یہ "سنتِ" رسول کہاں سے آگئی؟ ظاہر ہے کہ یہ ایک غیر قرآنی اصطلاح ہے۔ اس لئے آیت میں لفظ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے بھی معنیٰ غیر قرآنی نہیں لئے جاسکتے۔ بلکہ وہی معنیٰ لئے جائیں گے جو قرآن کریم کے مطابق ہوں گے کہ اللہ سے محبت کرنے میں رسول کی اطاعت کرو یعنی رسول کی طرح محبت کرو۔ تو رسول تو اللہ سے محبت اس کی ہدایت پر عمل کرکے کرتے تھے اس کے احکام کا نفاذ کرتے تھے، نہ کہ داڑھی بڑھا کر یا پائنچہ اونچا کرکے..............

**۲۔** دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۳۲)"

(تفسیر قرآن عزیز، جزء۔ ۲، سورہ اٰل عمران، آیت ۱۳۲، ص ۲۶۴)

یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے یہ بات اکیلے نہیں فرمائی بلکہ اس سے پہلے فرمایا کہ:

" يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَ اتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اے ایمان والو، کئی گنا سود نہ کھاؤ، اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ (۱۳۰) اور اس دوزخ سے بھی ڈرو جو کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے (۱۳۱)" (ایضاً۔ ص ۲۶۴)

غور کیجئے کہ یہاں بھی بات کتنی واضح ہے کہ رسول کی اطاعت کس چیز میں کرنی ہے کہ الربٰو نہ کھایا جائے، اللہ کے احکامات کی خلاف ورزی سے بچا جائے اور خلاف ورزی کے نتیجہ میں ملنے والی نار سے بچا جائے۔ اگلی چند آیات میں مزید وضاحت کی کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے کے لئے کیا کرو کہ:

۱)۔ اور اپنے رب کی مغفرت اور اس جنت کی طرف تیزی سے آؤ جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے اور جو متقیوں کے لئے تیار کی گئی ہے (۱۳۳)

۲)۔ (متقی وہ لوگ ہیں) جو فراخی اور تنگی ہر حال میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے رہتے ہیں، جو غصے کو پی جاتے ہیں اور

---

[۱]۔ رِبٰو کا ترجمہ سود کرنا صحیح نہیں یونکہ سود فارسی کا لفظ ہے اور اس کے معنیٰ فائدہ کے ہوتے ہیں۔ جبکہ فائدہ کھانا یا لینا تو جائز ہے۔

لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں (یہ نیکی کرنے والے ہیں) اور اللہ نیکی کرنے والوں ہی سے محبت کرتا ہے (۱۳۴) (یہ نہیں کہا کہ بخاری و مسلم وغیرہ پر عمل کرنے والوں سے اللہ محبت کرتا ہے)

۳)۔ اور (متقی) وہ لوگ (ہیں) کہ جب وہ بے حیائی کا کوئی کام یا اپنی جانوں پر کوئی ظلم کر بیٹھتے ہیں تو (فوراً) اللہ کو یاد کرتے ہیں اور (اس سے) اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے علاوہ گناہوں کو معاف کر بھی کون سکتا ہے اور وہ جان بوجھ کر اپنے گناہ پر اصرار نہیں کرتے (۱۳۵)

۴)۔ یہ (قرآن) لوگوں کے لئے (گذشتہ قوموں کے حالات کو واضح طور پر) بیان (کرتا) ہے اور یہ (قرآن) متقیوں کے لئے ہدایت و نصیحت (کا سرچشمہ) ہے (۱۳۸) (یہ نہیں کہا کہ بخاری و مسلم وغیرہ متقیوں کے لئے ہدایت و نصیحت کا سرچشمہ ہیں)۔

۵)۔ اور (اے ایمان والو، کافروں سے مقابلہ کرتے وقت) کمزوری نہ دکھانا اور نہ غمگین ہونا اگر تم مومن ہو تو تم ہی غالب رہو گے (۱۳۹)

۶)۔ اور بہت سے نبی ایسے گذرے ہیں جن کی معیّت میں بہت سے اللہ والے (اللہ کے راستہ میں، اللہ کے دشمنوں سے) لڑتے رہے، تو جب اللہ کے راستہ میں انہیں کوئی مصیبت پہنچی تو نہ انہوں نے ہمت ہاری، نہ کمزوری کا مظاہرہ کیا اور نہ (کافروں کے سامنے) عاجزی کا اظہار کیا (بلکہ ثابت قدم رہے) اور اللہ ثابت قدم رہنے والوں سے محبت کرتا ہے (۱۴۶) [۱]

**۳۔** آگے تیسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے سورہ النسآء کی آیت نمبر ۵۹ میں اطاعت اللہ و اطاعت رسول اور اطاعت اولی الامر کا حکم دیا ہے جو ہم پیچھے لکھ آئے ہیں اور آگے تک اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔ (وہاں دیکھ لیجئے)

**۴۔** آگے چوتھے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ احْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۹۲

اور (اے ایمان والو) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ڈرتے رہو (کہیں ایسا نہ ہو کہ اللہ یا اس کے رسول کی اطاعت نہ کر کے تم عذاب میں مبتلا ہو جاؤ) اور اگر تم (رسول کی اطاعت سے) منہ موڑو گے تو جان لو کہ ہمارے رسول کے ذمّہ تو بس (احکام الٰہی کا) صاف صاف پہنچا دینا ہے (۹۲)"

(تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔۳۔ سورۃ المآئدہ، آیت ۹۲، ص۷۸۶)

غور کیجئے کہ یہاں کتنے واضح طور پر بتا دیا گیا کہ رسول کے ذمّہ تو بس احکام الٰہی کا صاف صاف پہنچا دینا ہے اور تم کو ان احکامات کی ہی اطاعت کرنا ہے (ورنہ پھر عذاب میں مبتلا کئے جاؤ گے) کسی گھڑی گھڑائی سنتِ رسول کی اطاعت نہیں کرنا اور نہ ہی اللہ کے علاوہ کسی کے حکم کی اطاعت کرنا ہے۔ نیز جب آپ اسی آیت کے اوپر نیچے اور آیات دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ یہاں پر نشہ والی چیزوں جوئے، آستانے، تیر وغیرہ سے بچنے کے احکامِ الٰہی بتائے جا رہے ہیں اور ان احکاماتِ الٰہی ہی کی اطاعت کو اطاعتِ رسول کہا جا رہا ہے۔ اسلئے رسول نے کوئی علیحدہ سے طریقہ نہیں بتایا کہ

[۱]۔ یہ تراجم تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۲، سورہ آل عمران ہی کے صفحات ۲۶۴، ۲۷۲، ۲۷۶، ۲۹۲ سے لئے ہیں۔

کتنی اور کس طرح سے اُٹھک بیٹھک کر کے جوئے، آستانے وفال نکالنے کے تیروں یا شیطانی کاموں سے بچا جاسکتا ہے۔

**۵۔** آگے پانچویں مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

" یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

(اے رسول) لوگ آپ سے مالِ غنیمت کے متعلق سوال کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ مالِ غنیمت تو اللہ اور رسول کا ہے لہٰذا تم اللہ سے ڈرتے رہو اور (مال کی محبت میں اپنے تعلقات کو نہ بگاڑو بلکہ) اپنے باہمی تعلقات کو خوشگوار رکھو، اور اگر تم مومن ہو تو اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہو (ا)"

(تفسیر قرآن عزیز۔ جزء۔ ۴، سورۃ الانفال، آیت نمبر ا، ص ۶۸۴)

قارئین! غور کیجئے کہ آیت کس بارے میں ہے اور کس کے حکم کو اطاعتِ رسول کہا جارہا ہے؟ بالکل صاف بات ہے کہ مال غنیمت کے بارے میں اللہ تعالیٰ حکم دے رہے ہیں کہ یہ اللہ اور رسول کا ہے۔ تو اللہ کا مال بھی رسول ہی کے قبضہ میں رہے گا اور آج اولی الامر منکم یا خلیفہ الرسول کے قبضہ میں رہے گا (اسے رسول پارسل بنا کر اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں بھیج دیں گے) (اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ ورسول ایک ساتھ بولنا قرآنی اصطلاح ہے جس کے معنیٰ ہوتے ہیں کہ اللہ کا حکم / اطاعت بذریعہ رسول) تو اس بارے میں اللہ کے اسی حکم پر عمل ہو گا اور یہی اطاعتِ رسول ہو گی۔

آگے کی چند آیات میں پھر مومنین کی اور صفات بھی گنادی گئیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنے ہی کو اطاعتِ رسول کہا گیا ہے۔ یہ علیحدہ سے دوسری اطاعت نہیں۔

**۶۔** آگے چھٹے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

" یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ⑳

اے ایمان والو، اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے رہو، (اللہ اور رسول کا حکم) سُن لینے کے بعد (اس کی) اطاعت سے منہ نہ موڑو (۲۰) " (ایضاً۔ ص ۷۰۷)

قارئین! غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ کے ترجمہ میں موصوف نے قوسین میں خود لکھا ہے کہ "اللہ اور رسول کا حکم سُن لینے کے بعد" یعنی بات صاف ہو گئی کہ دونوں کا حکم ایک ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم بذریعہ رسول سنایا جاتا ہے اور اس کی اطاعت کرنا ہے۔ اور یہی اطاعت رسول ہے۔

**۷۔** آگے ساتویں مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

" وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَ تَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَ اصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۟ۚ ㊻

اور (اے ایمان والو) اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو، آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر و استقامت اختیار کرو، بے شک اللہ صبر و استقامت اختیار

کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے(۴۶)" (ایضاً۔ ص ۷۷۰)

قارئین! غور کیجئے کہ اگر ایمان والوں کو دو علیحدہ علیحدہ حکم دیئے جاتے تو اختلاف ہونا تو فطری امر ہے لیکن جب حکم صرف ایک ہی ہو یعنی اللہ کا تو پھر اختلاف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اسی لئے ایمان والوں سے کہا جارہا ہے کہ صرف اللہ کے حکم کی، جو بذریعہ رسول تم کو دیا جارہا ہے، اطاعت کرتے رہو اور کسی قسم کے اختلاف یا انتشار میں مبتلا نہ ہو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ (جیسا کہ آج ہو رہا ہے کہ اہل حدیثوں و اہل فقہ نے ایک سے زائد حکم بنا لئے اور ایک سے زائد کی اطاعت کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں فرقے فرقے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہیں۔ پھر بھی ہوش نہیں آرہا)

**۸۔** آگے آٹھویں مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"قُلۡ اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ‌ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَيۡهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيۡكُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ‌ؕ وَاِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا‌ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِيۡنُ ۝۵۴

(اے رسول، آپ) کہہ دیجئے اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم منہ موڑو تو رسول پر (ان ہی باتوں کی ذمہ داری) ہے جن کے وہ مکلّف بنائے گئے ہیں اور تم پر (ان باتوں کی ذمہ داری) ہے جن کے مکلّف تم بنائے گئے ہو اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پر چل کر منزل مقصود پر پہنچ جاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو بس (اللہ کے احکام کو) صاف صاف پہنچا دینا ہے (۵۴)"

(تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۷۔ سورہ النور۔ آیت نمبر ۵۴، ص ۱۵۴)

قارئین! غور کیجئے کہ آیت کریمہ میں دو مرتبہ واضح کر دیا گیا کہ اطاعت رسول کیا ہے:

(۱)۔ وَ اِنۡ تُطِيۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا‌ؕ کہ "اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پر چل کر منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ گے"۔ یعنی اطاعت ہدایت کی ہو گی جو رسول نے پہنچائی اور ہدایت کیا ہے؟ وہ جو اللہ کی طرف سے آتی ہے (۳۸/۲، ۲۳/۵۳، ۱۲۳/۲۰، ۷۱/۶) اور جو رسول کو دیکر بھیجا گیا (۲۸/۴۸، ۹/۶۱)

(۲)۔ "اور رسول کے ذمہ تو بس اللہ کے احکام کو صاف صاف پہنچا دینا ہے" اور یہ احکام کہاں ہیں تو آپ جانتے ہیں کہ یہ اس کی کتاب القرآن المجید میں ہیں۔ تو رسول تو صرف اسی کا بلاغ کرتے تھے اور اسی کی اطاعت کو اطاعتِ رسول کہا گیا۔

نیز اس آیت کی وضاحت دو آیت پہلے بھی کر دی گئی جب کہا گیا کہ:

"اور جو شخص اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرے اور اللہ سے ڈرے اور اس (کی نافرمانی) سے بچتا رہے تو ایسے ہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں (۵۲)" (ایضاً۔ ص ۱۵۴)

قارئین! غور کیجئے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کا اصطلاحی جملہ استعمال کر کے فوراً وضاحت کر دی کہ یہ ڈرنا تو صرف اللہ سے ہے اور اس ہی کی نافرمانی سے بچنا ہے۔ **اگر رسول کا حکم اللہ کے علاوہ دوسرا حکم ہوتا تو پھر ان کے لئے بھی کہا جاتا کہ رسول کی نافرمانی سے بچو۔** یہاں دیگر آگے پیچھے کی اور آیات غور سے پڑھئے سب جگہ رسول کی اطاعت اللہ ہی کے احکام کی اطاعت بتائی گئی ہے اور کہیں بھی اسے اللہ کے علاوہ اطاعت یا حکم نہیں بتایا گیا۔

**۹۔** آگے نویں مقام پر، پچھلے مقام سے صرف ایک آیت بعد ہی، فرمایا کہ:

" وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝

اور (اے ایمان والو) نماز قائم کرو، زکٰوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے (۵۶)

(ایضاً۔ ص ۱۶۰)

قارئین! غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں " اَطِیْعُوا اللّٰہَ " اور " اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ " دونوں ایک ساتھ نہیں کہا گیا بلکہ " اَطِیْعُوا اللّٰہَ " کی جگہ " اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ " کہہ کر واضح کر دیا گیا کہ اللہ کے (ان جیسے) احکام ہی میں رسول کی اطاعت کرنی ہے۔ آگے آیات غور سے پڑھئے تو ان میں اللہ تعالیٰ کچھ گھریلو / معاشرتی احکام دے رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان کی اطاعت رسول نے بھی کرنی ہے اور امت نے بھی۔ اور یہی اطاعت رسول کے معنیٰ ہیں۔

**۱۰۔** آگے دسویں مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

" یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ لَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَکُمْ ۝

اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو، رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو ضائع نہ کرو (۳۳)

(تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۹۔ سورہ محمد۔ آیت نمبر ۳۳، ص ۴۲)

یہ اعمال ضائع کرنے کی بات کیوں ہو رہی ہے اس کو سمجھنے کے لئے ذرا اس سے پہلے والی آیت دیکھ لیجئے بات واضح ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

ترجمہ: "جن لوگوں نے ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد کفر کیا، (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا اور رسول کی مخالفت کی وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اللہ ان کے تمام اعمال کو ضائع کر دے گا (۳۱) (ایضاً۔ ص ۴۲)

قارئین! دیکھا آپ نے کہ کس کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے؟ ان کے جو اللہ کی ہدایت ظاہر ہو جانے کے بعد کفر کریں گے، جو لوگوں کو اللہ کی ہدایت یعنی اس کے راستہ سے روکیں گے، اور رسول کی مخالفت کیا ہے؟ کہ جب اللہ کی طرف سے ہدایت آجانے کے بعد رسول لوگوں کو بتاتا ہے کہ یہ اللہ کی ہدایت ہے، یہ اللہ کا راستہ ہے، یہ اللہ کی کتاب ہے تو وہ اس کی مخالفت کر کے اس کا استہزاء کرتے ہیں اور اس کتاب کو شاعری کی کتاب یا رسول کی اپنی بنائی ہوئی کتاب کہتے ہیں یا پھر غیر اللہ کی طرف سے لکھوائی گئی کتابوں کی اطاعت کروانا چاہتے ہیں اور اللہ کی کتاب کو مجمل یا نکما قرار دے دیتے ہیں۔ یعنی وہ اللہ کی ہدایت / اس کی کتاب کی اطاعت کسی طرح کرنے کو راضی نہیں ہوتے۔ گویا کہ وہ رسول کی اطاعت نہیں کرتے بلکہ مخالفت کرتے ہیں۔ اس لئے ان لوگوں کے اعمال ضائع کر دیئے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ رسول کے ذریعہ بتائی گئی اللہ کی ہدایت کی اطاعت کریں تو ان کے اعمال ضائع نہ کئے جائیں گے۔

قارئین! اگر آپ اس آیت کریمہ سے چند آیات پہلے کی آیات پر غور کریں تو یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ رسول کی اطاعت اللہ کے احکام کے علاوہ حکومتی امور میں بھی تھی کہ جنگ کی تیاری اور جنگ لڑنے وغیرہ میں رسول کی اطاعت کرنی تھی۔ جن لوگوں نے اس سے منہ موڑا ان کے لئے کہا گیا کہ اللہ نے ان پر لعنت کر دی ہے (آیت ۲۰۔ ۲۲) اور پھر یاد دہانی اسی اصل ہدایت کی طرف کرائی گئی کہ:

"تو (آخر) یہ لوگ قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں (۲۴)" (ایضاً۔ ص ۳۴)

**۱۱۔** آگے گیارھویں مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَیْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ؀"

ترجمہ (اور اے ایمان والو!) کیا سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے سے تم ڈر گئے، اگر تم ایسا نہ کر سکے تو اللہ تم پر رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا (یعنی اس حکم کو منسوخ کر دیا) تو (اب کم از کم اتنا تو کرو کہ) نماز کو قائم رکھو، زکوٰۃ دیتے رہو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے رہو (اور یہ یقین رکھو کہ) جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے باخبر ہے (۱۳)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۹، سورہ مجادلہ، آیت نمبر ۱۳، ص ۵۳۴)

قارئین! غور کیجئے کہ اسی آیت کریمہ ہی میں جواب موجود ہے کہ اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کے احکام کی کرنا ہے۔ مزید آگے پیچھے اور آیات پڑھ لیجئے اور غور کیجئے تو بھی یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات ہی کی اتباع کو اطاعت اللہ و رسول کہا گیا ہے یونکہ صرف اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی اطاعت دائمی ہے ورنہ تو رسول کی حکومتی امور وغیرہ میں اطاعت عارضی اور وقتی تھی۔ (اور اب وہ عارضی اور وقتی اطاعت اولی الامر کی ہے)

یہاں سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دینے کی بات بھی عارضی ہی تھی اور جب ہی ممکن تھی جب رسول زندہ موجود تھے۔ جب آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے تو یہ عارضی شرط بھی ختم ہو گئی اب اس کے معنیٰ یہ تو نہیں ہو سکتے کہ جب تم (نام نہاد) احادیث سننے لگو یا سنانے لگو یا پڑھنے لگو تو صدقہ کر دیا کرو!

**۱۲۔** آگے بارھویں مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

"وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰي رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ؀"

اور (اے لوگو) اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر تم (اطاعتِ رسول سے) منہ موڑو تو ہمارے رسول کے ذمہ تو بس صاف صاف پہنچا دینا ہے (۱۲)" (تفسیر قرآن عزیز، جزء۔۹، سورہ تغابن، آیت نمبر ۱۲، ص ۷۲۲)

قارئین غور کیجئے کہ اس آیت کریمہ میں بھی بات واضح کر دی کہ کس چیز کی اطاعت کرنی ہے؟ اس چیز کی جو پہنچانا رسول کے ذمہ ہے۔ تو رسول کے ذمہ تو صرف ہدایت یعنی قرآن کریم کا پہنچا دینا تھا (جیسا کہ اسی سورہ تغابن ہی میں بتا دیا گیا کہ وہ پیغام یا ہدایت النُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (آیت نمبر ۸) تھا۔ یعنی نام نہاد احادیث نہیں) اور وہ انہوں نے پہنچا دیا (اس کے علاوہ (نام نہاد) احادیث کا پہنچانا ان کے ذمہ نہیں تھا، وہ انہوں نے نہیں پہنچائیں بلکہ بعد والوں نے قرآن کے خلاف سازش کے تحت گھڑیں اور پہنچائیں)۔ اور اس حقیقت کو بالکل ہی اگلی آیت کریمہ میں مزید واضح کر دیا کہ:

"اللہ (ہی الٰہ ہے)، اسکے علاوہ کوئی الٰہ نہیں اور مومنین کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہئے" (۱۳) (ایضاً۔ ص ۷۲۲)

یعنی بات صاف ہے کہ الٰہ ہوتے ہوئے احکام دینا صرف اسی کا حق ہے۔ لیکن چونکہ وہ اپنے احکام اپنے رسول

کے ذریعہ دیتاہے اس لئے رسول کی اطاعت کا حکم دیاہے جو کہ اصل میں اسی کے عطا کردہ احکام کی اطاعت ہے۔

اسی حقیقت کو پھر دو آیت کے بعد دوہرادیا کہ:

"(اے ایمان والو) جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو، (احکام الٰہی کو) سنو اور اطاعت کرو اور (اللہ کے راستہ میں) خرچ کرتے رہو، (یہ) تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور جو شخص نفس کے بخل سے بچالیا گیا تو ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۱۶)" (ایضاً۔ ص۷۲۹)

قارئین غور کیجئے کیا سننے اور اطاعت کرنے کی بات ہورہی ہے؟ "احکام الٰہی کو سنو اور اطاعت کرو"۔ یہ نہیں کہا کہ رسول کی نام نہاد حدیث سنو اور اطاعت کرو۔

پس ثابت ہو گیا کہ "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" اللہ ہی کے احکام کو سننے اور اطاعت کرنے کو کہا گیا اور رسول کے احکام، اللہ کے احکام کے علاوہ نہیں۔ ہاں البتہ حکومتی امور میں رسول کے جو احکامات ہوتے تھے وہ عارضی اور وقتی تھے۔ اور اب ان معاملات میں خلیفۃ الرسول یا اولی الامر کی اطاعت ہو گی۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے احکامات سنانے اور ان کی اطاعت کرانے کا پابند ہو گا۔ اور اگر ایسا نہیں تو پھر اولی الامر کے قول وفعل و تقریر کی کتابیں بھی مرتب ہونا چاہئے اور ان کی اطاعت ہونا چاہئے۔ اور پھر یہ عقیدہ بننا چاہئے کہ اولی الامر جو کچھ قول وفعل و تقریر کرتا ہے وہ بھی وحی پوشیدہ ہوتا ہے۔ آخر غیر نبی ورسول پر بھی تو وحی آسکتی ہے (جیسا کہ پیچھے ثابت کیا جا چکا اور ہمارے موصوف بھی مانتے ہیں)۔ اور پھر اس طرح سے تین [۳] احکام اور تین [۳] اطاعتوں کا عقیدہ جو موصوف نے اپنی تفسیر میں پیش کیا سچ ہو جائے گا۔ شاید آنے والے مستقبل میں ایسا بھی شیطانی عقیدہ بنالیا جائے گا جیسا کہ اب (نام نہاد) احادیث کو ماننے کے لئے انہیں وحی پوشیدہ قرار دے کر کتاب اللہ قرار دیدیا گیا۔ (معاذ اللہ)

قارئین! غور کیجئے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اب جب رسول موجود نہیں تو پھر ان کی اطاعت کیسے ہو گی؟ اب اولی الامر موجود ہے اس کی اطاعت ہو گی۔ یا پھر رسول کے سامنے ہمیں حاضر کر دیجئے تو ہم ان کی اطاعت کریں گے۔

اطاعت کس طرح ہو گی کہ: دین کے معاملہ میں اللہ کی کتاب موجود ہے اگر اولی الامر اس کی اطاعت کروائے گا تو اس کی اطاعت ہو گی اور غیر دینی معاملات میں (یعنی ان دنیاوی معاملات میں جن کے بارے میں اللہ کی کتاب نے کچھ نہیں بتایا، یا تفصیل نہیں بتائی) مشاورتی فیصلوں کی اطاعت ہو گی۔ یہی کچھ رسول کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنا محکوم نہیں بناتا (۳/ ۷۹) بلکہ اللہ کی کتاب کے احکام کی اطاعت کرواتا ہے اور غیر دینی معاملات و امور میں اپنے مشاورتی فیصلوں کی اطاعت کرواتا ہے۔ رسول اور اولی الامر دونوں کے پاس ایک چیز مشترکہ ہے یعنی "کتاب اللہ" اور اسی میں دیئے گئے احکام الٰہی کا نفاذ، قیام، پابندی و اطاعت دونوں کرواتے ہیں اور اسی کو اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ (۴/ ۵۹) کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ بھی کوئی معمولی آدمی نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذمہ رسولی فریضہ بلاغ ہوتا ہے، اس کا قیام و نفاذ ہوتا ہے، وہ ہمارے دور کا صدر یا وزیر اعظم نہیں ہوتا ہے جو کہ اللہ کی کتاب ہی سے ناواقف ہوتا ہے یا زیادہ سے زیادہ اس کا ناظرہ خواں۔

ہاں اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کے ایک معنی اور ہو سکتے ہیں کہ اگر اب کوئی اور رسول یا نبی آجائے تو اس کی اطاعت کرنا ہے۔ اور حسنِ اتفاق سے اہل حدیث و اہل فقہ اور ہمارے موصوف سب کا عقیدہ یہ ہے ہ اب کوئی رسول یا نبی نہیں آئے

گایونکہ محمد رسول اللہ سلامٌ علیہ آخری نبی ورسول ہیں۔ مگر اس عقیدہ کے خلاف ان کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ جو کہ نبی ورسول ہیں پھر تشریف لائیں گے ........... قطع نظر ان کے متضاد عقیدہ کے (جو کہ ختم نبوت کے پاکستانی قانون کے بھی خلاف ہے) اگر حضرت عیسیٰ سلامٌ علیہ پھر تشریف لائے تو ان کی اطاعت فرض ہو گی اور اسی طرح سے کہ وہ کتاب اللہ یعنی قرآن مبین کے احکامات کی اطاعت کروائیں گے اور دنیاوی امور میں ان کی اطاعت کی جائے گی۔ پھر احادیث کی نئی کتابیں مرتب کی جائیں گی۔ اس مرتبہ گھڑنے اور جمع کرنے میں دوڈھائی سو سال کا عرصہ نہیں لگے گا بلکہ چونکہ سائنسی دنیابہت ترقی کر گئی ہے اور بالخصوص عیسیٰ سلامٌ علیہ کی امت جو کہ تعداد کے لحاظ سے اس وقت سب سے بڑی امت ہے اور سب سے زیادہ طاقتور بھی اور اس معاملہ میں بہت آگے بھی وہ فوراًہی ان کے قول و فعل و تقریر کو آڈیو، ویڈیو ہر طرح سے ریکارڈ بھی کرلے گی اور لکھ کر کتابیں بھی بنادے گی...................... مگر پھر بچاری صحیح بخاری و صحیح مسلم اور فتح الباری کا کیا ہو گا؟ جب صحیح امریکی یا صحیح واشنگٹنی شائع ہو جائے گی؟

قارئین خیال رہے کہ ہم جو اَب بیسویں صدی میں مسلم ہوئے ہیں تو وہ اس طرح کہ:

★۔ پہلے ہم سب اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ۔۲۸۵/۲ (نیز۱۷۷/۲ ، ۵۳/۳)

★۔ پھر اسکے ملائکہ اور کتاب قرآنِ مبین وپہلے کی کتب پر ایمان لائے۔ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ۔۲۸۵/۲ (نیز۱۷۷/۲ ، ۵۳/۳)

★۔ تو ہمیں معلوم ہوا کہ اس کے تمام رُسُل اور یوم آخرت پر ایمان لانا ہے۔ سو وہ ایمان ہم لائے۔ وَرُسُلِهٖ والیوم الاٰخر ۔۲۸۵/۲ (نیز۱۷۷/۲ ، ۵۳/۳) یعنی صرف ان پانچ چیزوں پر ایمان لانا ہے (نام نہاد) احادیث پر نہیں

★۔ پھر ہمیں معلوم ہوا کہ وہ تمام رُسل تو گزر چکے (۱۴۱/۳) اور ہمارے سامنے تو کوئی بھی موجود نہیں تو اب کس کی اطاعت کریں؟ کیا عیسیٰ سلامٌ علیہ کے آنے کا انتظار کریں؟ تو اُس وقت تک کس کی اطاعت کریں؟

★۔ چنانچہ اللہ کی اسی کتاب مبین نے ہمیں بتایا کہ یہی نصیحت وہدایت ہے (۲/۲ ، ۱۹/۷۳ ، ۲۹/۷۶ ، ۱۰۴/۱۲) اور اسی کی اطاعت و اتباع کرنی ہے (۳۸/۲) اور یہ قیامت تک اسی طرح سے باقی رہے گی یونکہ اس کا محافظ خود اللہ تعالیٰ ہے (۹/۱۵)

★۔ اور اپنی ہدایت و احکام (جو رسول نے پہنچائے) ہی کی اطاعت کے لئے اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کہا (۹۲/۵ ، ۵۴/۲۴ ، ۱۲/۶۴) (مزید دیکھئے ۳/۷ ، ۲/۳۳ ، ۱۰۹/۱۰ ، ۱۵۶/۶ وغیرہ)

★۔ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ کے حکم پر رسول کے زمانہ میں عمل ہوا۔ اور اب جب وہ ہم میں نہیں تو اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (۵۹/۴) کا حکم دیا جو ہم پر لاگو ہوتا ہے۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم تلاش کریں کہ اُولِي الْاَمْرِ کون ہے جو اللہ کی ہدایت یعنی صرف قرآن مبین کی اتباع واطاعت کرانا چاہ رہا ہے اور فرقہ وارانہ مذاہب اور خود ساختہ اسلام کے ایڈیشنوں سے اظہار برأت کر رہا ہے۔ کون ہے جو چاہتا ہے کہ صرف قرآنی معاشرہ قائم کر کے قرآنی احکام کا نفاذ کیا جائے جو ہر طرح کے شرک سے پاک ہو۔ اور خالص اسلامی نظام اور حکومت قائم ہو جائے اور جمہوری نظام ختم کیا جائے جس میں غریب عوام کا استحصال کیا جاتا ہے۔ اور اس حقیقت کی تصدیق خود اللہ تعالیٰ اپنی الکتاب میں کر رہے ہیں کہ محمد سلامٌ علیہ صرف رسول تھے اور ان کی وفات کے بعد ہمیں کفر وشرک کی طرف لوٹنا نہیں ہے (۱۴۴/۳) بلکہ اللہ تعالیٰ

کی ہدایت جو انہوں نے اپنے رسول کے ذریعہ عنایت فرمائی اسی کو پکڑے رہنا ہے (۳۸/ ۲، ۱۲۳/ ۲۰، ۴۳-۴۴/ ۴۳)
اور اسی کی اطاعت کرنا ہے غیر اللہ کی لکھی لکھائی کتابوں کی نہیں (۱۲۱/ ۲، ۴۵/ ۲۹، ۴۷/ ۲۸، ۱۷۰/ ۷، ۱۵/ ۱۰)

## قرآن الحکیم ہی کتاب اللہ ہے (نام نہاد) حدیث کتاب اللہ نہیں

قرآن کریم جب نازل ہو رہا تھا تو مشرکین مکہ اور دیگر اہل کتاب بہت گھبرا گئے تھے اور رسول اللہ سلامٌ علیہ سے فرمائش کرتے تھے کہ "اس کے سِوا کوئی اور قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے" (۱۵/ ۱۰) مگر رسول اللہ سلامٌ علیہ فرماتے تھے کہ "مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں۔ میں تو اسی کی اتباع کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں (یعنی اسی کی اتباع نہ کروں) تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب سے خوف آتا ہے" (۱۵/ ۱۰)۔ چنانچہ رسول اللہ سلامٌ علیہ اور اس قرآن کے مؤمنین اوّلین کے دَور میں قرآن کو بدلنے کی تمام کوشش دشمنان قرآن کے قلوب ہی میں گھٹتی رہی لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ وقت آ گیا جب تیسری صدی میں دشمنانِ اسلام قرآنِ کریم کے متبادل اور متوازی لٹریچر فراہم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور امت کے سامنے اس کو مثلِ قرآن (**مثلہٗ و معہٗ**) کر کے پیش کر دیا۔ امت میں سے جو لوگ حق پر تھے انہوں نے اس مثلِ قرآن کا انکار کیا تو ان پر کفر و الحاد کے فتوے لگا دیئے گئے باقی اکثریت اس شرک میں شریک ہو کر اللہ تعالیٰ کی آیت کے مصداق ہو گئی کہ " لوگوں میں ایسے لوگ اکثریت میں ہوتے ہیں جو ایمان لانے کے باوجود بھی شرک کرتے رہتے ہیں" (۱۰۶/ ۱۲) آج کے دَور میں جب اس اکثریت کو سمجھانے کی کوشش کرو تو وہ سمجھنے پر آمادہ ہی نہیں ہوتے حتیٰ کہ جب قرآن کریم کی آیات سُناؤ تو بھی وہ اس نصِ صریح کو اانکار کرتے ہوئے فوراً ہی قرآن کریم پر اعتراضات کرنا شروع کر دیتے ہیں بلکہ اب تو وہ بڑی بے باکی سے یہ پوچھنے لگے ہیں کہ قرآن کے صحیح ہونے یا اس کے کتاب اللہ ہونے کا کیا ثبوت ہے؟ نیز وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ قراان تو ہمیں (نام نہاد) حدیث کے ذریعہ ملا ہے۔ (معاذ اللہ)

قارئین! ہمارا جواب بڑا سیدھا سا اور دوٹوک ہے کہ ہمیں وہ (نام نہاد) حدیث دکھا دو جس میں قرآن کریم لکھا ہوا ہو۔ چلو اگر ایک (نام نہاد) حدیث نہیں تو ایک سو، ایک ہزار، ایک لاکھ دکھا دیں۔ چلو کسی ایک (نام نہاد) حدیث کی کتاب میں پورا قرآن کریم لکھا ہوا دکھا دو۔ ایک کتاب میں نہیں، صحاح اربعہ یا صحاح ستہ میں دکھا دو۔ چلو پورے ذخیرہ (نام نہاد) احادیث میں دکھا دو۔

قرآن کریم تو بہت ہی بڑی بات ہے وہ صرف اپنی نماز کسی ایک (نام نہاد) حدیث کی کتاب میں یا صحاح ستہ میں نہیں دکھا سکتے اور سینکڑوں کتابوں سے جو نماز جمع کی ہے وہ بھی پوری نہیں جیسا کہ ہم پیچھے ثابت کر چکے ہیں۔

جہاں تک ان کے پہلے سوال کا تعلق ہے تو اس کا جواب بھی سیدھا سادہ اور دوٹوک ہی ہے کہ تم تو نہیں مانتے کہ قرآن کتاب اللہ ہے مگر دنیا کا ہر شخص (خواہ وہ کسی مذہب کا بھی ہو) مانتا ہے کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے یا اسلام قبول کرنے والوں کی کتاب ہے (حالانکہ یہ دنیا کے تمام انسانوں کے لئے ہے (۵۲/ ۱۴، ۸۷/ ۳۸)۔ یہ (نام نہاد) حدیث کا شوشہ تو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی کی بات ہے جب شاہ ولی اللہ صاحب حج سے واپسی پر چند (نام نہاد) حدیث کی کتابیں ساتھ لائے

ورنہ بر صغیر ہند و پاک میں مسلمین سوائے قرآن کریم کے اور کسی کتاب کو نہیں جانتے تھے اور آج بھی تقریباً ہر بچے کی بسم اللہ قرآن شریف ہی پڑھا کر کی جاتی ہے اور پھر پورا قرآن ختم کرایا جاتا ہے خواہ وہ صرف ناظرہ ہی ہو۔ مگر (نام نہاد) حدیث کی کتاب سے آج تک کسی نے بسم اللہ نہیں کرائی اور نہ ہی اسے ناظرہ پڑھایا۔ بسم اللہ کرانے کے ساتھ ساتھ بچے کو کلمے یاد کرائے جاتے ہیں اور ان میں صرف قرآن کریم ہی پر ایمان لانا یاد کرایا جاتا ہے (نام نہاد) حدیث پر نہیں۔ خود اہل حدیث بھی اپنے بچوں کو اس وقت کلمات یاد کراتے ہوئے (نام نہاد) حدیث پر ایمان لانے کو نہیں پڑھاتے ہیں لیکن بڑے ہونے کے بعد وہ کہتے ہیں کہ اب (نام نہاد) حدیث پر بھی ایمان لاؤ! (معاذ اللہ)

چلئے چھوڑیئے، یہ بات تو ہم نے بر صغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی کر دی چونکہ بچہ مسلمان کے ہاں پیدا ہوا اس لئے اس کی بسم اللہ بھی ہوئی اور اسے قرآن کریم ناظرہ پڑھایا گیا اور یہ عمل تواتر سے چلا آرہا ہے، آپ دوسرے مذاہب والوں سے پوچھ لیجئے کہ مسلم ہونے کے لئے کیا کرنا ہو گا تو وہ آپ کو یہی بتائے گا کہ مسلمین کی ایک کتاب ہے "قرآن"، اس پر ایمان لانا ہو گا، اس کو پڑھنا ہو گا اور اس پر عمل کرنا ہو گا اور اپنے پرانے عقائد و اعمال کو چھوڑنا ہو گا۔ حد تو یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے علماء و دانشور، قرآنِ کریم باقاعدگی سے پڑھتے ہیں اور اس سے استفادہ کرتے ہیں (حتیٰ کہ اسے پڑھ کر ہی چاند پر کمندیں ڈالتے ہیں) اور صرف یہی نہیں بلکہ وہ قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھتے ہیں[1]۔ (کیا یہ کام وہ پہلے نہیں کرتے رہے؟) الغرض ہمیں (نام نہاد) حدیث نے قرآن کریم کے بارے میں نہیں بتایا بلکہ تواتر سے قرآن کریم ہم تک پہنچا اور اہل حدیثوں کے علاوہ ہر مذہب والے نے ہمیں قرآن کریم کے متعلق بتایا۔ کہ یہ اللہ کی کتاب ہے جس کا متن آج تک کوئی نہیں بدل سکا۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہوا کہ جب قرآن کریم میں کوئی تبدیلی نہ کر سکے تو سازشیوں نے عجیب عجیب عقائد بنا کر پھیلانا شروع کئے اس طرح اسلام اور قرآن پر ضربیں لگاتے رہے۔ مثلاً:

(۱)۔ قرآن شریف رسول سلامٌ علیہ کے زمانہ میں کتابی شکل میں لکھا نہ جا سکا تھا۔ بعد میں جب جمع کر کے لکھا گیا تو کچھ آیات اس میں لکھے جانے سے رہ گئیں۔ (مثلاً رضاعت، کبیر والی آیت)

(۲)۔ کچھ آیات جس طرح سے (یعنی جن الفاظ میں) نازل ہوئی تھیں اس طرح سے قرآن کریم میں نہیں لکھی جا سکیں اس لئے معنوں کا فرق پڑ سکتا ہے۔

(۳)۔ رسول اللہ سلامٌ علیہ پر قرآن کے مثل اور بھی وحی ہوتی تھی۔ وغیرہ وغیرہ

چنانچہ انہیں نے قرآن کے مثل تیس پاروں کی (نام نہاد) حدیث کی کتابیں بھی تالیف کر دیں۔ مگر اہل حق ان کا بھی انکار کرتے رہے کہ یہ کتابیں مثلِ وحی نہیں ہیں بلکہ جعلی ہیں۔ وحی کی طرح تو ایک سورت یا ایک آیت بھی نہیں ہو سکتی۔ کلام اللہ اور کلام الناس کا فرق تو اندھے کو بھی معلوم ہو جاتا ہے اس کے لئے تو مزاج شناس رسول ہونا بھی ضروری نہیں.......... تو انہوں نے نئے حربے نکالے یعنی قرآن کریم کی تفسیریں لکھ کر پھیلانا شروع کر دیں اور ان میں اپنے غیر اسلامی عقائد بھر دیئے۔ آخر کہیں تو کوئی حربہ کارگر ہو گا!

---

[1]۔ کچھ عرصہ پہلے ہی بر صغیر میں کام کرنے والے عیسائی مبشر' ای۔ ایم۔ وہیری نے چار جلدوں میں "تفسیر قرآن" لکھی ہے اور پادری پیٹرک ہیوزن نے "ڈکشنری آف اسلام" لکھی ہے۔ بحوالہ رسالہ "عالم اسلام اور عیسائیت" دسمبر ۱۹۹۴ء ص ۴، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد۔

(۴)۔ حد تو یہ کہ چونکہ قرآنی الفاظ بدلنے پر قدرت نہ پا سکے تو انہوں نے ایک اور نیا حربہ نکالا کہ قرآنی الفاظ یا آیات کے ساتھ کچھ غیر قرآنی الفاظ آگے پیچھے بڑھا دیئے[۱] یا پھر قرآن کے باہر آیات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے لگے[۲]

آج امت کی اکثریت سازشیوں کے پھیلائے ہوئے عقائد ہی میں مبتلا ہے اور اہل حق سے الٹا سوال کرتی ہے کہ قرآن کے صحیح ہونے کا ثبوت کیا ہے؟

ہم کہتے ہیں کہ قرآن کریم کے صحیح ہونے کا ثبوت صرف یہی کافی ہے کہ تمام غیر مسلم اقوام و مذاہب والے اس کو صحیح اور اللہ کی کتاب مانتے ہیں اور آج تک کوئی اس جیسی ایک سورۃ یا ایک آیت بھی نہ بنا سکا۔ لاؤ اگر تم ایک سورۃ اس جیسی بنا سکتے ہو؟

قرآن کریم کے اللہ کی کتاب اور صحیح ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ روزانہ ہی خود اہل حدیث اور اہل فقہ کے علما یہ بیانات اخباروں میں جاری کرتے رہتے ہیں کہ:

"قرآن ہی اللہ کی ہدایت کی کتاب ہے"

"قرآن مکمل ضابطہ حیات ہے"

"قرآن چھوڑنے کی وجہ سے آج ہم ذلیل و کمزور ہیں"

"ہماری ترقی کا راز قرآن پکڑ لینے میں ہے" وغیرہ وغیرہ

اور حد تو یہ ہے کہ اہل حدیثوں کے علاوہ دوسرے (اہل فقہ والے) یہ نعرہ بھی در و دیوار پر لکھتے رہتے ہیں کہ:

"ہمارا اللہ ایک، ہمارا رسول ایک اور ہماری کتاب ایک پھر یہ تفرقہ کیوں؟"

مگر افسوس کہ پھر بھی اس ایک کتاب کو جو کہ اُمُّ الکتاب ہے، اصل کتاب ہے، ٹیکسٹ بُک ہے نہیں مانتے اور جوشِ سحر میں اس کی تکذیب کرتے رہتے ہیں۔

قارئین! گواہ رہیئے کہ اللہ کے فضل و کرم سے ہم تو سحر زدہ نہیں اور صرف اصل کتاب ہی پر ایمان لائے ہیں اور اسی کو مانتے ہیں۔ اور سیدھی سی حقیقت جانتے ہیں کہ دنیا میں آج تک (یعنی پچھلے چودہ سو سال میں) کوئی اس جیسی کتاب یا ایک جزء بھی نہ پیش کر سکا۔ کیا یہ حقیقت یہ ثابت کرنے کے لئے کافی نہیں کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ جس میں کوئی گھڑی ہوئی آیت نہیں۔ جسے جانچنے پرکھنے یا اس کے راویوں کی جانچ پرکھ کی ضرورت ہو۔ اور یہ حقیقت صرف اس وقت ہی آشکارا ہوتی ہے جب کوئی اسے پڑھتا ہے۔ جب کوئی اسے پڑھے ہی نہیں بلکہ صرف عربی کی ناظرہ خوانی کرے اور کہے کہ پڑھ لیا تو وہ جھوٹ بولتا ہے۔ وہ پڑھنا نہیں ہوا۔ بغیر سمجھے کسی کتاب کو پڑھنا، پڑھنا نہیں کہلاتا۔ آج تک دنیا میں کوئی ایسا بیوقوف نہیں ہوا جو کسی ایسی کتاب کو پڑھے جسے وہ سمجھ ہی نہ سکے۔ لیکن ایسا بیوقوف ایک عجمی مسلمان ہوتا ہے جو عربی سمجھ نہیں سکتا مگر قرآن کریم کا عربی

---

۱۔ دیکھئے عام دعاؤں کی کتابیں جن میں بہت سے مقامات پر قرآنی آیات یا دعاؤں میں غیر قرآنی الفاظ بڑھائے گئے ہیں۔ مثلاً ایمان لانے والی آیت میں "وَ تُوْمِنِ بِالْقَدَرِ خَیْرِہٖ وَ شَرِّہٖ کے الفاظ بڑھائے، سواری پر بیٹھنے کی دعا میں الفاظ بڑھائے گئے۔ وغیرہم۔

۲۔ مثلاً شیخ الہند نے سورہ النساء کی آیت نمبر ۵۹ میں الفاظ بڑھا کر اپنی کتاب "اِیضاحُ الادِلّٰہ ص۹۷ پر" الحمد شریف یعنی سورہ فاتحہ کے اختتام پر "آمین" بڑھایا گیا۔ پیش کر کے اپنے عقیدہ کے صحیح ہونے کی دلیل دی اور بحث کی۔ وغیرہم۔

متن پڑھتا ہے یعنی ناظرہ خوانی کرتا ہے (قرآن خوانی کرتا ہے) اور پھر اکڑ کر کہتا ہے میں نے قرآن کریم پڑھ لیا۔ کیا اس سے بڑا مذاق دنیا میں کوئی ہو سکتا ہے؟

قارئین اب بھی اگر آپ سے کوئی اہل حدیث یا اہل فقہ یہ سوال کرتا ہے کہ آپ کے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے تو آپ اس کو وہ جواب دیجئے جو خود باری تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اچھا یہ اگر اللہ کی کتاب نہیں ہے تو تم اس جیسی بنالاؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس جس کو بلاسکتے ہو بلا بھی لو (۲۳/۲، ۳۸/۱۰، ۳۴/۵۲) اور اگر وہ تمہارا چیلنج قبول نہ کریں تو جان لو کہ وہ قرآن اللہ ہی کے علم سے نازل ہوا ہے (۱۴/۱۱) اور یہ بھی جان لو کہ یہ لوگ صرف اپنی خواہشوں کی اتباع کرتے ہیں (کہ ظنّ یعنی گھڑی گھڑائی نام نہاد احادیث کی اتباع کرتے ہیں)۔ تو ان سے زیادہ کون گمراہ ہو گا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہشوں کے پیچھے چلے۔ بیشک اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ (۲۸/۵۰-۴۹)

# تأسُف

قارئین! میں نے انتہائی نیک نیتی کے ساتھ یہ کتاب لکھنا ۱۰ رمضان ۱۴۱۶ھ (بمطابق ۳۱ جنوری ۱۹۹۶ء) میں شروع کیا تھا۔ اس وقت میرے موصوف (استاذ) جناب مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین بقید حیات اور صحتمند تھے۔ مگر افسوس کہ تقریباً ایک سال بعد اچانک ان کے انتقال کی خبر ملی جو میرے لئے انتہائی افسوس کا باعث ہوئی۔ مجھے افسوس صرف اس وجہ سے نہیں ہوا کہ وہ میرے استاد اور امیر رہے تھے۔ بلکہ مجھے افسوس اس وجہ سے زیادہ ہوا کہ کتاب لکھنے کا میرا مقصد ان کی غلطی کی نشاندہی کرکے پوری "جماعت المسلمین" کی اصلاح کرنا تھا یونکہ یہ جماعت انہوں نے بڑی عرق ریزی اور نیک نیتی سے "**الحق**" یعنی صحیح اسلام، جو آخر میں محمد رسول اللہ سلامؐ علیہ پر بھی نازل ہوا تھا، کو پکڑنے کے لئے تشکیل دی تھی۔ مگر پتہ نہیں کہاں کیوں اور کیسے وہ صراط مستقیم سے نکل کر نیا عقیدہ بنا بیٹھے کہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے"۔ اور پھر ساری محنت صرف اس خود ساختہ عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے میں صرف کردی۔ اس طرح صراط مستقیم سے ہٹ کر صراط سقیم پر آ گئے۔ میری تمنا اور دلی آرزو یہ تھی کہ اگر بات ان کی سمجھ میں آ جائے اور وہ رجوع کرلیں تو پوری جماعت کی اصلاح ہو جائے گی اور یہ جماعت دنیا کی بہترین جماعت ہو جائے گی۔ مگر افسوس کہ یہ کتاب میں موصوف کو نہ پیش کر سکا۔ بہر حال اب یہی توقع، میں ان کے جانشین اور نئے امیر جماعت سے رکھتا ہوں (گو کہ ان کی تو تمام تعلیم و تربیت اس نئے عقیدہ کی آبیاری کے لئے ہی ہوئی ہے) اور گزارش کرتا ہوں کہ وہ غیر جانبداری سے اس کتاب کو پڑھیں اور اللہ کے پیغام، اس کی ہدایت کی طرف رجوع کریں اور اپنے متبعین کو کتاب پڑھنے سے نہ روکیں۔

کتاب مکمل ہونے سے کچھ ہی قبل جناب امین احسن اصلاحی صاحب کے انتقال کی خبر نے بھی بہت ملول خاطر کیا یونکہ میری کتاب ان تک بھی نہ پہنچ سکی ورنہ امید تھی کہ، چونکہ وہ اپنے اور اپنی جماعت کے عقائد کافی نتھار چکے تھے ، شاید وہ بھی غیر قرآنی عقائد سے رجوع کر لیتے اور اپنے متّبعین کی اصلاح کرکے مسلمین کی طاقت بڑھاتے۔ بہر حال اب میں ان کے جانشین اور متّبعین سے یہی گزارش کروں گا کہ غیر جانبداری سے کتاب کا مطالعہ کریں۔ اللہ کرے ان کی سمجھ میں حق بات آ جائے۔ اور وہ صرف "قرآن مبین" جس کا کوئی مثل (**مثلهٗ و معهٗ**) نہیں ہو سکتا کو پکڑلیں۔

# اعتذار

قارئین کرام! میں کوئی عالم فاضل، ادیب و انشا پرداز نہیں بلکہ قرآن کریم کا ایک ادنیٰ طالب علم بننے کی کوشش کر رہا ہوں۔ اس لئے میری اس کاوش میں آپ کو زبان کی چاشنی، روانی اور انشا پردازی تو نہیں ملے گی، البتہ کھری کھری باتیں، میری اپنی ٹوٹی پھوٹی، کراچی زدہ اردو میں ملیں گی۔ یہ کھری باتیں میں نے کسی کی توہین کرنے کی نیت سے نہیں لکھی ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم قُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا (۷۰/ ۳۳ . ۹/ ۴)(بات سیدھی یا کھری کیا کرو) کے تحت لکھی ہیں۔ اگر کسی صاحب کی کسی بات سے دل آزاری ہوئی ہو تو اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں اور ملتجی ہوں کہ براہِ کرم میری بات کو پھر سے غور و تدبر و تحمل سے پڑھئے اور اگر وہ مولائے کریم کے کلام سے مطابقت رکھتی ہو تو مان لیجئے اور اپنے مولائے روم و پارس کی بات کو جو کہ زائد از کلام اللہ یا خلافِ کلام اللہ ہو مسترد کر دیجئے۔ خیال رہے کہ ہمارا مولا صرف وہی ہے جو ہمارا خالق و مالک و ربّ ہے۔ روم و پارس کا صوفی، شاعر، محدث و فقیہ ہمارا مولا نہیں ہو سکتا۔ اس کو مولا، یا مولانا کہنا اور کہلوانا بھی عجمی سازش ہی کا حصہ ہے۔

اب سے تقریباً اٹھارہ ۱۸، انیس ۱۹ سال پہلے جب اپنے آبائی مذہب (بریلوی حنفیت) کو چھوڑ کر، تلاشِ حق کرتا ہوا تبلیغیوں، دیوبندیوں، جماعتیوں، اہل حدیثوں وغیرہ سے ہوتا ہوا امیر جماعت المسلمین، جناب مسعود احمد صاحب کے پاس پہنچا تو اس وقت ان کا نعرہ یہ تھا کہ کتاب اللہ یعنی قرآن کریم اور صحیح احادیث ہمارا مذہب ہے۔ اس نعرہ میں دیگر مذاہبِ مقلدین کے مقابلہ میں بہت جاذبیت اور کشش تھی۔ بتایا یہ گیا کہ صحیح احادیث کا مطلب وہ اقوال و افعالِ رسول ہیں جو ثابت ہوں اور قرآن کے موافق ہوں۔ چنانچہ میں نے بمع اپنے اہل و عیال جماعت المسلمین میں شرکت کر لی (جس کے نتیجہ میں خاندان والوں حتیٰ کہ والدین نے بھی چھوڑ دیا) پھر کچھ عرصہ بعد جناب مسعود احمد صاحب کی شاگردی کرنے کا شرف بھی حاصل ہو گیا۔ (یہ وہ زمانہ تھا جب وہ حقیقت میں صرف موجودہ امیر جناب اشتیاق احمد صاحب کو آئندہ کے لئے تیار کرنے کی غرض سے آخر ۱۹۸۲ء میں ان کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز کر چکے تھے۔ مجھے اور دو تین صاحبان کو خصوصی اجازت مرحمت فرمائی تھی کہ باقاعدہ کلاس میں حاضر رہتے تھے) چنانچہ وہ میرے پہلے استادِ محترم تھے جن سے میں نے نصف قرآن کریم (یعنی آخر نصف) پڑھا۔ ساتھ ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے دروس بھی پابندی سے ہوتے رہے۔ مگر کچھ عرصہ بعد میں ان کے پاس درسِ حدیث کی کلاس جاری نہ رکھ سکا۔ البتہ نمازِ جمعہ کے بعد کا درس بخاری و مسلم (جو کہ دراصل درسِ فتح الباری ہوتا تھا) جاری رہا.................... وقت کے ساتھ ساتھ کچھ افرادِ جماعت کی آپس کی چپقلش، اور زیادہ عمر ہونے کے باوجود کام کی زیادتی نے ان میں چڑچڑاپن اور ضد و ہٹ دھرمی پیدا کر دی تھی۔ میں اکثر و بیشتر جماعت یا لٹریچر وغیرہ کی خامیوں کی طرف ان کی توجہ زبانی یا پھر لمبے چوڑے خط لکھ کر مبذول کراتا رہتا تھا۔ عام طور پر وہ ان پر خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ اور ہر لحاظ سے اصلاح کی کوشش فرماتے تھے۔ مگر اب عقائد میں حدیثی رسم پرستی بڑھتی جا رہی تھی مثلاً اب انہوں نے داڑھی رکھنے پر زور دینا شروع کر دیا تھا۔ روایتِ ہلال کے مسئلہ کو انتہائی اہمیت دینے لگے تھے اور اپنے وقار اور تمام افراد کے ایمان و ایقان سے منسلک کرنے لگے تھے...

........... مگر سب سے اہم بات یہ کہ جس حدیث کو وہ صحیح قرار دیدیں اس پر ایمان لے آؤ! یہ وہ نقطۂ عروج تھا جب ۱۹۸۸ء میں، میں نے ان کو ایک تحریری خط لکھا (جو کہ بہت عریض و طویل تھا۔ فل اسکیپ سائز، ساڑھے تیرہ × ساڑھے آٹھ انچ، ۱۵۸ اصفحات) جس کا انہوں نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ زبانی فرمایا کہ آپ کو احادیث پر بھی ایمان لانا ہو گا! میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق (۲/ ۱۷۷، ۲/ ۲۸۵، ۴/ ۱۳۶) میں صرف ان پانچ چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں جس کا رب العزت نے حکم فرمایا ہے۔ ان کے علاوہ میں کسی اور چیز پر ایمان نہیں لا سکتا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ پھر آپ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ چنانچہ میں اپنے بچوں کے ساتھ، ان کو آخری سلام کر کے، اُٹھ آیا اور اللہ کی کتاب کو پڑھنا شروع کر دیا تو ایسا محسوس ہوا کہ غلاظت کے گٹر میں سے نکل آیا ہوں اور چودہ طبق روشن ہو گئے ہیں۔ **فَلِلّٰہِ الحمد**

اس کے بعد ۱۹۹۰ء میں اُن کو میں نے ایک مختصر آخری خط لکھا جس میں اللہ کی کتاب کی طرف آنے کی دعوت دی تھی، اس کتاب کی طرف جس کی احادیث کو کوئی مائی کا لعل آج تک چیلنج نہ کر سکا کہ اس کی فلاں حدیث ضعیف یا موضوع ہے اور اس کا فلاں راوی کذّاب و مدلّس ہے۔ ............... مگر افسوس انہوں نے اس دعوت پر کوئی توجہ نہ دی یونکہ ان کے اپنے عقائد نے انہیں اس کتاب کو مجمل، نامکمل، مبہم، غیر مبین یعنی شرح کی محتاج ماننے پر مجبور کیا ہوا تھا ........... بلکہ کچھ عرصہ بعد ان کا ایک نیا پمفلٹ شائع ہو گیا جس کا نام تھا کہ "حدیث بھی کتاب اللہ ہے"۔ یہ پمفلٹ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ چودھویں صدی کے اختتام پر ہمارے دین کو کونسا رُخ دینے کی کوشش کی جا رہی ہے! کئی سال تک میں انتظار کرتا رہا کہ شاید ہمارے علما و فضلاء میں سے (جنہیں دین کی بہت خدمت کرنے کا دعویٰ ہے) کوئی کھڑا ہو کر اس پمفلٹ کا جواب دے یا اس کے خلاف لکھے کہ یہ شیطانی عقیدہ ہے۔ مگر وائے افسوس! آخر ہمت کر کے میں نے ہی یہ خدمت کرنے کا عزم کیا اور مالک کا شکر ہے کہ انہوں نے مجھے یہ توفیق بخشی اور کتاب مکمل کرا دی۔ گو کہ میری اپنی کچھ ناگزیر مجبوریوں کے باعث مہینوں لکھنے کا سلسلہ بند رہا اس لئے اس کے تکملہ میں کافی وقت لگ گیا۔ دوسرے یہ کہ موصوف کی تفسیر کی آخری دو جلدیں بھی اس وقت تک طبع ہو کر بازار میں نہیں آئیں تھیں جب میں نے لکھنا شروع کیا تھا۔ بالخصوص آخری جلد تو بہت ہی تاخیر سے ۱۹۹۷ء کے آخر میں بازار میں آئی یونکہ اس کو حکومت کے محکمہ او قاف نے مروّجہ قرآنی رموز و او قاف نہ لگانے کی وجہ سے روک لیا تھا[1]۔ (موصوف نے قرآن کریم کی آیات میں مروّجہ رموز و او قاف نہیں لگائے بلکہ انگریزی زبان کی گرامر کے رموز و او قاف کاما (Comma) لگا کر ............ پتہ نہیں کس کی سنت کا احیاء کیا ہے!) بہر حال میری کوشش یہی رہی کہ موصوف ہی کا ترجمہ اور تفسیر پیش کروں تا کہ ان کے متبعین معترض نہ ہو سکیں۔ اسی لئے میں نے ان کے تمام تراجم اور تفاسیر کے حوالے ضرور دیے ہیں۔ جہاں کہیں کسی آیت کا ترجمہ کسی اور مترجم و مفسر کا لکھا ہے تو اس کا بھی حوالہ دے دیا ہے۔ البتہ جہاں کہیں حوالہ نہیں دیا ہے تو وہاں جناب شاہ عبد القادر صاحب، جناب فتح محمد جالندھری صاحب اور جناب حافظ سید محمد رفاعی عرب صاب کے تراجم میں سے یا ان سے ماخوذ ترجمہ لکھا ہے۔ امید ہے کہ اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو گا یونکہ ترجمہ کرنا نہ صرف یہ کہ دشوار

---

[1] یہ معلوم نہیں کہ موصوف کے انتقال کے بعد، محکمہ او قاف سے کس طرح ٹک مکا ہو گیا کہ انہوں نے انگریزی کاما والا عربی متن کا قرآن شریف شائع کرنے کی اجازت دے دی؟

ترین کام ہے بلکہ کسی بھی زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں صد فیصد صحیح ہو ہی نہیں سکتا اور وہ بھی خاص کر کے زبانِ الٰہی کا۔ وہ تو قریب المعنیٰ مفہوم یا مطلب یا ترجمانی ہی ہو سکتی ہے۔

اس کتاب کو میں نے صرف دو ابواب میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔ پہلا باب تو ان حضرات کے لئے ہے جو ایمان والے ہیں اور وہ جس چیز پر ایمان لائے یعنی قرآن کریم، تو جب اس کی آیات پیش کی جاتی ہیں تو وہ آمَنَّا صَدَّقْنَا کر دیتے ہیں۔ انہیں کسی غیر اللہ کی تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ انہیں ایمان لانے کے لئے اور اسے مستحکم کرنے کے لئے ایک دو آیات ہی کافی ہوتی ہیں مگر پھر بھی میں نے تین سو سے زیادہ آیات پیش کی ہیں۔ اس امید پر کہ شاید کمزور ایمان والے بھی اس باب کو پڑھ کر ایمان لے آئیں۔

کتاب کے دوسرے باب میں عقلی و نقلی دلائل (نام نہاد) احادیث کی کتابوں اور موصوف کی یا دیگر اہل حدیث و اہل فقہ علما کی کتابوں سے نقل کر کے یہ کوشش کی ہے کہ موصوف کے متبعین اور دیگر اہل حدیث و اہل فقہ کی آنکھیں و دماغ کھل جائیں جن پر حدیثی و فقہی پردے پڑے ہوئے ہیں اور وہ ضد وہٹ دھرمی سے اور بعض غیر ارادی طور پر کم علمی کی وجہ سے شرک فی الحکم، شرک فی الکلام اور شرک فی الصفات میں مبتلا ہیں۔ اور قرآن کریم کو جو کہ ام الکتاب ہے (یعنی ٹیکسٹ بک ہے) پڑھتے ہی نہیں اور اگر بادل نخواستہ پڑھتے بھی ہیں تو تفسیریں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور ان میں لکھی ہوئی گمراہ کن باتوں پر یقین کرتے ہیں کہ وہ سچ ہیں یا رسول اللہ سلامٌ علیہ نے بتائی ہیں! وہ کتاب اللہ کی بات نہیں مان رہے ہوتے بلکہ اس کو مجبور کرنے کے لئے غیر اللہ کی لکھی ہوئی کتابوں کو پیش کرتے ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان مبارک سے اوپر بھی کسی کا فرمان ہو سکتا ہے؟؟ جب اللہ تعالیٰ نے یہ فرمان جاری فرمادیا کہ: اس کی کتاب کے مثل کوئی بنا ہی نہیں سکتا (۲۳-۲۴/۲، ۸۸/۱۷) تو پھر جو کوئی بھی یہ روایت مانتا ہے کہ اس کے مثل اسی کے ساتھ نازل ہوا (**مثلہٗ و معہٗ**)۔ کیا اس کا ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے فرمان پر ہے؟؟

قارئین! اگر یہ سیدھی سی بات آپ کی سمجھ میں آگئی ہے تو پھر تو آپ کی آنکھیں اور قلب کھل جانا چاہئے۔ اور بقول ہمارے موصوف ہی کے "قرآن مجید کے نزول کے بعد اپنے اختلاف کو دُور کر دیجئے۔ جو کچھ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے پس اس کو مانئے، باقی چیزوں کو مسترد کر دیجئے۔ اب ہدایت ملے گی تو قرآن مجید سے ملے گی"[1] کیونکہ "یہ (قرآن مجید) قول فیصل ہے (یعنی قرآن مجید کا بیان تمام معاملات میں اٹل، فیصلہ کن اور قطعی الصحت ہے)"[2]۔ جبکہ (نام نہاد) احادیث و تفاسیر و فقہ فتاویٰ فیصلہ کن، اٹل اور قطعی الصحت نہیں ہیں بلکہ غیر اللہ کے بنائے ہوئے اور لکھے ہوئے ہیں اس لئے اُن کی اطاعت یا اتباع نہیں ہو سکتی کیونکہ "انسانوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہئے، اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے"[3] اور جب اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے تو پھر اطیعوا الرسول کے معنیٰ واضح ہو گئے کہ جب رسول، اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے گا اور بتائے گا کہ یہ اللہ کا پیغام ہے، اس کا فرمان ہے، اس کا حکم ہے تو اس حکم کی اطاعت کی جائے گی۔ اور رسول کے احکام الٰہی دیئے جانے کے بعد جب وہ انسانوں کے سامنے سے اس دار فانی سے چلا جائے گا تب بھی انہی احکام الٰہی کی اطاعت ہو گی جو رسول پہنچا کر اپنا فریضہ ادا کر گیا۔ ان احکام الٰہی یعنی کتاب اللہ کے علاوہ اگر اس

[1]۔ تفسیر قرآن عزیز، "عمل" در تفسیر آیت ۶۴، سورہ النحل، جزء ۵، ص ۹۱۲۔۔۔ [2]۔ تفسیر قرآن عزیز، تفسیر آیت ۱۳، سورہ الطارق، جزء ۱۰، ص ۳۸۰۔۔۔ [3]۔ ایضاً، تفسیر آیت ۱۷۷، سورہ البقرہ، جزء ۱، ص ۵۸۴، نیز آیت ۳۴، سورہ الحج، جزء ۶، ص ۸۱۷

کے جانے کے بعد کوئی اور کتاب احکام رسول کے نام سے بنالی جائے تو اس کی اطاعت نہیں ہو گی یونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا کہ اس کی کتاب کے علاوہ کسی غیر اللہ کی کتاب یا احکام کی اطاعت کرو۔(۳/۷) "اس سے پہلے موسیٰؑ کی کتاب (یعنی توریت بھی امام)(رہنما) اور رحمت (بن کر آئی) تھی اور (اب) یہ کتاب (امام رہنما) اور رحمت بن کر آئی ہے)"[1]۔ اس لئے اس کی اتباع اور اس کے احکام کی اطاعت ہو گی۔

"الغرض پیروی صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی کرنی چاہئے۔ انسانوں میں سے کوئی شخص خواہ کتنے ہی بڑے مرتبہ کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کا محتاج رہتا ہے۔ اُس کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کر کے ہی وہ مرتبہ حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو بجائے اس شخص کے احکام کے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام اور ہدایت کی پیروی کرنے والے ہی نجات پاتے ہیں"۔[2]

قارئین! ہم نے اپنا فریضہ تبلیغ ادا کر دیا ہے، اب آپ کا کام ہے کہ اپنے چاروں اطراف آنکھیں، کان اور قلب کھول کر دیکھئے (یونکہ ان تینوں ہی سے سوال کیا جائے گا۔(۳۶/۱۷) اور غور کیجئے کہ نام نہاد دینی اور تبلیغی جماعتوں کی تعداد روزانہ بڑھتے جانے کے باوجود، نمازیوں کی تعداد مُلک میں بڑھتے جانے کے باوجود، رنگ برنگے چولے و دستار اور پگڑی و ٹوپی پہننے والوں کی تعداد بڑھتے جانے کے باوجود، رنگ برنگی ہر سائز و ساخت کی داڑھیاں بڑھانے اور شلوار و پتلون کے پائنچے گھٹنوں تک چڑھا لینے کے باوجود ...................... ہمارے معاشرہ میں بہتری کے آثار کیوں نہیں پیدا ہو رہے ؟؟ بلکہ ہمارا معاشرہ تو روزانہ پستی کی طرف ہی گامزن ہے: رشوت و حرام خوری بڑھتی جارہی ہے، فواحشات و منکرات بڑھتی جارہی ہیں، چوری ڈاکے، قتل و زنا اور زنا بالجبر عام ہو رہا ہے، ظلم و تشدد و بربریت نے نہ صرف حقوق انسانی پامال کر دیئے ہیں بلکہ تکریم انسانی کو ختم کر دیا ہے۔ احتساب یا جواب دہی یعنی آخرت کا تصور بالکل ختم ہو چکا ہے، فرقے بندیاں و گروہ بندیاں بڑھ رہی ہیں اور امت مسلمہ واحدہ ریزہ ریزہ ہو رہی ہے، جھوٹ و دغا اتنا عام ہو گیا ہے کہ اس سے ایک عامی سے لے کر سربر آوردہ وزیر و صدر تک محفوظ نہیں، ملک کے دو ٹکرے ہو چکے ہیں باقی ماندہ کے مزید ٹکڑے کرنے اور اغیار کے ہاتھوں بیچنے کی تیاریاں ہیں۔ فوج شکست خوردہ کر دی گئی اور عدلیہ کو پامال کر دیا گیا ہے، افزائش علم کو تجارت بنا کر ذہنوں اور قوموں کی جلا کے بجائے غلامی و جہالت و بربریت کی طرف دھکیل دیا گیا ہے، اور افزائش نسل پر پابندی لگانے کی کوششیں ہو رہی ہیں، دینی مدارس ہر گلی کوچہ میں کھل رہے ہیں مگر اسی حساب سے علم والے راہنماؤں کی جگہ طالبان پیدا ہو رہے ہیں اور اسی رفتار سے چندہ مانگنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، کوئی دینی مدرسہ کیلئے بھیک مانگ رہا ہے، کوئی خدمت خلق کے لئے بھیک مانگ رہا ہے کوئی جہاد کے نام پر سیاست چمکانے کے لئے بھیک مانگ رہا ہے، کوئی مُلک کو چلانے کے لئے بھیک مانگ رہا ہے۔ غرض یہ کہ ہر شخص ہی بھیک مانگ رہا ہے اور پھر بھی ہر شخص مقروض ہے...................... تو یہ تمام پستی و ذلت کیوں ہے؟

اس کا صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے بھی جھوٹ بولا ہے اور عہد شکنی کی ہے۔ اس کی کتاب پر ایمان لانے کے باوجود اس کا حق ادا نہیں کرتے بلکہ اس کے ساتھ دوسری غیر اللہ کی کتابیں شریک کرتے ہوتے ہیں اور بجائے اس کی کتاب کے پڑھنے، سمجھنے اور عمل کرنے کے اس کے بندوں کی کتابوں کو پڑھتے، سمجھتے اور عمل کرتے

---

[1] ایضاً، تفسیر آیت ۱۲، سورہ احقاف، جزء ۸، ص ۹۸۹ ۔۔۔ [2] ایضاً، تفسیر آیت ۳۵، سورہ یونس، جزء ۵، ص ۹۸

ہیں اور ان کتابوں کو اس کی کتاب پر فوقیت و اہمیت دیتے ہیں، اس پر قاضی و حاکم اور شارح بناتے ہیں۔ آیئے اپنی اس غلط روش سے توبہ کریں اور صرف اس کی کتاب کو پکڑ لیں، اسی کو پڑھیں، سمجھیں اور اسی پر عمل کریں۔

”اے لوگو، اگر آپ نے کبھی پہلے کسی بات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے تو اپنی بات پر اَڑ نہ جایئے۔ بلکہ جب بھی حق بات سمجھ میں آجائے اسے تسلیم کر لیجئے۔ حق تسلیم کرنے کو اپنی خِفّت کا باعث نہ سمجھئے بلکہ عزت کا سبب سمجھئے“[1]۔

**واٰخر دعونا ان الحمد للہ رب العٰلمین**

تکملہ:19.03.98

---

[1] ایضاً۔ عمل در تفسیر آیت ۱۰۲، سورہ الاعراف، جزء۔۴، ص ۵۰۱

# کتابیات


.(۱)۔۔۔مترجم قرآن مجید از جناب سید مسعود احمد صاحب۔امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)۔کراچی ۲۰۰۷ء

.(۲)۔۔۔مترجم، عکس قرآن مجید۔ترجمہ وتفسیر از جناب فتح محمد خان صاحب جالندھری۔تاج کمپنی لمیٹڈ۔(نمبر ۴۵۸) کراچی ولاہور، مع تحت اللفظ ترجمہ از شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی۔ تفسیر موضح القرآن از شاہ عبد القادر صاحب

.(۳)۔۔۔قرآن مجید مع تفسیر رفاعی از سید محمد رفاعی عرب صاحب، دینی کتاب خانہ ۳۸اردو بازار لاہور

.(۴)۔۔۔الکتاب۔ترتیب وتہذیب از ڈاکٹر محمد عثمان صاحب۔قرآن فاؤنڈیشن۔لاہور۔طبع ششم ۱۴۱۲ھ

.(۵)۔۔۔کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن از مفتی شاہ محمد احمد رضاخاں صاحب (۱۳۳۰ھ / ۱۹۱۱ء)

مع خزائن العرفان فی تفسیر القرآن۔از سید محمد نعیم الدین صاحب۔دار العلوم امجدیہ۔کراچی ۱۹۷۷ء

.(۶)۔۔۔القرآن الکریم۔ترجمہ از شیخ الہند محمود الحسن صاحب، تفسیر از شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی صاحب شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس۔مدینہ منورہ۔۱۹۸۹ء

.(۷)۔۔۔قرآن کریم، ترجمہ از محمد جوناگڑھی صاحب۔تفسیری حواشی صلاح الدین یوسف صاحب۔ شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلکس۔مدینہ منورہ۔۱۴۱۷ھ

.(۸)۔۔۔تفسیر قرآن عزیز۔مرتبہ سید مسعود احمد صاحب۔امیر جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کراچی ۱۹۸۶ء۔۱۹۹۶ء

.(۹)۔۔۔القرآن العظیم، ترجمہ شمس العلما حافظ نذیر احمد صاحب۔تاج کمپنی لمیٹڈ۔کراچی۔۱۳۱۴ھ مطبوعہ کراچی ۱۹۶۶ء

.(۱۰)۔۔۔ترجمۂ قرآن مجید مع مختصر حواشی۔از سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب۔ادارہ ترجمہ القرآن۔لاہور ۱۹۹۳ء

.(۱۱)۔۔۔قرآنِ حکیم مع ترجمہ اور اخذ وتلخیص تفسیر تدبرِ قرآن۔از امین احسن اصلاحی صاحب۔اخذ وتلخیص خالد مسعود صاحب فاران فاؤنڈیشن لاہور۔۲۰۰۳ء

.(۱۲)۔۔۔القرآن ترجمہ وحواشی از ابو منصور صاحب فضل ربّی فاؤنڈیشن۔۱۵ / ۱۵۷۹ دستگیر سوسائٹی۔فیڈرل بی ایریا۔کراچی۔

.(۱۳)۔۔۔القرآن الحکیم ترجمہ وتفسیر حجۃ الاسلام حافظ سید فرمان علی صاحب۔چاند کمپنی (رجسٹرڈ) اردو بازار لاہور (۱۳۲۸ھ)۔۱۹۸۷ء

.(۱۴)۔۔۔قرآن مجید کا اردو بامحاورہ ترجمہ مع مختصر تفسیر از مرزا بشیر الدین محمود احمد۔جھنگ ۱۹۷۹ء

.(۱۵)۔۔۔القرآن الکریم۔ترجمہ از حافظ عبد الکریم اثری صاحب۔مکتبہ الاثریہ۔جناح سٹریٹ۔گجرات۔۱۹۹۹ء

(۱۶)۔... القرآن العظیم۔ لفظی ترجمہ از پروفیسر احمد خالد عمر۔9ڈی سٹریٹ، فیز۵، ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی، کراچی۔ ۱۹۹۲ء۔ فضلی سنز، اردو بازار، کراچی کے اہلحدیث صاحب اختیار نے اس کے صرف ۱۶ صفحات کمپوز کرنے کے بعد باقی کمپوز کرنے سے انکار کر دیا۔ تو پھر پروفیسر صاحب مرحوم نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ کر چھپوایا۔

(۱۷)۔... صحیح بخاری شریف، اردو ترجمہ حافظ قاری محمد عادل خان نقشبندی صاحب و قاری محمد فاضل قریشی صاحب مجدّدی۔ قمر سعید پبلشرز۔ لاہور۔ ۱۹۷۹ء

(۱۸)۔... صحیح مسلم شریف، ترجمہ مع شرح نووی (مختصر) از علامہ وحید ازمان صاحب، خالد احسان پبلشرز، لاہور۔ ۱۹۸۱ء۔

(۱۹)۔... سنن ابو داؤد۔ ترجمہ علامہ وحید الزماں صاحب اسلامی اکادمی۔ ۱۷۔ اردو بازار لاہور۔ ۱۹۸۳ء

(۲۰)۔... جامع الترمذی۔ ترجمہ از بدیع الزماں صاحب برادر علامہ وحید الزماں صاحب، محمد علی کارخانہ اسلامی کتاب، خان محل۔ دستگیر کالونی۔ کراچی

(۲۱)۔... موطاامام مالک، ترجمہ از علامہ وحید الزماں صاحب۔ اسلامی اکادمی۔ اردو بازار۔ لاہور۔ ۱۳۹۹ء

(۲۲)۔... سنن ابن ماجہ، ترجمہ و فوائد از علامہ وحید الزماں صاحب۔ اہل حدیث اکادمی۔ کشمیر بازار، لاہور

(۲۳)۔... مسند امام اعظم، اردو ترجمہ مع تشریح۔ از دوست محمد شاکر صاحب۔ حمد اینڈ کمپنی۔ مدینہ منزل اردو بازار۔ لاہور

(۲۴)۔... کتاب الآثار۔ ترجمہ و فوائد از ابوالفتح محمد صغیر الدین، محمد سعید اینڈ سنز، ناشران و تاجران کتب، قرآن محل، اردو بازار۔ کراچی۔ ۱۹۵۶ء

(۲۵)۔... موطاامام محمد۔ ترجمہ و فوائد خواجہ عبد الوحید صاحب، محمد سعید اینڈ سنز، ناشران و تاجران کتب، قرآن محل، اردو بازار۔ کراچی۔ ۱۹۵۶ء

(۲۶)۔... تدبّر حدیث، شرح موطاامام مالک از امین احسن اصلاحی صاحب ترتیب و تدوین خالد مسعود، سعید احمد۔ ادارہ تدبر قرآن و حدیث۔ لاہور۔ بار اوّل۔ ۲۰۰۰ء

(۲۷)۔... مبادیٔ تدبر قرآن از امین احسن اصلاحی صاحب، مرکزی انجمن خدام القرآن۔ لاہور۔ بار چہارم ۱۹۸۰ء

(۲۸)۔... مبادیٔ تدبر حدیث، از امین احسن اصلاحی صاحب۔ ترتیب ماجد خاور۔ فاران فاؤنڈیشن، لاہور۔ طبع دوم ۱۹۹۴ء۔

(۲۹)۔... 'منشور'۔ تالیف جاوید احمد الغامدی صاهب۔ المورد۔ ادارہ علم و تحقیق۔ لاوہر۔ طبع دوم ۱۹۹۵ء

(۳۰)۔... تعارف "المورد" از جاوید احمد غامدی صاحب۔ لاہور۔ فروری ۱۹۹۱ء

(۳۱)۔... ماہنامہ 'اشراق' المورد۔ لاہور۔ جلد ۶، شمارہ ۱۔ جنوری ۱۹۹۴ء

(۳۲)۔... اصول تفسیر اردو۔ از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ترجمہ از عبد الرزاق ملیح آبادی، دیباچہ از مترجم۔ المکتبہ السلفیہ۔ شیش محل روڈ۔ لاہور۔ طبع سوم ۱۹۷۰ء

(۳۳)۔...ماہنامہ 'الرسالہ' دار التذکیر لاہور۔ زیر سرپرستی وحید الدین خان صاحب۔ صدر اسلامی مرکز۔ دار التذکیر، رحمٰن مارکیٹ غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور۔ ۱۹۹۴ء
(۳۴)۔...مقالہ "مقدمہ الخلافۃ الکبریٰ۔ تالیف پروفیسر خواجہ عبد الحئی فاروقی صاحب
(۳۵)۔...ماہنامہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵۔ گلبرگ لاہور۔ مارچ ۱۹۹۱ء۔ (جلد ۴۴ شمارہ ۳)
(۳۶)۔...فتنہ انکارِ حدیث از حافظ محمد ایوب صاحب دہلوی۔ مکتبہ رازی۔ ۱۵۔ شہاب مینشن محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی
(۳۷)۔...اصول الکرخی، از امام عبید اللہ بن الحسین الکرخی، مطبوعہ اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، اسلامک یونیورسٹی۔ اسلام آباد۔
(۳۸)۔... صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین۔ مؤلف: سید مسعود احمد صاحب، بی ایس سی، امیر جماعت المسلمین۔ اشاعت ثانی ۱۴۰۰ھ
(۳۹)۔... تفہیم الاسلام بجواب دو اسلام۔ از سید مسعود احمد صاحب۔ ناشر اہل حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور۔ ۱۳۸۷ھ
(۴۰)۔...التحقیق فی جواب التقلید۔ از سید مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ کراچی۔ اشاعت پنجم۔ ۱۴۰۹ھ
(۴۱)۔...ذہن پرستی از سید مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ کراچی ۱۴۰۷ھ
(۴۲)۔...منہاج المسلمین از جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) اشاعت اوّل۔ ۱۹۸۳ء
(۴۳)۔...دعوات المسلمین از جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) اشاعت ثانی۔ ۱۹۸۲ء
(۴۴)۔... صحیح تاریخ الاسلام والمسلمین (مطوّل) جلد اوّل۔ از سید مسعود احمد صاھب، امیر جماعت المسلمین۔ ۱۹۹۴ء
(۴۵)۔...توحید المسلمین۔ از جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کراچی۔ اشاعت ثانی۔ ۱۹۸۵ء
(۴۶)۔...برہان المسلمین۔ از سید مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ ۱۴۱۵ھ
(۴۷)۔...خلاصہ تلاش حق از سید مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ اشاعت چہارم ۱۴۰۷ھ
(۴۸)۔...پمفلٹ: جماعت المسلمین کا پس منظر اور ارکان جماعت کے لئے ہدایات۔ ۱۳۹۱ھ
(۴۹)۔...پمفلٹ: جماعت المسلمین کے اجتماعات اور ان کی افادیت۔ ۱۳۹۱ھ
(۵۰)۔...پمفلٹ: جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ۔ ۱۴۰۱ھ
(۵۱)۔...پمفلٹ: مذہب اہلحدیث کی حقیقت۔ ۱۴۰۱ھ
(۵۲)۔...پمفلٹ: جماعت المسلمین اور اہلحدیث میں بنیادی فرق۔ ۱۳۹۹ھ
(۵۳)۔...پمفلٹ: حدیث بھی کتاب اللہ ہے۔ مرتبہ سید مسعود احمد صاحب۔ ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔ کراچی
(۵۴)۔...پمفلٹ: حدیث بھی کتاب اللہ ہے۔ مرتبہ سید مسعود احمد صاحب۔ ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔ کراچی
(۵۵)۔...پمفلٹ: صحیح احادیث کو پرکھنے کے جدید معیارات، مرتبہ سید مسعود احمد صاحب۔ ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔ کراچی
(۵۶)۔...پمفلٹ: مُناظرہ (قرآن مجید کی روشنی میں)۔ مرتبہ محمد صدیق میمن۔ ادارہ مطبوعات اسلامیہ۔ کراچی

.(۵۷)۔...پمفلٹ: جماعت المسلمین پر اعتراضات اور ان کے جوابات۔ از سید مسعود احمد صاحب امیر جماعت المسلمین

.(۵۸)۔...پمفلٹ: اصولِ حدیث، مرتبہ سید مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ ۱۴۱۴ھ

.(۵۹)۔...پمفلٹ: تاریخ کا کفر۔ از سید مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔

.(۶۰)۔...پمفلٹ: ترکِ سنت گناہ ہے۔ از مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔

.(۶۱)۔...پمفلٹ: اسلام پر دبیز پردے۔ از مسعود احمد صاحب۔ امیر جماعت المسلمین۔ ۱۴۱۷ھ

.(۶۲)۔...پمفلٹ: اصلاح امت اور جماعت المسلمین۔ از جماعت المسلمین۔

.(۶۳)۔...پمفلٹ: حدیث کیا ہے۔ مؤلفہ حافظ عبد الکریم اثری۔ انجمن اشاعت اسلام، ٹھٹھہ عالیہ۔ ضلع منڈی بہاؤ الدین۔ گجرات۔ ۲۰۰۶ء

.(۶۴)۔...اہلحدیث کا مذہب۔ تالیف شیخ الاسلام ثناء اللہ صاحب امر تسری۔ اہلحدیث اکیڈمی۔ کشمیری بازار۔ لاہور ۱۹۷۵ء

.(۶۵)۔...تدوین حدیث از سید اطہر بن جعفر کاظمی اطہر الحق صاحب۔ ناشر: زاویہ تحقیق و تنقید علمی۔ E-226۔ ڈیفنس ویو۔ شہید ملت روڈ۔ کراچی۔ ۲۰۰۸ء

.(۶۶)۔...تدوینِ حدیث از علامہ سید مناظر احسن گیلانی صاحب۔ مکتبہ العلم۔ ۱۸۔ اردو بازار۔ لاہور۔

.(۶۷)۔...محدثین عظام اور ان کے علمی کارنامے۔ از تقی الدین ندوی مظاہری، مجلس نشریات، اسلام، ا۔ کے۔ ۳۔ ناظم آباد نمبر ا کراچی۔ ۱۹۸۲ء

.(۶۸)۔...تاریخ القرآن از پروفیسر عبد الصمد صارم الازھری۔ ناشر مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور۔ بار پنجم۔ ۱۹۷۷ء

.(۶۹)۔...تاریخ التفسیر از پروفیسر عبد الصمد صارم الازھری۔ ناشر مکتبہ معین الادب، اردو بازار لاہور۔ بار چہارم ۱۹۷۹ء

.(۷۰)۔...حدیث سے دفاع۔ از محمود ابوریّہ۔ مترجم نثار احمد زین پوری۔ ناشر انصاریان پبلی کیشنز۔ قم، ایران، بار دوم ۱۹۶۳ء

.(۷۱)۔...مذاکرہ مابین علامہ تمنا عمادی صاحب اور شیخ الحدیث ظفر احمد عثمانی تھانوی صاحب۔ ناشر الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، ناظم آباد کراچی۔ اشاعت اوّل۔ ۱۹۹۱ء

.(۷۲)۔...تحفہ اہل سنت از امام سنت عبد الشکور صاحب لکھنوی۔ مکتبہ امدادیہ۔ ٹی بی ہسپتال روڈ۔ ملتان (۱۳۵۷ھ)

.(۷۳)۔...مصباح الظلم از شمس العلما نواب سید امداد امام صاحب۔ اسلامک پبلی کیشنز۔ پاکستان (۱۳۳۶ھ)

.(۷۴)۔...ایضاح الادلّہ از شیخ الہند محمود الحسن صاحب۔ فاروقی کتب خانہ۔ ملتان۔ ۱۹۸۲ء

.(۷۵)۔...اقبال اور وحدۃ الوجود۔ از پروفیسر سلیم چشتی۔ مقالہ برائے پانچویں سالانہ قرآن کانفرنس۔ منعقدہ آئی بی ہال۔ کراچی۔ ۲۲ تا ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء۔ زیرِ اہتمام مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور۔ (طبع شدہ بطور مختصر روداد و مقالات)

(۷۶)۔...شاہ عبد القادر کے اردو ترجمہ قرآن کا تحقیقی ولسانی مطالعہ، از ڈاکٹر محمد سلیم۔ ادارہ یادگار غالب، ناظم آباد، کراچی۔ اشاعت اوّل ۲۰۱۶ء

(۷۷)۔... امت کا بحران، تفکیر، تدبیر اور تعمیل۔ از اسرار عالم صاحب دار العلم، نئی دہلی، طبع دوم ۲۰۰۶ء

(۷۸)۔... اہلحدیث اور انگریز۔ مرتبہ بشیر احمد قادری صاحب۔ بتقدیم محمد سعید الرحمٰن علوی صاحب۔ ابو حنیفہ اکیڈمی، فقیر والی، ضلع بہاولنگر۔ بار سوم۔ ۱۹۸۳ء

(۷۹)۔... انگریز اور وہابی۔ مرتبہ۔ عبد المجید سوہدروی صاحب۔ مسلمان کمپنی سوہدرہ (گوجرانوالہ)

(۸۰)۔... دار العلوم دیوبند کے سو ۱۰۰ سال از مختار جاوید، عظیم پبلی کیشنز۔ لاہور۔ صد سالہ جشن۔ اشاعت اوّل۔ اکتوبر ۱۹۸۰ء

(۸۱)۔... تاریخ زوال امت، از میں محمد افضل، ملّی پبلی کیشنز، نئی دہلی۔ چوتھا ایڈیشن۔ ۲۰۱۲ء

(۸۲)۔... امت محمدیہ زوال پذیر کیوں، از اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی۔ نظر ثانی از ابو الحسن مبشر احمد ربّانی صاحب، دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز۔ لاہور۔ (اصل کتاب ۱۹۲۹ء میں 'قول حق' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔

(۸۳)۔... دانشوران قرآن از رحمت اللہ طارق صاحب، ادارہ ادبیاتِ اسلامیہ۔ ۳ / ۱۳۳۹، گلشن آباد۔ بیرون پاک گیٹ ملتان ۲۰۰۲ء

(۸۴)۔... احادیث ضعیفہ کا مجموعہ جس سے امت مسلمہ کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا۔ از علامہ ناصر الدین البانی صاحب، ضیاء السنۃ، ادارہ الترجمہ و تالیف، فیصل آباد۔

(۸۵)۔... صلوٰۃ المسلمین۔ از جماعت المسلمین (رجسٹرڈ) کراچی۔ اشاعت اوّل۔ ۱۳۹۸ھ

(۸۶)۔... صلوٰۃ الرسول۔ از محمد صادق سیالکوٹی صاحب۔ نعمانی کتب خانہ۔ اردو بازار لاہور۔ ۱۹۴۹ء

(۸۷)۔... صلوٰۃ النبی یعنی نماز نبوی احادیث صحیحہ کی روشنی میں۔ تالیف علامہ ناصر الدین البانی صاحب ترجمہ و تہذیب محمد صادق خلیل صاحب۔ ضیاء السنۃ، ادارہ الترجمہ والتالیف، رحمت آباد، فیصل آباد۔ ۱۴۰۹ھ

(۸۸)۔... نماز نبوی صحیح احادیث کی روشنی میں۔ ترتیب ڈاکٹر شفیق الرحمٰن۔ دار السلام لاہور۔ ۲۰۰۲ء

(۸۹)۔... نماز جمعہ اور خطبہ، از سید برکت حسین رضوی صاحب، (شہادۃ العالمیہ فی علوم العربیہ والاسلامیہ، ایم اے (سوشولوجی)، ایم اے (اسلامی ثقافت)، ایم اے (انٹر نیشنل ریلیشنز)، ایل ایل بی، ڈی بی ایچ (بیروت لبنان)۔ الاحمد پبلشرز۔ ملیر۔ کراچی۔ اشاعت اوّل ۲۰۰۴ء

(۹۰)۔... القاموس الوحید، تالیف وحید الزماں قاسمی کیرانوی۔ ادارہ اسلامیات، لاہور، کراچی، اشاعت اول ۲۰۰۱ء

(۹۱)۔... روزنامہ ایکسپریس کراچی۔ مورخہ ۶ ستمبر ۲۰۱۶ء

# مطالعہ کیلئے مزید کتابیں

(۱)۔... جمع القرآن۔ از علامہ تمنّا عمّادی مجیبی پھلواروی۔ الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ کراچی۔ ۱۹۹۱ء

(۲)۔... تدوین قرآن۔ افادات مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔ مکتبہ البخاری۔ نزد صابری پارک، گلستان کالونی۔ کراچی۔

(۳)۔... جمع و تدوین قرآن۔ سید صدیق حسن۔ دار المصنّفین شبلی اکیڈمی۔ اعظم گڑھ (یوپی۔ انڈیا)

(۴)۔... تاریخ القرآن۔ مؤلفہ علامہ عبد اللطیف رحمانی۔ پروگریسو بکس۔ ۴۰۔ بی، اردو بازار۔ لاہور

(۵)۔... مسلم ورلڈ لیگ کانفرنس۔ اگست ۲۴ تا اگست ۲۶ ۱۹۹۰ء۔ ائر پورٹ ہالی دے ان۔ ٹارنٹو۔ میں اکبر علی مہر علی کا پڑھا گیا مقالہ۔

(٦)۔... Quran the Final Testament, Translated b . Dr. Rashad Khalifa.
Submission. Wrg Capistrano Beach. Tueson, Arigona. 2005

(۷)۔... تفسیر بُرہان القرآن۔ از رحمت اللہ طارق۔ ادارہ ادیات اسلامیہ ۳ /۱۳۳۹ گلشن آباد۔ پاک گیٹ۔ ملتان۔ ۱۹۹۷ء

(۸)۔... تفسیر منسوخ القرآن۔ از رحمت اللہ طارق۔ ادارہ ادبیات اسلامیہ۔ ملتان۔ ۱۹۷۴ء

(۹)۔... تفسیر میزان القرآن۔ از رحمت اللہ طارق۔ ادارہ ادبیات اسلامیہ۔ ملتان۔

(۱۰)۔... اعجاز القرآن و اختلافِ قراءت۔ از علامہ تمنا عمادی صاحب (مرحوم)، الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ ا، ۳، ۷ اے بلاک ا۔ ناظم آباد کراچی۔ ۱۹۹۳ء

(۱۱)۔... امام زہری و امام طبری تصویر کا دوسرا رخ۔ از علامہ تمنا عمادی صاحب الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ۔ ۳۔ ۷ اے بلاک ا، ناظم آباد کراچی ۱۹۹۴ء

(۱۲)۔... 'حضرت سیدنا ابو بکر صدیق'۔ از محمد حسین ہیکل

(۱۳)۔... 'توضیح المقال' از علامہ علی طبرانی (شیعہ عالم)

(۱۴)۔... 'حسام' از مولوی دلدار علی مجتہد اعظم (شیعہ عالم)

(۱۵)۔... 'استقصاء لافحام' از مولوی حامد حسین، امام المناظرین شیعہ

(۱٦)۔... 'اشاعۃ السنہ' شمار ۲۰، جلد ۱۱، 'جنگ آزادی' از پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری (ص ٦٦)

(۱۷)۔... 'فردوس بریں' از عبد الحلیم شرر۔

# رُوداد

قارئین کرام! میں نے یہ کتاب ۱۹۹۸ء میں لکھی تھی مگر اس وقت بوجوہ چھپوا نہیں سکا۔ اور کافی وقت گزر گیا۔ اس دوران جماعت المسلمین کے عقائد وغیرہ میں کوئی تبدیلی نہ آئی اس لئے یہ کتاب آج بھی ان کے حسبِ حال ہے جس طرح سے اس وقت تھی۔ اگر ان کے موجودہ امیر صاحب چاہیں تو وہ جماعت کی عقائدی اصلاح کر سکتے ہیں۔

اس دَوران کی رُوداد میں بتانا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ بھی ریکارڈ پر آجائے:

۲۰۱۶ء میں اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم اور فضل سے میں اس قابل ہو گیا کہ کتاب چھپوا سکوں چنانچہ اس کی کمپوزنگ کے لئے تگ ودَو شروع کر دی۔ مگر ایک حادثہ یہ پیش آیا کہ کچھ دن تکلیفِ جسمانی کے بعد یہ تشخیص ہوئی کہ، عمر کے چوہترویں (۷۴) سال میں، مجھے ایک انہونی بیماری ہو گئی ہے جسے Pseudomyxoma peritonei کہتے ہیں۔ اس کے علاج کیلئے پیٹ کا بڑا آپریشن تجویز ہوا اور ۱۰ جنوری ۲۰۱۷ء کی تاریخ آپریشن کے لئے مقرر کی گئی۔ اس عمر مین زندگی کا پہلا بڑا سرجیکل آپریشن کے خطرات نے ہلا کر رکھ دیا۔ چنانچہ مجبوراً گجرات (پنجاب) میں اپنے ایک بزرگ دوست (جو کہ وہاں کے سب سے بڑے قابلِ احترام عالم تھے اور مجھ سے صرف ۹ سال بڑے تھے، ۲۰۱۵ء میں انتقال کر گئے ہوئے تھے) کے ایک صاحبزادہ سے جو کہ کمپوزنگ کرتے تھے سے رابطہ کیا (ان کا میرے پاس آنا جانا برسوں سے تھا) ان سے زبانی کلامی معاہدہ ہو گیا اور بیچ میں پنجاب ہی کے ایک صاحب کو جو ہم دونوں کے مشترکہ دوست تھے ضامن اور اپنا اٹارنی مقرر کر کے دسمبر ۲۰۱۶ء کے آخری ہفتہ میں اپنا تقریباً اٹھارہ سو صفحات کا مسودہ خطیب صاحب کو روانہ کر دیا۔ (ہمارے دوست مرحوم کے یہ صاحبزادہ نہ تو عالم ہیں اور نہ ہی زیادہ پڑھے لکھے ہیں مگر انہوں نے مسجد پر قبضہ کر لیا ہوا ہے اور خطیب بن بیٹھے ہیں) پھر جنوری ۲۰۱۷ء، ہسپتال میں آپریشن کے لئے داخل ہونے سے پہلے بطور ایڈوانس مبلغ ساٹھ ہزار (۶۰،۰۰۰) روپے بھی بذریعہ چیک روانہ کر دیئے۔ اللہ کے فضل و کرم سے میرا آپریشن کامیاب رہا اور میں زندہ بچ گیا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد انہیں فون کر کے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مین زندہ بچ گیا ہوں۔ آپ بتایئے کہ میرے کام کی کیا پوزیشن ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ ابھی تو کمپوز کرنا شروع ہی نہیں ہوا اور وہ اپنی فیملی کے ساتھ مری اور گلیات میں انجوائے کر رہے ہیں۔ واپس جا کر کام شروع کریں گے۔ کچھ دنوں کے بعد پھر انہیں فون کیا تو بتایا کہ وہ بہت بیمار ہیں، ہیپاٹائٹس وغیرہ ہو گیا ہے اور بیماری میں میرے ارسال کردہ پیسے بھی لگ گئے ہیں۔ میں خاموش ہو گیا۔۔۔۔ پھر کچھ عرصہ بعد فون کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ ابھی بھی بیمار ہیں اور جسم پر کہیں بھی ہاتھ نہیں لگایا جا سکتا ہے شدید طور پر دُکھتا ہے (شاید سامری والی بیماری ہو گی کہ مجھے ہاتھ نہ لگاؤ)۔ پھر کچھ عرصہ بعد فون کیا تو جھوٹ بول کر اور کوئی بہانہ بنا دیا۔ اور یونہی بہانے بناتے رہے اور فون اُٹھانا بھی چھوڑ دیا۔ اور اس طرح سے انہوں نے پورا سال ہی ضائع کر دیا۔ ان کے ایک بڑے بھائی کو درمیان میں ڈالا مگر وہ بھی بے سود رہا۔ آخر میں مجبور ہو کر وسط، نومبر میں میں نے ان کی مسجد کے مجلس کے اراکین سے رابطہ کیا، تو انہوں نے میرے پیسے تو واپس کر دیئے مگر مسودہ

واپس نہیں کیا بلکہ ان کے وکیل صاحب نے مجھے فون پر دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔ بہر حال میں ان کی مسجد کی مجلس سے رابطے میں رہا مگر وہ لوگ بھی کچھ نہ کر سکے۔ حتیٰ کہ جنوری ۲۰۱۸ء میں میں نے خطیب صاحب کو، ان کے حوالہ سے ، پیغام دیا کہ اگر وہ میرا مسودہ واپس نہیں کریں گے تو میں ان کے جاننے والوں اور کراچی میں بہن بہنوئی اور کزن وغیرہ کو (جن جن کو میں جانتا ہوں) ان کی اس بد دیانتی سے آگاہ کر دوں گا مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ آخر میں نے یہ دیکھ کر کہ یہ تو بہت ہی غیر تمند آدمی ہے، رابطہ چھوڑ دیا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اصل مسودہ میرے پاس تھا اور خطیب صاحب کو میں نے فوٹو اسٹیٹڈ بھیجا تھا، اس لئے اب میں اس طرف متوجہ ہو گیا۔ مگر اس دَوران میں نے اپنی ایک اور کتاب بنام ’’القرآن الحکیم کی قراءتی تحریف‘‘ کمپوز کروا کر چھپوالی۔ (۲۰۱۸ء) جو کہ اہلحدیثوں کی تاریخ اسلام میں زبردست سازش کو بے نقاب کرتی ہے کہ انہوں نے قراءت کے نام پر ایک قرآن کے بیس (۲۰) قرآن بناڈالے ہیں۔ (معاذ اللہ)

اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے میری یہ ۱۹۹۸ء میں تحریر کردہ کتاب بھی اب شائع کروادی ہے۔ اس حصہ اول میں سوائے ۶۳۸ سے ۷۵۰ صفحات کے سب کچھ پرانا ہی اصل مسودہ کے مطابق ہے صرف یہ تقریباً سو صفحات صلوٰۃ کے حصہ میں اب بڑھائے ہیں۔ البتہ دوسرا حصہ بھی اس صدی کے دوسرے عشرہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ جس کے عنوانات کی مختصر فہرست یہاں دے رہا ہوں۔ جو حضرات اسے بھی پڑھنا چاہیں وہ منگوا سکتے ہیں۔

یہاں ایک اور واقعہ کا ذکر بے جا نہیں ہو گا کہ جماعت المسلمین چھوڑنے سے پہلے ۱۹۸۸ء میں، میں نے استاذی جناب امیر المسلمین کو ایک ڈیڑھ سو صفحات کا خط تحریر کیا تھا جس میں کچھ جماعت کے عقائد و انتظامی امور کے بارے میں احوال بتایا تھا، جو ان کی طبع نازک پر گراں گزرا تھا اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تھا سوائے اس کے کہ آپ احادیث پر بھی ایمان لے آئیں اور داڑھی رکھ لیں ورنہ آپ ہماری جماعت کے ساتھ نہیں چل سکتے! چنانچہ میں اپنے بچوں کے ساتھ آخری سلام کر کے وہاں سے اُٹھ آیا تھا اور پھر قرآن الحکیم کا مطالعہ شروع کر دیا تھا تو چودہ طبق روشن ہو گئے۔ اتفاق سے اس طویل خط کی فوٹو اسٹیٹڈ کاپی میرے پاس تھی ۹۴-۱۹۹۳ء میں لاہور کے تقریباً سب سے بڑے عالم، جن سے ملاقات تھی، کراچی تشریف لائے تو میرے غریب خانہ پر بھی آئے۔ تو دَورانِ گفتگو کہیں اس خط کا ذکر بھی ہوا تو انہوں نے وہ مجھ سے پڑھنے کے لئے مستعار لے لیا، جلد واپس کر دینے کے وعدہ پر، مگر متعدد بار یاد دہانی کے باوجود وہ واپس نہیں کیا اور مختلف بہانے بناتے رہے۔ حتیٰ کہ ۲۰۱۵ء میں دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ ان کے بعد ان صاحبزادہ سے رابطہ کیا گیا مگر انہوں نے الٹی باتیں سنادیں اور ناگواری کا اظہار کر کے بات ختم کر دی۔

قارئین کرام! غور کیجئے کہ اب کس پر اعتماد کیا جائے؟

ہمارا معاشرہ بہت زیادہ انتشار اور فرقہ واریت کا شکار ہے۔ اور کوئی بھی حق بات ماننے کو تیار نہیں۔ ہر طرف نت نئے فیشن، وضع قطع، حلیہ وخود ساختہ عبادات پر زور ہے۔ نئے نئے فرقے و مسلک بنتے جارہے ہیں۔ تبلیغی جماعتوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ مخصوص قسم کے کُرتے اور چھوٹی شلواریں و چینی ٹوپی پہننے والے، داڑھی والے مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ کندھوں پر رومال یا چادر ڈالنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ مساجد میں پنج وقتہ نمازیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے، روزے رکھنے والے اور ہر خاص وعام کو سڑکوں پر روزہ افطار کرانے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ منیٰ (مکہ

معظمہ) کے علاوہ ہر گلی کوچہ میں جانوروں کی قربانیاں کرنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے................... مگر ایمان وعبادات کے بعد اسلام کی بنیادی طلب (Demand) یا خصوصیت یعنی **کردار** نہیں بن رہا! اوپر سے نیچے تک اوپر تک ہر شخص ہی (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰه) **جھوٹ** بول رہاہے، وعدہ خلافی کر رہاہے، دھوکہ دہی کر رہاہے، منافقت کر رہاہے، دغادے رہا ہے، کرپشن میں کسی نہ کسی طرح سے ملوث ہے۔ غذاؤں میں، دواؤں میں حتیٰ کہ پانی تک میں ملاوٹ میں ملوث ہے......... .......... پھر بھی اپنے آپ کو دودھ کا دھلا تصور کرتا ہے اور ظاہر کرتا ہے.................. اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا دعویدار ہوتے ہوئے غیر اللہ، (بندوں) کو بھی اس کے ساتھ اس کی صفات میں شریک کرتے ہیں اس کے حکم میں شریک کرتے ہیں، اس کی الکتاب میں شریک کرتے ہیں...................... اور پھر بھی اپنے آپ کو مسلمان ومؤمن سمجھتے ہیں۔

غرض یہ ہے کہ پورا معاشرہ ہی تباہ حال ہے۔ برائی اور گناہ کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ آخرت میں جوابدہی کا یقین بھی ختم ہو گیا ہے!

یاارحم الراحمین ہم آپ کے آگے کُلّی طور پر سرنڈر کر کے مسلم بنتے ہیں۔ ہمیں ہدایت عطا فرما کہ ہم صرف آپ ہی کا حکم مانیں (۴۰/۱۲ ، ۶۷/۱۲)

صرف آپ ہی ہمارے لئے کافی ہیں (۳/۱۷۳ ، ۳۹/۳۶ ، ۳۹/۳۸) اور صرف آپ ہی کی الکتٰب ہمارے لئے خود مکتفی ہے (۲۹/۵۱) (نام نہاد) عجم ساختہ احادیث نہیں۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ○

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

حَسْبُنَا كِتَابُ الله

# فہرست مضامین

(جلد دوم)

## باب خصوصی

### تاریخ فرقۂ اہلحدیث اور منکرین حدیث

دسویں صدی ہجری کی ابتداء

کبیر ونانک کے جدید فرقے اور مسلمان

سید محمد جونپوری اور شیخ علائی کے ذریعہ کتاب وسنت کی اشاعت

شیعوں اور سنیوں کی کشمکش

اکبر کے زمانہ میں اسلام

دربار شاہی کی لامذہبی اور الحادیہ احکام کا نفاذ

دکن میں شیعیت کا زور وشور اور شاہ طاہر شیعی مناد

مجدد صاحب اور دوسرے علما

دربار مغلیہ کا مضرِ اسلام اثر

عالمگیر کی مساعی جمیلہ

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اودھ اور روہیل کھنڈ کی جنگ، دراصل شیعہ سنی کی جنگ تھی

تیرھویں صدی کے مجاہدین اسلام

تبصرہ

دین کے خلاف فتنوں کا ظہور

## ۲۔ تاریخ منکرین حدیث / اہل القرآن

پہلا منکرِ حدیث اللہ تعالیٰ خود

دوسرا منکرِ حدیث اللہ کا رسول سلاﷺ علیہ

حدیث لکھنے کی ممانعت

پہلا واقعہ (حدیثوں کے کتابی ذخیرہ کو جلادینا)

دوسرا واقعہ (حدیثوں کے کتابی ذخیرہ کو جلادینا)

تیسرا منکرِ حدیث ابو بکر صدیقؓ

تیسرا واقعہ (حدیثوں کے کتابی ذخیرہ کو جلادینا)

چوتھا منکرِ حدیث عمرؓ بن خطاب

پانچواں اور چھٹا منکرِ حدیث عثمانؓ و علیؓ

ساتویں منکرِینِ حدیث، ہزاروں صحابہؓ

آٹھویں منکرین حدیث، ہزاروں تابعینؒ

ان کے بعد اور موجودہ دَور کے منکرین حدیث؟

## ضمیمہ

ضمیمہ نمبر ا

سلسلہ ۱۶۹۴

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے یہی لوگ نجات پانے والے ہیں..................... (آل عمران:۱۰۵)

# عیسائیت کی خفیہ سرنگ

محمد آصف دہلوی سہارنپوری

صدیقی ٹرسٹ

صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک، کراچی ۷۴۸۰۰

صدیقی ٹرسٹ پوسٹ بکس 609 کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عالمِ اسلام میں

# عیسائیت کی خفیہ سرنگ

نواب چھتاری کے حوالے سے ایک خوفناک منصوبے کا انکشاف

محمد آصف دہلوی سہارنپوری

دورانِ سفر ایک صاحب سے میں نے دریافت کیا: "کیا آپ نے سلمان رُشدی کی لکھی ہوی کتاب "شیطانی آیات" پڑھی ہے...... ؟اس میں کیا لکھا ہے جو اس قدر مخالفت ہو رہی ہے ؟"

انہوں نے کہا: "پڑھی تو میں بھی نہیں مگر سُنا ہے کہ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت توہین (خاکم بدہن) کی گئی ہے، اسی وجہ سے مسلمانوں کی طرف سے اس قدر احتجاج کیا جارہا ہے۔"

دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ مجھے ایک پُرانا قصّہ یاد آگیا۔ وہ قصّہ یوں ہے:

"میرے ایک دوستے جو علی گڑھ میں نواب چھتاری کے ہاں کسی اونچی ملازمت پر تعیّنات تھے اور نواب صاحب ان سے کافی بے تکلّف تھے، انہون نے یہ واقعہ سنایا کہ نواب صاحب ہندوستان کی تقسیم سے پہلے انگریزوں کے بڑے بہی خواہ تھے۔ وہ مسلم لیگ اور کانگریس پارٹی سے بالکل لاتعلّق تھے اور سیاست میں انگریزوں کے ہر طرح مددگار تھے۔ اسی لئے انگریزی حکومت نے ان کو یوپی کا گورنر بنادیا تھا۔

"ایک بار برطانوی حکومت نے سب ہندوستانی صوبوں کے گورنروں کو مشورے کیلئے انگلستان بلایا تو نواب صاحب بھی بحیثیت گورنر انگلستان گئے۔ یہاں علی گڑھ کا جو بھی کلکٹر نیا آتا تھا ان سے برابر ملتا رہتا تھا اور کبھی کبھی آگرہ کا کمشنر بھی۔ ان سب افسروں کے نواب صاحب سے عمدہ تعلقات تھے۔ جب نواب صاحب لندن پہنچے تو جو کلکٹر اور کمشنر ان کے پُرانے ملاقاتی تھے، اور ریٹائر ہو کر انگلستان چلے آئے تھے، جب انہیں نواب صاحب کے آنے کی اطلاع ملی تو وہ ملنے آئے ان سے میں ایک کلکٹر جو نواب صاحب سے بہت مانوس تھا اس نے کہا "نواب صاحب... ! آپ یہاں تشریف لائے ہیں تو آیئے، میں آپ کو یہاں کے عجائب خانے دکھادوں جن میں ہزاروں برس پُرانی ایسی ایسی چیزیں ہیں جو آپ نے کبھی دیکھی نہ سُنی ہوں گی۔"

نواب صاحب نے کہا: "عجائب خانے تو میں نے سب دیکھ لئے۔ حکومت نے دکھادیئے اور یہاں جو بھی آتا ہے، یہ دیکھ کر ہی جاتا ہے، البتہ اگر تم کچھ دکھانا چاہتے ہو تو ایسی چیز دکھاؤ جو یہاں سے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو۔"

انگریز کلکٹر نے کہا: "نواب صاحب! ایسی کون سی چیز ہو سکتی ہے جسے اور کوئی دیکھ کر نہ گیا ہو؟ اچھا... میں سوچ کر پھر بتاؤں گا۔"

دو روز بعد وہ آیا اور اس نے کہا کہ "نواب صاحب! میں نے سوچ لیا اور معلومات بھی حاصل کرلی ہیں۔ اب آپ کو ایسی چیز دکھاؤں گا جو اور کوئی یہاں سے دیکھ کر نہیں گیا۔" اس پر نواب صاحب خوش ہو گئے اور کہا کہ "بس ٹھیک

ہے..." کلکٹر نے نواب صاحب سے پاسپورٹ مانگا اور کہا کہ "وہ جگہ دیکھنے کیلئے حکومت سے تحریری اجازت لینی ہوتی ہے، اس لئے پاسپورٹ کی بھی ضرورت ہوگی۔" دو ایک روز بعد وہ نواب صاحب کا اور اپنا تحریری اجازت نامہ لے کر آیا اور کہا کہ "کل صبح آپ میرے ساتھ میری موٹر میں چلیں گے۔ سرکاری موٹر نہیں جائے گی"۔ نواب صاحب اس پر راضی ہو گئے۔ اگلے روز نواب صاحب اس کے ساتھ روانہ ہوئے۔ شہر سے باہر نکل کر ایک طرف جنگل شروع ہو گیا۔ اس میں ایک چھوٹی سی سڑک تھی جس پر جوں جوں چلتے گئے، جنگل گھنا ہوتا گیا۔ راستے میں کوئی پیدل چلتا نظر آیا نہ کسی قسم کی سواری پر نظر پڑی۔ کسی طرح کی آمد و رفت کا سلسلہ نہیں تھا۔ چلتے چلتے کوئی آدھ گھنٹہ گذرا تو نواب صاحب نے دریافت کیا: "کیا دکھانے لے جا رہے ہو؟ کوئی جنگلی جانور ہے یا کوئی تالاب جس میں خاص قسم کے جانور ہیں؟ اس طرف آبادی ہے نہ آمد و رفت۔ ابھی کتنا اور چلنا ہے؟"

اس نے کہا "بس تھوڑی دُور اور چلنا ہے۔ جنگلی جانور یا تالاب وغیرہ نہیں دکھانا"۔

تھوڑی دیر بعد ایک بڑا دروازہ آیا جو ایک بڑی عمارت کے مین گیٹ کی صورت میں تھا اس میں آگے اور پیچھے دروازے تھے دونوں طرف فوجی پہرہ تھا۔ کلکٹر نے موٹر سے اُتر کر پاسپورٹ اور تحریری اجازت نامہ دکھایا۔ اس نے دونوں رکھ لئے اور اندر آنے کی اجازت دیدی مگر یہ کہا کہ اپنی موٹر یہیں چھوڑ دیجئے اور اندر جو موٹریں کھڑی ہیں، ان میں سے کوئی لے لیجئے۔ نواب صاحب نے دیکھا یہ دروازہ کسی عمارت کا نہیں تھا اور اس کے دونوں طرف دیواروں کے بجائے بہت گھنی جھاڑیاں اور کانٹے دار درخت تھے جن میں سے کسی کا گزرنا ممکن نہ تھا۔

موٹر چلتی رہی مگر گھنے جنگل اور جنگلی درختوں کی دیوار کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ نواب صاحب نے گھبرا کر پوچھا: "کب وہاں پہنچیں گے؟" اس نے کہا: "بس پہنچ گئے۔ دیکھئے، وہ جو عمارت نظر آ رہی ہے؛ وہاں جانا ہے"۔ پھر اس نے خاص طور سے یہ کہا: "اس عمارت میں جب داخل ہوں گے تو ہر چیز دیکھئے مگر آپ کسی قسم کا کوئی سوال کسی سے نہیں کریں گے۔ بالکل خاموش رہنا ہے۔ آپ کو جو کچھ دریافت کرنا ہو وہ مجھ سے پوچھ لیجئے گا۔ ویسے تو میں خود ہی بتاتا جاؤں گا۔ نواب صاحب نے کہا "اچھا" ٹھیک ہے۔ عمارت سے تھوڑے فاصلے پر انہوں نے موٹر چھوڑ دی اور پیدل عمارت کی طرف بڑھے۔ یہ ایک بری سی عمارت تھی۔ شروع میں دالان تھا، اس کے پیچھے متعدد کمرے تھے۔ جب دالان میں داخل ہوئے تو ایک نوجوان داڑھی مونچھوں والا، عربی کپڑے پہنے اور سر پر رومال ڈالے ایک کمرے سے نکلا۔ ایک دوسرے کمرے سے دو ایک نوجوان اور نکلے۔ ان لوگوں نے پہلے کمرے سے نکلنے والے لڑکے سے کہا "السلام علیکم" دوسرے نے جواب دیا "وعلیکم السلام" کیا حال ہے؟ نواب صاحب حیران رہ گئے۔ جب لڑکے ان کے قریب سے گزرے تو نواب صاحب نے کچھ دریافت کرنا چاہا، مگر کلکٹر نے فوراً اشارے سے منع کر دیا۔ پھر کلکٹر نے انہیں ایک کمرے کے دروازے پر لے جا کھڑا کیا۔ دیکھا کہ اندر فرش بچھا ہے اور اس پر عربی لباس میں متعدّد طلبہ بیٹھے ہیں۔ اور ان کے سامنے ان کے استاد بالکل اسی طرح بیٹھے سبق پڑھا رہے ہیں جیسے اسلامی مدرسوں میں استاد پڑھاتے ہیں طلبہ عربی میں اور کبھی انگریزی میں استاد سے سوال کرتے تھے۔

کلکٹر نے نواب صاحب کو سب کمرے دکھائے اور ہر کمرے میں جو تعلیم ہو رہی تھی وہ بھی بتائی۔ نواب صاحب نے دیکھا کہیں کلامِ مجید پڑھایا جا رہا ہے، کہیں قرأت سکھائی جا رہی ہے، کہیں معنی اور تفسیر کا درس ہو رہا ہے،

کہیں احادیث پڑھائی جارہی ہیں، کسی جگہ بخاری شریف کا سبق ہورہا ہے اور کہیں مسلم شریف کا، کہیں مسئلے مسائل سکھائے جارہے ہیں اور کہیں اصطلاحات کی وضاحت اور کہیں مناظرہ ہورہا ہے۔ یہ سب دیکھ کر نواب صاحب بہت حیران ہوئے۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ ایک آدھ طالب علم سے کمرے سے نکلتے وقت کوئی سوال کریں مگر کلکٹر اشارے سے ان کو روک دیتا تھا۔ یہ سب دیکھ کر جب واپس ہوئے تو نواب نے کہا کہ اتنا بڑا دینی مدرسہ ہے جس میں اسلام کے ہر پہلو کی اس قدر عمدہ تعلیم اور باریک سے باریک باتیں سکھائی جارہی ہیں آخر یہ ان مسلمان طلبہ کو اس طرح علیحدہ کیوں بند کرر کھا ہے اور کیوں چھپا رکھا ہے تب کلکٹر نے کہا کہ ان میں کوئی مسلمان نہیں، یہ سب عیسائی مشنری ہے۔

نواب صاحب کو مزید حیرت ہوئی اور انہوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو کلکٹر نے کہا کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد، انہیں مسلمان ممالک میں خصوصاً شرق اوسط بھیج دیا جاتا ہے۔ وہاں یہ لوگ کسی بڑے شہر کی کسی بڑی مسجد میں جا کر نماز میں شریک ہوتے ہیں اور نمازیوں سے کہتے ہیں کہ وہ انگریز ہیں، انہوں نے مصر میں ازہر یونیورسٹی میں تعلیم پائی اور مکمل عالم ہیں۔ انگلستان میں اسلامی ادارے نہیں جہاں وہ تعلیم دے سکیں اور نہ مسجدیں ہیں، اس لئے جلاوطنی اختیار کی ہے، وہ سر دست تنخواہ نہیں چاہتے بلکہ صرف کھانا اور سر چھپانے کا ٹھکانا اور پہننے کے کپڑے درکار ہیں۔ وہ مسجد میں مؤذن یا پیش امام یا بچوں کو کلام مجید کے معلّم کی حیثیت سے خدمات انجام دینے کو تیار ہیں اگر کوئی بڑا تعلیمی ادارہ ہو تو اس میں استاد کی حیثیت سے کام کرسکتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو مسجد یا مدرسے میں رکھ لیا جاتا ہے تو مقامی لوگ بطور امتحان ان سے مسئلہ مسائل بھی معلوم کرتے ہیں اور وہ کافی وشافی جواب دیتے ہیں کچھ عرصہ بعد جب کوئی اختلافی مسئلہ آتا ہے تو لوگ ان کے معتقدین ہوجاتے ہیں اور وہ اس اختلافی مسئلے پر ان کی دو پارٹیاں بنا کر خوب اختلاف پیدا کر دیتے ہیں اور مسلمانوں کو اس طرح آپس میں لڑاتے ہیں سو اس ادارے کا پہلا اصلی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو باہم لڑاؤ چنانچہ شرق اوسط میں گرجاؤں کے پادریوں کے ایک سالانہ جلسے میں Zavyar نامی پادری نے بحیثیت صدر اپنی تقریر میں یہ کہا کہ مسلمانوں سے ہم مناظرے میں نہیں جیت سکتے، اس لئے ہم نے اسے چھوڑ کر یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ انہیں آپس میں لڑاؤ۔ اس میں ہم کامیاب ہیں' لہٰذا ہمیں اس پر عمل پیرا رہنا چاہئے۔ اس مدرسے کا مقصد یہ ہے کہ حضورؐ کا درجہ جس طرح بھی ہوسکے گھٹاؤ تاکہ مسلمانوں کے دلوں میں جو ان کی عزّت اور محبّت ہے وہ کم ہوجائے اس کے بغیر ہم مسلمانوں پر قابو نہیں پاسکتے کیونکہ محض مسلمانوں کے سیاسی اختلاف سے اسلام ختم نہیں ہوسکتا۔

کلکٹر کی ان باتوں پر نواب صاحب حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہے تھے۔

عیسائیوں نے اپنے اس پروگرام پر کئی پہلوؤں سے عمل کیا۔ برصغیر میں انگریزی حکومت کے زمانے میں کتاب "رنگیلا رسول" لکھائی گئی۔۔ اس کے بعد غلام احمد قادیانی کو نبی بنایا گیا۔ ان سے جو کتابیں مذہب کے متعلق لکھوائی گئیں وہ اندرونِ خانہ اسی مسیحی ادارے کی کاوش کا نتیجہ تھیں ورنہ غلام احمد کی بذاتِ خود کیا قابلیت تھی۔ اسی طرح ایک ڈیڑھ عشرہ پہلے امریکہ میں رشاد خلیفہ نے اعلان کیا کہ اس نے کمپیوٹر کے ذریعے عدد ۱۹ کی بنا پر قرآن مجید کو اللہ کا کلام ثابت کیا ہے۔ جب لوگ اس کے معتقد ہوگئے تو اس نے قرآن میں چند آیتیں تحریف شدہ بتادیں، پھر کہا کہ میرا نام "خلیفہ" قرآن مجید میں موجود ہے اور پھر، اپنے نبی ہونے کا اعلان کر دیا۔ جن لوگوں کو اس میں شبہ ہوا ان کے لئے مناظرے کا دن اور تاریخ مقرر کر دی۔ اس نے جب قرآن میں چند آیتوں کی تحریف کا اعلان کیا تو لوگوں نے

کمپیوٹر کے ذریعے اس کے بنائے ہوئے حسابی نقشے کی جانچ کی، جو غلط ثابت ہوا۔ مسلمان علماء، مناظرے کیلئے تیار تھے مگر مقررہ وقتِ مناظرہ سے پہلے، غلام احمد قادیانی کی طرح، اسے موت نے آدبوچا اور اس فتنے کا خاتمہ ہو گیا۔ رشاد خلیفہ کا خاتمہ ہو گیا لیکن اس کا فتنہ باقی ہے اس کا ادارہ اور سینٹر اس کے رفیق حسبِ سابق کام کر رہے ہیں اس کا تحریف شدہ ترجمہ قرآن امریکہ میں عام ملتا ہے۔(صدیقی ٹرسٹ)

اب سلمان رُشدی کی کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔ کتاب چاہے سلمان رشدی نے خود لکھی وہ مگر مسالا غالباً اسی مسیحی ادارے کا تیار کردہ ہے۔ انگریزی حکومت نے بھی، اس کی جان کی حفاظت کے لئے پولیس کے دو آدمی مستقلاً اس کے ساتھ لگا رکھے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ہر طرح کے انتظامات ہیں اور اس ملعون کی حفاظت پر لاکھوں پونڈ خرچ ہو رہے ہیں، جبکہ انگلستان میں رہنے والے کئی اور افراد کو بھی موت کی دھمکی دی جاتی ہے وہ حفاظت کیلئے حکومت سے درخواست کرتے ہیں مگر ان کی حفاظت کے لئے اس کا عشر عشیر بھی نہیں کیا جاتا۔ حال ہی میں چند مالدار انگلستانی سکھ باشندے، بھارتی سکھوں کے، خالصتان بنانے کے خلاف اور بھارتی حکومت کے طرفدار تھے۔ خالصتانی سکھوں نے انہیں موت کی دھمکی دی تو انہوں نے حکومت سے مدد چاہی مگر حکومت نے کوئی خاص انتظام نہ کیا اور وہ مالدار سکھ مارے گئے۔ لیکن سلمان رُشدی کے ساتھ کیا خصوصیت ہے کہ برطانوی حکومت نہ صرف اس قدر سخت حفاظتی انتظام کر رہی ہے بلکہ سیاسی طور پر ایران پر زور ڈال رہی ہے کہ امام خمینی صاحب کا فتویٰ واپس لیا جائے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ عیسائیوں کی ان سازشوں سے آگاہ رہیں اور اپنے گروہی اور فرقہ ورانہ اختلافات ختم کر دیں جو ان کی اجتماعی قوت کو نہایت کمزور کئے دیتے ہیں انہی اختلافات کا نتیجہ ہے کہ مسلمان بوسنیا، کشمیر اور فلسطین میں ہر کہیں بے کس اور مظلوم ہیں مگر عالم اسلام ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے"

بشکریہ: ماہنامہ "حیاتِ نو" بلریا گنج، بھارت

بحوالہ: اردو ڈائجسٹ لاہور نومبر ۱۹۹۲ء

ضمیمہ نمبر ۲

سلسلہ ۱۳۲۲

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہئے جو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور بُرے کاموں سے منع کرے یہی لوگ نجات پانے والے ہیں.................... (اٰل عمران:۱۰۵)

# اسلامیات کا یہودی پروفیسر

پروفیسر احمد الدّین مارہروی

صدیقی ٹرسٹ

صدیقی ہاؤس المنظر اپارٹمنٹس ۴۵۸ گارڈن ایسٹ نزد لسبیلہ چوک، کراچی ۷۴۸۰۰

صدیقی ٹرسٹ پوسٹ بکس 609 کراچی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

# اسلامیات کا یہودی پروفیسر

از پروفیسر احمد الدّین مارہروی

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ برِّ صغیر میں علی گڑھ سے بھی قبل کلکتہ یونیورسٹی نے اپنے ہاں اسلامیات کی تعلیم شروع کرنے کا اہتمام کیا اور گورنمنٹ نے اس کے معلّم کی تنخواہ پانچ ہزار ماہانہ مقرر کی۔ جب کہ بالعموم اس عہدہ کا مشاہرہ ہزار ڈیڑھ ہزار ہوا کرتا تھا۔

۱۹۳۵ء میں اٹاوہ اسلامیہ کالج کا ایک وفد جو ڈاکٹر سر ضیاء الدین، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، ڈاکٹر مولوی بشیر الدین بانی اسلامیہ کالج اٹاوہ، مولوی طفیل احمد ایڈیٹر رسالہ "سود مند" اور "مصنّف" "مسلمانوں کا روشن مستقبل"، اور راقم الحروف پر مشتمل تھا۔ کلکتہ پہنچ کر ہم نے عمائدینِ شہر سے ملاقاتیں شروع کیں۔ ان میں کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر........ حسین شہید سہروردی وزیرِ اعظم پاکستان کے چچا سر حسّان سہروردی بھی تھے۔

اس وقت تک اس معلّم کا انتخاب عمل میں آ چکا تھا اور اسلامیات کی تعلیم شروع ہوئے تقریباً ایک سال ہو چکا تھا۔ میں نے جب سر حسّان سہروردی سے درخواست کی کہ مجھے اس پروفیسر سے جس کا نام مجھے ڈاکٹر زکریا معلوم تھا متعارف کرا دیں تو سب سے پہلے انہوں نے مجھے اس نام پر ٹوکا اور فرمایا وہ ڈاکٹر زکریا نہیں بلکہ زکرایاہ ہے اور نسلاً مذہباً ایک یہودی ہے۔

اس اطلاع سے جیسی سراسیمگی میرے اوپر طاری ہوئی اس کا اندازہ موجودہ دَور کے ذہنیّت کے لوگ مشکل ہی سے کر سکیں گے۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکلا "ڈاکٹر صاحب! آپ نے یہ کیا غضب کیا"؟

فرمایا آپ تو یونیورسٹی میں ریسرچ اسکالر اور لیکچرار رہ چکے ہیں اور بخوبی واقف ہیں کہ اس پایہ کے عالم کا تقرر کس طرح عمل میں آتا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ فرانس، برطانیہ، جرمنی، مصر اور دوسرے ممالک میں اس اسامی کو مشتہر کرا کے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں پھر اس مضمون کے تین جیّد علماء کی ایک کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے جس کے فیصلے پر تقرر عمل میں آتا ہے۔

اس معاملہ میں یونیورسٹی کی عاملہ نے سید سلیمان ندوی، مولانا ابو بکر صدر شعبۂ عربی علیگڑھ اور علّامہ سعد اللہ پرنسپل عربک کالج کو نامزد کیا۔ اور ان تینوں کی متفقہ رائے یہی تھی کہ تمام امیدواروں میں کوئی بھی علومِ اسلامیہ میں اس سے بڑھ کر ماہر نظر نہیں آیا۔

مجھے خود اس تقرر پر سخت صدمہ اور ندامت ہے لیکن میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ اس سے ضرور ملیں تاکہ پرکھیں اور اپنی معلومات میں اضافہ کریں۔

چنانچہ میں انہی کی وساطت سے اس یہودی عالم تک پہنچا اور دو طویل نشستوں میں اس کی ذات، خیالات، اور تبحّرِ علمی کے نقوش ذہن پر مرتسم ہوئے وہ آج تک قائم ہیں۔

بلند قامت، سرخ وسفید رنگ، فرینچ کٹ داڑھی، چھوٹے چھوٹے قدرے گھونگریالے بال، سُتواں ناک، جس پر سنہری فریم کا نازک سا چشمہ، ہلکے نیلے رنگ کا سوٹ جس پر عربی وضع کا چغہ، ...... یہ تھی اس کی پہلی تصویر جو میری نظر میں کھُب کر رہ گئی۔ ہم دونوں کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے تعظیماً کھڑے ہو کر خالص عربی لہجہ میں اور انہی کی طرح مصافحہ کیا۔ میرا تعارف ہونے پر بے ساختہ اس کی زبان سے مرحبا نکلا جسے اُس نے دو مرتبہ دُہرایا اور پھر ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود بھی مودّب بیٹھ گیا۔

ہمارے وفد کی آمد کی اطلاع اُسے اخبارات کے ذریعہ ہو چکی تھی۔ گفتگو کا آغاز اسلامیہ کالج سے ہوا۔ میں نے جب نادار طلبہ کے واسطے ایک دار الاقامہ قائم کرنے کا ذکر کیا تو بے حد متاثر ہوا اور کہنے لگا کہ ہماری قوم کو بھی اس کی سخت ضرورت ہے لیکن یہ سعادت مسلمانوں ہی کو نصیب ہے کہ ہمیشہ اپنے غریب بھائیوں کی مدد قومی نہیں مذہبی فریضہ سمجھ کر کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ ہمارے علم میں تو یہی تھا کہ یہودی دنیا کی سب سے مالدار قوم ہے تو ہنس کر کہنے لگا اس قسم کے بہت سے افسانے آپ نے پڑھے اور سُنے ہوں گے۔ لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ موسیٰؑ کی قوم میں اگر ایک نہیں ہزاروں ولی قارون بھی ہوتے تو اس سے بنی اسرائیل کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا تھا۔ ہمارے ہاں غریب اور امیر کا فرق دوسری قوموں کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہے متوسّطین کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ حالانکہ معاشرتی اعتبار سے یہی طبقہ ریڑھ کی ہڈی کہلاتا ہے۔ چند کروڑپتی دولت کے اجارہ دار بنے بیٹھے ہیں اور ان کا دماغ اور روپیہ دونوں "زِدفزِد" کے چکر میں الجھا ہوا ہے انہیں قوم کے محتاجوں کی بنیادی ضروریات سمجھنے کی فرصت نہیں ہے۔

پھر ہنس کر کہنے لگا اگر یہ صورتِ حال نہ ہوتی تو ہم میں کارل مارکس (بانی اشتراکیّت) پیدا نہ ہوتا۔

گفتگو جب اس نہج پر چل نکلی تو اس کا رُخ خود بخود خاندانی حالات کی طرف مڑ گیا......... کہنے لگا ہماری قوم عرصۂ دراز سے جرمنی میں آباد ہے لیکن یہودیوں کو وہاں دوسرے نہیں بلکہ تیسرے درجے کا شہری سمجھا جاتا ہے اور ہمارے خلاف نفرت کے جذبات کچھ زیادہ ہی زور آور ہیں۔ اسکولوں میں طلبہ کا داخلہ دشوار ہوتا ہے سرکاری طور پر تو کسی قسم کی قیود عائد نہیں لیکن عملاً رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔

البتہ ایک بات دیکھنے میں آئی ہے کہ جو خوش قسمت طالب علم ان مراحل کو خوش اسلوبی سے طے کرتے ہیں وہ جرمن طلبہ کے مقابلے میں زیادہ محنتی اور ذہین ثابت ہوتے اور امتحان میں نمایاں کارکردگی حاصل کرتے ہیں۔

میرے والد موم بتیوں کے تاجر تھے ہم چار بہن بھائی تھے گذران متوسّط طور پر ہوتی تھی۔ لیکن والد کی دلی خواہش تھی کہ دونوں بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے پیسہ پیدا کریں۔ اور ساتھ ہی قومی خدمت انجام دیں۔

اسکول کی زندگی میں مجھے ہمیشہ انعامات ملتے رہے لیکن جب میونخ میں داخلہ کا وقت آیا تو یونیورسٹی کا ہر دروازہ بند پایا ابا جان نے والدہ کو اس پر راضی کر لیا کہ تنگی ترشی سے گذر کر لیں گے مگر ذکرایاہ کو حصولِ تعلیم کی غرض سے بیروت بھیج دیں گے۔

چنانچہ یہی مقام ہے جہاں سے میری موجودہ زندگی کا آغاز ہوا۔ وہاں میرے ہم جماعت، ہم صحبت، ہم مشرب بجائے عیسائیوں کے مسلمان تھے۔ ہمارے مقابلے میں اخلاقی حالت ان کی بھی گری ہوئی تھی لیکن نہ اتنی جتنی عیسائی طلباء کی وہ تو انسانیت ہی سے گزر گئے تھے۔ کوئی ظاہری اور باطنی عیب ایسا نہ تھا جو ان میں سرایت نہ کر چکا ہو۔ بر خلاف اس کے ہمارا اور اہلِ اسلام کا کھانا پینا بھی ایک تھا۔ اور عقائد کے لحاظ سے بھی ہم میں ایک گونہ ہم آہنگی تھی۔ ان میں سے بعض قرآن پڑھتے تھے جس کو میں سمجھتا تو نہ تھا لیکن اس کا لہجہ اور ترنّم کانوں کو بھلا معلوم ہوتا تھا۔

چند روز کے بعد مجھے خیال پیدا ہوا کہ معلوم تو کروں کہ ان کی کتاب میں کیا لکھا ہے۔ عربی کی کچھ شُدبُد ہو چلی تھی مگر بہت سی باتیں سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ ایک پروفیسر قریب ہی رہتے تھے ان سے جا کر پوچھ لیتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ احساس ہونے لگا کہ اس میں وہی کچھ لکھا ہے جو ہمارے صحیفۂ مقدّس میں موجود ہے بلکہ بعض امور میں قرآن زیادہ واضح اور بہتر ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ایک وقت دل میں یہ خیال بھی پیدا ہوا کہ توراۃ کے مقابلے میں یہ کتاب فضولیات سے مبرّا ہے اسی زمانے میں اخبارات سے معلوم ہوا کہ ایک ہندوستانی مبلغ خواجہ کمال الدین اسلام پر لیکچر دینے یونیورسٹی آ رہے ہیں۔ علاوہ مسلمانوں کے میں صرف تنہا غیر مسلم تھا جو ان کا لیکچر سُننے وہاں پہنچا۔

کیونکہ عیسائی ان سے بہت خائف تھے اور چرچ کی طرف سے ممانعت کر دی گئی تھی کہ اس جلسہ میں کوئی شریک نہ ہو............

جو باتیں اس مبلّغ نے بتائیں وہ اتنی واضح تھیں کہ اُن سے انکار ناممکن تھا اور سب کا خلاصہ یہ تھا کہ حقّانیت اگر دنیا میں کہیں موجود ہے تو اس کا حامل صرف قرآن ہے۔ اس کے بعد میں نے گہری نظر سے اس کا مطالعہ شروع کر دیا اور جہاں کوئی بات تشریح طلب نظر آئی تو تفاسیر پر نظر ڈالی۔ مفسّرین نے اکثر جگہ احادیث کا حوالہ دیا تھا ان کو دیکھا مگر وہاں بد قسمتی سے ایسے تضاد نظر آئے کہ مجھے ان میں سے بعض کی اصلیّت پر شُبہ ہونے لگا۔ بہر حال مطالعہ جاری رہا۔ دو ایک مضامین بھی لکھے جن سے ناموری بھی ہوئی اور کچھ پیسہ ہاتھ آنے لگا۔

اب میں نے عربی کو بطورِ زبان سیکھنا شروع کیا، اور سچّی بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد ہی میرے اوپر قرآن کے جوہر کھلے۔ آج کل کا مسلمان تو اُسے پڑھتا ہی نہیں اور پڑھتا ہے تو سمجھتا نہیں اور سمجھ لیتا ہے تو اس پر عمل نہیں کرتا مگر میری اپنی رائے ہے کہ اگر دنیا اسلامی فلسفہ کو اپنا لے تو ہر قسم کے معاشی اور اقتصادی مصائب دُور ہو سکتے ہیں۔

یہ تمام گفتگو وہ یہودی اس جوش و خروش سے کر رہا تھا کہ اس میں خلوص اور عقیدت کی جھلک صاف نظر آتی تھی اور مجھے تعجّب ہو رہا تھا کہ اس کے باوجود اس نے اب تک اسلام کا دامن کیوں نہیں تھاما تھا، لیکن یہ وقت اس سوال کا نہ تھا اسی لئے میں نے اُسے کسی اور موقع کیلئے اٹھا رکھا اور بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا۔

اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ اس دَوران والد صاحب کا انتقال ہو گیا اور والدہ نے کام بند کر کے ملازمت اختیار کر لی۔ بھائی بھی کسی دھندے میں لگ گیا۔ میں اب آزاد تھا۔ کچھ عرصہ کے واسطے مصر چلا گیا۔ مکّہ مدینہ جانے کی اجازت نہ مل سکی اس لئے ان کی زیارت کا اشتیاق دل میں لئے دمشق اور بغداد گیا اور وہاں کے علماء اور فضلاء سے ملاقات کی۔

رفتہ رفتہ اسلامی فقہ پر غور کرنے کا موقع ملا تو اس سے دلچسپی پیدا ہوئی کیونکہ یہودیوں اور مسلمانوں کا اختلاف یہیں آکر کھلتا ہے اور اس کا مطالعہ نہ صرف پُر از معلومات بلکہ دلچسپ بھی ہے میں نے اس پر مختلف مضامین لکھے اور بالآخر اسی فن پر جرمن زبان میں ایک مقالہ تحریر کیا جسے جرمن یونیورسٹی نے اپنے معیار پر پرکھا اور مجھے زبانی امتحان کے واسطے طلب کیا۔

انہوں نے مجھ سے جو سوالات کئے ان کی گہرائیوں تک پہنچنے کیلئے کسی چابکدست اور آزمودہ کار غوّاص کی ضرورت تھی۔ لیکن میں نے ان متعصّب عیسائیوں کو ایسے دندان شکن جواب دیئے کہ انہٰیں مزید سوالات کی جرأت نہ ہوئی اور مجھے ڈاکٹریٹ کی اعلیٰ ترین ڈگری دینی پڑی۔ مگر ملازمت کے واسطے مجھے پھر نمبروں کا منہ دیکھنا پڑا۔

یہاں آئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا لیکن میں دیکھتا ہوں کہ میرے طالب علم تو ہر طرح مطمئن ہیں لیکن بعض مذہبی متعصّب حلقوں سے میرے خلاف کچھ نہ کچھ زہر افشانی ہوتی رہتی ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ بعض مذہبی مسائل پر اس یہودی عالم کے خیالات معلوم کروں۔ لیکن جب میں نے دیکھا کہ اس کی نظر بار بار گھڑی کی طرف اُٹھ رہی ہے تو وعدۂ فردا لے کر اُٹھ آنے میں ہی مفر نظر آیا۔ اس نے بھی معذرت کی کلاس کا وقت ہو گیا ہے آئندہ شام کو گھر آنے کی تکلیف گوارہ کریں اور چائے کی پیالی پر بات چیت ہو تو زیادہ لطف آئے گا۔

(۲)

جوانی کا جوش تھا کون زیادہ انتظار کرتا اگلے دن پانچ بجے شام کو کوٹھی پر جا پہنچا۔ سادہ سا مکان، معمولی فرنیچر، لیکن ڈرائنگ روم ایرانی قالینوں، گاؤ تکیوں اور جھاڑ فانوس سے آراستہ مشرقی تہذیب کا نمونہ پیش کر رہا تھا۔

پروفیسر سفید قمیص اور خاکی نیکر پہنے کوئی عربی رسالہ پڑھ رہا تھا ہاتھ میں جنجان تھا جس کی چسکیاں بھی لے رہا تھا۔ ملازم کوئی تھا نہیں جو میرے آنے کی اطلاع کرتا، نہ دروازے پر پردہ تھا کہ حجاب ہوتا۔ بے تکلّف اندر پہنچ گیا۔

تذبذب ہوا کہ سلام کس طرح کیا جائے آخر یہی مناسب معلوم ہوا کہ اسلامی طریقے پر السّلام علیکم کہہ کر مخاطب کیا جائے۔ اس پر کچھ ایسی محویّت طاری تھی کہ میری آواز سُن کر چونک پڑا اور مرحبا مرحبا کی رَٹ لگا دی۔ مجھے بٹھا کر اندر گیا اور ایک تھالی میں چائے دانی اور فنجان لے آیا۔

گفتگو شروع ہوئی تو کہنے لگا کہ میں نے ہندوستان آکر دیکھا ہے کہ مسلمان طلبہ میں مذہبی معلومات کی بے انتہا تشنگی ہے لیکن یہاں کے علماء اس کو بجھانے میں ناکام ہیں کچھ یہی کیفیت آپ کی بھی معلوم ہوتی ہے۔

میں نے کہا میرا زاویۂ نظر قدرے مختلف ہے۔ میں تو اس غرض سے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کے علم میں جو تضاد ہے اس کی وجوہات معلوم کروں۔ مثلاً آپ نے قرآن میں پڑھا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ اسلام سے بڑی سختی کے ساتھ کہا ہے کہ اگر سود کا کاروبار بند نہ کرو گے تو خدا اور اس کے رسول سے تمہارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور آپ کی قوم مسلّم طور پر سود خوار ہے۔ اگر آپ کا اور ہمارا خدا ایک ہی ہے تو وہ دو متضاد احکام کس طرح جاری کر سکتا ہے۔ ایک عام یہودی تو ہمارے خدا، رسول اور قرآن کو تسلیم نہیں کرتا مگر آپ تو قرآن کی حقانیّت کے قائل ہیں۔ پھر آپ اس گتھی کو کس طرح سلجھائیں گے؟

کوئی اور عالم ہوتا تو میرے اس اعتراض پر ناراض نہیں تو جز بجز ضرور ہوتا مگر کیا مجال جو اس کی پیشانی پر شکن تک آئی ہو۔ مسکرا کر کہنے لگا آپ یہی کہنا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کے ہاں سود حلال ہے تو معاف کیجئے گا خود آپ کی قوم میں کتنے مالدار ایسے ہیں جو سود در سود لیتے ہیں۔ اور اس پر غضب یہ کہ اپنے خدا کو دھوکا دینے کے واسطے اس کا نام بدل کر منافع رکھ چھوڑا ہے کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ ہم نے سود کو ناجائز قرار دیا ہے اور منافع کو حلال گردانا ہے۔

آپ کا قرآن ہی کہتا ہے کہ جب یہودیوں نے بہت سے معاملوں میں اس قسم کی دھوکہ بازی سے کام لیا تو اس گروہ کو بندر بنا دیا گیا......... اب آپ ہی بتائیے کہ آپ کی مثال اُس شخص کی سی نہیں جو شیشے کے گھر میں بیٹھ کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا اور دوسروں پر حجّت بازی کرتا ہے۔ میں نے یہاں آکر چھان بین کی تو یہ دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گیا کہ آپ کے نام نہاد علماء تک اپنی دولت میں اضافے کے واسطے نہ صرف سود لیتے ہیں بلکہ اس خیال سے کہ قوم میں نکّو نہ بن جائیں اس خود ساختہ منافع کو جائز اور حلال بتانے کے واسطے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہمارا جو وفد کلکتہ آیا ہوا تھا اس میں مولوی طفیل احمد صاحب بھی شامل تھے جنہوں نے سود کے جواز میں ایک رسالہ "سود مند" جاری کر رکھا تھا۔ جو مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو اس پر آمادہ کرتا تھا کہ اپنی معاشری حالت درست کرنے کیلئے سود یا منافع کی ایک ایک کوڑی وصول کریں۔ میری خوش قسمتی تھی کہ اُسے اس کا علم نہ تھا ورنہ الٹی آنتیں گلے پڑ جاتیں۔

اپنی بات کو زیادہ مؤثر بنانے کیلئے وہ یہودی اپنی کبر و فطانت سے دُور کی کوڑی لایا۔ ہماری بے راہ روی کی مثال پیش کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آپ لوگوں کے پاس جیتی جاگتی زندہ کتاب موجود ہے۔ لیکن آپ جب صرف تیرہ سو برس میں اس مخالفت سمت چلنے لگے جس کی نشاندہی آپ ہی کے بقول قرآن یہودیوں کے بارے میں کر رہا ہے تو ہم نے جو ہزارہا سال کی خود فراموشی اور ربیّون (یہودی علماء) کی کجروی اور گمراہی کے باعث جو روش اختیار کی اس میں تعجّب کی کونسی بات ہے؟

اگر آپ اُس اسلام کو دیکھیں جس کی قرآن تعلیم دیتا ہے اور پھر اپنی قوم پر گہری نہیں اچٹتی ہوئی نظر ڈالیں تو آپ بھی میری طرح اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کی اخلاقی حالت اتنی گری ہوئی نہیں تھی جتنی معاف کیجئے آج آپ کی ہے۔

میں ایک معمولی سی مثال پیش کرتا ہوں قرآن میں ایک سورۃ الحجرات ہے جس میں بعض معاشرتی خرابیوں کو نمایاں کر کے ان کے متعلّق بڑے سخت احکامات صادر فرمائے گئے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ کسی کے پیچھے اس کی بُرائی نہ کرو اور اس خرابی کو زیادہ نمایاں کرنے کے واسطے کہا گیا ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے تم مُردہ بھائی کا گوشت کھاؤ۔

لیکن میرے پاس جو لوگ آتے ہیں ان میں شاذ ہی کوئی ایسا ہوتا ہوگا جو کسی کی غیبت نہ کرے اور یہ تو آپ کو بھی علم ہوگا کہ آپ کے نام نہاد علماء اس صفت میں کتنے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

میں گیاتو اس خیال سے تھا کہ اس سے کہوں گا کہ جب تم اسلام کی حقّانیت کے اس درجہ قائل ہو تو آج تک جامۂ یہودیّت کیوں پہنے ہوئے ہو اُسے اُتارو اور دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاؤ لیکن کچھ عجیب اتفاق ہوا کہ اس نے میرے کہے بغیر ہی اس مسئلہ کو چھیڑ دیا۔

کہنے لگا کہ لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ تم مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے ؟ میں کہتا ہوں کیا فائدہ، جارج برناڈ شا میری طرف سے جواب دے چکا کہ جب میں اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں تو دل بے اختیار چاہتا ہے کہ مسلمان ہو جاؤں لیکن جب خود مسلمانوں کو دیکھتا ہوں تو طبیعت برگشتہ ہو جاتی ہے۔

موسوی اور محمدی شریعتیں ایک ہی خدائے واحد کی وضع کردہ ہیں جن میں جُزوی اختلاف ہوں مگر اصول دونوں کے یکساں ہیں۔ اگر دونوں اپنی اصل پر قائم رہتے تو جو اختلافات آج نظر آرہے ہیں اتنے نمایاں نہ ہوتے۔

میں نے اکثر مذاہب بالخصوص عیسائیّت کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسلام اور حقیقی یہودیّت میں جتنی مماثلت پائی جاتی ہے وہ دنیا کے کسی دو مذاہب میں نہیں ملتی۔ لیکن معاف کیجئے گا اس وقت خدا کے ترازو میں ہم دونوں ہم پلّہ ہیں اور دونوں ہی اصل سے بہت دُور جارہے ہیں اس لئے میرے نزدیک مذہب کی تبدیلی کے معنی ہوں گے کہ کیچڑ سے نکل کر دلدل میں پھنس جاؤں۔

اُس وقت تو یہ فقرہ میرے ذہن میں نہیں کھٹکا تھا لیکن بعد میں جب غور کیا تو اندازہ ہوا کہ اس کی یہودی ذہنیّت اپنے مذہب کے مقابلے میں خواہ وہ کتنا ہی کثیف ہو اسلام کو حقیر اور کم درجہ سمجھتی ہے کیچڑ سے انسان نکل سکتا ہے لیکن دلدل میں پھنس کر کہیں کا نہیں رہتا اور بالآخر غرق ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد اُس نے بڑی تفصیل سے وہ امور گنوانا شروع کئے جو دونوں مذاہب میں مشترک ہیں۔

مثلاً بڑے فخریہ طور پر بتایا کہ ذبیحہ اور ختنہ صرف ہمارے ہی مذاہب میں آج تک رائج ہیں اسلامی کتب کے تصوّر اور تقدیس کا بھی یہی حال ہے۔ لیکن ہماری قوم بعض ایسی خصوصیّات کی حامل ہے جو کسی دوسرے کو حاصل نہیں ۔مثلاً حضرت اسحٰق علیہ السلام کے زمانے میں جن کے فرزند حضرت یعقوب یا اسرائیل تھے جن سے ہم اپنے کو منسوب کرتے ہیں یہ نسل خدا تعالیٰ کی منظورِ نظر رہی۔ اس میں بگاڑ بھی پیدا ہوئے بغاوتیں بھی ہوئیں۔ دشمنوں نے ہمارے مقدّس مقامات کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہم نے مصر اور بابل میں غلامی کا بدترین دَور بھی دیکھا لیکن ہر بار بارگاہِ ایزدی سے ہم کو مدد دی گئی۔ اور رہنے کے واسطے ایسا سرسبز وشاداب وطن عطا ہوا جس کی قرآن تک تعریف کرتا ہے۔

ہدایت کے واسطے پے درپے صاحبِ معجزہ پیغمبر مبعوث ہوئے کتابیں اور صحیفے بھی نازل ہوتے رہے گمشدہ تورات دوبارہ عطا کی گئی اور ہمارے پیغمبر حضرت سلیمانؑ کی بنائی ہوئی مسجد کو وہ عظمت عطا ہوئی کہ اہلِ اسلام بھی ابتداءً اُسے اپنا قبلہ تسلیم کرتے رہے۔

اس کے مقابلے میں اسلام کے عرب کو دیکھئے تو بنجر ملک میں ایک بُت خانہ بنا ہوا تھا اور پیغمبروں کی تعداد کو دیکھئے تو صرف دو"۔

میں حضور پُرنورؐ کی تعریف میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ وہ میرے مافی الضمیر کو سمجھ گیا اور کہنے لگا میں حضور کی عظمت کا دل وجان سے قائل ہوں اور اس حد تک معتقد ہوں کہ اگر آپ ان کے بتائے ہوئے راستے پر چلتے ہوتے تو میں

آج بجائے ڈاکٹر ز کر ایاہ کے محمد احمد ہوتا۔ آپ کے یہ دونوں نام معنویّت کے لحاظ سے مجھے بے حد پسند ہیں اور صرف یہی نہیں میں آپ کو اسمِ با مسمّٰی سمجھتا ہوں۔ آپ میں وہ تمام صفات یکجا تھیں جن کے مجتمع ہونے سے ایک انسان کامل فرشتہ بن جاتا ہے۔

آپ ان کی مدح میں شعر گاتے ہیں ان کی اتباع میں داڑھیاں رکھتے ہیں اور کھانے کے بعد انگلیاں چاٹتے ہیں لیکن ان کے اخلاق، مروّت، ہمدردی، رواداری اور ایثار جیسی اصلی صفات کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔

آپ کی عبادتیں اگر مخلصانہ بھی ہوں تو وہ اپنی ذات تک محدود ہیں۔ آپ کے علماء قومی اور اجتماعی زندگی سے علیحدہ ہو کر منبر و محراب کی زینت بنے بیٹھے ہیں اور کھوکھلے وعظ کہتے ہیں۔ رہ گئے عوام تو ان کے ہاں مذہب صرف رسوم کا نام رہ گیا ہے اس پر مجھے علامہ اقبال کا وہ شعر یاد آیا۔

نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں، تُو باقی نہیں ہے

خود اسکے علمی خزانے میں بھی اس قسم کا ایک انمول موتی چھپا ہوا تھا۔ الماری میں سے ایک کتاب اُٹھالایا جس کا نام اس کی پشت پر "MUSLIMS ON CROSS ROAD" چھپا تھا۔ ایک جگہ نشانی رکھی تھی وہ صفحہ کھول کر اس نے حافظ شیرازی کا یہ شعر پڑھا۔

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ وارد
وائے گر در پسِ امروز بود فردائے

(اگر مسلمانی اسی کا نام ہے جس کا حافظ دعویدار ہے تو اس آج کی اگر کل ہوئی تو اس پر افسوس ہی کرنا ہوگا۔)

ہم دونوں ہی کو احساس ہو رہا تھا کہ اس گفتگو سے بجز تلخی اور ناگواری کے کچھ حاصل نہ ہوگا اس لئے میں نے اس کا رُخ یہودیّت سے عیسائیّت کی طرف پھیرا۔ اس نے بھی پہلو بدلا اور ایک خوش آئند مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگا:

یہ موضوع بہت دلچسپ ہے۔ ان غریبوں کا تو سچ پوچھئے کوئی الوہی مذہب ہی نہیں۔ ہم تو خیر عیسیٰ علیہ السلام کو صرف پیغمبر ہی تسلیم نہیں کرتے بلکہ سمجھتے ہیں کہ ان کے آنے سے قوم میں کچھ رخنہ اندازی ہی واقع ہوئی، خود عیسائیوں سے بھی اس کا جواب نہیں بن پڑتا کہ حضرت آدمؑ جو بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے وہ خدا کے بیٹے نہ بن سکے اور یوسف نجّار اور مریم کے صاحبزادے کس طرح فرزندِ خداوند بن گئے؟ کس نے انہیں بنایا اس کی سند کہاں ہے پھر اس بیٹے کو ہماری قوم نے سولی پر چڑھا دیا اور مقتدر باپ نے انگلی تک نہ ہلائی۔

قرآن نے ان کے متعلّق جو کچھ بتایا ہے وہ تو سمجھ میں آتا ہے اور اس سے ان کی شان کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے لیکن عیسائیوں کی منطق تو پادریوں کی عقل سے بھی ماورا ہے۔ اس پر غضب یہ ہوا کہ انجیل جسے قرآن آسمانی حجّت تسلیم کرتا ہے صفحہ ہستی سے ایسی غائب ہوگئی کہ اس کا کچھ پتہ نہیں لگتا۔

اب جو چار کتابیں ہیں ان کی حیثیّت آپ کی صحاح ستّہ سے کچھ زیادہ نہیں کہ یسوع نے یہ کیا اور یہ کیا۔ جب سوال کیجئے کہ خدا نے کیا کہا؟ تو جواب دیتے ہیں کہ خدا تو ان کے منہ سے بولتا ہے۔ (جس طرح مسلمان کہتے ہیں کہ رسول کی ہر بات وحی ہوتی ہے۔ صدیق)

مگر ہم اس کے مقابلے میں یہ دلیل لاتے ہیں کہ وہ بجائے ایک منہ کے چار منہ سے کیوں بولتا ہے؟ اب ان کا مذہب صرف حدیثِ مسیح تک محدود ہے اور معاف کیجئے گا آج آپ بھی اس معاملے میں انہی کے پیروکار ہیں۔ آپ نے قرآن کو چوم چاٹ کر اور برکت کی نشانی بنا کر طاق پر رکھ دیا ہے اور حدیث کو جو ترجیح دی ہے وہ انہی کی تقلید نظر آتی ہے۔

آپ کے علماء کے ہاں قرآن کی حیثیت کیا ہے اور اس کے مقابلے میں بخاری شریف کو کتنی فضیلت اور اہمیّت حاصل ہے۔ جس طرح ہمارے ربّی (علماء) عوام کو توراۃ کے احکام سے دُور رکھنا چاہتے ہیں اسی طرح آپ کے مولوی صاحبان نے بھی آپ کو اصل شاہراہ سے ہٹا کر لُوپ لائن کی طرح موڑ دیا ہے اور آپ اسی کو شاخِ نبات سمجھ رہے ہیں۔ آپ کے ہاں اس رمز کو سمجھنے والے پہلے شاہ ولی اللہ گذرے ہیں...... جنہون نے اپنے مدرسے میں قرآن کی تعلیم شروع کی اور اِس دَور میں مولانا ابو الکلام آزاد ہیں۔

لیکن بظاہر دونوں کی آوازیں صدا بہ صحرا ثابت ہو رہی ہیں کیونکہ عوام پر مولویوں کی گرفت زیادہ اور مضبوط نظر آتی ہے ایک بات البتہ یقینی ہے کہ اگر دنیا پر کوئی وقت پڑا کہ اُسے خدائی مذہب کے زیرِ سایہ ہی فلاح و بہبود نظر آئی تو یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے پاس آسمانی کتابیں موجود ہیں اور وہ ان کی طرف واپس آسکتے ہیں۔ لیکن یہ قوم تو اپنا بیڑا اپنے ہاتھوں غرق کر چکی ہے ان کا عقیدہ کہ مسیح نے مصلوب ہو کر ان کے تمام گناہ اپنے سر لے لئے ہیں انہیں خدا پرستی کی طرف لے جا ہی نہیں سکتا۔

اس کے بعد میں نے حدیث کی اہمیّت کا ذکر چھیڑا تو اس نے نہایت فراخدلی سے اعتراف کیا کہ یہ مسلمانوں کا بہت بڑا کارنامہ ہے اور اس کی دوسری مثال صفحہ ہستی پر موجود نہیں محدثین کی محنت اور کاوش کی داد نہ دینا بہت بڑا بخل ہے لیکن میں ساتھ ہی یہ بھی کہوں گا آپ نے اس کو ضرورت سے زیادہ اونچی جگہ دی ہے اور لوگ اُسے قرآن سے بھی زیادہ افضل سمجھنے لگے ہیں۔ حالانکہ اس میں ایسے اختلافات بھی موجود ہیں کہ ایک ہی صحابی سے ایک موضوع پر متضاد حدیثیں مروی ہیں اور اس تضاد کے باوجود آپ انہیں ناقابلِ استرداد گردانتے ہیں۔

پھر آپ نے محدّثین کے درجے مقرر کر رکھے ہیں اس کے علاوہ فرقوں، فرقوں کی حدیثیں جداگانہ ہیں جن میں بیّن فرق نظر آتا ہے اس کی وجہ میری سمجھ میں تو یہی آتی ہے کہ آپ نے قرآن کا دامن چھوڑ کر رسول کی محبت میں خالق و مخلوق کے فرق کو بھُلا دیا اور حدیث کو قرآن کے مقابلے میں زیادہ اہمیّت دے دی حالانکہ حدیث دراصل قرآن کی تفسیر ہے جبکہ علم و ہدایت کا سرچشمہ تو بہر حال قرآن ہے۔

دورانِ گفتگو ہم میں سے کسی کو بھی وقت کا احساس باقی نہ رہا تھا حتّٰی کہ آفتاب غروب ہو گیا اور کسی دَور کی مسجد سے اذان کی صدا بلند ہونے لگی یہودی عالم نے میری طرف کچھ ترچھی نگاہوں سے دیکھا اور دریافت کیا کہ کیا آپ نماز پڑھتے ہیں؟ اثبات میں جواب سُن کر پہلے تو وہ غسل خانہ میں گیا، پانی کا جگ پہلے تین مرتبہ اچھی طرح دھویا اور کہنے لگا اب یہ آپ کی شریعت کے مطابق بالکل مطہر ہے باطمینان وضو فرمائیے، سلیپر پہن کر باہر تشریف لائیے اور فریضۂ مغرب ادا کیجئے۔

باہر نکلا تو قبلہ رُخ ستیل پائی (جاپانی جائے نماز) بچھی ہوئی تھی۔ بولا کئی ماہ ہوئے اس خیال سے خریدی تھی کہ آپ میں سے جو لوگ میری ملاقات کو آئیں وہ اس پر صلوٰۃ پڑھیں لیکن آپ پہلے شخص ہیں جو اسے استعمال کر رہے ہیں۔

میں نماز پڑھتا رہا اور وہ بدستور اپنے رسالے میں منہمک رہا۔ فارغ ہوا تو کہنے لگا میں نے نماز کے فلسفہ پر بہت غور کیا ہے اور اس پر ایک جرمن رسالے میں مضمون بھی لکھا ہے۔ اس میں اخلاقی، جسمانی اور طبّی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

لیکن اس کا اعلیٰ ترین پہلو وہ دماغی یکسوئی ہے جو انسان کو اپنے خالق سے منسلک کر دیتی ہے۔ ہندوؤں سادھوؤں کا گیان اور عیسائی تارکانِ دنیا کی ریاضت اور صوفیائے اسلام کا مراقبہ اس کے آگے کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رہ گئی رسمِ صلوٰۃ تو اُسے آپ مجھ سے زیادہ جانتے ہیں۔

وقت بہت ہو گیا تھا لیکن ابھی اسلامی فقہ پر اس کے خیالات معلوم کرنا باقی تھے جس پر اس نے بڑی تحقیق کر کے ڈگری حاصل کی تھی۔ میرے سوال پر اس نے کہا میری دانست میں اگر دنیا سے تمام علوم ناپید ہو جائیں اور صرف اسلامی فقہ باقی رہ جائے تو انسانی زندگی کو ہمہ گیر، باقاعدہ اور خوش آئند بنانے کیلئے صرف، یہی نسخہ کافی ہے۔ اس کے بعد اُسے کہیں اور جانے اور نئے علوم کے ذخائر تلاش کرنے کی ضرورت لاحق نہ ہو گی۔

کیا کچھ محنت ان بزرگوں نے کی ہے کتنی دماغ سوزی اور موشگافی سے کام لیا ہے زندگی کے کسی شعبہ کو بھی تو نہیں چھوڑا اور ہر چیز کو پانی کر کے رکھ دیا۔ ہمارے ہاں بھی یہودی فقہ ہے لیکن اس میں جانبداری ہے، تصنّع ہے بلکہ میں تو یہاں تک کہوں گا کہ اس میں ریاکاری کو بھی دخل ہے لیکن آپ کے ہاں اس قسم کی کوئی بات نہیں۔ رہ گئے عیسائی تو ان کے ہاں فقہ جیسی کوئی شئے شروع سے ہے ہی نہیں اور جو ہے بھی وہ عوام کے لئے ناقابلِ عمل ہے۔

میں نے ائمہ فقہ کے باہمی اختلافات کا ذکر کیا تو کہنے لگا: انسانی دماغ کی صلاحیتیں اتھاہ ہیں اور ان میں اتنا تنوّع ہے کہ دو حقیقی بھائی جو ایک ہی ماحول میں پرورش پاتے ہیں اور ایک ہی بیج کی پیدائش ہوتے بالعموم ہم خیال نہیں ہوتے ۔ ان سب نے اپنی صوابدید کے مطابق قرآن وحدیث کی روشنی میں تمام مسائل کا تجزیہ کیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ کسی نے اتّقا کو مقدّم رکھ کر کچھ سختی سے کام لیا اور کسی نے "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" کے تحت مذہب کو سہل الحصول بنانے کی خاطر کچھ نرمی برتی۔

میرا رجحان امامِ شافعیؒ کی طرف ہے لیکن بعض معاملات میں امام ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگرد ابو یوسفؒ کے فتاوٰے زیادہ قابلِ قبول نظر آتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ یہ فن ایک زمانے تک پہنچ کر ختم ہو گیا۔ وقت کے ساتھ نئے نئے مسائل پیدا ہوتے جاتے ہیں اجتہاد کی جگہ جگہ ضرورت پڑتی ہے لیکن اب کوئی ویسا جیّد عالم سامنے نہیں آتا جو ان کا حل تلاش کرنے کے لئے اپنی زندگی وقف کر دے۔ پہلے خود سیکھے اور پھر دوسروں کو سکھائے۔

آخر میں کہنے لگا معاف کیجئے میں نے آپ کی کافی سمع خراشی کی بعض تلخ اور ناگوار باتیں بھی کیں صرف اس واسطے کہ آپ جویائے علم بن کر میرے پاس تشریف لائے۔ اس طرح کا جب کوئی تشنۂ علم میرے پاس آتا ہے تو میں

انتہائی کوشش کرتا ہوں کہ میری تشنگی دور ہو جائے اور دماغی الجھنیں یکسر دُور نہ ہو سکیں تو کم از کم ان کو سلجھانے کا طریقہ سمجھ میں آجائے۔ آپ مجھ سے آئندہ بھی مل سکتے ہیں۔

افسوس کہ پھر اس کا موقع ہاتھ نہ آسکا لیکن اس ملاقات کے بعد یہ خلجان مجھے ہمیشہ ستاتا رہا کہ یہ یہودی پروفیسر اپنے طلباء کو کس قسم کی تعلیم دیتا ہوگا اور وہ کس ذہنیت کے مسلمان بن کر یونیورسٹی سے نکلتے ہوں گے۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ص

سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو (آل عمران)

ضمیمہ نمبر ۳

تبلیغی سلسلہ نمبر ا

ہم یہی ڈھونڈتے پھرتے ہیں زمانے بھر میں
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کرتے کیا ہیں

# صحابہ رسولؐ کی افسانوی جنگیں

## قرآن مجید کی روشنی میں

ملنے کا پتہ

(ا)۔ تبلیغی مرکز ریلوے روڈ لاہور پاکستان

(۲)۔ ڈاکٹر حمیس الدین "شفاءللناس" لنک روڈ، چوک شالیمار لاہور

# سفید فام اقوام کی

مادی ترقی سے مضطرب ہو کر پوچھتے ہو کہ :۔ مسلمان خلائی جہاز، ایٹم بم، راکٹ ٹیلی ویژن وغیرہ وغیرہ کیوں نہیں بنا سکے اور قرآن پاک کا دعویٰ ہے کہ اس میں کائنات کی ہر ایک شے کا بیان ہے تو گیس، ایٹم بم، میزائل، فضائی پروازیں ٹیلی ویژن اور چاند کی آبادی وغیرہ وغیرہ کا ذکر قرآن کریم میں کہاں لکھا ہے۔

دوستو! تم نے قرآن حکیم میں غور و تدبر کیا ہی نہیں۔ دنیاوی قانون اور علوم و فنون حاصل کرنے کیلئے آپ اپنا قیمتی وقت صرف کریں گے مگر کلامِ الٰہی پر غور و تدبر کیلئے آپ کو فرصت نہیں ملتی۔ اگر کبھی خیال آیا تو غلط روایت کے بموجب تبرکاً بطور ثواب نظر ڈال لی بس اللہ اللہ خیر سلّا اور اگر رب العزت کے حکم کے مطابق قرآن کو سمجھنے کی کوشش بھی کی تو مفسرین کے لکھے ہوئے قصّے کہانیوں میں اُلجھ کر رہ گئے۔

عزیزو! قرآن مبین میں آپ کے سوال کا جواب موجود ہے کلام مجید شمع ہدایت اُردو جلد لے کر مطالعہ فرمائیں ۔ دلچسپ اور معلومات افزا پاؤ گے۔ قرآن کے سمجھنے اور غور و تدبر کرنے سے دنیا اور آخرت کے فوائد اور صحیح معنوں میں ثوابِ دارین بھی حاصل ہو گا۔

**الداعی الی الخیر**۔ ۱۴صفر ۱۳۸۷ھ

ڈاکٹر حمیس الدّین شفاءٗ للناس ' لنک روڈ چوک شالیمار لاہور

(لاہور آرٹ پریس لاہور)

# صحابہؓ رسول کی شان بزبان قرآن

کسی شخصیت کے متعلق حسنِ ظن یا سُوءِ ظن رکھنا ہمارے ذاتی خیال پر منحصر ہے جس میں اختلاف کا امکان ہے لیکن جن ہستیوں کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ اپنی خوشنودی کا اعلان کر دے۔ ان کے متعلق ہمارا ذاتی خیال کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ ذیل میں شمعِ رسالت کے جانباز پروانوں کی تعریف مقام اور مدارج بزبانِ قرآن ملاحظہ فرمائیں

۱۔ سورہ انفال ۸: ۷۴ میں ارشاد باری ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ............ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ ۞

یعنی وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی سب پکے اور سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے خدا کے ہاں مغفرت اور عزت کی روزی ہے۔ (گویا مہاجر و انصار صحابہؓ کرام سب پکّے اور سچے مومن تھے اور حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت کی سند عطا کر دی)

۲۔ سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں ارشاد باری ہے:۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ......... رَّضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ......... ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۞

یعنی مہاجر و انصار (صحابہؓ کرام) میں سے وہ جنہوں نے اسلام قبول کرنے اور ہجرت کرنے میں سبقت کی اور وہ جنہوں نے حسن کارانہ انداز سے ان کا اتباع کیا ان سب سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو گئے ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے جنت کے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ ان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت جلیلہ میں بھی مہاجر و انصار اور جو اسی انداز سے بعد میں ان میں آ شامل ہوئے سب کے لئے جنت کی بشارت ہے۔

(۳)۔ پھر سورہ انفال ۸: ۷۵ میں ارشاد ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ ط

یعنی جو لوگ بعد میں ایمان لائے اور گھر بار چھوڑ آئے اور تمہارے ساتھ ہو کر جہاد کئے وہ تمہیں میں سے ہیں۔

(۴)۔ پھر سورۂ فتح ۴۸: ۲۹ میں تو ان صحابہؓ کرام کی توصیف و تعریف تو بڑے والہانہ انداز میں آئی ہے جو صلح حدیبیہ کے وقت رسول اللہ کی معیّت میں تھے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ط وَالَّذِیْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ

یعنی محمد رسول اللہ اور اس کے ساتھی کفار پر تو بڑے سخت گیر ہیں لیکن آپس میں رحیم و کریم ہیں۔

(۵)۔ اور جو حضرات فتح مکہ کے بعد ایمان لائے اور صحابیت میں داخل ہوئے ان کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ ان کے مدارج (خدمات اسلام کے اعتبار سے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ...... کے برابر تو نہیں ہو سکتے لیکن ان کے متعلق

بھی اس امر کی وضاحت کر دی کہ:۔
وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ (الحدید ۵۷: ۱۰)
یعنی ان سب کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے نہایت اچھا وعدہ کر رکھا ہے۔
(۶)۔اور پھر سورہ انفال ۸ : ۶۴ میں ارشاد ہے۔
يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَ مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾
یعنی اے نبی: آپ کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ اور آپ کے پیروکار مومنین کی جماعت (گویا رسول اللہ کے مشن کو کامیاب بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے علاوہ جماعت مومنین کی جان نثاری سرفروشی اور مسلسل جدو جہد کافی ہے۔

(۷)۔سورۂ مومنین ۲۳: ۱۰ میں صحابہ کرام کے نیک اعمال اور عظیم خدمات اسلام کے عوض صلے کا اعلان بھی کر دیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾
کہ یہ جماعت وارث جنت ہے۔(۸:۴،۸:۸۴)

ان تصریحات سے واضح ہے کہ جملہ صحابہ کرام مومن حقّہ تھے۔(۸:۴،۸:۷۴) رسول اللہ کے مشن کو کامیاب بنانے والے قابلِ اعتماد سپاہی تھے۔ اپنی مخلصانہ اور سرفروشانہ سرگرمیوں کی وجہ سے جنت کے وارث تھے۔ لہٰذا ان سے زندگی بھر اس قسم کا کوئی کام سرزد ہو ہی نہیں سکتا تھا جو قرآن کے خلاف' ایمان کے منافی یا اہل جنت کے شایانِ شان نہ ہو۔ صحابہ کرام کے متعلق حق تعالیٰ کی شہادت کے مقابلے میں کسی انسان کی شہادت (ہمارے ایمان کے مطابق) کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ ایسا کبھی ہو نہیں سکتا کہ رسول اللہ کی زندگی تک تو صحابہ کرام واقعی ایسے تھے لیکن بعد میں (معاذ اللہ) ایسے نہیں رہے تھے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت کی شہادت اور جنت کی بشارت دے دی تو ظاہر ہے وہ اپنی پوری زندگی میں ایسے ہی رہے ہوں گے ورنہ اللہ تعالیٰ کی یہ شہادت وبشارت بے معنی ہو جاتی ہے (استغفر اللہ) اس الٰہی فیصلے کے مقابلے میں کسی انسان کا فیصلہ ہمارے لئے قابل قبول نہیں کیونکہ انسان بہر حال غلط اندیش، غلط کار، کوتاہ نظر اور عاجز ہے۔

## صحابہ کرام کے درمیان افسانوی جنگیں

قرآن کی سورۂ نساء ۴: ۹۲ میں ارشاد باری ہے کہ:۔
(مفہوم) کوئی مومن کسی اور مومن کو قتل نہ کرے اور اگر کسی سے سہواً ایسا ہو جائے تو ایک غلام آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو قصاص بھی ادا کرے۔ پھر اگر ان دونوں باتوں کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینے کے متواتر روزے رکھے، یہ اللہ کی طرف سے جرم کی توبہ کے لئے مقرر کی گئی سزا ہے حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا ہر حکم اور ہر فیصلہ علم و حکمت کی بنیاد پر قائم ہے۔
(ب)۔اس سے اگلی آیت مجیدہ (۴: ۹۳) میں ارشاد ہے:۔
(مفہوم)۔اور جو کوئی کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے۔ اس کی سزا جہنم ہے اسے اس میں ہمیشہ رہنا ہو گا۔

اس پر اللہ کا غضب ہے اور اس کے لئے رحمتِ باری سے دوری ہے اور اس کے لئے اللہ نے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(ج)۔ ہماری نام نہاد اسلامی تاریخ (جسے اہلِ تحقیق قصاب کی دُکان سے تعبیر کرتے ہیں) یہ بتاتی ہے کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد اصحابِ رسول کی تلواریں باہم ایک دوسرے کے مقابلے پر بے نیام ہوئیں اور (معاذ اللہ) (استغفر اللہ) صحابہ کرام نے دوسرے صحابہؓ کرام کو قتل کیا۔ حالانکہ سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں ان ہی اصحابِ رسول کو رضی اللہ عنہم اور ابدی جنتِ مکان ہونے کی خبر پہلے دے دی گئی ہے۔

(مفہوم)۔ اور مہاجرین و انصار میں سے سبقت اور پہل کرنے والے بھی اور وہ بھی جنہوں نے ہجرت اور نصرت میں ان کی حسن کارانہ انداز سے پیروی کی (یعنی پہلے اور پچھلے، مہاجر و انصار) سب پر اللہ راضی ہو گیا اور وہ اللہ کی رضاجیت گئے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جنت میں ایسے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے، جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ جو انہیں کبھی خشک نہیں ہونے دیں گی اور وہ ان میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

گویا قرآن کی سورت ۹: ۱۰۰ کے مقابلے میں تاریخ اسلام یہ کہتی ہے کہ وہ مقدس نفوس قتلِ عمد کے مرتکب ہو کر سورہ نساء ۴: ۹۳ کے مصداق ہوئے۔ ذیل کی مثالیں قابل غور ہیں۔

## جنگ جمل:۔

نامِ نہاد تاریخ نے جنگِ جمل کے نام سے مسلمانوں کی باہمی جنگ کا شاخسانہ کھڑا کر کے یہ بتایا ہے کہ اس خونریز لڑائی میں ایک طرف ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا صف آرا تھیں اور دوسری طرف دامادِ رسول حضرت علی نبرد آزما تھے اور دونوں طرف کی فوجیں جنت مکانی اصحابِ رسول پر مشتمل تھیں۔ اس ماں بیٹے کی لڑائی میں جو اسلام کی پہلی خانہ جنگی کہلاتی ہے دونوں لشکروں کے دس ہزار سپاہی کام آئے۔ یعنی رسول اللہ کے دس ہزار صحابہ خود صحابہؓ رسول کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ (معاذ اللہ)

## جنگ صفین:۔

اسی طرح جنگ صفین کے نام سے ایک ایسی خونریز جنگ کی خبر تراشی گئی ہے جس میں ایک طرف حضرت علی اور دوسری طرف حضرت معاویہؓ تھے اور دونوں حضرات جیّد اصحابؓ رسول تھے۔ اس جنگ میں ۲۵ ہزار سپاہی حضرت علیؓ کے اور ۴۵ ہزار سپاہی حضرت معاویہؓ کے مارے گئے (یعنی ۷۰ ہزار صحابہؓ رسول خود صحابہ رسول کے ہاتھوں قتل ہوئے) ہزاروں عورتیں بیوہ' بچے یتیم اور سینکڑوں گھرانے بے نشان ہو گئے۔ کچھ سوچا آپ نے؟ کہ یہ ایک دوسرے کے قاتل وہی اصحابِ رسول ہیں جن کو سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں اللہ کی طرف سے یہ سرٹیفکیٹ مل چکا ہے کہ:۔

(۱)۔ یہ سب کے سب رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ تھے۔

(۲)۔ ان کے لئے اللہ نے خشک نہ ہونے والے باغات کا وعدہ کر رکھا ہے۔

(۳)۔ اور وہ ان باغات میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

(۴)۔ اور سورہ فتح ۴۸: ۲۰۰ کے مطابق وہ آپس میں محبت و رحم کرنے والے مگر دشمن کفار کیلئے شدید طور پر سخت ہیں۔

## بقول اس نام نہاد فرضی تاریخ

اگر بفرض محال چند منٹوں کے لئے یہ مان بھی لیا جائے کہ جنگ جمل ام المومنین اور حضرت علیؓ (ماں بیٹے) کے درمیان محض غلط فہمی سے چھڑ گئی تھی۔ تو پھر فریقین نے فوجیں کس غرض کے لئے جمع کی تھیں؟ اور پھر یہ فوجیں مرکز اسلام مدینہ سے سینکڑوں میل دُور بصرہ لے جانے کی غرض کیا تھی۔

ا۔ اگر جنگ جمل محض غلط فہمی کی بنا پر ہوئی تھی اور اس لڑائی میں دس ہزار مومنین غلطی سے قتل ہو گئے تو قرآنی حکم ۴: ۹۲ کے مطابق ام المومنینؓ حضرت علیؓ۔ حضرت معاویہؓ اور ان کے طرف دار مومنین پر فرض تھا کہ وہ:۔

ا۔ ہر مقتول مومن کے بدلے ایک ایک مومن غلام آزاد کرتے۔

ب۔ تمام مقتولین کے وارثوں کو (قصاص) خون بہا ادا کرتے۔

ج۔ ان دونوں چیزوں کی عدم ادائیگی کی صورت میں الگ الگ ساٹھ ساٹھ روزے رکھتے اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس نام نہاد جنگ جمل کے فریقین قرآن کریم کے تابع ثابت ہوتے ہیں یا منکر؟

۲۔ لیکن جنگِ صفین کے متعلق تو یہ خود تراشیدہ تاریخ ۷۰ ہزار مسلمانوں کے بالارادہ قتل کی تصدیق کرتی ہے۔ سیّد عبد القادر ایم اے تاریخ اسلام حصہ اوّل کے صفحہ ۳۰۷ پر لکھتے ہیں:۔

یکم صفر ۳۷ھ کو باقاعدہ لڑائی شروع ہوئی۔ چند روز فوجی دستوں کے خفیف مقابلے ہوتے رہے۔ آخر ۱۱۔ صفر کو حضرت علیؓ نے اس کشمکش کا خاتمہ کرنے کے لئے عام حملے کا حکم دیا۔ اور فریقین میں معرکہ آرائی کا آغاز ہوا............... اس میں ۴۵ ہزار سپاہی شامی لشکر کے اور ۲۵ ہزار کوفی لشکر کے مارے گئے"۔

گویا تاریخ کے الفاظ میں یہ ۷۰ ہزار مسلمانوں کا قتلِ عظیم کسی غلط فہمی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ فریقین نے فریقن ہی کے ۷۰ ہزار مسلمانوں کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ اب اس تاریخی قتلِ عام کا سورہ نساء ۴: ۹۳ سے موازنہ کیجئے۔ جس میں کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے کی سزا................ قیامت کا ابدی جہنم ................ اللہ کا غضب ................ اس کی رحمت سے دُوری............ اور عذابِ عظیم مقرر ہے۔

تاریخ کی رُو سے صحابہ رسول نے جنگ جمل میں دس ہزار اور جنگ صفین میں ستّر ہزار حافظِ قرآن صحابہ رسول کو قتل کیا تھا اگر ان اسّی ہزار مسلمانوں کا قتل عمداً ہوا تھا تو قاتل صحابہ جن میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ اور ام المومنین حضرت عائشہؓ بھی جو اپنی اپنی فوجوں کے سربراہ تھے (معاذ اللہ۔ استغفر اللہ) سورہ نساء کی آیت ۴: ۹۳ کی وعید کی زَد میں آجاتے ہیں۔

## قرآنِ کریم کی روشنی میں

جنگِ جمل کے دس ہزار مسلمانوں کے قتلِ سہو اور جنگِ صفین کے ستر ہزار مسلمانوں کے قتلِ عمد کے تاریخی بیانات عقل کے ترازو پر ہر گز تل نہیں سکتے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی طرف منسوب کردہ یہ باہمی جنگیں

ان پر بہتانِ محض ہیں۔ کیونکہ تاریخ کے حوالوں سے ہم جن صحابہ رسول کو یہاں ایک دوسرے کا قاتل پاتے ہیں ان کے متعلق حق تعالیٰ نے سورہ فتح ۴۸: ۲۹ میں ارشاد فرمایا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ

(مفہوم) محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔ وہ اور ان کے جملہ صحابہ کافروں کے مقابلے پر تو سخت گیر ہیں لیکن آپس میں بہت مہربان ہیں"۔

اب آپ خود ہی فیصلہ کریں کیا قرآن سچ کہتا ہے کہ صحابہ رسول کبھی آپس میں نہیں لڑتے تھے' یا مروّجہ تاریخ سچی ہے جو اس مقدّس جماعت کو اسّی ہزار مومنین کا قاتل ٹھہراتی ہے؟ درس محمدی کے براہِ راست فیض یافتگان کو دنیا کے طالب اور حرص وہوا کے بندے بنا کر پیش کرتی ہے۔

یاد رکھو! قرآن کریم حق ہے اور شک وشبہ سے بالاتر ہے لیکن تاریخ مشکوک اور ظنی ہے لہٰذا جب حق اور ظن کی ٹکر ہو جائے تو ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ ہم حق کا ساتھ دیں اور ظن سے بیزار ہو جائیں۔

## تاریخ محض بہتان ہے

اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک ایک مومن اسلام کا وہ گراں بہا سرمایہ ہے کہ:۔

۱۔ اگر کسی مومن کے ہاتھ سے کوئی مومن سہواً بھی قتل ہو جائے تو یہ بلا ارادہ جرم بھی قابلِ معافی نہیں بلکہ ایسے قاتل کو ایک غلام آزاد کرانا اور خون بہا ادا کرنا ہوتا ہے۔

۲۔ لیکن اگر کوئی مومن کسی دوسرے مومن کو جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کی سزا ابدی جہنم ہے۔

۳۔ خود رسول اللہ کا قول ہے کہ مومن وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مومن کی جان اور مال محفوظ ہو

۴۔ صحابہ رسول تو کجا سورہ نساء ۴: ۹۴ میں تو کسی ایسے اجنبی مومن کو بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں جو سلام پیش کر کے اپنے مومن ہونے کی خبر دے رہا ہو۔

ہاں میدانِ جہاد میں ایسے آدمی کے متعلق یہ تاکید کر دی گئی ہے کہ جاسوسی کے شبہ میں قتل کر دینے سے پہلے تحقیق کر لیا کرو کہ کہیں وہ اجنبی مومن تو نہیں؟ (النساء ۴: ۹۴، حجرات ۴۹: ۶)

اسی آیت مجیدہ کے اگلے حصے میں صحابہ کرام کو خبر دی گئی ہے کہ تم زمانۂ جاہلیت میں ایسے ہی ناواقف افراد کو بلا تحقیق قتل کر دیا کرتے تھے۔

۵۔ جب صورتِ حال یہ ہو تو صحابہ رسول سلامٌ علیہ کا دوسرے صحابہ رسول سلامٌ علیہ کو سہواً یا عمداً قتل کرنے کا تصوّر کون کر سکتا ہے؟ لیکن تاریخ کا یہ کمال ہے کہ اس نے قرآن پڑھنے والی قوم کے ذہن سے سورہ انفال ۸: ۷۴، سورہ نساء ۴: ۹۶، مومنین ۲۳: ۱۰ اور سورہ توبہ ۹: ۱۰۰ میں مذکور شانِ صحابہ رسول سلامٌ علیہ محو کر کے جعلی واقعات کی رُو سے انہیں ۴: ۹۳ کا مصداق بنا دیا۔ یعنی:۔

| قرآنِ حکیم کہتا ہے کہ | لیکن تاریخ کہتی ہے کہ |
|---|---|
| ۱۔ صحابہ رسول پر اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا۔ | ۱۔ اُن پر اللہ کا غضب ہو گا۔ |

| | |
|---|---|
| ۲۔ صحابہ رسول جنت کے وارث ہیں۔ | ۲۔ وہ جہنم کے وارث ہوں گے |
| ۳۔ صحابہ رسول جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔ | ۳۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ |
| ۴۔ صحابہ رسول آپس میں رحیم و کریم تھے۔ | ۴۔ وہ ۸۰ ہزار صحابہ کے قاتلین بالعمد تھے۔ |

کیا آپ اب بھی قرآن کریم کے مقابلے میں اس نام نہاد تاریخ کو سچا ماننے اور منوانے پر بضد ہیں؟

اس طرح صحابہ کرام کے متعلق ثقیفہ بنو ساعدہ واقعہ قرطاس اور احراق باب فاطمہ وغیرہ تمام واقعات فرضی افسانے ہیں۔ جو چوتھی صدی ہجری میں گھڑے گئے تھے۔

## حقیقت یہ ہے کہ:۔

عراق، عجم اور ارضِ روم کے یہودی، مجوسی عیسائی اور تمام دیگر اسلام دشمن عناصر نے عرب فاتحین کے خلاف ایک گٹھ جوڑ کر لیا۔ جس کی وجوہات یہ تھیں۔

۱۔ عجمی مجوسیوں اور رومی عیسائیوں کی پُرانی حکومتیں چھن گئی تھیں۔ اور ان کا سیاسی اقتدار ختم ہو گیا تھا۔

۲۔ ان کی ہزاروں سال پُرانی تہذیب و تمدن کا عرب بدوؤں کے ہاتھوں خاتمہ ہو گیا۔

۳۔ مختلف جنگوں میں ان کے ہزاروں آدمی قتل ہو گئے اور بقیتہ السیف غلام اور لونڈیاں بنالی گئیں۔

۴۔ ستارہ پرست صائبین کی روزی روزگار کو بڑا دھکا لگا کیونکہ قرآن نے توہم پرستی اور سیارگان کے سعد و نحس کو باطل قرار دیا۔

۵۔ یہودیوں کی فلسطین اور عرب و یمن میں ہزاروں برس کی مذہبی پیشوائیت اور سیاسی حکومت کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ قرآن نے ان کے جھوٹے تقدیس کی بساط اُلٹ دی۔ جس سے وہ ہر طرف رسوا و بے وقار رہ گئے۔

۶۔ ان کے لہلہاتے کھیت، باغات اور بستیاں مسلمین کے قبضہ میں اور ان کی ملکی سیاست غازیانِ اسلام کے دستِ قدرت میں چلی گئی تھیں۔

۷۔ بیرونِ عرب کے مفتوحہ علاقوں سے سینکڑوں مرد و زن غلام اور لونڈیاں بن کر عرب فاتحین کے ہاں زندگی کے ملول دن بسر کر رہے تھے ان کے سینوں میں آتشِ انتقام ہر وقت شعلہ زن رہتی تھی۔

غرضیکہ یہ سب عناصر مل کر اپنے کھوئے ہوئے وقار اور سیاسی اقتدار کو دوبارہ حاصل کرنے کی خفیہ تدابیر سوچنے لگے اور بلالحاظ مذہب و ملت وہ عرب حکمرانوں کی سیاسی بالادستی اور قرآن کی دینی حاکمیت ختم کرنے پر متحد ہو گئے اور اپنی اپنی قومی خیر خواہی کی خاطر اہل اسلام سے ان کی فتحیابیوں کا بدلہ لینے پر تل گئے۔ اس مقصد کے حصول کیلئے وہ کوفہ کے منافقین کو مفسدین کی سبائی جماعت میں شامل ہو کر اس کے موید و ناصر بنے۔

جب اس متحدہ محاذ کے منافقین سیاسی طور پر غازیانِ اسلام کے ساتھ میدانِ جنگ میں نہ نمٹ سکے تو انہوں نے جماعتِ مومنین کی تباہی اور اسلام کی بربادی کے لئے ایک نیا محاذ ڈھونڈ لیا۔ جس کی کامیابی کے لئے انہوں نے دو مؤثر ذرائع اختیار کئے۔

(۱)۔ قرآن کو تحریف کے ذریعے مشکوک کرنا۔

(ب)۔ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا۔

یہودی علماء تورات میں تحریف کر کے اس کی تشریح و تفصیل کے لئے حدیث موسوی (تالمود) میں بڑے ماہر تھے۔ انہوں نے دو ہزار سال سے منکرینِ حدیث کا ناطقہ بند کر رکھا تھا۔ عیسائی علماء نے انجیل مقدس گم کر کے عیسوی احادیث۔ یوحنا، متی، لوقا، مرقس اور برنباس کی اناجیل مرتب کر کے عوام میں پھیلا رکھی تھیں۔ اسی طرح عجمی علماء نے زرتشتی اصولوں پر ژند و پاژند اور اَوستا کے ردّے چڑھا رکھے تھے اور عوام ملوکیت پرستی، مشائخ پرستی اور علماء پرستی کا شکار چلے آتے تھے ان تینوں فرقوں کے علماء کرام تحریف قرآن کے لئے آگے بڑھے۔ پہلے انہوں نے قرآنی تفاسیر لکھیں اور پھر قرآن کو پایۂ اعتبار سے ساقط کرنے کے لئے وضعی احادیث کا سلسلہ جاری کر کے رسول اللہ کے مشن کو فیل کرنے کی خفیہ مہم شروع کی۔

ادھر تفریق بین المسلمین پیدا کرنے کے لئے سبائی جماعت کے لیڈر۔ بصرہ۔ کوفہ اور مصر سے اُجڈ۔ شہدُوں، غنڈوں اور مفسدین کی جمعیت لے کر مرکزی خلافتِ اسلامیہ پر چڑھ دوڑے۔ انہون نے حج کے بہانے مدینہ میں جمع ہو کر خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی کو قتل کیا۔ مدینہ پر قابض ہو کر حضرت علی کو جبراً خلافت پر متمکن کیا۔ قصاص عثمان کے طالبان کے خلاف محاذ قائم کر کے بصرہ کے قریب مسلمانوں کا قتلِ عام کیا۔ وہاں سے حضرت علی کو کوفہ لے جا کر جدال و قتال کی نئی ترکیبیں سوچنے لگے۔

## نام نہاد تاریخ

ہماری تاریخ خلافتِ راشدہ یا خلافتِ بنو امیّہ کے کسی سرکاری ریکارڈ یا ہمعصر وقائع نگار یا مورّخ کی ڈائری سے نہیں بلکہ ان ہر دو خلافتوں کے خاتمے کے بہت عرصہ بعد خلافت عباسیہ میں چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی تھی جو تماماً اسلام دشمن جھوٹے راویوں کی زبانی وضعی روایات پر مبنی ہے۔ کوئی عصری شہادت پیش نہیں کرتی، اس کے اکثر واقعات غلط' بے بنیاد اور حقیقت سے بعید ہیں اور بعض واقعات کو معاندانہ طور پر توڑ مروڑ کر بیجا مبالغہ آمیزی اور جانبداری سے ترتیب دیا گیا ہے تاکہ آیندہ نسلوں کے سامنے بنی امیّہ اور بنی ہاشم کو ایک دوسرے کا قاتل' جانی دشمن ظالم جابر و غاصب کی حیثیت سے پیش کیا جا سکے حالانکہ وہ یک جدی چچازاد بھائی اور ایک دوسرے کے ہمدرد اور خیر خواہ تھے۔

ہمارے فقہی امام احمد بن مالک کا یہ قول اپنے اندر بڑا وزن رکھتا ہے کہ ہماری مروّجہ روایات اور تواریخ سب ظنی ہیں (البدایہ والنہایہ) لہٰذا ہماری کتاب تواریخ غلط اور غیر یقینی ہیں کیونکہ اصل میں یہ مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے اور رسول اللہ کے مشن کو فیل کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہیں:۔

اے کہ شناختی خفی را از جلی ہوشیار باش
اے گرفتارِ ابوبکرؓ و علیؓ ہوشیار باش

ضمیمہ نمبر ۴

تبلیغی سلسلہ ۲ بجواب خلافت وملوکیت

لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا

(حکمِ ربّانی) قرآنی اصلاح کے بعد معاشرے میں پھر بگاڑ پیدا نہ کرو (اعراف ۷: ۵۶)

# کون سا نظام صالح تھا

# ؟

ملنے کا پتہ'

(۱)۔ ڈاکٹر حمیس الدین۔ شفاءُ للنّاس' چوک شالیمار' لنک روڈ، لاہور

(۲)۔ تبلیغی مرکز' ریلوے روڈ۔ لاہورے (پاکستان)

بذریعہ ڈاک منگوانے والے حضرات، پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مفت طلب کریں

اور علاوہ ازیں اس مسئلے کی پہلی کتاب صحابہ رسول صلعم کی افسانوی جنگیں بھی ملاحظہ ہو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نبی آخر الزمان حضرت محمد مصطفٰے سلامٌ علیہ نے وحی الٰہی کی ہدایت کے مطابق حکومتِ الٰہیہ متشکل کی اور اسلام کے اجتماعی نظامِ زندگی کے دینی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور جنگی اُصول وضوابط واضح کر دیئے۔ مستقل اور غیر متبدل اقدارِ حیات سے دُنیا کو واقف کرا دیا۔ روز مرّہ کے پیش آمدہ مسائل کے متعلق قرآن مجید کی روشنی میں، فکر و تدبر اور اجتہاد بالمشورۃ کی راہنمائی کی۔ اور جماعتی لحاظ سے وحدتِ فکر و عمل، وحدت نصب العین، مرکزی قوت، اطاعت امیر اور مجاہدانہ روشِ زندگی کی تاکید فرمائی اور بشارت دی کہ:۔

وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ (اٰل عمران ۳: ۱۳۹)

صحابہ کرام کی بابرکت اور قدسی جماعت رسول اللہ کی دست و بازو بنی۔ جس نے اپنے خون اور مال کی بے مثال قربانیوں اور مخلصانہ جدوجہد سے اسلام کو پروان چڑھایا اور اپنے قابلِ فخر کارناموں سے جنت کی وارث ہوئی اسی لئے تو رسول اللہ نے فخریہ فرمایا تھا کہ خَيْرَ القرون قرنِي ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُونَهُم یعنی میری امت میں سب سے بہتر زمانہ میرا ہے پھر ان لوگوں کا جو ان کے بعد ہوں گے پھر ان لوگوں کا جو اُن کے بعد ہوں گے (حدیث بخاری پ ۱۴ فضائل صحابہ)

پھر فرمایا کہ: میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ تم جس کی بھی اتباع کرو گے۔ روشنی پاؤ گے۔

عربوں میں آج تک کبھی کوئی سیاسی یا اصلاحی تحریک نہیں اُٹھی۔ معاشرتی طور پر وہ قبائلی نظام کے ماتحت رہے اور دینی لحاظ سے وہ قرآن مجید کے سوا کسی اور کتاب کے تابع نہیں رہے۔ حَسبُنَا كتابُ الله ان کا قول تھا۔ لہٰذا قرآن حکیم کے سِوا جو کچھ بھی مشرقی اقوام کو دین کے نام پر ملا (یعنی تواریخ تفاسیر۔ روایات۔ فقہ) وہ اکثر و بیشتر یہودیوں۔ عیسائیوں اور عجمیوں کی تقیہ کاریوں اور اسلام و مُسلم کش کرشمہ سازیوں سے ملوث ہے۔ بنو امیّہ اور بنو عباس خالص عرب تھے۔ ان میں سیاسی اختلاف تو ممکن ہے لیکن دینی امور میں وہ قریباً ایک رہے اور زوالِ بغداد تک ان میں فرقہ وارانہ مناقشت کا شائبہ تک نظر نہیں آتا۔

## ا۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا سیاسی نظام

جس طرح ہندوستان میں فخر افاغنہ غازی شیر شاہ سوری کا رائج کردہ زرعی، عسکری، اور سیاسی نظام آج تک قائم ہے۔ اسی طرح ایک سیاسی نظام وہ تھا جو اصحابِ رسول کی مقدس اور جنت آشیاں جماعت نے ۴۰ھ میں عصائے اسلام امیر المومنین سیّدنا معاویہؓ کی قیادت میں قائم کیا۔ ہر مرحلے میں ان کی تائید کی۔ اپنے مفید ملّت مشوروں سے نوازا۔ ان کے دست و بازو بن کر کشور کشائی اور اشاعتِ دین میں حِصّہ لیا۔ ان کے حسبِ حکم جہادوں میں شرکت کی۔ مناسکِ حج ادا کئے۔ نظامِ ربوبیت کو مضبوط بنایا۔ نظامِ عدل قائم کیا۔ اسلام کی عسکری قوت میں اضافہ کیا۔ ملّت کو ایک جھنڈے تلے جمع کر کے مرکزی حکومت کو مستحکم بنیادوں پر کھڑا کیا اور جماعت مومنین میں وحدتِ فکر اور جوشِ عمل پیدا کیا۔ جس سے اسلام کی شوکت و عظمت کا سِکّہ ایشیا، یورپ اور شمالی افریقہ میں بیٹھنے لگا۔ ہر شہر اور قریہ میں مساجد تعمیر ہوئیں اور ہر صبح تلاوتِ قرآن کے زمزموں سے فضائیں گونجتی رہیں۔

ا۔ یہ وہی نظام ہے جو خلافتِ بنو امیہ اور خلافتِ بنو عباس میں صدیوں تک چلتا رہا۔ اس نظام کے تحت جماعت المسلمین کی وحدت قائم رہی، تمام امور اکابر ملّت کے مشورے سے طے ہوتے رہے۔ اس میں نہ علمی حیثیت سے کسی خاندان کی اجارہ داری تھی اور نہ روحانی سربلندی کے لئے کسی خاندان یا کسی شخص سے وابستگی لازم تھی۔ اس نظام کا عملاً دار و مدار صرف قرآنِ حکیم اور سنتِ رسول کی اتباع پر تھا۔ من گھڑت، فرضی اور جعلی تواریخ۔ روایات اور تفاسیر نے بھی بار نہیں پایا تھا۔ ملّت شخصیت پرستی سے نا آشنا تھی اور زمانۂ جاہلیت کے مذہبی پیشوائیت نمود نہ کر پائی تھی۔

غلو فی البشر کا رواج تھا نہ مقبروں کی تعمیر اور قبر پرستی کی مشرکانہ رسم جاری ہوئی تھی۔ نہ اصولِ اسلام سے ہٹ کر تفرقہ بازی کا کسی کو خیال تھا۔ نہ گروہ سازی کی کسی میں جرأت تھی۔ جمہور صحابہ کرام کو دینِ اسلام کا مقتداء سمجھا جاتا تھا اور ان کے اجماع کو دینی حجت تسلیم کیا جاتا تھا اور کسی شخص کے واجب التعظیم ہونے کا ایک ہی معیار تھا۔

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ؕ (۴۹: ۱۳)

راسخ العلم ہونا۔ احکامِ الٰہی کی نافرمانی سے بچنا اور آئینِ خداوندی کی حدود کی نگہداشت کرنا۔ معاشرے میں معزز و سربلند بننے کا ذریعہ ذاتی قابلیت، صلاحیت، جرأت، تجربہ اور ملّی خدمات تھیں۔

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ (۶: ۱۳۲، ۴۶: ۱۹)

یہی وجہ تھی کہ:۔

ا۔ حضرت علیؓ کی وصیت کے مطابق ان کے فرزندان حضرت حسنین اور محمد بن حنفیہ وغیرہ نے اپنے چچا امیر معاویہؓ کو ملّت کا امام پیشوا تسلیم کیا۔ (نہج البلاغت)

ب۔ حضرت عقیل بن ابی طالب حضرت عباس اور ان کے فرزندان کی اطاعت میں شامل تھے۔

ج۔ اسی طرح حضرت علی عابد بن حسین اور عظام اہل خاندان بنوہاشم نے امیر المومنین خلیفہ یزید بن معاویہ کو اپنا امام و امیر تسلیم کیا وہ زندگی بھر ان کے وفادار و متبع رہے ان کے حق میں دعائے خیر کیا کرتے۔ **صَلَّ عَلٰی امیر المومنین۔ وَ اَحسَنَ الْجِزاء** (البدایہ والنہایہ) اور ہر سال امیر موصوف سے وظائف وعطایا حاصل کیا کرتے تھے۔

د۔ اسی طرح اثنا عشری سلسلہ کے تمام آئمہ محمد بن باقر بن علی عابد سے لے کر حسن عسکری تک اپنے اپنے وقت کے اموی اور عباسی خلفاء کی اطاعت میں داخل رہے انہوں نے کبھی اپنی امامت کا اعلان نہ کیا اور نہ ہی اپنے نام کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کیا۔ مندرجہ بالا واقعات سے ظاہر ہے کہ اموی نظام کی اسلام دوستی اور قرآنی طرزِ جہانبانی کو ملّت نے متفقہ طور پر تسلیم کیا گویا اموی نظامِ حکومت خلافتِ راشدہ ہی کا عکس تھا۔

# سر آغا خاں مرحوم کا ارشادِ گرامی

یہ اموی نظامِ خلافت ہی ہے جس کی صحت وصالحیت کے پیشِ نظر اسماعیلی فرقہ کے پیشواء سر شاہ محمد سلیمان آغا خان نے قیامِ پاکستان کے بعد اپنی تحریروں اور تقریروں میں فلاحِ ملّی کی خاطر اموی دَور کی سچّی تاریخ کی تدوین کی شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین ومؤرخین کو بار بار متوجّہ کیا تاکہ تعصّبات کے پَردوں میں جو حقیقت رُوپوش ہوگئی ہے۔ کھل کر سامنے آجائے چنانچہ انگریزی کتاب (عظیم خلفائے عباسیہ) مؤلفہ محمد۔ اے حارث کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

ا۔ دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی سلطنت کی حیثیت سے عالمِ وجود میں آیا ہے۔ اس لئے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دَورِ صد سالہ (خلافتِ بنو امیّہ) کی سچّی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے رکھی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر وتبصرہ کی شدید حاجت ہے۔

مصر وشمالی افریقہ میں تو اس قسم کی تالیف کی اس سے بہت کم ضرورت ہے جتنی پاکستان میں ہے کیونکہ وہاں کے مسلمانوں نے اس تشکیلی دَور کی عظمت وشان کو فراموش نہیں کیا ہے لیکن جغرافیائی حالات نے اس خطہ ہندوستان کو ایرانی اثرات سے بہت کچھ وابستہ کر رکھا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام کا ایک عالمگیر طاقت کی حیثیت سے باقی رہ جانا کلیۃً خاندان بنی امیّہ کے قریشی حکمرانوں ہی کا رہینِ منت ہے۔ جنہوں نے مغرب کی طرف سپین اور فرانس کے راستے اور رومتہ الکبریٰ اور قسطنطنیہ کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا شاندار خواب دیکھا تھا اور وہ یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہو جاتے۔ اگر تباہ کُن عباسی فتح نے اسلام کی اس یکتا اور صحیح متحدہ مملکت کو پامال نہ کر ڈالا ہوتا اس تاریخی حقیقت کو مسلسل اور متواتر ذہن نشین رکھنا چاہیئے تاکہ پاکستان کی آئندہ نسلوں کے مسلمان اکتسابِ فیض کی توقعات دمشق (شام) کی اثر آفرین اور فعال صدی سے وابستہ کریں نہ کہ کوفہ وبغداد کی جامد صدیوں سے............."

ب۔ موصوف نے فروری ۱۹۵۰ء میں ...... "اسلامی مملکتوں کی تاریخ، ان کا عروج وزوال اور مستقبل کی توقعات" کے عنوان سے کراچی میں ایک تقریر کی تھی۔ جس میں اس امر کا اظہار کرتے ہوئے کہ بیشتر اسلامی کتب تاریخ بنی امیّہ کے مخالف اثرات کے تحت لکھی گئی تھیں۔ فرمایا:۔

یقین جانئے کہ صحیح اسلام جامد نہیں بلکہ متحرک اور فعال ہے۔ بنو امیہ کے شان دار عہد میں وہ فعال ومتحرک۔ سیدھا وسادہ۔ خالص وبے میل رہا۔ اور اس کی بنیادیں کشادہ اور گہری رہیں۔ اتنی کشادہ اور گہری کہ آئندہ کی تمام کمزوریوں کے باوجود منگولوں کی خطرناک وتاراج اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ خطرناک یورپی دشمنی کے باوجود قائم وبرقرار رہا۔

آپ اپنے مؤرخین ومفکرین سے مطالبہ کریں کہ وہ اس شان دار صد سالہ اموی دورِ خلافت پر اپنی توجّہ مرکوز کریں اور اس عہد کے سیدھے سادھے عقیدے' کشادہ ذہنیت۔ نیز قانونی اور متکلمانہ جکڑ بندیوں سے آزاد وفعال خصوصیت کو بطور مثال کے سامنے رکھیں۔ آپ کو اپنے ملک میں بہت سے مسائل کا سامنا ہے اور یقیناً آپ اپنی مادی مشکلات پر غالب آجائیں گے لیکن آپ ملّت کی روح جذبہ اور ضمیر کا خیال رکھیں۔ آپ کی نظریں اسلامی تاریخ کی

تیسری صدی ہجری (خلافتِ عباسیہ) کی جانب نہیں بلکہ پہلی صدی ہجری (خلافتِ امیّہ) کی طرف اُٹھنی چاہئیں جس میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر بنو امیہ کے ہاتھوں میں تھی۔ امیر المومنین ولید بن عبد الملک سے لے کر امیر المومنین ہشام تک تمام اموی خلفاء کی بیعتِ اطاعت میں داخل رہے۔

سر آغا خاں مرحوم کا یہ ارشاد جو اموی نظام کی تابناکیوں پر فیصلہ کن شہادت کا درجہ رکھتا ہے کسی وضاحت و تبصرہ کا محتاج نہیں اب ہم بڑے اختصار کے ساتھ ان نظاموں کا تعارف...... محض تقابلی مطالعہ کے لئے پیش کرتے ہیں جنہیں وقتی مصلحتوں اور قومی عصبیتوں نے اسلامی ملکوں میں برپا کیا۔

## آلِ بُویہہ کا سیاسی نظام

عجمیوں کی مسلسل سازشوں' مفسدین کی شورشوں اور بعض طالع آزما علویوں کی سیاسی بغاوتوں نے جب عباسی خلافت کو کمزور کر دیا تو آل بویہہ نے حکومت میں دخیل ہو کر بنوکِ شمشیر امیر الامرائی کا عہدہ حاصل کیا پھر اپنے خاص اثر ورسوخ سے خلیفہ کو بے بس و بے کس بنا کر رکھ دیا اور ۳۲۰ھ سے ۴۴۷ھ تک اپنے دَورِ اقتدار میں ایک الگ سیاسی نظام جاری رکھا جس کے تحت اُمت بزور شمشیر جور وستم اور ظلم و تعدّی کی چکی میں پستی رہی اور اس نظام کے نمایاں خدو خال یہ تھے:۔

(۱)۔ قرآن مجید کی بجائے روایات کو دین کا مدار قرار دیا۔ (۲)۔ متداول قرآن کی بجائے روایت سے ایک خود ساختہ کتاب کو بطور قرآن پیش کیا جو خلیفہ القادر باللہ عباسی نے علماء کے مشورے کے بعد جلا دیا۔ (۳)۔ اصحابِ رسول پر لعن طعن اور خلفاء بنو امیہ پر سب و شتم کا سلسلہ جاری کیا۔ (۴)۔ سلفِ صالحین پر بہتان طرازی کو معیارِ تصنیف قرار دیا۔ (۵)۔ مغالاتِ فی البشر اور شخصیت پرستی شروع کی۔ (۶)۔ دسویں محرم کو ماتم کرنے اور عید غدیر کا رواج ہوا۔ (۷)۔ مشہد علی نجف میں اور مشہد حسین کربلا میں تعمیر ہوئے۔ (۸)۔ قبر پرستی کو فروغ ہوا اور گزرے ہوئے لوگوں سے استمداد کو توحید سمجھا گیا۔ (۹)۔ مسئلہ تقدیر کو فروغ دے کر شفاعت کے مسئلہ کو بڑی اہمیت دی۔ (۱۰)۔ حضرت علی اور ان کی اولاد حسینی کے ذکر کو موجبِ نجات قرار دیا۔ (۱۱)۔ حدیث کافی کلینی۔ نہج البلاغت۔ شرح ابن ابی الحدید۔ مسعودی یعقوبی اور اصفہانی وغیرہ کی تالیفات انہی کی سرپرستی میں لکھی گئیں۔ (۱۲)۔ شعائرِ اسلام کو پس پشت ڈال کر فواحش کو مذہبی حیثیت دے دی گئی۔ (۱۳)۔ عباسیہ کی ظاہری خلافت کے مقابلے میں تحریکِ امامت کھڑی کی اور اس کے اصول و ضوابط۔ مذہبی عقاید۔ عملیات اور عبادات کا جمہور اہلِ اسلام سے ایک الگ سلسلہ قائم کر کے ملّی وحدت میں افتراق پیدا کر دیا گیا۔

اس نظام کے تحت امامت کا حق صرف فاطمی قریشیوں کو تھا اور وہ بھی اس تصوّر کے ساتھ کہ محمد بن علی عابد کی شاخ کے چند افراد کو براہِ راست خدا کی طرف سے امامت ودیعت ہوئی تھی۔ نہ کہ ان کے چھوٹے بھائی زید بن علی اور ان کی اولاد کو (جس طرح حضرت حسن کی اولاد بھی امامت سے خارج ہے)

(ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ تاریخ طبری، الملل والنمل، الامامت والسیاست ابن خلدون اور اخبار الطوال وغیرہ)

# اسماعیلی سیاسی نظام

عباسی خلافت کے کمزور ہو جانے پر علوی مدعیانِ خلافت نے اپنے عجمی اور سبائی طرفداروں کی مدد سے دیلم، مصر اور مراکش میں اپنی اپنی حکومتیں قائم کر لیں۔ مصر میں ایک ایرانی نژاد عبید اللہ المہدی نے جو حکومت عباسی خلافت کے مقابلے میں قائم کی وہ فاطمی کہلاتی ہے۔ جس کا صدر مقام قیروان تھا جو بعد میں قاہرہ منتقل ہو گیا۔ عبیدی نظام کے تحت بھی امامت کا حق صرف مرحوم فاطمیوں کو تھا اور وہ بھی اس تصور کے تحت کہ یہ امامت حسینی نسل میں جعفر بن محمد باقر کے بیٹے اسماعیل کی شاخ کے افراد کو خدا کی طرف سے ودیعت کی گئی تھی نہ کہ ان کے دوسرے بیٹے موسیٰ الکاظم اور ان کی اولاد کو۔ اسماعیلی نظام کے نمایاں مظاہر یہ تھے۔

(۱)۔ جو شخص کتاب اللہ اور قولِ رسولِ پیش کرے اسے تہ تیغ کر دیا جائے چنانچہ مصر اور شمالی افریقہ کے ہزاروں مفتی خطیب اور علماء اہل سنت بے دریغ قتل کر دیئے گئے۔ (۲)۔ قرآن کریم کے ظاہری معانی و مطالب کو معطل کر کے تاویل کا سلسلہ قائم کیا اور باطنی مطالب کے نام سے ہر قسم کے فسق زندقہ اور الحاد کو فروغ دیا۔ (۳)۔ شعائرِ اسلام کی پابندی اور حلال و حرام کی تمیز ختم کر دی گئی۔ (۴)۔ اسماعیلی مذہب نے ایک الگ باطنی نظام قائم کیا جس کے عقاید و عملیات صرف اسی جماعت تک محدود تھے۔ جمہور اہلِ اسلام کو ان میں شامل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ (۵)۔ اثناء عشریوں کے برعکس انہوں نے امامت کا سلسلہ جاری رکھا اور حاضر امام کو شریعت پر حاوی سمجھ کر شرعی احکام کی پابندی کی بجائے امام کے احکام کی پابندی لازمی قرار دے دی۔ (۶)۔ اسماعیلیہ کی باطنی شاخ حسن بن صباح طوسی نے جبل الموت (خراسان) میں قائم کی۔ جس نے اسماعیلی داعیوں کے علاوہ فدائیوں کی بھی ایک جماعت قائم کی۔ جو عباسی مملکت کے ماتحت علاقوں میں اپنے خلاف تقریر کرنے والے علماء، فقہاء، مدبرین، عمائدینِ مملکت اور اعاظم رجال اہل سنت کو نصف صدی تک قتل کرتے رہے۔

ب۔ جب مسلمانوں کی جنگ عیسائی کفار فلسطین کے ساتھ ہوئی تو اسی وقت یہ (سادات کرام) عیسائیوں کے جھنڈے اُٹھائے ہوئے مسلمانوں کے خلاف جدال و قتال کرتے۔ (ج)۔ ۵۵۹ھ میں باطنی شاخ کے حاضر امام حسن بن محمد نے رمضان کے مہینے میں قلعہ الموت میں بیٹھ کر شراب پی اپنے مریدوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیا اور حلال و حرام کی پابندی ختم کر کے زنا کو جائز قرار دیا۔

(۷)۔ اسماعیلیہ کی دوسری شاخ قرامطہ پر مشتمل تھی۔ جس کا صدر مقام بصرہ تھا۔ قرامطی لوگ کوفہ بصرہ۔ کویت بحرین اور سندھ تک چھاگئے اور عباسی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے علاوہ نواحی علاقوں میں بے دینی پھیلاتے رہے۔ ہر سال حاجیوں کو لوٹ لیتے۔ اور اپنے مخالفیں کو قتل کر کے ان کی ہڈیاں بوٹیاں آگ میں ڈال دیتے۔ ان کے ان وحشت ناک کارناموں سے خائف ہو کر مسلمانوں نے حج کو جانا چھوڑ دیا۔ (ب)۔ قرامطہ خانہ کعبہ میں سے حجر اسود اکھاڑ

کر لے گئے اور ۲۲ سال تک اپنے قبضے میں رکھا اور حرمت کعبہ کو گھٹایا۔ آخر اسماعیلی خلیفہ الحاکم کے حکم سے واپس کیا کیونکہ دُنیائے اسلام میں اسماعیلیوں کے خلاف کفر والحاد کے فتووں سے فضا گونج اُٹھی تھی۔

(۸)۔ مصر کے خلیفہ الحاکم نے سازش کر کے مدینہ میں رسول اللہ کے روضہ تک ایک سُرنگ کھدوائی تاکہ حضور کے جسدِ مبارک کے آثار کو چُرا کر مصر لے جائیں اور وہاں ایک عالیشان مقبرہ بنا کر لوگوں کو مدینہ کی بجائے قاہرہ آنے کی دعوت دیں لیکن بروقت خبر ہو جانے سے مشتعل لوگوں نے سازشیوں کو قتل کرادیا اور ان کا منصوبہ ناکام رہا۔ (۹)۔ اسماعیلی خلفاء نے چونکہ فاطمی امامت کی الوہیت کی دعوت کو فروغ دیا تھا اس لئے غیر فاطمی اور ایرانی ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے کو فاطمی کہا اور بزورِ شمشیر کہلوایا اور اپنا نسب فاطمیوں کی اس شاخ سے ملالیا جو ان کے نزدیک اللہ کی طرف سے مقرر کردہ آئمہ پر مشتمل تھی۔ (۱۰)۔ آخر اللہ تعالیٰ کی غیرت جوش میں آئی اور اس نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے ذریعے مصری اسماعیلیوں کا سلطان ملک شاہ سلجوقی کے ہاتھوں طبرستان کے باطنیوں کا اور سلطان محمود غزنوی کے ہاتھوں سندھ وملتان کے قرامطہ کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ کرادیا۔ (ب)۔ اسماعیلی نظام کے بچے کھچے نشان آج بھی نزاری خوجوں اور مستعلی بوہروں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہیں یہ لوگ تجارت پیشہ ہیں جو بمبئی کراچی اور مشرقی افریقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ نزاری خوجوں کے حاضر امام کریم آغا خاں ہیں اور بوہروں کے امام غائب کے داعی مطلق ملا نجم الدین صاحب ہیں جو بمبئی میں رہتے ہیں غرضیکہ اسماعیلی فرقہ کے لوگوں کی دین اسلام سے بیگانگی اور اسلامی معاشرہ سے مغائرت ایک حد فاصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ تفصیل کے لئے مندرجہ ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں' (اسماعیلی مذہب کا نظام ڈاکٹر زاہد علی۔ تاریخ اسلام سید امیر علی۔ تاریخ فاطمیین مصر فاطمی دعوتِ اسلام وغیرہ۔

## صفویہ کا سیاسی نظام

اہل عجم نے خونِ حسین کو نعرۂ انقلاب بنا کر پہلے بنو امیّہ کے خلاف اور بعد میں بنو عباس کے خلاف مشرقی ولایات میں خوب مخاصمانہ پراپیگنڈہ کیا اور علویوں کو خلافت دلانے کی پشتی بانی کے بہانے عربوں کے تسلّط سے ایران کو آزاد کرانے کیلئے کئی سو سال تک رائے عامہ ہموار کرتے رہے آخر ۶۵۷ھ مطابق ۱۲۵۸ء میں ابن علقمی شیعی وزیر نے موقع پا کر ہلاکو خاں منگول کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی اور یوں عربوں کی عباسی خلافت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

(ب)۔ بغداد کی تباہی کے بعد ملتِ اسلامیہ کا مرکز ٹوٹ گیا اسلامی مملکت کے مختلف حصوں میں خود مختار ریاستیں قائم ہو گئیں۔ اہلِ ایران کے بھی دن پھرے اور انہوں نے اپنی قومی حکومت صفویہ کے نام سے قائم کر کے سکھ کا سانس لیا۔

(ج)۔ عباسی خلافت کے دوران ہی میں اہل عجم نے بعض فاطمی اولادِ علی کو از راہِ ہمدردی وحمایت کوفہ سے ایران منتقل ہونے کی دعوت دی چنانچہ کچھ لوگ علاقہ اہواز میں مع اہل وعیال شہر قم میں جا بسے ان میں سے بعض نے عجمی سازشوں کے ذریعے چھوٹی موٹی حکومتیں بھی قائم کر لیں لیکن مرکزی خلافت کا مقابلہ نہ کر سکے۔ (د)۔ جب مرکزی خلافت ختم ہو گئی تو اردبیل کے شیخ صفی الدین نامی ایک درویش نے موسیٰ کاظم فاطمی کے نسب سے ہونے کا

دعویٰ کیا اور ارادت مندوں کا ایک گروہ اپنے گرد اکٹھا کر لیا اس کی پانچویں پشت سے اسماعیل بن حیدر نے جمیعت بہم پہنچا کر گردو نواح کے علاقوں پر قبضہ کر لیا رفتہ رفتہ اس نے سیاسی اقتدار حاصل کر کے ایران میں حکومت قائم کر لی اور اپنا لقب شاہ اسماعیل صفوی اختیار کیا اس کے پوتے شاہ عباس صفوی نے ایران کا سرکاری مذہب شیعہ قرار دیا اور شیعی علماء کا بورڈ قائم کر کے شیعت کو بڑا فروغ بخشا۔ صفوی نظام کے نمایاں مظاہر حسبِ ذیل تھے:۔ (۱)۔ ملک کا سرکاری مذہب اثنا عشری شیعہ قرار دیا۔ (۲)۔ اہل سنت و الجماعت کے اکثر علماء اور فضلا اور فقہاء تہ تیغ کئے گئے۔ (۳)۔ متداول قرآن کو مشکوک قرار دے کر دین کو مذہب میں تبدیل کر دیا اور قرآنی احکام کی بجائے شیعی علماء بورڈ کے مرتب کردہ اقوال آئمہ کو دین کا مدار قرار دیا۔ (۴)۔ اموی اور عباسی خلفاء کے علاوہ خلفاءِ راشدین کو سب و شتم کرنے کا رواج ہوا۔ (۵)۔ امیر المومنین حضرت معاویہ امیر المومنین خلیفہ یزید کو خصوصاً مورد لعن و طعن ٹھہرایا گیا۔ (۶)۔ تفاسیر ' احادیث تواریخ اور فقہ کے علاوہ مذہبی عقاید، اعمال، عبادات دُعائیں تو کجا شادی اور موت تک کے معمولات بدل دیئے۔ گویا خانہ جدا اور گور جدا کا معاملہ کر دیا۔ اور ایران میں سوادِ اعظم سے کٹ کر ایک نیا معاشرہ قائم ہو گیا۔

(۷)۔ ۳۰ دن تک محرم میں مجلسِ عزا کا رواج ہوا جن میں ذریت علی اور اثنا عشری آئمہ کے فضائل و مناقب یا مصائب بیان کرنے اور شہدائے کربلا کے مرثیے پڑھنے کی طرح پڑی۔ (۸)۔ آل بویہہ کے قائم کردہ اصولِ امامت کو بحال کیا گیا مگر امامت کو موسیٰ بن جعفر سے لے کر حسن عسکری تک مخصوص کیا گیا ان کے بھائی جعفر ثانی بن علی نقی کے دعویٰ امامت سے انکار کر کے حسن عسکری کے ایک فرضی بیٹے (محمد) کو امام غائب قرار دیا گیا جسے بعد ازاں امام مہدی کا لقب دے کر قرب قیامت میں آنے کی بشارت دی گئی۔

**ناظرین:۔** آپ نے اسلامی تاریخ کے تمام سیاسی نظاموں کا مختصر خاکہ ملاحظہ فرما لیا یہ انصاف کا تقاضا نہیں کہ جن بزرگوں نے اپنی جانی و مالی قربانیوں سے اسلام کی مخلصانہ خدمات انجام دیں اور اس کا ڈنکا مشرق و مغرب میں بجایا انہیں تو ہم غاصب ظالم و جابر قرار دیں اور بعد کے جن لوگوں نے اسلام کو بنیاد ہی سے اکھاڑ کر پھینک دینے میں اپنی تمام قوتیں اور کوششیں صرف کر دیں ان کے فضائل و مناقب بیان کرتے نہ تھکیں۔ یقین کیجئے کہ اسلام کے نام سے جو دین ہم تک پہنچا ہے، انہی فاسدہ باطل نظاموں کے اثرات سے ملوث ہو کر ہمیں ملا ہے اب آپ آسانی سے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ساری تاریخ میں اسلامی نقطۂ نظر سے صالح نظامِ حکومت کونسا تھا اور فاسد نظام کونسا؟ ؎

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہئے

کیا مودودی صاحب یا ان کے کوئی ہم خیال بزرگ اس زاویہ نگاہ کو اجاگر کرنے کی ہمت کریں گے؟

(ایم جے۔ آغا)